اشرف التفاسیر

تفسیرِ نعیمی

مفسّر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ

چوک پاکستان، گجرات

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ ۱۷

مفسّر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ ٥ چوک پاکستان، گجرات۔

نام کتاب ــــــــ تفسیر نعیمی پارہ ۱۷ مکمل۔
نام مصنف ــــــــ صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان یوسف زئی، بدایونی ابن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان اشرفی قادری بدایونی
ناشر کتاب ــــــــ نعیمی کتب خانہ محلہ مسلم آباد مفتی احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان
تعداد پہلی بار ــــــــ گیارہ سو عدد ۱۱۰۰
سن اشاعت ــــــــ اکتوبر ۱۹۹۹ء اور ۱۴۲۰ھ ہجری جمادی الثانی
مطبع ــــــــ لاہور

سرٹیفکیٹ

تین بار اس کی تصحیح کی گئی، اور عربی آیات کی تصحیح تین عدد قرآن مجید سے کی گئی نمبر ۱ مکتبہ قرآن کمپنی ۹/۶ نمبر ۲ تاج کمپنی نمبر ۵۲ پاکستان نمبر ۳ مثل تاج کمپنی مطبع دہلی انڈیا تین حضرات نے تصحیح فرمائی۔ نمبر ۱ صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نمبر ۲ صاحبزادہ الحاج محمد عبد القادر خان۔ نمبر ۳ مولانا مولوی نذیر احمد مغل صاحب

التماس

حتی الامکان کوشش و جانفشانی سے حرفاً حرفاً، اس کی اردو عربی تصحیح کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی صاحب کو اردو یا عربی کی کوئی غلطی نظر آئے تو براہ کرم پورے حوالے کے ساتھ، یعنی صفحہ نمبر سطر نمبر لکھ کر ہم کو آگاہ فرمائیں ہم شکر گزار ہوں گے۔ اجر و ثواب کی امید رب تعالیٰ کی بارگاہِ قدس سے ہے۔
شکراً مع الاحترام۔ ادارہ نعیمی کتب خانہ گجرات

کاتب [illegible]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الانبیاء کے سات رکوعوں کی مختصر تفسیر اور فضائل و عملیات اور اس کا تعویذ

پہلا رکوع اس رکوع کی دس آیت میں پانچ باتوں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ ایک یہ کہ قیامت بہت قریب آگئی اور کفار و فساق غفلت میں بھٹکتے اور مست ہوئے پھر رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قرآن مجید توریت و انجیل کے بعد نئی نصیحت بن کر آیا ہے مگر کفار اپنے پہلوں کی طرح اس کو بھی کھیل و مذاق میں ہی سنتے ہیں حالانکہ بتا دیا گیا کہ یہ آخری کتاب ہے دوم یہ کہ پچھلے کفار کی طرح یہ ہمارے عظیم الشان محبوب نبی مختار کل رسول کو بھی اپنے جیسے ایک معمولی اور کمزور انسان ہی سمجھ رہے ہیں اور نبی مکرم کے معجزات کو جادو سمجھتے ہیں اور لوگوں کو جادو جادو کہہ کر ورغلاتے روکتے ہیں سوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوابی گفتگو کا ذکر فرمایا گیا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سب باتیں بلکہ وہ تو آسمان اور زمین کی سب باتیں سنتا ہے۔ چہارم۔ کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نبی تو خوابوں جیسی باتیں یا شاعروں جیسی کہاوتیں سناتے ہیں اور اتنے کثیر معجزے دیکھنے کے باوجود پھر بھی نشانیاں طلب کر رہے ہیں۔ پہلے انبیاء کے معجزات اب تو تسلیم کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اُن جیسے معجزے لاؤ مگر اس وقت کے کفار نے ان کو بھی نہ مانا جو تمہارے ہی بڑے تھے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا اور اگر تم کو اپنے پہلے باپ دادوں کی ہلاکت کا حال اور انبیاء سابقین کے معجزات، وحی کلام الٰہی کا پتہ نہیں تو اپنے پڑھے لکھے تاریخ دانوں سے پوچھ لو۔ پنجم کفار کے ایک بیہودہ سوال و اعتراض کا جواب دیا گیا۔ کفار کہتے تھے کہ یہ نبی ہیں تو ہماری طرح کھاتے پیتے کیوں ہیں ان کو وفات کیوں ہو گی، فرمایا گیا کہ ہم نے تو شروع سے آج تک کوئی جسم ایسا نہیں بنایا جو غذا نہ کھاتا ہو۔ نہ ہی کبھی کسی کو ہمیشہ زندہ رہنا ہے موت تو آخر ضرور ہی آتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اچھے بندوں کی موت نجات ہے اور بُروں کی موت ہلاکت۔ ارے کم عقلوں تم قرآن کے انکاری ہوتے ہو۔ اس قرآن کریم سے تو تمہاری ذات تمہاری زبان لغت تمہارے ملک کی عزت تا قیامت سارے جہانوں بلکہ جنت میں ابدالا باد تک قائم ہوتی ہے۔

دوسرا رکوع۔ اس رکوع کی اُنتیس آیت میں حسب ذیل دس باتوں کا ذکر فرمایا گیا ایک یہ کہ فرمایا گیا کہ کتنی ہی بستیاں گزشتہ زمانوں میں ان کے ظلم و فساد مچانے کی وجہ سے ہم نے تباہ کر دیں اور اُن کے علاقے میں دوسری قومیں و نسلیں ہم نے پیدا فرما دیں اور ضروری نہیں کہ ہمارا عذاب آسمان کی طرف سے ہی آئے جنگ و جدال اور دشمن کے حملوں کی صورت میں بھی ہمارا عذاب پہلے ظالم لوگوں پر آتا رہا ہے تو جب اُن

ظالموں نے جنہوں نے معصوم انبیاء پر ظلم کیا تھا ہمارا زمینی حملہ آوری عذاب آتا محسوس کیا تو منہ چھپا کر بزدل ہو کر بھاگنے لگے۔ تو کہنے والوں نے پکار کر کہا کہ اے گستاخو بے ادبو ظالموں نہتوں پر رعب جمانے والو بزدلو اب کیوں بھاگ رہے جاؤ اپنے ان ہی گھروں کی طرف جہاں تم کو اتنے عیش و آرام دیئے گئے تھے شاید تم کو کوئی تمہارا حال پوچھنے والا بھی نہ ملے۔ اس دنیوی عذاب کو دیکھ کر توبہ کرنے لگے مگر اب کیا فائدہ توبہ تو وہ اچھی جو نبی علیہ السّلام کی فرمانبرداری سے ہو۔ وہ توبہ اور معافی مانگتے ہی رہے مگر ہم نے دشمنوں کے حملوں کے ذریعے ان سب گستاخوں کو تہس نہس کر دیا۔ دوم فرمایا گیا کہ کوئی مخلوق بیکار نہیں پیدا کی گئی نہ آسمان نہ زمین نہ جمادات نباتات حیوانات۔ لہٰذا تم بھی صرف کھانے پینے عیش و عشرت کے لیے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ تم سے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی غلامی و فرمانبرداری کرانی ہے سوم بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کے ابنیت والے عقیدہ کا بطلان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم اپنے گھر کی رونق بنانے کے لیے اولاد بنانا چاہتے تو وہ اولاد حسب دستور ہمارے پاس رہتی ہم ان کو اپنے پاس ہی رکھتے نہ کہ تمہارے پاس یعنی عزیر علیہ السّلام وغیرہ جو یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ کفریہ میں ابن اللہ ہیں وہ اللہ کے پاس ہی رہتے نہ کہ دنیوی عالم یا آسمانوں میں فرشتوں کے پاس۔ چہارم فرمایا گیا کہ ہم حق کے ذریعے باطل کو ہلاک و برباد فرماتے ہیں۔ پنجم فرمایا گیا کہ آسمان و زمین کی تمام مخلوق ہماری ملکیت ہیں نہ کہ حصے دار شریک وارث ثابت فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں کوئی اللہ کی اولاد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اولاد مملوک نہیں اور مملوک اولاد نہیں ہو سکتی۔ ششم مقربین بندوں کی صفات بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ کہ ان کی تین صفات اور شانیں ہیں ۱ عبادت کر کے مغرور نہیں ہوتے ہر دم عاجزی ہی کرتے ہیں ۲ عبادت سے کبھی نہیں تھکتے ۳ رات دن ہر کام عبادت بنا کر کرتے ہیں کبھی سستی و غفلت نہیں کرتے ہر دم ہر کیفیت میں اپنے اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اس فرمان میں بندوں کے تین گروہ کا تذکرہ ہے انبیاء کرام۔ ملائکہ۔ اولیاء اللہ۔ ہفتم فرمایا گیا کہ جب اتنی کثرت و قوت والی مخلوق ہر دم ہماری عبادت میں ہے تو یہ کفار ہم کو بھی مانتے ہوئے دوسرے دیوی دیوتا کیوں بنائے پھرتے ہیں حالانکہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور دوسرا معبود حقیقی بھی آسمان و زمین میں ہوتا تو یہ آسمان و زمین دونوں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹوٹ پھوٹ جاتے لہٰذا مان جاؤ کہ عرشِ اعظم جیسی بڑی چیز کا رب ہی اللہ سبحانہ فقط معبود ہے اور اگلے پچھلے کفار کے عقیدے سب غلط ہیں اسی کی شانِ جلال ہے کہ اس سے کوئی شخص کسی بات کی پوچھ گچھ کی جرأت نہیں کر سکتا [illegible] کافروں سے جھوٹے

معبود بتانے پر دلیل مانگو۔ ہشتم یہ کہ اگلی آیت میں قرآن مجید اور اس کی وحی کا ذکر ہے اگلی پچھلی موجودہ امت کا ذکر ہے اپنی عبادت کرنے کا تذکرہ نہم بات یہ کہ۔ فرمایا گیا کفار تو انبیاء اور ملائکہ کو اللہ سبحانہ کی اولاد بتاتے پھرتے ہیں مگر یہ اللہ کے نیک اور مقرب و مکرم بندے ہیں ان کی صفات ۱ اللہ کے سامنے دم نہیں مارتے اس کی اجازت بغیر بات نہیں کرتے ۲ اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے ہر حال کی خود خبر گیری فرماتا ہے ۳ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے شفاعت بھی کرتے رہتے ہیں جس کی شفاعت کرنے کی اللہ خوشنودی و اجازت فرماتا ہے ۴ اور وہ مقرب بندے اللہ کے جلال سے ڈرتے و خائف رہتے ہیں۔ دہم فرمایا گیا کہ اگر مخلوق میں کوئی بھی یہ کہے کہ اے لوگو میں تمہارا معبود ہوں اللہ کے سوا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے اسی طرح ہم تمام ظالموں کو سزا دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً نمرود، فرعون، ہامان، شداد، اور ابلیس وغیرہ شیاطین کو۔ تیسرا رکوع اس رکوع کی بارہ آیت میں آٹھ باتیں بیان فرمائی گئیں ۱ آسمان اور زمین کی شان و صفات بیان فرمائے گئے ۱ پہلے یہ دونوں بند تھے ان کے خزانے ان کے اندر ہی چھپے اور بند تھے پھر ترتیب وار ان کے خزانے ظاہر ہوئے اور ہوتے رہیں گے ظاہری بھی جو آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ باطنی بھی جو رویت قلبی اور سوچ و فکر سے معلوم ہوتے ہیں ۲ زمین کی بناوٹ اور ایک جگہ ٹھیرے ہونے کا ذکر ۳ آسمان کے ٹھہرے ہونے کا ذکر کہ اس کو محفوظ چھت فرمایا گیا کفار ان آنکھوں دیکھی قدرتوں سے بھی منہ پھیرتے ہیں۔ دوم آگے فرمایا گیا کہ رات دن چاند سورج ایک فضا میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ سوم۔ فرمایا گیا کہ کسی مخلوق کو دائمی بقا نہیں جو زمین پر آیا اس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ لہٰذا کسی کی موت پر نہ خوشی مناؤ نہ کسی کی موت کا انتظار کرو۔ دنیوی زندگی تو اچھے برے کے امتحان و آزمائش کی گھڑی ہے چہارم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ آپ کا ہی مذاق نہیں اڑاتے یہ تو رحمٰن اور اپنے رب سے منکر ہیں پنجم انسان کی جلد بازی کا ذکر ششم آئندہ قریبی وقتوں کی اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیاں جو عقل انسانی کو حیرت میں ڈالیں وہ ظاہر کی جائیں گی یعنی اسلام کی بلا وسیلہ و اسباب ترقی و غلبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر سلطنت و عروج وغیرہ۔ ہفتم انکار قیامت و عذاب الٰہی میں کفار کی گفتگو اور ان کا جواب بیان ہوا۔ ہشتم۔ پہلے کافر بھی اپنے رسولوں کا مذاق و انکار ہی کرتے رہے اسی مذاق بازی کی وجہ سے ان پر ہلاکت کا عذاب آیا تھا۔ چوتھا رکوع۔ اس رکوع کی نو آیت میں سات باتیں مذکور ہوئیں۔ اولاً یہ کہ۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات جو ہر قسم کے بندے پر ہیں ان کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اس کے باوجود کفار کی ناشکریاں اور کفریات ہیں فرمایا گیا کہ کافروں کو

اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا نہ بت نہ دیوی دیوتا۔ یہ زندگی اور عیش ساما نیاں لمبی عمریں ہم نے ہی عطا کیں ہیں نہ کہ بتوں نے۔ لیکن اب زیادہ مہلت وقوت نہیں دی جائے گی بلکہ دیکھیں گے کہ دن بدن ان کی سلطنتیں بادشاہتیں حکومتی قوتیں اور زمین کے ملکی اور سلطنت کے حدود سرحدی کنارے کم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ دوم۔ تبلیغ احکام اور پیغام وحی کا ذکر فرمایا گیا۔ سوم۔ کفار کے نہ ماننے کی وجہ بیان ہوئی کہ وہ بہرے ہیں۔ چہارم۔ فرمایا گیا کہ یہ بڑے شوق سے جلد بازی سے عذاب مانگا کرتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ اگر عذاب کی ذرا سی پھنکار بھی ان کو چھو جائے تو چیخ اٹھیں کہ ہائے ہم ہلاک ہو گئے اور اپنے سب ظلم وکفر کا اقرار کر لیں۔ پنجم۔ قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے گئے کہ حساب وکتاب کے لیے میزانِ عدل قائم ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ششم۔ فرمایا گیا کہ توریت دی گئی جس میں تین چیزیں تھیں فرقان یعنی قانونِ الٰہی شریعت اور ضیاء یعنی ایمانی روشنی اور ذکر یعنی نصیحت متقیوں کو۔ ہفتم متقیوں کی نشانیاں بتائی گئیں کہ کون متقی ہوتا ہے۔ ہشتم آخر میں فرمایا گیا کہ اے توریت کو ماننے والو یہ قرآن مجید بھی برکتوں والی نصیحت اور قانون ہے۔ اس کے منکر کیوں ہوتے ہو۔ پانچواں رکوع۔ اس رکوع کی پچیس آیت میں چار باتوں کا ذکر ہوا۔ پہلی یہ کہ آیت ۱ سے ۲۵ تک ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر ہے اِس قصّے کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے دس باتیں ارشاد ہوئیں ۱۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بچپن سے ہی یا عالمِ ارواح سے تمام ہدایتوں کو پانے والے تھے رب تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ اِن تمام سعادتوں کے لائق ہیں ۲۔ آپ نے چچا آذر کو جس طرح ایمان لانے کی تبلیغ وترغیب فرمائی اُس کا ذکر ہے ۳۔ اپنے چچا کی قوم کو سمجھانا۔ بتوں اور کافروں کو پرستش ونقصان دِہ فرمانا ۴۔ قوم کی انکاری باتیں اور ابراہیم علیہ السلام کا وعظ ونصیحت فرماتے ہوئے رب تعالیٰ کی حمد وثنا فرمانا ۵۔ بتوں کی مخالفت اور ایک خاص موقعہ پر ہر چھوٹے بڑے بُت کی توڑ پھوڑ کرنا اور بڑے بُت کے کندھے پر وہی ہتھوڑی رکھ دینا تاکہ سمجھیں کہ بڑے بُت نے یہ سب توڑ پھوڑ کی ہے اور کہا جا سکے کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو اس اپنے بڑے بُت سے پوچھ لو۔ اور ان کو اپنے ان بناوٹی خداؤں کی بے بسی پر شرمندگی ہو تاکہ وہ مومن بن جائے ۶۔ قوم کا میلے میں جانا پھر واپسی پر اپنے بتوں کی حالت دیکھنا اور انتہائی غم وغصے میں ابراہیم علیہ السّلام سے پوچھ گچھ کرنا ابراہیم السّلام کے جواب پر سب کا شرمندہ سرنگوں ہونا اور دل میں اپنے آپ کو بے وقوف اور ظالم کہنا۔ اور بتوں کا حال بتانا لیکن کفر پر ہی قائم رہنا حالانکہ دل میں جان گئے کہ بُت نرے مجبور ہیں بول بھی نہیں سکتے ۷۔ حضرت ابراہیم کا دشمنوں کے بھرے مجمع میں انتہائی بہادری سے تبلیغ فرمانا اور کفر کے نقصانات بیان فرمایا ۸۔ قوم کا

لاجواب ہو کر آپ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کرنا اور آگ میں ڈال دینا ۹ آگ کا سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا ہونا ۱۰ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ نمرودی قوم کفار نے تو ہمارے ابراہیم کے خلاف بڑے بڑے مکر کئے مگر ہم نے کافروں کو ہی ذلیل ورسوا اور دنیا و آخرت کا گھاٹے نقصان والا کیا۔ دوم ارشاد ہوا کہ ہم نے ابراہیم اور لوط علیہما السّلام کو ہر کافر کے دغا فریب مکر و فساد اور دشمنی ظلم سے نجات فرمائی جب تمام امتحانات میں کامیاب ہو گئے تو ہم نے اپنے خلیل کو بیٹوں پوتوں کا اولاد عطا فرمائی اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ اولاد کو صالح نیک متقی بلکہ اکثر کو نبی بنایا۔ یہ رب تعالیٰ کی بڑی کریمی ہے کہ اولاد نیک صالح ہو سرکش فسادی فاسق فاجر چور ڈاکو ظالم شیطان نہ بنے۔ اور مزید انعام یہ کہ حضرت ابراہیم کے ان بیٹوں پوتوں کو علم کثیر دے کر اقوامِ عالم کا امام بنایا اور دنیا کا ہادی و مرشد بنایا سوم یہ کہ ہم نے اولادِ ابراہیم کو وحی اور الہام کی نصیحت بھیجی کہ ۱ ہمیشہ اچھے کام اعمالِ خیر کرنا ۲ نمازیں قائم رکھنا ۳ زکوٰتیں دیتے رہنا۔ اِن نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے وہ ہمیشہ پابندی سے ہماری عبادت کرتے رہتے تھے چہارم۔ لوط علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا تذکرہ ہے کہ ۱ ہم نے ان کو علم وحکمت عطا فرمائی ۲ ان کی گندگی اور خباثت والی قوم سے نجات بخشی ۳ اپنی خاص رحمت میں ان کو کرم سے داخل فرمایا بیشک وہ صالحین میں سے تھے۔ چھٹا رکوع۔ اس رکوع کی اٹھارہ آیت میں آٹھ باتوں کا بیان ہوا۔ اوّل نوح علیہ السّلام کا ذکر فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت نوح کو اُن کے دعا مانگنے التجا کرنے پر کافر قوم سے نجات دی اور تمام ضدی کفار کو سیلاب کے طوفان میں ڈبو دیا۔ دوم آیت ۷۸ سے آیت ۸۲ تک حضرت داؤد اور اُن کے فرزند حضرت سلیمان علیہما السّلام کا ذکر ہو رہا ہے یہاں سات چیزیں بیان ۱ بکریوں اور کھیت کے جھگڑے دونوں حضرات کا ایک ایک فیصلہ اور سلیمان علیہ السّلام کے فیصلے کی تائیدِ ربّانی ۲ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر فرمایا گیا اس طرح کہ وہ سب حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ باآوازِ بلند تسبیح اور حمدِ الٰہی کرتے تھے ۳ حضرت داؤد کو زرہ وغیرہ جنگی لباس بنانے کی صنعت اور کاری گری سکھائی گئی یہ ان کا معجزہ تھا۔ اس لیے کہ لوہے سے زرہ بنانا ایجاد فرمایا پہلے زرہ بنانا کوئی نہ جانتا تھا اور لوہا آپ کے ہاتھ میں جا کر موم ہو جاتا تھا آپ کو لوہاروں کی طرح تپانا نہ پڑتا تھا یہ جنگی لباس داؤد علیہ السلام کے طفیل سب انسانوں کو رب تعالیٰ نے عطا فرمایا لہٰذا سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے مسلم ہوں یا غیر مسلم ۴ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے آندھیوں اور تیز ہواؤں کو مسخر کر دیا کہ اس زمانے میں حضرت سلیمان کے حکم سے ہوائیں چلتی تھیں ۵ فرمایا گیا کہ ان تمام حالات سے ہم واقف ہیں ہمارے علم سے کوئی چھپ نہیں سکتی ۶ حضرت

سلیمان کے لیے جنات و شیٰطین بھی مسخر فرما دئے گئے کہ وہ ان کے حکم کے غلام بن گئے تھے کہ سمندروں میں غوطہ لگا کر موتی نکالتے اور سلیمان علیہ السّلام کا ہر کام نہایت تابع داری سے کرتے تھے ۔ ہم نے ہی جنات کی سرکشی سے ہر چیز کو بچایا محفوظ رکھا ہوا تھا اور شیطانوں کو کام بگاڑنے سے روک رکھا تھا۔ سوم۔ ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو انہوں نے کافی دنوں کے بعد اپنے رب تعالیٰ سے اپنی بیماری کا ذکر عرض کیا اور شفا کی طلب کی تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بیماری سے شفا دی بیماری کے زمانے میں حضرت ایوب اور اُن کی اولاد لونڈی غلاموں کا جانی مالی جتنا نقصان ہوا تھا سب وہ بھی دیا گیا اور اس کے علاوہ مزید بھی ہم نے عطا فرمایا۔ چہارم۔ تین انبیاء علیہم السّلام کا ذکر فرمایا اسماعیل اور ادریس اور ذُوالکفل علیہم الصّلوٰۃ والسلام فرمایا گیا کہ یہ تینوں بھی صابرین میں سے تھے اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل فرمایا تھا یہ سب صالحین میں سے تھے۔ پنجم۔ حضرت ذوالنون یعنی یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کس طرح ناراض ہو کر اپنی قوم سے دور چلے گئے پھر دریا کی مچھلی نے ان کو نگلا اور وہ مچھلی کے پیٹ میں آیت کریمہ پڑھتے رہے ہم نے انکی التجا میں فریاد اور اعتراف لغزش قبول فرمایا تو ان کو نجات دی اور اسی طرح ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں ششم آیت ۸۹ سے ۹۰ تک حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی نرینہ اولاد کے لیے دعا مانگی ہم نے ان کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا اور ان کو ایک اُولو العزم نبی رسول حضرت یحییٰ عطا فرمائے گئے۔ اولاد کے لیے ان کی بانجھ بیوی کو قابلِ اولاد بنایا یہ سب خاندان والے اہل خانہ والدین اور فرزند اچھے کاموں میں جلدی کرتے تھے اُمید و بیم سے ہم کو پکارتے تھے اور تقوے کے اعلیٰ مقام پر رہ کر ہمیں خشوع وخضوع سے یاد کرتے تھے ۔ یہاں حضرت مریم کا اشارۃً ذکر فرمایا گیا کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی تو ہم نے اُن کے جسم میں اپنی خاص روح پھونکی جس کے ذریعے ان کو قدرتِ الٰہی سے ایک بیٹا عطا فرمایا اور دونوں ماں بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے قدرت کی شاندار نشانی قرار دیا۔ ہشتم ہم نے فرمایا کہ ابتدا سے انتہا تک سب دین بنیادی اور اصُولی طور پر ایک ہی توحید و عقائد والا ہے۔ اگرچہ نام مختلف ہوتے رہے اور میری ربوبیت تم سب کے لیے ہے لہٰذا سب کائنات پر فرض ہے کہ میری عبادت کرو اور سب کو لوٹنا بھی ہماری ہی طرف ہے۔ ساتواں رکوع اس آخری رکوع کی اُنیسؔ آیت میں بارہؔ باتیں ارشاد ہوئیں۔ اوّل۔ کفار کی بیہودہ امیدوں اور فضول تمناؤں اور خیالی عقیدوں کا رد فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ جو بھی دنیا سے ایک دفعہ ہلاک ہو کر مر گیا وہ دوبارہ پھر کبھی بھی لوٹ کر دنیا میں نہیں آسکتا۔ اُس کے لیے واپس آنا حرام و ناممکن ہے جو یہاں سے نیک صالح اعمال کر کے گیا اُس کے اعمال کی بے قدری بربادی نہ ہوگی سب بحفاظت لکھے جا رہے ہیں۔ دوئم۔ قیامت کی ایک نشانی بتائی جا رہی ہے کہ یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ تمام روئے زمین پر پھیل جائیں گے

سوم۔ ارشاد ہوا کہ قیامت قریب آگئی جو حق وعدہ ہے۔ آج کفار منکر ہیں مگر جب آپہنچی گی تو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ پھر ہائے ہائے کرتے سب کچھ مانیں گے اور اپنی غلطی تسلیم کریں گے۔ چہارم۔ کفار کا انجام بیان فرمایا گیا کہ تم اور تمہارے سب بت اور معبودانِ باطل جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ ہی دلیل ہے بتوں کے جھوٹا ہونے کی۔ پنجم جہنم میں ان کی کیفیت بیان کی گئی۔ ششم جہنمیوں کے ذکر کے بعد جہنم سے دور رکھے جانے اور بچائے جانے والوں کا ذکر ہوا کہ وہ اتنے دور ہوں گے جہاں جہنم کی بھنک نہ پہنچے گی۔ وہ جنت میں رہیں گے اور اُن کی جنتی زندگی کی شان بیان فرمائی گئی۔ ہفتم۔ آسمان اور زمین کو پیٹنے کا ذکر ہوا۔ اور دوبارہ زندگی ملنے کا تذکرہ ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے ضرور پورے فرماتا ہے۔ ہشتم۔ زبور میں لکھا ہے کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوتے رہیں گے۔ نہم۔ فرمایا گیا کہ قرآن تمام دنیا کے لیے کافی ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کا سچا بندہ عبادت گزار بننا چاہے تو اس کے لیے اب قرآن مجید ہی تا قیامت کافی ہے اس کو کسی آسمانی یا دنیوی کتاب کی ضرورت نہیں۔ دہم۔ اے پیارے نبی تم تمام جہانوں کے لیے رحمت کامل ہو۔ گیارھویں حکم فرمایا گیا کہ ساری کائنات میں میری لاشریک اُلوہیت کا اعلان فرما دیجئے۔ اور اقوام عالم کو دعوتِ اسلام دیجئے۔ وہ مانیں یا نہ مانیں۔ فرمایا گیا کہ قیامت کا فقط تذکرہ کرو حتمی وقت نہ بتاؤ کہ دور ہے یا نزدیک وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی فرما دو کہ مولیٰ تعالیٰ تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے ظاہر ہوں یا خفیہ۔ فرما دو کہ یہ زندگی اور عیش و آرام تمہارے لیے ایک امتحانی ڈھیل اور عارضی مہلت بھی ہو سکتی ہے یہ کوئی قبولیت کی نشانی نہیں۔ بارھویں۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کا ذکر فرمایا گیا جو بدر و حنین کی شکل میں قبول ہوئی۔ فرما دو کہ ہمارا رب رحمٰن ہی مددگار ہے تمہاری خرافات کے مقابل۔ اس سورۃ پاک میں سات چیزیں خصوصیت اور اہتمام سے ذکر فرمائی گئیں ۱۔ کفر کے نقصانات ۲۔ ایمان لانے کے فوائد ۳۔ اس سورت میں سولہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماءِ پاک مختصر ذکر کے ساتھ بیان فرمائے گئے اسماءِ مبارکہ علی الترتیب اس طرح ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارونؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ حضرت نوحؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ حضرت ایوبؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ حضرت ذوالکفلؑ، حضرت یونسؑ حضرت زکریاؑ حضرت یحییٰ علیہم السلام ۴۔ اصلِ ایمان یعنی توحید باری تعالیٰ کے عقلی دلائل بیان فرمائے گئے ۵۔ اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق یعنی فرشتوں کا ذکر اور شانِ بندگی کا ذکر فرمایا گیا جس سے کفار کے غلط عقیدوں کی تردید ہوئی ۶۔ توحید و رسالت کے بارے میں کفار کے غلط عقیدوں کی تردید ہوئی ۷۔ آخر میں نیک و بد انسانوں کے انجام کا ذکر فرمایا گیا۔

سورۃِ انبیاء کے فضائل جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی

کا اظہار فرمایا اور صحابہ کرام نے جشن منایا ۔ ۲ اس سورتِ پاک میں خصوصی طور پر ان انبیاء کرام کی شان و عجت بیان کر دی گئی جن کے متعلق عیسائی گستاخانہ عقائد رکھتے ہیں ۔ مثلاً داؤد، سلیمان ۔ اور لوط علیہم السلام ۔ آج کی بائبل میں ان کے متعلق گندے اور کفریہ عقیدوں سے بھری پڑی ہے ۔ ۳ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پورے قرآنِ مجید کی صرف چار آیت ہیں جن کو اسمِ اعظم کہا گیا ہے ان میں سے تین آیت اسی سورۃ میں ہیں پہلی آیت ۸۳ دوسری آیت ۸۷ تیسری آیت ۸۹ ۔ اسمِ اعظم کے درجہ والی چوتھی آیت پارہ ۲۴ سورۃ مومن (غافر) کی آیت ۴۴ ہے ۔ (از ماخوذ عملیات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۴ اس سورت کا بیشتر حصہ حرم شریف میں نازل ہوا اس کے ذریعہ حرم شریف کو یہ سعادت حاصل ہوئی یہ ہی پہلی سورت ہے جس کی کچھ آیت حرم شریف میں نازل ہوئیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

سورۃ الانبیاء کے عملیات ۔ صاحب عملیات فرماتے ہیں ہر مصیبت کی مشکلات دور کرنے کے لیے اس سورت کی آیت مندرجہ ذیل طریقے سے تلاوت کرے تو بڑی سے بڑی مشکل بھی دور ہو جاتی ہے تجربہ شدہ ہے بشرطیکہ بندے کی روزی و خوراک حلال و طیب ہو ۔ اس طرح طریقہ ہے کہ اولاً تازہ غسل کرے خوشبو لگائے پاکیزہ صاف نئے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہنے ۔ اگر کسی وجہ سے غسل نہ کر سکے تو تازہ وضو کرے اور وضو میں دنیوی باتیں نہ کرے پھر یہ سب کام کرکے چار رکعات نفل ایک سلام سے پڑھے ۔ پہلی رکعت میں ثنا اور سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سو مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ پھر رکوع سجدہ حسبِ دستور ۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سو دفعہ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔ پھر تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سو دفعہ پڑھے وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۔ پھر چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ پڑھے ۔ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۔ پھر رکوع سجود التحیات کے بعد سلام پھیر کر ۔ سورۃِ قمر کی آیت ۱۰ سو مرتبہ پڑھے ۔ رَبِّ ۔ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ پھر اپنی حاجت اور حلِ مشکلات کے لیے گیارہ دفعہ دعا مانگے پھر یہ کپڑے اتار کر دوسرا کوئی جوڑا پہن لے یہ کام تین دن کرے بہتر ہے کہ بدھ جمعرات اور جمعہ کی راتوں میں بعد نمازِ عشا کرے تینوں ۔ دنوں میں کپڑے وہی پہلے دن والے پہنے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ کام ضرور ہوگا ۔ دوم ۔ اگر کوئی شخص غمگین یا پریشان حال ہو تو سورۃِ الانبیاء کو ہر روز پڑھے کسی بھی نماز کے بعد ۔ اول آخر درود شریف گیارہ دفعہ اور درمیان میں سورۃِ انبیاء پوری مکمل تین دفعہ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی غم باقی نہ رہے گا پریشانی دور

ہوگی۔ سوم۔ اگر کوئی شخص دشمنوں سے خائف ہو تو کسی عامل اور با اجازت صاحب تعویذات سے اس کا تعویذ لکھوا کر اپنے پاس رکھے خواہ گلے میں پہنے۔ تعویذ کا زائچہ یہ ہے۔ اس کے کل اعداد ۳۸۲۲۱۹ ہیں اور اس کی چال خانہ تیرھویں میں ہے

٤٨٦

٩٥٥٥٤	٩٥٥٥٧	٩٥٥٦١	٩٥٥٤٧
٩٥٥٦٠	٩٥٥٤٨	٩٥٥٥٣	٩٥٥٥٨
٩٥٥٤٩	٩٥٥٦٣	٩٥٥٥٥	٩٥٥٥٢
٩٥٥٥٦	٩٥٥٥١	٩٥٥٥٠	٩٥٥٦٢

چہارم اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کا دل نورِ ایمانی سے روشن ہو جائے تو تا عمر روزانہ بعد نمازِ عشا با وضو قبلہ رخ بیٹھ کر تین دفعہ تلاوت کرے۔ اول آخر درود شریف گیارہ دفعہ۔ (نوٹ) تمام تلاوتوں میں شرط لازمی ہے کہ الفاظ حروف اور اعراب یعنی زیر زبر جزم پیش شد مد کی ادائیگی بالکل صحیح ہوا کرے۔ سورۃ انبیاء میں فقہی حنفی کے استنباط سے تقریباً تیراسی ۸۳ مسائل شریعت ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور اس سورت آیت جلیلہ و عظیمہ سے تقریباً باسٹھ ۶۲ فوائد مسلمانوں کو حاصل ہو رہے ہیں اور شانِ نبوت کی ایک واضح جھلک جو اس سورت میں نظر آرہی ہے کہ مختلف آیت میں آسمانی و زمین مخلوق کی شان و کمال بیان فرمانے کے بعد آخر میں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جہانوں پر شانِ احسان بیان فرمائی، کہ کائناتِ مخلوق میں یہ جہان ہیں یہ جہان والے ہیں۔ اور ان سب کے لیے یہ ہمارے محبوب احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ رحمت ہیں اور تمام جمادات نباتات حیوانات شمس و قمر کواکب و شمر یہاں تک کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لیے بس وہی ایک رحمتِ تامہ قائمہ دائمہ ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں تمام اولین آخرین انسانوں کے لیے حسابِ قیامت کا ذکر اور حساب کے لیے شفاعت ضروری آیت ۲۸ میں آسمان و زمین کے علم کا ذکر آیت ۴ میں آسمان و زمین کی مخلوق کا ذکر آیت ۱۹ میں فرشتوں اور ان کی عبادت کا ذکر آیت ۲۵ میں ہر نبی کی تبلیغِ دین و توحید کا ذکر آیت ۳۰ میں پانی کی نعمت کا ذکر آیت ۳۱ میں زمین کے ساکن ہونے کا ذکر آیت ۳۲ میں آسمان کے چھت ہونے کا ذکر آیت ۳۳ میں رات دن سورج چاند کی نعمت پیدا کرنے کا ذکر آیت ۳۵ میں حیاتِ دنیوی کے امتحان ہونے اور فنا ہونے کا ذکر آیت ۴۳ میں جھوٹے معبودوں بتوں کی کمزوری بیان کی گئی آیت ۴۷ میں میزانِ قیامت کا ذکر آیت ۴۸ میں موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو ضیاء فرقان و ذکر ملنے کا بیان آیت ۵۰ میں قرآن مجید ذکر مبارک ہے آیت ۵۱ ابراہیم علیہ السلام کو رشد دیا گیا آیت ۵۸ میں ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی آیت ۶۹ یا نار کونی بردًا و سلامًا آیت ۷۵ لوط علیہ السلام کی شان آیت ۷۷ نوح علیہ السلام کی شان آیت ۷۸ میں داؤد و سلیمان علیہما السلام کی شانِ عدالت آیت ۸۰ صنعتِ داؤدی کا ذکر آیت ۸۲ میں سلطنتِ سلیمانی کا ذکر آیت ۸۴ صبر ایوب علیہ السلام اور شان و انعام کا ذکر آیت ۸۶ میں اسماعیل و ادریس و ذی الکفل کی شان کا ذکر آیت ۸۸ میں واقعاتِ یونس علیہ السلام آیت ۹۰ زکریا و یحییٰ علیہما السلام کی شانِ کرامت کا ذکر آیت ۹۱ میں مریم و عیسیٰ علیہما السلام کی شان کا ذکر آیت ۹۴ میں مومنین کے انعامِ اُخروی کا ذکر آیت ۹۶ یاجوج ماجوج کے خروج کا ذکر آیت ۱۰۰ میں کفار کا دوزخ میں حال آیت ۱۰۳ اہل ایمان کی اُخروی بشارت ۱۰۷ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

سُوْرَةُ الْاَنْبِیَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ انبیاء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں اس کا ترتیبی ۲۱ اور نزولی نمبر ۷۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بخشنے والا رحم فرمانیوالا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

بہت ہی قریب آگیا لوگوں کے ان کا حساب اور وہ سب ہی پڑے ہوئے ہیں غفلت میں

لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ

مُّعْرِضُوْنَ ۝١ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ

منہ پھیرنے والے۔ کبھی نہ ہوا کہ آیا ہو ان کے پاس کلام ان کے رب کی طرف

پھیرے ہیں۔ جب ان کے رب کے پاس سے انہیں

مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٢

نیا مگر سنا۔ انہوں نے اس انداز سے کہ وہ مذاق ہی اڑا رہے ہیں

کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ

حال یہ ہے کہ مست ہیں ان کے دل۔ اور سرگوشی میں راز داری کی ان لوگوں نے

ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت

ظَلَمُوا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ

جنہوں نے ظلم کیا۔ کیا نہیں ہے یہ نرا تم جیسا عام بشر ہی کیا پس ملنے آتے ہو تم
کی کہ یہ کون ہیں ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں کیا

السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۳

ایک جادوگر کو حالانکہ تم سب کچھ سمجھتے ہو
جادو کے پاس جاتے ہو دیکھ بھال کر

تعلقات اس سورت پاک کا پچھلی سورۃ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی سورۃ طٰہٰ میں انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا اب اس سورۃ پاک میں انبیاء کرام کی تعلیم و تبلیغ اور پاکیزہ اخلاق کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق پہلی سورۃ طٰہٰ کی آخری آیت میں قیامت اور عذاب سزا جزا کے انتظار کا ذکر کیا گیا اب اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں قیامت عذاب حساب کتاب کے انتظار کی گھڑی قریب آنے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی سورۃ طٰہٰ کی اکثریت میں کفار کی ضد حسد سرکشی اور اسلام سے منہ پھیرنے اور دولت کے عیش میں رہنے کا ذکر ہوا اب اس سورۃ کی آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی کہ وہ کفار غفلت میں زندگی بسر کرتے بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ چوتھا تعلق پچھلی سورۃ طٰہٰ میں فرعون موسیٰ کا تفصیلی ذکر ہوا کہ فرعون نے معجزات دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور معجزوں کو جادو کہا تھا۔ اب اِس سورۃ میں اس واقعے کو تفصیل سے بیان کرنیکی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ جس طرح اُس نے معجزوں کو جادو کہا تھا اسی طرح اِس زمانے کا فرعون ابوجہل اور اُس کے ساتھی پیارے نبی آخرالزمان کے معجزات کو دیکھ کر بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ سب جادو ہے۔

شانِ نزول مکے کے سرداران کفار انکارِ قیامت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور اگر آنی بھی ہے تو ابھی بہت زمانوں بلکہ صدیوں دراز مدتوں بعد بہت دور ہے لہٰذا ڈرنیکی کوئی بات نہیں ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئیں جس میں بتایا گیا کہ قیامت بہت ہی قریب ہے اور دن بدن قریب ہوتی جا رہی ہے۔ یہ سرکشی و غفلت سراسر نقصان دہ ہی ہے۔ (خزائن العرفان)

تفسیر نحوی

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ۔ اِقْتَرَبَ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب یہ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے کبھی لام جارہ سے کبھی مِنْ سے یہاں لِلنَّاسِ یعنی لام سے متعدی ہے قُرْبٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِقْتِرَابٌ بمعنیٰ قریب آنا۔ قُرْبٌ بُعْدٌ کی ضد (نقیض) ہے لِلنَّاسِ۔ لام حرف جر تعدیہ بمعنیٰ لوگوں کا، لوگوں کے لیے یا بمعنیٰ عِنْدَ یعنی لوگوں کے پاس یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اس تقدم سے حصر اور متوجہ کرنے کا فائدہ حاصل ہوا حِسَابُهُمْ یہ مرکب اضافی فاعل ہے۔ واؤ حالیہ اس کا مابعد حال ہے حِسَابُهُمْ ضمیر کا هُمْ ضمیر جمع غائب مبتدا ہے فِیْ جارہ ظرفیہ کیفیتی غَفْلَةٍ اسم حاصل مصدر آخر کی ۃ مصدریہ اور تنوین تعظیمی ہے بمعنیٰ سخت لاپرواہی۔ لاعلمی بھول یہ جار مجرور متعلق مقدم مُعْرِضُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر کا باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِعْرَاضٌ بمعنی منہ پھیرنا عَرْضٌ سے مشتق ہے هُمْ ضمیر صیغہ اس کا پوشیدہ فاعل ہے ان تمام بارز و مستتر ضمائر جمع غائب کا مرجع لِلنَّاسِ ہے۔ ایک قول ہیں۔ فِیْ غَفْلَةٍ پوشیدہ۔ وَاقِعُوْنَ اسم فاعل کا متعلق ہے اور یہ جملہ اسمیہ موصوف یا بیان ہے مُعْرِضُوْنَ کا مگر یہ غلط ہے مُعْرِضُوْنَ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی هُمْ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اِقْتَرَبَ کے متعلق نَاسِ کا یا حِسَابُهُمْ کی هُمْ ضمیر کا اِقْتَرَبَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ مَا حرفِ نفی زائدہ یعنی عمل نہیں کرتا نہ لفظی نہ معنوی خیال رہے کہ مَا حرفِ نفی تین قسم کا ہے (۱) وہ جو جملہ اسمیہ کے اول میں آئے وہ مشبہ بلَیْسَ ہوتا ہے اور فعل ناقصہ جیسا عمل کرتا ہے (۲) وہ جو فعل ماضی پر داخل ہو وہ معنوی عمل کرتا ہے کہ مثبت کو منفی فعل بنا دیتا ہے (۳) وہ جو فعل مضارع پر داخل ہو وہ مضارع کو منفی نہیں بناتا بلکہ اپنے معنیٰ (نفی) کو پورے جملے پر جاری کرتا ہے فعل بذاتِ خود اپنے صیغے میں مثبت ہی رہتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایسا کبھی بھی نہ ہوا کہ یہ ہوا ہو مگر انہوں نے ضد نہ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس مَا کے بعد مضارع بمعنیٰ حال ہی ہوتا ہے۔ نیز کبھی اس کے بعد اِلَّا آتا ہے کبھی نہیں۔ یَاْتِیْ باب ضرب کا مضارع مثبت واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا۔ ملنا یہاں بمعنیٰ ملنا ہے۔ هِمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ناس ہے ایک قرأت میں تَاْتِیْهِمْ ہے واحد مؤنث۔ مِنْ جارہ زائدہ متعدی بنانے والا ذِكْرٍ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ نصیحت۔ آیت یا بمعنی کلامُ اللہ ایک قول میں ذِكْرٍ سے مراد ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ جار مجرور محلاً مرفوع ہے کیونکہ باطناً فاعل ہے یَاْتِیْ کا موصوف مِنْ رَّبِّهِمْ

یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے۔ مُحْدَثٍ باب افعال کا اسم مفعول واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِحْدَاثٌ حَدَثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نیا ہونا اسی سے ہے حادث بمعنیٰ نو پید جو پہلے نہ ہو (ممکن) قدیم اور واجب کا غیر اسی سے ہے حادثہ (اچانک ہونے والا کام) بحالت جرہ صفت ہے ذِکْرٍ کی دونوں مل کر مجرور ہوا جار مجرور مل کر متعلق دوم یا صفت دوم فاعل معنوی (باطنی) ہوا یَاْتِي کا۔ اِلَّا حرف استثنا مفرغ کیونکہ مستثنیٰ مِنْہُ مذکور میں اس اِلَّا نے سابقہ نفی کو توڑ دیا ایک قرأت میں محدثٌ پڑھا گیا ہے ذِکْرٌ کے محلی رفع کی وجہ سے اِسْتَمَعُوْا باب افتعال کا فعل ماضی جمع مذکر غائب بعض نحات کے نزدیک یہاں ذِکْرٌ مقدر ہے کیونکہ اِلَّا فعل پر داخل نہیں ہوتا۔ دراصل ہے اِلَّا ذِکْرًا اِسْتَمَعُوْہُ (ذالحو) یہاں آخر میں الف اس لیے نہیں آیا کہ حشو دُہرائی جو الف سے کرنا تھا وہ ضمیر سے ہو گیا۔ سَمْعٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِسْتِمَاعٌ بمعنیٰ سننا متعدی ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع لِلنَّاسِ ہے ہُ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ ہے مرجع ہے ذِکْرٌ واؤ حالیہ ھُمْ ضمیر مبتدا یَلْعَبُوْنَ باب فتح کا مضارع جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے لَعِبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مذاق اڑانا مذاق و دل لگی کرنا۔ کھیلنا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اِسْتَمَعُوْا کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے یا یَلْعَبُوْنَ کے ھُمْ ضمیر مفعول بہ کا یَاْتِي فعل اپنے باطنی اور متعلق۔ مفعول بہ وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ مگر ابھی مکمل نہیں ہوا۔ اگلی عبارت اس کا حال ہے لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ۔ لَاهِیَةٌ باب نَصَرَ یا سَمِعَ کا اسم فاعل واحد مؤنث ہے لَھْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بے علمی یا واقفی ناسمجھی کی بنا پر کسی اچھی چیز سے منہ پھیرنا چھوڑ دینا بے رغبتی کرنا بعض کے نزدیک لَھْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کھیل مذاق میں مشغول رہنا۔ بحالت نصب ہے کیونکہ یہ پورا جملہ حال ہے قُلُوْبُهُمْ یہ مرکب اضافی فاعل ہے لَاهِیَةً کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَلْعَبُوْنَ کے فاعل ایک قول میں لاھیۃٌ رفع سے ہے کیونکہ خبر دوم ہے ھُمْ مبتدا کی — اگرچہ یہ پورا جملہ حال ہے اور اس پورے جملے کا محلی یعنی موقع محل کے لحاظ سے اعراب نصب ہے مگر چونکہ اصل جملہ عامل ہوتا ہے اس لیے جب کہ اس پر لفظی اعراب آسکتا ہو تو لفظی بھی ضرور آئے گا لیکن جب لفظی اعراب نہ آسکے جیسے مبنیات اور معرب مضارع تب صرف محلی اعراب ہوتا ہے۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۔ واؤ برجملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) یہ ہمیشہ زائدہ ہوتی ہے۔ اَسَرُّوا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْرَارٌ سِرٌّ سے مشتق ہے مضاعف ثلاثی ہے ترجمہ ہے خفیہ اور نہایت آہستہ آواز سے

بات کرنا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسی سے سُرور اور مَسرور بمعنیٰ دلی پوشیدہ خوشی مگر یہ غلط ہے کیونکہ اُس کا مصدر سِتر نہیں بلکہ سُرٌ (سُتر) ہے بالفتحہ اَلنجویٰ۔ اسم جامد حاصل مصدر بمعنی راز بھید خاص بات قلبی بلکہ بعض نے فرمایا سِر اور نجویٰ ہم معنیٰ ہے یہاں دونوں کا ذکر تاکیدی مبالغے کے لیے ہے یعنی بہت ہی بہت فارسی میں اس کو سرگوشی اور اردو میں کانا پھوسی کہتے ہیں بحالتِ فتحہ تقدیری ہے مفعول بہٖ اَسَرُّوا کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے۔ نجویٰ کا مصدر نَجْوٌ یا نَجِیٌّ ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ظَلَمُوْا بابِ ضرب کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر بدلُ الکل ہوا اَسَرُّوا کے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل کا۔ اَسَرُّوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبری قول ہوا۔ ھَلْ حرفِ استفہام ہے مگر چونکہ اس کے بعد اِلَّا استثنائی ہے اس لیے یہاں نفی سوالیہ کے لیے اردو میں ترجمہ ہے۔ کیا ایسا نہیں جب اِلَّا نے نفی توڑی تو مطلب ہوا کہ ایسا ہی ہے۔ ھٰذا اسم اشارہ قریبی بمعنیٰ یہ۔ مراد مشار الیہ ہے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا حرف استثنا متصل بَشَرٌ اسم مفرد جامد مبتدا مِّثْلُکُمْ مرکب اضافی خبر ہے دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا ھٰذا کا دونوں مل کر معطوف علیہ اَفَ۔ دراصل ہے فَ اَ۔ سوالکو اہمیت دینے کے تعقیب عکسی کی جاتی ہے اس طرح تقلیب عکسی سے ایک موجودہ جگہ قرآن مجید میں اَفَ مذکور ہے فَ حرفِ عطف تعقیب کے لیے ہے آ حرفِ سوالیہ ہے تَاْتُوْنَ بابِ ضرب کا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا، یا چلانا یا جانا دراصل تھا تَاْتِیُوْنَ یٰ متحرکہ کے ثقل کی وجہ سے تعلیل نحوی میں یٰ محذوف ہوئی اور اُس کا پیش (ضمہ) ماقبل کو واؤ کی مناسبت سے دیدیا گیا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ، پوشیدہ ہے جس کا مرجع النَّاس ہے۔ اَلسِّحْرَ۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بحالتِ نصب مفعول لہٗ ہے یعنی جادو کے لیے اور تب اَتٰی بمعنیٰ جانا ہے ایک قول میں اَلسِّحْر بمعنیٰ ساحر ہے یعنی جادوگر تب اَتٰی بمعنیٰ ملنا ہے اور یہ مفعول بہٖ ہے۔ واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ۔ اَنْتُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل کیونکہ مبتدا ہے تُبْصِرُوْنَ بابِ افعال کا فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا۔ تَاْتُوْنَ کے فاعل کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے ھَلْ ھٰذَا پر دونوں عطف مل کر مقولہ خبری ہو کر قول مقولہ خبری ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا بعض نے فرمایا ھَلْ ھٰذَا کا پورا جملہ بدل ہے یا عطف بیانی ہے نجویٰ کا مگر پہلی ترکیب درست ہے۔

سورۃ انبیاء کا تعارف یہ سورۃ تمام آیت میں مکی ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور جو سورت ہجرت سے پہلے نازل ہو وہ مکی ہوتی ہے اس کا نمبر نزول تہتر ۷۳ ہے یعنی یہ سورۃ

بہتر سورتوں کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ ابراہیم کا نزول نمبر ۷۲ ہے اور اس کی ساتھ والی سورۃ حج کا نزول نمبر ۱۰۳ ہے سبحان اللہ قربان جاؤں علم مصطفیٰ کے کہ کس طرح آپ نے نزولی متفرق سورتوں آیتوں کو ترتیب الٰہی کی عرشی و آسمانی لڑی میں پرو دیا۔ اس میں سات رکوع۔ اور قراء کوفہ و مکہ کے نزدیک اس کی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور قراء مدنی و بصری کے نزدیک اس کی ایک سو گیارہ آیت ہیں۔ آیت ۶۶ میں اختلاف ہے پہلے قول میں قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ سے لَا يَضُرُّكُمْ تک ایک آیت ہے اور اُفٍّ لَّكُمْ سے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تک ایک آیت ۶۷ ہے۔ اس طرح ایک سو بارہ آیتیں بنتی ہیں یہی جمہور کا قول ہے اور درست ہے۔ مشہور ہے۔ دوسرے قول میں قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ سے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تک سب ایک ہی آیت ہے ۶۶ اس طرح تمام آیت ایک سو گیارہ بنتی ہیں۔ اس سورۃ کے کل الفاظ ایک ہزار ایک سو اٹھاسی ہیں اس کے حروف چار ہزار آٹھ سو ساٹھ ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کے حروف چار ہزار آٹھ سو نوے ہیں۔ تیس حروف زائد۔ غالباً انہوں نے کھڑی زبر کو بھی الف مانا ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (تفسیر مدارک و ابن عباس)

اس سورۃ میں آٹھ چیزیں مذکور ہوئیں ۱؎ غافلین کو جھڑک ۲؎ رسول اور نبی علیہم السّلام کی معرفت اور پہچان کا غلط معیار اور صحیح معیار کا بیان اور یہ کہ انبیاء علیہم السّلام کو اپنی برابر سمجھنا طریقۂ کفار ہے —

۳؎ توحید باری تعالیٰ کی پہچان اور معرفت کے عقلی فکری آفاقی دلائل ۴؎ دنیوی زندگی کا بیان کہ وہ کھیل کود کے لیے بے نتیجہ نہیں دی گئی۔ بلکہ اگلی اُخروی زندگی کی بڑی کامیابی یا ناکامی حاصل کرنے کے لیے دارالعمل ہے۔ اس لیے ہر شخص سے حساب لیا جائے گا۔ حیاتِ دنیوی کو کھیل کود عیاشی سمجھنا نظریۂ کفار ہے ۵؎ فرشتوں کے متعلق کفار کے باطل عقیدے کا بیان اور اس کی تردید و بطلان ۶؎ مختلف آیات میں چند انبیاء علیہم السّلام کی سیرتِ طیبہ کا بیان تاکہ ہر بندہ اُن کے طرزِ عمل اور زندگی کے ہر مرحلے ہر شعبے میں اُن جیسا صبر، شکر، ثابت قدمی، استقلال اور لائحہ عمل اختیار کرے ۷؎ کفار کی اس غلط فہمی اور فریب خوردگی کا بطلان فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے باوجود عذاب کیوں نہیں آتا اگر وہ سچے ہوتے تو مخالفوں پر عذاب آجاتا ۸؎ آخر میں تین چیزیں بیان ہوئیں۔ اوّلاً یہ کہ نیکی اور صداقت کی پیروی ہی کامیاب زندگی ہے اس حق پرستی میں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ہے اسی میں فرشتوں کی مرحبا کی دولت ہے اسی میں ایمان کی بقا ہے ثانیاً۔ پھر قرآن مجید کی شان بیان فرمائی گئی سوم اور پھر آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت نبوّت تامّہ قائمہ اور رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا ذکر فرمایا گیا۔ اس سورۃ کا نام سورۃ انبیاء ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اس میں سولہ انبیاء کرام علیہم السّلام کے اسماءِ مقدس۔ القابِ معظم، مختصر تذکرہ اور خصوصی شانِ انعاماتِ الٰہیہ کا بیان ہے از آیت ۴۸ تا آیت ۹۱ ۱؎ حضرت موسیٰ۔

۲ هرون ۳ ابراہیم ۴ لوط ۵ اسحاق ۶ یعقوب ۷ نوح ۸ داؤد ۹ سلیمٰن ۱۰ ایّوب ۱۱ ادریس ۱۲ اسمٰعیل ۱۳ ذوالکفل شیث ۱۴ ذوالنون یعنی یونس ۱۵ زکریا ۱۶ یحییٰ علیہم السّلام چنانچہ فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا۔ اور ہم نے موسیٰ وھٰرون کو فرقان اور روشنی و ذکر دیا۔ آیت ۵۱ میں ارشاد ہوا۔ اور ہم نے ابراہیم کو تمام عالم کی رُشد و ہدایت دے دی۔ آیت ۷۵ میں فرمایا گیا۔ ہم نے اسحاق و یعقوب کو ہدایتِ ربانی کا امام بنا دیا۔ آیت ۷۴ میں ارشاد ہوا۔ ہم نے لوط کو حکمت و علم عطا فرمایا آیت ۷۶ میں فرمایا گیا۔ ہم نے اِن سب سے پہلے نوح کو مقبولُ الدّعا بنایا اور ان کی ہر ہر دعا قبول فرمائی۔ آیت ۸۰ میں فرمایا گیا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ۔ ہم نے داؤد کو لباس عجیبہ بنانے کا ہنر سکھا دیا۔ اور ان کے لیے پہاڑ و پرندے مسخر کر دئے آیت ۸۱ میں ارشاد ہوا۔ ہم نے سلیمان کو حکمت و علم دیا اور پورے جہان کی ہوائیں مسخر کر دیں کہ ان کے حکم سے ہوائیں چلتیں، آیت ۸۴ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے ایوب کو اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ اپنے پاس اُن کو اُن کے دُگنے اہل واموال کے ساتھ ساتھ رحمت عطا کی اور عابدین میں ان کا چرچہ قائم فرمایا۔ آیت ۸۶ میں ارشاد ہوا ہم نے اسماعیل اور ذی الکفل (شیث) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ آیت ۸۸ میں ارشاد ہوا۔ ہم نے ذوالنون کو مقبولُ الدّعا بنا دیا اور بھاری غم سے نجات دی۔ اُن کو کائنات کے لیے اپنی قدرت کا عجیب نشان بنا دیا۔ آیت ۹۰ میں فرمایا گیا ہم نے زکریا کو مستجابُ الدّعوات بنا دیا اور ان کو یحییٰ جیسا سراپا رحمت بیٹا دیا۔ آیت ۹۰ میں فرمایا گیا۔ یحییٰ پر چار انعام تھے ۱ سُرعت فِی الخیرات ۲ رغبت فی الدّعا ۳ رَهبت فِی الالتجا ۴ اور خشعت فِی الاَعمال۔ پھر آخر میں اپنے محبوب کی شان بیان فرمائی کہ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ چونکہ اِس سورۃ میں از اوّل تا آخر صرف انبیاء کرام کی شان و انعام کا ذکر ہے اس لیے رب تعالیٰ نے اس کا نام سورۃ انبیا رکھا۔ ورنہ دیگر بہت سی سورتوں میں انبیاء علیہم السّلام کے احوال افعال اقوال اور القاب و اسماءِ مبارکہ اس سورۃ سے بھی زیادہ مذکور ہیں اور سورۃ انعام میں تو اٹھارہ ۱۸ انبیاء علیہم السّلام کے اسماءِ پاک ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ۔ کیا عجیب ظلم و حماقت ہے اِن کفار و منافقین اور فاسقین و فاجرین کا اپنی جانوں پر کہ قریب آگیا اِن لوگوں کا یومِ قیامت والا حساب جو کبھی نہ ٹل سکے اور وہ بدنصیب ہزار سمجھانے کے باوجود ابھی تک غفلت میں ہی پڑے ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ رسول کے دین ایمان اخلاص اطاعت اتباعِ اعمالِ آخرت سے منہ پھیرنے والے اور دنیوی افعال و کردار میں بڑی چستی چالاکی سے منہمک۔ کفار ظالم منافق بدقسمت اور تا قیامت فاسقین احمق

ہیں اور کفار و غافلین کا اعراض یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ کوئی بھی نیا ذکر یعنی بار وعظ نصیحت تبلیغ آیت و احادیث بذریعہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ان کے رب تعالیٰ کی طرف ایسا نہیں آیا جس کو وہ مان لیتے ہوں مگر وہ بے توجہی بے دھیانی کرتے ہوئے اس انداز میں سنتے ہیں کہ وہ گویا ان سب ایمانیات کو کھیل سمجھتے ہیں۔ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ۔ کیونکہ ان کے دل مذاق بازی میں لگنے والے ہیں خود دور کی غفلت میں پڑے ہوئے نہ آیت میں تدبر نہ فرمان احادیث میں تعقل نہ اپنے انجام میں تفکر نہ پچھلی عذاب زدہ ہلاک و تباہ شدہ اقوام قریات کی تواریخ و مشاہدات میں تفقہ۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان کو پانچ قوتیں عطا فرمائی ہیں پہلی قوت سماعت دوم، اگر سماعت درست ہو تو بصارت حاصل ہوتی ہے ۳ بصارت درست ہو تو بصیرت ظاہر ہوتی ہے ۴ بصیرت ظاہر ہو تو تدبر پیدا ہوتا ہے ۵ تدبر کیا جائے تو تفکر نمودار ہوتا ہے ان پانچوں کو استعمال کیا جائے تو تفقہ بیدار ہوتا ہے۔ ان کو صحیح استعمال کے دو ذریعے ہیں۔ پہلا ہے توجہ قلبی۔ دوم تصلّب عقلی یعنی قلب اگر سمجھنے پر آمادہ ہو تو عقل قائم ہو کر ڈٹ جاتی ہے۔ اس لیے کہ

عقل اندر حکم دل یزدانی است ۔۔۔ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

اگر عقل میں تصلّب نہ ہو تو لعب ہے اور اگر دل میں توجہ نہ ہو تو لہو ہے۔ لہو سبب ہے یا علّت ہے لعب کا۔ ہر دنیوی کام لعب ہے اور دنیا کو اصیبت دینا آخرت سے غافل ہو جانا لہو ہے یہاں اس سورۃ میں چار چیزوں کا اس ترتیب سے ذکر فرمایا گیا کہ پہلے غفلت کا ذکر پھر اعراض کا پھر لعب پھر لہو کا ذکر۔ نیز سورۃ محمد کی آیت ۳۶ میں بھی ارشاد ہوا کہ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ۔ یہ ترتیب اس لیے ہے کہ لہو علّت ہے لعب کی اور لعب علّت اور وجہ ہے اعراض کی اور اعراض علّت ہے غفلت کی انسان کے قلب میں جب لہویت آتی ہے تو عقل میں لعبیت آجاتی ہے اور جب عقل میں لعب ہو تو طبیعت میں اعراض پیدا ہوتا ہے اور جب طبیعت میں اعراض ہو تو مزاج میں غفلت آجاتی ہے اور غافل انسان اپنی غفلت کی بنا پر ہر اچھائی اور مفید چیز کا تمسخر اڑاتا ہے تمسخر کا انداز استہزا ہے۔ استہزا سے ذھول اور ذھول سے سفاہت، سفاہت سے حماقت، حماقت کے تین درجہ ہیں پہلا درجہ فسق اس سے اوپر چھپی منافقت اس سے اوپر کھلا کفر۔ ان مقامات و حالات میں انسان سے احساسِ نقصان و ضیاع ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں سمجھ پاتا کہ ہر گزر جانے والی ساعت دور ہو رہی ہے اور آنیوالی ساعت قریب ہو رہی ہے۔ غافل لوگ گردشِ ایام کو عمر زیادہ ہونے کا نام

دیتے ہیں کہ فلاں کی عمر زیادہ ہو گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ٭ گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

غافلین و فاسقین نے کبھی اس فرمانِ نبوی پر غور نہیں کیا جو آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدس فرمایا کہ۔ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ یعنی میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیں یعنی مومن کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی۔ یا کافر کی سبابہ اور وسطیٰ انگلی۔ اور قیامت میں صرف اتنا ہی زمانہ دوری باقی رہ گیا ہے جتنا اس بڑی چھوٹی انگلی کی درازی میں۔ یہ حدیثِ پاک تفسیر ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ کی کہ اے غافلو اب قیامت آنے اور حساب آخر قائم ہونے میں نہ مکانی بُعد ہے نہ زمانی۔ مکاناً بھی قیامت قریب ہے جیسے کہ دو انگلیاں بیچ کی انگلی میں جتنی معمولی تھوڑی سی درازی ہے بس موت اور موت کا فرشتہ بھی اتنا ہی دور ہے۔ اور موت سے قبر قبر سے میدانِ محشر ملا ہوا ہے۔ زمانی قرب اس طرح کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب نہیں۔ اب کسی کا زمانہ نہ آئے گا اب تو نبوت کتاب ہدایت رحمت برکت عزت سب کچھ میرے ہی پاس ہے میرے بعد صرف قیامت کا انتظار ہے میں اور قیامت بلا فاصلہ ملے ہوئے ہیں اے غافلو تم سمجھتے ہو کہ قیامت دور ہے۔ مگر رب تعالیٰ کے علم میں اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ ہے۔ اب مومن مسلمان عامل مکلّف عابد زاہد بننے کی مدت بہت تھوڑی رہ گئی ہے اور یہ صرف کفارِ مکہ کو ہی تنبیہ نہیں بلکہ تا قیامت ہر کافر کی مذمت کرتے ہوئے ہر فاسق گناہگار کو بھی جھڑک فرمائی جا رہی ہے اور ذکر سے مراد آیت احادیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ نصیحتیں۔ اور اولیا علما کی بھی تبلیغیں ہیں۔ محدث سے مراد نئی بار یا بار بار آیت و احکام کا اُترنا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف محافل و مجالس میں وعظ فرمانا بار بار سمجھانا ہے۔ اور کفر منافقت۔ فسق و فجور حرام و باطل عقائد و نظریاتِ لغویات سے روکنا ہے۔ لیکن ان تمام مشفقانہ محبانہ نصیحتوں آیتوں معجزوں کو دیکھنے سننے کے باوجود وَاَسَرُّوا النَّجْوَى۔ اور بجائے عقل سے کام لے کر راہِ راست و طریقہ نجات پر آنے کے خفیہ اجتماعات اور محفلیں قائم کر کے ایسی سرگوشیاں اور آہستہ باتیں کرتے ہیں یہ اپنی جانوں پر ابدی اُخروی ظلم کرنے والے کفارِ مکہ یہ مجلسیں اور باتیں یا اس لیے ہیں کہ دیکھیں اگر یہ نبی ہیں تو ان کو ہماری خفیہ اجتماعی محفلوں اور آہستہ باتوں کا پتہ لگتا ہے یا نہیں اگر سچا نبی ہوگا تو اس کو علم غیب بھی ملا ہوگا جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ ان گستاخوں بدنصیبوں کافروں کو پتہ نہیں کہ ہمارے یہ محبوب نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تو بعد وصال تا قیامت کائنات کے ناریوں

کے خفیہ آہستہ سلاموں کو بھی سن لیتے ہیں اسی لیے رب نے التحیات میں سلام کو مخاطب اور آہستہ رکھا اور یا انِ کفار کی آہستہ خفیہ محفلیں اس لیے ہیں کہ اسے سردار وہ تم سب اپنے نوکروں خادموں، حمایتیوں، غلاموں ماتحتوں ملازموں کو یہ باتیں سمجھاؤ کہ وہ گلی گلی کوچہ کوچہ ہر اپنے پرائے مسافر مقیم واقف واجنبی وغیرہ ہر اس آدمی کو بتائے جو مسلمان ہونے کی طرف راغب ہو یا مسلمانوں کے پاس جاتا ہو یا اسلام کی باتیں سنتا ہو اس کو اسلام سے دور نبی سے نفور اور قرآن سے متنفر کرنے ہوئے کہو کہ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے یہ جنہے نبوت کا دعوی کیا ہے، یہ نبی نہیں کیونکہ یہ تو ہر چیز میں تمہاری برابر ہے۔ ذرہ بھر کسی خوبی طاقت قدرت میں تم سے زیادہ نہیں کھانے پینے سونے جاگنے میں تمہاری طرح محتاج بیماری تندرستی لاغری ضعیفی میں تمہاری طرح کمزور بچپن جوانی بڑھاپے میں تمہاری جیسی عمر بال کھال جسم اعضا میں تمہاری ہم شکل غرضکہ زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں وہ تم پر کس طرح کی برتری حاصل کر سکے۔ جب یہ نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہو جائے اور اس کو اللہ کے پیغام آتے ہوں ہاں البتہ یہ فصیحانہ کلام حیران کن باتیں اور وہ چند عجیب معجزات جو تم نے اُس کے ہاتھوں دیکھے مثلاً چاند چیر دیا جلی گٹھلی یا بے گٹھلی کے کھجور اگا دیا یا عمرو بن ہشام ابوجہل کے ہاتھ مٹھی کی کنکریوں سے اپنا کلمہ پڑھوا دیا وغیرہ وغیرہ تو یہ سب جادوگری ہے اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ۔ تو کیا تم اُس کے جادو میں پھنسنا چاہتے ہو ہمارے مشاہدے اور بتانے سمجھانے کے علاوہ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ اور یہ کہ تم خود بھی عقل مند اور بصیرت وبصارت والے ہو۔ اور یا اس لیے یہ لوگ خفیہ میٹنگیں، آہستہ بولیاں سرگوشیاں کھسر پھسر کرتے ہوتے تھے کہ حقیقت میں سب کچھ سمجھتے تھے اور عقل و دماغ سے جانتے تھے کہ یہ ہماری طرح کا بشر نہیں بلکہ ما فوق الفطرت شخصیت ہے۔ اسی لیے مِّثْلُكُمْ کی بات برملا کہنے کی جرأت نہ کرتے تھے نہ زور سے اظہار کر سکتے تھے کہ کہیں اپنے ہی ہم کو نہ جھٹلا دیں بلکہ ایک دفعہ ایکبار ایک شخص نے جب پوچھ لیا کہ تم اس شخص کو جادوگر کہتے ہو اور اس کے معجزوں کو جادو کلام کو سحر تو یہ تو بتاؤ کہ اس نے جادو سیکھا کس سے اور کب سیکھا۔ جب کہ اس کی ولادت سے اب تک بچپن جوانی بڑھاپا سب ہماری نظروں کے سامنے ہم سے کبھی جدا نہ ہوا۔ تب وہ سب کفار اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے والے لاجواب ہوگئے۔ نیز جادو تو صرف زمین پر چل سکتا ہے مگر اس نے تو آسمان کا چاند توڑ کر دکھا دیا تھا۔ ان سوالات کی بھرمار سے کھلی محفلیں اور بلند آوازی کے اعتراضات نہ کر سکتے تھے۔

مفسرین کے مختلف اقوال | اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ میں تین قول ہیں ۱۔ اس سے مراد یوم قیامت ہے ۲۔ اس سے مراد وقتِ موت ہے، کیونکہ موت بھی

قیامتِ صغریٰ ہے موت سے دنیوی مہلت اور اچھے برُے اعمال بند۔ اور قبر کی زندگی متصل ہے قیامت سے جو مرگیا اُس کی قیامت قائم ہوگئی ۳ یا اس سے مراد زندگی کی ہر آنیوالی گھڑی ہے کیونکہ وہ حسابِ قیامت سے قریب کرنے والی ہے۔ غَفْلَةٍ۔ میں پانچ قول ہیں ۱ اس سے مراد کفر ہے ۲ یامراد بھول نسیان ۳ یامراد ہے حماقت جہالت کی لاپرواہی ۴ یامراد ہے۔ دنیوی کھیل کود کاروبار میں مشغولیت ۵ یامراد ہے دنیا پرستی دنیا سازی۔ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد ہے ظاہری کمال والی اعضاء شکل وصورت والا۔ انسان ۲ یامراد ہے باطنی اعضاء عقل دل دماغ گردے کلیجی۔ سینے معدے والا انسان۔ کفار نے معرفتِ نبوت کو عقل و شکل وصورت سے حاصل کرنا چاہا۔ حالانکہ نبوت کی پہچان ملکی انسانی بشری شکل وصورت سے نہیں بلکہ نبوت کی پہچان کا ذریعہ معجزات ہیں۔ اگر فرشتہ بھی نبی آجاتا تب بھی اس کی نبوت کا ثبوت معجزہ ہی ہوتا معجزوں کو ان احمقوں نے جادو کہدیا۔ لِلنَّاسِ میں تین قول ہیں ۱ اس سے مراد کفارِ مکہ ۲ اس سے مراد تا قیامت کفار ۳ اس سے مراد ہر غافل انسان، کافر ہو یا منافق یا فاسق و فاجر۔ ذِکْرٍ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد آیاتِ وحی ۲ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریریں وعظ نصیحت احادیث کیونکہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات۔ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ ہے۔ مُحْدَثٍ میں تین قول ہیں ۱ اس سے مراد الفاظ و حروفِ قرآن ہے ۲ اس سے مراد ایک حکم کا بار بار نازل ہونا ۳ اس سے مراد نزولِ الفاظ ہے نہ کہ کلام اور معنی و کلام خیال رہے کہ مفہوم کلام اور مدلولِ قرآن تین چیزیں ہیں۔ ۱ صفاتِ باری تعالیٰ یہ ہر طرح قدیم ہے ۲ قصص یہ واقعتاً حادث ہے ۳ مستقبل جیسے کفار کے کفریات مثلاً۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ (صاوی)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ منشاءِ اسلام یہ ہے کہ مسلمان دنیوی زندگی کے تمام معاملات میں کفار سے بالکل علیحدہ ہوجائیں مسلمان کی اپنی علیحدہ ہی شناخت ہو کسی چیز میں بھی کفار کی مشابہت نہ آنے پائے۔ یہاں تک کہ سوچ فکر اور لگن مگن مشغولیت میں بھی کفر و اسلام کا فرق ظاہر ہوتا رہے۔ یہ فائدہ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان آیت میں کفار کی یہ نشانی بتائی گئی کہ تمام زندگی دنیا میں مشغول رہنا آخرت کی تیاری اور سوچ فکر تدبر تذکر تعقل کی طرف بالکل نہ آنا کفار کا طریقہ ہے مسلمان کو کفار کی دیگر مشابہتوں کے ساتھ ساتھ اس مشابہت سے بھی بچنا چاہیئے۔ یہ آیت کفار کی مذمت کر رہی ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ و خبردار اور فاسقین کو زجر و توبیخ فرما رہی ہیں۔ دوسرا فائدہ۔ جنت دوزخ عالمِ برزخ آج بھی موجود ہیں اور قیامت محشر برحق ہیں۔ جنت دوزخ زمین پر نہیں بلکہ اپنے اپنے مقام پر موجود اور بنی ہوئی ہیں یہ عبرت

آمیز فائدہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ان احمق مفسروں مصنفوں کو عبرت پکڑتے راہِ راست پر آجانا چاہیے جو خلقتِ جنت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ جنت زمین پر ہی بنائی جائے گی۔ یا نیچری دہریہ قسم کے مصنوعی مسلمان جو قیامت کو عجیب صورت میں پیش کرتے اور بدعقیدگی بنائے پھرتے ہیں یہ آیت اسی قسم کے منکرین قیامت کی تردید میں نازل ہوئی بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی سرزمین نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ اس کی گنجائش بلکہ یہ عالم دنیا عبادات کی کاشت اعمال کی محنت کی جگہ ہے اور آخرت پھل کھانے جزا لینے کی جگہ ہے نہ اس کو دارالجزا سمجھو نہ آخرت سے غفلت برتو۔ تیسرا فائدہ۔ آج کل کے بدعقیدہ گستاخ لوگ کفارِ مکہ سے بدتر ہیں کہ وہ تو آقائے کائنات حضورِ اقدس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہنے کی جرأت و ہمت نہ کرتے تھے مگر یہ بدبخت ٹولہ برملا کہتا، لکھتا چھاپتا پھرتا ہے کہ نبی ہماری ہی طرح معمولی آدمی اور ہماری برابر بشر ہیں غرضیکہ یہ لوگ کفارِ مکہ سے بڑے شیطان ہیں۔ ان کفارِ مکہ نے چونکہ اپنی آنکھوں سے بہت سے معجزات اور شانِ نبوتِ رسالت دیکھی تھی اس لیے برملا نہ کہہ سکتے تھے۔ مگر ان بدنصیب گستاخوں قلبی آنکھوں کے اندھوں نے کچھ دیکھا نہیں اس لیے اپنی برابری کا دعوٰے شیطانی کرتے پھرتے ہیں یہ فائدہ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ نعتِ نبی ہے۔ اس کا معنی ہے۔ فقط میں ہی وہ بشر ہوں جو تم سب کی ہر شان ہر صفت، ہر قوت طاقت ہر عقلیت علمیت میں شامل ہوں۔ اس کا پورا تفصیلی بیان سولہویں پارے کی تفسیر نعیمی سورۃ کہف آیت ۱۱۰ میں دیکھئے۔ لیکن کفار کا ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہنا گستاخیِ نبوت ہے اور گستاخی کی نیت سے ہی وہ کفار یہ کہتے تھے۔ اس کا معنیٰ ہے کہ یہ شخص ہم سے زیادہ نہیں ہماری برابر ہی ہے ہماری طرح، یہاں زیادتی شان کی نفی ہے۔ اس لیے کفر و گستاخی ہے مگر وہاں مِّثْلُکُمْ میں شان قدرت قوت طاقت کی اجتماعی مجموعی زیادتی کا ثبوت د وجود ہے اس لیے وہ مثلکم نعتِ نبی عطاءِ الٰہی ہے اور ایمانِ مومن ہے۔

احکام القرآن ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ زندگی دو قسم کی ہے ایک کامیاب زندگی دوم ناکام زندگی۔ حلال طیب تمام حقوق کی حقیقی ادائگی والی زندگی کامیاب زندگی ہے اور حرام و گناہوں کی لہو و لعب ڈھول، غفلت، اعراض افتراق والی زندگی، ناکام زندگی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ دنیا کے تمام حقوق میں اپنا حساب کتاب میزان درست رکھے یہ مسئلہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ جو علیم بھی ہے خبیر بھی ہے

وہ بھی قیامت میں باقاعدہ بروز قیامت میزانِ عدل قائم فرمائے گا اپنے علم وقدرت پر فیصلہ نہ فرمائے گا، تو انسان جو نہ علیم ہے نہ خبیر وہ کس طرح حقوق کا حساب ذمہ داریوں کی کتاب اور عدالتی تجارتوں کی ترازو غلط کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ قرآن مجید جب پڑھا جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خاموش رہ کر انتہائی غور وفکر سے سنے۔ قرآن مجید میں غور وفکر تین قسم کا ہے ۱۔ الفاظ قرآن کانوں سے ۲۔ تفسیر ومعانی قرآن قلب سے اور مسائلِ قرآن عقل سے سننا فرض ہے۔ الفاظِ قرآن کا نام کتاب اللہ ہے۔ معانی قرآن کا نام حدیثِ رسول اللہ ہے اور مسائلِ قرآن کا نام فقہ ائمہ اربعہ ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ سے مستنبط ہوا کہ قرآن مجید کے سننے سمجھنے سے غفلت کرنا، تفکر تدبر نہ کرنا شور مچانا کفار کا طریقہ ہے کہ وہ ہر نئے حکم، کلام آیت شریعت طریقت کو کھیل کود مذاق میں ہی ٹال دیتے اور یہ مذاق و تمسخر دراصل انکار اسلام وشعائر اسلام کا ایک انداز ہے۔ آج یہ ہی حال اقبال آلودہ مسلمانوں کا ہوگیا ہے کہ ہر حکم قرآنی آیتِ رحمانی اور فقہ اسلامی کو مُلّا کی فتوے بازی کا نام دے کر ٹالتے چلے جاتے ہیں اور شریعت پاک کی بڑی بڑی اہم باتوں کا مذاق اڑا دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی حرکتوں خباثتوں۔ برہمنوں ہندوؤں پنڈتوں کی اور کفار کی مشابہتوں سے بچنا اور عبرت حاصل کرنا چاہیے، یہ سوچ لو کہ قیامت قریب۔ حساب نزدیک ہے وہاں تم کو کوئی لیڈر، فلسفی یا شاعر نہ بچا سکے گا۔ بلکہ وہ بے چارے تو خود وَهُمْ لَهُمْ مُحْضَرُوْنَ میں پھنسے ہوں گے۔ تیسرا مسئلہ قرآن مجید کلام اللہ ہونے میں قدیم ہے کیونکہ صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ (اس کا پورا بیان ہمارے فتاوی العطایا حصہ سوم میں دیکھئے) لیکن نزول میں حادث ہے یعنی قرآن کریم کا بندوں کی طرف اُترنا، آنا نازل ہونا حادث ہے یہ مسئلہ مُحْدَثٍ سے پہلے مَا يَأْتِيْهِمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی مُحْدَثٍ اور حادث ہونے کا تعلق يَأْتِيْهِمْ اور اتیان سے ہے نہ کہ ذِکْرٍ یا قرآن سے۔ اور اگر ذِکْرٍ سے بھی ہو تو معنیٰ ہوں گے کہ قرآن کا نصیحت ہونا مُحْدَث ہے نہ کہ قرآن اس لیے کہ قرآن کے کلام ہونے کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اور نصیحت بننے کا تعلق بندوں سے ہے اور چونکہ رب تعالیٰ قدیم ہے لہٰذا اس کی صفت کلام و قرآن بھی قدیم، اور چونکہ بندے حادث تو ان کے لیے نصیحت بننا بھی حادث۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ یعنی حساب قریب آگیا، حالانکہ اس آیت کو نازل ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں مگر ابھی تک دور دور حسابِ قیامت کا پتہ نہیں تو پھر قریب کب ہوا اور اِقْتَرَبَ کیوں فرمایا گیا؟ **جواب**۔ یہ اعتراض بعض کفار نے امام رازی کے زمانے میں کیا تھا اُس وقت چھ سو

سال گزرے تھے اس لیے تفسیر کبیر رازی میں چھ سو سال گزر جانے کا ذکر کیا ہے۔ اب چونکہ چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور کفار کا یہ اعتراض اب بھی سنا جا رہا ہے اس لیے ہم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہی مدت لکھی امام رازی نے اس کے چار جواب دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ قرب آسمانی قرب ہے جہاں ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اور معترض کا بُعد اپنے زمینی اعتبار سے ہے۔ جو بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا۔ (سورۃ معارج آیت ۶-۷) یعنی لوگ قیامت کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہے کہ انسانی گنتی کے اگر ہزار سال ہوں تو رب تعالیٰ کی قدرت میں وہ ایک دن ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (سورۃ ۲۲ حج آیت ۴۷) جواب دوم یہ کہ یہ قرب گزشتہ زمانوں کے اعتبار سے ہے۔ یعنی زیادہ مدت دنیا کی گزر گئی ہے اب بالکل تھوڑی مدت رہ گئی ہے۔ حدیث متقدمہ میں ہے کہ دنیا کی اب اتنی مدت رہ گئی ہے جتنی کہ کپڑے کا ایک دھاگہ۔ جواب سوم یہ کہ چونکہ ہر آنے والا زمان و مکان دن بدن قریب ہوتا جاتا ہے اور گزرنے والا دور اس لیے اِقْتَرَبَ فرمایا گیا اور آیت کا معنیٰ ہے کہ لوگوں کا حساب قریب ہوتا جا رہا ہے جواب چہارم یہ کہ ہر شخص کے حساب سے مراد اُس کی موت ہے کیونکہ موت بھی قیامت ہی ہے کہ اعمال بند حساب شروع عذاب و ثواب کا دروازہ قبر میں ہی کھل جاتا ہے۔ یہ چاروں جواب درست ہیں اس لیے اعتراض ختم ہو گیا۔ **دوسرا اعتراض**: قرآن قدیم نہیں بلکہ حادث ہے دیکھو اللہ نے فرمایا مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ۔ لہٰذا اہل سنت کا اس کو مُحْدَث یعنی حادث نہ ماننا اور قدیم کہنا تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ قرآن ہی ذکر ہے اور ذکر مُحْدَث و حادث فرمایا گیا لہٰذا قرآن حادث مُحْدَث۔ قرآن مجید کی مختلف آیات میں قرآن کو ہی ذکر فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ قرآن ہی ذکر ہے (۱) چنانچہ سورۃ ۳۸ صٓ آیت ۸۷۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲) سورۃ ۴۳ زخرف آیت ۴۴ ارشاد ہے۔ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (۳) سورۃ صٓ آیت ۱ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ (۴) سورۃ حجر آیت ۹ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (۵) سورۃ یٰسٓ آیت ۶۹ میں ارشاد ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (۶) یہی سورۃ الانبیاء آیت ۵۰ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ۔ اور سورۃ شعراء آیت ۵ میں بھی ارشاد ہے۔ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ۔ ان تمام آیت میں ثابت فرمایا گیا ہے کہ قرآن ذکر ہے اور ذکر حادث تو قرآن حادث (معتزلی اب موجودہ وہابی فرقہ) جواب۔ قرآن مجید میں دو چیزیں سب کو تسلیم ہیں اولاً مضمون اور معانی کلام

دوم۔ الفاظ و حروفِ کلام۔ ہم اہل سنت صرف مضمون اور معانیِ قرآن کو قدیم اور کلامُ اللہ کہتے ہیں۔ الفاظ و حروف کو قدیم نہیں کہتے یہ تو ما و شما کے منہ سے نکلتے ہیں معترض کی پیش کردہ چھ آیت میں قرآن مجید کو بندوں کی نسبت سے ذکر فرمایا گیا اور اس سے مراد الفاظ و حروف کی عبارت مکتوبہ و مقولہ ہیں جو ہمارے کاغذوں۔ زبانوں پر منقوشہ متلوہ ہیں۔ اور یاد رکھو کہ ذکر کہتے ہی اُس کو ہیں جس کا تذکرہ و تلاوت کیا جائے یا ذکر سے مراد نصیحت ہے تو بھی بندوں کی ہی نسبت سے یعنی قرآنِ مجید بندوں کے لیے نصیحت ہے تو جب سے بندے تب سے یہ قرآنِ پاک نصیحت بنا اور بندہ حادث تو قرآن مجید کا نصیحت ہونا حادث یعنی قرآنِ مجید حادث نہیں بلکہ قرآن مجید کا ذکر اور نصیحت بننا حادث ہے خود قرآن کریم و کلام اللہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی اور سورۃ شعرا آیت ۵ میں بھی مُحْدَثٍ سے پہلے یَاتِیْہِمْ۔ ارشاد ہوا یعنی ذکر اپنے وجود میں حادث نہیں بلکہ اپنے نزول اور آنے میں حادث ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ یہاں ذِکْرٍ مُحْدَثٍ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی وعظ و تقریریں ہیں اور اُن کو مِنْ رَّبِّہِمْ۔ فرمانا اس لیے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و کلام وَحْیِ الٰہیہ ہے جس کا ثبوت وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْہَوٰی والی آیت میں ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی۔ اَسَرُّوا کے معنیٰ بھی ہیں خُفیہ اور نَجْوٰی کے معنیٰ بھی ہیں خُفیہ تو دو لفظ کیوں ارشاد ہوئے صرف اَسَرُّوا کہنا کافی تھا جواب یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں ایک ہم معنیٰ لفظ ہیں بلکہ دونوں لفظ اپنے معنیٰ کے اعتبار اور نوعیت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ اَسَرُّوا کا معنیٰ ہے خفیہ جگہ میں مجلس و محفل لگانا۔ لیکن نجویٰ کا معنیٰ ہے نہایت آہستہ گفتگو کان کے قریب منہ لا کر جس کو اردو میں کانا پھوسی اور فارسی میں سرگوشی کہتے ہیں۔ نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اَسَرُّوا ہو مگر نجویٰ نہ ہو۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نجویٰ ہو مگر اَسَرُّوا نہ ہو۔ مثلاً کسی غار میں یا خفیہ مکان میں میٹنگ کی مجلس ہو لیکن حاضرین زور زور سے بول رہے ہوں اور یا مجلس عام کھلے مقام پر ہو مگر کچھ لوگ نہایت آہستہ سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ جس کا بجز دو شخصوں کے کسی کو پتہ نہ چلے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں لفظ معناً و نوعاً و کیفیتاً بالکل علیحدہ ہیں۔ لہٰذا دونوں کا ذکر کفار کی اُس مجلس کا پورا نقشہ کھینچنے کے لیے بہت ضروری تھا۔

تفسیر صوفیانہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمْ وَہُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ مَا یَاْتِیْہِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّہِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَہُمْ یَلْعَبُوْنَ لَاہِیَۃً قُلُوْبُہُمْ۔ اے عالم ناسوت کے رہنے والو یاد رکھو کہ ہر شخص کا ہر مقام ہر قدم پر ہر وقت حساب زندگی قریب ہے یہ ابتلاءُ و حساب ہی بندے کی قیامت صغریٰ ہے مگر بد نصیب عقبیٰ اسباب کو

نہیں سمجھتے اور غفلت میں رہ کر بقاءِ ابدی سے منہ پھرائے پڑے ہیں۔ اشیاءِ فانیہ میں دلکو لگائے دین کو دنیا میں اُلجھائے مکر و عیاری کی دکان سجائے گدی جمائے بیٹھے ہیں فکرِ لاہوتی، نورِ جبروتی۔ اسرارِ قدسی آیتِ غفاری اور اصواتِ قہاری کے اذکارِ محدث بار بار نزولِ اجلال ان کے ربِّ جلیل کی طرف سے فرماتے ہیں۔ مگر یہ ہر راہ کے دشتِ فرصت میں کھیل کود مذاق و مزاح سے ہی سنتے گزر جاتے ہیں۔ دین کا لبادہ بھی دنیا کے لیے اوڑھتے ہیں۔ معرفتِ سلوک میں بھی حرص و طمع کے قدموں سے چلتے ہیں۔ عبادت و ریاضت بھی دنیا کے لیے یہی وجہ ہے کہ نہ وہ سجدے رہے کہ روحِ زمین جس کی متلاشی تھی وہ نہ آہِ سحرگاہی رہی منبر و محراب جس کے پیاسے تھے۔ نہ کسی کے سینۂ پُرنور سے اب کبھی یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلُ کی گونج سنائی دی نہ کسی کی زبانِ فیض سے وہ حکم قہاری جاری ہوا کہ کھڑاؤں اڑتی چلی جائے۔ بظاہر سجدے بھی ہیں اذانیں بھی نمازیں بھی دعائیں بھی مگر قوتِ روحانیہ سے ہر طرح ہر جگہ محرومی نہ پیر میں نہ مرید میں نہ عالم میں نہ فقیہ میں نہ عدالت میں نہ تجارت میں نہ حاکم میں نہ محکوم میں نہ بادشاہ میں نہ وزیر میں نہ مسجد میں نہ محراب میں۔ یہ محرومیِ معرفت ہی ہمارا امتحان و ابتلا اور قربِ حساب ہے۔ جس پر بندے غور نہیں کرتے اور غفلت میں گنوا رہے ہیں۔ علماءِ شریعت کے نزدیک یہ آیت مبارکہ کفارِ مکہ کی بُری کیفیت حالت میں نازل ہوئیں مگر علماءِ طریقت کے نزدیک یہ آیتِ مبارکہ

ہر زمانے کے اہلِ ریا نام نمود کی جھڑک کے لیے اتریں۔ اہل طریقت کے مسلک میں توحید و شرک کی چار قسمیں ہیں ۱ توحید یہ کہ فقط اللہ کو معبود ماننا اس کا شرک یہ کہ بت پرستی ۲ خلوصِ عبادت توحید ہے اس کا شرک ریاکاری ۳ تجارت میں امانت توحید ہے۔ اس کا شرک بددیانتی۔ خیانت ملاوٹ ۴ لباس و رہائش و غذا میں حلال کمائی اور کمائی میں حلال ذریعے یہ توحید ہے اس کا شرک حرام کمائی۔ حرام کھلائی حرام برتائی۔ علماءِ شریعت کے نزدیک یوم حساب بعد موت سے شروع ہے۔ مگر علماءِ طریقت کے نزدیک مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہے کہ مار دیئے جانے سے پہلے اپنے نفس و نفسیات کو فنا کر کے خود مر جاؤ یعنی مثل مردہ تمہاری کوئی خواہش و چاہت باقی نہ رہے اور ہر قدم ہر عمل پر تمہارا ضمیر خود ہی تمہارا حساب لیتا رہے اور پتہ لگاتا رہے کہ بندوں کی نمازیں روزے چلے وظیفے نوافل و تہجد انکو رومی و غزالی عطار و سعدی۔ رازی و شیرازی۔ جنید و بایزید کیوں نہیں بناتیں۔ کہیں ان کی توحید میں شرک اور حلال میں حرام کی ملاوٹ تو نہیں۔ اور یہ سب عبادتیں ریاضتیں جبہ و دستار تسبیح و گودڑی۔ لاہیت قلوب دلوں کی مذاق بازی و تماش بینی و عیاری تو نہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اگر بندہ دنیا چمکانے اور دنیاداری سجانے کے لیے سجادہ نشین بن کر جبہ و دستار بنائے یا منبر و محراب پر قابض ہو جائے

تو اُس کے تمام اعمالِ صالحہ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ یعنی دل کی عیاشیاں اور کھیل ہیں۔ کیا خطرناک زمانہ ہے کہ پیروں نے اپنے مریدوں سے پرورش اور مولویوں خطیبوں اماموں نے پیروں کو پرورش کا ذریعہ بنا لیا۔ اور اس خوف سے کہ کہیں یہ روزی رساں ادارے بند ہو جائیں۔ پیروں نے مریدوں سے طریقت کو مولویوں نے پیروں سے شریعت کو چھپانا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کے پیسے آمانیوں کی راہیں نکالنی شروع کر دیں۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۔ اور ان ہی راہِ سلوک کے بہروپیوں نے ظلمتِ نفس کی خفیہ گاہوں میں مخفی ادارے بنائے کہ وادیٔ طریقت کلیہ سچا مرشدِ معرفت تمہاری ہی برابر ہے اس کو تم پر کوئی برتری نہیں۔ مگر اس کا ہر قول و فعل سحر و فسون ہے۔ ہرگز اس کی اِتباع میں قدم نہ رکھنا ورنہ مکر و عیاری کے سحر میں پھنس جاؤ گے۔ اور تم خود ہی اہلِ نظر و عقل سمجھدار ہو۔ اُس کی عبادت بناوٹ ہے اس کی ریاضت ملاوٹ ہے اس کی کرامت کراہت ہے اس کا قرب گراوٹ ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اجسامِ کثیف کی یہ طلسماتی کشمکش عالَم دہر سے جاری ہے اور جاری رہے گی، ہر نفسِ خبیث قوتِ روحانیہ کی اس طرح مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا ہر بندے کو اس سے بچنے کے لیے تین چیزوں پر تفکر و تدبر سے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ پہلی یہ کہ غور کرے کہ میری عبادت قیام اور رکوع سجودسے مجھ میں وہ قوتِ روحانیہ کیوں نہیں آتی جس سے بندہ مقربِ بارگاہ بنتا ہے۔ دوم یہ کہ عبادت سے پہلے اپنے دماغ سے نمرودیت قلب سے فرعونیت اور زبان سے بوجہلیت کو دور کر دے اگر سجدہ کیا مگر اکڑ اسی طرح باقی کہ سچے مسائل بتانے والے علما سے نفرت کی بخشی۔ قرآن سے فرار۔ احادیث سے بیزاری سنتِ نبی سے کسل مندی بے رغبتی تو ایسے سجدے بھی شرکِ خفی کے ملاوٹ والے ہوتے ہیں۔ ایسے متکبرانہ مغرورانہ سجود و رکوع ہی معرفت کی خوشبو نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ ہر آن غور و فکر رکھے کہ کہیں میرے کسی عمل میں حرام شامل تو نہیں ہو رہا ہے۔ یہی چیزیں ترقیٔ معرفت اور ذخیرۂ آخرت اور منزلِ قربت اور علمی دولت میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ بلکہ یہ حرام غذائیں تو اُخروی زندگی کے لیے زہرِ قاتل ہیں مگر اس کو معمولی سمجھا جاتا ہے اور پرواہ نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ مسلمان گیارہ نعمتوں سے محروم ہے سعادت، صداقت، شجاعت، لیاقت، کرامت، جرأت، ہمت، عدالت، فضیلت، عزت، رقت صوفیا فرماتے ہیں کہ یہ گیارہ نعمتیں گیارہ اعمال سے ملتی ہیں، عاجزی سے سعادت، صبر سے صداقت، شکر سے شجاعت، علم سے لیاقت، پابندی سے کرامت، مخالفتِ نفس سے جرأت، اِتباع سے ہمت، اطاعت سے عدالت، عبادت سے فضیلت، خدمت سے عزت، محبت سے رقت ان تمام اعمال کا مجموعہ نماز ہے اس کی ادائیگی عدم ترکِ نماز میں دینی و دنیوی نقصان کہ ترکِ فجر سے چہرے کا نور ختم ترکِ ظہر سے برکتِ رزق ختم ترکِ عصر سے تندرستی ختم ترکِ مغرب سے اولاد نافرمان ترکِ عشاء سے راحتِ شب ختم۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ

انہوں نے کہا میرا رب جان لیتا ہے ہر اس بات کو جو آسمان میں ہو اور زمین میں ہو اور

نبی نے فرمایا میرا رب جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر بات کو

وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ④ بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ

اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ اس کے باوجود کفار نے کہا دیہ وحی پریشان

سنتا اور جانتا۔ بلکہ بولے پریشان خوابیں ہیں

اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْیَاْتِنَا

خوابیں ہیں نہیں بلکہ انہوں نے خود بنا لیا ہے اس کو یہ نرے شاعر ہی تو ہیں ورنہ پھر لادیں ہم کو

بلکہ اُن کی گھڑت ہے بلکہ یہ شاعر ہیں تو ہمارے پاس کوئی

بِاٰیَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَاۤ اٰمَنَتْ

ایسا ہی کوئی معجزہ جیسا لائے وہ کہ رسول بنا گئے پہلے لوگ۔ نہیں ایمان لائے ان

نشانی لائیں جیسے اگلے بھیجے گئے تھے۔ ان سے پہلے کوئی

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ ⑥

سے پہلے اُن بستیوں والے ہلاک کیا تھا ہم نے جن کو تو کیا یہ ایمان لائیں گے بھلا۔

بستی ایمان نہ لائی جسے ہم نے ہلاک کیا تو کیا یہ ایمان لائیں گے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ

اور کبھی نہیں رسول بنایا ہم نے آپ سے پہلے (زمانوں میں) مگر صرف اُن مردوں کو ہی کہ وحی بھیجتے رہے

اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے تو

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾

ہم جن کی طرف تو پوچھ لو تم پڑھے لکھوں سے اگر تم نہیں جانتے۔

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

تعلقات ان آیت مبارکہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی ان گستاخانہ باتوں کا ذکر ہوا جو نبی علیہ السلام کے خلاف تھیں اب ان آیت میں نبی علیہ السلام کی طرف سے جواب ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار اللہ تعالیٰ کے کلام پاک اور انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں کو جادوگری کہتے تھے۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ کبھی وہ کفار انبیاء کرام کی باتوں کو پریشان خوابوں اور کبھی شاعری کہتے تھے اور پھر آیت الہیہ کا مطالبہ بھی کرتے تھے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی بیہودہ لہو و لعب ہنسی مذاق کی باتوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں گزشتہ امتوں کی ہلاکت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان ہی کفریہ حرکتوں پر کفار ہلاک کئے گئے جواب تم کر رہے ہو تو پھر سوچ لو کہ تمہارا انجام کیا ہونا ہے۔

شان نزول حضرت قتادہ تابعی روایت کرتے ہیں ایک دفعہ سرداران مکہ حاضر بارگاہ نبوت ہوئے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم سب سرداران مکہ آپ پر ایمان لے آئیں تو پھر یہ ہمارے چند مطالبے پورے کر دیجئے جن میں ایک مطالبہ یہ تھا کہ وادی مکہ کے ارد گرد جو پہاڑ ہیں ان کو سونے کا بنا دیں۔ تب یہ آیت لے کر حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علیحدہ پیغام بھی دیا کہ اے پیارے محبوب! اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ پہاڑ سونے کے بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو حسب سابق دستور الہیہ کے مطابق ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے گی جو آپ کی رحمت عالمینی کو منظور نہ ہو گی۔

تفسیر نحوی قَالَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۔ قَالَ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ایک قرأت میں قل امر ہے رَبِّیْ مرکب اضافی مبتدا یَعْلَمُ۔ باب سَمِعَ فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب "علم" سے مشتق ہے ہو ضمیر

صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے رَبِّی۔ اَلْقَوْلَ۔ اسم مفرد مصدر جامد (حاصل مصدر) بمعنیٰ بات ہر قسم کی بری یا بھری۔ موصوف ہے فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ السَّمَآءِ اسم مفرد جامد معرف باللام معطوف علیہ واوٗ عاطفہ الْاَرْضِ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی اس کی تصغیر ہوتی ہے اُرَیْضَۃٌ السَّمَآءِ بھی مؤنث لفظی ہے اس کی تصغیر ہے سُمَیْئَۃٌ خیال رہے کہ عربی زبان میں مؤنث لفظی (الفاظ کل تقریباً ستاسی ۸۷ عدد ہیں اور تقریباً سب ہی معنوی مؤنث ہیں اس لیے ان کی تانیث معلوم کرنے کے لیے ان کو مصغر کرنا پڑتا ہے جس سے اصلیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ تصغیر اصلیت سے ہی ہو سکتی ہے تفصیل کے لیے ہمارا فتاویٰ جلد چہارم (ابھی زیر تصنیف) میں ملاحظہ فرماؤ یا قصیدہ لامام ابن حاجب صاحب کافیہ میں دیکھو الْاَرْضِ معطوف دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل کائن کے یہ اسم فاعل با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ (جس کا مرجع قول ہے) اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے الْقَوْلَ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے یَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ ھُوَ اسم ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے رَبِّی مبتدا ہے السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ دونوں اسم صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بروزن فعیلٌ سَمْعٌ اور علمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہر طرح سے ہمیشہ سننے والا جاننے والا۔ یہ دونوں دو خبریں ہیں ھُوَ مبتدا کی ایک قول میں یہ دونوں موصوف صفت ہو کر ایک ہی خبر ہے۔ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے ربی یعلم کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ فعل کا دونوں قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ ایک قرأت میں قُلْ فعل ہے بہر حال دونوں صورتوں میں فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ بَلْ۔ حرف مفرد جامد۔ یہ اپنے مقسم کے اعتبار سے دو قسم کا ہے اور قسیم کے اعتبار سے تین قسم کا ہے۔ پہلی تقسیم میں اس کی قسمیں ۱؎ یہ حرفِ عطف ہے اور ہمیشہ درمیانِ کلام میں آتا ہے اس کے بعد ہمیشہ مفرد عبارت ہوتی ہے اس کا ماقبل معطوف علیہ مابعد معطوف ہوتا ہے اور یہ لیکن کی طرح استدراک کے لیے آتا ہے ۲؎ یہ حرفِ اضراب یہ درمیانِ کلام میں آتا ہے مگر ہمیشہ نہیں اس کے ماقبل اور مابعد جملہ ہی ہوتا ہے مفرد نہیں ہو سکتا اس صورت میں یہ عطف کرتا ہے لیکن اکثر یہ ابتداءِ کلام میں آتا ہے اس لیے عطف نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید میں تقریباً اٹھانوے ۹۸ جگہ یہ لفظ ارشاد ہوا ہے اور سب جگہ ہی اضراب کے لیے ہے کیونکہ اس کے بعد ہر جگہ جملہ عبارت ہی ارشاد ہوئی اس کی تین قسمیں ہیں ۱؎ بَلْ اضرابی کا مابعد خود تو سچا اور حقیقی ہو مگر اس سے مقصود کسی گمراہی ہو یہی صورت یہاں ہے پہلے بَلْ قَالُوْٓا میں ہے یعنی واقعتاً کفار نے قرآن مجید کو پریشان دعوے کہا مگر یہ کہنا برا ہے دوم یہ کہ کبھی یہ بَلْ اضرابی مابعد عبارت کی برائی کے لیے ہوتا ہے اور ماقبل کی تصحیح

مقصود ہوتی ہے سوم یہ کہ ماقبل کی وضاحت کے لئے بل بولا جائے یہاں دوسرا اور تیسرا بل اسی قسم کا ہے پہلا بل مقولہ ربانی ہے اور دوسرا و تیسرا مقولہ کفار ہے۔ پہلا ابتداءِ کلام میں ہے دتواب معنیٰ ہے کلام کو سختی تاکید سے ثابت کرنا) قَالُوْا فعل با فاعل پوشیدہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اضغاث اسم جمع مذکر مکسر اس کا واحد ہے ضِغثٌ لغوی ترجمہ ہے جھاڑو کی سینک (تنکا) اور یعنی چھوٹے بڑے اچھے برے جھاڑو کے تنکے اصطلاحاً وسوسوں کو اضغاث کہدیتے کہ وہ بھی منتشر خیالات اور اُلٹی پلٹی خوابوں کا مجموعہ ہوتا ہے مضاف ہے اَحلامِ اسم جمع منصرف حُلم کی جمع بمعنیٰ خواب مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے پوشیدہ تِلْکَ اسم اشارہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ عاطفہ اِفتَرٰىہُ اِفْتَرٰی بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس میں ضمیر صیغہ ھُوَ اس کا فاعل ہے مرجع نبی کریم کی ذات پاک فَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھڑ لینا کسی کی نسبت کر لینا ہُ ضمیر واحد مذکر اور مرجع قرآن مجید مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ ہوا بل برائے عطف ھُوَ مبتدا شَاعِرٌ اسم فاعل واحد مذکر شِعرٌ سے مشتق بمعنیٰ مقفا مسجع اور ہم وزن اور باتوں کو نظم یا نثر میں بیان کرنا سچی ہوں یا جھوٹی جب یہ لقب یا صفت بن کر آتا ہے تو جامد ہوتا ہے اور اس کی جمع شُعَرا ہوتی ہے اور مشتق کی جمع ہے شاعِرونَ مگر یہاں جامد ہے بحالت رفع خبر ہے ھُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے بل اِفْتَرٰی پر دونوں عطف مل کر اَضْغَاث کے جملے پر عطف ہوا سب مل کر مقولہ اول ہوا یا عطف ہے اگلی عبارت فَ حرف جزا اس سے پہلے شرط کا جملہ پوشیدہ ہے اردو میں ایسے جملے کا مخفف ہے ایسا نہیں بیاَت۔ باب ضرب کا امر حاضر معروف واحد مذکر غائب بالام امر مکسور یا لام تاکید اَتیٌ سے مشتق ہے بمعنی دینا آنا لانا۔ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے بِ جارہ تنکیریہ بمعنی کوئی آیَۃٍ اسم مفرد مؤنث لفظی ت آخر کی تانیث یا وحدت کی ہے مجرور ہے یہ جار مجرور متعلق ہے بیاتِ کا۔ کاف جارہ حرف تشبیہ مَا اسم موصول ایک قول میں ما مصدریہ ہے اُرسِلَ۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب اَلاَوَّلُوْنَ اسم تفضیل جمع مذکر۔ اس کا واحد اوّلُ ہے وَؤلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پہلے والے مراد ہے انبیاءِ کرام علیہم السّلام یہ نائب فاعل ہے اُرسِلَ کا دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق دوم ہے بیاتِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے شرط مستتر کی دونوں مل کر مقولہ دوم ہوا قَالُوا کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ مَا اٰمَنَتْ بابِ اِفعال کا فعل ماضی

مطلق منفی واحد مؤنث غائب قَبْلَ اسم ظرفِ زمانی مضاف ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع کفارِ مکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے مَا اٰمَنَتْ کا مِنْ قَرْیَۃٍ۔ مِنْ حرف جر زائدہ تاکید کے لیے قَرْیَۃٍ اسم مونث لفظی آخر کی تَ تانیث کی اور تنوین (دو زبر) تنکیری ہے لفظاً مجرور ہے مِنْ کی وجہ سے لیکن محلاً مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے اس لیے ظاہراً یہ جار مجرور متعلق ہے مگر حقیقتاً فاعل ہے موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ اَھْلَکْنٰا۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق جمع متکلم بمعنی واحد متکلم کیونکہ مرجع ذاتِ واحد لاشریک لہٗ اللہ تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے۔ اِھْلَاکٌ ھَلَکٌ سے بنا ہے بمعنی فنا کرنا ھا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل مرجع ہے قریۃ مفعول بہٖ ہے اَھْلَکْنٰا فعل با فاعل اپنے مفعول بہٖ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی قریۃ کی اس لیے اس جملے کے بھی دو اعراب ہیں ۱۔ لفظاً مجرور ۲۔ محلاً مرفوع یہ مرکب توصیفی فاعل اور متعلق ہوا اٰمَنَتْ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ آگے۔ دراصل تھا فَ اَ۔ فَ حرفِ عطف تاکید کے لیے اُ ہمزہ سوال انکاری کے لیے یعنی ایسا نہیں ہوا اس تقدم و تاخر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اہلِ قریہ ہیں یُؤْمِنُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت استفہامی (سوال انکاری) اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اٰمَنَتْ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ مَآ اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم منفی فاعل پوشیدہ قَبْلَکَ مرکب اضافی ظرف ہے رِجَالًا اسم جمع مکسر منصرف نکرہ مستثنیٰ مفرغ ہے اِلَّا حرفِ استثنا کی وجہ سے اس کا مستثنیٰ مِنْہُ اَحَدًا۔ مذکور نہیں پوشیدہ ہے رِجَالًا اپنے پوشیدہ مستثنیٰ منہ سے مل کر مفعول بہ ہے۔ مگر پہلے رِجَالًا موصوف ہے۔ نُوْحِیْ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم۔ ایک قرأت میں یُوْحٰی اسی باب کا مضارع مجہول واحد مذکر وَحْیٌ سے مشتق ہے وحی کا لغوی ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کا خفیہ پیغام اصطلاحی ترجمہ ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام پر کلامِ الٰہی کا نزول اس کی بہت سی قسمیں ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیں گی اِلَیْھِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے نُوْحِیْ کا ھِمْ کا مرجع رِجَالًا ہے نُوْحِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے رِجَالًا کی یہ مرکب توصیفی مستثنیٰ ہے پوشیدہ کا دونوں مل کر مفعول بہ اَرْسَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ جزائیہ۔ اِسْئَلُوْا باب فتح کا امر حاضر معروف جمع مذکر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے اہلِ مکہ اَھْلَ اسم نسبتی بمعنی والا مضاف ہے۔ اَلذِّکْرِ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی یادداشت۔ علم، معلومات، مراد ہے پڑھے لکھے تاریخ دان لوگ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فَسْئَلُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدم

ہوئی اس تقدم سے پوچھنے کی تاکید کا فائدہ ہوا۔ اِنْ حرف شرط كُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی جمع مذکر حاضر اس کا اسم پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مرجع اہل مکہ لَاتَعْلَمُوْنَ باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بِلاَ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ ہے مرجع اہلِ مکہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر شرط مؤخر ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ پیارے نبی مکرم نے فرمایا کہ میرا رب تعالیٰ ہر شخص کے ہر قول فعل کو ہر طرح جانتا ہے ہونے والا خواہ آسمانوں کی بلندیوں میں ہو یا زمین کی پستیوں میں شرقاً غرباً ہو یا شمالاً جنوباً غار عمل میں ہو یا صحراؤں میں خفیہ محفلوں میں ہو یا آہستہ سرگوشی کے راز و نیاز میں اَسَرُّوا ہو یا نَجْویٰ مرقسلی نہیں وہ ہر زبان کی سننے والا ہے اور ہر دل کی جاننے والا، کیا یہ کافر سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ مجلسیں آہستہ باتیں بیہودہ گفتگو الزام تراشیاں اسلام و قرآن کے خلاف منصوبہ بندیاں۔ اللہ رسول سے چھپی رہیں گی کفارِ مکہ نے اپنی خفیہ مجلسوں میں جو سرگوشیاں کیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو سب کچھ بتا دیا کفارِ مکہ اسلام سے روکنے کے لیے پانچ باتیں کرتے تھے۔ یہی باتیں اُن کے اَسَرُّوا کا مقصد اور نجویٰ کا خلاصہ ہوتا تھا۔ اوّلاً کہتے تھے کہ یہ تو تمہاری طرح کا ایک بندہ بشر ہے۔ ثانیاً۔ یہ معجزات اور عجیب عجیب باتیں یہ سب کھلا جادو ہے ۳ اس کا فصیحانہ کلام جس کو یہ قرآن کہتا ہے وہ رات کو سوتے کی پریشان خوابیں اضغاث و احلام ہیں جس نے اس کے دماغ کو پریشان اور دیوانہ کر دیا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ رب کی طرف سے ہے حالانکہ اَحلام تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں وہی نیند کی خواب میں اضغاث پھیلاتا ہے اور پیدا کرتا ہے جس سے خواب احلام بن جاتی ہے۔ چہارم یہ کہ اس کا دعویٰ نبوت محض افتریٰ اور کذب بیانی ہے۔ پنجم یہ کہ اس کے کلام کی یہ فصاحت بلاغت جاذبیت مٹھاس اور لذت یہ سب شاعرانہ بناوٹ اور ہنرمندی ہے یہ بہت بڑا شاعر ہے۔ بھلا کبھی ان باتوں سے نبوت ثابت ہوتی ہے یہ باتیں تو ہمارے دوسرے شاعروں میں بھی ہیں۔ ہاں اگر یہ واقعی سچا نبی ہے اور اُس کا یہ قرآن بقول اُس کے اللہ کا کلام ہے تو فَلْیَاْتِنَا ہماری مطلوبہ نشانیاں ہمارے پاس لے آئے۔ جس طرح اللہ کے پہلے بھیجے گئے رسول اُمت کے مطلوبہ معجزات لاتے تھے۔ کیا شان تھی اُن کی واہ واہ جس قوم نے اُن سے جو مانگا انہوں نے فوراً لا دکھایا۔ کسی نے اونٹنی مانگی تو فوراً نکال دی۔ کوئی عصا سے کر آ رہا ہے دریا پھاڑ رہا ہے پار نکل رہا

ہے۔ پتھر پر مارتا ہے بارہ بارہ چشمے نکالتا ہے ہزاروں کی پیاس بجھاتا ہے۔ کوئی آتا ہے تو کوڑھیوں کو اچھا۔ اندھوں کو بینا بیماروں کو تندرست مُردوں کو زندہ کرتا چلا آ رہا ہے یہ ہوئی نہ نبوت اور اس کام ہزاروں کو فائدے سچے نبی تو اس طرح اپنی قوم کی خواہش پوری کرتے اور مطالبے مانتے ہیں یہ نبی کیسا ہے کہ اب تک ہمارا ایک مطالبہ بھی پورا نہیں کیا۔ ہم نے مکے میں پانی کے چشمے بہا دینے۔ باغ لگا دینے غنچے کھلا دینے کوہ صفا کو سونے کا بنا دینے کا کہا ۔مگر نہیں کر سکا۔ بہت کیا تو اپنے جادو سے چاند توڑ دیا، پتھروں سے اپنے کلمے پڑھوا دئے۔ ہمارے بُتوں سے اپنی گواہی دلوا دی۔ ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ ہم تو تب اس کے قرآن کو کلامُ اللہ اس کے اسلام کو دینُ اللہ اور اس کے دعوئے نبوت کو سچا مانیں گے اور جب ایمان لائیں گے جب ہمارے مطلوبہ معجزے دکھائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں تین جگہ لفظِ بل آیا ہے اور تینوں جگہ ابطال کے لیے ہے۔ خیال رہے کہ بل تین معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے ۱ استدراک کے لیے ۲ انتقال کے لیے ۳ ابطال کے لیے۔ استدراک کا معنیٰ ہے کثرت و زیادتی یعنی ایسا بھی ہے بلکہ ایسا بھی ہے۔ انتقال کا معنیٰ ہے منتقل ہونا یعنی ایسا ہے بلکہ ایسا ہے۔ یا اس اعتبار سے ایسا ہے بلکہ اِس اعتبار سے ایسا ہے۔ اور ابطال کا معنیٰ ہے کہ پہلے معنیٰ کی نفی کر کے دوسرے معنیٰ مراد لینا۔ ابطال کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے ہی کلام کی نفی کی جائے دوم یہ کہ کسی کے پہلے کلام کی نفی کی جائے۔ لفظِ بل اِن تمام قسموں میں قرآنِ مجید کی مختلف آیت میں مستعمل ہے۔ یہاں بھی تینوں طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ ہماری بیان کردہ پہلی تفسیر میں بل انتقال کے لیے ہے۔ یعنی یہ مدعیِ نبوت خود تو یہ کہتا ہے مگر ہم نہیں مانتے بلکہ اس کی وحی اضغاثِ احلام ہے بلکہ اس کا دعویٰ نبوت افترا ہے۔ بلکہ اس کا کلام شاعرانہ ہے [illegible] ہے۔ [illegible] ہوں بلکہ وہ شاعر ہے اس کی باتیں کلامُ اللہ نہیں بلکہ اضغاث ہیں [illegible] کے دعوے سچے نہیں افترائی ہیں۔ جن مفسرین نے یہاں بل برائے ابطال مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اِن آیت میں کفار کی پریشانی کا نقشہ کھینچا ہے کہ کبھی کہتے ہیں کہ اس کا ہر کام جادوگری ہے پھر خود ہی نفی کر کے کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ اضغاثِ احلام ہے پھر کہتے ہیں یہ بھی نہیں بلکہ افترا ہے پھر کہتے ہیں یہ بھی نہیں بلکہ یہ شاعر ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں صرف اپنی شاعرانہ ہنرکاری سے لوگوں کو مرعوب کیا ہوا ہے یہ ہی تمام شاعروں کا ہنر اور فنِ شاعری کا کمال اور اشعار کی خصوصیت ہوتی ہے اور جن مفسرین نے یہاں بل بمعنیٰ استدراک لیا ہے وہ بھی کفار کی بدحواسی کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفار دن بدن شانِ اسلام کی ترقی سے گھبرا کر پریشان ہوتے تھے تو اپنی

اَسَرُّوا النَّجْوَىٰ محفلوں میں یا تو سب بیک زبان ہو کر یا اپنی اپنی بات کرتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ مدعی نبوت تمہاری ہی مشابہت کا ایک معمولی بندہ بشر ہے۔ اس کو پریشانی کی خوابیں آتی ہیں جادوگر اور شاعر بھی ہے ان چیزوں نے اس کے مزاج میں جنون پیدا کر دیا ہے بلکہ کئی باتوں میں اِفتریٰ باندھتا ہے کفار اپنی بدحواسی سے یہ متضاد باتیں ایک ہی شخصیت میں جمع کر دیتے تھے حالانکہ یہ مختلف کیفیات ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ عام معمولی آدمی جادوگر نہیں ہو سکتا جادوگری کی اپنی ایک قوت لیاقت ہوتی ہے۔ اور اَضغاث و اَحلام والا مجنون ہوتا ہے جس میں کوئی لیاقت و عقل نہیں ہو سکتی پاگل و مجنوں شاعر بھی نہیں ہو سکتا۔ اور شاعر پاگل نہیں ہو سکتا۔ اِفتریٰ کرنے والا انتہائی چالاک ہوتا ہے چالاکی کے لیے بھی عقل و خرد کی ضرورت ہے۔ خیال رہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں (۱) مَنام (۲) اَحلام (۳) رویا۔ منام وہ خواب جو خود بخود ہر شخص کو آتی ہے خوش کن بھی ہوتی ہے پریشان کن بھی۔ اَحلام وہ جو دنیوی اُلجھنوں پریشانیوں یا روزمرہ کی عادتوں کی وجہ سے آجاتی ہیں۔ رویا وہ خواب جو نیک آدمیوں کو اُن کے تقوے طہارت یا ان کے وظیفوں استخاروں کی وجہ سے آتی ہیں۔ بشارت کے لیے یا نذارت یا اشارت کے لیے ایسی ہی خوابوں کو نبوت کا چالیسواں حصہ فرمایا گیا۔ اسی کو وحیِ الہامی بھی کہا جاتا ہے یہ خوابیں اشارۂ ربانی ہوتی ہیں یہ کسی خاص مقصد کے لیے رب کی طرف سے ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کی خوابیں علم انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی آجاتی ہیں یہ فطرتِ حیوانی کی وجہ سے ہیں۔ جانوروں کی خوابوں کا مشاہدہ علم الحیوان والوں کے تجربے سے ثابت ہے۔ دوسری قسم کی خوابیں اپنی حرکتوں یا شیطان کی طرف سے محض پریشان کرنے ڈرانے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان خوابوں کی کثرت سے بندے کو تین طرح کا نقصان ہوتا ہے۔ یا خبطی یا شکی یا پاگل ہو جاتا ہے۔ ان ہی خوابوں کو احلام اور اضغاث کہا جاتا ہے۔ کفارِ مکہ۔ قرآن کریم کو اضغاث کہتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو احلام کہتے تھے۔ یعنی یہ کلام اور دعویٰ سب اضغاثِ احلام اور پریشان کن خوابیں ہیں جنہوں نے اِن کو خبطی بنا دیا ہے (معاذ اللہ) اور اپنی نبوت کا ان پر خبط سوار ہو گیا ہے ان کے نزدیک سچی نبوت کی فقط ایک ہی دلیل تھی کہ فَلْيَأْتِنَا۔ ہمارے مطالبے کے معجزے لائے اور دکھائے تب ایمان لائیں گے۔ اگلی آیت ان کی ہی تردید فرما رہی ہے کہ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اے محبوبِ کل یہ کفارِ مکہ عقل کے کچے اور ضد کے پکے اب جو فَلْيَأْتِنَا کے دعوے اور ایمان لانے کے وعدے کرتے ہوئے انبیاء سابقین سے اُن کی قوموں کے مطلوبہ

معجزوں کا ذکر کر رہے ہیں اور اپنے نئے مشیروں عیسائیوں یہودیوں سے سن سنا کر فضول اور نقصان دہ مطالبے کر رہے ہیں ذرا اپنے مشیرانِ مفسدین تخریب کاروں سے یہ بھی معلوم کریں کہ وہ قومیں پھر کیوں ایمان نہ لائیں تھیں اور وعدہ خلافی کرتے ہوئے جب وہ لوگ پھر کافر ہی رہے تھے تو ان کا انجام کیا ہوا تھا یہی کہ ہم نے اُن سب کو یعنی بستی اور اہل بستی کو ہلاک کر دیا تھا۔ اُجڑی بستی کے کھنڈرات ہی نشانِ عبرت رہ گئے تھے جو آج تک موجود ہیں۔ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ تو کیا اب یہ کفارِ مکہ مطلوبہ معجزات و آیات مل جانے پر اپنا وعدہ ایمانی پورا کریں گے اور کفر شرک چھوڑ کر اللہ رسول پر ایمان لائیں گے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہ تو بغض عداوت مخالفت عناد دشمنی سرکشی میں پہلی قوموں سے بھی زیادہ بد بخت و بدتر ہیں۔ یہ مطلوبہ معجزات پورے کر دینے کچھ مشکل نہیں۔ انبیاءِ کرام کے پاس تو خداداد بہت قوتیں ہوتی ہیں وہ اپنے رب کی اجازت سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر بات تو اُن کے ایمان لانے کی ہے۔ اگر سابقہ اُمتوں کی طرح یہ بھی ایمان نہ لائے تو ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔ روایت ہے کہ جب کفار نے یہ اپنے مطلوبہ معجزات مانگے تو جبریل امین علیہ السّلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسُول اللہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے حبیب اگر تم چاہو تو یہ معجزات بھی کر دکھاؤ لیکن یہ ازلی بد بخت پھر بھی ایمان نہ لائیں گے ہم ویسا ہی کر دیں گے جیسا تم چاہو گے۔ اور یہ ایمان نہ لائے تو ہمارے قانونِ ازلیہ قدیمہ کے مطابق ہلاک کر دئے جائیں گے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُن کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ اِن کی حماقت کی کیا ہے یہ تو جنم کے اُحمق ہیں۔ رہا ان کفار کا یہ کہنا کہ یہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، ہی ہے لہٰذا یہ رسول نہیں ہو سکتا۔ یہ استدلال بھی غلط ہے بشر ضرور ہے مگر مِّثْلُكُمْ اور اِن جیسا عام کمزور معمولی انسان نہیں ہے پوری کائناتِ مخلوق کے اختیار و قوت و صفات والا ہے۔ اے نبی انہیں یہ بتا دو کہ آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے جن کا تذکرہ یہ یہود و نصاریٰ سے سُن چکے اور جن کے سچا رسول نبی ہونے کے یہ اقراری ہو رہے ہیں۔ وہ سب کے سب آپ کی طرح قوتوں طاقتوں والے مرد ہی تھے اور مرد بشر ہی ہوتا ہے نہ فرشتہ نہ جن نہ عورت ہم انسانی بشری مردوں کو ہی ہمیشہ نبی بناتے رہے اور اُن کی طرف ہی وحی کرتے رہے۔ ان کا پیغام، کلام تبلیغِ احکام۔ قانون شریعت سب کچھ ہماری طرف سے وحی تھی نہ وہ جادو یا اضغاثِ اَحلام یا افتریٰ یا شاعری تھی نہ یہ۔ ہمارے اِس محبوب نبی کے پاس بھی وحیِ الٰہی ہی ہے وحیِ اِلٰہی کی گیارہ قسمیں ہیں ۱؎ وحیِ جلی لسانی ۲؎ وحیِ خفی لسانی ۳؎ وحیِ الہامیٔ منامی ۴؎ وحیِ الہامی اِلقائی ۵؎ وحیِ الہامی ہدایتِ عقلی ۶؎ وحیِ تکلم ۷؎ وحیِ مکتوبی ۸؎ وحیِ قدسی ۹؎ وحیِ لاسلکی ۱۰؎ وحیِ سِتری ۱۱؎ وحیِ صوتی۔ اگر تم اِس حقیقت کو ہمارے نبی اور اُن کے صحابہ کی زبانی نہیں مانتے

تو فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ان توریت زبور انجیل والے اہل کتاب یہودیوں عیسائیوں سے پوچھ لو جو ان کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے ذکر کرتے مانتے والے ہیں اور خاص فقط ہمارے اس نبی کی عداوت میں تم سے دوستی کرتے بیہودہ مشورے دیتے اور غلط پٹیاں پڑھاتے والے ہیں اور تم بھی صرف عداوتِ نبی میں ان کی الفت کا دم بھر رہے ہو ان پر اعتماد کرتے ہو ان سے مشورے لیتے ہو حالانکہ تمہارا اور ان کا دین جدا وہ تمہارے دین کے دشمن تم ان کے دین کے دشمن اور کما اُرْسِلَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ کہنے کے باوجود تم پھر بھی انبیاء کرام پر ایمان نہیں لاتے۔ تمہاری بدبختی کا تو اسی زبانی تعریفوں قلبی انکاروں سے اندازہ ہو رہا ہے۔ کل تک جس نبی کو تم امین اور صادق الوعد یتیم پرعد قول کا سچا اور صحیح کہتے تھے آج اگر اس کی بات پر یقین نہیں رہا تو پھر انہی ذکر والوں سے پوچھ لو وہ ہزارہا قسم کے بد دین اور جھوٹے ہی سہی مگر تمہارے اس سوال کا جواب مجبوراً یہی دیں گے کہ وہ سابقہ تمام انبیاء اور کما اُرْسِلَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ سب رسول انسانی بشر مرد ہی تھے۔ ہرگز نہ کہیں گے کہ ہمارے موسیٰ عیسیٰ داؤد ابراہیم صالح وغیرہم جن یا فرشتہ یا عورتیں تھیں۔ یہ فَاسْئَلُوْٓا کا حکم بھی اسی لیے دیا جا رہا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم اتنی فطرتی اور آسان عام فہم بات بھی نہیں جانتے اور تمہاری عقل و شعور فہم و فراست یہ بھی نہیں سمجھ پاتی کہ نبی کا بشر ہونا ایک لازمی اور فطری امر ہے کیونکہ نبی انسانوں اور بشروں کو ہی سمجھانے سکھانے اور بندہ بنانے کے لیے آتے ہیں اور بشر ہی بشر کو زندگی کا پورا معاشرہ عملاً و قولاً سمجھا سکھا سکتا ہے۔ ہاں اَلْبَتَّہ تمہارا مِثْلُكُمْ کہنا یا اپنی جیسا سمجھنا یہ تمہاری بدعقلی کفریہ گستاخی اور حقیقت کے خلاف غلط بیانی ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کرام اپنی صفاتِ حمیدہ میں فرشتوں سے بھی مافوق الفطرۃ شخصیات ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ فقط اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت کو صحیح درست جاننے والا ہے سب سے زیادہ۔ اس آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ قَالَ میں دو قول ہیں ۱ یہ قَالَ فعل ماضی ہے جملہ خبریہ یہی مشہور و جمہور قول ہے ۲ یہ قُلْ فعل امر ہے اور عبارت جملہ انشائیہ ہے۔ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ میں تین قول ہیں ۱ سننے والا ہر زبان کی جاننے والا ہر نیت کو ۲ سننے والا کفار کے کفریات کو جاننے والا ہے اپنے محبوب کی صداقت کو ۳ سننے والا ہے سب کی اور جاننے والا ہے سب کو۔ قَالُوْٓا میں چار قول ۱ سب کفار نے یہ سب باتیں کیں کیونکہ وہ سب خود الجھن میں تھے اور یہ الجھن ہی ان کی جہالت کی دلیل تھی۔ کہ ہم اس نبی کو کیا کہیں اس لیے کبھی کچھ کہتے کبھی کچھ ۲ مختلف کفار نے یہ مختلف باتیں کہیں ۳ یہ باتیں ایک ہی مجلس میں بطریقہ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى کہیں ۴ مختلف مجالس کی باتیں ہیں۔ قَرْيَةٍ میں تین قول ہیں ۱ بستی اور بستی والوں کو ہلاک کر دیا کہ بستی اور

علاقہ کو بھی توڑ پھوڑ کر کھنڈر بنا دیا اور اشخاص کو مُردہ کر دیا ۲ صرف بستی والوں کو ہلاک کیا ۳ بستی کو تباہ اور بستی والوں کو ذلیل قیدی بنا دیا۔ یا دربدر غریبُ الحال کر دیا۔ جیسے کہ بنی اسرائیل سے بُخت نصر بادشاہ نے۔ اَھْلَ الذِّکْرِ۔ میں دو قول ہیں ۱ یہود و نصاریٰ کے پڑھے لکھے اہلِ کتاب مراد ہیں ۲ اہلِ ذکر سے مومن صحابہ مراد ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ مولیٰ علی سے کسی نے پوچھا کہ اہل ذکر ہے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا نَحْنُ اَھْلَ الذِّکْرِ۔ یعنی ہم (صحابہ و اہل بیت) اہلِ ذکر ہیں۔ مگر یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ کفارِ مکہ تو صحابہ۔ پر اعتماد ہی نہ کرتے تھے تو اُن سے پوچھنے کا حکم بیکار تھا۔ اُس وقت تو کفار مکہ کو یہود و نصاریٰ سے اندھی اُلفت تھی ہر بات ان سے پوچھ کر کرتے ان کی ہی مانتے تھے۔ اس لیے پہلا قول درست ہے۔ مولیٰ علی کا فرمانا کہ ہم اہلِ ذکر یہ کسی دوسرے موقعہ کی روایت ہے۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر قدیمی ازلی سمیع و علیم ہے۔ لیکن عطائی طور پر رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر وقت ہر طرح کا سمیع و علیم بنا دیا ہے کہ کفار کی وہ خفیہ باتیں بھی رب نے محبوب کو وحی خفی و جلی سے بتا دیں جو وہ آزمائشی طریقے پر اَسَرُّوا النَّجْوَی سے کرتے تھے۔ کہ دیکھیں ہماری خفیہ سرگوشیوں کا پتہ اِس مدعیِ نبوت کو لگتا ہے یا نہیں۔ یہ فائدہ اَسَرُّوا النَّجْوَی کی آیت اور اُس کے بعد بیان قَالَ رَبِّی فرمانے سے حاصل ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو میرے آقا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی شانیں اور حیاتِ طیبہ کی کیفیات ہیں۔ میرے رب کریم جَلَّ وعلیٰ نے تو ہر نمازی سے تا قیامت اِنتہائی خفیہ حاضر و مخاطب کے صیغے سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے سلام پڑھوا کر واضح ثابت فرما دیا کہ ہمارا حبیب بعد وصال بھی ہر نمازی کے انتہائی آہستہ اَسَرُّوا النَّجْوٰی۔ والے سلام کا بذاتِ خود سمیع و علیم ہے دوسرا فائدہ۔ غلط جھوٹے اور فسادی آدمی کی بڑی نشانی یہ ہے کہ اُس کو خود اندرونی نفسیاتی طور پر اپنی بات کا اعتبار و اعتماد نہیں ہوتا نہ اُس کی یادداشت درست رہتی ہے۔ جیسا کہ فارسی کا مقولہ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ یعنی جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا یہ فائدہ بَلْ قَالُوا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ جب کہ لفظ بَلْ کو برائے اِبطال لیا جائے یہ بدل بدل کر کفار کا اوندھے اُلٹے بناوٹی اِلزام لگانا اِسی کذب بیانی اور بدحواسی کی وجہ سے تھا۔ تیسرا فائدہ۔ افتریٰ اور شاعری میں فرق یہ ہے کہ اِفتریٰ جھوٹے کلام کو کہتے ہیں جس کا تعلق متکلم کی زبان سے ہے اور شعر کلام مؤثر کو کہتے ہیں جس کا تعلق سننے والے کے ذہن سے ہوتا ہے اِفتریٰ کا مقصد اپنی بات منوانا ہے اور شعر و شاعری کا مقصد دلوں میں اثر

ڈالا ہوتا ہے۔ افترا میں کذب اور تحقیر و غلط بیانی ہوتی ہے۔ مگر شعر میں رغبت، رہبت، شوق، سرور اور حزن و تعظیم ہوتی ہے افترا کی چار قسمیں ہیں ۱ اصل میں کذب ۲ نقل میں کذب ۳ ارادے میں کذب ۴ بلا ارادہ کذب۔ شعر کی بھی چار قسمیں ہیں ۱ غزل ۲ ہجو برائی ۳ مرثیہ تعزیت ۴ حمد و نعت (تفسیر مظہری) افترا علم رفیق ہے اور شاعری علم دقیق ہے یہ فائدہ بل افتریٰ اور بل ھو شاعر، علیحدہ علیحدہ کہنے سے حاصل ہوا کہ کفار کا اس طرح دو باتیں کہنے سے مقصد ایک طرح کا الزام لگانا تھا کہ ان کے نزدیک افترا سے مراد صرف عامیانہ بولی کا جھوٹ تھا اور شاعر سے مراد بناسجا کر عیاری مکاری سے منفعت بخش جھوٹ بولنا تھا۔ **چوتھا فائدہ**۔ لفظ رَجُلٌ و رِجال انسانی مذکر مردوں کو کہا جاتا ہے نہ کہ ملائکہ یا جنات یا عورت کو یہ فائدہ یہاں مطلقاً رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ مکمل قوت و طاقت بہادری اور اعلیٰ حسب نسب خاندان والے ہی ہوئے ہیں۔ ہیچ قوم یا کمزور بزدل لوگوں کو بھی رسول نہیں بنایا جاتا۔ لفظ رجال میں تین قسم کی قوتوں کا اظہار ہے ۱ قوتِ جسمانی ۲ قوتِ روحانی و قلبی ۳ قوتِ خاندانی۔ سورۃ جن کی آیت ۶ میں بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کے تین جواب دیئے گئے ہیں ۱ یہ کہ یہ جنات کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ نے اپنے جنوں کو بھی رِجال کہہ دیا۔ دوم یہ کہ یہاں رِجال سے مراد صرف مذکر ہونے کا اشارہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مذکر انسان بحالتِ سفر، مذکر جنات سے پناہ پکڑتے تھے۔ نہ کہ عورتیں بچے۔ جنات کی عورتوں بچوں سے جواب سوم یہ کہ لفظ رَجُلٌ اور رِجَال جب مطلقاً ہوگا تو انسان مرد ہی مراد ہوگا اور جب کسی غیر کا ارادہ ہو تو لفظِ رِجال یا رجل کے ساتھ اس کا تذکرہ مقید کیا جائے گا تب وہ غیر مراد ہوگا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

احکامُ القرآن اِن آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** خوابیں اگرچہ تین قسم کی ہوتی ہیں۔ منام۔ احلام۔ رؤیا۔ مگر عام لوگوں کو اس کا پتہ نہیں لگ سکتا کہ کونسی خواب کسی حیثیت کی ہے اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کسی بھی خواب کو کبھی برا نہ کہنا چاہیئے اگرچہ کتنی ہی ڈراؤنی یا پریشان کن ہو۔ نہ ہی کسی خواب کا کوئی معنیٰ مقصد اور تعبیر خود نکالنی چاہیئے۔ بلکہ ہر کسی عام شخص کے سامنے بیان ہی نہ کرنی چاہیئے، صرف علم تعبیر رکھنے والوں کو خواب سنانی چاہیئے وہ ہی بتا سکتا ہے کہ یہ خواب منام ہے یا احلام ہے یا رُؤیا خوابِ رؤیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت یا ندامت ہوتی ہے اور خواب احلام شیطانی کی طرف سے۔ یہ مسئلہ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ عاملین بزرگ حضرات پریشان کن خوابوں

سے بچنے کے چند عمل بتاتے ہیں (۱) جب خواب میں ڈر یا پریشانی آئے اور آنکھ کھلے تو ایک مرتبہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ ۔ پڑھ کر اسی کروٹ تھتکار دے ۔ پھر کروٹ بدل کر لیٹ جائے انشاءاللہ تعالیٰ اس خواب کا اثر زائل ہو جائے گا ۔ اور یہ خواب کسی سے بیان نہ کرے (۲) پریشانی کی خوابوں سے مستقل بچنے کے لیے یہ عمل مجرب ہے کہ روزانہ سونے سے پہلے باوضو سورۃ کوثر ایک ہزار بار پڑھے اول آخر درود شریف گیارہ بار درود ابراہیمی نہ پڑھے کیونکہ وہ صرف نماز کیلئے ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث پاک سے ثابت نماز کے علاوہ منع ہے پھر چالیس دن کرے ۔ دوسرا مسئلہ تقلید کرنا رب تعالیٰ کا حکم ہے لہذا اچھا اور ضروری ہے ۔ خاص کر ائمہ مجتہدین کی تقلید یہ تو واجب ہے یہ مسئلہ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ جس چیز کا پتہ نہ ہو اس کو نہ تو چھوڑ دو ۔ اور نہ اپنے اندازے تخمینے لگاؤ بلکہ اہلِ ذکر یعنی اہلِ علم و معلومات سے پوچھ لو مسلمانوں میں اہلِ ذکر صحابہ کرام تابعین مجتہدین فقہا ہیں ۔ کسی نے امام اعظم سے پوچھا کہ اہل ذکر کون لوگ ہیں آپ نے جواباً فرمایا اس زمانے میں اہل ذکر امام جعفر صادق ہیں ۔ تیسرا مسئلہ ۔ اسلامی شریعت کے قانون سے جن واقعات و مقامات کی خبریں کثرت اقوال و اطلاع کا تواتر پایا جائے تو وہ موجب علم و یقین ہوگا اگرچہ یہ اطلاعات اور خبریں کفار کی زبان سے ہوں یعنی کفار کی اس قسم کی خبر بھی مانی جائے گی یہ مسئلہ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کفار کو اہل ذکر فرمایا اور ان کی واقعاتی مقاماتی خبر و اطلاع کو معتبر قرار دیا ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں ۔ پہلا اعتراض ۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا ۔ یَعْلَمُ السِّرَّ اس لیے کہ پہلے فرمایا وَاَسَرُّوا النَّجْوَی ۔ جیسا کہ سورۃ فرقان آیت ۶ میں ہے ۔ قُلْ اَنْزَلَہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وہاں سِرّ ہے تو یہاں بھی سِرّ چاہیے تھا جواب سورۃ فرقان میں اور یہاں دو طرح فرق ہے اس لیے وہاں سِرّ کہنا درست ہے اور یہاں قول کہنا درست ہے ۔ پہلا فرق یہ کہ سورۃ فرقان میں مطلقاً ذاتِ باری تعالیٰ کا وصف بیان فرمایا گیا جس طرح کہ رب تعالیٰ کی شان علام الغیوب اور عالم الغیب ہے اسی طرح یَعْلَمُ السِّرَّ بھی ایک شان بیان فرمائی گئی ، مگر یہاں خاص ان کفار کے اَسَرُّوا النَّجْوٰی کو جاننے کا ذکر ہے اور چونکہ اَسَرُّوا النَّجْوٰی قول ہی تھا اس لیے یہاں یَعْلَمُ الْقَوْلَ فرمانا عین درست ہے دوسرا فرق یہ کہ یَعْلَمُ السِّرَّ علم کی تاکید ہے اور یَعْلَمُ الْقَوْلَ میں زیادہ تاکید ہے اس لیے کہ جو یَعْلَمُ السِّرَّ کی شان والا ہو وہ قول کو بدرجۂ اولیٰ جانتا ہے ۔ نیز قول عام ہے سِرّی و جہری کو ۔ دوسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ فرمایا گیا وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ سمیع

کو پہلے بیان فرمایا گیا علیم کو بعد میں علیم کو پہلے ذکر کرنا چاہیئے تھا کیونکہ علم الٰہی قدیم ہے سماعت حادث ہے قدیم کا پہلے ہونا ضروری ہے جواب یہ اعتراض غلط ہے اس لیے کہ باعتبار صفت یا لقوٰی کے تو دونوں ہی قدیم ہیں علم بھی سماعت بھی لیکن صفت یا لفعل کے اعتبار سے معلوم و مسموع کی بنا پر دونوں ہی حادث ہیں البتہ یہاں سمیع کو پہلے اور علیم کو بعد میں ذکر فرمانا اَسَرُّوا النَّجْوَی اور اقوالِ کفار کے لحاظ سے ہے کہ ہر کلام کو پہلے سنا جاتا ہے بعد میں اس کے معنی مقصد کا علم حاصل ہوتا ہے اس بات کو سمجھانے کے لیے پہلے سمیع فرمانا بعد میں علیم فرمانا بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ یعنی اے مشرکین مکہ تم اہل کتاب سے پوچھو کہ پہلے گزشتہ امتوں کے رسول انسان تھے یا فرشتہ یہ حکم کیوں دیا گیا حالانکہ کفار مکہ نہ پہلے رسولوں کو مانتے تھے نہ پہلی کتابوں توریت زبور انجیل کو مانتے تھے اور کہتے تھے لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ۔ (سورۃ سبا آیت ۳۱) یعنی ہم ہرگز نہیں مانتے قرآن کو اور نہ پہلی کتابوں کو جب وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اہل کتاب سے پوچھنے کی کیا ضرورت وہ کیوں یقین کرتے۔ جواب، یہاں کتابوں کے ملنے یا توریت وغیرہ پر یقین کرنے کا ذکر مراد نہیں ہے بلکہ اُن یہود و نصاریٰ سے پوچھنے کا ذکر ہے جو اس وقت اسلام دشمنی میں کفارِ مکہ کے ہیرو اور مشیرانِ خاص اور معتمد علیہ بنے ہوئے تھے کہ آج تم کو اُن سے بڑا پیار ہو رہا ہے۔ اسلام کے خلاف ہر بات ہر سوال اُن سے پوچھ پوچھ کر کر رہے ہو۔ تو یہ بھی اُن سے پوچھو تاکہ تمہیں یقین آئے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انسانی فطری نفسیاتی طور پر یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ اگر ایک بات کا ایک دو آدمیوں سے سن کر یقین نہ آئے تو کثیر سے سن کر یقین آجاتا ہے اگرچہ وہ کثیر تعداد والے اس کے مذہبی مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے نفسیاتی طور پر کفارِ مکہ کو اس بات کا یقین کرانے کے لیے فَاسْئَلُوْا کا حکم دیا گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ مرشد باطنی لاہوتی نے آوازِ جبروتی سے فرمایا کہ میرا پروردگار ازلی قدیمی جانتا پہچانتا ہے ہر خفی جہری سِرّی مخفی بات کو آسمانِ ارواح میں بھی اور زمینِ اجسام میں بھی اور وہی ہے ازلِ قدیم کا سمیع آشکار علیم افکار۔ سننے والا ہر ہر ذرّے کی زبان کو اور جاننے والا ہے تمام کی نیات اور سننے والا ہے اہل نفوس کی کفریہ آوازِ کریہہ کو جانتے والا ہے اہلِ قلوب کی ایمانیہ صداقت کو سننے والا ہے اہلِ دردِ عشق کی آہِ سحرگاہی کو جاننے والا ہے اہلِ امانت کے سینوں کو، وہی میزابِ امانت رکھنے والا ہے مجوبین دعشاق کے سینوں میں علم فکر عقل فہم فراست بصیرت سماعت کی قوتوں کو مگر اہل نفوس

اس کو نہیں سمجھتے۔ بَلْ قَالُوْٓا۔ بلکہ اپنی نادانی جہالت حماقت سے کہتے پھرتے ہیں کہ۔ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ
بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۔ یہ کشف ومراقبات کے دعوے
وسواسِ کاذبی ہیں۔ راہ سلوک کے الہامات افتری ہیں اور یہ وادیٔ معرفت کے راہ نورد محض اقوالِ
لطیف کے کاریگر ہیں یہ دعوٰی بیداری محض بازی گری ہے دلیلِ صداقت نہیں ہوسکتی۔ سچائی یہ ہے کہ
خلوت ومراقبات کو چھوڑ کر میدانِ ظاہر کی دنیوی نشانیاں لائیں جس طرح کہ فقہاءِ ظاہر علماءِ ماہر مشائخ
اکابر دلائل و براہین کے جوہر دکھاتے رہے۔ اے ہادیٔ انوار اور مرشدِ اسرار ان نفوسِ منکرین اور
کافرین معاندین کو سنا دے۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ وَمَآ
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔
صوفیا فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت ظاہراً باطناً کفارِ مکہ کی مذمت کے لیے اتریں مگر مسلمانوں میں بھی
بعض ایسے نام نہاد مسلمان بدعقیدہ پیدا ہو چکے ہیں کہ اگر شریعت کو مانتے ہیں تو طریقت کے گستاخ اور اگر طریقت کو مانتے ہیں تو
شریعت سے بیزار و غافل بلکہ متنفر ہر طرف سے حیلے بنا کر جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ کافرین تو انبیاء کے منکر
مگر یہ گمراہ لوگ اولیاء اللہ کے منکر طریقت کی پاکیزہ محفلوں خلوتوں، چلوں وظیفوں مراقبوں کو مکر کا جال
کہنے والے گستاخِ ولایت۔ کفار تو معجزات کے اور یہ ضالین کرامات کے کفار نے انبیاء علیہم السلام
سے ہمیشہ ناجائز و فضول مطالبے کئے مگر یہ گمراہ اولیاء اللہ سے ناجائز اور دنیا پرستی کے مطالبے کرتے
ہیں بلکہ دنیا پرست اگر مرید بھی بنتا ہے تو دنیا طلبی کے لیے اور مرشد بیعت سے صرف دنیا سازی کے
ہی مطالبے کرتا ہے۔ آج کل پیر کا مصرف اور پیری مریدی کا مقصد صرف تعویذات کو سمجھ لیا گیا
ہے پیر وہ پیارا لگتا ہے جو نماز روزے کا حکم نہ دے شرعی پابندیوں سے آزاد کر دے طریقت
کے چلے وظیفوں مراقبات خلوات نفس کشی سے علیحدہ کر دے یہ آیت ایسے بدنصیب لوگوں
کا بھی نقشہ کھینچ رہی ہیں کہ اگر ایک مطالبہ پورا کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی بندگیٔ الٰہی کی طرف توجہ
نہیں آتی بلکہ ان دنیادار اہلِ نفوس کے مطالبے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب نے تعویذ
دیا تو فلاں مرید مالا مال ہوگیا دولت مند بن گیا۔ تم پیر ہو تو تم بھی ہم کو ایسا ہی تعویذ دو جس سے دولت آئے
اس کی پرواہ نہیں کہ حلال ہو یا حرام۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ بیعت وارشاد پیری و مریدی دنیا سازی کے لیے
نہیں ہوتی بلکہ آخرت بنانے کے لیے ہوتی ہے۔ جب اُس فلاں پیر نے فلاں مرید کو تعویذ دے کر دولت مندی
دی تھی تو وہ کب عبادت و ریاضت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آیا تھا جو اب تم آؤ گے۔ اولیاء اللہ بھی
انسان ہی ہوتے ہیں کوئی دوسری مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے الہاماتِ اسرار سے ان

ہی اہلِ قلب وعقل پر نزول و ورود فرماکر نوازا جاتا ہے جو بھی خلوصِ عمل سے ہماری بارگاہ میں آتا ہے ان کے پاس ہم اُن ہی مردانِ راہ کو اپنی ولایت کا تاج پہنا کر بھیجتے ہیں صرف نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے ولایت کا دروازہ تو ہر مسلمان کے لیے سدا کھلا ہوا ہے کیونکہ نبوت وھبی عطائی ہے اور ولایت کسبی عطائی ہے اگر یہ باتیں تم اپنی غفلت وکسلت کو معلوم نہیں تو اُن ذکر والوں سے پوچھ لو جو ہر وقت رب تعالیٰ کی یاد اور ذکر فکر میں آخرت بنانے کے لیے عشقِ الٰہی محبت مصطفائی کی اتباع میں مصروف رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نبوت کو اور نبوت کی بارگاہ سے ولایت کو ہر زمانے میں فیض ملتا ہی رہتا ہے یہ راہِ ولایت دنیا سازی کے لیے نہیں آخرت بنانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو شیطانی اثرات سے پاک وصاف کر دیا اور اُن کے اجسامِ بشریہ کو بشری نفوس سے جن کی بنیاد ہی ظلمت اور تاریکی پر ہوتی ہے جدا کر دیا اور اس میں نفوسِ قدسیہ ودیعت فرما دئیے اسی وجہ سے انبیا علیہم السّلام کے حال اور امت کے حال میں بڑا فرق ہے۔ وہ صفات جو وجود انبیا میں موجود ہوتی ہیں جب اُن کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں وحیِ خفی وجلی اور آیاتِ کلامِ الٰہی قدیم سے امداد ملتی ہے تاکہ دنیا زمانوں سے تاریکی صفات وکیفیات کا خاتمہ ہو۔ یہ انعامِ الٰہی انبیا علیہم السلام کے لیے خاص رحمت اور اُمتوں کے لیے عام رحمت ہوتی ہے۔ یہی شان سردار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی تا ابد ہے کہ آپ کی مختلف صفات کے ظہور پر مختلف اوقات میں آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ قدسیہ نازل ہوتی رہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ایک ارشاد فرمایا کہ کفار تو کہتے ہیں کہ قرآن ایک دم مکمل طور پر کیوں نازل نہیں ہو جاتا مگر ہم نے اِس کو اس لیے آیت آیت کر کے نازل فرمایا تاکہ اس سے تمہارے قلبِ مسعود کو مضبوط اور خوش رکھیں۔ اور امت پر آسانیاں قائم کریں چونکہ قلب اور نفس کے باہمی تعلق کی وجہ سے بشری صفات کے نمودار ہونے پر نفس کی حرکت سے اضطراب پیدا ہوتا ہے اس لیے اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے دل کو مضبوط کیا جاتا ہے اور دل مرکزِ قوت ہے نفسِ امارہ مرکزِ ضعف اور کمزوری ہے اس لیے انبیاء علیہم السّلام کا نفسِ امارہ مردہ کر دیا جاتا ہے۔ اور سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ امارہ تو نکال ہی دیا گیا اور اسی نکالنے کے لیے بچپن شریف میں سینہ چاک کیا گیا جس کا ظہور صرف ایک ہی دفعہ ہوا شبِ معراج کا شقِ صدر صرف خواب میں ہوا کہ جانتے ہیں وہ معراج منامی تھی نہ کہ ستائیس رجب والی جسمانی معراج جن لوگوں نے جسمانی معراج کی شب بھی ظاہراً شقِ صدر مانا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ امت کے اضطرابِ نفس کو دور کرنے کے لیے انبیاء علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا جاتا ہے جو اعلیٰ اخلاق کا سبق دیتے ہیں اور کلامِ الٰہی کی آیات سناتے ہیں جن میں قلب وعقل۔ روح ونفس کا ذکر صراحتاً یا اشارۃً موجود ہوتا ہے

نزولِ آیت سے انبیا علیہم السّلام کی تسلی۔ اولیا علما کی تشفی صالحین کی بشارت فاسقین کی نذارت کافرین کی ابدی ہلاکت کا ذکر ہوتا ہے تسلی سے قوتِ قلب کا ثبوت تشفی سے اضطرابِ نفس کی نفی بشارت سے خوشی نذارت سے خوف ہلاکت سے وعید ظاہر ہوتی ہے۔ قرآنی آیت ان صفات کے اظہار کے لیے مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ اسی لیے کلام الٰہی میں اخلاقِ محمدی کا تعلق قرآنِ حکیم سے قائم فرمایا گیا کہ قرآن مجید اور اخلاقِ نبوت کو عظیم کہا گیا اس طرح کہ زبانِ نبوت نے قرآن مجید کا پتہ دیا اور زبانِ قرآن نے خلقِ عظیم کا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ صفاتِ الٰہی ہیں اور قرآن مجید مظہرِ مصطفیٰ ہے جیسے انبیا علیہم السّلام میں صفاتِ بشریت ایسی قائم کی گئیں تاکہ امت کی مکمل اصلاح ہو سکے۔ یہ اصلاح نہ ملکی صفات سے ممکن تھی نہ جنی نہ نسائی۔ بدیں وجہ تمام رُسُل علیہم السّلام کو مرد بنایا گیا۔ صفاتِ نبوی کی تعلیم سے ہی تذکیۂ نفسی وجلاءِ روح ہے۔ تمام انبیا علیہم السّلام کا اخلاق اعلیٰ ہے اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق عظیم ہے اخلاقِ عظیم تکمیل ہے اخلاقِ حسنہ کی اولیاء اللہ کے اخلاق اشرف ہوتے ہیں عوام مومنین کے اخلاق شریفانہ غرض کہ رب تعالیٰ کے پاس اخلاقِ حسنہ کے خزانے ہیں جب رب تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی فرماتا ہے تو اسے عطا فرماتا ہے۔ انہی خزانوں سے تمام مخلوق کو ان کی وسعتِ قلبی کے اعتبار سے عطاءِ اخلاق ہوتی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقِ عظیم کی عطا ہوئی یہ اکمل ترین ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ بُعِثْتُ اِلَیْکُمْ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ اَخْلَاقٍ۔ یعنی میں تمہاری طرف اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں، دیگر انبیا علیہم السّلام کو خلقِ اعلیٰ کی عطا ہوئی اولیاء علما کو اخلاقِ اشرف کی اہل ایمان کو خلقِ شریفانہ کی اور کفار کو خلقِ رذیلہ کی فاسقین کو خلقِ احمقانہ کی۔ واللہ اعلم۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا

اور نہ بنایا ہم نے اُن کو ایسے بدن جو غذا نہ کھاتے ہوں اور نہ

اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ

كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ

وہ ہمیشہ دنیا میں رہنے والے تھے۔ پھر پورا کر دیا ہم نے اِن کے وعدے کو کہ نجات دیدی ہم نے اُن کو

وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں۔ پھر ہم نے اپنا وعدہ انہیں سچا کر دکھایا تو انہیں نجات دی

وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور ان تمام لوگوں کو جن کو پسند کیا اور فنا کر دیا ہم نے ناجائز کام کرنے والوں کو۔ البتہ بیشک نازل کیا ہے

اور جن کو چاہی اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ بیشک ہم نے تمہاری

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ وَكَمْ

ہم نے تم تک ایک عظیم ایسی کتاب کہ جس میں تمہارا چرچہ تذکرہ ہے تو کیا تم یہ بھی نہیں سوچتے حالانکہ

طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمہاری ناموری ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ اور کتنی

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

کتنی ہی فنا کر دیں بستی والی تو میں جو ظالم تھیں اور نئے سرے سے پیدا کر دیا

ہی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں اور وہ ستمگار تھیں اور

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ

ہم نے ان کے بعد ہی دوسری قوموں کو مگر جب ان ظالموں نے محسوس کیا

ان کے بعد اور قوم پیدا کی۔ تو جب انہوں نے ہمارا

اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ ؕ

ہمارے عذاب کو تب ہی وہ لوگ اس عذاب سے تیز بھاگنے لگے۔

عذاب پایا جبھی وہ اس سے بھاگنے لگے۔

تعلقات ان آیات پاک سے سابقہ آیات پاک کا چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں انبیاء کرام کے انسان ہونے کی ایک دلیل پیش فرمائی گئی کہ وہ مردہ بھی ہوتے ہیں اور جو نے رہے اب ان آیات میں دوسری دلیل بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اپنے انسانی تقاضے کے

مطابق کھاتے بھی ہیں لہٰذا کفار کا اب یہ مطالبہ کہ نبی کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ یہ جب پہلے کبھی نہ ہوا تو اب کیا ہوگا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم کو تاریخ اور نافرمانوں کی بستیوں کے انجام کا پتہ نہیں ہے تو ذکر والوں یعنی یہود و نصاریٰ باعزت دار نامور لوگوں سے اور پڑھوں لکھوں صاحب عقل حضرات سے پوچھ لو۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے یہ نصیب تمہارے لیئے تمہارے پاس اتنی عظیم اور مضبوط کتاب آگئی ہے کہ اگر تم اس کی غلامی فرمانبرداری میں آجاؤ تو تم خود تا قیامت ذکر والے بن جاؤ گے لوگ اور غیر قومیں تمہارے در کے سوالی بن جائیں گے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نافرمان قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ہلاکت کے بعد نئی مخلوق اور نئی قوموں کو ان بستیوں میں آباد کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول ایک مرتبہ کفارِ مکہ نے بہت شور مچایا کہ اگر تم سچے نبی ہو اور عذاب آنے کی خبر سچی ہے تو ہم پر جلدی عذاب نازل کرو اس پر یہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۱۱ تا ۱۲ ان میں ایک نافرمانوں کی تباہ شدہ بستی کا ذکر ہوا بستی کا نام حصور تھا ان ظالموں نے اپنے نبی علیہ السّلام کو قتل کر کے شہید کر دیا تھا تب غضب الٰہی سے اُن پر بخت نصر بادشاہ کے حملوں کی شکل عذاب و قہر مسلّط کیا گیا تھا جس نے بڑی بیدردی سے چن چن کر ان کافروں کو قتل کیا بلکہ اس کا قتل عام بڑھتا ہی گیا تو یہ ظالم کفار اس عذاب سے ڈر کر بھاگے فرمایا جا رہا ہے کہ اب تو عذاب کی بڑی جلدی مچا رہے ہو مگر جب آگیا تو اپنے اُن بڑوں کی طرح بھاگتے چھپتے پھرو گے (از خزائن العرفان)

تفسیر نحوی وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ

واؤ برجملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) مَا جَعَلْنَا۔ باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم منفی معروف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مرجع ہے رِجَالًا مفعول بہ اوّل ہے جَسَدًا۔ اسم حاصل مصدر جامد۔ لغوی ترجمہ مرکب چیز یعنی ملاوٹ شدہ جَسَد کے پانچ اجزاء ہوتے ہیں ۱ لمبائی ۲ چوڑائی ۳ موٹائی ۴ گہرائی ۵ رنگ اس کی جمع ہے اَجْسَادٌ۔ اسی معنی میں جسم اور وجود ہے مگر فرق یہ ہے کہ جسم عام ہے ان چیزوں کو بھی جن کے رنگ نہیں ہوتے اس لیے پانی اور ہوا کو جسم تو کہہ سکتے ہیں جسد نہیں کہہ سکتے اور وجود اصطلاحاً اس سے بھی زیادہ عام ہے ان چیزوں کے لیے جن کی گہرائی موٹائی لمبائی چوڑائی بھی نہیں ہوتی جیسے خوشبو وغیرہ اسی فرق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے وجود کا استعمال ہو سکتا ہے لیکن جسد اور جسم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولنا گناہ ہے۔ جسد اور جسم میں نسبت

عام خاص من وجہ ہے اور وجود ان کی جنس بعید ہے۔ اور یہ جسد جسم کی فصل قریب ہے۔ ترکیب نحوی جملہ
موصوف ہے لَا یَاْکُلُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع منفی بِلَا معروف۔ جمع مذکر غائب اَکْلٌ سے مشتق
ہے بمعنی غذا کھانا اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے رِجَالًا۔ اَلطَّعَامَ۔ اسم مفرد
مبالغہ بروزنِ فَعَالٌ غُلَامٌ وغیرہ طُعْمٌ سے مشتق ہے بمعنی تیار شدہ غذا اس کی جمع اَطْعِمَۃ یعنی کسی
چیز کو ایسی حالت میں لے آنا کہ کھانے والا اس کو بسہولت مزے سے کھا سکے۔ عام ہے ہر جاندار کی غذا
کو یہاں مراد ہے انسانی غذا خوراک، مفعول بہ لَا یَاْکُلُوْنَ اپنے فاعل و مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو کر صفت ہوئی جَسَدًا کی یہ مرکب توصیفی مفعولِ دوم ہے مَا جَعَلْنٰھُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واو برجملہ
کَانُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق منفی جمع مذکر غائب فعل ناقصہ ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم خَالِدِیْنَ۔ اسم
فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب خبر ہے خُلْدٌ سے مشتق ہے بمعنی ہمیشہ رہنے والے۔ مَا کَانُوْا اپنے اسم
و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی (دیر کرنے) کے لیے اس کا عطفی تعلق
ہے نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ سے یعنی ہم اپنے رسولوں کے پہلے وحی کے پیغامات بھیجتے رہے پھر بعد میں ہم نے
ان سے کیے ہوئے وعدے سچے کر دئیے۔ صَدَقْنٰھُمُ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم معروف مثبت
بافاعل ھُمْ ضمیر مفعول بہ اوّل اَلْوَعْدَ مفعول بہ دوم یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ
تعقیبیہ اَنْجَیْنٰھُمْ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم بافاعل اس کا مصدر ہے اِنْجَاءٌ
نَجٰی سے بنا ہے بمعنی بچانا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل معطوف علیہ واو عاطفہ مَنْ
اسم موصول جنسی جمع کے لیے نَشَآءُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع متکلم شَیْءٌ سے
مشتق ہے بمعنی چاہتا پسند کرنا یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر معطوف
ہوا ھُمْ ضمیر کا دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا اَنْجَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واو
عاطفہ اَھْلَکْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِھْلَاکٌ ھُلْکٌ سے بمعنی
بمعنی فنا کرنا الف لام استغراقی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُسْرِفِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر مصدر
ہے اِسْرَافٌ سَرَفٌ سے بنا ہے بمعنی ناجائز اور خلافِ قانون کوئی کام کرنا مراد ہے فضول خرچی
بحالتِ نصب ہے، مفعول بہ ہے اَھْلَکْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَنْجَیْنَا کے
جملے پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہوا ثُمَّ صَدَقْنَا کے جملے پر یہ دونوں عطف ہیں نُوْحِیْ کے
جملے پر۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ
کَانَتْ ظَالِمَۃً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَھَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا ھُمْ مِّنْھَا

یَرْکُضُوْنَ ۔ لَقَدْ۔ لام تاکید یہ ابتدائیہ قَدْ اَنْزَلْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم مصدر ہے اِنْزَالٌ بمعنیٰ اُتارنا اوپر سے نیچے لانا نُزُوْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اترنا یہاں ماضی قریب قربِ زمانی کو بتانے کے لیے ہے اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرجع کفارِ مکہ یہ ضمیر مبنیًا ہے غایت کی یعنی اے کفارِ مکہ یا اے اہلِ عرب فقط تم تک یہ کتاب آئی ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے کِتٰبًا اسم مبالغہ بروزنِ فِعَال یہاں تنوین تنکیری نہیں کیونکہ کتاب سے مراد مخصوص ذہنی قرآن کریم ہے بلکہ یہ تنوین (دو زبر) تعظیمی ہے یعنی بڑی اور عظیم کتاب موصوف ہے فِیْہِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجودًا اسم مفعول کا ذِکْرُ اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنیٰ تذکرہ مشہوری مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی نائب فاعل ہے موجودًا کا یہ اسم مفعول پوشیدہ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی کِتٰبًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے اَفَ دراصل ہے فَاَ یہ پورے قرآن مجید میں اسی عکسی (اُلٹے) طریقے پر تقریبًا ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے فَ عاطفہ اگلے جملے کا عطف ہے فِیْہِ ذِکْرُکُمْ کے جملے پر۔ اَ ہمزہ سوالِ انکاری و توبیخی کے لیے ہے یعنی جھڑک ہے کہ ایسی بے عقلی مت کرو۔ لَا تَعْقِلُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف منفی بلَا۔ جمع مذکر حاضر خطاب ہے اہل عرب کو یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف فِیْہِ ذِکْرُکُمْ کے جملے پر واؤ سے جملہ۔ کَمْ اسم کنایہ خبریہ بیانِ کثرت کے لیے بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہٖ مقدم ہے قَصَمْنَا بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم قَصْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ریزہ ریزہ کر کے فنا کرنا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ قَرْیَۃٍ اسم مفرد جنسی ۔جمع یعنی لفظًا واحد معنًا جمع مراد ہے اہلِ قریہ یعنی بستی والے موصوف ہے کَانَتْ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ اِس کا مرجع قَرْیَۃٍ ہے یہ پوشیدہ ضمیر اسم ہے کَانَتْ کا ظَالِمَۃً بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی واحد مؤنث اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کَانَتْ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَاَنْشَاْنَا کا جملہ معترضہ علیحدہ ہے۔ واؤ سے جملہ اَنْشَاْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِنْشَاءٌ نَشْئَۃٌ یا نُشُوْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدا کرنا بڑھانا قد آور ہونا۔ پرورش کرنا۔ پیداوار میں اضافہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ بَعْدَھَا مضاف اور مضاف الیہ ظرفِ زمانی ہے ھَا ضمیر واحد غائب مؤنث کا مرجع قَرْیَۃٍ ہے قَوْمًا اسم مفرد لفظی لیکن معنًا جمع ہے موصوف ہے آخَرِیْنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم تفضیل جمع مذکر مگر یہ دیگر اسم تفضیل کے قاعدۂ کلیہ حکم سے مستثنیٰ ہوتا ہے یہاں مِنْ ظاہر یا پوشیدہ کی ضرورت نہیں نہ معرف باللّام

ہونے کی ضرورت بحالت نصب کیونکہ صفت ہے قَومًا کی چونکہ قوماً معناً جمع ہے اس لیے آخرین جمع لایا گیا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے اَنشَأنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَلَمَّآ۔ فَ عاطفہ بیانیہ لَمَّآ حرف شرط۔ لَمَّا تین قسم کا ہوتا ہے لَمَّا نافیہ یہ مرکب ہوتا ہے لَمْ اور مَا سے لَمَّا استثنائیہ لَمَّا شرطیہ یہاں یہی ہے اَحَسُّوا باب اِفعال ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِحسَاسٌ بمعنیٰ محسوس کرنا۔ پتہ لگ جانا حَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے بَأسٌ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے سخت نقصان وہ چیز اصطلاح میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو عذاب مراد ہوتا ہے اور جب غیر کی طرف تو لڑائی جھگڑا دنگا فساد مراد ہوتا ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے بَأسَنَا مرکب اِضافی مفعول بہ ہے اَحَسُّوا اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ اِذَا مفاجائیہ (بمعنیٰ اچانک) هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مِنْهَا یہ جار مجرور متعلق مقدم۔ یَرْكُضُونَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع جمع مذکر غائب مثبت معروف رَكْضٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ روندنا۔ رگڑنا ٹھوکنا۔ پیر مارنا، تیزی سے دوڑ جانا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ میں ہے یہ فعل با فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر معطوف ہوا كَانَتْ ظَالِمَةً کے جملے پر دونوں عطف مل کر صفت ہو گی مِن قَرْيَةٍ۔ خیال رہے کہ اِن آیت میں جمع متکلم کی تمام ضمیریں اور صیغے اللہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ

کفار نے نبوت کو کبھی شاعری کبھی ساحری۔ کبھی جنون۔ کبھی فتون کبھی اِفتریٰ کبھی اَحلام کبھی آسیب زدگی جیسے گھٹیا الفاظ سے منسوب کیا اور تقاضا کیا کہ نبی کو تو فرشتہ ہونا چاہیے اس میں مَلکیت کی صفات ہونی چاہئیں نہ کھائے نہ پیئے نہ شادی بیاہ کرے نہ بازاروں میں چلے پھرے نہ کبھی فوت ہو ان تمام لغو تقاضوں کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کفارِ مکہ بلا سوچے سمجھے ہمارے محبوب نبی کریم کی ہر بات ہر کام پر اعتراض تو کر دیتے ہیں مگر یہ غور نہیں کرتے کہ اس سے پہلے ہم نے کسی بھی جاندار کو ایسا نہیں بنایا جو کھانا نہ کھائے اور نہ کوئی ایسا جسم بنایا جو ہمیشہ زندہ رہے حیاتِ دنیوی میں بلکہ ہر جسم کو صفاتِ جسمانیہ دی گئیں اور صفاتِ جسمانیہ میں کھانا پینا اور فوت ہونا بھی ہے یہاں تک کہ جسمِ نبوت پر بھی یہ لوازماتِ بشریہ طاری فرمائے اور جو لوازماتِ انسانی

جاندار جسم کے لیے از ابتدا تا انتہا ضروری ہوتے ہیں وہ سب جسم انبیاء کے لیے ضروری ہیں۔ خواہ یہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ہوں یا ان سے پہلے انبیاء جن کی تم مثالیں دیتے ہو اور جن کو تمہارے مشیرانِ خاص مخالفت وعداوت والے یہود و نصاریٰ برحق نبی مانتے ہیں وہ بھی کھاتے پیتے بازاروں میں چلتے شادی بیاہ کرتے اور وفات پاتے رہے اُن کے مزارات و قبور موجود ہیں یہ کوئی حیران کن انوکھی بات نہیں کہ نہ ماننے کا بہانہ لے کر اسی کی ضد لے بیٹھے نہ یہ کبھی نبوت کی نشانی رہی۔ نبوت کی نشانی تو یہ تھی کہ ثُمَّ صَدَقْنَا۔ جب کبھی کافر اُمت اپنے نبی کی مخالفت عداوت اور اذیت رسانی میں انتہا کو پہنچی تو ہم نے اپنے انبیا کو وحی کے ذریعہ وعدہ دیا کہ آپ اِس مردود و موذی قوم کو ہلاک کر دیا جا رہا ہے۔ اور اپنے انبیاء و اہلِ ایمان کو جس کو ہم چاہتے پسند کرتے ہیں اس آسمانی ناگہانی عذاب سے نکال کر بچالیں گے پھر ہم نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا اس طرح کہ اس عذاب سے انبیاء کو بھی علیحدہ بچا لیا اور جس جس کو چاہا اُن کے ایمان کی وجہ سے بچالیا اور اُن تمام مقبوحین مردودین کو ہلاک و تباہ کر دیا جو ہر طرح کفر شرک ظلم ایذا رسانی سرکشی غرور نافرمانی مخالفت دشمنی میں حد سے بڑھنے والے تھے اور اپنا ہی نقصان کرنے والے۔ نبی کو انسان اور مرد بنا کر بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی عین حکمت و مصلحت ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مخلوقاتِ انسانیت کی ہر چیز عام جاندار حیوانات و جنات سے مختلف و ممتاز فطری لازمی ہے یہاں تک کہ کھانے پینے جینے مرنے میں بھی مگر خود انسان میں باوجود ہزار طرح عقل و فن ہونے کے اس چیز کا شعور نہیں کہ جانوروں سے اپنے آپ کو ممتاز کر سکے اور حیوانی زندگی سے الگ ہو کر شرافت و تہذیب کی زندگی گزار سکے۔ وہ اگر گھلنے ملنے محبت کرنے پر آئے تو کتوں بلوں سوروں کے منہ چومتا ہے اور اگر تعظیم کرنے پر آئے تو چوہوں بندروں کو دیوی دیوتا سمجھ لیتا ہے اور لکڑیوں پتھروں درختوں کو خدا مان لیتا ہے۔ کھانے پر آئے تو بول براز، حرام اشیا غلاظت و گندگی سب پکڑ کھا جائے۔ پینے پر آئے تو شراب و پیشاب تک پی جائے۔ مرنے پر آئے تو سڑکوں کے کنارے مر جائے منہ کتے چاٹیں۔ مرنے کے بعد آگ میں جلایا جائے بے گور و کفن مٹایا جائے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ انسان کو انسانیت سکھانے کے لیے نبوت کی ایسی مخلوق بنائی جائے جو انسانیت کے لبادے بشری میں نور کے سانچے میں عقلِ کُل شعورِ تام لے کر اِس عالم دنیا میں آئے اور انسانوں کو کھانا پینا جینا مرنا دفنانا سکھائے۔ اور چونکہ قول سے زیادہ عمل مؤثر ہوتا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے کسی نبی کا جسدِ عنصری ایسا نہ بنایا جو قوم و اُمت میں رہتے ہوئے نہ کھائے پیئے اور نہ فوت ہو نبوت کے اجسام پر یہ تمام واردات عین حکمتِ ربانی اور امتِ

انسانیت پر مہربانی ہے ورنہ رب تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ انبیا علیہم السّلام دنیا میں لمبی عمر پائیں جیسے کہ زمین پر خضر و الیاس علیہما السّلام اور آسمانوں پر عیسیٰ و ادریس علیہما السّلام کہ یہ سب لمبی زندگی کے ساتھ بغیر کھائے پیئے آسمانوں پر موجود ہیں اور اصحاب کہف ہزاروں سالوں سے بغیر کھائے پیئے سو رہے ہیں۔ یہ تمام قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۔ اے اہل عرب تم پر ہمارا کتنا بڑا احسان و شفقت ہے کہ بے شک ہم نے نازل فرمایا تمہاری طرف ایسی عظیم پائیدار ابدی کتاب کو جس میں تمہارا ذکر و چرچہ ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کے نزول سے اہل عرب پر تین طرح احسان ہوا۔ اوّلاً یہ کہ اے اہل عرب تمہاری زبان عربی میں یہ نازل ہوا یہ عربی کسی دوسری آسمانی کتاب کو نہ ملی۔ اس قرآن مجید کی وجہ سے تمہاری عربی زبان ساری دنیا میں اپنوں پرایوں میں مشہور و مقبول ہو گئی۔ اور زبان کے ذریعے تم مشہور ہوئے اور پھر تمہارے ذریعے تمہاری تہذیب معاشرہ رسم و رواج تمدن تعلق دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ دوم یہ کہ اس کتاب قرآن مجید نے تم کو شرافت بخشی۔ بد واہیت سے شستگی تک پہنچایا۔ تمہاری تکلم کی شان۔ جرأت کی آن، بہادری کی دھاک بٹھائی، سوم یہ کہ اس قرآن کریم میں لوگوں کے لیے تمہارا اچھا اور نیک تذکرہ اور تمہارے لیے دین دنیا چلانے کا میابی سے قائم رکھنے کے اصول قواعد قوانین، انسانیت کے مفید درس اور نصیحتیں ہیں۔ اتنی عظیم آسان نایاب اور تا قیامت باقی رہنے والی کتاب کو ماننے سمجھنے کے لیے بھی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ تم ذرا عقل نہیں رکھتے نہ تدبر کرتے ہو نہ تفکر تا کہ غفلت کے غلاف سے نکلو شکر کرو اور احسان مانو ایمان لاؤ، حالانکہ تم سابقہ تجربوں کتابوں تاریخوں میں پڑھتے بھی ہو اور سنتے دیکھتے بھی رہتے ہو کہ تمہاری ہی طرح کی بہلی ضدی سرکش مغرور قومیں کتب الٰہیہ کو نہ ماننے والی انبیا کی توہین و گستاخی نافرمانی ایذا رسانی کرنیوالی کتنی ہی اُن بستیوں کو ہلاک کر دیا گیا جو اپنی ہی جانوں پر ظلم کرنیوالے لوگوں کی تھیں مع بستیوں کے اُن قوموں کو تباہ کر دیا۔ اس طرح کہ کسی پر ظالم و جابر بادشاہوں کو مسلط کر دیا گیا جنہوں نے قتال تلوار ہلاک تیر سے اُن سرکشوں کا خاتمہ کر دیا۔ چونکہ یہ تسلط شاہی و لشکری بحکم الٰہی تھا اس لیے قَصَمْنَا جمع متکلم کا صیغہ ارشاد ہوا جیسا کہ بیتُ المقدس کی اسرائیلی ظالم قوموں کے ساتھ بخت نصر بادشاہ نے کیا۔ جبکہ اُن بدبخت اسرائیلیوں نے چند انبیا علیہم السّلام کو شہید کیا تھا تب رب تعالیٰ نے اُن ظالموں کو ہلاک کرنے کے بعد یمن قریب یمن ایک بستی حضور یا سحول میں ایک

دوسری قوم کو پیدا فرمایا پھر جب کچھ زمانے بعد انہوں نے بھی ظلم و غرور شروع کر دیا تو ان پر بھی قتال و خون ریزی کا عذاب بھیجا۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ اب ہم پر معیبت تنگی اور قتل عام کی غارت گری کا عذاب آنیوالا ہے اس لیے وہ بستی سے نکل کر کسی جائے پناہ کی تلاش میں بھاگے کچھ پیدل کچھ سوار کہ شاید اس عذاب سے بچ جائیں۔ تفسیر صاوی نے یہ واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ علاقہ یمن میں ایک بستی جس کا نام حضور تھا یا سحول۔ وہاں ایک نبی موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام مبعوث ہوئے قوم نے ان کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے اُن پر عذاب الٰہی آیا اور بخت نصر نے ان پر حملہ کر دیا ہزاروں کو قتل کیا عورتوں کو قیدی بنایا۔ باقی لوگ بستی سے جان بچا کر بھاگے ان کا یہاں ذکر ہے کہ اے ظالمو انبیاء کے سامنے بڑے مغروری سے اکڑتے تھے اب کیوں بزدل ہو کر بھاگ رہے ہو اب بھی ٹھہرے رہو۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ یہی بخت نصر بادشاہ جس نے پہلے بیت المقدس پر چڑھائی کی تھی اور وہاں کے کفار بدکار ظالم بنی اسرائیل کا قتل عام کیا تھا۔ کم قصمنا میں اسی پہلی قوم کا ذکر ہے "قصم" اور "فصم" کا فرق یہ ہے کہ قصم کا معنیٰ ہے ٹکڑے کر کے ہلاک کرنا اور فصم کا معنیٰ ہے بغیر قتل موت دیدینا۔ یا قصم کا معنیٰ ہے مع بستی سب کچھ ہلاک و تباہ کر دینا۔ اور فصم کا معنیٰ ہے بستی سے نکال کر صرف لوگوں کو ہلاک کرنا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مفسرین کے مختلف اقوال ۔ جسد اور جسم میں یہ فرق ہے کہ جسد صرف جسم کثیف کو کہتے ہیں جس کا رنگ جو ہر اور لمبائی چوڑائی موٹائی ہو مگر جسم ہر کثیف و لطیف کو کہدیا جاتا ہے لہٰذا ہوا وغیرہ کو جسم تو کہا جاتا ہے جسد نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح جنات اور فرشتوں کا جسد نہیں جسم ہوتا ہے۔ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ میں دو قول ہیں ۱ بذریعہ وحی انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ فرمایا ۲ اپنا فیصلہ ازلی قدیمی سچا فرمایا۔ مُسْرِفِیْنَ میں دو قول ہیں ۱ اپنی جانوں پر حد سے بڑھنے والے ۲ اہل ایمان کی ایذاء رسانی میں حد سے بڑھنے والے۔ ذِكْرُكُمْ میں چار قول ہیں ۱ ذِكْرُكُمْ سے مراد عربی زبان ۲ شرافت اور اچھا تذکرہ مراد ہے ۳ نصیحت اور دینی اصول و قوانین مراد ہیں ۴ وعدے اور وعیدیں مراد ہیں۔ كَمْ قَصَمْنَا۔ اور اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا۔ میں تین قول ہیں ۱ یہاں دو قومیں مراد ہیں پہلی قوم بیت المقدس والی کافر ظالم اسرائیلی دوسری قوم علاقہ عرب یمن کے اہل عرب سحول یا حضوری بستی کے باشندے یہاں کا کپڑا بھی پہلے زمانوں میں مشہور ہوتا تھا ۲ یہ بستی حضور علاقہ یمن میں ہے ۳ علاقہ حجاز میں ہے اب اس کا نام سحول ہے شام کے قریب ہے لفظ اَنْشَاْ۔ اختراع، تکوین۔ تخلیق اور لفظ ایجاد قریب قریب ہم معنیٰ الفاظ ہیں ان کے نبی کے اسم مقدس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ان کا نام موسیٰ بن میشا تھا۔ بعض نے کہا کہ ان کا نام شعیب بن ذی

محترم تھا اور ان کا مزار مقدس صنعانی پہاڑیوں میں ایک پہاڑی میں ہے علاقہ یمن کی سرحد پر مدین والے شعیب علیہ السّلام دوسرے ہیں ۳ بعض نے کہا کہ ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ یہی زمانہ حضرت ارمیاہ کا ہے ان کے زمانے میں بھی اختلاف ہے ایک قول میں یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے پہلے کا ہے ۴ بعض نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے کئی سو سال بعد کا ہے۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس عذابِ الٰہی والے حملے سے پہلے اُس وقت کے ایک نبی ارمیہ علیہ السّلام کو وحی آئی کہ بخت نصر اہل عرب پر حملہ کرنے والا ہے لہٰذا تم اپنے گروہِ اہل ایمان کو اس بستی سے نکال کر لے جاؤ اور بارہ سالہ لڑکے معد بن عدنان کی خاص دیکھ بھال کرنا اس کو اپنے ساتھ اپنے براق پر بٹھا کر لے جانا۔ کیونکہ یہ نبی آخر الزمان کی اصل میں سے ہے اس کی صلب میں نبی آخر الزّمان ہیں۔ ارمیاہ علیہ السّلام نے بحکمِ الٰہی اُن کو نہایت شاندار تربیت عطا فرمائی اور جوانی تک ساتھ ہی رکھا اور پھر آپ کی شادی ایک شہزادی مُعَانَہ سے کر دی یہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نویں دادا ہیں اور معانہ نویں دادی۔ عدنان دسویں دادا اس شادی کے بعد بخت نصر کا حملہ علاقہ حصور پر ثابت ہے۔ (از تفسیر روح البیان)

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے تا قیامت دو واعظ عطا فرمائے ایک واعظِ ناطق یعنی قرآن مجید دوم واعظِ صامت یعنی موت۔ اس لیے ہر مسلمان کو حکم ربانی ہے کہ مشکلاتِ دنیوی میں قرآن کی طرف رجوع کرو اور مشکلاتِ قلبی میں موت کو یاد کرو یہ فائدہ فِيْهِ ذِكْرُكُمْ سے حاصل ہوا (روح البیان) جب کہ کُمْ ضمیر میں تمام مسلمانوں کو خطاب ہو۔ دوسرا فائدہ۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام بشری اعتبار سے جسد ہیں کہ کھانے پینے چلنے پھرنے جاگتے اور تمام حاجاتِ انسانیہ کے ساتھ ہیں مگر نورانی اعتبار سے جسم ہیں کہ باعتبارِ اجسام لطیف ہیں کسی چیز اور لوازماتِ انسانیہ کے حاجت مند نہیں اس لیے انبیا علیہم السّلام کو اپنی برابر سمجھنا کفر ہے۔ یہ فائدہ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ جَسَدًا فرمایا گیا نہ کہ جِسْمًا جسد اور جسم کا فرق تفسیر عالمانہ میں بتا دیا گیا۔ تیسرا فائدہ۔ معافی توبہ اور رجعت الی اللہ وہی مفید ہے جو نبی کی معرفت ہو اُن کے ہی سمجھانے فرمانے بتانے سے کی جائے خود اپنی عقل اپنے پچھتاوے اور ذاتی ندامت سے کرنا یا کسی فرشتے کی آواز سن کر توبہ توبہ کرنا فائدہ مند نہیں یہ فائدہ فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ کھانا پینا سونا

جاگنا۔ انسانی عیب نہیں ہیں بلکہ لوازماتِ انسانیہ میں سے ہیں لیکن اگر یہ کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا تعلیم نبوت کے خلاف ہو تو یہی سب گناہِ عظیم بن جاتے ہیں۔ اور آگ کھانے کے برابر ہے اسی لیے انبیاء کرام علیہم السّلام کو کھانے پینے سونے جاگنے چلنے پھرنے والا بنایا تاکہ عملی تعلیم حاصل کر کے امت سنور جائے انسانیت نکھر جائے اس لیے ہر مسلمان پر افعالِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی پیروی واجب ہے اسی کو اتباع کہتے ہیں۔ لہٰذا جو بد بخت شخص اپنی تحریر یا تقریر میں یہ کہے کہ افعالِ نبی کی اتباع واجب نہیں وہ گستاخ قرین شیطان ہے۔ یہ مسئلہ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ سب سے اہم اور بہت ضروری چیزوں کو پورا کرنا اور نبھانا ہے وعدہ خلافی ہر ایک کے لیے بہت بڑا عیب ہے یہ مسئلہ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ نے ایفاءِ وعدہ کیلئے خاص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے حالانکہ وہ خالق و مالک ہے اس پر کچھ واجب نہیں۔ تیسرا مسئلہ قانونِ شرعی کے مطابق کسی عذاب یا مصیبت اور وبائی علاقہ میں جانا گناہ ہے۔ مثلاً طاعون زدہ وغیرہ علاقہ میں لیکن اگر اپنے رہائشی علاقے میں اچانک کوئی وبا یا طوفانِ آسمانی آجائے تو بھاگنا بھی منع ہے ہاں اگر آنے سے پہلے کوئی نکل گیا تو جائز ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ سے مستنبط ہوا کہ ان لوگوں کا بخت نصر کے حملے کے اندیشے سے ڈر کر بھاگنا یا حملہ ہونے کی صورت میں بزدل بن کر بھاگنے کو برا کہا گیا۔ یہ حملہ ان کے ظلم و گناہ کی پاداش میں آسمانی عذاب ناگہانی آفت تھا، چاہیئے تھا کہ وہیں رہ کر سچی توبہ کر لیتے تو شاید معافی ہو جاتی اور عذابِ الٰہی ٹل جاتا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ۔ یعنی ہم نے کوئی جسم ایسا نہیں بنایا جو نہ کھاتا ہو یا جو ہمیشہ زندہ رہے فوت نہ ہو۔ حالانکہ بے شمار جسم ایسے ہیں جو کھانے پینے سے بے نیاز ہیں مثلاً ملائکہ اور جمادات نباتات بلکہ بعض انسان بھی جیسے کہ اصحابِ کہف جو صدیوں سے بغیر کھائے پیئے سو رہے ہیں۔ تو پھر یہ آیت کیونکر درست ہوتی ہے دارِ یہند یا جواب۔ اس کے دو طرح جواب دئیے گئے اوّلاً اس طرح کہ کفار کا اعتراض صرف انبیاء پر تھا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو نہ کھائے پیئے نہ فوت ہو۔ جیسا کہ فرشتے نہ کھاتے پیتے ہیں نہ فوت ہوتے ہیں۔ ان کی تردید کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کی یہ جبلی فطرت ہے جبلاً ہم نے ان کا جسد بنایا نہ کہ فقط جسم اور جسد کی فطرت ہے کھانا بھی پینا بھی فرشتے جسد نہیں وہ جسم لطیف ہیں ان کی مثال دینا غلط ہے۔ اور جمادات کی تشبیہ اس لیے غلط ہے کہ وہ بے جان اشیاء ہیں۔ جواب دوم یہ کہ

یہاں جبلت و فطرت کا ذکر ہو رہا ہے ہر انسان فطرتاً کھانے پینے کا ضرورت مند ہے۔ رہا محبت کا... نہ کھانا پینا، یہ قدسی نیند کا اثر ہے یا بعض اولیاء اللہ کا چالیس دن تک نہ کھانا پینا یہ ان کی ذاتی مشق ہے شاذ و نادر ہوتی ہے اور نوادرات پر قیاس کرنا غلط ہے۔ یہی حال خلود کا ہے ملائکہ کی دراز زندگی ضرور ہے مگر موت ان کو بھی آتی ہے، یہ نوادرات کا منجانب اللہ اظہار بھی شانِ نبوت و ولایت بتانے کے لیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام باوجود جبلی فطرت کے مطابق ہونے کے پھر بھی مافوق الفطرت قوت کے مالک بنائے جاتے ہیں۔ صوم وصال بھی اسی قوت خداداد کے تحت ادا ہو سکتے تھے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ فِیهِ ذِکْرُکُمْ ظاہرًا تو کہیں اہل عرب کا ذکر نہیں بلکہ تا قیامت ہر انسان کے لیے اس میں وعدے وعیدیں قانون بشارت و نذارت ہے تو یہاں ذِکْرُکُمْ۔ کیوں فرمایا گیا! جواب۔ سب سے بڑا ذکر اور چرچہ تو یہی ہے کہ ان کی لغت و زبان میں قرآن مجید آیا جو تا ابد باقی ہے یہ بڑی عزت افزائی ہے دوم یہ کہ رب نے ہر صیغے میں ان کو خطاب فرمایا باقی لوگوں کو ان کے واسطے سے سوم یہ کہ قرآن نے ساری دنیا کے سجدے رکوع نمازیں اُن کے کعبے کی طرف کرا کر سارے عالمِ اسلام کو ان کے جغرافیے کا محتاج و دانا بینا بنا دیا۔ چہارم یہ کہ سارے عالمِ اسلام کی بڑی تجارتی منڈی ہر سال بلکہ پورا سال علاقہ عرب خاص کر شہر مکہ کو بنا دیا پنجم یہ کہ تمام دنیا میں اہل عرب کی عزت قرآن مجید کے ذریعہ ہوئی۔ رابطہ عالم اسلامی کے لیے قرآن مجید سب سے بڑا اور موثر ذریعہ ہے۔ دیگر زبانیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ ششم یہ کہ لسانی جھگڑے قرآن مجید نے ختم کئے۔ ہر غیر عربی زبانِ عربی سیکھنے پر مجبور ہے کیونکہ اسی زبان پر ہر مسلمان کی عبادت و تلاوت کا مدار ہے اس کے علاوہ بھی ہزار ہا عزتیں اسی کتاب مبین کے ذریعے اہل عرب کو ملیں لہٰذا اُن پر فرض اولین ہے کہ قرآن کریم کے دامن میں صحیح طور سے آئیں۔

تفسیر صوفیانہ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا الخ۔ اور نہ بنایا ہم نے اُن عالمِ اسرار والوں کو ایسے جسم جو نہ کھاتے ہوں۔ اور نہیں ہیں وہ اس عالمِ رنگ و بو کی مصائب میں ہمیشہ کی زندگی والے پھر ازلی قدیم کا وعدہ ہم نے سچا کر دیا کہ ابتلاءِ ناسوتی سے اُن اسرار والوں کو بھی بچا لیا اور اپنے پسندیدہ لوگوں کو بھی اور راہ معرفت کے عیاروں کو ہم نے محرومی کی موت سے ہلاک کر دیا۔ انسان کو چار چیزیں عطا فرمائی گئیں (۱) جسد (۲) جسم (۳) روح (۴) قلب۔ جسد کی غذا کھانا پینا جسم کی غذا عبادت روح کی غذا اللہ رسول کا عشق۔ قلب کی غذا شکر کھانا پینا انسان کی عظمت ہے اس سے ہی اس کی اشرفیت ہے یہ نعمت فرشتوں کو بھی نہ ملی کھانے پینے کی دو قسمیں

ہیں ۱ غذاءِ رحمانی یعنی رزقِ حلال ۲ شیطانی غذائیں یعنی حرام رزق۔ شیطانی کھانوں سے شہوت حرص ہوس ابلیسیت فسق وفجور سرکشی غرور پیدا ہوتا ہے حلال غذاؤں سے شوقِ عبادت ذوقِ محنت محبتِ ایمانی عشقِ رحمانی لذتِ فراق وصل کی خواہش، کعبہ جمال کا قرب اور سیر الی اللہ کی قوت نصیب ہوتی ہے اگر غذائیت نہ ہو تو ہدایت نہ ہو ہدایت نہیں تو خواہشات نہ ہوں۔ اگر سینۂ بندگی میں خواہشات نہ ہوں تو تقابل نہ ہو اگر تقابل نہ ہو تو قربِ الٰہی کی تمنا نہ ہو تمنا نہ ہو تو ہمت نہ ہو، حلال غذا سے بندہ اہل اللہ بنتا ہے اور حرام غذا سے اہل نفس وشیطانی بنتا ہے۔ غذائیت نے انسان کو گیارہ علم سکھائے ۱ علم ذوق ۲ علمِ لذت ۳ علم شہوت ۴ علم جوع ۵ علم عطش ۶ علم شکم سیری ۷ علم ہضم ۸ علمِ امراض ۹ علمِ طب ۱۰ علم ادویہ ۱۱ علم تاثیراتِ نباتات۔ سب سے بڑی عبادت کھانے پینے میں احتیاط ہے لیکن حلال غذاؤں سے بچنا رہبانیت ہے جو گناہ ہے۔ حرام غذاؤں سے بچنا زہد ہے جو تعلیم اسلام کی نیکی ہے اس تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام کو کھانے پینے والا بنایا۔ اور اسی بات کو سمجھانے کے لیے لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ كِتٰبًا (الخ) البتہ بے شک نازل کی ہم نے اے عرب لوگو تمہاری طرف یہ کتابِ مبین جس میں تمہارا ذکر فکر نصیحت قوانین ہیں تاکہ تمہاری زندگی جانوروں سے ممتاز اور فرشتوں سے اعلیٰ ذوقِ قرآنی شوق رحمانی قربِ عرفانی والی ہو جائے۔ کیا تم اس بات کو نہیں مانتے سمجھتے کہ کس چیز میں فائدہ کس چیز میں نقصان ہے اے اہل نفوس چار چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ۱ راہبانہ عبادت کی طرف ۲ زاہدانہ عقل کی طرف ۳ دنیوی ڈر سے تقوے کی طرف ۴ نابالغی کی طہارت وعبادت کی طرف ان چیزوں کو کسی شمار میں نہ لانا چاہیئے جو شخص ان اعمال پر بھروسہ کرتا ہے وہ عمر اور وقت ضائع کرتا ہے کیونکہ یہ چاروں کم عقل کے اعمال ہیں وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۔ اور عالمِ ناسوت کی کتنی ایسی بے عقل وادیانِ باطنی کو ہلاک وضائع کر دیا ہم نے جو ظلم کرنے والی تھیں اپنی عاقبت کو خراب کر کے اور خباثت کی ہلاکت کے بعد ہم نے اجسامِ ناسوتی اور ابدانِ لاہوتی وَاجسادِ جبروتی میں نئے شعورِ تفکرات علومِ تصورات کو پیدا فرمایا اس طرح کہ جسم میں شعور بدن میں تفکر جسد میں تصور قائم ہو گیا۔ پھر جب غفلتِ عملی کا عذابِ محرومی پہنچا اور انہوں نے جان لیا کہ مقابلۂ عذاب مشکل ہے تو بجائے رجوع الی الحق اور توبۂ عرفانی کے حق سے فرار عمل سے دوری اختیار کی یہ ہی اہل نفوس کی بدنصیبی ہوتی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرِّ الشَّيٰطِيْنَ۔ اعمالِ اُخروی کی درستگی کا راستہ اُن ہی خوش نصیب لوگوں کو دکھایا جاتا ہے جو اخلاقِ محمدی سے

منصف ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں مگر گمراہوں کو دعوتِ عرفان نہیں دی جاتی اس لیے کہ یہ دعوت خداوندی ہے جو وہ اپنے مخصوص بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔ اُمّ المومنین صدیقہ کا فرمان کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآنِ کریم ہے اس میں بہت راز پوشیدہ ہے اور اخلاقِ ربانیہ کی طرف مخفی اشارہ ہے چونکہ یہ کہنا ممنوع ہے کہ اخلاق الٰہیہ سے متصف ہیں اس لیے اسی معنی کا باادب لہجہ یہی ہے کہ اخلاق نبوہ کو قرآنِ کریم کی طرف منسوب کیا جائے یہی اخلاق اُمت کے لیے ذکر کم ہے۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ

اب بیکار مت بھاگو اور لوٹ پڑو اسی عیش و عشرت کی طرف جو دئے گئے تم اس

نہ بھاگو اور لوٹ جاؤ ان آسائشوں کی طرف جو تم کو دی گئیں نہیں اور

مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

بستی میں اور اپنے گھروں کی طرف تاکہ تم سے سوالات کئے جائیں ہوتے جاتے تھے ہائے جلدی ہلاکت بیشک

اپنے مکانوں کی طرف شاید تم سے پوچھنا ہو۔ بولے ہائے خرابی ہماری بے شک

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى

ہم ہی ظالم تھے۔ تو یہ ہی رہا اُن کا رونا دھونا یہاں تک کہ بنا ڈالا

ہم ظالم تھے۔ تو وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ

جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا

ہم نے اُن سب کو ایسی اکھڑی کھیتی جو جلی بجھی راکھ جیسی ہو۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے

ہم نے انہیں کر دیا کاٹے ہوئے بجھے ہوئے۔ اور ہم نے

السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ

آسمان اور زمین اور ان کو جو ان دونوں کے درمیان ہیں کھلونے۔ اگر ہم

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنائے۔ اگر ہم

اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ

ارادہ کرتے یہ کہ اختیار کریں ہم کھیل کی چیزیں تو یقیناً ہم رکھتے ان کو اپنے ہی پاس

کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہوتے ہم ایسے کام کرنے والے

اگر ہمیں کرنا ہوتا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں عذابِ زمینی سے گھبرا کر کافروں کے بھاگنے چھپنے اور جان بچانے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں ان کی اس بزدلی و گھبراہٹ پر طعن فرمایا جا رہا ہے کہ رحیم کریم ہنستے نبی کو شہید کرنے والو بزدلو بدبختو اب کیوں بھاگ رہے ہو جاؤ اپنی عیش پرستی میں لوٹ کر پھر مزہ دیکھو۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں کفار کے ظلم و سرکشی کرنے کا ذکر ہوا۔ ان آیت میں مار کھا کر اقرارِ جرم کا ذکر کیا گیا عذاب سے پٹ کر پھر کہنے لگے کہ ہائے ہم ہی بڑے ظالم تھے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں سمجھایا گیا تھا کہ اس جہان میں سدا کسی نے نہیں رہنا ہمیں پر نیک بندے بن جاؤ عذاب آنے سے پہلے ٹھیک ہو جاؤ یہ مہلت اور درست ہونے کی قیمتی گھڑیاں ہیں پھر یہ مہلت کبھی نہ ملے گی۔ اب ان آیت میں فرمایا گیا کہ کفار نے مہلت و ڈھیل سے فائدہ نہ اٹھایا اور جب عذاب آگیا تو لگے روتے پیٹنے مگر پھر بات نہ سنی گئی اور حصیداً خامدین بنا دیا گیا۔

تفسیر نحوی لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۔ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ۔ لَا تَرْكُضُوْا ۔ بابِ نصر کا فعل نہی حاضر معروف جمع مذکر حاضر رَکْضٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ایڑھ دکھا کر بھاگنا گھبرا کر یا ڈر کر تیز دوڑنا۔ یہ فعل نہی با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِرْجِعُوْا ۔ بابِ ضرب کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت (مقصد) کے لیے مَا اسم موصولہ اُتْرِفْتُمْ ۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول جمع مذکر حاضر مصدر اِتْرَافٌ تَرَفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دنیوی عیش و آرام دینا اس کا نائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اسم ہے فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ کے لیے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع مَا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اُتْرِفْتُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہوا۔ وَاؤ عاطفہ مَسٰكِنِ اسم جمع مکسر مضاف ہے اس کا واحد مَسْكَنٌ اسم ظرف بمعنیٰ رہنے کی جگہ مراد ہے گھر كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہوا مَا کے پورے جملے پر دونوں عطف مل کر مجرور ہوا اِلٰی جارّہ سے جار مجرور دونوں متعلق ہے اِرْجِعُوْا کا لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ باب فتح کا ماضی احتمالی مجہول۔ جمع مذکر حاضر سُؤَالٌ ہموزُ العین سے مشتق ہے یہ احتمالی شک کے لیے نہیں بلکہ تعلیل و علت کے لیے ہے بمعنیٰ تاکہ اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی اِرْجِعُوْا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَا تَرْكُضُوْا کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عطفی ہو گیا ۔ قَالُوْا باب نصر کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یا حرفِ ندا مجازاً ندبہ (رونے پیٹنے) کے لیے ہے۔ وَيْلَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ہلاکت، تباہی بربادی۔ مضاف ہے اس لیے مبنی بر فتحہ ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع وہی کفار مذکورہ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے۔ اِنَّا ۔ دراصل ہے اِنَّ نَا۔ اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم مرجع قَالُوْا کا فاعل کفار بھگوڑے۔ اسم ہے اِنَّ کا كُنَّا فعل ماضی مطلق ناقصہ جمع متکلم نون مشدد دونوں ہیں پہلی كَوْنٌ مادے کی دوسری نَا ضمیر جمع متکلم مرفوعہ کی (ضمیر صیغہ) یہ اسم ہے فعل ناقصہ کا ظٰلِمِيْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ظَالِمٌ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے كُنَّا کی فعل ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم منصوب خبر مرفوع سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا ہے حرفِ ندا (یہ قائم مقام ہوتا ہے اُدْعُوْ یا نَدْعُوْا) اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر مقولہ ہوا قَالُوْا اپنے مقولہ سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ مَا زَالَتْ فعل ناقصہ واحد مؤنث غائب تِلْكَ اسم اشارہ دَعْوٰی اسم

حاصلِ مصدر جامد بمعنیٰ چیخ چیخ کر پکارنا یہاں مراد ہے یٰوَیْلَنَا۔ یٰوَیْلَنَا کہنا اسم مقصورہ اس لیے تقدیری رفع ہے کیونکہ مشار الیہ ہے تِلْکَ مبنی مرفوع اسم کا مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مشار الیہ تِلْکَ کا دونوں مل کر اسم ہوا مَازَالَتْ کا۔ ایک قول میں ھٰذا پوشیدہ اس کی خبر ہے مگر ایک قول میں تِلْکَ اسم ہے اور دَعْوٰھُمْ خبر ہے اور ایک قول میں اس کا الٹ وہ کہتے ہیں کہ جیسے فاعل مقدم موٴخر ہو سکتے ہیں ایسے ہی فعل ناقصہ کے اسم و خبر بھی مقدم موٴخر ہو سکتے ہیں حتّٰی حرفِ جر ماقبل فعل کی درازی کو روکنے کے لیے آتا ہے جَعَلْنَا بابِ فتح کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع خالق تعالیٰ جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بنانا، بدل دینا۔ کر دینا۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل کا مرجع وہی جھگڑے کفار مفعول بہٖ اوّل ہے حَصِیْدًا اسم صفت مشبّہ صیغہ مبالغہ بروزنِ فَعِیْلًا بمعنیٰ محصودًا اسم مفعول حَصْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کٹنا۔ کٹا ہوا ہونا۔ جڑ سے اکھڑ جانا یہاں اسی معنیٰ میں ہے ہر مبالغہ کا صیغہ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے یہاں جمع کے لیے ہے ذوالحال ہے خَامِدِیْنَ بابِ سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر خُمُدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بجھنا آگ کی راکھ بن جانا۔ انگاروں کو بجھا کر نہایت ہلکی راکھ کو خمود اور خمد کہتے ہیں موٹی راکھ کو عربی میں رِمَادٌ اور گرم راکھ یعنی بھوبھل کو دِمَانٌ کہتے ہیں عربی میں راکھ کے لیے چار لفظ ہیں (۱) نسف نہایت باریک راکھ (۲) رِماد موٹی راکھ (۳) دُمان سخت گرم راکھ (۴) خمود چنگاریوں والی راکھ بحالت نصب ہے حال ہے حَصِیْدًا کا یہ دونوں مل کر مفعول بہٖ دوم ہوئے جَعَلْنَا کے ایک قول میں حصیدًا مفعول دوم ہے اور خَامِدِیْنَ مفعول سوم ہے مگر یہ ترکیب غلط ہے کیونکہ جَعْلٌ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تیسرا مفعول نہیں ہو سکتا۔ جَعَلْنَا فعل فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا حتّٰی سے یہ جار مجرور متعلق ہے مَازَالَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ۔ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ واؤ عاطفہ جملہ مَا خَلَقْنَا بابِ نصر کا فعل ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم صرف فصاحتِ کلام کے لیے اِس کی جمع ضمیر کا مرجع واحد اللہ تعالیٰ ہے خَلْقٌ سے مشتق بمعنیٰ پیدا کرنا نیست سے ہست کرنا یعنی کچھ بھی نہ ہو تو اس کو بہت کچھ بنا دینا اسی لیے بجز اللہ تعالیٰ کائنات میں کوئی شخص کسی بھی چیز کا خالق نہیں السَّمَآءَ اسم مفرد معرّف باللام جنسی مراد ہے تمام آسمان واؤ عاطفہ اَلْاَرْضَ اسم مفرد (واحد) واؤ عاطفہ مَا اسم موصول بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے هُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہے

مَا کا دونوں مل کر معطوف ہوا۔ اَلسَّمَآءَ وَالْاَرْضَ کا پھر وہ دونوں آپس میں عطف ہیں سب عطف مل کر مفعول بہ ہوا۔ لٰعِبِیْنَ باب فتح کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت فتحہ مفعول کُہٗ ہے یہاں یہ غیر عامل ہے لَعِبٌ سے مشتق ہے یعنی کھیلنا بیکار اور فضول کام کرنا یہاں مراد ہے کسی چیز کو اُس کے مقصد اور اپنے فائدے کے خلاف استعمال کرنا جس کو اُردو میں کھلونا کہا جاتا ہے۔ مَا خَلَقْنَا فعل اپنے تمام معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَوْ حرفِ شرط بمعنی اگر۔ یہاں لَوْ شرطیہ ثبوت شرط کے لیے ہے اَرَدْنَا۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم رَوْدٌ یا رُوْیْدٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِرْیَادٌ اور اِرَادَۃٌ بمعنی ارادہ کرنا۔ ارادے کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ خواہش سے ارادہ کرنا ۲۔ پسند و چاہت سے ۳۔ بغیر خواہش ۴۔ بغیر چاہت ارادہ کرنا۔ یہاں عام ہے سب کو اَنْ حرف ناصبہ مضارع کو ہمیشہ نصب دیتا ہے نَتَّخِذَ۔ باب افتعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ اور اس کا مادہ ہے اَخْذٌ بمعنی بنانا۔ اختیار کرنا۔ لینا لَهْوًا اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی کھیل اور دل بہلاوے کی چیز یا بات۔ لَعِب اور لَهْو میں چھ طرح فرق جو انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا یہ مفعول بہ نَتَّخِذَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہوا اَرَدْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام کَے برائے تحقیق و تاکید اِتَّخَذْنَا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر اِتِّخَاذٌ یہ فعل با فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ مِنْ حرفِ جر زائدہ بیانیہ یعنی اپنے معنیٰ نہیں دیتا اور ابتدا کے لیے نہیں صرف بیان و وضاحت کے لیے ہے لَدُنْ اسم تقریبی ظرفِ مکانی کے لیے جامد ہے ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اور اکثر مضاف الیہ ضمیر ہوتا ہے یعنی قریب نَا ضمیر جمع متکلم اِن دونوں آیتوں کی تمام ضمائر جمع متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَاتَّخَذْنَا فعل با فاعل اور متعلق سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاءِ مقدم ہے۔ بعض نحویوں کے نزدیک یہ جزا ہے مَاقَبل جملہ لَوْ اَرَدْنَا کی اور اگلا جملہ جو شرط ہے۔ اس کی جزا پوشیدہ ہے مگر یہ ترکیب درست نہیں ہے۔ اِنْ حرفِ شرط بعض نحات نے اس کو اِنْ نافیہ بتایا ہے۔ کُنَّا فعل ماضی مطلق ناقصہ جمع متکلم اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے فٰعِلِیْنَ۔ اسم فاعل جمع فِعْلٌ سے مشتق ہے اس کا باب عموی ہے یہ مادہ مجرد کے ہر باب میں گردان ہو جاتا ہے۔ یہاں جمع کا صیغہ تعدد جمعیت کے لیے نہیں بلکہ کُنَّا کی جمعیت فصاحتی کی نسبت سے ہے۔ فٰعِلِیْنَ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے کُنَّا کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوئی جزاءِ مقدم سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر پھر جزا ہوئی لَوْ اَرَدْنَا کے جملے کی وہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ۔ اس بستی کے اہل ایمان غربا عوام لوگوں نے ان کا مذاق وطنز کرتے ہوئے فرمایا کہ اے انبیاء علیہم السلام کی گستاخی کرنے والو غرباء مومنین پر ظلم کرنے والو۔ اب بزدل بن کر مت بھاگو اور لوٹو اپنی ان کھیل کود کی مستیوں اور گھریلو دولتوں جاگیروں کی طرف جس میں تم وسعت و فراخی دیئے گئے ہو جن پر تم کو بڑا ناز و غرور تھا۔ اور ان رہائشی محلوں کی طرف جن کی خوب موروثی اور منقولی کے بھروسے پر تم بنتے بے بس کمزور اہل ایمان پر ظلم کفر کماتے تھے تاکہ تم پھر شاید اپنے غلاموں ماتحتوں نوکروں فقیروں پر حاکم اور مسلط ہو کر مسئول بنا لیے جاؤ اور تم کو تمہاری سابقہ نام ونمود والی سرداری پھر مل جائے اور پھر حسب سابق بھکاری تم سے بھیک مانگیں اور تم محض دکھلاوے جھوٹی شہرت مقابلے بازی کے لیے بڑھ چڑھ کر سخاوتیں کرو۔ بعض نے فرمایا کہ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ کا معنٰی ہے۔ تم کو قاضی یا جج بنا دیا جائے اور غریب لوگ تم کو فقط دولت کی بنا پر اپنا امیر یا سردار مان کر تم سے اپنے فیصلے کرائیں۔ لہٰذا لوٹ آؤ اے دولت شہرت۔ عزت کے پجاریو مغرورو اب بھی ظلم کرو۔ اب کیوں بھاگ رہے ہو اس عذاب ناگہانی و لشکر سلطانی و یلغار طوفانی سے بعض نے فرمایا کہ لَا تَرْكُضُوْا اور وَارْجِعُوْا کا کلام ملائکہ نے کیا۔ یا غیبی آواز میں یا ظاہری انسانی شکل میں مگر پہلا قول درست ہے۔ اور بزدل ہو کر بھاگتے ظالموں کو جب بخت نصر کی شاہی فوجوں نے پکڑ لیا تو قَالُوْا يٰوَيْلَنَا۔ بولے ہائے ہماری کمبختی بدنصیبی بے شک، ہم پہلے بہت مغرور گستاخ اور ظالم بنے رہے کہ ہم نے اپنے مہربان مشفق معصوم پیارے مصلح ناصح بنتے نبی کو قتل کر دیا تھا۔ يٰوَيْلَنَا میں مفسرین نے تین معنٰی بیان کئے ہیں ۱ ہائے ہماری بدبختی ۲ ہائے ہماری ہلاکت ۳ موت پڑے ہم پر۔ نساتہ قید و بند میں وہ کئی دن تک اپنے آپ پر یہی بددعائیں دیتے رہے۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ۔ یہاں تک کہ ہم نے بنا دیا ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح تیر و تلوار سے مردہ ٹکڑے ٹکڑے نیست و نابود بالکل بجھی ہوئی راکھ جس میں فتنہ بھر ایک چنگاری کی بھی جان نہیں ہوتی، خیال رہے خمود اور ہمود دونوں کا معنٰی راکھ ہے مگر خمود وہ راکھ جو بالکل ہی بجھ کر ٹھنڈی ہو چکی ہو اور ہمود وہ راکھ جو ابھی گرم ہو اور اس میں کچھ چنگاریاں۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ اور نہ پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں۔

چاند سورج ستارے بادل پہاڑ دریا سمندر کھیت باغات جنگلات حیوانات چرند پرند مٹی ریت پتھر ٹیلے معدنیات دھات دولت گھر بار انسان جنات فرشتے حور و غلمان جنت دوزخ اعراف برزخ دنیا و آخرت کو فقط کھیل تماشے کے لیے۔ فرضاً اگر ہم کھیل تماشہ کرنے کا ہی ارادہ کرتے اور اپنے دل بہلاوے کے لیے بناتے تو پھر ہمیں علم عقل فہم نبوت نصیحت تفکر تدبر تعقل تذکر۔ سزا جزا پیدا کر کے انسانوں جنوں اور اُن کی موت و حیات کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم اپنے پاس ہی سب کچھ حور و غلمان کو بیوی بچے اور ڈھیر سارے کھلونے بنا لیتے۔ اگر ہم کرنا چاہتے۔ لیکن ہم ایسی فضولیات کرنے والے نہیں ہیں۔ مفسرین کے مختلف اقوال۔ لَا تَرْكُضُوْا۔ میں تین قول ہیں ۱۔ غربا مومنین نے اُن بھگوڑوں ظالموں اُمَراءِ کفار سے بطور طنز کہا یہ غربا اپنی عبادت گاہوں میں محفوظ و مامون تھے۔ رب تعالیٰ نے بخت نصر جیسے ظالم کافر بادشاہ کے دل میں اُن کے لیے رحم ڈالدیا تھا لشکری فوجیوں نے ان کو کچھ نہ کہا نہ قتل کیا نہ قید ۲۔ یہ کلام فرشتوں نے انسانی شکل میں آکر غالب ہو کر کیا ۳۔ غیبی آوازیں آئیں فرشتوں کی یا جنات کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب چنگیز خان نے خوارزم شاہ پر حملہ کیا تھا تب بھی غیبی آوازیں آتی تھیں کہ اَيُّهَا الْكُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُسَّاقَ یعنی اے کافرو فاسقوں بدکاروں کو قتل کر دو۔ خوارزم شاہ کے زمانے میں زنا عام تھا اور ستر اُسی سے ختم یہ ذلت و رسوائی اسی وجہ سے ہوئی تھی اس وقت بھی نیکوں نمازیوں کو بچا لیا گیا تھا۔ تُسْئَلُوْنَ میں تین قول ہیں ۱۔ تم کو اُسی طرح شان و عزت مل جائے گی تمہارے دروں پر بھکاری آئیں گے تم سے مانگیں گے ۲۔ لوگ تم سے اپنے فیصلے کرایا کریں گے تم کو اپنا سردار مانیں گے ۳۔ بخت نصر بادشاہ تمہاری قدر کرے گا تم سے مشورے لے گا۔ پہلا قول درست ہے۔ يٰوَيْلَنَا کے تین معنی کیے گئے ہیں ۱۔ ہائے ہماری ہلاکت ۲۔ ہائے ہماری کم بختی بد قسمتی ۳۔ ہم پر موت پڑے جلدی موت آ جائے تاکہ اس ذلت و مصیبت سے چھوٹ جائیں۔ پہلے معنی میں يٰوَيْلَنَا سے پریشانی اور گھبراہٹ کا اظہار ہے دوسرے معنی میں ندامت و پشیمانی پچھتاوا ہے تیسرے معنی میں۔ يٰوَيْلَنَا۔ کہنا بددعا ہے اپنے آپ پر اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ میں تین قول ۱۔ اپنے نبی کو قتل کرنے کا ظلم ۲۔ عام غریبین مومنین کو مارنے ستانے کا ظلم ۳۔ اپنے نبی اور اپنے مبعوث نبی کے اُمتیوں اہلِ ایمان کی بات نہ مان کر ایمان نہ لا کر اپنی جانوں پر ظلم۔ دَعْوٰىهُمْ میں دو قول ہیں ۱۔ قتل ہونے تک اسی طرح اپنے آپ پر لعنت ملامت کرتے رہے ۲۔ ایک دوسرے پر الزام دھر کر آپس میں برا بھلا اور لعنت ملامت کرتے رہے۔ دعویٰ کا معنی ہے بددعا خٰمِدِيْنَ۔ میں دو قول ہیں ۱۔ یہ دنیا اور ساشیاء

دنیا لوگوں کے کھیل کود عیش وعشرت کے لیے نہ بنائی گئی۔ اس قول کی دلیل یہ کہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بزمانہ بچپن ایک دفعہ لوگوں کو کھیلتے دیکھ کر فرمایا تھا۔ مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا۔ اے لوگو ہم کھیل تماشوں کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ دوسرا قول یہ کہ لٰعِبِیْنَ۔ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لہو ولعب کے لیے یہ کھلونے نہ بنائے ہیں۔ اس قول کی دلیل اسی آیت کی اگلی عبارت ہے لہوا میں دو قول ہیں ۱ کھیل تماشہ ۲ بیوی بچے۔ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ میں دو قول ہیں ۱ یہ اِنْ شرطیہ ہے ۲ یہ اِنْ نافیہ ہے۔ شرطیہ کا ترجمہ ہے۔ اگر ہوتے ہم کرنیوالے۔ اِنْ نافیہ کا ترجمہ ہے۔ ہم ایسا کرنے والے نہیں۔

فائدے ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ مخلص مومن بندوں کی نیکیاں اور انبیاء علیہم السلام کا دامن حفاظت بندوں کو ہر قسم کے دیوی عذاب سزا وباء اور مصائب وتکالیف سے بچا لیتی ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی طرح خود حفاظت فرماتا ہے آیت وروایات اور تواریخ شاہد ہیں کہ جب کوئی عذاب آسمانی یا سلطانی کسی قوم پر آیا تو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے پیارے پسندیدہ بندوں کو بچا لیا بلکہ ظالم وجابر بادشاہوں کے دلوں میں اُن کی عظمت ومحبت ڈال دی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ جیسا کہ ہلاکو اور چنگیز خانی حملوں سے اللہ کریم نے حضرت شیخ سعدی جیسے بزرگوں کو بچا لیا بلکہ ان بادشاہوں اور ان کی فوج کے دلوں میں ان کی الفت واحترام ڈالدیا۔ یہ فائدہ لَا تَرْكُضُوْا۔ (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اُن بیوقوف لیڈران قوم اور جھوٹے بیہودہ اتحاد کے پجاریوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو یہ بکتے پھرتے اور عوام کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں کہ ہر فرقہ سچا ہر گروہ اچھا ہے ہر ایک سے اتحاد کرو اور ہر جھوٹے سچے کو ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر دشمن نے حملہ کیا تو نہ سنی بچے گا نہ وہابی نہ شیعہ اس اتحاد کے بہانے یہ لیڈران خطیبان حق کو باطل کی گود میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ اتحاد نہیں بلکہ ایمان فروشی ہے۔ اتحاد صرف وہی ہے جس کی تعلیم قرآن کریم نے عطا فرمائی کہ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۰۳) رب تعالیٰ نے ہمیشہ اہلِ حق کی خود حفاظت فرمائی ہے حق والوں کو کسی باطل کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں دوسرا فائدہ۔ اعمال خواہ کتنے ہی اچھے سچے پکے ہوں۔ اور اپنوں، پرایوں اور خود اپنی ذات کے لیے ظاہرًا ہر طرح مفید ہوں۔ لیکن اگر نبوت کے آستانے اور نبی کی تعلیم واتباع سے ہٹ کر من مرضی سے کیے جائیں تو وہ اعمال بارگاہِ الٰہیہ میں کچھ قدر وقبولیت نہیں پاتے نہ کسی پسندیدہ

کو کسی عذاب و سزا سے بچا سکیں۔ یہ فائدہ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ بہت سخی تھے اور ان کی سخاوت عوام و خواص میں مشہور تھی غریبوں کو خیراتیں دیا کرتے تھے لوگ اُن سے حاجتیں مانگا کرتے تھے مگر شانِ نبوت کی گستاخی اور ذاتِ نبوت کی اذیت نے اُن کو ہر طرح ذلیل و تباہ کر دیا اُن کی یہ سخاوتیں اُن کے بالکل کسی کام نہ آسکیں۔ لہٰذا بدعقیدہ و بیہودہ مسلمانوں کو اپنی گستاخانہ حرکتوں سے بچنا چاہیئے۔ تیسرا فائدہ ہر وہ کام یا وہ بات جو طریقۂ اسلام و تعلیم نبوت کے خلاف ہو وہ لہو و لعب اور فضول ہے اس لیے کہ اسلام کا ہر حکم کسی مقصد و حکمت کے تحت ہوتا ہے جو کام کسی مقصد کے بے نہ ہو وہ لہو و لعب ہے یہ فائدہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ تمام مخلوق بچوں کے کھیل تماشوں کی طرح بے مقصد نہ بنائی جیسے کہ بچے یا بیوقوف گھروندے بناتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں ہر دنیا دار دولت پرست کافر و فاسق کو بیوقوف اور سفیہ فرمایا گیا ہے۔ اِن آیات میں آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے منکرین کو بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ ہوتے تو یہ اُن کے ہزاروں معجزات محض کھیل تماشہ اور شعبدہ ہوتے (تفسیر کبیر رازی)

احکامُ القرآن اِن آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ بھیک مانگنا اگرچہ بعض موقعوں پر بعض لوگوں کے لیے ناجائز و گناہ ہے مگر بھیک دینا ہر وقت ہر شخص کے لیے ہر جگہ جائز ہے اگرچہ مسجد ہو۔ کہ وہاں بھیک مانگنا تو حرام ہے مگر بھیک دینا جائز ہے یہ مسئلہ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ۔ کے اُس تفسیری قول سے مستنبط ہوا جس میں تُسْـَٔلُوْنَ کا معنیٰ خیرات مانگے جانا کیا گیا ہے یعنی اے بھاگتے کافرو تمہارے یہ کام تو بہت اچھے تھے تو اب کیوں بھاگ رہے ہو لوٹو اپنی اُسی سرداری بڑائی اور سخاوت کی طرف۔ دوسرا مسئلہ علماء اصولِ فقہ نے اَمر اور نہی کے سولہ سولہ معنیٰ کیے ہیں جن میں ایک معنیٰ تذلیل اور تعجیز کے بھی ہیں ان کا استنباط اسی قسم کی آیت سے ہے۔ مثلاً ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (سورۃ دخان آیت ۴۹) یہ امر تذلیلی ہے اور مثلاً فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۳) یہ امر تعجیزی ہے اور مثلاً وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۳) یہ امر بھی تعجیزی ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح۔ لَا تَرْكُضُوْا۔ وَارْجِعُوْٓا کے صیغے امر اور نہی بھی حکم طنزی یا تذلیل ہے یہ قانونی اصولی مسئلہ اسی آیت سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ اسلام کی شریعت یعنی قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر ہر قسم کا کھیل حرام ہے موجودہ دور میں مسلمانوں کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ کھیل تماشوں کو ہی عزت

ملکی کا معیار و بنیاد سمجھ لیا گیا ہے آج کرکٹ، ہاکی، کبڈی جیسے فضولیات لہو ولعب اور کھیل میں حیاتِ دنیوی کے قیمتی لمحات اور قوم کا سرمایہ ضائع کیا جا رہا ہے نہ آخرت کی فکر نہ قبر کی تیاری حالانکہ بفرمانِ حدیث مقدسہ یہ تمام کھیل حرام باطل اور ضیاعِ وقت ہے یہ مسئلہ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِيْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ آسمان اور زمین اور ان کی چیزیں حیاتِ دنیوی وغیرہ کھیل تماشوں کے لیے پیدا نہ کی گئیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ پہلے زمانے کا ایک فرقہ جبریہ اور معتزلہ۔ اپنی کتابوں میں لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف خالقِ خیر ہے خالقِ شر نہیں دلیل یہ کہ دیکھو یہاں رب فرماتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ (الخ) یعنی ہم نے کھیل کو پیدا نہ کیا۔ کھیل کود تماشہ شر ہے اس کے پیدا کرنے کی نفی فرمائی گئی (معتزلی)۔ جواب یہ اعتراض اس لیے نہایت احمقانہ ہے کہ معترض نے آیت پر غور نہیں کیا یہاں لعب کے پیدا کرنے کی نفی نہیں بلکہ مقصدِ خلقت بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مخلوقِ الٰہیہ کا مقصد وہ نہیں ہے جو ان کافرین غافلین نے سمجھ رکھا ہے اسی لیے یہاں لٰعِبِيْنَ ارشاد ہوا نہ کہ لعب نیز شر صرف اشیا کا نام نہیں بلکہ بعض شخصیات بھی شر ہیں مثلاً ابلیس سب سے بڑا شر ہے اُس کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ۔ تو د ابلیس کا قول نقل کیا گیا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آواز فرشتوں نے دی تھی بعض نے فرمایا کہ مومن لوگوں نے دی تھی مگر سوال یہ ہے کہ اِس آواز کا فائدہ کیا تھا جب کہ اُن کے علاقہ پر دشمن کا حملہ ہو چکا تھا قتلِ عام جاری تھا اب واپس آنے کا کیا طریقہ ہو سکتا اور کیا فائدہ ہوتا اور اگر فائدہ نہیں تو یہ بے فائدہ غیبی آواز کیوں دی گئی؟ جواب یہ آواز بے فائدہ نہیں تھی بلکہ عبرت دلانے اور اپنے ظلم یاد کرانے کے لیے تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُن کو اپنے ظلم یاد آئے اور یٰوَيْلَنَا۔ کہنے لگے یہ آواز اُن کی حرکت پر طنز اور ان کی بزدلی پر مذاق تھا۔ تیسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ اُن کفار کی توبہ کرنے رونے گڑگڑانے کے باوجود ان کو ہلاک کر کے حَصِيْدًا خَامِدِيْنَ بنا دیا گیا چاہئے تھا کہ اُن کو توبہ قبول کر کے بچا لیا جاتا یہ سختی غفاریت رحیمیت کے خلاف ہے۔ جواب۔ تِلْكَ دَعْوٰىهُمْ سے ثابت ہو رہا ہے کہ انہوں نے نہ تو توبہ کی تھی نہ اللہ پر ایمان لائے تھے نہ توحیدِ الٰہی کا اقرار نہ رسالت و نبوت کی تصدیق صرف يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ بکتے رہے نیز یہ کہنا بھی اپنی ہلاکت کا یقینی عذاب دیکھ کر تھا نہ کہ پہلے اس لیے معتبر نہ ہوا۔ یہ قبال

اُن کے لیے عذابِ الٰہی تھا۔ اور عذاب کے وقت کی توبہ بھی نامقبول ہوتی ہے خیال رہے کہ بخت نصر اپنے مفتوحین کو پانچ طرح برباد کرتا تھا ۱۔ مردوں کو قتل کرتا ۲۔ عورتوں کو قیدی بنالیتا ۳۔ بستی کے مکانات توڑ دیتا ۴۔ ملبے اور نعشوں کو جلا دیتا ۵۔ جگوڑوں کو پکڑوا کر بھوکا مارتا تھا مرتے تک قید میں رکھتا اور پھر زندہ یا مردہ قیدیوں کو جلا دیتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جنگی قید و جیل کا موجد بخت نصر ہے یہ اپنے قیدیوں کو غلام نہ بناتا تھا بلکہ بھوکا رکھ کر مارتا اور پھر جلا دیتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ پانچ جرائم سے پانچ وبائیں پھوٹتی ہیں ۱۔ عہد شکنی سے دشمن کا غلبہ ۲۔ جو حکومت خلافِ شریعت فیصلے جاری کرے جو مفتی عالم غلط فتوے شائع کرے اُس پر غربت اور فقیری آتی ہے ۳۔ جب فحاشی عام ہو تو اموات زیادہ ہوتی ہیں ۴۔ جب ناپ تول میں غلط رَوِیَّہ ہو تو خشک سالی اور قحط پڑتا ہے ۵۔ جب زکوٰۃ نہ دی جائے تو بارشیں بند ہو جاتی ہیں یا بے وقت بارشیں ہو کر تباہی مچاتی ہیں (از تفسیر روح البیان) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اہلِ نفوسِ باطلین ظاہراً کتنے ہی آن شان بان والے نظر آتے ہوں مگر حقیقتاً مُردہ اور بزدل ہوتے ہیں۔ وہ حیاتِ دنیوی میں اعمالِ صالحہ کے فراری اَشیاءِ دنیوی کی عیاشیوں آرام طلبیوں میں تو اُن کو نہ قلب کا ہوش ہوتا ہے نہ عقل کا جوش نہ نظر کا غور لیکن موت کے نقارے کی آواز اُن کو پکارتی ہے کہ اب کدھر بھاگ سکتے ہو اب رجوع الی الخالق کا وقت ہے لوٹو اُس انجامِ اخری کی طرف جس کے لیے تم کو حیاتِ دنیوی کی طاقتیں اور مساکنِ ناسوتی کی مہلتیں دی گئیں تاکہ لمحاتِ زندگی اور اعمالِ ودندگی کا حساب و کتاب تم سے پوچھا جائے حساب لیا جائے عذاب دیا جائے تب عالمِ نزع میں اہلِ نفوس پکارتے ہیں يٰوَيْلَنَا ہائے ہماری غفلت بربادی ہم ہی ظالمِ اَبدان بنے رہے۔ عمرِ گراں مایہ کو برباد و ویران کر گئے اسے یہی زبانِ حال سے پکارتے ہیں یہاں تک کہ قبر کی گہرائیوں میں حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ہو کر بے نام و نشان کر دئیے جاتے ہیں۔ کٹی کھیتی جلی لکڑی بجھی راکھ کی طرح موت کی آغوش میں جا گرتے ہیں پھر نہ نماز کے لیے اُٹھ سکیں نہ مسجد کی طرف جا سکیں۔ نہ نیکیوں عبادتوں کی طرف چل سکیں نہ قرآنِ کریم کو پکڑ سکیں نہ تلاوت کے لیے زبان نہ دیکھنے کے لیے آنکھ کھول سکیں۔ پھر تمنّاءِ عبادت ہوئی مسجد یاد آئیں تو کیا فائدہ۔ اے غافلو بدنصیبو يٰوَيْلَنَا۔ کہنے کا نوبت درازا بدًا لا آباد تک وقت مل جائے گا مگر یا اللہ یا محمد یا رسول اللہ کہنے

پکارنے کے لیے یہی حیاتِ دنیوی کا تھوڑا سا وقت ہے وہ بندہ خوش نصیب ہے جس نے یا اللہ کی التجائیں یا رسول اللہ کی آہیں اذان کی صدائیں اسی دنیا میں بھر لیں۔ کیونکہ ؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ اے عالمِ معرفت کے منکرو اور وادیِ سلوک کی طریقت میں بھٹکنے والو ہم نے آسمانِ روحانی اور زمینِ جسمانی کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں عقل و شعور علم و فکر قلب و جگر دست و پا کے باغات و خزائن اُن کے درمیان ہیں محض بازیگری اور کھیل تماشہ بنانے یا دکھانے کے لیے پیدا نہیں کئے نہ فقط کھیلنے کھانے کے لیے بنائے اگر ہم اسی لَہْوًا کا ارادہ کرتے تو یہیں دنیا جہان اور انسان جان بناتے اور اپنی خلافت ارضی اُن کے سپرد کرنے کی ضرورت نہ تھی ہم اپنے پاس ہی سب کھلونے بنا کر رکھ لیتے۔ جس طرح ہر شخص کے پاس ہی اُس کی دل جوئی کے لیے اُس کے بیوی بچے اور دل بہلاوے کی چیزیں ہوتی ہیں اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ اگر ہم کرنیوالے ہوتے تو ہمارے لیے یہ کچھ مشکل نہ تھا۔ یہ فکر و تدبر علم مکاشفہ مراقبہ خلوت و جلوت موت حیات سزا و جزا۔ ولایت و امامت کے علیات سب کچھ عبرت سامانیاں ہیں اور امتحاناتِ عالمِ ناسوتی ہیں۔ مولیٰ علی نے فرمایا اس سے پہلے کہ تمہارا احساب کیا جائے تم خود دن رات اپنا محاسبہ کر لیا کرو اور اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے تم خود اپنے اعمال شریعت کی ترازو میں تول لیا کرو۔ دنیاءِ فانی میں اندھا دُھند لَا تَرْكُضُوْا۔ مت بھاگو۔ بلکہ وَارْجِعُوْٓا کا آوازۂ موت بلند ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی پیشی اور آخری رجوع کے لیے اپنے آپ کو خوب مزینِ شریعت معطرِ طریقت منورِ معرفت مفخرِ حقیقت میں آراستہ کر لو جب تم اُس دن حاضر بارگاہ ہو گے تو کوئی بات تم سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ محاسبہ چار چیزوں سے مکمل ہوتا ہے (۱) حِفظُ اللسان (۲) ضَبطُ الکلام (۳) پابندیِ اوقات (۴) تَرجیحُ الصّالحات۔ اس لیے بندۂ حق کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ اُس کے بندے غفلت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں نفسانی خواہشات اور دنیوی غلامی سے بچانے کے لیے مختلف اوقات میں یہ نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ یہ پنج وقتہ نمازیں ایک سلسلہ ہے جو بندوں کو حقِ ربوبیت ادا کرنے کے لیے زندگی کو مقامِ عبودیت میں جکڑ دیتا ہے اس طرح بندہ ایک نماز سے دوسری نماز تک اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے اور اس محاسبے کے ذریعے

شیطان کے راستوں کی رکاوٹ و بندش کرتا ہے۔ گویا یہ پانچ نمازیں وہ پانچ دروازے ہیں جو ابلیس لعین پر بند ہیں۔ اور بندۂ ربانی ان میں محفوظ و مامون ہے نماز سے پہلے تکبیر، تکبیر سے پہلے استغفار استغفار سے توبہ۔ توبہ سے پہلے اذان۔ اذان سے پہلے وضو۔ یہ وہ پانچ فعل ہیں جن کو دیکھ کر شیطان بھاگتا ہے اور اپنے ہی اعمالِ بد کی قید میں پھنس کر خنساً الحدیث ہو جاتا ہے۔ استغفار، توبہ اذان وضو اس لیے ضروری کہ ان سے دل دماغ ضمیر و شعور کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ان کو چھوڑ دیا جائے تو ہر کام خلافِ شرع ہو جاتا ہے۔ اور شریعت کے خلاف ہر کام و کلام حرکت و سکون قلب پر ایک سیاہ داغ ڈال دیتا ہے۔ یہی قلب کی بندش ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ

بلکہ ہم تو غلبہ دیتے ہیں ہر حق چیز کو باطل چیز پر تو وہ حق دماغ توڑ دیتا ہے

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے

فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

اس باطل کا تب ہی وہ فوراً فنا ہونے والا ہوتا ہے اور تمہارے لیے ہلاکت ہے اس وجہ سے جو تم باتیں بناتے

تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ

اور اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جو اس کے مقرب ہیں

اور اسی کے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور اس کے پاس والے

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾

نہیں متکبر بنتے اس کی بندگی سے دور رہ کر اور نہ کمزوری محسوس کریں۔

اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں رات دن۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ

وہ حالانکہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں رات و دن میں وہ تو کسی سستی کا اقرار نہیں کرتے۔ بلکہ ان

اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے ۔ کیا

اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کفار نے خود ہی ان کے نام کے معبودوں کو بنا لیا ہے زمین میں سے بھلا وہ کچھ زندہ کر سکتے ہیں۔

انہوں نے زمین میں سے کچھ ایسے خدا بنائے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کا قول نقل فرمایا گیا کہ وہ عذاب دیکھ کر کہیں گے ہائے افسوس ہمارے لیے ویل ہے اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں واقعی تمہارے لیے دونوں جہان کا ویل یعنی خرابی و ہلاکت ہے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے آسمان و زمین میں کوئی چیز بیکار و باطل پیدا نہیں کی بلکہ کسی مقصد کے لیے پیدا فرمائی گئیں ہیں اب ان آیت میں وہ مقصد بیان فرمایا گیا کہ ہر چیز اس کی عبادت کرتی ہے اور اس کی ملکیت ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا ہم نے کوئی چیز عبث اور لعبین پیدا نہ فرمائی باطل اور بیکار چیز پیدا کرنا ہمارا کام نہیں۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم تو خود حق کے ذریعے باطل کو مٹا دیتے ہیں چوتھا تعلق پچھلی آیت میں لعب و لہو کی نفی فرمائی جس سے محتاجی کی نفی ہوئی اور غیر محتاجی سے قدرت کا ثبوت ہوا اب ان آیت میں لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (الخ) فرما کر قدرت باری تعالیٰ کا ذکر فرمایا گیا پانچواں تعلق پچھلی آیت میں شرک کی برائی و عذاب کو بیان فرمایا گیا اب ان آیت میں لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ فرما کر شرک کے برا اور باعث عذاب دائمی ہونے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر نحوی بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ۔ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ بل حرف عطف ہے لفظ قرآن مجید تقریباً ایک سو بار آیا اور تمام جگہ اضراب یعنی سابقہ کلام کی نفی اگلے کلام کے

بوت کے لیے ہی مستعمل ہوتا ہے اب یہاں مطلب ہوا کہ لہو لعب کا ارادہ نہیں بلکہ ہم تو باطل یعنی لہو و لعب کو فنا کر دیتے ہیں حق چیزوں کے ذریعے۔ نَقْذِفُ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم قَذْفٌ سے مشتق ہے بمعنی مارنے کے لیے کسی سخت چیز کو نشانے پر پھینکنا مجازی معنی ہے کسی چیز کو ڈال دینا اتار دینا۔ بوجھ ڈالنا اسی معنی میں تہمت کو قذف اور اس کی شرعی سزا کو حدِ قذف کہتے ہیں۔ یہاں حقیقی معنیٰ میں ہے بِ جارہ تعدیہ کی بمعنی اَل حق اسم مفرد جامد بمعنی حکمت و مصلحت والی چیز علیٰ جارہ تو تبیت اَلبَاطِل اسم مفرد معرفہ جامد بمعنی بیکار فضول یہاں مراد ہے لہو و لعب کی چیزیں جنی شیطانی یہ جار و مجرور (بالحق و علی الباطل) دو متعلق ہیں نَقْذِفُ کے فعل با فاعل دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ سببیہ تعقیبیہ (تعقیبیہ) یَدْمَغُ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع بالحق ہے دَمْغٌ سے مشتق ہے بمعنی گہری۔ اندرونی چیز یہ متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی یہاں متعدی ہے یعنی دماغ کچھ کرنا مراد ہے (دماغ توڑنا فنا کرنا) اور چونکہ دماغ توڑنے سے ہلاکت ہو جاتی ہے اس لیے یہاں ہلاک کرنے کے معنیٰ میں ہے جب یہ لازم ہو تو مراد ہوتا ہے مغز (بھیجہ) اسی معنی میں جنگی زرہ و دمیغ اور سر کے شدید دماغی زخمی کو مَدْمُوْغ اور چھوٹے سر چھوٹے دماغ والے کو مَدْمَغ کہتے ہیں ہٗ ضمیر منصوب متصل مذکر کا مرجع ہے اَلباطِل مفعول ہے یَدْمَغُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بیانیہ تعقیبیہ اِذَا مفاجاتیہ یعنی اچانک ایک دم بہت جلدی۔ یہاں دوسرے دو معنیٰ مراد ہیں ھُوَ اسم ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع ہے اَلْبَاطِل۔ زَاهِقٌ بابِ فَتَحَ کا اسم فاعل واحد مذکر زَهُوْقٌ سے مشتق ہے لازم بمعنی فنا اور نیست و نابود ہونے والا کسی کا زور ٹوٹ جانا غلبہ ختم ہو جانا یا پردہ چاک اور فاش ہو جانا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ خبر ہے یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا یَدْمَغُ کے جملے پر وہ دونوں عطف ہو کر معطوف ہوئے نَقْذِفُ کے جملے پر وہ معطوف سابقہ عبارت پر خیال رہے کہ فَ عاطفہ اصلاً تعقیب یعنی دیر کے لیے آتی ہے مگر جب اس کے بعد جملہ اسمیہ ہو تو تعقیب مَعَ الفور بتاتی ہے جیسے یہاں کیونکہ جملہ اسمیہ میں استمرار اور سرعتِ عمل ہوتی ہے۔ وَاوٗ پر جملہ بیانیہ یا حالیہ لَکُمُ یہ جار مجرور متعلق پوشیدہ اسم فاعل ثابتٌ کے اَلْوَیْلُ اسم مفرد مذکر جامد اس کا مؤنث لفظی وَیْلَۃٌ ہے یہ ہمیشہ مبنی تحریر پر ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے معنوی فعل یا حرفِ ندا پوشیدہ مانا جاتا ہے اور یہ اس کا مفعول مطلق یا منادیٰ ہوتا ہے علیحدہ مفرد بھی ہوتا ہے اور اسم ظاہر یا اسم ضمیر مضاف بھی

ہوتا ہے ہر حال میں مفتوح ہوتا ہے اس لیے اس کا مذکر یا متکلم کا مضاف نہیں ہو سکتا مؤنث کو ئی
متکلم کا مضاف بنایا جاتا ہے مثلاً وَیْلَتِیْ۔ اس کا حقیقی واصلی ترجمہ ہے ہلاکت بربادی ذلت۔ مجازاً جہاں
بھی ہلاکت یا ذلت پائی جائے وہ وَیْل ہے اس لیے مفسرین نے اس کے بارہ معنی کیے ہیں ۱ عذاب
اخروی ۲ پوری وادی جہنم ۳ جہنم کا ایک دروازہ ۴ جہنم کا کنواں ۵ ذلت ۶ شرمندگی ۷ حسرت
۸ سختی ۹ افسوس ۱۰ شر ۱۱ برائی ۱۲ کلمۂ جھڑک (زجر و توبیخ) یہاں ہلاکت مراد ہے جملہ خبریہ ہے
نہ کہ بددعائیہ انشائیہ یہ فاعل ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا مِن حرف جر زائدہ تعلیلیہ بمعنی وجہ سے مَا موصولہ۔
تَصِفُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر وصف سے مشتق ہے بمعنی
کسی کی کیفیت کمیت اور حال چال رنگ ڈھنگ حلیہ بیان کرنا حقیقی ترجمہ ہے کسی کو کسی کی طرف
نسبت دینا وہی یہاں مراد ہے توصیف کی دو قسمیں ہیں ۱ صحیح ۲ غلط یہاں غلط توصیف مراد ہے
اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اس کا اور لَکُمْ کا مرجع کفارِ مکہ ہیں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ
ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور اور متعلق دوم ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ
ہر جملہ مَمْلُوْکٌ اسم مفعول پوشیدہ لَہٗ جار مجرور اسی پوشیدہ کا متعلق ہے مَنْ اسم موصول۔ مَوْجُوْدٌ
پوشیدہ اسم مفعول فِیْ حرفِ جر اَلسَّمٰوٰتِ اسم جمع مؤنث سالم معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضِ اسم مفرد
مؤنث لفظی معطوف ہے دونوں مل کر مجرور اور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا مَوْجُوْدٌ اپنے پوشیدہ
ضمیر صیغہ ھُوَ نائب فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر نائب فاعل ہے مَمْلُوْکٌ پوشیدہ
اسم مفعول کا وہ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَمَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ اَمِ اتَّخَذُوْٓا
اٰلِھَۃً مِّنَ الْاَرْضِ ھُمْ یُنْشِرُوْنَ۔ واؤ ہر جملہ مَنْ اسم موصول مفرد جنسی جس میں جمعیت اور
کلیت مراد ہوتی ہے عِنْدَ اسم ظرف تقریبی تین قسم کے قرب کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۱ قرب مکانی ۲
قرب زمانی ۳ قرب مدارج و مرتبہ و عظمت جس کو قرب بارگاہ بھی کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے ہٗ
ضمیر مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی صلہ ہے مَنْ کا دونوں مل کر مبتدا ہوا۔ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ
بابِ استفعال کا فعل مضارع منفی بِلَا معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِکْبَارٌ بمعنی اپنے
آپ کو بڑا سمجھنا تکبر و غرور کرنا کِبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی بڑا ہونا یا بنانا یہ مادہ لازم و متعدی ہوتا ہے
مگر استفعال میں اکثر متعدی ہی ہے اس میں ضمیر صیغہ ھُمْ جمع مذکر اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ جنسی
جمع عَنْ حرفِ جر زوالیہ یعنی ہٹنے دور ہونے کے معنی میں عِبَادَتِ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ عَبْدٌ مادہ

ثلاثی مجرد سے بنا ہے اسی سے ہے عبودیت انتہائی عاجزی انکساری سے کسی ذات کو اپنا مالک حقیقی اور خالق سمجھ کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور ثناخوانی کرنا عبادت ہے اگر عجز میں کمی ہو تو وہ عبودیت ہے عبادت کی دو قسمیں ہیں ۱ تسخیری شاید یہاں یہی مراد ہے ۲ اختیاری یہ انس و جن کو ملی ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے واؤ عاطفہ یا حالیہ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ باب استفعال کا مضارع نفی جمع مذکر غائب مصدر سے اِسْتِحْسَارٌ حَسْرٌ سے بنا ہے لغوی و اصلی تحقیق او ترجمہ ہے کمزور ہو قوت ختم ہو جانا یہ ثلاثی مصدر یہ ۔۔۔ سے زوال بھی کہتے ہیں یعنی کسی چیز کی نفی ہونا اثبات کی شکل میں ۔ اس کے مجازی اور نسبتی معنی ہیں ۱ پتے پر حسرت ۲ کسی پر حسرت یعنی ترس کھانا جب کہ کچھ نہ کر سکے ۳ افسوس ۴ چھینا ۵ عاجز ۶ غور دینا ۷ بے بس ۸ ردی کے بغیر ہونا ۹ عرق رہ جانا ۱۰ رکنا پانی ختم و خشک ہونا جھاڑ و بھر جانا ۔ اسی معنی میں جھاڑ و کو عربی میں مِحْسَرَہ بھی کہتے ہیں یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا مَا سَبَقَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ کے فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ کا یُسَبِّحُوْنَ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے تَسْبِیْحٌ سَبْحٌ سے بنا ہے معنی پاکیزگی بیان کرنا تعریف و توصیف و تذکرہ کرنا یہ ذکر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اَلَّیْلَ وَ النَّهَارَ بمعنی رات اور دن مراد ہے مسلسل لگاتار بغیر وقفہ یہ دونوں معطوف علیہ و معطوف مفعول فیہ ہے یُسَبِّحُوْنَ کا لَا یَفْتُرُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع منفی فَتْرٌ سے مشتق ہے بمعنی سستی کرنا سست ہونا لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے یہاں متعدی ہے اس لیے سست ہونا غیر اختیاری اور کمزوری کی نشانی ہے اور یہ بات پہلے لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ میں بیان ہو چکی اس لیے متعدی ہوا تا کہ تحصیل حاصل نہ ہو جائے یعنی نہ کمزوری کی سستی ہے نہ جان کر یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال ہے یُسَبِّحُوْنَ کے فاعل کا یُسَبِّحُوْنَ اپنے پوشیدہ فاعل اور اس کے حال اور اپنے مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر حال ہے لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ کے فاعل کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے پوشیدہ فاعل کا یا عطف ہے لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ کے جملے پر سب مل کر خبر مبتدا ۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ اَمْ حرف عطف منقطعہ بمعنی بَلْ اضراب اور سوال انکاری کے لیے یہ انکار وقوع کے لیے ہے نہ کہ انکار واقعہ یعنی کفار تو معبود بناتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا ہے نہیں اَمْ عاطفہ دو قسم کا ہوتا ہے ۱ متصلہ ۲ اَمْ منقطعہ اِتَّخَذُوْٓا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع سابقہ کفار مکہ اٰلِهَةً اسم جمع مکسر منصرف اِلٰہٌ کی بمعنی بت سے معبود مفعول بہ مِنْ جارہ بمعنی فِیْ جارہ ترجمہ ہے میں سے یہ جار مجرور متعلق ہے اِتَّخَذُوْٓا کا ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے اس کا مرجع اٰلِهَةٌ ہے ۔ یُنْشِرُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب سوالیہ ہے یا اس لیے کہ اس کا

تعلق باعتبار صفتِ اٰلِہَۃً ہونے کے اَم منقطعہ سوالیہ سے ہے یا اس لیے کہ یہ کلام علیحدہ ہے اور یہاں ہمزہ سوالیہ پوشیدہ ہے دراصل تھا اَھُمْ اور حذف کی وجہ اَمْ کا دلالتی قرینہ ہے ایک قرأت یَنْشُرُوْنَ بابِ نَصَرَ سے ہے یہ فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے اٰلِہَۃً کی وہ مرکب مفعول بہ ہے اِتَّخَذُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَّلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ـ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ـ یہ دنیا نہ لہو و لعب ہے نہ لہو و لعب کے لیے ہے بلکہ اس کی پیدائش اور خلقت میں یہ حکمت بڑی ہے کہ اس دنیا سے باطلیتِ ابلیسی فنا ہو بُطلانِ نفسانی مغلوب ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ہر آن ہر زمان ہر لمحہ ہر مکان میں حق پیدا فرماتے ہیں اور اس حق سے ایسی سخت ترین ضرب لگاتے ہیں ہم ہر اس سر اٹھاتے شور مچاتے ظلم کماتے باطل پر جو اس وقت موجود ہو کہ وہ حق اپنی قوتِ خداداد سے باطل کا دماغ اڑا دیتا ہے اس انداز سے کہ یکدم باطل مغلوب اور اس کی باطلیت فنا و تباہ ہونے والی ہو جاتی ہے یہ فیصلہ الٰہیہ کا ازل سے کرشمۂ قدرت ہے کسی بھی باطل کو حق کے مقابل قرار نہیں سب کو قرار ہے۔ انبیا علیہم السّلام حق ہیں منکرینِ نبوت باطل ہیں۔ تبلیغ انبیاء قذفِ حقانی ہے۔ باطل کا فرار شکست ہے اور شکست ہی دموغِ تباہی کا عذابِ فنا ہے۔ قرآن حق ہے شیطن باطل۔ اسلام حق ہے کفر باطل معجزات حق ہیں سحریات باطل ہیں۔ ایمانیات حق ہیں لغویات باطل ہیں۔ شریعت حق ہے۔ خباثت باطل ہے۔ عبادات حق ہیں۔ لہویات باطل ہیں طریقت حق ہے شرارت باطل ہے۔ نیکی حق ہے گناہ باطل ہے اعمالِ صالحہ حق ہیں اعمالِ لاغیہ باطل ہیں۔ تیاری آخرت حق ہے مشغولیتِ دنیا باطل ہے۔ صدیقیت حق ہے زندیقیت باطل ہے۔ مخلص حق ہے منافق باطل ہے علماءِ ربانی یعنی آئمہ اربعہ حق ہیں علماءِ سُوء باطل ہیں مقلدین حق ہیں غیر مقلدین باطل ہیں۔ اولیاء اللہ حق ہیں اولیاء من دونِ اللہ باطل ہیں وَلِیُّ ابنِ وَلِی حق ہے وَلِیُّ ابنِ ولی باطل ہے۔ روح کا جسم سے نکل کر بھاگنا زھق ہے اور جسم کے ساتھ بھاگنا فرار ہے۔ حق کو قرار ہے باطل کو فرار ہے۔ حق کا زور ہوتا ہے۔ باطل کا شور ہوتا ہے۔ اہلِ حق کے لیے دنیا و آخرت کی نَیل ہے اور اہلِ باطل کے لیے دنیا و آخرت کی وَیل ہے۔ نَیل کا معنیٰ کامیابی لفظ وَیل کا معنیٰ ناکامی فنا۔ اسی کفریات باطل کی وجہ سے اے کفارِ زمانہ تم اپنے خود ساختہ دست کاشتہ مصنوعی دیویوں دیوتاؤں بتوں بھگوانوں کو خالقِ کائنات کے مقابل لاتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے

کہ اُسی قدرتوں طاقتوں والے کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ رب ذُوالجلال والمجد والکرام اِن سب کا خالق ومالک ہے۔ دنیا کی مخلوق چھ قسم کی ہے ۱ ولایت کی نسبت سے ۲ کفوبت کی نسبت سے ۳ اہلیت کی نسبت سے۔ یہ تین نسبتیں مخلوق کی مخلوق سے ہیں ۴ خلقت کی نسبت یہ نسبت صرف بندوں کی اللہ تعالیٰ سے ہے ۵ ملکیت کی نسبت۔ اس نسبت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہے مگر ذاتی ابدی۔ اور مخلوقِ انسانی وجناتی سے بھی ہے مگر عطائی عارضی ۶ ایجاد کی نسبت یہ نسبت صرف انسانوں سے متعلق ہے یہیں سے ظاہر ہوتا ہے عبید وولید اور حبیب وشریک کا فرق۔ مخلوق سب اللہ تعالیٰ کی مگر ولدًا کفوًا اھلًا ایجادًا ملکًا کی نسبت وتعلق صرف وجودِ ظاہری سے ہے کوئی کسی کا خالق نہیں ہوسکتا بجز رب تعالیٰ۔ علماءِ لغت فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں رب کریم نے چھ چیزوں کو چھ چیزوں سے تشبیہ دی ہے ۱ حق کو مہلک ومضبوط ہتھیار سے ۲ باطل کو ٹھوس اور کمزور جسم کثیف سے ۳ نزولِ حق کو اُس کے قذافی اور سخت حملے سے ۴ باطل کی ناکامی کو اس کی دماغی چوٹ سے ۵ حق کے غلبہ کو قیام وقرار سے ۶ باطل کے زُھُوق کو اُس کی تباہی وفرار سے۔ قرآنِ مجید میں تقریبًا چھبیس چیزوں کو چھبیس چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے ۱ دینِ اسلام کو بادل سے ۲ قرآنِ مجید کو بجلی کی کڑک سے ۳ سزاءِ دنیوی کو ظلمات سے ۴ انعاماتِ الٰہیہ کو نور سے ۵ اللہ تعالیٰ کے نور کو مصباح سے ۶ نبوت کے آستانے کو زجاجہ سے مصباح کا معنٰی چراغ کی لَو درَوشنی ہے) زجاجہ کا معنٰی چمنی ۷ متقی بندے کو مشتی اور عاقل معبد غلام سے ۸ کافر وفاسق کو نکمے بےعقل نقصان والے غلام سے ۹ حق کو مضبوط ہتھیار سے ۱۰ باطل کو کثیف وضعیف جسم سے ۱۱ مالِ یتیم پر ظلم کرنے کو آگ سے ۱۲ گمراہی کو اندھیرے سے ۱۳ ہدایت کو روشنی سے ۱۴ نیکیوں کو گندم کی بالیوں سے ۱۵ برائیوں کو شجرِ خبیث سے ۱۶ کفار کی اچھی باتوں وعادتوں کو پتھریلی زمین پر بے فائدہ بارش سے ۱۷ مومن کے صدقۂ وخیرات کو سرسبز کھیتی سے ۱۸ کافر کی خیرات کو ہوائی دھول سے ۱۹ مومن کو سمیع وبصیر بندے سے ۲۰ کافر کو اندھے بہرے گونگے بندے سے ۲۱ کفار کے اعمال کو مکڑی کے جالے سے ۲۲ اہل دنیا کو ہانپتے کتے سے ۲۳ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ کو بوجھل گدھے سے۔ ۲۴ کلمۂ طیبہ کو شجرِ طیبہ سے جس کا ظاہر خوب صورت دراز اور باطن مضبوط ۲۵ منافقت کو کمزور خاردار جھاڑیوں سے ۲۶ جنتی حور کو مکنون موتی سے وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ۔ اور وہ لوگ جو اُس رب تعالیٰ کی بارگاہ کے مکرم ومقرب ہیں اور اُس کی پسندیدگی اور محبت کے

پاس ہیں ان کی شان وشناخت یہ ہے کہ وہ کبھی اپنے رب کی سجدہ ریزی عاجزی عبادت سے تکبر نہیں سمجھتے نہ بارگاہِ قدس کی انکساری حاضری سے خود کو بڑا سمجھتے ہیں خواہ وہ مقبولین ومقربین افضلیت واشرفیت کے اعلیٰ واکمل مقامِ نبوت ورسالت والے ہوں یا مقامِ علم وعقل کے ولایت والے ہوں یا افضلیت کے مقام قرب والے مدبرات امر کے فرشتے ہوں۔ اور وہ پیارے بندے عبادتِ الٰہی ریاضتِ ربانی میں کبھی بھی زندگی بھر کسی قسم کی کمزوری لاغری سستی کسلمندی غفلت نہیں دکھاتے ہر طرح سے ہر قسم کی تسبیحیں اپنے مولیٰ تعالیٰ کے لیے پڑھتے ان تمام وقتوں میں جو رات ودن میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں انتہائی پابندی دلجمعی ذوق وشوق خشوع خضوع۔ لذتِ اہتمام سے۔ ذرا بھی بے رغبتی سستی وغیرہ کا اختراع نہیں کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں جس سے ان کے غرور یا تھکاوٹ غفلت یا کمزوری کا اظہار ہو۔ وہ تو ہمیشہ اپنی عبادت واعمال سے بندگی کا ہی اقرار واظہار کرتے ہیں اور بندگی سے فقط عبدیت کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ معبودیت کا۔ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۔ بلکہ ان بدبخت کفار مشرکین نے خود ہی ان مقربین عابدین زاہدین تابعین کے ناموں پر زمین سے بت بنا کر یعنی مٹی کے سفری حضری موسمی معبود بنائے ہیں کیا ان نام نہاد خود ساختہ مصنوعی معبودانِ باطل میں یہ ہمت وطاقت قوۃ وکمال ہے کہ مُردوں کو زندہ کر سکیں حالانکہ معبودِ حقیقی کے لیے تین شانیں اور قوتیں لازمی ہیں ایک یہ کہ وہ پیدا کر سکے دوم یہ کہ وہ ہر ہر مخلوق کی ہر وقت ہر طرح پرورش وحفاظت کر سکے سوم یہ کہ وہ ہر مخلوق کو مار کر زندہ کر سکے۔ پہلی دو قوتیں صفاتی عمل میں پوشیدہ ہیں اس لیے کوئی بھی نمرودی حالت وفرعونی عادت والا یہ دعویٰ کر سکتا ہے مگر تیسری قوت وصنعت تو ظاہر ہے اسی لیے یہاں اسی تیسری صفت قوت وقدرت کا ذکر فرمایا گیا کہ هُمْ يُنْشِرُوْنَ اے مشرکو تمہارے موجود ہیں مُردے پڑے ہوئے ہیں دن رات میتیں ہو رہی ہیں۔ کہو کسی دیوی دیوتا بت مورتی سے کہ کسی میت کو زندہ کر دے۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ میں مقربین کے تین قول ہیں ۱) اس سے مراد صرف فرشتے ہیں اس کی دلیل یہ کہ فرمایا گیا۔ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ اور لَا يَفْتُرُوْنَ ۔ یعنی ملائکہ نہ عبادت سے تھکتے سُست ہوتے ہیں نہ غافل وبے رغبت ہوتے ہیں نہ کبھی بند کرتے ہیں کیونکہ عبادت ان کے لیے ایسی ضروری ہے جیسی انسانوں حیوانوں کے لیے سانس اور غذا خوراک جس طرح سانس عبادت میں رکاوٹ نہیں بنتی اسی طرح ملائکہ کے کسی عمل سے عبادت بند نہیں۔ عبادت بھی ہوتی رہتی ہے اور دیگر امور اعمال بھی ۲) یہ کہ مَنْ عِنْدَهٗ سے مراد صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہیں

کہ عبادت کی یہ شان وکیفیت انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع میں اولیاء اللہ کے اعمالِ صالحہ میں ہے
اس قول کی دلیل یہ فرمان ہے کہ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۔ یعنی دن رات وہ تسبیح پڑھتے ہیں
رات و دن کے اوقاتِ عبادت صرف انسانوں کے لیے ہیں اور ان تمام وقتوں کی ہمیشہ ذوق و
شوق سے پابندی کبھی بھی سستی غفلت کسلمندی دیری نہ کرنا صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے
اولیاء اللہ کا شیوہ ہے۔ عام انسان کی نہ یہ ہمت نہ شان نہ صفت نہ حالت نہ کیفیت ملائکہ کے
پاس رات و دن نہیں وہ آسمانی مخلوق آسمان پر نہ دن نہ رات ۔ تیسرا قول یہ کہ مَنْ عِنْدَهُ سے انبیاء
کرام اولیاء اللہ اور فرشتے سب ہی مراد ہیں۔ علیہم السلام یہ ہی قول زیادہ درست اور مضبوط ہے
کیونکہ اس آیت میں پہلے دونوں قولوں کے دلائل کی مطابقت کرنے سے یہ تیسرا قول زیادہ مدلل
ہو جاتا ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ۔ مقربین انسان ہوں
یا جنات یا ملائکہ ان سے عبادت منقطع نہیں ہو سکتی ۔ اور دنیا کی کوئی چیز کسی وقت
بھی ان کی عبادت میں رکاوٹ نہیں بن سکتی جیسے حیوانات کے لیے یہ ہوائیں فضائیں ان کے
تنفس اور سانس لینے کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتیں اور جس طرح کہ پانی کسی مچھلی یا آبی مخلوق کے
لیے اس کی سانس میں رکاوٹ نہیں بنتا یہ فائدہ لَا يَفْتُرُونَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ
کے بندے ترکِ عبادت پر قصد و جرأت نہیں رکھتے انبیاء کرام اپنی عصمت کی وجہ سے اور اولیاء
مقربین اپنی حفاظتِ الٰہیہ کے انعام کی وجہ سے ۔ دوسرا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کو حق ہی پسند ہے۔
باطل پسند نہیں ہے اگرچہ لوگوں میں وہ کتنا ہی مقبول و منظورِ نظر ہو جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو رب تعالیٰ
کا پیارا اور محبوب بننے کے لیے ہمیشہ حق کا ساتھ دینا چاہیے ۔ اکبرتہ ۔ یعنی نیکی حق ہے اور اَلَّا تَمُدُّ
یعنی برائی باطل ہے ۔ یہ فائدہ ۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ رب تعالیٰ
نے ہمیشہ ہی باطل کے مقابل حق کو پیدا فرمایا ہے ۔ چنانچہ شیطان کو مردودِ ازلی ابدی بنانے کے لیے
آدم علیہ السلام کو۔ قابیل کو رسوائے زمانہ کرنے کے لیے حضرت ہابیل کو نمرود کو غارت کرنے کے لیے
ابراہیم علیہ السلام کو۔ فرعون کے دماغ توڑنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو ابوجہل کی طغیانیت
کو فنا کرنے کے لیے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیلمہ کذاب کو تباہ و قتل کرنے
کے لیے صدیق اکبر کو۔ یزید اور یزیدیت کو بھگانے کے لیے امام عالی مقام سیدالشہدا امام حسین کو
دینِ اکبری کی تباہی کے لیے مجدد الف ثانی سرہندی کو طوفانِ وہابیت کو مٹانے کے لیے اعلیٰ حضرت

مجدد بریلوی کو، طغیان قادیانیت کو توڑنے کے لیے پیر مہر علی شاہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کو ہندو اور اُمراریت کے فتنہ و فساد کو رد کرنے کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح کو۔ اور قائدِ اعظم کی تائید و حمایت مضبوطی و قوت کے لیے محدث علی پوری کو پیدا فرمایا۔ اس کی کروڑوں مثالیں ہیں۔ اور قیامت تک ایسا ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو ہر دور میں باطل سے بچانے والا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِکَ۔

احکام القرآن اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ فقہ اسلامی کے مطابق ملکیت اور ابنیت جمع نہیں ہو سکتی، جو شخص بیٹا یا بیٹی ہو گا وہ عبد اور غلام یا لونڈی نہیں ہو سکتا جو غلام یعنی عبد یا اَمَۃ ہو وہ بیٹا بیٹی نہیں ہو سکتا یہ مسئلہ وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ لام ملکیت کا ہے اور مَنْ سے مراد ہر ذَوِی الْعُقُوْلُ ہے خاص کر انسان اِس آیت نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی زبردست تردید فرما دی جو کہتے پھرتے ہیں کہ عُزَیْرُ بْنُ اللہ اور المسیح ابن اللہ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ بَنَاتُ اللہِ۔ دوسرا مسئلہ۔ دن رات میں رب تعالیٰ نے جو اوقات عبادت مقرر فرمائے ہیں وہ بہت مبارک ساعتیں ہیں، اُس وقت سُستی غفلت کسلمندی کرنا بد ترین گناہ ہے۔ یہی اوقات تھکاوٹ و کمزوری کے اُس وقت نفس و شیطان کی مخالفت کر کے عبادت میں لگ جانا بندے کو مَنْ عِنْدَہٗ یعنی مقربین و محبوبین میں سے بنا دیتی ہے یہ مسئلہ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ اور لَا یَفْتُرُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ فاسق و فاجر بدکار گناہگار فحاش کی ذلت کرنا یعنی اسلامی مناصب میں اس کو اونچا مقام نہ دینا پیچھے ہٹانا۔ پیچھے رکھنا۔ واجب ہے مثلاً امامت سے ہٹانا مصلے سے اتارنا۔ امامت خطابت سے روک دینا یہ بھی ذلیل کرنے کی ایک قسم اور باطنی طریقہ۔ شرعاً لازم و واجب ہے فاسقِ معلن کو عزت دینا یا شرعی احترام کرنا گناہ ہے اُس کے لیے کھڑا ہو جانا یا ہاتھ چومنا سخت ممنوع یہ مسئلہ نَحْبُدُمَعَہٗ کی پوری آیت سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسی چاپلوسی اور کاسہ لیسی والی سیاست سے بچنا چاہیے اور ہر باطل کی علی الاعلان مخالفت و تردید و تحقیر کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ فساق کو اسلامی منصبوں پر عزت دینا اسلام قرآن اور شریعت کی توہین و گستاخی بے ادبی ہے فاسقین کو اس طرح ذلیل کرنا یہ بھی بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ کا ایک نقشہ ہے۔ باطل خواہ کسی بھی لباس میں ہو باطل ہی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا کہ ہم حق کی ایسی

چوٹ اور ضرب لگاتے ہیں باطل پر کہ اس کا دماغ ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹنے سے تو موت واقع ہو جاتی ہے اور موت سے ہلاکت اور ہلاکت سے فنا ہو جاتی ہے۔ اس تشبیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ باطل ہمیشہ فنا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ اور ذاتی و تاریخی شواھد ہیں کہ اکثر مواقع پر باطل نے حق کو شکست دیدی۔ جیسے کہ ابلیس نے آدم کو قابیل نے ہابیل کو یزید نے حسین کو قتل و شہید کر کے فنا کر دیا۔ یعنی موت دیدی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جواب۔ یہ اعتراض غلط ہے اس لیے کہ معترض نے باطل اور اہل باطل میں اسی طرح حق اور اہل حق میں فرق نہ جانا اور نَقْذِفُ وَيَدْمَغُ کا معنیٰ نہ سمجھا۔ ابلیس قابیل یزید وغیرھم اہل باطل ہیں نہ کہ باطل ان کے نظریات۔ عقائد۔ اور منصوبے باطل ہیں یونہی آدم علیہ السلام۔ ہابیل اور امام حسین وغیرھم اہل حق ہیں۔ ان کے نظریات۔ عملیات عقائد فکریات حق ہیں حق کو باطل پر مارا جاتا ہے نہ کہ اہل حق کو اہل باطل پر پھر باطل کا دماغ ٹوٹتا ہے نہ اہل باطل کا اور باطل زاھق ہوتا ہے نہ کہ اہل باطل دَمْغٌ کا معنیٰ ہے دائمی شکست ناکامی منصوبہ بندی بربادی تباہی اور زھق کا معنیٰ ہے ذلت و رسوائی۔ ذکر مٹ جانا۔ نسیاً منسیاً ہو جانا۔ اِنْقِذَاف اور نَقْذِفُ کا معنیٰ ہے حق کا بول بالا۔ منصوبہ نظریہ کامیاب ہو جانا۔ دائمی عزت ارادوں کی تکمیل ناموری کائنات اچھا چرچہ پیارا تذکرہ۔ لہٰذا ابلیس دھوکہ دے کر بھی ناکام اور ذلیل ہوا یہی اس کا دمغ و فنا ہے۔ آدم علیہ السلام دھوکہ کھا کر بھی آخر کار کامیاب و کامران ہوئے یزید قتل کر کے بھی ناکام و ذلیل پلید ہوا۔ امام عالی مقام شہید ہو کر بھی کامیاب و کامران ہوئے۔ شہادت یا قتل ہو جانا فنا نہیں۔ منصوبوں کی ناکامی باطل کی فنا ہے یہ آیت کریمہ یہی بتا رہی ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ لَا يَسْتَحْسِرُونَ۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِحْسَارٌ جس میں مبالغہ یعنی شدت اور زیادتی کا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی پوری حسر اور زیادہ تھکاوٹ۔ تو آیت کا معنیٰ ہوا کہ وہ پورے نہیں تھکتے۔ گویا کہ تھوڑے تھک جاتے ہیں اور تھوڑا تھکنا بھی عیب ہے لہٰذا یہ لَا يَسْتَحْسِرُونَ فرمانا تعریف و توصیف نہ ہوئی۔ جواب۔ یہ مبالغہ تھکنے میں نہیں بلکہ انقطاع میں ہے یعنی ان کی عبادت اور تسبیح میں کبھی بھی کہیں بھی قطعاً انقطاع نہیں ہوتا یعنی کبھی بھی بند نہیں ہوتی ہمیشہ جاری رہتی ہے ملائکہ کی مثل سانس کے اور انسانوں کی عبادت ان کے ذوق و شوق اور پابندی سے اس طرح ہے کہ اعضاء سے عمل ہو تو زبان سے جاری زبان بند ہو تو سانس سے جاری رہتی ہے سانس کے تقلب ذکر تسبیح میں مشغول رہتا ہے جو معنیٰ ہے هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ (سورۃ معارج آیت ۲۳) اس مبالغے کا ترجمہ اردو میں کیا جاتا ہے بالکل نہیں قطعاً نہیں۔ ایسا کام ہرگز نہیں ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ تو اب لَا يَسْتَحْسِرُونَ کا معنیٰ اس طرح کیا جائے کہ وہ بالکل نہیں رکتے قطعاً نہیں تھکتے عبادت جاری رکھتے ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں

فرمایا گیا۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں اور لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ اور لَا يَفْتُرُوْنَ۔ کا معنیٰ ہے کہ ایک آن کے لیے بھی اُن کی عبادت بند نہیں ہوتی حالانکہ تسبیح و عبادت کا تعلق زبان سے ہے جب کہ قرآن مجید میں ہی ہے کہ ملائکہ کے ذمہ اور بھی بہت سے کام و کلام ہوتے ہیں۔ مثلاً رُسُل ملائکہ اور مدبّرات امر ملائکہ کے ذمہ اپنی رسالت کی ڈیوٹیاں کام و کلام انبیاء علیہم السلام کی بارگاہوں میں حاضری ان سے کلام گفتگو۔ بعض فرشتے کفار پر لعنت ڈالتے ہیں۔ تو جس وقت یہ ملائکہ امورِ ذمہ داریا لعنتِ کفار میں مشغول ہوں اُس وقت وہ تسبیح کیسے پڑھ سکتے ہیں زبان تو دیگر کاموں میں معروف ہے لہٰذا تسلسلِ عبادت ٹوٹ گیا۔ جواب۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مَنْ عِنْدَهٗ سے مراد صرف ملائکہ ہیں۔ تو یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ فرشتوں کو انسانوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا انسان کی زبان واقعی جب دیگر باتوں میں مصروف ہو تو اُس کی تسبیح عبادت ذکر اللہ رک جاتا ہے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ ان کی ایک ہی زبان ہوتی ہے وہ اگر تسبیح و ذکر اللہ کریں تو دنیوی کلام بند اور اگر دنیوی کلام کریں تو ذکر اللہ بند مگر فرشتوں اور انسانوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ فرشتوں کی بہت زبانیں ہوتی ہیں۔ اس لیے اُن کی تسبیح خوانی اور عبادتِ رحمانی کبھی بند نہیں ہوتی ایک زبان سے تسبیح و ذکر دوسری سے امور رسالت تیسری سے کفار پر لعنت ملامت۔ دوم یہ کہ فرشتوں کی عبادت ان کے لیے ایسی لازمی و ضروری ہے جیسے انسانوں کے لیے سانس اور غذا۔ انسان جو بھی کام یا کلام کرے اُس کی سانس بھی ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے اور غذا کھاتے ہیں تب بھی سانس جاری رہتی ہے نہ سانس کو چھوڑ سکتے ہیں نہ غذا کو یونہی فرشتوں کی عبادت ہر وقت چلتی رہتی ہے وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ جواب دوم۔ یہ کہ اس آیت میں صرف ملائکہ کا ذکر نہیں بلکہ تمام مقربین بارگاہِ الٰہی بندوں کا ذکر ہے اور لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ سے نفرت کی نفی ہے۔ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ سے کمزوری کی نفی لَا يَفْتُرُوْنَ سے غفلت کی نفی ہے۔ اَلَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ میں اوقاتِ معینہ کا ذکر ہے اور معنیٰ ہے کہ مقربینِ بارگاہ جو بھی ہوں نہ تو عبادت و تسبیح سے نفرت کرتے ہیں نہ شیطانی تکبر نہ کسی وقت عبادت سے اُن کو تھکاوٹ ہوتی ہے اوقاتِ عبادت کی پابندی سے کبھی غفلت کوتاہی نہیں برتتے نہ دیر لگاتے ہیں۔ چوتھا اعتراض۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ملائکہ کی تسبیح خوانی مثل نفسِ انسانی ہے۔ جس طرح انسانی غذا اور کلام و گفتگو کے باوجود سانس چلتی رہتی ہے۔ اسی طرح ملائکہ کی دیگر کلامی اُن کی تسبیح خوانی کو نہیں روکتی۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ انسانی کلام اور غذا کا

راستہ اور آلہ اور ہے سانس کا راستہ اور تنفس کی رگ (آلہ و ذریعہ) دوسرا ہے مگر تسبیح و دیگر کلام کا راستہ ایک ہی ہے یعنی زبان تو سانس سے غذا اور غذا سے سانس واقعی نہیں رکتی مگر ایک کلام سے دوسرا کلام یقیناً رکتا ہے ایک چیز تو بند کرنی ہی پڑے گی بیک وقت دو مختلف کلاموں کا اجتماع محال ہے۔ جواب۔ یہاں مواظبت اور ہمیشگی سے مراد اوقات معینہ کی پابندی ہے نہ کہ تسلسل جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہاں ہمیشہ آتا ہے یا کہا جاتا ہے کہ آدمی ہمیشہ با جماعت نماز پڑھتا ہے تو وہاں بھی بلاناغہ پابندی مراد ہوتی ہے نہ کہ مسلسل مشغولیت۔ پانچواں اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ یعنی ان کفار نے زمین سے الٰہ بنا لئے ہیں تو کیا یہ ان کے بنائے ہوئے معبود مردہ انسانوں کو زندہ کر سکتے ہیں اس آیت میں کفار مشرکین پر ایک تنقیدی اعتراض اور سوال انکاری ہے کہ چونکہ وہ تراشے ہوئے بت کسی کو زندہ نہیں کر سکتے ہیں۔ حالانکہ کفار مشرکین پر یہ تنقیدی اعتراض تب کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ مشرکین بھی معبود ہونے کے لیے یہ شرط و قوت مانتے ہوں وہ تو کسی بھی معبود کے لیے یہ قوت و قدرت مانتے ہی نہیں تھے کہ معبودیت کے لیے مُردوں کو زندہ کرنا ضروری ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کو بھی خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ماننے کے باوجود مُردوں کو زندہ کرنے والا نہ مانتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (سورۃ یٰسٓ آیت ۷۸) تو وہ اپنے بتوں کے لیے یہ دعویٰ کیوں کرتے۔ اور جب مشرکین کا اپنے بتوں کے لیے یہ دعویٰ نہیں تو پھر هُمْ يُنْشِرُوْنَ کا انکاری سوال و اعتراض کیوں کیا گیا۔ جواب۔ یہ سوال انکاری نہیں بلکہ الزامی ہے کہ اے کافر و مشرکو تم نے مٹی لکڑی دھات وغیرہ زمینی چیزوں سے بت تراشے اور ان کو معبود بنا کر الٰہ سمجھ کر اُن کی عبادت کی عبادت کے لیے ثواب دینا ضروری اور ثواب کے لیے حشر ضروری حشر کے لیے نشر یعنی زندہ کرنا ضروری اور نشر کے لیے معبود کے پاس قوتِ نشور ضروری اور قوت کے لیے سچی معبودیت ضروری تو کیا تمہارے یہ من گھڑت تراشے ہوئے دستی سفری حضری موسمی بت هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ اگر نشر اور زندہ کرنیکی طاقت رکھتے ہیں جو تم نے ان کو معبود بنا لیا ان کی عبادت کی اور ثواب کی امید لگائی۔ تم اگر اپنے منہ سے یہ کہتے پھرو کہ معبود کے لیے زندہ کرنا ضروری نہیں تو پھر ثواب کی امید نہیں تو پھر عبادت کیوں کرتے ہو۔ اور اگر یہ دنیا کی دولتیں سہولتیں انعامات کی بارشیں صحتیں تندرستیاں ہی عبادت کا ثواب ہے تو پھر غریب نادار بیمار مشرک بچاری کو کیا ملا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۔ حق کے تین مرتبے ہیں ۱ افعال ۲ صفاتِ حق ۳ ذاتِ حق ، ہر مرتبے ہیں بندے کے لیے حق کی تجلی ہوتی ہے جس کے ذریعے بندے سے باطل ختم ہوتا جاتا ہے ۔ یعنی اگر افعالِ حق کی تجلی بندے کے افعال پر وارد ہو تو بندے سے باطل افعال گناہ فسق مٹ جاتے ہیں اور اگر صفاتِ حق کی تجلی بندے کی صفات پر ہو تو بندے سے باطل صفات عادات مٹ جاتی ہیں اور اگر بندے کی ذات پر ذاتِ حق کی تجلی ہو تو بندہ آئینہ حق نما بنجاتا ہے اور باطل کی ذات فنا ہو جاتی ہے پھر اگر بندہ ان تجلیات کو برداشت کرے تو مکاشفہ معرفت روحانی میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى کا مقامِ اعلیٰ پا لیتا ہے ورنہ خرور وجذب طاری ہو جاتا ہے (تفسیر نیشاپوری) اَفعالِ حق شریعت ہے جس کی دو قسمیں امر اور نہی صفاتِ حق طریقت ہے اور ذاتِ حق حقیقت ہے اور اس کا آخری مقام معرفت ہے ۔ عبد اللہ بن عمر رضی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دس جزوں میں پیدا فرمایا ۔ نو جزمیں ملائکہ اور ایک جز میں باقی مخلوق پھر ملائکہ کی دس جزئیں فرمائیں ۔ نو جز سے وہ تسبیح کرتے ہیں اور ایک جز سے مدبّرات امری کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ۔ دیگر مخلوق میں دس جزئیں فرمائیں جن میں نو جز جنات کی اور ایک جز میں انسان پھر انسان کی دس جزئیں فرمائیں نو جز میں یاجوج ماجوج ایک جز میں بقیۃ انسان (از تفسیر جامع البیان) وَیل ۔ وَیس ۔ وَیح کا فرق یہ ہے کہ ویل کا معنیٰ حسرت ناک تباہی ۔ ویس کا معنیٰ ہے ذلت آمیز تباہی ۔ ویح کا معنیٰ ہے رحم کی اپیل والتجا وہ عدلِ الٰہی جس سے زمین وآسمان قائم ہیں وہ عالمِ کثرت میں ظلِّ وحدت ہے اگر مرکّبات عالم میں اعتدالِ مزاج کی طرح صبغۃِ وحدانیت نہ ہو تو کائنات میں کچھ بھی باقی نہ رہے اور اگر ایک آن کے لیے بھی یہ شکل وحدت ختم ہو جائے تو فسادِ کائنات برپا ہو جائے (ابن عربی) یہی وہ قوت وحدت ہے جس سے بَلْ نَقْذِفُ کا ظہور ہے ۔ اس وحدت میں کثرت کا عقیدہ بنانے سے وَلَكُمُ الْوَيْلُ ہے ۔ اسی وحدت کا تقاضہ تدریجی ہے کائنات میں کہ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۔ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۔ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ عبادت کی حلاوت نہیں ملتی مگر معرفتِ الٰہی تامّہ کے بعد اور معرفتِ تامّہ نہیں ملتی مگر شہود ربانیہ کاملہ کے بعد اس لیے کہ لذتِ مناجات باوجود قوۃِ جسمانیہ کے انسان کی اس تک پہنچ نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ حجاب کی عبادت ، کلفت غفلت صعوبت اور فتور وغرور سے خالی نہیں ہوتی بخلاف اہلِ کشفِ ربانی کی عبادت کے ان کی عبادت مثلِ عادت ہے ، سہولتِ ادا دوامِ بقا ، مقامِ قیام میں ۔ فتور رہ سکون ہے

جو حدت شوق اور پابندی کے بعد ظاہر و غالب ہو۔ بعض نے فرمایا فتور وہ نرمی و سستی ہے جو شدت ذوق کے بعد پیدا ہو۔ یا وہ ضعف ہے جو قوت کے بعد آئے۔ جو خوش بخت لَا یَفْتُرُوْنَ والے ہوگئے وہ غفلت سستی کاہلی، ضعف و سکون سے محفوظ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے لِکُلِّ عَامِلٍ شِرَّۃٌ وَ لِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ فَمَنْ فَتْرَتُہٗ اِلٰی سُنَّتِیْ فَقَدْ نَجَا وَ اِلَّا فَقَدْ ھَلَکَ۔ یعنی ہر عامل کے لیے ایک شر ہے اور ہر شر کے لیے ایک فترت ہے۔ اس طرح کہ باطل کی صولت ہوتی ہے جس کو زوال ہے اور حق کی دولت ہوتی ہے جس کو زوال نہیں (از روح البیان) اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِھَۃً مِّنَ الْاَرْضِ ھُمْ یُنْشِرُوْنَ۔ عالم روح میں انوار لاثانی مشاہدات لافانی کی بے شمار بشارتوں کے باوجود بھی اہل نفوس نے زمین جسمانی سے خواہشات و لذات کے معبود و مسجود تراش لیے۔ یہ خواہشات ناسوتیہ اور لذات دنیویہ کیا ان کو قیام ابدی اور بقاءِ دوام کی زندگی بخش سکتی ہیں ہرگز نہیں تو اے بندگانِ سفاہت غلامانِ حماقت کیوں تم نے اپنے خالق و کریم جَلَّ مَجْدُہٗ کی بارگاہِ قدس کی منزل معرفت سے منہ پھیرا اور وحدت قدیم میں کثرت حادثہ کا شرک ملایا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ

اگر ہوتے ان دونوں آسمان و زمین میں کچھ معبود اللہ کے علاوہ تو البتہ ٹوٹ پھوٹ جاتے یہ دونوں ہر چیز تو تسبیح پڑھتی ہے

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے تو پاکی ہے

اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ

اس اللہ کی پاکیزگی کی جو عرش کا بھی رب ہے اُن شرکیہ باتوں سے جو یہ کفار منسوب کرتے پھرتے ہیں نہیں

اللہ عرش کے مالک کو اُن باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ اُس سے نہیں پوچھا جاتا

عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

جا سکتا اللہ کبھی بھی اُس کام کے بارے میں جو کرتا ہے اور سب لوگ اپنے اعمال کے بارے پوچھے جائیں گے تو کیوں ان کفار

جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ کیا اللہ کے سوا اور

دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ

نے اس کے مقابل معبود گھڑ لیے ہیں فرماؤ کہ لاؤ اپنی مضبوط دلیل یہ کلام تو شریعت ہے اس

خدا بنا رکھے ہیں۔ تم فرماؤ اپنی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن میرے ساتھ والوں کا ذکر ہے

مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

امت کے لیے جو میرے ساتھ ہے اور ان امتوں کے لیے جو مجھ سے پہلے والیوں سے ہیں

اور مجھ سے اگلوں کا تذکرہ بلکہ ان میں اکثر حق کو نہیں

یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا

لیکن ان کفار میں اکثر نہیں سمجھتے حق کو اسی لیے وہ منہ پھیرتے ہیں اور نہیں بھیجا

جانتے تو وہ روگردان ہیں اور ہم نے تم سے پہلے کوئی

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ

ہم نے آپ سے پہلے کسی بھی رسول کو مگر وحی بھیجتے رہے ہم اس کی طرف یہ کہ بے شک کوئی بھی

رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

معبود نہیں ہے سوائے میرے تو تم سب میری ہی عبادت کرو

معبود نہیں تو مجھی کو پوجو

تعلقات اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کفار جو جھوٹے معبود بنائے پھرتے ہیں کیا وہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں! اب اِن آیت میں ان کا تردیدی و انکاری جواب دیا جا رہا ہے کہ وہ کیا بنائیں گے۔

یا سنواریں گے۔ بلکہ آسمان وزمین میں ایک بھی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ہوتا تو آسمانوں اور زمین میں بے انتہا فساد ہی برپا ہوتا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں کفار کے بناوٹی معبودوں کا ذکر ہوا اب ان آیت میں اُن سے اپنے ان بیہودہ عقیدوں پر دلیل طلب کی جا رہی ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جھوٹے معبودوں کی کمزوری کا ذکر ہوا کہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے نہ اُن کو کسی کے پیدا کرنے کی قوت ہے اب ان آیت میں سچے حقیقی معبود رب تعالیٰ کی قوت کا ذکر فرمایا گیا کہ اُس سے تو کوئی شخص باز پرس کی ہمت نہیں کر سکتا۔

تفسیر نحوی لَوْكَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً۔ لَوْ حرفِ شرط اگلا جملہ تامہ شرط و جزا ہے کَانَ فعل تامہ ظرفیہ مکانیہ ہُمَا ضمیر مجرور متصل تثنیہ غائب مرجع پچھلی آیت میں السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ کا اٰلِهَةٌ اسم جمع نکرہ مگر استغراقی جمع نہیں اس لیے اس کا ترجمہ ہے چند معبود اگر استغراقی ہوتا تو ترجمہ سب معبود ہوتا۔ موصوف ہے اِلَّا حرف استثنیٰ بمعنیٰ غیر اس لیے حکماً و تقدیراً مرفوع ہے اور اعراب در رفع) کا ظہور ہوا اللہ پر۔ خیال رہے کہ بقاعدۂ نحویہ اِلَّا بھی ماقبل اور مابعد کی مغایرت یعنی غیریت کے لیے آتا ہے اور غَیْرٌ بھی مگر دونوں میں تین طرح فرق ہے ۱۔ اِلَّا حرف ہے اور غَیْرٌ اسم ہے ۲۔ اِلَّا غَیْرٌ کے معنیٰ میں آتا ہے مگر کم کیوں کہ حرف کی قوت کم ہوتی ہے اس لیے کسی کے اوپر قبضہ و تصرف تھوڑا کر سکتا ہے لیکن غَیْرٌ اسم ہے اس لیے یہ اکثر اپنی اسمی قوت کی بنا پر اِلَّا کے معنیٰ میں آجاتا ہے ۳۔ اِلَّا سے جو غیریت ہوتی ہے وہ اور اثبات میں ہوتی ہے یعنی ماقبل نفی ہو تو مابعد میں نفی کو اور اگر ماقبل میں ثبوت ہو تو مابعد میں ثبوت کو ختم کرتا ہے اسی کو استثنا کہتے ہیں لیکن غَیْرٌ ذاتاً اور صفتاً مغایرت پیدا کرتا ہے۔ جب کبھی دونوں قسم کی جھلک ہو تو اِلَّا بمعنیٰ غَیْرٌ یا غَیْرٌ بمعنیٰ اِلَّا ہوتے ہیں یہاں جمہور نحات اِلَّا بمعنیٰ غیر کہتے ہیں بجز مُبَرّد نحوی اور وہ اِلَّا کو اپنے ہی معنیٰ میں رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ موقوف صفت نہیں مُبْدَل مِنْہُ سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ ترجمہ اس طرح ہوگا اگر ہوتے چند معبود کون جو اللہ کے سوا ہیں (از تفسیر روح المعانی) مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں اِلَّا برائے استثنا نہیں بلکہ سِوا یا غیر کے معنیٰ میں ہے کیونکہ قانونِ نحوی ہے کہ جب اِلَّا کا ماقبل جمع نکرہ عمومی ہو اور کلام مثبت ہو تو استثناء منع ہے اس لیے کہ نکرے میں استغراق نہیں ہوتا لہٰذا مَا بعدِ اِلَّا مَا قبلِ اِلَّا میں

داخل نہیں اور جب داخل نہیں تو نکالنے کی کیا حاجت اور استثنا تو نکالنے کے لیے ہے لہٰذا جب دخول نہیں تو خروج نہیں اور استثنا ممنوع ہو گیا۔ یہاں اٰلِہَۃٌ بھی کلام مثبت بھی ہے۔ اور الٰہ جمع نکرہ عموی بھی نیز اس لیے بھی استثنا ممنوع ہوا کہ حقیقت کے خلاف ہو گا کہ اگر استثنا کیا گیا تو معنیٰ ہو گا کہ اگر اللہ تعالیٰ جہانوں میں معبود نہ ہو دیگر معبود ہوں تب تو فساد پڑے لیکن اگر اللہ بھی ساتھ ہو تو فساد نہ پڑے۔ حالانکہ آیت کا منشا یہ نہیں ہے۔ اَللّٰہُ اِلَّا سے مل کر صفت ہے اٰلِہَۃٌ کی یہ مرکب توصیفی   فاعل ہے کَانَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر شرط ہے لام گے حرف زائدہ جزائیہ فَسَدَتَا باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف تثنیہ مؤنث غائب فَسَدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ٹوٹنا بگڑنا خراب ہونا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ بہرصورت لام مصدر ہے اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ انشائیہ ہو کر جزا ہوا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَ ترتیبیہ مابعد کو ماقبل پر ترتیب دینے کے لیے ہے کہ معبود اللہ ہے جس کی یہ یہ صفات اور قوتیں ہیں۔ سُبْحٰنَ۔ اسم مصدر ہے بمعنیٰ پاکیزہ ہونا۔ لازم ہے سَبْحٌ سے بنا ہے بروزن فُعْلَان اسی وزن سے مبالغہ پایا گیا یعنی بہت ہی ہر طرح کی ہر وقت پاکیزہ ہونا اب یہاں اسم جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ پاکیزگی یہ ہمیشہ فتحہ پر مبنی فرع ہوتا ہے اور ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ہمیشہ اسم مفرد مذکر ہوتا ہے خواہ اسم ظاہر یا اسم ضمیر غائب یا حاضر یہ مصدر غیر متصرف ہے اس سے کوئی مشتق نہیں بنتا اِس کے مادے سے باب تفعیل بنتا ہے وہ متصرف ہے اِس کے بارے میں علماءِ نحو کے اور بہت اقوال ہیں مگر مشہور مسلک یہی ہے اللہ موصوف ہے یا مُبْدَلٌ مِنْہ رَبِّ الْعَرْشِ یہ مرکب اضافی صفت ہے یا بدل الکل ہے اللہ کا دونوں مل کر مضاف الیہ ہے سُبْحَانَ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے پوشیدہ فعل یُسَبِّحُ کا اگر سُبْحٰنَ کو حاصل مصدر مانا جائے۔ لیکن اگر یہ اصل مصدر ہی ہے تو مفعول مطلق ہے اسی فعل پوشیدہ کا عَنْ حرف جر زوالیہ مَا اسم موصول جنسی۔ جمع استغراقی بمعنیٰ وہ تمام شرکیات۔ یَصِفُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب وَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ منسوب کرنا نسبتیں بتانا متعدی ہے مگر ماقبل مَا موصولہ کے قرینے سے مفعول نہیں آیا دراصل یُوْصِفُوْنَ واؤ کلمہ ماقبل فتحہ ثقیل کی وجہ سے گر گئی۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع کفار ہیں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور ہوا دونوں جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ فعل یُسَبِّحُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَا یُسْئَلُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع منفی بلا مجہول واحد مذکر

غائب سُئِلَ سے مشتق ہے بمعنی پوچھنا۔ پوچھ گچھ کرنا اعتراض کرنا یہاں اعتراض کے معنی میں ہے اس کا نائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع ربُّ العرش ہے عَنْ جارہ زوالیہ بمعنی دوری۔ زائل یعنی اعتراض کہ کیوں ایسا کیا نہ کرنا چاہیے تھا مَا موصولہ یَفْعَلُ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے لَا یُسْئَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ هُمْ ضمیر مرفوع منفصل جمع مذکر غائب مرجع کفار مبتدا ہے۔ یُسْئَلُوْنَ باب فتح کا مضارع مجہول مثبت یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَمْ حرف علت بمعنی بَلْ اضراب یعنی نفرت اور انکار کے لیے اِتَّخَذُوْا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اِتِّخَاذٌ مصدر ہے اَخْذٌ مادہ ہے مصدر میں ہمزہ اصلیہ کو تاء افتعال سے تَ بنا کر مدغم کر دیا گیا یعنی بنانا۔ لینا، اختیار کرنا یہاں بمعنی عقیدہ بنانا ہے مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ دُوْنَ اسم ظرف پانچ معنی مشترک ہے ۱ قریب ۲ سوا ۳ مقابل، حفاظت ۴ علاوہ ۵ نیچے (فوق کی نقیض) یہ معرب ہوتا ہے اس لیے تینوں قسم کے اعراب آجاتے ہیں (زیر، زبر، پیش) یہاں بحالت کسرہ ہے مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اٰلِهَةً اسم منصوب مفعول بہ ہے اِتَّخَذُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یُسْئَلُوْنَ کے جملے پر۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ قُلْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف بافاعل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا خیال رہے کہ انشائیت کل دس چیزوں سے ہوتی ہے ۱ امر ۲ نہی ۳ استفہام ۴ تمنی ۵ ترجی۔ ۶ عقود ۷ ندا ۸ عرض ۹ قسم ۱۰ تعجب هَاتُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف۔ جمع مذکر دراصل تھا۔ اٰتُوْا۔ اِیْتَاءٌ مصدر ہے اَتْیٌ مادہ اٰتُوْا میں ہمزہ افعال کو حرف تنبیہ سے بدلا گیا هَاتُوْا ہوا اس تبدیلی سے کلام میں سختی اور عتابیت پیدا ہوئی ایک قول میں هَاتُوْا اسم فعل بمعنی امر حاضر ہے مگر یہ غلط ہے۔ آخر کا الف زائدہ حرف تفخیم یعنی بھراؤ کے لیے اَنْتُمْ صیغہ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع کفار بُرْهَانُ اسم معرب مفرد بمعنی مضبوط دلیل، دلیل برھان میں چند طرح فرق ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ كُمْ اسم ضمیر نفسی مجرور متصل جمع مذکر حاضر بمعنی اپنی مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے هَاتُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔

ھٰذَا۔ اسم اشارہ قریبی مبتدا ہے یہ مبنی اصل ہے ھَا حرف کی وجہ سے اس کا مشار الیہ اَلحَقَّ یعنی قرآن مجید ہے ذِکْرُ مضاف بمعنی تذکرہ۔ قانون، شریعت مَنْ اسم موصول جمع جنسی بمعنی اُن کا مراد ہے صحابہ کرام مَعَ اسم ظرف بمعنی ساتھ مضاف ہے یَ ضمیر واحد متکلم مرجع ہے قُلْ کا فاعل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ مضاف الیہ ہے مَعَ کا دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ذِکْرُ کا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ اسی طرح کی ترکیب سے سب مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر پھر معطوف علیہ ہوا بَلْ حرف عطف اِضرابی اَکْثَرُ مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا۔ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ باب سَمِعَ فعل مضارع منفی معروف جمع مذکر غائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع کفار ہیں اَلحَقَّ اسم مفرد منصوب مفعول بہ ہے لَا یَعْلَمُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مبتدا ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر سبب ہوا فَ عاطفہ سببیہ ھُمْ ضمیر مبتدا۔ مُعْرِضُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر مصدر ہے اعراض یعنی منہ پھیرنا انکار کرنا عَرْضٌ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے منہ سامنے ہونا لازم ہے جب افعال سے متعدی ہوا تو معنی ہوا منہ سامنے سے ہٹانا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اسم فاعل یا فاعل مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف مسبب ہے اَکْثَرُھُمْ کے جملے کا یہ سبب مسبب معطوف ہے ذِکْرُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر مبتدا ھٰذَا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ مَا اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف۔ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ مِنْ حرف جر زائدہ قَبْلِکَ مرکب اضافی مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ رَسُوْلٍ اسم مفرد نکرہ صفت مشبہ بروزن فَعُوْلٌ رُسُلٌ سے مشتق ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اِلَّا حرف استثنا اس نے مابعد جملے میں سے وہ نفی ختم کر دی جو ماقبل جملے میں ہے نُوْحِیْ، باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم مصدر ہے اِیْحَاءٌ وَحْیٌ سے بنا ہے اِلَیْہِ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع رسول ہے اسم ہے اَنَّ کا لَا حرف نفی جنس اِلٰہَ مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثنیٰ متصل کے لیے ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مستثنیٰ دونوں مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ مل کر اسم ہوا لَا کا یہ اسم خبر مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ اُعْبُدُوْا باب نصر کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل نِ دراصل نِیْ ہے نون وقایہ یَ ضمیر متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے اُعْبُدُوْنِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ اِنشائیہ ہو کر معطوف مسبب ہوا لَا اِلٰہَ کے پورے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اَنَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا نُوْحِیْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا مَا اَرْسَلْنَا کے جملے کا سب

مل کر جملہ استثنائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۔ اے محبوب بتی ان بیوقوف کفار نے اتنے ڈھیر سارے معبود بنا ڈالے ہیں جو خود ان سے سنبھالے نہیں جاتے۔ حالانکہ اگر ان آسمانوں زمینوں اور بلندیوں پستیوں والے تمام جہانوں میں چند معبود یا ایک بھی اور دوسرا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ہوتا تو یہ دونوں یعنی سب آسمان اور پوری زمین اپنی تمام بلندیوں پستیوں کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ جاتے اور فساد عظیم مچ جاتا اس لیے کہ وہ سب معبود یا آپس میں متفق ہوتے اور مل کر عالم کا نظام چلاتے سب کی طاقت بیک وقت خرچ ہوتی تب نظامِ عالم کی رفتار ضرورت سے زیادہ ہو جاتی اور زیادتی تیز رفتاری کی بنا پر ٹوٹ پھوٹ کا فساد ہی فساد ہوتا۔ اور یا اپنی باریاں مقرر کرتے اور معبود بیکار بیٹھا رہتا یہ چیز شانِ معبودیت کے خلاف ہے اور یا یہ مختلف الرائے ہوتے اور اپنی اپنی مرضی سے مخالف طریق پر نظامِ عالم چلاتے تب بھی ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی اور نظام عالمین میں اس مخالفانہ رویہ سے فساد مچ جاتا موجودات ٹکڑے ہو جاتیں۔ **حکایت**: ایک دہریہ کافر ایک دفعہ ایک چرخہ کاتتی بوڑھی عورت کے پاس سے گذرتے پوچھنے لگا کہ اے بی اماں۔ خدا کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے اس کائنات میں کیا کوئی خدا اور کارساز ہے جو یہ نظام چلا رہا ہے یا یہ سب کچھ خود بخود ہوتا چلا آ رہا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا اور اگر کوئی معبود ہے تو ایک ہے یا چند بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے اور چلانے والا ایک اللہ ہی معبود ہے کافر نے کہا اس کی دلیل۔ بوڑھی نے کہا میرا چرخہ۔ کافر نے کہا کہ ایک خدا ہے یا چند بوڑھی نے جواب دیا کہ ایک ہی معبود ہے چند ہو سکتے ہی نہیں۔ کافر نے کہا اس کی دلیل۔ بوڑھی نے کہا میرا چرخہ۔ دہریہ کافر بڑا حیران ہوا اور وہ بولا وہ کیسے مائی صاحبہ نے جواب دیا کہ اگر میں نہ ہوں تو یہ چرخہ نہیں چلتا۔ یہ چھوٹا سا چرخہ کسی چلانے والے کا محتاج ہے تو پھر آسمانوں زمین شمس و قمر ستاروں کا اتنا بڑا چرخہ خود بخود کیسے چل سکتا ہے یقیناً کوئی ذاتِ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْک ہے جو اس کو چلا رہی ہے۔ اور وہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ ہی ہے اور پھر اگر میں اکیلی اس چرخے کو چلاؤں تو درست چلتا ہے اور فائدہ پہنچاتا ہے لیکن اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا بھی چلانے میں شامل ہو جائے تو وہ دوسرا شخص اگر اپنی پوری طاقت سے میری موافقت میں گھمائے تو چرخہ

اتنا تیز چلے کہ کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے سب وقت ضائع چلانا فضول اور اگر کم طاقت لگائے تو اس دوسرے کا وجود بیکار اور اگر میری مخالفت میں چرخہ چلائے تو چرخہ ٹوٹ پھوٹ جائے غرض کہ بغیر وجود اور ڈبل وجود دونوں صورتوں میں فساد ہی فساد ہے بڑھیا مومنہ کی یہ مدلل تقریر سن کر وہ کافر دہریہ لاجواب اور حیران پریشان رہ گیا۔ علما فرماتے ہیں کہ کسی چیز کا اعتدال یعنی حدِ معینہ سے ہٹ جانا فساد ہے اور حدِ اعتدال میں رہنا صلاح اور درستی ہے۔ فساد اور صلاح تین چیزوں میں جاری ہوتا ہے ۱ جان یعنی روح میں ۲ بدن میں ۳ اشیاءِ عالم میں یہ آیت کریمہ ظاہرًا تو چند الفاظ کی ہے مگر باطنًا حقیقتًا علمیات عقلیات فکریات فہمیات میں معرفتِ توحید الٰہیہ کے دلائل و براہین کا بحرِ ذخار اور سمندر بیکراں اور میدانِ بے کنار رہے کہ ایمانیاتِ وحدت اور انتفاءِ کثرت پر اتنی عام ذہن اور آسان فہم حجۃ تامہ ہے جو ہر ذی عقل کے شعور میں سما جائے۔ علما نے اس کی تفسیر میں چھ چیزیں ظاہر فرمائیں۔ پہلی یہ کہ بندہ کیا ہے دوم یہ کہ بندگی کیا ہے سوم یہ کہ معبود اور الٰہ کون ہو سکتا ہے چہارم یہ کہ کون الٰہ نہیں ہو سکتا۔ پنجم یہ کہ کائناتِ مخلوق کے لیے معبود کیوں ضروری ہے ششم یہ کہ چند الٰہ یا دوسرا الٰہ کیوں نہیں ہو سکتے کیوں ناممکن۔ اوّلاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر بندے پر دنیا میں پانچ چیزیں لازم ہیں ۱ عبادت ۲ اطاعت ۳ اتباع ۴ تقلید ۵ اقتدا۔ بندے کی دنیوی زندگی میں بندگی شدید لازم کیونکہ زندگی بے بندگی شرمندگی۔ اور بندگی یہ ہے کہ کسی کو معبود سمجھا جائے اور معبود سمجھ کر اس کا حکم مانا جائے اس کے فرمان پر خود کو جھکایا گرایا جائے معبود وہ ہو سکتا ہے جس کی ستائیس۲۷ شان وصفات ہوں ۱ قدرتِ کاملہ والا ہو ۲ علمِ تامہ والا ہو جس سے باخبر ہو کوئی چیز اس سے چھپ نہ سکے ۳ بطشِ شدید والا ہو ۴ قبض مضبوط والا ہو ۵ خالقِ کائنات ہو ۶ مالکِ عالمین ہو ۷ اوّلیت والا ۸ کمال والا ۹ غنا والا ۱۰ عطا والا ۱۱ اختیار والا ۱۲ صفات والا ۱۳ غیر منتہی ۱۴ غیر محتاج ۱۵ لازوال ۱۶ ربوبیت والا ۱۷ حکمت والا ۱۸ وحدت والا ۱۹ ہر شان میں اکمل ۲۰ ہر چیز کا ذاتی مالک ۲۱ ہر صفت میں یکتا لاشریک ۲۲ ہر بلندی و پستی پر بادشاہی والا ۲۳ ہر فرد پر اُس کی حکمرانی ہو ۲۴ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کی شان والا ہو ۲۵ موت دے سکے ۲۶ نیست کو ہست معدوم کو موجود اور مردے کو زندہ کر سکے ۲۷ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کائناتِ شمس و قمر کو چلا سکے امام رازی نے فرمایا کہ جس ذات میں یہ صفات ہوں بس وہی الٰہ ہو سکتا ہے جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ کسی کا معبود نہیں بن سکتا نہ اُس کو سجدہ جائز نہ اُس کی عبادت لائق اور یہ صفات صرف

اللہ وَحدَہٗ لَاشریک میں ہیں۔ اب اگر اُس وَحدَہٗ لاشریک کے سوا بھی کسی کو معبود سمجھ لیا جائے تو کائنات میں تقریباً چودہ قسم کے فساد اور حماقتیں ظاہر ہوں گی۔ پہلی یہ کہ چونکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ پوری کائنات اور کائنات کے ہر ہر فرد ہر چیز کا مالک ہو اور ملکیت تامہ ہو۔ لہٰذا اگر چند معبود ہوں تو کیا آپس میں ایک دوسرے کے مالک ہوں گے یا نہیں اگر ہوں تو محال کیونکہ الٰہ بھی مملوک ہوا اور مملوک عبد ہوتا ہے اگر نہیں تو الٰہ کی ملکیتِ تامہ نہ رہی اور ربانیت ناقص دوم یہ کہ الٰہ کے لیے واجبُ الوجود ہونا شرط لازمی قدیمی ہے۔ اگرچہ چند معبود ہوں تو کیا واجبیت میں شریک ہیں یا ممتاز اگر شریک ہوں تو گویا ایک ہی وجود واجب سب کا ہوا تو وہ چند نہ رہے اور اگر علیحدگی اور ممتازیت ہو تو غیریت آگئی اور ہر الٰہ مرکب ہوگیا واجبیت اور غیریت سے۔ اور مرکب محتاج ہوتا ہے۔ اور محتاج الٰہ نہیں ہو سکتا کیونکہ محتاجی حدوث ہے جو وجوب کے خلاف ہے۔ قدیم ہونا الٰہیت کے لیے شرط ہے۔ قدیم ہی واجب ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اگر چند معبود ہوتے تو الٰہیت میں شریک ہوتے یا ممتاز اگر شریک ہوں تو تعدُّد نہ رہا ایک ہی الٰہیت تقسیم ہوگئی اور الٰہیت ناقص رہ گئی۔ اور اگر ممتاز ہوں یعنی ہر ایک کی الٰہیت علیحدہ ہو تو پھر ایسی صفت کی ضرورت ہے جو ممتاز کرے اور وہ صفت ہر ایک میں اکمل چاہیئے اور یہ محال کیونکہ اکمل ایک ہی ہو سکتا ہے دو طرفہ اکمل ہونا ممکن ہی نہیں اور اگر ایک اکمل ہو تو دوسرا الٰہ ناقص رہا چہارم یہ کہ اگر چند معبود ہوں اور اُن میں امتیازی شان اور خصوصی صفت بھی ہو تو وہ امتیاز و صفت اور تبایُن فِی الْاِمکان ہوگی یا فی الوُجوب یا فِی الزّمان یا فِی المکان اور یہ سب الٰہ میں محال لہٰذا امتیازی شان ممنوع ہوا۔ پنجم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو کیا ہر ایک تدبیرِ عالمین نظامِ کائنات میں اکیلا کافی ہوگا یا ناکافی اگر اکیلا ہی کافی ہو تو باقی فضول اور اگر ناکافی ہو تو ناقص اور الٰہ ناقص بھی نہیں ہو سکتا ناکافی بھی نہیں فضول بھی نہیں۔ ششم یہ کہ ہر عقل جانتی ہے کہ حادِث کا کوئی فاعل اور بنانے والا ہو اگر ایک ہی مدبرِ عالمین مانا جائے تب تو کوئی الجھن دشواری نہیں لیکن اگر ہر حادث کے لیے علیحدہ فاعل مانا جائے تو دَور یا تسلسل لازم آئے گا بے انتہا اور یہ سب محال لہٰذا بہت سے الٰہ محال۔ ہفتم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو کیا ہر معبود اپنی علیحدہ شان قائم کر سکتا ہے اگر کر سکے تو وہ خصوصی شان یقیناً محدثات میں سے ہوا اور محدثات سے خصوصیت پیدا کرنا بھی حادث ہوگا اور یہ الٰہیت کے لیے محال ہے کہ اُس کی کوئی صفت بالقُوَّۃ حادث ہو۔ اور نہ کر سکے تو عاجز ہوا اور الٰہ کا عاجز ہونا بھی محال ہے۔ ہشتم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو کیا ہر معبود اپنی کوئی چیز دوسرے الٰہ سے چھپا سکتا ہے یا نہیں اگر چھپا

سکے تو جس سے چھپایا وہ بے خبر الٰہ ہوا اور اگر نہ چھپا سکے تو یہ الٰہ عاجز ہوا۔ حالانکہ الٰہ کا عاجز ہونا اور بے خبر ہونا دونوں محال۔ نہم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو یقیناً سب کی طاقت مل کر ایک کی طاقت سے زیادہ ہوگی۔ اور فرداً فرداً کی علیحدہ علیحدہ طاقت کم ہوگی تو پھر ہر ایک کی طاقت متناہی ہوئی اور مجموعہ دگنا متناہی ہوگا۔ یعنی انتہا اور اختتام والا تو کوئی مقام ایسا ضرور آئے گا جہاں الٰہ کی طاقت ختم ہو جائے۔ انتہاؤں کا مجموعہ بھی منتہی ہوتا ہے پس کُل کی طاقت کا متناہی ہونا ثابت ہوگا اور الٰہ کی کوئی صفت متناہی ہونا محال ہے کیونکہ متناہی کو زوال ہے اور زوال کو فنا۔ اور زوال و فنا حادث کی صفت ہے ثابت ہوا چند الٰہ ہونا محال ہے۔ دہم یہ کہ چند ہونا یا دو ہونا عدد ہے اور واحد کے سامنے تمام عدد ناقص کیونکہ سب عدد واحد کے محتاج واحد کسی کا محتاج نہیں نیز ہر ایک عدد اپنے پہلے عدد سے زیادہ ہوتا ہے۔ حالانکہ الٰہ کا محتاج ہونا بھی محال اور الٰہ میں زیادتی کمی ہونا بھی محال۔ ثابت ہوا کہ الٰہ واحد ہی ہو سکتا ہے۔ گیارھواں فساد یہ کہ اگر چند الٰہ ہوں اور کسی معدوم کو موجود کرنا چاہیں اور سب اس فعل پر قادر ہوں تو جو پہلے ایجاد کرے گا دوسرا اس کی ایجاد سے عاجز ہوگا کیونکہ تحصیلِ حاصل محال ہے۔ اور اگر سب مل کر ایجاد کریں تو تعاون ہوا۔ اور تعاون کمزوری کا مظہر اور کمزوری محتاجی کا مظہر۔ اور اگر بعض قادر تو غیر قادر الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر واحد لاشریک لہٗ نے اپنی قدرت سے ایجاد کر لیا تو تو قدرت ثابت ہو گئی اب دوبارہ اس کی ایجاد نہ ہو سکنا۔ قدرت کے منافی نہیں۔ مگر دوسرا الٰہ جب تک خود ایجاد نہ کرے اس کی قدرت و طاقت ثابت نہ ہوگی۔ بارھواں یہ کہ اگر چند معبود ہوں اور سب کے ارادے مختلف ہوں مثلاً ایک الٰہ کسی جسم میں حرکت پیدا کرنا چاہے دوسرا اس میں سکون پیدا کرنا چاہے تو دونوں میں ایک ہار جائے گا ایک جیت جائے گا تو جو جیتے گا وہ غالب و قادر اور جو ہارے وہ مغلوب و عاجز اور جو عاجز وہ مقہور۔ لہٰذا وہ الٰہ نہیں ہو سکتا اور اگر سب معبود متفق ہوں تو انہوں کی تعداد بیکار تیرھواں یہ کہ اگر چند معبود ہوں اور سب کا علم جمیع معلومات پر یکساں ہو تو مثلیت پائی گئی حالانکہ معبود وہ ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اس کی مثل کوئی ہو ہی نہیں سکتا نہ وہ کسی کی مثل، چودھواں یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو سب الٰہیت میں شریک ہوئے اور شرکت عیب ہے کیونکہ کمی اور غیر اختیاری کی مظہر، شریک نہ پورے کا مالک نہ اس کو پورے پر اختیار۔ اور اگر مملوکہ چیز شرکا میں غیر منقسم ہو تو ہر شریک کو باقی شرکا سے اجازت کی حاجت اگر دوسرے شرکا اس مملوکہ چیز میں تصرف سے روک سکیں تو وہ غالب اور روکا ہوا الٰہ مغلوب

اگر نہ روک سکیں تو یہ قاہر وہ سب مقہور۔ لڑائی کا بھی امکان ہے۔ نیز اگر چند معبود ہوں تو یا ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگا یا مستغنی اگر محتاج ہو تو یہ ناقص مستغنی ہو تو وہ ناقص۔ لہٰذا کوئی بھی الٰہیت کے لائق نہ رہا یہ وہ تمام دلائلِ عقلیہ ہیں جو اس آیتِ پاک سے نکلے ان سب سے یہی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایک بھی دوسرا معبود نہیں ہو سکتا اگر ایک بھی کوئی دوسرا معبود ہوتا تو صرف زمین و آسمان ہی نہیں بلکہ پوری کائنات اپنی تمام بلندیوں پستیوں کے ساتھ تباہ برباد ہو جاتے نظامِ کائنات میں فساد مچ جاتا اور چونکہ ایسا نہیں ہوا لہٰذا بدلائلِ قاہرہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور دوسرا معبود نہ ہو سکتا ہے نہ ہے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ اور جب عقلاً نقلاً، فکراً۔ ہر طرح کے دلائل و براہین سے ثابت ہو گیا اور کم سے کم ذہن والے دماغ میں بھی سما گیا اور ہر ایک کی سمجھ میں بآسانی آگیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں کوئی معبود نہ ہے نہ ہو سکتا ہے تو سمجھ لو اے کائنات والو کہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ صرف اللہ تعالیٰ ہی سُبْحَانٌ ہے ہر اُس عیب و نقص سے اُس ذات جَلَّ مجدہٗ کو نزہت و پاکیزگی ہے جو کفارِ زمینی اور مشرکین دنیوی اپنے تراشے خراشے چھیلے بنائے مٹی پتھر کے بتوں بے عقلوں بے حسوں کو شریک الٰہیت بنائے سمجھے پھرتے ہیں۔ بلکہ اُن تمام کمزوریوں سے بھی وہ ذاتِ عُلیٰ پاک ہے جن سے یہ کفارِ یہود و نصاریٰ اُس کو موصوف کرتے ہیں کہ کبھی کفر بکتے ہیں کہ کبھی کہتے ہیں اُس کی بیوی ہے کسی کو ابن اللہ کسی کو بنت اللہ ٹھہرا دیا حالانکہ یہ سب اجسام کی صفات ہیں کہ بیوی بچے ہوں۔ اور جو خود جسم ہو وہ خالقِ جسم نہیں ہو سکتا اور جو خالق نہیں وہ الٰہ نہیں ہو سکتا وہ اللہ کریم تو ساری مخلوق سے بڑی چیز عرشِ عظیم کا بھی خالق مالک اور محافظ و رب ہے یہ بھی اُس کی وحدتِ شاہی کی دلیل اعظم ہے کہ فقط وہی واحد و یکتا عرش کا خالق کرسی کا مالک آسمانوں کا موجد زمینوں کا مربّی لوح و قلم کا قیوم نور کا منبع ظلمت کا مخرج ذات و صفات کا مظہر جماد و نبات کا صانع انواعِ حیوانات کا ناشر ہے اس شان والے کا کہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ ایسا قادر و قدیم دانا و علیم۔ خبیر و حکیم قوی و قدیر ہے کہ اُس کی کسی بات کسی فعل میں کوئی اعتراضی سوال اضطرابی کلام نہیں کیا جا سکتا، نہ کسی کی دنیا میں ہمت نہ آخرت میں جرأت جس کو جس طرح چاہے جب چاہے جہاں چاہے جو چاہے بنا دے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کسی کو مقبول بنایا کسی کو مردود۔ کسی کو خیر کسی کو شر کسی کو لذت کسی کو نفرت۔ کسی کو آرام دیا کسی کو الم کسی کو موت کسی کو حیات کسی کو صحت کسی کو بیماری کسی کو غنا کسی کو لاچاری اُس کے کسی فعل کو نہ سبب کی حاجت نہ علت کی ضرورت جب علت نہیں تو سبب نہیں

جب سبب نہیں تو عجز نہیں جب عجز نہیں تو حدوث نہیں۔ حدوث نہیں تو تغیر نہیں تغیر نہیں تو امکان نہیں اور جہاں امکان نہیں وہاں وجوب ہے اور جس کی ذات میں وجوب ہو اُس کی صفات میں حکمت ہوتی ہے۔ جب حکمت ہے تو تدبیر اور جو تدبیر کا مالک ہو وہی تقدیر کا خالق ہو سکتا ہے اسی کے پاس سب قدرت و قوت و صحت ہوتی ہے اور جس کے ہر کام میں صحت و درستگی ہو تو اسی کے لائق حمد ہے۔ اور جس کے ہر کام پر حمد ہے وہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ جو حمد کُلی کا مستحق ہو اس کا کوئی قول و فعل مذموم نہیں اور جب مذموم نہیں تو لَا یُسْئَلُ ہے۔ نہ اُس کا کوئی کام غلط نہ کسی کو کسی اعتراض و سوال کا حق۔ سوال سات قسم کے ہوتے ہیں ۱ سوالِ اعتراضی ۲ سوالِ احتسابی ۳ سوالِ اِلزامی ۴ سوالِ امتحانی ۵ سوالِ اطمینانی ۶ سوالِ معلوماتی ۷ سوالِ احتیاجی۔ لَا یُسْئَلُ میں پہلے چار قسم کے سوالات مراد ہیں۔ سوالِ اعتراضی ابلیس نے کیا مردود و ملعون ہوا۔ سوالِ احتسابی ہاروت و ماروت دو فرشتوں نے کیا مغضوب ہوئے سوالِ الزامی خلقت آدم علیہ السّلام پر تمام فرشتوں نے کیا تو سب سے علمی مقابلہ و مناظرہ کرا کر شکست دلوائی اور بذریعہ سجدہ معافی منگوائی سوالِ احتیاجی میں دعا اور بھیک مانگنا ہوتا ہے اس سوال میں سب مخلوق جن و انس، انبیا اولیا ملائکہ علیہم السلام رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدس کے سائل ہیں چنانچہ ارشادِ قرآنِ مجید ہے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ رحمٰن آیت ۲۹) یعنی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اُس مولیٰ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔ بھیک مانگتے ہیں۔ سوالِ اطمینانی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے عرض کیا مسعود ہو گئے سوالِ معلوماتی حضرت عُزیر علیہ السّلام نے عرض کیا مقبول ہو گئے۔ افعالِ الٰہی کی غرض و غایت، نفع و نقصان بندوں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے لیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فاعل مؤثر ہے اور سب مخلوق مفعولِ تاثیر ہے۔ مفعول مملوک ہوتا ہے اور فاعل مالک اور مملوک کی ہمت و جرأت نہیں کہ مالک سے پوچھے لِمَا فَعَلْتَ کیوں کیا۔ سوالِ اعتراضی میں ہوتا ہے کیوں کیا۔ اور سوالِ اطمینانی و معلوماتی میں ہوتا ہے۔ کیسے کیا۔ سوالِ اعتراضی چھ وجہ سے کیا جاتا ہے ۱ یا اس لیے کہ فاعل بے عقل بے سمجھ ہو ۲ یا بے خبر ہو ۳ یا اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز کرے ۴ یا اس کام کو نہ جانتا ہو بے علم ہو ۵ یا کبھی اُس نے کام بگاڑا ہو ۶ یا بلا اجازت غیر کی ملکیت میں تصرف کیا ہو۔ معترض تین قسم کے ہو سکتے ہیں ۱ وہ جو فاعل پر حاکم ہو ۲ وہ جو فاعل سے زیادہ علم و عقل والا ہو ۳ وہ جس کی ملکیت میں بلا اجازت فاعل نے کوئی کام کیا ہو۔ بارگاہِ ذوالجلال میں نہ کوئی کسی بھی قسم کا معترض ہو سکتا ہے نہ کسی قسم

کا اعتراض وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۔ لیکن تمام مخلوق اپنے اپنے افعال کی جواب دہ ہے دنیا میں بھی اس طرح کہ ہر مالک اپنے مملوک سے ہر استاد اپنے شاگرد سے، ہر بڑا اپنے چھوٹے سے ہر عالم جاہل سے ہر عاقل بیوقوف سے ہر بادشاہ وزیر سے ہر امیر غریب سے ہر طاقتور کمزور سے ہر شریک اپنے ساتھی شریک سے ہر مخالف اپنے مقابل سے ہر دشمن اپنے دشمن سے ہر حساب لینے والا حساب دینے والے سے اعتراضاً یا احتساباً پوچھ سکتا ہے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا۔ اور آخرت میں بھی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ سب بندوں کا حساب لے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ نیکیاں کیا اور کتنی کیں اور گناہ کیوں کیئے دنیوی سوالات اعتراضی ہوتے ہیں اُخروی سوالات احتسابی وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ اس لیے ہے کہ ہر بندہ اصلاً نسلاً خِلقتاً ناقص ہے جو ناقص ہوتا ہے وہ کمزور ہوتا ہے جو کمزور ہو وہ مجبور ہوتا ہے جو مجبور ہو وہ محتاج ہوتا ہے۔ بندے کے افعال دل سے اور دل محتاج ہے اعضا کا اور اعضا محتاج ہیں عقل کے عقل محتاج تدبیر کی تدبیر تصنیع کی۔ تصنیع تعلیم کی تعلیم معلم کی۔ معلم محتاج ہے علم کا اور علم محتاج ہے شعور کا، اور شعور فکر کا اور فکر محتاج ہے حکمت کا حکمت ناقص تو فعل ناقص اور فعل ناقص تو بندہ سفوہ اور جو سفوہ ہو وہ بیوقوف جو بیوقوف ہو وہ مذموم، اور جو مذموم ہو وہ دنیا میں قابل اعتراض اور آخرت میں قابل احتساب۔ اسی لیے بندے اپنے ہر فعل میں وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۔ ہیں کرنے میں بھی نہ کرنے میں بھی کیونکہ جو ناقص و محتاج ہوتا ہے اس میں تین کمزوریاں ہوتی ہیں ۱ اچھے کا پتہ نہیں ہوتا اس لیے اس کو امر کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام کرو ۲ برے کا بھی پتہ نہیں اس لیے نہی کی جاتی ہے کہ فلاں فلاں کام کلام مت کرو ۳ ترجیح دینے کی صلاحیت نہیں اسی لیے بندہ مکلف ہے، اسی امر و نہی اور ترجیح کا نام شریعت ہے اور بندہ شریعت کا مکلف بنایا گیا۔ مکلف کے لیے دین الٰہی ضروری دین الٰہی کے لیے آستانۂ نبوت سے شریعت اور شریعت سے امر و نہی و ترجیح کی پابندی ضروری۔ اگر یہ شرعی پابندی نہیں تو بندہ سراپا حماقت ہے اور حماقت ہو تو کفر ہی کفر ہے، اور ایسے ہی حمقاء کفر نے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ۔ اتنی عام فہم اور آسان ذکر دلیلوں کے باوجود کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابل اور اس کے سوا بہت سے معبود بنا لئے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہونے پر تو عقلاً نقلاً فکراً، فہماً اتنی کثیر دلیلیں ہیں کہ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار۔ عالمِ دہر کا پتہ پتہ معرفتِ خالق کا ایک عظیم دفتر تفہیم ہے۔ مگر ان کفار کے پاس ان پتھر مٹی لکڑی دھات کے جھوٹے معبودوں کی اُلوہیت پر کونسی عقلی نقلی یا فکری دلیل کامل ہے۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۔ اے

محبوب تم فرماؤ ان سے کہ تم بھی اپنے دستی تراشے خراشے پچھلے بنائے بناوٹی معبودوں کی معبودیت پر کوئی برہان یعنی مضبوط و کامل دلیل لاؤ۔ خیال رہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے تین ذریعے ہوتے ہیں ۱ دلیل ۲ حجۃ ۳ برہان۔ ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ اپنے ایک دعوے کو ایک پہلو سے ثابت کرنا دلیل ہے۔ جیسا کہ اشارہ کرکے یا روشنی کرکے کوئی چیز دکھانا ثابت کرنا۔ اور مخالف کے دعوے کو توڑ کر اپنے دعوے کو ثابت کرنا حجۃ ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ چونکہ مخالف کی بات ظاہر و موجود نہیں اس لیے میری بات ثابت ہے۔ جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۳۴ میں ہے کہ اگر ہم رسول نہ بھیجتے اور بندوں کو رسول بھیجے بغیر ہی ان کے کفر و شرک کی بنا پر ہلاک کر دیتے تو کفار کہتے قیامت میں کہ لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا۔ یا اللہ تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول کیوں نہ بھیجا۔ یہ کفار کی حجت ہوتی اللہ تعالیٰ پر۔ چنانچہ سورۃ نساء آیت ۱۶۵ میں رب تعالیٰ نے فرمایا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ یعنی رسول اس لیے بھیجے گئے تاکہ کفار کو اللہ پر حجۃ و عذر بہانہ نہ رہے۔ اور اگر عقلاً، نقلاً۔ عملاً۔ قولاً۔ فکراً۔ قوۃً۔ علماً۔ الہاماً وزناً۔ تاکیداً ہر طرح ایک دلیل ہی مدعی کے تمام دعووں کو اس طریقے اور ایسے انداز سے ثابت کر دے کہ مخالف کو مجالِ انکار نہ رہے ماننے پر مجبور ہو جائے تو وہ برہان ہے۔ برہان وہ کامل اکمل مؤکل مکمل مؤکد ثبوت ہے جو عام فہم ہو اور ہر شخص کو آسانی سے سمجھ آ جائے جس کے بعد نہ کسی اور دلیل کی ضرورت رہے نہ حجت بازی کی نہ مکالمہ مناظرہ کی نہ بحث و مباحثہ کی نہ البا و لیا تیا کی۔ بعض نے فرمایا دلیل وہ جو کامل ہو برہان وہ جو اکمل ہو۔ حجۃ وہ جو غالب ہو۔ دلیل کی دو قسمیں ہیں ۱ دلیلِ اِنّی ۲ دلیلِ لِمّی۔ اگر علت سے معلول کو یا سبب سے مسبّب کو ثابت کیا جائے تو دلیل لمی ہے۔ جیسے آگ سے دھوئیں کو۔ یہ علت معلول ہے یا آگ سے گرمی کو ثابت کیا جائے یہ سبب اور مسبّب ہے۔ اور اگر معلول سے علت یا مسبّب سے سبب کو ثابت کیا جائے تو دلیل انی ہے۔ جیسے دھوئیں سے یا گرمی سے آگ کا ثبوت۔ قرآنِ مجید میں لفظِ دلیل صرف ایک جگہ ارشاد ہوا ہے سورۃ فرقان آیت ۴۵ اور لفظِ برہان تین جگہ ۱ سورۃ نسا آیت ۱۷۴، ۲ سورۃ یوسف آیت ۲۴ ۳ سورۃ مومنون آیت ۱۱۷۔ لفظ برہانکم چار جگہ ارشاد ہوا ہے ۱ سورۃ بقرہ آیت ۱۱۱ ۲ یہی مقام سورۃ انبیا آیت ۲۴ ۳ سورۃ نمل آیت ۶۴ ۴ سورۃ قصص آیت ۷۵۔ لفظ برہانان۔ ایک جگہ ارشاد ہوا سورۃ قصص آیت ۳۲۔ اور لفظ حجۃ سات جگہ ارشاد ہوا ہے ۱ سورۃ بقرہ آیت ۱۵۰ ۲ سورۃ نساء آیت ۱۶۵ ۳ سورۃ انعام آیت ۱۴۹ ۴ سورۃ شوریٰ

آیت ۱۵ ۵ سورۂ انعام آیت ۹۲ ۶ سورۃ شوریٰ آیت ۱۶۔ ۷ سورۂ جاثیہ آیت ۲۵۔ غرضکہ یہ آیت پاک معرفتِ وحدتِ الٰہی میں اتنی مضبوط و اکمل برہانِ ربّانی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو تمام کفریات شرک متحیر مبہوت اور پریشان ہوگیا۔ اور سردارانِ کفر اتنے گھبرائے کہ اُن کو اپنا شرک بچانا مشکل ہوگیا اور آج تک اِس کفرستانِ عالم پر اس کی لرزہ براندامی طاری ہے۔ خیال رہے قرآن مجید کی پانچ آیت نے آج تک بُطلانِ کفر میں تہلکہ مچایا ہوا ہے۔ اور قرآن و اسلام کی حقانیت کی دھاک اور دبدبہ پھیلایا ہوا ہے کہ کفر کافراں و شرکِ مشرکان و بُطلانِ منکراں آج تک متحیر مبہوت متزلزل و مغلوب و سرنگوں ہیں۔ پہلی آیت سورۃ نزول ۵ اسرای مکیہ کی آیت ۸۸ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (الخ) اس میں تمام عالمِ کفر کو چیلنج کیا گیا ہے کہ تم کہتے ہو یہ انسانی کلام ہے تو پھر تم بھی اس قرآن جیسا قرآن لے آؤ جن و انس مل کر بھی نہیں لا سکتے دوسری آیت، سورۃ ہود مکیہ نزول نمبر ۵۲ کی آیت ۱۳ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ یعنی اگر یہ کفار منکرین کلامُ اللہ پورا قرآن نہیں لا سکتے تو اس کی مثل دس سورتیں ہی لے آئیں۔ جب اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے اور تمام کفار پریشان گھبرائے رہنے کے باوجود منکر جاہلانہ ہی رہے تو تیسری آیت سورۂ بقرہ مدنیہ نزول نمبر ۸۷ کی آیت ۲۳ نازل ہوئی۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (الخ) یعنی اگر یہ عرب کے فصحا کفار دس سورتیں بنا کر بھی نہیں لا سکتے تو پھر ایک سورۃ ہی اس جیسی بنا کر دکھا دیں اگرچہ چھوٹے چھوٹی سورت کی برابر ہو خواہ مخواہ بلاوجہ جہالت اور ضد بازی ہٹ دھرمی سے شک میں پڑے رہنا تو انسانیت نہیں۔ اس مقابلے کو نہایت آسان کرنے اور جلدی قبول کرنے کے لیے ایک سب سے چھوٹی سورۃ۔ کوثر بھی پہلے ہی مکہ مکرمہ میں نازل کر دی گئی تھی جس کا نزول ۱۵ ہے۔ چوتھی آیت سورۃ نساء کی ۸۲ ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ یہ سورۃ نساء مدنی ہے اور اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور دنیا بھر کے کتابیوں کو ایک سخت ترین تنبیہ کرتے ہوئے کلامِ الٰہی کی نشانی اور سچی پکی علامت و پہچان بتائی گئی یہ نشانی سوائے قرآنِ مجید کے کسی اور کتاب مذہبی میں نہیں پائی جاتی۔ نہ بائبل میں نہ تالمود میں نہ وید میں نہ گرنتھ میں نہ گیتا میں نہ بدھا میں۔ یعنی اگر ہوتا یہ قرآن کسی غیر اللہ انسان، جن یا فرشتے کا اپنا کلام تو لوگ اس میں بھی بہت اختلاف کذبیات اور تضاد بیانیاں پاتے اس آیتِ پاک کے نزول سے بھی عیسائی، یہودی اور منکرین قرآن پریشان اور مبہوت ہو کر رہ گئے مگر اپنی کتب بناوٹی کو اس معیار و نشانِ کلامُ اللہ ثابت

کر سکے کیونکہ ان تمام کی مصنوعی خود نوشتہ کتب مذکورہ بالا میں آتی واضح اور صاف تضاد بیانیاں۔ کذب سامانیاں اور اختلافات کثیرہ کی شرمناکیاں ہیں کہ اُن سب اہالیانِ کتب کے سر شرم سے آج تک نگوں ہیں۔ اسی وجہ سے اپنی ندامت کو چھپانے شرم کو مٹانے ڈھٹائی کو دکھانے کے لیے اس عظیم نشانی کو چھوڑ کر مختلف بیہودہ اور لغو قسم کی خود ساختہ نشانیاں بنائے پھرتے ہیں واکہ اس قرآن میں ربط نہیں ۲ تعلق نہیں ۳ اور پھر جھوٹ و مکر کرتے ہوئے قرآن مجید کے سچے تاریخی موجودہ واقعات کو جھٹلاتے ہوئے جاہلانہ ہٹ دھرمی مچاتے ہیں کہ فرعون کی میت کہیں نہیں ہے۔ سکندر ذوالقرنین سد سکندری والا نہیں اصحاب کہف کہیں نہیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود پورے قرآن مجید میں کہیں ذرہ بھر اختلاف و تضاد بیانی ثابت نہ کر سکے اور نہ اپنی کتب کی ظاہر ظہور تضاد بیانیاں اور کذبیات و فحشیات چھپا سکے فالحمد للہ علی ذالک۔ پانچویں یہ آیت جس نے ان کفار کو آج تک لرزہ براندام حد تک مبہوت کیا ہوا ہے۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

دنیا میں کسی بات کو منوانے کے دو ہی طریقے ہیں ایک یہ کہ عقلِ دنیوی اور ذہنِ فکری سے عقلی دلائل کے ذریعے۔ دوم یہ کہ دینی ذہنوں سے نقلی و تحریری مکتوبی دلائل کے ذریعے اور دلیل وہی مکمل ہے جو دونوں قسم کے ذہنوں کی مکمل تسلی کر کے لاجواب کر دے اس کلام پاک کے پہلے جملے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ۔ الخ میں عقلی دلائل مذکور ہیں۔ اور اگلی اس عبارت هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ الخ میں نقلی دلائل مذکور ہیں کہ اے کفار و مشرکین تمہارے پاس اپنے دین و عقائد باطلہ مصنوعیہ کے حق میں تو کوئی بھی دلیل نہیں ہے نہ عقلی نہ نقلی۔ لیکن اہل ایمان کے پاس معرفتِ وحدت کی بے شمار عقلی دلیلوں کے علاوہ یہ ذکر بھی برہانِ ثانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اس وقت میرے ہم زمانہ ہیں۔ اس ذکر کو قرآن کریم کہا جاتا ہے اور وہ ذکر بھی ہے جو مجھ سے پہلی اُمتوں کے لیے ہوتا رہا۔ جس کو صحف آدم صُحُفِ ادریس صُحُفِ ابراہیم، صحفِ موسیٰ توریت زبور، انجیل کہا جاتا تھا اُن تمام کتبِ سابقہ میں بے شمار نقلی منقولی تحریری مکتوبی دلائل سے خود رب تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور وَحْدَہٗ لاشریک الٰہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں تقریباً سات آیات میں واضح اور صاف ذکر فرمایا ہے کہ فقط ایک ہی اللہ تمام مخلوق کا معبود ہے۔ پہلی آیت سورۂ حدید آیت ۳ ارشادِ باری تعالیٰ ہے هُوَ الْاَوَّلُ۔ اللہ کی شانِ

یکتائی یہ ہے کہ وہ سب سے اوّل ہو۔ اور چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اوّل ہے اس لیے فقط وہی سب کا الٰہ ہے۔ کیونکہ اوّل فرد واحد کا نام جو اوّل ہو وہی واجب ہو سکتا ہے وہی قدیم، اور وہی خالق۔ دوم سورۂ انعام کی آیت ۵۹۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں۔ عالم الغیب ہونا بھی الٰہ کی خصوصی صفت ہے اگر کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو وہ بھی عالم الغیب ہوتا اور پھر یہ صفت خصوصی نہ رہتی۔ اور إِلَّا هُوَ کہنا درست نہ رہتا۔ آیت اس طرح نہ ہوتی۔ سوم۔ قرآن مجید میں تقریباً سینتیس جگہ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ہے اگر کوئی اور بھی معبود ہوتا تو ان آیات متعددہ کثیرہ میں یہ إِلَّا کی خصوصیت نہ ہوتی اور نہ فرمایا جاتا کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی الٰہ ہے۔ چہارم سورۃ قصص کی آیت ۸۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ۔ یعنی کائنات میں تمام ہلاک ہونے والے ہیں سوائے اللہ کی ذات پاک کے اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی اور دوسرا بھی معبود ہوتا تو وہ بھی ہلاک نہ ہو سکتا کیونکہ الٰہ کو فنا نہیں ہو سکتی اور چونکہ بجز رب تعالیٰ سب کو ہلاکت وفنا ہے اس لیے بجز رب تعالیٰ کوئی معبود نہیں۔ پنجم سورۃ انعام کی آیت ۴۶ میں ارشاد ہے قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ الٰہ وہ ہوتا ہے جو آنکھ کان اور دل دماغ دینے پر قادر ہو۔ لیکن تمام کائنات میں یہ کیفیت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اے انسانو تمہاری آنکھوں کی بینائی کانوں کی سماعت مٹا دے تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو کون معبود ہے جو تم کو یہ نعمتیں پھر عطا کرے ثابت ہوا کہ کوئی دوسرا معبود ہے ہی نہیں۔ ورنہ یہ فرمان نہ ہوتا۔ ششم سورۃ انعام آیت ۱۷ میں ہے وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو کوئی بھی پوری کائنات عالمین میں دور نہیں کر سکتا سوا اس اللہ ہی کے۔ اس میں دلیل یہ کہ کوئی اور معبود ہوتا تو اللہ معبود کی بھیجی ہوئی مصیبت دور کر دیتا کیونکہ الٰہ میں طاقت ہوتی ہے مصیبت دور کرنے کی۔ مگر چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی فقط دور کر سکتا ہے اس لیے وہی الٰہ ہے۔ ہفتم سورۂ انعام کی آیت ۱۰۲ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ دلیل یہ کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور پوری کائنات کی ہر ہر چیز مخلوق۔ لہٰذا الٰہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ الٰہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔ نیز الٰہ ہی خالق بھی ہوتا ہے جب کوئی دوسرا خالق نہیں تو الٰہ بھی نہیں۔ الٰہ کے لیے خالق ہونا لازمی شرط ہے۔ یہ تھے وہ نقلیہ دلائل جو توریت و انجیل میں لکھے تھے اور جن کو یہود و نصاریٰ پڑھتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ

اکثر یہود و نصاریٰ اور مشرکین اِن دلائلِ عقلیہ نقلیہ کی حقانیت کو نہیں سمجھتے۔ بے شک اے مشرکین مکہ تم اپنے ان مشیرانِ خاص سے پوچھ کر دیکھو پڑھتے یہ سب ہیں مگر چونکہ بے علم جاہل ہیں اس لیے مُعْرِضُوْنَ۔ منکرون ہیں کسی نے عزیر علیہ السّلام کو ابن اللہ بنا لیا کسی نے مسیح علیہ السّلام کو اور ابن اللہ کہنا بھی دوسرا الٰہ بنانا ہے کیونکہ بیٹا باپ کی ہم نسل ہوتا ہے۔ جب باپ اللہ تو بیٹا بھی اللہ اور جب اللہ الٰہ تو بیٹا بھی الٰہ۔ یہ ان یہود و نصاریٰ کا شرکِ کبیر اور ظلم عظیم ہے۔ اور اے محبوب یہ دلائلِ عقلیہ و نقلیہ فکریہ وغیرہ صرف اِن کتب و صحائف میں ہی نہیں۔ بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ہم نے آپ سے پہلے ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا جس کو ہم نے اپنی وحدانیت الٰہیت کی وحی نہ بھیجی ہو کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ تمام جہانوں میں سوا میرے کوئی بھی معبود نہیں۔ ہر موجود شی مخلوق ہے اور مخلوق بندہ ہوتی ہے اور بندہ پر بندگی فرض۔ اس لیے تمام بندوں پر فرض ہے کہ فَاعْبُدُوْنِ صرف میری ہی عبادت کریں۔ خواہ عالم ہوں یا جاہل عاقل ہوں یا سفیہ (مفسرین کے مختلف اقوال) لَفَسَدَتَا میں چار قول ہیں ۱ ٹکڑے ہو جاتے ۲ بے عدلی بے انصافی ہوتی ۳ بد انتظامی کا فتنہ ہوتا ۴ لاقانونیت کا ظلم پھیلتا۔ فِيْهِمَا۔ میں دو قول ہیں ۱ تمام آسمان کل زمین ۲ ہر بلندی و پستی اور اُن کی اشیاء۔ اٰلِهَةٌ میں دو قول ۱ ہر قسم کی وہ شخصیات و اشیا جن کو مشرکین نے الٰہ سمجھ لیا۔ خواہ انسان۔ یا جنات یا فرشتے یا جمادات نباتات کے تراشے ہوئے بُت یہی قول درست ہے ۲ صرف بُت مورتی دیوی دیوتا مراد ہوں کیونکہ یہ بے علم بے عقل بے خبر بے تدبیر ہیں۔ تدبیر عالم کو نہیں جانتے۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ میں دو قول ۱ ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ سے مراد قرآن مجید اور ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ سے مراد سابقہ کتب الٰہیہ و صحیفے ۲ دونوں جگہ ذِکر سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس میں پہلوں کا ذکر ہے موجودہ کا بھی اور آئندہ کا بھی۔ مگر پہلا قول درست ہے اس لیے کہ یہاں دلائلِ منقولیہ کی کثرت مراد ہے نہ کہ اگلے پچھلوں کا تذکرہ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام سے دنیا و آخرت میں کسی قسم کا کوئی سوال نہ ہوگا نہ اعتراض نہ احتسابی یہاں تک کہ میدان محشر میں رب تعالیٰ بھی ان کا حساب نہ لے گا نہ کوئی شخص دنیا میں کسی نبی علیہ السّلام کے کسی قول فعل پر اعتراض کر سکے اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی نبوت قوت علمیت حکمت۔ عملیت قولیت عقل خرد۔ رائے مشورہ۔ اختیار قانون فیصلہ۔ بلکہ سونا جاگنا چلنا پھرنا کھانا پینا سب کچھ رب تعالیٰ کی عطا تعلیم اور وحی سے ہے گویا کہ انبیا علیہم السّلام کے افعال و

دا قوال علم وقدرت اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں تو ان پر اعتراض کرنا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے۔ یہ فائدہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ کی تفسیر وتفصیل سے حاصل ہوا۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک محفل میں کسی بد بخت گستاخ نے کہا کہ نفسانی خواہشات سے کوئی انسان نہیں بچ سکتا اگرچہ نبی پاک ہی ہوں اور وہ حدیث پڑھی کہ۔ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ۔ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ یعنی میری طرف تین چیزیں محبوب کی گئیں ۱۔ خوشبو ۲۔ عورت ذات ۳۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس محفل میں ایک بزرگ بھی بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا۔ ارے کمبخت خبیث تجھے اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں۔ تو کتنا اَجْہَل ہے کہ عربی الفاظ کا ترجمہ بھی تجھ کو صحیح نہیں آتا یہاں حدیث پاک میں حُبِّبَ ہے نہ کہ اُحِبُّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے میری طرف شرعاً وقانوناً تین چیزیں محبوب کی ہیں۔ وہ بے غیرت اُس محفل میں سخت ذلیل ورُسوا ہوا۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس کو لاجواب تو کر دیا مگر مجھ کو اُس کی اِس گستاخی کا اتنا رنج وغم ہوا کہ بے چین ہو گیا رات کو مجھے زیارتِ اقدس نصیب ہوئی اور فرمایا کہ تو غم نہ کر ہم نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے دن میں نے سنا کہ وہ نہایت ذلیل طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ لفظ نساء سے فقط شیطانی گستاخی کا خیال دل میں لانا اور اُس کو خواہشاتِ نفسانی سمجھنا بے حد بُرا ہے حالانکہ نساء میں تو ماں بہن بیوی بیٹی سب شامل ہیں اور معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حُبِّبَ اِلَیَّ سے مراد انتظامی پسندیدگی میں یہ بھی شامل ہے کہ عورتوں کی حفاظت کرواؤں حفاظت۔ نگہبانی۔ پاسداری وتکریم کرواؤں حقوقِ اصلی دلواؤں مقامِ نسوانی سمجھاؤں۔ نکاحِ شرعی کے ذریعے بیوی بنا کر سڑکوں چوراہوں بازاروں چباروں کلبوں ٹھیٹروں تجارتوں مشقتوں سے بچا کر اور اسلامی طرز پر ماں بہن بیٹی بنا کر۔ جب کہ دنیا والوں نے عورت کو کبھی کتے بلے سے بدتر جانور سمجھا کہیں پیر کی جوتی سمجھا کہیں کلبوں کی زینت کہیں ٹھیٹر کی تجلیاں کبھی ننگا کیا کہیں نچایا کہیں نہ ماں کا احترام نہ بہن کا خیال نہ بیٹی کی شرم نہ بیوی کی غیرت کئی بد بخت تو پیسوں کی خاطر والدہ کو بیچ دیتے ہیں۔ بیوی کو لگا دیتے ہیں بیٹی کو سجا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے اسلام کی اس حدیثِ مقدسہ اور قانونِ نبوی نے عورت کو صحیح مقام اور سچا انعام اور پکا تحفظ دیا ہے۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام شان وصفات والے دعووں کی برہانِ قاطع اور دلیلِ اوّل صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہ فائدہ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ کی تفسیر میں برہان کی جامع مانع تعریف اور دلیل وحجۃ وبرہان کے فرق سے حاصل ہوا۔ کیونکہ حقیقی طور پر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی رب تعالیٰ کی تمام صفات

کے مظہر و مثبت ہیں برہان کی تعریف بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری شخصیت یا چیز پر صادق و قائم نہیں ہوتی معرفتِ وحدت کے دلائل تو بے حد و بے شمار ہیں مگر برہانِ الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسری شی پوری کائناتِ عالم میں نہیں ہوئی رب تعالیٰ نے تمام کفار و مشرکین کو چیلنج فرمایا۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ لیکن اپنی معرفت کے لیے قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (سورۃ نساء آیت ۱۷۴) یہاں برہان سے مراد نبی کریم ہو سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید بھی نہیں مراد لیا جا سکتا۔ بہت سی وجوہ کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت قرآن مجید مکمل نہیں آیا تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری شان و کمال کے ساتھ مکمل تشریف لا چکے تھے اور قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ میں بھی پوری ہی برہان مراد ہے۔ تیسرا فائدہ فرمانِ حدیث پاک کے مطابق انبیا علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور بھی اقوال ہیں مگر وہ اس لیے غلط ہیں کہ حدیث مقدسہ کے خلاف ہیں احادیث میں صرف یہی تعداد بیان فرمائی گئی مگر کلامِ الٰہی میں صحیفے چار سو اور کتابیں چار ہیں۔ باقی انبیاءِ کرام علیہم السلام پر زبانی پیغامات و احکامات بذریعے جبرئیل علیہ السلام آتے رہے کوئی نبی بھی بغیر وحی کے نہ تھے۔ یہ فائدہ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ۔ (الخ) سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شریعتِ اسلام میں سب سے بڑا عیب جہالت اور دینی معلومات سے جاہل رہنا ناقابل معافی جرم ہے اس لیے کہ جہالت کی وجہ سے ہی کفر ہوتا ہے اور جہالت سے ہی فسق و فجور یہ مسئلہ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ کے بعد فَهُمْ مُّعْرِضُونَ کی فَ تعقیبیہ سے مستنبط ہوا کہ ان اکثر کفار کا کفر لَا يَعْلَمُونَ کی جہالت کی وجہ سے ہے یہی حالت فساق کی ہے کہ دین سے بے علمی بے پرواہی ناواقفی کی وجہ سے مسلمان اپنی زندگی کو جہنمی بنا لیتا ہے ہر مسلمان کو دینی جہالت سے بچنا چاہیے۔ دوسرا مسئلہ۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا تعظیم یا تعذیر یا تعبیر یا تاویل کی نیت سے اگرچہ ہر شریعت میں حرام رہا بجز کچھ مخصوص موقعوں کے۔ مگر یہ سجدہ شرک و کفر نہیں ہے۔ شرک و کفر صرف عبادت کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہے حرام کام کرنے سے بندہ فاسق گناہگار ہوتا ہے۔ شرک کرنے سے کافر۔ یہ مسئلہ وَمَا أَرْسَلْنَا۔ (الخ) کی پوری آیت سے مستنبط ہوا کہ کسی نبی علیہ السلام کی شریعت اور وحی میں کسی موقعہ پر شرک کی اجازت نہیں دی گئی نہ فرشتوں کو نہ جن و انس کو سب کے لیے یہی حکم ہے اور ہوتا رہا کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ۔ اگر سجدۂ تعظیمی یا تعذیری تاویلی شرک ہوتا تو اس کا

بھی اجازت کبھی کسی کو نہ ملتی خیال رہے کہ تاریخ عالم کی کسی شریعت میں تعظیمی سجدے کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ کبھی کسی نبی ولی نیک مومن جن انس فرشتے نے کبھی کسی کو تعظیمی سجدہ نہ کیا صرف دو سجدوں کا فقط ایک ایک بار ہونے کا ذکر ملتا ہے (۱) پہلا سجدہ تحدیری جو رب تعالیٰ نے خود فرشتوں سے آدم علیہ السّلام کو کرایا عذر اور معافی کے لیے یہ تعظیمی سجدہ نہ تھا ورنہ مخلوق ہر شی فرشی سے باربار کروایا جاتا کیونکہ ہر مخلوق پر ہر نبی کی تعظیم ہمیشہ واجب ہے (۲) دوسرا سجدہ غیر اللہ یوسف علیہ السّلام کو ان کے بھائیوں اور والدین نے کیا یہ سجدہ خواب کی تعبیر پوری کرنا تھی چنانچہ یوسف علیہ السّلام نے وضاحت فرمادی۔ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۰) یہ بھی سجدہ تعظیمی نہ تھا ورنہ یوسف علیہ السّلام اپنے والدین کو کرتے اور برادران بار بار کرتے۔ جبھی صرف ایک بار ہی نہیں ہوتی۔ تیسرا مسئلہ۔ اہل باطل کو ذلیل کرنے اور ان کا بطلان و جھوٹا ہونا ظاہر و مشہور کرنے کے لیے ان سے دلیل طلب کرنی جائز ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید اس کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا اس کی عزت بڑھانے کے لیے جھوٹی سچی دلیل اور شعبدے دکھانے کا طالبہ کرنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ یہاں قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اور سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳ میں فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ فرماتے اور کفار سے ان کے دعوۓ الٰہیت و شرک پر دلیل مانگنے سے مستنبط ہوا وہاں خود رب تعالیٰ نے دلیل طلب فرمائی اور یہاں اپنے محبوب سے فرمایا۔ قُلْ۔ اے نبی تم فرماؤ کہ اے کافرو اپنے بتوں کی معبودیت پر کوئی ٹھوس مکمل دلیل یعنی برھان پیش کرو وہاں بھی کافر آج تک لاجواب اور ذلیل و خوار ہیں اور یہاں بھی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص کوئی سوال نہیں کرسکتا اس سے اس کے کسی کام پر۔ لیکن سورۃ رحمٰن آیت ۲۹ میں ارشاد ہے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین میں ہر شخص اس سے سوال کرسکتا ہے۔ قرآن کی یہ تضاد بیانی کیوں (ضیائی) جواب اس کا جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں واضح کر دیا کہ سوال کرنا سات قسم کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اعتراض۔ الزامی۔ احتسابی۔ امتحانی سوال کوئی نہیں کرسکتا یہاں لَا یُسْئَلُ میں یہی چار قسم کے سوالات مراد ہیں اگر کوئی اپنی غلطی سے کرے گا تو معذوب ملعون۔ یا معتوب اور مغضوب ہوگا۔ یہاں کلام کے سیاق و سباق سے یہی ثابت و ظاہر ہے کہ یہاں اعتراضی وغیرہ قسم کے سوال مراد ہیں اسی لیے کہ یہاں عَمَّا یَفْعَلُ فرمایا گیا۔ یعنی رب تعالیٰ کی کارکردگی پر سوال۔ اور نہ کر سکنے کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے

کہ یہاں خود اختیاری، شہنشاہی ربوبیت عرش شاہی اور الٰہیت وحدہٗ لاشریک کا ذکر ہے۔ الٰہیت باطلہ کا بطلان اور تعالیٰ جائزہ ہے اور وہاں سورۂ رحمٰن کی آیت کے سیاق و سباق یعنی اول و آخر میں دینی دنیوی علمی فکری آسمانی زمینی۔ رزقی۔ غذائی دولت و ثروت کی نعمتوں اور معطی و محتاج۔ سائل و مسئول کا ذکر ہے اس لیے يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں فریادیں التجائیں اور بھیک مانگنے سوال احتیاجی کرنے کا ذکر ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ یعنی اے مشرکو تم اپنے دلیل شرک لاؤ اور میری دلیل توحید یہ ذکر یعنی قرآن ہے اور پہلوں کا ذکر یعنی توریت و انجیل وغیرہ ہے۔ حالانکہ مشرکین مکہ نہ قرآن مجید کو مانتے تھے نہ توریت و انجیل کو جب کہ دلیل وہ ہوتی ہے جو مخالف بھی مانے تو یہ آیت دلیل توحید کیسے ہوئیں (جواب)۔ اس کا جواب تین طرح دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ قرآن کریم اور کتب الٰہیہ اگرچہ تم نہیں ملتے مگر اس کا اعجاز اور معجزہ ہونا جس کے تمہارے عقل و ذہن دماغ اندرونی طور پر قائل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے تم بھی کوئی ایسا معجزانہ کلام اپنے۔ تین مصنوعی معبودوں کیلئے لاکر دکھاؤ۔ دوم یہ کہ تم اسلام کی ہر بات پر جو اعتراض کرتے ہو وہ یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر کرتے ہو۔ اس وقت وہ تمہارے مشیر خاص بنے ہوئے ہیں تو یہ بھی ان سے پوچھو کہ قرآن میں جس توحید کا ذکر ہے کیا توریت زبور انجیل و صحف میں بھی اسی توحید کا ذکر ہے وہ یقیناً کہیں گے کہ ہاں ہے تو یہ ہماری سچائی اور توحید اسلامی کی دلیل ہوگی جس کو مخالفین نے تسلیم یہودیوں عیسائیوں نے اقرار کیا تو ان سے سن کر تم کو بھی ماننا لازم سوم جواب یہ دیا گیا کہ یہ قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابیں صرف نقلی و تحریری مکتوبی منقولی دلائل ہی نہیں بتاتے دلائل عقلیہ بھی لاجواب انداز میں بیان فرماتے ہیں اس لیے یا تو ان کو مانو یا اپنی برھان بھی عقلی و نقلی پیش کرو۔ ورنہ عذاب ابدی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ۔ اگر آسمانوں کے اندر اور زمین کے اندر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ معبود ہوتے گویا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں ہے اس لفظ فی کی وجہ سے زمین و آسمان ظرف ہوئے اور اللہ مظروف اور مظروف ہمیشہ ظرف سے چھوٹا ہوتا ہے تو ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین سے چھوٹا ہوا۔ جواب۔ یہاں ذات باری تعالیٰ جل مجدہٗ کی مظروفیت نہیں بلکہ اس کی صفت الٰہیہ اور معبودیت کا ذکر ہے فِيْهِمَا کا تعلق اٰلِهَةٌ سے ہے اور اسی کی مظروفیت ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ اگر زمین والوں کا آسمان والوں کا ان فلکیات و ارضیات میں کوئی اور دوسرا الٰہ ہوتا اللہ کے سوا تو یہ دونوں ٹوٹ پھوٹ کر فنا اور نیست و نابود ہو جاتے۔ اور ٹوٹ پھوٹ تو ثابت نہیں معلوم

ہو گیا کہ دوسرا کوئی معبود ہی نہیں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی اس کائنات میں معبودیت ہے۔ یعنی تمام آسمانوں زمینوں میں اُسی ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہو سکتی ہے اُس کے علاوہ اگر کوئی کسی کی عبادت کرے گا تو وہ جھوٹی اور باطل ہی ہو گی۔ لہٰذا۔ اب اعتراض غلط ہو گیا اور ذاتِ باری تعالیٰ مظروف نہ بانہ ہی الٰہیت کو جسم کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ الٰہیت صرف صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۔ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۔ اگر ہوتے آسمانِ روحانیت اور زمینِ بشریت میں ہدایت ربانی کے علاوہ کوئی اور دیگر بہت سے مدبراتِ جسمانیت۔ مثلاً عقل کو آسمانِ روحانیت کا مدبر سمجھ لیا جائے اور ھواءِ نفسانی کو زمینِ بشریت کا مفکرِ عملیات بنا لیا جائے اور یہ عقیدۂ باطلہ اختیار کر لیا کر لیا جائے کہ عقل سے روحانیت کی اصلاح اور خواہشاتِ نفسانی کے کہنے پر بشریت کا استعمال کر کے اچھائی اور درستگی قائم رہ سکتی ہے تو مشاہدۂ کشف و مراقبہ اور تجربۂ دہر نا سوتیہ ہے کہ لَفَسَدَتَا دونوں ہی تباہ ہو جاتے نہ روحانیت باقی رہتی نہ بشریت جیسے کہ عقل و عوی کی تدبیر ضعیف سے فلاسفہ اور سائنسدان شخصیات کا دماغ روحانی اور اَصل طبیعت کی خودی کا مزاجِ بشریت اور دہریوں کا تصور روحانیت اور فرقۂ ملحدین کا اعمالِ شریعت اور فرقۂ اباحیہ کا عقیدۂ روحانی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس طرح کہ ان کے قدم منزلِ توحید سے بھٹک گئے ان کے راستے صراطِ وحدانیت سے بدل گئے اور عقائد کفریہ اپنا لیے کہ عالم کو قدیم کہہ کر رب قدوس کا شریک بنا لیا نہ دعوتِ نبوی قبول کی نہ حق کی ہدایت یہی ہے آسمانِ روحانیت کا فساد اور زمینِ بشریت کی تباہی یہ ہے کہ پھسل گئے اُن کے قدم عبادت کے مصلے سے ہٹ گئے اُن کے سفر شریعت کے راستے سے مڑ گئے اُن کے چہرے حق کی اتباع سے اور لگ گئے اُن کے اجسام طاغوت و شیطان کی عبادت میں۔ عارفِ کامل شیخ عثمان مغربی نے فرمایا کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مقدسہ کو اپنا امیر بنا لیا حاکم چن لیا اپنے لینے دینے بغض و محبت اور تمام دینی دنیوی معاملات میں تو اُس کے کلام سے حکمت کے پھول جھڑتے ہیں جن کی خوشبو سے پورا علاقہ معطر ہو جاتا ہے اور بندہ صدق جس کا عطار بن جاتا ہے۔ لیکن جس نے اپنے معاملات پر خواہشاتِ ابلیسیہ نفسانیہ کو امیر و حاکم عذاب بنا لیا اس کی زبان بدعت کے جھاڑ جھنکاڑ سے خار ہو جاتی ہے یہی فسادِ سمائی روحانیت اور ارضی بشریت ہے۔ لہٰذا راہِ معرفت کے سالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہر سفرِ طریقت میں کتاب و سنت والا دریائی

راستہ اختیار کرے جو جنتِ محبوب کی طرف لے جانے والا، قربِ ملکوت کی طرف چلانے والا اور وصل
محبوب تک پہنچانے والا ہے۔ اے راہِ حق کے متلاشیوں کوشش کرو کمالِ صدق کے حصول اور
اعمالِ شریعت کے خلوص کی کیونکہ یہی مسافرانِ حقیقت کا زادِ راہ ہے۔ جس طرح اگر ایک منہ میں
دو زبانیں ایک ایک جسم میں دو دل ایک بدن میں دو روحیں ایک آسمان پر دو سورج ہوتے تو
عالمِ جسمانیت میں اور جہانِ رنگ و بو میں فساد مچ جاتا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی شدید تر تباہی
آ جاتی اگر دو الٰہ ہوتے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ لَوْ حَلَّ الشَّمْسَانِ لَانْعَدَمَتِ الْاَرْكَانُ
عدل سے ہی عالمِ کثرت کا قیام و بقا ہے اور عدل ظلِ وحدت ہے اسی ظلِ وحدت سے آسمانوں
کی اصلاح زمینوں کی فلاح ہے اگر مرکباتِ دہر میں ھَیْئَتِہٖ وحدانیت نہ ہوتی تو یہ کچھ بھی نہ
ہوتا۔ اور اگر کبھی ھیئتِ وحدت ختم ہو جائے تو فساد برپا ہو جائے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ۔
پس ثنا ہے اس رب تعالیٰ کی جو عرش کا خالق ہے اسی نے اس عرشِ اعلیٰ میں فیضِ دین کے معدن
پیدا فرمائے اور فرشِ اسفل میں دنیا کے خزن۔ سُبْحٰنَ ہے اس کی ذات برھان ہے اس کی صفات
اور رحمٰن ہے اس کی عادات تمام وحدتیں اسی کے لائق وحدت میں ثنا ہے۔ ثنا میں حمد سے اور
تمام حمدیں اسی ذاتِ پاک مجلّٰی و مُعلّٰی کے لیے ہیں۔ منزہ ہے وہ ان تمام خرافات۔ تخیلات تصوراتِ
نظریہ بدیہیہ سے۔ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ جن سے یہ کفار اس ذاتِ قدیم کو موصوف کرتے ہیں ؎

اے برتر از خیال و قیاس گمان و وہم — واز ہرچہ گفتہ اند و شنیدند و کردہ اند

لَا يُسْئَلُ۔ اس رب سے کسی فعل پر نہ سوال ہے نہ حساب ہے نہ کتاب نہ مواخذہ نہ مطالبہ کیونکہ وہ خالق سب مخلوق
وہ مالک سب مملوک وہ حاکم سب محکوم وہ غالب سب مغلوب وہ حاسب اور سب محسوب وہ قاہر سب
مقہور لہٰذا۔ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ وہ سب دنیا و آخرت میں پوچھے جائیں گے دنیا میں عتاب سے آخرت
میں عقاب سے دنیا میں کتاب سے آخرت میں حساب سے یہ بھی امتحان وہ بھی امتحان۔ دنیا میں دیکر امتحان
ہے آخرت میں لے کر امتحان ادھر بھی وہی حاکم وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ادھر بھی وہی حاکم وحدہ لا شریک
اَمِ اتَّخَذُوْا۔ کیا ان حقار رذیلہ کثیفہ نے بہت سے معبود بنا رکھے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شریعت
میں غیر اللہ کی عبادت اس کو الٰہ ماننا ہے مگر طریقت میں غیر اللہ کا تصور و تخیل قائم کر لینا بھی اس کو الٰہ
ماننا ہے۔ شریعت کا کلمہ لا الٰہ۔ الا اللہ۔ طریقت کا کلمہ۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دعویٰ ہے
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کی برھان ہے قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔ اے محبوب فرما دو کہ الٰہ
واحد کی برھان تو میں خود ہوں تم اپنے معبودوں کی برھان لاؤ اگر تم میں عقل و شعور ہمت و جرأت

ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی برھان پوری کائنات انسانیت کے لیے محمد رسول اللہ ہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ اگرچہ بے شمار ہیں مگر اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ ازل سے ہی محمد رسول اللہ ہے خواہ ساقِ عرش ہو یا بابِ جنت۔ سینۂ غلمان ہو یا پیشانیٔ حوران۔ اشجارِ بہشت ہوں یا اوراقِ طوبیٰ۔ ذکرِ قرآنی ہو یا بیانِ انجیل۔ آیتِ توریت ہوں یا دعاءِ زبوری هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ اے غفلتِ ناسوتی میں نفسِ نادان کو معبود سمجھنے والو یہ سِرِّ اسرار و کشفِ انوار اور معرفتِ توحید کے وہ ذکر برھانی ہیں جو آپ بھی میرے ساتھ ہیں ظاہر و آشکارا اور مجھ سے پہلے انبیاء اُمم کے پاس نورِ وحدت کے دلائل واذکار تھے مگر اس دنیاءِ دون میں لاشعوری کی کثرت ہے لاشعوری سے بے علمی اور بے علمی سے جہالت پیدا ہوتی ہے اور جہالت کی ظلمتوں میں حق کی پہچان محال ہوتی ہے اس لیے فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ اور جب انسانیت میں حق کی پہچان نہ رہے تو اعراض کے امراض اور نفرت کی بیماریاں انکار کی سرکشیاں عروج کرتی ہیں۔ فسق کفر شرک سب اسی جہالت کی خار دار جھاڑیاں ہیں۔ پھول حق ہے اور خار باطل ہے خاوے اُنسیت والفت وصل و قرب رکھنے والے پھولوں سے مُعْرِضُوْنَ ہوتے ہیں خار و گل کا فرق بتانے والے حق و باطل کا نشان دکھانے والے وحدتِ معبود کو تحقیق سے ثابت کر کے سمجھانے والے اور کثرتِ مخلوق کا مکاشفہ کرنے والے علماءِ محققین ہی ہیں یہ علماء ہی سیرِ مقامات وقطعِ منازلِ قربات میں اپنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ معیت اور خدمتِ ہمراہی میں ہیں اسی لیے ارشادِ نبوی ہے عُلَمَآءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔ کہ طلبِ حق کی صداقت اور کونین سے علیحدگی توجہ اِلَی اللہ میں جو ذکر و عملیات مِنْ قَبْلِيْ انبیا علیہم السّلام کا تھا وہ ہی اب میرے ہمراہی علماء کا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ آسمان و زمین تو مخلوق کے لیے اور مخلوق معرفتِ خالق کے لیے اور معرفت عبادت کے لیے اور عبادت شریعت کے لیے اور شریعت انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے اسی لیے تمام انبیا علیہم السّلام کو صرف اسی وحی کے لیے مبعوث فرمایا کہ بندوں کو بتا دیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں حکمتِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام یہی سمجھانے کے لیے ہے کہ آسمانوں اور زمین کے اندر دو چیزیں قائم و ظاہر ہیں ایک توحید بالاقرار دوم عبادت بالاخلاص ان دونوں کا فائدہ معرفتِ الٰہی ہے کیونکہ فَاعْبُدُوْنِ کا مقصودِ اصلی يَعْرِفُوْنَ۔ ہے۔ معرفت وہ امانت ہے جس کو صرف انسان نے قبول کیا۔ عبادت مراۃِ معرفت ہے اور معرفت مراۃِ قرب ہے اور قرب مراۃِ وصل ہے اور وصل مراۃِ رویت ہے اور رویت اصل

منزل ہے اس لیے اعلیٰ ہے ہر طریقت سے لہٰذا عارفین مشتاق ہوتے ہیں منازلِ واصلین کے واصلین
مشتاق نہیں ہوتے منازلِ عارفین کے منازلِ معرفت میں محنت مشقت اور تھکاوٹ پیدا ہوتی
ہے مگر منازلِ وصل میں رویت ہے اور رویت سے سرور و رضا پیدا ہوتی ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ
معرفت الُعَفُ ہے۔ رویت اشرف ہے، معرفت اشد ہے، رویت آکد ہے۔ پس سالکین پر واجب
ہے کہ معرفتِ توحید کی تحقیق اور رویتِ حمید مجید کے وصل میں کوشش کرتے رہیں۔ توحید کی تین قسمیں
ہیں ۱۔ سالکِ مبتدی کی توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کی سیر منازلِ عالمِ اجسام ہیں ۲۔ سالکین وسطی
کی توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ۔ اس کی سیر منازلِ عالمِ قربِ روحانی ۳۔ سالکینِ منتہی کی توحید
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ اس کی سیرِ وصل عالمِ حقیقت ہیں یہی معراج لامکانی ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
اکثر لوگ اسلام و توحید کے مدعی بنتے ہیں مگر حق و باطل میں فرق اور تمیز نہیں کر سکتے۔ اسی لیے شرک کو توحید
ریا کو خلوص خواہشات کو ریاضت، گستاخی کو ادب، بدعت کو تقویٰ، نجاست کو طہارت اور دنیا
کو دین سمجھ کر سچائی صداقت و حقیقت و عدالت سے مُعْرِضُوْنَ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کی
اتباع طریقت کی اطاعت معرفت کی ریاضات ان میں ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر بندے میں وجدان
حق کی استعداد و صلاحیت لیاقت ہو تو یقیناً اہل حق کا وصل پالیں اور اس طرح سالکینِ شریعت،
عاملینِ طریقت، عارفینِ معرفت۔ واصلینِ حقیقت کی منزلیں پالیں۔ لیکن تارکینِ اصول کو وصول سے
محرومی ہے اللہ تعالیٰ سے ہی توفیقِ ہدایت ہے اور اسی کی اعانت سے مقامِ صدق و التحقیق کا
وصل ہے۔ عالمِ حیاۃ ظاہری میں ہر طرف وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ کی آوازیں ہیں۔ ہر بندہ خود ہی سائل
اور خود ہی مسئول ہے جو خود اپنا محاسبہ کرتا ہے وہ کامران ہے مگر محاسبہ کرنے والا نماز کے لیے
اپنے باطن کو ضبط کر کے اعضاء و جوارح کے ذریعے آمادہ کرتا ہے اور مقامِ محاسبہ کو مستحکم
کرتا ہے۔ صاحبِ محاسبہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس کا نور دوسری نماز تک اس کے تمام اجزاء
کو روشن رکھتا ہے اس طرح اس کی نماز اُس کے اوقات سے اور اُس کا باطن اُس کی نماز سے روشن
و منور ہو جاتے ہیں۔ اور باطن کی چمک ظاہر پر جھلکتی ہے۔ یہ محاسبہ ہی سچی توبہ ہے اور بندۂ حق سچی
توبہ کرنے کے بعد رجوع اِلَی اللہ کرتا ہے یہ رجوع توبہ کا دوسرا درجہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف
صدقِ قلبی صفائی عقلی خلوصِ عملی سے رجوع کرتا ہے وہ ہر اُس چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے رب تعالیٰ سے
غافل کرے جو بندہ اپنے محاسن و عیوب کو صدق و خلوص کے ترازو میں نہ تولے وہ کامل مردوں کے
درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا اعمال کی خامیوں پر نظر رکھنا اور آئندہ کے لیے بچنا سچی پکی توبہ کے لیے
ضروری ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

اور کفار نے ہمیشہ کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنالی حالانکہ اس کو پاکیزگی ہے ایسی چیزوں سے بلکہ وہ سب ایسے

اور بولے رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا۔ پاک ہے۔ وہ بلکہ بندے

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

مقرب بندے ہیں کہ نہیں پہل کرتے وہ اس معبود سے بات میں اور وہ سب اپنے اسی معبود کے ہی حکم

ہیں عزت والے۔ بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم پر

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

پر عمل کرتے ہیں جو جانتا ہے اس تمام کو جو ان کے سامنے ظاہر ہے اور اس تمام کو جو ان کے پیچھے پوشیدہ ہے

کاربند ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ

اور سفارش تک نہیں کرتے مگر اس کی جو منتخب ہو چکا اور وہ

اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لیے جس کو جیسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے

خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ

اس کے رعب سے کانپنے والے ہیں۔ اور جس ایک نے کہا کہ بے شک میں بھی

خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں

اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ

معبود ہوں اس اللہ کے سوا تو اس کفر پر بدلا دیں گے ہم اس کو جہنم کا۔ اسی طرح

اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔ ہم ایسی ہی

نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ع

بدلہ دیتے ہیں ہم تمام ظالموں کو

سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اپنے پاس سے ذہنی اختراع سے معبود بنا لینے کا ذکر ہوا اب ان کی قسموں کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ اولاد بھی چونکہ ہم شل ہوتی ہے تو گویا اولاد ماننا بھی معبود ہی بنانا ہے فرمایا گیا کہ یہ لوگ معبود نہیں یا اس کی اولاد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مکرم قابل تعظیم بندے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص کسی کام۔ یا عمل پر پوچھ گچھ نہیں کر سکتا وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اب ان آیت میں کفار کے خود ساختہ ذہنی معبودوں کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ہر کام اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر اس کے حکم اس کی رضا و اجازت سے کرتے ہیں اپنی مرضی سے ایک کام بھی نہیں کر سکتے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافروں سے ان کے باطل معبودوں کے بارے میں دلیل مانگی گئی تھی کہ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ۔ اب ان آیت میں عباد کی بندگی عاجزی اور تابعداری اور عبد ہونے کی دلیل دی جا رہی ہے۔ **شان نزول**۔ مکہ مکرمہ میں ایک قبیلہ بنی خزاعہ تھا جس نے اپنا عقیدہ یہ بنایا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں چونکہ فرشتے نظر نہیں آتے اس لیے وہ ان کو پردہ نشین بیٹوں سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ بیہودہ عقیدہ بنائے پھرتے ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئیں از ۲۶ تا ۲۹۔ (از خزائن العرفان) یہودیوں کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے نسبت سسرالی قائم کی اور جناتنیوں سے لیطور بیوی ہم بستری کی تو فرشتے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ قرآن مجید کی سورۂ صافات آیت ۱۵۸ میں ہے۔ وَجَعَلُوۡا بَیۡنَهٗ وَبَیۡنَ الۡجِنَّةِ نَسَبًا۔ (از تفسیر جامع البیان وکبیر) معاذ اللہ معاذ اللہ۔

تفسیر نحوی وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ۔ لَا یَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ یَعۡمَلُوۡنَ۔ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا یَشۡفَعُوۡنَ۔ واؤ ہر جملہ قَالُوا باب نصر سے فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اِتَّخَذَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ اخذ مہموز الفاء سے بنا

بنا ہے لغوی ترجمہ ہے کسی کا رکھنا حاصل کرنا خواہ تناول سے ہو یا قہر سے مصیبت آنے اور قید کرنے کو بھی اخذ کہا جاتا ہے جبرًا پینے کو مواخذاہ اسی معنیٰ سے کہتے ہیں اِتخاذ دراصل تھا اِاتخاذ ہمزہ ثانیہ مادیہ کو اوّلًا بنا یا بوجہ ثقل پھری کو تؔ بنایا بوجہ قرب مخرج پھر دونوں ت کا ادغام کر دیا۔ اَلرَّحمٰنُ باری تعالیٰ کا اسم خصوصی ہے بحالت رفع کیونکہ فاعل ہے وَلَدًا اسم جنسی مفرد بمعنیٰ حقیقی اولاد واحد جمع دونوں کے لیے ہے، بنسبت مذکر بمعنیٰ نطفہ کی اولاد۔ بنسبت مؤنث بمعنیٰ پیٹ کی اولاد ابنٌ اور ولدٌ، اَبٌ اور والدٌ میں سات طرح فرق ہے تفصیل تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ مفعول بہ ہے۔ اَلرَّحمٰنُ ذوالحال ہے سُبْحٰنَہٗ مصدر مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع اَلرَّحمٰنُ ہے یہ مجرور متصل ہے کیونکہ مفعول مضاف الیہ یہ مصدر مضاف اپنے مفعول مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال ہے اَلرَّحمٰنُ کا دونوں مل کر فاعل ہے اِتَّخَذَ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ حرف عطف اِضراب یعنی مقولہ سابق کی تردید کے لیے، عِبَادٌ اسم جمع مکسر تکثیری وَاحد عَبْدٌ ہے مبتدا ہے مُکْرَمُوْنَ باب افعال کا اسم مفعول جمع مذکر مصدر ہے اِکْرَامٌ اَکْرَمَ سے بنا ہے بمعنیٰ عزت دینا عزت لینا۔ مقرب بارگاہ ہونا۔ ایک قرأت میں مُکَرَّمُوْنَ باب تفعیل سے ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر موصوف لَا یَسْبِقُوْنَہٗ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع عِبَادٌ سَبْقٌ سے بنا ہے اس کا لغوی معنیٰ ہے قدم سے آگے بڑھنا اب اصطلاحًا ہر کام بڑھنے کو سبق اور سبقت کہہ دیتے ہیں، یہاں قول و عمل میں آگے بڑھنا ہے۔ ضمیر مفعول بہٖ مرجع اَلرَّحمٰنُ بِ حرفِ جر بمعنیٰ فِی یا بمعنیٰ مِنْ یا یہ بؔ سببیہ ہے اَلْقَوْلِ الف لام معرفہ جنسی یا اِستغراقی قول اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بات یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یَسْبِقُوْنَ سب سے مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مبتدا بؔ جارّہ تعدیہ کی اَمْر اسم مفرد جامد بمعنیٰ حکم مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے اَلرَّحمٰنُ موصوف ہے۔ یَعْلَمُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب اِس کا فاعل ہُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اَلرَّحمٰنُ مَا اسم موصول جنسی یعنی تمام اشیا بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے اَیْدِیْ اسم جمع مذکر مکسر اس کا واحد ہے یَدٌ بمعنیٰ ہاتھ مضاف ہے۔ بَیْنَ کا لغوی ترجمہ ہے ہاتھوں کے درمیان لیکن محاورۃً معنیٰ ہے سامنے ظاہر تا حدِ نگاہ ھِمْ اسم ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ مرجع ہے عِبَادٌ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے بَیْنَ کا یہ مرکب اضافی جملہ ہے مَا کا دونوں مل کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا موصولہ خَلْفَ اسم مفرد بمعنیٰ پیچھے پوشیدہ

نا معلوم مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہے موصول صلہ مل کر معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے بِاَمْرِہٖ میں ہ ضمیر کی بہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے اَمْر کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے یَعْمَلُوْنَ کا۔ اس تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا ترجمہ ہو گیا انہی کے حکم پر یَعْمَلُوْنَ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق متقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَایَشْفَعُوْنَ باب فَتَحَ کا مضارع منفی بِلَا جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے عِبَادٌ۔ تَشَفَّعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ شفارش کرنا بخشوانا یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا اِلَّا حرف استثنا۔ لام جارہ نفع کا مَنْ اسم موصول برائے العقول اِرْتَضٰی باب افتعال کا فعل ماضی مطلق اس کا مصدر ہے اِرْتِضَاءٌ رِضیٰ سے بنا ہے بمعنیٰ راضی ہونا رضا حاصل کرنا۔ اِرْتِضَاءٌ کا معنیٰ رضا کے لیے منتخب کرنا کر لینا یا منتخب ہونا یہاں مراد ہے شفاعت کے لائق ہونا ہماری اس تفسیر سے یہ فعل لازم ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے ایک قول میں مرجع اَلرَّحْمٰنُ ہے اور یہ فعل متعدی ہے تب ترجمہ ہوگا کہ جس کو اللہ نے شفاعت کے لائقوں میں سے چن لیا پسند کر لیا۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہیں پوشیدہ یَشْفَعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا لَایَشْفَعُوْنَ کا دونوں مل کر جملہ استثنائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع ہے عِبَادٌ مِنْ جارہ بیانیہ خَشْيَةٌ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ رعب دبدبہ جلال ہیبت یہاں سب معنیٰ درست ہیں مضاف ہے ہ ضمیر مضاف الیہ مرجع اَلرَّحْمٰنُ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے اس تقدم نے حصر کا فائدہ دیا مُشْفِقُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر مصدر ہے اِشْفَاقٌ شَفَقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ایسا خوف ہونا جس کا اثر جسم پر ظاہر ہو اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع عِبَادٌ ہے یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا لَایَشْفَعُوْنَ کے جملے پر وہ دونوں مل کر عطف ہوا وَهُمْ بِاَمْرِهٖ کے جملے پر وہ عطف ہوا۔ بَلْ عِبَادٌ کے جملے پر وہ عطف ہوا اِتَّخَذَ کے جملے پر سب مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ واؤ ہر جملہ مَنْ اسم موصولہ شرطیہ مَنْ پانچ قسم کا ہے ۱ شرطیہ ۲ سوالیہ ۳ انکاریہ نافیہ ۴ موصوفہ ۵ موصولہ ان میں سے صرف شرطیہ مضارع پر آتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے دیگر کوئی جزم نہیں

دیتا یہاں مَنْ شرطیہ ہے اس کی اصلیت موصول ہوتا ہے اس لیے یہ معنی ہر جگہ ساتھ رہیں گے۔ یَقُلْ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف انشائی واحد مذکر غائب بحالت جزم ہے دراصل تھا یَقُوْلُ مَنْ نے جزم دیا تو واؤ لام دو ساکن ہوئے واؤ حرف علت گر گیا۔ بمعنی ماضی ہے کیونکہ مجزوم مضارع ماضی مطلق کے معنی میں ہوتا ہے۔ لیکن فعل ماضی اور مضارع بمعنی ماضی میں فرق یہ ہے کہ حل ماضی میں صرف گذشتہ کا ذکر ہوتا ہے حال تک رہنے کا کوئی ذکر نہیں ہوتا لیکن مضارع بمعنی ماضی میں گذشتہ سے حال تک یا مستقبل تک کا زمانہ مراد و شامل ہوتا ہے۔ مثلاً قَالَ اس نے کہا پہلے زمانوں میں مَنْ یَقُلْ جس نے بھی کہا اور اب تک ایسا ہی اسی قول پر ہے۔ اسی طرح ماضی منفی اور مضارع نفی جحد بلم میں بھی فرق ہے مِنْهُمْ مِنْ جارہ تبعیضیہ هُمْ ضمیر کا مرجع عِبَادٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یَقُلْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یَقُلْ کا فاعل هُوَ پوشیدہ مرجع مَنْ ہے اِنَّ حرف مشبہ ی ضمیر واحد متکلم اسم ہے اِنَّ کا۔ اِلٰہٌ موصوف ہے مِنْ جارہ زائدہ۔ یا نیہ دُوْنِ اسم نافیہ بمعنی بغیر سوا مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع اَلرَّحْمٰنُ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے صَادِقٌ اسم فاعل کے دراصل معنًا اس طرح ہے اِنِّیْ اِلٰہٌ صَادِقٌ۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ واحد متکلم فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی اِلٰہٌ کی دونوں مل کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا یَقُلْ کا دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی ف جزائیہ۔ یہاں فَ جزائیہ واجب ہے کیونکہ جزاءِ ذٰلِكَ اسم ہے۔ ایک قول میں فَعَلٰی ذٰلِكَ ہے یعنی اسی جرم یا اسی کہنے پر۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ مذکر کے لیے ہے نَجْزِیْ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف بمعنی مستقبل جمع متکلم مرجع اَلرَّحْمٰنُ ہٖ ضمیر غائب مرجع مَنْ ہے پہلا مفعول بہ نَجْزِیْ کا جَهَنَّمَ مفعول دوم ہے مفعول فیہ ہے نَجْزِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مشار الیہ ہوا ذٰلِكَ کا اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر مشبہ ہوا اگلی عبارت تشبیہی کا۔ کَذٰلِكَ حرف تشبیہ نَجْزِیْ باب ضرب کا مضارع بمعنی حال جَزٰی جمہور اللام سے مشتق ہے بمعنی بدلا دینا جزا دینا ایک قرأت میں نُجْزِیْ باب افعال سے دونوں جگہ۔ الظّٰلِمِیْنَ اسم جمع کثرت مذکر سالم الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مفعول بہ ہے نَجْزِیْ کا سب مل کر جملہ ہو کر مشبہ بہ ہوا ذٰلِكَ مشبہ کا دونوں مل کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ قولیہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ اور کچھ مشرکین نے

اپنے شرکیہ عقیدوں میں یہ کہا کہ رحمٰن نے اپنی رحمانیت پیار و شفقت سے اپنے لیے اولاد بنائی اصل اور سب سے بڑا شرک یہی ہے بلکہ معبودیتِ باری تعالیٰ کا سرے سے انکار ہے سات وجہ سے ایک یہ کہ الٰہ ضد۔ نِد۔ کفو۔ وارث شرک سے بے نیاز و منزہ یعنی سُبحٰنَ اللّٰہ ہوتا ہے مگر والد ان چیزوں کا محتاج ہوتا ہے دوم یہ کہ بیٹا اپنے باپ سے کچھ چیزوں میں مشابہ ہوتا ہے کچھ چیزوں میں علیحدہ اور جس کی یہ کیفیت ہو وہ دو قسم کی چیزوں سے مرکب ہوا۔ الٰہ مرکب نہیں ہو سکتا کیونکہ مرکب اپنی ترکیب میں اجزا کا محتاج ہوتا ہے سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سُبحان ہے اور سبحان ہی معبود ہو سکتا ہے نہ کہ غیر سبحان۔ اسی لیے صحیفوں میں ایک ہزار بار۔ توریت میں ۲۹۰ بار زبور میں ۱۱۰ بار۔ انجیل میں ۲۵ بار اور قرآن مجید میں اکتالیس بار لفظ سبحان ارشاد ہوا۔ لفظ سُبحٰنَ۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی اہم خصوصی صفت ہے کہ بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ ہی الٰہ کیا ہے کسی کو بھی بجز رب تعالیٰ سبحان کہنا جائز نہیں۔ چہارم یہ کہ فرمایا گیا۔ بَلْ عِبَادٌ یعنی اے مشرکو جن ملائکہ کو تم اللہ تعالیٰ کی اولاد کہہ رہے ہو وہ سب اُس کے بندے ہیں۔ بندے اولاد نہیں ہو سکتے اور اولاد بندہ نہیں ہو سکتی تو اللہ تعالیٰ کو والد کہہ کر اُس کی معبودیت کا انکار ہے پنجم یہ کہ۔ فرمایا گیا مُکْرَمُوْنَ۔ ایک قرأت میں ہے مُکَرَّمُوْنَ۔ یعنی وہ فرشتے مقرب و مکرم ہیں اور تکریم و تقرب اطاعت سے اطاعت عبادت سے اور عبادت عبد سے ہوتی ہے نہ کہ اولاد سے عبدیت جس کی ہو وہ معبود ہے اور ولدیت جس سے ہو وہ باپ ہے مکرمون سے معبودیت ثابت اور وَلَدًا سے معبودیت کا انکار۔ ششم یہ کہ فرمایا گیا۔ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ۔ کسی بات میں بھی وہ فرشتے آگے بڑھتے اور پہل کرنے کی ہمت نہیں کرتے نہ کوشش کرتے ہیں نہ انھیں پہل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ خیال رہے کہ سبقت کرنے کی سات وجوہ سے ضرورت پڑتی ہے ۱ جب بندہ محتاج ہو کھانے کا ۲ یا پینے کا ۳ یا نکاح کا ۴ یا لباس کا ۵ سردی گرمی سے بچنے کا ۶ بیماری سے بچنے کا آفات بلیات سے ڈرتا ہو۔ ۷ ان علتوں سے بندہ گناہ بھی کر لیتا ہے تو گناہ کی معافی اور حاجات کی حصول کے لیے دعا کرتا ہے اور دعا میں سبقت ہے۔ مگر ملائکہ کو یہ کوئی علت نہیں اس لیے ان کو کسی دعا وغیرہ کی اور دعا میں سبقت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہفتم وجہ یہ کہ ارشاد ہوا۔ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ۔ یعنی ملائکہ صرف قول میں ہی تابع اور مطیع و منتظر حکم نہیں بلکہ ہر ہر عمل میں بھی حکم کے بندے ہیں یہ ہی اُن کی شانِ بندگی اور رجائے عبدیت ہے۔ یہ چیز اولاد سے نہ ممکن ہے نہ میسر، تو اولاد کہہ کر عبدیت کا بھی انکار ہوتا ہے اور معبودیت

کا بھی خیال رہے کہ لفظ ابن اور ولدٌ اس طرح اَبٌ اور وَالِدٌ میں تقریباً سات طرح فرق ہے پہلا فرق یہ کہ لغتِ عربی کے لحاظ سے ابن اِسم نوعی ہے اس لیے اس کی مؤنث بِنتٌ ہے ولدٌ اسم جنسی ہے لہٰذا یہ مذکر مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے ولد کا مونث کوئی نہیں اسی طرح ابٌ کی جمع ہوتی ہے والدٌ کی نہیں ہوتی۔ دوسرا فرق یہ کہ ابنٌ اور اَبٌ نسبتی لفظ ہے جس کا اردو میں ترجمہ ہے والا مثلاً ابنُ السَّبیل راستے والا (مسافر) اور اَبُوتُراب یعنی مٹی والا وَلَدٌ اور والدٌ نسبی لفظ ہیں تیسرا فرق یہ کہ ابن کا معنیٰ پرورش کیا ہوا اور اَبٌ کا معنیٰ ہے پرورش کرنے والا۔ لیکن وَلَدٌ کا معنیٰ ہے نسل بننے والا اور والدٌ کا معنیٰ ہے نسل بنانے والا چوتھا فرق یہ کہ ابنٌ اور اَبٌ عام ہے نطفے اور غیر نطفے کو مگر وَلَدٌ کا معنیٰ نطفہ اور وَالِدٌ کا معنیٰ نطفے والا۔ پانچواں فرق یہ کہ ہر سگا سوتیلا ابنٌ اور اَبٌ ہو سکتا ہے لیکن وَالِد اور وَلَد صرف سگے باپ بیٹے کو ہی کہہ سکتے ہیں۔ چھٹا فرق یہ کہ ابنٌ اور وَلدٌ میں اسی طرح اَبٌ اور والدٌ میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر وَلد ابن ہے مگر ہر ابن وَلد نہیں اسی طرح ہر والد اَبٌ ہے مگر ہر اَبٌ والد نہیں ہے نسبتیں چار قسم کی ہوتی ہیں ۱ نسبتِ تساوی ہے کہ دونوں چیزیں ہر تعداد میں برابر ہوں ۲ نسبت تبایُن دونوں چیزیں بالکل جدا ہوں مثلاً آگ پانی اینٹ پتھر کوئی پانی آگ نہیں کوئی آگ پانی نہیں ۳ نسبتِ عام خاص من وجہ۔ کہ بعض میں اشتراک بعض میں جدائی ۴ نسبت عام خاص مطلق ساتواں فرق یہ کہ ابنیت اور اُبُوّت ختم ہو سکتی ہے مگر ولدیت اور والدیت کبھی ختم نہیں ہو سکتی لیکن عام عربی اصطلاح میں ابن کہہ کر ولد اور ولد بول کر ابن مراد لیا جا سکتا ہے اس طرح اَبٌ بول کر والدٌ اور والِدٌ بول کر اَبٌ مراد لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ابنُ اللہ بول کر وَلدُ اللہ مراد لیا جا سکتا ہے اسی آیت کے قرینے سے۔ اور اَبِیہِ آذَر بول کر مربی مراد ہے نہ کہ والد رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ والی بڑھاپے کی دعا کے قرینے سے غرضکہ اس آیت کریمہ نے اہلِ شرک کے دعوءِ اولادیت کا ایک ایسے عظیم الشان انداز میں بُطلان فرمایا کہ چار باتیں ظاہر ہوئیں ۱ ولدیت اور عبدیت کا فرق ۲ فرشتوں کی عبدیت ۳ فرشتوں کا بارگاہِ الٰہی میں باادب اور مشفق اور پُر رعب و خوف زدہ رہنا ۴ فرشتوں کا رب تعالیٰ کے نزدیک مقرب و مکرم ہونا۔ ملائکہ اپنی رائے اور عقل اپنی تدبیر سے نہ کوئی کلام کرتے ہیں نہ کام نہ پہلے بولنے کی جلدی کرتے ہیں۔ یہ بھی بارگاہِ الٰہیہ کا ادب ہے۔ یہ فرق ہے اولاد اور عباد میں اولاد سراپا نزدیک ہوتی ہے۔ ذات و صفات میں عبا دسراپا عجز و نیاز ہوتے ہیں۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ رب تعالیٰ کے

معبودِ حقیقی اور لاشریک ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ رب تعالیٰ جانتا ہے ان تمام حالات کیفیات اقوال واعمال۔ افعال وکردار کو جو ان ملائکہ کے سامنے موجودگی میں ہو رہے ہیں خواہ ان کے اپنے یا دیگر تمام جہانوں میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور وہ سب کچھ بھی جانتا ہے جو ان کی پیدائش سے پہلے تھا اور جانتا ہے اللہ جو کچھ کائنات میں ملائکہ کر چکے ہیں اور کر رہے یا آئندہ کرنے والے ہیں اور یہ کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس تمام کو جو ان کے سامنے قیامت میں ہونے والا ہے اور اس کو بھی جو دنیا میں گزر رہا ہے اور یہ کہ جانتا ہے رب تعالیٰ ان کو بھی جن کو یہ تمام ملائکہ بھی جانتے ہیں اور ان کو بھی جن کو ملائکہ بھی نہیں جانتے۔ اور ہیبتِ الٰہیہ میں اتنے مرعوب ہیں کہ اپنی مرضی سے کسی کی شفاعت نہیں کرتے سواء اُن ایمان والوں کی جنہوں نے اپنا ایمان وعقیدہ صحیح طریقے سے مرنے تک بچائے رکھا۔ لیکن غفلت وسُستی یا صحبتِ بد کی وجہ سے گناہ کبیرہ وصغیرہ کرتے رہے اور کبھی توبہ کی طرف بھی متوجہ نہ ہو سکے تارک صلوٰۃ وزکوٰۃ وصیام وقیام ہی آخر تک رہے یا توبہ تو کی مگر حقوق اللہ کی قضا کی ان تمام قسم کے لوگوں کی شفاعت ملائکہ بھی کریں گے اس لیے کہ اگرچہ یہ فاسق وفاجر تھے مگر ان کے توحید ورسالت پر سچا باادب ایمان لانے کی وجہ سے رب تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ کیونکہ اصل مضبوط اور شجرِ طیبہ تو اللہ رسول پر ایمان اور قیامت وشریعت پر سچا پکا درست عقیدہ بناتا ہے۔ رہے گناہ وخطایا تو یہ بشری کمزوری کی وجہ سے ابلیسی خرشتیاں اور شیطانی جھاڑیاں ہیں جن کی شاخیں پتلی اور جڑیں کمزور ہوتی ہیں توبہ کی ہمت اور شفاعت کی محنت اور شفقت کی قوت سے اکھاڑ پھینکی جا سکتی ہیں۔ آسمان ہو یا زمین عرش ہو یا فرش دن ہو یا رات یہ تمام ملائکہ باوجود بے گناہ اور معصوم ہونے کے اپنے رب کی عظمت وتعظیم کے پُر جلال دبدبے سے ڈرتے ترسنے والے ہیں اور لرزہ براندام ہے اس لیے کہ وہ سچے بندے اور اللہ تعالیٰ سچا واحد حقیقی خالق ومالک ومعبود ہے اور چونکہ ہر حال سے وہ باخبر ہے اس لیے رعب سے سرنگوں ہیں دم بخود ہیں۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان وتفسیر امام رازی میں ہے کہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج میں ہم نے جبرئیل کو عرش کے پاس ہیبتِ الٰہی سے کٹی ہوئی شاخ کی طرح گرا ہوا پایا۔ میں کہتا ہوں کہ عجیب نظارہ قدرت ہے کہ سردار ملائکہ آج کی رات گری شاخ کی طرح ہیبت وخشیت سے لرز رہے ہیں لیکن سردارِ انبیاء مسکراتے ہوئے لامکان پر جا رہے ہیں وہ شانِ عبدیت کا اظہار ہے اور یہ شانِ محبوبیت کا ظہور۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اس آیت پاک میں بندوں کے عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ہونے کی وجہ اور

طریقہ بتایا جارہا ہے کہ ۱ اللہ کو ہر وقت اپنے پاس قریب اور یَعْلَمُ مَا بَیْنَ (الخ) کی صفت ازلی والا سمجھنا بندے کو مکرم بنا دیتا ہے ۲ جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی ہیبت کی شان زیادہ ہوتی ہے جو بندہ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اتنا ہی زیادہ مکرم ہوتا جاتا ہے اور جتنا مکرم ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ لفظ خوف مشترک ہے چار معنیٰ ہیں ۱ ہیبت کا رعب ۲ عظمت کا رعب ۳ خوف کا معنیٰ اندیشہ ۴ خوف بمعنا تقویٰ ہیبت کے رعب کو اشفاق کہتے ہیں اور عظمت کے رعب کو خشیت۔ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ۔ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ۔ یہ تمام حالات وعادات تو ہمارے مکرم بندوں کے ہیں اور اس لیے مکرم ہیں کہ عابد زاہد مطیع خٰشِعِیْنَ مُشْفِقِیْنَ۔ ہر قول وعمل میں رب تعالیٰ کے حکم کے منتظر۔ بلا مرضی رب کسی بھی مغضوب علیہ اور ضال و مُضل کی شفاعت نہیں کرتے نہ دنیا میں دعا سے نہ آخرت میں التجا سے۔ وہ پیارے تو ہر آن بارگاہِ معلیٰ میں حقیقتاً کلیتاً سرنگوں اور مراقب ہیں۔ لیکن اگر کوئی کبھی بفرض محال اپنے عمل یا قول سے یہ کہدسکے میں ہی یا میں بھی الٰہ ہوں۔ عمل سے اس طرح کہ اپنے آپ کو کسی قسم کا سجدہ کرائے اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے کرانے کے جواز کا قائل ہو جس طرح گمراہ پیر سجدہ تعظیمی کراتے اور جواز کی بیہودہ دلیلیں دیتے پھرتے ہیں۔ قولاً اس طرح کہ منہ سے اپنے معتقدین کو کہیں کہ ہم معبود ہیں ہماری عبادت کرو جیسا کہ سب سے پہلے زمانۂ نوح میں ابلیس نے کہا اور آج تک کہتا چلا آرہا ہے۔ یا جیسے نمرود نے اپنے زمانے میں فرعون نے اپنے زمانے میں کہا۔ یا کوئی بھی تا قیامت شیطانی پھندے میں آکر ایسی بات کہدے تو اس کے تمام اعمالِ صالحہ برباد کرکے نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ۔ اس کو بہت بڑی جہنم کی سزا اس کے اس عمل بد کے بدلے میں ہم دیں گے۔ اور کوئی ان کو چھڑا نہ سکے گا کیونکہ یہ فعل بد اور قولِ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور ہر قسم کے ظالم کو جو اپنا ظلم میدانِ محشر تک اپنے ساتھ لیے چلا آئے ہم اس طرح سزا و جہنم کا بدلہ دیتے ہیں اے مشرکو تم تو اپنے اپنے شرکیہ عقیدے میں انبیا اور ملائکہ علیہم السلام کو ابن اللہ اور بنات اللہ بنائے پھرتے ہو مگر ان مکرمین ومقدسین نے ہمیشہ یہی کہا کہ اَنْتَ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ یا اللہ میں کس طرح الٰہ یا ابن اللہ ہو سکتا ہوں مجھ میں تو الٰہیت کی کوئی بھی قوت یا نشانی نہیں ہے میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تیرے ارادہ اور علم میں کیا ہے۔ لیکن اے اللہ تو میرے ہر حال وزمان کو ہر وقت جانتا ہے اس لیے تو ہی احد ہے صمد ہے لَمْ یَلِدْ ہے وَلَمْ یُوْلَدْ ہے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ: یہ آیتِ پاک ظاہرًا اور لفظاً تو صرف ملائکہ کی معصومیت اور شانِ عبادت کا ذکر فرما رہی ہیں مگر باطناً تاقیامت اہل ایمان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ بارگاہِ قدس کے مکرم و مقرب کے لیے تین عادتیں کرنا ضروری ہیں ۱۔ یہ کہ بندہ کتنا ہی ذی عقل بن جائے مگر اللہ تعالیٰ سے کسی قول میں آگے بڑھنے کی کبھی بھی کوشش نہ کرے۔ نہ رسم ورواج نہ صرف واصطلاح میں نہ عدالتی قانون نہ ملکی انتظام میں کسی بات میں اللہ تعالیٰ کی بات سے سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ کی بات وحیِ الٰہی ہے اور انسانوں کے پاس اب وحیِ الٰہی صرف بذریعے قرآنِ مجید اور حدیثِ پاک ہے اور ان فرمودات نے زندگی کے ہر ہر شعبے میں انسان کی راہیں روشن کر دی ہیں۔ سبقت کرنے کی جرأت وہی کر سکتا ہے جو اپنے قول وقانون کو زیادہ اچھا اور اونچا سمجھے اور یہ وہم ہی ابلیسیت ہے۔ یہ فائدہ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ اور وَهُمْ مُّشْفِقُوْنَ اور عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کتنے بدنصیب اور احمق ہیں وہ مسلمان جو اسلامی قانون کو چھوڑ کر انگریزی قانون کی غلامی میں اب تک جکڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم انگریز سے آزاد ہو گئے۔ دوسرا فائدہ۔ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت ہے اسی سے دینی دنیوی ابدی مرتبے حاصل ہوتے ہیں عظمت عزت کرامت تقربِ حکمت اسی خشیتِ الٰہیہ کے ثمرات ہیں مگر اس کا حصول دو طرح سے ہے بعض خوش نصیبوں کو عبادت وریاضت عاجزی انکساری اور محبتِ الٰہی سے یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے جیسے ملائکہ اور انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اولیاء اللہ وعلماءِ ربانی اور عام لوگوں کو یہ دولت دہشتِ موت، سزاءِ قتل خوفِ محشر اور اسلامی سزاؤں حدود وتعزیرات قصاص وقطاع کے ذریعے ملتی ہے۔ موت کا ڈر ہر جاندار کو فطری ہے یہ ختم نہیں کیا جا سکتا ہاں البتہ اگر یہ ڈر خشیت کر اشفاقِ الٰہی کا سبب بن جائے تو یہی موت تمغۂ مومن بن جاتی ہے اسلامی سزائیں اسی خشیتِ باری تعالیٰ کو پیدا کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں ورنہ بدنصیب لوگ فسق وفجور کی وجہ سے نہ عجز وعبادت میں آتے ہیں نہ خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ نیک بندوں کی یہ نشانی ہے اور بُرِل کو نیک بنانا بھی اشفاق سے ہوتا ہے۔ بعض گمراہ لوگ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ اور سزاءِ موت کو ظلم کہہ دیتے ہیں وہ بدعقل یہ غور نہیں کرتے کہ مجرم انسان وحشی ہی ہوتا ہے اور وحشی کو اسی کے

مطابق سزا ضروری ہے۔ بعض بدبخت اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سزاؤں سے مجرم کو درست اور تائب ہونے کا موقعہ نہیں ملتا۔ جیل کی سزا مجرم کی اصلاح کے لیے مفید ہے میں کہتا ہوں مشاہدہ اس کے خلاف ہے معمولی مجرم بھی جیل سے بڑا مجرم بن کر نکلتا ہے۔ جھوٹے ذرے غلط افسانے بناوٹی کہانیاں سنا کر تو قوم کو ورغلایا جاسکتا ہے مگر حقیقت اور تجربہ اس کے خلاف ہے۔ بندوں کو مُشْفِقُوْن بنانے کے لیے موت کا ڈر ضروری ہے۔ جہاں بھی اسلامی قانون نافذ ہوا۔ وہاں کے بڑے بڑے ظالم مجرم فاسق و فاجر تصورِ سزا سے ہی وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ کے گروہ میں خود بخود سالقہ سے تائب اور آئندہ سے شامل ہو گئے۔ نہ جرائم ہوئے نہ سزا کی نوبت آئی۔ انسانی فطرت وجبلت ہے کہ موت کا ڈر ہوگا تب رب تعالیٰ کا ڈر ہوگا۔ تیسرا فائدہ۔ یہ قانون شریعت ہے کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر وارد نہیں ہوتا۔ جو کرے گا وہ ہی بھرے گا۔ یہ فائدہ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو کفار نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا یہ ان کفار کا بڑا کفر وظلم تھا مگر ان کے اس ظلم کمانے اور کفر بکنے سے ملائکہ کی تکریم و تقرب میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ شریعت اسلامیہ کے علم الاخلاق میں سے بزرگوں کا ادب ہر مسلمان پر واجب ہے خاص کر دینی بزرگوں کا اور ادب واحترام میں سے یہ بھی ایک بہت اہم اور اخلاقی ادب ہے کہ بزرگوں کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کی جائیں اسلام نے جن بزرگوں کا خاص طور پر اہتمام سے ذکر فرمایا ہے وہ سات ہیں ۱ والدہ ۲ والد ۳ استاد خاص کر دینی استاد ۴ دینی بزرگ ۵ اپنا پیشوا ۶ اپنا امام ۷ رشتے میں اپنے سے عمر میں بڑا اگرچہ کسی علم وفن میں وہ عمر والا اپنے اس چھوٹے سے کم تر ہو مگر چھوٹے پر پھر بھی ادب واجب ہے۔ بزرگوں کے سامنے بڑھ بڑھ کر چرب زبانی دکھانا یا ان کے بولنے سے پہلے بولنا اور دوران گفتگو ٹوک بازی کرنا بے ادبی کے علاوہ آداب محفل کے بھی خلاف ہے یہ مسئلہ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ۔ سے مستنبط ہوا کہ ملائکہ کے مؤدب اور باادب ہونے کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ وہ فرمان الٰہی کے صادر ہونے سے پہلے کوئی بات نہیں کرتے۔ بات کرنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ یہاں تو بارگاہ الٰہیہ میں بات کا طریقہ بتایا گیا۔ سورۃ حجرات کی آیت ۲ میں اُمت کو بارگاہ نبوت میں بات کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ اس طرح کے احترام کرنے سے بندے میں عاجزی پیدا ہوتی ہے اور عاجزی ہی سے دنیا و آخرت کی عزت ہے۔ جو شخص بزرگوں کے سامنے بڑبڑ چرچر کرتا رہے وہ متکبر ہو جاتا ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ یہ بات ہر مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ

کفار کے کسی بزرگ کے متعلق کفریہ عقیدے یا عقیدت کی بنا پر اس بزرگ کی بے ادبی اور گستاخی ہرگز نہ کی جائے۔ مثلاً یہودی عیسیٰ علیہ السلام سے بدعقیدگی کرتے ہیں اور عیسائی بدعقیدتی مگر مسلمانوں کو بہرحال عیسیٰ علیہ السلام کا ادب کرنا فرض ہے اسی طرح شیعہ لوگ حضرت علی کے متعلق کچھ بھی کفریہ عقیدت رکھتے پھریں مگر مسلمانوں کو لازم ہے کہ مولیٰ علی شیر خدا کی شرعی حدود و ضوابطہ کے مطابق ان کا احترام قائم رکھیں یہ مسئلہ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ کفار کے کفریہ عقیدے کے باوجود رب تعالیٰ نے فرشتوں کی شان ظاہر فرمائی ۔ تیسرا مسئلہ۔ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور معصوم سے گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں۔ ان میں گناہ کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ یہی شان انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے۔ یہ مسئلہ۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ (الخ) کے پورے کلام سے مستنبط ہوا کیونکہ لَا يَسْبِقُوْنَ اور بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ کی نسبت ملائکہ کی طرف فرمائی یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۔ لیکن دیگر آیت میں فرمایا گیا سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ اس فرق کی کیا وجہ؟ جواب ۔ شرک دو قسم کا ہے ایک شرک جو بدراہٹ اور برابری کا دوسرا شرک اولادیت کا۔ مشرکین پہلے شرک میں بتوں اور حیوانات چاند سورج کواکب شجرات حجرات کو صاف صاف برابر کا الٰہ مانتے ہیں اور ان کو اصلاً یا تصویراً سجدہ کرتے ہیں جب کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی کوئی تکریم و تعظیم نہیں۔ ان کی تردید کے لیے سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى (الخ) فرمایا گیا۔ وہاں صرف رب تعالیٰ کی شان اور مشرکین کا کفر بیان فرمایا گیا۔ بتوں اور اُن جھوٹے معبودوں کی کسی حیثیت کا ذکر نہ کیا گیا۔ مگر دوسرے شرک میں رب کی اولاد ہونے کا عقیدہ بنایا گیا۔ یہ بھی اگرچہ شرک ہے۔ مگر اس میں اولاد کو الٰہ نہ کہا گیا نہ اُس اولاد کے بت بنا کر پوجے گئے۔ اگرچہ کسی کو الٰہ کی اولاد کہنا بھی درپردہ اُس کو الٰہ ہی ماننا ہے کیونکہ اولاد والد کی مثل ہی ہوتی ہے۔ نیز اللہ کی تمام صفات بالفعل اور اللہ تعالیٰ کی الٰہیت بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح قدیم ہے گویا کہ الٰہ ہونا بھی قدیم ہے۔ تو چونکہ جن کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا گیا ہے وہ تمام بذاتِ خود عنداللہ مکرم ہیں۔ اس لیے یہاں اُن مشرکین کی تردید کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کی شان بھی بتائی گئی اور اُن پیاروں کی تکریم بھی ظاہر فرمائی گئی ۔ اس طرح کی طرزِ بیانی سے دونوں قسم کے شرکوں کی حیثیت بیان فرما دی گئی کہ پہلے شرک میں مشرکین اور اُن کے معبودانِ باطل دونوں جہنم کے ایندھن مگر دوسرے شرک میں صرف مشرکین جہنمی ہیں۔ دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ۔ یعنی قیامت میں صرف

اُن کی شفاعت ہو گی جن سے اللہ تعالیٰ خوش اور راضی ہو۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ فاسق وفاجر زانی
چور ڈاکو شرابی فحاشی تارک نماز سے بالکل راضی نہیں لہٰذا اُن کی شفاعت بھی نہیں اور جس کی شفاعت نہیں
وہ ابدی جہنم میں پس ثابت ہوا کہ تارکِ صوم وصلوٰۃ اور گناہ کبیرہ کے تمام فاسقین کافر ہیں۔ اور کافر کی ہی
ابدی جہنم ہے (معتزلی اور موجودہ وہابی) جواب۔ معترض نے اپنے اعتراض میں ابدی جہنم کی خود
ساختہ قید لگا کر یہ اقرار کر لیا کہ یہ اعتراض نہایت کمزور اور بیہودہ ہے اولاً تو یہ یاد رکھنا چاہیئے
کہ ابدی جہنم صرف کفار کے لیے ہے۔ لیکن شفاعت کے نہ ملنے سے ابدی جہنم لازم نہیں اس لیے
بہت سے بڑے بڑے متکبر فساق جن کو شفاعت نہ ملے گی وہ اپنے گناہ کی پوری جہنمی سزا بھگت
کر پاک کر دئے جانے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچ دئے جائیں گے۔ اگر فسق کبیرہ کفر
ہوتا تو ان کو جہنم سے نہ نکالا جاتا دوم یہ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں یعنی جو سب
بدرجہ پسندیدہ بندوں کو ملتی ہیں ان میں پہلی نعمت رضا ہے جب بندہ اللہ رسول قرآن وحدیث
شریعت طریقت عبادت وقیامت پر ایمان لاتا ہے تو اُس کو اس ایمان کے بدلے میں رضاءِ الٰہی کی
نعمت ملتی ہے اور صرف سچا پکا مومن بن جانے سے ہی مَنِ ارْتَضٰى کے زمرے میں داخل کر دیا جاتا
ہے۔ پھر جب وہ اعمال بھی صالحہ کرے گناہوں سے قطعاً بچے تو اُس کو نعمتِ کرامت دیکر اکرام وکرّم بنا
دیا جاتا ہے اور وہ بندہ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ میں شامل ہو جاتا ہے اگر گناہ کرے پھر توبہ تو مغفرت کی
نعمت ملتی ہے توبہ بھی نہ کر سکے۔ مگر نادم رہے تو شفاعت کی نعمت اگر گناہوں پر نادم وشرمندہ
عاجز بھی نہ بنے تو جہنم کی سزا پوری کرنی پڑتی ہے۔ یہاں اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى میں پہلی نعمت کا ذکر ہے۔ جو
صرف مومن مسلمان بننے سے مل جاتی ہے۔ تیسرا اعتراض۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ بنانا
اگرچہ کفر اور بڑا ظلم وادّا ہے مگر شرک نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بت پرستی اور غیر اللہ کو سجدہ
کرنا تو شرک بتایا ہے مگر اولاد ماننے والوں اور کسی کو ابن اللہ یا بناتُ اللہ کہنے والوں کا شرک
نہ کہا۔ جیسے کہ یہاں بھی اور قرآن مجید کی دیگر بہت سی آیات میں جب سُبْحٰنَهٗ کے بعد بت پرستوں
کا ذکر ہوتا ہے تو عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ہوتا ہے۔ جب اولاد کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں شرک کا ذکر نہیں
ہوتا۔ بلکہ یا تو سُبْحٰنَهٗ پر کلام ختم کر دیا جاتا ہے جیسے یہاں اور یا عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ یا هُوَ الْغَنِيُّ فرمایا
جاتا ہے کیونکہ بت پرستی میں غیر اللہ کو الٰہ بنانا ہے اور شرک صرف یہی ہے۔ اولاد ماننے
میں اولاد کے لیے الوہیت کا عقیدہ ضروری نہیں لہٰذا یہ عقیدہ شرک نہیں ثابت ہوا کہ عیسائی
یہودی مشرک نہیں۔ جواب:۔ اصلی شرک تو اولاد ماننا ہی ہے بت پرستی کی شرکت نقلی اور مصنوعی ہے

چارٌ وجہ سے ایک یہ اولاد کی شرکت ذات صفات اور ملکیت میں ہوتی ہے۔ لیکن بُت پرستی کی شرکت صرف کار کردگی میں۔ توں کو صرف شریک کار کہا جاتا ہے دوّم یہ کہ اولاد کی شرکت خود بخود ہوتی ہے دوسروں کی کرائی جاتی ہے سوم یہ کہ اولاد کی شرکت ختم نہیں کی جا سکتی دوسروں کی شرکت ختم کی جا سکتی ہے۔ چہارم یہ کہ اولاد کی شرکت کے اظہار کی ضرورت نہیں اولاد ماننا ہی شریک بنانا ہے۔ دوسروں کی شرکت کا اظہار کرنے سے شرک کا پتہ لگتا ہے۔ لہٰذا رب کے لیے صرف یہ عقیدہ بنانا کہ اُس کی اولاد ہے سب سے بڑا شرک کرنا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ نے اس کو شرک کے لفظوں سے اس لیے ذکر نہ فرمایا کہ اولاد کے دعویدار کفار نے اپنے منہ سے اُس کو شریک نہ کہا بخلاف بُت پرستوں کے کہ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ ہمارے بُت اور دیوی دیوتا رب کے شریک کار ہیں۔ اور اولاد والے الٰہ کی طرح الٰہ ہیں۔ ورنہ اولاد ماننا بھی الٰہ ماننا ہے اسی لیے سورۃ مائدہ آیت ۱۱۶ اور سورۃ توبہ آیت ر ۳۱ میں اولاد ماننے کو الٰہ ماننا ہی فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ اہلِ شر نے اہل خیر کو اپنے فساد میں شامل کرنا چاہا۔ کیونکہ اس دنیاءِ دون میں ہر شخص اپنے گروہ کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے بُرے لوگ بروں کی اور اچھے لوگ اچھوں کی اہلِ شر کو ہزار خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں۔ اہلِ شر نے ہی کہا کہ اہلِ خیر وارث الٰہیات ہیں اور مخلوق نہیں بلکہ مولود ہیں۔ ان کی تردید میں قلب مزکیٰ پیغمبر اسرار کی آواز بلند ہوتی ہے کہ سُبْحٰنَهٗ۔ وہ ذاتِ باری ہر کمزوری سے پاک ہے اس کو کسی وارث کی حاجت نہیں نہ کسی مولود کی ہے۔ اہلِ خیر اپنی خیر خیرات کی بنا پر ایسے مکرم بندے ہیں کہ تعلیم الٰہی صیبتِ ربانی کی وجہ سے اپنے کسی دینی دنیوی قول و عبادت میں جلد بازی اور خود رائی عقل اندازی نہیں کرتے۔ ان کی ہر بات و عبادت اور طریقہ و تعداد و اوقات و نیات اللہ رسول کے فرمودات و ارشادات کے عین مطابق ہوتی ہے اور ذرہ ذرہ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اہل خیر جانتے سمجھتے ہیں کہ اُس نورِ قدیم سے کسی کی کوئی بات و حالات۔ کیفیاتِ سرّات مخفی نہیں وہ خالق تعالیٰ جانتا ہے اُن سب کے موجودات کو اور معدومات و مخفیات کو۔ اس وجہ سے شفاعت بھی نہیں کرتے بجز اُن اہلِ ایمان لوگوں کی جو رب تعالیٰ کے پسندیدہ بن گئے کہ جن کا ایمان رب تعالیٰ کو پسند آ گیا۔ اور مقربِ بارگاہ ہونے کی وجہ سے اُس کی بے نیازی سے لرزنے کانپنے والے

سہے رہتے ہیں۔ اور صبر سے سانس روکے ہوئے ہیں۔ مکرم وہ ہوتا ہے جس کو اخلاق الٰہیہ میں سے کوئی خلق عطا فرما دیا جائے۔ اور خلق اس کو دیا جاتا ہے جو دین رسول اللہ کی دعوت دیتا رہے۔ دعوت سے خُلقیت ہے خلقیت سے عبادت ہے عبادت سے کرامت ہے کرامت سے قربت اور قربت سے جنت وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ

اہل دل کی صحبت و محفل اگرچہ ہمہ خیال مفید ہی ہوتی ہے مگر اس محفل و مجلس کے اثرات و انوار کو قبول کرنے کے لیے عقل سلیم و قلب فہیم لازم ہے۔ ازلی بدبخت اور شریر و خبیث قالب والے ہزار ہا پاکیزہ مجلسوں کے باوجود اپنی جبلی کیفیت کو بدل نہیں سکتے ظاہراً کتنے ہی عجز و سکون کے عابد ہوں مگر انجام کار اندرونی تکبر و رذالت ظاہر کر ہی دیتے ہیں ایسے ہی بدنصیبوں میں سے وہ بھی ہے جس نے عبد ہو کر معبودیت کا دعویٰ رچایا اور کمزور بندہ ہو کر اپنی الٰہیت کا شور مچایا اور خالق ارض و سما کے مقابل اپنی عبادت کا ڈھونگ رچایا چونکہ اس طرح کے ابلیس کے ساتھی قیامت تک مختلف لبادوں میں ہوتے ہی رہیں گے۔ کہ ابلیس اپنی ذریت کے سامنے۔ بادشاہ اپنی رعایہ کے سامنے وزراء اپنے امراء کے سامنے امراء اپنے غرباء کے سامنے گمراہ پیر اپنے مریدوں کے سامنے متکبرانہ انداز میں اپنی ظاہری یا باطنی طرز عمل سے اپنی الٰہیت کا دعویٰ کریں گے۔ ذٰلِكَ وہ آوازہ خر اور دعوے دار شر اس انجام پر ہے کہ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ۔ ہم اس کو جہنم کی ابدی سزا دیں گے۔ اس لیے کہ الٰہیت کا جھوٹا دعویٰ یا اپنے آپ کو سجدہ کرانا ایک عظیم ظلم ہے اور ایسے ظلم کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ ہے کہ ابدی جہنم دی جائے اسی طرح ہم تمام ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتے ہیں جب تک کہ سچی توبہ نہ کریں اور توبہ اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک کہ سچے دل سے مجاہدہ نہ کیا جائے۔ سچے دل کا مجاہدہ وہ ہے جس میں صبر و مستقل مزاجی پائی جائے۔ مجاہدہ نام ہے اپنے نفس امارہ سے جہاد اور لڑائی و مقابلہ کرنے کا ہر کام میں نفس کی مخالفت مجاہدۂ نفس ہے جس میں قلبی صبر اور عقلی تحمل ضروری ہی بندگی کا اقرار اور تکبر ابلیسی کا توڑ ہے سب سے پہلے جھوٹی الوہیت کا دعویٰ اور اپنی عبادت کا چرچہ ابلیس نے کیا اور ابدی جزاء جہنم پائی۔ اس صراط طریقت پر چلنے کے لیے بڑی احتیاط بڑا صبر بہت تحمل کی ضرورت ہے۔ بہترین صبر اور اعلیٰ تحمل وہی ہے جو رب تعالیٰ کی راہ میں کیا جائے کہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اطرف رب تعالیٰ سے ہی لگن رہے۔ اور مراقبۂ خلوت ایسا ہو کہ تمام شیطانی خیالات متکبرانہ تصورات دل سے نکال دے۔ صبر کی چار قسمیں ہیں ۱۔ حرام سے بچنا حلال و فرائض پر استقامت یہ صبر فضیلت

ہے ۲ مفلسی پر ۳ غم و مصائب پر صبر اس طرح کہ ذرہ بھر شکوہ نہ کرے ۴ نعمت پر صبر کہ مغرور نہ ہو حرام و ناجائز جگہ خرچ نہ کرے۔ صبر اہل ایمان کا مقام اور جنت کا زیور ہے۔ رب تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کیا نہ غور کیا ان لوگوں نے جو کافر ہیں اس کو بے شک سب آسمان اور پوری زمین دونوں

کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ

منہ بند ہوتے ہیں تو ہمیشہ ہم نے ہی منہ کھولے ان دونوں کے اور بنائی ہم نے پانی کے ذریعے ہر زندہ

ہم نے انہیں کھولا۔ اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا

شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ

چیز تو کیا اب بھی ایمان نہیں لاتے اور گاڑ دیا ہم نے زمین سے

وہ ایمان لائیں گے اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے

رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا

اندر پہاڑوں کو کہ کہیں مرگ پڑے ان لوگوں کو لے کر اور بنا دیئے ہم نے ان پہاڑوں میں کھلے

کہ انہیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں

سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ

راستے تاکہ یہ لوگ منزلوں تک پہنچ سکیں اور بنا ڈالا ہم نے اس آسمان کو

رکھیں کہ کہیں وہ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا

سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

محفوظ چھت حفاظت کی ہوئی اور یہ کفار اس کی موجود نشانیوں سے بے توجہ منہ پھیرنے والے ہیں۔

شکل کہ بنا دی گئی۔ اور وہ اس کی نشانیوں سے روگرداں ہیں۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا ذکر ہوا کہ تمام مخلوق ملائکہ وغیرہ اس کو معبود تسلیم کرتے ہیں اب ان میں حق تعالیٰ کی ربوبیت اور تمام مخلوق کے لیے بندوبست کا ذکر ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی دلیل ہے کیونکہ ربوبیت معبودیت کی دلیل ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ایک اگلے زمانے کے جہان یعنی جہنم کا ذکر کیا جو سزا و عذاب کا مقام ہے اب ایک ایسے جہان کا ذکر کیا جا رہا ہے جو موجودہ کی حقیقت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کے ذریعہ سے ہی انسان جہنم سے بچ بھی سکتا ہے اور جہنم میں جا بھی سکتا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی کرتوت کا ذکر فرمایا گیا کہ سب تعالیٰ کے علاوہ دوسری مخلوق کو اپنی من پسندی سے معبود بنائے پھرتے ہیں حالانکہ وہ ملائکہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں اس کے حکم سے ہی کام کرتے ہیں اب ان آیات میں ان کاموں کی مختصری فہرست بیان فرمائی جا رہی ہے جو رب تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے کرواتا ہے۔

تفسیر نحوی

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ہمزہ استفہام کا ہے واؤ عاطفہ زائدہ صرف ہمزہ کی تفخیم (ابھار) کے لیے ایک قرأت میں اَلَمْ يَرَ واؤ کے بغیر ہے ایک قول میں اَوْ حرف عطف تفسیری ہے چونکہ یہاں سوال انکاری کے لیے ہے یعنی رؤیت کی نفی کا انکار اور نفی کی نفی ثبوت ہوتا ہے لہٰذا واؤ پر زبر آیا۔ خیال رہے کہ اَوْ عاطفہ گیارہ معنی کے لیے مستعمل ہو جاتا ہے ۱ تخییر ۲ شک ۳ ابہام ۴ تفصیل ۵ اباحت (جواز) ۶ استثناء ۷ بمعنی واؤ وصل (اگرچہ) ان معنوں میں اَوْ سکونِ واؤ سے ہوتا ہے ۸ وضاحت ۹ ثابت کرتے ۱۰ تردید (انکار) ۱۱ سوال کے لیے ہو تو اَوَ بفتح الواؤ ہوگا۔ لَمْ يَرَ باب فتح کا فعل مضارع منفی جحد بلم معروف واحد مذکر غائب چونکہ فاعل اَلَّذِيْنَ جمع اسم ظاہر ہے اس لیے فعل عامل صیغہ واحد آیا لیکن معنا جمع ہی ہے دراصل تھا يَرْاَيُ رَاٰيٌ سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا۔ پہلے طرف کی ی گر گئی ما قبل الف زائدہ کی وجہ سے يَرَا ہو گیا پھر لَمْ کے جزم کی وجہ سے آخری حرف علت الف گر گیا۔ اَلَّذِيْنَ اسم

موصول جمع مذکر کَفَرُوْا بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے
یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر فاعل ہے لَمْ یَرَ کا۔ اَنَّ حرف تحقیق السَّمٰوٰت
اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے سَمَاءٌ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضَ اسم واحد مؤنث لفظی سماعی دونوں یعنی
سمٰوات والارض بحالتِ نصب ہے کیونکہ اسم ہے اَنَّ کا اور سمٰوات چونکہ معطوف علیہ ہے واحد الارض
کا اس لیے یہ جمع بھی واحد کے درجہ میں ہے اور یہ دونوں تثنیہ کے درجہ میں ہیں بدیں وجہ کَانَتَا فعل
ناقصہ تثنیہ آیا نہ کہ جمع کیونکہ دونوں کا کلیت مراد ہے یعنی پورے آسمان اور پوری زمین ھُمَا ضمیر پوشیدہ
اسم ہے کانتا کا مرجع ہے۔ سمٰواتِ وَالارض رَتْقًا اسم مصدر بمعنیٰ اسم مفعول مَرْتُوْقٌ۔ رَتْقٌ کے معنیٰ
ہیں پیدائشی اور ابتدائی وقت سے منہ بند ہونا۔ خیال رہے کہ سَدٌّ غَلْقٌ اور رَتْقٌ تینوں کے معنیٰ
بند ہونا مگر فرق یہ ہے کہ غلقٌ بمعنیٰ بعد میں بند کرنا اسی کو اسی کے جسم اور جز سے بند کرنا۔ مثلاً ہونٹ
سی دینا یا کواڑ بند کر دینا۔ سَدٌّ بمعنیٰ کسی دوسری چیز سے بند کرنا۔ یعنی آڑ لگا دینا رَتْقًا آخر کا الف
تنوینِ مفتوح کی وجہ سے ہے خبر ہے کانتا کی ایک قرأت میں رَتَقًا ہے ت کے زبر سے سب مل کر جملہ فعلیہ
ناقصہ ہو کر معطوف علیہ فَ حرف عطف بمعنیٰ ثُمَّ عاطفہ فَتَقْنٰا۔ بابِ ضَرَبَ یا نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع
متکلم فَتْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کھول دینا۔ چیر دینا جدا کرنا کا نَا ضمیر متکلم اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ
ھُمَا ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع ہے سمٰوٰت وَالْاَرْضَ فَتَقْنٰا کی کیفیت کیا ہے اس میں تین قول ہیں۔
وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں کی جائیگی۔ یہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ جَعَلْنَا بابِ فَتَحَ کا ماضی
جمع متکلم لفظِ جَعْلٌ اگر متعدی بیک مفعول ہو تو بمعنیٰ پیدا کرنا اگر بدو مفعول ہو تو بمعنیٰ تبدیل کرنا یہاں
بیک مفعول ہے معنیٰ ہے ہم نے پیدا کیا پانی سے ہر اس کو جو اب موجودہ نظر آ رہی ہے اگر متعدی بدو
مفعول مانا جائے تو حَیًّا پڑھا جائے گا اور معنیٰ ہوگا کہ ہم نے باقی و زندہ رکھا ہر چیز کو پانی کے ذریعے کہ
پانی کے بغیر کوئی چیز باقی اور زندہ نہیں رہ سکتی پہلی متعدی میں جعلٌ بسیط ہے متعدی بدو مفعول ہو تو
جعلٌ مرکب ہے۔ مِنَ الْمَاءِ یہ جار مجرور متعلق ہے کُلَّ مضاف شَیْءٍ حَیٍّ موصوف صفت مرکب توصیفی مضاف
الیہ ہے کُلَّ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَتَقْنَا کے جملے پر
یہ دونوں معطوف پھر عطف ہیں کَانَتَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اَنَّ ہوئی اَنَّ اپنے اسم خبر سے
مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَمْ یَرَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَفَلَا۔ ہمزہ
سوالِ تردیدی کے لیے یعنی یہ برا ہے ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ اسی کی وجہ سے سابقہ پورے
جملے پر عطف ہے مابعد کا دراصل تھا فَ اَلَا ثقل کی وجہ سے ہمزہ پہلے ہوئی لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ بابِ افعال

کا مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع کفار مکہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ واؤ عاطفہ اس کے مابعد جملے کا عطف ہے ماقبل عبارت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ پر جَعَلْنَا جَعْلٌ سے مشتق ہے اور دو معنی میں مستعمل ہے ۱ ہر قسم کے نیت سے ہست کرتے ہیں ۲ بدنا ۳ ڈالنا ۴ مضبوط لگا ڈ بنا ۵ حالات پھیرنا ۶ ایجاد کرنا ۷ بلیط کرنا ۸ نامزد اور مقرر کرنا ۹ بنانا ۱۰ سنوارنا ۱۱ پسند کرنا یہاں مراد ہے گاڑ دینا فِی حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ اَلْاَرْضِ الف لام عہد خارجی یہ جار مجرور متعلق ہے رَوَاسِیَ۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے رَاسِیَۃٌ مونث لفظی سماعی چونکہ غیر ذوی العقول ہیں اس سبب سے اس کی جمع مذکر بھی آسکتی ہے جیسے یہاں اور مونث بھی آسکتی ہے جیسے رَاسِیَاتٌ مفعول بہ ہے رَسُوٌّ سے مشتق ہے اسم فاعل ہے بمعنیٰ ایک ہی جگہ سخت مضبوطی سے ٹھہرنے والی چیز جمع مذکر سالم میں آکر یہ اسم جامد ہو گیا مراد ہے پہاڑ جو زمین کی کیلیں ہیں تاکہ زمین چل نہ سکے ایک جگہ ساکن رہے قرآن مجید میں تقریباً چوبیس مختلف آیت میں سکونِ زمین کا عبارۃً اشارۃً دلالۃً اقتضاءً تذکرہ فرمایا ہے ہم ان شاء اللہ اس کی تفصیل عالمانہ تفسیر میں ذکر کریں گے۔ اَنْ حرفِ تعلیلیہ دراصل ہے لِاَنْ کا۔ (لِئَلَّا) اَنْ ناصبہ کے قرینے سے بمعنیٰ تاکہ نہ لِئَلَّا کو حذف کر دیا گیا تَمِیْدَ۔ باب ضَرَبَ فعل مضارع واحد مونث غائب ھِیَ ضمیر صیغہ مرجع اَلْاَرْضَ مَیْدٌ سے مشتق بمعنیٰ ہلنا۔ سرکنا۔ چلنا اسی سے ہے مائدہ بمعنیٰ دسترخوان کیونکہ وہ بھی چلتا پھرتا ہے کہ اٹھایا بچھایا جاتا ہے بِ جارہ بمعنیٰ مَعَ یعنی ان کے ساتھ یا تعدیہ کی ہے یعنی ان کو لے کر ھُمْ ضمیر کا مرجع تمام اہلِ زمین مخلوق مگر چونکہ اصل مخلوق انسان ہے اس لیے ضمیر جمع مذکر آئی یہ جار مجرور متعلق ہے تَمِیْدَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی جَعَلْنَا کے جملے کی جَعَلْنَا اپنے ضمیر بارز فاعل اور متعلق۔ مفعول بہ اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ جَعَلْنَا فعل با ضمیر بارز جمع متکلم فاعل فِیْھَا ھَا ضمیر کا مرجع اَرْض ہے یہ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا۔ فِجَاجًا اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے فَجٌّ بمعنیٰ پہاڑی راستہ۔ خیال رہے کہ فَجٌّ اور وادی دونوں ہی پہاڑی راستے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ پہاڑوں کے درمیان گلی اور سڑک کی طرح راستہ فَجٌّ ہے لیکن پہاڑی علاقے میں میدانی جنگل کی شکل کا راستہ وادی ہے۔ یہ ترکیب نحوی میں مُبْدَل مِنْہ ہے سُبُلًا اسم جمع مکسر واحد ہے سبیل یہ جمع تعلیلی ہے۔ بمعنیٰ عام رستہ یہ بدل اول ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہوا لَعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ باب افتعال کا ماضی احتمالی برائے تعلیل بمعنیٰ تاکہ اس کا مصدر ہے اِھْتِدَاءٌ ترجمہ ہے ہدایت پالینا منزل پر پہنچنا عقل و سمجھ آجانا۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا جَعَلْنَا کا جَعَلْنَا اپنے فاعل اور متعلق و مفعول بہ اور مسبب سے مل کر جملہ فعلیہ سببیہ ہو کر

معطوف ہوا دونوں عطف مل کر سابقہ کلام پر عطف ہو گیا۔ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَّهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۔ واؤ عاطفہ یا سر جملہ۔ سَقْفًا اسم مفرد اس کی جمع مکسر ہے سقوف بعض نے کہا اس کی جمع ہے سُقُفًا جیسے دُهْنٌ کی جمع دُهُنٌ مگر یہ ہے سُقُفٌ جمع ہے سَقِيفٌ بمعنی عارضی چھت کی جیسے کَثِيبٌ کی کُثُبٌ ایک قول میں سُقُفًا جمع الجمع ہے یعنی سَقْفٌ کی جمع سُقُوفٌ اور سُقُوفٌ کی جمع سُقُفٌ ہے مگر پہلا قول درست ہے۔ یہاں جَعَلْنَا بمعنی اختیار کرنا یا بناوٹ کرنا یہ متعدی بدو مفعول ہے اَلسَّمَاءَ پہلا مفعول یہ مراد ہے دنیوی پہلا آسمان سَقْفًا ذوالحال ہے یا موصول محفوظًا حال یا صفت ہے دونوں مل کر مفعول دوم ہے جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا یا سابقہ کلام پر عطف ہے واؤ سر جملہ ہُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا عَنْ آيَاتِهَا یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ ھَا ضمیر کا آسمانِ دنیا اور آیات سے مراد چاند سورج ستارے رات و دن جن کی تفصیل اگلی آیت میں آ رہی ہے اور نیلگوں رنگ وغیرہ آیت یعنی نشانی یعنی دلالت کرنے اور کسی چیز کا پتہ بتانے والی مُعْرِضُونَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت رفع ہے کیونکہ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ان آیات میں قرآء کے اختلافی اقوال ۱ اَوَلَمْ يَرَ ایک قول میں اَلَمْ يَرَ ۲ رَتْقًا ایک قول میں رَتَقًا بفتحہ ت ہے ۳ شَيْءٍ حَيٍّ ایک قول میں شَيْءٌ حَيًّا نصب سے۔ یا صفت ہے کُلَّ کی یا مفعول دوم ہے جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کا ۔ ۴ عَنْ آيَاتٍ جمع ہے ایک قول میں عَنْ آيَتٍ واحد ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۔ باری تعالیٰ کی توحید و یکتائی پر اتنے دلائل دیکھنے سننے سیکھنے تاریخوں میں پڑھنے مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی اگر یہ کفار ایک سچے معبود پر عقیدہ و ایمان نہیں لاتے تو کیا ان تمام لوگوں نے جو بلا دلیل صرف اپنے باپ دادوں کی اندھی پیروی اور لوگوں کے کہنے میں آکر محض نادانی سے کافر بنے پھر رہے ہیں دن رات کے ان گزرتے زمانوں اور زندگی کے سامانوں میں اپنے دل و دماغ کی بصیرت اور آنکھوں کی بصارت سے یہ بھی نہ دیکھا یا غور عبرت کے طور مشاہدہ نہ کیا کہ یہ پورے آسمان اور ساری زمین دونوں کس طرح ایک دم مکمل اپنی نعمتوں روشنیوں چاندنیوں بارشوں۔ اور کھیتوں سبزیوں پھل پھول کی۔ اترنے نکلنے اگنے سے بند ہو جاتے ہیں کہ ہر طرف خشک سالی کا دور قحط کا شور پڑ جاتا ہے ہر بندہ تڑپ جاتا ہے پھر اس وقت کوئی دیوی دیوتا بت مورتی پتھر لکڑی کوئی بھی کسی کی مدد کو نہیں پہنچتا ان بندشوں کو نہیں کھولتا ان حالات میں بھی ہم نے ہی ان دونوں زمین و آسمان کو کھولا اس طرح کہ آسمان سے دھوپ چاندنی اور

بارشیں ہوائیں بھیجیں جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور زمین نے زندہ ہو کر اپنی کھیتیاں سبزیاں باغ کھلیاں
نباتات کھل کر باہر نکال دیئے۔ اور آسمان کی طرف سے آنیوالی بارشوں کے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنا دیا اور
پانی سے ہی ہر چیز کو زندہ رکھا کہ زندگی کا وجود بھی پانی سے اور زندگی کی بقا بھی پانی سے۔ دوسری تفسیر کیا
کفار نے اپنے عقل و شعور یا سابقہ کتب آسمانیہ کو پڑھنے والوں کی زبانی نہ سنا کہ سب آسمان اور پوری
زمین پہلے دونوں ایک ہی جگہ جڑے پڑے تھے۔ تو ہم نے ان کو چیر کر علیحدہ کر دیا آسمانوں کو سات عدد
میں بلندیوں پر قائم و جامد کر دیا زمین کو وہیں پڑے رہتے دیا اور ہم نے پانی سے ہی ہر چیز کا وجود
بنایا۔ اور اسی پانی سے زندگی بخشی اس طرح کہ سب سے پہلے قدرتِ کبریائی سے ایک جوہر پیدا
ہوا پھر جلالِ کبریائی سے وہ جوہر پگھل کر پانی بنا اور پوری کائناتِ فضائی میں پانی ہی پانی ہو گیا یہ پہلی تخلیقی
مخلوق ہے پھر رحمتِ کبریائی سے پانی میں حرکت پیدا ہوئی حرکت سے جھاگ بنے اور بخارات اُٹھے جھاگ جم کر زمین بن گئی اور بخارات اور پہاڑ
سات آسمان بنا دیئے گئے پھر آسمانوں میں کواکب اور زمین میں نباتات شجرات حیوانات و انسان بنا دیئے گئے
پیدائش کے بعد بھی یہ تمام مخلوق زمینی پانی کی حاجت مند اور پانی سے ہی زندہ موجود ہے ان تمام باتوں قدرتوں
حکمتوں کو دیکھتے جانتے ہوئے بھی اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔ کیا پس یہ عقل کے ضدی ایمان نہیں لاتے نہ تدبر و
تفکر کرتے ہیں کہ یہ دیوی دیوتا اور دیگر معبودانِ باطل جب کسی قدرت و قوت میں اس کے مشابہ نہیں تو
عبادت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔ ذرا سی عقل والا بھی اس کو سوچ کر ایمان لے آتا ہے۔ اسی سورۃ
کی آیت ۲۲ میں ارشاد ہے کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ یہاں ان آیات میں چھ طرح اس
فرمان پر دلائل قائم کئے گئے ہیں اس اندازِ لطیف میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ آسمان و زمین تو دن رات نئی نئی
نعمتوں سے شاد آباد ہو رہا ہے اس کی خوشنمائی بڑھتی ہی جا رہی ہے فساد اور ٹوٹ پھوٹ سے بچے ہوئے
ہیں یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ ساری کائناتِ سمٰوٰت وَالْاَرْض میں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی معبود مُلکین
ہے۔ پہلی دلیل۔ آسمانوں اور زمین کا بند ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اُس کو کھولنا یہ آسمان و زمین کی سلامتی و آبادی
ہے نہ کہ فساد اس لیے ہے کہ معبود ایک ہے نہ کہ چند۔ دوسری دلیل۔ پانی سے ہی ہر چیز کو پیدا کیا گیا
اور پانی سے ہی ہر چیز کو قائم و زندہ رکھا گیا۔ یہ بھی وَحْدَهٗ لاشریک اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہے آسمان
اور زمین کی تعمیر و آبادی ہے۔ پانی وہ عظیم نعمت ہے کہ ہر جاندار و نباتات اسکا ہر وقت سخت محتاج
ہے اسی لیے جاندار و شجرات پر پانی بند کرنا ظلم عظیم ہے اس کا بڑا عذاب ہے تاریخ عالم میں سب سے
پہلے یزید پلید نے پانی بند کیا۔ یزید اگر کافر نہیں تو کفار سے زیادہ بڑا ظالم ضرور ہے۔ رعایہ اور فوج
کو ظلم کی کھلی چھٹی دینا بھی بادشاہ کا ہی ظلم ہوتا ہے۔ تیسری دلیل۔ زمین پانی پر پڑی تھی مثل کشتی اسی

کو آباد کرنے مخلوق کو بسانے کے لیے اس کا ایک جگہ ساکن وجامد ہونا ضروری تھا اس لیے رب تعالیٰ نے اس کے
اندر پہاڑوں کی کیلیں ٹھونک دیں تاکہ نہ ہلے نہ چلے اگر یہ کیلیں نہ ٹھونکی جاتیں تو زمین پانی پر ہلتی رہتی اور ہوا
کے زور اور دباؤ سے چل پڑتی۔ تو کوئی عمارت سلامت نہ رہتی کوئی مخلوق قیام و رہائش نہ رکھ سکتے۔ ویرانی
بربادی اور ٹوٹ پھوٹ کا فساد مچ جاتا آبادی نہ ہوسکتی یہ زمین تو ذرا سا جزوی علاقائی زلزلہ برداشت نہیں
کرسکتی مضبوط ترین عمارتیں بھی گر جاتی ہیں زمین میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں جنگلات کھیت وکھلیان باغ بلیچے
تباہ ہو جاتے ہیں تو مسلسل حرکت وگردش کب برداشت کرسکتی تھی اس کو ایک جگہ ساکن کر دینا سیارگی آوارگی
سے روکے رکھنا بھی اُس کی سلامتی کے لیے ہے۔ اگر بجز باری تعالیٰ اور دوسرا بھی کوئی معبود ہوتا تو یہ سلامتی
نہ رہتی کھینچا تانی شروع رہتی۔ اس لیے اس سلامتی کو ماننے کے لیے جس کا عقل وشعور مشاہدہ کر رہی ہے
ایک معبود پر ایمان وعقیدہ ضروری ہے۔ بدنصیب وبدعقل ہیں جو اب بھی شرک کر رہے ہیں۔ چوتھی دلیل۔ رب تعالیٰ
واحد ویکتا نے ہی پہاڑوں میں کھلے کھلے راستے بنا دیے تاکہ لوگوں جانوروں مال برداری کی گاڑیوں کے چلنے
میں آسانی ہو۔ زمین کی چہل پہل آبادی سفری تجارتی سہولت قائم رہے یہ پہاڑوں میں کھلے راستے قدرت
وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ کی بہت بڑی نعمت ہے ان راستوں کی مضبوطی وفراخی بھی عجیب شاہکار ہے اور یہ
راستے ابتداءِ آفرینش سے ہی بنا دیے گئے ہیں ان راستوں میں انسانوں کے لیے بے شمار ہدایتیں
ہیں۔ پانچویں دلیل۔ آسمانِ اوّل کو زمین کی بہترین مضبوط خوب صورت چھت بنا دیا گیا جو ہر طرح
تاقیامت محفوظ ہے۔ یہ شاہکار بھی وحدہٗ لاشریک معبودِ عٰلمین کی ہی قدرتِ یکتائی ہے۔ چھٹی دلیل
اگلی آیت ۳۳ میں بیان فرمائی گئی ہے ان دلائل میں دو چیزیں سمجھائی جا رہی ہیں ایک یہ کہ زمین آسمان
میں فساد نہیں بلکہ عجیب حصولِ ترتیب عالَم کی سلامتی وآبادی ہے اگر دو معبود ہوتے تو ایسی ترتیب
وخوش نما رونق نہ ہوتی۔ دوم یہ کہ اِلٰہ اور عبادتِ بندگان کا مستحق صرف وہ ہے جو ان قدرتوں حکمتوں
نعمتوں کا مالک ہو کسی غیر اللہ میں یہ طاقت کہاں لہٰذا کوئی غیر اللہ اِلٰہ نہیں ہوسکتا۔ اور عبادت
کا حق دار بھی نہیں اسی لئے کسی غیر اللہ کو کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں نہ سجدۂ عبادت نہ سجدۂ تعظیمی۔ پہلا کفر
ہے دوسرا حرام تو اے بے عقلو تم کیوں فضول عبادتوں اور سجدہ ریزیوں میں زندگی برباد کر کے جہنم
کما رہے ہو یہ بُت تو نہ ذرہ بھر نفع دے سکیں نہ نقصان کر سکیں غرضکہ یہ آیت سابقہ آیت کی تاکید
ہے خیال رہے کہ شرکیہ سجدۂ عبادت بُت پرستی ہے اور سجدۂ تعظیمی پیر پرستی ہے آسمانوں اور زمین کا رتقا
ہونا بھی عین مصلحت ہے اور فتق ہونا بھی رتق میں جنات اور ملائکہ کے فوائد تھے اور فتق ہونے میں انسانوں
حیوانوں کی مصلحتیں نعمتیں اور فوائد۔ یہ سب ہی حی ہیں۔ حَیٌّ اور حیوانٌ میں فرق یہ کہ ہر حیوان حَیٌّ ہے مگر ہر حَیٌّ

حیوان نہیں. جیسے جنات فرشتے حور و غلمان حی ہیں حیوان نہیں۔ انسانوں سے پہلے یہاں ملائکہ اور جنات تھے ان کے لیے رتق ضروری و مفید پھر انسان پیدا کئے گئے تو ان کے لیے فتق ضروری۔ رتق کا زمانہ بھی ہزار سال اور فتق کا بھی خیال رہے کہ عربی میں بند کرنے کے معنی میں پانچ لفظ ہیں اور ان کے مقابل کھولنے کے معنیٰ میں بھی پانچ ہی لفظ ہیں ۱۔ رتق۔ ڈاٹ لگ جانے سے بند ہونا اس کے ہٹ جانے سے کھل جانا فتق ہے بانجھ عورت کو اسی معنیٰ میں رتقاء کہتے ہیں کہ اس کے رحم پر جھلی یا گوشت کی تہ جیسے ڈاٹ لگ جاتی ہے آسمان و زمین جڑے ہونے کی وجہ سے پہلے ایک دوسرے کی ڈاٹ بنے ہوئے تھے پھر جدا کئے گئے اس لیے رتق اور فتق کا لفظ استعمال فرمایا گیا ۲۔ ضمٌ رسی یا کنڈی سے باندھنا۔ فتحٌ رسی یا کنڈی کھول دینا ۳۔ سدٌ۔ آڑ کھڑی کر کے بند کرنا روکنا۔ آڑ ہٹا دینا کشف ہے ۴۔ غلقٌ۔ موٹا پردہ یا غلاف چڑھا کر بند کرنا فجرٌ وہ غلاف یا پردہ یا چھلکا اتار دینا ہٹا دینا ۵۔ التحامٌ۔ موٹا ہو کر کسی جسم کا بند ہو جانا مثلاً گوشت پر گوشت چڑھ جانا فطرٌ دبلا ہو کر وہ مٹاپے کی بندشیں ہٹ جانا۔ روزے کی افطار کو اس لیے افطار کہتے ہیں کہ ہونٹ اور منہ کھولا جاتا ہے وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ۔ اور اے انسانو یہ بھی سلامتی زمین اور آبادی جہان ہے کہ ہم نے زمین کے اندر بہت نیچے تک بڑی بڑی کیلیں ٹھونک دیں۔ یعنی زمین مثل کشتی ہے پانی پر زمین پر بوجھ بنا کر نہ رکھا گیا بلکہ اندر گہرائی تک یہ پہاڑوں کی کیلیں گڑھی ہوئی ہیں تاکہ یہ زمین اپنے رہائشی مقیموں اور ان کی عمارتوں اقامت گاہوں کو لے کر چل نہ پڑے کہیں زمین میں ٹوٹ پھوٹ کا فساد مچ جائے۔ اور ہم نے ہی ان پہاڑوں اور پہاڑی رواسی کے بیچ بیچ میں پہاڑوں کو ہٹا کر ایسے ایسے راستے بنائے ہیں جو کھلے بھی ہیں اور گہرے بھی تاکہ زمین میں رہنے والے آتے جانے میں سفر کرنے چلنے پھرنے جانور چرانے کی راہ بری و راہنمائی کی ہدایت پائیں لفظ فِيْ سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہاڑ زمین کے اندر گہرائی تک ہیں پہاڑ اور پہاڑی راستے بھی قدرت کے عجیب شاہکار ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی پہاڑ بنا سکتا ہے نہ پہاڑی راستے۔ مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے سخت مخلوق کونسی ہے آپ نے فرمایا پہاڑ کہ ان کو رواسی یعنی کیلیں فرمایا گیا اُن سے زیادہ سخت لوہا کہ اس سے پہاڑ کو توڑا جاتا ہے لوہے سے سخت آگ کہ لوہے کو پگھلا دیتی ہے آگ سے زیادہ پانی کہ بجھا دیتا ہے پانی سے زیادہ بادل کہ پانی کو اٹھائے جاتے ہیں۔ بادل سے زیادہ ہوا کہ اڑائے پھرتی ہے ہواؤں سے زیادہ سخت انسان کہ ہواؤں پر غالب طوفانوں میں ثابت رہتا ہے انسان سے زیادہ غم کہ نڈھال کر دیتا ہے غم سے زیادہ نیند کہ غم ختم کر دیتی ہے اور نیند سے سخت

موت کو سب پر غالب ہے۔ پہاڑوں میں اٹھارہ قسم کے راستے ہیں ۱؎ غار نما ۲؎ وادی نما ۳؎ نالہ نما ۴؎ گہرا ۵؎ تنگ ۶؎ کھلا ۷؎ پگڈنڈی ۸؎ مشرقی ۹؎ مغربی ۱۰؎ شمالی ۱۱؎ جنوبی ۱۲؎ فوقی یعنی سطحی ۱۳؎ تحتی یہ انسانوں حیوانوں اور گاڑیوں کے لیے ہیں ۱۴؎ پانی کے لیے دریائی ۱۵؎ برساتی ۱۶؎ چشموں کی نرگسیں ۱۷؎ نہریں ملی راہیں ۱۸؎ نباتاتی فجاجا کو مقدم فرما کر حال ذوالحال بنا کر ثابت فرمایا کہ یہ تمام راستے شروع سے ہی خلقت جبال کے وقت ہی بنا دیئے گئے تھے۔ ان راستوں کے پانچ فائدے ہیں ۱؎ ان کی وجہ سے تمام پہاڑ جدا جدا ہو گئے ۲؎ اس وجہ سے پہاڑوں کے نام رکھے گئے ۳؎ ناموں کی وجہ سے گنتی آسان ۴؎ گنتی سے شناخت آسان ۵؎ شناخت سے ہدایت سفر اور ان کے جانے کی رہنمائی آسان۔ یہ فجاجا سبلا بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ سائنسی مشینوں سے پہاڑوں کو کھود کھرچ کر چھوٹے چھوٹے راستے چھٹی ہوئی سڑکیں تو بنائی جا سکتی ہیں مگر پہاڑوں کو جدا جدا کر کے بڑے چھوٹے تنگ و فراخ راستے نہیں بنائے جا سکتے۔ اب بھی اگر یہ کفار احسان باری تعالیٰ نہ مانیں اور وحدانیت الٰہی پر ایمان نہ لائیں تو ان کی بدقسمتی وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ اور اپنے بندوں پر ہماری کتنی عظیم رحمت و شفقت ہے کہ ہم نے ان کے لیے بغیر ستونوں کے نہایت محفوظ بلند خوب صورت مضبوط ایک جگہ ساکن اور وسیع آسمان کی چھت بنا دی جو تاقیامت باقی و مزین منور ہے جو محفوظ ہے شیطانوں کی چوری چکاری سے خوب صورت ہے شمس و قمر ستاروں کی چمک دمک سے مضبوط ہے ٹوٹ پھوٹ کے فساد سے بلند اتنی کہ کسی بشر کی طاقت نہیں کہ افلاک کو اپنی زد میں لا سکے کسی انسان کی ہمت نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے ساکن ایسی کہ بلندیوں پر پہنچ کر بھی کروڑہا سال سے ایک جگہ قائم و موجود اس لیے کہ سیارہ نہ خود کسی غیر کی چھت بن سکتا ہے نہ اس کی کوئی دوسرا چھت بن سکتا ہے۔ فرش و سقف کا ساکن یا آپس میں جامد ہونا لازم ہے یہ وہ آیتیں اور نشانیاں ہیں جو بتا رہی ہیں کہ کائنات میں فقط ایک ہی الٰہ العالمین ہے اور یہ سب رونقیں۔ زینتیں۔ منفعتیں بلندیں۔ پختگیں مضبوطیں حفاظتیں، خوشنمائیں راحمائیں توحید کی نشانیاں ہیں کہ سورج سے اشتماء ہوئی چاندنی استضیاء لیلی ستاروں سے اضداء اور امطار سمائی سے جلوۂ ارضی قائم ہے تاقیامت اور جس طرح دنیا والے فرش مکان کو رنگ برنگ چپس۔ پلستر قالین فرنیچر ساز و سامان سے اور چھت کو عمارتی بلندی سے بلبوں کی روشنی سے فانوسوں کی چمک سے برقی مرچوں کی دمک سے برقی پنکھوں کی سرسراہٹ سے ہیروں موتیوں کی جھلملاہٹ سے جھنڈیوں کی تزئین سے فٹنگ کی

ترتیب سے سجاتے ہیں اور اس سجاوٹ سے اپنے دل کو خوش دماغ کو تازہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو خوش و خرم مسرور کرنے کے لیے فرش زمین کو نباتاتی موسیاتی ہواؤں بہاروں سے اور آسمانوں کو چلتے پھرتے شمس و قمر کواکب سے سیاروں کی فضاؤں سے مزین فرمایا۔ لیکن کورچشم کفار کا حال یہ ہے کہ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ۔ ان دلیلوں عبرت ساعتوں، کیفیات حرکات وتاثیرات بہارات۔ مغارب اشراق و مشارق انوار مطلع شموس و اقمار۔ انفصال لیالی و اتصال ایام اس ترتیب عجیب و حساب تقویم پر ذرا غور نہیں کرتے کہ یہ کارخانہ عالمیان گہوارہ آدمیان کس وحدہ لاشریک کا دست قدرت چلا رہا ہے۔ بس اندھی عقل اور غافل دل ضمیر سست اور آنکھیں بند ہو کر مُعْرِضُونَ یعنی منہ پھیرنے توجہ ہٹانے شعور گھٹانے کفر بڑھانے جہنم کمانے جنت گنوانے والے بنے ہوئے ہیں نہ حکمت بالغہ کو جانتے ہیں نہ قوت باہرہ کو سمجھتے ہیں نہ قدرت کاملہ کو پہچانتے ہیں لہٰذا نہ انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں کیسی نقصان دہ بات و بدنصیبی ہے۔ مفسرین کے مختلف اقوال سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے رتق و فتق میں مفسرین کے چھ قول ہیں اوّل یہ کہ آسمان و زمین قحط سے بند ہو جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہی ان کو کھولتا ہے آسمانوں کا رتق بارشوں فضاؤں کا بند ہونا ہے جس کا تعلق برجوں سیاروں سے اور بساتے سارے آسمانوں پر اس لیے قحط میں سب آسمان بند ہوتے ہیں زمین کا رتق نباتات کا نہ اُگنا ہے قحط کا ختم ہونا دونوں کا فتق ہے۔ بارش سے زمین کا مردہ ہونا بنجر اور خزاں زدہ ہونا ختم ہو جانا ہے زمین کی بہاریں زمین کا فتق ہے۔ دوم یہ کہ رات چھا جانا زمین و آسمان کا رتق ہے دن نکل آنا فتق ہے۔ رات خود چھا جاتی ہے اور پہلے ہے دن بعد میں رب تعالیٰ نکالتا ہے۔ چنانچہ سورۃ یٰسٓ آیت ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ۔ ہم نکالتے ہیں اس رات میں سے دن کو۔ سوم قول یہ کہ یہاں ابتداء خلقت کا ذکر ہے کہ پہلے آسمان و زمین دونوں ایک تختے کی طرح جڑے ہوئے تھے رب تعالیٰ نے اُن کے درمیان ہوا بھیجی جس سے سب جدا ہو گئے زمین اپنی جگہ پڑی رہی اور آسمانوں کو سات عدد بنا کر بلندیوں پر قائم کر دیا گیا اس قول سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زمین پہلے پیدا ہوئی آسمان بعد میں۔ چوتھا قول یہ کہ آسمان اور زمین کا رتق ہے مخلوق کا سو جانا خاص کر انسانوں کا کیونکہ انہی کو سنا یا جا رہا ہے اور جاگ اٹھنا فتق ہے۔ بندہ سوتا خود ہے مگر جگاتا رب تعالیٰ اپنے کرم سے ہے اسی لیے مسلمانوں کو جاگ کر یہ دعا پڑھنے کا حکم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانِيْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِيْ۔ پنجم یہ کہ آسمان و زمین کا ایک ایک ہونا رتق ہے اور سات سات ہونا فتق ہے ششم یہ کہ عدم ہونا رتق ہے، عدم سے وجود میں نیست سے ہست میں لَمْ يَكُنْ شَيْئًا

تَمْذُوْرًا سے کُن میں سے آنا اور پیدا کر دینا فتق ہے یعنی یہ آسمان اور زمین پہلے نہ تھے پھر ہم نے ہی آسمانوں کو اوپر بلندیوں میں اور زمین کو نیچے پیدا فرما دیا یہ چھ اقوال ہیں مگر طرز بیان کے اعتبار سے پہلا اور دوسرا قول درست ہے اس لیے کہ فرمایا جا رہا ہے اَوَلَمْ یَرَ۔ کیا کفار نے یہ مشاہدہ نہ کیا۔ اور مشاہدہ تو صرف دو ہی چیزوں کا ہوتا ہے ۱ قحط و بہار کا ۲ بارات و دن کا سونے جاگنے کا لیکن آسمان زمین کا بست و بست ہونا۔ یا بست و کشادہ ہونا۔ یا جڑے ہونا پھر کھلنا جدا ہونا یا ایک ہونا پھر سات بنا یہ چیز بھی انسان کو نظر نہ آئی اور اَوَلَمْ یَرَ کے خلاف ہے۔ ان مفسرین قائلین نے اس کا جواب یہ دیا ہے اَوَلَمْ یَرَ کا معنیٰ اَوَلَمْ یَعْلَمْ۔ یعنی کیا ان کفار مکہ نے توریت زبور انجیل پڑھنے والے یہود و نصاریٰ سے سن کر نہ جانا اور خود یہود و نصاریٰ نے پڑھ کر نہ جانا۔ اسلام دشمنی میں آج تو بت پرست بھی عیسائیوں یہودیوں کے دوست بنے ہوئے ہیں۔ ان سے سنکر کیا یہ نہ جان لیا کہ یہ سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پہلے کیا تھے پھر قدرتوں طاقتوں والے الٰہ واحد نے ان کو کیا بنا دیا۔ مگر یہ جواب دو وجہ سے کمزور ہے اولاً اس لیے کہ یَرَ کا ترجمہ بلا وجہ تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ اپنے قول کو بچانے کے لیے کسی مفسر نے اَوَلَمْ یَرَ کا معنیٰ اَوَلَمْ یَعْلَمْ۔ کسی نے اَوَلَمْ یَسْمَعْ کسی نے اَوَلَمْ یَتَفَکَّرْ کسی نے اَوَلَمْ یَسْتَفْسِرْ کے تاویلی معنیٰ بنا ڈالے۔ ثانیاً اس لیے کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ یہاں مَآءِ سے بارش ہی کا اشارہ مل رہا ہے اَنْ تَمِیْدَ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ اصل میں ہے کَرَاهَةَ اَنْ تَمِیْدَ ۲ اور بعض نے کہا یہ اصل میں ہے لِئَلَّا تَمِیْدَ۔ لام اور لا کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا کان کے حذف سے دو قول ہیں صیغے میں مشابہت یا ملابست کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ فِیْهَا کی ضمیر ھا میں دو قول ہیں ۱ اس کا مرجع پہاڑ (رواسی)۔ یہی درست ہے ۲ اس کا مرجع ارض ہے لَعَلَّهُمْ میں دو قول ہیں ۱ تاکہ عقلی و قلبی ہدایت پائیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی ۲ تاکہ حسی و طبعی ہدایت آنے جانے کے سفر کی دیگر شہروں کی طرف باسہولت یہ دونوں قول درست ہیں وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا۔ میں دو قول ہیں ۱ خلقت جبال کے وقت ہی ان میں کھلے راستے بنا دیئے گئے تھے۔ ان کی دلیل فِجَاجًا کو مقدم کرتے ہیں۔ ہوئی ۲ یہ راستے طوفان نوح کے بعد بنائے گئے (بروایت ابن عمر) مَحْفُوْظًا میں تین قول ہیں ۱ محفوظ اپنے معنیٰ میں ہے یعنی شیاطین سے حفاظت ۲ محفوظ بمعنیٰ ممسوک یعنی روکا ہوا ۳ محفوظ بمعنیٰ مضبوط۔ حفاظت سمٰوات کے ذرائع میں دو قول ہیں ۱ بذریعہ ملائکہ ابلیسوں سے حفاظت ۲ بذریعہ شہاب ثاقب حفاظت۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ فلکیات میں تمام آسمان بھی

ایک جگہ ٹھہرے ہوئے ساکن ہیں اور پوری زمین بھی نہ آسمان سیارہ ہیں نہ زمین دونوں میں سے کوئی بھی ذرہ بھر کچھ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں یا ٹکرا جائیں تو ٹوٹ پھوٹ کا فساد برپا ہو جائے یہ فائدہ رَوَاسِیَ اور سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا کے تشبیہی و تخلیقی ارشاد سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ہوا و زمین و آسمان کے کسی اور کُرّے میں کبھی کوئی جاندار مخلوق آباد یا مقیم نہ ہوئی نہ اب ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے یہ فائدہ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ (الخ) اور اَنۡ تَمِیۡدَ بِهِمۡ اور وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا کے بعد لَعَلَّهُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رہائش کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں ۱ پانی کا وجود ۲ اُس کرّے کا ایک جگہ ساکن اور ٹھہرا ہوا ہونا ۳ کھلے راستے اور ہموار گلیاں سڑکیں چلنے پھرنے کی آسان رہنمائی ان کے بغیر جاندار اشیاء زندہ نہیں رہ سکتی یہ تینوں چیزیں صرف زمین و آسمان میں ہیں نہ کہ کسی دوسرے کرّے میں اگر زمین کے سکون کی بھی نفی کر دی جائے تو یہاں بھی جاندار مخلوق کا ٹھہرنا ناممکن ہو جائے نیز اگر سیّاروں میں ٹھہرنا زندگی بسر کرنا ممکن ہوتا تو اب بھی کسی دوسرے سیارے شمس و قمر مریخ زہرہ زحل عطارد مشتری میں بھی یہ چہل پہل موجود ہوتی مگر نہیں پس ثابت ہوا کہ کسی سیارے میں یہ مخلوق رہ سکتی ہی نہیں نہ ایک منٹ کے لیے ٹھہر سکتی ہے اس لیے سائنس دانوں کا یہ کہنا کہ فلاں خلائی راکٹ فلاں سیارے میں پہنچ گیا اور کسی مخلوق کے قدموں کے نشان دیکھے گئے بالکل جھوٹ ہے اسی طرح سائنسدانوں کے وہ تمام نظریات جو زمین اور سیاروں کے متعلق ہیں غلط ہیں اپنی دیوانگی غلط نظری میں بنائے پھرتے ہیں۔ سائنسدان آسمان کے تو وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ اربوں کروڑوں سال پہلے وہاں مخلوق آباد تھی یہ بھی کذب بیانی ہے میں کہتا ہوں کہ اتنے عرصے کے نشانات قدم اب تک قائم کیسے رہے اور کس قسم کے نشانات تھے ہاتھی گھوڑے کے یا انسانی قدم کے یا کسی اینٹ پتھر گرنے کے پھر یہ سالوں کا اندازہ کس طرح ہوا۔ اور پھر اب کیوں موجود نہیں سچ ہے کہ انسان اپنی دیوانگی میں نہ جانے کیا کچھ بولتا چلا جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ صرف زمین پر ہی پہاڑ ہیں اور پہاڑوں سے پانی یعنی چشمے چشموں سے دریا دریاؤں سے نہریں ندی نالے اور پانی سے ہوا یعنی دھواں بھاپ بخارات پھر اُن سے بادل اور پانی و ہوا سے انسانی حیواتی زندگی دوسرے کسی سیارے پر کوئی خشک یا سرسبز پہاڑ نہیں۔ یہ فائدہ وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ زمین کو ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے گئے دیگر سیاروں میں جب پہاڑ نہیں تو پانی نہیں تو ہوا نہیں۔ یہ اشیاء نہیں تو زندگی نہیں۔ زندگی کے لیے پہاڑ پانی ہوا اور ساکن ہونا ضروری ہے۔

احکام القرآن ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ کسی بھی علم و

خاص مرد و عورت مسلمان کو جائز نہیں کہ بلا غور و تدبر اندھا بن کر کسی جاہل پاگل سائنسدان کی تقلید کرتے ہوئے اُس کے باطل وبیہودہ نظریات پر ایمان لائے۔ زمین و آسمان اور فلکیاتی سیاروں کے بارے میں سائنسدانوں کے تمام نظریات محض فرضی اور لغو ہیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ حقیقتاً نہ آسمان گردش میں ہے نہ زمین بلکہ دونوں ایک جگہ ساکن و قائم ہیں عقلاً نقلاً۔ آیتاً روایتاً اور سابقہ کتب آسمانیہ میں اس کے بے شمار دلائل ہیں۔ ہم نے اپنے فتاوی العطایا جلد دوم اور سوم میں تقریباً بائیس آیتوں اور چودہ عقلی دلائل سے نہایت حتمی و یقینی طریقے پر ثابت کر دیا ہے کہ زمین ایک جگہ ٹھیری ہوئی ہے بائبل میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ وَقُوعٌ کا معنیٰ ہے گرنا اور زَوَالٌ کا معنیٰ ہے سرکنا آگے بڑھنا اور مُسْکٌ کا معنیٰ ہے رکنا، ٹھہرنا۔ اِمْسَاكٌ کا معنیٰ ہے روکنا بڑھنے نہ دینا، گرتی وہ ہے جو اونچی ہو رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ آسمان اور زمین کو روک رکھا ہوا ہے۔ آسمان کا ذکر دوبار آیا ایک بار علیحدہ ایک بار زمین کے ساتھ علیحدہ فرمایا گیا۔ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ سورۃ حج آیت ۶۵ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے یہاں عَلَى الْاَرْضِ کا ذکر بتا رہا ہے کہ زمین ساکن ہے ورنہ فرمایا جاتا کہ اَنْ تَقَعَ عَلَى السَّيَّارَاتِ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا۔ (سورۃ فاطر آیت ۴۱) ان دونوں آیتوں میں تین طرح فرق ہے پہلی سَمَاءٌ واحد یہاں سَمٰوٰات جمع ۲ پہلی میں اَرْضَ نہیں یہاں ہے ۳ پہلی میں اَنْ تَقَعَ ہے یہاں اَنْ تَزُوْلَا ہے۔ یعنی وہاں گرنے سے روکنا ہے یہاں چلنے سے روکنا۔ کہ آسمان نہ چلتے ہیں نہ گرتے مگر زمین گری پڑی تو پہلے ہی ہے اس کو سرکنے سے روکا گیا۔ اگر زمین و آسمان بھی سیارہ ہوتے تو اَنْ تَقَعَ میں اس کا بھی ذکر ہوتا اور اَنْ تَزُوْلَا والی آیت بالکل نہ ہوتی یہ مسئلہ لَعَلَّهُمْ کی ایک تفسیر سے اور جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ کے بعد وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ فرمانے سے مستنبط کہ مومن وکافر کی نشانی بیان فرمائی گئی کہ مومن اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہدایت لیتے ہیں اور لیتے رہیں گے کسی پاگل جاہل کی بات نہ مانیں لیکن کفار آیتوں حدیثوں سے منہ پھیرتے ہیں سائنسدانوں دیوانوں کی مانتے ہیں مسلمانوں کو فرمایا جا رہا ہے تم آیتوں کو چھوڑ کر گمراہ نہ بنو۔ کیونکہ فلکیات میں قدیم وجدید فلاسفہ کے نظریات فرضی اور غلط ہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ فلکیات و ارضیات کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ قرآن و حدیث کی سچی ہدایت ملے یہ مسئلہ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کی دوسری تفسیر سے مستنبط ہوا کہ زمین کے جغرافیائی اور سمٰوات کے کواکبی و تخلیقی بیان کے بعد ہدایت و علم حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان کو ہر قسم کے طیب و طاہر پانی کی

قدر کرنی چاہئے اور قدر کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر شکر کرتے ہوئے ان نعمتوں میں فکر و تدبر کریں۔ بے جا اسراف فضول خرچی بھی ناشکری ناقدری ہے۔ یہ مسئلہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ (الخ) کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا جس میں بتایا گیا کہ پانی اتنی عظیم نعمت ہے جس کا ہر جاندار محتاج ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَوَلَمْ یَرَ کیا کفار نے نہ دیکھا، یہاں رویت بمعنی علم کرنا بھی غلط یعنی دیکھنا کرنا بھی غلط کیونکہ خلقتِ سمٰوٰت وَالْاَرْض کے وقت کوئی انسان تھا ہی نہیں تو کون دیکھتا۔ اور علم کتب سے پڑھ کر یا کسی سے سن کر آتا ہے مگر کفارِ مکہ تو کسی کتبِ الٰہی توریت زبور انجیل کو مانتے ہی نہیں تو یہ خطاب ان کو کیوں ہوا جواب۔ تفسیر عالمانہ میں اس کے بارے میں مفسرین کے چند قول نقل کئے گئے لیکن سب سے درست قول یہ ہے کہ رتق سے مراد خشک سالی اور قحط سالی ہے اور فتق سے مراد ان کا دور ہونا ہے اور یہ سب کو نظر آتا ہے۔ لہٰذا اعتراض ختم ہو گیا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا۔ یہ عبارت عربی نحو کے قواعد کے اعتبار سے غلط ہے یا تو کُنَّ رَتْقًا چاہئے تھا۔ یا کَانَتَا رَتْقَیْنِ ہونا چاہیے۔ کیونکہ سمٰوٰت جمع کے اعتبار سے کُنَّ فعل جمع چاہیے اور کَانَتَا تثنیہ کی مناسبت سے رَتْقَیْنِ چاہیئے۔ جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ سمٰوٰت اب جمع ہے لیکن جب رتق تھا تو اس وقت ایک ہی تھا اور مِنًا دو چیزیں تھیں ایک آسمان ایک زمین اور چونکہ بالکل جڑی ہوئی تھیں اس لیے یہ حالت بیان کرنے کے لیے رَتْقًا واحد ارشاد ہوا۔ اس لیے ترکیبِ نحوی میں رَتْقًا کَانَتَا کے اسم کی حالیہ خبر ہے یعنی وہ دو چیزیں جو آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ اگر یہاں کُنَّ ارشاد ہوتا تو اس وقت کی یہ حالت معلوم نہ ہوتی اور اگر رَتْقَیْن۔ ہوتا تو آپس میں جڑنا معلوم نہ ہوتا بلکہ پتہ لگتا کہ الگ الگ دونوں رتق تھے۔ جواب دوم یہ کہ سمٰوٰت اگرچہ عَدَدًا جمع ہے مگر جِنسًا واحد ہے یہاں جنسیت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور پہلے قول کی صورت میں مراد ہے پورا آسمان پوری زمین جب قحط و خشکی میں آجاتے ہیں تو رب تعالیٰ ہی ان کو کھولتا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ فَفَتَقْنٰـهُمَا۔ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ہم نے بارش وغیرہ سے کھول دیا آسمانوں کو یعنی بارش برسا دی گئی اس تفسیر کو زیادہ درست بھی قرار دیا گیا ہے مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ بارش تو بادل سے برستی ہے نہ کہ آسمان سے یا زیادہ سے زیادہ ایک آسمان سے ہو سکتی ہے مگر آیت میں سمٰوٰت جمع ہے تمام آسمانوں سے تو بارش نہیں آتی یہ تفسیر کیونکر درست ہوئی۔ جواب۔ بعض نے یہ جواب دیا

کہ سمٰوٰت سے مراد سمتِ سمٰوٰت ہے یعنی آسمانوں کی طرف سے بادل برستا ہے مگر یہ جواب کمزور ہے
جواب دوم یہ کہ اگرچہ بارش بادل سے برستی ہے مگر اس میں اثرات مختلف موسمی ستاروں سے ہوتے
ہیں اور ستارے مختلف آسمانوں میں ہیں لہٰذا بارش اور دیگر انعاماتِ الٰہیہ کے بندوں تک پہنچنے
میں سب آسمانوں کا دخل ہے۔ جوابِ سوم یہ کہ بارشیں وغیرہ ملائکہ برساتے ہیں جو مختلف آسمانوں
میں ہیں فلاسفۂ قدیم نے لکھا ہے کہ دنیا کی مختلف نعمتوں کا زمین پر آنا آسمانوں کی ذاتی تاثیرات کی
وجہ سے ہے ہر حال کچھ بھی ہو سب کچھ میرے رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے جب چاہے کھولدے
جب چاہے بند فرما دے۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔
یعنی ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ بعض نے یہ ترجمہ کیا کہ ہر چیز پانی کے ذریعے اور پانی کی وجہ سے
زندہ موجود ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ ہر چیز پانی سے پیدا ہوئی اور نہ ہر چیز پانی
کی وجہ سے زندہ اگر پانی سے نطفہ مراد لیا جائے تب بھی غلط کیونکہ ہر چیز نطفے سے نہیں بنی۔
ملائکہ۔ جنات اور خود آدم علیہ السلام، حضرت حوا پانی یعنی نطفے سے نہ بنائے گئے اسی طرح ریت
پتھر پہاڑ۔ حور و غلمان پانی سے نہ بنائے گئے۔ نہ ہر چیز پانی سے زندہ مثلاً پتھر جمادات وغیرہ
جواب۔ اس کے بھی دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں خلقتِ اول کا ذکر ہے کہ ہر چیز پانی
سے بنی۔ زمین آسمان ملائکہ جنات اس طرح کہ پانی کے جھاگ سے زمین اس کے بخارات سے
سمٰوٰت پانی سے نطفہ اور نطفے سے تمام حشرات حیوانات، پانی سے شجرات، شجرات سے نار اور
نار سے جنات پانی سے ہوا اور ہوا سے نور اور نور سے ملائکہ وغیرہ وغیرہ (تفسیر روح البیان)
پانی سے سفید پوڈر اور پوڈر سے پتھر کنکر اور پتھروں سے ریت یہ تو عام مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی۔
جوابِ دوم یہ کہ یہ خطاب کفار سے ہے اس لیے حیّ سے وہی اشیاء مراد ہیں جن کو یہ لوگ دیکھ
سکتے ہیں کُلّ شَیْءٍ سے وہ چیزیں مراد نہیں ہیں جن کو یہ لوگ دیکھ نہیں سکتے اس لیے آدم و حوا ملائکہ
وغیرہ مراد نہیں۔ اعتراض کی دوسری شق آیت کی طرزِ بیانی سے ثابت ہی نہیں اس لیے وہ اعتراض
یہاں غلط ہے۔ اگر یہاں كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا (زبر سے) ہوتا تب دوسری شق درست ہوتی لیکن پھر پہلی شق
غلط ہو جاتی۔ پانچواں اعتراض۔ یہ کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ فِجَاجًا سُبُلًا۔ (سورت نوح کی آیت ۲۰ میں
فرمایا گیا سُبُلًا فِجَاجًا۔ جواب یہاں فِجَاجًا سُبُلًا میں فِجَاجًا کو حالِ مقدم بنایا گیا ہے اور بتایا یہ جا رہا ہے کہ
جب سے پہاڑ ہیں تب سے راستے اور اسی وقت سے کھلے کھلے ہیں بعد میں کھلے نہ کئے گئے۔ اور
وہاں سُبُلًا فِجَاجًا میں فِجَاجًا صفت ہے۔ یعنی ایسے راستے جو بہت کھلے فراخ ہیں چلنا آسان ہے

گویا کہ یہاں راستوں کی مدتِ عمر بتائی اور وہاں راستوں کی کیفیتِ شان بتائی گئی ہے اسی لیے وہاں ارشاد ہے لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ یعنی چلنے کے لیے کھلے۔

تفسیرِ صوفیانہ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُونَ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سب سے پہلے جوہرِ نور بشکل ستون پیدا فرمایا گیا اس پر محبتِ الٰہی کا ورود ہوا جس کی گدازی سے وہ جوہرِ رحمت کا پانی بنایا گیا اس آبِ رحمت کے کنارۂ اول سے ملائکہ تخلیق فرمائے گئے جانبِ یمین سے اَرواحِ مومنین اولیا علما پیدا ہوئیں جانبِ وسطیٰ یعنی صدرِ قلبی سے اَرواحِ انبیا علیہم السلام (از آدم تا عیسیٰ) تخلیق ہوئیں جانبِ یسار سے ارواحِ کفار پیدا کی گئیں یہ تخلیقات آسمانوں اور زمین کی خلقت سے دو لاکھ سال قبل پیدا کی گئیں ایک روایت میں ہے چار ہزار سال پہلے۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت اَرواح کے سامنے مشاہدے میں ہوئی۔ آبِ رحمت کے جانبِ اسفل سے حیوانات حشرات دواب کی ارواح پیدا کی گئیں، یہ مشاہدہ روحانی تھا نہ کہ جسمانی اس لیے مَا اَشْهَدْتُّهُمْ کے خلاف نہیں، یہ مشاہدہ ہر انسان کی عقلِ روحانی تحتِ شعوری میں محفوظ رہتا ہے تا ابد۔ مگر کفر اور فسق کی وجہ سے ظلمت کے پردوں میں چھپ جاتا ہے اس لیے عام انسان و کفار اس شعورِ فطرت سے بے خبر رہتے ہیں ہاں البتہ مومن کے ایمان کے تپش ریاضت کی رگڑ عبادت کی چمک سے وہ پردے مٹ جاتے ہیں تو بندۂ عارف پکار اٹھتا ہے کہ قَالُوا بَلٰی تے کل دی گل اسی پہلا ہی پریت لگا بیٹھے۔ ان آیت میں اسی شعورِ مدفونہ روحانیہ کی طرف متوجہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان کافرانِ ازلی نے اپنے شعورِ فطری سے اس وقت کا مشاہدہ اسرار نہ کیا تھا جب آسمانِ انوار ارضیاتِ نار، صدیق و زندیق نیک و بد اعلیٰ، ادنیٰ كَانَتَا رَتْقًا سب قسم کے لوگ مخلوط تھے فَفَتَقْنٰهُمَا پس ایمان کی ہواؤں سے اعمال کی فضاؤں میں ہم نے دونوں کو جدا کر دیا آسمانِ انوار کو اسرار کی بلندیوں پر زمینِ عجز و نیاز کو مراقبۂ خلوت کی پستیوں میں قائم کر دیا تاکہ قلوبِ عارفین کی ارضِ مقدس میں ذکرِ الٰہی کی نباتات کے باغات لگیں اور عقل سالکین کے سموات سے اعمالِ صالحات کی بارشیں نازل ہوں ان ہی پانیوں سے ہم نے کائناتِ عرفانی کی ہر چیز زندہ کر دی۔ تو یہ کفر کے سُفَہا اور فسق کے حُمَقا اس مشاہدۂ ازلیہ روحانیہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے تاکہ رویہ مشاہدہ سے جمال صانع تعالیٰ کا ایقانِ عقلی اور دیدارِ قلبی حاصل ہو۔ حکایت۔ ایک مرتبہ آقاءِ کائنات حضور اقدس اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی شیرِ خدا کو اپنا لعابِ مبارک چٹا دیا تو آپ پر ساری کائنات روشن ہو گئی اور آپ نے ایک محفل میں فرمایا۔ پوچھ لو

آج مجھ سے جو چاہو ازل سے ابد تک توریت، انجیل تک۔ ایک یمنی نے عرض کیا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ نے
فرمایا سمجھنے کے لیے پوچھ سکتا ہے طعن و تشنیع اور بحث کے لیے نہیں۔ اُس نے عرض کیا۔ کیا آپنے رب کو
دیکھا ہے، فرمایا جب عبادت میں ہوتا ہوں تو رب تعالیٰ کو عیونِ قلبی سے دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اُس جمالِ یار کو
رویتِ اعیان سے آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ حقیقتِ ایمان سے صرف قلب دیکھتا ہے اگر بندے اُس کو دیکھنا
چاہتے ہیں تو اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔ اس حقیقتِ صادقہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے کہ میرا رب تعالیٰ واحد ہے
شریک کوئی نہیں احد ہے ثانی کوئی نہیں فرد ہے مثل کوئی نہیں صمد ہے کفو کوئی نہیں۔ نہ اُس کو گھیرے
کوئی مکان نہ اُس کو پائے کوئی زمان نہ جانا جائے حواس سے نہ پرکھا جائے قیاس سے۔ وہی رَبُّ الْاَرْبَابْ
ہے وہی مسبّبُ الْاَسباب ہے خالقِ جبال وارضیات ہے اُسی کا فرمان ہے کہ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ
رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِہِمْ وَجَعَلْنَا فِیْہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمْ یَہْتَدُوْنَ وَجَعَلْنَا
السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّہُمْ عَنْ اٰیٰتِہَا مُعْرِضُوْنَ۔ اور بنا دئیے ہم نے زمینِ بشری میں
اولیاءِ کاملین کے رَواسی جو ارضِ باطنی کے رَواسی اَوتاد ہیں اور ارضِ ظاہری کے جبالِ اقطاب تاکہ
یہ زمینِ بشری قائمُ اللیل وَصائمُ الدّہر سالکینِ معرفت کو ہٹا نہ لے جائے ان کے بابرکت قیامِ وجود
سے عالم میں انوار کی بارشیں چمن بہاری کی نعمتیں رزق کی نعمتیں اور تمام زمین کا قیام وسکون ہے
(از تفسیر روح البیان) حدیث پاک میں ہے کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اُس وقت سے تا قیامِ
قیامت زمین پر ستر ابدالِ زمین ہیں اپنے وقت کے صاحبِ شریعت رسول کے امتی ہو کر جن
میں سے چالیس ابدال ملکِ شام میں جہاں تختِ محشر قائم ہوگا اور تیس ابدال زمین کے تین
کونوں پر۔ اگر کہیں سے ایک ابدال فوت ہو جائے تو اُس کی جگہ فوراً کسی اور کو مقرر کر دیا جاتا ہے
اُن رواسِی زمینِ بشری میں ہم نے ہی کھلے راستے قائم فرمائے ہیں۔ جسم انسانی زمین ہے ایمانیات
رواسی ہیں شریعت وطریقت فجاجًا سُبُلًا ہیں معرفت لَعَلَّہُمْ یَہْتَدُوْنَ ہے قرآن وحدیث سقف
محفوظ ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ابدالین زمین کی گیارہ اخلاقی عادات حمیدہ
سالکین معرفت کے لیے فجاجًا سبلًا ہیں ۱ سینوں میں سلامت ۲ مال میں سخاوت ۳ زبان میں صداقت
۴ عقل میں تواضع ۵ قلب میں شجاعت ۶ شدائد میں صبر ۷ خلوت میں گریہ زاری ۸ مخلوق سے
نصیحت ۹ مومنین کے لیے رقت ۱۰ اشیاءِ عالم میں تفکر ۱۱ حالات سے عبرت ہر جبلِ طریقت میں
گیارہ خزانے بنائے گئے ہیں ۱ صدیقی صداقت کا ۲ فاروقی عدالت کا ۳ عثمانی سخاوت کا ۴
حیدری شجاعت کا ۵ ابن مسعودؓ کی فقاہت کا ۶ حنفی اصول کا ۷ مالکی فروع کا ۸ شافعی تشخیص کا

۹ حنبلی تلخیص کا ۱۰ امام یوسف کی تحقیق کا ۱۱ امام محمد کی تائید کا۔ بشریت کے ان پہاڑوں میں نور کی گیارہ چوٹیاں ہیں ۱ حسنیت کی خلافت ۲ حسینیت کی شہادت ۳ امام عابدین کی گریۂ غم ۴ امام اصغر کی معصومیت ۵ امام اکبر کی شبابیت ۶ امام موسیٰ کی عبادت ۷ امام رضا کی ریاضت ۸ امام باقر کی ولایت ۹ امام تقی کی فراست ۱۰ امام نقی کی حلاوت ۱۱ امام جعفر کی امامت، ان گیارہ چوٹیوں کو محافلِ سالکیت میں اس لیے سجایا گیا کہ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۔ تاکہ قادریت کے ذکرِ قلبی نقشبندیت کے ذکرِ فکری، چشتیت کے ذکرِ جہری، سہروردیت کے ذکرِ سرّی کی ہدایتیں سب مسافرانِ راہ سلوک حاصل کرسکیں۔ اور خدا کے فضل سے سب پر ہو سایہ غوث اعظم کا۔ یہ سب کارخانہ ذوالجلال ہے اسی خالقِ ارض وسما نے بنایا ہے عقولِ علما اور قلوبِ اولیا کے آسمان کو زمینِ بندگی کے لیے محفوظ چھت۔ عارفین کے قلب محفوظ ہیں وساوسِ شیطانی سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ ہر وضو کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اعْصِمْ قَلْبِيْ مِنْ وَظَائِفِ ذِكْرِكَ وَاطْرُدْ عَنِّيْ وَسَاوِسَ الشَّيْطٰنِ۔ قلوبِ عارفین آیتِ الٰہیہ کے چمکتے ذرے ہیں جو معرفت کی چوٹیوں پر جگمگا رہے ہیں۔ اور نفوسِ قدسیہ سے شیطانوں کو بھگا رہے ہیں غافلین کو جگا رہے ہیں۔ فاسقین کو بلا رہے ہیں۔ پس ان ہی درسگاہوں خانقاہ کی شاگردیوں بیعتوں کے دامنِ فِجَاجًا سُبُلًا میں عافیتِ شریعت اور عاقبتِ طریقت ہے۔ لیکن اہلِ دنیا عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ ان تجلیاتِ حقیہ اور مراقباتِ ذوقیہ کی آیتِ نورانیہ سے منہ پھرانے والے ہیں اس لیے کہ نہیں پہچانتے شریعت کی قدر کو حکمت کے مقام کو منکر ہیں فضائلِ علما سے اور مدارجِ فقہا سے ناواقف ہیں حالاتِ صوفیا سے۔ یہ اہلِ دنیا چلتے ہیں تو عقلِ خشک کے راستے پر دیکھتے ہیں تو نقل کی معنوی آنکھ سے۔ حالانکہ عقل کا قدم صرف معقولات میں ہی ہے۔ لیکن مکاشفاتِ الٰہیہ کی ہدایت اہلُ اللہ کی محافلِ سمٰوٰت وَالْاَرْضِ کے وسیع میدانوں میں ہے۔ کیونکہ وہی فِجَاجِ صحیحہ اور سُبُلِ مستقیم کے مرشد ہیں۔ ان ہی علماء کے علوم تسنخ وتبدیلی سے محفوظ ہیں۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ غافل سے بچے۔ ھویٰ سے ہٹے ھُدٰی میں آئے اور اس وقتِ سفینتِ محفوظ کے دامن میں پناہ لے جو عقل ونقل کشف واسرار کے راستوں سے واقف ہو اور جمیع حالات میں اہلِ مشاہدات وتجربات کے فِجَاجًا سُبُلًا پر چلائے۔ مگر چلنے والے کو چار ہدایتیں اور چار اعراض چاہئیں تاکہ مرید باصفا کو لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کی سعادت اور مُعْرِضُوْنَ کا تقویٰ حاصل ہو۔ عافیت پر شکر ہر وقت مصیبت پر صبر۔ عاقبت پر فکر نعمت پر ذکر یہ چار ہدایتیں ہیں۔ ۱ غرور سے نفرت بدخلقی سے کدورت بُروں سے عداوت فاسقوں کی گراوٹ

آرام کی برداشت مصائب پر صبر و تحمل سے بہتر ہے۔ اور ہر حالت میں اعتدال مومن کا خزانہ ہے
وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَ

اور وہ اللہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا رات اور دن اور سورج اور

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور

الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا

چاند کو ہر ایک ستارے ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ اور نہ بنایا ہم نے

چاند ہر ایک۔ ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔ اور ہم نے تم سے پہلے

لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ

کسی انسان کے لیے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا۔ کیا پس اگر آپ نے وفات پائی بھلا یہ

کسی آدمی کے لیے دنیا میں ہمیشگی نہ بنائی تو کیا اگر تم انتقال فرماؤ

الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ

رہ جانے والے ہیں۔ ہر جاندار ہی موت کو چکھنے والا ہے۔ ہاں ہم

تو یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم

نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا

آزماتے ہیں تم کو سختی اور نرمی سے پورا آزمانا اور ہماری طرف ہی تم سب

تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے جانچنے کو اور ہماری ہی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ

لوٹائے جاؤ گے ۔ اور جب بھی دیکھا آپ کو اُن لوگوں نے جو کافر ہوئے نہیں بنایا

تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ اور جب کافر تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں ٹھہراتے

یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ

انہوں نے آپ کو مگر مذاق ہی کہ کیا یہ وہ جو ذکر کرتا رہتا ہے

مگر ٹھٹھا ۔ کیا یہ ہیں وہ جو تمہارے

اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

تمہارے معبودوں کا۔ حالانکہ یہ کافر تو رحمٰن کے ذکر کے ہی منکر ہیں۔

خداؤں کو برا کہتے ہیں اور وہ رحمٰن ہی کی یاد سے منکر ہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں زمین کی پیدائش اور اس کو ایک جگہ ٹھہرانے کا اور ان میں غور انتہا کا ذکر فرمایا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اسی ہم نے رات و دن پیدا فرمائے تاکہ تم کو سکون وراحت ملے یہ ہی انتہا ہیں یعنی زمین کا ایک جگہ ساکن ہونا بھی تمہارے آرام وسکون کے لیے ہے اور زمین کے دن رات بھی تم انسانوں ہی کے چین وراحت کے لیے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں زمین کے کرہ ارضی کے ساکن ہونے کا ذکر فرمایا گیا جو رہائش انسانی کے لیے بہت اشد ضروری تھا کیونکہ چلتی پھرتی چیزیں سکون کی مضبوط رہائش نہیں ہوسکتی اب ان آیت میں چلنے پھرنے والے کروں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو انسانی زندگی کے لیے اشد ضروری ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جہانِ دنیوی کی بناوٹ کا ذکر کیا گیا کہ ایسی زمین مضبوط بنائی گئی اور اس طرح پائدار شاندار آسمان پیدا کئے گئے اب ان آیت میں جہانِ دنیا کی فنا کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں کسی کو ہمیشہ کی بقا نہیں ہر چیز نے خواہ وہ کتنی ہی مضبوط ہو فنا ہونا ہے۔ مرنا ہے۔ شانِ نزول۔ کفارِ مکہ جب بھی اسلام کی روزمرہ ترقی اور

اپنے ہر منصوبے کی بری طرح ناکامی سے سخت دل برداشتہ ہوتے تھے تو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جھوٹی تسلی کے لیے یہ کہا کرتے تھے کہ کچھ دن صبر کرو جب یہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو جائیں گے تو سب جھنجھٹ ختم ہو جائے گا نہ پھر اسلام رہے گا نہ مسلمان۔ تب ان کی تردید میں یہ آیت از ۳۴ تا ۳۵ نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا کہ وہ فوت ہو جائیں گے تو تم سدا کب زندہ رہنے والے ہو۔ (از خزائن وامام سیوطی) ۲۔ ایک دفعہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راہ میں ابوجہل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا وہ آپ کی طرف اشارہ کر کے ہنستے اور مذاق کرتے ہوئے کہنے لگا کہ دیکھو وہ ہیں عبد مناف کے نبی جو ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں لیکن مفسرین کے دو قول اور بھی ہیں ۱۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ نبی کریم آخری اور خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ کو وفات نہ آئے گی تاکہ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہو اُن کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ تب یہ آیت ۳۶ نازل ہوئی۔ (از خزائن)

تفسیر نحوی

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ۔ واؤ بیر جملہ هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع اللہ تعالیٰ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر بحالت رفع مبنیات میں سے ہے خَلَقَ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع اَلَّذِیْ ہے۔ اَللَّیْلَ اسم مفرد جنسی معرف باللام بمعنیٰ رات اگر اس میں ۃ تعظیمی لگا دی جائے تو بمعنیٰ سخت اندھیری رات یا لمبی رات مثلاً لَیْلَۃٌ اس کی جمع ہے لَیَالِیْ۔ یا لَیَایِلُ اور اَلْیَال۔ بحالت نصب مفعول بہ ہے۔ واؤ عاطفہ اَلنَّھَارَ اسم مفرد جنسی اس کی جمع مکسر تکثیری اَنْھُر اور جمع مکسر تقلیلی نُھُرٌ اس کی جمع مؤنث ہے نَاھِرٌ اور نَھَارٌ۔ نَھُوْرٌ بروزن دُھُوْر بمعنیٰ بہت زیادہ روشن دن۔ واؤ عاطفہ اَلشَّمْسُ اسم معرفہ بمعنیٰ سورج اس کی جمع ہے شُمُوْسٌ اس کی تصغیر شُمَیْسَۃٌ اس کی روشنی یعنی دھوپ کو شَمْسِیَّۃٌ کہتے ہیں واؤ عاطفہ اَلْقَمَرَ اسم مفرد جنسی یعنی پہلی تاریخ سے آخری تک جنسی نام ہے چاندنی کو قمراءٌ کہتے ہیں لغوی ترجمہ ہے غالب آنا۔ چیخنا۔ غمناک آواز نکالنا بلا معاوضہ کسی چیز کو حاصل کرنا ان ہی معانی کے اعتبار سے بُلبُل کو قمری اور جوئے کو قمار کہتے ہیں یہ چاروں آپس میں معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ ہے خَلَقَ کا یہ سب فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر خبر ہوئی ھُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ کُلٌّ۔ اسم تاکیدی نکرہ۔ آخری تنوین عوضی ہے مضاف الیہ پوشیدہ کے بدلے میں مضاف الیہ کے حذف سے

اجتماعی کثرت کا فائدہ حاصل ہوا کہ مذکورہ دونوں کے علاوہ بھی باقی تمام کواکب آسمانی اگلے فعل کی حالت و کیفیت میں شامل ہو گئے۔ اور ترجمہ ہوا کہ تمام کواکب آسمانی فِی فَلَکٍ ہیں۔ اسی لیے صحیح قول یہ ہے یہاں مضاف الیہ وَاحِدٍ پوشیدہ اصل میں کُلُّ وَاحِدٍ تھا یعنی ہر ایک فِی ظرف مکانیہ فَلَکٌ اسم نکرہ غیر منصرف (عموی) یعنی گول دائرہ مراد ہے آسمان کا علاقہ (گھیرا) مدار۔ پانی کی بھنور کو بھی فلک ہی کہتے ہیں یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ یَسْبَحُوْنَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ لازم ہے سَبْحٌ سے مشتق ہے یعنی تیرنا، سیر کرنا تیز چلنا۔ چونکہ یہ فعل لازم ہے اور فعل کی نسبت کواکب کی طرف ہے اس لیے فاعلیت میں ذوی العقول کی مثل ہوئے لہٰذا فعل کا صیغہ اہل عقول کی طرح جمع مذکر آیا هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ فعل اور متعلق مقدم جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی کُلٌّ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول میں حال ہے الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کا۔ کُلٌّ کی اضافت میں تین قول ہیں ۱ کُلُّ وَاحِدٍ ہے اسی کو ترجیح ہے ۲ کُلُّھُمَا ہے ۳ کُلُّھُمْ ہے۔ واؤ برجملہ کا جَعَلْنَا۔ باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق مثبت جمع متکلم جَعْلٌ سے مشتق ہے یہاں یعنی قانون بنانا ہے لام جارہ نفع کا لِبَشَرٍ اسم مفرد یعنی انسان موصوف ہے مِنْ حرف جر زائدہ قَبْلِكَ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے کائنًا تامہ پوشیدہ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی بَشَرٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے مَا جَعَلْنَا کا۔ الْخُلْدَ اسم مصدر یعنی ہمیشہ، بنا یہ مفعول یہ ہے مَا جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اَفَ دراصل ہے فَاَفَ عاطفہ برائے تعلیق یعنی اگلے جملے خبریہ کو پہلے جملے وَمَا جَعَلْنَا پر معلق کیا گیا، اس کو عطف تعلیقی کہتے ہیں۔ ہمزہ سوال انکاری کے لیے ہے۔ اِنْ حرف شرط مِتَّ باب ضَرَبَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مَیْتٌ سے مشتق ہے یعنی فوت ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ واجب ہے کیونکہ جملہ جزائیہ اسمیہ ہے هُمْ ضمیر مبتدا مرجع ہے کفار مکہ الْخٰلِدُوْنَ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ بمعنی کثرت یعنی وہ سب خَالِدُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب نَصَرَ خُلُوْدٌ سے مشتق ہے هُمْ مبتدا کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ کُلُّ اسم تاکیدی کُلُّ مضاف ہے نَفْسٍ اسم مفرد مؤنث جامد یعنی جاندار چیز حقیقی جان ہو جیسے حیوانات یا مجازی جان جیسے نباتات یا مراد ہے مخلوق یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ذَآئِقَةُ۔ اسم فاعل واحد مؤنث باب نَصَرَ سے ہے ذَوْقٌ سے مشتق ہے یعنی چکھنا محسوس کرنا۔ پا لینا۔ اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ ھِیَ ہے جس کا مرجع نَفْسٍ ہے وہ مؤنث ہے اس لیے یہ صیغہ مؤنث آیا یہ مضاف ہے الْمَوْتِ اسم مفرد جامد اصل مصدر یعنی فنا انتقال ہلاکت وفات بجائے گسو

مفعول مضاف الیہ ہے ذَآئِقَۃُ فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ اسمیہ اضافیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر
جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سرجملہ۔ نَبْلُوْ باب نَصَرَ کا مضارع جمع متکلم بَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنی آزمائش کرنا
بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ۔ بِ جارہ سببیہ الف لام جنسی یا عہدذہنی اَلْخَیْرِ اسم مفرد جامد دونوں اسم چار معنی میں مشترک
ہیں ۱۔ سختی نرمی ۲۔ بیماری تندرستی ۳۔ غریبی امیری ۴۔ اچھائی برائی یہاں پہلے معنیٰ میں ہے
درمیان کا واؤ عاطفہ ہے یہ دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے نَبْلُوْ کا کُمْ ضمیر حاضر کا مرجع تمام انسان
مفعول بہ ہے فِتْنَۃً۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے نَبْلُوْ کا کیونکہ معنیٰ ہم جنس ہیں اگرچہ لفظاً جدا ہیں۔
ترجمہ دونوں کا ہے آزمانا فتنے کا لغوی معنیٰ ہے نکھارنا خالص کرنا جیسے کہ سونے کو پگھلا کر نکھارا
جاتا ہے عن ابی امامہ نبی کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو مجرب وخالص کرتا ہے بلاؤ مصائب سے جیسے
تم سونے کو خالص بناتے ہو آگ سے ایک قول میں یہ مفعول لہٗ ہے ایک قول میں کُمْ ضمیر کا حال ہے یا
نَبْلُوْ کے فاعل ضمیر جمع متکلم کا حال ہے (روح المعانی) مگر پہلے قول کو ترجیح ہے نَبْلُوْ فعل اپنے فاعل
مفعول بہ متعلق اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سرجملہ۔ اِلَیْنَا دراصل ہے اِلٰی حرف جر نا
ضمیر جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ترجمہ ہے ہماری طرف (ہمارے پاس) تُرْجَعُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل
مضارع مجہول مثبت جمع مذکر حاضر ایک قرأت میں ہے یُرْجَعُوْنَ جمع مذکر غائب مگر پہلی قرأت
درست ہے یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اور اِلَیْنَا جار مجرور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو گیا۔ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ
اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ واؤ سرجملہ اِذَا حرف شرط۔ یہ ایسا
حرف شرط ہے کہ اس کی کسی جزا میں فَ لانا ضرور نہیں باقی حروف شرط میں اگر کوئی دوسرا مانع
نہ ہو تو فَ لانی واجب ہے۔ خیال رہے کہ فاء جزائیہ کی چار صورتیں ہیں کبھی جائز کبھی مستحب کبھی
واجب کبھی ممنوع یہ جزا کو شرط سے اقتران یعنی ملانے کے لیے آتی ہے رَاٰ۔ باب فَتَحَ ماضی مطلق
برائے استمرار یعنی جب بھی دیکھا۔ كَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم اَلَّذِیْنَ اسم موصول كَفَرُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر فاعل ہوا رَاٰ کا سب
مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی اِنْ حرف نفی یَتَّخِذُوْنَ باب افتعال کا فعل مضارع معروف مثبت
جمع مذکر غائب اَخْذٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِتِّخَاذٌ دراصل تھا اِءْتِخَاذٌ۔ دوسری ہمزہ مادیہ اصلیہ
کو تَ بنایا پھر تاءِ افتعال میں ادغام (مشدد) کر دیا ھُمْ پوشیدہ فاعل مرجع اَلَّذِیْنَ ہے كَ ضمیر
مفعول بہ اِلَّا حرف متصل کیونکہ كَ ضمیر اس کا مستثنیٰ منہ مذکور ہے هُزُوًا۔ ایک قرأت میں هُزْوًا

جزم ذال سے ہے دراصل ہے هُزُؤًا ہمزہ کو واؤ سے بدلا گیا اسم حال مصدر جامد بمعنی مذاق۔ اَ ہمزہ استفہامیہ استمرائیہ بیانیہ مابعد جملہ ماقبل هُزُوًا کا بیان ہے هٰذَا اسم اشارہ قریبی اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر مراد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس یَذْكُرُ باب نصر مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اٰلِهَةَ اسم جمع مکسر منصوب كُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَذْكُرُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا دونوں مل کر مشار الیہ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر بیان ہوا هُزُوًا کا دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا تَ ضمیر کا وہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَتَّخِذُوْنَ جمع کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ واؤ حالیہ هُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے بِ جارّہ ذِكْرِ اسم مفرد مصدر جامد بمعنی نصیحت مراد ہے تذکرہ یا قرآن کریم یا دینِ اسلام مضاف ہے الرَّحْمٰنِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے دوسری هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب برائے تاکید مؤکد ہے پہلی ضمیر هُمْ کا خیال ہے کہ جس طرح عامل و معمول میں فاصلہ جائز ہے اسی طرح تاکید مؤکد کے درمیان فاصلہ جائز ہے (روح المعانی) كٰفِرُوْنَ باب نصر کا اسم جمع مذکر ضمیر صیغہ اس کا فاعل یا اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی هُمْ کی یہ مبتدا مؤکد اپنے مؤکد اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا كَفَرُوْا کے فاعل کا سب جملہ شرطیہ ہو گیا اپنی جزا سے مل کر۔

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ اور تمام جہانوں کا رب خالق مالک اور معبود صرف وہی ذات ہے جس نے تمام کائناتِ ارض پر پہلے رات کو پیدا فرمایا کہ یہ رات زمین کا ہی سایہ ہے اور بعد میں دن کو پیدا فرمایا اور دن کے لیے سورج کو رات کے لیے چاند کو پیدا فرمایا۔ اور یہ دونوں سورج اور چاند ہر ایک اپنے برجی دائرے علاقہ میں تیر رہے ہیں یعنی مسلسل تیز چل رہے ہیں۔ اس چلنے کو انسان کے تیرنے سے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ انسان کا پانی میں تیرنا تسلسل اور تیزی کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک سمت پر ہوتا ہے۔ بخلاف دریائی جانوروں مچھلی وغیرہ کے کہ وہ چونکہ پانی کے رہائشی ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کا پانی میں چلنا نہ تو مسلسل ہوتا ہے نہ ایک سمت میں لگاتار۔ یہ رہائشی زیادہ تر پانی میں سوتے بیٹھتے یا شکار کرتے ہوئے مختلف سمتیں بدل بدل کر دوڑتے ہیں یَسْبَحُوْنَ۔ فرما کر چاند سورج اور دیگر کواکب سیارگان کا نقشہ و طریقہ سمجھایا گیا۔ فلک سے مراد فضاءِ آسمانی ہے نہ کہ آسمان۔ یَسْبَحُوْنَ کو جمع مذکر کے صیغے سے

سے ارشاد فرمانا انسان کے تیرنے سے مشابہت دینے کے لیے ہے ورنہ غیر ذوی العقول اشیاء کے لیے یہ صیغہ نہیں آتا۔ نہار سورج کی روشنی کو کہتے ہیں دھوپ نظر آئے نہ آئے سورج دن نکالنے والا سیارہ ہے۔ اس کے طلوع سے دن ہوتا ہے اس کے غروب سے رات اور اس کی کرنوں سے دھوپ۔ سورج کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو بے شمار ہیں چاند رات میں اپنی مدھم روشنی پھیلانے والا سیارہ ہے۔ اس کے وجود سے تاریخیں اس کی کرنوں سے چاندنی اِس کی چاندنی سے رات کی خوب صورتی ہے چونکہ چاند رات کو ظاہر ہوتا ہے اس لیے قمری تاریخ رات کے شروع ہونے سے بدلتی ہے۔ یَسْبَحُ کا حقیقی معنیٰ ہے پانی میں تیرنا مجازی معنیٰ ہوا میں اُڑنا ہے۔ عربی میں اُڑنے کے لیے طَیْرٌ کا لفظ ہے اور ہر تیرنے کے لیے عَوْمٌ ہے۔ صرف پانی چلے تو اردو میں بہنا اور عربی میں سَیْلٌ یا سیلانٌ، فارسی میں سیلاب اگر پانی ساکن ہو اس میں کوئی چیز چلے تو اس کے لیے سَبْحٌ کا لفظ ہے۔ اگر دونوں چلیں تو اس کے لیے جَرْیٌ کا لفظ ہے۔ فلک کے بارے میں فلاسفۂ قدیم کے چند مختلف اقوال ہیں (۱) فلاسفۂ جدید یعنی سائنسدان تو آسمانوں اور ان کے فضائی علاقوں یعنی افلاک کا سرے سے انکار کرتے ہیں یہ اُن کا ایک کفر ہے (۲) بعض اسلامی فلاسفہ کہتے ہیں کہ فلک نام ہے آسمانی علاقہ کا۔ یہ ایک موج مکفوف کی طرف زم اور برجی مدار ہے ہر ستارے کا مدار علیحدہ ہے اور سڑک یا لائن کی طرح اس میں ہر ستارہ رب تعالیٰ کے مقرر و معین علاقہ میں بندھے اور مسخر غلام کی طرح دوڑتے پھر رہے ہیں یہ ہی قول و نظریہ درست ہے۔ آیتِ قرآنیہ سے یہی ثابت ہوتا ہے (۳) فلک بذاتِ خود ایک ٹھوس کرہ ہے یہ کواکب اُس سے اِس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح نگینہ انگوٹھی میں (۴) فلک ایک شفاف جسم ہے جو عالم پر محیط ہے (۵) فلک آسمان ہی کا دوسرا نام ہے (۶) فلک کشتی کی طرح ہے اس میں مسافر کواکب ہیں اسی وجہ سے اِس کا نام فلک یعنی کشتی ہے (۷) فلک ایک گول کُرہ ہے خود چل رہا ہے اور اس میں کواکب بھی چل رہے ہیں ایک دوسرے کی مخالف سمت پر، کواکب تیز چلتے ہیں اس لیے ان کے چلنے کو یَسْبَحُ کہا گیا۔ فلک کی جمع افلاک ہے (۸) فلک خود ساکن ہے لیکن اِس کے اندر ساتھ ملے ہوئے کواکب چل رہے ہیں کوئی تیز کوئی آہستہ سب سے تیز سورج ہے (۹) اجرام فلکیہ کواکب سے اوپر ہیں کواکب اُن کے نیچے چل رہے ہیں (۱۰) فلک چکی کی طرح گول ہیں اور ایک جگہ گھوم رہے ہیں کچھ کواکب ان پر ہیں جو مخالف سمت گھوم رہے ہیں اور کچھ اُن سے جڑے ہوئے ہیں اور کچھ علیحدہ ہیں اور

ساکن ہیں جیسے قطب جنوبی وشمالی، یہ تھے فلاسفہ کے مختلف اقوال اور بناوٹی مفروضے۔ صحیح قول وہی پہلا قول ہے جو قرآن مجید سے اشارۃً ثابت ہے کہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ۔ یہاں کُلٌّ کی تنوین (دو پیش) بھی بتا رہی ہے کہ ہر سیارہ علیحدہ اپنے اپنے مدار میں ایک مقرر لائن پر گول بہت بڑے دائرے میں گھوم رہا ہے یہ گھومتا چلتا ہے آگے بڑھتے ہوئے نہ کہ چکی یا لٹو کی طرح۔ سورج اور چاند کی رفتار میں سورج آگے ہے اور چاند پیچھے مقرر کردہ مستقر فاصلے پر نہ کوئی تیزی دکھا کر آگے بڑھ سکتا ہے نہ کوئی کسی کو پکڑ سکتا ہے۔ سیارہ کواکب اور بھی ہیں مگر یہاں صرف دو ستاروں کا ذکر ارشاد ہوا اس لیے کہ یہ ہر شخص کو نظر بھی آتے ہیں اور ان سے، رات دن اور تاریخیں بھی بنتی ہیں فلک کی تعداد میں بھی فلاسفہ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں آسمانوں کی تعداد کے برابر سات ہیں۔ بعض کہتے ہیں چار ہیں بعض کہتے ہیں بُرجوں کی تعداد کے برابر بارہ ہیں۔ بعض اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف ایک فلک مانتے ہیں کہ یہاں کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ واحد ہے۔ مگر یہ استدلال غلط ہے اس لیے کہ یہاں جنسی لفظ ارشاد ہوا ہے نکرہ ہمیشہ یا اکثر جنس کے لیے ہی بولا جاتا ہے اِس کا معنیٰ ہے کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ ہر سیارہ علیحدہ اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ چنانچہ سورج چوتھے فلک پر چاند پہلے پر۔ اس طرح سات سیارے سات افلاک پر ہیں۔ آسمان اور فلک میں فرق یہ ہے کہ آسمان ایک جسدی مستقل کُرَہ ہے مثل زمین اور فلک اس کا فضائی علاقہ ہے جو وہاں کے سیارے کا مدار ہے کوئی سیارہ کسی فلک سے چپٹا یا لٹکا ہوا نہیں ہے۔ اہل نظر فرماتے ہیں کہ دنیا جہان کی ہر چیز بدلتا سیارہ ہے کسی چیز کی کسی حالت کیفیت جگہ مکان مقام شکل صورت حیثیت عمر کو بقا نہیں قرار نہیں اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے نہ رات کو بقا نہ دن کو نہ سورج میں ٹھہراؤ نہ چاند میں سکون۔ یہاں تک کہ وَمَا جَعَلْنَا (الخ) ہم نے تو کسی بشر کے لیے بھی اس جہان فانی میں ہمیشگی نہ بنائی حالانکہ یہ بشر انسان اپنی دنیا سازی جاگیر داری کے غرور میں اپنے لیے بڑے لمبے لمبے منصوبے بناتا پھرتا ہے۔ اور اپنے مخالفوں کے مرنے کی سوچ فکر تمنا و انتظار میں رہتا ہے مگر مرنا تو سب نے ہی ہے خواہ کوئی کتنی لمبی عمر پالے کتنا ہی ساز و سامان بنالے کتنی حفاظتیں جمالے۔ ان کی تو کیفیت یہ ہے کہ سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں۔ یہ ہمارا ازلی ابدی قانون ہے اس سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں کسی کو مقر نہیں، اے محبوب کریم آپ سے پہلے بھی کسی بندے بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہ ملی۔ کوئی ایسی مثال نہیں تو پھر یہ احمق آپ کی وفات

کے انتظار میں جھوٹی خوشیاں کیوں خوش ہو رہے ہیں کیا اگر آپ نے وفات پانا ہے تو یہ احمق یہاں اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے! ہرگز نہیں۔ اگرچہ ہم ایسی لمبی زندگی دینے پر بھی قادر ہیں اور ابدی بقا دینے پر بھی مگر ہماری دیگر قدرتوں کی طرح اس قدرت کا اظہار بھی فقط اجسام انبیاء کرام علیہم السّلام پر ہی ہوگا نہ کہ ان جیسے تخریب کار فسادی لوگوں پر۔ جیسا کہ زمین پر خضر و الیاس کو اور آسمانوں پر عیسیٰ و ادریس کو (علیہم السّلام) خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی کوئی قدرت کبھی کسی غیر نبی بشر پر قائم نہ ہوئی۔ یہ کفار کیوں جھوٹی آسیں لگائے بیٹھے ہیں کیا ان کی زندگیاں ان کے اپنے اختیار میں ہیں بحر العلوم میں ہے کہ خلود سے مراد لمبی زندگی ہے دوام ہو یا نہ ہو موت زندگی کا اختتام و کنارہ ہے۔ زندگی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اور موت کی بھی ۱ جسم میں روح کا قائم و باقی رہنا زندگی ہے نکل کر جدا اور بے تعلق ہو جانا موت ہے ۲ جسم کا اپنے مقاصدِ اصلیہ خلقیہ پورے کرنا زندگی ہے۔ پورے نہ کرنا موت ہے۔ اس دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے سرسبز اور نباتاتی زمین کو زندہ کہا گیا اور بنجر زمین کو مردہ اسی طرح شہیدِ مقتول کو زندہ کہا گیا اور چلتے پھرتے کافر انسان کو مردہ اسی معنیٰ میں نیک متقی انسان کو صحت مند تندرست کہا جاتا ہے اور فاسق فاجر کو بیمار لاغر۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ اے لوگو یہ لیل و نہار کے خزانے یہ شمس و قمر کے زمانے یہ سانسوں کی ڈوری یہ زندگی کی لوری سدا بہار نہیں ہے اس پر اکڑ جمانا تکبر دکھانا فخر بنانا بیہودہ کھلکھلانا درست نہیں ہے اس لیے کہ ہر نفس و جان نے دیوی فنا کی موت کا مزہ چکھنا ہے۔ نفس کے تین معنیٰ ہیں ۱ نفس بمعنیٰ جان وہی یہاں مراد ہے ۲ نفس بمعنیٰ ذات اس معنیٰ میں ذات باری تعالیٰ کو بھی نفس فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱۶ میں حضرت مسیح علیہ السّلام کا قول نقل فرمایا گیا ہے۔ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۳ نفس بمعنیٰ جسم اور بدن اس معنیٰ میں تمام جمادات نباتات کو بھی نفس کہا جاتا ہے مگر یہاں آیت میں بمعنیٰ جان ہے نہ کہ ذات یا جسم۔ اسی لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ كُلُّ نَفْسٍ، عام مخصوص البعض ہے، یعنی ہر جان نے بذریعہ موت دنیا سے جانا ہے۔ پھر نہ رات کی راحت ملے نہ دن کی دولت نہ سورج کی رونق نہ چاند کی زینت نہ بچپن کی کلکاریاں نہ جوانی کی مسکاریاں نہ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ کی آزادیاں نہ يَّسْبَحُوْنَ کی چہل قدمیاں۔ بس موت کا سناٹا اور قبر کا اندھیرا۔ یہ زندگی اس لیے دی گئی ہے کہ یہ امتحانِ بندگان ہے یہاں ہر ایک کے لیے شر بھی ہے اور خیر بھی۔ شدت و سختی کا شر ہے تو نرمی سہولت کا خیر ہے۔ بیماری کا شر ہے تندرستی کا خیر۔ غریبی کا شر ہے مالداری کا

خیر یہاں بلا بھی ہے نعمت بھی تکلیف اور غم بلا ہے، تکالیف دنیا کو تین وجہ سے بلا کہا گیا ہے ۱۔ یہ تکلیفیں بدن پر مشقت ہیں اس لیے بلا ہیں ۲۔ یہ تکلیفیں بندے کو خبردار کرتی ہیں ۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی بندے کے لیے بلا ہیں اور مصیبتیں بھی۔ فراوانی نعمت میں شکر کی آزمائش ہے اور تنگی و مصیبت میں صبر کی لہٰذا دنیا میں مِنْحَت اور مِحنت دونوں بلا ہیں مگر مِنْحَت اور عیش عشرت، مصیبتوں غریبیوں سے زیادہ سخت بلا ہے کیونکہ غریبی پر صبر آسان ہوتا ہے امیری کے شکر سے۔ فاروق اعظم نے فرمایا جو شخص عیش و آرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش نہ سمجھے وہ دیوانہ ہے پھر فرمایا کہ لوگوں پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کر لیتے ہیں لیکن امیری دولت مندی آتی ہے تو شکر نہیں کرتے۔ اس دنیا کی فقیری بھی اَلَم بھی۔ لذت بھی نفرت بھی غرور بھی سرور بھی قہر بھی مہر بھی۔ فراق بھی وصال بھی۔ اقبال بھی اِدبار بھی۔ مِحنت بھی مِنْحت بھی۔ عقوبت بھی عافیت بھی جہل بھی علم بھی انکار بھی اقرار بھی اجنبیت بھی معرفت بھی غصہ بھی لُطف بھی۔ جوانی کی طاقت بھی بڑھاپے کی کمزوری بھی رات کا اندھیرا بھی دن کی روشنی بھی۔ سورج کی تپش بھی چاند کی ٹھنڈک بھی بد بھی نیک بھی یہ زندگی ہر حال میں ہر طرح ہر ایک کے لیے امتحان ہی امتحان ہے ابتلاء آزمائش ہے کہ کون اِتباعِ نفس کے شر میں گرتا ہے اور کون ہدایت و اطاعت کی سعادت میں اُٹھتا ہے۔ کون نفرت و حقارت کے شر میں پڑا رہتا ہے اور کون عصمۃ و حفاظت کے خیر میں چلتا ہے یہاں کی حیات کافر کے لیے مُنْحَت یعنی عیش ہے مومن کے لیے مِحنت ہے فاسق کے لیے فتنہ ہے۔ اور یہاں کی موت کافر کے لیے وارنٹ فاسق کے لیے عدالت کا سمن مومن کے لیے شاہی دعوت نامہ۔ بہرکیف وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ تم سب کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے نہ غیر کی طرف نہ شریک کی طرف اس لوٹنے میں نہ شرکت ہے نہ غیریت کا دخل، موت وہ راستہ ہے جس کا آخری دروازہ ہماری ہی بارگاہ ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ قرآن مجید میں موت و حیات کی چھ قسمیں بیان فرمائی گئی ۱۔ انسان حیوان نباتات میں قوتِ نامیہ کا ہونا حیات ہے اس کا ختم ہو جانا موت ہے چنانچہ سورۃ حدید کی آیت ۱۷ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ ۲۔ قوتِ احساس و شعور کا ہونا حیات ہے اس کا ختم ہو جانا موت ہے چنانچہ سورۃ مریم کی آیت ۶۶ میں ارشاد ہے۔ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۳۔ قوتِ عقل و علم ہونا حیات ہے حماقت و سفاہت و جہالت ہونا موت ہے چنانچہ سورۃ نمل آیت ۸۰ میں ارشاد ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ ۴۔ خوشی حیات ہے۔ غم موت ہے۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم آیت ۱۷ میں ارشاد ہے وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ

یُمِیْتُ ۵ بیداری حیات ہے نیند موت ہے چنانچہ ارشاد ہے سورۃ انعام آیت ۶۰ میں وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِالَّیْلِ۔ ۶ روح کا بدن میں موجود رہنا زندگی و حیات ہے اور جدا ہو کر قوتِ حیوانیہ کا ختم ہو جانا موت ہے۔ چنانچہ یہاں ارشاد ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ نفس وہ جوہر لطیف ہے جس میں تین قوتیں ہوتی ہیں ۱ قوتِ حیات ۲ قوتِ حس ۳ قوتِ ارادی۔ اسی معنیٰ میں روح حیوانیہ کو نفس کہتے ہیں یہ قوتیں اجسام و ابدان کو طلوع کی ترقی دیتی ہیں جس سے بدن میں روشنی پیدا ہوتی ہے اگر یہ روشنی ظاہر بدن سے بجھ جائے تو موت ہے چھپ جائے تو نیند ہے اسی لیے موت اور نیند ہم شکل ہیں فرق صرف یہ ہے کہ موت کلی جدائی ہو جاتی ہے اور نیند جزئی جدائی یعنی اگر جوہرِ نفس کی ضیا نہ ظاہر بدن سے جدا ہو نہ باطنِ بدن سے تو وہ بیداری ہے اگر صرف بدن سے جدا ہو تو نیند اگر ظاہر باطن دونوں سے جدا ہو تو موت۔ کیونکہ روحِ حیوانی کی ضیا کا کُلِّیَّةً ختم ہو جانا موت ہے۔ اسی روح کا دوسرا نام نفسِ ناطقہ ہے یہ جوہر فی ذاتہٖ مادۂ حیوانیہ سے خالی ہے مگر عملاً و فعلاً ملا ہوا ہے۔ بعض نے اس طرح فرمایا کہ روح وہ جسم لطیف ہے جو اجسام کو ہیئت اور ماہیت میں جدا کرنے والا ہے اور ابدان میں تصرف و حکمرانی کرنے والا ہے۔ اور روح بدن میں ایسی ہوتی ہے جیسی کسی بیج میں تیل، روح و بدن دونوں جڑے ہوں تو نام ہے کلمتہ تو میں ہم تم وغیرہ زید بکر۔ دونوں جدا ہو جائیں تو نام ہوتا ہے مُردہ رب تعالیٰ نے انسانی مٹی میں آٹھ قوتیں پیدا فرمائیں ۱ ملکی ۲ نورانی ۳ علوی ۴ قوتِ بقا یہ چار قوتیں صرف مومن کی انسانیت میں ہیں ان کو قواءِ ایمانیہ کہا جاتا ہے ۵ قوتِ حیوانیہ یہ حیوانیت پانچ قوتوں کا مجموعہ ہوتا ہے قوۃ حاسّہ نامیہ شامّہ لامسہ ذائقہ ۶ ظلالی ۷ سفلی ۸ فانی۔ یہ چار ہر انسان میں ہیں، ان کو فنا بھی ہے جدائی بھی زوال بھی انہی کی فنا کا نام موت ہے۔ کافر کی روح پر موت آتی ہے فاسق کے دل پر اور مومن کے نفس پر۔ کافر کی موت فنا ہے فاسق کی موت ہلاکت متقی مومن کی موت وفات ہے۔ شہید کی وفات ہوتی ہے موت نہیں ہوتی۔ وفات نام ہے دنیوی زندگی کی سانسوں کھانوں پینوں کا مکمل پورا ہو جانا۔ وفات کا طریقہ یہ ہے کہ ہیکلِ جسمانی کی شکل منہدم ہو کر روح کا معدنِ غیبی کی طرف رجوع کرتے ہوئے مشاہدہ ربانی میں پہنچنا روح اپنی جوہریت اپنی تدبیر اپنے تصرف اپنے تجرد اپنی بقا اپنے دوام اپنے استقلال میں بدن کی محتاج نہیں لیکن بدن اپنے مظہر اپنے کمال اپنے اعمال اپنی قوت اپنی صورت میں روح کا محتاج ہے۔ یہ محتاجی اسی عالمِ مشاہدہ کے اندر ہے کیونکہ روح

ہادی ہے علم فہم فراست شعور تربیت حقوق میں بدن کی اسی لیے روح کا نام نفسِ ناطقہ ہے اس آیتِ پاک میں کُلُّ نَفْسٍ سے روح ہی مراد ہے روح موت کو صرف چکھتی ہے اور بدن پر موت طاری ہوتی ہے ان آگاہیوں خبرداریوں کے باوجود یہ کفارِ زمانہ اپنی چند روزہ زندگی پر اس حد تک اتنا غرور کرتے ہیں کہ۔ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ۔ اور جب کبھی ایک دفعہ اے محبوب اُن کافروں نے آپ کو دیکھا تھا۔ جو ازل سے ابد تک جہنم کے کاٹ دیئے ہوئے ہیں تو انہوں نے آپ کی شانِ اقدس میں اس قسم کی بیہودہ باتیں کرتے ہوئے آپ کا مذاق ہی کیا تھا کہ اے لوگو یہ ہیں تم ہی عبدِ مناف کے نبی جو ہر وقت تمہارے پیارے بتوں معبودوں کا برائی سے ہی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کہ یہ بت نہ کچھ بلا سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دے سکتے ہیں نہ چھین سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں نہ مٹا سکتے ہیں نہ کسی کا نفع کر سکیں نہ نقصان، یہ تو محض مٹی پتھر دھات کے ٹکڑے ہیں جن کو خود ان کفار نے اپنی دستی فنکاری سے تراش خراش کر مورتی بنا لیا ہے یہ نبی اسی طرح بتوں کی توہین اور ذلت کرتے رہتے ہیں۔ اے محبوب یہ کفار کتنے بدنصیب اور نادان ہیں کہ اس حقیقت بیانی کو برائی اور دشمنی کا ذکر کہتے سمجھتے ہیں اور اس اظہارِ اصلیت سے بُرا مناتے ہیں اور سچی بات سنانے والے اچھی سمجھ دلانے والے کا مذاق کرتے ہیں کہ دیکھو کیسی انوکھی وزالی بات کہہ رہا ہے حالانکہ یہ کم بخت خود کائنات کے سچے حقیقی خالق مالک رازق معبود بندوں کا رحمٰن و رحیم جو نہایت شفقت و کرم سے بندوں کی ہر ضرورت کے انعامات دینے والا۔ راحتِ بندگان کے لیے رات اور تجارتِ بندگان کے لیے دن۔ کھیتیاں پکانے کے لیے سورج اور لذت بنانے کے لیے چاند کو اپنی قدرت سے پیدا کرنے والے رحمٰن کے ذکر اور ذات پر ایمان لانے سے کفر کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔ اہلِ عرب کے نزدیک لفظِ ذکر ہر اچھے بُرے تذکرے کے لیے عام ہے اگر ذکر کو دشمن کی طرف منسوب کیا جائے تو مراد ہوتا ہے برا تذکرہ اور اگر دوست کی طرف منسوب کیا جائے تو مراد ہوتا ہے اچھا تذکرہ اسی محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں یَذْكُرُ سے بُرا ذکر مراد ہے اور بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ سے اچھا تذکرہ مراد ہے کہ یہ کفار اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے اچھے تذکرے کے منکر و کافر ہیں ..بلکہ کہتے ہیں کہ ہم کسی رحمٰن کو نہیں جانتے پہچانتے کچھ کفار کہتے تھے کہ علاقہ یمامہ میں ایک شخص مسیلمہ ہے وہی رحمٰن ہے جو اس نام سے مشہور ہے۔ مسیلمہ کذاب کا نام پہلے عبدالرحمٰن تھا اور کفار اس کو صرف رحمٰن کہہ کر پکارتے تھے لہٰذا اس طرح مشہور ہو گیا

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ذِکْرِ الرَّحْمٰن سے مراد قرآن مجید ہے یعنی یہ کفار اتنے متعصب اور بیوقوف ہیں کہ جھوٹے بتوں کی برائی سن کر تو بُرا مناتے ہیں مگر خود سچے کلام الٰہی قرآن مجید ذکر رحمن کے منکر بنے ہوئے ہیں حالانکہ بتوں کی ثناگوئی ان کو کبھی مفید ہو نہیں سکتی جب کہ قرآن کریم تو بعد وقت مکمل طور بہ ہر طرح تمام جہان والوں کے لیے مفید ہی ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ کوئی ستارہ کسی آسمان میں جڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ہر ستارہ آسمان سے جدا ہے سموات علیحدہ ٹھوس جسم ہیں کوئی سونے کا کوئی زمرد کا کوئی کسی دھات کا وغیرہ وغیرہ اُن میں دروازے بھی ہیں اور ستارے علیحدہ ٹھوس جسم ہیں سیارہ ہو یا غیر سیارہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ کچھ ٹھیرے ہوئے ہیں کچھ چل رہے ہیں یہ سب قدرتِ الٰہی سے قائم ہیں کسی کو کسی غیر کے سہارے کی ضرورت نہیں نیز آسمان تو سب ٹھوس جسم ہیں مگر فلک آسمانی فضا اور علاقے کا نام ہے یہ فائدہ کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا فلاسفۂ قدیم کا یہ نظریہ غلط ہے کہ کواکب اور چاند سورج آسمانوں میں جُڑے ہوئے ہیں اور آسمانوں کے چکر لگانے سے اُن ستاروں کا چکر لگتا ہے یہ نظریہ فضول اور بیکار بھی ہے۔ قرآنِ مجید کے خلاف بھی۔ دوسرا فائدہ۔ جس طرح رب تعالیٰ جوہریات اور جوہر کا خالق ہے وہ ربِّ قدیر جَلَّ وَعُلیٰ تمام عرضیات کا بھی خالق ہے اگرچہ وہ غیر مرئی یا غیر محسوس ہوں یا کسی جوہر کا اثری نتیجہ جیسے سایہ مگر اپنے وجود میں جوہر کی طرح عرض بھی مخلوق ہے۔ یہ فائدہ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو رات دن جماکر ئی چیز نہیں صرف سورج کے غروب وطلوع کا ثمرہ ہے مگر اس کو بھی خَلَقَ فرمایا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ قادر ہے اِس بات پر بھی کہ سورج غروب ہونے یا ناپید اور ختم ہو جانے کے باوجود بھی رات نہ ہونے دے دن نکلا رہے۔ اور قادر ہے اس پر بھی کہ سورج کی موجودگی میں بھی رات طاری ہے۔ تیسرا فائدہ۔ موت کافر کے لیے ہمیشہ نقصان دہ ہے کیونکہ اُس کی فنا ہی فنا ہے۔ لیکن مسلمان اور اہلِ ایمان کے لیے موت بھی مفید ہے اگرچہ فاسق ہو۔ فاسق کو اس طرح کہ گناہوں اور صحبتِ بد کی خباثتوں سے چھوٹ گیا۔ مومن کے لیے تو سدا بہار خوشیاں اور قربِ الٰہی کا رجوعِ حضوری ہے ہی۔ یہ فائدہ موت کی تقسیم اور اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شرعی نظام الاوقات

میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں۔ اسی لیے شرعی اسلامی تاریخ رات شروع ہوتے ہی بدل جاتی ہے۔ اگلا کل سورج غروب ہوتے ہی آگیا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اگلے کل کے متعلق قسم کھائے یا اگلے کل پر کوئی شرط لگائے یا کسی چیز کو معلق کرے تو شام ہوتے سورج مغرب میں چھپتے ہی اس کا حکم شروع ہو جائے گا، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ کی قسم کل میں فلاں کام نہ کروں گا۔ اور جب سورج شام کو غروب ہوا تب اس نے وہ کام کیا تو فوراً اس کی قسم ٹوٹ گئی حانث ہو گیا اور کفارہ قسم دینا پڑے گا یہی حال طلاق وغیرہ کو معلق کرنے کا ہے یہ مسئلہ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ میں لیل کو مقدم فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ مرنے کے بعد کوئی انسان کسی چیز کا مالک نہیں رہتا۔ یہ تمام ملکیتیں عیش وعشرت دنیوی زندگی تک ہیں یہاں تک کہ قبر ومزار کی چادریں ہار پھول بھی صاحب مزار کی ملکیت نہیں جس طرح دنیوی تمام ملکیتیں تحفے تحائف بعد وفات وراثت بن کر وارثین کی ملکیت ہو جاتے ہیں اسی طرح بعد وفات جو نذر ونیاز تحائف چڑھاوے مزار پر پیش کئے جاتے ہیں وہ سب وارثین اور جانشین کی ملکیت ہیں یہ مسئلہ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً کے بعد وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آگاہی۔ خبرداری آزمائش دنیوی اشیاء دولت ومال دینے لینے میں ہے اور یہ سب کچھ اسی دنیوی زندگی میں ہے نہ کہ بعد وفات تیسرا مسئلہ۔ اسلامی شرعی عبادات علیات کی حکمتیں اور طبی فوائد دنیوی خود بیان بیان کرنا ممنوع ہیں جو خطبا اس قسم کی حکمتیں بیان کرتے رہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ وضو کے یہ طبی فائدے کُلی کے یہ ناک میں پانی چڑھانے کے یہ فوائد، نماز کو ورزش کا نام دے کر سجدے رکوع کی مصلحتیں بیان کرتے ہیں کہ اس سے خون صحیح گردش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب غلط ہے۔ کیونکہ اس سے دو نقصان ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حکمتیں خود ساختہ بناوٹی بنا بنا کر بیان کرنی پڑتی ہیں۔ اللہ رسول نے کبھی بیان نہ فرمائیں اس لیے یہ کذب بیانی بھی ہوئی اور غیر یقینی بھی۔ دوم یہ کہ انسان کو نہ اپنی نفسیات پر قابو ہے نہ وہمیات پر۔ ہزار روکنے پر نفسیاتی اور وہمی تصور جما رہتا ہے۔ لہٰذا عبادتِ الٰہیہ میں دنیوی فوائد ڈھونڈتے پھرنا یا دنیوی فائدوں کا تصور وخیل بنانا عبادت کو تباہ کرتا ہے۔ عبادت صرف اللہ رسول کے حکم کی فرماں برداری کا نام ہے، خواہ اس میں بندے کا دنیوی فائدہ ہو یا نقصان، مومن تو فقط رب تعالیٰ کے حکم ورضا کے لیے عبادت کرتا ہے نہ کہ دنیوی فوائد کے حصول کے لیے اگر نماز میں بندہ ورزشی فائدوں کا تصور جمائے رہے تو وہ عبادت نہ ہی جب اس جھوٹے بناوٹی تصور سے نماز پڑھی جائیگی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت

کس طرح کہا جا سکتا ہے کیونکہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ نیت نام ہے قلبی ارادے اور ذہنی تصور کا کسی شخص کا اس طرح کے من گھڑت فائدے لوگوں کو سنانا ان کی نیتوں اور تصورات عبادت کو خراب کرنا ہے اس لیے اگر کوئی پوچھے کہ وضو کیوں کرتے ہیں۔ کلی اور ناک میں پانی سر کا مسح وغیرہ کیوں کیا جاتا ہے تو جواب یہی ہونا چاہیے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اس کا فرمان ہے۔ فائدے اور نقصان سے ہمیں کچھ غرض نہیں، یہ مسئلہ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً فرمانے سے مستنبط ہے کہ رب تعالیٰ نے تمام نعمتوں عبادتوں کا ذکر فرما کر حکمت صرف یہ بیان فرمائی کہ یہ بندوں کی آزمائش ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم و مرضی رب رسول نے کوئی دنیوی فائدہ نہ بیان فرمایا تو ہم کو کیا حق ہے کہ اس کی عبادت میں اپنے تصورات دوڑاتے پھریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو ربی اخروی فائدے بھی بیان نہ کیے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ صرف انسان ہی ذی عقل اور ناطق نہیں فلکیات و سیارات بھی ذی عقل و ناطق ہیں دیکھو قرآن مجید میں ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ یہ صیغہ جمع مذکر عقل والوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ چاند سورج بھی ذی عقل ہیں اور مثل انسان اپنی عقل سے چل رہے ہیں نہ کہ تسخیر سے اگر یہ غیر عقل والے ہوتے تو ان کے لیے جمع مونث کا صیغہ آتا۔ (بوعلی سینا)۔ جواب۔ یہاں جمع مؤنث کا صیغہ استعمال نہ کرنا جمع مذکر ارشاد فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ چاند سورج کا یہ فلکیات میں رواں دواں ہونا انسان کے تیرنے کی طرح ہے یعنی ذی عقل کے فعل کی مشابہت کو سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ فاعل کی مثلیت یا ذی عقل ہونے کی وجہ سے چونکہ پانی میں تیرنا دو قسم کا ہے ایک آبی جانوروں مچھلی وغیرہ کا آبی جانور پانی میں رہتے ان کا تیرنا نہ ضروری ہوتا ہے نہ مسلسل ایک سمت کی طرف بلکہ وہ پانی میں ٹھہرتے بھی ہیں سوتے جاگتے رکتے بھی شکار بھی کرتے ہیں اور بوقت شکار تیزی سے سمتیں بدلتے ہیں اوپر نیچے بھی ہوتے ہیں کبھی آہستہ کبھی تیز مگر انسان جب تیرتا ہے تو مسلسل ایک سمت پر رہتا ہے نہ رکتا ہے نہ ٹھہرتا ہے اسی طرح چاند سورج بھی اپنے فلک میں مسلسل ایک سمت پر چل رہے ہیں نہ اوپر نیچے ہوتے ہیں نہ ٹھہرتے ہیں نہ ہی آہستہ نہ تیز یہ قرآن مجید کی کتنی عظیم الشان طرز بیانی ہے کہ مختصر عبارت میں وسیع معانی بیان فرما دیتا ہے اسی طرح سورۃ یوسف کی آیت ۴ میں ارشاد ربانی ہے کہ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ۔ یہاں اسم فاعل جمع مذکر ارشاد ہوا اس لیے کہ سجدہ کرنا صرف ذوی العقول انسان وغیرہ

کا فعل ہے اسی طرح سورۃ نمل آیت ۱۸ میں ارشاد ہے کہ اُدْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ بھی جمع مذکر فعل امر ہے کیونکہ گھروں میں داخل ہونا انسانی فعل ہے۔ مگر فعلی مشابہت کی وجہ سے چیونٹیوں کے لیے یہ صیغہ ذوی العقول والا استعمال ہوا۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے صرف شمس و قمر کا ذکر ہوا جو تثنیہ یعنی دو ہیں مگر اس کے بعد اگلی عبارت کُلٌّ بھی جمع ہے اور یَسْبَحُوْنَ بھی جمع۔ جواب۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے خَلَقَ ارشاد ہوا جس کے بعد چار چیزیں ذکر ہوئیں رات دن اور سورج چاند یعنی اللہ تعالیٰ ان چاروں چیزوں کا خالق ہے اور یہ چاروں چیزیں اپنے مداروں میں بالکل نپے تُلے انداز میں تیر رہی ہیں اور مسلسل چل رہی ہیں۔ رات اور دن کو بھی غیر حسی تاثیراتی نظریاتی مخلوق مانا گیا ہے جیسے ہر چیز کا سایہ بلکہ رات بذاتِ خود زمین کا سایہ ہے، اس کے وجود کا فلک اور مدار یہ زمین ہے اسی طرح دن کا اگرچہ حسی وجود نہیں ہوتا مگر غیر حسی وجود ہے یہ زمین و آسمان میں چلتا ہے یہی اس کا فلک اور علاقہ ہے ان چاروں کی وجہ سے یَسْبَحُوْنَ جمع فرمایا گیا جواب دوم یہ کہ چونکہ شمس و قمر کے مطالع اور مغارب کثیر ہیں تاثیراً ہر مشرق و ہر مغرب کے لیے علیحدہ چاند سورج تصور کیا گیا ہے اس لیے یَسْبَحُوْنَ جمع فرمایا گیا لیکن لفظِ کُلٌّ سے مراد جمع نہیں بلکہ کُلِّیَّۃٌ علیحدہ ہونا مراد ہے جس کو اردو میں کہا جاتا ہے ہر ایک۔ گویا کہ لفظِ کُلٌّ کی دو حیثیتیں ہیں ۱ کلیت کی حیثیت ۲ جمعیت کی حیثیت اگر جمعیت مراد لی جائے تو معنیٰ ہوتا ہے سب تمام۔ جواب سوم یہ کہ نام اگرچہ شمس و قمر دو سیاروں کا ہی لیا گیا مگر مراد سارے سیارے ہیں۔ لہٰذا کُلٌّ جمع بھی درست ہے اور یَسْبَحُوْنَ جمع بھی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے حالانکہ ذائقہ عربی لغت میں کھانے پینے کی چیز کا ہوتا ہے۔ موت نہ مطعوم ہے نہ مشروب تو اس کے لیے لفظِ ذائقہ کیوں ارشاد ہوا۔ جواب ذوق ایک ادراکِ خاص کا نام ہے جو جلدی آتا ہے اور جلدی چلا جاتا ہے۔ موت کا طاری ہونا اسی کے مشابہ ہے کہ جلدی آتی ہے اور فوراً مکمل ہو جاتی ہے وجود پر قائم و باقی نہیں رہتی اس مشابہت کو سمجھانے کے لیے مجازاً لفظِ ذائقہ استعمال فرمایا گیا بخلاف زندگی کے کہ اس میں درازی ہوتی ہے۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا نَبْلُوْكُمْ ہم تم کو آزماتے ہیں۔ آزماتا وہ ہے جو بے خبر ہو۔ رب تعالیٰ تو ازلِ قدیم سے ہر چیز کا علیم و خبیر ہے جواب۔ یہاں نَبْلُوْ کے معنیٰ نُخْبِرُ ہے اور بَلَا سے مراد ابتلا رہے یعنی ہم تم کو آگاہ خبردار اور متنبہ کر رہے ہیں۔ اب کوئی اعتراض نہیں۔ پانچواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بھی اسی طرح جسم ہے جس طرح انسانوں کا کیونکہ لوٹنا کسی جسم کی طرف ہی ہو سکتا ہے اس لیے کہ لوٹنے کے لیے سمت، سمت کے لیے انتہا، انتہا کے لیے

حد اور حد کے لیے جسم ضروری لطیف ہو یا کثیف اور جسم کے لیے اعضا ضروری اور لباس وغیرہ لازم (فرقہ مشبہہ)
نیز اس تُرْجَعُوْنَ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہم پھر دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔ قیامت جنت دوزخ
علیحدہ کوئی چیز نہیں موت ہی قیامت ہے راحتیں جنت ہے مصیبتیں دوزخ ہے۔ کیونکہ لوٹنا
اس کو کہتے ہیں کہ جہاں سے چلے وہیں واپس آئے ہم دنیا زمین سے چلے وہیں پر پھر واپس
آئے ہم دنیا میں سے وہیں پر پھر واپس آئیں گے (فرقہ تناسخیہ) جواب۔ خیال رہے کہ یہ
دونوں فرقے ہندو مذہب میں اب بھی موجود ہیں بلکہ اکثریت کا مذہب یہی ہے انہی کی دیکھا
دیکھی بعض جاہل گمراہ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ بانظیر لباس والا
مجسم ہے (معاذ اللہ) اور بڑے بڑے کفریہ شعر بنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک شاعر لکھتا ہے ۔
میرے آنگن میں آگئے اللہ میاں۔ کوئی لکھتا ہے کہ ع۔ اللہ میاں سو گئے چدریا تان کر۔ اسی طرح
بانگ درا ص پر لکھا ہے۔ شعر

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا　　یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

فرقہ مجسمیہ میں اللہ کو یزداں کہتے ہیں دیگر ہندو اللہ کو بھگوان کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو یزدان
کہنا اور اس کے لیے دامن وغیرہ لباس ثابت کرنا درپردہ اس فرقے کی تائید ہے۔ یہ اعتراض ہم نے تفسیر کبیر
رازی اور تفسیر نیشاپوری سے نقل کیا ہے وہی جواباً فرما رہے ہیں کہ یہاں لغوی رجوع مراد نہیں بلکہ حکمی
و اصطلاحی رجوع مراد ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ ہماری بارگاہ عدالت میں تم سب نے لوٹنا ہے نہ کہ
ہمارے روبرو۔ دوسرے فرقے کا جواب یہ ہے کہ لوٹنا اپنے اصل کی طرف ہوتا ہے نہ کہ جگہ کی طرف
اور مخلوق کی اصل بارگاہِ خالق تعالیٰ ہے وہیں سے سب آئے ہیں تو وہیں پر واپس جانا ہے فرق
صرف یہ ہے کہ آنے کے وقت وہ بارگاہ خالقیت کے عمل کی تھی اب لوٹنے کے وقت وہ بارگاہ جزاء
عدل کی ہوگی۔ یہ زمین نہ بارگاہِ خلقت ہے نہ مکانِ عدل، اس لیے نہ یہاں پہلے تھے نہ اب لوٹیں یہ
تو منزلِ بارگاہ کا راستہ ہے جس میں چلنے پھرنے اور کچھ عمل کرنے کی مہلت ملی ہے کہ نہا دھو کر
پاکیزہ ہو کر لائقِ بارگاہ بن کر لوٹو گے تو عزت پاؤ گے گندے ہو کر لوٹے تو جوتے کھاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ

اے عالم ناسوت میں لینے والو کیا تم یہ نہیں پہچانتے کہ وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا
کیا زمینِ معرفت میں قبض و بسط کی شبِ ظلمات کو تاکہ سلطانِ جلال اہلِ ظلمت کے دماغ

غافل کو بدنِ ناری سے باہر نکال پھینکے۔ اور اسی ذاتِ کمال نے میدانِ بسط وکشادمیں مشاہداتِ اسرار کا روزِ روشن پیدا فرمایا کہ میزبانِ جمال اس مسافرِ منزلِ شوق وطلب کو دسترخوانِ تجلیات سے نوالۂ قبولیت عطا فرمائے، اسی ذاتِ الٰہی نے نورِ وحدت کا چمکتا سورج پیدا فرمایا جو تمکین کی نعمت ہے اور صاحبِ توحید کا نشان ہے اور بارگاہِ شہود کا آراستہ کیا ہوا نہ گھٹے نہ بڑھے نہ رکے نہ تھکے نہ چھپے بندگی میں دائم رہے اسی ذاتِ بابرکات نے قمرِ رحمت کو پیدا فرمایا جو اہلِ تلوین اور درویشانِ طریقت حقیقت کا نشانِ سلوک ہے کہ کبھی گھٹتا ہے کبھی بڑھتا ہے۔ جب بڑھتا ہے تو معرفت کا بدرِ منیر بن جاتا ہے اور جب کبھی گھٹتا ہے تو اسرارِ خفیہ کا عرجونِ قدیم یعنی مثل پرانی تیلی کھجور کی شاخ بن جاتا ہے۔ حضرت سعدیؒ نے فرمایا

اگر درویش بر حالِ بماندے ہر دست از دو عالم برفشاندے

کہ کبھی وحدت کے نور کا مظہر اور کبھی رموزِ جامعیت کی چاندنی سے بدریت کے مرتبۂ کمال پر پہنچے والا۔ جس طرح عالمِ ظاہر کی رات دن سورج چاند ہر ایک اپنے اپنے فلک مدار وعلاقۂ فضائی میں چل رہے ہیں کہ سورج کا ملک چوتھا آسمان دن کا مدار زمین کی بلندی چاند کا فلک پہلا آسمان لیل کا مدار زمین کی پستی اسی طرح عالمِ باطن کی رات ودن سورج وچاند بھی اپنے اپنے روحانی فلک اور فضاءِ ایمانی میں تیر رہے ہیں جن کے مشارق ومغارب مکہ ومدینہ ہیں۔ عشقِ بلالی کی رات محبتِ بوذر غفاری کا دن علمیتِ سلمان فارسی کا سورج فراستِ عثمانی کا چاند۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ ہر ایک اپنے فلکِ عقیدت اور فضاءِ ارادت میں حالِ مستاں وچالِ خراماں ہے۔ اس جہانِ بے ثبات میں کسی ظاہری نام ونمود کی بشریت کے کسی حال کو مقام وکمال کی ہمیشگی نہیں ہر کمالے را زوال وہر زوالے را کمال۔ اے بندۂ خطاب نہ تجھ سے پہلے نہ تیرے بعد۔ جب تو نے چلا جانا ہے تو باقی کسی نے بھی نہیں رہنا کیونکہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ ہر نفسِ جانی نے دنیاءِ فانی کے دنیوی فنا کا مزہ چکھنا ہے۔ یہاں سے سب نے جانا ہے لیکن کسی نے خالی ہاتھ کسی نے بھرے ہاتھ کسی نے اصل بن کر کسی نے نقل بن کر کسی نے ابدی فنا کے لیے کسی نے ابدی بقا کے لیے۔ کسی کے نفس امارہ کی موت ہے تو کسی کے قلبِ عبادہ کی موت کسی کے عقلِ ستارہ کی موت۔ جس نے نفسِ امارہ کی موت پائی اسے حیاتِ بقا ملی جس نے قلب وعقل کی موت پائی اسے مماتِ فنا ملی۔ حضرت جنیدِ بغدادی نے فرمایا کہ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ۔ یعنی عالِم کی موت جہان کی موت ہے۔ اہلِ شریعت کے نزدیک موت یہ ہے

کہ انسان کی روحانی جان نکل جائے اور جسم کا جنازہ اٹھے مگر اہل طریقت کے نزدیک موت یہ ہے کہ حق بیانی کی جان نکل جائے اور غیرت کا جنازہ اُٹھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ بات آج کل کے خطبا عُلما پر کتنی درست آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ طریقۂ شرعیہ کی مخالفت کی جارہی ہے اور اپنی نفسانی شیطانی باتوں کو شریعت بنایا جارہا ہے کوئی اٹھتا ہے تو عورتوں کے چہروں کا پردہ ختم کرا رہا ہے کہ صرف سر کے بال ڈھک لینا کافی ہے حالانکہ اصلی قرآنی پردہ تو چہرہ ڈھکنا ہے کہ اسی میں شناخت ہے اسی میں حسن ہے اور حسن میں ہی شہوت ہے اور شہوت روکنے کے لیے پردہ فرض ہوا ہے کوئی لئیم اٹھتا ہے تو داڑھیاں چھوٹی کرا رہا ہے چار انگل شرعی حد کی نبوی داڑھی سے مخالفت کر رہا ہے کوئی زنیم اٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں پھر بڑھتے بڑھتے مِنْ ذَنْبِكَ کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں خود نبی کریم کے وہ گناہ مراد ہیں جو آپ سے سرزد ہوئے۔ کوئی جاہل کہتا پھر رہا ہے کہ کالا خضاب لگانا جائز ہے۔ پھر نشانِ قیامت یہ ہے کہ سب نبی کریم رؤف ورحیم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت آپ ہی کے منبر ومصلے پر بیٹھ کر کی جارہی ہے اور لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا جارہا ہے خود بھی شیطان کے قریب ہو رہے ہیں اور اپنے عقیدتمندوں کو بھی قریب کر رہے ہیں پھر حیرت ہے کہ مولویت کے منبر ومصلے پر قابض ہو کر مولوی کہلانا پسند نہیں کرتے۔ کوئی علامہ کوئی ڈاکٹر کوئی پروفیسر بنا پھر رہا ہے۔ یہی ہے موتُ العالم۔ منبر رسول کی حق بیانی تو یہ ہے کہ منبر پر بیٹھ کر صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لوگوں کو لائے اور سراپا اُسوۂ حسنہ ونمونۂ مصطفیٰ کو ہر مسلمان کے چہرہ وجسم پر بناتے ہوئے ہر مسلمان کو لائق بارگاہِ نبوت بنائے نہ خود بگڑے نہ کسی مسلمان کو بگاڑے۔ عالم صرف وہ ہے جو اپنے آپ کو شریعت کا نوکر طریقت کا خادم اور درِ مصطفیٰ کا نمک حلال چوکیدار سمجھے یہ منبر ومحراب صاحب زادگی پیرزادگی کی انانیت دنیا سازی نخرے بازی کے لیے نہیں دی گئی۔ اگر یہ نہیں تو عالم نہیں خاک کا ڈھیر ہے۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے دوطرفہ قلب وعقل میں فنا ہے اور جن کی دوطرفہ فنا ہو وہ سر کر فانی ہے جس کی زندگی نفس کے لیے ہو اُس کی موت روح کا نکل جانا ہے لیکن جس کی زندگی اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب رسول اللہ کے لیے ہو اُس کی موت بقا ہے وہ خوش بخت حیاتِ طبعی سے منتقل ہو کر حیاتِ اصلیہ کی طرف جاتا ہے اور یہی حیاتِ حقیقی ہے۔ بندہ حیاتِ حقیقی پا کر ولی اللہ بن جاتا ہے۔ حیاتِ اصلی اُس کو ملتی ہے جو موتِ اختیاری کو زندگی میں ہی اپنالے اور مُوتُوا قَبْلَ

آنْ تَمُوْتُوْا کا نقشہ تمام بن جائے۔ موتِ اصل وجود کا فقدان اور حرمان ہے حیاتِ اصلی وجود کا حفظان ہے فقدان سے کراہتوں کا ظہور ہوتا ہے اور حفظان سے کرامتوں کا۔ بندگانِ مقبولان وہ ہیں جو خیر و شر کے فتنۂ آزمائشی و امتحانی میں بھی کامیاب و کامران ہوں ان کی موت صرف وفاتِ صوری ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ دنیا سب کے لیے ہمارا امتحان گاہ ہے آخر لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جس کسی نے صحرائے عدم کی فضا کے دروازے میں وجود کا قدم رکھا اُس نے موت کی غذا اور فنا کا شربت ضرور چکھنا ہے۔ دنیوی زندگی میں آنا گویا لباسِ وفات پہننا ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں نفس جان کا نام نہیں بلکہ روحِ انوار کا نام ہے اسی معنیٰ میں رب تعالیٰ کے لیے بھی نفس کا لفظ بول دیا جاتا ہے رب تعالیٰ کے امتحان میں نفسِ دنیوی کی موت ہے اور قلبِ ایمانی کی حیات ہے۔ اِس دنیا میں محبوباتِ الٰہیہ خیر ہیں اور شہواتِ شیطانیہ شر ہیں۔ خوف بھوک، غریبی اور غم میں قلب کی زندگی اور نفس کی موت ہے۔ لیکن بال بچے مال و دولت عیش و عشرت میں نفس کی زندگی اور قلب کی موت ہے۔ جس نے نفس کی موت پر صبر کیا اُس کو حیاتِ قلبی کی بشارت ہے اُسی کا استحقاق ہے الطافِ ربانی کی طرف رجوع کرنے کا۔ اُس کا شر خیر میں بدل دیا جاتا ہے اور جس نے صبر نہ کیا اُس کو عذابِ الیم و سزائے شدید کی بشارت ہے اُس کا خیر شر میں بدل دیا جاتا ہے اور وہ مستحق بن جاتا ہے سلاسل و اغلال کی طرف رجوع کرنے کا۔ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًاؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ابتدائے آفرینش سے باطل کا یہ طریقۂ عمل رہا ہے کہ اس نے اپنی عقلِ ناکارہ کے بلبوتے پر ہمیشہ ہر کام میں حماقتوں کو ہی کمایا بلکہ دنیا میں فساد مچایا اور اس فساد کو عالمِ دہر میں پھیلانا چاہا پھر جب حد سے بڑھ کر شور مچایا تو اہلِ حق نے اُن کی باطلیت کو توڑ کر اصل حقیقت حال کر بتایا تو یہ امان گئے اور اہلِ حق کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے باطل کو بچانا چاہا ان آیت میں اشارۃً یہی بتایا سمجھایا جا رہا ہے کہ جو شخص اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو گیا وہ بد نصیب خواصِ حق کی طرف انکار کی آنکھ سے ہی دیکھتا ہے اور استہزا کی زبان سے بولتا ہے یہ خواصِ حق انبیا علیہم السّلام اور ان کی غلامی والے اولیا علما ہیں جو ان باطلین کو اُن کے اوہامِ دنیوی کے بناوٹی معبودوں شہواتِ دنیا کے الٰہوں اور جاہ و دولت کے پجاریوں کی نقصان دہ اصلیت بتاتے ہیں۔ اس حقیقت بیانی کو یہ باطل لوگ توہین و برائی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اُن کی ایک حماقت ہی ہے اور بجائے راہِ راست پر آنے کے۔ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

هُمْ كٰفِرُوْنَ اپنے حق تعالیٰ رحمٰن ورحیم شفیق وکریم علیم وخبیر کی شان وصفات کے منکر بن جاتے ہیں بلکہ ذاتِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ کا انکار کر دیتے ہیں۔ پس عقلِ ایمانی اور قلبِ عرفانی والے پر واجب ہے کہ زبان کو بند رکھے ذکرِ محبوب سے اور ہر وقت کھولے ذکرِ علاّم الغیوب میں کیونکہ اُسی ذاتِ پاک نے رحمت کے دفتر کھولے ہوئے ہیں یہ ذکر ہی اُس کا شکر ہے، حدیثِ مقدسہ میں ہے کہ جس نے رب تعالیٰ کا ذکر کیا مطیع ہو کر اُس کا ذکر کیا جاتا ہے رحمت سے اور جس نے تو کر کیا انکار سے اُس کا ذکر ہوتا ہے لعنت سے اور سب سے افضل ذکر ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کلمے کے پانچ فائدے ۱؎ اعراض ماسوا اللہ اقبال الی اللہ ۲؎ غیر اللہ سے نفرت اللہ سے الفت ۳؎ تمام اعمال بذریعہ ملائکہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں مگر اس کلمہ کا ورد بلا وسیلہ خود بخود پہنچتا ہے ۴؎ اسی کلمہ سے زمین وآسمان قائم ہیں ۵؎ یہ کلمہ سب کلمات سے پہلے وجود میں آیا ہے اور تمام انبیاء نے اپنی اُمتوں کو سکھایا۔ اس کلمے کے آٹھ نام ہیں ۱؎ کلمہ طیب ۲؎ کلمۂ نجات ۳؎ کلمۂ نور ۴؎ کلمہ خلوص ۵؎ کلمۂ صدق ۶؎ کلمۂ صفات ۷؎ کلمۂ یقین ۸؎ کلمۂ اسلام۔ انہی آٹھ ناموں سے جنت کے آٹھ دروازے کھلتے ہیں اس کلمے کے آٹھ حقوق ہیں جو آستانۂ نبوت سے سکھائے جاتے ہیں ۱؎ اخلاقِ حسنہ یہ خُلقِ عظیم کا ایک قطرہ ہے ۲؎ انوارِ جلال کے مشاہدے کے لیے پاکیزگی حاصل کرنا ۳؎ توجہ خلصانہ ۴؎ مراقبۂ خلوت ۵؎ حلال غذا ۶؎ صدقہ ۷؎ خواہشاتِ نفسانی اور محافلِ دنیوی سے پرہیز ۸؎ مخلوقِ الٰہی پر رحمت ونرمی۔ خیال رہے کہ نرمی اور ترس وہی پسندیدۂ بارگاہ ہے جو شریعت کے بتائے ہوئے طریقے پر ہو۔ شریعت سے ہٹ کر کوئی طریقہ بھی نہ نرمی ہے نہ رحمدلی نہ ترس بلکہ محض شیطانیت ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کے آٹھ خزانے ہیں ۱؎ سخاوت ۲؎ اُلفت ۳؎ شفقت ۴؎ نصیحت ۵؎ عبادت ۶؎ رحمت ۷؎ درگزر اور معافی یعنی اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لینا ۸؎ احسان۔ یعنی سخاوت محتاج پر۔ اُلفت اللہ تعالیٰ سے شفقت بندوں سے نصیحت گندوں کو عبادت توجہ سے رحمت سب پر معافی اپنے دشمن کو۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ

پیدا کیا گیا انسان ذرا جلد باز۔ عنقریب دکھاؤں گا میں تم کو اپنی طاقت

آدمی جلد باز بنایا گیا اب میں تمہیں اپنی نشانیاں

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

کی نشانیاں لہذا جلدی مت مچاؤ تم مجھ سے اور کہتے ہیں کافر کہ کب ہوگا

دکھاؤں گا مجھ سے جلدی نہ کرو۔ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ بہتر ہے اب بھی جان لیں وہ لوگ

وعدہ اگر تم سچے ہو۔ کسی طرح جانتے

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ

جو کافر ہیں اُس وقت کو جب کہ نہ ہٹا سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو

کافر اُس وقت کو جب نہ روک سکیں گے اپنے مونہوں سے آگ

وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ اُن کی مدد ہو۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

بلکہ آئے گی وہ آگ اُن کو اچانک پس بدحواس کر دے گی وہ اُن کو پھر نہ طاقت پائیں گے

بلکہ وہ اُن پر اچانک آپڑے گی تو اُنہیں بے حواس کر دے گی پھر نہ وہ پھیر سکیں گے

رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

اس کو دور کرنے کی اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے۔

اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

تعلقات ان آیت مبارکہ کا پچھلی آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں رات دن اور چاند سورج کے پیدا کرنے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیت میں انسان کے پیدا کرنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ہر نفس کے موت کا مزا چکھنے کا بیان ہوا کہ ہر شخص کی موت اس کے معین وقت پر آ ہی جائے گی۔ اب ان آیت میں انسان کی جلد بازی کا ذکر ہے کہ انسان ہر بات میں جلد باز ہے یہاں تک کہ اپنی ہلاکت اور موت کی بھی طلب میں بھی بہت جلد بازی کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسانوں کی آزمائش کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں آزمائش میں فیل و ناکام ہو جانے والوں کا ذکر ہے کہ ان کا کتنا برا انجام و دائمی اٹل ٹھکانہ ہے

شانِ نزول۔ خزائن العرفان میں روایت ہے کہ ایک سردارِ مکہ نضر بن حارث کہا کرتا تھا کہ اگر ہم پر بقول مسلمانوں کے عذابِ الٰہی برحق و لازمی ہے تو پھر اب تک اترتا کیوں نہیں اس کے جواب میں یہ آیت ۳۷ تا ۴۱ نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ خُلِقَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت مجہول اس کی قرأت میں دو قول ہیں ۱؎ یہ اصل میں خَلَقَ الْعَجَلُ مِنَ الْاِنْسَانِ یعنی دنیا میں عجلت آئی ہی انسان سے ہے ۲؎ یہ خَلَقَ اللّٰهُ ہے الف لام جنسی اِنسان اسم مفرد جنسی ہے اس لیے عورت مرد بچے جوان بوڑھے سب مراد ہیں اِنْسٌ یا اُنْسٌ یا نَسْیٌ سے بنا اِنْسٌ کے معنی تعلق و رشتے داری ہونا اُنْسٌ کے معنی میل ملاقات محبت ہونا نَسْیٌ کے معنی بھولنا چونکہ یہ سب صفات انسان کی خصوصیات ہیں اس لیے اس کو انسان کہا گیا بحالتِ رفع ہے نائب فاعل ہے مِنْ حرف جر بمعنی سببیہ جزئیہ یا بمعنی عَلٰی عَجَلٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی جلد بازی یا بمعنی مٹی گارا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خُلِقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا سَ حرف تقریبی بمعنی عنقریب اُوْرِيْ بابِ افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد متکلم رَأْیٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِرْيَاءٌ اِرَاءَةٌ بمعنی دکھانا اُوْرِيْ دراصل اُأْرِيْ تھا دوسری ہمزہ افعال کی پہلی ہمزہ علامتِ مضارع واحد متکلم کی ماقبل ضمہ کی وجہ سے دوسری کو واؤ سے بدلا تیسری ہمزہ عین کلمہ کو بوجہ ثقل گرا دیا گیا آخری یَ کو اتصالِ ضمیر کی وجہ سے ساکن کر دیا گیا۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہٖ اول ہے اٰيٰتِيْ یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ دوم ہے خطاب کفارِ مکہ سے ہے فَ عاطفہ سببیہ لَا تَسْتَعْجِلُوْنِ بابِ استفعال کا فعل نہی جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِسْتِعْجَالٌ۔ دراصل تھا لَا تَسْتَعْجِلُوْنَنِيْ پہلی نون لا نہی کے جزم

دینے سے گری اور یاءِ متکلم ماقبل نونِ وقایہ پر کسرہ کے قرینے سے پوشیدہ محذوف منوی ہوئی یہ عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلدی کرنا جلدی مچانا تَعَجُّلٌ کا معنیٰ خود کرنا۔ اِستعجال کا معنیٰ طلبِ جلدی یعنی جلدی مچانا۔ یہ فعل با فاعل اپنے مفعول بہ یاءِ متکلم محذوف سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مسبب ہوا اَوْرِیْ کا یہ فعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور دونوں مفعول بہ اور مسبب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واوٗ سرجملہ یَقُوْلُوْنَ فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مَتٰی اسم ظرفِ زمانی بحالتِ رفع مقدرہ کیونکہ مبنیات میں سے ہے خبر مقدم ہے هٰذَا اسم اشارہ اَلْوَعْدُ الف لام عہدِ خارجی مراد ہے عذابِ الٰہی یا قیامت، مشار الیہ اسم اشارہ اپنے اس مشار الیہ سے مل کر مبتدا مؤخر ہوا۔ یہ دونوں مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزاءِ مقدم ہوئی۔ ایک قول میں یہاں فعل یَاْتِیْ پوشیدہ ہے دراصل تھا مَتٰی یَاْتِیْ هٰذَا الْوَعْدُ مَتٰی ظرفِ مقدم هٰذَا الْوَعْدُ اس کا فاعل مگر یہ غلط ہے۔ اِنْ حرفِ شرط كُنْتُمْ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی ناقصہ ضمیر پوشید۔ اس کا اسم صٰدِقِیْنَ اِس کی خبر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر دونوں مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ لَوْ حرفِ شرط ہے مگر نحویوں کے نزدیک شرط کے علاوہ بھی چند معنیٰ میں مستعمل ہے یہاں تمنا کے معنیٰ میں ہے اس لیے اس کی جزا موجود نہیں ہے اگر یہ شرطیہ ہو تو ترجمہ ہوگا اگر لیکن تمنا کے لیے ہو تو معنیٰ ہوگا کاش تب یہ کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے کیونکہ باری تعالیٰ دعا۔ بد دعا اور التجا تمنا کرنے سے پاک ہے يَعْلَمُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی تمنائی اَلَّذِيْنَ اسم موصول كَفَرُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر فاعل ہوا۔ حِيْنَ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے لَا يَكُفُّوْنَ کے جملے کا ایک قرأت حِيْنٌ ہے اَلْعَذَابُ پوشیدہ مبتدا اس کی خبر لَا يَكُفُّوْنَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع منفی بِلَا معروف جمع مذکر غائب كَفٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ روکنا متعدی ہوتا ہے ہتھیلی کو كَفٌّ اسی لیے کہتے ہیں انسان اپنے ہر کسی حملے کو فوری طور پر اسی سے روکتا ہے پانی کو بھی اسی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اَلَّذِيْنَ ہے عَنْ حرفِ جر زوالی یعنی دور کرنے کے لیے وُجُوْهِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے وَجْهٌ بمعنیٰ چہرہ مضاف ہے هِمْ مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَلنَّارَ الف لام حرفی عہدِ ذہنی بمعنیٰ قیامت کی گرمی یا دوزخ کی آگ۔ نَارٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ

آگ یا عذاب مفعول بہ ہے۔ عَنْ وُجُوْهِهِمُ معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا عاطفہ تاکید یہ ایک قول لا مشبہ بلیس کا ہے ھُمْ اس کا اسم یُنْصَرُوْنَ کا جملہ اس کی خبر ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ عَنْ جَارِهٖ ظُهُوْرِ اسم جمع مل کر منصرف ظَهْرٌ واحد ہے بمعنی پیٹھ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف علیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر معطوف ہے عَنْ وُجُوْهِهِمُ یہ دونوں مل کر متعلق ہے لَا یَکُفُّوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا نافیہ عاطفہ تاکید یہ ھُمْ ضمیر مبتدا یُنْصَرُوْنَ، باب نَصَرَ کا فعل مضارع منفی مجہول معنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف لَا یَکُفُّوْنَ کے جملے پر دونوں پھر معطوف علیہ ہوئے اگلی عبارت کے بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۔ بَلْ حرف عطف اِضْرَابِ کے لیے اضراب کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ تاکید کرنا ماقبل کی ۲۔ ماقبل کے اجمال کو دور کرکے وضاحت و تفصیل کرنا ۳۔ ماقبل کی کیفیات بیان کرنا ۴۔ ماقبل کی نفی کرنا یہاں کیفیت بیان کرتا ہے۔ تَاْتِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا ایک قرأت میں یَاْتِیْ ہے۔ اس میں پوشیدہ ھِیَ ضمیر صیغہ کا مرجع اَلْوَعْدُ ہے یا حِیْنَ مگر تَاْتِیْ ہو تو مرجع اَلنَّارُ یا قیامت یا مطلقاً عقوبت ہے ھِمْ ضمیر مفعول بہ خیال رہے کہ عامل فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرنے کی ہوتی ہے اور مفعول بہ کی طرف ہونے کی مفعول لہٗ کی طرف توجیہ یا تعلیل کی مفعول معہٗ کی طرف قرب کی مفعول مطلق کی طرف تاکید کی ہوتی ہے۔ ہونے کی نسبت خواہ اس کو ہو یا اس پر ہو یا اس کے ساتھ ہو یا پاس۔ یہاں ھِمْ ضمیر میں تَاْتِیْ کی نسبت پاس ہونے یا اُن پر ہونے کی ہے بَغْتَةً اسم مصدر بمعنی مفعول مطلق یعنی اچانک ایک لغت میں بَغَتَةً ہے عین کے فتحہ سے اُتا حال ہے تَاْتِیْ کے فاعل پوشیدہ کا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ تَبْهَتُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب بَهْتٌ سے مشتق ہے بمعنی بدحواس ہو کر گھبرا جانا یہاں متعدی بیک مفعول ہے یعنی گھبرا دینا بدحواس کر دینا ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع وہی اَلنَّارُ یا وَعْدٌ یا حِیْنَ ھُمْ ضمیر مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے فَ عاطفہ بیانیہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ باب استفعال کا مضارع منفی جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام کفار (اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا) مصدر ہے اِسْتِطْوَاعٌ اور اِسْتِطَاعَةٌ طَوْعٌ سے بنا ہے بمعنی طاقت رکھنا طاقت پانا۔ رَدَّ اسم مصدر ثلاثی مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع اَلْوَعْدُ یا اَلنَّارَ یا حِیْنَ۔ کوئی بھی ہو

مقصد ایک ہی ہے مجرور منفصل ہے کیونکہ مفعول مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ منفیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لا حرف نفی مشتبہ بلیس ھُمْ اس کا اسم مرفوع منفصل ضمیر یُنْظَرُوْنَ باب نصر کا مضارع مجہول جمع مذکر غائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع وہی کفار نظر سے مشتق ہے یعنی مہلت دینا۔ دیکھنے دینا۔ غور سے دیکھنے کے لیے وقت دینا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لا مشبہ کی لا اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا ماقبل جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے بَلْ تَاتِیْ کے جملے پر وہ عطف ہے لَا یَکُفُّوْنَ کے جملے پر یہ تمام عبارت معطوفہ مضاف الیہ حِیْنَ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَوْ یَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تمنائیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ کفار کی کفریات میں جلد بازی اس لیے ہے کہ ہر انسان بہت زیادہ جلد باز پیدا کیا گیا ہے اس جلد بازی میں وہ اپنے اصلی بُرے بھلے کی بھی نہیں سوچتا۔ یہ جلد بازی اُس کے خمیر اور مٹی میں ہی شامل ہے۔ یہ عُجلت یعنی انسان کی وراثتی جبلت ہے آدم علیہ السلام نے بھی پیدا ہوتے ہی اُٹھنے کی جلد بازی کی تھی حالانکہ ابھی اُن کے پیروں میں روح بھی نہ پہنچی تھی۔ اسی جبلی (پیدائشی) عادت کی بنا پر اپنے کفر کی اُس سزا کو بھی جلدی طلب کر رہے ہیں جس کی خبر میرے یہ محبوب ان کو سناتے ہیں تو بجائے عذاب سے ڈرتے کفر سے ہٹتے بندہ بننے کے عذاب آنے کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اور ہمارے نبی کی ان عذاب والی وعیدوں خبروں کو غلط اور جھوٹا سمجھ رہے ہیں اس لیے یہ جلد بازی مذاقاً کر رہے ہیں یہ مذاق ان کو جھنگا پڑے گا اور ایسا سخت رُسوا کرے گا کہ یہ لوگ جو آج بڑھ چڑھ کر تمسخر کر رہے خود ہی تاریخوں اور زمانوں میں عبرتناک مذاق بن جائیں گے۔ اس لیے کہ عنقریب بہت ہی جلدی میں ربِّ قہار جبار اے منکرو عذاب کی اٹل خبروں وعیدوں کی تضحیک کرنے والو تم کو اپنی یہ نشانیاں دکھاؤں گا۔ جو صرف دیکھنے کی حد تک ہی نہ ہوگا بلکہ تم پر وارد ہوگا جس سے تم کو پتہ لگ جائے گا کہ کفر کا عذاب کتنا سخت اور نہ ٹلنے والا ہے جس کے بعد نہ مہلت ملے گی نہ زندگی نہ یہ زندگی کی آسائشیں اے ہو تو فوراً اس مہلت کی قدر کرو اور ہمارے نبی مکرم کے پیار بھرے انداز میں سمجھانے بتانے کو غنیمت جانو اور نفس و شیطان کے بہکانے میں آکر جبلّی خصلت نہ اپناؤ۔ پس جلدی

نہ مچاؤ۔ اِن کفار کی تضحیک آمیز جلد بازی جہالت وحماقت کی اِس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ پچھلی نافرمان کافر اُمتوں کی تاریخی بدبختیوں عذابوں اُجڑی بستیوں سفر کے مشاہداتی نظاروں سے یکسر غافل واندھے بن کر کہتے ہیں کہ کب ہوگا ظاہر یہ عذاب آسمانی قہر الٰہی کا وعدہ روز کہتے ہو کہ تمہاری بُت پرستی شرک بلکہ کفرسازی کا عذاب آنے والا ہے۔ اگر تم مسلمان لوگ سچے ہو تو لے آؤ نہ کہیں سے ہم تو بار بار تمہارے اللہ سے کہہ رہے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ اے اللہ اگر یہی قرآن اسلام حق سچ ہے تیرے پاس سے تو ہم پر پتھر برسا دے آسمان سے یا ہمارے پاس دردناک عذاب لے آ۔ کفار کے اِس قول کو سورۃِ اَنفال کی آیت ۳۲ میں نقل کیا گیا ہے وہیں پر یہ جواب بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کفار پر باوجود اُن کے مانگنے کے عذاب اس لیے نہیں آتا کہ اے محبوب اَنْتَ فِیْھِمْ تم اُن میں موجود ہو جب تک تم کہتے ہیں ہو عذاب نہ آئے گا۔ ہاں جب آپ یہاں سے ہجرت کر جاؤ گے پھر دیکھنا کہ بدر وحنین میں ان کی کتنی ذِلتیں سزائیں اور تیر کے عذابوں کی بھرمار ہوگی سَاُورِیْکُمْ کا نقشہ وہاں دیکھیں گے ابھی تک تو انھوں نے صرف سنا پڑھا یا گزرے عذاب کے نشانات کا مشاہدہ ہی کیا ہے بس یہ ہی سنا ہے کہ کسی کافر قوم پر پتھر برسے تھے یا وادیِ محسّر میں کبھی عذاب کے کنکر پڑے تھے۔ ابھی کیفیت کو جانتے نہیں۔ لیکن لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْھِھِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُھُوْرِھِمْ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ یہ جلد بازی مچانے والے وہ کافر لوگ اگر کسی بھی طرح سے اُس عذابِ الٰہی کی کسی بھی حالت وکیفیت وشدت کے اُس وقت کو جان لیتے جب کہ نہ خود روک سکیں گے اپنے سامنے سے جہنم وعذاب کی آگ کو اور نہ اپنی پیٹھوں پچھواڑوں سے۔ اور نہ وہ کفار آگ وغیرہ کے عذاب سے بچائے جاتے ہیں کسی بھی طرف سے مدد کیے جائیں گے، نہ آگ بجھا کر نہ اِن عذاب زدوں کو نکال کر نہ شفاعت سے نہ حمایت سے، دنیا میں تو ہر اچھے بُرے ظالم مظلوم کافر مومن کی ہر مصیبت میں مدد بھی مل جاتی ہے اور مدد کرنے والے بھی بلا امتیاز اپنے پرائے دوڑے چلے آتے ہیں مگر قیامت میں یا قبر وحشر میں یہ کچھ نہ ہوگا۔ وہاں تو ایمان والوں کی ہی مدد ہوگی اور ایمان والے ہی مددگار ہوں گے۔ خیال رہے کہ کسی اچھی بری چیز یا نعمت مصیبت کا علم پانچ طرح سے ہو سکتا ہے ۱۔ کسی کو گرفتارِ مصیبت اور چیختے چلاتے دیکھ کر ۲۔ یا مصیبت زدہ علاقے

کی تازہ خبریں یا آوازیں سن کر ۔ ۲ یا اپنے پر کسی مصیبت کا دُرود و قبل درد، جلن اور زخم محسوس کر کے ۔ ۳ یا تصویروں میں مصیبت زدوں کا حال دیکھ کر ۔ ۴ یا خواب میں جنگ و قتل اور جہنم و قیامت کو دیکھ کر ان ذریعوں سے کچھ نہ کچھ بندوں کو عبرت اور خوف پیدا ہوتا ہے کفارِ مکہ کو اس قسم کا کوئی بھی کبھی نظارہ نہ ہوا تھا اس لیے بے باک و بے خبر بنے ہوئے تھے اور اسی احمقانہ بے خبری کی بنا پر ہر چیز کا تمسخر و انکار کر دیتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جہنم میں کفار کے چہروں پر پہلے آگ لگے گی پھر باقی جسم پر ۔ ت بدا اسی لیے یہاں وُجُوهِهِمْ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے فاسق مومن کو سزاءِ جہنم میں پہلے پیروں کو آگ لگے پھر ان اعضا کو جن سے گناہ کرتا تھا۔ چہروں کو نہ لگے گی نہ زبان کو اس لیے کہ زبان سے کلمہ تلاوت ذکر وغیرہ مومن کا کبھی نہ کبھی جاری ہوتا ہی ہے، اور مومن کا چہرہ ماتھا وغیرہ سجدے کے لیے بنایا گیا ہے، ہر مصیبت کو پانچ طریقوں سے دور کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۱ اولاً بندہ خود مصیبت ہٹانے مٹانے کی کوشش کرتا ہے ۲ دوم اگر مٹائی یا ہٹائی نہ جا سکے تو خود وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے ۳ سوم اگر بھاگ بھی نہ سکے تو مدد کے لیے پکارتا ہے ۴ مدد نہ مل سکے تو مصیبت ٹلنے کے لیے سفارشی حمایتی ڈھونڈا جاتا ہے یا رشوت کا سہارا لیا جاتا ہے ۵ اور اگر کوئی مددگار بھی نہ آئے یا نہ آ سکے تب مصیبت ڈالنے والے سے مہلت مانگی جاتی ہے یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کفار جس عذابِ الٰہی کو بار بار طلب کر رہے ہیں، اگر یہ جان لیں کہ ان پانچوں طریقوں میں سے کسی طرح سے بھی کافر رہتے ہوئے اِس عذابِ عظیم سے بچ نہیں سکتے ۱ لَا يَكُفُّونَ ۲ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ نہ پیٹھ دکھا کر بھاگ کر ۳ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۴ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا سفارش و حمایت سے واپس پھیرنے کی ہمت یا رشوت وغیرہ دیکر ۵ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ کتنا عظیم کرم اور کتنی کثیر شفقت ہے اُس ربّ قدیر کی کہ جس نے دنیا میں ہی یہ سب کچھ بتا دیا صرف آنے کا وقت نہ بتایا۔ اور آگاہ کر دیا گیا بتا دیا گیا کہ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۔ بلکہ وہ عذاب قبر میں موت میں یا قیامت یا جہنم میں ۔ اُن کے اوپر ایسے اچانک آئے گا کہ نشانات سے اشارات سے علامات سے کسی طرح بھی ان کو چند گھڑیاں بھی پہلے معلوم نہ ہو سکے گا کسی کو تصور و خیال، دھمک یا بھنک بھی نہ ہو سکے گی اور مجرمین کو حیران و مبہوت کر کے رکھدے گا، اور جب یہ عذاب یا وقتِ عذاب آ جائے گا تو یہ لوگ کسی بھی حیلے بہانے اِس کو واپس نہیں لوٹا سکتے۔ نہ کسی عذاب لانے والے کو بہلا پھسلا کر کچھ دیر کے لیے ٹال سکتے ہیں۔ نہ اُس وقتِ موت میں، یا قبر حشر جہنم میں نہ ہی کچھ مہلت دیئے جائیں

نہ سوچنے سمجھنے کا وقت یہ مہلتیں ہو تیں سوچنے سمجھنے کی مدتیں تو یہاں دنیا میں ہر ایک کو بہت کچھ دیدی گئیں سمجھا دی کھول کھول کر سنا دی گئیں۔ اور اب بھی تا قیامت چڑھتے سورج ڈھلتے چاند آتے دن اور جاتی رات کسی کے جینے اور کسی کی موت سے احادیث کی روایت اور قرآن مجید کی آیت سے بار بار سمجھایا جا رہا ہے کہ۔

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

یعنی۔ اُترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے اندھیرا پاس آتا ہے یہ دو دن کی اُجالی ہے

ان آیت میں مفسرین کے مختلف تفسیری اقوال۔ خُلِقَ میں دو قول ہیں ۱؎ قدرتِ الٰہی سے پیدا کرنا مراد ہے جو ایک دفعہ ابتداءِ آفرینش میں ہوا ۲؎ قانون الٰہی سے پیدا کرنا مراد ہے جو ہر انسان کے پیدا کرنے کے لیے نطفہ علقہ مضغہ سے ہوتا ہے۔ اَلْاِنْسَانُ میں تین قول ہیں ۱؎ یہاں نوعی انسان یعنی آدم علیہ السّلام مراد ہیں ۲؎ جنسی انسان یعنی عام انسان تمام مومن و کافر مراد ہیں ۳؎ شخصی انسان نضر بن حارث مراد ہے یہ دعائیں کرتا تھا کہ اگر مسلمان سچے ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دے اور پتھر برسا دے۔ اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا تھا مِنْ عَجَلٍ میں چار قول ہیں ۱؎ یہ مِنْ بعضیت کا ہے اور عَجَل سے مراد زمین کی سخت مٹی، یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے تھوڑی سی کڑک مٹی سے۔ عرب کے بنی حمیر قبیلے کے محاورۂ لغوی میں مٹی کو عَجَل کہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

وَالنَّبْعُ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَّآءِ مَنْبِتُهُ تُنْبِتُ نَخْلٌ مِّنْ مَّآءٍ وَّمِنْ عَجَلٍ

یعنی حیرانی ہے کہ پانی کا چشمہ پھوٹتا ہے سخت چٹان اور کھجور کا درخت تھوڑے پانی سے سخت مٹی میں اُگایا جاتا ہے ۲؎ عَجَل سے مراد جبلی اور پیدائشی عادت ہے ۳؎ عَجَل سے مراد آبائی اور موروثی عادت ہے اس طرح کہ آدم علیہ السّلام سے یہ عادت وراثتی طور پر ہر انسان میں آئی ۴؎ مِنْ عَجَل سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے جلدی اور تھوڑے وقت میں انسان کو پیدا فرمایا۔ یعنی احادیث و روایات کے مطابق انسانِ اوّل کی پیدائش صرف ایک ساعت میں مکمل ہوئی۔ عصر کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے۔ یا یہ کہ آدم علیہ السّلام جو انسانِ اوّل ہیں ان کو بغیر نطفہ بلا مدت مکمل خلقت خوب صورتی جسمیت روح اور بشریت خلافت علم معرفت انسانیت سب کچھ ایک تھوڑی سی ساعت میں بنا کر فرمایا۔ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (سورۃ ص آیت ۷۵) بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کو قانونِ

خلقت سے پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظام پھر لحم پھر نشونما ہڈی گوشت پوست پھر جاندار
انسان اور آدمی بنایا جاتا ہے جس میں تقریباً چار ماہ تو شکم مادر میں لگتے ہیں پھر بعد ولادت
بچہ پھر نابالغ پھر بالغ پھر نوجوان پھر جوان ہو کر مکمل ہوتا ہے۔ عَجَل کے معنی میں چھ قول ہیں۔
(۱) کتب لغت میں عَجَل کا معنیٰ ہے وقت سے پہلے کسی چیز کو طلب کرنا (۲) قاموس اللغات
میں لکھا ہے کہ غیر اور نامناسب جگہ کسی چیز کو رکھنا (۳) کسی کام کے پورا ہوتے میں جلدی مچانا کہ
ابھی فوری یہ کام ہو جائے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم کو
پیدا کیا گیا تو ابھی آپ کی روح زبان میں تھی کہ آپ بول پڑے اور عرض کیا مولیٰ مجھ کو جلدی پیدا
فرما سورج غروب سے پہلے، جب ناف میں روح آئی تو اٹھنے کی کوشش کرنے لگے، حالانکہ
ابھی لاتوں پیروں میں روح نہ آئی تھی اور اُٹھ نہ سکتے تھے (۴) عجل کا معنیٰ جلد بازی کی کثرت اور
صبر و تحمل و انتظار کی قلت۔ اسی لیے عَجَل اور عجلت مذموم ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ
اَلْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ یعنی جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے وہی بندوں کو جلد بازی
کرنے میں درغلاتا اکساتا ہے (۵) عَجَل کا معنیٰ مٹی کا خمیر اور اُبلنا کھولنا (۶) عَجَل کا معنیٰ ہے
کمزوری یعنی انسان فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں خُلِقَ اس لیے فرمایا گیا کہ آدمی میں استعجال
اتنا زیادہ ہے، گویا پیدا ہی جلدی سے کیا گیا۔ اہل عرب کسی چیز میں اظہار کثرت کے لیے خُلِقَ
استعمال کرتے ہیں، مثلاً خُلِقَ زَیْدٌ مِنَ الْکَرَمِ۔ یعنی زید اتنا کریم و سخی ہے گویا کہ پیدا ہی کرم سے
کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ، اسی محاورے میں انسان کی کثرت عجلت کو سمجھانے کے لیے خُلِقَ مِنْ عَجَلٍ
فرمایا گیا۔ عربی لغت میں جلدی کے لیے تین لفظ استعمال ہوتے ہیں (۱) عجلت یعنی جلدی مچانا یہ
مذموم ہے (۲) سرعت یعنی کوئی کام جلدی کر لینا یا جلدی کر دینا یہ محمود ہے اور انبیاء علیہم السلام
کی سنت (۳) فجائت۔ یعنی کسی کام کا یکایک ہو جانا، جلدی ہو جانا۔ یہ قدرتی چیز ہے اس
میں بندہ بے اختیار رہے۔ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ میں چار قول ہیں (۱) جنگ بدر اور دیگر فتوحات
اسلامیہ کے قتال اور وہیں پر کفار کی موت کے عذاب قبر تا قیامت مراد ہے (۲) حساب قیامت
کے بعد اور میدان محشر کی سختی پل صراط کا عذاب مراد ہے (۳) اس سے مراد توحید و رسالت
کے دلائل ہیں۔ (۴) سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ سے مراد سابقہ کافر امتوں کی عذاب الٰہی سے اجڑی
بستیاں و نشاناتِ عذاب دکھانا ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ میں دو قول ہیں (۱) اگر تم سچے ہو
ہم کفار پر عذاب آنے میں (۲) قیامت آنے میں۔ حِیْنَ میں تین قول ہیں (۱) جنگ کا وقت

مراد ہے ۲ عذابِ قبر کا وقت مراد ہے ۳ حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ۔ جہنم کا زمانہ مراد ہے۔ ان
آیات میں کفار کی تین جہالتیں بیان ہوئیں ۱ کفر ۲ اِسْتِہْزَاء۔ یعنی مسلمانوں اور اسلام کی باتوں
خبروں کا مذاق اڑانا ۳ استعجال نہایت حماقت و ڈھٹائی سے عذاب کی طلب اور عذاب آنے
کی بد دعائیں مانگنا۔ ان جہالتوں سے اُن لوگوں کو باز رکھنے بچانے اور بندہ بن جانے کے لیے
سات طرح سے عذاب کی سختی بیان کی گئی ۱ وہ ایسا اٹل عذاب ہے کہ لَا یَکُفُّوْنَ جن پر آئے
گا وہ اُس کو آنے سے روک نہ سکیں گے ۲ عَنْ وُّجُوْھِھِمُ اپنے سامنے سے بھی نہ روک
سکیں گے ۳ وَلَا عَنْ ظُہُوْرِھِمْ۔ اپنے پیچھے سے بھی نہ روک سکیں گے نہ پیٹھ دکھا کر
بھاگ سکیں۔ ۴ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ نہ کوئی مددگار ان کو چھڑا ائے نہ چھڑا سکے ۵ تَاْتِیْھِمْ
بَغْتَۃً۔ اتنا خطرناک کہ اچانک آئے گا ۶ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّھَا کسی میں طاقت نہیں
کہ اُن کفار سے عذاب پھیر دے نہ خود عذاب کے اندر مبتلا کفار میں یہ طاقت ۷ وَلَا ھُمْ
یُنْظَرُوْنَ نہ وہ ذرہ بھر مہلت دیے جائیں گے انسانوں پر موت آنے کے چار طریقے ہوتے
ہیں۔ ایک یہ کہ علاماتِ موت ظاہر ہوتی ہیں دوم یہ کہ نشاناتِ موت ظاہر ہونے ہیں ۳
اچانک موت بندے کے چلتے پھرتے آجاتی ہے ۴ بیماری سے آتی ہے۔

فائدے ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ رب تعالیٰ نے
موت کا وقت بجز انبیاء کرام علیہم السلام اور اُن کی طفیل بعض بعض اَخصُّ
الخاص اولیاء اللہ کے اور کسی بھی شخص انس و جن کو موت کا وقت نہیں بتایا تاکہ بندہ ہر
وقت نیکی عبادت توبہ اور موت کی تیاری میں لگا رہے اور زیادہ سے زیادہ سرمایۂ آخرت
جمع کرے عزت بڑھاپے کے مطمئن اور غافل ہو کر نہ بیٹھ رہے یہ فائدہ تَاْتِیْھِمْ بَغْتَۃً۔
والے فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ دنیوی اعتبار سے وہ خوش بخت سمجھا جاتا ہے جس پر دنیوی مصائب اچانک
اور ایک دم بہت سے نہ آئیں بلکہ آہستہ آہستہ آئیں بدل بدل کر۔ اچانک مصیبت آجانا بھی
سخت تکلیف دہ ہوتی ہے اور کثرتِ مصائب بھی۔ تھوڑی تھوڑی صورت میں بندہ برداشت
بھی کرتا جاتا ہے بچاؤ کی تدابیر سوچتا اور مہیا کرتا جاتا ہے اور عادی بھی ہوتا جاتا ہے ایک دم
بہت ساری تکالیف کا جمع ہو جانا انسان کو پاگل یا اَدھ مُوا کر دیتی ہیں بلکہ اچانک ہونا بجائے
خود ایک مصیبت ہے۔ اچانک تو بعض دفعہ خوشی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ لیکن اُخروی اعتبار
سے وہ بندہ خوش قسمت سمجھا جاتا ہے جس کو اچانک موت نہ آئے، کیونکہ اچانک موت کو

رب تعالیٰ کا عذاب اور ناراضگی کا نشان سمجھا گیا ہے یہ فائدہ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً (الخ) میں
ھم ضمیر فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس ھم ضمیر کا مرجع کفار ہیں یعنی اُن کفار کے پاس موت اور قبر
کا عذاب اچانک آئے گا۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس اچانک موت نہیں
آتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو علامات یا نشانات یا غیبی الہامات سے یا بیماریاں بھیج کر
پہلے پہلے ہی موت کی خبر عطا فرما دیتا ہے۔ پھر بعض دفعہ جس کو ہم اچانک سمجھتے ہیں وہ اُن کے
لیے اچانک نہیں ہوتی ان کو کئی دن پہلے موت کا پتہ لگ چکا ہوتا ہے۔ بعض بزرگ دیگر لوگوں
کو بھی بتا دیتے ہیں بعض بزرگ اپنے دل میں ہی مخفی رکھتے ہیں کسی نے حضرت حکیم الامت مفتی
احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ اچانک موت کیا ہے آپ نے فرمایا جس کی
تیاری نہ ہو اگرچہ بیماری سے رگڑ رگڑ کر مرے اور جس کی تیاری ہو وہ اچانک موت نہیں اگرچہ
بحالتِ تندرستی بیٹھا بیٹھا فوت ہو جائے۔ خود حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کو تقریباً اپنی وفات
کا تین ماہ پہلے پتہ دیدیا گیا تھا اور آپ نے اپنے ایک خاص رازدار شاگرد قبلہ محترم حافظ
صید علی صاحب مرحوم کو بتا دیا تھا جس کا ذکر حافظ صاحب نے مجھ سے کر دیا تھا مگر مخفی رکھنے کا
حکم بھی دیا تھا۔ آج جس کو میں حضرت کی وفات کے چھبیس سال بعد مختصراً ظاہر کر رہا ہوں سُبْحَانَ اللّٰهِ
وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔ یا اللہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ
کے اس دعائیہ شعر کے طفیل کہ واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سُنی مرے ۔ یوں نہ فرمائیں تیرے شاہد
کہ وہ فاجر گیا۔ میری موت بھی اچانک اور بغتۃً نہ ہو بلکہ آسان پیاری مسکراتی ہو۔ تیسرا فائدہ
دنیا اور آخرت میں جہالت اور دینی اُخروی باتوں سے جاہل رہنا کفار کی حالت و علامت ہے
مومن صالح متقی بحمدِ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے صدقہ و طفیل میں بعض
ایسی خبروں سے مطلع ہو جاتے ہیں جو دوسروں کو پتہ نہیں لگ سکتیں یہ قرآن و حدیث کی برکتوں
سے ہوتا ہے یہ فائدہ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ اُخروی حالات کا کفار
کو علم نہیں ہوتا اس اَلَّذِیْنَ کی قید سے ثابت ہو رہا ہے کہ مومن مسلمان کو قبر حشر اور موت کے
حالات و واقعات کا علم ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت
کے مطابق دینی دنیوی ہر کام و کلام میں عجلت کرنی ناجائز ہے۔ اس طرح کہ بعض
میں عجلت (جلد بازی) مکروہ تنزیہی بعض میں تحریمی بعض میں ممنوع بعض میں حرام، لیکن سُرعت دینی

کاموں میں جائز ہے دنیاوی ضروری میں بھی جائز دنیوی غیر ضروری میں منع بُرے کاموں میں حرام دینی کاموں میں جواز کی چند صورتیں ہیں بعض میں جائز بعض میں مستحب بعض میں واجب بعض میں فرض اسی فہرست میں فقہاء کرام گیارہ چیزیں ارشاد فرماتے ہیں ۱ گناہوں سے توبہ ۲ نمازوں کی وقت میں ادائیگی ۳ اچھا شرعی رشتہ ملنے پر لڑکی کی جلدی شادی ۴ میت کی تجہیز و تکفین و تدفین ۵ قرضہ کی ادائیگی ۶ قضا نمازوں کی جلدی ادا ۷ صحت و سہولت میں حج فرض ۸ قضاء روزوں کو جلدی ادا کرنا ۹ حصول علم دینی ۱۰ ناراض مسلمان بھائی کو راضی کرنا ۱۱ تمام حقوق العباد سے چھٹکارا حاصل کرنا۔ یہ مسئلہ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ کی مذمت اور عجلت و سُرعت کے تفسیری فرق اور دوسری آیت میں سُرعت کی پسندیدگی کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ گھبراہٹ و دہشت اور وحشت اور بَغْتَۃً یعنی اچانک ہونے سے صرف کفار مبہوت و حیران ہوتے ہیں بحمدہٖ تعالیٰ مؤمن متقی صالح قبر و حشر موت کی کسی چیز کے ہونے یا اچانک آجانے سے نہ مبہوت ہوں گے نہ حیران پریشان یہ مسئلہ فَتَبْهَتُهُمْ میں ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع مراد کفار کے بنائے جانے اور خصوصیت سے اس حیرانی میں کفار کے ملوث ہونے سے مستنبط ہوا۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ کسی بھی قدرتی امر یا معجزہ یا کرامت کے اظہار سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو کبھی نہ حیرت ہوتی ہے نہ گھبراہٹ لہٰذا ان جُہلا مصنفین کو اپنی اُن گستاخانہ عبارات سے رجوع اور توبہ کرنی چاہئے جو کہتے ہیں کہ، مجمع بحرین کے پاس تلی ہوئی مچھلی کے زندہ ہو کر پانی میں غوطہ لگا جانے اور وہاں پانی میں سوراخ بنا رہنے سے حضرت یوشع اور حضرت موسیٰ دونوں ہی حیران رہ گئے تھے یا کہتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ عصا موسوی سانپ بنا تو موسیٰ علیہ السّلام گھبرا گئے تھے۔ یا کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے طور پر اس لیے سانپ کا معجزہ دکھا دیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہلی دفعہ موسیٰ فرعون کے سامنے عصا پھینکتے تو خود ہی گھبرا کر نہ بھاگ جائیں۔ یہ سب غلط باتیں ہیں نہ وہاں حیرانی ہوئی تھی نہ یہاں طور پر خوف کی گھبراہٹ ورنہ پھر ید بیضا کا معجزہ پہلے کیوں کر اکر دکھایا گیا۔ تیسرا مسئلہ۔ جس طرح آباؤ اجداد کی مالی وراثت کا اثر اگلی نسل اور فروع آل اولاد میں ہوتا ہے مورث کا مال وارثین کو ملتا ہے اسی طرح اخلاق و عادات کی وراثت بھی اولاد اور نسلی خاندان میں چلتی آتی ہے اور خاندان پر جبلی آبائی عادتیں وراثۃً جاری و ساری ہوتی ہیں بلکہ خاندانی شعوب اور قبائل بنتے ہی ان موروثی جبلی عادات سے ہیں۔ یہ مسئلہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ شریعت

اور فقہ اسلامی میں بھی ان خاندانی اور موروثی جبلی عادات کا بہت اعتبار ہے ۔ خلافت امامت کی جانشینی سجادہ نشینی اور شادی بیاہ کے لیے کفو کا قانون ۔ اسی جبلی عادات کے موروثی ہونے کی وجہ سے ہے ۔ آبائی مال و دولت اگلی نسل کو مالدار اور دولت مند یا غریب بنا دیتی ہے اور آبائی علمیت فراست عقلیت اگلی نسل آل و اولاد کو اعلیٰ قوم و عقل مند علم دار صاحب فراست یا بیوقوف و جاہل کند ذہن اور تیج قوم بنا دیتی ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں ۔ پہلا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۔ یعنی انسان جلد باز پیدا کیا گیا اس سے ثابت ہوا کہ جلد بازی انسان کی جبلی اور فطری عادت ہے ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جبلی عادت ختم نہیں ہو سکتی تو پھر آیت میں اسی جگہ آگے کیوں فرمایا گیا ۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۔ یعنی جلد بازی مت کرو ۔ جب یہ جبلی عادت ہے اور بفرمان حدیث مقدسہ جبلت میں انسان مجبور اور مجبوری سے انسان معذور تو پھر اس کی ممانعت کیوں کی گئی یہ تکلیف مالا یطاق ہے کہ جس سے انسان بچ نہ سکے اُس سے بچنے کا حکم باز رہنے کی نہی فرمائی جا رہی ہے یہ بات تو حکمت حکیم کے خلاف ہے ۔ جواب ۔ جبلی عادت اگرچہ مضبوط ہوتی ہے اور اُس کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے مگر ترک کرنا ناممکن نہیں ہوتا نہ بندہ اس کے آگے مجبور ہوتا ہے ، حدیث پاک کے ارشاد مقدسہ کا معنی یہ ہے کہ آسانی سے یا خود بخود ختم نہیں ہو سکتی ۔ لیکن اگر انسان کوشش کرے تو ختم ہو سکتی ہے اگر وہ جبلت بری ہو تو اُس کے ترک پر ثواب ملتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بہت سی جبلی عادتیں پیدا کی ہیں کچھ اچھی کچھ بُری مثلاً ۱ جلد بازی ۲ غصہ ۳ ہنسنا ۴ رونا ۵ مسکرانا ۶ فہم ۷ نطق ۸ حصول علم کی استعداد ۹ شہوت ۱۰ کنجوسی ۱۱ کمزوری ۔ اور اُن سے رُکنے یا ان کو بدلنے کا حکم دیا گیا ۔ اُن کے خلاف چلنے کو کہا گیا ہے ان عادات کا بیجا اور غلط استعمال شرعاً بُرا فرمایا گیا ہے ۔ تبدیلی کا حکم اس طرح دیا کہ جلد بازی کے مقابل صبر ۔ ہنسنے کے مقابل آخرت اور خوف خدا میں رونے کو ترجیح ہے ۔ رونے کے مقابل ذکر الٰہی محبوب ہے طنزاً مسکرانے سے ممانعت ہے ، دنیوی امور میں فہمی لیاقت خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ قرآن و حدیث میں صرف ہو ۔ دنیوی فضول گفتگو قصوں کہانیوں سے بہتر ہے خاموشی ۔ دنیوی اور ذاتیات کے لیے غصہ کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے ۔ اس طرح کے غصے کے ترک پر کثیر ثواب ہے شہوت کو حرام جگہ استعمال کرنا گناہ کبیرہ اس کی حلال طریقہ سے استعمال کا حکم ، کنجوسی کے مقابل سخاوت

کا حکم ہے۔ انسانی کمزوری کے باوجود جہاد کا حکم ہے حالانکہ یہ سب جبلی عادتیں ہیں مگر کسی کے ترک اور کسی کے بسنے کا حکم ہے انسان ان کے آگے مجبور نہ سمجھا گیا کیونکہ ان سب پر انسان کو قابو ہے لہٰذا معذور نہیں۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ عجلت اگرچہ جبلی عادت ہے مگر بری ہے شرافت و عقل کے خلاف اور نقصان دہ ہے اس لیے نہ کرو۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ۔ یعنی وہ کفار اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں سے آگ نہ روک سکیں گے نہ ہٹا سکیں گے۔ تو کیا وہ اپنے سروں سے سینوں سے اوپر نیچے دائیں بائیں سے آگ ہٹا سکیں گے حالانکہ جہنم کی آگ تو ان کے سارے جسم پر ہو گی اور کہیں سے نہ ہٹا سکیں گے تو چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا۔ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْدِهِمْ یا فرمایا جاتا۔ عَنْ اَجْسَامِهِمْ۔ یا عَنْ اَبْدَانِهِمْ۔ تاکہ اوپر نیچے دائیں بائیں سب کا ذکر آجاتا۔ جواب اس کے تین جواب دئیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں پر وُجُوْهِهِمْ اور ظُهُوْرِهِمْ سے صرف چہرے اور پیٹھیں مراد نہیں بلکہ وجوہ سے مراد سامنا ہے اور ظہور سے مراد پیچھا ہے یعنی آگ کفار کے پوری طرح آگے بھی ہوگی اور پیچھے بھی اور نہ آگے سے ہٹائی جاسکے گی نہ پیچھے سے اس آگے اور پیچھے میں تمام جسم مع اوپر نیچے اور دائیں بائیں کے آگیا۔ اس لیے کہ جسم انسانی میں بڑی اور لمبی چوڑی جگہ آگا پیچھا ہی ہے۔ دائیں بائیں اوپر نیچے چھوٹی اور تھوڑی ہیں۔ جواب دوم یہ کہ بعض نے فرمایا وُجُوْهِهِمْ سے مراد چہرے ہی ہیں اسی طرح ظُهُوْرِهِمْ سے مراد پیٹھ ہی ہے چونکہ جسم کی عزت شہرت معرفت (پہچان) کرتے اور خوب صورتی میں چہرہ ہی سب سے زیادہ ہوتا ہے اسی کو انسان پہلے بچانے کی کوشش کرتا ہے اس طرح جسمانی قوت میں پیٹھ سب سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی اس کو بچانا آسان بھی ہے اس کو بچا لینے سے تقریباً آدھے سے زیادہ جسم بچ جاتا ہے۔ اس کے بچانے کا دوسرا نام پشت پناہی ہے۔ اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ وہ حصے جسم کے جس کو انسان پہلے بچانا چاہتا ہے۔ اور جن کا بچانا آسان ہے۔ جب وہ ہی نہ بچاسکے گا تو بعد والی چیزوں کی طرف کب پہنچ پائے گا۔ جسم کے معتبر حصوں کا ذکر فرماکر آگ کی سختی کو ظاہر فرمایا گیا اور معتبر وجوہ و ظہور ہی ہیں۔ جواب سوم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ محاورۃً وجوہ اور ظہور سے سارا جسم ہی مراد ہوتا ہے اس لیے یہاں آیت میں بھی سارا جسم مراد لیا گیا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ آئے گی ان کے پاس اچانک تو ان کو مبہوت اور حیران کر دیگی۔

اگر یہاں جنگِ بدر مراد ہو تب تو وہ بَغۡتَةً نہیں تھی۔ بڑی تیاری کافی دنوں کی منصوبہ سازی کے بعد تھی بہت عرصے سے دو طرفہ بتہ تھا کہ یہ جنگ ہوگی۔ کفار مکے سے لشکر بنا کر چلے اور مسلمان مدینے سے لہٰذا یہ اچانک نہ ہوئی جب اچانک نہیں تو مبہوت کرنے والی نہیں اور اگر یہاں قیامت کا آنا مراد ہے تو اگرچہ وہ اچانک تو ہوگی مگر یہ کفار اس وقت زندہ نہ ہوں گے ان کی ہڈیاں بھی خاک دھول غبار بن چکی ہوں گی لہٰذا ان کے لیے تو یہ بَغۡتَةً نہ ہوئی اور نہ اِن کو مبہوت و حیران کرنے والی پھر یہ کیوں فرمایا گیا ؟ جواب۔ تَأۡتِیۡ فعل کے فاعل کا مرجع جو بھی مراد لیا جائے جنگِ بدر یا قیامت بالکل درست ہے۔ اور ہر صورت میں کفار مکہ کے لیے بَغۡتَةً ہی ہے۔ اس طرح کہ اگر بَلۡ تَاۡتِیۡهِمۡ سے مراد جنگ بدر ہی ہو تو اس کی تیاری لشکر سازی مکے مکرمہ سے چل کر میدانِ بدر تک آنا اگرچہ اچانک نہ ہوا مکمل منصوبے اور معلومات کے ساتھ ہوا مگر اس جنگ کے ذریعے عذابِ الٰہی اچانک ہوا جو اُن کفار کے وہم و گمان تصور و خیال میں بھی نہ تھا کہ اتنے بڑے ہتھیار بند جوڑوں گھوڑوں سے مسلح لشکر کو بالکل چھوٹے نہتے بے سرو سامان۔ روزے دار، بھوکے پیاسے لشکر سے ذلت آمیز شکست ہو جانا اور بڑے بڑے جابر ظالم سردارانِ مکہ کا چھوٹے چھوٹے ناتجربہ کار بچوں کے ہاتھوں قتل ہو کر موت و قبر میں چلا جانا، وہاں عذاب کا آنا یہ سب کچھ بَغۡتَةً ہی ہوا جس نے کفار کو ذلت کے ساتھ حیران بھی کر دیا اور پریشان بھی، کفار کو یہ خیال تک نہ تھا کہ ہمارا یہ ہر طرح سے مضبوط لشکر ان غربا صحابہ کے ہاتھوں شکست کھا جائے گا۔ اور ہم قبروں کے لیے عذابِ جہنم میں جا پڑیں گے وہ تو یہ سمجھ کر آئے تھے کہ ہم چند منٹوں کے اندر اِن مٹھی بھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ اور اگر یہاں قیامت کا آنا مراد لیا جائے تب بھی درست ہے اس لیے کہ قیامت جب آئے گی تو آتی اچانک ہوگی کہ ہزاروں برس کے مُردہ کافروں کو بھی حیران کر دے گی اور اسی حیرانی میں وہ پکار اٹھیں گے۔ یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا۔ ہائے ہماری ہلاکت ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا، یہ اچانک کیا ہو گیا۔ (سورۃ یٰسٓ آیت ۵۲) یٰوَیۡلَنَا۔ کہنا بَغۡتَةً کی حیرانی سے ہو گا۔ کفار قبر میں پہنچ کر بھی عذاب اور اس کی وجہ اور سبب سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور عذاب پر قبر میں بھی مبہوت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بدر کے کوئیں میں پڑی لاشوں کو خطابِ نبوی والی حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔

تفسیر صوفیانہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۔ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک اِس آیت میں خُلِقَ الْاِنْسَانُ سے فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ تک ۔ چند معانی ہیں ایک یہ کہ اے کفریاتِ دنیوی میں مشغول ہو کر کفرانِ نعمت کرنے والو تم اپنی جہالت وضلالت کی وجہ سے طلبِ عذاب میں جلد بازی کرکے بڑی سخت حماقت کر رہے ہو اور تمہاری جلدبازی تین وجہ سے ہے جو تم کو بہت بڑا نقصان دینے والی ہے ۱۔ اس لیے کہ تم لوگ ہمارے نبی کی صداقت ونبوت کے منکر ہو ۲۔ اور یہ انکار محض عداوت کی وجہ سے ہے ۳۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اسلام کی ہر اُس بات کا مذاق بناتے ہو جو ہمارے نبی یا اُن کے صحابہ کی زبان سے سنو ۔ اور میرے اِس قانونی فیصلے کو سب جانتے ہیں کہ جس نے میرے وَلیوں سے عداوت کی اُس نے گویا مجھ سے اعلانِ جنگ کیا میرے محبوب کی تو شان وآن قدر ومنزلت ہی وَرا ءُ الوَرا ہے ۔ اِن عداوت واستہزا کو معاف نہیں کیا جا سکتا تم جلدی کیا مچا رہے ہو ۔ سَاُورِیْكُمْ میں خود تم کو بہت جلدی عذابِ اَلیم کی وہ وہ نشانیاں دکھاؤں گا کہ دنگ وتنگ ہو جاؤ گے اس لیے دشمنی وعداوتی استہزا کے ذریعے ایذا رسانی کرتے ہوئے مجھ سے دعائی بد دعائی لفظوں سے اپنے لیے ابھی عذاب کی جلدی مت مچاؤ ۔ دوم یہ کہ روحِ انسانی عَجَلٍ سے پیدا کی گئی یہ روح مخلوقاتِ دنیوی میں پہلی وہ مخلوق ہے جو قدرتِ ربانی سے متعلق ہے ، سوم یہ کہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو کلمۂ کُنْ سے چھ دن میں پیدا فرمایا ، لیکن آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے بنا کر پیدا فرمایا ۔ چالیس دن تک تو جسمِ آدم کی مٹی کا خمیر ہی بنا رہا ۔ اُن چالیس دنوں کا ایک ایک دن ہزار سال کا تھا گویا کہ چالیس ہزار سال میں وہ مٹی تیار ہوئی جس سے آدم اور آدمیت کو پیدا فرمایا ۔ اُس مٹی کا نام رکھا گیا عَجَلٍ ۔ اُس مٹی میں رب تعالیٰ نے گیارہ خزانے ودیعت رکھے ۔ ۱۔ قوتِ عمل کا خزانہ ۲۔ سِرِّ خلافت کا خزانہ ۳۔ تجلیِ ذات کی قابلیت ۴۔ مراتِ صفات کا خزانہ ۵۔ گنجِ مخفی کا مظہر ۶۔ معدنِ معرفت کا خزانہ ۷۔ امانتِ الٰہی کا بوجھ ۸۔ صفاتِ کمالی کا خزانہ ۹۔ مظاہرِ آفاقی کے انعامات کا خزانہ ۱۰۔ تربیتِ انفاس کا خزانہ ۱۱۔ نبوتِ عظمیٰ اور ولایتِ کبریٰ کا خزانہ ۔ پس اے منکرین مقاماتِ نبوت وکیفیاتِ ولایت اپنے نفوسِ ضعیفہ میں ان مقاماتِ عُلیا کے طلب کی جلدی مت مچاؤ نہ انکار کی جہنم کماؤ ۔ پہلے قابلیتِ نفوس تو حاصل کرو تب سَاُورِیْكُمْ کا جلوہ آشکارا ہوگا ۔ طلبِ افکار وعبد

سے لحد تک ہوتی ہے بلکہ ازل سے ابد تک مگر اسرار کے مَنطِقُ الطَّیْرِ تو صرف سلیمانِ وقت کو سکھائے
جاتے ہیں عوام کو آفاق دکھائے جاتے ہیں خواص کو انفاس کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ اغیار کو فقط افلاک میں
گھما پھرا دیا جاتا ہے اس لیے وہ آسمانِ معرفت کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ ابرار کو اسرارِ انوار کا جلوہ کرایا
جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دو طرفہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق حق ظاہر ہو جاتا ہے۔ صبر والا مقاصد پالیتا
ہے۔ عجلت والا ذلت پالیتا ہے۔ کیونکہ صبر میں شرافت ہے عجلت میں ندامت ہے۔ اسی لیے فرمایا
جاتا ہے کہ ہر کام توقف اور تفکر سے کرو۔ امورِ دنیوی ہوں یا مقاصدِ معنوی لیکن باطلین اس کو نہیں
سمجھتے بلکہ حماقت سے عجلت کرتے ہوئے اہلِ حق پر غلط بیانی کا طنز کرتے ہیں اور صدق پر شک
کرتے ہیں۔ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ
ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ اگر اہلِ انکار جانتے پہلے سے اِس بات کو کہ اللہ تعالیٰ
اُن پر جدائی اور قطعیت کا عذابِ حسرت کی جہنم۔ اور بُعدیت کی آگ نازل کرنے والا ہے
تو اپنی ضد اور فسادِ باطنی سے مقامِ انکار پر کبھی قائم نہ رہتے مکانِ عداوت اور منازلِ استہزاء
میں اور طلبِ عذاب کی عجلت کی بجائے توبہ میں سُرعت کرتے اور طلبِ حق و ایمان پر حق کی طرف
قلبی عقلی و یدی رجوع کرتے کیونکہ طلبِ حق مقصدِ اعظم ہے اور وصولِ حقانیت منزلِ اعلیٰ ہے۔
صوفیا فرماتے ہیں۔ ادبِ ظاہر یہ ہے کہ بندہ اپنی بصارۂ عینی و نظرِ چشمی کو راہِ مستقیم میں دائیں بائیں
کی توجہ سے بچائے اسی طرح ادبِ باطن یہ ہے کہ بندہ اپنی بصیرتِ خاصہ و طبیعتِ مخلصہ کو
ما سوا اللہ کی طرف نظر کرتے مائل ہونے سے بچائے اور روکے ورنہ اپنے وُجوہ و ظہور تحت
و فوق دائیں بائیں سے نارِ فراق و عذابِ حرمان کو نہ روک سکے گا۔ اور یہ قوتِ کفوف وسعادتِ
بندش۔ روکنے کی طاقت نہیں حاصل ہوتی مگر اُسی خوش نصیب بندے کو جسے راہِ سلوک میں
نصرتِ مرشد کی مدد مل جائے۔ اس لیے کہ منزلِ شوق اور مدارجِ طلب کی ہدایت و ارشاد
اہلُ اللہ سے ہی ملتی ہے۔ لہٰذا طریقِ مقصود میں فناءِ وجودی کی قوت ضروری ہے اور طلبِ
مقام و نظارۂ افکار میں عجلت منع ہے، جو کوئی بندہ مجنونِ صحراءِ حقیقت بنتا ہے تو بیلاءِ
محبت کے ہاتھ سے فنا کا برتن ٹوٹ جاتا ہے۔ شرع۔ عقل۔ قلب۔ کشف کا یہ متفقہ عقیدہ
ہے کہ یہ دنیا نشاتِ اُولیٰ ہے اور یہ دارِ حیات مقامِ قلیل و قیامِ ادنیٰ ہے۔ اس لیے کمالِ رتبی
و مقامِ قطبی کے حصول کے لیے دارِ بقا کی کثرت ضروری ہے۔ لیکن یہ چیز ملتی ہے نشاتِ ثانیہ
سے۔ اور یہ نشاتِ دوم کا وصول و حصول بعد موت دارِ آخرت میں ہے۔ بَلْ تَاْتِیْهِمْ

بَغۡتَةً فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا يَسۡتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ ۔ بلکہ موت ہی وہ وصل برحق ہے جو ہر ایک طالب کو اچانک ملتا ہے۔ یہ عمر وقتِ فرصت ہے اس کی گھر گرستی صحت وشباب ہے ان سب کو اے بندے غنیمت جان کیونکہ جب موتِ ناگہانی آگئی تو سب کو مبہوت کر دے گی پھر نہ گوش رہے گا نہ ہوش نہ قدرتِ عمل نہ تدارکِ عمر نہ قوتِ تاخیر نہ مہلتِ تفکر ؎

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو ۔۔۔ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اہلِ دنیا دنیا داروں سے ملنے کے لیے ظاہری بدن کو سنوارتے ہیں مگر اہل ایمان بارگاہ قدس کی حاضری بَغۡتَةً کے لیے ہر وقت روح وقلب کی خوب صورتی اور حسن وجمال کی تقویت حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ بدن ظاہری کی خوب صورتی وخوشنمائی حسنِ لباس وخوراک میں ہے مگر روح وقلب کی خوب صورتی حسنِ اعمال و اخلاق میں ہے۔ حسنِ اخلاق کی بیس قسمیں ہیں ۱ ہر حال میں سچ بولنا ۲ غرور میں نہ آنا ۳ تکبر نہ کرنا ۴ تعصب نہ کرنا ۵ تعلب میں ہمیشہ رہنا ۶ عداوت سے پرہیز ۷ استہزاء اور مذاق اڑانے سے بچنا ۸ عجلت سے پرہیز ۹ کارِ خیر کی سرعت میں رہنا ۱۰ دنیا سے ناامیدی ۱۱ پیٹ بھر کر نہ کھانا ۱۲ غریب اور بھوکے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھنا ۱۳ سائل پر نرمی اور بخشش کرنا ۱۴ احسانات کا بدلہ دینا ۱۵ امانت داری کرنا ۱۶ صلہ رحمی قائم رکھنا ۱۷ مہمان نوازی ۱۸ تمام حقوق ادا کرتے رہنا۔ بندے پر گیارہ قسم کے حقوق ہوتے ہیں حقوقُ اللہ، حقوقُ النبی، حقوقُ العباد، حقوقِ والدین حقوقُ النفس، حقوقِ قرابت، حقوقِ قرآن، حقوقِ حدیث، حقوقِ اسلام، حقوقِ دوست، حقوقِ پڑوسی حقوقِ زوجیت قرابت میں شامل ہے اسی طرح حقوقِ اولاد بھی ۱۹ حیا اور غیرت مندی یہ حسن اخلاق کی بنیاد ہے ۲۰ تقویٰ، دو چیزیں بندے کو جنت میں لے جاتی ہیں اور دو چیزیں جہنم میں۔ تقویٰ اور حسن اخلاق جنتی بنا دیتا ہے۔ خوشی اور غم میں شریعت کے خلاف رویہ اختیار کرنا جہنمی اس طرح کہ غم میں شکوہ خوشی میں غلو کرنا صفاتِ حمیدہ دو چیزوں کا نام ہے ۱ دنیا ضائع ہونے کا غم نہ کرو ۲ جو حاصل ہوا اس پر خوش رہو۔ یہ تمام نعمتیں مومن کو آستانۂ نبوت سے ملتی ہے مگر کفار اس سے محروم، کفر کی اصلیت بد اخلاقی ہے اور چار چیزوں کا نام بداخلاقی ہے ۱ نیکوں سے عداوت ۲ مذاق بازی ۳ ایذا رسانی ۴ جلد بازی۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دس چیزوں کا نام ہدایتِ اسلام ہے ۱ خوفِ الٰہی ۲ ایفاءِ عہد ۳ امانت داری ۴ پڑوسی کی حفاظت

رد یتیم پر رحم ۔ نرم گفتگو ۔ تبلیغ قرآن وحدیث ۔ مسلمان عورت کے شرعی حقوق کی عزت و حفاظت ۔ دنیوی امیدیں گھٹانا ۔ قرآن کریم میں تفکر تدبر تعقل تدبر کرنا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

اور البتہ مذاق اڑایا جاتا رہا ہے تمام رسولوں سے آپ سے پہلے اس لیے ہر طرح سے فنا کر دیا

اور بے شک تم سے اگلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ان لوگوں کو تمسخر کیا تھا جنہوں نے ان میں سے اس عذاب نے جس کا

تو مسخرگی کرنے والوں کا ٹھٹھا انہی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۱ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ

مذاق بناتے تھے ۔ اے محبوب فرماؤ کہ کون بچا سکتا ہے تم کو رات

کو لے بیٹھا ۔ تم فرماؤ شبانہ روز تمہاری کون نگہبانی

وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

ودن کی ہر گھڑی میں اللہ رحمٰن سے پھر بھی وہ اپنے رب کی

کرتا ہے رحمٰن سے بلکہ وہ اپنے رب کی یاد

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ

یاد سے دور ہٹنے والے ہیں ۔ کیا ان کے لیے کوئی ایسا معبود ہے جو محفوظ رکھے

سے منہ پھیرے ہیں ۔ کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو

مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ

ان کو ہمارے مقابلے سے ہیبت تو طاقت نہیں رکھتے اپنے آپ کی مدد کرنیکی اور

ہم سے بچاتے ہیں وہ اپنی ہی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور

لَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

نہ ہی اُن کو ہماری طرف سے کچھ قرب دیا گیا ہے

نہ ہماری طرف سے اُن کی یاری ہو

تعلقات ان آیتِ مبارکہ کا پچھلی آیتِ مبارک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں جہنم کے عذابوں ذکر فرمایا گیا کہ وہ چہروں اور پیٹھوں سے ہٹ نہیں سکے گا۔ اب ان آیت میں اُن لوگوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے جو بد بخت اس عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مذاق اُڑانے والے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ کفار لوگ عذاب جلدی مانگتے ہیں مگر ان کا یہ احمقانہ مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا۔ اب ان آیت میں اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اللہ رحمٰن ہی تمہاری دن رات حفاظت فرما رہا ہے ورنہ اگر تمہارے جرموں خباثتوں کو دیکھا جاتا تو کب کے ہلاک ہو چکے ہوتے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی کمزوری بیان ہوئی کہ وہ اپنے آپ سے عذاب کو رد کرتے اور دور کرنے کی طاقت و ہمت نہیں رکھتے اب ان آیت میں ان کے بتوں کی جن کو وہ اپنا معبود سمجھتے ہیں کمزوری بیان کی جا رہی کہ اے کافرو تم نے بتوں سے بڑی بڑی اُمیدیں لگائی ہوئی ہیں وہ تم سے عذاب کیا دور کریں گے وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے۔

تفسیر نحوی وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ واؤ برجلہ لام تاکید یہ برائے مضبوطی کلام قد اسْتُهْزِئَ باب استفعال کا فعل ماضی قریب مجہول مثبت واحد مذکر غائب مصدر ہے اِسْتِهْزَاءٌ هُزْئٌ یا هُزُوٌ سے بنا ہے یعنی مذاق اڑانا اس کی ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا نائب فاعل ہے مرجع خود مصدر اِسْتِهْزَاءٌ

ہے ب حرف جر بمعنی مع یعنی ساتھ رُسُلٍ اسم جمع مکسر ہے رَسُوْلٌ کی بمعنی پیغمبر صاحب وحی
یہ جار مجرور متعلق ہوا سے مِنْ جارہ قَبْلِ اسم ظرف زمانی مضاف ہے کَ ضمیر مخاطب مرجع
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور ہوکر متعلق دوم ہے قَدِ اسْتُھْزِءَ
فَ حرف سببیہ ماقبل تید سبب ہے ما بعد جیسے کا حَاقَ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق معروف مثبت
واحد مذکر غائب حَیْقٌ سے مشتق ہے ایک قول میں حَقٌّ سے مشتق جیسے ذَمٌّ سے ذَامَ اور ہَلَقٌ
سے ہَلَقَ مگر پہلا قول صحیح ہے ترجمہ ہے ہر طرف سے برباد کرنا یا ہر طرح سے ذلیل کرنا بِ جارہ
تعدیہ کی ہی کی وجہ سے حاق فعل متعدی اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر مراد ہیں کفار سَخِرُوْا باب
سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب سَخْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مسخرہ پن کرنا
نقلیں اتارنا ہنسی اڑانا، نیچا سمجھنا کمتر جاننا۔ ھُزُوٌ اور سَخْرٌ دونوں کے معنی ہیں مذاق کرنا مگر فرق
یہ ہے کہ باتوں سے اپنے برابر یا اپنے سے بڑے کا مذاق اڑانا استہزاء ہے اور عملاً نقل بناتے
ہوئے یا دوسروں کو ہنسانے کے لیے کسی کا مذاق یا کسی کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کی بات نہ ماننا
یا اس پر کسی طرح دباؤ اور رعب ڈالنا سخر ہے کفار نے ہر طرح کا مذاق کیا تھا اس لیے دونوں
لفظ استعمال ہوئے اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے اَلَّذِیْنَ مِنْھُمْ
مِنْ جارہ بعضیت کا ھُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے
سَخِرُوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر ایک قول میں مِنْھُمْ کا مرجع رُسُل ہے یعنی ان رسولوں
کا مذاق اڑایا (تفسیر معانی) سَخِرُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا موصول
صلہ مجرور ہوکر متعلق ہے حَاقَ کا مَا اسم موصول ہے برائے تہویل (خوف دلانے کے لیے)
ہے اس لیے بہ میں ہ ضمیر کا مرجع مَا ہے ایک قول میں مَا مصدریہ ہے اور ہ ضمیر کا مرجع جنس
رسول کی طرف ہے پہلی صورت میں ترجمہ ہے کہ اس نے گھیرا جس کی بابت مذاق اڑاتے تھے
دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ ان کے مذاق اڑانے نے گھیرا ان رسولوں کا۔ کَانُوْا علامت
ماضی استمراری دراصل تھا کَانُوْا یَسْتَھْزِءُوْنَ۔ باب استفعال کا ماضی استمراری مثبت
معروف جمع مذکر غائب بہ جار مجرور متعلق ہے اسی فعل کا اس کو درمیان میں لانے سے
کلام کی اہمیت واضح ہوئی یہ فعل استمراری اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق سے مل کر جملہ
فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر فاعل ہوا حَاقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مسبب ہوا لَقَدِ
کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ قُلْ امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ

اس کا فاعل مرجع مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مَنْ اسم موصول یَکْلَؤُ۔ باب سَمِعَ یا فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف انشائیہ ہے مَنْ موصولہ سوالیہ کی وجہ سے۔ خیال رہے کہ دس چیزوں سے جملہ انشائیہ بنتا ہے ۱ امر ۲ نہی ۳ تمنی ۴ ترجی ۵ عقود ۶ ندا ۷ عرض ۸ استفہام ۹ قسم ۱۰ تعجب۔ یہ صیغہ واحد مذکر غائب کَلْؤٌ ناقص واوی یا کَلَاءٌ مہموز اللام سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے حفاظت کرنا۔ بچاکر یا روکے رکھ کر اصطلاحًا دس طریقے سے مستعمل ہے ۱ دشمن سے بچانا ۲ بگڑنے سے بچانا ۳ باربار دیکھنا نظر رکھنا ۴ پوری عمر بحفاظت آخر کو پہنچنا، ۵ قرض کی ادائیگی کو روک رکھنا ۶ ادھار لینا ۸ عمر دراز ہونا ۹ زمین سرسبز ہونا ۱۰ گھاس چرنا، ان تمام معانی میں لغوی معنیٰ حفاظت ہر جگہ قائم ہیں۔ یہاں لغوی معنیٰ میں ہے کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع ہے کفار بِ جارہ بمعنیٰ فی ظرفیہ بِ کا اپنا معنیٰ ہے الصاق یعنی ملانا فی ظرفیہ کی وجہ سے معنیٰ ہوا رات و دن کی ہر ہر آن میں لیل و نہار بمعنیٰ رات و دن دونوں میں الف لام استغراقی ہے یعنی ہر دن رات واؤ بیچ میں عاطفہ ہے یہ دونوں عطف مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ جارہ بمعنیٰ عَنْ زوالیہ تجاوز اور ھٹنے بچنے کے لیے مِنْ کو عَنْ کے معنیٰ میں کرنے سے دو معنیٰ حاصل ہوئے ۱ ابتدا ۲ اور زوال و دوری اور یہاں یہی مناسب ہے الرحمٰن اسم صفاتی نام ہے اللہ کا رَحْمٌ سے مشتق ہے یہ پوشیدہ کا مضاف الیہ ہے یہاں عذاب یا باس پوشیدہ۔ لفظ مضاف ہے مگر ترکیب میں شمار نہیں کیونکہ یہ حکمی و معنوی اضافت ہے یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے یَکْلَؤُ فعل با فاعِل اپنے مفعول بہ اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ بَلْ حرف عطف اِضراب کے لیے ہے یعنی مَنْ یَکْلَؤُ کے مضمونِ جملہ کا اضرابی جواب ہے مابعد کا معطوفہ جملہ ھُمْ ضمیر مبتدا عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے معرضون باب افعال کا اسم فاعِل جمع مذکر مصدر ہے اِعراض بمعنیٰ منہ پھیرنا۔ انکار کرنا عَرْضٌ سے بنا ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل متعلقِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا ہوئی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا یَکْلَؤُ کے جملے پر دونوں عطف صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا اور جملہ قولیہ ہوگیا۔ اِن آیات میں دیگر اقوال وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ میں ایک قرءت لَقَدُ اسْتُهْزِئَ ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قَدْ اصلاً ساکن دال ہے۔ اور نحوی قانون ہے کہ اَلسَّاکِنُ اِذَا حُرِّکَ حُرِّکَ بِالْکَسْرِ۔ لفظ یَکْلَؤُ میں تین قول ہیں ۱ یَکْلَؤُ ۲ یَکْلَوُ ۳ یَکْلُوْ

مگر پہلی قرأت مشہورہ جمہور یہ ہے۔ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ۔ اَمْ حرف عطف اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۱ متّصلہ ہمیشہ درمیانِ کلام میں عطف کرنے کے لیے آتا ہے بمعنیٰ یا اس کی ابتدا جو کلام میں ہمزہ سوالیہ لازماً آتا ہے ۲ اَمْ منقطعہ اس کی دو قسمیں ہیں ۱ اَمْ بمعنیٰ بَلْ اضرابی یہ بھی ہمیشہ عطف کے لیے درمیانِ کلام میں ہوتا ہے بمعنیٰ بلکہ اضراب کے لیے آتا ہے اضراب کی مختصر اور جامع مانع تعریف یہ ہے کہ ماقبل جملے پر یقین تھا مگر بَلْ کے آنے سے ماقبل پر یقین ختم ہو گیا اور مابعد کلام میں یقین کا احتمال پیدا ہو گیا مثلاً دور سے دیکھ کر کہا زید ہی ہے بلکہ نہیں شاید وہ بکری ہے اضراب کی ایک نوعیت یہ ہے کہ ماقبل کی یقینی کیفیت کو ختم نہ کیا جائے بلکہ کسی اور چیز کا اس میں اضافہ کر دیا جائے مثلاً وہ چور ہے بلکہ سینہ زور ہے یہ تو بَلْ کی اپنی اصلی معنوی دو کیفیتیں ہیں ان دونوں کو اضراب کہا جاتا ہے مگر کبھی حرفِ بَلْ لٰکِنْ کے معنیٰ یعنی استدراک ہی کے لیے ہوتا ہے استدراک یہ ہے کہ ماقبل کلام سے وہم ہوا بَلْ یا لٰکن کے ذریعے سابقہ کے وہم کو ختم کر کے مابعد کا یقین کیا جائے ۲ اَمْ بمعنیٰ ہمزہ سوالیہ بمعنیٰ کیا یہ اکثر عطف کے لیے نہیں آتا اس لیے شروع کلام میں آتا ہے یہاں یہی قسم ہے ان چار اقسام کے اعتبار سے اس کے اردو میں چار ہی معنیٰ ہوتے ہیں ۱ یا ۲ خواہ ۳ کیا ۴ بلکہ لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اٰلِهَةٌ اسم جمع مکسّر آخر میں تِ تانیث کی ہے کیونکہ غیر ذوی العقول کی طرف اشارہ ہے ایک قول میں یہ جنسی جمع ہے موصوف ہے تَمْنَعُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع واحد مؤنث غائب ہی ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اٰلِهَةٌ جنسی جمع چونکہ غیر عقلی جمع کے لیے مؤنث کا صیغہ آتا ہے اس لیے یہ صیغہ و ضمیر و مؤنث آئی هُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع کفّار مِنْ جارہ بمعنیٰ عن جارہ دُوْنِ اسم مفرد و معرب مشترک ہے بہت معنیٰ ہیں یہاں بمعنیٰ مقابل ہے۔ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَمْنَعُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اٰلِهَةٌ کی یہ مرکب توصیفی مبتدا مؤخر ہے اَمْ لَهُمْ کے جملے کا مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہ عبارت اس طرح ہے اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ مِّنْ دُوْنِنَا تَمْنَعُهُمْ۔ اب اس ترکیب مِنْ دُوْنِنَا پوشیدہ کا متعلق ہو کر پہلی صفت ہے اٰلِهَةٌ کی اور یہاں دُوْنِ کے معنیٰ اب سوا ہوں گے تَمْنَعُهُمْ کا جملہ دوسری صفت ہوگی۔ (معانی) لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ باب استفعال کا فعل مضارع منفی بلا

معروف جمع مذکر غائب مصدر ہے اِسْتِطْوَاعٌ واؤ کو تعلیل نحوی میں یٰ سے بدلا استطیاعٌ ہوا طَوْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ طاقت رکھنا، اِسْتِطَاعَۃٌ بھی مصدر ہے ھُمْ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ مرجع ہے اٰلِہَۃٌ یہاں جمعیت مراد ہے یعنی تمام کے تمام معبود۔ اور تَمْنَعُ میں جنسی وحدت مراد ہے یعنی کوئی بھی۔ نَصْر اسم مفرد مصدر ثلاثی مجرد استعمالاً مطرد یعنی بہت مستعمل ہے مطرد کے کل پانچ باب ہیں مضاف ہے اَنْفُسِہِمْ مرکب اضافی بمعنیٰ اپنے آپ کی مفعول مضاف الیہ ہے مصدر کا شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہے۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا نافیہ حرف عطف برائے تاکید عطف سابقہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مِنَّا جار مجرور متعلق مقدم ہے یُصْحَبُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب لاء عاطفہ کی وجہ سے یہ فعل منفی ہو گیا ایک قول میں وَلَا ھُمْ کا لَا عاطفہ نہیں ہے بلکہ مضارع منفی بِلَا کا لَا ہے عبارت دراصل اس طرح تھی وَھُمْ لَا یُصْحَبُوْنَ مِنَّا یہ تقدم وتاخر کلام کی تاکید و سختی کے لیے مفید ہے صُحْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ساتھ رکھنا دوست بنانا ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل مرجع اٰلِہَۃٌ یہ فعل بافاعل اور متعلق مقدم سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۔ قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۔ بَلْ ھُمْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّھِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ اور اے محبوب آقائے کل نبی الانبیاء آپ ان کمینے والے کفار کی مذاق بازی اور ابوجہلی ھزو تمسخر اور مذاق جاہلانہ کا غم نہ فرمائیں بلکہ تسلی رکھیں یہ حماقتیں تو اِن کفار کی پرانی عادت ہے اس طرح کہ البتہ بے شک اِن منکرین کی طرف سے مذاق بنایا گیا اُن کثیر صاحب شریعت رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے گزرے اُن بدبختوں نے کبھی اُن کو اپنے جیسا کمزور بشر معمولی انسان بے اختیار سمجھا اور کبھی ان کو طاقتور جادوگر کہدیا کبھی شاعر کبھی کاہن کبھی مجنون کہدیا اور ان گستاخیوں کے پردے میں رسالت نبوت قوت و کمال شان و اختیار کا انکار کر دیا، اور مذاقاً تمسخرانہ لہجے میں قسم قسم اور طرح طرح کے بیہودہ سوال کرتے رہے مگر کسی طریقے سے بھی حق و حقانیت کو نہ مانا اور موت و قبر حشر و جہنم کے عذاب آسمانی بلاؤں دنیوی ناگہانی مصائب کو جھوٹ سمجھتے ہوئے اپنے پر جلدی مانگتے رہے تو شروع سے ہی اِن گستاخیوں اور کفریات کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہی کہ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ۔ نازل اور وارد

ہوگیا ہر اپنے اپنے دور میں ہر زمانے کے اُن منکرین پر جنہوں نے اُن میں سے مذاق کیا تھا وہی عذاب جس کو وہ مذاق سمجھتے تھے ٹھٹھے مار کر تالیاں بجا کر تمسخر اور ہنسی اڑایا کرتے تھے حالانکہ دنیا و آخرت موت و قبر حشر و جہنم کے عذاب الیم سے بجز رب تعالیٰ کسی کو کوئی نہیں بچا سکتا یہ تو آخرت کی بات ہے لیکن اے محبوب آپ اِن کفار سے ذرا یہ پوچھئے کہ کون تمہاری حفاظت کرتا ہے راتوں کو غفلت کی نیندوں میں جان و مال کی رحمٰن و رحیم کی طرف سے وارد کردہ ناگہانی آفتوں وباؤں زہریلے کیڑے مکوڑوں، جنات و حیوانات کی ایذاؤں سے۔ اور کون بچاتا ہے تم کو دنوں کے سفر و حضر کے حادثاتِ طوفانی مصائب سمندر کی لہروں سیلابوں کے تھپیڑوں قتل و غارات کے بکھیڑوں سے، یا اگر آپ رحمٰن نازل فرمانے کا ارادہ فرمائے یا ان کی کفریہ فسقیہ سرکشیوں کی وجہ سے اُن پر یہ دنیوی عبرت انگیز سزائیں وارد ہوجائیں اور ان کو گھیر لیں تو کون دوسرا بچا سکتا ہے۔ ذرہ بھر غور و تفکر سے ہر کس و ناکس عاقل و عالم کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہی اپنی صفتِ رحمانیت کا اظہارِ مشفقانہ اپنے بندوں پر فرماتے ہوئے رحمتِ عظیم عامہ کے انعام کرکے ہر مصیبت سے بچاتا ہے اور مہلتِ زندگی دیتا ہے۔ مگر کفار اس کرم کریمانہ کو کب مانتے ہیں۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ۔ بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر کرنے سے ہی منہ پھیرتے چہرے موڑنے والے ہیں اُس حقیقی محسن کائنات کا یا اُس کے شکریے کا کبھی خیال تک نہ آیا۔ نہ اُس کو رحمٰن مانتے ہیں نہ اُس کے قرآن کو اُس کا کلام سمجھتے ہیں نہ اُس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں کو تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ حیات دنیا کے ہر ہر لمحے میں کتنے محتاج ہیں یہ لوگ حفاظتِ رحمانی کے اُس کی رحمت و حفاظت کے بغیر ایک آن زندہ نہیں رہ سکتے تو بجائے اس کا شکر کرنے احسان مند ہونے کے ایسے کریم پروردگار کی مخالفت کرتے ناراضگی لیتے ہیں۔ اس طرح کہ اُس کی توحید کا انکار اُس کے ساتھ شرک کا اقرار کرتے ہوئے کئی کئی سینکڑوں معبود بنا ڈالے ہیں جو ہر طرح فضول و بے فائدہ ہیں۔ اے محبوب اِن کفار کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے اِن سے یہ پوچھئے کہ جنات حیوانات درندوں چرندوں سانپ بچھو کیڑے مکوڑوں میں کتنے کتنے طاقتور اور زہریلے اور سخت خطرناک ان کے دشمن ہیں اور یہ انسان کتنے کمزوری میں اور غافل ہیں۔ اگر رب تعالیٰ انسان کی حفاظت نہ فرمائے تو یہ طاقتور دشمن ہر جگہ پہنچ کر انسانوں کو ہلاک کر دیں وہی رب کریم ان موذیوں کے منہ موڑتا ہے۔ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ

مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ. کیا ان کے لیے کہیں کوئی ایسا معبود ہے جو اپنے پجاریوں کو دنیوی یا اُخروی عذاب اور مصیبتوں سے بچالے اور آفات و بلیات کو ان کے پاس آنے سے روک دے اور ہمارے بھیجے ہوئے طوفانوں سیلابوں یا آسمانی عذابوں کو ہمارے علاوہ ہمارے مقابل آکر پھیر دے اور اپنے پجاریوں پر نہ آنے دے۔ تاریخِ عالم میں کبھی کہیں اس کی کوئی مثال و شہادت نہیں ملتی۔ کفار پر طوفانِ نوحی آیا جس سے ہم نے اپنے سچے مومن نبی کے غلاموں کو بچالیا مگر کوئی بُت اور جھوٹا بناوٹی معبود کسی بُت پرست پجاری کو نہ بچاسکا، قوم عاد و ثمود اور قوم ہود و لوط پر آسمانی عذاب آیا۔ اور قوم فرعون و فرعون پر زمینی عذابِ غرق آیا کوئی بُت نہ بچاسکا۔ قوم یہود پر قتلِ بخت نصر اور قید و بند کا عذاب آیا کوئی دیوی دیوتا کچھ مدد نہ کرسکا۔ اس طرح کی بہت سی واقعاتی مثالیں، حقیقی تاریخیں، سچی حکایتیں سفر و حضر کی مشاہداتی عبرتیں عالمِ دہر میں بکھری پڑی ہیں نہ روک سکنے اور بتوں کی بے بسی بے کسی بے چارگی کے تو سینکڑوں واقعات گزر چکے ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ مگر یہ کفار اپنے بتوں کی امداد اور بچالینے کی کوئی ایک آدھ بھی مثال بتا سکتے ہیں یا ہرگز نہیں اور پھر یہ نادان اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ یہ دستی تراشے خراشے زمینی بُت مورتی تو لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ۔ خود اپنے آپ کو بچانے اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہمارے خلیل ابراہیم نے بتوں کو توڑا کوئی بھی بُت چھوٹا یا بڑا اپنے آپ کو نہ بچاسکا ہمارے نبی یوسف نے مندر سے بتوں کو چھپا کر نکال پھینکا مگر کوئی بُت دستِ یوسفی سے نہ بچ سکا موسیٰ کلیم اللہ نے سامری کے بچھڑے کو ذبح کرکے جلا دیا مگر وہ بھی باوجود جاندار جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ہونے کے ضربِ کلیم سے اپنے آپ کو نہ بچاسکا۔ محمود غزنوی نے ہندوستان کے سومناتھ مندر اور اس کے بڑے چھوٹے بتوں کو پاش پاش کردیا اور تمام ہندو دیکھتے رہے مگر کوئی بُت اپنے آپ کو نہ بچاسکا تو پھر یہ بناوٹی معبودانِ باطل کسی غیر کو کیا بچا سکتے ہیں حالانکہ حمایتِ نفس اور حفاظتِ خود ضروری بھی ہوتی ہے اور آسان بھی غیر کی حفاظت و حمایت سے یہ بت اتنے ضعیف کمزور و عاجز ہیں کہ اپنے منہ سے مکھی نہ اڑاسکیں۔ ان کو تو اپنے یا پجاریوں کے وجود کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ کتنا کرم ہے اس اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کا اور کیسا عظیم رحمِ الٰہی ہے ان کفار پر کہ ان کے شرک کے باوجود وہ رب تعالیٰ ان کا دن رات محافظ ہے اور یہ کفار اس کی بے شمار نعمتیں استعمال کرکے بھی اس کے ذکر سے ہی مُعْرِضُوْنَ اور دور ہیں نہ توحیدِ باری تعالیٰ

کے دلائلِ عقلیہ میں غور کرتے ہیں نہ نقلیہ میں نہ لطائفِ قرآنیہ میں تدبر کرتے ہیں نہ آیات قرآنیہ میں تفکر پوری حیاتِ دنیوی میں وہ ہی تو وقت ہیں ۱ رات ۲ دن، رات کی کلائت کا نام حفاظت ہے اور دن کی کلائت کا نام حراست ہے، دنیوی مصائب سے بچانا رحمت ہے اور عذابوں سے بچانا ہدایت ہے۔ کوئی بچے نہ بچے اُس کی قسمت، ان حقائق میں غور کر کے بتائیں کہ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ کون ذات بابرکات ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ تم کو بحفاظت ہر بلاؤ وبا سے تم کو بچا لیتا ہے ان کفار نے معبود بنانے میں عقل و شعور سے کچھ کام نہ لیا بلکہ نظر و سماعت کے بل برتے پر معبود بناتے چلے گئے جس کی بھی ہیبت ناک آواز اور چمک دار رنگت دیکھی اُس کو معبود سمجھ کر دیوی دیوتا بنا ڈالا اسی بنیاد پر سورج اور چاند اور آسمانی کواکب کو بحساب رنگت چمک دمک معبود بنا لیا ہے حالانکہ چاند سورج بھی اپنے پر کچھ اختیار نہیں رکھتے نہ اپنی مرضی سے ٹھہر سکیں نہ اپنے آپ کو گرہن سے بچا سکیں نہ کسوف کو ٹال سکیں نہ خسوف کو نہ اپنے پجاریوں کی کسی طرح سے کچھ مدد کر سکیں بے شک ساری عمر ان سے آسیں لگا کر آسن جما کر مندر میں جا کر بیٹھے رہیں۔ یہ تو اُن معبود ان باطل بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی دنیوی زمینی اور مشاہداتی تجرباتی حالت و کیفیت ہے لیکن آخرت و قیامت قبر و حشر میں بھی اِن بتوں وغیرہ سے کسی قسم کی آس و اُمید لگانا بالکل بیکار ہے۔ اس لیے کہ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ یہ بُت دیوی دیوتا ذہنی وصمی اور دست کاری سے تراشے خراشے بُت دیوی دیوتا تو خود بھی جہنم میں مٹی کا کوڑا اور دوزخ کا ایندھن بنے پڑے ہوں گے نہ اُن کو صحبتِ بارگاہ میسر نہ قربِ اکرام حاصل۔ قبر و قیامت میں تو صرف وہی مسعودین طیبین محمودین فائدہ دے سکتے ہیں جو ہماری بارگاہِ رحمت و کرم سے صحبت یافتہ ہو کر مقرب و مکرم بن جائیں۔ فقط یہی لوگ جو حیاتِ دنیوی میں ازلی ابدی سعادتوں کے پانے والے مقربین ہماری رضا کی شفاعت و سفارش سے ہزاروں گناہگاروں کو قبر و حشر میں بچائیں گے اور ہر طرح امداد کریں گے۔ اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں (وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ الخ) اس آیت کے وجہ نزول میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تسکینِ قلبی و حزن و ملال غم و افسوس دور کرنے کے لیے نازل فرمائی گئی دوم یہ کہ صحابہ کرام اور تا قیامت مسلمانوں کی تسلی و تشفی کے لیے نازل ہوئی سوم یہ کہ آیت اگلے پچھلے موجودہ کفار کی کفریہ حرکات و احمقانہ عادات و گستاخانہ خصلات بیان کر کے مشہور کرتے اور سابقہ

انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی شانِ صبر وتحمل استقامت وتحمل ظاہر فرمانے کے لیے نازل ہوئی ۔ فَحَاقَ میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اِس کا معنیٰ ہے، تو وہ عذاب ایک دم نازل اور وارد ہو گیا۔ دوم یہ معنیٰ ہے کہ جب کفار اِس عذاب کے مستحق ہوئے تب وہ عذاب اُن کے لیے ضروری ہو گیا ۔ مِنَ الرَّحْمٰنِ میں پانچ قول ہیں۔ ایک یہ کہ۔ اللہ رحمٰن کی طرف سے بھیجے ہوئے دُنیوی حادثاتی مصائب سے کون بچاتا ہے۔ دوم یہ کہ خود اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے آسمانی عذاب سے بجز اُس کے کون بچاتا ہے۔ سوم یہ کہ موسمی۔ ملکی سیاسی حادثات یعنی قتل قید اور جان لیوا بیماریوں طوفانِ باد وباراں حیواناتی حملوں سے کون بچاتا ہے رحمٰن کی مرضی کے بغیر چہارم یہ کہ خود اللہ سے کون بچا سکتا ہے نہ بھگا کر نہ چھڑا کر ۔ پنجم یہ کہ یہاں لفظِ رحمٰن کا ذکر فرمانا اشارہ ہے اُس کی صفتِ رحمانی کی طرف یعنی اُس کی رحمانیت ہی بچا سکتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے کفر شرک متذو جہالت کے باوجود دنیا میں تم پر رحمٰن ہی ہے ۔ ذِكْرِ رَبِّهِمْ میں پانچ قول ہیں پہلا یہ کہ رحمٰن کو نہیں جانتے پہچانتے مانتے ۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور یاد نہیں کرتے ۔ مانتے ہیں مگر شکر سے نہیں بلکہ شرک سے سوم یہ کہ اُس کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے ۔ چہارم یہ کہ قرآن مجید کو کلامِ الٰہی نہیں مانتے ۔ پنجم یہ کہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے ۔ يُصْحَبُونَ ۔ میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ وہ معبودانِ باطل مقربِ بارگاہ نہیں بنائے گئے۔ دوم مدد نہیں کئے گئے سوم یہ کہ کسی کی شفاعت کا اختیار یا حمایت کی جرأت نہ دئے گئے ۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور پیارے محبوب ومقبول بندوں کے حالاتِ زندگی سنانے سے بےچین دلوں کو چین اور تسلی حاصل ہوتی ہے دلوں کے غم دور ہوتے ہیں یہ فائدہ ۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ باری تعالیٰ نے سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی تبلیغی زندگی اور اُن سے کفار کی بدسلوکی کا ذکر فرما کر اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کو تسلی عطا فرمائی۔ آج علماءِ اہلِ سنت ومشائخِ عظام ، محفلِ گیارہویں۔ بارھویں شریف عرس ومحافلِ ذکر اسی لیے منعقد کرتے ہیں تاکہ اولیاءُ اللہ کے حالاتِ زندگی اور نقشۂ حیاتِ طیبات عوام کے سامنے سنا کر مسلمانوں کو دعوتِ عمل کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو تسکینِ قلبی اور تسلی روحانی دے کر غم دور کئے جائیں جو دینی دشمنوں کے ستائے ہوئے ہیں ان محفلوں کا

مقصد صرف لنگر کھانا نہیں۔ لنگر شریف کا اہتمام تو غریب پروری ہے یا اس کے ذریعے لوگوں کو جمع کر کے ذکر بزرگان سنانا ہے۔ وہابی لوگ اس کو بلا سوچے سمجھے حرام کہہ دیتے ہیں یہ ان کی حماقت ہے اور صرف دینے کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ پیتے اور کھاتے وقت سب سے زیادہ کھا جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا میں سب سے بڑا کفر انکارِ نبوت اور گستاخیِ رسالت ہے اسی پر آسمانی عذاب آتے رہے۔ تاریخی واقعات و مشاہدات سے یہ بات ثابت ہے کہ بڑے سے بڑے کافر پر بھی اُس وقت تک عذاب نہ آیا جب تک اُس نے شانِ نبوت کی توہین نہ کی یہ فائدہ۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ، فرمانے کے بعد۔ فَحَاقَ بِالَّذِينَ۔ میں فَ تعقیبیہ سببیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیوی نعمتیں آرام و آسائش اور مصائب سے حفاظت حادثات و تکالیف سے حراست۔ صرف مومن سے خاص نہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں دنیا میں ہر شخص کے لیے عام ہیں کافر بھی دنیا میں اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں بلکہ کئی علاقوں اور موقعوں میں کفار کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حفاظت و آسائش حاصل ہے لہٰذا یہاں کی نعمت دولت حفاظت حراست ملنا حقانیت۔ سچائی یا عنداللہ پیارا ہونے کی دلیل نہیں بتائی جا سکتی۔ یہاں کی ہر چیز مہلت عبرت ڈھیل اور امتحان ہے یہ فائدہ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ میں کُمْ ضمیر جمع فرما کر کفار کو مخاطب کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کی حیرت انگیز اور کفار کی عبرت انگیز زندگی اور واقعاتِ زندگی سے تسلی لینا اور تسلی دینا جائز ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں پریشان حال علماء مشائخ اور بدکاروں فاسقوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے اَصلُ اللہ۔ اگر سابقین کاملین متبحرین ولیین یا نبیین علیہم السلام کے مظلومانہ واقعات اور کفار و ملعونین کے گستاخانہ سلوک و معاملات کا ذکر بیان کر کے اور سُن کے سُنا کے خود کو اور دیگر مسلمانوں کو تسلی دیں تو بالکل جائز ہے اس سے پریشانی دور غم غلط اور آئندہ تبلیغی مشاغل کی جرأت و ہمت اور لگن پیدا ہوتی ہے۔ اس سے برابری کا اندیشہ ظاہر کرنا غلط اور بیکار ہے یہ صرف تمثیل ہوتی ہے نہ کہ مثلیت یہ مسئلہ۔ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ اسی طرح کسی اچھے نام سے یا اچھے کام سے مشابہ کرنا یا برے کو برے سے مشابہ کرنا بھی منع نہیں، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں نیک بندے کے کام تو ولیوں جیسے ہیں۔ یا فلاں گستاخ تو ابوجہل کی طرح ہے۔ اس طرح کہنا جائز

ہے لیکن انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے ساتھ یہ تشبیہ بھی حرام ہے وہ ہرطرح بے مثل ہستیاں ہیں۔ اس طرح کی تشبیہ سے بدذات لوگ ناجائز وگستاخانہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ کہنا جائز ہے کہ اے لوگو انبیا علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر چل کر اُن کی طرح کے پاکیزہ عمل کرو۔ دوسرا مسئلہ۔ بروں کی برائی اور کمزوریاں بیان کرنا تاکہ لوگ ان کی بری عادتوں ان کی گستاخانہ خصلتوں اور اُن کے دھوکے فریب سے بچیں۔ یہ غیبت نہیں بلکہ جائز ہے۔ یہ مسئلہ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ کی پوری آیت ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تاکہ موجودہ و آئندہ لوگ کافروں اور اُن کے بتوں کی پُر فریب جھوٹی حکایتوں کے دھوکے میں نہ آئیں۔ یہ بات بھی ہر مسلمان ذہن میں رکھے کہ کوئی بُت دیوی دیوتا کسی بھی طاقت قوت یا اختیار کا حامل نہیں محض مٹی کے کھلونے لکڑی کے ٹکڑے یا دھات کے پترے ہیں نہ پہلے کبھی اُن میں کچھ تھا نہ اب نہ آئندہ ہندو اور دیگر مشرکین جو بناوٹی کہانیاں اپنے دیوی دیوتاؤں کے متعلق بناتے پھیلاتے پھرتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے۔ بعض دیہاتی جُہلا اور احمق مسلمان اُن باتوں کو سُن سنکر مندروں اور مورتیوں سے ڈرے سہمے رہتے وہ پاگل اور کمزور ایمان ہیں، اگر کبھی کوئی کسی بت وغیرہ کی طرف سے کچھ شرارت ظاہر ہوتی ہے تو یا تو کفار کی خفیہ شعبدہ بازی ہوتی ہے یا شیطانی جنات کی وہ بھی مسلمان کی اپنی غلاظت بے عملی فسق وفجور کی وجہ سے یا صحبتِ بد کا اثر ہوتا ہے۔ ورنہ نیک متقی پاکیزہ باعمل نمازی مسلمان کو کوئی جنات بھی ستا نہیں سکتا۔ تیسرا مسئلہ۔ حیاتِ دنیوی میں ہی مومن نیک متقی پرہیزگار عبادت گزار اللہ رسول کا فرمانبردار ہونا ہی صحبت یافتہ بارگاہِ قدس ہونا ہے اور يُصْحَبُوْنَ کا انعام ونعمہ پانا ہے۔ یہ مسئلہ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ فعل مضارع مجہول کو یعنی فعل حال کرنے سے مستنبط ہوا کہ جو لوگ اِس دنیا میں يُصْحَبُوْنَ ہیں وہی خوش قسمت بندے دنیا میں حاجت روائی مشکل کشائی اور قیامت میں شفاعت وسفارش کرنے کی ہمت وصلاحیت رکھتے ہیں یہ شان صرف انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اُن کے طفیل اولیا علما وصالحین اور ملائکہ کی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لیے اتاری گئی جس سے معلوم ہوا کہ کفار کے استہزا کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی نہ رہی اور تسلی نہ رہنا بے سکونی ہے اور بے سکونی تبلیغ امور میں رکاوٹ ہے۔ اور یہی کفار

کا مقصد تھا کہ تبلیغ اسلام بند ہو جائے تو کیا کفار اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کم یا بند کر رہے تھے اس لیے جلدی جلدی یہ آیت نازل کی گئی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و سکون مل جائے اور تبلیغ جاری رکھیں اگر ایسا ہی تھا تو یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ جواب۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہی نازل ہوئی تھی اُن کے نزدیک جواب یہ ہے کہ تسلی دینے کی تین وجہ ہوتی ہیں ۱۔ کبھی مایوسی کو دور کرنے کے لیے ۲۔ کبھی تردد اور فکر کو دور کرنے کے لیے ۳۔ کبھی غم اور افسوس کو دور کرنے کے لیے اگر مایوسی کی حالت یا صورت ہو تو اس میں رکاوٹ ہوتی ہے جس سے تبلیغ بند ہو سکتی ہے۔ تردد کی صورت میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ مگر غم کی کیفیت میں کوئی رکاوٹ یا سستی نہیں ہوتی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مایوسی تھی نہ تردد نہ فکر بلکہ کفار کے بد انجام پر غم اور افسوس تھا کہ یہ لوگ جانتے بوجھتے ابدی جہنم میں گر رہے ہیں کل قیامت میں پچھتائیں گے روئیں گے۔ آپ کا یہ غم بھی آپ کے رحمتِ عالمین ہونے کی وجہ سے ہے سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو یہ غم نہ تھا وہ کہتے تھے کہ مانو تو بہتر ہے ورنہ جاؤ جہنم میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں کا تذکرہ فرما کر تسلی دی جا رہی ہے کہ اے محبوب آپ بھی اِن ضِدّیوں کا غم نہ فرمایا کریں۔ بعض مفسرین نے اِس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت عام مسلمانوں کی تسلی اور موجودہ کفار کی تکذیب کے لیے نازل ہوئی نہ کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی تسلی کی ضرورت محسوس ہی نہ ہوئی نہ ضرورت پڑی اس قول میں یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ یعنی آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق بنایا جاتا رہا اور پھر آگے ارشاد ہوا۔ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ یعنی اُن کفار پر وہ عذاب نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ یہاں پہلی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا مذاق بناتے تھے اور اِس دوسری عبارت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار عذاب الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ تو تضاد بیانی معلوم ہوتی ہے جو کلامِ الٰہی ہونے کے مخالف ہے نیز تفاسیر میں بھی بحوالہ روایات و تواریخ ہے کہ کفار انبیا علیہم السّلام کو کبھی جادوگر کبھی مسحور کبھی مجنون کبھی مخبوط کہتے تھے یہ گستاخانہ اقوال تو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہی مذاق ہوا نہ کہ عذاب کا۔ تو پھر مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ کیونکر درست ہوا؟ جواب، کفار کی یہ سب باتیں دراصل انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی تکذیب اور اُن کی نبوت کا انکار تھا،

نبوت کا انکار ان کی پوری تبلیغ کا انکار ہے اور یہی تکذیب انبیا علیہم السّلام کی تمام تبلیغ امر و نہی کے احکام اور بشارت و نذارت وعدہ وعید کی خبر بس دینا ہی ہوتی ہے۔ وعید نام ہے عذاب الٰہی کے آجانے کی خبر دینے کا تو چونکہ کفار انبیاء کرام علیہم السّلام کے انکاری تھے اس لیے ان کے امر و نہی سے مُعْرِضُوْنَ اور وعدہ وعید سے مُنْکِرُوْنَ ہوتے تھے اور اظہار انکار میں عذاب آجانے کی جلد بازی کرکے تمسخرانہ انداز اختیار کرتے تھے تو گویا کہ ساحر و مجنون کہنا انبیاء کرام کا مذاق ہے اور عذاب کی جلدی مچانا عذاب کا مذاق اڑانا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کا مذاق پہلے ہوتا تھا عذاب کا بعد میں اس لیے فرمایا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جن خبروں وعیدوں کا وہ کفار تمسخرانہ مذاق اڑاتے تھے وہ آگیا تھا۔ ایسا ہی یہ کفار کرتے ہیں تو ان پر بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ عذاب آہی جائے گا لہٰذا کوئی تضاد یا مخالفت نہیں بلکہ عام فہم بات ہے صرف سمجھنے کے لیے تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ یعنی پوچھو ان کفار سے کہ کون بچاتا حفاظت کرتا ہے تمہاری رحمٰن سے اس آیت کے ظاہری معنیٰ تو یہی معلوم ہوتے ہیں کہ رحمٰن کوئی اور ہے بچانے والا کوئی اور دوسرا۔ رحمٰن کوئی جبار قہار یا ظالم شخصیت ہے اس لیے اس سے کفار کو بچایا جاتا ہے ہٹایا جاتا ہے۔ یہاں لفظ مِنْ فرمانے سے دور کرنا ہٹانا ثابت ہو رہا ہے جب کہ رحمٰن تو اللہ تعالیٰ کی بہت مشفقانہ رحیمانہ اور رحمت والی صفت ہے۔ جواب۔ لغتِ عربی میں لفظ مِنْ تقریباً چودہ۱۴ معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ۱ ابتدا کے لیے بمعنیٰ طرف سے ۲ سبب بیان کرنے کے لیے بمعنیٰ وجہ سے ۳ عَنْ کے معنیٰ میں۔ یعنی ہٹانا بچانا ۴ علیٰ کے معنیٰ میں ۵ فی کے معنیٰ میں ۶ دور کرنے کے لیے ۷ حاصل کرنے کے لیے ۸ قریب نہ جانے کے لیے ۹ ملانے کے لیے ۱۰ تبعیض کے لیے ۱۱ کلیت کے لیے ۱۲ عبرت کے لیے۔ ۱۳ انجام کے لیے ۱۴ اختتام کے لیے۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ یعنی رحمٰن ہی رحمٰن کی بھیجی ہوئی آزمائشوں مصیبتوں اور موذی مخلوق کی ایذاؤں سے تمہاری حفاظت فرماتا ہے۔ اے لوگو تم کو دنیا میں صفتِ رحمانیت ہی بچاتی ہے اور وہ رحمٰن صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا رب ہے اس لیے وہی سب کا معبود ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۔ قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ

مِنَ الرَّحْمٰنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ اور البتہ بے شک حجب روحانیت کے محجوبین سے بھی زیادہ وہ سیاہ کار بدبخت مغرور ہیں جو بشریت کے پردوں میں محجوب اور پھنسے ہوئے ہیں ۔ اور اپنے آپ کو زیادہ درست و باصلاحیت سمجھتے ہیں ۔ اس لیے کہ پردۂ بشریت کی ظلمتوں میں پڑے ہوئے بدنصیب اپنے ہر قول و فعل سے اپنی جہالت کے اقراری ہیں اور اپنی حماقت کے مغرور بنے ہوئے ہیں ، لیکن روح کثافت کے علاقوں میں جکڑے ہوئے ہیں وہی رذیل و خبیث اپنے رب کے ذکر سے مُعْرِضُوْنَ ہیں اور طلبِ حق سے مغرور ہیں اس لیے کہ لوازماتِ بشریت میں مشغول ہیں جو لوگ روحانیت سے پردوں میں ہو گئے وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرنے والے ہیں اور معارفِ معقولات میں معرفتِ الٰہی سے علیحدہ ہیں ۔ لہٰذا راہِ راست پر آنے کے لیے پہلے غرور کے بُت کو توڑنا چاہیئے کیونکہ اہلِ عشق کے دین میں ایک بُت توڑنا سو عبادتوں سے بہتر ہے ؎

بعکرِ نیستی ہرگز نمی اُفتند مغروراں ؛ اگرچہ صورتِ مقراض لا دارد گریبانہا

یعنی مغرور لوگ فنا کی فکر ہی نہیں کرتے ، اگرچہ لا کی شکل والی قینچی ہر وقت اُن کے گلے میں لٹک رہی ہے ۔ اور اہلِ نفوس اہل قلوب کا ہمیشہ مذاق ہی کرتے ہیں تو اُن کے مذاق کا وبال ان پر ہی پڑتا ہے یہ نہیں سمجھتے کہ اس عالمِ لیل و نہار میں بجز رحمٰن جلّ وعلیٰ کے کون ان کو مصائبِ فراق سے بچاتا ہے اور وصل کی پیاس بجھاتا ہے یہ ناوانی اس لیے ہے کہ اپنے ربِ تعالیٰ کی یاد سے پردۂ کثافت اور بے عملی کے حجاب میں ہیں اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۔ اے محبوب ان اہلِ نفس اور دنیا پرستوں سے پوچھئے کہ کیا ان کو یہ ان کے ڈھیر سارے جو معبود ، دنیا ، دولت تجارت امارت کے بنا رکھے ہیں اور اپنی قوتِ بازو پر ہی ہر طرح بھروسہ کئے پھرتے ہیں ، کیا اُن کے اِن خود ساختہ معبودوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو ان کو نفسِ اَمّارہ کی ہلاکت خیز شرارتوں ابلیسی طغیانیوں وسوسوں و رغلاھٹوں سے ہمارے علاوہ کوئی بچا سکے ، یہ دنیوی دولت ثروت حکومت تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتیں ہر آن فنا کی ہلاکت اِن پر مسلط ہے ۔ اور نہ یہ اَشیاءِ ناسوتی ہمارے قرب کی پسندیدہ ہیں ہماری بارگاہ میں ان کی قدر و منزلت گھاس کے تنکے کے برابر بھی نہیں ہے اگر ذرہ برابر بھی ان کی شان ہوتی تو ہمارے انبیاء علیہم السلام کے آستانوں میں ان کا وجود ہوتا ۔ ہمارے

انبیاء علیہم السلام ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہے اور غربت پر ہی خوشی کا صبر کرتے رہے، صبر کی اصل حقیقت کا اُس وقت اظہار ہوتا ہے جب نفس مطمئن ہو اور نفس اُس وقت مطمئن ہوتا ہے جب عبادت ریاضت کی فاقہ کشی سے نفس کا تزکیہ ہو۔ یہ تزکیہ دستِ نبوت سے ملتا ہے اور مرید صادق کو آستانۂ مرشد پر سچی توبہ کرنے سے دستِ نبوت کی غیبی اور امداد مل جاتی ہے۔ جب نفس پاکیزہ ہو جائے تو اُس کی نفسیاتی سرکشی دور ہو جاتی ہے۔ اور بے صبری نفس کی سرکشی و شرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر سچی توبہ نفس کو نرم کر کے اُس کی بدمزاجی کو دور کرتی بلکہ فنا کر دیتی ہے۔ جب بندہ اپنا محاسبہ اور قلب کا مراقبہ کرتا ہے تو باطنِ انسانی بالکل صاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خواہشِ نفسانی کی جو نفس کی جبلت کی بدولت اُس کے اندر مثل آگ بھڑکتی رہتی ہے وہ بجھ جاتی ہے، مرشد کا اصل کام یہی ہے کہ مرید کے باطنی معبودانِ باطل کو باطن سے نکال باہر پھینکے اور یہ مطمئن ہو کر رضا کے مقام پر پہنچ جائے اور قضاء و قدر کے فیصلوں پر شاکر رہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

بلکہ ہم نے ہی نفع دیا ہے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک

بلکہ ہم نے اُن کو اور اُن کے باپ دادا کو برتاوا دیا یہاں تک

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى

کہ رہی لمبی عمریں ان پر۔ کیا پس غور نہیں کرتے کہ بیشک ہم ہی لا رہے ہیں

کہ زندگی اُن پر دراز ہوئی۔ تو کیا نہیں دیکھتے

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ

زمینی حکومتوں کو اس حال میں کہ کم کر رہے ہیں ہم اِن سابقہ سلطنتوں کو اُن کے کناروں سے تو کیا وہ کبھی

کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں تو کیا

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَ

یہ کفار غلبہ پانے والے ہو سکیں گے۔ آپ فرمایئے فقط میں ڈرا رہا ہوں تم کو پیغام الٰہی کے ذریعے ہاں بالکل

یہ غالب ہوں گے ۔ تم فرماؤ کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈراتا ہوں۔ اور

لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

نہیں سنتا بہرہ آدمی کسی پکار کو جب کبھی ڈرائے جائیں

بہرے پکارنا نہیں سنتے جب ڈرائے جائیں

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ

اور البتہ اگر چھو بھی جائے ان کو گرم ہوا آپ کے رب کے عذاب کی تو

اور اگر انہیں تمہارے رب کے عذاب کی ہوا چھو جائے تو ضرور کہیں گے

لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

چلا اٹھیں گے ہائے ہماری ہلاکت بے شک ہم ہی ہیں ظلم کرنے والے

ہائے خرابی ہماری بے شک ہم ظالم تھے۔

تعلقات ان آیاتِ مبارکہ کا پچھلی آیاتِ مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ ہماری طرف سے کفار کی کوئی بھی حمایت نہ ہو گی اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے بلکہ دنیوی زندگی بھی ان کے بیٹے اور اُن کے باپ دادوں کے بیٹے چند دن کا عیش اور ڈھیل ہی ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کفار سے یہ سوال کرو۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کسی طرح بھی ان کو حق سناؤ یا سمجھاؤ سوال کر کے یا جواب دے کر مگر یہ نہیں سمجھیں گے کیونکہ بہرا آدمی کبھی کسی کی نہیں سنتا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں کفار کی دنیوی ہنسی مذاق

اور قہقہے لگانے کا ذکر ہوا۔ اب اِن کی اُخروی ہائے تِلّا کرنے اور رونے کا ذکر ہو رہا ہے۔

شانِ نزول۔ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ اتقان للسیوطی رض فرمایا کہ ساری سورۃ تو مکی ہے مگر یہ آیت مدنی ہیں اور آیتِ جہاد کے نزول کے بعد جب کہ جہاد فرض ہو چکا تھا اور کئی جنگیں بھی ہو چکی تھیں یہ آیت نازل ہوئیں اور اَفَلَا یَرَوْنَ میں اسلامی جہاد کی عظمت وشان ونتائج کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ اس طرزِ نزول سے دیگر فوائد کے علاوہ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ہمارے محبوب ازل سے ہی حافظِ قرآنی ہیں لہٰذا وہ جانتے ہیں کہ کونسی آیت کس سورۃ میں کس جگہ لکھنی ہے یہ انتہائی مشکل کام ہے غیر حافظ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

تفسیر نحوی بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ

بَلْ عاطفہ اس کا عطف ہے سابقہ جملے اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الخ) پر۔ اضراب کے لیے یعنی کفار کے اُن کفریہ وھمیات کے دفع اور نفی کرنے کے لیے جو اُن کو اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں تقریباً سو جگہ یہ حرفِ بَلْ مذکور ہے اور ہر جگہ ہی اضراب کے لیے ہوتا ہے اور اکثر جگہ عطف بھی ہوتا ہے۔ مَتَّعْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ مَتْعٌ سے بنا ہے مصدر تَمْتِیْعٌ بمعنیٰ نفع دینا تفعیل میں آ کر متعدی ہوا یہاں بیک مفعول ہے لیکن کبھی متعدی بدو مفعول بھی ہوتا ہے یہ فعل با فاعل پوشیدہ ہے هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ قریبی جمع مذکر کے لیے مگر تبعاً مؤنث بھی شامل مفعول بہ مبنی ہے اس لیے اعراب پوشیدہ ہے درمیانی واؤ تبعیلیہ ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰبَآءَ اسم جمع مکسر ہے اَبٌ کا۔ مراد ہیں باپ دادا چچا تایا اور ہر وہ خاندان والا جس کی پرورش میں بچہ بلوغت سے پہلے کی زندگی گزارتا ہے۔ صرف مذکروں کے لیے ہے اَبٌ سے مراد صرف والد نہیں ہو سکتا۔ هُمْ ضمیر کا مرجع کفارِ مکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے۔ حَتّٰى حرفِ جر ہے۔ یہ حرف دو قسم کا ہے ۱۔ جارّہ یہ زیادہ مستعمل ہے اس کے اپنے اصلی معنیٰ ظرفیت شرطیت کے لیے ہیں لیکن دیگر معانی میں چار قسم کا ہے ۱۔ الیٰ کے معنیٰ میں یعنی تک انتہاءِ غایت کے لیے ۲۔ کَے تعلیلیہ کے لیے بمعنیٰ تاکہ ۳۔ اِلَّا کے معنیٰ میں یعنی ، یہاں تک کہ (دیکھو) ۴۔ ابتداءِ کلام کے لیے اس صورت میں ظرفیت اور شرطیت نہیں ہوتی بلکہ سببیت ہوتی یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ حرفِ جر ہے طَالَ بابِ نصر کا ماضی مطلق واحد

مذکر غائب طُوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنی لمبا ہونا لمبائی کی دو قسمیں ہیں ۱ مکانی ۲ زمانی یہاں زمانی مراد ہے عَلٰی حرفِ جر بمعنی لام جارہ نفع کا۔ چونکہ علٰی کا معنی بھی فوقیت کا موجود ہے اس لیے غیر اختیاری نفع مسلط ہونے کے لیے ہے ہِمْ کا مرجع کفار یہ جار مجرور متعلق ہے اَلْعُمُرُ۔ اسم مفرد جامد الف لام عہدی خارجی بمعنی دنیوی زندگی کو عمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے عمارتِ بدن قائم ہوتی ہے فاعل ہے طال کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے مَتَّعْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ اَفَ دراصل تھا فَ اَ۔ فَ زائدہ ہے حرفِ عطف تعقیب تراخی کے لیے آتا ہے مگر یہاں صرف تعقیب کے لیے ہے اَ ہمزہ سوالیہ۔ لَا یَرَوْنَ بابِ فتح کا فعل مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب رَاَیٌ مہموز العین سے مشتق ہے بمعنی دل دماغ کی قوت سے بغور دیکھنا خواب کو بھی رویت اسی معنی میں کہتے ہیں دراصل یَرْئَیُوْنَ تھا تعلیلِ نحوی سے یٰ حرفِ علت کو گرایا اور پھر ہمزہ ثقیل کو حذف کیا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اَنَّا دو لفظ ہیں اَنَّ اور نَا ضمیر جمع متکلم اَنَّ اسم ہے اس لیے منصوب ہے اور متصل ہے نَاْتِیْ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع متکلم اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا لانا۔ یہاں متعدی ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے الف لام عہدِ خارجی اَرْضٌ اسم مفرد جامد بمعنی علاقہ۔ مخصوص زمین مفعول بہ ہے نَنْقُصُ بابِ نصر کا مضارع جمع متکلم بمعنی حال استمراری نَقْصٌ سے مشتق ہے بمعنی کم کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ سابقہ تینوں جمع متکلم کے صیغوں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ھَا ضمیر مفعول بہ ہے اس کا مرجع (مراد) اَلْاَرْضَ ہے مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے (یہ اس کے اصل معنی ہیں) اَطْرَافِ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے طَرَفٌ بمعنی ہلتا ہوا کنارہ یہ تمثیل ہے ویرانیِ کفار کی اور تصویر ہے عبرت کی۔ مضاف ہے ھَا ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع اَلْاَرْضَ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَنْقُصُ کا سب مل کر جملہ ہو کر حال ہے نَاْتِیْ کے فاعل کا نَاْتِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَ ہمزہ سوالِ انکاری کے لیے فَ عاطفہ ھُمْ ضمیر مبتدا۔ الف لام اِسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ غَالِبُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر با فاعل پوشیدہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے نَاْتِیْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبرِ اَنَّ۔ اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَا یَرَوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُکُمْ بِالْوَحْیِ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ وَلَئِنْ مَّسَّتْھُمْ نَفْحَۃٌ مِّنْ عَذَابِ

رَبِّكَ يَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ قُلْ فعل بافاعل جملہ فعلیہ قول ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ
علاً ومعنًا لغو وبیکار، مگر یہاں مَاکافہ سے جڑ کر حصر کرنے کے لیے لایا گیا بمعنی فقط اُنْذِرُ
باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد متکلم نَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈرانا خوف دلانا
اس کا فاعل ضمیر واحد متکلم پوشیدہ کُمْ اس کا مفعول ہے یہ ضمیر منصوب متصل ہے مرجع ہے کفارِ
مکہ بِالْوَحْيِ یہ جار ومجرور متعلق ہے واؤ حالیہ لَا يَسْمَعُ باب سَمِعَ کا مضارع منفی واحد مذکر غائب
سَمْعٌ سے مشتق ہے بمعنی سننا یہ مشہور قرأت ہے لیکن شاذ قرأتیں تین ہیں ۱ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
باب افعال واحد مذکر حاضر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۲ لا يُسْمَعُ باب سَمِعَ کا مجہول
۳ لَا يُسْمِعُ الصُّمَّ باب افعال مذکر غائب ضمیر صیغہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ الف لام
عہدِ خارجی یا جنسی۔ اعلیٰحضرت نے جنسی فرمایا تبھی اس کا ترجمہ جنسی جمع سے ہوا ہمارے ترجمہ
میں عہدِ خارجی ہے یعنی سخت قسم کا بہرہ۔ فاعل ہے اَلدُّعَآءَ اسم مصدر معرف باللام بمعنی پکارنا
مفعول بہ ہے اِذَا اسم ظرفِ زمانی بمعنی جب کبھی بھی مَا حرف زائدہ تاکید کے لیے يُنْذَرُوْنَ
باب افعال کا مضارع مثبت مجہول جمع مذکر غائب مصدر ہے اِنْذَارٌ نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی
ڈرانا خوف دلانا، اس کا فاعلِ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع هٰؤُلَآءِ ہے یا اَلصُّمَّ جنسی جمع یہ فعل
بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا لَا يَسْمَعُ کا وہ سب فعل فاعل مفعول اور ظرف مل کر جملہ فعلیہ ہو کر
حال ہے کُمْ ضمیر کا اُنْذِرُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ
ہو گیا۔ واؤ بیر جملہ لام تاکید یہ اِنْ حرفِ شرط۔ مَسَّتْ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مؤنث
غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی چھونا لگ جانا هُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع کفارِ مکہ
نَفْحَةٌ اسم مفرد مونث لفظی بمعنی گرم ہوا مراد ہے جہنم کا معمولی عذاب نَفْحَةٌ کی تْ وحدت کی
ہے یعنی ایک بار۔ لغت میں پانچ معنیٰ ہیں ۱ ہلکی ہوا ۲ گھوڑے کو ایڑھ لگانا ۳ ہلکی خوشبو
۴ تھوڑا سا مال ملے ۵ آہستہ سے مارنا۔ یا دنیا کی بھوک پیاس کی سختی جو ایک مرتبہ کفارِ مکہ
پر وارد ہوئی تھی اور ابھی سابقہ سزا کا یہاں ذکر ہے یہ فاعل ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ کا یعنی
کچھ معمولی عذاب اسم مفرد جامد بمعنی سزا۔ اصطلاحًا سزائے اُخروی کو عذاب کہا جاتا ہے اگرچہ
لغتًا ہر تکلیف ومصیبت کو عذاب کہا جا سکتا ہے مضاف ہے رَبِّكَ یہ مرکب اضافی
مضاف الیہ ہے یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَسَّتْ کا سب مل کر شرط ہوئے
يَقُوْلُنَّ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع لام تاکید بانونِ تاکید ثقیلہ معروف۔ جمع مذکر غائب دراصل

تھا کیفولوننَّ تین نون (۱) نونِ جمع (۲) نونِ ثقیلہ ساکن (۳) نون ثقیلہ متحرک کیونکہ حرفِ مشدد ہمیشہ دو حرف ہوتے ہیں پہلا ساکن دوسرا متحرک) بغیر فاصلہ کے جمع ہوئیں تو نونِ اعرابی جمع مذکر گر گئی اب واؤ اور نون دو ساکن ہوئے لہٰذا واؤ حرفِ علت بھی گر گئی یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا یا حرفِ ندا برائے ندبہ (کسی مصیبت یا میت پر رونے پیٹنے کے لیے) یہاں مصیبت کے لیے ہے وَیۡلَ۔ اسم مشترک ہے نو معنی میں (۱) ہلاکت (۲) عذابِ قبر (۳) عذابِ جہنم (۴) دوزخ کی ایک وادی (۵) حسرت وندامت (۶) ذلت ورسوائی (۷) تباہی بربادی (۸) دوزخ کے ایک دروازے کا نام (۹) جہنم کے کنوئیں کا نام۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یہ ہمیشہ مفتوح مبنی ہوتا ہے ہمیشہ مضاف ہوکر آتا ہے ضمیر کی طرف بھی اضافت ہوتی ہے اور اسم ظاہر کی طرف مگر قرآن مجید میں صرف ضمیر ہی کی اضافت ہے اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہو تو آخر میں ۃ مصدریہ یا تاءِ وحدت یا تاءِ تانیث لگائی جاتی ہے مثلاً وَیۡلَتِیۡ تاکہ لام کا زبر برقرار رہے۔ وَیۡلَۃٌ ہر ضمیر کی طرف مضاف ہو سکتا ہے مگر وَیۡلُ یاءِ متکلم کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا ورنہ لام کو کسرہ کرنا پڑے گا جو ممنوع ہے اگر ندبہ کو دراز کرنا ہو تو یاءِ متکلم میں یَاوَیۡلَتٰی اور دیگر ضمائر ظاہر میں یا وَیۡلَاہُ۔ مضاف الیہ محذوف منوی سے کہا جاتا ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع کفار مکہ یا عام کفار تا قیامت مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادی ہے اِنَّا۔ حرفِ مشبہ ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ کے ساتھ۔ کُنَّا فعل ماضی مطلق جمع متکلم ناقصہ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم یہاں تینوں جمع متکلم (۱) وبنا (۲) اِنَّا (۳) کُنَّا ضمائر کا مرجع کفار ہیں ظٰلِمِیۡنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم جمع مذکر بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے فعل ناقصہ کُنَّا کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر جوابِ ندا حرفِ ندا (برائے ندبہ) اپنے منادی وجوابِ ندا سے مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہوکر جزا ہوئی۔ یہاں فَ جزائیہ نہیں لائی گئی کیونکہ فعل مضارع مثبت مستقبل ہے نہ لانا بہتر ہے اس لیے کہ جوابِ شرط یعنی جزا بنانا افضل ہے ہاں البتہ مبتدا محذوف کی خبر بھی بن سکتی ہے اس لیے فَ آ بھی سکتی ہے اس لیے کہ حرفِ شرط اس جملے میں اثر نہ کرے اور اصلاً اس طرح عبارت ہو سکتی ہے فَھُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ (الخ) یہ شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى طَالَ عَلَيۡهِمُ الۡعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ

الغٰلِبُوْنَ بت پرست یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو یہ دنیا کی نعمتیں سہولتیں صحتیں عیش و آرام ان کے بت دے رہے ہیں یا اُن کے دین کا حصہ ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ہی چند گھڑیوں کے لیے اُن کو ہر طرح کا نفع دیا ہوا ہے اور ان سے پہلے اُن کے باپ دادوں کو بھی ہم نے ہی نفع پہنچایا تھا اور دنیوی عشرت و عزت دولت و شہرت عطا فرمائی تھی تو ہماری اس عطا میں وہ اتنے عیاش و بدمست مغرور ہوئے کہ ہر قدرت ندرت عبرت و انجام و امتحان سے غافل ہو گئے اور نظری مشاہدے عقلی معائنے کے باوجود ہماری حکمت عطا اور فطرت بقا سے منہ پھیرا یہاں تک کہ جب ان پر اس آرام و عزت و حکومت کی عمر لمبی ہوئی تو سمجھنے لگ گئے کہ یہ مہلتیں سہولتیں ہمیشہ ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گی اور یہ انعامات و اکرامات ہمارا پیدائشی حق ہے اور ہماری سچائی کی نشانی ہے نہ بصارت کی نظر نہ تقدیر کی فکر نہ بصیرت کی عقل بلکہ طول عمری پر غرہ رجب کہ یہ نعمتیں و تمام منفعتیں ہم نے اُن کو عبرت و مہلت اور تیاری آخرت کے لیے دیں یہاں تک کہ اُن پر دنیوی زندگی کی یہ عمر ہمارے ہی حکم وارادے اور تقدیری فیصلے سے لمبی ہوئی یہ درازی عمر اور فراوانی دولت دھوکہ کھانے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لیے نہیں ہے مگر وہ نادان سمجھ بیٹھے کہ شاید یہ جہاں یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے اور جہان عزت اُن کا اپنا کمال کسب ہے اور ہم سے کبھی جدا و فنا نہ ہوگا بلکہ ہماری ہی اصل و نسل میں منتقل ہوتا رہے گا، اور سرزمین دنیا پر سدا ہمارا ہی غلبہ قوت قبضہ حکومت رہے گا۔ تو کیا اب یہ کفار و بدکار ظاہری بصارت رویت نظری سے دیکھ نہیں رہے کہ بے شک ہم انکی ملکیتی زمینوں سلطنتی سرحدوں کو ہر چہار طرف کے کناروں سے کم کرتے لا رہے ہیں۔ اس طرح کہ مسلمانوں کا ان کے علاقوں بستیوں محلوں مکانوں پر قبضہ ہوتا جا رہا ہے ان کا ختم ہوتا جاتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی فتوحات بڑھتی جا رہی ہیں کفار کی شکستیں، مسلمانوں کی قوت ان کی ذلت۔ اہل اسلام کی امارت ان کی حقارت ایمان والوں کی دولت ان کی کفر و شرک والوں کی غربت مسلمانوں کی تعدادی افرادی طاقت سے بقا کی زندگی اور ان کی قتل و غارت سرداروں کی موت مغروروں کی ہلاکت سے فنا کی موت بڑھتی جا رہی ہے۔ مسلمان دن بدن دولت ہمت سلطنت ملکیت میں بڑھتے جا رہے ہیں اور یہ ہر اعتبار سے کم اور کمزور ہو رہے ہیں ان کی اموات زیادہ املاک کم، اسلامی نیک اعمال محلے زیادہ ہوتے جا رہے ہیں

کہ ان کے منع کرنے کے باوجود ان کے ہی اپنے فوج در فوج مسلم ہوتے جا رہے ہیں اور کفرستان کو اسلام آباد بناتے جا رہے ہیں ان حالات سے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں سچائی کو نہیں دیکھتیں، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفار مکہ نے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ و انکار کر کے اپنا سات طرح نقصان کیا ۱ فتوح بلدان ۲ اہل و اولاد کا نقصان کہ پیدائش کم اموات زیادہ ۳ مال میں برکت کا فقدان ۴ بستیاں ویران ۵ ہلاکت قتل عام ۶ جنگ و جدال میں اموات جانبازان و سپاہیان ۷ غربا کفار کا کثرت سے مسلمان ہو کر اسلامی تعداد میں زیادتی کرنا کفر کی تعداد میں کمی کرنا۔ اگر یہ نعمتیں راحتیں جاگیریں ان کفار کو ان کے بت اور دیوی دیوتا دیر ہے ہیں تو اب مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیوں نہیں بچا لیتے۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کیا ان ذلت آمیز شکستوں حقارت آمیز مغلوبیت کے باوجود وہ اب بھی یہ ہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ دنیا و آخرت میں وہ ہی غلبے والے ہیں اور غالب رہیں گے۔ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ انسان ذلت کو عزت، کمزوری کو قوت، مغلوبیت کو غلبہ دشمن کو دوست اور دوست کو دشمن سمجھنے لگے۔ یہ زیست و حیات شکست و فتح صحت و بیماری جوانی و بڑھاپا تو نگاہ عبرت کو سچا بندہ بننے اور آخرت کی تیاری کرنے کے لیے ہے۔ زمانے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر یہ کہتے رہنا کہ کوئی بات نہیں یہ بھی گزر جائے گا، فکر فردا نہ کرو اور غم زیست نہ کھاؤ یہ نظریہ انتہائی نقصان دہ احمقانہ ہے ایسی حرکت و غفلت اہل ایمان نہیں کر سکتے وہ جان بیٹھے ہیں کہ یہ سب کچھ بندہ بننے کے لیے امتحان ربانی ہے قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ فرما دو کہ اے مذاق بازو احمقو ایمان کے منکرو آخرت و عذاب کے کافرو یہ جو میں شروع دن سے نہایت پیار بھری شفقت و محبت سے تم کو سمجھا رہا ہوں عبادت الٰہی کا حکم اور سنا رہا ہوں دنیوی خباثتوں سے نہی کر کے بتا رہا ہوں بشارت کے وعدے سنا رہا ہوں نذارت کی وعیدیں تو یہ تمام امر و نہی وعد و عید اور ڈرانا، خوش خبری سنانا میری اپنی طرف سے اپنی مرضی سے تو نہیں، جو کچھ بھی نذارت و بشارت ہے وہ سب کچھ وحی جلی و خفی قرآن و حدیث سے ہے رب تعالیٰ ہی مجھ کو حکم فرماتا ہے تو تم کو تبلیغ اسلام کے ذریعے عذاب اخروی سے اور دنیوی سے ڈراتا ہوں۔ اس لیے کہ میری تبلیغ حکمت

تکوینیہ تشریعیہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور ایمان برہانی چیز ہے نہ کہ اعیانی مگر سب جانتے ہیں کہ ان کفار کا بہرا پن کتنا سخت متعصبانہ ضدیانہ احمقانہ ہے کہ ویسے تو ہر بات سن لیتے ہیں مگر جب بھی حدیث و قرآن آیات ایمان روایات ایقان سنائی جائیں اور یہ کفار ڈرائے جائیں تو ہر کافر ایسا گونگا بہرا بن جاتا ہے کہ کسی آواز دعا و پکار کو سنتا ہی نہیں۔ اور اکڑتا اِٹھلاتا منہ موڑتا ناک سکیڑتا چہرہ پھیرتا گزر جاتا ہے۔ کفار سمجھتے ہیں کہ وہ باہمت جرأت قوت طاقت والے ہیں۔ ہر مصیبت و تکلیف تعذیب و تبدیل کو برداشت کر لیں گے لیکن ان بیوقوفوں کی ناطاقتی کمزوری کا حال یہ ہے کہ عذابِ الٰہی کو دیکھ بھی نہیں سکتے اور البتہ اگر کبھی اس دنیوی زندگی میں ان کو صرف ایک مرتبہ آپ کے رب کے عذاب میں سے ہلکا تھوڑا سا چند منٹ کے لیے فقط چھو بھی جائے تو یقیناً چیخ پکار مچاتے ہوئے کہیں گے کہ ہائے ہماری ہلاکت ہم ہی بے شک ظالم تھے انبیاء اولیا صحابہ کی نافرمانیاں کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے۔ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ میں تین چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ۱ معمولی عذاب ۲ صرف ایک بار ۳ وہ بھی تھوڑی سی دیر۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیا کی بہت سی تکلیفیں بیماریاں انسان اپنی قوتِ ہمت اور تحمل۔ یا نفسیاتی تصور سے برداشت کر لیتا ہے۔ مگر عذابِ الٰہی کا ذرہ کمتر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ کے بعد يَقُولُنَّ فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی اس آیتِ پاک کے تفسیری اشارے سے ظاہر ہوا لہٰذا کفار و فساق انسانوں کو اس عذابِ دنیوی و اُخروی سے بچنے کی ہر وقت کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ دوسرا فائدہ۔ لمبی عمر رب تعالیٰ کا انعام نہیں بلکہ مومن کے لیے مہلت ہے غافل کے لیے عبرت ہے فاسق کے لیے مصیبت ہے اور کافر کے لیے بلا ہے گستاخ و ضدی کفار کے لیے وبال ہے اگر مومن متقی مسلمان بن کر دنیا سے گیا تو یہی لمبی عمر اس کے لیے نعمت ہے۔ دیکھو لمبی عمر ابلیس کو بھی ملی دجال کو بھی فرعون کو بھی مگر تینوں کے لیے ان کی یہ لمبی عمریں وبال ہی بنیں کیونکہ اس لمبی عمر سے ان کی کفریہ سرکشی طغیانی و شیطانیت ہی بڑھی اور بڑھ رہی ہے۔ مگر حضرتِ آدم حضرتِ نوح حضرتِ خضر علیہم السلام کے لیے اُن کی لمبی عمر نعمتِ باری تعالیٰ ہے کہ ان کی حیاتِ طیبہ مقدسہ سے جہانوں کے لیے رزق رحمت برکت و عافیت و نورانیت ہدایت ملتی رہی اسی طرح کفار کو لمبی

عمر ملنا ان کے بیے اور ساتھیوں کے بیے عذابِ الہی ہے کیونکہ اس سے اُن کا کفر ہی بڑھتا پھیلتا ہے یہ فائدہ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ فرمانے سے حاصل ہوا اور فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اُن کفار کی لمبی عمریں ان کی کفریہ حرکتوں کا باعث بنتی رہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ لمبی عمروں کی دعا نہ مانگیں بلکہ ایمانی اور عافیت کی عمر مانگنی چاہیئے۔ تیسرا فائدہ کفار صرف ظاہری اکڑ پھکڑ میں رہتے ہیں ورنہ حقیقت میں انتہائی بزدل اور کمزور طبیعت واقع ہوئے ہیں یہ فائدہ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا جس میں کفار کی بزدلانہ کیفیت کا اظہار فرمایا گیا کہ یہ کفار جو عذاب الٰہی اور اپنے پر آسمان سے پتھر اُترنے برسنے کی جلدی بازی مچا رہے ہیں ان کی قوتِ برداشت کا اتنا کمزور حال ہے کہ عذابِ الیم یا آسمانی پتھر اور تو درکنار اگر ان کو عذابِ الٰہی کا ہوائی جھونکا بھی لگ جائے تو تڑپھڑا کر پھڑک جائیں اور یہ سب اکڑ بازی کی نعرہ زنی بھول جائیں اور بت پرستوں کی اس قسم کی بزدلی کا تو عام مشاہدہ بھی ہے۔ یہ سانپوں کی پوجا اور ناگ کو دیوتا سمجھنا شیر کو دیکھ کر سجدے میں گر کر اس کے آگے گڑگڑانا۔ چوہوں کو سجدے کرنا بچھوؤں سے فریادیں اُلوؤں کی آوازوں کو بیپل والی کی آواز کہہ کر لرز جانا ہے۔ کالی ماتا کہہ کر رونا۔ پیپل کو سجدے کرنا بندروں کے آگے ہاتھ جوڑنا یہ سب ڈرپوکی اسی بزدلانہ کیفیت کا مشاہدہ ہے جب پہلی بار ہندوستان میں ریل گاڑی آئی اور اس کا کالا انجن لائن پر چلا تو گاؤں کے گاؤں ہندو نکل کر لائن کے دو طرفہ سجدہ ریز ہو گئے اور انجن مہا دیو۔ انجن مہا دیو کی فریادیں کرنے لگے، اور ۱۹۶۵ء کی جنگ میں تو ہم نے خود نظارہ کیا کہ مجاہدین اسلام کے ایک ایک نعرۂ تکبیر و رسالت و نعرۂ حیدری پر کفار کی ہتھیاربند نفری تھر تھر کانپتے ہوئے ہتھیار ڈال کر اپنی گرفتاری پیش کر دیتے تھے اور ایک ایک مجاہد نے سو سو ہندو فوجیوں کے دستے کو ہاتھ اُٹھوا کر آگے لگایا ہوتا ہے۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی بھی قول فعل عمل حکم وعدہ وعید میں ذرہ بھر شک یا تردد اور غیر یقینی کا شائبہ تک نہیں ہوتا کیونکہ ان پاک و مقدس ہستیوں کا ہر کام و قول وحی الٰہی کے حکم سے ہوتا ہے اسی لیے ہر نبی علیہ السلام کا ہر قول و فعل امت پر لازم العمل ہوتا ہے خواہ عادۃً ہو یا عبادۃً مستحب ہو یا واجب و فرض یہ مسئلہ۔ قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ۔ ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اس میں ہر قسم کا عام عملی قولی انذار مراد لیا گیا ہے اور اس

کا اطلاق بتا رہا ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر انذار ہی وحیِ الٰہی سے ہے خواہ آیت کے نزول سے ہو یا احادیث کے فرمودے سے۔ دوسرا مسئلہ۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل یہاں تک کہ آپ کا چلنا پھرنا سونا جاگنا لباس طلبہ اور سر مبارک داڑھی مقدس کی بناوٹ حجامت تراش خراش سب کچھ ہی شریعت ہے کہ کفار کے لیے نذارت ہے فاسقین کے لیے عبرت ہے مومنین کے لیے بشارت ہے اگرچہ سنت ہو مگر اس کا ثواب بعض فرائض سے زیادہ۔ نذارت اس لیے کہ آپ کے عمل شریف سے نفرت یا اس کو ہلکا سمجھنا کفر ہے اور کفار کو ابدی جہنم کی نذارت ہے اور آپ کے کسی بھی قول و فعل مسنون کو بلا وجہ بلا مجبوری ترک کرنا فسق ہے اور فاسقین کو سزاء جہنم کی تنبیہ اور غضبِ الٰہی کی تحذیر ہے لیکن اسوۂ حسنہ ونمونۂ قولی و فعلی کے نقشے کے مطابق زندگی گزارنے والوں کے لیے وفاءِ رحمٰن و خلودِ بہشت کی بشارت ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّمَآ اُنۡذِرُکُمۡ میں کُمۡ ضمیر کے مرجعِ کفار کی وعید سے مستنبط ہوا کہ پورا اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی علمی قولی اداؤں کا نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت بھی وحیِ الٰہی ہے اور عادت بھی آپ کی رائے بھی اور مشورہ بھی آپ کی خوشنودی وحیِ الٰہی ہے بلکہ آپ کی اداؤں میں مکمل طور پر ڈھل جانے کے نام متقی مسلمان ہوتا ہے اگر کوئی شخص ذرہ بھر حلیہ لباس تراش و لحیہ کی تراش خراش میں اپنی من مرضی پر چلا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونۂ عظمٰی کے مخالف ہوا تو وہ شیطانیت ہے ایمانیت نہیں خواہ پیر ہو یا طبیب۔ تیسرا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ میں کسی مسلمان کا چیخ دھاڑ کر رونا، پیٹنا اور کسی ماتم میں سینہ کوٹنا ہائے ہائے کرنا اور روتے ہوئے وَین کرنا حرام وَاَشَدّ حرام ہے یہ جو بعض شیعوں نے حضرتِ فاطمۃ الزہراؓ پر اتہام لگایا ہے کہ آپ نے وفاتُ النبی پر وَا اَبَتَاہ کی آوازیں بلند کیں یہ سب غلط اور جھوٹ بناوٹی روایتیں ہیں۔ حضرتِ خاتونِ جنت نے تو صرف ایک بار چہرۂ انور کا دیدار کیا اور وہ بھی ایسی با پردہ خاموشی سے کہ بجز آپ کی چند ہمراہیوں کے کسی کو بھی آپ کے آنسوؤں کا پتہ نہ چل سکا۔ خاتونِ جنت کی ذاتِ اقدس وہ چادرِ مقدس ہے کہ جس کا آنچل چاند و سورج نے بھی نہ دیکھا بھلا اُن کی آواز کو کوئی کیا سن سکتا۔ اونچی آواز سے چیخ کر دھاڑتے روتے میں گردن اکڑتی ہے چہرہ بلند ہوتا ہے سینہ تنتا ہے بے پردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی لیے یہ کام شریعت و شرافت کے خلاف

ہے اور چیخنا رونا پیٹنا شریفوں کا کام نہیں بلکہ کفار و جہلا کا طریقہ و ابلیسیہ ہے۔ یہ مسئلہ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ۔ يٰوَيْلَنَا میں کفار کے رونے اور چیخنے دہاڑنے کا ذکر ہے اور اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ میں ان کے روتے ہوئے وَین کرنے کا ذکر ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۔ یعنی بہرا آدمی پکار کو نہیں سن سکتا جب وہ ڈرسنائے جائیں یا ڈرائے جائیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہرے لوگ صرف ڈر والی بات کو نہیں سنتے حالانکہ بہرہ انسان تو کسی بات کو بھی نہیں سنتا نہ ڈر والی کو نہ خوش خبری کو تو یہاں صُمّ فرما کر اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ کی تقیید و تقسیم کیوں فرمائی۔ جواب۔ اس لیے کہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کفار پیدائشی اور تخلیقی بہرے نہیں ہیں ان کو خالق تعالیٰ نے بہرہ نہیں بنایا بلکہ یہ لوگ ضد تعصب اور ہٹ دھرمی و حماقت کے بہرے ہیں یعنی بناوٹی بہرے علماءِ نحو فرماتے ہیں کہ اَلصُّمُّ میں الف لام عہدی ہے نہ کہ جنسی جس کا معنیٰ یہ ہے کہ مخصوص قسم کا بہرہ نہ کہ عام اور یہ مخصوص بناوٹی بہرے جان بوجھ کر اس وقت زیادہ سخت بہرے بن جاتے ہیں۔ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۔ جب سزاءِ کفر و شرک سے ڈرائے جائیں نیز قانونِ نحوی سے اَلصُّمُّ اسم ظاہر ہے اور يُنْذَرُوْنَ غائب کا صیغہ ہے۔ اسم ظاہر کو غائب کی جگہ فرمانا بھی اسی جسارتِ کفریہ کی طرف اشارہ فرمارہا ہے کہ یہ ضدی کفار مصمم ارادے سے کان لپیٹ کر بند کر لیتے ہیں (تفسیر کبیر) دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ یعنی اگر ان کو عذاب چھوئے اور آگے فرمایا گیا لَيَقُوْلُنَّ، تو وہ کہیں گے اعتراض یہ ہے کہ اس طرح اگر مگر کر کے فرمانے سے نزولِ عذاب اور مس نفحہ اور کفار کا يٰوَيْلَنَا۔ کہنا سب کچھ مشکوک بن جاتا ہے حالانکہ کفار پر نزولِ عذاب بھی ضروری و یقینی ہے اور ان کا يٰوَيْلَنَا کہنا بھی یقینی ہے جیسا کہ دیگر آیت سے ثابت تو پھر یہاں اگر مگر کہہ کر کیوں ارشاد ہوا۔ جواب۔ دیگر آیت میں قبر حشر قیامت اور جہنم کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہاں ان کفار کی اُس جلد بازی کا تذکرہ ہے جس میں وہ کفار وعیدی عذاب دنیوی اور اپنے اوپر آسمانی پتھراؤ کی بد دعائیں مانگا کرتے تھے محض تمسخرانہ اور مذاق کرتے ہوئے اور عذاب آنے کی جلد بازی مچایا کرتے تھے ان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے

کہ تم دنیا میں ہی اپنے پر عذاب مانگ رہے ہو جانتے بھی ہو کہ وہ کتنی سخت چیز ہے اگر اس کا جھونکا بھی لگ گیا تو چیخ پڑو گے تڑپ کر مر جاؤ گے۔ اس آیت میں یٰوَیْلَنَا مشکوک ہی ہے صرف مزید خوف دلانے کے لیے لیکن دیگر آیت میں چونکہ قبر و حشر کے یٰوَیْلَنَا کا ذکر ہے اس لیے وہاں مشکوک نہیں لہٰذا وہاں وَلَئِنْ اور اگر مگر کے الفاظ نہیں ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا (الخ) یعنی کیا یہ کفار نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی ملکیتی علاقائی زمین کو دن بدن کم کر رہے ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فتوحات اسلامیہ کے ذریعے کفار کی سلطنتی حکومتی زمینیں علاقے کم کر رہے ہیں حالانکہ یہ آیت مکی ہے جب کہ فتوحات شروع ہوئی ہیں مدنی زندگی میں ہجرت کے بعد جواب۔ اس کے چند طرح جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ اگرچہ سورۃ انبیا مکی ہے مگر یہ تین آیات مدنی ہیں از آیت ۴۴ تا آیت ۴۶۔ اس قول میں یہ اعتراض درست ہی نہیں رہا۔ دوم یہ کہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی مکی ہی ہیں مگر یہاں نَنْقُصُ۔ سے مراد فتوحات اسلامیہ نہیں بلکہ مال دولت کی غربت ہے اور غریب ہونے کی وجہ سے اپنی زمینیں فروخت کرنا ملکیتیں کم ہوتے جانا ہے یا کفار کے بڑے بڑے سرداروں اور افرادِ خانہ کا مرتے چلے جانا ہے۔ سوم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ اس نَنْقُصُ سے مراد مکہ مکرمہ اور اردگرد علاقوں کے لوگوں کا روز بروز کثرت سے مسلمان ہونا ہے جس کی وجہ سے کفار کے علاقہ اور ملکیتیں گلی محلے کم ہوتے جا رہے ہیں مسلمانوں کی تعداد اور تعداد سے مکانات گلی محلے علاقے بڑھتے جا رہے ہیں اور گلی محلوں علاقوں بستیوں کا کم ہوتے جانا ذلت و کمزوری ہے۔ بڑھتے جانا عزت و قوت ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

اے عالم ناسوت کی کثافتوں میں پلنے بڑھنے زندگی گزارنے والو یہ تمہاری نرم سامانیاں تمہارے اپنے کسبوں ارادوں عقلوں فنکاریوں سے نہیں بلکہ ہم نے ہی عارضی طور پر تم کو اور تمہارے اجسام و ارواح کی اصل و آباؤ اجداد کو چند روزہ بہارِ زندگی کا نفع دیا ہے یہ تمہاری مغروریت اور فریب دھوکے میں پڑے رہنا اس لیے ہے کہ تمہاری عیش و عشرت والی دنیوی عمر کچھ دراز ہوتی چلی گئی اور تم اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے حالانکہ نظرِ حقیقی اور دیدارِ بصیرتی میں یہ عیاشی خرمستی دولت دنیا کی فراوانی سچائی کی دلیل نہیں، کیا یہ کفار نگاہِ عبرت

ہے یہ محسوس نہیں کرتے کہ دن بدن سستی کاہلی بے رغبتی بے توفیقی کی یلغار سے ہم تمہاری زبین اعمال صالحہ کردار شریفانہ عبادات بے ریا نہ اور حسن اعمال مخلصانہ کو کم کر رہے ہیں۔ کیا قہر الٰہی نہیں ہے کہ علماء معلمین کم ہو رہے ہیں اور جہلا خطیب زیادہ ہوتے جا رہے ہیں اہل حق اور علم ربانی سے بھرپور علما فضلا روپوش یا فوت ہوتے جا رہے ہیں۔ جابر اہل کار فاسق حکام ریاکار پیر ظاہریت کے مشائخ بڑھتے جا رہے ہیں، اکثر مسجدیں عابدین حکام سے مصلے خائفین ائمہ سے منبر خاشعین علماء سے، درس گاہ صادقین واعظین سے۔ تجارے رہبران متقین سے خالی ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر طرف بداعمالی کی غربت گناہوں کی ظلمت بے غیرتی کی کثرت علما کی نفرت جہلا کی عظمت پھیلتی جا رہی ہے۔ صوفیاء عظام فرماتے ہیں جب عوام گمراہ اور بدکردار ہو جائیں تو نیک لوگوں میں کثرت اموات ہوتی ہے۔ قوم بے غیرت ہو جائے تو مخلص علما روپوش ہو جاتے ہیں۔ یہی قہر الٰہی ہے اور جس قوم پر قہر الٰہی ہو وہ کسی وقت بھی کسی طرح کا غلبہ حاصل نہیں کر سکتی بے پردہ منہ کھلے عورتیں اور ان کے بے غیرت مرد مثل بھیڑ بکریوں کے ہیں اور بھیڑ بکریوں پر قصاب مقرر کر دیئے جاتے ہیں جو ان کو فنا کی چھری سے ذبح کر دیتے ہیں قصائی بکریوں کی کثرت سے تیشہ شاخوں کی کثرت وجسامت سے اور شعلہ ایندھن کے ڈھیروں سے گھبراتا نہیں بلکہ سب کو کاٹ کر جلا کر رکھ دیتا ہے، تفسیر روح البیان نے ایک حدیث مقدسہ روایت فرمائی کہ ۱ سماحت، سخاوت ۲ شجاعت ۳ جمعیت قلبی ۴ بطش شدید سے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ غلبہ اور نصرت رب تعالیٰ کی طرف سے منصب جلیل اور مرتبہ شریف ہے یہ شان جند اللہ کو ملتی ہے اور جند اللہ یعنی اللہ رب جلیل کا لشکر، انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء اللہ اور علماء حق، صالحین مومنین ہیں۔ اسی کو سورۃ ۳۷ الصافات آیت ۱۷۳ میں اس طرح بیان فرمایا گیا۔ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو چار طرح دنیا پر غلبہ عطا فرمایا ۱ تمام عرب پر بذریعے قوت ۲ عجمی سلاطین پر بذریعے سلطنت ۳ کثیر ملکوں پر بذریعے فتوحات ۴ لوگوں کے دلوں پر بذریعے کردار اس غلبے سے مسلمانوں کو چار نعمتیں ملیں ۱ مشرق ومغرب کی شاہی ملکیت ۲ خزائن ارض پر قبضہ وتصرف ۳ ظالم بادشاہوں کی سرکوبی کا تمغہ۔ تواریخ میں ہے کہ قیصر وکسریٰ کو جب اسلامی سپاہ سالار کے پاس گرفتار

کرکے لایا گیا تو وہ ذلت و تھرتھراہٹ سے کھڑے نہ ہو سکتے تھے ۲۔ زمینِ عرب و عجم کی شاہی خلافت۔ اہلِ ایمان کو اگر عارضی شکست ہوتی ہے تو وہ اُس کو تشدید محنت اور بلاءِ حسن کا درس وتربیت ہے جو اُس کو تجربے کا کندن اور تیاریِ مزید کا باعث بنا دیتی ہے۔ جس سے وہ بے ہمت نہیں ہوتا بلکہ عظیم قوت و جرأت ہمت و حوصلے کے ساتھ اُٹھ کر غلبۂ کثیر حاصل کرلیتا ہے۔ لہٰذا بندۂ مومن کو کسی بھی میدانِ عمل میں ضعفِ طبیعت نہ دکھانی چاہیئے بلکہ ہمیشہ رب تعالیٰ پر بھروسہ اور جہادِ ظاہری پر کمربستہ اور جہادِ باطنی پر قائم رہنا چاہیئے ہمتِ کمال مومن کا ہتھیار ہے، روایت میں ہے کہ مولیٰ علی شیرِ خدا نے اکیلے ہی خیبر کا وہ دروازہ اکھیڑ کر اٹھا کر زمین پر رکھ دیا جس کو بعد میں وہاں کے ستر قوی الجسم مزدور بہت محنت مشقت سے صرف کھڑا کر سکے، رَوَاہُ جَابِرٌ۔ ایک تاریخی روایت میں ہے کہ آپ نے وہ دروازہ ایک ہاتھ سے اٹھا کر بطورِ ڈھال بھی استعمال فرمایا، جب کسی نے اس حیرت انگیز جرأت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ دروازہ قوتِ جسمانیہ اور حرکتِ غذائیہ سے نہیں اکھیڑا بلکہ قوتِ ملکوتیہ کی تائید اور نورِ ربانی کے غلبے سے اکھیڑا ہے۔ اس طرح کا غلبہ ہمت سے اور ہمت و حوصلہ ایمان سے ہوتی ہے۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ بھلا بے ایمان اور بے غیرت کب غالب ہو سکتے ہیں۔ اہلِ نظر فرماتے ہیں کہ پرندے پروں سے اڑتے ہیں اور عقل والے ہمتِ ایمانی سے قدم کے لیے رِجل یعنی پیر ہونے چاہیئے اور حرب کے لیے رَجُلْ یعنی مرد ہونے چاہیئے۔ غلبۂ عالَم تعدادِ رِجل سے نہیں ملتا تعدادِ رَجُلْ سے ملتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ اس دنیاءِ دون میں فقط دو ہی قومیں ہیں ۱۔ نیکوں یعنی اچھوں کی ۲۔ بدوں یعنی بروں کی اور ان میں سے ہر ایک کا حصہ الگ الگ اچھے لوگ انبیاء علیہم السّلام اور اولیاءَ اللہ و علماء ہیں اِن کا حصہ جنابِ الٰہی سے اِنذار و نصیحت کرنا ہے اور بروں کا حصہ بے رغبتی حق سے اعراض اور بہرا بننا ہے۔ اس لیے کہ اچھوں پر رحمت ہے اور بروں پر لعنت ہے یہ تقسیمِ حصص ازلی ہے۔ اچھوں کو حضرتِ بارگاہ کے جوار کا قرب ہے مقامِ اعلیٰ تک اور بروں کو جوارِ بارگاہ کی دوری و بُعد ہے اسفلِ دنیا تک جس نے ان کے کانوں کو بہرہ اور آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔ یہ بیماری ان کو حُبِّ دنیا اور طلبِ

شہواتِ زندگی سے ہے اسی وجہ سے۔ لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ نہ سنتے ہیں نہ ڈرتے ہیں
یہ فطرت ہے کہ جہاں خیر ہے وہاں معرفت ہے اور جہاں معرفت ہے وہاں سماعت
بالحق یعنی حق سننا ہے لیکن جہاں شر ہے وہاں ظلمت ہے جہاں ظلمت ہے وہاں سماعت
عن الحق یعنی حق نہ سننا ہے حالانکہ اِنذار وحی کے حکم سے ہوتا ہے مگر باطلین و باطنین کو جتنا
بھی ڈرایا جائے وہ بہرے بن جاتے ہیں اور اہلِ دنیا جب تک عیش میں رہتا ہے تو حق کا مذاق اور
عذاب کا مطالبہ کرتا رہتا ہے عقل و بصیرت سے مہلتِ حیات کو غنیمت و قدر سے نہیں جانتا
مگر حالت یہ ہے کہ اگر ظلمتِ کثافت اور عذابِ رذالت کا چھینٹا بھی پڑ جائے تو بلبلا جائے۔ تب
اپنی ضلالت کا اقرارِ لسانی خباثتِ ظلمانی کا واویلا زبانِ حالی سے کرنے لگے گا۔ اہل حقیقت کے
دو حال اور دو قیام ہیں ۱۔ امید ۲۔ خوف ۳۔ رضا بر تقدیر ۴۔ شکر و صبر وہ دو بہترین حال ہیں
یہ دو عمدہ مقام ہیں۔ یہ کیفیت بھی توبۃ النصوح میں شامل ہے کیونکہ خوف ہی توبہ پر بندے کو
آمادہ کرتا ہے اور امید سے خوف پیدا ہوتا ہے گویا کہ خوف دروازۂ اُمید ہے اور اُمید کا
آستانہ توبہ ہے توبہ سے رضا ہے اور رضا سے شکر اور شکر سے صبر پیدا ہوتا ہے۔ اور
اصل صبر گناہوں سے رُکنا ہے۔ اصلِ شکر عبادت کرنا ہے۔ فاسق کو کوئی عمل مفید نہیں ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا

اور قائم کر دیں گے ہم بہت سی میزانیں انصاف والی قیامت کے دن تو نہ

اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو

تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

ظلم کیا جائے گا کوئی شخص کچھ بھی اور اگر ہو کچھ عمل رائی کے دانے کے برابر

کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو

مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ ﴿۴۷﴾

تو حاضر لے آئیں گے ہم اس کو اور کافی ہے اللہ یعنی ہم حساب کتاب کرنیوالے۔

تو ہم اُسے لے آئیں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کو۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَضِيَآءً

اور البتہ بے شک دیا ہم نے موسیٰ اور ہارون کو قانون (شریعت) اور روشنی

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ دیا اور اُجالا

وَّذِكۡرًا لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ

اور نصیحت دی ان متقیوں کو۔ جو مرعوب رہتے ہیں اپنے رب سے

اور پرہیزگاروں کو نصیحت۔ وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے

بِالۡغَيۡبِ وَهُمۡ مِّنَ السَّاعَةِ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا

اور وہی قیامت سے خوف زدہ ہیں۔ اور یہ بھی

ڈرتے ہیں اور اُنہیں قیامت کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔ اور یہ ہے

ذِكۡرٌ مُّبٰرَكٌ اَنۡزَلۡنٰهُ ؕ اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

ذکر ہے۔ برکتوں والا نازل کیا ہم نے جس کو تو کیا تم اس کو نہ ماننے والے ہو۔

برکت والا ذکر کہ ہم نے اُتارا تو کیا تم اس کے منکر ہو۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی محشر میں حاضری کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں محشر میں اُن کے حساب و کتاب کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ احکام

اور کفار مکہ کی سرکشی کا ذکر ہوا اب ان آیت میں حضرت موسیٰ وہارون کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں برے لوگوں کی نعمتیں دولتیں اور سلطنتیں گھٹانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں متقی اور رب تعالیٰ سے خشیت رکھنے والے نیک لوگوں کو نعمتیں فرقان اور نور دینے کا بیان ہے۔

تفسیر نحوی وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

واؤ برحملہ نَضَعُ باب۔ فتح کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم وضع مثال واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ جاکر رکھنا مضبوطی سے قائم کرنا خاص کر دینا مقرر کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ اَلْمَوَازِيْنَ الف لام عہد ذہنی یعنی ہر شخص اُس کی حقیقت کو نہیں جانتا جس پر یہ الف لام آیا ہے۔ جمع مکسر منتہی الجموع ہے میزان کی اسم آلہ ہے وَزْنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے تولنے کا آلہ یعنی ترازو۔ موصوف ہے اَلْقِسْطَ الف لام استغراقی یعنی ہر قسم کا یا بمعنیٰ تمام کا تمام (پورا کا پورا)، قِسْطٌ اسم مصدر یہاں جامد حال مصدر ہے ایک قرأت پر قِصط ہے ص سے بمعنیٰ انصاف (عدل) عدل اور قسط میں چند طرح فرق ہے جو تفسیر عالمانہ میں بنایا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ چونکہ مصدر میں عمومیت اور مبالغہ ہوتا ہے اس لیے یہ اگرچہ واحد ہوتا ہے مگر جمع کی صفت بن سکتا ہے بعض نے کہا کہ الف لام استغراقی کی بنا پر اس میں بھی جمعیت ہے اس لیے یہ مَوَازِيْنَ (جمع) کی صفت بن گیا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے نَضَعُ کا۔ لام حرف جر بمعنیٰ فی ظرفیہ ایک قول میں لام تعلیلیہ خصوصیت کے لیے ہے يَوْمِ اسم ظرفی بمعنیٰ زمانہ (تمام وقت) الف لام عہد خارجی یا ذہنی قِيٰمَةِ اسم مفرد مصدر آخر میں ۃ مصدر یہ ہے قَيْمٌ یا قَوْمٌ مادے سے بنا ہے بمعنیٰ کھڑا ہونا ثابت ہونا۔ اُٹھ ہونا۔ یہاں اسم جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ امید ان محشر حشر نشر کا دن، فنا کے بعد بقا اور دوبارہ زندہ ہونے کا زمانہ۔ یہ مصدر مزید فیہ ہے جس کی گردان نہیں ہوتی اسی لیے یہ جامد ہوا مضاف الیہ ہے يَوْمِ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَضَعُ کا فَ سببیہ ترتیب کلام کے لیے ہے لَا تُظْلَمُ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بِلَا مجہول واحد مؤنث غائب نَفْسٌ اسم مؤنث نفلی کیونکہ اس کی تصغیر نُفَيْسَةٌ آتی ہے یہاں تاء تانیث مقدر (پوشیدہ) ہے لیکن بہت جگہ نَفْسَةٌ بھی آتا ہے یہ نائب فاعل ہے

لَا تُظْلَمُ کا یہ ظُلْمٌ سے مشتق ہے لغوی معنیٰ ہے بلا وجہ کسی کی مخالفت کرنا، اصطلاحاً سات معنیٰ میں مشترک ہے ۱ نقصان دہ کمی کرنا یا زیادتی کرنا ۲ گھٹانا ۳ کسی کا کچھ چھین لینا ۴ حقدار کو حق نہ دینا ۵ غیر مستحق کو دینا ۶ خلافِ قانون چلنا یا چلانا ۷ جزا و سزا میں کمی زیادتی کرنا۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ شَیْئًا اسم مفرد نکرہ ایک قرأت میں شَیْئًا سے مراد ہے اعمال یہ مفعول بہ یا مفعول فیہ ہے یعنی کسی چیز کا ظلم یا کسی چیز میں ظلم، ایک قول میں یہ نکرہ مصدری معنیٰ میں ہے بمعنیٰ کچھ بھی لَا تُظْلَمُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہے نَضَعُ کے مصدری معنیٰ وُضِعَ کا یعنی مَوَازِیْنَ رکھنے کا سبب اور وجہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اِنْ حرف شرط ایک قول میں اِنْ واؤ وصلیہ کے ساتھ ہو کر بمعنیٰ اگرچہ ہے شرطیت ختم ہے مگر یہ غلط ہے۔ کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ بعض نحات نے کہا کہ یہ کَانَ تامّہ ہے مگر یہ غلط ہے اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے مرجع شَیْئًا ہے جس سے مراد اعمال ہیں مِثْقَالَ اسم مفرد مصدر میمی ثِقْلٌ سے مشتق ہے یہاں جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ بوجھ وزن۔ برابر مضاف ہے حَبَّۃٍ اسم مفرد مؤنث لفظی اس کا مذکر لفظی ہے حَبٌّ بمعنیٰ دانہ کسی غلے کا گندم جو وغیرہ اس کی جمع ہے حبوب مضاف ہے لیکن اضافت منّیہ ہے اور مِنْ ظاہر ہے اس لیے اضافت کی ترکیب نہ ہو گی اس لیے تنوین یعنی دو زبر آ گئی۔ مضاف الیہ ہے مِثْقَالَ کی۔ جنہوں نے کَانَ کو تامّہ مانا ہے ان کی قرأت میں مِثْقَالُ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے کَانَ تامّہ کا مگر ناقصہ ہو تو مِثْقَالَ حَبَّۃٍ یہ مرکب اضافی خبر کَانَ ہے مِنْ جارہ تبعیضیت کا   یا بیانیہ ہے خَرْدَلٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ رائی (خشخاش) اس کا مؤنث لفظی ہے خَرْدَلَۃٌ یہ جار مجرور متعلق کَائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ اسم فاعل با فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے حَبَّۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ پھر مرکب اضافی خبر کَانَ۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی اَتَیْنَا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لانا یہاں ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے یقین کی بنا پر گویا کہ سے ہی آ گئے ایک قرأت میں آتَیْنَا بابِ مُفَاعَلَۃٌ سے ہے اور ایک قرأت اَثَبْنَا ہے ثَوَابٌ سے۔ یہ فعل با فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ بِہَا بِ جارہ متعدی کی ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع مِثْقَال ہے ضمیر کا مؤنث لانا حَبَّۃٍ کی وجہ سے ہے یہ جار مجرور متعلق اَتَیْنَا کا ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے کَانَ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا نَضَعُ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ کَفٰی بابِ ضَرَبَ

کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ب زائدہ برائے تغیر اور وضاحت بمعنیٰ یعنی بِنَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مرجع اللہ تعالیٰ۔ کَفٰی بنا کا ترجمہ ہوگا۔ کافی ہے اللہ یعنی ہم۔ حَاسِبِیْنَ باب حَسِبَ (رشاذ کا پہلا باب) کا اسم فاعل جمع مذکر۔ حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ شمار کرنا۔ یہ حال ہے نَا ضمیر کا دونوں مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہے کَفٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّ ذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ واؤ بر جملہ لَقَدْ اٰتَیْنَا میں لام تاکید ہے قَدْ اٰتَیْنَا باب افعال ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم اَتْیٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ بمعنیٰ دینا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ آپس میں عطف ہے دونوں مل کر مفعول بہ اول ہے اِس کا فاعل پوشیدہ ضمیر مرجع مخاطب اللہ تعالیٰ اَلْفُرْقَانَ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ فُرْقَانٌ اسم مشتق مبالغہ بروزن فُعْلَانٌ فَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ فرق جدائی اور تقسیم کرنے والا آخر کا الف نون زائد ہیں معطوف علیہ واؤ عاطفہ بعض کے نزدیک واؤ زائدہ اور مابعد لفظ صفت ہے بعض کی قرأت میں واؤ نہیں ہے تب مابعد لفظ حال بنے گا ضِیَآءٌ اسم مصدر بروزن قِیَامًا یہاں حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ روشنی بعض نحویوں نے فرمایا کہ جمع مکسر ہے بروزن حِیَاضًا حوض کی جمع۔ ضَیْئٌ یا ضَوْءٌ سے بنا ہے معتل عین (اجوف) یائی یا واوی اور مہموز اللام۔ اگر اجوف واوی ہو تو ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ کو یٰ سے بدلا گیا صحیح یہ ہے کہ یہ جمع نہیں بلکہ مصدر ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ یا زائدہ تب مابعد عبارت صفت بنے گی یا بغیر واؤ تب مابعد حال بنے گی پہلی ترکیب درست ہے ذِکْرًا۔ اسم مصدر بمعنیٰ تذکرہ یا بمعنیٰ نصیحت عامل ہے لِلْمُتَّقِیْنَ یہ جار مجرور اپنے مابعد سے مل کر متعلق ہوگا ذِکْرًا مصدر عامل کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر یَخْشَوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب خَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہیبت یا احترام سے مرعوب ہونا کانپنا ڈرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ هُمْ ہے اُس کا مرجع مُتَّقِیْنَ ہے رَبَّهُمْ۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے بِ حرف جر بمعنیٰ بیانِ کیفیت کے لیے اَلْغَیْبِ الف لام عہدی حرفی غَیْبٌ اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنیٰ پوشیدگی۔ دوری۔ یا بمعنیٰ غائب اسم فاعل ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَخْشَوْنَ کا اس کا تعلق یا یَخْشَوْنَ کے فاعل مُتَّقِیْنَ سے ہے کہ وہ غیب یعنی خلوت میں بھی اللہ سے ڈرتے ہیں یا تعلق رب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نا دیکھنے کے باوجود ڈرتے

ہیں یَخْشَوْنَ اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہوئی مُتَّقِیْنَ کی وہ جار مجرور ہو کر متعلق ہے ذِکْرًا مصدر کا وہ شبہ جملہ ہو کر معطوف سب عطف مل کر مفعول بہ دوم ہوا اٰتَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ عاطفہ ہے تب یہ عطف ہے یَخْشَوْنَ کے جملے پر یا واؤ پر جملہ استینافیہ ہے۔ اور ما بعد عبارت علیحدہ جملہ ہے۔ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا مِنَ السَّاعَۃِ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے مُشْفِقُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِشْفَاقٌ "شَفَقٌ" سے بنا ہے بمعنیٰ ابتدا سے ڈرنا خوف زدہ ہونا اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے مُتَّقِیْنَ متعلق مقدم سے تخصیص کا فائدہ ہوا یعنی صرف متقی ڈرتے ہیں قیامت سے یا حصر کا فائدہ ہوا یعنی متقی صرف قیامت سے ڈرتے ہیں نا کہ دنیوی تکالیف سے مُشْفِقُوْنَ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ اَفَاَنْتُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ۔ واؤ استینافیہ برائے وضاحت۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی بحالت رفع مبتدا ہے ذِکْرٌ حاصل مصدر جامد بمعنیٰ نصیحت یا تذکرہ موصوف ہے مُبٰرَکٌ اسم مفعول واحد مذکر باب مُفَاعَلَۃٌ سے بَرَکٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حسن و خوبی و کثرت سے بھرا ہوا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی پھر موصوف ہے اَنْزَلْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم با فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ اس کا مرجع ذِکْرٌ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت مرکب توصیفی خبر مبتدا ہے۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَ۔ حرف ہمزہ سوالیہ تعجب دلانے کے لیے انکاری ہے یعنی ایسا مت کرو۔ اَنْتُمْ، اسم ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ لَہٗ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اس کے تقدم سے بھی تخصیص یا حصر کا فائدہ ہوا۔ مُنْکِرُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر برائے ضمیر جمع حاضر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر اَنْتُمْ ہے اور دونوں اَنْتُمْ ضمیر کا مرجع کُفَّارِ مکہ و مدینہ (یہودی عیسائی) ہیں یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ اَنْتُمْ ظاہر ضمیر مبتدا اپنی ہی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا۔ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ

دنیا میں یہ کفار فساق اپنے پرایوں پر ہر طرح کا ظلم کرتے رہتے ہیں مگر آخرت میں کوئی کسی پر کبھی کسی قسم کا ظلم نہ کر سکے گا۔ ہم میدان محشر میں ہر اُس بندے کے اعمال خیر و شر کے پورے

پورے صحیح حساب کے لیے عدل وانصاف کی ترازو قائم فرما دینگے جو بندہ حساب کے لائق وقابل ہے اور جس کا حساب ضروری ہے۔ یہ ترازو قیامت کے دن میدان محشر میں حساب اعمال کے وزن کرنے کے لیے پل صراط سے لاکر رکھ دی جائے گی آج وہ پل صراط کے پاس ہے۔ نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں یہ ترازو دیکھی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خواہش دید پر بھی ان کو دکھائی گئی تھی، دنیوی ترازوؤں کی طرح اس کے بھی دو پلڑے ایک ڈنڈی اور ایک درمیانی کھٹی والی زبان ہے جس کو پکڑ کر اٹھایا جاتا ہے۔ اس کے پلڑے مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہیں اور مضبوطی و وسعت کا یہ عالم ہے کہ ان میں آسمانوں زمین کو تولا جا سکتا ہے اس کے دائیں یعنی سیدھے پلڑے میں نیکیاں اور بائیں یعنی الٹے پلڑے میں گناہ اور بدیاں رکھی جائینگی دایاں پلڑا نور کا بنا ہوا ہے بہت چمک دار روشن یمین عرش کی جانب ہے۔ بایاں پلڑا سیاہ ظلمت کا بنا ہوا ہے۔ عرش کی جانب یسار ہے۔ میدان محشر میں جبرائیل امین علیہ السّلام اس کو اٹھاکر اعمال بندگان کو تولیں گے اس لیے کہ وہی ثواب وعقاب کے لیے امرونہی کے احکام لے کر آتے رہے لہٰذا آج محشر میں وہی تول کر حساب بھی کرائیں گے۔ اور میکائیل علیہ السّلام اس پر امین ہوں گے حساب وکتاب کے بعد اعمال کو تولا جائے گا۔ غرضکہ حساب وکتاب سے گنتی اور گواہی ہوگی اور تولنے سے اعمال کے بھاری اور ہلکے ہونے کا پتہ بتایا جائے گا اور وزن کئے جانے کے وقت تمام انسانوں جنّوں کو وہاں حاضر کیا جائے گا صرف اعمال بندگان کا وزن ہوگا نہ کہ ایمان وکفر کا۔ کفار و مومنین سب کے اعمال کا وزن ہوگا۔ اور جن بعض لوگوں کا حساب نہ ہوگا اُن کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا۔ وہ بلا حساب جنّت یا جہنم میں بھیجے جائیں گے غرضکہ حساب وکتاب تو ایمان۔ کفر، اعمال خیر وشر سب کا ہوگا مگر وزن صرف اعمال خیر وشر کا۔ بلا حساب والے نیک لوگ وہ ہوں گے جن کی بدی کوئی نہ ہوگی اور بلا حساب والے برے لوگ وہ ہوں گے جن کی نیکی کوئی نہ ہوگی اہل ایمان کو دو ثواب ایک ثواب ایمان کا دوسرا ثواب اعمال صالحہ کا۔ اس طرح کفار کو دو عذاب ہوں گے ایک عذاب کفر کا دوسرا اعمال بد کا فساق مومنین کو یا شفاعت کی معافی ملے گی یا جہنم کی سزا۔ عدل۔ قسط اور عدل کا فرق یہ ہے کہ جس کا حساب وکتاب درست ہو وہ قسط ہے جس کی عطا درست ہو وہ عدل ہے۔ اسی لیے مَوَازِیْنَ الْقِسْطَ فرمایا گیا نہ کہ موازین العدل۔ قسط ترازو کا عمل ہے عدل رب تعالیٰ

کا فعل ہے، کفار کے اچھے اعمال کا بدلہ یا دنیا میں ہی دیدیا جائے گا یا جہنم میں عذابِ اعمال کی تھوڑی تخفیف کر کے اسی لیے حساب و کتاب کے بعد اچھے بُرے اعمال کو تولا جائے گا یہ تولنا عذابِ کفر سے نجات یا تخفیف کے لیے نہ ہوگا۔ تخفیف وغیرہ عذابِ اعمال میں ہو گی دونوں میں فرق یہ ہے کہ تخفیفِ عذابِ کفر مقامِ جہنم سے ہٹایا جانا ہے مگر کسی بھی کافر کو یہ نہ ملے گی ہمیشہ ابدالاباد تک ایک ہی مقام میں اپنی اپنی جگہ کفار پڑے رہیں گے۔ تخفیف عذابِ اعمال یہ ہے کہ بعض کفار کو اُن کے عذابِ الیم کی شدت میں کمی کر دی جائے گی، اس قول سے حضرتِ ابوطالب اور ابوجہل کی ایمانی کیفیت کا پتہ لگ جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب کو جہنم سے نکال کر چھیرے میں کر دیا گیا اور ابولہب کو شدتِ عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ ابوطالب عنداللہ کافر نہیں بلکہ ساتر ہیں۔ اور ابولہب کا ایک اچھا عمل ہے جس کا بدلہ ان کو بعد موت دیا گیا۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو اُن کو جہنم سے ہٹایا نہ جاتا میزانِ قیامت کے ایک پلڑے میں نیکیاں ہوں گی ایک میں بدیاں جس میں جتنا بوجھ ہلکا بھاری ہوگا اتنا ہی اس کا بدلا دیا جائے گا نیکیاں روشنی کی شکل میں ہوں گی درجہ بدرجہ کم زیادہ اور بدیاں قبیح اندھیرے سیاہی کی شکل میں درجہ بدرجہ کم زیادہ۔ بعض نے لکھا ہے کہ اعمالنامے اور اہل اعمال لوگوں کو تولا جائے گا۔ مگر یہ قول ثابت نہیں۔ نیکیاں اور بدیاں جسم لطیف اور جوہر قائمہ کی کیفیت میں ہوں گی (تفسیر روح البیان وصاوی) یہ ایسا عدل و انصاف کا دن ہوگا کہ کسی بھی چھوٹے بڑے نیک و بد پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا بلکہ ہر جان کو اُس کا پورا پورا حق دیا جائے گا نیک کو نیکی کا بُرے کو برائی کا بھلے کو بھلائی کا ظالم کو ظلم کا اور دنیا میں کسی کا کوئی بھی کہیں بھی کبھی بھی کیا ہوا عمل چھوڑا نہ جائے گا اگرچہ رائی برابر چھوٹے سے دانے کے وزن جتنا ہو اس کو بھی قیامت کی ترازو میں لے آئیں گے اور اُس کا بھی قسط و عدل ہوگا۔ دنیا کی ترازوؤں میں تین نقص ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ کبھی صحیح تولتی ہے کبھی غلط اگر صحیح تولے تو عدل ہے اگر غلط تولے تو ظلم ہے مگر میدانِ محشر کی یہ ترازو ہمیشہ ہر شخص کے اعمال کے لیے قسط ہی رہے گی نہ کبھی ٹیڑھی ہو نہ کبھی غلط نہ کوئی اس کو غلط کر سکے نہ خود کبھی خراب ہو اسی لیے کسی پر ظلم کا نہ کوئی شائبہ نہ اندیشہ یعنی نہ تولنے والے کو شائبہ نہ عمل والے کو اندیشہ۔ دوم یہ کہ دنیا کی بڑی ترازوئیں چھوٹی چیزوں کو نہیں تول سکتیں اگر تولی بھی جائیں تو صحیح وزن نہیں بتا سکتیں، سوم یہ کہ دنیا کی چھوٹی ترازوئیں بڑی چیزیں نہیں تول سکتیں اگر تولنے کی کوشش کی جائے تو ترازو ٹوٹ جائے۔ مگر میدانِ

محشر کی میزان میں یہ کوئی نقص اور عیب نہیں وہ ایک ترازو میں ہی بڑے سے بڑی اور چھوٹی سی چھوٹی چیز کو تول کر بالکل صحیح صحیح وزن بتا دے گی حالانکہ ہے بے حد انتہا بڑی ہے۔ لیکن رائی کے دانے برابر عمل کو بھی صحیح تول دے گی اور کسی بھی وزنی چیز سے نہ گر پڑے نہ ٹوٹے نہ خراب ہو ان تینوں عیبوں سے وہ ترازو پاک ہے۔ یہاں مَوَازِیْنَ الْقِسْطَ فرما کر ترازو کی پہلی شان بیان فرمائی گئی۔ اور۔ فَلَا تُظْلَمُ فرما کر دوسری شان بیان کی گئی اور۔ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ (الخ) فرما کر تیسری شان بیان فرمائی گئی اور چونکہ علم قدرت، حفاظت عدل ہمارے ہی پاس مکمل واکمل ہے اس طرح کہ ہمارا علم سب پر محیط ہماری قدرت سب پر ظاہر، ہماری حفاظت سب پر جاری ہمارا عدل سب پر قائم اس لیے وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ ہم ہی کافی ہیں سب کا حساب لینے والے کیونکہ محاسب میں چار چیزیں ضروری ہیں ۱ علم ۲ حفاظت ۳ قدرت ۴ عدل سچے صحیح حساب کے لیے ان قوتوں کی ضرورت ہے کہ وہ اعمال کو جانتا بھی ہو۔ عاملین کو پہچانتا بھی ہو۔ عمل کی حفاظت بھی کر سکتا ہو، عامل کی قیامت و حشر قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ وہی محاسب ہو سکتا ہے جو قادر بھی ہو عالم بھی تب ہی عدل قائم کر سکتا ہے جب ذرے ذرے کا حساب و کتاب اور وزن قائم کر سکے تو جس ذاتِ کریم علیم و خبیر کی یہ شان ہو وہی سب کا حساب لے سکتا ہے۔ قیامت کا حساب چار طرح ظاہر ہو گا ۱ سزا میں تعدیل ۲ ثواب میں تفضیل ۳ گناہ میں عفو ۴ عطا میں تضعیف

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ اور البتہ بے شک ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون کو اپنے محبوب کے قرآن مجید کی مثل اپنا وہ کلام۔ جو حق و باطل کفر و ایمان، کھوٹے کھرے میں ہر طرح فرق کر دینے والا فرقان ہے اور شریعت کی وہ روشنی عطا فرمائی جو قلب و جگر عقل و دماغ کو اس طرح روشن کرنے والی ہے کہ ظلمتِ کفر جہالتِ گناہ ضلالتِ بے عقلی اور سفاہتِ حیرت کو دور کرنے مٹا کر رکھ دینے والی ہے۔ اور دینی دنیوی قانون نصیحتیں طُرُقِ ھُدیٰ۔ سُبُلِ نجات کا ذکر پاک عطا فرمایا یہ سب کلام الٰہی فقط ان کے لیے مفید تھا جو ہر قسم کے شرک و کفر فسق و گناہ سے بچنے والے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے رب کے رعبِ جلال مقامِ اسرار و احترامِ جمال سے بن دیکھے تعارفِ نبوت پر ایمان لا کر غائبانہ اسی دنیا میں ڈرتے اور مرعوب رہتے

والے ہیں یعنی ان نیک پاک لوگوں کا کفر شرک وگناہ سے بچنا ان کی ذاتی عادت یا طبعی نفاست یا اثر ماحول کی وجہ سے نہیں بلکہ فقط خوفِ الٰہی کی وجہ سے ہے ، دنیا میں تو اپنے سچے پکے یقینی ایمان باللہ کی وجہ سے غائبانہ خشیتِ ربانی ہیبتِ کبریائی میں رہتے ہیں اور وہی لوگ قیامت کی حاضریِ بارگاہ سے ڈرنے والے ہیں ان کا یہ ڈرنا صرف دبدبۂ جلال ہیبتِ کمال سے ہے۔ باری تعالیٰ آگے اپنے محبوب کی تسلیِ روحانی، صبرِ اطمینانی اور تقویتِ قلبی وسکونِ جسمانی اور امت کے زیادتی علم، کفار کو دعوتِ فکر کے لیے۔ یہاں چودہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا پہلے موسیٰ اور ھرون علیہما السلام اور آپ کی توریت کا ذکر فرمایا تین وجہ سے ایک یہ کہ توریت کلام الٰہی کی کتب اربعہ میں پہلی کتاب مقدس ہے، دوم یہ کہ توریت کی شرعی تعلیم مثلِ تعلیمِ قرآنِ مجید تھی اگرچہ دوطرح توریت کے احکام نامکمل اور عارضی وقتی تھے ۱ توریت میں صرف شریعت تھی طریقت نہ تھی نہ دعائیں اور ذکرِ الٰہی کے اسباق تھے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زبور اور انجیل کو نازل فرمایا گیا اسی لیے حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں متی کی انجیل باب ۵ آیت ۱۷ معروف نیا عہد نامہ مگر قرآن مجید میں تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم جمع ہیں بلکہ اس طرح کہنا زیادہ مناسب ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم کو قرآن مجید سے تعلیم دی گئی اور سابقہ امتوں کو توریت زبور انجیل سے۔ اسی تعلیم قرآنی کی وجہ سے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اور اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ کے مقدس ارشادات ہوئے ۲ یہ کہ توریت صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی مگر قرآنِ مجید اولین یعنی سابقہ انبیاء علیہم السلام وآخرین یعنی امتِ مسلمہ کے لیے ہر طرح کامل مکمل ابدی ہے سوم یہ کہ کفارِ مکہ کو ایمان علی القرآن کریم کی دعوت تھی کہ اے مکے کے کافرو تم بھی اور تمہارے مشیرانِ خاص یہود ونصاریٰ جو توریت کو مانتے ہیں قرآن مجید اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۔ یہ قرآنِ مجید بھی تو وہی ذکرِ مبارک باعثِ برکت کثرتِ منافعِ معادنِ اخیار۔ انعاماتِ ابرار۔ انوار اسرار۔ مصلح افکار۔ معادنِ علوم نظم عجیب بلاغۃ بدیع ادلۂ عقلیہ بیانِ شریعت۔ خیر کثیر۔ رحمت عزت۔ عاقبت، طریقت، حقیقت، معرفت کے خزانوں سے بھرپور ہے اور اس کو بھی ہم نے ہی نازل کیا ہے جس طرح کہ توریت کو ہم نے ہی نازل کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ توریت ایک وقت اور ایک قوم سے خاص مگر قرآن مجید تاقیامت تمام جہان کے لیے کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ ۲ توریت

ایک اُمت کے لیے اور قرآن ساری مدت کے لیے ۳ توریت میں صرف ظاہری شریعت مگر قرآن مجید میں ظاہری شریعت باطنی طریقت بھی ۴ توریت تربیت جسمانی کے لیے، قرآن تربیت جسمانی و تعلیم روحانی کے لیے ۵ توریت منسوخ ہونے والی قرآن منسوخ کرنے والا۔ یعنی یہ ناسخ وہ منسوخ۔ ارے نادانو! اتنے فائدوں آتی شانوں والے قرآن مجید کے تم لوگ منکر ہو رہے ہو اپنا کتنا نقصان کر رہے ہو۔ اس ذکر کے بعد پھر ابراہیم علیہ السلام پھر لوط علیہ السلام پھر نوح علیہ السلام پھر داؤد علیہ السلام پھر سلیمان علیہ السلام پھر ایوب علیہ السلام پھر اسماعیل علیہ السلام پھر ادریس علیہ السلام پھر ذی الکفل (یوشع) علیہ السلام پھر یونس علیہ السلام پھر زکریا علیہ السلام پھر عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا۔ ان مقدس ہستیوں کے تذکرۂ مبارکہ کی وجہ سے ہی اس سورۃ کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا۔ مفسرین کے مختلف اقوال ۱ نَضَعُ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ ہم پل صراط سے اٹھا کر میدانِ محشر میں رکھیں گے میزان بنی ہوئی ہے پلصراط کے پاس رکھی ہوئی ہے دوم یہ کہ ترازو ابھی کوئی بنی ہوئی نہیں بروز قیامت ہی بنائی جائے گی۔ مگر پہلا قول درست ہے اس کے دلائل کثیر ہیں سوم یہ کہ نَضَعُ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے یعنی ہم رکھیں گے چہارم یہ کہ نَضَعُ فعل مضارع بمعنی ماضی مطلق ہے۔ یعنی ہم نے رکھ دی ہوئی ہے ۲ موازین کے جمع اور قسط کے واحد فرمانے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ چونکہ بروز قیامت ہر انسان کی ترازو علیحدہ علیحدہ ہوگی اس لیے موازین فرمایا گیا اور عمل سب کا ایک ہی درست تولنا ہوگا اس لیے قسط واحد فرمایا گیا مگر یہ قول غلط ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ دوم یہ کہ ترازو ایک ہی ہے مگر تعظیماً اور بڑائی کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا اس تعظیمی جمع کی قرآن مجید میں اور بھی بہت سی مثالیں آیت پاک میں موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ آلِ عمران آیت ۳۹ میں ارشاد ہے۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہاں ملائکہ جمع صرف ایک جبریل علیہ السلام کے لیے ارشاد ہوا اور مثلاً سورۃ المومنون آیت ۵۱ میں ارشاد ہوا۔ یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ۔ یہاں صرف آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے مگر جمع کا لفظ اور جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ اور مثلاً جیسے سورۃ طلاق آیت نمبر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ نبی واحد فرما کر طَلَّقْتُمْ جمع فرمایا گیا۔ اہلِ ایمان کو تعظیم سمجھانے کے لیے۔ مگر یہ تعظیمی جمع اللہ تعالیٰ

کے لیے جائز نہیں وہاں تو ہر طرف وحدت ہی وحدت ہونا چاہیئے جو لوگ وہابیوں کی طرح اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کا بھی عام لوگوں کی طرح جمع حاضر یا جمع غائب کے صیغوں سے ذکر کرتے ہیں وہ سب علم قرآن وحدیث سے جاہل ہیں قرآن وحدیث میں اس طرح جمع کے الفاظ کا اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں ثبوت نہیں۔ انبیا علیہم السّلام سے زیادہ رب تعالیٰ کی کون تعظیم کرے گا مگر کسی نبی علیہ السّلام کی زبان مقدس پر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اَنْتُمْ یا اِنَّکُمْ یا اِنَّھُمْ جمع کے صیغ وضمائر اگر یہ جمع اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جائز ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السّلام کبھی بھی واحد کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ بولتے۔ معلوم اِن جہلاءِ دیابنہ وو ہابیہ کو کس شیطان نے یہ گستاخی توحید باری تعالیٰ سکھا دی جو انبیاء کرام علیہم السّلام کی قولی وفعلی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ یہ لوگ زبان سے تو توحید کی رٹ لگاتے ہیں اور بڑے دعوے سے توحید پرستی کے نعرے لگاتے ہیں مگر ظاہراً اس قسم کے جمع کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے بول کر منکر توحید ہوتے ہیں۔ مَوَازِیْنُ کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ اپنی جزئیت کی تعداد کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا ہے نہ کہ عددی کلی اعتبار سے یعنی جس طرح ایک شلوار کو سَرَاوِیْل سِرْوَالَۃٌ کی جمع کا لفظ دیا جاتا ہے اسی طرح ایک میزان کو اُس کے پلڑوں۔ اس کی ڈنڈی اس کی درمیانی گھنڈی (لسان) کے اعتبار سے مَوَازِیْنُ جمع فرمایا گیا ہے اور قسط کو واحد فرمانا ترازو کی عددی وحدت بتانے سمجھانے کے لیے ہے۔ یہ قول سب میں زیادہ درست ہے ۔ ۳ لِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ میں چار قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد لِاَھْلِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ ہے یعنی قیامت والوں کے لیے یہ ترازو قائم ہوگی دوم یہ کہ بعض نے لکھا ہے۔ لِجَزَاءِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ سوم یہ کہ بعض نے فرمایا۔ یہاں لام بمعنی فِی ہے یعنی قیامت کے دن میں شروع سے آخر تک یہ ترازو رکھی رہے گی تاکہ پہلے یہ ترازو سب لوگ دیکھتے رہیں ڈرتے رہیں اور آخر میں وزنِ اَعمال ہو چہارم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ یہ لام اپنے ہی معنی میں ہے یعنی قیامت کے لیے ترازو رکھی جائے گی اس طرح کہ قیامت کا مقصد حساب وکتاب اور حساب وکتاب کی تکمیل ترازو سے ۔ ۴ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ حَبَّۃٍ کا معنی رائی کا دانہ دوم یہ کہ اس کا معنی رتی بھر۔ سوم یہ کہ یہ عبارت تمثیل ہے بہت مختصر چیز کی۔ ۵ لفظِ قسط میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ

ایک تمثیل ہے انصاف اور عدل کی اصل ترازو اور اُس کا تولنا مراد نہیں یہ قول قطعاً غلط ہے
اسی قول کا سہارا لے کر بعض گمراہوں نے ترازو کے وجود کا ہی انکار کر دیا (معاذ اللہ)
دوم یہ کہ لفظِ قسط مبالغہ ہے جیسے کہ لفظِ عدل عادل کا مبالغہ ہے۔ اس قول میں قسط کا معنٰی ہے سراپا قسط۔ سوم یہ کہ اصل ترازو ہی
مراد ہے اور قسط کا معنٰی ہے کبھی خراب اور غلط نہ ہونے والی نہ کی جا سکنے والی ہمیشہ درست اور صحیح مکمل تولنے والی۔ فُرقان میں چار قول
ہیں۔ ۱ یہ کہ فرقان کا معنٰی ہے سچے جھوٹے رجوع کی فرق بتلانے والا۔ دوم یہ کہ فرقان کا معنٰی ہے کہ امتِ موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور قوم
فرعون و فرعون میں بذریعہ نجات مومنین اور غرق کفار فرق بتانے جدائی کرنے والی مدد نصرت۔ سوم یہ کہ شبہات سے نکال کر یقینیات میں لا کر
اہلِ شکوک و اہلِ یقین کو علیحدہ گروہ بنانے والی شریعت۔ چہارم یہ کہ دلائلِ توحید بیان فرما کر شرک کو مٹانے والا کلامِ الٰہی یعنی توریت مقدس۔ ضیاءً میں
دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ بعض نے فرمایا یہاں ضیاءً سے مراد ظاہری آنکھوں میں عقل و فہم کی چمک پیدا کرنے والی۔ دوم یہ کہ
بعض نے فرمایا۔ باطنی روحانی روشنی ہے۔ حَاسِبِیْنَ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جن کی
ایک بھی نیکی زیادہ وہ جنتی جن کی ایک بھی بدی زیادہ وہ جہنمی جن کی دونوں برابر وہ اعراف
میں رکھے جائیں گے۔ دوم یہ کہ جن کی نیکی بدی دونوں برابر ہوں گی ان کی شفاعت
ہوگی۔ یہ معنٰی بیان فرمایا گیا ہے۔ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ کا ۹ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔
میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وقت اپنے رب تعالٰی کے عذاب سے ڈرنے والے
دوم یہ کہ خلوت و تنہائی میں اپنے رب تعالٰی سے ڈرنے والے۔ سوم یہ کہ۔ رب تعالٰی
کو بنا دیکھے ہر وقت ہر حال میں خلوت و جلوت میں ڈرنے والے ۱۰ ذِکْرٌ میں چار
قول ہیں ایک یہ کہ بعض نے فرمایا کہ ذِکْرًا کا معنٰی لب ہے۔ شریعت و طریقت کا مکمل مجموعہ
یہ خصوصیت کتبِ اربعہ میں صرف قرآنِ مجید کو حاصل ہے۔ دوم یہ کہ ذِکْرًا سے مراد تمام
انبیاء علیہم السلام کے تاریخی تبلیغی حالات کیفیات ہیں۔ سوم یہ کہ اس سے مراد خیر برکت رحمت
رافت و عافیت ہے۔ چہارم یہ ذکر سے مراد نصیحت قانون دینی دنیوی اسلامی طریقے ہیں۔

فائدے ان آیتِ پاک سے مسلمانوں کو چند فائدے دئیے جاتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔
یہاں مسلمانوں کو مومن و کافر کا فرق بتایا جا رہا ہے کہ مومنِ غیب پر ایمان
لاتا ہے اور کافر مشاہدے کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے مومن کو بشارت ہے کافر کو ندامت
ہے۔ یہ فائدہ۔ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ۔ اور اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ فرمانے
سے حاصل ہوا جس سے کافر و مومن کا فرق ظاہر ہوا۔ تاکہ مومن لوگ کافروں کی علامات سے
بچیں اور کفار مومن کی نشانیاں اختیار کریں۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالٰی کا خوف دو قسم کا ہے

۱ خوفِ بالغیب ۲ خوف بالشہادہ مومن کا ایمان بھی بالغیب اور خوف وخشیت بھی بالغیب الہیے مقبولِ بارگاہ ہے لیکن کافر مانتا ہے دیکھ کر اور ڈرتا ہے مشاہدہ کر کے اس لیے اس خوفِ الٰہی کے باوجود مردود رہتا ہے۔ دیکھو ابلیس نے میدانِ بدر میں فرشتوں کو دیکھ کر کہا تھا اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ یعنی میں اللہ سے ڈرتا ہوں (سورۃ انفال آیت ۴۸) مگر پھر بھی ملعون ہی رہا اس سے ثابت ہوا کہ خوف وخشیت وہی معتبر و محبوب ہے جو بالغیب ہو۔ یہ فائدہ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیا میں مسلمان کو بہت ہی احتیاط سے زندگی گزارنا چاہیئے۔ ہر کام ہر کلام بلکہ ہر قدم ہر نظر ہر سمع ہر بصر میں احتیاط چاہیئے کیونکہ ذرّے ذرّے کا حساب ہے۔ دنیا کی لاپرواہی بے احتیاطی قیامت میں مصیبت ڈال دے گی یہ فائدہ۔ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ اَتَیْنَا بِھَا سے حاصل ہوا۔ احتیاط کے لیے ضروری ہے کہ ہر بری محفل اور ہر بری کتاب سے بچے جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ذرہ بھر ہٹائے وہی مردود وخبیث ہے اور اس کی کتاب زہرِ ایمان ہے اگرچہ وہ دیوانہ کوئی اپنا ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو احتیاط کی عادت اور محتاط زندگی عطا فرمائے۔ بروں اور بروں کی کتابوں محفلوں سے بچنا بھی خشیتِ الٰہی کی ایک قسم ہے۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ معتزلی فرقہ لکھتا ہے کہ باری تعالیٰ بھی اگر کسی کے لیے مَوَازِیْنَ الْقِسْطَ قائم نہ فرمائے تو یہ اس کی جانب سے ظلم ہوگا۔ (معاذ اللہ) لیکن اہل سنت جماعت فقہا علما فرماتے ہیں کہ موازینِ قسط اور حساب وکتاب کا قائم فرمانا رب تعالیٰ کی محض شفقت وکرم ہے کہ اُس نے بندوں کی فقط تسلّی کے لیے عدل کی ترازو قائم فرمائی ہے اگر نہ قائم فرماتا تب بھی اُس کی جانب سے ظلم نہ ہوتا، کیونکہ ظلم وہ ہوتا ہے جو کسی غیر کی ملکیت میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرّف کیا جائے اور غیر کی چیز میں دخل اندازی کی جائے۔ بارگاہِ قدس میں یہ بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو اَزلِ قدیم سے اَبدِ عمیم تک ہر چیز ہر مخلوق کا ہر اعتبار سے کُلّی مالک ہے۔ انسانوں کی اپنی اشیا پر ملکیت عارضی جُزئی اور فانی ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ کسی قسم کا بھی معاملہ فرمانا ظلم نہیں اس کو ظلم کہنا گمراہی وجہالت ہے یہ مسئلہ۔ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا فرمانے سے مستنبط

ہوا۔ نیز ان گمراہوں کو یہ سمجھ نہیں کہ ظلم ہوتا ہے جہالت کی وجہ سے اور جہالت ہوتی ہے
سفاہت سے اور سفاہت ہوتی ہے حماقت سے اور حماقت محتاجی سے اور محتاجی
عباد میں ہوتی ہے معبودیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے معبودیت واجب ہے جہاں معبودیت
اور الٰہیت ہو وہاں محتاجی محال بالذات ہے اور محال ناممکن چیز ہو سکتی ہی نہیں۔ محتاجی
نہیں تو حماقت نہیں حماقت محال تو سفاہت محال اور جب سفاہت ناممکن تو ظلم ناممکن بالذات (امام
رازی) تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کو منسوب کرنا اُس کی الٰہیت کا انکار ہے۔ اور جس طرح
الٰہیت کا منکر کافر ہے اسی طرح رب تعالیٰ کو ظالم کہنا اور سمجھنا بھی کفر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے
کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا جو ظلم کے معنی میں ہو وہ بھی کفر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو بخیل کہنا
اور اس طرح کے اشعار بنانے کہ۔ سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم ؛ بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے۔ برابر
کفر یہ گستاخی ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ حیاتِ دنیوی میں سب سے اہم کام ترازو درست کرنا ہے
یہ درست ہو تو عدلِ عظیم ہے ترازو غلط ہو تو ظلم عظیم ہے۔ قومِ ہود پر اسی ظلم کا عذاب آیا
تھا۔ باری تعالیٰ باوجود مالکِ حقیقی خالق قدیمی ہونے کے اول سے آخر تک ازل سے ابد تک
میزانِ عدل قائم فرماتا ہے تاکہ اُس کے بندے میزانِ ظلم سے باز رہیں۔ میزانِ عدل اصلاح فی
الارض ہے اور میزانِ ظلم فساد فی الارض ہے۔ یہ مسئلہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ فرمانے سے
مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ دینی اشیاء ہوں یا دنیوی حساب کرنے والے کے لیے تین چیزیں
ضروری ہیں ۱۔ قوتِ علم ۲۔ قوتِ حفظ ۳۔ قوتِ عدل اگر ایک چیز بھی نہ ہو تو حساب درست
نہیں ہو سکتا۔ حساب کی غلطی ظلم کا دروازہ ہے۔ اس لیے عدالت کی کرسی پر جُہلا کو بٹھانا
نا جائز کرنا حرام ہے۔ علم کے لیے قوتِ حفظ ضروری اور قوتِ حفظ کے لیے تقویٰ ضروری
اس لیے کہ۔ فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ ؛ وَاِنَّ النُّوْرَ لَا يُعْطٰى لِعَاصٍ۔ یعنی علم
اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور نور متقی کو ملتا ہے نہ کہ عاصی فاسق گناہوں والے کو یہ مسئلہ
وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں
فرمایا مَوَازِيْنَ۔ میزان کی جمع۔ اور سورۂ رحمٰن آیت ۷ میں ارشاد
ہوا۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۔ میزان واحد، حالانکہ دونوں جگہ آسمانی ترازو
ہی مراد ہے پھر یہ فرق کیوں؟ نیز یہاں لفظ قسط واحد ہی ہے نہ کہ اقساط جمع موازین

جمع کے لیے واحد لفظ کو صفت کیوں بنایا گیا؟ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ میں آسمانی ترازو قیامت والی مراد ہے اور وہاں سورۃ رحمٰن کی آیت ۷ وَضَعَ الْمِيْزَانَ۔ میں وہ زمینی ترازو مراد ہے۔ جوانسانوں کو دی گئی۔ اس لیے کہ آگے ارشاد ہوا۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔ یعنی اے بندو ہم نے اس لیے تم کو ترازو دی تاکہ تم ترازو کے ذریعے زمین پر حق و انصاف قائم کر کے اصلاح زمین کرو اور ترازو میں بد دیانتی بے اعتدالی کا ظلم نہ کرو نہ ہونے دو۔ اس جواب کے اعتبار سے نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ اور وَضَعَ الْمِيْزَانَ۔ کی عدم مطابقت کا اعتراض نہیں پڑتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض نے فرمایا، دونوں جگہ آسمانی ترازو ہی مراد ہے جو میدان حشر میں رکھی جائے گی مگر یہاں باعتبار عمل اس ایک کو ہی جمع فرمایا گیا یعنی میزان بمعنیٰ تولنا اور چونکہ تولنا بار بار ہوگا اور ہر ایک کا ہوگا اس لیے مَوَازِيْنَ جمع فرمایا گیا۔ اور وہاں باعتبار عدد اس کو واحد میزان فرمایا گیا یعنی عدداً جسماً ذاتاً وجوداً ایک ہی ہے۔ اور اگلی عبارت اَلَّا تَطْغَوْا کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمانی مِيْزَانِ عدل اور مَوَازِيْنَ قسط اس لیے قائم فرمائی تاکہ اے بندو تم اس سے ڈر کر دنیا کی اپنی اپنی ترازو درست رکھو غلط نہ کرو۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔ یعنی ہم قیامت میں عدل والی ترازو لا رکھیں گے کہ کسی شخص کا ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار کا بھی حساب ہوگا لیکن سورۃ کہف کی آیت ۱۰۵ میں ارشاد ہے۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ یعنی ہم ان کفار کے لیے قیامت کے دن وزن قائم نہ کریں گے یہ تضاد بیانی معلوم ہوتی ہے اس کا حل کیا ہے؟ جواب۔ یہ تضاد بیانی نہیں صرف معترض کی سمجھ کی کمزوری ہے۔ تضاد تب ہوتا جب مثبت و منفی اور ثبوت و نفی کی دونوں آیتوں میں ایک جیسے الفاظ ہوتے اور دونوں جگہ صاف لفظوں میں کفار کا ذکر ہوتا۔ حالانکہ یہاں دونوں جگہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں مَوَازِيْنَ ہے اور وہاں وَزْنًا۔ یہاں نَفْسٌ ہے وہاں لَهُمْ ہے۔ مفسرین نے اس کی وضاحت دو طرح کی ہے اور دونوں آیتوں کا معنیٰ مطلب بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ کفار کے اعمال کا وزن بالکل نہ کیا جائے گا اس لیے کہ کفار کے پاس کوئی نیکی ہی نہ ہوگی دنیا میں جو اچھے کام کفار کر لیتے ہیں ان کو نیکی نہیں کہا جاتا۔ شرعی اصطلاح میں نیکی صرف اس کام کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے

اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق کیا جائے۔ اچھا کام وہ ہوتا ہے جو دنیوی عقل وفکر میں پسندیدہ
ہو۔ نیکی کی جزا آخرت میں اور اچھائی کا بدلہ دنیا میں ہی۔ کفار کو اُن کی اچھائیوں کا بدلہ دنیا
میں ہی صحت، دولت، عزت حکومت کامیابی، شہرت کی شکل میں دیدیا جاتا ہے۔ اور چونکہ
قیامت کی ترازو میں عمل کو عمل سے تولا جائے گا نہ کہ باٹوں پتھروں سے تو چونکہ کفار کے
پاس نیکی کے پلّے میں رکھنے کے لیے کچھ نہیں لہٰذا اُن کا وزن نہ کیا جائے گا۔ یہی معنیٰ ہے
فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ کا یعنی یہ ترازو اُن کے لیے نہیں اور یہاں نفس
میں وہ لوگ مراد ہیں جن کے پاس دونوں پلڑوں میں رکھنے کے لیے نیکیاں بھی ہیں بدیاں
بھی عدل بھی ہے ظلم بھی اعمالِ کفار کا حساب وکتاب تو ہوگا وزن نہ ہوگا۔ اس جواب میں
یہاں لفظِ نفسٌ نکرہ عام مخصوص البعض ہے یعنی قیامت کی ترازو صرف اُن عام انسانوں
جنوں کے لیے قائم کی جائے گی جن کے اعمال میں دونوں قسم کے کام ہیں۔ اس کے جواب میں بعض
مفسرین نے یہ فرمایا کہ کفار کے تمام اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ نفسٌ میں کفار وفساق سب شامل
ہیں۔ مگر کفار کے اچھے اعمال مثلِ گندی روئی یا گھن شدہ لکڑی کے اُن میں بوجھ اور وزن نہ ہوگا
بلکہ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا۔ بالکل ہلکے پھلکے خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ہوں گے اس وجہ سے اُن کی کوئی عزت اکرام
قدر نہ ہوگی۔ اس جواب کے مطابق نَفْسٌ سے ہر کافر مومن کی جان مراد ہے اور فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ
میں تولنے کی نفی نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ ہم قیامت میں کفار کے اعمال کی کچھ قدر نہ کریں گے۔ وَزْنًا
سے مراد قدر ومنزلت ہے۔ لفظِ وزن بہت جگہ استعمال ہوتا ہے مثلاً چیز کا وزن بات کا
وزن، شعر کا وزن، لفظِ وزن مشترک ہے چند معنیٰ میں ۱ بمعنیٰ بوجھ ۲ بمعنیٰ مدلّل ۳ بمعنیٰ
درست وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت فَلَا نُقِيْمُ میں وزن بمعنیٰ عزت قدر منزلت ہے اور جس
طرح گھن شدہ لکڑی یا گھُسری زدہ دانوں میں نہ وزن ہوتا ہے نہ اُس کی کوئی عزت وقیمت
ہوتی ہے نہ وہ کسی کے لیے مفید اسی طرح کفار کے اچھے اعمال کا نہ وزن اور نہ بوجھ یا ثقل
ہوگا اور اسی وجہ سے نہ اُن کی کچھ عزت ہوگی نہ قدر وقیمت نہ وہ کسی کے لیے مفید نہ خود
کفار کے لیے نہ اُن کے دنیوی ظلم کے شکار مظلومین کے لیے۔ لہٰذا اگرچہ تولے جائیں گے مگر
کسی کو اور اُن کو فائدہ نہ دے سکیں گے بلکہ مزید رُسوا کریں گے۔ ہاں کفر اور ایمان کو تولا نہ
جائے گا کیونکہ ان کے ساتھ دوسرے پلّے میں رکھنے کے لیے کچھ موجود نہ ہوگا غرضکہ یہ میزانِ
قیامت صرف اعمال تولنے کے لیے ہے کیونکہ اچھے بُرے اعمال تو ایک شخص میں جمع ہو

سکتے ہیں مگر کفر و ایمان ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ تیسرا اعتراض۔ موازین اور میزان کوئی حقیقی ترازو نہیں ہے یہ صرف عدل کی ایک تمثیل ہے اور نہ ہی قیامت میں عمل تولنے کے لیے ترازو لانے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کوئی دکاندار نہیں جو ترازو میں لے کر بیٹھے۔ نیز یہ کہ قیامت میں عمل تولنے کا فائدہ نہیں ہے اس لیے کہ اہل ایمان تو بغیر تولے بھی رب تعالیٰ کے ہر فیصلے پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں مگر کفار ہر بات میں ہی شک و انکار پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ قیامت میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ترازو غلط تول رہی ہے ہمارے بھاری اعمال کو بھی ہلکا بتا رہی ہے اور اوپر اٹھا رہی ہے (نیچری گمراہ فرقہ) جواب۔ میزان قیامت ایک حقیقتِ واقعی ہے اس کا وجود موجود ہے پیدا ہو چکی ہے پلصراط کے پاس رکھی ہوئی ہے بروزِ قیامت میدانِ محشر میں لائی جائے گی بعض نے فرمایا کہ وہیں رکھی رہے گی صرف ظاہر کر دی جائے گی قرآنِ مجید کی ان آیت کے علاوہ متعدد احادیثِ مقدسات میں اس کی تفصیل اور ذکر موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک امام مبارک نے اپنی کتاب الذھد میں اور محدث آجری نے اپنی کتاب الشریعت میں روایت فرمائی عَنْ سَلْمَانَ وَعَنْ ابنِ عباس کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میزان موجود ہے اس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی ایک لسان (پکڑنے کی گھنڈی) ہے۔ حدیثِ دوم، امام محدث ابن مردویہ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی پاک نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک ترازو پیدا فرمائی ہے جس کے پلڑے آسمان و زمین کے برابر ہیں۔ حدیث سوم، امام بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی (حدیث جبریل) آنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ ایمان کیا ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہے کہ ایمان لائے تو اللہ اور فرشتوں اور انبیاء و رسولوں پر اور جنت دوزخ میزان پر۔ اس حدیثِ مقدس سے ثابت ہوا کہ میزانِ قیامت پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ رسول پر اور میزان کا منکر اسی طرح کافر ہے جس طرح اللہ رسول کا منکر کیونکہ ایمانیات کی فہرست میں ایک ہی جگہ ان سب کا ذکر فرمایا گیا یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف ص۱۱ پر بھی منقول ہے یہ حدیث شریف بحوالہ مشکوٰۃ بخاری میں بھی ہے مگر وہاں جنت دوزخ میزان کا ذکر نہیں ہے ہم نے یہ حدیثِ شریف تفسیر مظہری (یہی جگہ) سے نقل کی۔ حدیثِ چہارم۔ مستدرک حاکم نے عَنْ سَلْمَانَ روایت فرمایا کہ آقائے کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اتنی بڑی ترازو رکھی جائے گی جو آسمانوں

اور زمینوں کو تولنے کی وسعت رکھتی ہے۔ حدیث پنجم۔ ترمذی شریف میں حضرت انس سے
مروی ہے۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شفاعت کے لیے بروز قیامت آپ
کو کہاں تلاش کروں فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً پلصراط پر وہاں نہ ملوں
تو میزانِ قسط کے پاس وہاں نہ ملوں تو حوضِ کوثر کے پاس، حدیث ششم محدث بیہقی اور
حاکم نے روایت فرمایا۔ اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا کہ میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ قیامت میں آپ کو کہاں تلاش کروں آپ نے فرمایا تین جگہ ۱پلصراط
پر ۲ میزان کے پاس ۳ حوض کے پاس، حدیث ہفتم۔ امام بغوی سے روایت ہے کہ ایک
دفعہ داؤد علیہ السّلام نے عرض کیا اے میرے مولیٰ تعالیٰ مجھ کو میزانِ قیامت کا دیدار کرا
دے، دعا قبول ہوئی جب میزان کی لمبائی چوڑائی اور پلڑوں کی گولائی دیکھی تو غش کھا گئے
جب ہوش آیا تو عرض کیا مولیٰ کون بندہ اتنی نیکیاں کر سکتا ہے جو یہ پلڑا بھر سکے رب تعالیٰ
نے فرمایا اے داؤد جس بندے نے مجھ کو دنیا میں راضی کیا ہوگا تو میں اپنے فضل سے
اُسکے پلڑے کو ثمراتِ اعمال سے بھر دوں گا اور بھی بہت احادیثِ مبارکہ ثبوتِ میزان
میں وارد ہیں اتنے واضح دلائلِ آیت و احادیث کے ہوتے ہوئے اِس کو محض تمثیل
کہہ دینا جہالت ہے رہا یہ کہنا کہ کفار پھر بھی کہیں گے کہ یہ ترازو غلط ہے، تو یہ ایک
شیطانی وہم ہے وہاں ایسا کوئی نہ کہہ سکے گا اور پھر تو آپ اسی وہم کی بنا پر روزِ قیامت
کے حساب و کتاب کا بھی انکار کر سکتے ہو کہ اُس کی بھی کوئی ضرورت نہیں مومنین تو ویسے
ہی مانتے ہیں کفار وہاں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حساب غلط ہے گمراہوں کو ابلیس وغیرہ
سے تو کبھی نجات مل سکتی ہی نہیں۔ نیز پھر تو دنیا کی ترازوؤں پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے
اور یہ بھی ہر عقل والا جانتا ہے کہ ترازو کی صرف دکاندار کو ہی ضرورت نہیں ہوتی ترازو کی
تو ہر عدالت میں ضرورت ہوتی ہے بشرطیکہ تولنے کے لائق اشیاء ہوں رب تعالیٰ کا
میزانِ قسط قائم فرمانا اپنے عدل و فضل عفو و کرم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے تاکہ ایمان کی
شان اور کفر کی ذلت معلوم ہو۔

تفسیر صوفیانہ | وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا
وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ

اے عالمِ رنگ و بو میں رہنے والوں ہم رکھتے ہیں اس کائنات میں میزانِ تفصیل میزان

تفریق میزان تعدیل کی ترازوئیں اور موازین، اس طرح کہ اُنہی اہل فضیلت کے لیے میزانِ فضل قائم ہوگی جو اس کا مستحق ہوا۔ اِسی کو ظاہر فرماتے ہوئے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۵۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اِسی عدل کے لیے عالمِ ازل میں ہم نے مَوَازِیْنِ قسط بنائی اور اہل فرقت کے لیے عالمِ حیات میں میزان تفریق و فرقان رکھی اور اہل قیامت کے لیے میزانِ اعمال عالم ابد میں قائم کریں گے۔ یہ ہی ہیں مَوازین قسط کہ غیر مستحق کو بلا اِستحقاق کچھ نہ مل سکے اور کسی شخصیت پر کسی مقامِ ظاہر و باطن، سِر و اَسرار میں کمی بیشی کا ظلم نہ ہوا نہ ہوتا ہوگا اور اگر کسی کے حَبّۂ قلب میں علم یا جہالت کا ذرّۂ ناچیز بھی ہوگا تو ہم اُس کو آشکار کر دیں گے وہاں پردہ پوشی نہ فرمائیں گے کیونکہ پردہ پوشی عالمِ ناسوتی میں ہوتی ہے نہ کہ عالمِ لاہوتی میں اور ہم ہی علم قدیم۔ حفظِ کثیر، اور قوتِ شدید عدلِ عظیم وَخبر مُبِیْن کے مالکِ ابدی ازلی ہیں اس لئے وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ۔ پوری کائناتِ مخلوق کا حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ زندگی نوم ہے موت بیداری ہے یہاں کافرین مدہوش ہیں فاسقین نیند میں سب موت پر جاگیں گے پھر پتہ لگے گا کہ میزان عدل کیا ہے۔ اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا میں آٹھ قسم کی میزانِ ظاہری ہیں اور آٹھ قسم کی میزانِ باطنی ہیں ۱ میزانِ ریاضت ۲ میزانِ مراقبہ ۳ میزانِ اعتبارات ۴ میزانِ مقامات ۵ میزانِ محاضرات ۶ میزانِ مغیبات ۷ میزانِ معاملات ۸ میزانِ حقیقت اور نو قسم کی میزانِ محشر ہیں مَوازین باطنی کے پلڑے طریقت و شریعت ہیں اِن کی لسان عِلمُ الیقین ہے ان کی ڈنڈی عدل ہے اس کی تقسیم کرم ہے۔ ظاہری ترازو یہ ہیں۔ ۱ میزانِ نفس ۲ میزانِ روح ۳ میزان قلب ۵ میزان معرفت ۶ میزانِ آسرار ۷ میزانِ آسخاط دنار ضگیوں والی) ۸ میزانِ رضا۔ مَوازِیْن حشریہ ہیں ۱ میزانِ شرافت ۲ میزانِ لطف ۳ میزانِ نور ۴ میزانِ سُرور ۵ میزانِ وصول ۶ میزانِ قبول ۷ میزان قرب ۸ میزانِ اِخلاص ۹ میزانِ صدق ترازوئے نفس کے پلڑے شریعت کے احکامِ امر اور نہی ہیں۔ ترازوئے روح کے پلڑے ثواب اور عقاب ہیں ترازوئے قلب کے پلڑے وعدہ وعید پر ایمان لانا ہے ترازوئے عقل کے پلڑے توحید و شرک ہے ترازوئے معرفت کے پلڑے انوار و اخبار ہیں۔ ترازوئے اسرار کے پلڑے صرب اور طلب ہیں ترازوئے آسخاط کے پلڑے نیکی اور بدی ہیں۔ میزانِ رضا کے پلڑے ریاضت و مجاہدہ ہیں۔ جس نے دنیا میں اپنے نفس کا وزن کیا ریاضت کی میزان

ہیں اور قلب کا وزن کیا مراقبے کی میزان ہیں اور عقل کا وزن کیا اعتبارات کی میزان میں اور
روح کا وزن کیا مقامات کی میزان ہیں اور ضمیر سری کا وزن کیا محاضرات کی میزان میں۔ اور
شعور کا وزن کیا مطالعۂ مغیبات کی میزان ہیں اور صورت کا وزن کیا حقیقت کی میزان ہیں
سیرت کا وزن کیا معاملات کی میزان ہیں، تو کل بروز قیامت میں ایسے بندے کا نفس تولا
جائے گا میزانِ شرافت میں، قلب تولا جائے گا میزانِ لطف میں عقل تولی جائے گی میزانِ
زر میں روح تولی جائے گی میزانِ سرور میں شعور تولی جائے گی میزانِ وصول میں۔ صورت تولی جائے
گی میزانِ قبول میں سیرت تولی جائے گی میزانِ قرب میں۔ اعمال تولے جائیں گے میزانِ اخلاص میں
سچائی تولی جائیگی میزانِ صدق میں۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ جس خوش قسمت بندے کے
وزن بڑھ جائیں گے تو اُس کے نفس کو فراق سے امن کی جزا ملے گی قلب کو مشاہدۂ شرف
کی جزا اسرارِ خفی کے خزانوں سے ملے گی اور اُس کی عقل کو مطالعۂ صفات کی جزا ملے گی
اور اُس کی روح کو کشفِ انوارِ ذات کی جزا ملے گی، اور اُس کے شعور کو ادراکِ اسرارِ قدسیات
کی جزا ملے گی، اور اُس کی صورت کو مجالس وصل میں بیٹھنے کی جزا ملے گی۔ اور اُس کی سیرت
کو قربِ ابدی کی جزا ملے گی۔ صرف نیتِ خالص کی عبادت پسندیدہ ہے ورنہ بے مغز
کے چھلکا ہے۔ اے بندے سچائی کی کوشش کرتا کہ تیری ہر سانس سے سورج کی روشنی
نکلے کیونکہ جھوٹ سے چہرہ سیاہ ہوگا تو صبح محشر میں میزانِ صدق کے لائق نہ ہوگا جس
کے اعمال صحبت ریا سے مصحوب ہوں وہ مقبول نہ ہوں گے۔ عبادت آپ زر ہے اس کو
غرور کی کیچڑ نخر کی گندگی میں نہ ڈال کیونکہ پھر صراف دانا اس کا خریدار نہ بنے گا جس کے
احوال حیرانیوں پریشانیوں وہموں میں ملوث ہوتے ہیں ان کو رفعت شان میسر نہیں
ہوتی اے بندے اپنے احوال کو دل کی حیرانیوں اور وہموں سے علیحدہ کر عملِ خالص سے
توفیق کو خالص کر اگر تو چاہتا ہے کہ قیمتی معنیٰ والا ہو جائے تو پاکیزہ ترازو میں اپنی حالت
کا وزن کر۔ جب تیری ترازو میں ٹیڑھ اور دغا بازی ہوگی تو پھر تو جزاءِ راست کا طالب
و خواہش مند کس طرح ہو سکتا ہے۔ اعمال کے لیے وزنی ہونا ضروری ہے پہلا عمل ذکرِ لسان
ہے دوسرا عمل ذکرِ جنان یعنی ذکرِ قلبی، ذکرِ لسان چابی ہے ذکرِ قلبی کی ذکرِ قلبی خزانۂ ایمان
ہے۔ ذکرِ لسانی میں سب سے اعلیٰ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ
اس کے لیے ارشادِ نبوی ہے۔ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ

حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ۔ اس لیے کہ ان کلمات میں صفات سلبیہ سے بھی مدح ہے اور صفات ثبوتیہ سے بھی۔ سُبْحَانَ صفت سلبیہ سے تنزیہ ہے اور بِحَمْدِہٖ صفات ثبوتیہ ہیں۔ دوسری حدیث مقدس میں ہے کہ تسبیح سے آدھی میزان بھر جائے گی اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے باقی آدھی اس طرح صرف اِن کلمتان سے پوری میزان بھر جائے گی۔ اس سے بھی اعلیٰ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر ساتوں آسمان ساتوں زمین اور ان میں رہنے والی سب مخلوق ایک پلڑے میں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک پلڑے میں رکھا جائے تو یہ کلمہ بھاری ہو جائے۔ کیونکہ یہ عمل نہیں بلکہ ایمان ہے اسی لیے ایمان کا وزن نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کے مقابل کوئی عمل نہیں آسکتا، تو کس سے تولا جائے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کی مثل تو کوئی شی ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفر و ایمان کا وزن نہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ کفر کے شر کی مثل اور ایمان کے خیر کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور قیامت کا وزن مثلیت میں ہوگا اور مثلیت صرف اعمال جوارح میں ہے۔ اعمال جوارح سات قسم کے ہیں ۱۔ اعمال سمع ۲۔ اعمال بصر ۳۔ اعمال ید (ہاتھوں کے) ۴۔ اعمال رجل (پیروں کے)، ۵۔ اعمال بطن ۶۔ اعمال فرج ۷۔ اعمال لسان۔ یہ اعمال ظاہری ہیں ان کے خیر کو ان کے شر سے تولا جائے گا میزان محسوس میں۔ اعمال باطنی بھی سات قسم کے ہیں ۱۔ اعمال عقل یعنی خیالات حق و باطل ۲۔ اعمال قلب یعنی عقائد حق و باطل ۳۔ اعمال صدری یعنی تصورات حق و باطل۔ ۴۔ اعمال شعور یعنی تفکرات حق و باطل ۵۔ اعمال مزاج یعنی ارادۂ حق و باطل ۶۔ اعمال طبعی یعنی عادات حق و باطل ۷۔ اعمال تخفی یعنی مروجات حق و باطل۔ ان کو میزان معنوی وحکمی میں تولا جائے گا غرضکہ اعمال محسوسی کو میزان محسوسی میں اور اعمال معنوی کو میزان معنوی میں ہر چیز کا مقابلہ اس کی مثل سے کیا جائے گا ذکر کی چار قسمیں ہیں ۱۔ ذکر لسان ۲۔ ذکر جنان ۳۔ ذکر خفی ۴۔ ذکر سری۔ ذکر خفی و سری توحید حقیقی و باطنی ہے ان کو کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے اسی لیے یہ میزان صوری میں نہ تولے جائیں گے نہ یہ مکتوب نہ ان کا کوئی مثل لہٰذا نہ ان کا میزان میں دخل۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ آخرت کی مَوَازِیْنِ قِسْط سے پہلے ہم نے موسیٰ انوار و ہارون اسرار کو حقیقت اصلیہ کا فرقان طریقہ معرفت کی ضیاء اور شریعت ظاہری کا ذکر عطا فرمایا تاکہ راہ ناسوتی کے بیابان

حیات میں چلنے والے موازینِ حشر کی تیاری کرلیں۔ یہ تینوں نعمتیں اُن سالکینِ عقیدت کے لیے
دی گئیں ہیں جو متقینِ یقین اور پرہیزگارانِ امین ہیں کہ ہر ممنوعہ سے بچنے والے ہیں یہی ہیں
وہ مسعودین مقبولین جو خلوتِ مراقبہ کے غیب میں بھی اپنے رب کی ہیبتِ جلال و قہر کمال
و حرمتِ بیزوال سلطنتِ بے مثال کی خشیت و رعب میں لرزتے ترسنے والے ہیں اور
وہی متقین محبوبین جلوۂ بارگاہِ قدس میں حاضری کی ساعتِ پُر جبر و جلال سے ڈرنے والے
ہیں ندامتِ نقصانِ عمل سے جھجکنے والے ہیں۔ اصطلاحِ صوفیا میں فُرقان وہ نور ہے جو
ظاہر ہوکر اشیاءِ حق اور اشیاءِ باطل میں فرق کر دے اور وہ روشنیٔ ایمانی ہے جو خالق
و مخلوق، حادث و قدیم، واجب و ممکن میں فرق بتائے اس نور کو رب تعالیٰ امانت فرماتا ہے
بندگانِ مخلصین کے قلوبِ منورین و مطہرین میں یہ شخصیات انبیاء و اولیا کا گروہِ مقدس ہے
اور یہ نورِ فُرقانی اُن علماءِ متجرین کے سینوں فیض گنجینوں میں داخل کیا جاتا ہے جو علومِ شریعت
کی تکرار میں حیاتِ ناسوتی فانی کو وقف کر دیتے ہیں اس لیے کہ علومِ شریعت کی تکرار کے بغیر
کوئی نور حاصل نہیں ہوتا۔ یہ وہ منزل ہے جہاں افکارِ عقلیہ بیکار ہیں ان ہی متقین کے لیے
اُس نورِ فرقانی کی ضیا ہے جس میں وہ قدومِ ابداتی اُٹھاتے ہوئے عالمِ لاہوت کی سیرِ ملکوتی
اور سفرِ جبروتی کا آغاز کرتے ہیں اور اُس ضیاءِ اسرار میں ذکرِ لاثانی ہے جس سے نعمت
پیتے ہیں۔ وہ متقی جو شرکِ خفی و جلی کفرِ ظاہری و باطنی سے بچتے ہیں وحدت سے لگتے ہیں اور شریعت
میں طمع سے اخلاص میں ریا سے ذکرِ خالق میں ہمہ تن مشغولیت کی وجہ سے مخلوق سے بچتے ہیں۔
اور حصولِ عبادت میں انانیت کی مغروریت سے بچتے ہیں غیب کے پردوں میں ایمان بالغیب
والوں کی تین قسمیں ہیں ۱۔ ایمان بالحجاب یہ عوام کا ایمان ہے اس ایمان کے باوجود گناہ بھی سرزد
ہوتے رہتے اس ایمان میں عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر ہر طرح سے مُطّلع ہے
بندے اور اُس کے کسی حال سے غائب نہیں لیکن انسان کا قلب و عقل اس کو نہیں سمجھ
سکتے یعنی اُدھر مشہودیت ہے اِدھر محجوبیت ہے ۲۔ ایمان بالمراقبہ یہ ہے کہ بندہ مراقبۂ
الٰہیہ میں اکمل مشاہدۂ بارگاہ کر لیتا ہے اِس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے وہ اللہ
کو نہیں دیکھتا اور بندہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے اور مولیٰ تعالیٰ اس پر مُطّلع ہے
۳۔ ایمان بالمشاہدہ یہ کہ بندہ عینِ بصیرت سے مشاہدۂ ذات کرے۔ پہلا ایمان مقامِ ادنیٰ
پر ہے دوسرا ایمان مقامِ اعلیٰ پر ہے یہ ایمانِ انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہے اور تیسرا ایمان

تمام مقامات علی سے اوپر مقام مشاہدۂ لامکان پر ہے۔ ربُّ العٰلمین پر اس طرح کا ایمانِ شہودی کا ایمان فقط رحمۃُ العٰلمینؐ کا حصّہ ہے۔ ایمانِ اوّل کے مقام والے عوام اور علما اولیا صُلحا ہیں یہی پاک باز مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ہیں۔ قیامت کو ساعت چار وجہ سے فرمایا گیا ۱۔ ساعت بمعنیٰ وقت چونکہ قیامت ایک بہت اہم وقت ہے اِس لیے اس کی اہمیت بتانے کے لیے اِس کو مبالغۃً ساعت فرمایا گیا۔ جیسے زیدٌ عدلٌ کہنا مبالغہ ہے ۲۔ ساعت سعیٌ سے بنا ہے یعنی دوڑنا کوشش کرنا۔ چونکہ قیامت میں ہر شخص میدانِ محشر کی طرف دوڑے گا اس لیے اُس کو ساعت کہا گیا ۳۔ ساعت بمعنیٰ خفیف آناً فاناً جلدی ہونے والا یعنی وہ خفیف وقت جس میں عظیم حادثہ ہو جائے چونکہ قیامت بھی وہ عظیم و عجیب حادثہ ہے جو اچانک رونما ہو گا اور زمانے کی ایک جُز میں ہو گا اس لیے اِس کو ساعت کہا گیا۔ اسی معنیٰ میں منٹ سیکنڈ۔ گھنٹے کو ساعت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی زمانے کی ایک جُز ہے۔ ۴۔ ساعت بمعنیٰ سُرعت چونکہ قیامت میں تمام انسانوں جنّوں جانوروں کا حساب بہت جلدی ہو جائے گا اس لیے اِس کو ساعت فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۹۹) وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ اور یہ خیر کثیر برکات کمیر سے بھرا ہوا ذکر بھی سینۂ اَخیار میں ہم نے ہی نازل فرمایا ہے۔ تو کیا اے ظلماتِ ناسوتی اور حادثاتِ فنا کے اندھیروں میں بھٹکنے والو تم اِس ذکرِ ذیشان کے منکر بنے پھرتے ہو۔ اور بجائے اِس کا ادب اِس پر عمل اِس کی فکر اس میں تدبّر اس سے تذکّر لینے کے اس کا انکار کرتے ہو۔ یہ مبارک ہے اُس کے لیے جو اس سے نصیحت لے اور نصیحت وہی لیتا ہے جو جانتا ہے کہ بے شک یہی وہ نورِ نصیحت ہے جس کو ہم نے مومنین کے سینوں عارفین کے قلبوں میں نازل کیا۔ یہ ذکر نتائجِ عقل اور تناظرِ فکر سے حاصل نہیں ہوتا۔ تو کیا تمہاری ہی یہ کم ظرفی بدبختی ہے کہ تم اِس کے نورِ ہدایتِ الٰہیہ ہوتے کے منکر بنے پھرتے ہو حالانکہ اِس کا انکار کفرِ صریح ہے محققین فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید کا ادب کرنے سے پانچ وہ فائدے ہوتے ہیں جن کا کثیر مشاہدہ و تجربہ ہے ۱۔ دنیوی سلطنت و بادشاہت کا حصول اور سلطنتِ صالحہ عادلہ مضبوطہ کا ملنا بھی منجانب اللہ ہوتا ہے ۲۔ ادب سے سخاوت اور سخاوت باپ مراد کی کنجی ہے ۳۔ ادب سے ہی رجوع اِلی اللہ ایمان باللہ قُربِ مع اللہ کی نعمت ملتی ہے ۴۔ ادب کی تاثیر عظیم ہے کہ ہاتھوں میں شفا آنکھوں

میں ضیا۔ قلب میں جلا روح میں فضا پیدا ہو جاتی ہے ۔ ادب قرآن میں رعایت کی توفیق ہے اور رعایت میں سلطنت صُوری اور حکومت معنوی کا وہ حصول ہے جس کو فنا نہیں، ترک ادب زوالِ قوت، فناءِ شوکت، خاتمہ ذلتِ نفس کا سبب یقینی ہے۔ بے ادبی سے بہت گھر ویران ملک اجاڑ۔ اور شہر تباہ ہوتے دیکھے گئے ہیں قرآنِ مجید کو ہر طرح ماننا ادب ہے اس کا کسی طرح سے انکار کرنا بے ادبی ہے۔ یا اللہ اس ذکرِ مبارک قرآنِ مجید کو ہمارے دلوں کی بہار خزانۂ اعمال کی نکھار کانوں کی سماعت زبانوں کی تلاوت، سینوں کی حلاوت آنکھوں کی بصارت عقلوں کی بصیرت اجسام کی فضیلت، ارواح کی جلاوت، ایمان کی عقیدت، ارزاق کی برکت بنا دے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ قرآنِ مجید فِی نَفْسِہٖ اپنی ذات میں مبارک ہے اگرچہ جُہلا اس کو نہ مانیں نہ پڑھیں نہ سنیں لیکن بندۂ مومن اس کو پڑھتا بھی ہے سنتا بھی یعنی محبت سے پڑھتا ہے الفت سے سنتا ہے عقیدت سے عمل کرتا ہے۔ اور لقاءِ الٰہی کی امید سے ادب واحترام کرتا ہے تو وہی اس کے مضمون پر عمل کرتا ہے اشاراتِ قرآنیہ کی معرفت پاتا ہے۔ قلب میں اس کی حلاوت، دماغ میں اس کی خوشبو پاتا ہے، جب بندہ اس مقامِ سعادت پر پہنچتا ہے تب اس کے معدنِ مشاہدہ میں قرآنِ مجید کی برکتیں پہنچتی ہیں۔ قرآنِ مجید کی سب سے بڑی برکت ذاتِ قدیم و صفاتِ جلیل کی رویتِ قلبی و تکلّمِ باطنی ہے۔ اگر بندہ دل کی گہرائیوں سے متوجہ ہو کر تلاوت کرے تو اب معلوم ہوتا ہے کہ تحتِ عرش ہو کر رب تعالیٰ سے محوِ گفتگو ہے حدیثِ پاک میں ہے کہ جس کے جوفِ سینہ میں قرآنِ مجید کا کچھ حصہ نہیں ہے وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن مجید سے خالی نہ کرو کیونکہ جس گھر میں تلاوتِ قرآن ذکرِ رحمٰن اور عبادتِ ایمان نہ ہو وہ گھر مشابہ قبرستان ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ اپنے گھروں کو دارُالشرک و بیت الکفر اور کینہ نہ بناؤ شارحین کے فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے گھروں کو فوٹوؤں تصویروں سے نہ سجاؤ نہ بُت خانہ بناؤ۔ بلکہ گھروں کو مصحفوں سے سجاؤ۔ علامہ خجندی فرماتے ہیں۔

دل از شنیدنِ قرآن بگیردت ہمہ وقت ۔۔۔ چوں باطلاں ز کلامِ حقت ملولی چیست

یعنی اے بندے تیری کیفیت تو یہ ہونی چاہیئے کہ تیرا دل تجھ کو ہر وقت قرآن مجید سننے میں پکڑے رکھے باطل لوگوں کی طرح کلامِ حق تعالیٰ سننے سے تجھ کو ملال اور کلفت مصیبت

کیا ہے داز تفسیر روح البیان اس آیت میں شیخ اکبر محی الدینؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم قائم فرماتے ہیں کائناتِ عالم میں ظلِ وحدت اور صفتِ لازمہ والی عدل اور عدالت کی موازینِ قسط جن سے قائم ہیں سمواتِ ارواح اور ارضِ اجسام و بقاءِ استقامت اگر یہ موازین قسط نہ ہوتیں تو ہرگز ہرگز امر وجود کسی بھی طریقۂ معینہ سے نسقِ محدود پر نہ ٹھیرتا۔ یہ شمس و قمر سماک وسمک یہ عرش و فلک، سب ہمارے ان ہی موازین قسط سے قائم و دائم ہیں یہ موازین ہر شی کو شامل ہیں اسی لیے ہر موجود شی کے وجود کو اس کا انصاف پہنچ رہا ہے اسی کے حال اور برداشت کے مطابق و مناسب اس انداز سے کہ ہر چیز اپنے ہمراہی کی میزان بن گئی اور اشیاءِ عالم کی تعداد کے برابر موازین کی تعداد ہو گئی اور محجوبین کے لیے حیاتِ دنیا کے لمحات ہی قیامت صغرا بن گئے اور یہ زندگی اہل مکاشفہ کے اعتبارِ احوال سے قیامت کبرای ہے کہ فَلَا تُظْلَمُ کسی کا کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اس لیے کہ ہر وہ عملِ خیر جو کر لیا گیا وہ حسنات کے پلڑے میں قلب کی جہتِ روحانی کی جانب سے ڈالے جائیں گے اور ہر وہ عملِ بد جو نفس سے عمل میں آئے وہ سیّات کے پلڑے میں نفسِ امارہ کی جانب سے رکھدیا جائے گا اگرچہ ذرۂ قلیل کی مثل ہو۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ قلب زبان کی میزان ہے یہی وجہ ہے کہ حسنات کے پلڑے میں سفید چمک دار خوشنما جواہر ہوں گے اور سیّات کے پلڑے میں سیاہ بدنما جواہر اے بندۂ دنیوی ہم نے ہی عطا فرمایا موسیٰ قلب اور ھرونِ عقل کو ظاہر اور باطن کے علمِ تفصیلی و فہمِ کشفی کا فرقان یعنی ہم نے ان دونوں کو مقامِ قلب میں وہ علم دیا جو فرق کر دے حق و باطل کے درمیان حقائقِ ظاہرہ اور مقامِ معرفتِ کلیہ سے۔ مقامِ روح میں ان کا مرتبہ وہ مشاہدۂ نور ہے جو ہر نور پر غالب ہے اور مقامِ نفس میں علوم جزئیاتِ شریعت کی نصیحتیں و مواعظِ حسنہ کے ذکر ہیں یہی ان کا مرتبۂ صدارت ہے ایسے ہی مستعدو قابلِ سالکین کو یہ فرقان۔ ضیا و ذکر کا نفع دینے والے ہیں ان کے لیے ہی نورِ تامہ کی ضیا مشاہداتِ روحانیہ میں عطا ہوتی ہے اور ان متقین کے لیے ہی راہِ منزل کا تذکرہ اور ہدایت کی نصیحتیں ہیں جنہوں نے خباثت و رذائل سے اپنے نفوس کو خواہشات میں سے بچا لیا پاک کر لیا اور صفاتِ مجوبلی سے بچ گئے تب چمک گئے طیباتِ عظمٰی کے انوار ان کے دلوں سے ان کے نفسوں پر جس کی وجہ سے ان کو تذکیۂ روحانی و صفائی جسمانی حاصل ہو گئی۔ اور وصلِ منزل سے پہلے ہی حالِ غائبانہ میں حضورِ وحی قلبی کے مقام تک خشیتہ باقی

پیدا ہو گئی یہی وہ باسعادت ہستیاں ہیں جو اپنی قوت سے قیامتِ کبریٰ پر ایمان بالغیب لاتے ہیں اور اُس سے خائف رہتے ہیں قسمتِ عظیم والے ہیں وہ بندے جن کے لیے اُن کے قلبِ محبوب پر ہم نے نازل فرمایا خیرِ کثیر اور برکاتِ عمیم کا ذکر نازل فرمایا اس ذکر میں کشفِ ذاتی کی رحمتیں شہودِ حق کی برکتیں جمعیتِ عینی کے جامع کلمات ہیں برکت میں ہی نمود ہوتی ہے اور کثرت جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تائب ہوتا ہے اور مغفرت کا امیدوار ہوتا ہے اُس کے لیے امید و بیم کی حالت میں سچی قسم کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔ خوف کی تین قسمیں ہیں ۱ خَشْیَۃٌ ۲ خَشْیٌ ۳ شَفَقٌ عقل سے خوف کرنے والے خاشعُونَ ہیں۔ قلب سے خوف کرنے والے خاشیُونَ ہیں اور جسم و روح سے خوف کرتے والے مُشفِقُونَ ہیں جب ان میں سے کوئی خوف بندے میں پیدا ہوتا ہے تو وہ توبہ کرنے والا بن جاتا ہے اور توبہ کرنے والا اپنے اعضا کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اس کی اطاعت کرنے لگتا ہے اِس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لاتا ہے۔ ہر بندے کے اعضاء اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اِن نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ انہیں گناہوں سے بچا کر رب تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رکھا جائے۔ یہی اصل شکر گزاری ہے اور سچی توبہ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں توبہ کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ بندے کو توکل کی دولت نصیب ہوتی ہے توکل کی نشانی دنیا والوں سے کنارہ کشی، اور کنارہ کشی وہی کرتا ہے جسے رب تعالیٰ کے ہر وعدے پر کامل بھروسہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہونا ہی عین توکل ہے بندے کو چاہیئے کہ جب قلب پر مسلط ہو اور اُس کے ساتھ شریعتِ مقدسہ کے مقرر کردہ مشاغل میں بھی لگا رہے تو سستی نہ کرے۔ توبہ کی دو قسمیں ہیں ۱ توبۂ اَنابت ۲ توبۂ اِستجابت، توبہ اَنابت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس لیے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے توبہ استجابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس لیے شرم کرو کہ وہ تم سے قریب ہے یہ توبہ اگر کسی بندے کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو اُس کو چاہیئے کہ ہر حال و کیفیت میں بجز ذکر اللہ ہر تصور ہر وسوسے سے استغفار کرتا رہے توبہ استجابت کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو بھی مقامِ فنائیت میں سمجھے خودی کو مٹائے اُس کی بارگاہِ قدسی میں ہستیِ اَنا بھی گناہ تصور کرے اور اپنی ہستی اپنے وجود سے توبہ کرے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری دینداری کا دار و مدار پرہیزگاری پر ہے

موازین قسط کی تیاری کے لیے گیارہ خصلتیں اختیار کرو ۱ آخرت کا اہتمام ۲ جنت سے محبت ۳ حساب آخرت کا خوف ۴ تواضع اور عاجزی سے دین دنیا کے کام ۵ کسی نیک انسان کو گالی نہ دو ۶ پیسے آدمی کو نہ جھٹلاؤ مومن سچا ہوتا ہے اور کافر جھوٹا اس لیے کہ اُس نے اپنے دین میں جھوٹ داخل کر لیا تو اب اُس کی کس بات کا اعتبار کیا جا سکتا ہے ؟ ۷ کسی کافر فاسق و فاجر سے کبھی کسی بھلائی کی اُمید نہ رکھو ۸ حاکم عادل کی نافرمانی مت کرو ۹ زمین میں کسی بھی قسم کا فساد نہ پھیلاؤ ۱۰ ہر جگہ اللہ سے ڈرو اور ہر معاملے میں اُس کی طرف دھیان رکھو ۱۱ ہر گناہ پر جلدی توبہ کرو۔ علانیہ پر علانیہ پوشیدہ پر پوشیدہ۔ یہی ہے اسلامی زندگی اور با ادب شریفانہ بندگی قدر کرو رب تعالیٰ کے اُس فیصلہ ازلی تقدیری کی کہ عالم ارواح میں ہی اُس ذات رحیم و کریم نے تم کو اپنے محبوب کی امت اپنے قرآن کی اطاعت اپنے اسلام کی پیروی کے لیے منتخب فرما لیا تھا جب کہ نہ تمہاری کسی نے سفارش کی نہ دعا اُس نے اپنی مرضی سے تم کو پسند کر لیا۔

اِس تفسیر کے ماخوذات ۔ ۱ تفسیر معالم التنزیل ۲ ابن کثیر ۳ تفسیر نیشا پوری ۴ تفسیر بیان القرآن ۵ تفسیر نثر المرجان ۶ منجد ۷ لغات القرآن ۸ شرح جامی ۹ کافیہ ۱۰ تفسیر کبیر ۱۱ روح البیان ۱۲ روح المعانی ۱۳ تفسیر صاوی ۱۴ تفسیر مظہری ۱۵ تفسیر فتح القدیر ۱۶ بیضاوی ۱۷ جلالین ۱۸ خازن ۱۹ مدارک ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا

اور البتہ دیدی ہے ہم نے ابراہیم کو ان کی پوری صلاحیت زمانوں پہلے سے اس حال میں کہ ہم تھے انکو

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اُس کی نیک راہ عطا کر دی اور ہم

بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝۵۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اپنے علم و حفاظت میں رکھنے والے ۔ یاد کیجئے اُس وقت کو جب کہا انہوں نے اپنے مربی اور اپنی قوم سے کیا

اسکے خبردار تھے ۔ جب اُس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا

هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

یہی ہیں وہ مورتیاں جن کے تم پکے معتکف ہو۔

یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے ہو۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ

بولے سب ہا پایا ہم نے اپنے تمام باپ دادا کو ان کی ہی عبادت کرنے والے۔ فرمایا

بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا۔ کہا بے شک

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

البتہ بلاشبہ ہو تم سب اور تمہارے سب باپ دادا ظاہر ظہور گمراہی میں۔

تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

وہ بولے کیا واقعی تو لایا ہے ہمارے لئے کوئی حق سچ بات یا تو مذاق کرنے والوں میں سے ہے

بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یوں ہی کھیلتے ہو

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چندطرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ و ھرون علیہما السلام کو فرقان دینے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو رُشد عطا فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے وہ ہدایت بنی اسرائیل کے لیے تھی اور یہ ابراہیم والی نعمتیں تا قیامت امت مسلمہ کے لیے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نیک متقی لوگوں کا ذکر ہوا جو قوم موسیٰ میں سے ہوئے ان آیات میں قوم ابراہیم کے سرکشوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ان چیزوں کا ذکر گیا جزری ہدایت اور نور و روشنی ہی

دینے والی تھیں اب ان آیت میں اُن بری چیزوں یعنی تو ٹوں تصویروں تمثیلوں کا ذکر ہورہا ہے جو کفر و گمراہی و ظلمت ہی دینے والی تھیں۔

تفسیر نحوی وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

واؤ ابتدائیہ جملہ لام تاکیدیہ بمعنی بے شک اَلْبَتَّہ قَدْ اٰتَيْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ۔ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ کے لیے۔ جمع متکلم کا صیغہ ارشاد ہونا صرف وضاحت (خوبصورتی) کلام کے لیے ہے نہ کہ تعظیم کے لیے ابراہیم اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی (عبرانی) علم ہے مفعول بہ اوّل ہے۔ رُشْدَ ایک قول رَشَدَ ہے جیسے حُزْن بھی آتا ہے اور حَزَن بھی اسم مفرد (واحد) حاصل مصدر جامد ہے بمعنی صلاحیت لیاقت، بھلائی۔ ہدایت یہاں پہلے اور دوسرے معنی میں ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مرجع ابراہیم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے خیال رہے کہ مفرد تین قسم کا ہے (۱) مفرد جو تثنیہ جمع نہ ہو (۲) مفرد جو مرکب نہ ہو۔ (۳) جو جملہ نہ ہو نہ ظاہراً جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ نہ معنًا (باطناً مستتر) جیسے اِضْرِبْ۔ مِنْ حرف جر زائدہ۔ قَبْلُ اسم ظرف زمانی مبنی فرع ہے ضمہ پر کیونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے یعنی ظاہراً نہیں ہے نیت میں باطناً ہے۔ اس کے منوی مضاف الیہ میں چار قول ہیں (۱) یعنی قَبْلُ موسیٰ (۲) قبلِ ولادت صلب آدم یا والدہ کے لبطن میں (۳) قبلِ بلوغت (۴) قبلِ بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر دوسرا قول زیادہ مناسب ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اٰتَيْنَا کا واؤ حالیہ كُنَّا۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ اسم ہے فعل ناقصہ کا بٖ حرف جر تعدیہ کا ترجمہ کو یعنی اُن کو۔ ہٖ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے كُنَّا کا۔ ایک قول میں یہ متعلق مقدم ہے عٰلِمِيْنَ باب سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے عالمٌ اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ نَحْنُ اس کا فاعل ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے كُنَّا کی یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر حال ہوا اٰتَيْنَا کے فاعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عالمین علمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا یہاں مراد ہے اپنے علم میں رکھنا یعنی حفاظت کرنا۔ اِذْ اسم ظرف زمانی یہ اگلی پوری عبارت عٰكِفُوْنَ تک ظرف ہے اٰتَيْنَا کا یا ظرف ہے رُشْدَہٗ کا یا ظرف ہے عٰكِفُوْنَ کا یا یہ علیحدہ جملہ ہے اور ظرف ہے

اُذْکُرْ فعل پوشیدہ کا اسی کو زیادہ ترجیح ہے قَالَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ابراہیم قَوْلٌ اَجْوَفْ واوی سے مشتق ہے لام حرف جر متعدی بنانے والا بمعنی اُن سے۔ اَبٌ اَسماء ستہ مکبّرہ میں سے اس کی تصغیر نہیں ہوسکتی دیر وزنِ فُعَیل نہیں آسکتا ، اَبٌ کا ترجمہ ہے پرورش کرنے والا یہ لفظ عام ہے ہر مربی کے لیے اس لیے والد کو بھی اَبٌ کہہ دیا جاتا ہے اور چچا تایا کو بھی یہاں مراد چچا ہے اس کا نام آذر تھا اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اگر کسی کا والد اپنے سگے بیٹے سے لاتعلق رہے تو اس کو اَبٌ نہ کہا جائے گا۔ بحالت کسرہ یٰ آتی ہے اس لیے اَبِیْ ہوا۔ ہٖ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے واؤ عاطفہ قوم بمعنی خاندان قبیلہ ہٖ کا مرجع ابراہیم ہے لفظِ اَبِیْ یہ مرکب اضافی معطوف ہے اَبِیْہ مرکب اضافی معطوف علیہ دونوں مل کر مجرور متعلق ہے قَالَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا اسم موصول سوال کے لیے ترجمہ ہے کیا یہ سوال استہزائی یا تجاہل عارفانہ کے طور پر ہے کہ ظاہرًا پوچھتا ہے حقیقتًا بتاتا ہے۔ هٰذِہٖ اسم اشارہ قریبی۔ اس کی بناوٹ اس طرح ہے کہ ھَا حرف تنبیہ اور ذِہٖ اسم اشارہ قریبی واحد مذکر مگر غیر ذوی العقول مونث کے لیے مستعمل ہے اس کا مونث ہے تِہٖ اَلتَّمَاثِیْل۔ الف لام عہد خارجی تماثیل اسم جمع منتہی الجموع یعنی آخری جمع کہ پھر اس کی جمع الجمع نہیں ہوسکتی بروزنِ تعاریر اس کا واحد ہے تِمْثَال یا تَمْثَال بروزنِ تِبْیَان یا تَکْرَار۔ تَذْکَار۔ مِثْلٌ یا مِثَال بروزن قِتَالٌ سے بنا ہے اسی مِثْل سے ہے تماثل تمثّل تمثیل، مِثْل کا معنی مشابہ ہونا لازم ہے تمثال متعدی ہے بمعنی مشابہ کرنا مشابہ بنانا۔ ہم شکل بنانا کسی جاندار یا غیر جاندار کی یہاں مراد ہے بت مورتی جن کو مشرک پوجتے ہیں خواہ انسان یا جانور یا چاند سورج ستاروں کی یا پیتل لوہا تانبے مٹی لکڑی کا یا کاغذ کپڑے پر قلم سے۔ تِمْثَالٌ مصدر ثلاثی مزید فیہ ہے اس کے اول میں تاءِ مطاوعت لگائی گئی ہے جو لازم کو متعدی کر دیتی ہے عربی میں اس طریقے کے کل بارہ عدد مصدر مشہور ہیں ۱ تفعیل ۲ تفعّل ۳ تفاعل ۴ تَفَعْلُلٌ رباعی ۵ تَفَعْلُلٌ ثلاثی ملحق برباعی ۶ تَفَعْنُلٌ ۷ تَمَفْعُلٌ ۸ تَفَعْلُةٌ ۹ تَفَوْعُلٌ ۱۰ تَفَیْعُلٌ ۱۱ تَفَعْوُلٌ ۱۲ تَفَعُّلٌ یہ تمام ثلاثی مزید فیہ ہیں بجز نمبر چار کے قرآنِ مجید میں لفظِ تماثیل صرف دو جگہ آیا ہے ایک یہاں اور دوم سورۃ سبا پ ۲۲ رکوع ۵ آیت ۱۳ میں جاندار کی تصویر بنانا مومن انسان کے لیے ہر شریعت میں حرام رہی از حضرت آدم تا ایندم۔ حرمت تصویر کی تفصیل تفسیر عالمانہ

میں ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اَلتَّمَاثِیْلُ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول اَنْتُمْ ضمیر مبتدا وَ لَہَا جار مجرور متعلق مقدم ہے عَاکِفُوْنَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر عُکُوْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اعتکاف میں بیٹھنا معتقد ہونا یہاں اسی معنیٰ میں ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مشارالیہ ہوا الیہ دونوں مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ۔ قالوا فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا وَجَدْنَا باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم برائے جمع اس میں پوشیدہ بارز ضمیر صیغہ جمع متکلم اس کا مخاطب فاعل ہے وَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پانا پانے کی تین صورتیں ہیں ۱ محسوس کرنا مشاہدہ کرنا ۲ سمجھنا۔ یہاں مشاہدہ کے معنیٰ ہیں مجازی معنیٰ ہیں حاصل کرنا قبضہ کرنا۔ اسی سے ہے وِجْدَانٌ بمعنیٰ قلبی معرفت ۲ وَجْدَانٌ بمعنیٰ عشق۔ غم غصہ غضب ۳ وُجْدَانٌ بمعنیٰ دولت مندی مالداری آبَاءُ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اَبٌ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ اول ہے۔ لام تعدیہ کا ھَا ضمیر کا مرجع تَمَاثِیْل ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے عَابِدِیْنَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب ہے اس لیے آخر میں یٰ علامت کسرہ و نصب اور نون ہے عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عبادت کرنا اس میں ضمیر صیغہ جمع مذکر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اَبِیْہِ وَ قَوْمِہٖ ہے یہ اسم فاعل فاعل اور متعلق مقدم مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مفعول بہ دوم ہوا وَجَدْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا دونوں قول مقولہ جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا اس کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں لام تاکیدی قَدْ کُنْتُمْ باب نَصَرَ کا فعل ماضی قریب معروف مثبت تامہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل برائے بیان و تاکید پوشیدہ ضمیر صیغہ کا اس کے بغیر کُنْتُمْ کی پوشیدہ ضمیر پر عطف نہیں ہوسکتا تھا اس لیے یہ اسی کی منفصل لائی واؤ عاطفہ آبَاؤُکُمْ یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف مل کر فاعل ہے قَدْ کُنْتُمْ کا فِیْ حرف جر ظرف مکانی کے لیے یہاں مجازی (معنوی حکمی) ظرفیت ہے ضَلَالٍ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ غیر مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا یہاں حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ گمراہی موصوف مُبِیْنٍ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر بمعنیٰ کھلی ظاہر اس کا مصدر ہے اِبْیَانٌ بمعنیٰ ظاہر کرنا بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ظاہر ہونا۔ بحالت کسرہ کیونکہ صفت ہے۔ اصل میں مُبْیِنٌ بروزن مُکْرِمٌ ی پر کسرہ ثقیل تھا نقل کرکے

ماقبل سب کو دیدیا ایک قول میں مُبِیْن مُبِیْن اسم مفعول بروزن مُکْرَم ہے بمعنی ظاہر کیا ہوا۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہوکر متعلق ہے لنا کُنْتُمْ کے سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا قَالَ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہوگیا

قَالُوْا فعل با فاعل جمع مذکر ضمیر پوشیدہ جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ أ حرف ہمزہ سوالیہ سوالِ استفساری کے لیے جِئْتَ بابِ ضرب کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف اثباتی واحد مذکر حاضر جَيْءٌ اجوف یائی و مہموز اللام سے مشتق ہے بمعنی لانا، آنا جب اِس کے بعد ب جارہ ہو تو بمعنی لانا ہوتا ہے اس میں ضمیر صیغہ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب منفصل مفعول بہ ہے ب تعدیہ کی بمعنی کو اسی نے فعل کو لانا کے معنی میں کیا ہے حَقّ اسم معرف باللام بمعنی سچی بات یہ جار مجرور متعلق ہے جِئْتَنَا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ اَمْ حرف عطف برائے تردید یعنی ماقبل اور مابعد میں سے ایک غیر معین بات کو رد کرنا اور ایک کو ماننا۔ اَنْتَ اسم ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل فاعل ہے کُنْتَ تامہ پوشیدہ کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہے مِنْ حرف تبعیضیہ بمعنی میں سے۔ لٰعِبِیْنَ باب سمع کا اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ کسرہ لَعِبٌ سے مشتق ہے بمعنی مذاق کرنا بیکار کام کرنا یا چیز دینا کھیل کرنا۔ اسی سے ہے لُعَاب (تھوک) کیونکہ وہ بیکار ہوتا ہے یا بیکار سمجھ کر پھینکا جاتا ہے اسی سے لُعْبَةٌ بمعنی گڑیا یا کھلونا) یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ کُنْتَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ انشائیہ ہوکر معطوف ہوا جِئْتَ کے جملے کا دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

اور البتہ بے شک ہم نے دیا تھا ابراہیم علیہ السلام کو اُن کا رُشد ان کی ولادت سے بھی پہلے شکم مادر میں اور ازلِ قدیم سے ہی ہم ان کی اس لیاقتِ رُشد و قابلیت کو جاننے والے تھے۔ ہماری یہ عطا بلا استحقاق نہیں تھی ہم نے جس کو جو دیا جو بتا یا وہ ہماری عین حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے لفظ رُشد اپنے تین تلفظ کے ساتھ قرآن مجید میں دس بار ارشاد ہوا اور تقریباً بارہ معنی میں مستعمل ہوا ہے تین تلفظ اس طرح ہیں ۱ رُشْدًا ۲ رَشَدًا ۳ رَشَدَ۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۵۶ بمعنی درستی سورہ اعراف آیت ۱۴۶ بمعنی سیدھا راستہ سورۃ جن آیت ۲ بمعنی ہدایت سورۃ نساء آیت ۶ بمعنی قابلیت سورۃ کہف آیت ۱۰ بمعنی آسانی آیت ۲۴ بمعنی اچھائی سچائی آیت ۶۶ بمعنی علم سورۃ جن آیت ۱۰ بمعنی بھلائی آیت ۱۴ بمعنی کامیابی آیت ۲۱ بمعنی نفع اہل تحقیق کے نزدیک رُشد ایک جامع کمالات خزانہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے ہر نبی کو عطا فرماتا ہے مگر اظہار کسی خاص کے لیے ہوتا

ہے۔ ہر نبی علیہ السلام نے اپنے اپنے رُشد کا باذن اللہ اپنے اپنے وقت کے مطابق اظہار فرمایا۔ چنانچہ
حضرت آدم نے بوقتِ توبہ حضرت عیسیٰ نے بوقتِ شیر خوارگی آغوشِ مادر میں کسی نے جوانی میں
کسی نے بڑھاپے میں حضرت ابراہیم علیہم السلام نے اپنی رُشدیت کا اظہار اپنی پانچ سالہ عمر میں
فرما دیا تھا جب کہ آپ نے پہلی بار بچپنے کے غار سے نکل کر ستاروں اور اُن کے پجاریوں
کو دیکھا اور دیکھتے ہی فرما دیا تھا کہ کیا یہ ڈوبتے ابھرتے مٹتے نکلتے بجھتے چمکتے میرے رب
ہو سکتے ہیں لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ میں ان ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا جن کو اپنے حالات پر قابو
نہیں فنا و بقا میں بہتے چلے جا رہے ہیں وہ کسی کے رب کیسے ہو سکتے ہیں۔ رُشد میں تیس ظاہری باطنی
خزانے ہوتے ہیں ۱ قوتِ قلبی ۲ شرح صدری ۳ کمالِ عقل ۴ حکمت ۵ تدبر ۶ تحمل ۷ صبر ۸
بصیرت ۹ فراست ۱۰ شعوری قوت ۱۱ جرأت ۱۲ حوصلہ ۱۳ سلیقہ ۱۴ حق و باطل میں تمیز کی قوت
۱۵ علم ۱۶ فہم ۱۷ توکل ۱۸ نبوت ۱۹ رسالت ۲۰ ہدایت ۲۱ خُلّت ۲۲ صلاحیت درستگی ۲۳ علم توحید
۲۴ قوتِ رہنمائی ۲۵ تقویٰ ۲۶ مصلح ذات ۲۷ مُصلِح صفات ۲۸ مظہر صفاتِ الٰہیہ ۲۹ اصلاحِ قوم
کی طاقت ۳۰ تربیتِ انسانیت قرآنِ مجید میں ابراہیم علیہ السلام کا نام تقریباً ستر بار مختلف آیات
میں ہے جن میں آپ کے مختلف اوصاف و عادات اقوال و اعمال بیان فرمائے گئے۔ چنانچہ سورۃ
بقرہ میں پندرہ بار ۲ سورۃ آلِ عمران میں سات بار ۳ سورۃ نساء میں چار بار ۴ سورۃ انعام میں چار
بار ۵ سورۃ توبہ میں تین بار ۶ سورۃ ہود میں چار بار ۷ سورۃ یوسف میں دو بار ۸ سورۃ ابراہیم
میں ایک بار ۹ سورۃ حجر میں ایک بار ۱۰ سورۃ نحل میں دو بار ۱۱ سورۃ مریم میں تین بار ۱۲ اسی سورۃ
انبیاء میں چار بار ۱۳ سورۃ حج میں تین بار ۱۴ سورۃ شعریٰ میں ایک بار ۱۵ سورۃ عنکبوت میں دو بار
۱۶ سورۃ احزاب میں ایک بار ۱۷ سورۃ صافات میں تین بار ۱۸ سورۃ ص میں ایک بار ۱۹ سورۃ شوریٰ
ایک بار ۲۰ سورۃ زخرف میں ایک بار ۲۱ سورۃ ذاریات میں ایک بار ۲۲ سورۃ نجم میں ایک بار
۲۳ سورۃ حدید میں ایک بار ۲۴ سورۃ ممتحنہ میں دو بار ۲۵ سورۃ اعلیٰ میں ایک بار ان پچیس سورتوں
میں مختلف پہلوؤں سے آپ کے حالات بیان فرمائے گئے۔ مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۴ تا ۱۴۱ میں
ابراہیم علیہ السلام سے امتحانِ ربی اور آپ کی پھر انعاماتِ الٰہی میں امامت ملنا پھر تعمیر کعبہ کا ذکر
اس کو پاک رکھنے، شہر مکہ کی آبادی کے لیے دعا مانگنے کا ذکر حج کی درستگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت کی دعا کا ذکر ملتِ ابراہیمی کی شان نسل و اولادِ ابراہیم کو وصیت فرمانا۔ یہودیوں کا
آپ کو یہودی کہنا اور اُس کی تردید کا بیان۔ اسی سورۃ کی آیت ۲۵۸ تا ۲۶۰ نمرود سے مناظرہ اور

نمرود کا مبہوت ہو کر شکست کھا جانا۔ چار پرندوں کا ذکر۔ سورۂ انعام کی آیت ۷۴ تا ۸۳ میں آزر کو تبلیغِ
ایمان۔ معراجِ ابراہیم سیرِ ملکوت کا ذکر۔ چاند سورج ستاروں کے پجاریوں کو عقلی دلائل سے تبلیغِ
ایمان، قوم کی کج بحثی اور آپ کا جواب، ابراہیم علیہ السلام کے بہادرانہ دلائل رب کی عطا تھے
پھر اسماعیل و اسحاق کی عطا بھی رب تعالیٰ کا انعام تھے۔ سورۂ توبہ میں آیت ۱۱۴ میں آزر کے لیے
دعاءِ استغفار کی وجہ بتائی گئی کہ آپ بہت حلیم و نرم دل تھے اور یہ دعا ایک وعدے کا ایفا تھی
سورۂ ہود میں آیت ۶۹ تا ۷۶ بشارتِ اسحاق کا ذکر۔ آپ کو قوم لوط کے عذاب کی خبر ملنا یہاں
آپ کی تین شانیں بیان ہوئیں ۱ آپ اَوّاہ تھے ۲ حلیم تھے ۳ منیب تھے۔ سورۂ ابراہیم
میں از آیت ۳۵ تا ۴۱ تین دعائیں مذکور ہوئیں، شہر مکہ کے لیے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے
لیے بتوں کے شر و فساد سے بچنے کی دعا بتوں کے نقصان کا ذکر۔ اپنے بڑھاپے کا ذکر اور بڑھاپے میں
اولاد ملنے کا شکریہ اور بڑھاپے میں اپنے والدین کے لیے دعاءِ مغفرت کا ذکر یہ بھی دلیل ہے ایمانِ
والدین کی۔ سورۂ حجر میں از آیت ۵۱ تا ۶۰ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر اور قوم لوط کے عذاب
کا بیان۔ سورۂ نحل کی آیت ۱۲۰ تا ۱۲۲ میں ابراہیم علیہ السلام کی چھ شانیں بیان ہوئیں ۱ آپ تنہا
بھی پوری امت تھے ۲ قانت تھے ۳ حنیف تھے ۴ شاکر ۵ مجتبیٰ ۶ صالح تھے۔ اس کے علاوہ
مختلف جگہ پورے قرآنِ مجید میں آپ کے ساٹھ حالات بیان ہوئے اور اس طرح پورے قرآن کریم
میں آپ کے رُشد کو ظاہر فرمایا گیا۔ چنانچہ ۱ ابتلا اور امتحان ابراہیم علیہ السلام ۲ مقامِ ابراہیم ۳
عہدِ ابراہیم ۴ دعاءِ ابراہیم ۵ تعمیرِ ابراہیم ۶ ملتِ ابراہیم ۷ وصیتِ ابراہیم ۸ اُبُوّتِ ابراہیم
۹ حنفیتِ ابراہیم ۱۰ صُحُفِ ابراہیم ۱۱ مذہبِ ابراہیم ۱۲ مناظرۂ ابراہیم ۱۳ وعظِ ابراہیم ۱۴ دلائل
ابراہیم ۱۵ سیر و سیاحتِ ابراہیم ۱۶ آلِ ابراہیم ۱۷ کفار کا انکار کرنا ۱۸ ایمانِ ابراہیم ۱۹ اتباعِ
ابراہیم ۲۰ وحیِ ابراہیم ۲۱ صداقتِ ابراہیم ۲۲ بیناتِ ابراہیم ۲۳ حکمتِ ابراہیم ۲۴ پیغامات
ابراہیم ۲۵ تبلیغِ ابراہیم ۲۶ معراجِ ابراہیم ۲۷ خلّتِ ابراہیم ۲۸ دینِ ابراہیم ۲۹ قومِ ابراہیم ۳۰
استغفارِ ابراہیم ۳۱ برائتِ ابراہیم ۳۲ بشارتِ ابراہیم ۳۳ حلمِ ابراہیمی ۳۴ اعراضِ ابراہیم
۳۵ انعاماتِ ابراہیم ۳۶ عدالتِ ابراہیم ۳۷ ضیفِ ابراہیم ۳۸ آپ اُمّۃً قانتاً حنیفاً تھے ۳۹
آپ نبی خلیل اور صدیق تھے ۴۰ معاشرۂ ابراہیم ۴۱ ذُرّیّتِ ابراہیم ۴۲ رُشدِ ابراہیم ۴۳ شباب
ابراہیم ۴۴ کارنامۂ ابراہیم ۴۵ نارِ ابراہیم ۴۶ بناءِ ابراہیم ۴۷ خاندانِ ابراہیم ۴۸ نصیحتِ ابراہیم
۴۹ مبشراتِ ملائکہ ابراہیم ۵۰ میثاقِ ابراہیم ۵۱ توکلِ ابراہیم ۵۲ ندائے ابراہیم ۵۳ سلام علیٰ ابراہیم

۵۴ استقامۃ ابراہیم ۵۵ کفار سے بیزاری ابراہیم ۵۶ واقعاتِ ابراہیم ۵۷ قوتِ ابراہیم ۵۸ اسوۂ حسنہ ابراہیم ۵۹ رسالتِ ابراہیم ۶۰ جرأتِ ابراہیم ایسی زبردست عظیم کہ اے محبوب یاد کیجئے وہ وقت جب ہمارے ابراہیم نے اپنی نوجوانی کی چڑھتی عمر میں اپنے بوڑھے چچا مربی اور اپنی قوم کے بڑے بڑے عمر رسیدہ بُت پرست لوگوں سے نہایت ہمت دلیری کے ساتھ فرمایا کہ کیا ہیں یہ تماثیل تصویریں فوٹو مورتیں اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ. تم جن کے لیے اپنی عمریں برباد کرتے ہوئے سارا سارا دن انکی عبادت کے اعتکاف میں اُن کے سامنے پڑے رہتے ہو ان ہی فضولیات میں تم نے اپنی عمریں گزار دیں. حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں چار خوبیاں دکھائیں پہلی یہ کہ چھوٹی عمر کے ہو کر بوڑھے کفار کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حالانکہ بوڑھے لوگ اپنے دین میں بڑے ضدی ہوتے ہیں کسی کے منہ سے بھی اپنے مذہب کی برائی برداشت نہیں کرتے خاص کر اپنے پروردہ اپنے قبیلے کے کسی نوعمر سے وہ اُس کی نصیحت کو بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں اور مارنے پر اتر آتے ہیں ابراہیم علیہ السلام اس بات کو جانتے تھے مگر پھر بھی تبلیغ ایمان سے نہ رکے لَا تَخْشَى لَوْمَۃَ لَائِمٍ سن کر بھی جان کی پرواہ نہ کی آپ کی یہ قوم اہل بابل تھے بابل کا شہر علاقۂ عراق میں ہے جس کا طول عبادان سے موصل تک (تقریباً دو سو میل) اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک دریاء دجلہ و فرات کے کنارے (تقریباً ایک سو پچھتر میل) از روح البیان۔ دوسری یہ کہ سب سے پہلے اپنے چچا کو پکار کر کہا جس کی سخت گیری قوم کی لیڈری تکبر و غرور اکھڑپن کا پتہ تھا تیسری یہ کہ بتوں کو اُن کے اِلٰہ نہ کہا بلکہ تماثیل جیسا حقیر لفظ استعمال فرمایا۔ خیال رہے کہ کسی چیز پر کسی قسم کا نقش بنانا عربی لغت میں اس کو تصویر کہتے ہیں خواہ کپڑے پر بنائے جائیں یا کاغذ پر زمین پر یا لکڑی لوہے دھات مٹی پتھر پر قلم سے بنائے جائیں یا پنسل برش انگلی سے یا کسی کیمرہ مشین سے ہر طرح سے بنایا ہر چیز پر بنانا ہر کام کا نقشہ بنانا تصویر ہے اسی کو انگریزی میں فوٹو کہتے ہیں تصویر کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ جاندار کی شکل صورت کسی چیز پر بنانا تمثال ہے حیوان کی شکل ہو یا انسان کی ۲۔ الفاظ و حروف کی شکل بنانا کتابت ہے ۳۔ درخت بیل بوٹے پھول پتے پھل وغیرہ بے جان اشیا کی شکل بنانا ترقیم اور رقم ہے اس کو اردو میں نقش و نگار کہتے ہیں اور انگریزی میں سینری کہتے ہیں اُردو میں روپے پیسے اور کرنسی کو رقم اسی لیے کہتے ہیں کہ نوٹ اور سکے پر حکومت کی مہر کا نقشہ بنا ہوتا ہے ۴۔ کسی ایسی چیز کا نقشہ کاغذ یا کپڑے یا دیوار پر بنانا جس کو مشرک کافر پوجتے ہیں عربی اصطلاح میں اس کو صلیب کہتے ہیں اگرچہ اس کو پوجنے کے لیے نہ بنایا جائے ۵۔ اور اگر لکڑی یا دھات پر تراش خراش کر کسی جاندار کا نقشہ

بنایا جائے تو اُس کو عربی میں صنم اور اُردو میں مورتی کہتے ہیں غرضکہ تصویر کی پانچ قسمیں ہوئیں ۱ تمثال ۲ مکتوب ۳ ترقیم ۴ تصلیب ۵ مورتی۔ آئینے وغیرہ میں کوئی چیز نظر آنا عکس ہے۔ تصویر اور عکس میں پانچ طرح فرق ہے پہلا یہ کہ تصویر بنائی جاتی ہے عکس خود بخود بن جاتا ہے دوم یہ کہ تصویر کو بقا ہے عکس کو بقا نہیں۔ سوم یہ کہ تصویر کی پوجا اور تعظیم ہو سکتی ہے عکس کی نہیں۔ چوتھا یہ کہ تصویروں کو گھر میں لگا سجا کر مندر بنایا جا سکتا ہے عکس کو نہیں کیونکہ بقا نہیں جب وہ شی آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تو عکس ختم ہو گیا۔ مگر تصویر میں یہ بات نہیں تصویر والا ہٹ بھی جائے بلکہ مر بھی جائے تب بھی تصویر باقی رہتی ہے۔ پنجم یہ کہ تصویر جیب یا بٹوے میں رکھی جا سکتی ہے عکس نہیں رکھا جا سکتا۔ جاندار کی تصویر کو تمثال اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مثیل و شبیہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذی روح مخلوق کی۔ شریعتِ اسلامیہ میں تمثال اور مورتی تصویر بنانا حرام ہے اس کی تعظیم گناہِ کبیرہ ہے تصویروں کو لگانا سجانا ان کی تعظیم ہی ہے اس لیے یہ بھی منع تمثال و مورتی کے سامنے سجدہ کرنا یا ادب سے بیٹھنا شرک کفر یا مشابہ شرک ہے۔ عکس اور تمثالی و مورتی تصویر میں ایک شرعی فرق یہ بھی ہے کہ عکس کے سامنے نماز پڑھنا بالکل ہر طرح جائز ہے مگر کپڑے کاغذ کی تصویر تمثال اور مورتی کے سامنے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ فوٹو تصویر تمثال کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا الاحمدیہ جلد چہارم میں دیکھئے۔ ابراہیم علیہ السّلام کی قوم کے مندروں میں اُس وقت بہتر بُت تھے کچھ سونے کے کچھ چاندی۔ پیتل۔ تانبہ لکڑی کے زیادہ تر پتھر کے تھے سب سے بڑا بُت شیر کی شکل کا سونے کا بنا ہوا تھا۔ آنکھوں میں سرخ یاقوت لگے تھے جو رات کو انگاروں کی طرح دہکتے چمکتے تھے شکل بھی نہایت ہیبت ناک بنائی تھی باقی بُت جسماً انسانی شکل کے تھے مگر ان کے چہرے تخیلاتی ستاروں چاند سورج کی شکلوں پر تھے کچھ مورتیں ہیبت ناک پرندوں درندوں کی شکلوں اور کچھ اصل انسانی شکلوں پر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان بتوں کو تمثال فرما کر تین طرح ان کی تحقیر فرمائی۔ پہلی یہ کہ یہ بے جان پتھر مٹی کے ٹکڑے ہیں جو پیروں کی دھول روندی ہوئی حقیر چیز ہے۔ دوسری یہ کہ تم نے خود اپنی دستی تراش خراش اور توڑ پھوڑ سے جس طرح چاہا اوندھا سیدھا اُلٹا پلٹا کر کے بنا لیا۔ تیسری یہ کہ اے عقل کے اندھو تم خود بھی سمجھتے ہو اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر آج ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے یا یہ خود گر کر ٹوٹ جائیں تو نہ یہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں نہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکتے ہیں کیونکہ بے جان و بیکار تماثیل ہیں۔ اگر ٹوٹ پھوٹ جائیں تو زرا کوڑا کچرا ہیں۔ ابراہیم علیہ السّلام کی چوتھی جرأت۔ جب قوم نے ابراہیم علیہ السّلام کا یہ دلیرانہ کلام سنا

اور حیران پریشان لاجواب ہو کر کوئی مضبوط دلیل نہ دے سکے تو۔ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ فقط یہ کہہ سکے کہ مورتیوں کی یہ پوجا پاٹ عبادتی اعتکاف ہم اپنے باپ دادوں سے دیکھتے چلے آرہے ہیں ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان بتوں کی عبادت کرتے پایا اس لیے ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی نقل کرتے چلے آرہے ہیں نہ ہم کو اس کے فوائد کا پتہ نہ نقصان کا نہ ہم نے اس پرستشِ بتاں کے دلائل اپنے بڑوں سے سنے نہ ہم کو معلوم ہیں نہ ہم نے کبھی عقل سے سوچا ہم تو بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں ہمارے بڑے بڑے ان مورتیوں کو معبود و الٰہ کہتے تھے ہم نے بھی کہنا شروع کر دیا۔ اس لیے ہم ان کے عقیدت مند بنے ہوئے ہیں کسی کی زبان سے ان کی برائی نہیں سن سکتے۔ یہ بیہودہ احمقانہ معذرانہ جواب سن کر ابراہیم علیہ السلام نے دشمنوں سے بھرے مجمع میں نہایت دلیری بہادری و جرأت سے صاف صاف قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ فرمایا۔ اللہ بے شک یقیناً تم سب بھی اور تمہارے تمام آباؤ اجداد بھی جن کی تم یہ نقل کر رہے ہو سب کے سب ظاہر ظہور انتہائی کھلی گمراہی اور بدعقلی بے تمیزی میں ہو۔ نہ کبھی تم نے اپنی عقل و دماغ سے سوچا کہ یہ دستی بنائے ہوئے بھلا کسی کے معبود بن سکتے ہیں نہ تمہارے باپ دادوں نے سوچا ارے عقل کے اندھو یہ بُت تو اپنے بننے بچنے محفوظ ہونے صاف رہنے میں ہر آن تمہارے محتاج ہیں یہاں تک کہ گر پڑیں تو اُٹھ نہیں سکتے تو تم کو کیا نفع دے سکیں اور تمہارا کیا نقصان کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مدبرانہ محققانہ تقریر سن کر۔ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ بولے وہ سب حاضر موجود قوم کے بڑے قبیلے والے کہ اے ابراہیم تم نے جو ہمارے بتوں کی حقارت ہمارے آباؤ اجداد کی ضلالت اور ہم سب کی حماقت بیان کی ہے اور سخت بیباکی دیدہ دلیری سے سب کچھ کہہ ڈالا تو کیا تم اپنی ذہنی عقلی لحاظ سے اپنی اِس بات کو سچ و حق سمجھ رہے ہو یا کہ ویسے ہی آج تم دل لگی اور مذاق کے موڈ میں آئے ہوئے ہو۔

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال مِنْ قَبْلُ میں پانچ قول ہیں اوّل یہ کہ رُشدِ ابراہیم عالمِ اَرواح کے بعد صلبِ آدم میں آپ کو عطا فرما دیا گیا تھا۔ دوم یہ کہ ولادت سے پہلے شکمِ مادر میں دیا گیا یہی قول درست و مدلّل ہے سوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کو ان کا رُشد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور نزولِ توریت شریف سے پہلے فرمایا گیا یعنی صحیفے دئے گئے چہارم یہ کہ بلوغت سے پہلے رُشد دیا گیا۔ پنجم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور نزول سے پہلے رُشد عطا فرمایا گیا ۲۔ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ میں پانچ قول، اوّل یہ کہ حالاتِ ابراہیم و حسنِ

والے ہیں۔ دوم یہ کہ ان کے کمالات کو جاننے والے ہیں سوم یہ اُن کی صلاحیت وقابلیت کو جاننے والے ہیں۔ چوتھا قول یہ کہ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ کا تعلق اگلی عبارت وَاِذْ قَالَ سے ہے یعنی ابراہیم کا اپنی قوم کفار سے بحث مباحثہ اور آپ کی تبلیغ قوم کی تحریف ومخالفت کو جاننے والے ہیں۔ پانچواں قول یہ کہ ہم ابراہیم کے صبر وتحمل برداشت اور توکل عَلَی اللہ کو جاننے والے ہیں ۲ اِذْ قَالَ میں چار قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق وَلَقَدْ اٰتَیْنَا سے ہے یعنی ہم نے ان کو رُشد اس وقت دیا جب انہوں نے لِاَبِیْہِ کہا دوم یہ کہ اس کا تعلق صرف رُشد سے ہے یعنی رُشد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم اور اَبِیْہِ کو یہ فصیحانہ تبلیغ بچپن میں فرمائی۔ سوم یہ کہ اِذْ قَالَ کا تعلق کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ سے ہے یعنی ہم اُن کو جاننے والے تھے جب انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ میں یہ کہا۔ چہارم یہ کہ یہ علیحدہ جملہ ہے اور یہاں اُذْکُرْ پوشیدہ ہے یہ قول زیادہ درست ہے دیگر آیت کے سیاق وسباق کے ربط سے ۳ لَھَا عٰکِفُوْنَ کے لام میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ لام بیان کا ہے یعنی ان تماثیل کی عبادت کے لیے تم معتکف ہو۔ دوم یہ کہ یہ لام تعلیل کا ہے یعنی ان مورتیوں کی وجہ سے تم معتکف ہو سوم یہ کہ یہ لام بمعنی علیٰ تعدیہ ہے یعنی ان بتوں کے پاس تم معتکف ہو ان کی عبادت میں قائم ودائم ہو کر۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اشیا اقوال وشخصیات کی حقانیت دلائل وبراہین سے ہوتی ہے نہ کہ کثرت اَقوال واَفراد سے۔ دیکھو قوم نمرود کے پاس افراد کی کثرت تھی باتیں بھی بہت تھیں مگر اپنے دین مذہب مسلک عقیدہ پر کوئی دلیل نہ تھی اس لیے سوائے وَجَدْنَا آبَآءَنَا کے کچھ نہ کہہ سکے اور باوجود پوری قوم پورے گروہ کے ایک اکیلے ابراہیم علیہ السّلام کے سامنے گونگے لاجواب ہو گئے اور در پردہ سمجھ گئے کہ ہم باطل ہیں یہ فائدہ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ ہمیشہ حق میں دلیری اور زور ہوتا ہے باطل میں بزدلی اور شور ہوتا ہے یہ فائدہ ابراہیم علیہ السّلام کے اُس فرمان سے ہوا جو آپ نے قوم کو فرمایا کہ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ تیسرا فائدہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والدین مومن تھے یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے چچا آذر کو تبلیغ فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے مگر والدہ کو تبلیغ نہ فرمائی۔ والد تو فوت ہو چکے تھے لیکن والدہ موجود تھیں اگر والدہ نثلی بنتِ شارخ کافرہ اور دینِ نمرود پر ہو کر بت پرست یا نمرود پرست ہوتیں تو ابراہیم علیہ السّلام اوّلاً ان کو تبلیغ فرماتے یہ فائدہ قرآن مجید میں ہر جگہ

صرف ابیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور جب والدہ مومنہ تھیں تو آپ کے والد یقیناً مومن تھے کیونکہ مومنہ سے کافر کا نکاح کسی شریعت میں جائز نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کفار بھی اپنی بیٹی کا نکاح غیر کافر سے نہیں کرتے ہاں البتہ مومن مرد کا اہل کتاب سے یا پہلی شریعتوں میں ہر قسم کی کافرہ عورت سے نکاح جائز رہا۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے۔ پہلا مسئلہ مسلمان کے بیے ہر کھیل حرام ہے۔ یہاں تک کہ شطرنج نرد، قمار جوا۔ اَزْلام۔ پرندوں کا کھیل مولیٰ علی شیر خدا نے شطرنج کو تماثیل اور شطرنج میں مشغول ہونے والوں کو عٰکِفُوْنَ عَلَیْھَا فرما کر اس کی حرمت کا اظہار فرمایا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے شطرنج یا نردشیر کے کھیل کھیلے اُس نے خنزیر کے خون میں ہاتھ رنگے یہ دونوں مجوس کی ایجادات اور عبادات ہیں۔ اوّلاً امام شافعی شطرنج کے جواز کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ شطرنج سے جنگی چالیں سیکھی جاتی ہیں مگر وفات سے چالیس دن پہلے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا اور امام اعظم ابو حنیفہ کے مسلک کی تائید فرماتے ہوئے شطرنج کھیلنے کو حرام فرمایا (از روح البیان) موجودہ زمانے میں بھی ہر وہ کھیل حرام ہے جو مثل شطرنج بیٹھ کر ہو لیکن بھاگ دوڑ کے ورزشی کھیل جائز ہیں بشرطیکہ عبادات میں رکاوٹ اور خلل نہ ڈالیں۔ دوسرا مسئلہ، عقائد میں تقلید منع اور ناجائز ہے مگر اعمال میں تقلید ضروری اور لازم ہے۔ اس لیے کہ عقائد اصول ہیں ان پر ایمان اور اسلام کا دارو مدار ہے۔ اور اعمال فروع و ثمرات ہیں۔ ان پر ایمان و اسلام موقوف نہیں۔ بندہ عقائد سے مومن بن جاتا ہے اعمال بعد کی چیز ہیں۔ بغیر اعمال جنتی ہو سکتا ہے بغیر عقائد جنتی نہیں بن سکتا۔ یہ مسئلہ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان و عقائد میں اپنے باپ دادا کی تقلید کی تو اُس کو ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ فرمایا گیا۔ اور اعمال میں تقلید بزرگان اولیاء اللہ و علما کا حکم خود باری تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ۱۔ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ نحل آیت ۴۳) ۲۔ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۹) تیسرا مسئلہ۔ تجاہل عارفانہ کے طریقے پر سوال یا اعتراض کرنا جائز ہے۔ تجاہل عارفانہ یہ ہے کہ شئے کو وہ شخص (سائل یا معترض) ہر طرح جانتا ہو مگر جان کر بھولا بن جائے اور ناواقف ظاہر ہو۔ تجاہل عارفانہ کے چار مقصد ہوتے ہیں ۱۔ تاکہ وضاحت طلبی کی جائے ۲۔ غلط آدمی پر طعن بازی کی چھڑک

کی جائے ۳۔ رسوا کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ سے سوال کیا جائے ۴۔ کسی کو اس کی حماقت سمجھا کر راہ راست پر لانے کے لیے کیا جائے۔ یہ مسئلہ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن مورتیوں کو ہر طرح جانتے تھے مگر پھر بھی ناواقف بنتے ہوئے یہ سوال فرما رہے ہیں لہٰذا آج بھی ان مقاصد صحیحہ کے لیے استاد، شیخ مرشد اور والدین یا کوئی بزرگ تجاہلِ عارفانہ کا کلام کر سکتا ہے شرعاً منع نہیں ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا۔ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ۔ اعتکاف کا معنی ہے کسی جگہ بیٹھا رہنا، تو یہ کام تو برا نہیں پھر اس کو برائی میں کیوں شمار فرمایا گیا۔ چاہیئے تھا کہ اَنْتُمْ لَهَا عَابِدُوْنَ فرماتے۔ جواب۔ بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس وقت یہ کلام فرمایا گیا اس وقت وہ لوگ صرف اُن بتوں کے پاس بیٹھے ہی تھے سجدہ وغیرہ نہیں کر رہے تھے اور کسی کو معبود سمجھ کر اس کے قرب میں بیٹھنا اعتکاف ہے اس لیے عَاكِفُوْنَ فرمایا۔ بعض نے یہ جواب فرمایا کہ مطلقاً ٹھہرنے کو قعُدْ کہتے ہیں اگرچہ کھڑا ہو یا لیٹا ہو اور کسی انداز میں بیٹھنے کو عربی لغت میں جَلْسہ کہتے ہیں۔ لیکن تعظیم اور عبادت کی نیت سے کسی جگہ رہنا رہنا اُس کیا اعتکاف ہے اسی لیے شریعت میں اعتکاف عبادت ہے اور مسلمان کے لیے بجز پروردگار جَلَّ مَجْدُهٗ کسی کا اعتکاف جائز نہیں۔ مرد کے لیے مسجد اور عورت کے لیے گھر کا مخصوص مقام تو چونکہ یہ کفار اپنے بتوں کو معبود سمجھ کر ہی اُن بتوں کے پاس بیٹھے رہتے تھے اور یہ ان کا بیٹھنا ہی عبادت تھا اس لیے برائی کرتے ہوئے عَاكِفُوْنَ فرمایا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ چاہیئے تھا کہا جاتا وَكُنَّا بِهٖ خَالِقِیْنَ۔ اس لیے کہ عٰلِمِیْنَ کہنے میں اشارۃً یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم بصیرت یا نظرِ بصارت سے صرف جانتا ہے، حالانکہ رب تعالیٰ تو ہر چیز کو بنانے پیدا کرنے والا ہے جسم کو بھی اور جسم کی عقلیت قابلیت لیاقت ظرفیت کو بھی اور جو بنانے والا ہو وہ اپنی ہر بنائی ہوئی چیز کے ظاہر و باطن کو ہر طرح جانتا ہے اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ جاننے والا ہے خَالِقِیْنَ کہنے میں عَالِمِیْنَ کے معنی خود بخود آجاتے ہیں مگر عَالِمِیْنَ کہنے میں خَالِقِیْنَ کے معنی نہیں آتے۔ جان لینا تو بندوں کی صفت بھی بن سکتی ہے۔ بندے بھی کسی شخصیت کے باطن کو اپنی فراستِ عقلی شعوری سے جان لیتے ہیں۔ جواب۔ اس کے چند جواب

دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں عٰلِمِیْنَ میں حصر ہے اسی لیے خالقین کے ہی معنی میں ہے یعنی چونکہ ابراہیم علیہ السلام کو بنانے پیدا کرنے والے ہی ہم ہیں اسی لیے ہم ہی جانتے والے ہیں کہ اُن کی قابلیت ظرفیہ کیا ہے کیا چیز اُن کو دی جاسکتی ہے کس چیز کو برداشت کر سکتے ہیں۔ جواب دوم یہ کہ عٰلِمِیْنَ بمعنیٰ حٰفِظِیْنَ ہے۔ یعنی ہم ہی اس بات کو سمجھنے والے ہیں کہ ہمارا یہ بندہ ابراہیم رُشدو نبوت کے بھاری بوجھ اور عظیم ذمہ داری کو سنبھالنے نبھانے کے لائق ہے۔ جواب سوم یہ کہ یہ آیت دراصل کفار کے اُس اعتراض کا جواب ہے جو تقریباً ہر نبی پر اُن کے زمانے میں کفار کرتے چلے آئے ہیں۔ اس طرح کہ جب کسی نبی نے اپنے وقت میں اپنی قوم کو فرمایا کہ ہم نبی ہیں تو قوم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم میں کیا خوبی ہے جو تم کو رب نے نبی بنا دیا۔ ہم کو کیوں نہ بنایا! تو رب تعالیٰ نے مختلف الفاظ میں اُن کفار کو جواب دیا۔ کہیں فرمایا۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سورۃ انعام آیت ۱۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کہاں عطا کرے اپنی رسالت کو اور کس کو نبی بنائے اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اے کافرو تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو۔ یہی بات یہاں سمجھائی جا رہی ہے تو كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ کا معنیٰ یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی قابلیت ولیاقت کو ہم ہی بہتر سمجھتے ہیں کہ رُشد کی عطا کے لائق ہے یا نہیں اسی طرح ہی اِن نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہم ہی جانتے ہیں کہ ان کی قوت طاقت ہمت جرأت لیاقت قابلیت کتنی ہے اس لیے کہ ہم ہی خالق ہیں ہمیں ہی علم ہے کہ ہم نے کس کو کس چیز کے لیے کس قابلیت والا بنایا۔ یہ جامع مانع بات خٰالِقِيْنَ کہنے سے حاصل نہ ہوتی۔ تیسرا اعتراض ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا۔ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔ تم اِن مورتیوں کے معتکف کیوں ہو قوم نے اس کے جواب میں کہا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ۔ چاہیے تھا کہ کہتے لَهَا عٰكِفِيْنَ۔ چونکہ سوال اعتکاف کا ہے تو جواب بھی اعتکاف کا ہوتا کیونکہ اعتکاف صرف پاس بیٹھنے کا نام ہے اور عبادت سجدہ ریزی کا نام ہے۔ جواب قوم نے عابدین کہہ کر یہ بتا دیا کہ ابراہیم کی بات ہم نے سمجھ لی ہے وہ ہماری بت پرستی کا سوال کر رہے ہیں نہ کہ فقط پاس بیٹھنے کا اور مندر سجانے کا۔ نیز چونکہ بت سازی، بت فروشی، بت کی تعظیم وادب سے اُس کے پاس بیٹھنا۔ اور بیٹھنے کے اوقات مقرر کرنا یہ سب کچھ عبادت ہی میں شامل ہیں اور عبادت کی نیت یا تعظیم کے ارادے سے کہیں بیٹھنا اعتکاف ہی ہے اسی لیے عٰكِفُوْنَ کے جواب میں عٰبِدِيْنَ کہہ کر عبادت کا ذکر کرنا بالکل درست ہے گویا کہ عٰكِفُوْنَ کا معنیٰ عٰبِدُوْنَ ہی ہے۔ اسی

لیے شریعتِ اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور اللہ رسول کے مقامات کے علاوہ کسی اور کے لیے اعتکاف بیٹھنا حرام ہے اور یا کسی مزار پر قبر کے پاس اعتکاف بیٹھنا گناہِ کبیرہ ہے یہی حکم طوافِ غیر اللہ کا ہے کہ بجز باری تعالیٰ کسی اور کے لیے کسی طرح طواف کرنا حرام ہے اور جس طرح اعتکاف کے لیے صرف مسجد ہے اسی طرح طواف کے لیے صرف کعبہ شریف ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

تفسیر صوفیانہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

اے عالمِ ناسوت کے باشندو گوشِ عبرت و ہوشِ فطرت سے سمجھ لو کہ ہم نے ہی بے شک عطا فرمائیں ابراہیم روح کو اس کی وہ قوتیں جو مخصوص ہیں اس کے لیے بے مثال طاقتیں اور وہ توحیدِ ذاتی ایمانِ صفاتی، مشاہدۂ مقامِ خلیلیہ جمال کا رُشد و ہدایت ہے مِنْ قَبْلُ۔ عقل وقلب مراتب نورانیت و درجاتِ علویت سے پہلے عالمِ ارواحِ قدس میں جب کہ ابھی قلب وعقل پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۔ اور ابراہیم روح کی قوتِ روحانیہ کمالِ ایمانیہ فضیلت عرفانیہ علوِ شانیہ کو صرف ہم ہی جاننے سمجھنے والے ہیں کہ کون کس چیز کے قابل و لائق ہے ہماری تقسیم اندھی بانٹ نہیں ہے ہمیں معلوم ہے کہ کس ظرف جسمانی میں روحِ نمرودی ڈالنی ہے اور کس ظرفِ جسمانی کو روحِ ابراہیمی عطا فرمانی ہے۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ اے محبوبِ اسرارِ حق اس وقت کی طرف توجہِ باطنی فرمایئے جب روحِ ازلی نے اپنے مُربی کثیف نفسِ کلیہ وَقَوْمِهٖ اور نفوسِ ناطقہ سماویہ غفلیت سے فرمایا۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ۔ اے نفسِ امارہ والو یہ تو بتاؤ کہ یہ دنیوی معقول صورتیں اور ظاہری عقلی اشیاءِ موجودات کے نقش و نگار چمک دمک کی تماثیل کیا ہیں جن کے تصوراتِ باطل اور تخیلاتِ فاسد میں مقیم و جامد رہتے ہو۔ اے دنیا پرستو ان بے عقل اشیاءِ دنیوی میں اپنی قیمتی عمریں کیوں برباد کر رہے ہو روحِ مقدسہ کا یہ فرمانِ حکیمانہ اس وقت بلند ہوتا ہے جب روحِ مقدسہ کا مقام شباب کے عروج پر ہوتا ہے اور حجاباتِ نوریہ سے ظہور کا وقت ہوتا ہے توحیدِ ذات کی فضاؤں میں سیر ملکوت کرایا جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر روح منور فرماتی ہے اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اس مقام سے روح کو خلوتِ مراقبہ میسر آتی ہے تو پکار اٹھتی ہے اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا۔ اے دنیاءِ ذلیلہ کے پجاریو۔ میں تمہارے تمام شرکِ ظاہری و باطنی سے بیزار ہوں۔ میں نے تو اپنے چہرۂ عبادت وجسم ریاضت اور ذاتِ حجابت اصفاتِ جمالت کو اس

ذاتِ قدیم جَلَّ مَجْدُہٗ کی طرف متوجہ کیا ہوا ہے جس نے قوتِ معرفت کے بلند آسمانوں اور زمین کی پستیوں کو ابدانِ مومنین میں ظاہر و پیدا فرمایا ہے۔ کیا شان ہے توکل ابراہیمی کی کہ اگر جبرئیل بھی تعاون کی پیشکش عرض کریں تو فرمان جاری ہوتا ہے اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا اے جبرئیل تم سے کوئی حاجت نہیں اور کیا کمال توکل ہے کہ جب جبرئیل عرض کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ سے کوئی حاجت ہے تو فرماتے ہیں کہ اس سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ جانتا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے ؛ یہ بندہ جہانوں سے خفا میرے لیے تھا

یا طلبینِ دنیوی کے پاس ابراہیم روح کے اس سوالِ عبرت کا کوئی جواب نہیں ہوتا بجز اس کے کہ۔ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ۔ کہتے ہیں ہمارے تمام اعمال افکار و افعال و اقوال کی دنیوی توجہ اور انہماکِ دنیا سازی صرف اس لیے ہے کہ ہم نے اپنے خاندان کو ساری عمر اس دنیا پرستی کی زرق زرق و بک بک میں دن رات پایا۔

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ؛ روز و شب در زرق زرق و در بک بک اند

ہمارے آبا نفوس امارہ کے عابدین تھے تو ہم ان کی جاگیروں میراثوں پر عاکفین ہو گئے۔ اور اس طرح دونوں اگلوں پچھلوں نے اپنی عمر بس برباد آخرت تباہ کر دی، اس طرح کہ ایک بندہ دنیا بناتا بناتا مر جاتا ہے تو دوسرا اس کے بعد والا اس کی بنائی ہوئی دنیا کو سنبھالتا سنبھالتا مر جاتا ہے آباؤ اجداد دنیا بنانے کے عابدین بنے رہے اور ان کے بعد والے ابناء و اولاد وارثین دنیا سنبھالنے میں عاکفون بن گئے اسی لیے اہل اللہ کو کہنا پڑتا ہے۔ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ روحِ انوار ہر آن پکار پکار کر خبردار کرتی ہے کہ اے جسم و بدن کے رہائشیو، شیطان پرستی کرنے والو تم اور تمہارے نفسانی ارادے حق تعالیٰ کے نوری مقام سے حجاب کی گمراہی میں ہو تم ذاتِ جمال کے واصل نہیں ہو سکتے اور تم سب صفاتِ ذلیلہ و خواہشات خبیثہ کے برزخوں میں اعتکاف دنیوی میں پڑے ہوئے ہو اس لیے جب تک اس کیچڑ سے نہ نکلو گے کبھی بھی حقیقت ابدیت کی ہدایت نہیں پا سکتے اور امیدوں کی دلدلوں میں غرق ہوتے چلے جاؤ گے۔ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ دنیا پرستوں کا گمراہوں کا شروع سے یہ طریقہ اور وطیرہ رہا ہے کہ اہل حق کی باتوں کو مذاق سمجھتے رہے اور اسی بہانے سے انکارِ حق کا راستہ بناتے کی ہمیشہ ہی کوشش کرتے رہے کہ حق کو لعب و لہو کھیل کود اور حق والوں کو لٰعبین بناتے رہیں اسی طریقہ

فاسدہ کو پھیلانے کے لیے ہمیشہ ہر اہلِ حق سے یہی کہا باطل دگرا۔ لوگوں نے کہ کیا تم کوئی شانِ حق آیتِ حقانیت دلیلِ سچائی لے کر آئے ہو یا تم بھی اپنے بہلوؤں کی طرح ہم سے مذاق اور کھیل کی ہی شرارت کر رہے ہو۔ (از تفسیر ابن عربی) تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ان آیات میں یہ اشارہ بھی مل رہا ہے کہ اہلِ دین جب نورِ ہدایت اور روشنی و رشد سے اہلِ دنیا کی طرف دیکھتے تو اُن کی بربادیٔ عمر کی حماقتوں پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کیا ہیں دنیا کی خواہشات و شہوات و لذات کی تماثیل اور مورتیں جن کی مشغولیت اور دنیا سازی میں تم عمر بھر اعتکاف کرنے والے ہو۔ اس دنیوی پھیلاؤ سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس کو رُشد کا نور بارگاہِ اِذنِ قدیمی سے بواسطۂ رسالت مل جائے اگر بدقسمتی سے یہ نورِ رُشد نہ ملے تو جس طرح اہلِ ایمان اور صدق و صفا والے اور طالبِ معرفت کے خوش بخت دنیا کی خواہشات کو بُت مورتی اور تماثیل سمجھتے ہیں اور دنیا ساز دولت پرستوں کو لہو و لعب کے عاکفین سمجھتے ہیں اسی طرح دنیا دار بھی اہلِ ایمان اور صراطِ مستقیم والوں کو اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ہی کہتے ہیں اور دین و ایمان و حق نوازی کو کھیل کود ہی سمجھتے ہیں اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بدنِ انسانی عالمِ ناسوت ہے جب اس پر نفسِ امارہ کا قبضہ کاملہ ہو جاتا ہے تو وہ نمرودِ جسمانی کا دَور ہوتا ہے۔ اور تمام اعضاء ردیہ و خبیثہ قومِ دابیہ کے مقامِ اسفل میں آجاتے ہیں۔ اس بے بسی بیکسی کے دور میں قلبِ خلیل کو رُشد شعور عطا فرمایا جاتا ہے۔ اور ارشادِ لامکانی ہوتا ہے کہ جس بدنِ عظیم اور جسمِ لطیف کو خَلَقْتُ بِیَدَیَّ کے انعام سے نوازا گیا ہے اور اپنے دستِ مکرم قدرتِ معظم سے بنایا ہے اس مخلوق سفلیہ کثیفہ رذیلہ کے برابر نہیں رکھوں گا اور اُن کے قبضۂ سلطنت میں نہیں دوں گا جس کو فقط کلمۂ کُن سے پیدا کیا گیا۔ انسان کی اس قدر تعظیم و تکریم کرنے اور فرشتوں پر بھی ترجیح و اشرفیت کے بارے جب معلوماتِ روحانی کا سوال آتا ہے تو علی الاعلان فرما دیا جاتا ہے کہ اے بشر تجھ کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اگر علمِ روحانی معرفتِ ایمانی و قوتِ ایقانی کی طلب و تلاش ہے تو کسی صاحبِ رشد۔ ابراہیم زمان اور خلیلِ رحمٰن کی بارگاہ سے متصل ہو جا۔ سرزمینِ انسانی میں قلتِ علم کی وجہ سے تو ظلمتیں جاری ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی ظلمتِ قابیلی، کبھی ظلمت کنعانی پھر کبھی ظلمتِ نمرودی، کبھی ظلمتِ شدادی۔ کبھی ظلمتِ فرعونی، کبھی ظلمتِ ہامانی۔ کبھی ظلمتِ برطس، کبھی ظلمتِ ابو جہلی، کبھی ظلمتِ یزیدی، ان تمام کے مقابل رب تعالیٰ بدنِ انسانی میں سرچشمۂ حیات پیدا فرماتا ہے کبھی حابیلِ مزاج کی لطافت کبھی نوحِ رقت

قلبی کا گداز۔ پھر کبھی روحِ ابراہیمی کا رُشدِ باطنی، کبھی شعورِ اسماعیلی کی شفافی، کبھی موسیٰ عقل کی تابانی، کبھی ہارون علم وصبر کا سمعارِ بدنی، کبھی فراستِ صبر کا عثمانِ وقت، کبھی محبوبِ رحمت کا معدنِ علم اور سرچشمۂ حکمت کبھی جہانِ فانی کے میدانِ کرب وبلا کا حسین جرأت نمودار کیے جاتے ہیں۔ روح جسمانی قدرتِ الٰہی کی شیٔ عظیم ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کی عطا سے رُسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ روح وہ ایسا لطیف جسم ہے جو احساس اور لمس سے بہت بالا و اعلیٰ ہے اسی لیے اجسام سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مختلف قوتوں کے ساتھ روحوں کو پیدا فرمایا پھر روح کی شان وقوت کے مطابق جسم کو پیدا فرمایا اور عین حکمتِ کاملہ اکملہ سے اسی جسم میں وہی روح ودیعت فرمائی گئی جو جسم اس روح کی قوت وشان کے لائق تھا۔ روح میں جسم ایسی سما جاتی ہے جیسے سانچے میں برتن۔ روح کی پیدائش نورِ لطافت سے ہے اور اس کی قوت نورِ عزت سے دیگر اجسامِ لطائف ناری ونوری کی خلقت جلوۂ جلال سے مخلوق نوری پر پرتوِ جمال کی چمک ہوتی ہے اور مخلوقِ ناری سے پرتوِ جلال کے شعلے جب تک روح اپنے جسم سے ملی رہتی ہے اس وقت تک جسم کو زندہ رکھتی ہے، اگرچہ روح جسم سے افضل ہے کیونکہ جسم ظرف ہے اور روح مظروف چیز کے لیے برتن بنایا جاتا ہے۔ اس لیے چیز افضل ہوتی ہے برتن سے۔ اس افضلیت کے باوجود جب دونوں کو جدائی ملتی ہے تو دونوں کی موت واقع ہوتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ روح کی موت اُس کی قید ہے اور جسم کی موت اُس کی فنا ہے عالمِ ناسوت میں اگر نفسِ امارہ کا غلبہ رہے تو روح سواری ہوتی ہے اور جسم گھوڑا کہ جسم کی طاقت سے ہی روح کی رفتار رہے۔ لیکن اگر اس جسمِ ناسوتی کی سرزمین پر رُشدِ قلبی کا غلبہ ہو تو جسم سواری اور روح گھوڑا ہوتا ہے پھر انسان کی رفتار قوتِ روحانی سے ہوتی ہے۔ تب ہی آواز آتی ہے کہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ اور تب ہی کہا جا سکتا ہے کہ تو از منارہ آمدی و من از نجارا آمدم تا عمر ہر انسان کا شیطان اُس سے چمٹا رہتا ہے مگر جب بندہ ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو شیطان منہ پھیر کر پیچھے کھڑا رہتا ہے۔ اسی لیے تا عمر روح وجسم کی لڑائی اور مقابلہ سازی رہتی ہے۔ روح بھی ایک پہلوان ہے اور جسم بھی ان دونوں کی قوت بخش غذا ہیں بھی جدا ہیں۔ روح کی غذا ذکرًا فکرًا عبادت ریاضت اور جسم کی غذا اَلذّاتِ غذائی دنیوی جس کو جو غذا ملے گی وہ طاقتور ہوگا، جسم کی قوت صرف عالمِ ناسوت تک ہے مگر روح کی قوت عالمِ لاہوت جبروت ملکوت تک ہے روح بھوکی رہے تو روح کی موت جسم بھوکا رہے تو جسم کی عبادتِ الٰہی یہ ہے کہ دونوں کو زندہ رکھا جائے مگر عبادتِ شرک میں دونوں کی موت۔ اور عبادتِ

کفر میں صرف جسم کی زندگی ہے روح کی موت ہے اسی لیے عبادت شرک وکفر سے بچانے کے لیے وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ، کا لطف کریاتہ فرمایا جاتا ہے حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص ذکر اللہ سے منہ پھیرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن کر اس کو غفلتوں گناہوں اور گستاخیوں میں مشغول رکھتا ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ

فرمایا بلکہ تم سب کا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اسی نے وجود بخشا

کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے

فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ

ان کا اور میں ان تمام عقیدوں پر گواہ ہوں گواہوں میں سے اور قسم کھاتا ہوں میں

انہیں پیدا کیا۔ اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور

تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا

اللہ کی البتہ میں ایک چال کروں گا تمہارے سب بتوں سے اس کے بعد کہ تم سب

مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے

مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا

جا چکے ہو گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر بنا دیا اس نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے مگر بڑے کو

کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر۔ تو اس سب کو چورا کر دیا مگر

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ

ان کے تاکہ وہ سب اسی کی طرف رجوع کریں۔ کافروں نے کہا کون ہے

ایک کہ جو ان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں بولیں کس نے ہمارے

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾

وہ کیا جس نے یہ کام ہمارے معبودوں سے یقیناً وہ تو البتہ ظالم ہے ظالموں میں سے

خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ

کچھ لوگ بولے ہم نے سنا تھا ایک نوجوان کو جو ذکر کرتا تھا ان کا کہا جاتا ہے اسکو

اُن میں کے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو اُنہیں برا کہتے سنا جسے

اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾

ابراہیم۔

ابراہیم کہتے ہیں

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم کی قوم کا ایک سوال منقول ہوا اب ان آیات میں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جب قوم نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم ہمارے دین ہمارے بتوں کی برائی کی حق بات کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو تو آپ نے جواب دیا بلکہ یہ حق بات ہے کہ تمہارا رب اور آسمانوں زمین کا رب وہی اللہ ہے جس نے ان کو تم کو پیدا کیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو رشد و ہدایت عطا فرمائی اب ان آیت میں اس کا ایک ثبوتی واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کے مندر کے اندر والے سارے بت توڑ دیئے۔ تیسرا تعلق، پچھلی آیت میں بتوں کی ایک شکل بیان فرمائی گئی کہ وہ تماثیل ہیں یعنی بے جان مورتیں ان کی حقیقی حیثیت کچھ نہیں فقط شکل و شباہتیں ہیں اصل میں نری مٹی ہی ہے اب ان آیت میں اُن بتوں کو جُذاذاً کیا جانے کا ذکر فرما کر اُن کے بے جان مٹی ہونے کی دلیل دی جا رہی ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ. وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ

قَالَ قول سے مشتق اس کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں یہ فعل با فاعل ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ بَلْ حرفِ زائدہ (عطف کے لیے نہیں) بمعنیٰ لٰکِنْ ہے اس لیے اضراب مع استدراک ہوا یہ جب ہے جب کہ بل کے مابعد کا تعلق بما ھٰذہ التماثیل کے پورے کلام سے ہو لیکن اگر اس مابعد مقولے کا تعلق نعبدین کے جملے سے ہو تو فقط اپنے اصلی معنی اضراب کے لیے ہے بل لکن۔ لٰکِنْ اور اِلَّا یہ سب دو جملوں کے درمیان آتے ہیں اور ما بعد جملہ ماقبل جملے کی مخالفت کرتا ہے مگر نوعیتِ مخالفت میں فرق ہے نیز بل کے آگے پیچھے دونوں کلام کا متکلم کبھی فرد واحد ہوتا ہے کبھی مختلف دو شخص یہاں مختلف ہیں کہ ماقبل کا متکلم قوم والے اور مَا بعد رَبُّکُمْ کے جملے کا متکلم حضرت ابراہیم رَبُّکُمْ یہ مرکّب اضافی مبتدا ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبٌّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا رُبَّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے رَابِبٌ تھا ثقل کی وجہ سے الف گرا اور دونوں بَ کو مدغم (مشدد) کیا گیا بمعنیٰ بہت پالنے والا۔ ایک قول میں یہ مصدر مبالغہ ہے جیسے عدلٌ بمعنیٰ عادلِ مبالغہ یعنی سراپا عدل وانصاف۔ ایک قول میں یہ خود مبالغے کا صیغہ ہے جیسے بَرٌّ بمعنیٰ بارٌ خوب بھلائیوں والا سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دونوں اسم مونث لفظی ہیں ایک ظاہر ایک پوشیدہ یہ دونوں عطف مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی موصوف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر۔ فَطَرَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر فَطْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پھاڑنا۔ چیرنا مراد پھاڑ کر کسی چیز کو ختم کرنا اور دوسری چیز بنا دینا اصطلاحی ترجمہ ہے معدومیت اور عدم کو ختم کرکے موجود کرنا نیست کو ہست کرنا یعنی پہلی بار ہی مکمل طور پر پیدا کرنا، صفتِ خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی ضمیر صیغہ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع ہے رَبُّکُمْ ھُنَّ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع زمین و آسمان ہے مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر صفت ہے ربّ السّموات کی یہ مرکّب توصیفی خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واوٌ عاطفہ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع سیدنا ابراہیم علیہ السّلام عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ لام جارّہ یعنی حق میں گواہی کے لیے ذٰلِکُمْ اسم اِشارہ بعیدی کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر جمع اس لیے ہے کہ سابقہ مشار الیہ جمع ہیں یعنی تماثیل کی معبودیت آبَاءُکُمْ کی پرستش کا باطل ہونا اور اللہ رَبُّ السّمٰوٰتِ کا رَبُّکُمْ ہونے کی حقانیت یہ سب مشار الیہ ہے اور ضمیر حاضر ذی عقل کے لیے ہوتی ہے یہاں مشار الیہ یعنی قوم اہلِ عقول ہیں اس لیے یہ کُمْ ضمیر آئی۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے شَاھِدٌ پوشیدہ اسم فاعل کا مِنَ الشّٰھِدِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے اسی شاہدٌ پوشیدہ

کا مشاہد اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَنَا مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَ حرف جر قسمیہ اسے اللہ سے ملنے کی وجہ تا ہوا خیال رہے کہ حروف قسم چار ہیں مٰلتَ ۲ بَ ۳ لامَ ۴ وَاوُ یہ سب حرف جر ہیں ان میں خصوصی حرف تَ ہے یہ صرف قسم ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کی قسم میں تعجب اور سختی ہوتی ہے اللہ مجرور مُقسَم بِہٖ ہے یہ جار مجرور متعلق اُقسِمُ پوشیدہ کا۔ لَاَکِیْدَنَّ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مثبت معروف واحد متکلم کَیْدًا اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنی تدبیر کرنا تدبیر چاہنا۔ مکر کرنا، داؤ چلانا، یہاں مراد ہے تدبیر چلنا۔ کَیْدٌ اس عقلی کام کو کہتے ہیں جس کا کسی دوسری کو کرنے سے پہلے اور کرتے وقت پتہ نہ لگ سکے بعد میں پتہ لگے۔ کَیْد، مکر، تدبیر کی قسمیں اور فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اَصْنَام اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے صنم بمعنی کھڑا ہوا بُت کسی ٹھوس چیز کا، اصطلاح میں ہر وہ تصویر جس کی پوجا کی جائے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بِہٖ ہے یا مفعول لَہٗ ہے بَعْدَ اسم مفرد نکرہ ظرف زمانی کے لیے مضاف ہے اَنْ حرف ناصبہ تُوَلُّوْا باب تفعیل کا فعل مضارع بمعنی مستقبل مثبت معروف جمع مذکر حاضر وَلْیٌ سے مشتق ہے دراصل تھا تُوَلِّیُوْا بروزن تُصَرِّفُوْا۔ اس کا مصدر ہے تَوْلِیَۃٌ بروزن تَفْعِیْلٌ آخری یٰ کو حذف کر کے بدلے میں تَ مصدریہ لگا دی کیونکہ دو حرف ایک جنس کے ثقیل ہوتے ہیں پہلی یٰ علامت مصدر ہے اس لیے وہ گرائی ہو گیا تَوْلِیَۃٌ ترجمہ ہے منہ موڑنا خواہ موڑ کر سامنے کیا جائے ماننے اور سننے کے لیے یا پھیرا جائے نہ ماننے یا دور ہونے یا جانے کے لیے یہاں جانے کے لیے منہ پھیرنا مراد ہے تُوَلِّیُوْا میں یٰ پر ضمہ بوجھل تھا یٰ کو گرا یا ما قبل لام کو ضمہ دیا یا بَعْد کا نقل کر کے واؤ کی وجہ سے اَنْ ناصبہ کے نصب سے آخر کی نون کو گرا دیا ایک قول ہیں تُوَلُّوْا باب تفعیل سے ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے۔ مُدْبِرِیْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت فتحہ ہے دُبُرٌ سے بنا ہے بمعنی پیٹھ پھیر کر چلے جانا۔ یہ حال ہے تُوَلُّوْا کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مضاف الیہ ہوا بَعْدَ کا یہ مرکب اضافی ظرف ہے لَاَکِیْدَنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب قسم ہوا اُقسِمُ فعل اپنے فاعل متعلق اور جواب قسم سے مل کر جملہ فعلیہ قسمیہ ہو کر معطوف ہوا تینوں عطف مل کر مقولہ ہوا قال کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ. قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ. فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ اور

مابعد جملے کا عطف ہے بَلْ رَبُّكُمْ (الخ) کے پورے مقولے پر ایک قول میں فَ یہ فَ عاطفہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے اور مابعد کا جملہ علیحدہ ہے جَعَلَ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ضمیر ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ترجمہ ہے اصنام جُذٰذًا اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے جُذَاذٌ جَذِيْذٌ بھی [illegible] بوزن عظیم عَظِيْمٌ یہ مصدر ہے اسم مفعول مَجْذُوْذٌ یعنی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا جُذٰذًا میں پانچ قرأتیں ہیں ایک یہی مشہور ۲ جِذَاذًا ۳ جَذَاذًا یہ اسم جامد حاصل مصدر جنسی ہے بمعنی ٹکڑے ریزہ ۴ جُذُذًا جَذِيْذٌ کی جمع ۵ جُذَذًا مفعول بہ دوم ہے اِلَّا حرفِ استثنا برائے مستثنیٰ متصل کیونکہ اس کا مستثنیٰ منہ هُمْ یعنی اصنام مذکور ہے كَبِيْرًا لَّهُمْ کَرُمَ (ثلاثی مجرد مطرد کا پانچواں باب) کا اسم فاعل صفت مشبہ بروزنِ کریم اس کی جمع کبیرین بھی ہے بروزنِ کثیرین ۲ کِبَارٌ بھی ہے۔ اس کی مونث کَبِيْرَةٌ ہے اور مونث جمع کَبَائِرُ بھی کُبَّارٌ یہ صیغہ مبالغہ یعنی بڑائی کی زیادتی کے لیے اس سے بڑا مبالغہ کُبَارٌ کے صیغہ میں ہے اور اس سے زیادہ مبالغہ کُبَّارٌ میں ہے بڑائی بہت قسم کی ہوتی ہے تعظیمی۔ مالی جسمانی عمری یہاں مراد جسمانی ہے یا تعظیمی یا دونوں یہ اسم فاعل مبالغہ اپنے اندر پوشیدہ فاعل اور لَهُمْ جار مجرور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا هُمْ کا دونوں مل کر مفعول اول ہوا لَعَلَّ حرف مشبہ هُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم مرجع قوم والے ہیں اِلٰی حرف جر انتہاءِ غایت کے لیے ہ ضمیر کا مرجع کَبِيْرًا لَّهُمْ ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے يَرْجِعُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا پلٹنا راغب ہونا یہاں اسی معنی میں ہے یہ فعل با فاعل متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے لَعَلَّ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معلول ہوا جَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ يَرْجِعُوْنَ سے مراد دنیوی رجوع ہے مگر ایک قرأت میں يُرْجَعُوْنَ فعل مجہول ہے اور مراد دینی اُخروی رجوع ہے۔

قَالُوْا یہ مقولہ ہے اہلِ قوم کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مَنْ اسم موصول واحد مذکر ذوی العقول کے لیے جو متضمن ہے یہاں بیانیہ ہے یعنی وہ جو یا سوالیہ ہے بمعنی کون اور سوال توبیخی ہے فَعَلَ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ہٰذَا اسم اشارہ قریب اس میں ھَا حرفِ تنبیہ ہے سختیِ کلام کے لیے ذا اسم اشارہ محمولی صاف ہے اس کو قریب بتایا۔ اس کا مشار الیہ لفظی نہیں معنوی ظاہری ہے جو بتوں وغیرہ کے اشارے سے ہوتا ہے بِ جارہ بمعنی مَعَ یعنی ساتھ یا بمعنی مِنْ یعنی سے اٰلِهَتِنَا جمع مونث [illegible] میں تَ تانیث کی ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع قوم ہے یہ مرکب مضاف مجرور ہو کر متعلق ہے فَعَلَ کا اِنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے منصوب متصل ہے

کیونکہ اسم اِنَّ ہے لام کے بمعنیٰ البتہ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے ظالم پوشیدہ اسم فاعل کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے فَعَلَ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر ذوالحال ہے دونوں مل کر مقولہ ہوا قول نفوا۔ جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ سَمِعْنَا۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید مثبت معروف جمع متکلم ضمیر صیغہ مرجع قوما کے کچھ چند لوگ سَمْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حواس ظاہری یعنی کانوں سے سننا خیال رہے کہ ظاہری حواس پانچ قسم کے ہیں اور سب کے افعال متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں سَمْعٌ کے بارے میں تین اختلافی قول ہیں ۱ متعدی بیک مفعول ہی ہوتا ہے ۲ بدو مفعول بھی ہوتا ہے ۳ اگر اس کے بعد وہ چیز ہو جو سنی جاتی ہے تو بیک مفعول متعدی ہو گا جیسے ہم نے بات سنی اور اگر اس کے بعد وہ چیز جو سنی نہیں جاتی تو بدو مفعول ہوتا ہے جیسے یہاں فتی ہے مگر یہ قول کمزور ہے۔ فَتًی اسم مفرد جامد بمعنیٰ نوجوان موصوف یَذْکُرُ باب نصر کا مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری ھُمْ اس کا مفعول مرجع اٰلِہَتَنَا ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع فتی ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت اوّل ہے بعض نے کہا یہ جملہ بدل کل یا اشتمال ہے۔ یُقَالُ فعل مضارع مجہول لَہٗ جار مجرور متعلق ہے اِبْرٰہِیْمُ اس کا نائب فاعل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت اوّل ہے بعض نے کہا یہ جملہ بدل کل یا اشتمال ہے۔ یُقَالُ فعل مضارع مجہول لَہٗ جار مجرور متعلق ہے ابراہیم اس کا نائب فاعل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت دوم ہے فَتًی کی سب مل کر مفعول ہے سَمِعْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا قَالُوْا سب سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ان بتوں کی عبادت کی برائی میں مذاقاً نہیں کر رہا بلکہ ایک ٹھوس حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ جن مورتیوں کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو یا نمرود جو تمہارا رب بنا پھرتا ہے اور اپنی حماقت سے قیدی قتل کرنے کو مارنے اور چھوڑ دینے کو زندہ کرنا سمجھتے ہوئے رب تعالیٰ کے مقابل اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ کے نعرے مارتا ہے وہ کسی طرح کسی وقت بھی کسی بھی چیز کسی شخص کے معبود بننے کے لائق اور حق نہیں رکھتے کسی کی عبادت لینے کا نہ ان کا استحقاق نہ صلاحیت کیونکہ نہ یہ نفع دے سکیں نہ کسی پر کوئی اختیار رکھتے ہیں نہ پرورش کر سکیں نہ کچھ دے سکیں نہ لے سکیں نہ خالق نہ مالک نہ رازق نہ رب نہ

ان کو کسی کی کچھ خبر اللہ اور معبود تو وہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور تمام آسمانوں پوری زمین کا بھی
رب ہے تمہارے نفع نقصان کی ہر چیز کا رب ہے عالم ارواح اور شکم مادر میں از مہد تا لحد
ہر طرح خبر گیری کرنے والا ہے خود ہی مشکلوں حاجتوں کو جاننے والا اور خود ہی مشکل کشا حاجت
روا ہے وہی تمہارے سجدوں کی عبادت اعتکافوں کی ریاضت کا حق دار مستحق ہے۔ تمہارا تو ہر
عقیدہ ہر مذہب و دین کی ہر ہر بات ہی بے دلیل اور اندھی تقلید اور دیکھا دیکھی کی پیروی ہے
مگر وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ اور میں اپنی اس بات میں اپنے اس عقیدے اس دین
اور اپنے مولیٰ تعالیٰ کی خالقیت رازقیت ربوبیت معبودیت پر بڑی مضبوط دلیلوں سے گواہ
اور مشاہدہ کرنے والوں میں سے ایک شاہد ہوں ہر طرح قوی دلائل سے ثابت کر سکتا ہوں بطور
پھر میرے رب تعالیٰ کی معبودیت پر تو سب آسمان و زمین گواہ ہیں آسمانوں کے چاند سورج کواکب
میرے رب تعالیٰ کے ساجد فرش زمین کا ذرہ ذرہ، شجر زمین کا پتہ پتہ میرے رب کے عابد ہیں
تمہاری طرح میں صرف آباؤ اجداد کی لکیر کا فقیر نہیں بے دلیل باپ دادوں کی پیروی کرتا لا
نہیں، تم لوگوں کو باتوں کی دلیل سے قولی علمی طریقوں سے تو میں نے بتا ہی دیا کہ تمہارا
دین غلط عقیدہ لغو تمہاری یہ مورتیں تماثیل بت کمزور کھلونے ہیں۔ ان کے پاس تمہارے
اعتکاف بیکار تمہاری عمریں برباد ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم ابھی چند دن بعد ایسی جرأت مندانہ عملی
دلیل والی چال چلوں گا تم سے تمہارے ان بتوں کے بارے میں باوجود تمہاری ظالمانہ جابرانہ حکومت
کی زور آوری اور رعب بردی کے اتنے تعجب خیز حیران کن کہ تمہاری اندرونی عقلیں تک سمجھ جائیں گی
کہ یہ بت کچھ نہیں بیکار ناکارہ فضول مٹی کے پتھر کے ٹکڑے ہیں ان کی عبادت محض حماقت ان کے
پرستار نرے بے وقوف ہیں یہ چال میں اس وقت چلوں گا جب تم یہاں سے کبھی کچھ عرصہ کے
لیے پیٹھ پھیر کر جاؤ گے۔ یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا اور قوم کے ان آٹھ دس آدمیوں
کے سامنے اس وقت کہی جب وہ اپنی بت ساز فیکٹری میں بت سازی کر رہے تھے اور عَاكِفُوْنَ
اور لَاَكِیْدَنَّ کا اشارہ اس وقت عبادت اور ان بتوں کی طرف تھا جو یہاں سے بن کر مندروں
میں سجے جاتے پھر یہی مختفان اپنے ہی دستی تراشے خراشے چھیلے چھلائے بتوں کے سامنے باادب
معتکف ہو جاتے ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ چند دن بعد ان کی سالانہ عید مہرجان آنے والی ہے یہ
سب جوان تندرست بوڑھے مرد عورتیں بچے تین میل دور وسیع میدان میں ایک بڑا میلا لگا کر
سارا دن خوب کھیل کود تماشہ کرتے کھاتے پیتے دکانیں سجاتے، جب وہ دن آیا تو آذر چچا نے

نے کہا کہ اے ابراہیم اٹھو اچھے کپڑے پہنو اور ہمارے ساتھ عید میلے میں چلو تاکہ وہ رونقیں دیکھ کر ہمارے دین کی شان معلوم ہو اس عید میلے میں چار کام ہوتے ہیں اولاً تو ہماری رسمیں۔ دوم کھیل کود تماشہ سوم کھانا پینا میلے کی دکانوں سے خرید و فروخت۔ چہارم سارا سال تو بتوں کی پرستش ہوتی تھی مگر اس عید میں ایک جگہ بہت خوب صورت تخت سجایا جاتا اس پر سج دھج سے زرق برق لباس میں نمرود بادشاہ بیٹھتا اور تمام حاضرین میلہ چھوٹے بڑے عورت و مرد قطار بنا کر نمرود کو سجدہ کرتے پھر نمرود مختلف حیثیت کے لوگوں امیروں وزیروں خادموں کو انعامات بانٹتا پھر شام کو واپسی ہوتی تو سب مع بادشاہ، رعایا پہلے مندر میں آتے اور وہ کھانے کھاتے جو جانے سے پہلے بتوں کے سامنے رکھ جاتے تاکہ ان میں برکت آجائے۔ جب آذر چچا نے ابراہیم علیہ السّلام کو چلنے اور تیار ہونے کا کہا تو حضرت ابراہیم نے آسمان کی طرف اس انداز سے دیکھا اور کچھ انگلیوں کے اشارے بھی کئے گویا نجومیوں کا ہنود جوتشیوں کی طرح ستاروں سے آئندہ کا حساب لگا رہے ہیں پھر کچھ دیر بعد فرمایا اِنِّی سَقِیْمٌ مجھے لگتا ہے میں بیمار ہو جاؤں گا بعض نے کہا کہ آذر کی یہ میلے میں چلنے والی گفتگو ایک دن پہلے شام کے وقت بارات کو ہوئی اور دوسرے دن کی تیاری کے لیے اس نے کہا تھا ابراہیم علیہ السّلام میلے میں دو وجہ سے نہ گئے اور اِنِّی سَقِیْمٌ فرما کر نہ جانے کا حیلہ کر لیا کیونکہ بیماروں کو میلے میں نہیں لے جایا جاتا تھا باقی تمام لوگ چلے جاتے صرف چند بوڑھے اور بیمار رہ گئے تب حضرت ابراہیم اٹھے اور ہتھوڑا پکڑا اور شاہی بڑے مندر میں جا گھسے دیکھا کہ ہر چھوٹے بڑے بت کے سامنے بہترین کھانے اور مٹھائیاں پڑی ہیں۔ ابراہیم علیہ السّلام نے یہ دیکھ کر فرمایا اے بتو تم یہ کھانے مٹھائیاں کھاتے کیوں نہیں۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو آپ ہتھوڑا لے کر پل پڑے کسی کا سر توڑا کسی کا ہاتھ کسی کا کان کسی کی ناک کسی کا پاؤں کسی کو دو ٹکڑے کئے کسی کو تین کسی کو گرایا کسی کو بکھیرا اور تمام بتوں کو تہس نہس کر کے پھینک دیا اور بڑے شیر کی شکل والے بت کی گردن میں ہتھوڑا لٹکا دیا۔ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۔ اس طرح ابراہیم علیہ السّلام نے موقعہ پا کر تمام چھوٹے بڑے بتوں کو جو مندر میں ایک ترتیب سے رکھے تھے کہ ہر بڑے کے ساتھ ایک چھوٹا بت تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دئے بلکہ بعض پر تو اتنا غصہ آیا کہ ان کو چورا کر دیا صرف بڑے بت کو کچھ نہ کہا کام سے فارغ ہو کر ہتھوڑا اس انداز سے بڑے بت کے کندھے اور گردن میں لٹکا دیا جس طرح مزدور کام ختم کر کے کندھے پر ہتھوڑا یا کلہاڑا رکھتے ہیں اور اس انداز میں رکھنے سے تاثر یہ ملتا تھا کہ جیسے

ان بڑے صاحب نے اپنے ان چھوٹوں پر آج نہ جانے کب کا دبا غصہ نکالا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے یہ کام کیا بھی اس لیے تھا کہ تاکہ کفار مشرکین واپس آکر لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اپنے اس بڑے بُت سے پوچھیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر ان کافروں کو کچھ عقل آئے کہ ہم بیوقوفوں نے کن لکڑیوں پتھروں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو کچھ بول بتا سکتے ہی نہیں۔ پھر جب وہ لوگ شام کو لوٹے اور حسبِ قاعدہ پہلے مندر میں آئے تو مندر کا حال بد دیکھ کر چیخ پڑے اور چیختے دھاڑتے ہوئے۔ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۔ بولے کس نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے بے شک وہ بدبخت سخت ظالموں میں سے ہے اس طرح کہ اس نے ہمارے معبودوں پر ظلم کیا ان کو توڑ پھوڑ کر اور اپنے پر ظلم کیا ہمارے بتوں کا عتاب لے کر اور ہماری ناراضگی غضب اور سزا کا مستحق بن کر جب یہ کفار اپنے عید میلے سے لوٹے تو بڑی خوشی خوشی مندر میں پہلے نمرود اور اس کے ساتھ وزرا امرا درباری داخل ہوئے اور پہلے انہوں نے ہی مندر کی یہ توڑ پھوڑ دیکھی اور ایک دم بارعب آواز میں اس شخص کی تحقیق تفتیش اور پوچھ گچھ شروع کر دی جس نے یہ کام کیا تھا تب قوم کے اُن لوگوں میں سے چند نے ابراہیم علیہ السّلام کا پتہ بتایا جنہوں نے اُس دن آذر کے بُت خانے میں آپ کی دلیرانہ گفتگو سنی تھی نمرود سے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان لڑکے کی زبانی کئی بار بتوں کی برائی سنی ہے جو اکثر لوگوں کے سامنے ہمارے معبودوں کو بہت برائی سے برا بھلا کہتا رہتا ہے اُس کا نام ابراہیم بتایا جاتا ہے ہمیں شک ہے کہ یہ ظالمانہ کام اسی کا ہے کیونکہ ایک بار اُس نے کہا تھا کہ میں کوئی چال چلوں گا۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السّلام کی عمر اس وقت چودہ یا پندرہ سال تھی بہت خوب صورت کڑیل جوان لگتے تھے دراز قد تھے اہل لغت کے نزدیک عربی میں کسی طرح کی چال چلنے کے لیے چار لفظ مستعمل ہیں ۱۔ کید ۲۔ مکر ۳۔ تدبیر ۴۔ تعریض۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کید، مکر اور تدبیر عملی چال کو کہتے ہیں اور تعریض قولی چال کو۔ دوسرا فرق یہ کہ کید وہ چال ہے جو کسی کے لیے چلو مگر کسی دوسری چیز پر ہو جیسے یہاں لَاَكِيْدَنَّ۔ کفار کے لیے چال تھی مگر بتوں پر چل گئی۔ مکر یہ ہے جس کے لیے چال چلی ہو اسی پر چل جائے۔ تدبیر یہ ہے کہ کسی کے لیے کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے اُس شخص کو کوئی فائدہ یا نقصان ہو جائے اور اسی فائدے یا نقصان کا پہلے سے ارادہ ہو۔ تعریض یہ ہے کہ کوئی ایسی بات کی جائے جس کا ظاہری معنیٰ کچھ اور ہو۔ باطنی معنیٰ کچھ اور بولنے والا یہ بات کر کے

ایسی چال چلتا ہے کہ سننے والا اس کو ظاہر پر محمول کر کے ظاہری معنیٰ سمجھے اور بولنے والا باطنی معنیٰ مراد لیتا ہو۔ ظاہراً وہ جھوٹ ہو باطناً حق و سچ ہو۔ (ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال) ۱۔ فَطَرَهُنَّ کی هُنَّ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یعنی آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا یہ ہی قول درست ہے۔ دوم یہ کہ اس کا مرجع تماثیل ہے ۲۔ عَلٰی ذٰلِكُمْ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ میں گواہ ہوں گواہوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دوم یہ کہ میں فَطَرَهُنَّ پر بہت سی دلیلوں کا مشاہدہ کرنے والا ہوں اور مجھے اس کی خالقیت پر حق الیقین ہے ۳۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ میں چار قول ہیں اسباب میں کہ یہ قسم ابراہیم علیہ السلام نے کب فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ یہ اس وقت فرمائی تھی جب مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ یعنی جب قوم اور آذر نے اَمْ كُنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ کہا تھا تب آپ نے عَلَی الْاِعلان نہایت دلیری سے فرمایا تھا قسم بول کر مگر قوم نے اسباب پر کان نہ دھرے یا ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی۔ دوم یہ کہ آپ نے یہ قسمیہ بات ایک آدمی سے خفیہ کی تھی پھر اس نے یہ بات اوروں سے بھی کر دی سوم یہ کہ آپ نے یہ بات اپنے دل میں آہستہ کہی تھی مگر کسی نے سن لی۔ چہارم یہ کہ آپ نے یہ بات میلے والے دن کی تھی چند لوگوں سے ۴۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا سے ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس لیے بتوں کو توڑا تاکہ وہ میری طرف رجوع کریں اور مجھے بلائیں مجھ سے پوچھیں تو ان کو میں باطل دین سے ہٹانے بچانے اور سچے دین کی طرف آنے کی تبلیغ کر سکوں بتوں کی کمزوری اور بت پرستوں کی نادانی و حماقت ظاہر کر سکوں اس تبلیغ کا موقعہ مل جائے۔ دوم یہ کہ اس لیے بتوں کو توڑا تاکہ وہ کفار خود عقل سے سوچیں اور سچے دین کی طرف رجوع کریں توحید مانیں شرک چھوڑیں سوم یہ کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ کا تعلق اِلَّا كَبِيْرًا سے ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کو نہ توڑا اس کے گلے میں ہتھوڑا لٹکا دیا تاکہ مشرکین اس کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں۔ اور وہ نہ بولے تو اپنی نادانی پر اپنے بیہودہ دین لغو عقیدوں پر شرمندہ ہوں۔ چہارم یہ کہ تاکہ وہ اپنے باطل عقیدوں اور غلط نظریات سے رجوع کر لیں ہٹ جائیں۔ پہلے تین قول میں اِلَيْهِ یا اِلَيْهِمْ پوشیدہ ہے۔ چوتھے قول میں مِنْهُمْ پوشیدہ ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ منشاء قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ ساری مخلوق کائنات میں انبیاء کرام علیہم السلام سب سے زیادہ بہادر اور دلیر ہوتے ہیں اور دلیری ہی شانِ تبلیغ ہے۔ یہ فائدہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ میں تاء قسمیہ فرمانے سے حاصل ہوا اس لیے

کہ تاءِ قسمیہ اُس قسم میں بولی جاتی ہے جو قسم ایسے کام پر بولی جائے جو کام نہایت بہادرانہ اور تعجب کی حد تک جرأت مندانہ ہو۔ شاہی مندر کے بتوں کو توڑنا اور نمرود کا عتاب لینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ خیال رہے کہ اگرچہ حروفِ قسم بؔ اور واؤ جارّہ بھی ہے مگر ابراہیم علیہ السّلام نے وَاللہِ بِاللہِ نہ فرمایا۔ تَاللہِ فرمایا تینوں میں فرق یہ ہے کہ اصل حرفِ قسم بؔ جارّہ ہے۔ کیونکہ یہ اسم ظاہر اسم ضمیر سب پر آجاتا ہے اور فعل کی مکمل تصریح کرتا ہے۔ اور تاءِ قسمیہ جارّہ بؔ کا نعم البدل ہے مگر واؤ قسمیہ بؔ کے قائم مقام ہے کیونکہ دونوں کے درمیان مناسبت ہے کہ باءِ قسمیہ اور واؤ قسمیہ دونوں اِلصاق کے معنیٰ کا فائدہ دیتی ہیں اور ہمیشہ شروع کلام میں آتی ہیں اور بؔ وتؔ میں فرق یہ ہے کہ بؔ عام ہے ہر قسم کی حلف کو۔ مگر تؔ اکثر تحت اور تاکیدی جرأت مندی تعجب خیز قسم کے لیے ہوتی ہے اور حیران کر دینے والی بات یا کام کے لیے بولی جاتی ہے۔ لیکن کبھی عام قسم کے لیے بھی تؔ آجاتی ہے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے تَاللہِ فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ باوجود تم لوگ دولت طاقت اور گروہی افرادی قوت والے ہو حکومتی لشکر و ہتھیار تمہارے پاس ہیں اُس کے ہوتے ہوئے بھی میں نہ تم سے ڈرتا ہوں نہ گھبراتا ہوں نہ مرعوب ہوتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یہ کام کروں گا۔ دوسرا فائدہ۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا ہر قول ہر کام ہر تقریر یعنی کسی کام یا قول کو ہوتے دیکھ کر خاموش نہ رہنا اللہ تعالیٰ کے حکم و اشارے سے ہوتا ہے اس لیے اُن کے قول فعل تقریر حکمت پر مبنی ہوتی ہے اگرچہ بعض کام ظاہراً جذباتی نظر آئیں مگر حقیقتاً ان میں بے شمار حکمتیں مصلحتیں اسرار و رموز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ظاہراً ابراہیم علیہ السّلام کے مندر کی توڑ پھوڑ ایک جذباتی کیفیت یا کھیل نظر آتی ہے مگر دراصل حق و باطل کی پہچان اور تبلیغِ دین کی بہت بڑی عملی دلیل تھی۔ تیسرا فائدہ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو اُس بندے میں رب تعالیٰ کی طرف سے خدائی قوتیں غیبی طاقتیں ہمتیں جرأتیں آجاتی ہیں جس کی بنیاد پر وہ بندہ ایسے کام کر لیتا ہے کہ جہان والوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود نمرودی قوتوں سے ٹکر لے لی اور عَلَی الْاِعْلَان ان کو مقابلے مناظرے مکالمے کی دعوت دیدی حالانکہ نمرود پوری دنیا کا بادشاہ تھا تمام دیگر سلاطین اُس کے باج گزار بن کر خراجِ شاہی ادا کرتے تھے کوئی بادشاہ اُس سے ٹکر نہ لے سکتا تھا۔ ایسے جابر و ظالم مطلق العنان بادشاہ کے معزز شاہی بتوں کو توڑنا کوئی معمولی کام نہ تھا سراپا موت کو دعوت دینا تھا۔ پھر آپ نے یہ کام چھپ کر کیا نہ کر کے چھپتے پھرے بلکہ تن تنہا بستی میدانوں اور عام لوگوں میں پھرتے پھراتے رہے یہ فائدہ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ کی ایک تفسیر سے

حاصل ہوا کہ ابراہیم علیہ السّلام نے بت شکنی کی ہی اس لیے تھی تاکہ یہ نمرودی لوگ آپ کو بلائیں اور بات کریں
ایک بار مولیٰ علی شیر خدا کے ہاتھ میں روٹی کا سوکھا ٹکڑا تھا آپ اُس کو کھانا چاہتے تھے مگر نہ منہ سے
ٹوٹتا تھا نہ ہاتھ سے تو آپ پانی میں بھگو بھگو کر کھانے لگے کسی دیکھنے والے نے عرض کیا حضرت یہ کیا
بات ہے کہ جن ہاتھوں نے قلعۂ خیبر کا وزنی دروازہ توڑ دیا آج وہ روٹی کا سوکھا ٹکڑا نہیں توڑ سکتا جواباً
فرمایا کہ خیبر میں خداداد روحانی قوت کا مظاہرہ تھا جو اُسی کام کے لیے ملی تھی اور یہاں جسمانی بدنی
نفسی قوت ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی قوت روٹیاں توڑنے کے لیے نہیں ہوتی۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ تبلیغ دین کے
کسی طریقے یا کسی کافر فاسق کو راہ راست پر لانے کے لیے کوئی حیلہ کرنا یا کوئی چال
چلنا ہر شریعت میں جائز ہے جب کہ کسی قسم کا دھوکہ فریب نہ ہو نہ مقصد ہو۔ یہ مسئلہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ
(الخ) سے مستنبط ہوا۔ دیکھو ابراہیم علیہ السّلام نے نبی ہونے کے باوجود فرمایا کہ میں تم سے کوئی چال چلوں
گا حالانکہ عام قسم کی دنیوی اغراض کے لیے کسی سے کسی قسم کی چال چلنا ہر مسلمان کو حرام ہے چہ جائیکہ
انبیاء کرام علیہم السّلام وہ تو ہر عیب سے پاک و معصوم ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ دینِ الٰہی اور بندوں
کو جہنم سے بچانے کے لیے حیلہ کرنا عیب نہیں، دوسرا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق اگر کوئی مسلمان
کسی مسلمان یا کافر کی وہ چیز توڑ دے جو صرف حرام کام میں استعمال ہوتی ہے تو توڑنے والے مسلمان پر
اُس کا تاوان یا بدلہ جرمانہ واجب نہیں ہوگا۔ نہ توڑنے والا مجرم ہوگا اور یہ کام ناجائز اور غیر شرعی نہ ہوگا
بلکہ جائز ہوگا۔ یہ مسئلہ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا سے مستنبط ہوا اور ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقہ ہے
دیکھو حضرت ابراہیم نے نمرودیوں کے قیمتی بُت توڑ دیئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام کی مذمت
نہ کی گئی بلکہ شرعاً جائز فرمایا گیا اسی لیے بدلہ بھی نہ دلوایا گیا۔ اگر یہ توڑ پھوڑ شریعت میں ناجائز ہوتی
تو ابراہیم علیہ السّلام اگرچہ چھوٹی عمر کے تھے اور آپ کی شریعت ابھی نافذ بھی نہ ہوئی تھی تب بھی نہ کرتے
کیونکہ انبیاء علیہم السّلام بچپن سے ہی بے عیب اور معصوم ہوتے ہیں وہ کسی عیب پر مثل ملائکہ قادر
ہی نہیں ہوتے۔ یہ شرعی حکم تا قیامت تمام لہویات لغویات لعبیات و فسقیات میں مستعمل اشیا کا
ہے جب کہ اُن اشیا کا کوئی اور مصرف نہ ہو۔ تیسرا مسئلہ۔ قانونِ شریعت میں ہمیشہ پہلے قسم بولی
جاتی ہے پھر مُقْسَمٌ علیہ کا وجود ہوتا ہے۔ مُقْسَمٌ عَلَيْهِ وہ کام ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی
جائے پھر اگر وہ مُقْسَمٌ علیہ پا لیا جائے تو قسم پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اُس مدتِ قسم کے اندر مُقْسَمٌ
عَلَيْهِ نہ پایا جائے تو قسم ٹوٹ جاتی ہے اور قسم ٹوٹنے کے بعد توڑنے والے پر کفارہ واجب ہوتا ہے

یہ ترتیب لازم ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے پہلے کام کر لیا پھر قسم کھائی تو وہ کام قسم میں شمار نہ ہوگا دوبارہ وہ کام کرنا پڑے گا۔ اگر نہ کرے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے قسم کھا کر کفارہ دیدیا پھر قسم کو توڑا مقسم علیہ کام کر کے یا نہ کر کے تو دوبارہ کفارہ دینا پڑے گا یہ حنفی مسلک ہے۔ یہ مسئلہ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ فرمانے کے بعد فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا کی فَ جزائیہ تعقیبیہ جواب قسم سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ یعنی میں تمہارے بتوں سے چال چلوں گا حالانکہ کَیْدٌ اور چال چلی جاتی ہے نقصان پہنچانے کے لیے اور نقصان ہوتا ہے جاندار اشیا کا کیونکہ نقصان کی پانچ صورتیں ہیں تکلیف۔ مصیبت غم فکر کمی اور یہ سب جان والے ہی محسوس کر سکتے ہیں ریت تو مٹی پتھر دھات کے ہوتے ہیں پھر ان کو یہ نقصان۔ ایذا کس طرح ہوئی جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بتوں کے ذریعے چال چلوں گا جس سے تمہیں تکلیف بھی ہوگی اور تم کو اپنے بتوں کی کمزوری بے بسی کا پتہ بھی لگ جائے گا تو گویا بتوں سے چال چلنا کفار سے چال چلنا ہے، کہ کفار ہی کی متاع قیمتی کا نقصان اور انہی کی ذلت ہے۔ دوم یہ کہ اَصْنَامَکُمْ فرمانا اُن کفار کے عقیدے کے مطابق ہے کفار کا عقیدہ بتوں کے بارے میں یہ ہے اور تھا کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے سمجھتے بولتے سنتے ہیں۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا جس سے تمہارے تمام عقیدوں کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ۔ دونوں جگہ ھُمْ ضمیر جمع مذکر استعمال فرمائی گئی حالانکہ جمع مذکر کی ضمیر عقل والی شخصیات کے لیئے استعمال ہوتی ہے جب کہ بت بے جان بے عقل چیزیں ہیں یہاں فرمانا چاہیے تھا فَجَعَلَھَا جُذٰذًا کیونکہ نحوی قانون کے مطابق غیر عقل والی چیزوں کے لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر لائی جاتی ہے۔ جواب۔ یہ بھی کفار کے عقیدے کے مطابق ان کو ستانے کے لیے فرمایا گیا کیونکہ کفار اپنے بتوں کو بہت عقل مند سمجھتے ہیں بلکہ نفع نقصان کا مالک۔ تیسرا اعتراض۔ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ کا کوئی فائدہ نہ تھا نہ بتوں کو توڑنے کی ضرورت تھی اس لیے کہ اگر وہ قوم نمرود عقل مند تھی تو خود ہی باطنی طور پر جانتی تھی کہ یہ بت مٹی کی چیزیں ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان کر سکتے ہیں نہ عقل والے نہ جان والے نہ سنتے بولتے ہیں نہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو پھر کفار کو یہ دکھانے کے لیے توڑنا بیکار تھا کہ دیکھو یہ بت اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ اور اگر قوم نمرود احمق بیوقوف

تھی تو پھر اُس کے لیے اس طرح کی قولی و عملی دلیلوں کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ بے وقوف شخص تو کوئی دلیل نہ مانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ جواب۔ اس کا جواب تفسیر روح البیان نے یہ دیا ہے کہ قوم عقل مند تھی اور سمجھتی تھی کہ یہ وستی بنے ڈھلے ہوئے مٹی پتھر کے بُت کچھ بھی قوت طاقت اور عقل نہیں رکھتے لیکن اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ بُت آسمانی ستاروں کے اوتار ہیں اصل معبود ستارے ہیں یہ بُت زمین پر اُن کے نائب اور ٹھکانے ہیں ان بتوں میں ستاروں کی روحانیت ہے اگر ان کا ادب احترام پوجا پاٹ نہ کرو گے یا ان کو ستاؤ گے بے عزتی بے ادبی کرو گے تو آسمانی ستاروں کی طرف سے آفت مصیبت آجائے گی ابراہیم علیہ السّلام نے ان کی اس بدعقیدگی باطل نظریے کی تردید کرنے کے لیے ان کو توڑا اور ثابت کر دیا کہ یہ تو تمہارا یہ عقیدہ غلط ہے دیکھو۔ میں نے ان کو توڑا پھوڑا مگر مجھ پر کوئی آفت نہ آئی

تفسیر صوفیانہ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ۔ فرمایا ابراہیم قلبی باطنی نے کہ اے گروہ باطلین حقیقت یہ ہے کہ معبود حقیقی وہ ہے جو چھ عناصر سے تمہاری ربوبیت فرماتا ہے ۱؎ ایجاد ہستی سے ۲؎ تقدیم جسدی سے ۳؎ تجرید بدنی سے ۴؎ حیاتِ عضوی سے ۵؎ ترقی ناموتی سے ۶؎ تعلیم عقلی فکری سے اور وہ ہی تمہاری تمام عقلیاتِ آسمانی و فضلیاتِ زمینی کا رب ہے۔ نیست سے ہست معدوم سے موجود کرنے والا بھی وہ ہی ہے اور میں قلبِ اسرار اُس کی ربوبیت شہودی و ایجادِ وجودی پر گواہ ہوں بقاء سے مشاہدہ کرنے والا ہوں میرا مشاہدہ شہودِ ذاتی نہیں بلکہ شہودِ صفاتی ہے کیونکہ شہودِ ذاتی میں مشاہدہ کی فنا ہے نہ وہاں اَنا رہتی ہے نہ عِلّی نہ خودی نہ دوئی۔ وہ حق جو موجد کل ہے وہ تو ہر شے میں مُشعِر و مُبصِر ہے۔ ہر پتے میں مفہوم ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر پتے میں جلوہ آشکار اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

چونکہ حق کا شاہد میں ہی ہوں اس لیے لَاَكِیْدَنَّ میں ہی تمہارے اوہام باطل سے فنا کی چال چلوں گا اور اشیاءِ ظاہر سے افکارِ موجودات کو توڑ پھوڑ کر مٹا دوں گا۔ جن کی ایجاد و حفاظت اور تدبیر ثبات میں تم معتکف رہتے ہو اور وحدتِ ذاتِ حق سے اعراض کر کے باطل کی طرف متوجہ اور ثبات پر قیام کرتے ہو۔ قلبِ اسرار نے وعدہ پورا کیا جب خلوتِ مکاشفہ کا وقت آیا تو قہرِ ذاتی و شہودِ عینی کے ہتھوڑے سے توڑ کر اوہامِ باطل کے بتوں کو

ورآتِ مثلاشیہ فانیہ بنا دیا کہ یہی اصنامِ غرور تھے مگر اُس نفسِ باطنی کو نہ توڑا جو یقین باطل میں ان سب سے بڑا تھا کہ راہِ گمراہی پر سب سے پہلے اُکسانے والا تھا اور اوہامِ باطلہ کا توڑنا اس لیے ضروری تھا کہ اثباتِ صحیحہ کو قائم کرنے کے لیے یقینِ اوّل کی طرف رجوع کریں اور ضمیرِ خلیل و نورِ جلیل و علمِ جمیل کو مانیں صوفیا فرماتے ہیں کہ بندے تین قسم کے ہیں ۱ بد بخت ۲ خوش بخت ۳ اہل ذلت جو بندہ نفسِ امارہ کے سپرد کر دیا جائے وہ بدبخت ہے جیسے کہ آذرِ بُت تراش جو خلیلِ لطیف کو چھوڑ کر اصنامِ کثیف میں پھنس رہا۔ اور جو بندہ تائیدِ ازلی و عنایتِ ابدی سے نوازا جائے وہ خوش بخت ہے کہ خواہشات کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اور کسی بھی ملامتِ نمرودی و ظلمتِ طاغوتی سے نہیں ڈرتا جیسے ابراہیم خلیلُ اللہ اور اہلِ ذلت وہ بندہ ہے جو حق کو باطل اور سچ کی متانت کو لہو و لعب سمجھے اور باطل کو حق سمجھ لے۔ جیسے قوم نمرود کہ بصارت کے باوجود بصیرت سے اندھے بنے رہے۔ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۔ جب قلبِ اسرار نے خواہشاتِ شیطانی لذاتِ دنیوی کے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو اہلِ نفوسِ ذلیلہ باطنِ خبیثہ نے زبانِ حال سے کہا کہ کس نے یہ حقیر و تذلیل کی ان دنیوی منصوبوں اور ارادوں کی جو ہماری محبتوں کے منبع اور ہماری عبادتوں کے مرکز ہیں یہ نسبتوں کا خفیہ پردہ کر کے اور عینِ فنا کی نظر کر کے قوتِ ظاہری سے کس نے ہمارے دنیوی الٰہوں کو توڑ پھوڑ کر ھَبَاءً منثوراً یعنی اڑتی دھول بنا دیا کتنا بڑا سخت اور تعجب خیز کام کیا اس لیے کہ وہ ظالم اپنا بھی نقصان کرنے والا ہے محرومیِ دنیا لے کر، اور دنیوی معبودانِ باطلہ اراداتِ داعیہ منصوباتِ فاسدہ خواہشاتِ مصنوعہ کا بھی ان کے حقوق کو ختم کر کے اور دنیا و دون کے تمام رشتوں کے وجود و کمالِ موجودہ کا بھی اس طرح کہ اس ظالم نے اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے باطل کی نفی کر دی۔ اور ہمارا اس طرح نقصان کیا کہ حقوقِ نفسی کو قہر کے فنا میں توڑ پھوڑ کر بکھیر دیا جب نفسِ امارہ والے اس طرح کا شورِ باطل برپا کرتے ہیں تب بندے کے باطنی جانبِ یسار سے ایک آوازِ فاحش بلند ہوتی ہے کہ جانبِ یمین میں ایک قوتِ کاملہ شبابِ فاخرہ کا ہم نے چرچہ سنا ہے جو ہر دم اغیارِ ما سوی اللہ پر آوازۂ قہر بلند کرتا رہتا ہے اور اپنے افکارِ طیبہ اور اعمالِ صالحہ کی سخاوت سے رذیل نفسوں ذلیل سانسوں کی برائی کر کے دنیوی خواہشات کی قدر و منزلت گھٹاتا ہے نسبتِ باطنی کی نفی و توہین کرتا ہے اور ان دنیوی طاقتوں قوتوں حکومتوں سرداریوں کو معدوم و فنا سمجھتا ہے۔ یہ ذکر کافرانِ دنیا کے لیے آوازۂ قہر ہے اور

مومنان آخرت کے لیے آوازۂ بہر ہے۔ یہ آواز کبھی غارِ صدیقی سے بلند ہوئی کبھی حجرۂ فاروقی سے کبھی عبادتِ عثمانی سے کبھی ریاضتِ حیدری سے۔ کبھی سجدۂ شبیری سے۔ کبھی معتبۂ بایزید بسطامی سے کبھی نمازِ جنید بغدادی سے کبھی عطار رومی کی آہِ سحر گاہی سے کبھی رازی وغزالی کے عشقِ بے پناہی سے کبھی سعدی کے افکار سے کبھی بزملی کے شاہکار سے کبھی نعیمی انوار سے۔ یُقَالُ لَہٗ اِبْرٰھِیْمُ اِسی کو توحیدِ کبریائی کا ابراہیم کہا جاتا ہے۔ رسالتِ ابدیہ کا خلیل۔ یہی محبوبِ صدیق ہے یہی حق وباطل کا فاروق ہے سخاوتِ ایمانی کا غنی ہے۔ اور اس کو ہی شجاعت کا حیدر جلالت کا مقدر کہا جاتا ہے۔ یہی ابراہیم قلب ہے۔ یہی خلیل اسرار ہے۔ اہلِ معرفت کی زبان میں اس کو بُرتِ ابرار کہا جاتا ہے یہ اپنے ذکرِ لاہوتی کے ذریعے کفر سے ہٹاتا ہے گناہوں سے بچاتا ہے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ داغ اس کے قلب پر جم جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ فرمایا کہ جو شخص گناہوں سے قلبی داغ میں مبتلا ہو جائے اس پر سستی غفلت اور نحوست نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اگر وہ کثرت سے توبہ واستغفار کرے تو وہ داغ قلب سے دھل جاتے ہیں اور عبادت میں سستی غفلت دور ہو جاتی ہے نحوست نقاہت سیاہی سب دور ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو وہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ داغ اس کے پورے قلب پر چھا جاتا ہے اور قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کی بداعمالی اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اس کی نشانی ضد، تعصب، گستاخی وغرور ہوتی ہے۔ یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان خرابیوں سے ملکوتی اور شیطانی تصورات میں وہ بندہ فرق محسوس کر سکتا ہے جو مندرجہ ذیل چار باتوں سے محفوظ کر دیا جائے پہلی یہ کہ بندۂ مومن کو نفسِ امارہ کی کمزوری یا نفس کی صفات وعادات کا پتہ ہونا چاہیئے۔ جو ان سے ناواقف رہا وہ کبھی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے۔ دوم یہ کہ تقوے کے احوال کو جانتے اور دنیوی خواہشات کو پہچانے جس نے یہ نہ جانا نہ پہچانا۔ وہ بھی محفوظ نہیں۔ سوم یہ کہ دنیا وآخرت کی محبت میں امتیاز وتشانات جانتا ہو۔ جو شخص دنیا اور اس کے جاہ ومال کی محبت میں ڈالا گیا۔ وہ بھی محفوظ نہ رہا۔ چہارم یہ کہ لوگوں میں قلبی عزت واحترام کا مقام حاصل کیا جائے اس کے لیے خوفِ الٰہی شرط ہے۔ عزت دو قسم کی ہے ۱۔ عزتِ قلبی ۲۔ عزت حیدی، عزتِ قلبی اہلِ ایمان کو ملتی ہے اور عزتِ حیدی دنیا دار کو ملتی ہے یہ چار دولتیں حجابات کو دور کر دیتی ہیں۔ لیکن اگر روزی حرام ہو اور اس شخص نے اپنی رضا ورغبت سے اس قسم کی روزی حاصل کی ہو تو اس کی

یہ روزی ہی اُس کے ہر معاملے میں حجاب کا باعث بن سکتی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ شیطان جب کسی شخص کو کسی لغزش کی طرف آمادہ کرتا ہے اور وہ بندہ شیطان کی بات نہ مانے تو بھی شیطان اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا بلکہ دوسرا وسوسہ ڈالتا ہے اور پھر بھی نہ مانے تو بدل بدل کر وسوسے ڈالتا ہے کیونکہ شیطان کا مقصد وسوسے کی تخصیص نہیں بلکہ اصل مقصد بھٹکانا گمراہ کرنا ہے وہ کسی طریقے سے بھی ہو۔ اصلاً محفوظ وہی بندہ رہ سکتا ہے جو دامنِ نبوت اور پناہِ رسالت میں آگیا یہ عظیم خوش قسمتی ہے بزرگ فرماتے ہیں کہ توحید کے نور سے حقانی واردات کا استقبال کیا جاتا ہے اور نورِ معرفت سے خیالاتِ ملکوتی کا استقبال ہوتا ہے۔ نورِ ایمان سے نفس کو روکا جاتا ہے اور نورِ اسلام سے دشمنِ ازلی کو لوٹا جاتا ہے۔ اے بندۂ طالب ان چار نوروں کو حاصل کرنے کی ہمت کر یہی دنیا میں مقام ابراہیم ہے اِس کو اپنی ہر عبادت کا مُصَلّٰی بنالے۔ اور آخرت کا مقامِ محمود بھی یہی چار نور ہیں۔ یعنی نورِ توحید، نورِ معرفت، نورِ ایمان، نورِ اسلام، جو شخص ان حقائق سے ناواقف ہے مگر جاننا چاہتا ہے تو راہِ معرفت میں دو قدم چلنا چاہیئے۔ پہلا قدم معیارِ شریعت پر اپنے ہر قول و فعل کو جانچے نوافل و فرائض پر عمل کرے دوسرا قدم پرہیز کا کہ حرام بلکہ مکروہ سے بھی پرہیز کرے مگر دونوں قدموں سے پہلے خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت پر کمر بستہ قیامِ ہمت ضروری ہے کیونکہ ہمت کا ہتھوڑا دنیوی بتوں کو توڑ پھوڑ کر سکتا ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَان۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ

سب نے کہا لہٰذا پکڑ لاؤ اُس کو سامنے قریب ان لوگوں کے

بولے تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ

شاید یہ گواہ بن جائیں ۔ جھڑکتے ہوئے کہا انہوں نے کیا تو نے کر ہی دیا یہ کام

وہ گواہی دیں ۔ بولے کیا تم نے ہمارے

هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ

ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم ۔ فرمایا بلکہ کیا ہو اس کو ان کے

خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم ۔ فرمایا بلکہ ان کے اس

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

اس بڑے نے تو ان سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔

بڑے نے کیا ہوگا۔ تو ان سے پوچھو اگر یہ بولتے ہوں

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ

تب مائل ہوئے وہ سب اپنے آپس میں ایک دوسرے کی طرف تو بولے یقیناً تم سب خود ہی اپنے پر

تو اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بے شک تم ہی

الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ

ظلم کرنیوالے ہو۔ پھر اُلٹائے گئے اپنی بدعقلیوں پر

ستم گار ہو۔ پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

کہ البتہ تو نے پہلے سے جان ہی رکھا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔

کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں قوم ابراہیم کا ابراہیم علیہ السلام پر بت توڑنے کا الزام لگانے کا ذکر ہوا اب

اِن آیت میں اس الزام کو ثابت کرنے کی کاروائی کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اتنے مخالفین اور دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود نڈر ہو کر فرمایا تھا کہ میں تمہاری ان مٹی کی مورتیوں بے جان جھوٹے معبودوں کا برا حال کروں گا اب ان آیت میں نہایت بہادری سے تمام قوم اور اُن کے بتوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے غور طلب جواب دینے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافر قوم کا اپنے بتوں کی ٹوٹ پھوٹ دیکھ کر غصے اور غضب ناک ہونے کا ذکر تھا اب اِن آیت میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم کا جواب سن کر قوم کس طرح شرمندہ اور ندامت سے واپس لوٹ گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکی۔

تفسیر نحوی

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق باب نصر اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ جمع مرجع ہے قوم کے سرکردہ افراد یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ف تعلیلیہ بمعنیٰ لہٰذا اٰتُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اَتْیٌ سے بنا یہ لازم ہے بمعنیٰ آنا اس کا مصدر ہے اِیْتَانٌ یہ متعدی ہے بمعنیٰ لانا یہاں دو ہمزہ جمع تھی باب افعال کی اور مادہ کی ف کلمہ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے قوم کے وہ افراد جنہوں نے حضرت ابراہیم کا لَاَكِيْدَنَّ والا قسمیہ اعلان سنا تھا ب حرف جر متعدی کے لیے ہ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے عَلٰى جارہ بمعنیٰ عِنْدَ یعنی ظاہر طور سب کے سامنے (قریب نزدیک) اَعْيُنِ اسم جمع مکسر منصرف عَيْنٌ واحد ہے مؤنث سماعی ہے بمعنیٰ آنکھوں۔ عَیْنٌ کا لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کے بننے اور خارج ہونے کی جگہ اسی اعتبار سے یہ لفظ چار معنیٰ میں مشترک ہے ۱۔ پانی کا چشمہ ۲۔ آنکھ یہی یہاں معنیٰ ہے ۳۔ سورج ۴۔ گھٹنے کی اندرونی قدرتی چکنی گریس، کیونکہ آنکھ سے روشنی چشمے سے پانی سورج سے دھوپ گھٹنے سے چکناہٹ جاری ہوتی ہے۔ مضاف ہے النَّاسِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ باب سَمِعَ کا فعل مضارع احتمالی جمع مذکر غائب شُهُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گواہی دینا، گواہ بننا، اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع قوم کے موجود حاضر لوگ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی فَاْتُوْا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالُوْا فعل بافاعل

جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ا ہمزہ سوالیہ سوال توبیخی کے لیے اس سے مقصد ثبوت فاعل ہے نہ کہ ثبوتِ فعل یعنی تو نے آخر کر ہی دیا یہ کام۔ اس سوال کی وجہ میں مزید تین قول ہیں ۱۔ یہ ثبوت نہیں بلکہ صرف سوال یعنی معلومات حاصل کرنا ہے اصلاً ۲۔ یہ سوال کرنا مراد نہیں بلکہ بطرزِ سوال صرف جھڑکنا مراد ہے ۳۔ یہ سوال الزام دینے کے لیے ہے۔ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر حاضر مرجع ابراہیم علیہ السلام مبتدا ہے۔ فَعَلْتَ باب فَتَحَ کا۔ ھٰذا اسم اشارہ مبنی ہے بحالتِ نصب مفعول بہ ہے۔ بِ جارہ بمعنیٰ مع (ساتھ)، اٰلِہَۃِ جمع ہے اِلٰہ کی آخر کی تَ تانیث کی ہے مگر یہاں ہمیشہ زائدہ ہوتی ہے۔ عربی میں تَ کی آٹھ قسمیں ہیں ۱۔ قسمیہ ۲۔ مؤنث لفظ جامد کی ۳۔ مؤنث صیغے کی ۴۔ وحدت کی ۵۔ تَ مصدریہ ۶۔ نسبت کی ۷۔ واحد حاضر کی ۸۔ واحد متکلم کی۔ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے فَعَلْتَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر مبتدا ءَ اَنْتَ دونوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جوابِ ندا مقدم ہے یَا حرفِ ندا ابراہیم منادیٰ ندا اپنے منادیٰ اور جوابِ مقدم سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل بافاعل قول ہوا۔ بَلْ حرفِ اضراب برائے اِلزام یعنی مجھ سے کیوں پوچھتے ہو بلکہ خود غور کرو کہ کیا اِس بڑے نے کیا۔ بعض نے کہا یہ اضراب استہزائی ہے یعنی میں نے نہیں تو کیا اِس بڑے نے کیا ہے۔ فَعَلَ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق فِعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کرنا ہُ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے ھٰذا منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے۔ کَبِیْر اسم مشتق صفت مشبہ صیغہ مبالغہ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مجرور متصل مرجع چھوٹے الٰہ (بُت) یہ مرکبِ اضافی مشارالیہ مقدم ہے اِس تقدم نے حصر کا فائدہ دیا یا ھٰذا اسم اشارہ قریب یہ دونوں مل کر فاعل ہے فَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ جزائیہ یا عاطفہ تعقیبیہ اِسْئَلُوْا باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف۔ جمع مذکر حاضر سُؤَالٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پوچھنا اوّل ہے ہمزۂ اَمر فَ عاطفہ کے اتصال سے ثِقل کی وجہ سے گرا دیا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع قوم کے سردار لوگ مخاطَب موجود ھُمْ ضمیر منصوب متصل کا مرجع چھوٹے بُت مفعول بہ فَسْئَلُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاءِ مقدم ہے۔ اِنْ حرفِ شرط۔ کَانُوْا فعلِ ناقصہ ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم مرجع ہے چھوٹے الٰہ یَنْطِقُوْنَ بابِ ضَرَبَ مضارع حال جمع مذکر غائب نُطْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بولنا بات کرنا ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَانُوْا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوئی دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہے بَلْ فَعَلَ پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ

ایک ہی فعل ماضی استمراری ہے اور مراد ہے پچھلا تجربہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اگر یہ ایک فعل ہوتا تو کانُوا کے
آخر میں اَلِفِ حشوی نہ ہوتا اس لیے کہ یہ الف آخر میں ہی ہوتا ہے جب کہ کانُو فعل کا جز ہوتا ہے نیز
اگر فعل کا کسی بھی اسم سے اِتصال ہو جائے تب بھی یہ الفِ حشوی گر جاتا ہے جس طرح قَتَلُوْهُمْ میں قَتَلُوا
تھا ۔ھُمْ کے اتصال سے الف گر گیا۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۔ فَ عاطفہ زائدہ تعقیبیہ
یعنی عطف نہیں ہے حکایتِ کیفیت کا بیان ہے کہ تعقیب (بعد) میں ایسا ہوا کہ رَجَعُوْا بابِ
ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لوٹنا واپس ہونا مائل ہونا متوجہ
ہونا یہاں یہ ہی مراد ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے قوم کے سردار اِلٰی جارہ اپنے
ہی معنیٰ میں (انتہا کے لیے) بمعنیٰ طرف اَنْفُس اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے نَفْسٌ یہ اسم
جامد دس معنیٰ میں مشترک ہے ۱ ذات ۲ شخصیت ۳ سانس ۴ اپنا آپ یعنی خود ۵ روح
۶ قلب ۷ امارہ ۸ مطمئنہ ۹ عقل ۱۰ نسبت ۔ یہاں مراد ہے ۔ آپس میں متوجہ ہونا ہِمْ
ضمیر کا مرجع تمام قوم والے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے فَ سببیہ ما بعد جملہ قولیہ مسبب
ہے ما قبل رَجَعُوْا کا قَالُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اِنَّ حرفِ مشبہ برائے یقین حروف
عاملہ میں سے ہے کُمْ ضمیر متصل جمع مذکر حاضر مؤکد متبدع اَنْتُمْ ضمیر منفصل جمع مذکر حاضر تاکید
تابع ہے دونوں منصوب ہیں کیونکہ متبوع تابع مل کر اسم ہے اِنَّ کا دونوں کا مرجع اہل قوم ہیں
اَلظّٰلِمُوْنَ ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ظَالِمُوْنَ اسم فاعل ۔ جمع مذکر بابِ ضَرَبَ کا ظُلْمٌ سے
مشتق ہے بمعنیٰ غلط بات یا غلط کام کرنا ۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ
اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مسبب ہوا رَجَعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا
ثُمَّ حرفِ عطف زائدہ یعنی عطف کے لیے نہیں برائے تراخی (کافی دیر) کے لیے نُكِسُوْا بابِ
نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب ایک قول میں نَكَسُوْا فعل معروف ہے اور ایک قرأت
میں نُكِّسُوْا بابِ تفعیل کا ماضی مجہول ہے نَكْسٌ سے مشتق ہے یعنی سر جھکانا یہاں مراد ہے شرمندگی
سے سر جھکانا یا جھک جانا ۔ یا جھکایا جانا یہ فعل متعدی بِعَلٰی ہے اور عَلٰی حرفِ جر اپنے معنیٰ سے ہے
اردو میں ترجمہ ہے سروں کے بل رُءُوْسِ جمع مکسر منصرف ہے رَاْسٌ کی لغوی ترجمہ ہے
اصلی چیز اصطلاحی ترجمہ ہے سر جسمانی وہی یہاں مراد ہے مضاف الیہ ہے ہِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور
متصل اس لیے کہ مضاف الیہ ہے اور اپنے عامل مضاف سے جڑی ہوئی ہے یہ مرکب اضافی

مجرور ہو کر متعلق ہے لام کے برائے تاکید بیانی کے لیے یا لامِ تعلیلیہ ہے قَدْ عَلِمْتَ باب سَمِعَ کا فعل ماضی قریب واحد مذکر حاضر ضمیر صیغہ فاعل کا مرجع ابراہیم ہیں مَا حرفِ نافیہ مشبہ بِلَیْسَ ھٰٓؤُلَآءِ اسم مبنی اصل بحالتِ ضمۃ کیونکہ اسم ہے مَا نافیہ کا یہ اسم اشارہ جمع قریبی کے لیے ہوتا ہے یہاں مشار الیہ دعتی ہے مراد ہیں (اٰلِہَتَنَا) یَنْطِقُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع بمعنی حال نُطْقٌ سے مشتق ہے بمعنی بولنا باتیں کرنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مرجع اٰلِہہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے قَدْ عَلِمْتَ کا یہاں عَلِمْتَ متعدی بیک مفعول ہے قَدْ عَلِمْتَ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بیان وضاحتی ہوا یا معلول ہے نُکِسُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ۔ جب نمرود اور اس کے درباری علماء نے یہ سنا کہ ابراہیم نام کا ایک نوجوان ہمارے دین و مذہب اور بتوں کی ہر دم برائی کرتا رہتا ہے اور ایک دن اُس نے اپنی برادری کے چند بڑوں کے سامنے یہ کہا بھی تھا کہ میں تمہارے بتوں سے کوئی چال چلوں گا یہ باتیں سن کر نمرود اور درباریوں نے یہ خبر سنانے والوں سے کہا کہ فوراً ابھی ابھی جہاں ملے اسے گرفتار کر کے پکڑ کر لے آؤ، تب وہ خبر دینے والے خود گئے یا اِس خیال سے پولیس کے چند سپاہیوں کو بھی بھیجا گیا مبادا ابراہیم نہ آئے انکار کرے یا بھاگ جائے۔ جب وہ ابراہیم علیہ السلام کو بلانے گئے اور بتایا کہ نمرود اس لیے بلا رہا ہے آپ تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے آپ نے یہ کام چھپنے یا بھاگنے کے لیے نہ کیا تھا نمرود کی طرف سے گرفتاری کا یہ حکم اس لیے تھا کہ فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ تاکہ اِس مجرم کو تمام لوگوں کے سامنے حاضر کیا جائے اور وہ اِس مجرم کے اقرارِ جرم یا پھر کسی چشم دید گواہی کے بیان سے ثبوتِ جرم کے گواہ بن جائیں اور پھر گواہیوں کے بعد ہم جرم کی سزا سنائیں اور کوئی شخص یا خود مجرم ہمارے اس عدالتی فیصلے پر ظلم اور ظالمانہ کاروائی کا اتہام نہ لگا سکے۔ اور دیگر موجود لوگ سزا کا مشاہدہ کر کے عبرت پکڑیں اور کوئی شخص پھر اس طرح کی جرأت نہ کر سکے نمرود نے تو برسرِ عام مظاہرہ مکالمہ کرا کے اپنی عقل مندی سمجھی کہ ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی ہو گی مگر ابراہیم علیہ السلام چاہتے ہی یہ تھے کہ اس بات کی تحقیق و تفتیش کھلے عام ہو تا کہ آپ کو بھی بتوں کی کمزوری اور اِن سب بُت پرستوں کی جہالت و حماقت کے برملا اظہار کا موقعہ ملے جس طرح فرعون نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام

کے مقابلے میں بڑا مجمع بلا کر اپنی ہی اور اپنے دین کی ذلت و رسوائی کا سامان جمع کیا تھا اسی طرح نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھ گچھ کے لیے علاقہ کے لوگوں کو بر سرِ عام جمع کر کے اپنی ہی ذلت اور اپنے دین کی رسوائی کا گویا انتظام اور مظاہرہ کر لیا، اور جس طرح فرعونیوں کو اپنی یقینی کامیابی اور حیثیت کا غرور تھا اسی طرح نمرود اور نمرودیوں کو بھی ابراہیم علیہ السلام کے لاجواب ہو کر یا شاہی رعب سے خوف زدہ ہو کر اقرار جرم کر لینے کا یقین تھا اسی لیے بڑے فاخرانہ متکبرانہ انداز میں۔ قَالُوْا سب بول پڑے ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ۔ اے ابراہیم کیا تو نے یہ توڑ پھوڑ کی ہے۔ ہمارے ان معبودوں کے ساتھ کیا عجیب احمقانہ سوال ہے کہ اُن مورتیوں کو معبود بھی کہہ رہے ہیں اور ایک نو عمر انسان کے ہاتھوں اِن بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے مشاہدے و مظاہرے کا اقرار بھی کر رہے ہیں اور پھر بے عقلی کی اندھی عقیدت بھی لیے پھرتے ہیں، یہی حال آج تک ہر مشرک بت پرست کا ہے اسی حماقت و جہالت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت دلیری سے دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود بغیر ڈر خوف کے قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا۔ فرمایا ارے کم عقلو اپنے ان اتنے ڈھیر سارے معبودوں کی اس بربادی کے بارے میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو کیا تم کو خود معلوم نہیں ہوتا اور اور کیا حالات بھی یہ نہیں بتا رہے ہیں کہ ان کے اس بڑے نے ہی اپنے ان چھوٹوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کیا خبر اِس بڑے کو ان چھوٹوں پر کب کا غصہ تھا جو آج اُس نے اُتارا ہو سکتا ہے اس بڑے کو یہ غصہ ہو کہ ان چھوٹوں کو میری پوجا پاٹ میں کیوں شریک بنایا جاتا ہے۔ اے کافرو ذرا یہ سوچو تو سہی کہ جب اِس چھوٹے معبودوں کو اپنے شریک پسند نہیں اور اِن کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تو حقیقی خالق رازق مالک تعالیٰ کو تمہاری احمقانہ بناوٹی شرک بازی کب پسند ہو گی اور اُس کریم خلاق کائنات کے علم کا اندازہ لگاؤ کہ تم سب کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جا رہا ہے۔ لہٰذا مجھ سے نہ پوچھو بلکہ اپنے عقیدے کے مطابق۔ فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ان لوٹے پھوٹے اِن نکٹے کان کٹے لولے لنگڑے الٰہوں سے ہی پوچھو کہ تمہارے ساتھ یہ حال یہ سلوک کس نے کیا ہے۔ اور تم نے اُس کی مار سے اپنے آپ کو بچایا کیوں نہیں یا اگر اس بڑے نے یہ توڑ پھوڑ نہ کی ہے تو پھر اس نے ہی کیوں نہ بچایا۔ اگر یہ معبود بولنے کی ہمت طاقت قوت رکھتے ہیں تو ضرور بتائیں گے لیکن اگر ان میں بولنے کی طاقت نہیں اور یقیناً نہیں تو جو بول نہیں سکتا وہ سن کب سکتا ہے اور جو سن نہیں سکتا وہ اپنی ہی کیا مدد کر سکتا

ہے اور جو اپنی مدد نہیں کر سکتا وہ کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ اور اپنے یا اپنے پجاری کے دشمن کا کیا نقصان کر سکتا ہے۔ البتہ تو کائنات ارض و سما کی بڑی قوت کا نام ہے ان عام فہم باتوں میں غور کرو اپنی عقل کے اندھے نہ بنو۔ جو نہ بول سکے نہ سن سکے نہ خود کو بچا سکے نہ دشمن سے انتقام لے سکے نہ نفع کی قوت نہ ضرر کی طاقت نہ بچنے کی ہمت نہ بچانے کی جرأت کیا ایسا ناکارہ خلائق کسی کا الٰہ ہو سکتا ہے ابراہیم علیہ السلام کا یہ چند لفظی جامع مانع فصیحانہ خطاب سن کر۔ فَرَجَعُوٓا اِلٰٓی اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوٓا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ یَنۡطِقُوۡنَ۔ پس کچھ دن کے لیے تو اپنی عقلوں کی طرف لوٹے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ بے شک تم خود ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہو کہ ایسا بیوقوفی کا دین بنا لیا اور ایسا لغو بیہودہ کمزور عقیدہ بنائے پھرتے ہو۔ اور الٰہ جیسی قوت طاقت اختیار راز قیت خالقیت مالکیت نافع اور بچا سکنے مٹا سکنے والی ذات و ہستی کو ان کمزور بے بس ناکارہ دستی تراشے خراشے بتوں مورتیوں کے کھلونوں میں موجود سمجھ لیا اور بالکل ہی عقلوں پر پردے پڑ گئے۔ ظالم تو اے بد مذہبو تم ہو کہ، خدا تراش لیا اور بندگی کر لی اور کہتے یہ ہو کہ مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ، جنے ہمارے معبودوں سے یہ توڑ پھوڑ کا سلوک کیا وہ ہی ظالم ہے حالانکہ وہ تو تمہارا محسن خیر خواہ ہے کہ اس نے تو ان مورتیوں کو توڑ کر تم کو سچا سبق سکھایا، عقل پر پڑے ہوئے پردے پھاڑے دل کے دریچے کھولے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ عملی تبلیغی کارنامہ اور اس پر یہ بَلۡ فَعَلَهٗ كَبِیۡرُهُمۡ هٰذَا کا جرأت مندانہ استدلالی خطاب کوئی معمولی کام نہ تھا بڑے بھاری شاہی مندر کو توڑا تھا۔ چند دنوں کے لیے تو اس بہادرانہ کام نے پورے علاقے میں عجیب مصیبت ناک تھرتھلی سراسیمگی پھیلا دی بڑے بڑے پرانے بت پرست پجاری اپنے مذہب و عقیدے میں مذبذب اور پلپلے ہو گئے عوام میں بہت سے لوگ بتوں سے متنفر ہو گئے شرکیہ دین باطل سے بد عقیدہ اور اقوال ابراہیم کے گرویدہ ہو گئے۔ خد نمرود و اہل دربار استدلال ابراہیمی کے سامنے لاجواب ہو کر آئندہ اپنے مذہب و دین کے لیے کچھ سوچنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن پھر جب نمرود کو اپنی نمرودیت اور شاہانہ خدائی کی ساکھ مٹتی عزت لٹتی نظر آئی اور بت تراشوں کو اپنی تجارت گھٹتی بندتوں پروہتوں کو اپنے چڑھاووں چندوں کی دیوار گرتی دکھائی دی تو۔ نُكِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ اوندھا دیے الٹا دیے گئے اپنے سروں کے۔ بُرے دماغوں کے بل۔ نفس امارہ کے پھندوں

ابلیسی فرعون شیطانی وسوسوں کی وجہ سے، تو نمرود نے اپنے اہل دربار وزیری عملے نیز بڑی مشیروں کے زمرے کی مجلسِ مشاورت بلائی اور طے پایا کہ ابراہیم سے پھر بات کی جائے اور اُس کو سزا سخت دے کر اپنی عزت بچائے۔ بھٹکے لوگوں کو خوفناک عبرت دلانے کے لیے راہ ہموار کی جائے تو پھر بلایا گیا اور ابراہیم علیہ السّلام سے اُن ضدی احمقوں نے کہا۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔ اے ابراہیم تو نے اُس دن ہم سبکو کتنا بے وقوف اور کس طرح پاگل بنا لیا ہم کو اپنی باتوں سے مبہوت کر دیا حالانکہ تو خود جانتا ہے سمجھتا ہے کہ یہ الٰہ اور بت تو بول سکتے ہی نہیں ہم ان سے کیا پوچھتے اور یہ ہم کو کیا بتاتے۔ اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ تاکہ وہ گواہی دیں ابراہیم کے اس قول يَذْكُرُهُمْ کی یعنی ابراہیم ہمارے سامنے بتوں کی برائی کرتا تھا۔ ایک قول یہ کہ گواہی سے مراد توڑ پھوڑ کے عمل کی گواہی دینا ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مندر میں توڑ پھوڑ کی تھی تو کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ تیسرا قول یہ کہ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ کا معنی گواہی دینا نہیں بلکہ مشاہدہ کرنا ہے یعنی تاکہ عام لوگ مشاہدہ کریں ابراہیم کے اقرارِ جرم اور ہماری تجویز کردہ عبرتناک سزا کا اور عبرت پکڑیں اور کوئی شخص پھر کبھی اس طرح کی جرأت نہ کرے۔ ۲ءَاَنْتَ فَعَلْتَ۔ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ہمزہ اقرارِ فاعل کے لیے ہے اور معنی ہے کہ کیا تو نے کیا ہے یہ کام اے ابراہیم۔ دوسرا قول یہ کہ ہمزہ اقرارِ مفعول کے لیے ہے تب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے ابراہیم تو نے یہ کام بھی کر دیا زبانی تو بتوں کی برائیاں کرتا ہی رہتا تھا اب تیری اتنی جرأت بڑھ گئی ہے ۳ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس کا ترجمہ ہے بلکہ اِن کے اس بڑے بُت نے یہ کام کیا ہے۔ دوم یہ کہ اس کا ترجمہ اس طرح ہے بلکہ کیا ہے اس کام کو اِن کے کسی بڑے ہمت والے آدمی نے کیونکہ عام آدمی بھی تمہارے ان الہوں سے بڑا ہے۔ سوم یہ کہ بلکہ مشاہدے سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اِن کے اس بڑے بُت نے یہ کام کیا ہے کیونکہ اس کے کندھے پر ہتھوڑا ہے اس قول میں یہ عبارت سوالیہ ہے۔ پہلے قول میں خبریہ ہے۔ چوتھا یہ کہ بلکہ کیا تو ہے جس نے بھی کیا ہے۔ ان کا بڑا تو یہ ہے خود اِن بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں مجھ سے کیوں پوچھتے ہو ۴ فَرَجَعُوْٓا میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ پس رجوع کیا انہوں نے اپنی عقلِ سلیم کی طرف دوم یہ کہ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ پس لوٹے اور اپنے شیروں کے نئے مشوروں کی طرف آپس میں گفتگو

یا ایک دوسرے کو بھی لعن طعن کر کے اور متفکر ہوئے اپنے پرانے آبائی دین کے بارے میں
۵ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ کی تفسیر میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے تم ہی ظالم ہو بت پرستی کی حماقت کر کے دوم یہ کہ تم ابراہیم کو اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ کہہ کر خود ہی ظالم ہو سوم یہ کہ تم ہی ظالم ہو چار حماقتیں کر کے، اوّلاً تم نے ابراہیم کو برسرِ عام بلانے کی حماقت کی پھر اس کی دلیلوں کے سامنے تم سب لاجواب اور خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری حماقت یہ کہ تم عوام کے سامنے ذلیل و شرمندہ ہوئے چوتھی حماقت یہ ہوئی کہ تمہاری ان حرکتوں سے عوام تمہارے دین سے مذبذب ہو گئے۔ چہارم قول یہ ہے کہ تم اپنے الٰہوں کی حفاظت نہ کر کے ظالم ہوئے ۶ نُکِسُوۡا کی قرأت میں چار قول ہیں ۱ ثُمَّ نُکِسُوۡا یہ ہی مشہور قرأت ہے ۲ ثُمَّ نَکَسُوۡا ۳ ثُمَّ نُکِّسُوۡا ۴ ثُمَّ نَکِسُوۡا۔

فائدے ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ ایمان صرف سوچ فکر یا تفکر اور ندامت کا نام نہیں بلکہ سچے با نیت دارا دے سے اقرار لسانی و تصدیق قلبی سابقہ کفریات سے توبہ کا نام ہے یہ فائدہ فَرَجَعُوۡۤا اِلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ (الخ) سے حاصل ہوا کہ وہ قوم ابراہیمی کے کافرین و مشرکین ابراہیم علیہ السلام کا مدلل و مضبوط خطاب سن کر لاجواب اور شرمندہ ہو گئے اور پھر سوچ و تفکر سے اپنے دین کو غلط بھی سمجھ لیا مگر پھر بھی ان کو مومن ایک آن کے لیے بھی نہ فرمایا گیا۔ اور کفر کو غلط سمجھنا در پردہ دین ابراہیمی کی تائید تھی مگر در پردہ حق کی تائید کرنا ایمان لانا نہیں۔ ایمان لانے کی تو وہی شرطیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں کہ برملا کفر سے توبہ اور سچے دین کا اقرار و تصدیق ہو۔ دوسرا فائدہ۔ ہر مرتد تو کافر ہوتا ہے مگر ہر کافر مرتد نہیں ہوتا مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے صحیح طریقے سے مومن بنے اور اپنے سچے دین و ایمان کا اظہار کرے۔ اس کے قول و عمل سے اس کا ایمان مشہور ہو پھر وہ بدبخت ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے اور کفر کو اپنے قول یا عمل سے ظاہر کرے یہ فائدہ ثُمَّ نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِہِمۡ سے حاصل ہوا کہ ان کفار ان قوم ابراہیمی کے اس ثُمَّ نُکِسُوۡا کو مرتد ہونا نہ فرمایا گیا۔ نہ اس کو ارتداد قرار دیا گیا۔ لہٰذا مرزائی قادیانی اور لاہوری کھلے ابتدائی کافر ہیں ان کو مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ ان کا کلمہ نماز پڑھنا بھی ان کو کفر سے نہیں بچا سکتا تیسرا فائدہ۔ کیسے ہی حالات اور کتنا ہی مخالفانہ ماحول کیوں نہ ہو سچائی کی خوشبو دشمن کے دماغ تک بھی پہنچ ہی جاتی ہے اور جانی دشمن بھی اعتراف حقیقت پر مجبور ہو

جاتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ کے قول سے حاصل ہوا کہ وہ کافر جو چند منٹ پہلے بڑے جوش سے ابراہیم علیہ السلام یا بُت شکن کو ظالم کہہ رہے تھے اب خود اپنے آپ کو ظالم کہہ رہے ہیں اور توڑنے پھوڑنے والے کی نسبت ظلم کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ اِنَّكُمْ اَنْتُمُ کی تکرار ضمیری سے حصر ثابت ہوا اور حصر سے اپنی طرف ظلم کا ثبوت اور دوسری طرف ظلم کی نفی ہوتی ہے معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم ظالم نہیں ہے تم خود بت پرست ہی ظالم ہو۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ حقوق العباد میں سب سے بڑا اور اہم حق عدل وانصاف ہے اور عدل وانصاف کرنے کا عمدہ طریقہ مکمل طریقے سے حالات وواقعات کی چھان بین تحقیق وتفتیش اور گواہیاں حاصل کرنا ہے۔ بغیر تحقیق یکطرف فیصلہ کر دینا ظلم ہے عدل وانصاف نہیں، یہ مسئلہ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ دیکھو نمرود جیسے ظالم جابر بادشاہ نے اس موقعہ پر گواہی لینے کا اہتمام کیا تاکہ اس کو اور فیصلے کو کوئی بھی شخص ظالمانہ کاروائی نہ کہے اور تاریخ اس کو انصاف پسند بادشاہوں میں شامل کرے۔ دوسرا مسئلہ۔ کلام وخطاب کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ کلام اور بات صاف وصریح یعنی جو الفاظ ہوں وہی اس کے معنیٰ مراد ہوں۔ ظاہر وباطن یکساں ہو۔ دوم یہ کہ کلام کنایہ ہو کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جس کے دو معنیٰ بن سکتے ہوں۔ کلام کنایہ کی پھر دو قسمیں ہیں ۱ مستتر ۲ توریہ۔ مستتر کلام یہ ہے کہ دو معنیٰ والے الفاظ کا ایک معنیٰ مراد لیا جائے یا ایک مُراد نہ لیا جائے اس میں متکلم کی نیت پر دارومدار ہے۔ اور کلام توریہ یہ ہے کہ ظاہرًا وہ کلام جھوٹ اور کذب نظر آتا ہے مگر متکلم کی مراد جھوٹ نہ ہو بلکہ وہ اپنی نیت میں دوسرے معنیٰ کو لے رہا ہے۔ یہ لفظاً ظاہرًا اگرچہ ہر طرح جھوٹ معلوم ہو رہا ہو مگر ہر شریعت میں جائز رہا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں بھی اس قسم کا جھوٹ جائز ہے۔ یہ مسئلہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ سے مستنبط ہوا دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ یہ توڑ پھوڑ اس ان کے بڑے نے کی ہے۔ ظاہرًا ہر طرح جھوٹ ہے اور اس کو ہر لغت میں جھوٹ ہی کہا جائے گا مگر شرعًا جائز ہے گناہ نہیں اس لیے کہ کلام کنایہ توریہ ہے اور آپ نے یہ کلام قوم کے سامنے اس انداز میں فرمایا کہ قوم بھی آپ کے کلام کی نوعیت سمجھ گئی اسی لیے کسی نے کذب بیانی کا اتہام نہ لگایا بلکہ اپنی حماقت دین پر نادم وشرمندہ ہوئے آپ کا یہ انداز توریہ۔ اگلے کلام فَاسْئَلُوْهُمْ سے ظاہر ہوا۔ اسی لیے سب کفار خاموش

بلکہ شرمندہ ہو گئے۔ تیسرا مسئلہ۔ کسی مناظرے یا مکالمہ میں مدِ مقابل شکست کھا کر اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ کو یا اپنے باطل دین کو غلط بھی کہدے تب بھی اس کو حق پسند یا عاقبت پر ایمان لانے والا نہیں جاسکتا۔ اس لیے کہ یہ شکست کی گھبراہٹ کا اثر ہوتا ہے۔ جو صرف وقتی ہے نہ شریعت کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ ایک آریہ پنڈت نے ایک مناظرہ میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شکست کھا کر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا اور یہاں تک کہ علی الاعلان اسٹیج پر ہی کہدیا کہ اسلام کو سچا سمجھتا ہوں اپنے دین کو غلط اور کمزور سمجھ گیا ہوں۔ مگر اس کو مسلمان نہ کہا گیا نہ اس پر اسلامی احکام نافذ ہوئے یہ مسئلہ فَرَجَعُوْٓا (الخ) اور اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ کفار قوم کے پوچھنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ یعنی یہ توڑ پھوڑ ان کے اِس بڑے بت نے کی ہے۔ یہ تو سراسر جھوٹ تھا اور جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر صغیرہ کبیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں اور معصوم بندہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتا جیسا کہ علماءِ اصول فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں تین جھوٹ بولے۔ ایک یہی بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ دوم۔ اِنِّیْ سَقِيْمٌ سوم سارہ بیوی کو اپنی بہن کہنا۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب بدءُ الخلق و ذکرُ الانبیاء فصل اول صفحہ ۵۰۸ پر بحوالہ بخاری مسلم۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے الفاظ سے یہ ہی بات لکھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تمام مفسرین بھی یہ ہی لکھتے ہیں مگر ایک اردو کے مشہور وہابی مفسر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث بخاری اور مسلم جیسی صحاح ستہ کی کتب میں ہے اور سند بھی بالکل درست ہے مگر میں اس کے متن یعنی الفاظِ حدیث کو صحیح نہیں مانتا اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کئے ہوں۔ اسی قسم کی روایتوں حدیثوں سے منکرینِ حدیث کو انکار احادیث کا موقعہ ملتا ہے۔ فرمایا جائے کہ کونسی بات درست ہے دیگر مفسرین کی یا اس دور کے ان اردو مفسر صاحب کی۔ جواب۔ گذشتہ سابقہ جمہور مفسرین کی بات درست ان مفسر صاحب کی بات اور موقف غلط ہے اگرچہ نیت درست ہے۔ اگر یہ نقصان دہ رواج پڑ جائے کہ جو حدیث اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے سمجھ نہ آئے تو جھٹ سے اس کا انکار کر دیا

جائے تو پھر قرآنِ مجید کی بعض آیات کے ساتھ بھی یہ سلوک کوئی کر سکتا ہے اور کفر سے دامن بھر سکتا ہے اسی طرح اپنی کم عقلی اور جہالت و ناسمجھی کی بنا پر منکرین حدیث چکڑالوی اور پرویزی بہت سی احادیث مقدسہ کا انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان مفسر صاحب نے بھی اس ایک حدیث مبارکہ کا انکار کر کے منکرین حدیث کا ہی وطیرہ و طریقہ اختیار کر لیا۔ منکرین حدیث بھی یہ ہی کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بات نبی کریم نہیں کہہ سکتے وہ بات نہیں کہہ سکتے وغیرہ۔ بلکہ قرآنِ مجید کے منکرین کفار بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نہیں فرما سکتا وہ بات نہیں فرما سکتا۔ دیکھو آریہ ھندو کی کتاب ستیارتھ پرکاش۔ اور آریہ پرچار مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آیت قرآنی کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے اسی طرح سنداً صحیح حدیث کا انکار بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمانِ نبوت کا انکار ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے تدبر، تفکر، فہم و فراست، عقل و شعور سے حدیث مقدسہ کو صحیح سمجھا جاتا اور مطابقت پیدا کی جاتی انکار کرتے چلے جانا تو بڑا آسان ہے ہر جاہل ہر صداقت و حقیقت کا انکار کر سکتا ہے مفسر مذکور نے بھی حدیث پاک پر تدبر نہ کیا۔ اہلِ عرب کی اصطلاحات معروفات و رواجات کو نہ جانا بس لفظِ کذب کا ایک ہی پہلو دیکھ لیا کہ کذب گناہ ہوتا ہے۔ حالانکہ عربی لغوی اصطلاحات میں لفظِ کذب بہت معنی میں مستعمل ہے۔ اور اُن کے شرعی حکم بھی علیحدہ ہیں یہ ہماری اردو کی تنگ دامنی ہے کہ ہم ہر کذب کا ترجمہ جھوٹ کر دیتے ہیں حالانکہ عربی لغت میں ایسا نہیں۔ بہت سے کذبیات جھوٹ نہیں اور جو کذب ہمارے جھوٹ کے معیار کا نہیں وہ کذب گناہ بھی نہیں۔ اب اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ کذب اہلِ عرب کے نزدیک پانچ معنی میں مشترک ہے اور بولنے کے اعتبار سے کذب کی چار قسمیں ہیں چنانچہ لغت کی مشہور و معتبر کتاب مجمع البحار جلد سوم پر صفحہ ۲۰ لکھا ہے کہ کذب بمعنی تعجب ۲ کذب کا معنی جبن یعنی بزدلی کذب ۳ بمعنی خطا ۴ کذب بمعنی تعریض یعنی انداز سے ایسی چیز یا بات کے ہونے کا ذکر کرنا جو ابھی فی الواقعہ نہ ہو ۵ کذب بمعنی جھوٹ یعنی سچائی کے خلاف جانتے بوجھتے کوئی غلط بات کرنا، ان معانی کے اعتبار سے کذب چار اقسام میں منقسم ہوتا ہے ۱ کذب مقابل صداقت یہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور اسی کا بولنا گناہِ کبیرہ یہ انبیاء علیہم السلام سے محال ہے ۲ کذب استہزائی ۳ کذب تعریض ۴ کذب توریہ، یہ تین قسمیں جملہ انشائیہ ہوتی ہیں ان میں جھوٹ کا احتمال یا شائبہ نہیں ان کا بولنا گناہ نہیں بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہو جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۰۰ پر حدیث پاک میں ابراہیم

علیہ السلام کے جن تین کذبوں کا ذکر ان میں پہلا کذبِ تعریض ہے کہ آپ نے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ یعنی اندازہ ہے کہ میں بیمار ہوں یا ہو جاؤں گا یہ آپ نے ستاروں یا آسمان کی طرف دیکھ کر قوم کے نجومیانی عقیدے اور نجومیانی مسلک کی وجہ سے فرمایا قوم اس وہمی عقیدے میں بری طرح مبتلا تھی۔ دوسرا قول بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ یہ کذبِ استہزائی ہے۔ تیسرا قول جس کا ذکر اسی حدیث پاک میں ملتا ہے کہ جابر ظالم مجوسی بادشاہ سے عزت و آبرو کے خوف سے اپنی بیوی کو اُخْتِی (میری بہن ہے) کہا یہ کذب توریہ تھا کہ آپ نے ایمان کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کو ایمانی بہن کہا اور یہ تینوں کذب شرعاً گناہ نہیں پہلے دو تو اس لیے کہ جملہ انشائیہ ہیں اور تیسرا اُخْتِی کہنا اس لیے کہ جو معنیٰ ابراہیم علیہ السلام نے مراد لیے وہ اپنی جگہ سچ اور ایک حقیقت ہے کیونکہ كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ۔ تمام مومن بہن بھائی ہیں۔ اس لیے یہ تینوں اگرچہ بقولِ حدیثِ پاک کذب ہیں مگر گناہ نہیں شرعاً جائز ہیں۔ اس لیے حدیث پاک بالکل برحق ہے عصمتِ انبیا پر زد نہیں پڑتی کسی وہابی مفسر کا انکار کرنا اس کی ذاتی جہالت و ناسمجھی ہے۔ اس حدیثِ مقدسہ نے تا قیامت ایک قانون بنا دیا کہ ہر شریعت کی طرح شریعتِ اسلامیہ میں بھی کذبِ تعریض، کذبِ توریہ، کذبِ استہزا جائز ہے گناہ نہیں نبوت کی زبان ہی شریعتِ الٰہیہ کا قانون ہوتا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کا بولنا جواز کی دلیل ہے ہم بھی چونکہ ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں اس لیے خاص ابراہیم علیہ السلام کے ان جائز کذبوں کا ذکر فرمایا گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ دوسرا اعتراض یہاں لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ کیوں فرمایا گیا گواہی تو پہلے ہی مل چکی ہے جب قوم کے لوگوں نے کہا تھا کہ ابراہیم نام کا ایک جوان ہے جو بتوں کی برائی کرتا پھرتا ہے یہ اسی کا ہی کام لگتا ہے۔ جواب۔ اگر يَشْهَدُوْنَ کا معنیٰ گواہی دینا ہی ہو تب یہ معنیٰ ہے کہ تاکہ یقینی گواہی دیں۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى کہنا مشکوک گواہی ہے لیکن يَشْهَدُوْنَ کا معنیٰ مشاہدہ کرنا بھی کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ تب نفوسِ جابرہ وظلمتِ باطلہ نے صوتِ حق سے پکارا تلے آؤ اس دشمنِ ظاہری کو فکرِ ناسوتی کی نگاہوں میں کیونکہ باطل کبھی حق کو پسند نہیں کرتا یہ باطل کا بلانا حق کو یا حق کا قرب حاصل کرنا تائید کے لیے نہیں ہوتا بلکہ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۔ اس لیے تاکہ باطل کے سامنے حق کی کمزوریاں

ظاہر ہوں اور حق کی تردید کا بہانہ حاصل ہو۔ جب کبھی حق و باطل کا سامنا ہوتا ہے تو باطل کا شور بلند ہوتا ہے اور دولتِ دنیا کے پجاری ایمانی شرعی پابندیوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں اے عقلِ سلیم اور قلبِ مسعود کیا تو نے ہمارے ناجائز منصوبوں باطل معبودوں کو پامال کیا۔ ہمارا تو سب کچھ دین ایمان عبادت ریاضت یہی دولتِ دنیا ہے دنیا سازی ہی ہمارا الٰہ ہے اس شورِ باطل کے بعد حق کا زور بلند ہوتا ہے کہ مجھ سے نہ پوچھو اپنے ان جھوٹے منصوبوں باطل نظریوں سے پوچھو جنہوں نے تم کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ کیا یہ دنیا کی قوتیں دولتیں حق کے سامنے بول سکتی ہیں، جب موت برحق آتی ہے تو سارے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ ہر شور غائب ہر قولِ باطل ہر فعل خاسر ہو جاتا ہے اور کثرتِ ندامت سے فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۔ اپنے غلط کار ہونے ظلم کا کمانے کا احساس ہو جاتا ہے تو اپنی کوتاہیوں کی طرف پھر کر دیکھتے ہیں اور اپنی شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے اقرارِ حالی کر کے کہتے ہیں کہ بے شک اے نفس کے پجاریو تم ہی اپنی دولت پرستی دنیا سازی سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہو۔ مگر یہ احساسِ ندامت صرف چند ساعتوں کے لیے ہوتا ہے پھر جب لذاتِ دنیا، شہواتِ نفسانیہ کا غلبہ ابھرتا ہے تو نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ شیطان و خناس کے وسوسوں سے مغلوب ہو کر انہماکِ دنیا کے دلدلوں میں اوندھا دئیے جاتے ہیں۔ اور حق پر معترض ہوتے ہیں کہ اے قلبِ حقانی تو نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہم کو ظاہر و خفی کے ساتھ رسوا کیا۔ رب تعالیٰ نے عقلِ سلیم تو ہر انسان کو عطا فرمائی ہے مگر فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ کا مظاہرہ معاملہ کوئی کبھی کرتا ہے جو خوش بخت فَرَجَعُوْٓا کی رغبت رکھ کر اپنی عقل کی طرف رجوع کرے تو وہ اپنے حال کی اصلاح اور فساد پر خبردار رہتا ہے جس کی وجہ سے ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ کے فتنے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی باوجود عقل کے پہچاننے کے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے اور فساد و صلاح میں تمیز کرنے کی طاقت رکھنے کے اگر نور اللہ کی تائید اور توفیق باللہ کی حمایت نہ ہو تب بھی کوئی بندہ اصلاح کے اختیار کرنے کی قدرت اور فساد سے بچنے کی قوت نہیں رکھتا بلکہ خیر و شر کے درمیان مبہوت کھڑا رہتا ہے۔ اور اس کو اس کی کوئی لیاقت و قابلیت فائدہ نہیں دیتی جیسے کہ قوم نمرود جس نے حق کو پہچان لینے کے باوجود ثُمَّ نُكِسُوْا کی بربادی میں پڑ گئے خوش بخت ہے وہ جو مرشد ہادی کی مانتے اور مصلح و راہنما کے راہ رو منزل کی پیروی میں لمحاتِ حیات گزار دے ؎

مگر ایں سعادت بزورِ بازو نیست ؞ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ واللّٰہ اَعْلَمُ۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ

فرمایا کیا پس عبادت کرتے ہو تم اللہ کے غیر کی جو نہ فائدہ دے سکتا ہے تم کو

کہا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے

شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ

کچھ بھی اور نہ نقصان کر سکتا ہے تمہارا۔ تباہی ہے تمہارے لیے اور اس کے لیے پوجتے ہو تم

اور نہ نقصان پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

جن کو اللہ کے سوا۔ تو کیا تم بالکل ہی عقل نہیں رکھتے (لاجواب ہو کر) کہنے لگے جلا ڈالو

اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ بولے ان کو جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا

بھسم کر دو اس کو اور امداد کرو اپنے معبودوں کی اگر ہو تم کرنے والے۔ ہم نے فرما دیا

اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔ ہم نے فرمایا

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ لا

کہ اے آگ ہو جا تو ٹھنڈک والی اور سلامتی والی ابراہیم پر

اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ ج

اور ارادہ کیا تھا ان سب نے اس کے ساتھ بڑی مکاری کا مگر ہم نے بنا دیا

اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

ان کو ناکام اور بچالائے ہم ان کو اور لوط کو اس علاقے کی طرف برکتیں رکھی تھیں

اور ہم نے اُسے اور لوط کو نجات بخشی اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے

بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

ہم نے جس میں تمام جہانوں کے لیے

جہان والوں کے لیے برکت رکھی

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتوں کی بے بسی پر قوم ابراہیم کی شرمندگی وندامت سے سرنگوں ہونے کا ذکر ہے اب ان آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کو سچی تعلیم دینے اور حقیقی معبود پر ایمان لاکر آخرت کی شرمندگی وندامت سے بچنے کا طریقہ سکھانے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں قوم گمراہ وسرکش کا ابراہیم علیہ السلام پر بت شکنی کا مقدمہ چلانے کا ذکر ہوا کہ گواہیاں لاؤ پیروی کرو۔ اب ان آیت میں لاجواب وشرمندہ قوم کی انتہائی ہٹ دھرمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ بغیر مقدمہ سزا دیدی جائے یعنی شرمندگی سے لاجواب ہو کر بجائے سیدھے راہ پر آنے اور اپنے ہاتھوں سے مزید بت توڑنے باطل دین سے منہ موڑنے کے حق ہی کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت ابراہیم کو سزا دے کر اپنی لوٹی پھوٹی نکٹی کانی اندھی لولی لنگڑی مورتیوں کی ہی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ اتنے باطل خدا ایک ابراہیم کی مارپیٹ اور جھنجھوڑے سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے اب ان آیت میں بتایا گیا کہ سچے معبود اللہ تعالیٰ نے ہزاروں دشمنوں کے گھیرے اور ان دشمنوں کی آگ سے اپنے ایک بندے کو بچالیا۔ اور ایک تنہا بندے کا وہ سب مل کر بھی کچھ نہ بگاڑ سکے۔

تفسیر نحوی قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ قَالَ فعل ماضی بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ ہمزہ سوالیہ فَ حرف زائدہ

بیانیہ۔ تَعْبُدُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر حاضر عَبْدٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مِنْ حرف جر زائدہ بیانیہ دُوْنِ اسم مضاف اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے مَا اسم موصول جنسی یعنی افرادِ عام کے لیے ایک ہو یا سب لَا یَنْفَعُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع معروف منفی بِلَا واحد مذکر غائب نَفْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فائدہ دینا۔ اور فائدہ پہنچانا اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع مَا ہے کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ اول ہے شَیْئًا اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ کچھ بھی مفعول بہ دوم ہے لَا یَنْفَعُ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَضُرُّ باب نَصَرَ کا مضارع منفی بِلَا معروف ضَرٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان دینا نقصان پہنچانا فاعل ضمیر صیغہ ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مفعول بہ یہاں دونوں ضمیروں کا مرجع قوم ابراہیم یعنی نمرودی لوگ ہیں یہ فعل فاعل مفعول ملکر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا تَعْبُدُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مقولۂ اول ہوا۔ اُفٍّ اسم مفرد جامد اسماءِ اصوات میں سے ہے لغوی ترجمہ ہے پھونک مارنے کی آواز کی نقل بعض علماء نے اس کو لفظِ تف پر قیاس کر کے اسماءِ افعال بمعنیٰ امر حاضر یا بمعنیٰ ماضی کہا ہے یہ قرآنِ مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے ۱ پ۱۵ سورۃ اسریٰ ر۳ پ۱۷ سورۃ انبیاء میں یہیں پر ۳ پ۲۶ سورۃ احقاف پ ۲۶ میں اصطلاحاً ہر تنگ دلی اور نفرت کے لیے بولا جاتا ہے دراصل ہے اُفُفٌ دونوں فَ میں ادغام کر کے اُفٍّ بنا یا گیا اس کو اُفَّ اور اُفٍّ بھی پڑھا گیا ہے۔ ہر گھناؤنی چیز پر اُفٍّ کا لفظ بول دیا جاتا ہے ایک قول میں کٹے ناخن اُفٌّ ہیں اور ناخنوں کا میل تُفٌّ ہے ایک قول میں ہر ظاہری برائی اور میل کچیل اُفٌّ ہے اور باطنی میل کچیل و برائی تُفٌّ ہے لفظ تُفٌّ قرآن مجید میں نہیں آیا۔ یہ مبنی ہے اس میں چھ قرأتیں ہیں ۱ مشہور قرأت اُفٍّ ۲ اُفَّ ۳ اُفِّ ۴ اُفُّ ۵ اُفًّا ۶ اُفٌّ اور سب مبنی بحالتِ رفع فاعل ہے ثَابِتٌ یا وَارِدٌ یا نَازِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا لَکُمْ جار مجرور معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ لام بمعنیٰ عَلٰی فوقیت کا مَا اسم موصول بمعنیٰ بُت تَعْبُدُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ عَبْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے عبادت کرنا یعنی کسی کو معبود سمجھ کر اس کی اطاعت کرنا یا اس کے آگے سجدہ کرنا۔ مِنْ حرف جر زائدہ دُوْنِ اسم نکرہ معرب مضاف ہے۔ لفظِ اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مِنْ سے مجرور ہوکر متعلق ہے تَعْبُدُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا دونوں مل کر مجرور ہوئے لام سے یہ جار مجرور معطوف ہے لَکُمْ پر دونوں مل کر متعلق ہے نَازِلٌ

پوشیدہ کا سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہ سب جملات انشائیہ ہیں اور معنیٰ ہے تباہی ہو تمہارے
لیئے۔ اَ۔ ہمزہ سوالیہ فَ عاطفہ زائدہ لَا تَعْقِلُوْنَ باب ضرب کا مضارع منفی بلا جمع مذکر حاضر
مخاطب۔ خطاب ہے قوم (آلِ نمرود) کو یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو گیا۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ
بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ
قَالُوْا ماضی جمع مذکر غائب اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے قوم نمرود اہلِ دربار
یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ حَرِّقُوْا باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر اس
کا مصدر ہے تحریق حَرْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلا ڈالنا۔ باب تفعیل میں آ کر سختی کے معنیٰ پیدا
ہوئے یعنی پورا پورا جلا ڈالنا اَنْتُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ معنیٰ اس کو مراد
ہے ابراہیم علیہ السلام یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُنْصُرُوْا۔ باب نصر کا امر حاضر
معروف جمع مذکر۔ نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مدد کرنا۔ فاعل پوشیدہ ضمیر مرجع ہے دوسرے
درباری یا آپس میں سب میٹنگ والے اٰلِهَتَكُمْ۔ مرکب اضافی بمعنیٰ اپنے معبودوں یعنی بتوں
کی مفعول بہ ہے۔ یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر جزاءِ مقدم
ہوئی اِنْ حرف شرط كُنْتُمْ، فعل ناقصہ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب
خبر ہے كُنْتُمْ، اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوئی شرط و جزا مل کر
جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْنَا۔ قَوْلٌ سے مشتق ہے فعل ماضی
نَا ضمیر صیغہ اس کا فاعل دونوں فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یہاں
ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ يَا حرف ندا نَارُ اسم مؤنث مفرد جامد بمعنیٰ آگ منادیٰ ہے
كُوْنِيْ باب نَصَرَ کا فعل امر ناقصہ حاضر معروف واحد مؤنث حاضر اَنْتِ ضمیر صیغہ
اس کا اسم بَرْدًا اسم مفرد جامد حاصلِ مصدر جنسی مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہوتا ہے
یہاں مؤنث کے لیے ہے معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ حالیہ سَلٰمًا اسم مبالغہ بروزنِ کرامًا
مصدر سے مبالغہ میں کیا گیا۔ سلام دو قسم کا ہوتا ہے ۱ بمعنیٰ قولی وہ دعا ہے اور بندوں کے
کلام میں ہوتا ہے ۲ فعلی یہ رب کے قول میں ہوتا ہے خواہ امر کے لیے ہو یا عطا کے لیے یہاں
امر کے لیے ہے یہ معطوف ہے بَرْدًا پر دونوں مل کر خبر ہوئی عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ یہ جار مجرور متعلق ہے
كُوْنِيْ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا ہوا۔ یا ندائیہ سب سے مل کر جملہ

ندائیہ ہوکر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہوگیا۔ واؤ سیر جملہ۔ اَرَادُوْا باب افعال کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے تمام نمرودی لوگ اِس کا مصدر اِرَادٌ اور اِرَادَۃٌ ہے رَیْدٌ یا رَوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دِلی منصوبہ بنانا بِ حرفِ جر بمعنیٰ مع یا بمعنیٰ لام ہِ ضمیر واحد غائب کا مرجع ابراہیم ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے۔ کَیْدًا اسم مصدر یہاں جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ چال بازی دھوکہ فریب چال یہاں بمعنیٰ چال ہے مفعول بہ ہے۔ اَرَادُوْا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ فَ عاطفہ زائدہ ہے یہاں برائے تعقیب ہے۔ جَعَلْنَا باب فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم نا ملِ ضمیر صیغہ مرجع ہے رب تعالیٰ جَعْلٌ سے مشتق بمعنیٰ بنانا کر ڈالنا، جب یہ مصدر متعدی بدو مفعول ہو تو بمعنیٰ بنانا پھیرنا۔ بدلنا ہوتا ہے اور ہر شخص ہر بندہ بھی اس کا فاعل بن سکتا ہے لیکن جب متعدی بیک مفعول ہو تو بمعنیٰ پیدا کرنا ہوتا ہے اور فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہو سکتا ہے ھُمْ ضمیر مفعول بہ اول ہے اَلْاَخْسَرِیْنَ اسم جمع مذکر سالم کثرت اس پر الف لام استغراقی ہے اس کا واحد ہے اَخْسَرُ اسم تفضیل خُسْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھاٹے نقصان والا ہونا۔ ذلیل وشرمندہ وناکام ہونا یہاں ناکام ہونا مراد ہے بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ دوم ہے جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ۔ واؤ سیر جملہ بمعنیٰ ثُمَّ نَجَّیْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم معروف مثبت۔ اس کا مصدر ہے تَنْجِیَۃٌ اور تَنْجِیَۃٌ بمعنیٰ بچانا، نَجْیٌ سے بنا ہے ناقص یائی ہے اس کا فاعل ضمیر متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ہٗ ضمیر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لُوْطًا۔ اسم جامد منصرف مذکر نام حضرت ابراہیم کے بھتیجے اللہ کے نبی کا عَلَیْهِمَا السَّلَام معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے اِلٰى جارہ انتہاء غایت کے لیے الف لام حرفی عہدِ خارجی اَرْض اسم مؤنث لفظی بمعنیٰ علاقہ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول مؤنث کے لیے بٰرَكْنَا۔ بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اس کا مصدر ہے مُبَارَكَۃٌ، بَرُكَ سے بنا ہے بمعنیٰ غائبانہ زیادتی بڑھوتری۔ فضیلت فِیْ جارہ ظرفِ مکانی کے لیے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع اَلْاَرْض ہے۔ لام حرفِ جر نفع کا عٰلَمِیْنَ اسم جمع مذکر سالم معرف باللام ہے اس لیے جمع کثرت ہے بحالتِ کسرہ ہے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے بٰرَكْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ صفت ہوئی ارض کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہوکر متعلق ہے نَجَّیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یَضُرُّكُمْ

أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ محسوس فرمالیا کہ یہ نمرودی کفار میرے پیش کردہ دلائلِ توحید کے سامنے عاجز و لاجواب ہوتے اپنی بت پرستی کو اپنی حماقت جانتے اور اپنے آپ کو ظالم کہنے کے باوجود کچھ دیر بعد پھر اُسی طرح کفر شرک میں مبتلا بُت پرستی میں مشغول ہو کر انتہائی درجہ جہالت سے کہہ رہے ہیں کہ ابراہیم تم جانتے ہو کہ یہ بُت بول نہیں سکتے پھر بھی تم ہم سے کہہ رہے ہو کہ اِن بتوں سے پوچھو تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب بھی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کر رہے ہو اور تم کو یہ سمجھ نہیں کہ جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو ذرہ بھر نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان کر سکتے خواہ کتنی ہی عبادت کرو ساری عمر ان کی پرستش کرتے رہو تم کو ذرہ فائدہ نہیں دے سکتے نہ کسی مصیبت سے بچا سکیں اور اگر نہ کرو بلکہ توڑ پھوڑ دو تب بھی تمہارا نقصان نہیں کر سکتے نہ تم کو سزا دے سکیں نہ تم سے بچ سکیں چاہے تم ان کے منکر ہو جاؤ یا اِن سے غافل ہو جاؤ اتنی بات تم بھی سمجھتے ہو پھر بھی عقل نہیں کرتے تُف ہے تم پر اور تمہارے اِن بتوں جھوٹے معبودوں پر اگر اب بھی عقل سے کام نہ لوگے تو بہت جلدی تم کو اور تمہارے خود ساختہ دستی خداؤں کی ہلاکت ہوگی یہ سب سخت باتیں سن کر نمرود اور اُس کے ساتھی سخت غصے میں آ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ابراہیم کو ایسی سزا دی جائے جو سب سزاؤں سے سخت تر ہو۔ اس میٹنگ میں کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ آخر میں ایک کُردی فارسی عجمی شخص جس کا نام تاریخوں تفسیروں میں ۱۔ صَیُّون ۲۔ یا صَیْنُوب ۳۔ یا ھَدِیر لکھا ہے اُس نے کہا کہ ابراہیم کو آگ میں جلا ڈالو اِس سزا پر سب متفق ہو گئے اور نمرودیوں نے کہا ہاں یہ سزا ٹھیک ہے ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اپنے اِن ٹوٹے پھوٹے معبودوں کی مدد کرو اگر تم ان کی کچھ مدد کرنا چاہتے ہو تو یہ ہی کام کرو بس پھر کیا تھا سب تیار ہو گئے پورے شہر بابل میں اعلان کر دیا گیا کہ بابل کے قریب کُوثیٰ گاؤں میں لکڑیاں جمع کرو اور اپنے بتوں کو خوش کرو۔ یہ اعلان سن کر ہر مرد عورت بچہ جوان بوڑھا بوڑھی تندرست بیمار بڑی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کی لکڑی جمع کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عورتوں نے منتیں مان لیں کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا تو میں ابراہیم کو جلانے کے لیے اتنی لکڑیاں ڈالوں گی۔ بیماروں نے اپنی شفا کی منت مان لی غریب لوگوں نے لکڑیں خریدنے کے لیے خصوصی مزدوریاں کیں اور اپنی اُس مزدوری سے لکڑیاں خرید کر ڈالیں کچھ عورتوں نے چرخہ کات کر دھاگہ

بیچا اور اُس سے لکڑیاں خرید کر ڈالیں۔ غرضکہ نمرود کے اِس اعلان نے مذہبی جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ اور وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ کا نعرہ کام کر گیا۔ اِس کے علاوہ نمرود میں فوج پولیس بھی اس کام پر مامور کر دی گئی یہ لکڑیاں تقریباً چالیس دن تک جمع ہوتی رہیں اور ابراہیم علیہ السّلام کو اس بستی کے جیل کوٹی کے پاس مٹی لکڑی سے ساٹھ گز اونچا ایک کمرہ بنایا اس میں قید کر دیا فوج اور پولیس نے گھوڑوں اونٹوں خچروں گدھوں کے ذریعہ جنگلات سے لکڑیاں لانے کے لیے جمع کیں قدرتِ خداوندی سے گھوڑوں اونٹوں گدھوں نے لادنے سے انکارِ عمل کیا اس طرح کہ جب لادی جائیں تو اچھل طرح اچھل اچھل کر گرا دیتے بہت مار کھا کر بھی راضی نہ ہوتے نہ مانتے مگر خچر نے انکار نہ کیا بلکہ زیادہ لادنے پر بھی راضی رہے گھوڑوں گدھوں پر باندھ کر رکھی گئیں تو چلتے ہی نہ تھے مار کھاتے رہتے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ اُس دن سے گھوڑے کو شاہی اور مجاہد کی سواری بننے کی عزت دی گئی، اونٹ کو ریگستان کا بادشاہ بنا دیا گیا اور براقِ زمینی کا لقب دیا گیا گدھے کو انبیا علیہم السّلام کی سواری کے لیے چنا گیا اور خچر کی اپنی نسل منقطع کر دی گئیں۔ ایک ماہ دس دن تک یہ لکڑیوں کے ڈھیر بنتے رہے ایک میل کے لمبے چوڑے میدان میں ساٹھ گز اونچا لکڑیوں کا ایک پہاڑ لگ گیا جس میں ہر قسم کی لکڑی اور اس پر تقریباً موٹن ہر قسم کا تیل گھی روغن ڈالا گیا اور سات دن تک اس کو ہر طرف سے آگ لگائی گئی اس کی روشنی تین تین میل تک اس قدر کہ عورتیں اُس کی روشنی میں چرخہ کات لیتیں گرمی کی تپش اتنی کہ جو پرندہ بھی اونچا فضا میں اُس کے اوپر سے گزرتا جل بھن کر گر جاتا اُس کے شعلے سو گز تک بلند تھے یہ آگ منگل کے دن لگائی گئی اسی لیے منگل کو خون اور آگ کا دن کہا گیا ہے قتلِ ہابیل اور نارِ نمرود کی وجہ سے۔ اب نمرودی دور کھڑے حیران تھے کہ ابراہیم کو اس میں کس طرح پھینکا جائے تو ابلیس ایک شیخ کی شکل میں آیا اور منجنیق گوپھن، گھمانی، بنانے کی ترکیب بتائی اور اس میں ابراہیم علیہ السّلام کو ڈال کر آگ میں پھینکنے کا طریقہ سکھایا ابلیس سے سیکھ کر اُسی کُردی نے منجنیق بنائی جس نے آگ میں پھینکنے کا مشورہ دیا تھا روایتوں میں آتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اُس کُردی کو زمین نے زندہ نگل لیا اور تا قیامت زمین کے اندرونی لاوے میں وہ جلتا جھلستا تڑپتا رہے گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو زمین و آسمان کے فرشتے بارگاہِ الٰہی میں چیخ پڑے کہ یا مولیٰ تعالیٰ زمین پر اس وقت ایک ہی تیرا بندہ ہے جس کو یہ کافر یہ دشمن آگ میں جلا رہے ہیں اے اللہ گر

یہ بندہ نہ رہا تو زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا اور زمین ذکرِ الٰہی سے خالی رہ کر تباہ و ویران رہ جائے گی اگر اجازت ہو تو ہم اُس کی مدد کریں۔ آواز آئی کہ اگر وہ تم سے مدد مانگے تو ضرور کرو مگر ہم جانتے ہیں وہ تم سے مدد نہیں مانگے گا وہ میرا خلیل ہے میرا اس کے سوا کوئی خلیل نہیں میں اُس کا معبود ہوں میرے سوا اس کا کوئی معبود نہیں تب حضرت ابراہیم کے پاس باری باری فرشتے آئے پہلے بارش کا فرشتہ آیا اور منجنیق میں بندھے پڑے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی اگر حکم ہو تو میں آگ پر اتنی بارش برساؤں کہ آگ بجھ جائے آپ نے فرمایا مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں، پھر ہواؤں کا فرشتہ آیا اور عرض کی اگر حکم ہو تو ایسی ہوا چلاؤں کہ سب آگ بجھ جائے اُڑ جائے آپ نے فرمایا مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں نمرودیوں نے آپ کے ہاتھ پیر باندھ کر آپ کو منجنیق میں رکھا تھا پھر دس آدمیوں نے مل کر منجنیق کو تیزی سے گھمایا اور آگ کی طرف اچھالدیا جیسے کمان سے تیر یا غلیل سے پتھر پھینکا جاتا ہے جب آپ آگ کی طرف اُڑے چلے جا رہے تھے تو راستے میں جبرئیل علیہ السّلام ملے اور عرض کیا کوئی حاجت ہے آپ نے فرمایا مگر تم سے کوئی نہیں جبرئیل آمین نے عرض کی رب تعالیٰ سے کچھ سے تو عرض کیجئے فرمایا اس کا علم میرے ہر حال سے خبردار ہے وہ مجھے کافی ہے اُس کو کچھ کہنے بتانے کی ضرورت نہیں حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ جب حضرت ابراہیم آگ کے قریب ہوئے تو بہت سے ملائکہ نے آپ کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا اور نہایت تکریم و آرام سے آپ کو درمیانِ آگ ایک جگہ بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ٹھنڈے میٹھے پانی کا قدرتی چشمہ نکل آیا اور سرخ گلاب و نرگس کے خوبصورت پھول اُگ آئے۔ جبرئیل جنت سے قالین لے آئے، حکم ربّانی ہوا۔ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ہم نے آگ کو حکم فرمایا اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا تو ابراہیم پر، مفسرین فرماتے ہیں یہاں پانچ باتیں قابلِ غور ہیں ۱ قُلْنَا۔ یعنی ہم نے حکم فرمایا اگر یہ حکم نہ ہوتا تو یقیناً آگ ٹھنڈی نہ ہوتی ۲ یٰنَارُ كُوْنِیْ۔ یہ مطلقاً جنسِ آگ کو حکم تھا جس کی وجہ سے تمام دنیا کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی کہ اُن کی روشنی باقی حرارت ختم ۳ بَرْدًا۔ یعنی ٹھنڈی ہونے کا حکم ہوا روایتوں میں آتا ہے ایک دم برف سے زیادہ ٹھنڈک ہلاک کرنے والے ہو گئی ۴ جب فرمایا وَّ سَلٰمًا تو خوشگوار اور سلامتی والی ٹھنڈک ہو گئی تھی ۵ پھر جب فرمایا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ یعنی

صرف ابراہیم پر بَرْدًا وَّ سَلَامًا ہو جاتی باقی دنیا کی تمام آگیں اپنی اصلیت پر تپش والی ہوگئیں اور یہ نارِ نمرود بھی صرف جسم ابراہیم اور آپ کے لباس پر بَرْدًا وَّ سَلَامًا ہوئی نہ کہ باقی اشیاء پر اسی لیے آپ کا لباس نہ جلا۔ مگر نمرودیوں کی وہ رسی جل گئی جس سے آپ کو باندھا گیا تھا یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (از تفسیر روح البیان مظہری، روح المعانی) چنانچہ جب نمرود اور نمرودیوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم بالکل باخیریت درمیانِ آگ بیٹھے ہیں تب ان کو شک ہوا کہ کہیں یہ آگ جادو کی تو نہیں ہے اس خیال کے آتے ہی انہوں نے نمرود کے حکم سے اسی بوڑھے آدمی کو پکڑ کر پکڑا کر گھمانی کے ذریعے آگ میں پھینکا جس نے پہلے لکڑی کو آگ لگائی تھی وہ تو اُس کے شعلوں سے ہی جل بھن کر گر پڑا مگر آگ ابراہیم علیہ السلام کے کپڑے بھی قطعاً نہ جلا سکی اور جب یہ قریب کھڑا ابوڑھا جس کو آزمائشی طور پر آپ پھینکا گیا تھا جل کر راکھ ہوگیا تو ان کا یہ خیال ختم ہوگیا کہ یہ جادو کی آگ ہے مگر یک دم دوسرا خیال یہ آیا کہ شاید ہم ایسی جگہ گرے ہیں جہاں یا تو لکڑیاں تھیں ہی نہیں یا جل کر ختم ہو کر ٹھنڈی ہوگئیں ہیں اب خالی جگہ ہے تب سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے ابلیس پھر بوڑھے آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر آیا اور کہنے لگا کہ پریشان اور متفکر ہونے کی ضرورت نہیں اسی منجنیق کے ذریعے آگ اسی جگہ پھینکو تب ہر طرف سے آتش بازی کا کھیل شروع ہوا اور تماشائی لوگ ہر طرف سے آگ اُٹھا اُٹھا کر یا نئی لکڑیاں جلا کر اس جگہ پھینکنے لگے جہاں اُن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے نظر آرہے تھے آتش بازی کا شیطانی کھیل اسی وقت سے لوگوں میں شروع ہوا اور ابلیس اس کا موجد ہے خیال رہے کہ ابلیس تین چیزوں کا موجد ہے ۱۔ انسانی تصویر فوٹو اور انسانی شکل کی بت سازی کا ۲۔ منجنیق کا جس کو اردو میں گوپھن پنجابی لغت میں گھمانی کہتے ہیں ۳۔ آتش بازی کا اس وقت حضرت خلیل ابراہیم کی عمر سولہ سال تھی اور نمرود کی عمر چار سو سال تھی یہ شعبان کا مہینہ تھا آپ آگ میں چالیس دن رہے باخیر و سلامتی سے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے جو راحت و سکون اُن چند دنوں میں ملا وہ پہلے کبھی نہ ملا نہ بعد میں اطمینانِ قلبی ہر وقت ملائکہ کی دلجوئی نعمتوں کی کثرت پھولوں کی معطر خوشبو سب سے بڑی نعمت رب تعالیٰ سے گفتگو کا شرف۔ قرآن مجید کے اس فرمان يَا نَارُ كُونِي پر غور و تدبر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ نے یہ اندازِ گلستان خود بخود اختیار نہ کیے تھے بلکہ قُلْنَا کے حکم ربانی سے یہ ہوا تھا کہ آگ کی تاثیر حرارت صرف ابراہیم علیہ السلام پر بدل گئی تھی اور دیگر تمام اشیا کے لیے آگ کی وہی تاثیر رہی یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ پاؤں

کی رسی جل کر گر گئی اور راکھ بن گئی آپ کے کپڑے آگ نہ جلا سکی کیونکہ وہ آپ کے اپنے تھے نمرود کا کافر کے نہ تھے۔ اور اس لیے بھی تا کہ آپ کو ننگا ہونے کی اذیت بھی نہ ہو حضرت جبریل جنتی ریشم کی قمیص لائے وہ بھی بطور تعظیم آپ کو پہنائے جنتی قالین بچھایا گیا اس پر آپ کو بٹھایا یہ سب انعام و عافیت صرف اس لیے ہوا کہ آپ رب تعالیٰ کے خلیل تھے پوری روئے زمین پر اس وقت صرف آپ ہی نبی صاحب تبلیغ اور عابد تھے یہ نارِ نمرود آپ کا پہلا امتحان تھا آپ صبر شکر سے کامیاب ہوئے اور آپ کو بچا لیا گیا اسی لیے جبریل نے عرض کیا اے حضرت ابراہیم رب کریم فرماتا ہے کہ ہمارے محبوبوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی یہ شان ہر مومن کو نصیب نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کا ایمان مثل ابراہیم ہی ہو۔ روایتوں میں آتا ہے کہ زمین و آسمانوں کی تمام مخلوق جمادات حیوانات ملائکہ آگ بجھنے کی دعائیں کرتے تھے ھُدھُد پرندہ اپنی چونچ میں پانی بھر کر لاتا اور دور فضا میں جا کر اوپر سے آگ پر گراتا کہ آگ بجھ جائے مگر گرگٹ خبیث دور بیٹھا ہوا پھونکیں مار رہا تھا تا کہ آگ تیز ہو نہ ھُدھُد کے پانی سے آگ بجھی اور نہ گرگٹ کی پھونکوں سے تیز ہوئی مگر اندرونی قلبی شرافت اور شرارت، محبت اور عداوت طہارت اور خباثت کا پتہ لگ گیا کہ کس کے دل میں نبی کی حمایت ہے اور کس کے دل میں نبی کی مخالفت دونوں کو بدلہ یہ ملا کہ ھُدھُد کو سلیمان علیہ السلام کا وزیر اور تا قیامت پانیوں کا بادشاہ بنا دیا گیا عزت سے قرآن مجید اور سابقہ کتب الٰہیہ میں ذکر آیا تا قیامت اس کے نام کو تلاوت میں شامل کر دیا گیا اور گرگٹ کو یہ سزا ملی کہ جہاں کہیں ملے اس کو جلدی سے مار ڈالو مارنے والے مسلمان کو ثواب ملے یعنی ھُدھُد کا ادب سے نام لینے میں مومن کو نیکیاں اور گرگٹ کو ہلاک کرنے سے نیکیاں ملتی ہیں کہ ایک ضرب سے مارنے میں سو نیکی اور دو ضرب میں مارنے سے پچاس نیکی تین ضرب میں مارنے سے اس سے آدھی یہ قانون تا قیامت ہے۔ چالیس دن بعض کے قول میں دس دن حضرت ابراہیم آگ میں رہے تب ایک دن نمرود نے کسی ٹیلے پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو پکارا کہ اے ابراہیم کیا تم کو آگ میں تکلیف نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا تم کھڑے ہو کر اس آگ کے اندر سے نکل کر باہر آ سکتے ہو آپ نے فرمایا ہاں تو نمرود کہنے لگا تو باہر آ جاؤ آپ اسی آگ پر چلتے ہوئے باہر آ گئے وہ بڑا حیران ہوا اور بولا کہ تمہارا جادو بہت تیز ہے آپ نے فرمایا یہ جادو نہیں میرے رب تعالیٰ کا مجھ پر فضل و کرم ہے پھر نمرود بولا کہ اچھا بتاؤ کہ آگ میں وہ تمہارے ساتھ بالکل تمہاری ہم شکل کون تھا آپ نے فرمایا کہ رب کریم نے ملک الظل کو

میری ہم شکل بنا کر میرے پاس بھیجدیا تھا تاکہ وہ میرا دل لگائے مجھے تنہائی اور غم محسوس نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ نمرود اور نمرودیوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وہ قاتلانہ ظالمانہ مکرو منصوبہ چلا تھا کہ جس کو کوئی مٹا نہ سکتا تھا، بدبختوں خبیثوں کو اسی چیز کا غم تھا کہ ہمارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور لعنت کی پھٹکار پڑی ذلت بے شمار ہوئی وہی اپنے بیگانے دشمن جو پہلے دندناتے پھرتے تھے اب شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتے ہیں فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے ہی ان کے مکرو منصوبوں کو خاک میں ملادیا اور ذلت سے اخسرین کر دیا یہ وہ کارنامۂ قدرت تھا کہ آج بھی عقلا کی عقلیں حیران ہیں تا قیامت دشمنانِ انبیا ذلیل و خوار ہیں کہ جس کو وہ کفار دنیاو ہستی سے مٹانا چاہتے تھے اُن کی نگاہوں کے سامنے ہی اس کو بچالیا اور اُن کے ساتھ لوط علیہ السلام کو بھی اُس بستی سے ہٹا لیا کیونکہ اس علاقے میں ایک قہر و قحط آنے والا تھا اور دونوں پیاروں کو اُس سرزمین میں پناہ عطا فرمائی جس میں ہم نے رزق و نعمت کی بے شمار برکتیں بھر دی تھیں اور آئندہ تمام جہانوں کے لیے دینی نعمتیں بھی بھرنے والے تھے۔ اس طرح کہ زمین والوں کے لیے غذاؤں عمدہ موسموں سرسبز باغوں سے اور آسمانوں والوں کے لیے بعثتِ انبیا شریعتوں کے اجرا کی برکتیں عطا فرمائیں۔ لوط علیہ السّلام ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے تھے صرف یہ ہی اُس وقت آپ کے ساتھی اور خیر خواہ تھے، حضرت ابراہیم کا یہ سفرِ ہجرت اس طرح ہوا کہ بابل علاقۂ دمشق سے حرّان پھر کچھ دن بعد حران سے مصر پھر مصر سے شام پھر فلسطین حضرت ابراہیم تو یہیں ٹھہر گئے مگر حضرت لوط فلسطین میں کچھ عرصہ رہ کر شہر مؤتفکہ میں رہائشی ہو گئے آپ اسی علاقہ کے لیے نبی مبعوث ہوئے تھے حضرتِ تارخ کے تین بیٹے تھے بڑے بیٹے ہاران ان کو تفاسیر میں حارانِ اصغر کہا گیا ہے اس لیے ان کے چچا یعنی تارخ کے چھوٹے بھائی کا نام بھی ہاران تھا فرق کرنے کے لیے ان کو ہارانِ اکبر کہا گیا ہے۔ حارانِ اکبر کی ایک بیٹی کا نام سارا تھا اُن ہی سے ابراہیم علیہ السّلام کا پہلا نکاح ہوا تھا اس طرح حضرت سارا ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد تھیں حارانِ اصغر کے بیٹے لوط علیہ السلام تھے اِس طرح لوط علیہ السّلام ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے ہوئے۔ بعض کم عقلوں نے ہارانِ اصغر اور حارانِ اکبر کا فرق نہ جانا اور سارا کو حضرت ابراہیم کی بھتیجی سمجھ لیا اور حضرت لوط کو اُن کا بھائی کہدیا۔ اور بد بختوں نے یہ مسئلہ بنالیا کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بھتیجی سے شادی کر لی اور پھر خود ہی اندازہ لگا لیا کہ شریعتِ ابراہیم میں بھتیجی سے شادی جائز تھی یہ سب باتیں لغویات اور ناجائز ہیں اور بعض

بعض مفسرین کا اندھا پن خیال ہے کہ جو جو چیزیں شریعتِ اسلام میں حرام ہیں وہ تقریباً ہر شریعت میں حرام ہی نہیں خاص کر شریعتِ ابراہیمی تو شریعتِ اسلامی سے بہت ہی ملتی ہے اس بنا پر مسلمان ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ تارخ کا تیسرا بھائی آذر تھا حضرت تارخ بھی تین بھائی ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تارخ کے دوسرے بیٹے کا نام ناخور تھا۔ اُدھر حضرت تارخ کے والد کا نام بھی ناخور تھا تو یہاں بھی ناخورِ اصغر اور ناخورِ اکبر کہہ کر فرق کیا جاتا ہے یعنی حضرت ابراہیم کے دادا ناخور اکبر اور درمیانی بڑے بھائی ناخورِ اصغر تھے ابراہیم علیہ السلام تارخ کے سب ہی چھوٹے بیٹے تھے حضرت تارخ ولادتِ ابراہیم علیہ السلام سے ایک ماہ پہلے فوت ہو گئے تھے۔ آذر چچا نے آپ کو پرورش کیا اس لیے اَبِیہ کہلایا۔ ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکل کر تقریباً دس دن بابل میں رہے اور آپ اس عرصے میں مکمل آزادی اور دلیری سے گلی بازار میں پھرتے تھے۔ کفار آپ کو دیکھ کر شرمندگی سے سر جھکا لیتے مگر کسی کے نصیب میں ایمان نہ تھا۔ تفسیر خازن میں ہے کہ نجات ابراہیم کو دیکھ کر بہت سے لوگ ایمان لے آئے تھے مگر نمرود کے خوف سے ایمان ظاہر نہ کیا نہ ہجرت کی جرأت کر سکے۔ دس دن بعد وہاں سے اکتا کر حضرت ابراہیم ہجرت کرنے لگے تو آپ نے اپنے ساتھ لوط علیہ السلام اور سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا کیونکہ ظاہر ظہور پوری روئے زمین پر صرف یہ ہی آپ کے دو ساتھی اور حمایتی مومن تھے۔ یہ تینوں بابل عراق سے نکل کر ایک قریبی گاؤں کنعان میں دس سال رہے پھر وہاں سے مستقلاً علاقہ شام کے فلسطینی حصے میں آ بسے جہاں بیت المقدس ہے۔ اِس سرزمین کو برکتوں والی تین وجہ سے فرمایا گیا ۱ وہاں تمام دینی ایمانی سعادتیں ہیں ۲ وہاں تمام قدرتی کمالاتِ دنیوی ہیں ۳ تمام متبرک پانیوں کا سرچشمہ بیت المقدس ہے جو وہیں ہے حدیث پاک میں ہے کہ آبِ زمزم کا خزانہ بھی بیت المقدس میں ہے۔ سعادت دینی یہ کہ تمام انبیاءِ کرام۔ بنی اسرائیل کا مولد و مسکن وہی سرزمین ہے ایمانی یہ کہ وہیں سے تمام شریعتیں نافذ ہوتی رہیں تمام آسمانی صحیفے اور تین آسمانی کتابیں وہیں نازل ہوئیں کمالاتِ دنیوی یہ کہ عمدہ شجر، حطب پھول ثمرات اور خوشبوئیں عطریات وہیں پیدا ہوتی ہیں، ہجرت ابراہیم کے بعد نمرود و اہلِ نمرود و کفار پر ذلتوں کا سلسلہ اس طرح ہوا کہ اَوّلاً تو یہ سب کفار اپنی اس محنت و منصوبے میں ناکام ہوئے اور اپنے بتوں کی مدد نہ کر سکے یہ بھی ایک تاریخی ذلت تھی کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے بلکہ رب کریم سچے معبود کی اس شاہانہ امداد کی اور نجات کی سب پر دھاک بیٹھ گئی تھی دلوں پر رعب طاری تھا ایک دفعہ نمرود نے

بہت ملتجیانہ انداز میں ابراہیم علیہ السّلام سے کہا۔ اے ابراہیم تیرا معبود بہت توقوں والا ہے اگر بس اُس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کردوں تو کیا مجھ پر بھی مہربان ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک تو اُس اللہ پر سچے دل سے ایمان نہ لائے گا اپنے آپ کی سجدہ ریزی اور بُت پرستی نہ چھوڑے گا اس کو تیری کوئی قربانی نہ پسند ہے نہ قبول کیونکہ تو کافر ہے اور کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی وہ بولا میں اپنی سلطنت اور رعایہ چھوڑنے کی ہمت نہیں پاتا اس کے کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیم اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے ہجرت فرما گئے، پھر دوسری ذلت یہ آئی کہ سخت قحط پڑا پھر اُس کے بعد تیسری ذلت یہ ہوئی کہ پوری قوم پر مچھروں کا قہر وعتاب نازل ہوا ان سب سزاؤں کو فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ فرمایا گیا۔ نمرود کی عمر تقریبًا آٹھ سو سال ہوئی ہے آگ کے وقت چار سو سال عمر تھی۔ مچھروں کی یہ سزا ایسی سخت تھی کہ پوری قوم بیمار و محتاج لاغر و ذلیل بدشکل ہو گئی مچھروں نے ان کے اتنے خون پئے کہ گوشت خشک کھالیں سخت ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھسکر دماغ میں چلا گیا اور وہاں ڈنگ مارنا شروع کئے جس کی اذیت برداشت سے باہر تھی جب نمرود اپنے سر پر دو ضرب مارتا تو وہ ڈنگ مارنا چھوڑ دیتا۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہی سمجھ لیا گیا کہ نمرود پر ہر وقت چپت مارے جائیں چپت کے بعد پھر جوتوں کی باری آئی جب تک ہاتھ یا جوتے پڑتے رہتے آرام رہتا جب مارنے والے تھک کر چھوڑ دیتے تب تھوڑی دیر بعد پھر ڈنگ لگنا شروع ہو جاتے نمرود چار سو سال تک اس عذاب و قہر ربّانی کی بیماری میں مبتلا رہا تعجب ہے کہ اُس مچھر کی عمر بھی چار سو سال ہوئی بعض نے کہا کہ مچھر نہیں تھا بلکہ دماغ کے اندر ہی کوئی کیڑا پیدا ہو گیا تھا بہر حال اب نمرود سب سجدے کرانے بھول گیا اب تو اُس کے دربار کے تعظیمی آداب یہی تھے کہ جو آئے پہلے دس جوتے لگائے پھر کوئی ادب بات کرے ایک بار نمرود کے دل میں یہ بات آئی کہ ابراہیم کو تلاش کر کے لاؤ اُس سے دعا کراتے ہیں تلاش کیا گیا تو پتہ لگا کہ ابراہیم علیہ السّلام تو وفات پا گئے ہیں۔ اسی حالت میں نمرود چار سو سال بعد مر گیا نہ کوئی بُت کام آیا نہ دیوی دیوتا۔ لواحقین نے سوچا کہ اگر اسی طرح اس کو دفن کر دیا تو یہ نہ ہو کہ بیماری نکل کر ہم کو چپٹ جائے بعض نے کہا کہ اگر بیماری نہ نکلی تو اس کی روح اسی طرح تڑپتی رہے گی لہٰذا نمرود کی لاش کو جلا دیا گیا تاریخی لحاظ سے سب سے پہلے نمرود کی لاش کو جلایا گیا چونکہ اس نے ہی آگ کا سلسلہ شروع کیا اس لیے سب سے

پہلے اسی کو آگ سے جلایا گیا۔ وہاں سے یہ مذہب مصر میں آیا اور مصر سے ہندوستان میں۔ اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ ھٰذَا الْکُفْرِیَاتِ۔ ہندو بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر لاش جلائی نہ جائے تو روح بے قرار رہتی ہے۔ اور چھوت کا مذہب بھی وہاں سے ہی ہندوؤں میں آیا کہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔ اسلام نے ان سب خیالات کی تردید فرمائی ہے۔ اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱۔ قَالُوْا حَرِّقُوْہُ۔ کے کہنے والے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جلانے کا مشورہ ایک کُردی نے دیا اور سب نے تائید کی دوم یہ کہ خود نمرود بادشاہ نے مشورہ دیا اور سب نے تائید کی نمرود کا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے۔ نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود بن کوس بن حام بن نوح علیہ السلام ۲۔ قیامِ نار کی مدت میں چار قول ہیں ایک یہ کہ حضرت ابراہیم آگ میں سات دن رہے دوم یہ کہ دس دن رہے سوم یہ کہ چالیس دن رہے چہارم یہ کہ پچاس دن رہے زیادہ ترجیح یہ ہے کہ چالیس دن رہے اور یہ بھی آپ کا ایک امتحانی چِلّہ تھا آپ کا دوسرا امتحانی چلہ ذبح اسماعیل کے وقت جو یکم ذیقعدہ سے دس ذی الحج تک تکمیلِ قربانی کی خوابیں پوری کر کے کیا گیا تھا۔ آتشِ نمرود کی لکڑیاں اتنی کثیر تھیں کہ تقریباً تین ماہ تک جلتی رہیں ۳۔ قُلْنَا یٰنَارُ۔ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے خود ہی آگ کو خطاب کر کے یہ حکم فرمایا اور آگ نے یہ حکم سنا سمجھا اور عمل کیا کیونکہ ہر شجر حجر جمادات نار و نور میں اللہ رسول کے حکم سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قول کو ترجیح ہے دوم یہ کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا اس ارادے کو قُلْنَا فرمایا گیا۔ سوم یہ کہ جبریل امین نے آگ کو حکم دیا اور جبریل کے قول کو اللہ تعالیٰ نے اپنا قول فرمایا مگر پہلا قول درست ہے مثنوی میں ہے۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گِل ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل

۴۔ اَخْسَرِیْنَ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جلانے کے منصوبے میں ناکام ہو کر شرمندہ و ذلیل ہوئے دوم یہ کہ اس کے بدلے میں بجز رسوائی اور ذلت کے ان کو کچھ حاصل نہ ہوا قحط جاری مچھروں کا عذاب قہر سے ذلیل ہو کر سب کے سامنے ہلاک ہوتے رہے ۵۔ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ آگ کی روشنی اور دھواں چمک شعلے حرارت تپش جلن سب باقی تھے فقط جسم ابراہیم کے لیے بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ہوئی لباس ابراہیم کو بھی نہ جلا سکی یہ ہی قول درست ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق اور الفاظ و معانی کے مطابق ہے دوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں وہ کیفیت اور قوت پیدا ہو گئی تھی کہ آگ آپ کو جلا نہ سکی تھی جیسے سمندل

کپڑا اور نعامہ پرندہ یا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پر بچھا ہوا دستر خوان، سوم یہ کہ بعض نے کہا ہے کہ آگ اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان رب نے ایک غیبی پردہ بنا دیا تھا جس کی وجہ سے آپ کا لباس نہ جلا مگر یہ قول کمزور ہیں ان پر اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ ابتدائی زمانوں سے ہی انسانی عقل و ذہن دین کے سمجھنے میں انتہائی احمق ثابت ہوئی ہے۔ اگر رب تعالیٰ نبوت کی روشنی نہ بھیجتا تو انسانیت و آدمیت جہالت کی ظلمتوں اندھیروں میں ہی بھٹکتی رہتی یہ فائدہ وانصروا آلہتکم کے قول سے حاصل ہوا۔ کتنی حماقت ہے کہ بندہ اپنے معبود کی مدد کرے اور معبود اتنا بے بس مجبور ہو کہ خود اپنی مدد بھی نہ کر سکے۔ سب گذشتہ اور موجودہ کفار قائل ہیں کہ ما ھؤلاء ینطقون۔ یہ بت بول بھی نہیں سکتے اور تمام کفار ہر زمانے کے یہ بھی سمجھتے جانتے ہیں کہ یہ بت لا ینفعکم۔ ذرہ بھر نفع نہیں دے سکتے۔ ضرب ابراہیمی سے مشاہدہ بھی ہو چکا ہے کہ لا یضرکم کسی اپنے دشمن کا نقصان بھی کر نہیں سکتے نہ سزا دے سکتے ہیں عقل میں یہ بات بھی آ چکی ہے کہ انکم انتم الظلمون بے شک اے بت پرستو اس احمقانہ دین اور بد عقیدگی کی وجہ سے تم تو خود ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہو ان تمام باتوں کے باوجود ثم نکسوا علی رءوسھم بنے پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنے الہوں کی مدد کریں گے اس مظلومیت کی حالت میں ہمارے معبود ہماری مدد کے محتاج ہیں کیسی عقل انسانیت ماری گئی کہ اتنی آسان بات نہ سمجھ سکے کہ بندہ بھلا مولیٰ کی کیا مدد کر سکتا ہے اور وہ معبود ہی کیا جو اپنے بچاؤ کے لیے بندوں کا محتاج ہو اور خود ہر اگوٹکا ہو کر لا ینفع و لا یضر ہو۔ اور کفار جب جھگڑا کرتے ہیں تو نبی کی نبوت ماننے میں ہزار شرطیں لگاتے ہیں کہ نبی ایسا نہیں ہو سکتا ویسا نہیں ہو سکتا۔ دوسرا فائدہ کفار کو کفر سے فساق کو فسق سے بچانے کے لیے مسلمہ اور متفقہ تسلیم شدہ بزرگوں کے حالاتِ زندگی سنانا دینی ایمانی تبلیغ کا ایک اچھا طریقہ ہے ان واقعات کو سنانے کے لیے کتابیں لکھنی محفلیں سجانی مجلسیں لگانی عبادت ہے یہ فائدہ قرآن مجید کے اس طرز بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اہل عرب کو ان کے جدِ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کٹھن امتحانی واقعہ اور آپ کی ایمانی دلیری سنا کر بتایا کہ اے کفارِ عرب جس طرح حضرت ابراہیم کو ان کی قوم نے ستایا ہجرت کرایا مگر اس کے باوجود آخر کار وہی قوم

ذلیل و رسوا ہو کر ہلاک ہوئی اُن کی سلطنت حکومتی طاقت بُت پرستی اُن کے کچھ کام نہ آسکی نہ ذلت سے بچا سکی تو سنلو یہی کافرانہ طریقہ تم لوگوں نے اپنے اِس رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شروع کر رکھا ہے۔ آخر کار تمہارا بھی یہی انجام ہونا ہے اور تمہاری سرداری مغروری دولت تمہارے کچھ کام نہ آ سکے گی۔ اُس زمانے میں خلیل کو وہ عزت ملی تھی اب حبیب کو اُس سے بھی زیادہ عزت ملے گی۔ تیسرا فائدہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا وجود تمام مخلوق کے لیے باعث برکت ہے یہ فائدہ بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعٰلَمِيْنَ میں عالمین فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ عالمین میں تمام آسمانی زمینی عرشی فرشی مخلوق کائنات شامل ہے۔ اور لام نفع کا ہے یعنی تمام مخلوق کو اُس سرزمین ابراہیم سے اور بَارَكْنَا فِيهَا سے نفع ہے اور ظاہراً اگرچہ اس زمین میں حطب و رطب ثمرات و شجرات خوشبو یات آبیات کی کثرت و فراوانی ہے مگر اِن اشیا کا فائدہ تو صرف زمین والوں کو ہے بلکہ صرف انسانوں کو یہ نعمتیں تو زمین کے اور حصوں کو بھی ملیں مثلاً کشمیر پنجاب مگر ان کے لیے بَارَكْنَا فِيهَا نہ فرمایا گیا ماننا پڑے گا کہ اس سرزمین شام و فلسطین کو بعثت انبیا علیہم السلام اور مولد و مدفن انبیاء کا شرف حاصل ہوا ہے اس لیے بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعٰلَمِيْنَ کا لقب ملا انبیا علیہم السّلام کا وجود ہی عالمین کے لیے برکت ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

احکام القرآن اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** شیطان ابلیس سے بچنا ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے یہ ملعون ہر ایک کے پاس مفت اور بن بلائے مشورے دینے کے لیے ہر شکل میں آجاتا ہے۔ کبھی شیخ نجدی بن کر کبھی شیخ نجدی بن کر کبھی گمراہ گر پیر کی شکل میں کبھی جاہل خطیب کی شکل میں زمانہ نوح سے لے کر آج تک ابلیس کی تخریب کاری وسوسہ سازی حق سے بغاوت جاری ہے یہ مسئلہ قَالُوا حَرِّقُوْهُ دالخ) کی تفسیر و ضاحت سے مستنبط ہوا کہ ابلیس نے ہی شیخ عجمی بن کر منجنیق بنانے اور بعدہ آتش بازی کرنے کا طریقہ بتایا تھا ابتداً منجنیق اور کمند رسی میں لکڑی باندھ کر گھمائی جاتی تھی زیادہ آدمی مل کر گھماتے اور بڑی سے بڑی چیز یا آدمی کو ڈال کر دور پھینکنے کے لیے استعمال ہوتی تھی پھر یہ جنگوں میں استعمال ہوئی قلعوں پر پتھر پھینکنے کے لیے اس کے بعد کمان اور غلیل بھی ایجاد ہوئی داؤد علیہ السّلام نے کافر

بادشاہ جالوت کو چھوٹی منجنیق میں ہی پتھر رکھ کر مارا تھا۔ قوم نوح کو ابلیس نے شیخ رئیس بن کر فوٹو گرافی کا طریقہ سکھایا پھر شیخ نجدی بن کر ابو جہل کو بھڑکایا اور اب پیروں خطیبوں اور گمراہ لوگوں کی سرپرستی کر رہا ہے کسی پیر کو اپنی سجدہ تعظیمی کے چکر میں پھنسا یا خطیبوں کو فوٹو سازی میں اماموں کو کالے خضابوں میں۔ قوم کے رہبروں راہنماؤں کو داڑھیاں چھوٹی کرانے ننگے سر نماز کے جواز کے فیشنوں میں ورغلاتا چلا جا رہا ہے خیال رہے کہ ابلیسی ہمشکلی کی علامت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شکل وصورت لباس میں آکر اس راستے کے خلاف چلانے کی کوشش کرے جو راستہ حدیث وقرآن کا بیان کردہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ عمل وقول کے مطابق ہو۔ یا حدیث وآیت کا ایسا مطلب بیان کرے جو منشاءِ باری تعالیٰ اور کلام کے سیاق و سباق۔ اور لغت ونحو علم عمل کے مخالف وجہالت ہو تو سمجھ لو کہ یہ شخص انسانی شکل میں شیطان ہے یہ دنیا اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جانے اور از سر تا پا اتباع نبوت کے لیے ملی ہے مگر ابلیس چاہتا ہے کہ انسان میری اتباع میں رہیں اسی لیے شکلیں بدل کر ورغلاتا ہے مگر مسلمانوں کو اس کی ان چالوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے فی زمانہ کچھ لوگ پیر بن کر فوٹو تصویر کو جائز کر رہے ہیں کچھ سیاہ خضاب کو کچھ عورتوں کی بے پردگی کو کچھ جہلا داڑھی کی حد شرعی کی توہین کرنے کے لیے پیچھے لگے ہیں کچھ کہتے ہیں کہ نبی کریم کے صرف اقوال کو ماننا ضروری ہے عمل پاک کی اتباع ضروری نہیں۔ کوئی لکھتا ہے کہ انبیا بھی جھوٹ بول سکتے ہیں کوئی یہ بھی بکتا پھر رہا ہے کہ ذَنۡبَكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو نبی کریم نے کئے (معاذ اللہ) یہ سب لوگ شکلِ انسانی میں شیطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خبیثوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ دینی معاملات میں کسی بھی مسلمان کو کسی لومۃ لائم۔ قوتِ قائم اور حماقتِ ہمائم سے نہیں ڈرنا چاہیے یہ مسئلہ قَالَ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ کے کلامِ دلیرانہ سے مستنبط ہوا ہمارے اسلاف کا یہی طریقہ ایمانی چلا آرہا ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے دینی معاملات بیان کرتے ہیں نہ حکومت کی پرواہ کی نہ قومیت کی نہ رشتے داری کی بالکل اسی طرح امام عالی مقام نے یزید پلید بے دین کے مقابل میدانِ کربلا میں اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی نے دربارِ خلیفہ منصور عباسی میں۔ امام احمد بن حنبل نے دربارِ مامونی میں اسی طرح باشجاعت مظاہرہ فرمایا کہ نا رنمرود کاغ کربلا قید شاہی سزاءِ حکمرانہ ظالمانہ قبول کرلی مگر آوازِ حق میں کمزوری نہ آنے دی۔ تیسرا مسئلہ

برائی بدمعاشی فحاشی میں مشہور لوگوں کی بدگری برائی کو مشہور کرنا تاکہ لوگ اس سے بچیں شرعاً جائز ہے غیبت اور گناہ نہیں۔ یہ مسئلہ۔ مَاذَا يَنْفَعُكُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ دیکھو حضرت ابراہیم نے قوم کے سامنے نمرود اور ان کے بتوں کی برملا برائی بیان فرمائی مگر قرآنِ کریم نے اس بیان کرنے کو غیبت اور گناہ نہ فرمایا۔ یہ مسئلہ شریعتِ اسلام میں بھی تا قیامت جاری و جائز ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا نہ مانگی حالانکہ جبرئیل امین نے کہا بھی جب کہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنا بہت بڑی عبادت ہے قرآن مجید میں دعا نہ مانگنے والوں کو متکبر کہا گیا ہے اور حدیث پاک میں دعا کو مُخُّ العبادت فرمایا گیا ہے تو اتنی عظیم عبادت کو ابراہیم علیہ السلام کے چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ **جواب** دراصل انسانی زندگی اس دنیا میں منجانب اللہ چار حصوں میں تقسیم ہے ۱ ابتلائی زندگی ۲ امتحانی زندگی ۳ وبائی زندگی ۴ شفائی زندگی۔ جب زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان آجائے تو اس کے دفعیہ اور رفع ہونے کے لیے دعا مانگنی منع ہے امتحان میں ثابت قدم رہنا کامیابی کی دلیل ہے اور اس میں بڑی بہت قوتِ ارادی کی ضرورت اور یہ قوت صرف انبیاء کو حاصل ہے اس لیے صرف انبیاء علیہم السلام کا ہی امتحان ہوتا ہے اور وہی جانتے ہیں کہ کونسی مصیبت امتحان ہے کون سی بلا ہے۔ کونسی وبا ہے۔ ابتلا کی مصیبت میں بندے کا درست رہنا کامیابی ہے اس لیے درست رہنا ضروری ہے ابتلاءِ ربانی میں ابتلا کی دوری اور رفع ہونے کی دعا مانگنا مفید نہیں کیونکہ ابتلا تو ہوتا ہی ہے۔ وبا کی مصیبت میں صبر ضروری ہے مگر وبا کے خاتمے کی دعا مانگنا جائز ہے بلا اور وبا ہر مسلمان کا ہوتا ہے اور شفا کی زندگی یعنی صحت تندرستی کی زندگی میں شکرِ الٰہی کرنا واجب ہوتا ہے۔ نارِ نمرود امتحانِ ابراہیم علیہ السلام تھا۔ میدانِ کربلا ابتلا تھا اور مصائبِ ایوب علیہ السلام وبا تھا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کے کہنے کے باوجود دعا نہ مانگی بلکہ جبرئیل امین کا یہ کہنا بھی آزمائش تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس میں کمال کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح میدانِ کربلا میں امام عالی مقام حسین پاک کی ثابت قدمی انتہاءِ صبر تھی جو بے مثل ہے۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ نمرود اور نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنے کے لیے آگ میں جلا ڈالنے کی سزا تجویز کی حالانکہ ختم کرنے کے لیے اور بھی بہت سے طریقے تھے

غلط اس لیے کہ انبیاء اور غیر انبیاء میں کچھ فرق نہ جانا اور نار کے گلزار بننے کو خلیل اللہ کی نبوت کا معجزہ نہ ماننا کجی ظاہر کرنا اس لیے کہ گویا ڈاکٹر اقبال کے نزدیک کسی نبی کا ایمان بھی ابراہیم کے ایمان جیسا کامل نہیں ہے۔ حالانکہ تمام انبیاء کا ایمان کامل اکمل اور برابر و ہم شکل ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کے تخیلات اکثر اشعار میں اسی طرح غلط ہوتے ہیں۔ جیسا کہ معراج کے بارے میں بھی اسی طرح ان کو غلط سبق ملا ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ۔ یہ آگ کو خطاب ہے حالانکہ آگ جمادات میں سے ہے اور جمادات کو خطاب کرنا تو عبث ہے کیونکہ جمادات نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں یہ بات خود قرآنِ مجید سے ثابت ہے بہت سی آیات میں بتوں کی برائی کرتے ہوئے یہی فرمایا گیا ہے کہ یہ بت جن کی تم اے کافرو پرستش کرتے ہو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں تو پھر یہاں آگ کو کیوں خطاب کیا گیا منکرینِ قرآن یا اس کو تضاد بیانی کہیں گے یا پھر سب جمادات کے خطابات کو بیکار کہیں گے۔ ہر کیف دونوں صورتوں میں قرآنِ مجید پر اعتراض ہوتا ہے۔ **جواب** اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں (۱) امام ابوبکر رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب تین قسم کا ہوتا ہے (۱) خطابِ تکوینی (۲) خطابِ تحویلی (۳) خطابِ تکلم۔ پہلے دو کو مجازاً خطاب کہا جاتا ہے۔ مثلاً معدوم شی کو کہنا کہ ہو جا۔ یہ خطاب تکوینی ہے اس میں مخاطَب کا بولنا سننا تو درکنار موجود ہونا ہی ضروری نہیں ہے۔ اور کسی موجود شی پر اپنا حکم جاری کرتے ہوئے اس کی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کو خطاب کرنا یہ خطاب تحویلی ہے اس میں اُس شی کا صرف موجود ہونا ضروری ہے مخاطب کی بات کو سننا سمجھنا ضروری نہیں جمادات سے خطاباتِ الٰہی اسی قسم کے ہوتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے اُس چیز پر یہ حکمِ الٰہی جاری ہو گیا اور اُس نے یہ حکم اپنے پر بلا ارادہ لے لیا وہ لینے پر مجبور و مقہور ہے۔ لیکن خطابِ تکلم میں مخاطَب چیز میں موجودگی بھی ضروری عقل فہم فکر تکلم ہونا بھی ضروری ہے اس کو خطابِ حقیقی کہتے ہیں یہ خطاب صرف جاندار اشیاء سے ہو سکتا ہے لہٰذا کُنْ فَیَکُوْنُ کا خطاب تکوینی ہے یٰنَارُ کُوْنِیْ کا خطاب تحویلی ہے مگر میرے نزدیک یہ جواب کمزور ہے۔ صحیح اور مضبوط جواب یہ ہے کہ اشیاءِ عالم عام انسانی علوم و عقلیات کے اعتبار سے تو بہت سی قسموں میں منقسم ہیں کہ ان سے خطاب کرو ان سے نہ کرو یہ جمادات ہیں یہ نباتات یہ حیوانات مگر اصل اللہ کی قوتِ علمیہ اور مشاہداتِ سمعیہ و تجرباتِ عملیہ میں تمام جمادات نباتات شجرات حجرات میں بھی قوتِ نطق و سماعت موجود ہے۔ چنانچہ ایک

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مکہ مکرمہ کا ایک پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بچپن شریف میں آپ کو آتے جاتے سلام کیا کرتا تھا جس کی خبر خود آقاء دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ صحابہ کرام کو دی کہ یہاں ایک پتھر ہوتا تھا جو ہم کو سلام کرتا تھا باب المعجزات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک درخت کو بلایا تو دوڑتا ہوا چلا آیا پختہ پکتے چاولوں کی تسبیح تو خود صحابہ کرام نے اپنے کانوں سنی۔ ذکر خیر کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی معجزۂ درخت سناتے ہوئے ویسے ہی تمثیلاً ایک درخت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہوگا کہ آ جا۔ وہاں موجود مریدین نے دیکھا کہ حضرت سائیں صاحب کے اشارہ کرتے ہی وہ قریبی درخت بھی دوڑتا ہوا چلا آیا جس کی طرف محض تمثیلاً سائیں صاحب نے اشارہ فرمایا تھا مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گل ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل

یہ انبیاء و اولیاء کی شانِ کیفیت ہے تو بارگاہِ کبریائی میں کون جمادات رہ سکتا ہے وہاں تو سب کے کان حکمِ ربانی پہ ہمہ وقت لگے ہوئے ہیں۔ بے عقل بے گوش بے ہوش جمادات حجرات ہونا تو ہم عوام کے ہے۔ رہا بتوں کو جمادات فرمانا نہ سننے نہ بولنے والا۔ لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ فرمانا عوام و کفار کے اعتبار سے ہے ان کی کمزوری بے قوتی اور بے فائدہ فرما دیکا رعبادت اور فضول آس لگانے سے منع کرنے کے لیے ہے۔ کفار یا عوام کا کسی جمادات کو پکارنا واقعی حماقت ہی ہے چوتھا اعتراض اسرائیلی تاریخوں اور اصلاحی تفسیروں روایتوں میں لکھا ہے کہ نارِ نمرود جلانے کا مشورہ ایک عجمی کُردی نے دیا اور ایک قول کے مطابق سب سے پہلے آگ بھی اسی کردی نے لگائی منجنیق بنائی۔ اور تمام جانوروں میں صرف گرگٹ پھونکیں مارتا تھا تاکہ آگ تیز ہو وہ کردی بھی مرکر فنا ہوگیا اور وہ گرگٹ بھی مرگیا اب نہ وہ کردی رہا نہ گرگٹ تو کیا وجہ ہے کہ حدیث پاک کے ارشاد میں تاقیامت گرگٹ کے لیے سزا مقرر ہوگئی کہ اس کو مارنا ثواب ہے مگر ہر کردی کے لیے نہیں اگر باعتبارِ جرم دیکھا جائے تو جیسے فقط اسی ایک کردی کا جرم تھا تو اس طرح فقط ایک گرگٹ کا ہی جرم تھا نہ کہ تاقیامت سب کا اور اگر کہا جائے کہ یہ جرم تاقیامت جاری رہے گا تو پھر کردی انسانوں کو بھی تاقیامت کچھ سزا ہونی

چاہیئے صرف گرگٹ کو سزا ملتی رہنا تو انصاف کے خلاف ہے۔ جواب۔ چار چیزیں وہ ہیں جو انسانوں اور جانوروں میں مشترک ہیں یعنی دونوں میں پائی جاتی ہیں مگر اس کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں ۱ محبت ۲ نفرت ۳ غصہ ۴ ایذا رسانی، انسانوں میں یہ چاروں چیزیں غیر فطری ہوتی ہیں بجز ماں کی ممتا کے یعنی والدہ اپنی اولاد سے محبت صرف یہ ممتا ہی انسانوں میں فطری چیز ہے۔ مگر تمام حیوانات میں چاروں چیزیں فطری جبلی (پیدائشی نسلی) ہیں، غیر فطری چیز عارضی ہوتی ہے اور فطری چیز دائمی ہوتی ہے دوسرا فرق یہ کہ فطری چیز جنسی ہوتی کہ پورے جہان کے ہر فرد میں وہ پائی جاتی لیکن غیر فطری عادت اور چیز شخصی اور انفرادی ہوتی ہے چونکہ یہ چاروں چیزیں حیوانات میں فطری ہیں اس لیے جنسی ہیں اور جو چیز جنس میں شامل ہو وہ اجتماعی اور ابدی ہوتی ہیں مثلاً انسان کی نفرت، محبت، غصہ اور ایذا رسانی فطری نہیں اس لیے ان کی جنس میں یہ شامل نہیں یہی وجہ ہے کہ انسانی نفرت محبت غصہ ایذا کے کچھ اسباب ہیں جو دنیوی زندگی میں عارضی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اسباب و وجوہ۔ مذہب یا سیاست یا حماقت یا تکبر یا قومیت یا وطنیت یا رشتے داری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جانوروں میں محبت نفرت غصہ بزدلی، دلیری، ایذا رسانی فطری چیز ہے مذہب یا قومیت سیاست رشتے داری یا وطنیت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خصائل ان کی جنس میں داخل و شامل ہیں۔ مثلاً کتا کسی ملک کسی زمانے کا ہو فطرتاً مالک سے محبت کرنے والا غیر سے نفرت کرنیوالا ہے چوہا ہر دور ہر علاقہ میں موذی ہے کوا ہر زمانے میں ہر علاقہ کا ہشیار لومڑی ہر زمانے ہر علاقے کی عیار ہے جب یہ قاعدہ کلیہ حقیقیہ سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ گرگٹ فطرتاً جنساً فاسق موذی اور نبی سے نبوت سے دشمنی رکھنے والا ہے یعنی مذہباً وہابی نہیں بلکہ فطرتاً وہابی ہے اس لیے اس کو سزا بھی جنساً ہوگی نہ کہ فرداً۔ مگر گرد انسان ہے اس کی کسی سے نفرت مخالفت دشمنی جنساً نہ تھی بلکہ اس کے کفر بے دینی کی وجہ سے تھی اگر وہ مومن ہوتا یا ہوجاتا تو اس کو ایسا مشورہ دینے کی ہمت نہ ہوتی نہ وہ دیتا اور اگر بعد میں بھی اپنی زندگی کے اندر مومن و تائب بن جاتا تو یقیناً سزاء ابدی سے معافی مل جاتی اسی انفرادیت کی وجہ سے دوسرے کردوں کو اس سزا میں شامل نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر ہاں البتہ بعد کے کفار اس کرد کے اس مشورے کو اچھا کہنے والے اسی طرح بد بخت ضرور ہوں گے

اور ان کو حکم حُرِّقُوہُ ابراہیم اور حاجتی نارِ نمرود ضرور کہا جائے گا جیسے کہ رب تعالیٰ نے قاتلین انبیاء یہود یوں کو اچھا کہنے والے بہت۔ بعد کے یہودیوں کو بھی قاتلین انبیاء میں شمار فرمایا اور لِمَ تَقْتُلُوْنَ (الخ) سے مخاطب کیا مگر سزا ان کی شل نہ دی گئی اور جیسا کہ یزید پلید کی حمایت کرنیوالے دیوبندی بھی یزید کی طرح شرعاً بے دین ہے۔ اسی بنا پر گرگٹ کی عداوت ابراہیم اس کے مذہب یاسیاست یا قومیت وطنیت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ جنس جبلت فطرت کی وجہ سے تھی جب جنس ایک تو فطرت ایک لہٰذا سزا بھی تاقیامت سب کو ایک۔ اگر چوہا نقصان کرے تو سب کو زہر ڈالا جاتا ہے یہ بے انصافی نہیں ہوتی تو پھر فرمانِ حدیث بھی بے انصافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ۔ قلبِ مزکی نے فرمایا اے دنیوی ضد نکبر کے پجاریو کیا تم اب بھی دینِ انوارِ عرفانی کے مقابل اب بھی ان بیہودہ رسوماتِ فانی کی تعظیم کرتے ہو ان کو بڑا سہارا سمجھتے ہو جو آخرت کے کسی مرحلے میں نہ تمہارا کچھ نفع کر سکتی ہیں۔ نہ ترک لذات پر تمہارا کچھ نقصان کیونکہ نافع اور ضار ھادی و مضل تو صرف خالق اجسام ہے نہ کہ اس کا غیر اے بندہ نہ بننے والو اُلٹی عقلوں والو پس اب تمہارے وجودِ بے سود کے لیے بیکسی کی تباہی ہے اور تمہاری ان ساری عاداتِ خبیثہ و رسوماتِ رذیلہ کے وجود کو بھی اور ہر مَا تَعْبُدُوْا اللہ غیر اللہ عدو اللہ کے وجود کو بھی اُف ہے تم پر کیا اب بھی گوشِ ہوش کو نہ کھولو گے اور نفسِ مدہوش عقلِ بے ہوش سے نہ چھوٹو گے نہ سمجھو گے نہ سنبھلو گے۔ کب جانو گے کہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس تقریرِ خوشگوار تبلیغ آشکار باطنی اسرار کو سن کر بھی معاندینِ فطرت مخالفین نصرت نے پکارا کہ پھینک دو اس کو نارِ عشق میں جلتا رہے اور بھڑکاؤ اس قلبِ مصلح پر ہر طرف سے آگ کو پہلے سے بھی زیادہ ڈال دو اس میں اس کے حقائق کی لکڑیاں و معارف کے جلتے تیل یہی اس نارِ عشق کا ایندھن ہے بہت دعوے کرتا پھرتا ہے یہ مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے دیکھنے کے اب دیکھ لے یہ اس نارِ عشق میں اپنے پر تجلیاتِ جمال و جلال کو انوارِ صفات سے بھڑکتے شعلوں کو اسرارِ اسمائیہ کی حرارتوں میں تمہاری آنکھوں کے پردوں کے پیچھے یہی ہم نمرودانِ مجاز کا مقصود ہے اس آگ کے ظہور سے اور یہی ہمارے معبودان خواہشات کی مدد ہے

لہذا اے باطل توڑو۔ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ مدد کرو بچاؤ اپنی لذاتِ دنیوی کے معبودوں کو شہواتِ معشوق کو اگر تم حصولِ دنیا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ نارِ فساد برپا کرنا ہی مددِ باطل ہے جتنی ہمت ہو سکے حق و صحیح کی مخالفت کرو اس کے خلاف سب کو ورغلاؤ بھڑکاؤ اکساؤ حق کو مٹاؤ صحیح کو ستاؤ (محی الدین ابن عربی) تفسیر روح البیان نے فرمایا ہے کہ بتوں سے مدد مانگنا ایسا ہی ہے جیسے قیدی قیدی سے رہائی مانگے اکابر صوفیا نے فرمایا کہ وہ دوا سے مانگنا حماقت ہے۔ اور اِنِّیْ رَبُّكُمْ کا دعویٰ اور وعدہ بجز پروردگارِ عالم کسی کا نہیں اسی لیے اسی کی عبادت حق ہے ہر ماسوا اللہ عبث اور لہو و لعب ہے یعنی وجود میں عبث عمل میں لہو اور قول میں لعب ہے اور عَبَث و لَهْو و لَعِب سے تعلق جوڑنا اُف اور تُف اور ہلاکت ہے (حکایت) خواجہ حسن بصری کے مرید حبیب عجمی کی بیوی نے اپنے خاوند سے شکایت و مطالبہ کیا کہ جاؤ کسی کی مزدوری کرو اور اس کی اجرت سے کچھ آٹا سالن لاؤ گھر میں فاقے ہو رہے ہیں حبیب عجمی باہر نکل گئے اور کسی مسجد میں جا کر عبادت کرنے میں مشغول ہو گئے اور رات تک عبادت کرتے رہے پھر رات کو اسی وقت گھر آئے جب مزدور آتے ہیں حالانکہ آپ کے پاس کچھ نہ تھا جب بیوی نے پوچھا کہ لائے کچھ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک عظیم کریم کے گھر مزدوری کی مگر اس سے کچھ مانگتے ہوئے مجھ کو شرم آئی۔ اسی طرح تین دن ہوتا رہا چوتھے دن بیوی نے کہا کہ یا تو تم اس عظیم کریم سے اجرت طلب کرو یا کسی اور کا کام کرو یا پھر مجھے طلاق دیدو آپ صبح سے شام تک پھر نکل گئے اور عبادت کرتے رہے جب چوتھی رات کو گھر آئے تو دیکھا کہ گھر کھانوں اور نعمتوں سے بھرا ہوا ہے آپ نے بیوی سے پوچھا یہ کہاں سے آئے ہیں بیوی نے کہا جس کریم کے گھر تم تین دن کام کرتے رہے اس نے یہ کھانے اور سونے سے بھری ایک تھیلی بھجوائی ہے اور لانے والے نے ہی بتایا کہ اس کام والے نے بھجوائے ہیں، حبیب عجمی رو پڑے اور فرمایا کہ میں نے ان سب دنوں میں مسجد کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے یہ سب کچھ اسی کی بارگاہ سے آیا ہے جب بیوی نے یہ بات سنی تو اپنی پچھلی بات سے توبہ کی اور آئندہ گلہ نہ کرنے کی قسم کھائی اور خود بھی اس کریم کے دروازے پر صبر و شکر کے سجدے میں گر گئی۔ اس حکایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) دعا سے اتنا نہیں ملتا جتنا یادِ الٰہی و ذکرِ مصطفائی سے ملتا ہے (۲) صبر کے ذریعہ ہی بندہ فتح و کامیابیٔ منزل تک پہنچ سکتا ہے

ص۳ جب کسی کو بھی معرفت کا عطیہ ملے تو اُس کو سچی توبہ کرنی چاہیئے سچی توبہ کے تین جز ہیں پہلا جز توکل دوم قناعت سوم عبادت پر لزوم و پابندی ، کامل عبادت کا نقشہ دو چیزیں ہیں ۱۔ اطاعتِ الٰہی ۲۔ اتباعِ مصطفائی۔ جو شخص برہان و معرفت کے بعد بھی حق سے اعراض کرے اُس نے اپنے سے خیانت کی اور حق کی اہانت کی جیسا کہ قومِ نمرود نے حق و صداقت کو جاننے کے بعد بھی ثُمَّ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفر پر اصرار و عبادتِ اَحجار کیا تو ہلاکتِ بعُوضِ صغار پائی دنیا تو نافرمانوں کے لیے رب تعالیٰ کا قہرخانہ ہے اے بندے اگر تو قہر کرے گا تو قہر ہی دیکھے گا۔ قہر کی تلوار تو بحر و بر میں ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ جس مخلص کو قربِ خاص میں بلانا چاہتا ہے اُس کا فدیہ بنا تا ہے یہ امتحانِ نارِ نمرود فدیۂ خلّت تھا ، اور بڑا امتحان راستے میں جبرئیل و ملائکہ کے سوالات تھے ابراہیم علیہ السلام نے سب میں کامیابی حاصل کر کے چادرِ خلیلی کو غشِ بشری سے بچا لیا لہٰذا انعام یہ ملا کہ، قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ہم نے نارِ عشقِ حقیقی کو حکم دیا کہ سراپا جزِ ابراہیم محبت پر اپنی حرارت و حراقت کو ختم کر کے بَرْدًا وَّسَلٰمًا کی بقاءِ دائمی کی ٹھنڈک اور وصلِ ذات کی سلامتی والی ہو جا کیونکہ لذتِ وصول کی ٹھنڈک روحِ کامل کو مفید ہوتی ہے اور حادثاتِ ناگہانی کے نقصانات سے سلامتی مفیدِ قلب و قالب ہے۔ آفت یا امکانِ فنا نارِ عشق کی خاصیت ہے اعداءِ ناسوتی نے احراقِ فنائیت کا بڑا جال بچھایا تھا تو ہم نے ہی کُمَا لاَ قُلنَا نَارُ تَباً تینوں طرح اہلِ ناسوت کو ناکام کر دیا اور قلبِ مرید کو بچا لیا ابراہیم باطن کی نارِ عشق کو گلزارِ وصل بنا دیا اسی لیے ابراہیم خلیل نے فرمایا تھا کہ جو لذت و نعمت راحت و اُلفت آگ میں رہنے والے دنوں میں حاصل ہوئی وہ کبھی نہ آئی اور بچا لیا ہم نے قلبِ عاشق کو بھی اور اُس کے ساتھ ہی لوطِ عرفانی کی عقل کو بھی گہوارۂ فنا سے وادیِ بقا کی جانب وجودِ حقانی دے کر طبیعۂ عملیہ صالحہ کی اس سرزمین احکامِ الٰہیہ فرمانِ نبویہ کی طرف جس کو حکم ہم نے کمالاتِ عقلیہ ثمراتِ فکریہ آدابِ جسدیہ اخوۂ حسنیہ طرقِ مفیدہ شرائعِ نافذہ ملکاتِ فاضلہ کی نعمتوں کی برکت و کثرت عطا فرمائی معرفتِ ایمان و عقیدۂ ایقان کے تمام جہانوں کے لیے تاکہ تربیتِ رسول سے ہدایتِ وصول کے فیضِ قبول کی راہِ ہجرت پائیں اور استعدادِ خیر حاصل کرتے رہیں صوفیاء

فرماتے ہیں کہ جسم مومن میں قلب عرفانی ابراہیم عشق ہے اور قلبِ مطیع لوطِ برکات ہے تقویٰ اُس کی ہجرت ہے ہجرت اُس کی نصرت ہے طہارت اُس کی نعمت ہے نارِ اعداءِ غرور اُس کی خلوت ارضِ بارکنا اس کی جائے ہجرت ہے جو مومن ہیں اور جن کا توکل قائم ہے ان کا کمال یہ ہے کہ اُن کا توکل اُن کے قلب کے دروازے کو کھٹکھٹاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خوش بخت لوگ توکل علی اللہ کو مستقل طور پر اختیار کر لیتے ہیں۔ مردِ مومن عطاءِ فیوضات سے کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ چوکھٹِ کبریا پر ہمیشہ یہی دعا عرض کرتا رہتا ہے ہَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۔ اے رب مجھے اور برکتیں عطا فرما۔ اہلُ اللہ کو اگر روحانیتِ عیسٰی کلیمیتِ موسٰی اور خلّتِ ابراہیم علیہم السّلام کے آستانوں سے بھی فیضِ برکات کا کچھ حصہ مرحمت ہو جائے تب بھی وہ دستِ طلب اور کاسۂ گدائی آستانۂ کبریائی پر بلند ہی رکھیں عقل مند بندہ کثرت کا طالب نہیں ہوتا برکت کا طالب ہوتا ہے۔ کیونکہ فیضِ الٰہی برکت میں ہے نہ کہ کثرت میں اور اللہ تعالیٰ کے فیض کی انتہا نہیں ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ صفاتِ نبوت مخصوص ہوتے ہیں اجسامِ انبیاء میں کسی غیر کو حاصل نہیں ہو سکتے اس لیے اِس کی دعا مانگنا گناہ ہے لہٰذا بندے کو چاہیئے قوتِ روحانی کے فیض کو آستانۂ انبیاء علیہم السّلام سے طلب کرتا رہے یہ طلب ہی فیضِ ربانی کا راستہ ہے۔ دنیا میں قناعت کرنی اچھی ہے مگر دین میں اپنے موجودہ حال پر قناعت نہ کرنی چاہیئے بلکہ مزید کی طلب کرتا رہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ

اور بخشا ہم نے ان کو اسحاق پھر یعقوب بن مانگے ۔ اور

اور ہم نے اُسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب پوتا ۔ اور

كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً

ان تمام کو بنایا ہم نے بہت اچھے کام کرنے والا ۔ اور بنایا ہم نے ان سب کو بڑے امام کہ

ہم نے اُن سب کو اپنے خاص قرب کا سزاوار کیا ۔ اور ہم نے اُنہیں امام کیا

يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ

ہدایت دیتے رہیں ہماری شریعت کی اور وہ شریعت وحی کی ہم نے اُن کو

کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے

الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ

سب کی طرف نیکیاں کرنے اور نماز قائم رکھنے اور مالی صدقات دینے کی

کام کرنے اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اور تھے وہ ہمارے لیے بہت عبادت کرنے والے۔ اور لوط کو ان کو بھی ہم نے نبوت

اور وہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکومت

وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ

اور بڑا علم دیا اور بچایا ہم نے ان کو ایسی بستی سے جو بہت سارے خباثت

اور علم دیا اور اُسے اُس بستی سے نجات بخشی جو

تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

کے عمل کرتی تھی۔ اس لیے کہ بے شک وہ سب ہی بدعقیدہ نافرمانی کی

گندے کام کرتی تھی بے شک وہ بُرے لوگ

فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾

حالت والے لوگ تھے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کے امتحانات اور آزمائشوں اور موذیوں کی ایذاؤں کا ذکر اور ان سے بچا لئے جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں امتحان میں کامیابی کے بعد انعامات ملنے کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت ابراہیم اپنی کافر قوم کو کس طرح سے تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اب ان آیت میں حضرت ابراہیم کی اس شریعت اور قانون الٰہیہ کا ذکر ہے جس کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں منکروں کو تبلیغ کا ذکر ہوا اب ان آیت میں اہل ایمان اور گھر والوں کو تبلیغ فرمانے کا ذکر ہوا چوتھا تعلق پچھلی آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ان کا تعارف بیان فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ۔ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔

واؤ بر جملہ۔ وَهَبْنَا۔ باب فتح کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم معروف مثبت وَهْبٌ سے مشتق ہے بمعنی بخشنا عطا کرنا۔ اسی سے ہے وَهَّاب اللہ تعالیٰ کا ایک نام بروزن فَعَّال صیغہ مبالغہ بمعنی بہت ہی عطا کرنے والا۔ اگر اس کے آگے یاءِ نسبت لگا دی جائے تو وہابی بن جاتا ہے مگر مشہور دیوبندی وہابی فرقے کا لقب اس نسبت سے نہیں بلکہ وہ عبدالوہاب نجدی کی نسبت سے ہے جیسے کہ قادیانی مرزائیوں کا لقب احمدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پاک سے نہیں بلکہ غلام احمد قادیانی کی نسبت سے ہے مگر مسلمانوں کو جائز نہیں کہ ان کو احمدی کہیں بلکہ قادیانی یا مرزائی کہنا چاہیئے لَهُ یہ جار مجرور متعلق ہے اسحٰق اسم مفرد وغیرہ منصرف کیونکہ علم و عجمی ہے زبان عبرانی کا لفظ ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ یعقوب اسم مفرد منصرف ہے کیونکہ عجمی علم نہیں بلکہ عربی لفظ بروزن یعفوب عقبٌ سے بنا ہے ایک نبی علیہ السلام کا نام حضرت اسحٰق نبی کے بیٹے یہ صفاتی نام ہے کیونکہ یہ اپنے جڑواں بڑے بھائی عیصُو کی ایڑی سے جڑے ہوئے پیدا ہوئے کھال کاٹ کر جدا کئے گئے ان کا عبرانی نام اسرائیل تھا اور ان ہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے یہاں تنوین مصلانع تابع عطفی ہے نہ کہ غیر منصرف ہونا ایک

قول میں یہ عجمی علم ہے اس لیے غیر منصرف ہے۔ بحالتِ نصب ہے عطف کی وجہ سے ذوالحال ہے نَافِلَةً اسم مصدر معرب بروزنِ عافیۃ۔ نَفْلٌ سے بنا ہے بمعنی بن مانگے عطا یا طلب سے زیادہ عطا تھی یہ حال ہے یَعْقُوْبَ کا دونوں مل کر معطوف ہوئے اسحاق پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا وَهَبْنَا کا یہ فعل با فاعل سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ ایک قول میں نَافِلَةً دونوں اسحاق و یعقوب کا حال ہے اور نفل بمعنی عطا کرنا ہے۔ یعنی ہم نے دونوں عطا کئے درا نحالیکہ یہ دونوں ہماری طرف سے زیادتی کرم تھا ایک قول میں نفل بمعنی عطا کرنا اور نَافِلَةً مفعول مطلق ہے وَهَبْنَا کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے واؤ نیر جملہ كُلًّا۔ اسم جمع تاکیدی کُلٌّ بمعنی تمام مراد ہے یا ہر ایک مراد ہے چار انبیاء علیہم السلام مفعول بہ اول مقدم ہے نحوی قانون میں اسماءِ تاکیدی تعدادی پانچ ہیں ۱ کُلٌّ ۲ اَجْمَعُ ۳ اَکْتَعُ ۴ اَبْتَعُ ۵ اَبْصَعُ یہ پانچوں ہمیشہ اپنے حقیقی معنوں میں ہی رہتے ہیں ان کا نفاذ اپنی جزئیات کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً یہاں کلًا کے جزئیات چار ہیں ابراہیم، لوط، اسحاق یعقوب ان الفاظ کی قلت کثرت زیادتی کمی اپنے مدخول کے اعتبار سے مکمل ہوتی ہے۔ بعض جہلا نے کُلٌّ کو بھی حقیقی اور اضافی بنا ڈالا یہ ان کی جاہلانہ حماقت ہے جَعَلْنَا بابِ فَتَحَ فعل ماضی جمع متکلم جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی کر دینا بنا دینا کسی صفت سے متصف کرنا خیال رہے کہ ان تینوں آیت میں تمام ضمائر جمع متکلم کا مرجع رب تعالیٰ ہے صَالِحِيْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے صَالِحٌ صُلُوْحٌ یا صَلَاحٌ سے مشتق ہے باب ضرب میں گردان و اشتقاق ہوتے ہیں بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول دوم جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا واؤ سیر جملہ۔ جَعَلْنَا فعل با فاعل هُمْ ضمیر مذکر غائب مرجع ہے ابراہیم لوط اسحاق، یعقوب علیہم السلام۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعولِ دوم جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ خبریہ ہوگیا واؤ سیر جملہ۔ جَعَلْنَا فعل با فاعل هُمْ ضمیر مذکر غائب مرجع ہے ابراہیم لوط اسحاق، یعقوب علیہم السلام بحالت نصب کیونکہ مفعول بہ اول ہے اَئِمَّةً اسم جمع مکسر امام بروزنِ فِعال کی جمع ہے بمعنی افضل۔ پسندیدہ، مقتدا و قائد راہنما یہاں سب معنوں میں ہے۔ موصوف ہے يَهْدُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع حال جمع مذکر غائب بمعنی ماضی استمراری هُدًى وَهِدَايَةٌ سے بنا ہے بمعنی راہ دکھانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ بِ جارہ تعدیہ کی یا بمعنی اِلٰی۔ اَمْرٌ اسم مفرد بمعنی شریعت نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے يَهْدُوْنَ سب سے مل کر

جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَئِمَّۃً کی یہ مرکب توصیفی مفعول دوم ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا واؤ سیر جملہ۔ اَوْحَیْنَآ۔ باب۔ افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم وَحْیٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِیْحَاءٌ دراصل اِوْحَاءٌ تھا الف کے کسرے کی وجہ سے واؤ کو یٰ بنا دیا گیا وحی کی چالیس قسمیں ہیں رب تعالیٰ کے کلام کو وحی کہا جاتا ہے اِلَیْھِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحَیْنَا کا ان دو آیتوں کے جمع غائب کے صیغوں وضمیروں کا مرجع یہی مذکورہ بالا چار پیغمبر علیہم السلام ہیں فِعْلَ اسم مصدر مضاف الخیرات اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد خَیْرٌ یا خَیْرَۃٌ ہے چونکہ غیر ذوی العقول میں سے ہے اس لیے اس کی جمع مؤنث ہی ہوگی بمعنیٰ اچھے کام خیال رہے کہ دینی دنیوی لحاظ سے اچھے کام فعل خیرات ہیں اور فقط دینی اعتبار سے اچھے کام فعل الحسنات ہیں ایک قرأت میں یُفْعَلُ الخیرات فعل مجہول سے ہے۔ یہ لفظ مفعول مضاف الیہ ہے فِعْلَ کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِقَامَ باب افعال کا مصدر ہے دراصل تھا اِقْوَامَ، واو پر فتحہ ثقیل ساکن کیا دو ساکن جمع واو گر گئی ماقبل قاف کو فتحہ دیا مابعد الف کی وجہ سے یہ مصدر مضاف الصَّلٰوۃِ مفعول مضاف الیہ دونوں شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ حرف ہے اِیْتَاءَ باب افعال کا مصدر مضاف ہے اَتْیٌ سے بنا ہے دراصل تھا اِئْتَایٌ۔ اَلزَّکٰوۃِ اسم مفرد جامد حاصل مصدر لغوی ترجمہ ہے پاک کرنا مراد ہے مالی صدقہ فرضی یہ مفعول مضاف الیہ دونوں شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے خیرات میں نماز زکوٰۃ بھی شامل تھے مگر محض اہمیت کے لیے خاص کو عام پر عطف کیا گیا خیرات عام ہے ان میں خاص خاص کام نماز زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔ سب عطف مل کر مفعول بہ ہے اَوْحَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سیر جملہ کَانُوْا فعل ماضی ناقصہ جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے لام حرف جر ملکیت استحقاقی کے لیے یا زائدہ ہے یا مفعولیت (تعدیہ) کا نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل یہ جار مجرور متعلق ہے عٰبِدِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے عَابِدٌ بمعنی عبادت کرنے والا۔ عَابِدِیْنَ بحالت نصب ہے کیونکہ خبر ہے کَانُوْا ناقصہ اپنے اسم خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ۔ واؤ سر جملہ لُوْطًا اسم مفرد جامد ہے عبرانی سے معرّب ہے اس لیے منصرف معرّب ہے عبرانی لغت میں ترجمہ ہے سجدے کرنے والا بحالت نصب ہے کیونکہ مفسِّر مقدم ہے ہُ ضمیر مفعول بہ کا اٰتَیْنَا

باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم با فاعل ہ ضمیر مذکر غائب مرجع ہے لوطاً مفعول ہے دونوں مل کر مفعول بہ اول ہوا اٰتَیْنٰا کا حُکْمًا اسم مفرد مصدر حاصل جامد معرب ہے تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑا حکم بڑی بادشاہی مراد ہے نبوت کیونکہ بڑی اور سدا بہار ہمیشہ کی سلطنت انبیاء کرام کی ہی ہوتی ہے علیہم السلام۔ یہ لفظ مشترک ہے چار معنی ہیں ۱ حکومت ۲ حکمت خداداد (عقل مندی) ۳ فیصلے کرنے کا ملکہ ۴ نبوت۔ معطوف علیہ ہے واؤ حرف عطف عِلْمًا۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر تنوین تعظیمی ہے بمعنی بڑا علم یعنی علم نبوت۔ (علم لدنی) معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہے اٰتَیْنٰا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا خیال رہے کہ حضرت لُوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے آپ کے بڑے بھائی حضرت ہاران کے بیٹے تھے واؤ سے جملہ نَجَّیْنٰا باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم نَجْیٌ سے بنا ہے بمعنی بچنا چھپنا۔ مناجات کرنا آہستہ آہستہ فریاد، یا دُعا کرنا لازم ہے تفعیل میں آکر متعدی ہوا بمعنی بچانا نجات دینا دعا قبول کرنا یہاں پہلے معنی میں ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہ ضمیر کا مرجع لُوطاً ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے مِنْ حرف جارہ بمعنی عَنْ اور مقصد ابتداء غایت ہے اعتزال یعنی ہٹانا دور کرنا۔ اَلْقَرْیَةِ الف لام عہد خارجی قَرْیَة اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی علاقہ بستی مراد ہے علاقے والے انسان موصوف ہے اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث کَانَتْ تَعْمَلُ باب سَمِعَ کا ماضی استمراری واحد مؤنث غائب اس میں پوشیدہ ہی ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے القَرْیَةِ اَلْخَبٰٓئِثَ۔ اسم جمع منتہی الجموع اس کا واحد ہے خَبِیْثٌ، یا خبیثۃ بمعنی گندہ کام بے حیائی۔ بدفعلی مراد ہے لواطت یعنی مرد کا مرد سے وطی کرنا لِواطت لُوْطٌ یا لَاطٌ سے مشتق ہے۔ یہ مفعول بہ تَعْمَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا اِنَّ حرف مشبہ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا اس کا مرجع ہے اَہل قریہ یعنی لفظ قَرْیَ کی مراد۔ کَانُوْا فعل ماضی مطلق ناقصہ جمع مذکر غائب اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے مرجع ہے اہل قریہ۔ قَوْمَ اسم مفرد معنیً جمع ہے مضاف ہے سَوْءٍ اسم مصدر ہے سَاءَ فعل ذم کا مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ذوالحال ہے فٰسِقِیْنَ۔ اسم۔ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے فَاسِقٌ فِسْقٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی کسی پھل کا چھلکے سے خود بخود باہر نکل آنا۔ اصطلاح شریعت میں کسی انسان کا اپنے ایمانی لباس یعنی حدود شریعت سے باہر نکل جانا اسی معنی میں

اس کی چھ قسمیں ہیں ۱۔ نافرمان ۲۔ گستاخ ۳۔ گنا ہگار ۴۔ بدعمل ۵۔ عملی انکار ۶۔ قلبی انکار یعنی بدعقیدہ ہونا۔ اسی کا آخری درجہ کفر ہے۔ یہی یہاں مراد ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے قوم کا دونوں مل کر خبر ہے کَانُوْا ناقصہ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے تَعْمَلُ کے جملے کی معلول علت مل کر صلہ ہوا اَلَّتِیْ کا دونوں مل کر صفت ہے قَرْیَۃِ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نَجَّیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ایک قول میں اِنَّھُمْ کَانُوْا کا جملہ علت نَجَّیْنَا کے جملے کی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔

اور اِس نجات کے بعد ہماری راہ میں ہجرت کر کے اپنا سب کچھ چھوڑ دینے کے بعد ہم نے عطا فرمایا ان کو ان کی پرانی دعا قبول فرماتے ہوئے ایک اور بیٹا اسحاق اور بغیر دعا وطلب کے محض اپنے کرم اور رضا سے ایک پوتا یعقوب نافلہ یعنی زائد عطا فرمایا اور انعامات صرف یہی نہ فرمائے بلکہ اِن سب چاروں ابراہیم، لوط اسحاق و یعقوب علیہم السلام کو ہر قسم کی قابلیت لیاقت وصلاحیت والا ہم نے بنایا کہ اپنی اصلاح رکھنے والے قوموں کی اصلاح کرنے والے تھے اور ہر قسم کے ظاہری باطنی قلبی نفسی جسمی فساد سے بچنے اور اپنی اپنی قوموں کو بچانے والے تھے اور مزید انعام ہم نے یہ فرمایا کہ اِن سب کو اتنا بڑا امام و مُقتدا بنایا کہ ہمارے امر ہماری شریعت کی اپنی اپنی اُمتوں کو ہدایت دیتے تھے اور ہم نے بذریعہ صُحُفِ کثیر وکبیر اُن کی طرف اپنا امر اور دین کے اچھے کام اَعمال واَقوال کی وحی بھیجی کہ دنیوی زندگی میں انسانوں کے لیے یہ یہ باتیں نیکیاں ہیں اور یہ کہ تمام اعمالِ آخرت میں سے اعلیٰ افضل عمل نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ اپنے شرائط پر پابندی سے ادا کرنا ہے یہ بات بھی ہم نے وحی کے ذریعے ہی بتا دی تھی اِس لیے کہ نماز میں عظمتِ معبود کبریائیِ مسجود کے سامنے نیاز بندگی ظاہر کرنا ہے اور زکوٰۃ میں شفقتِ عباد عطا کرنا ہے۔ اور تھے یہ سب چاروں نبی ہر وقت تمام زندگی امور دینی معاملاتِ دنیوی اور عبادت وریاضتِ جلوت خلوت

حاجت مناجات ہیں ہمارے ہی بندے ہمارے ہی سامنے جھکنے مانگنے التجا ئیں فریادیں کرنے والے۔ کسی غیر کی طرف کسی ضرورت میں توجہ کرتے کا کبھی ان کے دل میں خیال نہ آیا۔ ہم نے ان سے ربوبیت کا وعدہ پورا کیا انہوں نے ہم سے عبدیت کا وعدہ پورا کیا اس طرح کہ ہم نے ربوبیت کے وعدہ میں پہلے ان کو صالحین قابلین لائقین بنایا پھر ان کو امام بنایا پھر ان کو اپنی وحی کر کے نبی بنایا یعنی قوموں کی طرف مبعوث فرمایا اور انہوں نے بھی ہماری ایسی بندگی ادا کی کہ دعا و عبادت کا حق پورا کر دیا اور اسی عبادت گزاری سے ہمارے انبیا کی ہماری بارگاہ میں وہ شانِ عظمت ہے کہ خود ہم نے عالمین کو بتا دیا کہ كَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ۔ ہم فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے عابدین تھے دیگر مخلوق خود اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عابد و ساجد ہیں مگر انبیا کے حق میں خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہیں میرے عابدین و ساجدین اس سے ثابت ہوا کہ انبیا کی عبادت بھی بے مثل ہے مختصر تاریخی واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ حضرت تارخ خود بھی تین بھائی تھے ۱۔ تارخ ۲۔ حاران ۳۔ آزر۔ اور حضرت تارخ کے اپنے بیٹے بھی تین تھے ۱۔ ہاران ۲۔ ناحر ۳۔ ابراہیم۔ تارخ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے ابراہیم اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے اس طرح تاریخ ابراہیمی میں دو حاران ملتے ہیں ایک ابراہیم علیہ السلام کے چچا اور ایک آپ کے بڑے بھائی مفسرین نے فرق رکھنے کے لیے چچا ہاران کو ہارانِ اکبر اور بھائی ہاران کو ہارانِ اصغر کا لقب دیا۔ ہاران اکبر کی اولاد میں صرف ایک بیٹی سارہ تھیں۔ آزر لاولد تھا۔ بعض نے فرمایا کہ آذر نے شادی ہی نہ کی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود سے نکل کر کچھ دن بابل وطن میں قیام کیا پھر گندے کفریہ ماحول سے اکتا کر اپنے بڑے چچا ہارانِ اکبر کے گھر قریہ کنعان میں آ گئے ایک مشہور قول ہے کہ حاران اکبر نارِ نمرودی کے واقعے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے اور ان کی بیوی سے حارانِ اصغر نے نکاح کر لیا تھا چچی اجنبیہ سے نکاح بیوہ یا مطلقہ ہو تو جائز ہوتا ہے چچا کی بیوی ابدی حرام نہیں ہوتی اس طرح سارہ لوط علیہ السلام کی رشتے میں پھوپھی ہوئیں اور سوتیلی بہن بھی ہوئیں جو بابل شہر سے پانچ میل دور ہے یہاں آپ تقریباً دس سال رہے اسی شہر میں حضرت لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے بھی رہتے تھے وہ آپ پر پہلے سے ہی اپنا ایمان ظاہر فرما چکے تھے آپ کی شریعت پر عامل تھے لوط علیہ السلام حضرت سارہ سے

سے دو سال چھوٹے تھے وہ لوط علیہ السلام کی پھوپھی بھی تھیں ابراہیم علیہ السلام کی چچا زاد حاران اکبر کی بیٹی ابراہیم علیہ السلام سے پانچ سال چھوٹی تھیں جب ابراہیم علیہ السلام کی بائیس سال اور حضرت سارہ کی عمر سترہ سال ہوئی تو اسی شہر میں حاران کی بیٹی سارہ کا نکاح ابراہیم علیہ السلام سے ہوا اُدھر بابل کے علاقہ میں چار سالہ قحط پڑا تو نمرود نے اپنی رعایہ میں مفت گندم بانٹنی شروع کی جو اُس کے پاس گندم لینے جاتا اُس سے پوچھتا کہ بتا تیرا رب کون ہے وہ جواباً کہتا تو ہے رب اُس سے سجدہ کراتا پھر اُس کو گندم دیتا اور کہتا کہ رب کا کام ہے پالنا دیکھ میں ہی سب کو پال رہا ہوں، حضرت ابراہیم کبھی یہ گندم لینے نہ گئے۔ ایک مرتبہ سارہ نے عرض کی کہ آپ بھی یہ مفت کی گندم لے آئیے تب بادلِ ناخواستہ بار بار سارہ کے کہنے پر گئے نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی وہی سوال کیا آپ نے ایسا لاجواب مناظرہ فرمایا کہ نمرود گھبرا گیا اسی مناظرے کا ذکر پارہ سوم سورۃ بقرہ آیت ۲۵۸ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ۔ میں مذکور ہے اور آپ بغیر گندم لیے واپس چلے آئے اور اپنی بوری میں کسی ضرورت کے تحت راستے سے ریت بھر کر لے آئے اور بغیر کچھ بتائے ایک کونے میں رکھ دی خود جا کر سو گئے بیوی سارہ نے جب بوری کھولی تو دیکھا کہ نہایت عمدہ موٹی موٹی خوشبودار بھینی سوندھاہٹ والی گندم سے بوری بھری ہوئی ہے صاف ستھری آپ نے تھوڑی نکالی پیسی گوندھی روٹیاں پکا رہی تھیں کہ ابراہیم علیہ السلام بیدار ہو کر تشریف لائے اور پوچھا کہ یہ آٹا کہاں سے آیا۔ حضرتِ سارہ نے عرض کیا کہ اس گندم میں سے تھوڑی پیسی گوندھی ہے جو آپ لائے تھے آپ نے بھی کھول کر بقیہ گندم کو دیکھا۔ سمجھ گئے کہ قدرتِ الٰہی سے وہ ریت گندم بنا دی گئی ہے۔ حضرت سارہ کو تمام واقعہ سنایا تب فوراً سب نے رب تعالیٰ کے کرم پہ سجدۂ شکر ادا کیا وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ آپ کو وحی آئی کہ اب اس قوم پر عذاب ہلاکت آنے والا ہے اے ابراہیم اب تم مع اپنی بیوی کے یہاں سے فلسطین کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس ہجرت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر بتیس ۳۲ سال تھی، حضرت سارہ کی عمر ستائیس ۲۷ سال تھی۔ اُدھر حضرت لوط علیہ السلام کو وحی آئی کہ تم بھی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر جاؤ۔ اس طرح یہ مختصر قافلہ تین افراد پر مشتمل بستی کنعان سے روانہ ہو کر شہر حیران میں آیا وہاں کچھ دن قیام فرما کر پھر وہاں سے مصر میں پھر کچھ دن بعد مصر سے شام پھر شام سے فلسطین میں مستقل قیام فرمایا لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم علاقہ

مؤتفکہ کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہو وہاں جاکر رہائش رکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نکاح کے پندرہ سال بعد چھتیس ۳۶ سالہ عمر میں اولاد بیٹے کی دعا مانگی کہ۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۃ صافات آیت ۱۰۰) یہ دعا دو بیٹوں کی عطا کی صورت میں دو مرتبہ قبول ہوئی پہلی مرتبہ دعا کے پچاس سال بعد جب کہ آپ کی عمر مبارک چھیاسی سال تھی اسماعیل علیہ السلام پہلے اور اکلوتے بیٹے کی شکل میں دعا کی قبولیت کا ظہور ہوا۔ پھر دوسری بار حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادتِ پاک سے قبولیتِ دعا کا اظہار ہوا اسی کا یہاں ذکر ہے اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیانوے سال تھی اور اسماعیل علیہ السلام دس سال کے تھے گویا پھر دعا ساٹھ سال بعد قبولیت میں آئی۔ لفظ اسحاق عبرانی ہے اس کا معنیٰ ہے بہت ہنسانے خوش رکھنے والا اصل میں یہ لفظ الضحاک ہے ضحک سے بنا ہے۔ لفظ اسماعیل بھی عبرانی ہے اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا مطیع (تفسیر روح البیان) بعض نے فرمایا اس کا اصل مجموعہ ہے اِسْمَعْ یَا اِیْلُ یعنی اے اللہ سن لے حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی بھی اکیس سالہ عمر میں ہوئی اس وقت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک ایک سو سترہ ۱۱۷ برس تھی۔ اسحاق علیہ السلام کی شادی کے تین سال بعد آپ کے دو بیٹے پیدا ہوئے جو جڑواں تھے پہلے بیٹے کا عیصو یا عیص نام رکھا گیا عیصو کی ایڑھی سے دوسرے بیٹے کا سر جڑا ہوا تھا جو جدا کیا گیا۔ اس وجہ سے اس دوسرے کا نام یعقوب رکھا گیا جس کا معنیٰ ہے عقب یعنی ایڑھی سے لگا ہوا۔ یعقوب کو نَافِلَةً فرمانے کی دو وجہ ہے۔ ایک یہ کہ آپ کی ولادت بغیر دعا مانگے محض کرم سے عطاءِ ربانی تھی نافلہ کا معنیٰ ہے زیادہ یعنی دعا بیٹے کی تھی زیادتی میں پوتا بھی مل گیا۔ دوم یہ کہ نافِلہ کا معنیٰ ہے اچھا پھل یعنی بیٹے کا پھل۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سارہ بیوی کو بہن کہنے کا واقعہ اسی سفر ہجرت میں پیش آیا تھا مگر یہ غلط ہے تین وجہ سے ۱ یہ کہ اس سفر ہجرت میں لوط علیہ السلام ساتھ ہیں مگر اس سفر میں حضرتِ لوط ساتھ نہ تھے ۲ سفر ہجرت کے وقت حضرت سارہ کی عمر ستائیس سال تھی مگر اس سفر کے وقت حضرتِ سارہ کی عمر پینسٹھ سال تھی ۳ اس سفر ہجرت میں اردن کا علاقہ شامل نہ تھا مگر اس سفر میں ابراہیم علیہ السلام صرف اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ اردن کے علاقہ سے گزرے تھے اور اردن کے ہی جابر ظالم بدمعاش

بادشاہ سادوق کے ساتھ ہی یہ واقعہ ہوا اسی کے پاس شاہ مغرب کی شہزادی حضرت ہاجرہ قید تھیں جو اس بادشاہ نے حضرت سارہ کو یہ کہتے ہوئے دی تھیں کہ ایک جادوگرنی تیری طرح کی پہلے بھی میرے پاس قید ہے اس کو بھی ساتھ لے جا جس طرح حضرت سارہ کی کرامت بدمعاش بادشاہ نے دیکھی تھی اور پھر خوف سے آپ پر ہاتھ نہ ڈال سکا تھا بالکل اسی طرح حضرت ہاجرہ پر جب ہاتھ ڈالنا چاہا تب بھی قدرت الٰہی سے اُس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا۔ اسی طرح چار بار اُس وقت بھی بدنیت ہوا تھا پھر ڈر گیا مگر ان کو قید کر دیا تھا۔ وہی ہاجرہ اس وقت حضرت سارہ کو دیدی گئیں تھیں وَلُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۔ اے محبوب کریم تذکرہ فرمایئے ہمارے نبی رسول لوط کا اقوامِ عالم کے سامنے تاکہ تا قیامت دنیا میں اُن کی سچی شان، آن، قدر و منزلت، عزت، وجاہت، نبوت، رسالت طہارت، کرامت، ظاہر ہو اور لوگوں کو صحیح حسینی سیرت، بصیرت، سوانح کا پتہ لگے اور یہودیوں عیسائیوں کی بدزبانی کو لگام لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر قرآن مجید کا بیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حضرت لوط اور دیگر انبیا علیہم السلام کی شان بیان نہ فرماتی تو انبیا علیہم السلام کی شانِ اقدس پر یہودیوں کی تالمود اور عیسائیوں کی بائبل میں لکھی ہوئی گستاخیوں بدزبانیوں کا پردہ کبھی فاش نہ ہوتا اور جہان میں شانِ نبوت پوشیدہ رہتی۔ یہاں ان آیت میں لوط علیہ السلام کی چار شانیں بیان ہوئیں ۱؎ ابراہیم علیہ السلام کا اُن کو ساتھی بنایا گیا ۲؎ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے خود ان کو علم عطا فرمایا یعنی حکمت فراست دیانت لیاقت طاقت جرأت صداقت غلبہ اور فہم کے خزانے عطا فرمائے۔ حق و باطل کا فرق کرنے سمجھنے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اور کثیر و عظیم علم بھی خود ہم نے ہی اُن کو عطا فرمایا کہ شریعت طریقت معرفت حقیقت۔ ظاہر، باطن، حاضر و غائب۔ جلی و خفی۔ اسرار و افکار کے علوم سے ان کا قلب و قالب عقل و دماغ بھر دیا۔ رب تعالیٰ علم و حکمت کے ان خزانوں کو ہر نبی رسول مرسل کے اجسام میں امانتِ دائمی، ودیعت ابدی عطا فرماتا ہے چہارم یہ کہ نجات دی ہم نے حضرت لوط اور ان کی اہل یعنی دو بیٹیوں ۱؎ زبتا ۲؎ زغرتا کو اُس گندی، غلیظ و ناپاک بستی سے جس کی سب آبادی نجس اور خبیثانہ کام کرتی تھی مرد بھی عورتیں بھی

ذلیل حرکتیں کرتے تھے۔ مرد عملاً اور عورتیں نظراً۔ مدداً، مشورۃً تعاوناً ۱ ننگ وہاں کے
سب رہائشی عقیدۃً کافر قوم اور عملاً فاسق قوم تھی جانوروں سے بدتر تھے۔ روح المعانی میں
ہے کہ قوم لوط کے خبیثانہ کام دس تھے ۱ سب سے بدتر باعث رجم لڑکوں سے بدفعلی ۲
حماموں میں عورتیں مردوں کا ایک ساتھ ننگے نہانا اور بے غیرتی کرتے ہوئے پانی سے کھیلنا
۳ ڈھول باجے تالیاں بجانا گھروں بازاروں گلیوں سڑکوں پر ناچنا شور مچانا ۴ شرابیں پینا
۵ داڑھیاں چھوٹی کرنا۔ کترا کر یا منڈوا کر ۶ مونچھیں بڑی بڑی رکھنا ۷ مرد ریشمی لباس
پہنتے تھے ۸ محفلوں سڑکوں بازاروں میں گوز چھوڑنا پھر ہنسنا قہقہے لگانا یہ بھی بے غیرتی کی
ہی مثل ہے ۹ بانوں کنکریوں پتھروں سے کھیلنا ۱۰ راستوں میں پیشاب کرنا بے پردہ
ان بے حیائی کے افعال کو خبائث۔ جمع فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ عربی لغت میں برے
قول فعل کے لیے تین لفظ آتے ہیں ۱ خبیث ۲ قبیح ۳ شنیع، فرق یہ کہ جو کام بایات
فطری عقلی، طبعی۔ شرعی ہر اعتبار سے ہر ایک کو برا لگے وہ خبیث ہے بے غیرتی بے حیائی
بدمعاشی اور نقصان دہ تمام کام اس میں شامل یعنی خِلقتاً اور مادہ مصدر کے اعتبار سے
بدتر۔ خبیث کی تین قسمیں ۱ باطل فی الاعتقاد ۲ کاذب فی المقال ۳ ذلیل فی الافعال
قبیح وہ ہے جو شرعاً حرام و ناجائز ہو اور نقصان دہ بھی ہو۔ شنیع وہ قول و فعل جس کو
غلط طرز و طریقے سے برا بنا لیا جائے۔ قوم لوط کی بستی کا نام سدوم۔ علاقہ کا نام مؤتفکہ
تھا سدوم صدر مقام تھا اس کے قصبات و قریات تقریباً چھ تھے یہ تمام پتھریلی عذاب سے
تباہ کر دیئے گئے مگر ایک قصبہ زغرہ بچا لیا گیا وہاں لوط علیہ السلام کی مومن امت رہتی تھی
حضرت لوط کو مع اہل خانہ رات کے وقت ہجرت کر کے یہیں چلے جانے کا حکم الٰہی ہوا تھا آپ
سدوم سے نکل کر راتوں رات یہیں آ لیے تھے۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ نافلۃً میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے
عطیہ دوم یہ کہ نافلہ کا معنیٰ ہے پھل، یا معنٰی ہے زائد چیز یہ اس کا اصل معنیٰ ہے یعنی ہم نے
ابراہیم کو ان کی دعا سے بھی زیادہ عطا فرمایا۔ بیٹے کے بعد پوتا۔ اسی قول کو ترجیح ہے ۲
کلاًّ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد چاروں انبیاء ہیں ابراہیم۔ لوط۔ اسحاق یعقوب
علیہم السلام دوم یہ کہ اس سے مراد لوط علیہ السلام نہیں بلکہ تین نبی ابراہیم، اسحاق یعقوب
علیہم السلام مراد ہیں ۳ صٰلحین میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے نیک یعنی ہر اعتبار

سے درست دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے صلاحیت اور لیاقت رکھنے والا یعنی ہر کمال کے لائق سوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے اصلاح کرنے والا فساد مٹانے والا۔ یہ سب قول درست ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السّلام میں بدرجۂ اتم ہر شان موجود ہوتی ہے ۴۔ بِاَمْرِنَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ امر سے مراد حکم و اجازت دوم یہ کہ امر سے مراد شریعت اور وحی باعتبار پہلے قول کے بِ بیانیہ ہے ترجمہ ہے وہ انبیا ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم اور اجازت سے باعتبار دوسرے قول کے بِاَمْرِنَا کی بِ تعدیہ کی ہے تب ترجمہ ہوگا ہماری شریعت کی ہدایت دیتے شریعت پر چلنے کا حکم و تبلیغ فرماتے تھے۔ اس قول سے ثابت ہوا کہ یہ سب انبیاء خود مستقل صاحب شریعت رسول تھے یہی قول درست ہے ۵۔ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ لفظِ فعل اسم جامد ہے بمعنیٰ کام اعمال تب ترجمہ ہوگا۔ ہم نے ان کو وحی فرمائی خود اچھے کام کرتے رہنے کی اور امت سے اچھے کام کرانے کی دوم یہ کہ لفظِ فعل مصدر بمعنیٰ امر استمراری ہے اور ترجمہ ہے کہ ہم نے وحی فرمائی ان سب کی طرف کرتے رہو بھلائیوں والے کام خیال رہے کہ قرآن مجید میں امرِ استمراری کی اور بھی بہت مثالیں ہیں مثلاً ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا۔ ترجمہ اے ایمان والو ایمان لائے رہو۔ یعنی ہمیشہ اسی ایمان پر قائم رہو (سورۃ نساء آیت ۱۳۶) دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ۔ یعنی اے نبی اللہ کا تقویٰ جاری رکھو یعنی کئے رہو۔ (سورۃ احزاب آیت ۱) اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (سورۃ جمعہ آیت ۹) ترجمہ۔ جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو فوراً بلا تراخی دوڑ پڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف اور تجارت خرید و فروخت چھوڑے رکھو۔ یہ ذَرُوْا۔ امرِ استمراری ہے اس کا تعلق پورے یومِ جمعہ سے ہے ورنہ اذان تو روز اس وقت نمازِ ظہر کے لیے ہوتی ہے اور تھوڑی دیر کے لیے تو روز تجارت چھوڑنا فرض مسجد میں آنا فرض ہے۔ پورے دن تجارت چھوڑنا جمعہ کی خصوصیت یہ جمعہ کے دن کا تقدس قائم فرمانا ہے نمازِ جمعہ کے بعد بھی انتشار فی الارض کا حکم تلاشِ فضلُ اللہ کے لیے ہے نہ کہ رزقُ اللہ کے لیے جیسا کہ آگے ارشادِ ربانی وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کا حکم بتا رہا ہے۔ بہرحال یہ سب استمراری امر ہیں ۶۔ وَكُلًّا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جن مفسرین نے كُلًّا میں تین نبی شامل مانتے ہیں وہ كُلًّا کو اس آیت سے صٰلِحِيْنَ میں شامل مانتے ہیں اور ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ۔ اور تینوں کو ہم نے

صٰلحین بنایا اور لوط کو بھی۔ دوسرا قول یہ کہ جن مفسرین نے کُلًّا میں چاروں کو شامل مانا ہے وہ لوگ اِس آیت کو علیحدہ جملہ مانتے ہیں۔ اور ترجمہ کرتے ہیں کہ اور اے محبوب ذکر فرمائیے لُوط کا اُن کے نزدیک یہاں اُذْکُرْ پوشیدہ ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت صرف وُجودِ انبیا علیہم السّلام ہے یہ فائدہ نَافِلَۃً فرمانے میں حاصل ہوا کہ دیکھو اسحاق علیہ السّلام کے جڑواں دو بیٹے پیدا ہوئے پہلے اور چند ساعت کا بڑا لڑکا عیصو تھا مگر بعد والے بیٹے یعقوب کو وَھَبْنَا فرما کر نَافِلَۃً کا انعام قرار دیا گیا۔ انہی کو عطاءِ الٰہی بنایا نہ کہ عیصُو کو حالانکہ عیصو علیہ الرحمۃ نے بڑی عمر پائی صحابیِ رسول اور فرمانبردار تھے۔ اِسی طرح اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند ہوئے جن سے عرب کے بارہ قبیلے بنے ان میں سے چار فرزند ابراہیم علیہ السّلام کی حیاتِ طیبہ میں ہی پیدا ہوگئے تھے اِن پوتوں نے بھی اپنے دادا کی خدمت کرنے کی کچھ سعادت حاصل کر لی یہ فرزند ولادتِ یعقوب سے پہلے تولّد ہو چکے تھے مگر ان کو نَافِلَۃً نہ فرمایا گیا اس لیے کہ یہ سب پوتے نبی نہ تھے نہ عیصو نہ فرزندانِ یوسف۔ دوسرا فائدہ۔ تمام انبیا علیہم السّلام بچپن میں ہی نیک ہوتے ہیں۔ دیگر اشخاص اولیا علما صُلحا دنیا میں آکر اچھی پاکیزہ تربیت لے کر نیک پاک بنتے ہیں یہ فائدہ۔ وَھَبْنَا کے بعد۔ وَکُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ رب کریم نے انبیا علیہم السّلام کی ہر شان ومرتبے کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ خِلقت ولادت کو وَھَبْنَا فرمایا۔ صٰلِحیت اور جعلیت کو بھی جَعَلْنَا کہہ کر بتا دیا کہ انبیا علیہم السّلام کا علم قدرت، شان آن۔ ایمان، اعمال کسی دنیوی تربیت سے نہیں سب کچھ ہماری عطا ہمارے بنانے سے ہے۔ تیسرا فائدہ۔ نیک اولاد بھی رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہوتی ہے جیسا کہ بد اولاد دنیا میں قہرِ الٰہی کا نمونہ ہے۔ یہ فائدہ وَھَبْنَا فرمانے کے بعد صٰلِحِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور صٰلِحِیْنَ فرما کر مفید ہونے کا اشارہ ملا۔ یعنی صالح اولاد ہی نعمتِ الٰہی اور مفید ورحمت ہے بُری اولاد نعمت نہیں زحمت ہے۔ عطیہ نہیں فتنہ ہے مفید نہیں نقصان دہ ہے۔ چوتھا فائدہ ہر نبی اپنی اُمّت کا با اختیار حاکم ہوتا ہے یہ فائدہ آیۃً حُکْمًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعنی ہم نے لوط کو اُن کی قوم پر با اختیار حاکم بنایا

احکامُ القرآن: اِن آیتِ مقدسہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ مسئلہ

تمام عبادات میں نماز اور زکوٰۃ وہ عبادتیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے تا قیامت ہر امت پر فرض رہیں اگرچہ ان کے طریقے اور تعداد مختلف شریعتوں میں مختلف ہوتے رہے ۔ یہ مسئلہ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ دیگر تمام عبادات اور نیکیوں بھلائیوں سے زیادہ اہم نماز ہے اور زکوٰۃ ۔ کیونکہ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ ۔ میں اگرچہ نماز و زکوٰۃ بھی شامل تھی مگر پھر بھی خصوصیت اور اہتمام سے اس کا علیحدہ ذکر فرمایا گیا ۔ اس لیے بعض نادان لیڈران مسلمانوں کا یہ کہہ کر نماز چھوڑ دینا کہ چونکہ ہم انسانی فلاح و بہبود اور انسانی خدمت میں مشغول ہیں اور انسانی خدمت ۔ یہی سب سے بڑی عبادت ہے اس خدمتِ انسانی کی بنا پر ہم کو نماز کا وقت نہیں ملتا اور یہ شعر پڑھ کر دل کو تسلی دئے رہنا کہ ۔ یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان ﷺ کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں ، سخت گناہ اور خود کو دھوکہ دینا ہے ، قیامت میں یہ بہانہ ہرگز نہ چلے گا بلکہ یہ شعر اس طرح پڑھنا چاہیے ، یہ بھی ہے عبادت یہی حکم ایماں ﷺ کہ کام آئے دنیا میں فساد کے انسان پوچھو ان احمقوں سے کہ خدمتِ انسانی کی مشغولیت تم کو کھانا پینا نہیں چھڑاتی جو جسم فانی کی غذا ہے صرف نماز چھڑاتی ہے جو روح کی غذا ہے اور جس سے جسم کو بھی ابدی بقا ہے دوسرا مسئلہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو یا کسی بھی مومن مسلمان کو خبیث کہے اس لیے کہ خبیث وہ ہوتا ہے جو اصلاً نسلاً خِلقتاً ہر اعتبار سے برا ہو مسلمان خواہ کتنا بھی فاسق و فاجر گنہگار ہو مگر وہ اصلاً نسلاً خِلقتاً برا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اُس کے سینے میں ایمان قلب میں قرآن تو ہوتا ہی ہے فقط اعمال کا برا ہونا گراوٹ ہے خباثت نہیں یہ مسئلہ کَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا ۔ بعض دیوبندی اکابر نے اپنی احمقانہ عاجزی میں سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یا اللہ میں بڑا خبیث ہوں ۔ یہ اُن کی اپنی زبانی حقیقت بیانی ہے ورنہ شریعت میں اس طرح کہنا حرام ہے ۔ تیسرا مسئلہ ہر عالمِ دین کو جائز ہے کہ کفار و فساق کے سامنے اُن کے بڑے بزرگوں کی ایمانی نیکیوں کا ذکر کر کے ان کو بھی مومن اور نیک بننے کی تبلیغ کرے یہ مسئلہ وَجَعَلْنٰهُمْ (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا ۔ دیکھو قرآنِ کریم نے اہل عرب کے سامنے ان کے تسلیم شدہ بڑوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کا اور سمجھایا کہ وہ تمہارے آباؤ اجداد تھے تم کو بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل کر مومن اور نیک بننا چاہیے ۔ ۔

اعتراضات ۔ یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں ۔ پہلا اعتراض ۔ اس کی کیا

وجہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یعقوب علیہ السلام کو رب تعالیٰ جل و علیٰ نے نافلۃً یعنی بڑا عطیہ ، ر اور زائد نعمت فرمایا حالانکہ ابراہیم علیہ السلام اُن کو ان کی حیاتِ پاک میں ہی اور بھی خدمت گزار پوتے ملے تھے مگر بجز یعقوب علیہ السلام کسی دوسرے پوتے کو نعمتِ الٰہی اور نافلہ ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا۔ **جواب**۔ اس کا ایک جواب تو ہم نے فوائد میں بیان کر دیا۔ جواب دوم یہ کہ یہ سورۃ انبیاء ہے یہاں صرف اُن شخصیات کا تذکرہ حسنہ بیان کیا جا رہا ہے جن کو رب تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور چونکہ یہ انعامات ابراہیم علیہ السلام کو بطور جانشین دیے گئے تھے اس لیے پوتوں میں سے صرف یعقوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ اسحاق اور اسماعیل کے بعد وہ ہی ابراہیم علیہ السلام کے جانشین تھے دیگر پوتوں کو جانشین کی شان نہ ملی۔ تیسری وجہ یہ کہ حضرت یعقوب نسل ابراہیمی کے وہ پھل دار شجر طیبہ ہیں کہ اُن کو ہی اَبُوالانبیاء ثانی کا لقب معظم عطا فرمایا گیا۔ غرضکہ یعقوب علیہ السلام کی چار خصوصی شانیں ہیں ۱ نبوت ۲ نافلہ ۳ جانشین ابراہیم ۳ نسل ابراہیمی کے امین ۴ اَبُوالانبیاءِ ثانی۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ہم نے ان چاروں کو صالحین بنایا اس فرمان کو اس خصوصیت سے ذکر فرمانے کی وجہ کیا ہے صالحین تو صحابہ اور اولیاء اللہ بھی ہوتے ہیں۔ **جواب** انبیاء کرام علیہم السلام اور غیر نبی کے صالح ہونے میں چار طرح فرق ہے۔ پہلا فرق یہ کہ انبیاء کرام کا صالح ہونا اُن کی عصمت ہے وہ مثل ملائکہ معصوم ہوتے ہیں گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے مگر غیر نبی اولیاء اللہ وغیرہم کا صالح ہونا اُن کی حفاظتِ الٰہی ہے وہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں یعنی گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں اور اگر کبھی کر لیں تو فوراً ایسی پکی توبہ کر کے بخشوا لیتے ہیں۔ حفاظت اس طرح بھی کر دی جاتی ہے کہ ایک بار جنید بغدادی نفس کی خواہش پر ایک دنیوی لہو ولعب کی محفل میں چلے گئے تو رب تعالیٰ نے اُن پر نیند طاری کر دی وہ سب وقت سوتے رہے جب محفل برخواست ہوئی تو اٹھائے گئے اور آپ گھر چلے آئے آپ نے محفل کی کوئی بات نہ دیکھی نہ سنی اُن کی آنکھ کان کی رب تعالیٰ نے حفاظت فرمائی لیکن پھر بھی آپ نے چار سال تک سچی توبہ کی اور اپنے قلبی ارادے اور قدموں کی بخشش کرائی دوسرا فرق۔ انبیاء علیہم السلام کو رب تعالیٰ بغیر اعمالِ عبادت پیدائشی صالح بنا دیتا ہے پھر ان کو شکم مادر میں نبوت ملتی ہے ان کا صالحین ہونا پہلے ہی ہونا بعد میں دونوں نعمتوں کے عطیۂ الٰہی ہونے کے بعد پھر ولادت۔ جیسا کہ جَعَلْنٰهُمْ سے ثابت ہو رہا ہے مگر

اولیاءُ اللہ وَغیرھُم دنیا میں آکر اپنے اعمال و توفیق الٰہی سے صالح بنتے ہیں۔ تیسرا فرق یہ کہ انبیاء کا صالح ہونا ان کی نبوت ہے اولیا کا صالح ہونا اُن کی ولایت ہے۔ چوتھا فرق یہ کہ انبیاءِ کرام کا صالح ہونا اصلی ابدی باقی ہے۔ اولیاءُ اللہ کا صالح ہونا عارضی غیر حتمی ہے جس کا پتہ انجامِ موت پر لگتا ہے۔ تیسرا اعتراض امامت نبوت سے اعلیٰ ہے کیونکہ قرآنِ مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے کہ پہلے نبی بنایا جاتا ہے پھر اُس کو اونچا درجہ دے کر امام بنایا جاتا ہے۔ دیکھو یہاں پہلے فرمایا گیا وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ۔ ہم نے اُن سب کو صالحین یعنی نبی بنایا۔ پھر فرمایا گیا۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یعنی نبوت کے بعد ہم نے اُن کو امام بھی بنا دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امامت بلند اور اعلیٰ و اونچا مرتبہ ہے ہمیشہ اوپر کو ترقی دی جاتی ہے لہٰذا جس کو پہلے ہی امامت مل گئی اُس کا درجہ پہلے ہی نبوت سے اونچا ہوگیا۔ اس بنا پر ائمہ اہل بیت کا مرتبہ تمام انبیا سے زیادہ ہے (شیعہ رافضی) جواب۔ اِس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پہلے تم شیعہ لوگ اہل بیت کی امامت قرآن یا حدیث سے ثابت کرو۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے تو یہاں اِس آیتِ مقدسہ میں اور دیگر کئی آیات میں بھی رب تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ نے امام اور ائمہ بنائے جانے کا صراحتاً ذکر فرمایا مگر کسی اہل بیت کے لیے قرآنِ مجید کا کوئی بیان حدیثِ مبارکہ کا کوئی فرمان اِشارۃً یا کنایۃً تک نہیں صراحتاً تو درکنار۔ بلکہ صحابہ تابعین تبع تابعین کی زبان پر بھی کسی اہل بیت کے لیے یہ لقب ثابت نہیں۔ یہ لقب تو ما وشما نے بعد میں ائمہ دوازدہ کے لیے ازراہِ احترام وعظمتِ شان ظاہر کرنے کے لیے اختیار و استعمال کر لیا۔ اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ امام حسن امام حسین امام حسن عسکری امام علی اکبر امام علی اصغر امام زین العابدین امام موسیٰ کاظم امام جعفر صادق ۹ امام تقی ۱۰ امام نقی ۱۱ امام علی رضا ۱۲ امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور مولیٰ علی کے ساتھ تو لفظِ امام سجتا بھی نہیں، یہاں تک کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مولیٰ علی شیرِ خدا کو کبھی اپنے مصلے کا بھی امام نہ بنایا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ اعتراض محض کم علمی کی وجہ سے ہے اس لیے قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ نبوت ذات ہے اور امامت عملی صفات ہے۔ ذات پہلے ہی ہوتی ہے صفت بعد میں آتی ہے۔ مختلف صفات تو تاعمر پیدا ہوتی رہتی اور گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ صفت کا ادنیٰ یا اعلیٰ ہونا ذات کی نسبت سے ہوتا ہے اگر ذات اعلیٰ ہے تو اُس کی امامت بلکہ ہر صفت اعلیٰ ہوگی لیکن اگر ذات ادنیٰ ہے تو اُس کی

ہر صفت بھی ادنیٰ ہوگی۔ مثلاً اگر کسی مسجد کا امام ولی کامل متبحر فقیہ اعظم ہو تو اس کی امامت اعلیٰ شان والی ہوگی لیکن اگر کسی مسجد کے مصلے پر جاہل فاسق کو امام بنا کر کھڑا کر دیا جائے تو اس کی امامت ادنیٰ بلکہ شرعاً مکروہ ہے۔ جب یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ سمجھ لیا تو پھر اندازہ لگا لو کہ انبیاء علیہم السّلام کی امامت کی کیا شان ہوگی غرضکہ نبوت کی وجہ سے امامت کی شان بڑھے گی نہ کہ اس کے الٹ مقامِ نبوت تمام کائنات مخلوق سے بلند ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔

تاویلاتِ صوفیا میں بدنِ انسانی کے اندر قلب مثلِ ابراہیم خلیلِ الٰہی ہے اس پر امتحاناتِ ربانی کا ورود ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسحاق مثل تمنا پر غالب ہے جو انعامِ مقامِ علیا ہے اور نفسِ مطمئنہ پاکیزہ مثلِ یعقوب ہے اور عقلِ سلیم مثلِ لوط ہے جو ہمیشہ قلب کی ساتھی ہے یہ انوارِ نبوت مومنِ کامل کے قالبِ بارگاہ میں جلوہ گر ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب قلب حیدی نے انکارِ دیری سے ہجرت خلوت کر لی تب ہم نے تمنائے قلبی کا اسحاق اس کو عطا فرمایا تاکہ تکمیلِ خلقت کے لیے مقامِ اعلیٰ تک رجوع حاصل ہو اور بلاءِ ممتحنہ کے بعد صفاتِ یعقوبی کا نفسِ مطمئنہ یقینِ رویت کا نافلہ بنا کر قلبِ خلیل کو ہم نے ہی عطا فرمایا یہ خاص ہماری وہ نعمتِ تامہ و رحمتِ عامہ تھی جو نورِ اسرار سے منور اور روشن تھی اور اس سے منو لد تھی۔ اور ہم نے ان سب اعضاءِ رئیسہ بدنیہ کو ہدایت میں استقامت و تمکین والا بنایا اور ہم نے ہی ان اعضاءِ مومن کو عالمِ جمال کی تمام قوتوں اور طبیعتِ مستعدہ کا امام بنایا تاکہ نفوسِ نافسہ کو ہمارے احکامِ اسرار کی ہدایتِ نیاتِ صالحہ دیتے رہیں جس سے امتِ روحانی کے اعمال ظاہر اور متابداتِ دائرار کے احوال پیدا ہوں اس طرح کہ دل میں معارفاتِ عقل میں مکاشفاتِ شعور میں تجریات عیاں ہو جائیں اور اس ہدایتِ اسرار سے امتِ نفس کے اعمال اخلاق معاملات آداب درست ہوتے رہیں۔ فعلِ خیرات کی زکوٰۃ کا حکم ہم نے الہام فرمایا اعضاءِ ظاہر کے قیام کی نماز اور اعضاءِ باطنی کی زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ قلبِ ابراہیم اور اس کی تمنائے اسحاق اور لوطِ عقل یعقوبِ نفس مطمئنہ تو پہلے ہی کَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔ تجرید و تفرید خلوت و جلوت میں توحید کے عابدین اور عبودیت

حقہ کے عالمین نتھے ارواح کی صفوں میں روحِ ابراہیمی کامل تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس کو
اوّلین مرتبوں میں منتخب فرمایا کیونکہ یہ روح فیض بخش تھی کمالاتِ دائمی کا ملکوت میں نقائص
باطنی کو مٹانیوالی موجودات کے بتوں کو توڑنے والی یہی روح مادیات کے نمکیۂ الفنا کے
الہوں کو مٹانے والی اور نورِ توحید سے مجردات کو جگمگانے والی مراتب نبوبات کو طے کرنے
والی تھی، واعطین معرفت کے لیے صفاتِ الٰہیہ بتانیوالی اور پردۂ اغیار کے محجوبینِ ذات
کے لیے دائرے، زاویئے اور حدودِ تفریق قائم کرنے والی اور بتانیوالی کہ یہ واقفینِ حق ہیں۔
اور وہ نادا قفینِ حق تب نمرودِ نفسِ امارہ نے اپنی سرکشی و نافرمانی کی طاغوتی قوتوں کے ساتھ
ذکر و فوت کی منجنیق، توہمیت کے ذریعے باندھ کر طبیعتِ زحمت کی نارِ حرارت میں اس روح
کو پھینک دیا لیکن رب تعالیٰ نے آفاتِ ناموتیہ کے اس مکر سے بچا کر تارِ حرارتِ نفس کو
کو بردًا و سلامًا بنا دیا اور منظہرِ روحانیات کا گلزار کھلا دیا اور نجات دی ہم نے روحِ ابراہیمی
کو اُس سرزمین بدنی کی طرف جس میں ہم نے علوم و اعمال کے رزقِ حقیقی و اوصافِ کمالی
کی برکتیں دیں عالمین کے اصلِ حق کی تربیت ہدایت اور تکمیل کے لیے۔ محی الدین ابن عربی
سوتیا فرماتے ہیں کہ اولاد کی پیدائش کسبِ والدین کا ثمر ہے مگر وہب ربُّ العالمین کا ہے
اور صالحین ہونا بھی عظیم نعمتِ ربانی و مواہبِ رحمانی ہے اور حقیقی صلاحیت یہ ہے
کہ بندہ میں فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعدادِ فطری اور ہمت بیٹی ہو بیٹی ایمان کا حسن
ہے، جہان کی اِمامت ملنا بھی بندہ پر مواہبِ رحمٰن ہے۔ امامِ قوم وہی ہو سکتا ہے
جو امرُ اللہ کی ہدایت کرے، نفسِ طبیعت اور خواہشاتِ دنیوی کی پیروی نہ کرے۔
اسی ہدایتِ حق کا نام اصلِ ہدایت ہے یہ باطنی قوتیں اور ظاہری نشانیں ہیں جو صرف
وحیِ انبیا اور الہامِ اولیا سے حاصل ہوتی ہیں، یہاں کسی انسان کے ذاتی کسبِ کمال
کا ذرہ بھر دخل نہیں ہے اس لیے کہ انسان پر نفس کا غلبہ ہے اور نفسِ امارہ تو "فقط امَّارَةٌ
بِالسُّوْءِ" ہے یعنی برائی کا ہی حکم دینے والا ہے، بے شک یہ آیتِ قرآنیہ تنبیہ کرنے
والی اور جگانے والی ہیں اہلِ اخلاص کو عبادت کے ذریعے اور اہلِ غفلت کو اشارات
کے ذریعے۔ مخلص آدمی عبدِ مطلق ہے اور غافل آدمی عبدِ دنیا ہے اور فاسق آدمی عبدِ ہوا
ہے، روایت میں ہے کہ عبدِ دینار اور عبدِ درہم کی ہلاکت ہے اس لیے کہ یہ بندے دولتِ
خواہشات اور مالِ شہوات و لذاتِ دنیا کی تعظیم کرنے والے نمرودِ دہر ہیں اور یہ تعظیمِ دنیا

مثل عبادت غیر اللہ ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بندے تین قسم کے ہیں ۱۔ بندۂ آخرت ۲۔ بندۂ دنیوی ۳۔ بندہ حال۔ بندۂ آخرت وہ جس نے معاش کو چھوڑ کر معاد کی فکر کی اور آخرت کی تیاری میں مشغول رہا۔ بندۂ دنیوی وہ ہے جو معاد کو بھول کر چھوڑ کر معاش میں مشغول رہا آخرت سے غافل ہو کر عمر برباد کرتا رہا۔ بندۂ حال وہ ہے جو معاد اور معاش دونوں میں مشغول رہا۔ پہلا بندہ عابدین کے درجہ میں دوسرا بندہ هالکین کے درجہ میں تیسرا بندہ خاطرین کے درجہ میں ہے۔ ہر مومن خوش نصیب کے دماغ روشن میں عقل مثل لوط انوار ہے۔ وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۔ اے مرشد عالیان "تذکرہ فرمائیے قالب مسعود کے ساتھی لوط عقل مذکی کا جس کو عطا کی ہم نے جسم باطن کی حکمت جسم ظاہر کا علم باطن کی حکومت ظاہر کا غلبہ عقل ایمانی بھی رب تعالیٰ کا عظیم و عجیب خزانۂ انعام ہے اسلئے کہ عقل اندر حکم دل یزدانی است چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

اس عقل کو ہم نے ہی دل کا ساتھی بنایا خباثت نفسانی سے بچایا علاقہ شیطانی سے ہٹایا قریۂ جسمانی کے نفوس ذلیل شہوات فاسدہ لذات مفسدہ کے خبیث و قبیح کام کرتے تھے۔ اسی طرح مخالفت شریعت مطابقت حماقت والے فعل کرتے تھے اس وجہ سے دونوں جہان کے فاسقین ہو گئے تھے حالانکہ عقل شریعت اور فکر طریقت کی دشمنی صحبت بد سے ہے اسی سے دونوں جہانکی ذلت و رسوائی ہے۔ دنیا میں بندے پر یہی قہر الٰہی ہے خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو وصل معرفت کی پہلی رات ہی بری مجلس اور صحبت گندگی سے نجات مل جائے یہی مواہب رحمٰن اور عطیۂ بیکران ہے۔ مخلصین کو قوم فاسقین سے نجات کی دولت فرار کی ہدایت عطا فرمائی جاتی ہے (تفسیر روح البیان) فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے کو مخلص فرمایا جو آستانۂ کبریا سے ہزار بار سعادتیں نعمتیں برکتیں رحمتیں پا لینے کے باوجود بھی صالحات پر قناعت نہ کرے بلکہ مزید فیوض و برکات حاصل کرنے کی ہمت اور دعا مانگتا ہی رہے۔ سچی ہدایت یہ ہے کہ نہ تیری طلب بند ہو نہ رب کی عطا تجھ پر بند ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی دن میرے علم میں اضافہ نہ ہو تو اس دن کی صبح کو میں اپنے لیے مبارک نہیں سمجھتا اسی لیے

قرآن مجید میں حکم ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں کہ جب بندہ طلب معرفت الٰہی میں اپنے تن، من دھن شوق، وقت، عزت لذت، قوت قطانت، ذھانت بصارت سے کمر ہمت باندھ لیتا ہے تو رب تعالیٰ اس کی زمین قالب پر فتوحات ملکوت کے گیارہ دروازے کھول دیتا ہے ۱ فیضان ابراھیمیت ۲ انعام اسحٰقیت ۳ برکات یعقوبیت ۴ عرفان الٰہیت ۵ کمالات صلاحیت ۶ درجات پیشوائیت ۷ امرالٰہی کی ہدایت ۸ فعل الخیرات کا الہامیت ۹ صلوٰۃ عشق کی اقامت ۱۰ زکوٰۃ باطنی کی طہارت ۱۱ مرتبہ عابدین کی سعادت یا اللہ مجھ کو اور میری اولاد کو بھی یہ مکاشفات ابواب عطا فرما۔ اور ہماری کمزوریاں دکھ دور فرما۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور داخل کر لیا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں بے شک وہ اچھے کام کرنیوالوں میں تھے۔

اور ہم نے اُسے اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور یاد کرو نوح کو جب کہ فریاد کی تھی انھوں نے بہت پہلے زمانوں میں دعا قبول کی تھی ہم نے ان کی

اور نوح کو جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اُس کی دعا قبول کی

فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ ج

پھر بچا لیا تھا ہم نے اُن کو اور ان کے تمام متعلقین کو بہت بڑی دل تنگی سے۔

اور اُسے اور اُس کے گھر والوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

اور مدد کی تھی ہم نے ان کی ایسی قوم کے مقابل جنہوں نے جھٹلایا تھا۔

اور ہم نے اُن لوگوں پر اس کو مدد دی جنہوں نے ہماری آیتیں

بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

ہماری ظاہر نشانیوں کو بے شک وہ سب تھے بدعقیدہ قوم کے لوگ لہٰذا ہم نے غرق کردیا

جھٹلائیں بے شک وہ برے لوگ تھے تو ہم نے اُن سب کو

اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ

ان تمام کے تمام کو۔ اور یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جب دونوں اپنا اپنا فیصلہ فرماتے تھے

ڈبو دیا۔ اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک

فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

ایک کھیت کے بارے میں کیونکہ رات میں گھس پڑی تھیں قوم کی بکریاں

جھگڑا چکاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾

اور ہم تھے ان سب کے فیصلے کا مشاہدہ کرنے والے۔

اور ہم اُن کے حکم کے وقت حاضر تھے۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت لوط علیہ السّلام کا تعارف بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں ان پر رب تعالیٰ کے انعامات کا ذکر فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت یعقوب کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر ہوا جو ابو العرب ہیں اب ان آیات میں حضرت ابراہیم کے جدِ اعلیٰ نوح علیہ السّلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو ابو البشر ثانی ہیں نوح علیہ السّلام دوسرے صاحبِ شریعت نبی رسول تھے اور ابراہیم علیہ السّلام تیسرے صاحبِ شریعت نبی رسول تھے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں قوم لوط کی ہلاکت اور نیک

صالحین اور خود لوط علیہ السلام کو بچائے جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں قوم نوح کی ہلاکت کا ذکر ہوا اور نوح علیہ السلام اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچائے جانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ

واؤ سرِ جملہ۔ ایک قول میں واؤ عاطفہ ہے اور پچھلی آیت لوطًا اٰتَیْنٰهُ وَ نَجَّیْنٰهُ وَاَدْخَلْنٰهُ ان تمام جگہ واؤ عاطفہ ہیں یہ سب معطوف علیہ معطوف کے جملے ہیں اور لُوْطًا کا بدل اشتمال ہے اور لوطًا سب سے مل کر اُذْكُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے مگر آسان ترکیب یہی ہے جو ہم نے کی ہے۔ اَدْخَلْنَا۔ باب اِفعال کا فعل ماضی با فاعل اس کا مصدر ہے اِدْخَالٌ متعدی ہے بیک مفعول ہے ہٗ ضمیر منصوب متصل اس کا مرجع ہے حضرت لوط مفعول بہ ہے فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ رحمت اسم مفرد جامد بمعنی رحم و کرم یا بمعنی قربِ الٰہی یہ ظرفیت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے کیونکہ رحمت کسی مکان کا نام نہیں ہے مراد ہے چاروں طرف رحم ہونا، مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَدْخَلْنَا کا اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم مرجع لوط ہے مِنْ جارہ بمعنی فِیْ ظرفیہ مکانیہ یعنی میں سے الصّٰلِحِیْنَ اسم۔ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے صَالِحٌ "صَلُحَ" سے مشتق ہے بمعنی اچھے کام کرنے والا۔ یہ لغوی ترجمہ ہے مگر اعلیٰحضرت نے اس کا تفسیری ترجمہ فرما کر بہت بڑے فرق کو ظاہر فرما دیا کہ عوام کا صالح ہونا بمعنی نیک ہونا ہے اور لائقِ ثواب لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کا صالح بمعنا عوام کی شل نہیں بلکہ مخصوص قربِ الٰہی ہے جہاں فرشتے بھی دم نہ مار سکیں ہر جگہ صالح کا ترجمہ یہی فرمایا ہے جب کہ ہم نے لغوی ترجمہ کیا ہے۔ بحالتِ کسرہ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ تامّہ پوشیدہ کا وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ تامہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے اَدْخَلْنَا کی۔ اَدْخَلْنَا فعل فاعل مفعول متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ ان آیات میں جمع متکلم کی تمام ضمائر و صیغ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ واؤ سرِ جملہ نُوْحًا۔ اسم مفرد جامد عربی لقب ہے بمعنی بہت نوحہ کرنے والا یعنی روتے ہوئے عرض کرتے والا فریاد یا دعا) ایک قول میں زبانِ سریانی کا لفظ ہے بعد میں معرب کیا گیا عربی لغت میں شامل کیا گیا بحالت نصب ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے اور ما بعد کا مبدل منہ ہے اِذْ ظرفیہ زمانیہ نَادٰی باب مفاعلۃ"۔

کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب نِدَیٌ سے بنا ہے اس کا مصدر مُنَادِیَۃٌ اور نِدَاءٌ ہے بمعنیٰ پکارنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع نوح ہے مِنْ حرفِ جر قَبْلُ اسم ظرفیہ زمانیہ مبنی ہے جب یہ مضاف نہیں ہوتا تو ہمیشہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے نادیٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بدل اشتمال ہے نوحًا کا دونوں مل کر معطوف علیہ ہوا۔ ایک قول میں یہ جملہ ظرف ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا۔ فَ عاطفہ سببیہ اِسْتَجَبْنَا۔ بابِ استفعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِسْتِجَابَۃٌ جو در اصل اِسْتِجْوَابٌ تھا تعلیل سے واؤ گر گئی کیونکہ خود متحرک ماقبل حرفِ صحیح ساکن تھا آخر میں تَ مصدریہ عوض میں لگی جَوْبٌ مادہ مصدر ہے بمعنیٰ قبول کرنا جواب عطا فرمانا یہ فعل یا فاعل لَہٗ جار مجرور متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ نَجَّیْنَا بابِ تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم نَجْوٌ مصدری مادہ ہے اور تَنْجِیْۃٌ اور تَنْجِیَۃٌ اس کا مصدر ہے بمعنیٰ بچانا نجات دینا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع نوح ہیں منصوب متصل ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَھْلٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ اَھْلِ تربیت افراد۔ یہ عام لفظ ہے یعنی متعلقین لوگ (آل اولاد بیوی شاگرد۔ مرید۔ امتی متبعین مطیعین) اَھْلَہٗ یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ مِنْ حرفِ جر بمعنیٰ بَ جارہ۔ اَلْکَرْبُ اسم مفرد جامد معرف باللام حاصل مصدر ہے۔ مشترک ہے پانچ معنیٰ میں ۱ مصیبت میں ہونا ۲ زمین کھودنا ۳ غمگین ہونا ۴ ڈوبنا ۵ قریب ہونا اسی معنیٰ سے یہ افعالِ مقاربہ میں شمار کیا جاتا ہے کَادَ کے مشابہ یہاں مراد ہے خاص قسم کی سخت مصیبت العظیم اسم مبالغہ بروزنِ فَعِیْل یہ تاکیدی صفت ہے کرب کی۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نَجَّیْنَا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَاسْتَجَبْنَا کا اور وہ جملہ ہو کر معطوف ہے اِذْ نَادٰی کا سب مل کر اُذْکُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہوا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

وَنَصَرْنٰہُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ واؤ سرجملہ نَصَرْنَا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مدد کرنا ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے لیکن اگر اس کے بعد مِنْ حرفِ جر ہو تو مدد نجاتی مراد ہوتی ہے یعنی صرف منصور و ممدود کو بچانا اور اگر اس کے بعد علیٰ ہو تو مدد انتقامی مراد ہوتی ہے یعنی دشمن کو ہلاک یا تباہ حال کر کے مظلوم کو بچانا۔ یہاں مِنْ جارہ بمعنیٰ علیٰ جارہ ہے اور مراد انتقامی مدد اسی لیے طوفان سے ہلاکت کو اہلِ ایمان کی مدد قرار دیا گیا ہٗ ضمیر

منصوب متصل مرجع نوحًا ہے من جارہ بمعنیٰ علیٰ القوم موصوف اَلَّذِیۡنَ اسم موصول جمع مذکر کیونکہ لفظ قوم معنًا وَافرادًا جمع مذکر ہے کَذَّبُوۡا باب تفعیل ماضی مطلق جمع مذکر غائب کِذْبٌ سے بنا ہے اس کا مصدر تکذیبٌ بمعنیٰ جھٹلانا، جھوٹا کہنا بِاٰیٰتِنَا یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے کَذَّبُوۡا کا اِنَّ حرف مشبہ ھُمْ منصوب متصل کا مرجع ہے قوم اسم ہے اِنَّ کا۔ کَانُوۡا فعل ناقصہ جمع مذکر غائب ضمیر جبیعہ پوشیدہ اس کا اسم ہے مرجع ہے اَلقوم قَوْمَ مضاف ہے سُوْءٍ مضاف الیہ اس کو اضافتِ صفاتی کہا جاتا ہے یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت یہ مرکب اضافی خبر ہے کَانُوۡا کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعلیلیہ اَغْرَقْنٰا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم ھُمْ ضمیر مؤکدا جمعین اسماءِ تاکید یہ میں سے ہے بحالتِ نصب (زبر) کیونکہ تاکیدی تابع ہے ھُمْ ضمیر کا دونوں متبوع مؤکد اور تاکید تابع مل کر مفعول بہ ہے اَغْرَقْنٰا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علت ہے ان کے جملے کا وہ سب مل کر علت ہے نَصَرْنٰا کے جملے کی سب مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہوگیا وَدَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡكُمٰنِ فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡهِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ وَكُنَّا لِحُكۡمِهِمۡ شٰهِدِیۡنَ۔ واؤ سرجملہ۔ ایک قول میں عاطفہ ہے اور مابعد جملے کا عطف ہے نُوۡحًا پر۔ دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ۔ یہ دونوں لفظ اسم پاک ہیں دو نبیوں کے علیہما السلام۔ دونوں غیر منصرف ہیں کیونکہ عجمی علم ہیں زبان سریانی کے لفظ ہیں دونوں معطوف علیہ معطوف ہوکر مفعول بہ ہیں اُذْکُرْ فعل امر پوشیدہ کا فِیۡ جارہ ظرفیہ زمانیہ اَلْحَرْثِ اسم مفرد معرفہ بالف لام (نکرہ مخصوصہ) حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ اُگی ہوئی کھیتی حقیقی زمینی یہ جار مجرور متعلق ہے یَحْكُمٰنِ فعل تثنیہ کا باب نَصَرَ سے ہے حُکْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ فیصلہ کرنا عدالتی حکم جاری کرنا۔ اِذْ اسم ظرفِ زمانی کے لیے۔ نَفَشَتْ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مؤنث غائب نَفْشٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھیلنا بکھرنا روئی یا اون دھننے کو بھی اسی معنیٰ میں منفوش کہتے ہیں چار پایہ جانوروں کے چرنے کے لیے چراگاہ میں پھیلنے بکھرنے کو نفش بھی کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ عربی زبان میں چوپایہ جانوروں کے چرنے کے لیے تین لفظ مستعمل ہیں ۱۔ رَتْعٌ۔ اَجْرِی یعنی راعی (جانوروں کا نگہبان، خود اپنی نگاہ داشت میں چرائے رات ہو یا دن)، ۲۔ هَمْلٌ۔ بغیر نگہبان جانور خود بخود چرنے کے لیے دن میں نکل پڑیں ۳۔ نَفْشٌ، رات کے وقت جانور کھل جائیں اور کسی جگہ چرنے لگ پڑیں اور مالک

کو پتہ نہ ہو۔ یہی معنی یہاں ہیں فیہ جار مجرور متعلق ہے نَفَشَتْ کا غَنَمُ۔ اسم مفرد جنسی واحد ہے مگر مراد بہت سی بکریاں مضاف ہے اَلْقَوْمِ۔ الف لام عہدی تبعیضی مراد ہے قوم کے کچھ لوگ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے نَفَشَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا یَحْکُمٰنِ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ کُنَّا فعل ناقصہ جمع متکلم یا اسم۔ باب نَصَرَ سے ہے لام حرف جر تعدیہ کا بمعنی اُو حُکْم بمعنی فیصلہ مضاف ہے ہِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع ہے داؤد، سلیمان اور مدعی اور مدعیٰ علیہم یہاں مزید چند قول ہیں ۱۔ ضمیر ہِمْ کا مرجع داؤد سلیمان ہیں فقط، اور ضمیر جمع سے مراد عظمت واحترام ہے ۲۔ جمع سے مراد جمع ہی ہے مگر جمع کم از کم دو ہے نہ کہ تین۔ مگر یہ غلط ہے ۳۔ ایک قرأت میں حُکْمِهِمَا ہے نہ کہ حُکْمِهِمْ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے شٰهِدِيْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر مراد واحد ہے کیونکہ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور یہ صیغہ جمع۔ کُنَّا جمع متکلم بمعنی واحد متکلم کی مناسبت کی وجہ سے آیا اس کا واحد مذکر ہے شَاهِدٌ۔ شُهُوْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مشاہدہ کرنے والا مکمل طور پر دیکھنے والا شٰهِدِيْنَ اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کُنَّا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۔ وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ

اور داخل کر لیا لوط کو ہم نے اپنی رحمت کی چادر میں کیونکہ بے شک وہ اس نعمت کی صلاحیت اور لیاقت رکھنے والوں میں سے تھا۔ خیال رہے کہ یہاں فِیْ رَحْمَتِنَا کی ظرفیت مجازی ہے اس لیے کہ رحمت غیر مرئی اور لطیف اشیا میں سے ہے جب کہ ظرفیت حقیقی کے لیے محسوس کثیف اور مرئی یعنی دکھائی دینے والی چیز ہونا شرط ہے مگر رحمت نہ محسوس نہ کثیف نہ مرئی اس لیے کہ رحمت عمل و فعل صفت ہے اور صفت ہمیشہ غیر مرئی ہوتی ہے خواہ قولی ہو یا فعلی۔ یہاں ظرفیت فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر طرف رحمت ہی رحمت اور ہر وقت رحمت وہ لوط علیہ السلام ہماری صفتِ رحمت سے مشرف رہتے تھے۔ قرآن مجید کی چھ سورتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے چھ مختلف پہلوؤں کا ذکر فرمایا گیا اوّلاً سورۃ اعراف پارہ آٹھ آیت ۸۰ دوم سورۃ ہود پارہ بارہ آیت ۷۷ تا ۸۲ سوم

سورۃ شعرا پارہ اُنیس آیت ۱۶۰ تا ۱۷۵ چہارم سورۃ عنکبوت پارہ بیس آیت ۳۲ تا ۳۵ پنجم سورۃ تحریم پارہ اٹھائیس آیت ۱۰ ششم یہی سورۃ انبیا پارہ سترہ آیت ۷۱ تا ۷۵۔ آپ کی عمر شریف میں مؤرخین کے تین قول ہیں۔ صحیح و مدلل قول یہ ہے کہ آپ کی عمر مبارک بچاسی سال ہوئی دس سال آپ نے اپنے رہائشی علاقہ مؤتفکہ میں دینِ ابراہیمی کی تبلیغ فرمائی جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو آپ کو اپنی نبوت و شریعت جاری فرمانے کی اجازت ملی اور آپ کو بحیرۂ مُراد کے مشرق ساحلی کنارے کے علاقے والی بستی اسدوم میں مبعوث فرمایا گیا۔ یہاں آپ نے تیس سال تبلیغ فرمائی اس بستی کے سات شہر تھے جو تمام صدر مقام شہر سدوم سے منسوب تھے کل آبادی چار لاکھ افراد پر مشتمل تھی عورت و مرد ملا کر جن میں سے صرف تین سو افراد مومن ہوئے وہ سب ایک علیحدہ بستی الزّغرہ میں مقیم تھے۔ جب قوم لوط پر عذابِ رجم آیا تو آپ رات کے وقت بحکمِ رب تعالیٰ اِس بستی میں آ گئے تھے اور اُن ساتوں شہروں کو مع آبادی و عمارات کے تباہ کر دیا گیا کوئی مرد عورت یہاں تک کہ جانور چرند پرند کوئی بھی زندہ نہ رہا نہ چھوڑا گیا کچھ اڑ گئے کچھ بھاگ گئے بقیہ ہلاک ہو گئے۔ اس عذاب کے بعد حضرت لوط علیہ السّلام تقریباً پندرہ سال زندہ حیات رہے اِسی رحمتوں برکتوں عزتوں بے فکریوں والی اطمینانی زندگی کا یہاں ذکر ہے اس پندرہ سالہ دور میں آپ اپنی شریعت کی اصلاحی عملی تبلیغ فرماتے اور گندی تباہ و ہلاک شدہ قوم کے پلید و خبیث معاشرے سے بچ نکلنے نجات ملنے پر شکرِ الٰہی ادا کرتے رہے۔ آپ صاحبِ شریعت رسول ہوئے ہیں آپ کے دین کا نام بھی دین لُوطوی ملّتِ ابراہیمی تھا بعض نے فرمایا کہ لفظ لوط آپ کا نام نہیں بلکہ لقب ہے اور معرّب ہے عبرانی زبان سے عبرانی میں اس کا ترجمہ ہے زمین پر لیٹنے یا لوٹنے والا۔ آپ ہمیشہ زمین پر بیٹھتے لیٹتے اور سوتے تھے جس کی وجہ سے اکثر آپ کے جسم مقدس اور لباسِ مبارک کو مٹی لگ جاتی تھی۔ اسی لیے آپ کا یہ لقب ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کا یہ نام ہی تھا۔ وَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ آپ کا مزارِ اقدس فلسطین کی ایک وادی بستی بو خلیل میں ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام کے مزارِ اقدس کے کہیں قریب ہی۔ اس سورۃ مبارکہ کا تیسرا واقعہ اور ساتویں پیغمبر حضرت نوح علیہ السّلام کا مختصر ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ۔ اور اے محبوب یاد کیجئے وہ وقت جب اِسی گزشتہ واقعۂ ابراہیم اور تذکرۂ لوط سے بھی پہلے، ایک نبی رسول نوح نے

پکارا کبھی اجمالاً اس طرح کہ۔ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ جیسا کہ سورۃ قمر آیت ۱۰ میں مذکور ہوا اور کبھی نوح علیہ السلام نے تفصیلاً پکارا اس طرح کہ۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا جیسا کہ سورۃ نوح آیت ۲۶ میں ذکر ہوا۔ یعنی نوح علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے پہلے اپنے لیے دعا عرض کی کہ اے میرے پروردگار بے شک میں اس مغرور مالدار سرکش گمراہ ضدی کافر ظالم قوم کو تبلیغ دین سمجھا سمجھا کر مغلوب اور عاجز آچکا ہوں کہ اتنا دراز عرصہ ہو چکا مگر بجز چند افراد کوئی شخص کفر شرک سے باز نہیں آتا لہٰذا اے میرے رب کریم اب تو میری مدد فرما اور مجھ کو ان کے کفریات سننے شرکیات دیکھنے نہ پڑیں یہ گستاخی ربانی میں حد سے بڑھتے ہی جا رہے ہیں اب ان کا وجود زمین اور اہل زمین کے لیے فساد ہی فساد ہے اسلیے اے میرے رب زمین پر جتنے بھی یہ مال و دولت گھر بار اونچے محلوں کے مغرور کفار دندناتے پھر رہے ہیں کسی ایک کو بھی زمین پر زندہ نہ چھوڑ سب کی نسلوں کو بھی تباہ فرما دے انہوں نے تیری بہت گستاخیاں کرلیں اب یہ گستاخیاں سننا میری برداشت میں نہیں۔ یہاں فرمایا گیا اِذْ نَادٰی یہ فرمان عام ہے دعا اور بددعا کے لیے۔ پہلا جملہ اپنے لیے دعا ہے اور دوسرا جملہ کفار پر بددعا ہے۔ اِذْ نَادٰی میں رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ بھی ہے اور بددعائیہ کلمات رَبِّ لَا تَذَرْ بھی ہے۔ دونوں التجائیں نَادٰی میں داخل خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا لقب ابوالبشر اول ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا لقب اَبُو العرب اول ہے۔ یعقوب علیہ السلام کا لقب اَبُو الانبیا ہے۔ نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی ہے کیونکہ طوفان نوح کے بعد جو نسل انسانی چلی وہ صرف نوح علیہ السلام کے بیٹوں حام سام یافث اور اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام سے چلی۔ اسماعیل علیہ السلام کا لقب اَبُو العرب ثانی ہے۔ یہاں ابوالعرب اول یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد ابوالبشر ثانی یعنی نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے جن میں تین حام سام یافث اولیاء اللہ وصحابی تھے۔ چوتھے بیٹے اخنوخ جن کا لقب ادریس تھا وہ نبی تھے اور آپ کی دوسری بیوی سے چھوٹا بیٹا کنعان کافر ہو کر ہی غرق ہوا ادریس علیہ السلام کی کثیر نسل آپ کے پوتے ملک بن متوشلخ بن ادریس سے چلی (تفسیر روح المعانی)، تمام انبیاء علیہم السلام میں تبلیغی زندگی سب سے

زیادہ نوح علیہ السلام کی ہے آپ کا پیدائشی نام عبد الغفار تھا۔ آپ کی کل عمر ساڑھے دس سو سال ہوئی اور چالیس سال کی عمر آپ کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال حیات رہے اس طرح آپ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی جس سے صرف چار سو آدمی مومن بنے۔ طوفان کے وقت آپ کی اولاد اور اہل بیت و نسل اولاد کے علاوہ صرف ساٹھ مرد اور ساٹھ عورتیں جو ان کی بیویاں تھیں پس یہ مومن زندہ تھے جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار ہوئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ یہاں اَهْلَهٗ سے مراد یہی سواران کشتی مومنین اور مومنات ہیں۔ (تفسیر صاوی) جب نوح علیہ السلام نے نداء دعا عرض کی فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ تو ہم نے اُن کی یہ دعا قبول فرمائی۔ فَاسْتَجَبْنَا کا لفظ بتا رہا ہے کہ ندا کے الفاظ دعائیہ تھے جو اپنے لیے دعا تھے اُن کفار کے لیے بددعا۔ اجابت استجابت کا یہی فرق ہے کہ قبول کرانا استجابت ہے اور معنیٰ یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام نے قبول کرانے کے لیے ندا کی تو ان کے لیے ہم نے قبول فرمائی، قبول کرنی اجابت ہے یعنی اگر یہاں ناوٰی نہ ہوتا تو اَجَبْنَا ارشاد ہوتا اسی طرح ایسے اس کے بعد لَهٗ ہے، (تفسیر روح البیان) اور نداءِ نوح اس طرح قبول فرمائی کہ اُن کو اور اُن کے تمام اہل و عیال کو کرب عظیم سے نجات دی یعنی اُس تمام غم و فکر تردّد پریشانی ایذا رسانی قلبی ذہنی تکلیف روحانی مصیبت جسمانی اذیت جو اُن کفار کے ظلم کی طرف سے شرک کفر اور مومنین پر ظلم کی صورت میں ساڑھے نو سو سال تک آپ کو دیکھنے سننے برداشت کرنے کو ملے اگرچہ کفار نوح علیہ السلام کو بھی سخت ترین جسمانی تکلیفیں پہنچاتے تھے جس سے کئی دفعہ بے ہوش بھی ہو جاتے تھے مگر آپ نے اپنی جسمانی تکلیف کی شکایت کبھی بھی رب تعالیٰ سے عرض نہ کی بلکہ ہر طرح برداشت کی اور پھر بھی نہایت محبت بھرے انداز میں سمجھاتے ہی رہے جب کبھی خبثاء قوم آپ کو مارتے اور آپ بے ہوش ہو جاتے جب ہوش آتا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے کہ مولیٰ ان کو معاف فرما دے کیونکہ یہ مجھ کو پہچانتے نہیں میری سچی خیر خواہی کو جانتے نہیں بددعا اُس وقت مانگی جب آپ نے اپنے علم غیب سے معلوم کر لیا کہ یہ تمام کفار تقدیر ازلی مبرم کے بدبخت اور ابدی جہنمی ہیں ان کا اپنا ایمان تو در کنار اُن کی پشتوں نسلوں میں بھی ایمان نہیں ہے۔ خیال رہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اسی دنیا کے لیے رحمت ہوتے ہیں لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت

ہیں۔ جب نوح علیہ السلام نے ندا عرض کی تو طریقہ قبولیت اس طرح ظاہر ہوا۔ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔
اور کامل مدد فرمائی ہم نے اُس نوح کی ندا کرنے کی وجہ سے اِس ندا کے بعد تاکہ کائنات عالمین کو دعاء نبوت کی شان ظاہر ہو اور تا قیامت معلوم ہو جائے کہ جس نجی اللہ نبی اللہ کی قوم کے دل میں ذرہ عزت نہیں تھی اُن کی بارگاہِ الٰہی میں کیسی عظیم عزت ہے کہ ہاتھ اُٹھنے لب ہلنے کی دیر تھی کہ اس ظالم قوم سے ہم نے اپنے نبی کو علیحدہ کر دیا جس قوم کے لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ اور نبی کو نہ مانا۔ بے شک وہ ایسی سخت بری قوم تھی کہ کافر مشرک ہونے کے علاوہ فاسق و فاجر ظالم و مغرور ضدی بھی تھے نافرمان بھی۔ اور یہ ہمارا ازلی قانون ہے کہ جو قوم اجتماعی طور پر شر فساد سرکشی پر مُصر منہمک اور مشغول ہی رہے اور تکذیب انبیا پر ضد باندھ لے کسی طرح کسی وقت بھی سمجھانے سے نہ سمجھے کفر سے باز نہ آئے تو زمین سے اُن کی مفسدانہ گندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے اُس پوری فسادی قوم کو ختم کر دیا جاتا ہے اُسی فیصلۂ ازلیہ کے مطابق۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔
ہم نے اُن سب بڑے چھوٹے مذکر مونث کو ایک دم بلا مہلت پانی میں غرق کر دیا اور یہ غرق طوفانی ہی ان کی ہلاکت و فنا تھی اِس سے پہلے بہت دراز مہلتیں اُن کو دی گئیں اور سب کو سنبھلنے سیکھنے عذابِ الٰہی سے بچنے کی اتنی دراز مہلت و مُدتِ حیات کسی قوم کو نہ ملی۔ زمین پر یہ طوفان پہلا عذاب تھا قبولیتِ دعا کی خبر کے بعد نوح علیہ السلام کو طریقۂ عذاب بتا دیا گیا اور اہلِ ایمان کو بچانے کے لیے ایک بہت بڑی گیارہ منزلہ آبدوز کشتی بنانے کا حکم دیدیا گیا کشتی بنانے کا طریقہ نوح علیہ السلام کو کسی دنیوی کاریگر بڑھئی جرب کا سے سیکھنا نہ پڑا بس حکمِ الٰہی ملتے ہی آپ نے کشتی بنانا شروع کر دی اور شاندار مضبوط خوب صورت بنائی کہ عقلِ انسانی حیران رہ گئی آپ کی یہ کشتی بھی آپ کی نبوت کا ایک معجزہ تھی جو رب تعالیٰ نے درس گاہِ ربانی سے خود تعلیم فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا کوئی دنیوی استاد نہیں ہو سکتا۔ یہ مقدس ہستیاں قبلِ ولادت ہی سب کچھ جانتی ہیں کشتی بن کر تیار ہو گئی تو اُس کے تقریباً تین سال بعد طوفان آیا جو بلندی میں پہاڑوں سے اونچا۔ بادلوں کے قریب تھا علاقائی پھیلاؤ کے اعتبار سے پوری میدانی زمین پر پانی ہی پانی تھا قبولیتِ دعا سے غرقابی تک تقریباً دس سال کا عرصہ لگا حضرت ابو امامہ رض صحابی

نے فرمایا کہ دو نبیوں کو سخت حسرت ہوئی۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کا کہنا مان کر پھر حضرت نوح علیہ السلام کو۔ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ کی بددعا مانگ کر۔ حسرتِ نوح کو رب تعالیٰ نے ختم فرمایا تقدیری فیصلے کی تسلی دے کر اور حسرتِ آدم کو ختم فرمایا توبہ قبول کر کے پھر نبوت دے کر اور یہ ظاہر فرما کر وہ کمزوری آپ کی بشریت کی تھی اُس وقت آپ کے پاس نبوت کی قوت نہ تھی۔ نبوت میں یہ بشری کمزوری نہیں ہوتی انبیاء علیہم السلام کی تو بشریت بھی بے مثل و شاندار ہوتی ہے۔ جب طوفان ختم ہوا تو بجز کشتی والے نفوس کے زمین پر کوئی جاندار زندہ نہ تھا بجز ایک مومنہ بڑھیا کے جس کو معجزاتی طور پر بچا لیا گیا تھا۔ کیونکہ نوح علیہ السلام نے اُس سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں اپنے گھر بیٹھو تم کو طوفان کے وقت بلا لیں گے مگر یہ وعدہ بھول گئے۔ یہ کشتی چالیس دن پانی میں رہی اکتالیسویں دن جودی پہاڑ پر ٹھیری یہ دن دس محرم شریف تھا۔ کشتی سے اتر کر جو پہلا کھانا کھایا گیا وہ حلیم تھی اسی کی یادگار میں مسلمان یوم عاشورہ کو حلیم پکاتے ہیں۔ پھر اسی دن کو یوم کربلا بنا دیا گیا۔ حسن اتفاق سے آج جب میں یہ عبارت تفسیر میں لکھ رہا ہوں تو دس محرم الحرام یوم عاشورہ بروز اتوار ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء بوقت بارہ بجے دن مقیم لندن ہمارے گھر میں بھی اس وقت برائے فاتحہ نوح علیہ السلام وَاَھلِہ اور شہداءِ کربلا علیہم السلام حلیم ہی پک رہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ مولیٰ تعالیٰ آج کی اس فاتحہ اور عبادات اور اس تفسیر کو قبول فرمائے۔ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۔ اے محبوب کریم شانِ انبیاء کی اس سورۃ عظیم میں ہمارے مرسل برحق داؤد علیہ السلام اور نبی رسول سلیمان کا تذکرہ بھی اپنی اُمت عالمین کے سامنے فرمایئے تاکہ ان شخصیتوں کی بھی شانِ حقیقی تا قیامت لوگوں کے سامنے آجائے اور اُن کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی گستاخی آمیز بائبل و تالمود کی خرافاتی بناوٹی تحریروں کا پردہ فاش ہو بس اُن کی شانِ علمیت و قوتِ فیصلہ اور قرب بارگاہِ الٰہی کا ایک وہی واقعہ ذکر فرما دیجئے جب یہ دونوں فیصلہ فرما رہے تھے ایک کسان کاشت کار زمیندار کی اُگی ہوئی ایک کھیتی کا اور داؤد و سلیمان دونوں نے الگ الگ مختلف فیصلہ کیا تھا کیونکہ رات کے وقت کھُل پڑی تھیں اُس کھیتی میں اُسی قوم کے ایک شخص کی چند بکریاں اور ہم بہ نظر محبت اُن سب حاکم و محکوم کو یعنی مدعی و مدعی علیہ

وقاضیان حاکمان کے اس فیصلے کا مشاہدہ فرمارہے تھے۔ داؤد علیہ السلام وہ رسول نبی اور دوسرے صاحب کتاب مرسل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو اناسی سال بعد پیدا ہوئے ایک قول میں پانچ سو اٹہتر سال بعد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام سے بارہ سو سال پہلے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سترہ سو سال پہلے ہوئے آپ کو زبور کتاب ملی۔ آپ کی کل عمر ایک سو سال ہوئی چالیس سال عمر میں قوم بنی اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے آپ کی تبلیغ نبوت وشریعت زبور کا علاقہ فلسطین ہی تھا آپنے ہی پندرہ سالہ عمر میں کافر کوفدآور بادشاہ جالوت کو ایک پتھر سے قتل کیا تھا حضرت طالوت کے لشکر میں جنگ کرتے ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ داؤد بن ایشا بن عوبر بن باعز بن سلمون بن نخشون بن عمی بن یارب بن حضرون بن فارض بن یہودا بن یعقوب حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ شریف اس طرح ہے سفیدی مائل سرخ چہرہ بڑا سر سفید جسم لمبا قد گھنی داڑھی مبارک سر مبارک اور داڑھی شریف کے بال سیاہ ہلکے کنڈل بہترین سریلی پیاری نرم آواز۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کا سراپا حلیہ مقدس فاروق اعظم کے حلیہ شریف سے کچھ کچھ مشابہ تھا آپ کو یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ آپ پہلے نبی ہیں جن کو اپنے علاقہ کی بادشاہت بھی ملی آپ کی حکومت ساٹھ سال رہی ایک قول ہے کہ چالیس رہی۔ آپ کو نبوت کی بعثت کے ساتھ ہی بادشاہ بھی بنا دیا گیا۔ اور دوسرے قول میں ہے کہ اعلانِ نبوت کے بیسویں سال یعنی ساٹھ سالہ عمر میں بادشاہ بنائے گئے اس فیصلے کے وقت آپ کی عمر مبارک بچھتر سال تھی اور سلیمان علیہ السلام کی عمر مبارک اُس وقت گیارہ یا تیرہ سال تھی داؤد علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے حضرت سلیمان سب میں چھوٹے بیٹے تھے۔ اس فیصلے کے بعد حضرت داؤد اپنے ہر معاملے میں ذاتی ہوتا یا عدالتی اپنے اس فرزند کریم سے مشورہ لیتے تھے۔ خیال رہے کہ چار انبیا علیہم السلام ہیں جن کے بارہ بارہ بیٹے ہوئے تھے ۱ اسماعیل علیہ السلام ۲ حضرت یعقوب ۳ حضرت داؤد ۴ ایوب علیہم السلام سلیمان علیہ السلام کی عمر ترپن سال ہوئی۔ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی فرزند عظیم داؤد علیہ السلام کے جانشین سلطنت بھی ہوئے اور خلیفۂ نبوت بھی سلیمان علیہ السلام صاحب شریعت نبی رسول تھے۔ بعض نے فرمایا آپ کی کل عمر تریسٹھ سال ہوئی (تفسیر صاوی مظہری روح المعانی)

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ فی حرثنا میں تین قول ہیں ایک یہ کہ

رحمت سے مراد صفت رحیمی ہے تب یہ ظرفیت مجازی ہے دوم یہ کہ اس سے مراد نبوت ہے سوم یہ کہ اس سے مراد ثواب جنت ہے۔ اس قول میں یہ ظرفیت حقیقی ہے۔ پہلے دو قول میں ظرفیت مجازی ہے ۲ نَادٰی میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ندا اپنی مرضی اور ارادے سے کی تھی۔ اسی لیے بد دعا کرنے پر افسوس اور حسرت ہوئی۔ دوم یہ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے یہ نداعرض کی تھی یعنی وحی الٰہی آئی تھی کہ کفار کے لیے بد دعا کرو تب آپ نے بد دعا فرمائی مگر یہ قول قطعاً غلط ہے۔ پہلا قول درست ہے ۳ مِنْ قَبْلُ سے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ قبل سے مراد ابراہیم علیہ السّلام سے پہلے دوم یہ کہ اے محبوب آپ سے پہلے ۴ اَهْلَهٗ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اہل سے مراد نوح علیہ السّلام کی ایک مومنہ بیوی چار بیٹے دو بیٹیاں ہیں۔ دوم یہ کہ اہل سے مراد تمام اس وقت کے زندہ موجودہ مومنین و مومنات ہیں ۵ کَرْبِ عَظِیْم میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ کرب عظیم سے مراد آیت الٰہی کی تکذیب کفار اور کفریہ ماحول ہر طرف شرک و بت پرستی کی گندگی۔ دوم یہ کہ کفار کا مومنین کو اذیت دینی مراد ہے اور مومنین کی ذلت و پریشانی کا غم و افسوس۔ سوم یہ کہ نوح علیہ السّلام کو اپنی اذیت کا بھی غم تھا۔ مگر یہ قول غلط ہے دو قول درست ہیں اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کو تبلیغی میدان میں کبھی بھی اپنی تکلیف کا غم تو درکنار احساس بھی نہیں ہوتا ۶ بِاٰیٰتِنَا۔ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آیاتنا سے مراد کلام اللہ صحیفوں کی آیتیں وحی الٰہی۔ عذاب کی خبریں مراد ہیں دوم یہ کہ نبوت اور رسالت مراد ہے یہ دونوں قول درست ہیں کفار سب کی ہی تکذیب کرتے تھے کفار کی تکذیب کی ہمیشہ تین صورتیں ہوتی رہیں ۱ قولی انکار یعنی ایمان نہ لانا ۲ عملی انکار یعنی مخلفانہ کام کرنا حکم نبی کے برعکس ۳ نبی علیہ السّلام کا مذاق اڑانا حتی کرنا ۷ فِی الْحَرْثِ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ موسمی کھیتی مراد ہے۔ دوم یہ کہ حرث سے مراد انگور کی بیلیں ہیں جن میں انگور کے پختہ گچھے لگے تھے وہ بکریاں سب گچھے کھا گئی تھیں کچھ خراب کر گئی تھیں مگر پہلا قول زیادہ درست ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قرآن مجید کے فرمان عالی کے مطابق بیوی بھی اہل بلکہ بیوی ہی افضل اہل بیت ہے اولاد وغیرہ بیوی کے تابع ہو کر اہل بیت بنتے ہیں یہ فائدہ یہاں اَهْلَهٗ فرمانے اور قرآن مجید کی دیگر آیت میں بیوی کو اَهْلَ الْبَیْتِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ نوح علیہ السّلام کی کشتی میں آپ کی پہلی مومنہ بیوی اور اس کی اولاد بھی سوار تھی آپ کی دوسری کافرہ بیوی اور اس کا

کافر بیٹا کنعان پانی میں غرق ہو گئے تھے۔ بعض حضور کے بارش پینے ہوئے شیعہ لوگ اہل بیت میں بیوی کو داخل نہیں مانتے وہ جاہل و گمراہ ہیں کیونکہ منکر منشاءِ الٰہی و آیتِ قرآنی ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں بارگاہِ رب العزت میں بڑی شان و مرتبہ رکھتی ہیں کبھی رد نہیں کی جائیں یقیناً قبول فرمائی جاتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی بد دعائیں بھی شانِ قبولیت کا اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو اُن کی دعائیں لینے اور اُن کی بد دعاؤں سے بچنا چاہیے یہ فائدہ وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی کے بعد فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ:** یہ آیت مسلمانوں کو سبق دے رہی ہیں کہ جس طرح ہر بندہ یہ خواہش کرتا ہے کہ اُس کا ظاہر خوب صورت خوشگوار اُجلا نو و تازہ پاکیزہ رہے اس کے لیے ہر مسلمان کو اپنے رہن سہن کا اردگرد والا ماحول اور معاشرہ ایمانی پاکیزہ اور عرفانی خوشبو والا بنانا پڑے گا کوشش و ہمت کے ساتھ ساتھ سچی دعائیں حقیقی ندائیں عاجزانہ التجائیں بھی بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا رہے کہ مولا تعالیٰ مجھ کو کفر یہ گندگی شرکیہ پلیدگی گستاخوں کی محفلوں شیطانوں کی مجلسوں بے ادبوں کی کتابوں بے غیرتوں کی باتیں اللہ رسول کے دشمنوں کے قرب اور رہائشوں کے کربِ عظیم سے بچا یہ کوشش و دعا اس لیے بھی کرتی ہے کہ مومن متقی کے لیے اصل کربِ عظیم کا فرانہ فاسقانہ گستاخانہ وہابیانہ ماحول ہی ہے یہ فائدہ۔ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا عرض کی تھی کہ مجھ کو اس کافرانہ ماحول سے بچا اسی ماحول کو کربِ عظیم فرمایا گیا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** دینی دشمن کے لیے بد دعا کرنی جائز ہے اور جب کسی طرح بھی اُس کی اصلاح کی امید نہ رہے بلکہ اُس کی صحبت بد سے مزید نقصان ہونے کا اندیشہ ہو اور قابو سے باہر ہو جائے تو بد دعا کرنا واجب ہے یہ مسئلہ اِذْ نَادٰی (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال ہر طرح سمجھانے تبلیغ فرمانے کے بعد جب اندازہ لگایا کہ لَمْ یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا تب آپ نے اُن کفار اور دشمنانِ دین و ایمان کے لیے ہلاکت کی بد دعا فرمائی جو قبول ہوئی۔ شریعتِ اسلام میں اس قسم کے ضدی اور مُوذی کفار و فساق دونوں کا یہ حکم ہے مگر ذاتی دشمن کے لیے بد دعاءِ ہلاکت کرنی ممنوع ہے۔ **دوسرا مسئلہ۔** انبیاء کرام علیہم السلام وہ بے مثال اور اولوالعزم

ہستیاں ہیں جو اپنی ذاتی تکالیف اور کفار و فساق کی جانب سے ایذا رسانی پر کبھی بھی اپنے حق میں نہ کہ شکایت یا بے صبری کو جائز نہیں رکھتے نہ کبھی بارگاہِ الٰہی میں ان تکالیف کے دفعیہ کی دعا مانگتے بلکہ صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہوئے اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریوں تبلیغِ دین و ایمان پر قائم اور گامزن رہتے ہیں اگرچہ عام دیگر مسلمانوں کے لیے شریعت میں ان ایذا رسانیوں کی دوری اور خاتمے کی دعا مانگنا جائز ہے مگر انبیاء علیہم السّلام ان تکلیفوں کو بھی لذتِ عشقِ الٰہی سمجھتے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ۔ جفا نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

یہ مسئلہ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ نوح علیہ السّلام نے کفار کے کفر اور تکذیبِ آیاتِ الٰہیہ کی گستاخیوں سے پریشانیوں اور نہ برداشتگی کی وجہ سے بددعاءِ ہلاکتِ کفار کی تھی نہ کہ ذاتی ایذا رسانیوں سے گھبرا کر۔ تیسرا مسئلہ ۔ دینی امور کو حل کرنے یا دنیوی امور کو دین کے مطابق کرنے کے لیے علما فقہا کو فعلی ذہنی اجتہاد کرنا جائز ہے انبیاء کرام علیہم السّلام بھی دین و دنیا کے مسائل و مقدمات حل کرنے کے لیے اپنی عقل و فکر سے اجتہاد فرماتے رہے جس کی رب تعالیٰ نے تعریف و مدح فرمائی یہ مسئلہ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ کے ارشادِ باری تعالیٰ سے مستنبط ہوا اس لیے کہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السّلام کے فیصلے وحیِ الٰہی سے نہ تھے بلکہ ذاتی رائے اور عقلی اجتہاد سے تھے اسی لیے مختلف تھے اگر وحی سے ہوتے تو وہ مختلف نہ ہوتے ۔ ان ہی جیسی آیت کے استنباط سے علماءِ شریعت نے مستند اور بڑے علماءِ متبحرین کو اصلی اور فروعی عملی مسائل میں اجتہاد کی اجازت دی ہے اصطلاحِ اصولِ فقہ میں ان کو قیاسی مسائل کہا جاتا ہے ۔ جوازِ اجتہاد کے پورے دلائل اور بیان والد محترم کی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھئے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں ۔ پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ پھر فرمایا گیا ۔ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ فیصلہ کرنے والے حاکم صرف دو ہی تھے ، داؤد اور سلیمان علیہما السّلام اس لیے یَحْکُمٰنِ صیغہ تثنیہ آیا مگر آگے ارشاد ہو رہا ہے ۔ وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۔ یہاں ھم ضمیر جمع آگئی لِحُکْمِهِمَا ہونا چاہیئے تھا ۔ اس ضمیر کی کیا وجہ ؟ جواب ، اس لیے ضمیر جمع ارشاد ہوئی کہ پہلے الفاظ میں صرف فیصلہ کرنے والوں کا تذکرہ ہے وہ دو ہی تھے ۔ اور یہاں ذکر ہے

فیصلہ کرنے والوں اور کرانیوالوں کا۔ یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور مدعی ومدعیٰ علیہ کا تاکہ پتہ لگے کہ یہ فیصلہ خود نہیں کیا بلکہ کسی نے کرایا ہے۔ اسی لیے وہاں تثنیہ صیغہ اور جمع ضمیر لانا ہی درست ہے۔ دوسرا اعتراض۔ آپ کا یہ جواب نحوی قواعد و قانون کے اعتبار سے غلط ہے اس لیے کہ فیصلہ کرنے والا حاکم ہے جو فاعل کے درجہ میں ہے اور ہمیشہ فعل فاعل سے قائم ہوتا ہے تو یہ حکم فاعل سے قائم ہے اور فیصلہ کرانے والا مفعول بہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ جس پر حکم واقع ہوتا ہے۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فاعل ومفعول کو ایک حکم میں پرو دیا جائے۔ نحوی قانون کے مطابق ایک مصدر کی اضافت اور نسبت۔ یک بار دونوں فاعل ومفعول میں جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں مختلف معمول ہیں تو ایک عامل ایک وقت میں ایک ساتھ دو معمولوں کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ عامل کی نسبت فاعلِ معمول کی طرف حقیقی نسبت ہے اور مفعول کی طرف مجازی نسبت ہے تو ایک عاملِ مصدر کو دو مختلف معمولوں کی طرف یک وقت نسبت کرنا گویا حقیقت ومجاز کو جمع کرنا ہے۔ حالانکہ نحوی قانون میں کسی بھی جگہ ایک لفظ یا ایک ضمیر یا ایک صیغے میں حقیقت ومجاز جمع نہیں ہو سکتے اس لیے لِحُكْمِهِمْ کی ضمیر جمع میں فیصلہ کرنے والے فاعل اور فیصلہ کرانے والے مفعول جمع نہیں ہو سکتے لہٰذا۔ یہ آیت نہ قانوناً درست رہی نہ قواعدِ میں۔ جواب یہ اعتراض اس لیے قطعاً غلط ہے کہ معترض نے صرف عامل اور معمولیت پر نظر رکھی مگر نوعیت اور جنسیت کو نہ دیکھا۔ یہ بات ہر عاقل کو ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ جب فیصلے کی نوعیت پر نظر رکھنا اور فقط طریقۂ فیصلہ دیکھنا مقصود ہو تب تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ فیصلہ کس طرح کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ نحوی قانون ہے کہ ایک وقت میں ایک مضاف عاملِ کا ایک ہی قسم کا ہی معمول ہوتا ہے اور عامل معمول حقیقت مجاز کا جمع نہ ہوتا ہے تو یہ بھی قانون نحو کا ہی ہے کہ عامل صرف زبر زیر پیش دینے کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ عامل کے لیے کام کی نوعیت یا جنسیت یا صنفیت بتانا اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور اس کی پہچان کے لیے بھی کچھ ضابطے قاعدے ہیں۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ یا ضُرِبَ زَيْدٌ۔ یہ ضَرَبَ اور ضُرِبَ صرف زید کو پیش یا زبر دینے نہیں لائے گئے بلکہ مار کی نوعیت یا جنسیت یا صنفیت بتانے آئے کہ مار کس نوعیت یا جنسیت کی ہے اگر کہنے والا کہتا ہے کہ بس جانتا

ہوں زید کی ضرب کو تو مراد ہوگی نوعیت اور اگر کہے کہ جب زید کی مار واقع ہوئی اُس وقت
کو میں جانتا ہوں تو یہاں جنسیت مراد ہوتی ہے۔ نوعیت میں فعل کی ایک کیفیت مقصود ہوتی
ہے جنسیت میں پوری تفصیل جب یہ قانونِ نحوی سمجھ لیا تو سمجھ لو کہ کُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ میں حکم اور
فیصلے کی نوعیت اور فقط کیفیت مراد نہیں بلکہ پوری تفصیل اور جنسیت مراد ہے اور اُس
فیصلے کی جنسیت و پوری کیفیت میں تو حاکم محکوم یعنی دو فیصلہ کرنے والے اور دو مدعی و مدعٰی
علیہ سب ہی شامل اس لیے ضمیر جمع لانا بالکل درست ہے۔ یہ اضافت حقیقت و مجاز کا
یا فاعل و مفعول کی معمولیت کا اجتماع نہیں بلکہ تفصیلِ فیصلے کی اضافت ہے۔ اور معنٰی یہ ہے
کہ ہم اِس فیصلے کے ہر پہلو ہر کردار کے مشاہدہ کرنے والے تھے۔ اور یہ بات اِذْ يَحْكُمَانِ
فرمانے سے ہی معلوم ہوئی تو جملہ ھُمْ ضمیر جمع کا قرینہ ہے اُسی کو دیکھ کر معترض اعتراض کر رہا
ہے یہ اُس کا عدم تدبر ہے۔ پوری کیفیت یہی ہے کہ کس طرح فیصلہ کیا گیا کس نے کیا
فیصلے کیا ہوئے واقعات کیا تھے مدعی کون مدعٰی علیہ کون۔ بکریاں کب کھلیں کب چلیں کب
پڑیں مالکِ حرث نے کب دیکھیں کب موڑیں مدعٰی علیہ کو کب بلایا اور بتایا گیا کب
دعویٰ کیا کس نے پہلے فیصلہ سنایا سب کچھ ہمارے مشاہدۂ علمی میں ہے لِحُكْمِهِمْ
سے پورا مقدمہ مراد ہے نہ کہ فقط فیصلہ یا فقط دعویٰ اس لیے ھُمْ ضمیر جمع لا کر یکدم
سب فاعل و مفعول و واقعات مراد لے لینا کسی نحوی قاعدے کے خلاف نہیں ہے
اب یہ مصدر پورے مقدمے کا عامل ہوا نہ کہ فقط فاعل و مفعول کا اور چونکہ مقدمہ ایک اس
لیے عامل ایک اور ایک مقدمے کے کردار جمع اس لیے معمول کے لیے ضمیر جمع ضروری نہ
یہاں قیام اور وقوع کا اعتراض ہو سکتا ہے نہ حقیقت و مجاز کے اجتماع کا۔

تفسیر صوفیانہ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ۔ اور ہم نے
ابدی داخل فرما لیا اُس عقلِ سلیم کو صفتِ رحیمیت کی چادر میں اس
طرح سراپا سلامتی میں لپیٹ لیا کہ وہ عقلِ سلیم بے شک دماغ عارفین میں تجلی صفات
کے مقام پر اُن صالحین و صلاحیت والوں میں سے ہو گئی جو کلی استقامت میں ثابت
قدمی سے ہر علم پر عمل کرنے والے ہیں۔ وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ
فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن
کی عقلِ سلیم کے چار حصے ہیں ایک عقلِ فطری یہ مثلِ لوط نفسِ امارہ کو بے غیرتی اور

شہوات خبائث اور افعالِ فاحشہ سے روکتی ہے اسی کے پاس رحمت الٰہی کی چادرِ بقا ہے وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا کا ظہور اور جلوہ گری اس پر ہے اِسی ہی عقل کی فرمانبرداری سے بندۂ طالب پر رحمت وبرکت ہوتی ہے۔ دوم عقل شعوریہ مثلِ نوح نفس امارہ کو صحبت دنیوی کے شرک، کفر اور عشقِ مجازی فانی کی بت پرستی سے منع کرتی ہے اسی عقل کو کشتی نجات پر بٹھایا جاتا ہے اس کی فرمانبرداری سے کوہِ جودیِ عرفان کا سر بلندی نصیب ہوتی ہے سوم عقل نظری یہ مثلِ داؤد بندے کی کھیتی اعمال میں ذوق شریعتِ ظاہرہ کا فیصلہ فرماتی ہے اِس کی فرمانبرداری میں لذتِ شریعت ہے اِس کو زمینِ جسمانی کی شہنشاہی عطا فرمائی جاتی ہے چہارم عقلِ علمی یہ مثلِ سلیمان قوتِ حیوانیہ کی غنمِ اعضا میں ذوقِ علمی کے تقاضوں کا فیصلہ کرتی ہے اِسی کی فرمانبرداری سے معراج روحانی کی تسخیر حاصل ہوتی ہے اِس کو ایمانی ہواؤں کی بلندی پر تاجِ شاہی وتختِ معرفت عطا فرمایا جاتا ہے ان آیات میں ان ہی چار عقلوں کی اطاعت کا اشارہ فرمایا گیا عقلِ فطری کا مقام قلب ہے عقل شعوری کا مقام قُبلِ قلب ہے عقلِ نظری کا مقام بلندیِ دماغ میں ہے عقلِ علمی کا مقام سینۂ عارفین ہے جب نفس کی شرانگیزیوں سے پریشان ہو کر ندا عرض کی فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ تو فریاد قبول کی ہم نے اس طرح کہ استعداد کے تقاضے کے مطابق فیض کمالات پہنچایا ہم نے اور اُس کی تمام قوتِ قدسیہ قوتِ فکریہ قوتِ فہمیہ قوتِ عقلیہ کو نفسِ امارہ کی اُن کرتوتوں سے بچالیا جو اپنے وجود میں عظیم ہیں وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ اور ہم نے مدد فرمائی اِس عقلِ شعور کی کہ اِس کو اُن نفسانی شرارتوں سے بچایا جو جھٹلاتی تھیں ہماری آیات معقولات اور حدودِ محرمات کے نشانات کو بے شک یہ وسواسِ نفس کمالِ جلوت وتجریدِ خلوت کے ایمانیات سے روکنے والی بری قوم تھی کیونکہ بوجہ تکذیب انوار باطنی اُن سے پردے میں ہی رہے اس لیے سب خبثاءِ نفسِ امارہ کو غیرتِ ایمانی کے طوفانِ جسمانی میں غرق کردیا۔ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۔ اور یاد کر اے مرشدِ عرفانی اُس عقلِ نظری کے داؤدِ باطنی کو جو مقامِ اسرار میں مقیم وجلوہ افروز ہے اور یاد کر عقلِ علمی کے سلیمان کو جو مقامِ صدر میں روشنی پھیلا رہا ہے جب وہ دونوں عقلیں اعمالِ صالحہ کے خزانۂ زرعی کے بارے میں زمین استعداد کے اندر کمالاتِ امانت کا فیصلہ فرماتی ہیں۔ اعمال کی یہ کھیتی فطرت کی زمین میں توجہ شرعی سے اُگی تھی اور اس میں علم وعمل فکر وریاضت کے پھل بھی لگ گئے تھے اور ادراک کی سبزی بھی

کہ اچانک طبیعتِ بدنیہ کے غلبے کی اندھیری رات میں صفاتِ نفسانیہ کی قوتِ حیوانیہ شہوانیہ کی فساد مچانے والی قوم عداوت کی بکریاں آپڑیں مرشد کی غفلت سے۔ پیرومرید کے اس مقدمہ باطنی اور فیصلۂ ظاہری کا ہم مشاہدہ فرما رہے تھے اُن حالات وکیفیات کا جو ہمارے ہی حکم وارادہ سے ہوا ہماری نظر میں تھا۔ پس عقلِ شعور کا فیصلہ ذوقِ سلیم کے مطابق یہ ہوا کہ قوتِ حیوانیہ کو صاحب اعمال قوتِ روحانیہ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ روحانی قوت غلبۂ قہر کی چھری سے قوتِ شہوانیہ جسمانیہ کو ذبح کر کے غذاءِ روحانی بنائے۔ لیکن عقلِ علی سلیمانی کا فیصلہ تقاضاءِ شرعی ظاہری کے مطابق تھا وہ فیصلہ شہواتِ جسمانی حیوانی کو فنا نہیں ہونے دیتا غنم نفسانی کو ذبح وبربادی سے بچا لیتا ہے بلکہ شریعت کے قبضے میں دے کر اُن کے فطری دودھ عملی اون اور کسبی نسل کے ثمرات سے فوائد حاصل کرتا ہے اور اُن پر قوتِ روحانیہ کو مسلط فرماتا ہے تاکہ علومِ نافعہ کے شیر اور ادراکِ جزئیات کی اُون اور اطلاق وملکاتِ فاضلہ کی نسل حاصل کرے خدماتِ حقیقیہ کے صلے میں۔ غنمِ شہوات والے نفسِ امارہ کو اعمالِ صالحہ کی کھیتی کی حفاظت ریاضت مشقت میں لگا دیتا ہے جس کی وجہ سے نفس کی حیوانی قوتیں سرکشی آوارہ مستی کی بجائے تعمیرِ حرث ترقیِ زرع اور ارضِ استعداد کی اصلاح میں لگ جاتی ہیں پھر ہوتا یہ ہے کہ اُس زمینِ بدنی میں عبادت اطاعت کے پھل شریعت کی شاخوں پر اخلاق وآداب کے پھول بیج جاتے ہیں یہاں تک کہ گلشنِ طریقت میں بہارِ معرفت آکر کھیتیِ اعمال کو چمک دمک میں حدِ کمال تک پہنچا دیتی ہے پھر وقت آجاتا ہے کہ غنم نفسانی کو حصولِ کمال والے نفس کی طرف واپس کر دیا جائے۔ عقلِ علی کے اس تقسیمی فیصلے سے روح ونفس، قلب وقالب غنم وحرث دونوں محفوظ ومامون ہو جاتے ہیں اس طرح کہ مومن کی کھیتیِ اعمال میں علم وحکمت کے پھل اور غنمِ نفسیات میں معارف، حقائق، انوارِ تجلیات بصیرتِ مشاہدات اور بصارتِ مکاشفات کی زینت آجاتی ہے (تفسیر محی الدین ابن عربی) تفسیر روح البیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو دعا مانگنے کی ایک عظیم نعمت عزت اجازت ملی جس سے قربِ الٰہی وہمکلامیِ ربانی کے دروازے کھلتے ہیں۔ جب خلوصِ قلبی سے اِذْنَادٰی کی فریادیں بلند ہوتی ہیں تب فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ، کی صدائیں قبولیت سے بلائیں لیتی ہیں بشرطیکہ بندے کی دعائیں عجزِ انبیا اور خلوصِ اولیا کے لباسوں میں ہوں۔ **حکایت**۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی مکہ مکرمہ سے جانبِ طائف سفر پر نکلے ایک شخص کے ساتھ

آپ کو پتہ نہ تھا کہ یہ شخص منافق ہے جب ویرانہ میں پہنچے اور سونے کا ارادہ کیا تو منافق نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور قتل کا ارادہ کیا آپ نے گڑگڑا کر دعا مانگی یَا رَحْمٰنُ اَغِثْنِیْ اے مولیٰ تعالیٰ میری مدد فرما تب منافق نے ایک غیبی آواز سنی کہ تیری ہلاکت ہو اس کو قتل نہ کر۔ منافق ڈرا اور اِدھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا اپنا وہم سمجھ کر پھر ارادۂ قتل کیا تو پھر آواز آئی اس طرح چار بار ہوا جب چوتھی بار منافق نے ارادۂ قتل کیا تو ایک گھوڑا سوار نے ظاہر ہو کر منافق کو قتل کر دیا اور حضرت زید کو کھول کر فرمایا کہ میں جبرئیل ہوں جب تم نے دعا مانگی اس وقت میں ساتویں آسمان پر اپنے مقام میں تھا مجھے رب تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ جاؤ میرے بندے کی مدد کرو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اس حکایت سے چار باتیں ثابت ہوئی ۱؎ مومن کو چاہیئے کہ دنیا و آخرت کے لیے اچھا ساتھی تلاش کرے خاص کر پیر و خطیب اچھا وہ ہے جو درِ نبی تک پہنچائے ۲؎ مخلصانہ دعا اسبابِ نجات میں سے ہے اسی کو فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ کا انعام ہے ۳؎ بندۂ مضطر و مظلوم کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے جیسا کہ حضرت سفینہ کا واقعہ مشہور ہے ۴؎ اولیاءِ کاملین کو ملائکہ بشکل بشری اپنی زیارت کراتے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ کُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ کا انعام ہر کامل مومن کے ساتھ تاقیامت ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا

تب ہم نے سمجھ داری بخشی فیصلہ کرنے کی سلیمان کو اور دونوں کو ہی دی تھی ہم نے بادشاہت

ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت

وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ

اور بہت علم اور تابع کر دیا تھا ہم نے داؤد کی ہمراہی میں علاقائی سب پہاڑوں کو

اور علم عطا کیا۔ اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ

تسبیح پڑھتے رہتے تھے اور پرندوں کو بھی حالانکہ ہم یہ سب کچھ کر سکتے پر قادر ہیں اور ہم نے ہی

تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے۔ اور

عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ

سکھایا ان کو وردی بنانا تم سب کے لیے تاکہ بچائے

اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں

مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ

وہ وردی تم کو تمہاری جنگوں میں تو کیا تم اس وجہ سے شاکر بندے بنتے ہو۔ اور

تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے۔ اور

لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ

تابع کیا سلیمان کے تیز ہوا کو چلتی تھی ان کے حکم سے

سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اُسکے حکم سے چلتی

اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا

اُن علاقوں تک برکت دی ہم نے جن میں اور ہیں

اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو

بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

ہم ہر چیز کو جاننے والے۔

ہر چیز معلوم ہے۔

تعلقات اِن آیاتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہوا کہ انھوں نے ایک فیصلہ مقدمہ کیا تھا۔ اب اِن آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ صحیح تھا اور صحیح ہونے کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ہم نے وہ فیصلہ سمجھایا تھا۔ بذریعہ وحی یا الہام یا قدرتی ذہن میں ڈالا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ایک نبی مرسل حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوا یہاں اِن آیت میں اُن پر انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہوا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت سلیمان نبی ورسول علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُن کے معجزات کا ذکر ہو رہا ہے جو نبوت کی اعلیٰ اور خداداد نشانی ہوتے ہیں۔

تفسیر نحوی فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ فَ حرف عطف اور ما بعد کا عطف یَحْکُمَانِ کے جملے پر ہے یا وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ کے جملے پر فَهَّمْنَا۔ بابِ تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اِن آیت میں بھی تمام جمع متکلم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع حکم (شرعی فیصلہ) ہے ایک قرأت میں اَفْهَمْنَا باب افعال سے ہے ترجمہ دونوں کا ایک ہے کہ ہم نے سمجھا یا سمجھایا کیونکہ دونوں متعدی بدو مفعول ہیں۔ اسی لیے کسی جھگڑے کو چکانے کے لیے عام طور پر کہا جاتا ہے افہام و تفہیم یہ غلط ہے تفہم و تفہیم کہنا چاہیے جس کا ترجمہ ہوتا ہے سمجھنا سمجھانا۔ کیونکہ بابِ تفعل لازم ہوتا ہے۔ سُلَيْمٰنَ اسم غیر منصرف بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعولِ دوم ہے یہ سب فعل با فاعل دونوں مفعول (ھَا ضمیر و سُلَيْمٰنَ) مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سرجملہ کُلًّا، اسم تاکیدی بمعنیٰ ہر ایک، با تمام تثنیہ و جمع سب کے لیے مستعمل ہے بحالتِ نصب مفعول بہ مقدم ہے مراد ہے داؤد و سلیمٰن علیہما السلام۔ اٰتَيْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِیتَاءٌ بمعنیٰ دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ حُكْمًا وَّ عِلْمًا یہ دونوں معطوف علیہ معطوف ہو کر مفعول بہ دوم ہے ترجمہ ہے عقل فہم تفکر یعنی اجتہادی سمجھداری۔ یا مراد ہے نبوت اور کتابِ الٰہی۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سرجملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) سَخَّرْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے

تَسْخِیْر، سَخَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قابو میں کر دینا۔ کر لینا د بدینا۔ تابع کر دینا۔ بے لبس کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے مَعَ اسم مفرد مبنی مضاف ہے داؤد غیر منصرف مضاف الیہ ہے بحالتِ کسرہ ہے یہ مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے سَخَّرْنَا کا اَلْجِبَالَ۔ الف لام عہدِ خارجی جِبَال اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے جَبَلٌ بمعنیٰ پہاڑ مراد ہیں اُس علاقے کے قریبی پہاڑ چھوٹے بڑے سب یہ ذوالحال ہے یُسَبِّحْنَ باب تفعیل کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری دراصل تھا کُنَّ یُسَبِّحْنَ صیغہ جمع مؤنث غائب کُنَّ حذف کیا گیا سابقہ کُنَّا کے قرینے سے۔ اس کا مصدر ہے تَسْبِیْح، سَبْحٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا اس کا فاعل هُنَّ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع اَلْجِبَالَ ہے وَ اؤ بمعنیٰ مَعَ اَلطَّیْرَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ پرندہ اسم جنسی ہے لہٰذا جمعیت کے معنیٰ میں ہے یعنی پرندے۔ یہ وَالطَّیْرَ مفعول مَعَہٗ ہے یُسَبِّحْنَ کا یہاں مزید تین قول ہیں ۱ واؤ عاطفہ اور عطف اَلْجِبَالَ پر ۲ وَالطَّیْرُ بحالتِ رَفع ہے عطف ہے یُسَبِّحْنَ کی ضمیر پر مگر یہ غلط ہے کیونکہ ضمیر مستتر پر عطف تب جائز ہے جب کہ اسی قسم کی ضمیر بارز موجود ہو اور فعل صیغہ واحد ہو مثلاً ہو یُسَبِّحُ هُنَّ وَالطَّیْرُ مگر یہ ناممکن لہٰذا یہ بھی ناممکن ۳ واؤ سر جملہ اور الطَّیْرُ خبر محذوف کا مبتدا ہے دراصل تھا۔ وَالطَّیْرُ مُسَخَّرَاتٌ واللّٰہُ اَعْلَمُ۔ یُسَبِّحْنَ اپنے فاعل و مفعول مَعَہٗ سے جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے اَلْجِبَالَ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے واؤ حالیہ کُنَّا فعل ناقصہ ماضی۔ جمع متکلم با اسم خود فَاعِلِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے فَاعِلٌ بحالتِ نصب ہے خبر ہے کُنَّا اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر حال ہوا سَخَّرْنَا کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ عَلَّمْنَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر ہے تَعْلِیْم، عِلْمٌ سے بنا بمعنیٰ سکھانا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل کا مرجع ہے دَاوٗدَ۔ صَنْعَۃَ اسم مصدر جامد ہے یعنی حاصل مصدر یعنی کاریگری جمع صَنْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اچھا کام کرنا کوئی چیز بنانا۔ آخر میں ۃ مصدر یہ ہے یا وحدت کی ہے خیال رہے کہ عربی میں بنانے کے لیے پانچ الفاظ ہیں ۱ جَعْلٌ ۲ یَجْدٌ ۳ اِیْجَادٌ ۳ صُنْعٌ ۴ نَشْئٌ ۵ خَلْقٌ۔ فرق یہ ہے کہ جعل کا معنیٰ حالت بدلنا مثلاً جاہل کو عالم بنا دینا۔ یَجدٌ کوئی شکل ڈھال دینا اسی سے ہے ایجاد اور مُوجد۔ ایجاد کے بعد جو بنتی ہے وہ صنعت ہے یا جو سکھائی جائے۔ نثر کو نظم بنانا نَشْئٌ ہے۔ بعض جُہلا اردو شاعر شعر بنانے کو تخلیق کہنے لگے ہیں وہ انتہائی جاہل اور بے ادب ہیں کیونکہ لفظ خلق اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی

کی خصوصی صفت ہے کہ بندے کا اپنے کام کو تخلیق کہنا کفر یہ جہالت ہے صَنْعَةَ مضاف ہے۔ لَبُوْس ایک قرأت میں لُبُوْس ہے اسم مبالغہ بروزن فَعُولٌ یا فَعُوْلٌ بمعنی مَلْبُوْس یعنی پہنا ہوا پہننے کے قابل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے لَّكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے عَلَّمْنَا کا ایک قول میں محذوف ثابتٌ کے متعلق ہو کر صفت ہے لَبُوْس کی کُمْ میں خطاب ہے تمام انسانوں سے تا قیامت۔ لام تعلیلیہ بمعنی تاکہ تُحْصِنَ باب افعال کا فعل مضارع واحد مؤنث غائب ہے اس میں پوشیدہ ضمیر صنعۃ کی کا مرجع لَبُوْس ہے اس کی مزید تین قرأتیں ہیں۔ ۱ لِيُحْصِنَكُمْ مذکر غائب ۲ لِنُحْصِنَكُمْ جمع متکلم یہاں ضمیر صنعہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ۳ لِتُحَصِّنَكُمْ باب تفعیل سے اس کا مصدر ہے اِحْصَانٌ۔ حَصْنٌ سے بنا ہے بمعنی حفاظت کرنا بچانا۔ دفاع کرنا فوج قلعے کو اسی معنی میں حِصْنٌ کہتے کُمْ ضمیر مخاطب مرجع تا قیامت انسان لَبُوْس سے مراد ہے جنگی ذرع (جنگی لباس) کُمْ منصوب متصل مفعول بہ ہے مِنْ جارہ بمعنی عن زوالیہ یعنی دور کرنا۔ بَأْس اسم مفرد جامد بَأْس کے چند معنی ہیں۔ عذاب ۲ تکلیف ۳ دل تنگی اسی معنی میں ترجمہ ہوتا ہے معاً لفقہ خوف ذریعی ضیق قلبی لَا بَأْسَ میں یہی معنی لیے جاتے ہیں ۴ جنگ حرب۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اردو میں بدبو کو باس اور پرانی روٹی سالن کو باسی کہنا اس لیے کہا جاتا ہو کہ اس میں بدبو اور دل تنگی نفرت اور بیماری وغیرہ ہوتی ہے۔ یہ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے لِتُحْصِنَ کا سب جملہ تعلیلیہ ہو کر علت ہے عَلَّمْنَا کی یا بدل اشتمال ہے لَكُمْ کا بہرکیف سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَ تعلیلیہ اس کا مابعد سوالیہ علت دوم ہے عَلَّمْنَا کی هَلْ حرف استفہام (سوالیہ) اَنْتُمْ اسم ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے شَاكِرُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے شَاكِرٌ شُكْرٌ سے مشتق ہے بمعنی معترف ہوتا احسان مند ہو کر محسن کی فرماں برداری کرنا بحالت رفع خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر علت ہے عَلَّمْنَا کی۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۔ واؤ سے جملہ ایک قول واؤ عاطفہ ہے اور ما بعد عبارت کا عطف ہے مَعَ دَاوٗدَ پر۔ لام حرف جر نفع کا سُلَيْمٰنَ مجرور متعلق ہے سَخَّرْنَا پوشیدہ فعل کا اور حذف کیا گیا تخفیف کے لیے پہلے سَخَّرْنَا کے قرینہ سے اَلرِّيْحَ اسم مفرد جامد معرف

باللام عاصِفَۃً اسم فاعل واحد مؤنث عَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنی اوپر کی فضا میں تیز چلنے والی ہوا خیال رہے کہ تیز ہوا کی تین قسمیں ہیں ۱۔ عاصفۃ جو اوپر بادلوں کے علاقے میں تیز چلے ۲۔ زَعْزَعْ جو نیچے زمین کے ساتھ تیز چلے ۳۔ ھَیْجٌ جو اوپر نیچے یک وقت تیز چلے اس کو اردو میں طوفان یا کالی آندھی کہتے ہیں زَعْزَعْ کو اردو میں آندھی کہتے ہیں نرم اور ہلکی ہوا کو رخاءٌ کہتے ہیں۔ اَلرِّیْحَ ذوالحال عاصفۃً حال نحات بصرہ کے نزدیک یہ موصوف صفت ہیں ان کے نزدیک معرف موصوف ہو سکتا ہے نکرہ کا۔ یہ حال ذوالحال مل کر مُبدل منہ ہے یا پھر ذوالحال ہے تَجْرِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف مثبت واحد مؤنث غائب بمعنی ماضی استمراری دراصل تھا کانت تجری جَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنی کسی کے سہارے چلنا جاری ہونا بِاَمْرِہٖ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اوّل ہٖ ضمیر کا مرجع سلیمان ہے۔ اِلٰی حرف جر برائے انتہاء غایت اَلْاَرْضِ اسم معرف باللام بمعنی علاقہ موصوف ہے اَلَّتِیْ۔ اسم موصول مؤنث اَرْض مؤنث لفظی کی وجہ سے۔ بٰرَکْنَا باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم۔ خیال رہے کہ ان آیت میں جتنے بھی ماضی مطلق ہیں وہ سب بمعنی ماضی بعید ہیں۔ یہاں باب مفاعلۃ اپنے اصلی معنی یعنی دو طرفہ عمل میں نہیں بلکہ مبالغے کے لیے ہے یعنی کثرت عمل کے لیے جیسے سَافَرْتُ وَعَاقَبْتُ بٰرَکْنَا کا مصدر ہے مُبَارَکَۃٌ، بَرَکۃٌ سے بنا ہے بمعنی خیر کثیر۔ بلا معاوضہ کسی چیز میں کثرت سے اچھائی پیدا ہونا۔ فِیْھَا یہ جار مجرور بٰرَکْنَا کا ھا ضمیر کا مرجع اَلْاَرْضِ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّتِیْ کا موصول صلہ مل کر صفت ہے اَلْاَرْضِ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے تَجْرِیْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے اَلرِّیْحَ کا دونوں مل کر مفعول بہ سَخَّرْنَا پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ جملہ کُنَّا فعل ناقصہ جمع متکلم ضمیر صیغہ اس کا اسم بِکُلِّ شَیْءٍ۔ ب جارہ تعدیہ کا کُلِّ اسم تاکیدی کُلّی استغراقی بمعنی تمام کے تمام شَیْءٍ اسم نکرہ مؤکدہ ہے دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے کُنَّا کا عٰلِمِیْنَ۔ اسم جمع متکلم مذکر برائے فصاحت، بحالت نصب خبر ہے کُنَّا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ تب ہم نے اس مقدمے کا صحیح تر اصلاحی فیصلہ اپنے الہام کر قلب سلیمان میں القا کر کے سلیمان کو سمجھایا

جس کی وجہ سے انہوں نے وہ فیصلہ سنایا جو مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کے لیے زیادہ مفید تھا۔ اور صحیح تو داؤد کا فیصلہ بھی تھا مگر صرف حکمانہ تھا مرفقانہ اور مصلحانہ نہ تھا۔ حضرت داؤد علیہ السّلام کا فیصلہ صرف مدّعی کے حق میں مفید تھا مگر مدّعیٰ علیہ کیلئے حق سزا و جرمانہ تھا یہ عدل ہے اس لیے کہ قانوناً کھیتی والے پر دن میں اپنی کھیتی کی حفاظت واجب ہے۔ اور چرواہے یعنی اونٹ بکری گائے وغیرہ جانوروں کے مالک اور ذمّہ دار پر واجب ہے کہ رات میں اپنے جانوروں کی حفاظت کرے ہر شریعت کے قانون کے مطابق اگر دن میں کسی کا جانور مالک یا چرواہے کے بغیر کسی کی کھیتی خراب کر دے تو جانور والے پر کچھ تاوان یا جرمانہ نہیں ہوتا کیونکہ دن کے وقت کھیتی والے پر واجب ہے کہ کھیتی کے پاس رہ کر اس کی حفاظت کرے تاکہ کوئی جانور خراب نہ کرے اگر کھیتی والا موجود نہیں تو یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔ ہاں اگر جانور والے کے ہوتے ہوئے اس کے جانور نے کسی کی کھیتی خراب کر دی تو جانور کے مالک پر سزا ہے دن ہو یا رات لیکن اگر رات کے وقت خود جانور کھل کر کسی کی کھیتی خراب کر دے تو یہ جانور والے کی غفلت اور غلطی ہے کہ اس نے اچھی طرح کیوں نہ باندھا لہٰذا اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ بہرکیف اپنے اپنے حساب میں دونوں فیصلے درست تھے اور اپنے اپنے صحیح اجتہاد دے تھے اس لیے کہ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ داؤد و سلیمان علیہما السّلام دونوں کو ہم نے دیا تھا نبوت کا شعور اور رسالت کی سمجھ ادراک کی حکمتِ تامّہ اور عدالتِ شرعیہ کا علمِ فراستِ کاملہ قاضیانہ حکمت اور مجتہدانہ علم۔ عطاءِ ربّانی میں دونوں پیغمبر برابر کے فیضیاب و انعام یافتہ تھے۔ اس مقدمے کا تفصیلی واقعہ اس طرح ہے کہ پچھتر سالہ داؤد علیہ السّلام اپنی نبوی عدالت میں تشریف فرما تھے۔ باہر دروازے میں گیارہ سالہ سلیمان علیہ السّلام کھڑے تھے کہ دو آدمی آئے انہوں نے حضرت سلیمان سے پوچھا کہ داؤد علیہ السّلام کہاں ہیں سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اندر ہیں۔ وہ دونوں آدمی اندر چلے آئے اور داؤد علیہ السّلام کی خدمت میں واقعہ عرض کیا کہ آج رات آدمی رات کو اس کی اتنی بکریاں میرے فلاں کھیت میں گھس پڑیں اور ساری برباد کر گئیں کچھ کھا گئیں کچھ خراب کر گئیں۔ آپ نے مدّعیٰ علیہ سے پوچھا اس نے عرض کیا جی ہاں واقعی مجھ کو پتہ بھی نہ چلا نہ جانیں کب اور کیسے کھل گئیں۔ اس نے بکریوں کو وہاں سے نکالا اور مجھے آکر بتایا تب ہم دونوں آپ سے فیصلہ شرعی لینے آئے ہیں

آپ نے کھیتی اور بکریوں کی پوری تفصیل سن کر اندازہ لگایا کہ جتنا کھیتی کا نقصان ہوا ہے اتنی ہی تقریباً اور اندازاً بکریوں کی قیمت بنتی ہے آپ نے تفصیل میں مدعی سے چار باتیں پوچھیں کہ تیری زمین کیسی مضبوط ہے کھیتی کیا ہے کب اگائی تھی موسم کے مطابق تھی یا نہیں۔ کس حالت میں تھی۔ مدعیٰ علیہ سے اس کے بیان کی تصدیق کے بعد اس سے بھی چار باتیں پوچھیں ۱۔ بکریاں کتنی تھیں ۲۔ کس ملک کی تھیں ۳۔ کتنی بڑی اور کس عمر کی تھیں ۴۔ صحت کیسی تھی اس کی تصدیق مدعی سے پوچھی پھر فیصلہ فرمایا اس سے پہلے اس قسم کا مقدمہ آیا نہ تھا اس لیے آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ سنایا کہ کھیتی والے کو سب بکریاں دیدی جائیں۔ دونوں حضرات اس فیصلے پر آمنّا کہہ کر باہر نکلے تو سلیمان علیہ السّلام نے پوچھا کہ اباجی نے کیا فیصلہ فرمایا، دونوں نے تمام ماجرا اور فیصلہ بتایا تو حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو اس کے علاوہ کرتا۔ وہ دونوں پھر اندر گئے اور داؤد علیہ السّلام کو بتایا کہ سلیمان علیہ السّلام آپ کے فرزند یہ فرماتے ہیں آپ نے سلیمان علیہ السّلام کو اندر بلایا اور کہا کہ تمہیں واسطہ ہے میری ابوت (پدریت) اور نبوت کا تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا فیصلہ کرتے آپ نے والدِ محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہ فیصلہ کرتا کہ کھیتی والے سے کہتا کہ تو اتنے عرصے بکریوں پر قبضہ کر ان کی خوراک رہائش دوا دارو کا خیال رکھ ان کے عوض ان کا دودھ ان کی اون بال اور ان کی نسل (پیدا شدہ بچے) حاصل کر۔ اور بکریوں والے سے کہتا تو اتنا عرصہ کھیتی کی حفاظت کر پانی دے فالتو جڑی بوٹیوں کو اکھیڑ کر صفائی کر (نلائی دگوڈی) کر چونکہ کھیتی کی جڑیں ابھی قائم ہیں اس لیے جب تک کھیتی میں دوبارہ پھل اور دانے اسی طرح نہ لگ جائیں جس طرح کل تھے اس وقت تک تو کھیتی میں محنت مشقت حفاظت کر۔ جب کھیتی بالکل اسی طرح درست ہو جائے جس طرح کل تک تھی تو بکریاں بکری والے کو واپس اور کھیتی کھیت والے کو۔ حضرت داؤد علیہ السّلام یہ فیصلہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب یہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور دونوں مدعی اور مدعیٰ علیہ بھی بہت خوش ہوئے۔ اور آئندہ کے لیے داؤد علیہ السّلام نے اپنے بیٹے سلیمان علیہ السّلام کو اپنے ہر معاملے کا مشیر خاص بنا لیا۔ اس کے علاوہ بھی سلیمان علیہ السلام کے اجتہادی فیصلے بہت مشہور ہیں مثلاً ایک مرتبہ دو عورتیں جنگل میں لکڑیاں چن رہی تھیں دونوں کے شیر خوار بیٹے تھے انہوں نے دونوں کو ایک درخت کے نیچے ایک چادر

پر لٹا دیا اور خود لکڑیاں چننے میں مشغول ہو کر دور چلی گئیں کچھ دیر بعد دونوں نے دیکھا کہ جنگل کا بھیڑیا ایک بچے کو اٹھائے بھاگے جا رہا ہے وہ دونوں دوڑی ہوئی بچوں کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک بچہ غائب ہے۔ بڑی عورت نے کہا کہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے چھوٹی نے کہا کہ نہیں بلکہ تیرا بچہ لے گیا ہے۔ جب جھگڑا بڑھا تو دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں آپ نے دونوں کے بیانات سے موجودہ بچے کی ہمشکلی پر اجتہاد فرما کر فیصلہ بڑی عورت کے حق میں فرمایا کہ یہ بچہ بڑی کا ہے۔ دونوں باہر نکلیں تو سلیمان علیہ السلام نے واقعہ پوچھا سن کر آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ اندر سے چھری لاؤ جب چھری آگئی تو آپ نے فرمایا کہ اس بچے کے دو ٹکڑے کرو اور دونوں کو ایک ایک دے دو۔ یہ فیصلہ سن کر بڑی تو خاموش رہی لیکن چھوٹی تڑپ اٹھی کہ نہیں بچہ اسی بڑی کو دیدو میں نہیں لیتی میں ویسے ہی کبھی دیکھ لیا کروں گی اس پر آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کیا اور بچہ چھوٹی کو دلوا دیا وہ پھر واپس داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں اور فیصلہ سلیمان سنایا آپ نے بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ فیصلہ کیونکر کیا آپ نے فرمایا کہ اس بچے کی ممتا والی شفقت چھوٹی میں ہے بڑی میں نہیں ہے آپ سن کر بہت خوش ہوئے اور یہاں بھی فیصلۂ سلیمانی کو جاری فرمایا۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو اور بھی انعامات دئیے جو خصوصی تھے کہ ایک کو والد بنایا دوسرے کو ولد نبی کا ہونا بھی سعادت ہے اور ولد ہونا بھی سعادتِ ربانی ہے پھر ایک کو مرسل بنایا اور ایک کو رسول۔ ایک کو مستقل بعادلانہ کتابِ الٰہی عطا فرمائی، اور ایک کو مکمل مفصلانہ شریعت عطا فرمائی۔ ایک کو ایسی عظیم تسبیح اور حمدِ الٰہی سکھائی کہ پہاڑ جمادات اور پرندے حیوانات بھی آپ کے ساتھ ہی مسحور و مسخر ہو کر اُن کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے جس کو سب لوگ سنتے لیکن سمجھتے نہ تھے کہ پرندے آپ کے پاس آکر کیا چہچہا رہے ہیں یا پتھروں کی گڑگڑاہٹ کیسی اور کیوں ہے اس طرح جنگل کے چوپائے بھی اپنی بولی میں لگاتار بولتے رہتے مگر داؤد علیہ السلام پہاڑوں کے پتھروں اور پرندوں کی بولیاں سنتے بھی اور سمجھتے بھی تھے کہ یہ جمادات حیوانات میرے ساتھ حمد و تسبیح کر رہے ہیں۔ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ، داؤد علیہ السلام کی یہ قوتِ علمی و فہمی اور جمادات و حیوانات کی یہ قوتِ گویائی و تسبیح خوانی۔ بارگاہِ داؤدی میں اُن کی یہ تسخیر زمانی، ہمارے قدرتِ عطا کے نزدیک کچھ مشکل نہ تھی نہ اب ہے ہم جس کے لیے چاہیں

جب چاہیں جتنا چاہیں کُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ سب کچھ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں ہمارے ان محبوب محمد مصطفیٰ کے ہاتھوں میں کنکروں پتھروں نے کلمہ پڑھا اور سب نے سنا انہی محبوب کی صحبت یافتہ صحابہ کو یہ قوتِ سماعت ملی کہ جب صحابہ کے کھانے نے تسبیح پڑھی تو ان صحابہ نے سنی۔ زہر آلود بکری کا گوشت دعوتِ خیبر میں خود پکار اٹھا کہ مجھ کو نہ کھاؤ مجھ میں زہر ہے یہ سب ہماری قدرت کے شاہکار ہیں ہماری قدرتوں کے ایسے واقعات عالم کائنات میں بے شمار موجود مشاہد ہیں اے انسانو تمہاری عقلوں کو یہ عجائب قدرت مشکل لگتے ہیں اور تم یا کوئی جن فرشتہ انسان نہ خود ایسا کر سکتا ہے نہ کسی کو سکھا پڑھا سکتا ہے۔ یہ ہم ہی کر سکتے ہیں اپنے انبیا علیہم السلام کو سکھا پڑھا سکتے ہیں اپنی قدرت اور ان کا معجزہ بنا سکتے ہیں۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ اور ہم نے ہی داؤد علیہ السلام کو ایسے عظیم لباس بنانے کی کاریگری سکھائی جو قیامت تک اے انسانو تمہارے ہی لیے مفید ہے ان سے سیکھ کر اپنے اپنے رواجوں ضرورتوں اور طریقوں سے بناتے استعمال کرتے رہو تاکہ تم کو تمہاری جنگوں لڑائیوں میں تیر تلوار نیزوں بھالوں کے مہلک زخموں سے بچائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس صنعت کا علم دو وجہ سے سکھایا گیا۔ پہلی یہ کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام کسی جگہ سے گزر رہے تھے تو دو آدمیوں کو آپنے اپنے متعلق باتیں کرتے پایا ایک شخص کہہ رہا ہے کہ حضرت داؤد ہر طرح بہت ہی اچھے ہیں بجز ایک بات کے دوسرے نے پوچھا وہ کیا پہلے نے کہا وہ یہ کہ بیت المال سے تنخواہ لیتے ہیں اگرچہ بہت تھوڑی لیتے ہیں مگر پھر بھی یہ انکو زیبا نہیں دیتی۔ یہ دونوں شخص فرشتے تھے شکل انسانی میں۔ بعض نے فرمایا کہ خود داؤد علیہ السلام اپنے متعلق لوگوں سے پوچھتے نکلے کہ بتاؤ تمہارا بادشاہ داؤد ملک میں کیسا ہے تو جبریل امین شکلِ انسانی میں ملے تب آپ نے خود ان سے اپنے متعلق پوچھا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو اوپر پہلے شخص کا مذکور ہوا۔ تو آپ نے واپس گھر آکر دعا مانگی کہ یا مولیٰ میری آمدنی اور کمائی میری گزر اوقات کے مطابق میرے ہاتھ کی محنت سے عطا فرما تو رب تعالیٰ نے صنعۃ لبوس سکھائی دوسری وجہ یہ کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ لوہے تانبے اور جنگوں کا زمانہ تھا آپ کی سلطنت کا پھیلاؤ مشرقِ وسطیٰ میں علاقۂ ادوم اور علاقۂ عزبہ تک پھیلا ہوا تھا اہی

علاقوں کے پہاڑوں میں لوہے اور تانبے کی کانیں ہیں جن سے بے شمار خام لوہا اور خام تانبہ نکلتا ہے طالوت بادشاہ کے زمانے سے پہلے قوم جالوت کی حکومت ان علاقوں پر تھی اُن کی دو نسلوں ۱ قوم حتی ۲ اور قوم فلستی کو لوہا و تانبہ سازی میں بہت کمال حاصل تھا جب طالوت بادشاہ کو فتح ہوئی تو بنی اسرائیل نے بھی لوہے کی کاریگری اور فنکاری میں کمال عروج حاصل کیا۔ طالوت کی حکومت کا دور ۱۰۶۵ء قبل مسیح ہے یہی زمانہ اقوام حتی و فلستی و جالوتی کی فنا زوال تباہی کا ہے ۱۲۴۴ء قبل مسیح۔ بنی اسرائیل کی حکومت فلسطین اُردن اور دو تہائی شام کے علاقے میں قائم ہو چکی تھی اس کے بعد داؤد علیہ السّلام کی حکومت ۱۰۱۱ء اور ۱۲۰۰ء قبل مسیح قائم ہوئی۔ بنی اسرائیل میں اُس وقت بہت دولت امیری کاریگری مشہور تھی لوہا تانبہ سازی میں اُن کی مہارت کا شہرہ دور دور پھیلا تھا اِس دولت اور فنکاری نے اُن کو دین و عبادت سے دور فن پر مغرور کر دیا تھا اسی بنا پر گھمنڈ سرکشی گمراہی گستاخی میں مشہور کر دیا تھا ابلیسیت سے نافرمانی، نافرمانی سے کفر پھیلا ہوا تھا۔ تب رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السّلام کو ان میں مبعوث فرمایا اور بادشاہت کا تسلسل دے کر لوہے کا ہی ایک معجزہ عطا فرمایا جس سے اُن سب مغروروں کا غرورِ فنکاری خاک میں مل گیا اور حیران و متعجب ہوئے کہ کس طرح موم اور گندھی مٹی جیسا نرم کر کے لوہے سے جو چاہے بنا لیتے ہیں ہر وقت اور بلا ارادہ نرم نہ ہوتا تھا بلکہ جو کچھ بنانا چاہتے تو حسبِ منشا تانبہ لوہا نرم ہو جاتا تھا اس معجزے کے سامنے اُن کفار کی عظیم بھٹیاں لوہے کو پگھلانے کے سارے کارنامے بے بس تھے۔ داؤد علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے چار معجزے عطا فرمائے ۱ نشانہ بازی کا معجزہ ارہاص یہ بعثت سے پہلے ملا۔ اس طرح کہ جس کافر کو دورانِ جنگ ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتے پھر کتنی بھی دور سے تیر تلوار نیزے بھالے یا پتھر ڈھیلے سے نشانہ لگاتے جس جگہ کا بھی کبھی خطا نہ جاتا اِس معجزے کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ بقرہ آیت ۲۵۱ میں اس طرح مذکور ہے وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ۔ داؤد نے قتل کر دیا جالوت کو جالوت قوم حتی و فلستی کا بادشاہ تھا یہ سب کافر تھے۔ طالوت بادشاہ کے لشکر میں شامل ہو کر دورانِ جنگ داؤد علیہ السّلام نے غلیل یا گھمانی سے اُس کے گھٹنے پر پتھر مارا جس نے اُس کا گھٹنا توڑ دیا وہ گرا اور مر گیا بادشاہ کے مرتے سے سب لشکرِ کفار بھاگ گیا ۲ پہاڑوں کی تسبیح کا معجزہ ۳ پرندوں کی تسبیح کا معجزہ ان دونوں معجزوں کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا گیا۔ ایک جگہ یہاں سورۃ انبیا آیت ۷۹ میں پھر

سورہ ص آیت ۱۸ میں اس طرح ارشاد ہوا۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ۔ سوم سورۃ سبا آیت ۱۰ میں اس طرح ارشاد ہے۔ يَاجِبَالُ اَوِّبِي مَعَهٗ وَالطَّيْرَ۔ چوتھا معجزہ آپ کی اتنی سریلی آواز کہ جب آپ خوش الحانی سے زبور شریف کی تلاوت فرماتے یا بلند آواز سے تسبیح و حمد خوانی کرتے تو پرندے آپ کے پاس جمع ہو کر بجود ہو جاتے اور خود بھی اپنی اپنی زبان میں تسبیح خوانی کرنے لگتے چرند سرمست ہو جاتے۔ بہتے پانی رک جاتے جنات و ملائکہ آپ کے پاس جمع ہوتے انسانوں کے دل گداز ہوتے اور کفار متحیر ہوتے اس کا مختصر تذکرہ حدیث متعدد میں اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کی خوش الحان تلاوت سے خوش ہو کر فرمایا کہ۔ لَقَدْ اُوْتِيَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيْرِ آلِ دَاوُدَ۔ یعنی ابو موسیٰ اشعری کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحان سریلی رگوں میں سے ایک سریلی رگ عطا فرمائی گئی ہے یہاں آل داؤد میں لفظ آل یاء نسبت کی جگہ ہے یعنی داؤد والی صرف ایک رگ (خوش الحانی کا کچھ حصہ) لوہے کے معجزے کا ذکر سورۃ سبا کی آیت ۱۰ و ۱۱ میں اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ یعنی ہم نے اس داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور اُن کو سکھایا کہ اچھی طرح مکمل اور انداز کی زرہیں بناؤ اور صحیح طریقے کی ایک جیسی کڑیاں جوڑو کائنات انسانیت کے لیے رب تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے جتنے بھی علوم فنون۔ صنعت حرفت، قدرت، ندرت قوت وکمال دنیا میں بھیجے وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی معرفت اور ذریعے سے ہی بھیجے یہاں تک کہ اُن میں سے بہت سے علوم ملائکہ کو بھی نہیں آتے بلکہ اُن کے نام تک کسی فرشتے کو نہیں آتے جیسا کہ مقابلۂ آدم علیہ السلام کے وقت ظاہر ہو گیا تھا۔ رب تعالیٰ نے صرف اپنے انبیاء علیہم السلام کو پڑھایا سکھایا اور انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنی ضرورتوں کے مطابق فرشتوں جنوں نے سیکھے اور حاصل کئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ كُلَّ صَانِعٍ وَّصَنْعَتَهٗ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہر کاریگر اور ہر کاریگری کو خیال رہے کہ صنعت و حرفت، فعل و عمل کا فرق یہ ہے کہ ہر کاریگری صنعت ہے۔ اُس کا تجربہ کرنا حرفت ہے۔ ابتدائی کام کرنا جس میں دورِ شاگردی اور سیکھنے کا زمانہ بھی

بھی شامل ہے فعل ہے۔ اور انتہائی فنکاری کا نام عمل ہے جس میں استادی بھی شامل اس بنا پر علمناہ صنعۃ لبوس میں داؤد علیہ السلام کی فعلیت اور شاگردی کا ذکر ہے۔ اور ان اعمل میں آپ کی انتہائی فنکاری اُستادی کا ذکر ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ان کا استاد اور وہ باقی انسانوں کے اُستاد ہر صنعت فعل ہے مگر ہر فعل صنعت نہیں روایتوں میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے کھیتی باڑی کا علم زمین والوں کو ملا جس میں ہل بنانا ہل چلانا جوڑنا جوتنا کھیت اگانے کا موسم معلوم کرنا بجائی ترائی زمین کا کھیتی کے مناسب ہونے کا علم کہ کونسی زمین کس قسم کی زمین کس کھیتی کے لیے مناسب زمین کو کھیتی کے لائق بنانے کا علم زمین کی کھاد اور دواؤں کا علم وغیرہ شیث علیہ السلام سے کپڑا بننے دھاگہ بنانے کا علم روئی اور راؤن سازی کا علم ملا۔ ادریس علیہ السلام سے درس وتدریس لکھنا پڑھنا الفاظ و حروف کے نقشے بنانا کپڑا سینا لباس بناتے کا علم ملا۔ نوح علیہ السلام سے انسانوں کو لکڑی کاٹنے بنانے نجاری ترخانی بڑھئی کی کاریگری کشتی، بحری جہاز آبدوز بنانے کا علم ملا۔ داؤد علیہ السلام سے دھاتوں کی نئی انوکھی کاریگری ملی۔ ابراہیم علیہ السلام سے کپڑے کی تجارت خرید و فروخت لپیٹنے کھولنے سنبھالنے ناپنے گز۔ فٹ بنانے کا علم ملا۔ سلیمان علیہ السلام سے لکڑی کے برتن اور ٹوکری چھوٹی بڑی بنانے درختوں کی شاخوں کو درست کرنے کا علم بانس سیدھا کرنے کا علم ملا۔ شعیب علیہ السلام سے انسانوں کو جانوروں کی دیکھ بھال نئے نئے علاج دوائیوں کا علم ملا۔ صالح علیہ السلام سے کمبل، دری اور قالین سازی کا علم ملا۔ موسیٰ علیہ السلام سے جوتی سازی کا علم ملا۔ یوشع علیہ السلام سے زیور سازی سونے چاندی کا علم ملا۔ ہوائی جہاز کا طریقہ لوگوں نے تخت سلیمانی سے اور بحری جہاز کا خاکہ کشتی نوح سے حاصل کیا۔ آئینہ الیاس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ صابن کی ابتدا یوسف علیہ السلام نے فرمائی۔ صابن میں خوشبو و رنگ افلاطون کی اختراع ہے۔ اُسترہ قینچی چھری چاقو یونس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ غرضکہ انسانیت کا ہر علم و ہنر آستانۂ نبوت سے ہی انسانوں کو ملا جو تا قیامت اے انسانو تم سب کو ہزارہا طرح مفید ہے۔ فھل انتم شٰکرون۔ تو کیا تم اپنے رب کریم کی اتنی کثیر نعمتوں عنایتوں فائدے مند چیزوں کو لے کر اپنے رب تعالیٰ کا شکر کرنے والے بندے بنو گے۔ اور اے انسانو کیا تم جانتے ہو کہ رب تعالیٰ کا حقیقی سچا۔ صحیح شکر کیا ہے۔ تو سمجھ لو کہ کامل مکمل شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام پر تصدیقی اقراری قولی عملی اتباع اور اطاعت کے ساتھ کامل

ایمان لایا جائے۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو ماننا ہی رب تعالیٰ کا شکر ہے یہ تو داؤد علیہ السّلام کے معجزے تھے۔ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ۔ اور ہم نے سلیمان علیہ السّلام کو یہ معجزہ دیا کہ پوری تیز طوفانی ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا ایسی تابع فرمان کر چلتی تھی اُن کے حکم سے جب وہ چاہتے جس طرف اور جس انداز میں چلنے کا حکم دیتے وہ ہوا اسی انداز میں چلتی ہلکی تیز بلند و پست غرباً شرقاً وغیرہ اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے اپنی تمام برکتیں رکھدی ہیں انبیا علیہم السّلام کی بعثت و طبیّت اور مزارات کے وجود سے۔ اور سلیمان علیہ السّلام کی اس شان و شوکت عزت عظمت بادشاہت حکومت حدود سلطنت زمین کی فضاؤں میں آنے جانے کو اور اُن کے حکم سے ہواؤں کے چلنے رُکنے چڑھنے اترنے کی ہر چیز ہر حالت ہر کیفیت کو ہر وقت ہم جاننے والے ہیں اس معجزے کی پوری وضاحت اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نبی رسول بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے آپ کی نبوت رسالت تو فقط قوم بنی اسرائیل کے لیے تھی مگر آپ کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق پر تھی اور سلطنت کا پھیلاؤ پوری روئے زمین پر۔ آپ کا تخت بہت بڑا عظیم تین میل لمبا چوڑا فرلانگ مربعہ سونے کا بنا ہوا تھا۔ آسمانی فضاؤں میں مختلف ملکوں کی طرف اڑتا پھرتا تھا ہوائی جہاز کی طرح پیچھے لکڑی لگی ہوئی تھی یہ جنات نے بنایا تھا اس پر ایک جانب منبر رکھا جاتا تھا یہ بھی سونے کا تھا۔ اس پر سلیمان علیہ السّلام بیٹھتے تھے اور آپ کی دائیں جانب سونے کی تین ہزار کرسیاں اور بائیں جانب تین ہزار چاندی کی کرسیاں سونے کی کرسیاں اُن پر اُس زمانے کے انبیاء علیہم السّلام تشریف فرما ہوتے تھے چاندی کی کرسیوں پر ہر اُمّت کے اولیاء علما بیٹھتے بعض نے لکھا ہے کہ تین تین لاکھ سونے چاندی کی کرسیاں دائیں بائیں ہوتیں (مظہری) مگر یہ قول اس لیے غلط ہے کہ کل انبیاء کی تعداد بھی تین لاکھ نہیں ہے چہ جائیکہ صرف سلیمان علیہ السّلام کے زمانے میں۔ پھر آگے منبر کے قریب موٹے ریشم کا فرش بچھا ہوتا جو اُس زمانے کے دیگر باج گزار بادشاہوں کے لیے ہوتا تھا اس کے پیچھے قالین بچھے ہوتے تھے اُس پر اُمرا وزراءِ ممالک بیٹھتے یہ تمام مومنین ہوتے تھے کسی کافر بادشاہ یا وزیر امیر کو تخت پر بیٹھنے کی اجازت نہ تھی آس پاس گول دائرے میں انسان ملائکہ اور جنات کھڑے ہوتے تھے۔ جب یہ سب

اپنی اپنی جگہ اس طرح حسب ترتیب آجاتے تو ہوا کو حکم دیا جاتا وہ اس تخت کو اٹھا کر حکم سلیمانی کے مطابق بلند کر کے اڑا لے جاتی۔ چھوٹے بڑے پرندے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اوپر اڑتے جس سے سایہ ہوتا تاکہ دھوپ نہ پڑے بادل کسی بھی علاقے میں اُس وقت تک نہ برستا جب تک یہ تخت فضا میں رہتا ہوا کو حکم تھا کہ نیچے ہی رہے تخت کے اوپر نہ آئے تاکہ کسی کو ہوا نہ لگے۔ اس تخت کی رفتارِ سفر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں تک گھوڑا یا اونٹ اپنی تیز رفتار سے ایک مہینہ میں پہنچے وہاں یہ تخت آٹھ گھنٹے میں پہنچتا تھا۔ عموماً یہ سفر زمین کے مندرجہ ذیل ملکوں میں ہوتا (۱) بوقتِ صبح روانہ ہو کر زوال تک ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا۔ یہ سفر آپ کے دارُالخلافہ ملکِ شام کے شہر تدمر سے شروع ہوتا (۲) اور ملک اصطخر میں دوپہر کو پہنچتے وہاں قیلولہ فرماکر (۳) پھر کابل کی طرف روانگی ہوتی پھر وہیں سے وقت شام تک واپسی ہوتی (۴) پھر کبھی عراق کی جانب پرواز ہوتی (۵) وہاں سے شہر مَرُو (۶) پھر وہاں سے بلخ (۷) وہاں سے ترکستان (۸) وہاں سے چین (۹) پھر کبھی ساحلِ سمندر پر (۱۰) وہاں سے قندھار (۱۱) وہاں سے مکران (۱۲) وہاں سے کرمان (۱۳) وہاں سے فارس (۱۴) پھر وہاں سے علاقۂ کسکر میں قیام پھر وہیں سے واپسی اپنے ملک شام کے شہر دارالخلافہ تدمر میں۔ یہ سفر سال میں دو بار ہوتا اور اس سفر کے تین مقصد ہوتے (۱) ایک یہ کہ مفتوحہ علاقوں کا دورہ ملکی انتظام کی دیکھ بھال دوم نئی جگہوں پر تبلیغ دین پھیلانا سوم یہ کہ ضدی کفار پر قتال و فتوحات یا باج گزاری قائم کرنا۔ قتال میں صرف اپنی انسانی رعایہ کو ہی شامل فرماتے از تفسیر روح المعانی۔ روح البیان تفسیر کبیر رازی، مظہری، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان معجزوں کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا گیا۔ ایک یہیں سورۂ انبیاء آیت ۸۱ میں دوم سورۂ سبا آیت ۱۲ اس طرح ارشاد ہوا وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ سوم سورۂ صٓ آیت ۳۶ میں اس طرح ارشاد ہوا۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ۔ (حکایت) روایت ہے کہ ایک مرتبہ تختِ سلیمانی کسی سفر پر جاتے ہوئے جب ایک جنگل پر سے گزرنے لگا تو سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ تخت اتار لیا جائے چنانچہ تخت زمین پر آگیا آپ نے اپنے تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ گیارہ میل کا میدان سب لوگ پیدل ننگے پیر طے کریں جب میدان طے ہوگیا تو تخت لایا گیا سب لوگ دوبارہ تخت پر بیٹھے آپ نے اس جگہ

کچھ دیر قیام فرما کر ایک محفل قائم فرمائی جن میں آپ نے تقریر فرماتے ہوئے اس میدان کو پیدل ننگے پیر طے کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ ایک وقت آئے گا جب یہاں سرکار انبیا ختم المرسلین تشریف لائیں گے اس کو اپنا وطن بنائیں گے یہیں آپ کا مزارِ مقدس ہوگا پھر کچھ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی فرمائی اور فرمایا کہ ساری مخلوق پر اس جگہ کا ادب واجب ہے اُس وقت آپ کے ساتھ ایک بادشاہ طبّع نام کے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضور اگر اجازت ہو تو میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہیں ٹھہر جاؤں سلیمان علیہ السّلام نے اجازت دیدی اس طرح سب سے پہلے یہاں آبادی اور رہائش کی بنیا وان ہی بادشاہ اور اُن کے ساتھیوں نے رکھی اور بادشاہ کے نام پر اس شہر کا نام طبّع یا طوبیٰ رکھا گیا جو بعد میں طیبہ کہلایا گیا، پھر اس کا نام ایک شخص کے لقب پر یثرب رکھا گیا۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر مدینہ رکھا جس کو رب تعالیٰ نے منورہ بنا دیا اور طیبہ یا طوبیٰ نام باقی رکھا مگر یثرب نام ختم کر دیا اس لیے کہ یثرب کا ایک معنیٰ خراب بھی ہے یعنی تڑپ اور بیماریوں والا۔ اب اس کو یثرب کہنا شرعاً گناہ ہے جو جان کر کہے گا وہ بد بخت جہنمی ہے۔ طبّع بادشاہ کا مکان وُہی تھا جس میں ہجرت کے وقت ایوب انصاری رض رہتے تھے۔ ایوب انصاری اسی بادشاہ کی اولاد میں سے تھے آج وہاں مسجد قبا شریف ہے۔ بادشاہ نے وفات کے وقت ایک رقعہ لکھا تھا جس میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کا یہ ادب تقریر عید میلاد النبی کی محفل اس سرزمین کا تعارف پھر اپنا یہاں ٹھہر جانا بستی آباد کرنا اس کا نام رکھنا اپنا غائبانہ ایمان لانا اور عشق مصطفیٰ میں اپنا حال اور ہر چیز کا تذکرہ لکھا وہ رقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تھا نسل در نسل ہوتا ہوا اُس وقت حضرت ایوب انصاری کے پاس تھا جب اس گھر میں آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو خود فرمایا کہ لاؤ ہمارے نام لکھا ہوا خط تب ایوب انصاری رض نے حیران اور خوش ہوتے ہوئے وہ خط دیا۔ (حکایت)

روایت ہے کہ ایک مرتبہ تختِ سلیمانی اُڑا چلا جا رہا تھا تو نیچے زمین پر کھڑی ایک عورت نے کہا کہ قربان جاؤں اُس ماں پر جس کا ایسا شان و شوکت عزت و عظمت والا بیٹا ہے آپ نے فرمایا کہ میری ماں سے بھی افضل ایک اور ماں دنیا میں آنے والی ہے جو محمد مصطفیٰ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہوگی۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

مفسرین کے مختلف اقوال ۱؎ فَفَهَّمْنٰهَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہم نے بذریعہ وحی سمجھایا۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ سیاق وسباق اور درایت وروایت کے خلاف ہے اُس وقت حضرت سلیمان کی عمر گیارہ یا تیرہ سال تھی، اور اِس عمر میں کسی نبی کو وحی نہیں آئی بجز عیسیٰ علیہ السلام کے۔ دوم یہ کہ اِس کا معنیٰ ہے کہ زیادہ اچھا فیصلہ ہم نے ذہن میں ڈالدیا یہ قول درست ہے۔ ۲؎ وَكُلًّا میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ کُلًّا سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام ہیں یعنی سب انبیاء کو ہم نے علم وحکمت دی دوم یہ کہ یہاں کُلًّا سے مراد صرف داؤد اور سلیمان علیہ السلام ہی ہیں، یہی قول درست ہے ۳؎ يُسَبِّحْنَ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ جب بھی داؤد علیہ السلام بآوازِ بلند تسبیح خوانی فرماتے تو وفورِ شوق ولذتِ ذوق سے پہاڑ بھی تسبیح کرنے لگتے اور پرندے بھی بلند آواز سے اور سب اپنی اپنی زبان میں جس کو داؤد علیہ السلام سنتے بھی سمجھتے بھی مگر دیگر لوگ صرف آواز سنتے اور حیران ہوتے یہی قول درست ہے۔ دوم یہ کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے آپ کے الفاظ اپنی آوازوں میں نقل کرتے جیسے طوطا مینا یہ قول زیادہ درست نہیں۔ سوم یہ کہ جب حضرت داؤد نماز پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے اپنی اپنی نماز پڑھتے۔ تسبیح کا معنیٰ نماز ہے یہ قول غلط ہے۔ چہارم یہ کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ گونجنے لگتے اور پرندے چہچہانے لگتے یہ قول قطعًا غلط بلکہ گمراہی ہے اور قدرتِ الٰہی کا انکار ہے اگر گونج ہی ہوتی تو قرآن مجید اتنی شان سے بیان نہ فرماتا پہاڑوں کی گونج تو آج بھی ہر مومن کافر کی اچھی بری آواز سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح پرندے بھی دن رات چہچہاتے رہتے ہیں کفار کے گھروں میں بھی اُس کو تسبیح خوانی تو نہیں کہا جا سکتا ۴؎ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ سوالیہ عبارت بمعنیٰ امر ہے یعنی تم شکر کرو تم پر شکر واجب ہے شکر کر کے بندے بنے رہو۔ دوم یہ کہ یہ سوالِ عجز ہے یعنی کیا تم میں طاقت ہے کہ تم اُس کی نعمتوں کا پورا شکر ہی کر سکو یا کر سکتے ہو معنیٰ یہ کہ ہمارا یہ انعام بھی اتنا عظیم ہے کہ تم تو اِس کا پورا شکر بھی نہیں کر سکتے مگر پہلا قول درست ہے ۵؎ اَنْتُمْ ضمیر میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اَنْتُمْ کا مرجع داؤد علیہ السلام کے گھر والے ہیں دوم

یہ کہ بنی اسرائیل مراد ہیں سوم یہ کہ تاقیامت سب انسان مراد ہیں یہی قول درست ہے کیونکہ آپ کی یہ صنعت لَبُوس تاقیامت سب کے لیے مفید ہے ۔ وَلِسُلَيْمَانَ ۔ کی ترکیب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق اسی سابقہ سَخَّرْنَا سے ہے یہ واؤ عاطفہ ہے اور پورا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں و پرندوں کو مسخر کیا اور سلیمان کے لیے تیز ہواؤں کو مسخر کیا ۔ دوم یہ کہ یہ واؤ سر جملہ ہے ۔ اور اگلی عبارت نیا جملہ ہے اور ایک نیا فعل سَخَّرَ پوشیدہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے لیے تیز ہواؤں کو مسخر کیا مگر یہ قول غلط ہے پہلا درست ہے کیونکہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بلاوجہ اور بلاقرینہ قرآن مجید میں کوئی لفظ مقدر ماننا گناہ ہے ۔ تَجْرِي بِأَمْرِهِ کی ہ ضمیر غائب کے مرجع میں دو قول ہیں ۔ ایک یہ کہ اہل سنت علماء فرماتے ہیں کہ وَلِسُلَيْمَانَ کی واؤ عاطفہ ہے اور عطف ہے سابقہ سَخَّرْنَا پر ۔ اور ہ ضمیر کا مرجع سلیمان علیہ السلام ہیں معنیٰ یہ ہے کہ ہوا کو ہم نے مسخر کیا سلیمان کے تابع فرمان کر دیا اُن کے ہی حکم سے ہوا چلتی تھی ۔ دوسرا قول دیوبندی وہابی حضرات کا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ واؤ سر جملہ ہے اور یہاں سَخَّرَ پوشیدہ ہے سَخَّرَ کا فاعل بھی اللہ تعالیٰ اور بِأَمْرِهِ کی ہ ضمیر کا مرجع بھی اللہ تعالیٰ ہے اور معنیٰ یہ کہ اللہ نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کیا اور اللہ کے حکم سے ہوا چلتی تھی نہ کہ سلیمان کے حکم سے ۔ یہ قول باطل لغو ضلالت و حماقت کے علاوہ حسد بغض تعصب اور شان نبوت ، قوت رسالت سے جلاپے میں ہے کہ کہیں خداداد شان و عظمت انبیاء ظاہر نہ ہو جائے ۔ اہل سنت والجماعت علماء کا قول قوی و مدلل ہے اُن کی دلیل سورۃ ص کی آیت نمبر ۳۶ ہے ۔ وہاں تو صراحتاً ارشاد باری تعالیٰ ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۔ یہاں تو دیوبندی حضرات نے اپنی بدعقیدگی کو ثابت کرنے کے لیے ۔ واؤ کو سر جملہ کہہ دیا اور اپنی مرضی سے بلا قرینہ ، اور بلاوجہ سَخَّرَ پوشیدہ مان لیا اس بناوٹ سے ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا مگر سورۃ ص میں کیا کریں گے وہاں بِأَمْرِهِ کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف جا سکتا ہی نہیں ۔ وہاں تو مجبوراً اہل سنت کا عقیدہ ماننا ہی پڑے گا کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلتی تھی ۔ لطیفہ ۔ ایک دیوبندی وہابی صاحب تقریر کر رہے تھے کہ اے لوگو سنی لوگوں سے بچو یہ تو خدا کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑتے کہتے ہیں کہ ہوا سلیمان کے حکم سے چلتی تھی ۔ علم غیب کسی کو دے دیا ۔ نرگسی کو بنا دیا ۔ ہوائیں کوئی لے گیا

خزانوں کی چابیاں کس نے دے دیں رب کے لیے بچا معاذ اللہ۔ بیچاروں کو خدا کی کتنی فکر لگی ہوئی ہے۔ سچ ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔

فائدے ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اگر دو مجتہد فقیہ اپنے اجتہاد سے کوئی مسئلہ مستنبط کرتے ہیں تو اگرچہ ایک کا اجتہاد ہی صحیح اور مضبوط ہوگا مگر ثواب دونوں کو ملے گا۔ اور دونوں کو ان کی محنت تدبر تفکر اور خلوص کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں بروایت عمرو ابنؓ عاص اور ترمذی شریف میں بروایت ابوہریرہؓ ایک حدیث پاک منقول ہے کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حاکم عالم اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ یا مسئلہ استنباط کرکے نافذ کرتا ہے تو اگر صحیح اجتہاد کر لیا تب اس کو دو ثواب ملیں گے ایک محنت کا دوسرا صحت کا۔ اگر اجتہاد غلط ہو گیا تو ایک ثواب فقہا فرماتے ہیں بشرطیکہ حاکم قاضی مجتہد کے پاس شریعت کا مکمل اور کثیر علم ہو اور علمی فکری فیصلہ کرنے کی قابلیت و لیاقت و استعداد اس میں ہو۔ کوئی جاہل احمق اپنے جبر و ظلم سے علم شریعت سے ناواقف ہونے کے باوجود عدالت کی کرسی پر بیٹھ گیا تو اس کا یہ حکم نہیں اس کے غلط فیصلے میں اس کو جہنم کی وعید ہے چنانچہ ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت بریدہ حدیث پاک منقول ہے کہ قاضی (جج) تین قسم کے ہیں جن میں دو قسم کے جہنمی اور ایک قسم کا جنتی جو حاکم و قاضی حقانیت کو جانتے سمجھتے کسی وجہ سے غلط فیصلہ کرے وہ دوزخی ہے۔ اسی طرح وہ جج قاضی و مفتی بھی جہنمی ہے جو علم شریعت کے بغیر جہالت کے فیصلے کرے اور نالائقی کے باوجود کرسی عدالت پر قابض ہو جائے۔ یہ فائدہ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ۔ ان آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے انسانوں کی تقسیم باعتبارِ اخلاق کے تین طرح فرمائی ۱ بڑے علم و عقل والے ۲ بڑی عمر والے ۳ بڑے درجہ والے اس طرح کہ عنداللہ فضیلت علم اور ایمانی عقل والوں کی ہے لہٰذا ہر بڑے چھوٹے پر علما فقہا کا ادب و احترام واجب ہے۔ علم و عقل سے مراد دینی علم اور ایمانی عقل ہے۔ اور عمر رسیدہ بزرگوں کا احترام عزت لحاظ کرنا ہر شخص پر لازم۔ اور دنیوی امرا اور اہلِ مدارج کا دبدبہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے یہ فائدہ فَفَهَّمْنٰهَا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ بزرگی از عقل است نہ بسال و تونگری از دل است نہ بمال۔ روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی عقل

شعور اور عزت افزائی دیکھ کر دیگر بنی اسرائیل حسد کرتے تھے۔ تب رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ ہم نے زمین پر حکمت کے نوے حصے نازل کئے ہیں جن میں سے ستر حصے سلیمان علیہ السلام کو اور بقیہ بیس حصے علماء بنی اسرائیل اور دیگر اقوام موجودہ کو۔ تو یہ بنی اسرائیل ہمارے سلیمان سے حسد کیوں کرتے ہیں (از تفسیر روح البیان) **تیسرا فائدہ** قرآن مجید میں کئی جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عَلَّمْنٰهُ۔ اٰتَیْنٰهُ۔ حُکْمًا وَّعِلْمًا۔ جَعَلْنٰهُ۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ وغیرہ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو سکھانے پڑھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء علیہم السلام صرف رب تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ مگر وہابی لوگ ان آیت میں تدبر و تفکر نہیں کرتے اور احمقانہ رٹ لگائے پھرتے ہیں کہ جبرئیل نے یہ سکھایا۔ جبرئیل نے وہ سکھایا۔ حالانکہ جبرئیل علیہ السلام تو خود بار بار باادب حاضر ہو رہے ہیں اور دو زانو بیٹھتے اور احکام اسلام پوچھ رہے ہیں یہ **فائدہ** فَفَهَّمْنٰهَا كُلًّا اٰتَیْنَا۔ اور عَلَّمْنٰهُ۔ کے ارشادات مختلفہ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** یہ فقہاء کرام کامل و راسخ علما کو شرعاً اجازت ہے کہ وہ دینی یا دنیوی امور میں قرآن و حدیث کی آیت و روایت سے استنباط کر کے اجتہاد کریں یہ اجتہادی مسائل تمام مسلمانوں کے لیے قابل عمل اور خود مجتہد کے لیے باعث ثواب بھی۔ کیونکہ تدبر و اجتہاد فی المسائل سنت انبیاء کرام علیہم السلام اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے یہ اجتہاد بھی وہ وراثت انبیاء ہے جس کا ذکر آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔ یہ **مسئلہ** فَفَهَّمْنٰهَا اور اس سے پہلے اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ ان آیت میں رب تعالیٰ عَزَّ وَجَلَّ نے اجتہاد نبوت کا ذکر فرمایا کہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے اس مقدمے کے فیصلے میں اپنا اپنا اجتہاد ہی فرمایا تھا جس میں حضرت سلیمان کا اجتہاد زیادہ اچھا تھا اس لیے داؤد علیہ السلام نے اپنا اجتہاد چھوڑ کر سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد نافذ فرمایا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ سلیمان کو خود ہم نے اجتہاد کرنا سکھایا جس سے اجتہاد کا جواز ثابت ہوا۔ اس لیے اب بھی راسخین علما کو اجتہاد کرنا جائز ہے ہاں البتہ اجتہاد صرف عملیات میں ہو سکتا ہے عقائد میں نہیں ہو سکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء عظام کے اجتہاد

کا فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام کا اجتہاد کبھی غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام دینی دنیوی ہر قسم کے
معاملات میں خطاء سے بھی معصوم ہیں خطا پر بھی قادر ہی نہیں، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی
علیہ السلام کا اجتہاد زیادہ صحیح اور زیادہ مفید ہو۔ جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد بھی صحیح اور
شریعت کے قانون کے مطابق تھا لیکن سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد زیادہ صحیح اور زیادہ مفید
تھا۔ مگر فقہاءِ عظام کا اجتہاد۔ انبیا علیہم السلام کے اجتہاد کے برابر یا زیادہ صحیح قطعًا نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور باعتبار استدلال و استنباط کمزور بھی مگر قبولیت
سب کی۔ جیسا کہ امام یوسف اور امام محمد کے اجتہاد و استدلال امام اعظم کے مقابل اکثر
نہایت کمزور ہوتے ہیں یہی کمزوریاں امام اعظم کے مقابل آئمہ ثلاثہ کے اجتہادات میں ہیں
اس کی تفصیل و ثبوت ہمارے فتاویٰ العطایا کی چاروں جلدوں میں دیکھئے دوسرا مسئلہ
امام اعظم ابو حنیفہ رضی کے نزدیک اگر کسی شخص کا جانور کھل کر خود بخود کسی کی کھیتی میں بڑھ جائے
رات کے وقت یا دن میں تو مالک یا چرواہے پر تاوان یا جرمانہ واجب نہیں ہوگا۔
اور کھیتی والا اپنی کھیتی کا نقصان جانور والے سے نہیں مانگ سکتا، لیکن عدالت کا جج
جانور والے کو اس کی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر (کہ اس کا جانور کیوں کھل کر باہر نکلا)
اس کو کوئی ایسی تعزیری سزا دے سکتا ہے جس سے کھیتی والے کو کچھ فائدہ ہو جائے
ہاں البتہ اگر جانور والا ساتھ ہو یا اس کو جانور کے کھل جانے کا پتہ لگ جائے پھر بھی
پرواہ نہ کرے اس صورت میں اگر دن ہے تو کچھ واجب نہیں کیونکہ کھیتی والے کی ذمہ داری
ہے کہ وہ دن کے وقت اپنی کھیتی کی خود حفاظت کرے اور اگر یہ بات رات کے وقت
ہو تو جانور والے پر کھیتی کے پورے نقصان کا بدلہ دینا پڑے گا کیونکہ گویا اس نے جان
بوجھ کر اپنے جانور سے نقصان کرایا ہے امام اعظم کا یہ مسلک مستنبط ہے اسی آیت
فَفَهَّمْنَاهَا سے۔ کہ رب تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کی تائید و تعریف فرمائی
اور اس کو القاءِ ربانی فرمایا گیا، حضرت سلیمان کا یہی فیصلہ تھا کہ چرواہے کو تعزیری
سزا کے طور پر کھیتی میں محنت کرائی جائے تاکہ کھیتی اسی پہلی حالت میں آجائے یہ نگہداشت
اور محنت برباد شدہ کھیتی کی قیمت یا عوض نہ تھی۔ تعزیری سزا تھی اور اس سزا سے
بھاگ جانے کے اندیشے میں جانور پر کھیتی والے کا اتنا عرصہ قبضہ امانتًا کرایا گیا۔
اور جانور کے دودھ۔ اون بال اور نسل کو لینا یہ بھی کھیتی کا عوض نہ تھا بلکہ دوران قبضہ

جانور کی خوراک رہائش دوائی اور حفاظت کے عوض تھا دوسرے اس مسئلے کا استنباط کہ اگر مالک جانور کے ساتھ ہو بخاری و مسلم کے اندر منقولہ ارشادِ نبوی ہے کہ جَرْحُ الْعَجْمَآءِ جُبَارٌ، یعنی جانوروں کا کیا ہوا نقصان معاف ہے لیکن امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رح کا مذہب یہ ہے کہ اگر دن میں جانور بغیر مالک کی موجودگی کسی کی کھیتی میں پڑ جائے تو اس کا کیا ہوا نقصان معاف ہے لیکن رات میں اگر خود بخود کھل جائے اور کسی کی کھیتی خراب کردے تو پورے نقصان کا بدلہ جانور والے سے لیا جائے گا۔ ان کے دلائل میں بھی ایک اسی آیت سے استنباط ہے اور ایک روایت سے استدلال ہے استنباط تو یہ کہ داؤد علیہ السلام نے تاوان دلوایا۔ اور استدلال یہ کہ سنن میں منقول ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی کی اونٹنی رات کے وقت کھل گئی اور ایک انصاری کے باغ کو کھا کر برباد کردیا مقدمہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن میں کھیت اور باغ والے پر اپنے کھیت و باغ کی حفاظت واجب ہے اور رات کو جانور والے پر جانور کی حفاظت واجب ہے اس سے ثابت ہوا کہ رات کے نقصان کا بدلہ جانور والے سے لیا جائے گا۔ حنفی علما فرماتے ہیں کہ یہ استنباط اور استدلال دونوں کمزور ہیں۔ استنباط تو اس لیے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تو خود داؤد علیہ السلام نے ہی ترک فرما دیا اور رب تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو اچھا فرمایا۔ تو اب متروک فیصلے پہ عمل کیوں کیا جائے جس کو تائید ربانی بھی حاصل نہیں استدلال تین وجہ سے کمزور ہے ۱ یہ روایت سندًا ناقص ہے اور متنًا مضطرب اور ایسی روایت سے دلیل لینا منع ہے ۲ اس روایت میں آئندہ احتیاط کرنے کا تو حکم ہے کہ آئندہ اس پر یہ واجب کہ اس پر یہ واجب مگر نقصان کے بدلہ لینے دینے کا کوئی ذکر نہیں کہ براء ابن عازب سے کیا تاوان دلوایا گیا ۳ اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس رات براء بن عازب نے اپنی اونٹنی خود کھولی تھی تب تاوان واجب ہوا۔ لہٰذا اس واقعے پر جانور کے خود کھل جانے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ تیسرا مسئلہ قانونِ شریعت میں جس طرح علوم اچھے بھی ہیں اور برے بھی اچھے علوم سیکھنا فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ اور برے علوم سے بچنا واجب جیسے جادو۔ شعبدے کھیل تماشے چوری ڈکیتی کا علم اسی طرح تجارتوں کی اچھی بری تین قسمیں ہیں ۱ جائز اور حلال ۲ ناجائز و حرام ۳ مکروہ تحریمی

وسنتیں ہیں۔ فقہاء کرام نے تقریباً ساٹھ نوعیتیں تجارت کی بیان فرمائی ہیں جن میں کچھ جائز کچھ ناجائز۔ بعض تجارتیں عوام کے لیے جائز مگر علماء صلحاء، شرفا مقتدا بزرگوں کے لیے مکروہ ہیں مثلاً کفن کی تجارت ۱ قبروں کی کھدائی کا کاروبار ۲ کسب خبیث یعنی گندگی روڑی کی خرید و فروخت ۳ کوڑے کی تجارت ۴ ردی اور گھناؤنی اشیاء ۵ خیانت والی تجارت ۶ سودی کاروبار ہر مسلمان کو حرام ۷ جوئے سٹہ بازی ۸ قصائی ۹ کاہن نجومی جوتشی رمالی کی کمائی ۱۰ حرام کھیل کے سامان کی تجارت مثلاً ڈھول طبلہ سارنگی ۱۱ چمڑے سازی ۱۲ حجامت سر کے بالوں کی مگر داڑھی مونڈنا ہر ایک کے لیے حرام ۱۳ مورتی اور بت فروشی بت سازی فوٹوگرافی ہر مسلمان کو حرام ۱۴ انسانوں کو بیچنا ۱۵ درختوں کو کاٹنے کی تجارت اس میں نحوست وبے برکتی ہے ۱۶ رنگریزی ۱۷ دلالی روایت ہے کہ سب سے پہلے دلالی ابلیس نے آدم علیہ السلام کے ساتھ کی یہ مسئلہ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ کے فرمان سے مستنبط ہوا بزرگ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے بابرکت تجارت خیاطی یعنی درزی کی ہے اور عورتوں کے لیے غزالی یعنی چرخہ کاتنا ہے۔ تجارتوں کی مزید تحقیق و تقسیم معلوم کرنے کے لیے ہمارا فتاوی العطایا جلد اول کتاب البیوع اور جلد چہارم دیکھیے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ سَخَّرْنَا لَهٗ میں جبال کا ذکر پہلے فرمایا گیا طیر کا بعد میں جواب اس لیے کہ پہاڑ جمادات ہیں ان کا باآواز بلند تسبیح خوانی زیادہ تعجب خیز ہے اس لیے یہ بڑا معجزہ ہوا لہٰذا اس کا پہلے ذکر ہوا پرندوں کی تسبیح خوانی زیادہ حیران کن نہیں کیونکہ وہ حیوانات ہیں وہ تو ویسے ہی بولتے رہتے ہیں بلکہ بعض انسانی بولی کی نقل بھی کر لیتے ہیں جیسے طوطا مینا۔ اس لیے یہ چھوٹا معجزہ ہوا اس کا ذکر بعد میں۔ دوسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ تسخیر داؤد کے ساتھ مَعَ دَاوٗدَ ارشاد ہوا مگر تسخیر سلیمان کے ساتھ لام ارشاد ہوا کہ فرمایا وَلِسُلَیْمٰنَ۔ جواب اس لیے کہ داؤد علیہ السلام کی تسخیر اور سلیمان علیہ السلام کی تسخیر میں فرق ہے کہ داؤد علیہ السلام کے لیے کسی پہاڑ یا پرندے کو تابع فرمان نہ کیا گیا تھا نہ آپ کو اس تابعیت کی ضرورت تھی صرف اتنا ہوتا تھا کہ داؤد علیہ السلام اپنے وقت عبادت میں بلند آواز سے تسبیح الٰہی پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی اپنی تسبیح باآواز بلند پڑھ کر آپ کا ساتھ دیتے تھے اسی طرح پرندے بھی آپ کے قریب آکر

آپ کا ساتھ دیتے تھے۔ لیکن ہوائیں ہر وقت حضرت سلیمان کی تابع فرمان رہتی تھیں جیسے چاہتے جس وقت چاہتے ہواؤں کو حکم دیتے تو وہ اپنا رُخ اور انداز بدل لیتی تھیں، اسی لیے ارشادِ الٰہی میں وہاں مَعَ فرمانا۔ اور یہاں نفع کا لام جارّہ فرمانا تسخیر کے اس فرق کی وضاحت فرمانا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ حضرت سلیمان کا تخت بھی ایک ہی تھا اور ہوائے فضائی بھی ایک ہی تھی تو اس کی کیا وجہ کہ یہاں ہوا کو عَاصِفَةً فرمایا گیا اور سورۂ ص آیت ۳۶ میں رُخَاءً فرمایا گیا۔ عَاصِفَةً کا معنیٰ ہے صرف تیز ہوا۔ یعنی آپ کے لیے صرف تیز ہوا مسخر کی گئی اور لفظِ رُخَاءً سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کے لیے صرف نرم ہوا مسخر ہوئی رُخَاءً کا معنیٰ ہے نرم ہوا۔ جواب۔ مفسرینِ عظام نے اس کی تین مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہوا تو سب ہی مسخر ہوتی تھی مگر تخت کو اٹھاتے وقت وہ عاصفۃً ہوتی تھی اور تخت کو نیچے لاتے وقت وہ رُخَاءً ہوتی تھی یعنی پہلے تخت بن کر اٹھاتی تھی نیچے آتے وقت نہایت نرم ہوتی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ عَاصِفَةً اور رُخَاءً کہہ کر رب تعالیٰ نے ہوا کی تابعداری اور فرمانبرداری عاجزی کی وضاحت فرمائی ہے کہ جیسے سلیمان چاہتے تھے ہوا ویسے ہی چلتی تھی اگر تیز چلنے کا حکم دیتے تو فوراً ہوا عاصفۃً بن کر چلتی اور کہیں پر آہستہ آہستہ جانا مقصود ہوتا تو ہوا کو آہستہ اور نرم چلنے کا حکم دیتے تب وہ رُخَاءً بن کر چلتی۔ بعض نے فرمایا کہ عَاصِفَةً فرما کر ہوا کی ذاتی نفسی اور جنسی کیفیت کا ذکر کیا گیا کہ ہوا ذاتی طور پر بوجہ لطیف ہونے کے تیز ہی ہوتی ہے اور رُخَاءً فرما کر اُس کی عملی کیفیت کا ذکر کیا گیا کہ جب حکمِ سلیمانی ہوتا تو اپنی مرضی سے نہ چلتی بلکہ تابع فرمان ہو کر چلتی اِس قول میں عَاصِفَةً اور رُخَاءً کا معنیٰ تیز اور نرم نہیں۔ بلکہ آزاد ہو کر اور تابع ہو کر چلنا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ۔ اور ہم نے ہی سمجھائی ہیں عقلِ علمی کو دین و دنیا کی ساری تدبیریں اور بتا دیا کہ حکمت وہی معتبر ہے جو عملی ہو اور عمل وہی اچھا ہے جو تقوئے الٰہی سے ہو اور تقویٰ وہی مقبول ہے جو ریاضت سے ہو اور ریاضت وہی معتبر ہے جو شریعت کے مطابق ہو اسی میں تحصیل کمال کی بلاغت اور بلوغت ہے اور عمل کا ظہور فعل سے ہے مومن کے فعل کی پانچ صورتیں

ہیں ۱۔ علم کلی ضروری ہو ۲۔ فکر مضبوط ہو ۳۔ نظر دقیق ہو ۴۔ ذوق مستقیم و دائمی ہو ۵۔ گشت
پائیدار ہو۔ یہ با مجمل افعال رب تعالیٰ نے عقلِ نظری کو بھی عطا فرمائے اور عقلِ علمی کو بھی ہر فعلِ
صواب کی حکمت وعلم دونوں عقلوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمایا اس لیے دونوں عقلوں کی رائے
اور فیصلۂ فکر و تدبر حکمت علمیت عملیت مکاشفے اور معاملے میں درست ہوتا ہے۔ مومن کی دونوں
عقلیں طلبِ کمال میں مضبوط اور کریم خصائل کے حصول میں موافق ہوتی ہیں۔ اس لیے رب تعالیٰ
نے اعضاءِ ظاہری ایمانی کے پہاڑوں کو داؤدِ عقل کے ساتھ تابع کر دیا۔ جوزبانِ خصوصیہ
سے تسبیح پڑھتے ہیں اور حجراتِ جمادیہ حیواناتِ پروازیہ کو سیرتِ عقل کا ساتھی بنا دیا کہ
نہ مخالفت کر سکیں نہ ممانعت نہ رکاوٹ بلکہ عمل میں توکل اور امر میں رجوع تزیہ۔ اسیطرح
قواءِ روحانیہ کے پرندوں کو بھی عقل کا ساتھی وہمنوا بنا دیا کہ ارواحِ انوار کی فضاؤں میں
اذکار کی تسبیح۔ افکار کی تحمید۔ اور طیران کی تہلیل والے کلمے پڑھتے رہیں۔ غرضکہ بدنِ
مومن پر قادر و کریم خَلَقَ مُجیدہٗ کی پوری قدرت کریمانہ قائم ہے یہ تسخیر عملِ صالح اور نیکیوں
کا آسان ہوتا گناہوں کا مشکل ہو جانا اس قدرت کا توفیقی انعام ہے۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ
لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ اور ہم نے
ہی بندۂ مومن کی عقلِ نظری کو تقوئے شریعت وطہارتِ طریقہ کا لباس بنانا سکھایا، جب
بندے کو علم حکمت عطا ہوتی ہے تو اس کا ہر قدم رب تعالیٰ کی تائید سے ہوتا ہے اگرچہ
ظاہراً ایک قدم دوسرے کے مخالف لگتا ہے۔ اور قدم قانونِ شریعت کا ہو یا تقوئے
طریقت کا راہِ معرفت میں ہو یا منزلِ حقیقت پر دونوں ہی صواب ومقبول ہوتے ہیں
جب ذکرِ الٰہی پر سلطانِ ذکر کا غلبہ آتا ہے تو اس کے اعضاءِ جبالی اور طیرانِ روحی
کے وجود نور سے منور ہو جاتے ہیں اور بندۂ ذاکر کا قلب وروح جوہرِ ذکر سے قیمتی
جوہر بن جاتا ہے یہاں تک کہ بہت دفعہ نورِ ذکر سے قلب کے آئینے منعکس ہو کر ہر
حجر وحیوان پر پڑتا ہے تو وہ بھی صحبتِ انوار کی برکت سے حمد وتسبیح میں شامل
ہو جاتے ہیں اور زبانِ قال سے ذکرِ الٰہی میں ہم زبان وہمنوا ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک
کہ بعض صالحین کا پورا قالب جاری ہو جاتا ہے اور بعض کا قلب اور بعض کے اجزاءِ
باطنی وجسمی جیسا کہ دستِ اقدس کی کنکریاں اور صحابہ کرام کے ہاتھوں میں کھانے کے نوالے
اور خالی مکان کی دیواریں انوارِ قدس سے حمدِ باری تعالیٰ کے نغمے سناتے ہیں۔ جن

کا قلب جاری ہوتا ہے ان کی یہ نشانی ہے کہ اُن کے ساتھ حجر و شجر لگے وہ بھی ذکر الٰہی کرتا ہے اور تسبیح کا اظہارِ عام ہوتا ہے خواص کو سنائی کر دیتا ہے فقط بے زبان ہلانے کی مشق کر لینا ذکرِ جنانی نہیں مکرِ شیطانی ہے۔ (از کتاب تلبیس ابلیس) بندۂ مخلص کو جب نورِ قدیمی کے کمبل میں لپیٹ لیا جاتا ہے تو اُس کی ہر آواز پر جبالِ جمادات اور طیور حیوانات قوتِ حق کی نوری زبان سے لبیک کہتے ہیں۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے پہاڑوں کو مجذوبینِ بارگاہ کی تسکینِ خلوت و ذکرِ جلوت کے لیے پیدا فرمایا۔ خیال رہے کہ حُسنِ ظاہری نفس کا حصہ ہے اور حُسنِ لسانی خوشِ الحانی قلب و روح کا حصہ ہے۔ تقوئے شریعت کا لباس آستانۂ نبوت سے اس لیے دیا گیا تاکہ اے بندو وہ لباس حیا اور ملبوساتِ غیرت تم کو نفسِ امّارہ کے وہم و غضب اور شیاطین کے وسواسی حملوں اور بے حیائی بے غیرتی کے مُہلک زخموں سے بچائے۔ تو کیا تم بارگاہِ ربّانی کی طرف اطاعت و اتباعِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے کافی توجہ رکھ کر شریعت کی اِس نعمت اور طریقت کے انعام حقیقت کے اکرام، معرفت کے الہام کا شکرِ حقیقی ادا کرو گے۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۔ سینۂ مومن میں عقلِ علی کا وجود ہماری معمولی اور چھوٹی نعمت نہیں ہے۔ پوری کائناتِ جسمانی پر اس کی حکمرانی ہے سینۂ بنیان اور عرشِ نفس پر اسی کا تختِ نفاست ہے۔ خواہشات کی تیز آندھیاں شہوات کے گھٹا ٹوپ طوفان لذاتی ہوائیں اس کے لیے ہم نے اس طرح مسخر کر دی ہیں کہ اِس کے حکم سے تختِ شریعت کے نیچے ہو کر باطل کے مقابل عَاصِفَةً اور حق کے سامنے رُخَاءً بن کر چلتی ہیں۔ اُس زمینِ بدنی کی طرف جس میں ہم نے ادب و عبادت کی برکتیں بھر دی ہیں وہاں اَخلاقِ فاضلہ، ملکاتِ کاملہ اور اَعمالِ صالحہ کے پھول کھلتے اور پھل لگتے ہیں۔ کوئی خواہش سرکشی کا دم نہیں مار سکتی۔ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۔ مومن و مخلص مرحوم و مقبول کے قلب و قالِب کی ہر چیز ہر واردات کے اَسبابِ کاملہ علتِ عاملہ کو فقط ہم ہی جاننے والے ہیں۔ برکاتِ الٰہیہ کا سب سے اچھا پسندیدہ پھل توبہ ہے۔ یہی عبادت کا بیج اور عملِ صالح کی اصل ہے بلکہ توبہ ہر مقام کی اصل بنیاد اور ہر روحانی حال کی کنجی ہے اس سچی توبہ کے ذریعہ مقاماتِ اَسرار کا آغاز ہوتا ہے۔ جس طرح عمارت کے لیے زمین پہلے ہونا ضروری اسی طرح عبادت کے لیے سچی اور مضبوط توبہ ضروری ہے۔ جس کے پاس زمین نہ ہو

وہ عمارت تعمیر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس کے پاس توبہ نہ ہو وہ عبادت کی توفیق نہیں پا سکتا
توبہ کے بعد پہلا قدم انتباہ نیکی کی رہنمائی اور توفیق کا آغاز ہے جب غافل غفلت سے جاگے
تو یہ اس کو بیداری کی راہ تک پہنچاتا ہے اور بیداری راہِ ہدایت تک

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ

اور تابع کیا شیطانوں میں سے اُن جنات کو جو سمندر سے نکالتے تھے ان کے لئے اور

اور شیطانوں میں سے وہ جو اُس کے لیے

يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ

اور بہت سارے کام کرتے تھے کام کرنا اُس کے علاوہ اور ہم ہی تھے ان کو

غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے اور ہم انہیں

حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ

قابو میں رکھنے والے۔ اور یاد کرو ایوب کو جب انہوں نے فریاد کی اپنے رب تعالیٰ سے کہ بیشک

روکے ہوئے تھے۔ اور ایوب کو (یاد کرو) جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ ۚ صلے

پہنچی مجھ کو بیماری اور تو ہی سب رحموں کا رحیم ہے۔

پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

تب ہم نے فریاد قبول کر لی اُن کی پھر ختم کر دی ہم نے وہ بیماری جس سے تکلیفیں تھیں

تو ہم نے اُس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اُسے تھی

وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

اور دیئے ہم نے ان کو اُن کے تمام اہلِ خانہ اور ان کی برابر دیگر بھی ایک ساتھ انعام کرتے

اور ہم نے اُسے اُس کے گھر والے اور اُن کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کئے اپنے پاس سے رحمت فرما کر

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ہوئے اپنے پاس سے اور ذکر خیر نیکوں ہیں۔

اور بندگی والوں کے لیے نصیحت۔

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت سلیمان کے معجزات کا ذکر ہوا جو ان کی نبوت ورسالت کی نشانی تھے اب ان آیت میں مخلوقِ الٰہی کی محکومی اور سلیمان علیہ السّلام کی فرمانبرداری کا ذکر ہے کہ انسان تو درکنار جنات وسرکش شیاطین بھی ان کے تابع فرمان تھے یہ ان کی حکومت وسلطنت کی نشانی تھی۔ یعنی پچھلی آیت میں سلیمان علیہ السّلام کی نبوت کا ذکر تھا یہاں حضرت سلیمان کی بادشاہت کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی نعمتوں برکتوں رحمتوں کا ذکر فرما کر بندوں کو ایک سوالیہ جملے میں شکر کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک محبوب بندے حضرت ایوب علیہ السّلام کی شکرگزاری کا چرچہ فرمایا کہ تم لوگ تو عیش وآرام میں بھی مولیٰ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے مگر میرا وہ بندہ کمر توڑ جگر سوز مصیبتوں بیماریوں میں بھی میرا شکر کرتا رہا ایک آن غافل نہ ہوا۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی اُن نعمتوں کا ذکر ہوا جو بغیر دعا کے ان کو عطا ہوئیں۔ اب یہاں اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو نبی کی دعا سے فوراً ملتی ہے۔

تفسیر نحوی وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ۔ واؤ سے جملہ مِنْ جارہ تبعیضیہ الف لام استغراقی

بمعنیٰ تمام شَیٰطِین اسم مذکر۔ جمع سالم بحالتِ کسرہ اس کا واحد ہے شَیطَانٌ مراد ہیں کافر جنات کیونکہ مومن جنات کو شیٰطین نہیں کہا جاتا ایک قول میں مطلقاً جنات مراد ہیں اور شیطان جسم لطیف کی نسبت کہا گیا ہے نہ کہ کفر کی وجہ سے مگر یہ قول درست نہیں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے سَخَّرْنَا پوشیدہ کا مَنْ اسم موصول جنسی یعنی واحد و جمع سب کے لیے آجاتا ہے یہاں جمع کے لیے ہے اس سے مراد شیٰطین ہیں بحالتِ نصب ہے کیونکہ یہ اپنے جملہ سے مل کر مفعول بہٖ ہے ایک قول میں مرفوع ہے کیونکہ مبتداءِ مؤخر ہے ماقبل جملے کا یَغُوْصُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری جمع مذکر غائب غَوْصٌ اجوف وادی سے مشتق ہے بمعنیٰ سمندر میں نیچے اتر کر غوطہ لگا کر سمندری خزانے نکال کر باہر لانا، اسی سے ہے غوّاص اصطلاحاً علمی سمندر کے نکتے نکالنے والے مفکر کو بھی غوّاص کہا جاتا ہے سنا گیا ہے اعلیٰحضرت مجدد بریلوی کو لقباً غوّاصُ القرآن بھی کہا جاتا تھا اور یہ لقب اس دور کے کثیر علماءِ متبحرین نے دیا تھا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ جنسی جمع ہے لَهٗ یہ جار مجرور متعلق ہے یَغُوْصُوْنَ کا یہ لام حرفِ جر ابتدائیہ ہے اور ہٗ ضمیر کا مرجع سُلَیْمَانَ ہے۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَعْمَلُوْنَ بابِ سَمِعَ کا مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری یہ دونوں فعل دراصل تھے کَانُوْا یَغُوْصُوْنَ اور کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہر قسم کا کام کرنا، عَمَلاً، اسم مصدر اپنے فعل (عامل) کا ہم معنیٰ اس لیے مفعول مطلق ہے دُوْنَ اسم جامد مضاف ہے بہت سے معنیٰ میں مشترک ہے یہاں معنیٰ ہے علاوہ ذَالِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ اُس مضاف ہے اس کا مشارالیہ یَغُوْصُوْنَ کا مصدر غَوْصٌ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے یَعْمَلُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول ہوا سَخَّرْنَا پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ نثر جملہ کُنَّا فعل ناقصہ جمع متکلم با اسم ضمیر پوشیدہ لَهُمْ جار مجرور کُنَّا کا متعلق حٰفِظِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر۔ بحالتِ فتحہ (زیر) خبر ہے کُنَّا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ واؤ نثر جملہ اِذْ حرف نہیں جیسا کہ مفسرین نے کہا اسم ظرف مکانی ہے یہ اپنے مابعد مدخول علیہ سے مل کر اپنے ماقبل ظاہر یا پوشیدہ فعل کا ظرف ہوتا ہے اکثر اس سے پہلے اُذْكُرْ یا اُذْكُرُوْا واحد یا جمع کا صیغہ پوشیدہ ہوتا ہے یہاں اُذْكُرْ، امر حاضر واحد مذکر پوشیدہ بمعنیٰ یاد

کیجیے اے نبی۔ اَیُّوْبَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے زبانِ عراقی کا لفظ ہے نام ایک بہت بڑے رسولِ اکرم کا علیہ السلام بحالتِ فتحہ مفعول بہ اُذْکُرْ پوشیدہ اِذْ ظرفیہ زمانیہ نَادٰی بابُ مُفَاعَلَۃ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید اس کا مصدر ہے مُنَادَاۃً وَ نِدَاءً نَدٰی سے بنا ہے بمعنیٰ پکارنا بلانا فریاد کرنا یہاں اسی آخری معنیٰ میں ہے پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ایوب ہے رَبَّہٗ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَنِّیْ، ایک قول میں اِنِّیْ ہے ان کے نزدیک یہ علیحدہ جملہ ہے اور اس سے پہلے قَالَ فعل یا قَائِلًا اسم فاعل پوشیدہ مگر یہ غلط ہے بلکہ یہ نادٰی فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے درمیانِ کلام میں ہے اور نادٰی قائم مقام ہے حرفِ نِدا کے اور یہ تمام جملہ جوابِ نِدا ہے اس لیے اَنِّیْ زبر سے ہے نہ کہ اِنِّیْ۔ یہ دراصل اَنَّ یْ ہے ترجمہ ہے بے شک میں۔ یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل اِس کا اسم ہے مَسَّ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی قریب واحد مذکر غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ چھو جانا۔ لگ جانا یہ لغوی ترجمہ ہے یہاں یہ ہی مراد ہے مگر اصطلاحًا اس کے مشتقات بہت معنیٰ میں مستعمل ہیں۔ نونِ وقایہ یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ہے اَلضُّرُّ اسم معرف باللام الف لام عہد خارجی یعنی اس کا مدخول علیہ عام مشہور ہے ضُرٌّ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ جسمانی تکلیف ایک قرأت میں اَلضَّرُّ ہے بمعنیٰ ہر قسم کی تکلیف بدنی مالی قلبی عقلی روحی وغیرہ مگر پہلی قرأت درست ہے کیونکہ یہاں صرف جسمانی بیماری کا ذکر ہے انبیاءِ کرام کو قلبی عقلی روحانی نقصان و تکلیف (بیماری) نہ ہو سکتی ہی نہیں اور مالی تکلیف کی پرواہ نہیں ہوتی علیہم السلام۔ اَلضُّرُّ فاعل ہے مَسَّ فعل کا واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ اَنْتَ اسم ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے اَرْحَمُ اسم تفضیل واحد مذکر رَحْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نرمی و فضل کرنا، ترس کرنا۔ مصائب سے بچانا، ہر معنیٰ مناسب ہے مضاف ہے الرّٰحِمِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اس کا واحد رَاحِمٌ ہے رَحْمٌ سے مشتق ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر بیانِ کیفیت ہے مَسَّ کے جملے کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہے نادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرفِ زمانی ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ۔

مِّنْ عِنْدِ نَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۔ فَ حرف زائدہ تعقیبیہ بمعنٰی ثُمَّ تراخیر، اِسْتَجَبْنَا بابِ استفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم جَوْبٌ سے بنا ہے بمعنٰی جواب عطا فرمانا دراصل تھا اِسْتَجْوَبْنَا۔ تعلیلِ نحوی سے واؤ گر گئی کیونکہ واؤ پر فتحہ (زبر بھاری) ثقیل تھا اس کا مصدر ہے اِسْتِجْوَابٌ تعلیل کے بعد اِسْتِجَابَۃٌ ہو گیا بمعنٰی قبول کرنا فریاد سننا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ لَہٗ جار مجرور متعلق ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے فَ عاطفہ تعقیبیہ کَشَفْنَا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع متکلم کَشْفٌ سے مشتق ہے بمعنٰی کھولنا۔ ظاہر کرنا، وسیع کرنا، ننگا کرنا، دور کرنا، بچانا۔ یہاں بمعنٰی دور کرنا ہے متعدی ہے اگر بابِ سَمِعَ میں آئے تو لازم ہوتا ہے بمعنٰی صرف شکست کھانا مگر قرآنِ مجید میں سَمِعَ سے کوئی صیغہ نہیں ہے مَا اسم موصول بِ حرف جر سببیہ بمعنٰی ذریعہ۔ وجہ ہٖ ضمیر کا مرجع مَا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے حَصَلَ پوشیدہ فعل کا مِنْ جارہ بعضیت کا ضُرٌّ اسم مفرد جامد بمعنٰی بیماری یہ جار مجرور متعلق دوم ہے حَصَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے کَشَفْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰتَيْنَا فعل با فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ اوّل اَهْلَهٗ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ مِثْلَهُمْ۔ مِثْلَ اسم مفرد تمثیل بمعنٰی مشابہ هُمْ ضمیر کا مرجع اَهْلَ ہے کیونکہ یہ جنسی ہے جو واحد کے لیے بھی ہوتا ہے اور جمع کے لیے بھی یہاں اہل سے مراد تمام سابقہ چیزیں اور مثل سے آئندہ ہونے والی سابقہ سے مشابہ مال دولت اولاد وغیرہ مِثْلَهُمْ یہ مرکب اضافی ذوالحال ہے یا موصوف ہے مَعَهُمْ یہ مرکب اضافی حال ہے یہ ذوالحال حال مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر مفعول بہ دوم ہوا کیونکہ اٰتَيْنَا فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ رَحْمَةً اسم مفرد مصدر بمعنٰی انعام کرنا۔ بلا معاوضہ فائدہ پہنچانا۔ بلا طلب کچھ دینا۔ مِنْ حرف ابتداءِ غایت کے لیے عِنْدِنَا مرکب مجرور متعلق ہے مصدر کے یہ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ذِكْرٰى اسم مصدر بروزنِ فِعْلٰى وزن ذِكْرٌ سے یہ مصدر مبالغہ بنایا گیا بمعنٰی زیادہ یاد رکھنا عام چرچا کرنا۔ لام جارہ بمعنٰی فی ظرفیہ۔ لام کا اپنا معنٰی فی ظرفیہ کے ساتھ ہونے کا مقصد ہوا کہ جہانوں میں اچھا تذکرہ لام نفع کا ہے اگر یہاں فی بذاتِ خود ہوتا تو اچھائی کا پتہ نہ لگتا کیونکہ "تذکرہ غیر مفید بھی ہو سکتا ہے جیسے فرعون

ونمرود کا تذکرہ عابدین اسم جمع مذکر واحد ہے عابدٌ۔ خیال رہے کہ اسم فاعل جب فاعلیت کے معنی میں ہوگا اور اشتقاقی صیغہ بن کر مستعمل ہو تو اس کا جمع کا صیغہ ہمیشہ جمع سالم ہوگا لیکن جب اسم فاعل جامد ہو کر استعمال ہو تو اس کی شکل دوسرے وزن پر بھی ہو سکتی ہے مثلاً غریبٌ کی گردان والی اشتقاقی جمع غریبُوْنَ یا غریبِیْنَ ہے مگر غریبٌ اسم جامد (علم یا صفت) کی جمع غرابا یا غرابات ہے (المنجد) لِلْعٰبِدِیْنَ متعلق ہے مصدر کا ذکریٰ مصدر اپنے اس متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہوا رَحْمَةً پر دونوں عطف مل کر مفعول لہٗ ہے اٰتَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا کَشَفْنَا کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہوا فَاسْتَجَبْنَا کے جملے پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔ اور مسخر کیا ہم نے کافر جنات میں سے بہت سوں کو تو ان میں سے کچھ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندروں میں غوطے لگا کر قیمتی موتی لؤلؤ اور مرجان یا سمندری جڑی بوٹیاں نکالتے تھے۔ اور کچھ جنات سلیمان کے تابع فرمان ہو کر بندوں اور غلاموں کی طرح بہت سے مختلف کام کرتے تھے۔ دُوْنَ ذٰلِكَ اس غوطہ خوری کے علاوہ۔ اور ان جنات کو ہر طرح قابو میں رکھنے حفاظت کرنے والے ہم ہی تھے اس طرح کہ نہ سلیمان علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتے نہ اپنی بنائی چیز کو بگاڑ سکتے جیسا کہ خبیث جنات کی عادت ہوتی ہے۔ نہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے کوئی شرارت کر سکتے بلکہ خوف سلیمانی سے تھر تھر کانپتے اور اگر کوئی شیطان جن کسی کی ایذا رسانی کی شرارت کرتا تو سلیمان علیہ السلام اس کو اس طرح قید کرتے زنجیروں میں جکڑ دیتے کہ نہ وہ خود چھوٹ سکتا نہ کوئی جن کسی جن کو چھڑا سکتا جیسا کہ سورۃ ص آیت ۳۸ میں ہے۔ نیز سورہ سبا آیت ۱۲ پ ۲۲ میں ہے۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ۔ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ۔ قرآن مجید کی ان تمام آیت سے ثابت ہوا کہ جنات نے حکم سلیمانی سے زمین پر بہت سی چیزیں بنائی جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے ان جنات نے علاقہ فلسطین

میں آٹھ مضبوط قلعوں کی عمارتیں بنائیں جو آج بھی موجود ہیں کچھ آباد کچھ ویران ۱ مسجد بیت المقدس
۲ دار الخلافہ کا قلعہ شہر تدمر ۳ قلعہ صرواح ۴ قلعہ سرواح ۵ قلعہ سلحین ۶ قلعہ ستدھادر
۷ قلعہ قلتوم ۸ قلعہ غمدان ان ہی عمارتوں کو محاریب فرمایا گیا ۹ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے
جنات تماثیل بناتے یعنی شہروں اور ملکوں کے جغرافیائی نقشے ہمارے کچھ اکابر نے تماثیل کا معنی کیا ہے
جاندار اشیاء کے فوٹو اور مجسمے اور اپنے اس معنی کو بچانے کے لیے ہی ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی اسی قول سے مستنبط کر لیا کہ پہلی شریعتوں میں
جاندار اشیاء کی تصویریں اور مجسمے جائز تھے۔ مگر میرے نزدیک یہ دونوں باتیں غلط نہ سلیمان علیہ السلام مجسمے اور فوٹو بنوایا کرتے تھے
اور نہ کسی شریعت میں جاندار اشیاء کی فوٹو بنانا جائز تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دامن ان فضولیات بنوانے سے پاک ہے۔ بلکہ تماثیل کا معنی اپنی
سلطنت کی حدود کے شہری اور علاقائی نقشے بنوانا ہے۔ اور سلیمان علیہ السلام ہی کے زمانے سے زمینی علاقائی
نقشے بنانے کا رواج قائم ہوا۔ اس مسئلے کی پوری وضاحت ہم ان شاء اللہ تعالیٰ احکام القرآن
میں کریں گے ۱۰ حضرت سلیمان جنات سے بہت بڑے بڑے جفان یعنی ٹب اور لگن بنواتے تھے
جس کی لمبائی چوڑائی کا تالاب جوہڑ اور حوض کے برابر ہوتی تھی کہ ایک وقت اس میں ہزار آدمیوں
کا کھانا ڈالا جاتا تھا ۱۱ جنات سے ہی قدور راسیات انسانوں سے نہ اٹھ سکنے والی زمینوں
کے برابر دیگیں اور بہت تانبے کی ہانڈیاں بنواتے تھے جن پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا جفان
اور قدور کو لانا۔ لے جانا اٹھانا دھونا سنبھالنا رکھنا چولہوں پر چڑھانا اتارنا جنات ہی کی ڈیوٹی
ہوتی تھی۔ مگر کھانا پکانا رکابیوں میں ڈالنا ٹبوں میں انڈیلنا مہمانوں کو کھلانا انسانوں کی ڈیوٹی ہوتی تھی
قرآن مجید کی آیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سات معجزے ثابت ہوتے ہیں پہلا معجزہ
آپ کا تخت دوم ہوا کا مسخر ہونا، سوم جنات کا مسخر ہونا، چہارم سرکش جنات کو قید کر دینا پنجم
پہاڑوں کی کانوں سے تانبہ نکل کر صاف ستھرا ہو کر بہنا۔ اور حسب الحکم وحسب ضرورت ہی بہتا
ہوا نکلنا اس سے بذریعہ جنات دیگیں اور ٹب بنوانا، آپ کو بھٹیاں بنانے کی ضرورت نہ تھی نہ آگ
سے پگھلانے کی اور وہ پگھلا تانبہ گرم نہ ہوتا تھا سانچوں میں جا کر جم جاتا تھا۔ آپ کا چھٹا معجزہ
تمام دنیوی مخلوق جمادات، نباتات، حیوانات، انسانات، جنات، اور ملائکہ پر آپ کی بادشاہت
اور سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کا ساتواں معجزہ یہ تھا کہ آپ بغیر کچھ کھائے پیئے دو دو مہینے
نماز پڑھتے رہتے یا قیام میں ہی کھڑے رہتے۔ آپ کا نام شریف قرآن مجید میں کل سترہ بار آیا
ہے متعدد سورتوں میں یہ تھی انبیاء کرام علیہم السلام کی وہ دنیوی شان و عظمت جو داؤد اور سلیمان
علیہما السلام پر ہم نے ظاہر فرمائی، اے ہمارے محبوب حبیب اب آپ تمام اقوام عالم کے سامنے

انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اُس صبرِ عظیم کا تذکرہ فرمائیے جس کا مظاہرہ ہم نے جسمِ ایوب علیہ السلام پر کرایا اس صبر کو دیکھ کر زمین و آسمان کی مخلوق حیران ششدر تھی وہ مصائب جو ایوب علیہ السلام پر پڑے اگر پتھریلے پہاڑ پر پڑتے تو وہ بھی تاب نہ لاتا برداشت نہ کر سکتا مگر ہم نے اپنے بندے عظیم ایوب کو اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ (سورۃ ص آیت ۴۴) بے شک اتنا بڑا صبر کا پہاڑ شرافت کی کان، خودداری کی آن، قناعت کا منبع پایا کہ ابلیس آپ کو تکلیفیں دے دے کر تھک گیا پریشان، ذلیل، خائب و خاسر، رسوا شرمندہ و سرنگوں ہو گیا کہ پہاڑوں میں منہ چھپاتا پھرے فرشتوں کا سامنا نہ کر سکے۔ لیکن ایوب علیہ السلام نے اس کی ایک بھی آس و اُمید پوری نہ ہونے دی اور اغیارِ عالم ابلیس و ابلیسیوں کو بتا دیا کہ کس طرح میدان میں صبر کا ہو یا شکر کا قناعت ہو یا ہمت، و عزت کا خودداری کا ہو یا شرافت کا، دولت مندی کا ہو یا غربت کا۔ بیماری کا ہو یا صحت کا انبیاءِ کرام کو آزمانا اور ان سے ٹکر لینا آسان نہیں اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔ بے شک وہ ہر حال میں ہی اوّاب تھے اور ایسے حلیم و فہیم کہ اٹھارہ سال تک ہر طرح کے رنج و غم افسوس و اندوہ۔ بیماری و تکلیف سوز و گداز، غربت و افلاس جو جو ابلیس کر سکتا تھا اپنی اور اپنے پورے شیطانی جتھے کے ساتھ ایڑی چوٹی مکر و قوت کا زور لگا کر دیکھ لیا مگر زبانِ ایوب سے سوائے حمدِ باری تعالیٰ اور شکرِ خالق تعالیٰ کچھ نہ سن سکا، اور بغیر عبادتِ حق تعالیٰ کچھ نہ دیکھ سکا، حالانکہ خوشیوں کے بعد غمی امیری کے بعد غریبی، عیش و عشرت کے بعد مصیبت و تنگ دستی فراخی کے بعد تنگی، روشنی کے بعد اندھیرا بڑا سخت اور کٹھن اور دشوار، برداشت سے باہر ہوتا ہے کہ بڑے بڑوں کے پائے استقامت ڈگمگا جاتے ہیں مگر ایوب علیہ السلام ہر حال میں آستانہ الٰہیہ پر ایسے قائم و دائم رہے کہ منہ سے اُف تک نہ کی۔ اور جب مکرِ ابلیس کو اپنی اہل پر آتے اور اُس کے ایمان کو متزلزل ہوتے محسوس کیا ہو تب ہی ہماری بارگاہ میں دعا عرض کی اے محبوب اُسی ندا کا تذکرہ فرمائیے جب انہوں نے اپنے ربِ کریم کو پکارا کہ بے شک میرے قلب و قالب کو تکلیف شدید پہنچی ہے۔ قلب کو آئندہ ابلیسی وسوسوں کی فکر و تشویش سے اور قالب کو بیماری نقاہت کمزوری کی مجبوری اور اس کائناتِ عالم میں فقط تو ہی سب شفقت محبت، مروّت پیار کرتے والوں سے کہیں زیادہ ازلی ابدی دائمی رحم فرمانے والا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ مصیبت تکلیف بیماری تیرا عتاب یا عذاب نہیں ہے تیرا تو ہمیشہ مجھ پر رحم و کرم و انعام ہی رہا بلکہ یہ تو اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (سورۃ

ص آیت (۸۳) بے شک مجھے شیطان ابلیس نے تکلیف اور بیماری لگائی ہیں اُس کی شرارتوں سے بےخبر نہیں، جب ہمارا بندہ ہر طرح ہر تکلیف غم و رنج کو نہایت بہادری سے برداشت کر کے کامیاب وکامران ہو گیا اور آخر میں دعا عرض کی فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ۔ تو قبول فرمایا ہم نے ان کی اس دعا کو پھر کھول دیئے دور کر دیئے ہم نے وہ تمام ابلیسی مکر و فسون کے جال اور مصائب جسمانی اذیت اور بیماری والے اور نئے عطا کئے ہم نے ان کو پہلوں کی مثل اھل وعیال اور ان کی ہی برابر اور بھی بیٹے بیٹیاں رحمت کرتے ہوئے اپنے پاس سے۔ اور تا قیامت نیک لوگوں میں ان کا اچھا چرچہ اور نصیحت اور نمونۂ قدرت اہل ایمان کے لیے غرضکہ اُن کو ہم نے نبوّت کی شان رسالت کی پہچان بتا دیا۔

حضرت ایوب علیہ السّلام کے واقعات اور حالات

اس مضمون میں دس باتیں بیان کی جائیں گی ۱ آپ کی قومیت ۲ آپ کی نبوّت اور بعثت کا زمانہ ۳ آپ کا شجرہ نسب ۴ آپ کا حلیہ مبارک ۵ آپ کا وطن ولادت ۶ آپ کی کل حیاتِ طیبہ ۷ آپ کی اولاد ۸ آپ کی دولت مندی ۹ آپ کی خصائل مقدسہ ۱۰ آپ کی بیماری کا قصہ ۱ پہلا بیان یہ کہ ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی نسل سے تھے اور آپ کی قومیت رومی تھی، بیانِ دوم یہ کہ آپ کی بعثتِ نبوت کے زمانے میں مورخین کے چار قول ملتے ہیں۔ پہلا قول یہ کہ آپ یوسف علیہ السّلام کے بعد رومی قوم میں نبی بنائے گئے دو ہزار سال قبل مسیح یہی صحیح قول ہے۔ بحوالہ بخاری شریف کتاب الانبیا اور مورخ یعقوبی، و منقولات سلیمان ندوی آپ کی نبوّت میں دوسرا قول یہ کہ آپ سلیمان علیہ السّلام کے بعد عرب قوم میں مبعوث ہوئے پندرہ سو سال قبل مسیح تیسرا قول یہ کہ دمشق کی ایک بڑی بستی نوی کے شہر بغوطہ کی طرف نبی بنائے گئے۔ یہیں آپ کا مزارِ مقدس زیارت گاہِ خاص و عام ہے عیسٰی علیہ السّلام سے ایک ہزار سال پہلے آپ بنی اسرائیل کے نبی تھے، چوتھا قول یہ کہ آپ کی نبوت عرب اور فلسطین دونوں علاقوں میں ہوئی آپ کی اور آپ کے صحیفوں کی زبانِ قدیم اور ابتدائی اصلی اسماعیلی عربی تھی موسٰی علیہ السّلام سے پانچ سو سال پہلے ان چاروں اقوال میں آپ کی اُمت دعوت کی تعداد

تقریباً بن لاکھ بنائی گئی ہے۔ آپ صاحب شریعت رسول تھے آپ کی ملت ابراہیمی تھی آپ کو تین صحیفے ملے۔ پہلا صحیفہ قانون ہیں دوسرا صحیفہ عبادات ہیں تیسرا احمد و ثنا مناجات میں یہ تینوں عبرانی زبان میں تھے کیونکہ ایوب علیہ السلام اور آپ کی اُمت کی زبان عبرانی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کو ایک صحیفہ ملا اور وہ زبان عربی میں تھا موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو عبرانی میں ترجمہ فرمایا آپ پر صرف سو آدمی ایمان لائے۔ اور ان کے علاوہ آپ کے اپنے غلام پانچ سو اور پانچ سو لونڈیاں جوان غلاموں کی بیویاں تھیں اور سب اہل خانہ ایمان لائے۔ بیانِ سوم۔ آپ کا سلسلۂ نسب اِس طرح ہے۔ ایوب بن اُموص بن زارح، یا تارخ بن روم بن یفقان بن عیص یا عیس بن اسحاق بن ابراہیم۔ آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی چھٹی پوتی تھیں۔ قرآن و حدیث میں آپ کا نام ایوب ہے۔ بائبل میں آپ کا نام جَرب ہے اور تالمود میں آپ کو یوحاب کہا گیا۔ آپ کی صرف ایک بیوی تھیں اُن کا نام رحمت بنت افرائیم بن یوسف تھا۔ ایک قول میں رحمت بنت یوسف علیہ السلام تھا اور ایک قول میں ماخیر بنت میشا بن یوسف تھا۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ آپ کی دادی حضرت زلیخا تھیں۔ بیانِ چہارم۔ آپ کا قد مبارک لمبا جسم گٹھیلا اور مضبوط۔ بال سیاہ گھنگر یالے آنکھیں بڑی بڑی سیاہ خوب صورت بھنویں گھنی داڑھی مبارک چار انگل لمبی گھنی سیاہ گھنگر یالی، جسم مقدس پر کوئی بال نہ تھا، جسم شریف کا رنگ چمک دار سرخی مائل سفید، جیسا کہ آج کل بھی رومی شامی اور فلسطینیوں کا ہوتا ہے، چہرہ پُر رعب دبدبہ اور وجاہت والا اور حسن مکھ۔ خندہ کشادہ پیشانی، آپ کے جسم اقدس پر کوئی تل یا داغ نہ تھا۔ آخری عمر تک آپ کی جوانی والی ہمت قوت، وجاہت، خوب صورتی برقرار رہی بیانِ پنجم۔ آپ کا وطن ولادت رہائش مغربی عرب فلسطین اور دمشق کا سرحدی علاقہ سرزمین عوض کا ایک شہر حوران تھا۔ بعض نے لکھا کہ یہی علاقہ قوم عاد کا مسکن تھا یہ شہر آپ کے تبلیغی وطن بستی نوی سے تین تو میل دور شمالی دمشق میں ہے آج کل حوران بہت بڑی تجارتی منڈی ہے۔ بیان ششم آپ کی پوری دنیوی حیات طیبہ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ کل عمر ایک سو اڑسٹھ سال ہوئی اس طرح کہ اسی سال بیماری سے پہلے۔ اور اٹھارہ سال مالی مصیبتوں اور بیماری کے اور صحت کے بعد آپ ستر سال حیات رہے۔ (از تفسیر روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ آپ کی کل عمر ایک سو پانچ سال ہوئی تیسرا قول یہ کہ آپ کی کل عمر ترانوے سال ہوئی مگر پہلا قول درست ہے آپ کی تکالیف اور بیماری کی مدت اٹھارہ

سال اس طرح بنتی ہے کہ سات سال تک آپ کے مال و مکانات ختم ہوئے پھر چار سال کے عرصے
میں آپ کی اولاد ختم ہوئی اور کھیت باغات تباہ ہوتے رہے پھر سات سال تک آپ طرح
طرح کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ بیماری کے پہلے سال آپ اپنی بستی نوی میں ہی
رہے اپنے مکان میں پھر ابلیس کے ورغلانے سے بستی کے لوگوں نے آپ کو بستی سے باہر
ایک جھونپڑی بنا کر ڈال دیا اور چھ سال تک آپ اسی جھونپڑی میں رہے جس کو عربی میں
کنیسہ ہندی میں کٹیا کہا جاتا ہے سندھی میں جھگی، ہشتم بیان یہ کہ آپ کی اولاد، دو شقوں میں
بٹی ہوئی ہے پہلی اولاد مصائب سے پہلے دوسری اولاد صحت کے بعد۔ پہلی اولاد میں سب
کا اتفاق ہے کہ آپ کے سات بیٹے سات بیٹیاں تھیں اور ابھی کسی کی شادی نہ ہوئی تھی
آپ کے بڑے بیٹے کا نام حرمل تھا (تفسیر روح المعانی) صحت کے بعد آپ کی اولاد میں چار
قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ آپ کی اولاد میں چودہ بیٹے چودہ بیٹیاں ہوئیں اور سب نئے پیدا
ہوئے پہلوں کو زندہ نہ کیا گیا یہی قول زیادہ درست ہے۔ اور اس آیت مبارکہ وَاٰتَيْنٰهُ
اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کے مطابق ہے۔ دوم یہ کہ آپ کی پہلی اولاد بھی زندہ کی گئی کیونکہ
وہ حقیقی اور تقدیری موت سے نہ مری تھی بلکہ آزمائشی موت تھی جیسے کہ عزیر علیہ السلام کی سو
سالہ وفات۔ اور نئی اولاد میں نو بیٹے نو بیٹیاں پیدا ہوئیں کل ملا کر سولہ بیٹے سولہ بیٹیاں ہوئیں
تیسرا قول یہ کہ پہلی اولاد بھی زندہ کی گئی اور نئی اولاد میں پانچ بیٹے پانچ بیٹیاں ہوئیں کل ملا
کر بارہ بیٹے بارہ بیٹیاں ہوئیں۔ چوتھا قول یہ کہ نئی اولاد میں تین بیٹے تین بیٹیاں ہوئیں
اور پہلی اولاد بھی زندہ کی گئی کل دس بیٹے بیٹیاں۔ مگر یہ سب اگلی پچھلی اولاد آپ کی ایک ہی
بیوی رحمت بنت زلیخا سے ہوئی، حضرت رحمت حضرت زلیخا کی پوتی تھیں۔ بعد میں ایوب
علیہ السلام نے اپنی سب اولاد کی شادیاں کیں اور اللہ تعالیٰ نے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں
بھی کثرت سے عطا فرمائے ان کی ہی چہل پہل دیکھی خدمتیں لیں بیان ہشتم۔ گروہ انبیاء علیہم السلام
میں آپ سب سے زیادہ امیر اور دولت مند ہوئے آپ کی دولت زیادہ تر صدقات و
خیرات میں تقسیم ہوتی تھی۔ مصائب سے پہلے آپ کے پاس ہر قسم کا پالتو جانور۔ اور لونڈی غلام
کاشتکاری کی بے شمار زمین کھیت اور باغات تھے۔ اس کے علاوہ مکانات مہمان خانے
اصطبل طبیلے، عبادت خانے اور گھریلو ساز و سامان تھا۔ سونا چاندی سے آپ کی تجوریاں بھری
تفاسیر و تواریخ میں ہے کہ آپ کے قصر نما مکانات قریبی علاقے میں تھے آپ کے باغات علاقہ

خوارزم میں آپ کی کاشتکاری زمین علاقہ شام میں پھیلی پڑی تھی آپ کے جانوروں میں تین ہزار اونٹ نرو مادہ سات ہزار بکریاں، ایک ایک ہزار گائیں گھوڑے، گدھے نر و مادہ خچر، اور کھیتی باڑی کے لیے پانچ سو جوڑی بیلوں کی ان کا سامان اٹھانے کے لیے ہل پنجالی وغیرہ، گدھے ایک سو، اور بیلوں کھیتوں کی دیکھ بھال وکاشت کے لیے پانچسو غلام اور اتنی ہی لونڈیاں ان کی بیویاں، مختلف غلوں کے لیے گودام سونے چاندی کے لیے تجوریں تھیں مَا لَحْمَكَ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ ۔ بیان نہم آپ کی سیرتِ طیبہ یعنی عادات و خصائلِ حمیدہ مندرجہ ذیل ہیں، اگرچہ آپ کی شریعت میں صرف ایک نمازِ ظہر دو رکعت فرض تھی، اور سابقہ تمام شریعتوں میں ایک ایک نماز ہی فرض جن کا ابتدائی وقت تو مقرر ہوتا تھا مگر انتہائی وقت کوئی مقرر نہ تھا۔ وقتِ معینہ پہ نماز شروع کرنے کے بعد جب تک چاہتے پڑھتے رہتے۔ بعض وقت تو انبیاء علیہم السّلام اپنی یہ فرض نماز تین دن تک پڑھتے رہتے، اور دوسرے دن کا وقتِ معینہ آنے پر وہی نماز دوسرے دن کی بن جاتی، حضرت سلیمان علیہ السّلام اپنی عصر کی نماز شروع فرماتے تو ایک ایک رکعت کا قیام دو دو ماہ تک قائم رکھتے بغیر کچھ کھائے پیئے یہ بھی آپ کا معجزہ تھا، حضرت ایوب علیہ السّلام کی روزمرہ کارکردگی اس طرح شروع ہوتی کہ طلوعِ آفتاب سے تبلیغِ دین درس و تدریس اور دنیوی کام۔ بوقتِ ظہر نماز شروع فرماتے تو یہ دو رکعت عشا کے وقت ختم فرماتے پھر طعام وکلام اس کے بعد اہلِ خانہ کو تبلیغ و تعلیم فرماتے پھر کچھ دیر آرام فرماتے پھر ذکر و اذکار میں صبح تک مشغول رہتے جس میں صحف کی تلاوت بھی ہوتی یہ تلاوت ہر رکعت میں بھی ہوتی تھی آپ کی تبلیغ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ روزانہ اپنے مہمان خانے میں لوگوں کو بلاتے کھانا کھلاتے اور تبلیغ بھی فرماتے اس طرح تقریباً ایک ہزار مہمان روزانہ آپ کے مہمان بنتے جن میں مسافر مزدور، بیوگان یتیم بچے بھی شامل ہوتے۔ اس کے علاوہ بھی آپ بیواؤں یتیموں کی بہت مدد فرماتے نیز جو سائل جو مانگتا جتنا مانگتا اتنا ہی دے دیتے، کبھی کسی سائل کو خالی نہ بھیجا۔ اتنی دولت مندی کے باوجود عاجزی مسکینی اتنی کہ نہایت انکساری سے فقیروں مسکینوں کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ تکبر و غرور کا دور دور تک نام و نشان بھی نہ تھا۔ آپ تمام زندگی کبھی کسی پر ناراض نہ ہوئے ہر شخص سے مسکرا کر ملتے عمدہ کھاتے پہنتے، برتتے اور عمدہ خیرات فرماتے بہت مشفقانہ انداز میں پیار بھرے لہجہ سے تبلیغ فرماتے۔ (از تفسیر خازن۔ مدارک، بیضاوی روح البیان روح المعانی، مظہری) دسواں بیان آپ کی مصائب کا قصہ اس طرح ہے کہ آپ کی کثرت

عبادت و ریاضت سے خوش ہو کر رب تعالیٰ نے بذریعہ جبریل امین تمام آسمانوں میں اعلان فرمایا کہ ہر آسمان کے تمام فرشتے ایوب علیہ السّلام پر کثرت سے رحمت کی دعائیں مانگا کریں یہ وہ زمانہ تھا جب ابلیس کو تمام آسمانوں پر گھومنے پھرنے کی اجازت تھی بلندیوں پر ابلیس کا داخلہ علی الترتیب اس طرح بند ہوتا رہا۔ اولاً آدم علیہ السّلام کے وقت جنت میں داخلہ بند ہوا پھر ولادت عیسیٰ علیہ السّلام سے اوپر کے تین آسمانوں پر داخلہ بند ہوا۔ پھر آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میلاد سے تمام آسمانوں بلکہ ملائکہ کی باتیں سننے سے بھی ممانعت ہوئی زمانۂ اولیٰ میں ایک مرتبہ ابلیس لعین آسمانوں پر گیا تو دیکھا کہ ہر فرشتے کی زبان پر حضرت ایوب علیہ السّلام کا نام مقدس بڑی عزت و احترام اور دعاؤں کے ساتھ جاری ہے پس حسد کی آگ میں جل بھن گیا اور اس تذکرۂ ایوبی کی وجہ پوچھی کسی فرشتے نے بتا دیا کہ رب تعالیٰ ایوب علیہ السّلام سے خوش ہے اُن کی کثرت ریاضت عبادت قبول ہے اسی بنا پر ہم سب فرشتوں کو ان کے لیے دعاء رحمت کرنے کا حکم ہے۔ ابلیس نے کہا کہ اتنی مال دولت اور عیش و عشرت میں تو عبادت اور شکر ہر شخص کر لیتا ہے مگر غریبی تکلیف مصائب میں بڑے بڑے گلے شکوے شکایت اور کفر و کفران کرنے لگتے ہیں ایوب کی عبادت ریاضت اور شکر گزاری بھی صرف دولت صحت عشرت کی وجہ سے ہے اگر ان سے بھی یہ سب عیش و عشرت چھین لیا جائے تو یہ بھی کفران و کفر بکیں گے ملائکہ نے کہا ارے بد بخت تیری یہ بات غلط ہے یہ عام بشر نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی رسول ہیں انبیاء علیہم السّلام ہر حال میں بے مثل مخلوق ہوتے ہیں یہ حضرات شکر و صبر کے پہاڑ اور برداشت و ہمت کی چٹان ہوتے ہیں تو ان کی حقیقتِ شان کو سمجھ ہی نہیں سکتا نہ ان کو تبدیلی حال سے فرق پڑتا ہے نہ امیری و غریبی صحت و بیماری عسرت و یسرت کے آثار چڑھاؤ سے، ابلیس کہنے لگا یہ غلط ہے نبی اور عام انسان میں کوئی فرق نہیں نبی بھی علم و عمل شکران و کفران، صبر و شکایت گلے شکوے میں ہر بشر جیسا ہی ہوتا ہے۔ اگر مجھ کو ایوب کے مال و دولت پر تسلط مل جائے تو میں دیکھوں گا کہ ایوب غربت میں کس طرح عبادت کرتا ہے ایسی ناشکریاں بے صبریاں کرے گا کہ دنیا دیکھے گی اور سب کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ کی طرف سے جواب آیا کہ ابلیس بے شک ہم نے اس کو ایوب کے تمام مال پر تسلط دے دیا جا تو اپنا شوق پورا کرے یہ پیغام اور تسلط کا اختیار پا کر ابلیس خوش ہو گیا اور زمین پر دوڑا واپس آیا اور تمام روئے زمین کے طاقتور

جنات کو جمع کیا اور بولا کہ مجھ کو ایوب کے مال پر تسلط ملا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا سب مال تباہ کر دیا جائے تم میری مدد کرو تب ایک بڑے عفریت نے کہا مجھ میں یہ قوت ہے کہ میں کسی جگہ میں پھونک ماروں تو آگ کے بڑے بڑے اعصار یعنی بگولے اٹھیں اور ارد گرد کی تمام اشیا کو جلا کر راکھ کر دیں۔ ابلیس نے خوش ہو کر کہا کہ جا اور اپنے اسی عمل سے ایوب کے تمام اونٹ اور چرواہے رہائش قبیلے وغیرہ تباہ کر دے وہ جن گیا اور آگ کے بگولوں سے یہ تمام اشیا جلا ڈالیں ادھر ابلیس خود ایک چرواہے کا بھیس بدل کر ایوب علیہ السلام کو ورغلانے آیا اور نہایت غمزدہ صورت بنا کر بولا کہ آپ کے تمام اونٹ ان کے چرواہے قبیلے سب جل گئے صرف میں بچ نکلنے میں کامیاب ہوا ہوں اور یہ روئداد سنا کر خود ہی آپ کی ہمدردی اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے الفاظ بولنے لگا تاکہ آپ بھی غمزدہ اور پریشان ہو کر ناشکری بے صبری والے الفاظ بولیں آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کو جھڑکا اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی نعمتیں تھیں اسی نے لے لیں تو کیا ہوا بلکہ اچھا ہے ان کی رکھوالی کی فکر گئی عبادت کے لیے اور زیادہ وقت ملے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ تیرا شکر و احسان ہے پہلے میں دن میں کچھ وقت اس مال کی محبت میں رہتا تھا اب یہ فکر نہ ہوگی۔ ابلیس ایوب علیہ السلام کی زبان سے اپنے لیے جھڑک و زجر رب تعالیٰ کے لیے صبر و شکر کے الفاظ سن کر غمزدہ اور پریشان ہو کر وہاں سے پلٹا اور پھر جنات کو جمع کیا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور بولا کہ میں ایوب کو ورغلا نہ سکا میرا داؤں غلط ہوا، لہٰذا اب پھر میری مدد کرو تب ایک بڑے دیو نے کہا کہ مجھ میں یہ قوت ہے کہ اگر میں چیخ ماروں تو دور تک کے جانداروں کی جان نکل جائے ابلیس نے خوش ہو کر کہا کہ تو ایوب کی بکریوں میں تباہی مچا دے وہ گیا اور چیخ ماری تو سب رکھوالے اور تمام بکریاں مر گئیں ابلیس خود قہرمان یعنی گڈریے کا بھیس بدل کر حضرت ایوب کے پاس آیا اور اسی طرح آ کر ورغلانے اور بکریوں تمام گڈریوں کی موت کا حال سنانے لگا اور بولا کہ صرف میں جان بچا سکا ہوں۔ ایوب علیہ السلام نے وہی پہلا شکر و صبر والا جواب دیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ ابلیس پھر ذلیل و ناکام ہو کر پلٹا پھر تمام جنات کو جمع کیا اور بولا کہ ایوب تو بڑا بہادر و صابر ثابت ہو کر نکلا اتنی بڑی بربادیوں پر بھی اس کو کچھ غم نہ ہوا بلکہ اور زیادہ شاکر و عابد بن گیا ہے، میری پھر مدد کرو۔ ایک بڑے جن نے کہا کہ مجھ میں زبردست

طوفانی آندھی چلانے کی قوت ہے جب میں آندھی چلاؤں تو اردگرد کچھ نہیں رہتا، ابلیس بہت خوش ہوا اور اس کو کہا کہ جا تو اب ایوب کے تمام کھیت باغات وغیرہ تباہ کر دے وہ جن گیا اور اپنی ایسی آندھیاں چلائیں کہ ایوب علیہ السلام کے تمام کھیت باغات بیل اور کاشتکار غلام لونڈیں ہلاک ہو گئیں اور طوفانی آندھیوں نے سب کچھ اکھاڑ پچھاڑ کے برباد و ویران کر دیا، ادھر ابلیس ایک ایک مزارع کا بھیس بدل کر آیا آپ اس وقت بھی نماز میں تھے۔ ابلیس رویا پیٹا اور اللہ تعالیٰ پر طعن کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اسی نے آندھی طوفان چلا کر سب کچھ تباہ کر دیا۔ اس نے بڑا ظلم کیا اور بھی بہت سی نازیبا باتیں رب تعالیٰ کی شان میں کرتا رہا تاکہ ایوب بھی پریشان اور غمگین ہو کر کچھ ناشکری کی بات کر دیں یا منہ سے کوئی گلہ شکوہ ہی بول دیں تاکہ شیطان کی کچھ تو بات بن جائے اسی طرح اس کا بھرم رہ جائے ایوب علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہو کر اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ میں تو ماں کے پیٹ سے ننگا ہی پیدا ہوا تھا اور ایک کفن میں ہی جانا ہے میں کیا ہوں ایک عاجز بندہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اسنے دولت شوکت عطا فرمائی یہ اس کی امانتیں ہیں جب چاہے دے جب چاہے لے لے ہم کو گلے شکوے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ ابلیس پھر ذلت کا منہ لے کر بھاگ گیا اور انتہائی پریشانی مایوسی اور فکر کی حالت میں اپنے لشکروں کو پھر جمع کیا اور سخت پریشانی گھبراہٹ میں بولا کہ دوستو کچھ اور کرو۔ ایوب پر تو میرے کسی بھی داؤں اور وسوسانے ورغلانے اور کسی بھی مصیبت بربادی کا کچھ ذرہ بھر اثر نہیں ہوا میں سخت شرمندہ ہوں میں نے تو فرشتوں کو بڑے دعوے سے کہا تھا کہ میں ایوب کو ایک دم ورغلا کر گمراہی میں ڈال دوں گا یہ میری بڑی سوچی سمجھی اسکیم اور منصوبہ و منصوبہ بندی تھی۔ مگر حیرت ہے اس کی شکرگزاری پر جنات پھر اٹھے اور کبھی گھوڑوں، کبھی خچروں، کبھی گایوں کبھی گدھوں ہر قسم کے نر و مادہ کو پھر ساز و سامان سونا چاندی گھر دن غلّے کے گوداموں کو تباہ برباد کر دیا۔ غرضکہ سالانہ تباہی کر کے گیارہ سال کے عرصہ میں ۱ اونٹ ۲ بیل ۳ کھیت ۴ باغات ۵ بکریاں ۶ غلام ۷ لونڈیاں، ۸ گائیں ۹ گھوڑے ۱۰ گدھے ۱۱ خچر ۱۲ ساز و سامان ۱۳ چاندی ۱۴ سونا۔ سب کچھ تباہ کر کے حضرت ایوب کو بالکل غریب کر دیا اور ہر مرتبہ ہر طرح ورغلایا اور گمراہ کرنے کی کوشش کی مگر ایوب علیہ السلام کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی اور ہر بار ہی شکرِ الٰہی حمد و عبادت کی کثرت ہی بڑھائی اور بھیس بدلے ہوئے ابلیس کو وہی ایمان افروز جواب دیا جو پہلی بار دیا تھا۔ اب ابلیس کو

محسوس ہوا کہ نبوت کی شان رسالت کی برداشت اور انبیاء علیہم السلام کا صبرِ جمیل کیا ہے۔ کتنا عظیم ہے اِن سے ٹکر لینا کوئی آسان نہیں۔ اب اُسے معلوم ہوا کہ وجودِ نبوت بھی قدرت کا عجیب زبردست شاہکار ہے لیکن ابھی ایک مرحلہ باقی تھا سوچنے لگا کہ یہ تو دولت اور جانوروں کی تباہی ہے۔ اس پر صبر کیا جا سکتا ہے ابھی قلبی رِقّت جگری ہمت اور شفقتِ پدری پر ہاتھ نہیں پڑا اب ذرا آنکھوں کی ٹھنڈک جگر کے ٹکڑوں اولاد پر تو ہاتھ ڈال کر دیکھوں یقیناً ان کی موت وجُدائی برداشت نہ کر سکے گا اور کُفران وکُفر کر گزرے گا یہ سوچ کر آسمانوں پر گیا اور عرض کیا الٰہی مجھے ایوب کی اولاد پر بھی تسلط عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ تجھ کو ایوب کے اہل وعیال پر بھی تسلط دیدیا گیا جا یہ بھی اپنی حسرت پوری کرنے۔ ابلیس خوش خوش لوٹا پھر ایک دن ایک محل نما مکان میں ایوب علیہ السّلام کی تمام اولاد اپنے بڑے بھائی حرمل کی دعوت پر جمع تھی۔ ابلیس نے اپنے جنّات کی مدد سے وہ مکان گرا دیا سب بہن بھائی اور گھر میں موجود لوگ دَبکر مرگئے۔ پھر ابلیس ان کے معلّم کی شکل بنا کر زخمی چہرے خون آلود کپڑوں میں روتا پٹیتا خدمتِ ایوب علیہ السّلام میں آیا اور نہایت دردناک مرثیے پڑھتا ہلاکتِ رُوداد سنانے لگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے شکوے ناشکری بے صبری کی باتیں کرنے لگا اور خاک اٹھا اٹھا کر سر میں ڈالنے سینہ پیٹنے لگا۔ ایوب علیہ السّلام اُس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان حرکتوں سے اُس کو روکا اور حمدِ الٰہی کے بعد نہایت سکون سے فرمایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں تھیں جو آئے واپس لے لیں بے شک ہم سب اُسی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے اور فرمایا کہ بدبخت ہے وہ انسان وہ بندہ جو اپنے رب کریم کی ناشکری کرتا ہے بندہ تکلیف اور بیماری وغم کو دیکھتا ہے۔ رب تعالیٰ کی کروڑں اُن نعمتوں کو نہیں دیکھتا جو اُس نے اپنی تمام مخلوق پر بکھیریں مجھے اولاد کے فوت ہونے کا غم ضرور ہے مگر ناشکری بے صبری نہیں حکمتِ باری پر ہوں راضی اور خوشی اس بات کی ہے کہ ایمان سلامتی سے گئے لہٰذا آخرت میں ملاقات ہوگی اس چند روزہ جدائی پر کیا گھبرانا کیا مچلنا تڑپنا پیٹنا کوٹنا۔ ایک شیعہ مفسّر نے لکھا کہ وفاتِ اولاد کا سن کر ایوب علیہ السّلام نے خوب ماتم کیا اور سر میں خاک ڈالی اسرائیلیات میں بھی یہاں بہت سی لغویات کذبیات لکھ دی گئی ہیں اُن کی دیکھا دیکھی ہمارے چند متقدمین مفسّرین نے بھی ایوب علیہ السّلام کے متعلق چند ایسی ہی باتیں لکھ ڈالیں اور اندھا قلم چلا دیا اور یہاں

تک لکھ دیا کہ ابلیس ایوب کی ناشکری بے صبری ماتم پیٹنا کوٹنا دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ اب اُس کی دلی مراد پوری ہو گئی تھی اور فوراً آسمانوں کی طرف بھاگا، ادھر ایوب جب رو دھو کر فارغ ہوئے تو اپنی ناشکری بدزبانی کی معافی مانگی توبہ کی جو قبول ہوئی اور ابلیس کے پہنچنے سے پہلے آپ کی توبہ پہنچ گئی، ابلیس نے فرشتوں سے کہا کہ ایوب نے یہ یہ کفریات کئے ہیں تب فرشتوں نے ابلیس کو ایوب کی توبہ اور اُس کی قبولیت کا ذکر سنا دیا تو ابلیس خائب و خاسر شرمندہ ہو کر لوٹا. مگر مفسرین کی یہ سب باتیں جاہلانہ احمقانہ لغویات کذبیات اور اندھا ظلم ہے. شانِ نبوت ان خرافات سے پاک ہے اگر خدا نخواستہ اس طرح ہوا ہوتا تو ابلیس آج تک اِس پر اور اپنی کامیابی پر ناز کرتا پھرتا ایسی توبہ کو کچھ اہمیت نہ دیتا اور ویسے بھی گناہ کر لینے کے بعد توبہ کر لینا کوئی اہم بات نہیں یہ تو عام مومن بھی کرتا رہتا ہے دن رات اس کا مشاہدہ ہے معلوم ہمارے مفسروں کی عقل ایسے نازک مقام پر کیوں کام نہیں کرتی لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اچھی خاصی تفسیر لکھتے لکھتے ذرا سی غلطی سے تمام نیکی برباد کر دیتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ اولاد کی وفات پر بھی ایوب علیہ السّلام نے بعد حمدِ الٰہی اور صبر و شکر ہی کیا اور اب بھی ابلیس ذلیل و خوار ہو کر ہی بھاگا لیکن ابھی بھی اس کو سکون نہ آیا دل میں تڑپتا جلتا اور نئے نئے منصوبے سوچتا ہی رہا ایک دن عرض کرتا ہے مولیٰ اتنے مصائب پر تو واقعی ایوب نہ ڈگمگائے نہ میرا ورغلانہ وسوسانہ اس کا کچھ بگاڑ سکا اس کی وجہ یہ کہ یہ غیروں کا معاملہ تھا جس میں صرف غم و افسوس ہی ہو سکتا ہے اور اُس کو برداشت کیا جا سکتا ہے سو ایوب نے بھی برداشت کر لیا مگر یقین سے کہتا ہوں کہ اگر تو مجھ کو اُس کے جسم پر تسلط دے تو اس کو میں ایسی تکلیفیں بیماریں پہنچاؤں کہ کبھی برداشت نہ کر سکے اور تڑپ تڑپ کر کفران کرے سب عبادت ریاضت چھوڑ دے. رب تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ اگرچہ تو اپنی پہلی اُس بات میں ناکام و ذلیل ہو چکا ہے کہ انسان عبادت صرف عیش و عشرت میں ہی کرتا ہے غربت مصیبت میں نہیں کرتا اور اب تجھے حق نہیں پہنچتا کہ تو نئے نئے مطالبے کرے لیکن اب اگر تیری یہ نئی خواہش ہے تو یہ بھی حسرت نکال لے اور تجھ کو ایوب کے جسم پر بھی تسلط دیا جاتا ہے. بغیر پانچ اعضا کے ۱ زبان ۲ آنکھیں ۳ قلب ۴ عقل ۵ آنتیں. اور ایوب کی روح پر بھی تیرا تسلط نہیں ہو سکتا ابلیس لعین خوش ہو کر پلٹا اور ایّوب علیہ السّلام کے پاس آیا دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں جب آپ سجدے میں گئے تو ابلیس نے آپ کی ناک میں جادو کی ایسی پھونک ماری

کہ آپ کے خون میں آگ کی لہر دوڑ گئی آپ گرنے لگے مگر قوتِ ارادی سے سنبھلے بمشکل وہ نماز
پوری کی اہل خانہ میں صرف بیوی رحمت ہی رہ گئی تھیں ان کو بلایا اور فرمایا اب مجھ پر بیماریوں
کا دور شروع ہونے والا ہے اب میرا خاص خیال رکھنا ہے کہ کسی بھی حالت میں کوئی میری عبادت
نہ رہنے پائے نہ کمی واقع ہو۔ آپ کی جسمانی بیماری کی ابتدا خارش سے شروع ہوئی آپ اپنے
ناخنوں سے کھجلاتے یہاں تک کہ چند دنوں میں آپ کے ہاتھوں کے تمام ناخن جھڑ کر گر گئے۔ پھر
آپ کھردرے پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں سے کھجلاتے جس سے آپ کو زخم بن جاتے اور جسم
پر نابلبل یعنی موٹے موٹے سیاہ آبلے پڑنے پھر رہ پھوٹتے ان سے زہریلا پانی نکلتا خون بہتا یا
پیپ بہتا اور جہاں جہاں لگتا آبلے بنتے چلے جاتے جو زخم پرانے ہوتے ان میں باریک
باریک کیڑے پیدا ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سارا جسم کیڑوں سے بھر گیا۔ ابلیس روزانہ
مختلف دوستوں کی شکلوں میں آکر ورغلاتا اور مولیٰ تعالیٰ کی گستاخیاں کرتا اور بڑا ہمدرد
بنتا مگر آپ شکرِ الٰہی ہی کرتے اور اس بیماری اور زخموں کے کیڑوں کو اللہ تعالیٰ کا مہمان
کہتے یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا زمین پر گر جاتا تو اس کو اٹھا کر زخم میں رکھ لیتے ایک سال
اسی طرح اپنے ایک بقیہ گھر میں بستی کے اندر ہی گزارا، ایک دن ابلیس نے شکلِ انسانی
میں آکر بستی والوں کو ورغلایا کہ اگر یہ بیمار بستی میں رہا تو یہ بیماری تم سب کو بھی لگ سکتی ہے
تب لوگ ڈر گئے اور آپ کے پاس آنا چھوڑ دیا اور کچھ دنوں بعد ہی خوف سے آپ کو بستی
سے باہر ایک گندی جگہ ڈال دیا اور آپ کے لیے ایک چھوٹی سی جھونپڑی کینہ بنا دی یعنی چھپر
ڈال کر جھگی۔ یہ عریشہ (چھپر) آپ کو دھوپ و بارش سے بچاتا۔ بعض لوگوں نے لکھا
کہ ایوب علیہ السلام کے جسم سے سخت بدبو کی وجہ سے آپ کو بستی کے باہر ڈالا گیا۔ مگر یہ
قطعًا غلط اور اسرائیلی کذبیات میں سے ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام
مقدسہ میں بدبو آسکتی ہی نہیں بلکہ کوئی گھن والی قدرتی بیماری بھی نہیں لگ سکتی ایوب علیہ السلام
کی یہ بیماری قدرتی یا موسمی نہ تھی یہ تو ابلیس کا جادو تھا، اجسامِ انبیاء ذکرِ الٰہی کے خوشبودار پھول
ہیں۔ ان کے تو پسینوں میں بھی عطر و عنبر سے زیادہ خوشبو ہوتی ہے۔ چھ سال اسی طرح باہر
جھونپڑی اور عریشہ (چھپر) میں گزر گئے صرف آپ کی بیوی رحمت ہی آپ کے پاس
رہتیں یا ملائکہ زیارت کرنے سلام حاضری دیتے آپ کے جسم کا تمام گوشت کیڑوں نے کھا
لیا تھا صرف اندرونی اعضا اور ہڈیاں کھال ہی رہ گئی تھی۔ تمام کھال پر آبلے اور زخم تھے اس

باوجود ایک آن کے لیے بھی آپ کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ ایک دن بیوی نے عرض کیا کہ آپ رب تعالٰی سے دعا مانگیں تاکہ آپ کو شفا عطا ہو آپ نے فرمایا میری گذشتہ عمر کتنی ہے بیوی نے عرض کیا تقریباً اسّی سال تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسّی سال رب جلیل کی نعمتوں میں گزارے اب اتنی تھوڑی مدت میں اس کی بھیجی ہوئی تکلیفوں سے گھبرا جاؤں مجھے شرم آتی ہے شفا کی دعا مانگتے ہوئے جب اسّی سال بیماری کے بھی گذر جائیں گے تب بھی شفا کی دعا مانگنے کا سوچوں گا (اللہ اکبر کیا شان ہے انبیاء علیہم السّلام کے صبر جمیل کی) جب سات سال بیماری میں گزر گئے تو ابلیس نے جو اپنی مکاریوں حیلوں وسوسوں سے ایک دن بھی چپ نہ بیٹھا تھا اُس نے پھر ایک دن تمام جنّات کو جمع کیا اور کہا کہ دوستو میں سخت پریشان فکر مند ہوں کہ میں نے اب تک ایوب کے خلاف ہر طرح کی سازش کر لی برے سے برا سخت سے سخت سلوک کر کے دیکھ لیا جادو جنّاتی ہر قوت اس پر آزمالی ہر قسم کا غم پریشانی درد بیماری اذیت دے کر اپنی پوری قوتیں اُس پر خرچ کر دیں جو آج تک کسی انسان پر نہ پڑیں مگر حیرانی ہے کہ ایوب پر میرا کوئی مکر نہ چل سکا میں فرشتوں کے سامنے شرمندہ ہوں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اگر ایوب کسی موقعے پر ایک لفظ بھی ناشکری بے صبری کا بول دیتے تو میری کچھ عزت رہ جاتی یہ تو اب میری اَنا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ایوب کو پھنسانے پھنساتے اُلٹا میں پھنس گیا ہوں یہ معاملہ اب میرے گلے پڑ گیا ہے۔ میری کچھ مدد کرو اور مجھ کو کوئی نیا حیلہ بتاؤ۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ ایوب اتنا سخت جان ہوگا میں تو اس کو عام بشر کی مثل ہی سمجھتا تھا، جنّات نے کہا اب ہم تیری کیا مدد کر سکتے ہیں جو کچھ ہم سے ہو سکا تھا ہم نے تیرے کہنے سے کیا ہم روئے زمین کی تمام جناتی سفلی طاقتیں مل کر بھی فقط ایک نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکے نہ اپنا اصل مقصد حاصل کر سکے تجھے کس نے کہا تھا کہ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے نبوت سے ٹکر لینے کی ٹھان لی یہ تو شکر کر کہ اُس نے صبر و تحمل سے تیری ساری بدسلوکی برداشت کی اور جوابی کارروائی نہ کی ورنہ نبی کا تو ایک درد ہی ہم سب کو جلا کر بھسم کر دیتا۔ نبی کا تو غلام بھی اگر ہم کو جکڑ لے تو ہم اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکتے اور کچھ کر نہیں سکتے، ایوب صرف صابر ہی نہیں حلیم بھی ہیں۔ ہاں البتہ اب ایک ہی آخری شر یہ مکر رہ گیا ہے اُس کو بھی آزما کر دیکھ لے شاید تیری کچھ بات بن جائے اور عزت رہ جائے۔ یہ بتا کہ تو نے آدم کو جنت سے نکلوانے میں کس طرح کامیابی حاصل کی تھی۔ ابلیس بولا اس وقت اس کی بیوی حوّا کو ورغلایا تھا تب بات بن گئی تھی جنّات

نے کہا کہ بس اب بھی ایوب کی بیوی کو ورغلا اور اس کے ذریعے کفر پھیلا۔ ابلیس خوش ہو گیا اور کہا کہ ہاں یہ چال ٹھیک ہے۔ تب ایک دن ابلیس بہت خوب صورت دراز قد انسان کی شکل میں بہت بڑے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا آپ کی بیوی جھونپڑی سے کچھ دور بیٹھی کھانا پکا رہی تھیں وہ گھوڑا سوار پاس آیا اور بولا اے بی بی تو مجھ کو پہچانتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو کہنے لگا کہ میں زمین کا الٰہ ہوں تیرے خاوند ایوب پر اس لیے اتنی مصیبتیں آئی ہیں مال تباہ اولاد فنا حسن وجوانی صحت برباد ہوئی کہ اس نے آسمان کے الٰہ کی عبادت کی لیکن میری یعنی زمین کے الٰہ کی عبادت نہ کی، اگر اب بھی یہ اور تم دونوں میری بندگی کرلو تو پھر سب کچھ واپس مل سکتا ہے اور میری عبادت میں صرف چار کام کرلو ۱ اپنے خاوند سے کہو کہ وہ مجھ کو صرف ایک سجدہ کرے ۲ تو بھی مجھ کو سجدہ کر ۳ یہ بکری کا بچہ ہے اس کو میرے نام پر ذبح کر دو ۴ اس کو پکا کر بغیر بسم اللہ پڑھے اس کو کھالو، صرف ایک دفعہ یہ چار کام کرلو تو وہ سب کچھ میں تم کو واپس دیدوں گا جو تم سے چھین لیا گیا ہے بیوی نے خوش ہو کر کہا کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے ابلیس نے کہا ہاں بلکہ بہت جلدی بیوی نے کہا اچھا میں ان سے ذکر کروں گی ابلیس بڑا مسرور ہوا کہ چلو اب شاید کام بن جائے اور ابلیس یہ کہہ کر غائب ہوا بیوی جلدی جلدی جھونپڑی میں آئی اور اسی جھانسے میں آگئی کہ چلو اب اٹھارہ سالہ مصیبتیں تو ختم ہو جائیں گی اور بکری کا بچہ حضرت ایوب کو دکھا کر ساری بات بتائی ایوب علیہ السلام کو زندگی میں پہلی بار سخت غصہ آیا اور فرمایا ارے کم عقل وہ بد بخت ابلیس تھا جو بھیس بدل کر اب تیرا دین وایمان بھی چھیننا چاہتا تھا، تو نے اسی وقت اس پر لعنت کیوں نہ بھیجی میری تکلیف کے غم میں تو اصلیت کو میری تعلیم وتربیت کو بھول گئی اور شیطان کے فریب میں آگئی اگر مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے شفا بخشی تو میں تجھ کو اس گناہ کی سزا میں سو کوڑے ماروں گا آپ نے یہ قسم فرما کر فرمایا جا ہٹ جا میری نظروں سے دور ہو جا میں تجھ سے ناراض ہوں اب میں تیرے ہاتھ سے نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ بیوی افسردہ غمزدہ اور پشیمان ہو کر اس وقت وہاں سے چلی گئی تب اٹھارہ سال بعد آپ نے یہ دعا مانگی۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ یا اللہ اب تو یہ ابلیس ہمارے ایمانوں پر ظاہر بظہور حملے کرنے لگ پڑا اب وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا یہ تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی جو شیطان اپنے قول فعل کدورتوں جادوؤں میں بدترین ذلت کے ساتھ ناکام ہو گیا کسی طرح مجھ

کو ورغلا نہ سکا اب میری بیوی کے ذریعے کفر پھیلانا اس کا ایمان برباد کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تو عابدی
ہم پر رحم فرما۔ دعا کے یہ عارفانہ ساہرانہ الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ بیماری سے گھبرا کر یہ دعا
نہ تھی۔ گھبراہٹ کی دعاؤں میں چیخ و پکار گلہ شکوہ شکایت بغاوت گڑگڑاہٹ، بلبلاہٹ ہوتی
ہے مفسرین کرام نے اس دعا مانگنے کی وجہ میں تین قول اور بھی نقل فرمائے ہیں، ایک یہ کہ ایک
مرتبہ چالیس دن تک آپ پر وحی نہ آئی تب گھبرا کر آپ نے یہ دعا مانگی کہ یا مولیٰ تیرے کلام کی
لذات اور خوشی میں ہی تو میں یہ سب مصائب برداشت کرتا چلا آرہا ہوں، تیری آواز ہی تو
میری ڈھارس ہے، تیرا پیغام ہی تو میرا سہارا ہے، تیرے عشق نے ہی تو مجھ کو بچایا ہوا ہے
اک وحی کی طرف ہی تو میرے کان لگے رہتے ہیں اسی نے مجھ کو سنبھالا ہوا ہے بے رخی کی تلخیوں کا کوئی اس کے دل سے پوچھے جو ناز کرتے کرتے
جسے عمر ہو گئی ہو۔ یا اللہ اگر اس سے بھی زیادہ اگر مصیبتوں کے پہاڑ آجائیں، بلکہ اگر جفا و ظلم کی آندھی کے طوفان آجائیں ؞ شانے کو میرے ابلیس اور شیطین آجائیں
تب بھی یہ مجھے برداشت و گوارہ ہیں۔ مگر یہ برداشت نہیں کہ میں تجھے یاد کروں تو تو مجھے یاد کرے
تو تو۔ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ قوم کے کچھ لوگ جن کے نام تفاسیر میں اس
طرح لکھے ہیں ۱ نُعَیر یمنی ۲ تلدر شامی ۳ صافر دمشقی۔ یہ تینوں غیر بنی اسرائیل آپ کے
مومن امتی بن گئے تھے مگر نبی کو اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے انہوں نے ایک بار گستاخی کرتے
ہوئے ایوب علیہ السّلام کو طعنہ دیا کہ اس شخص نے کوئی گناہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے یہ بیماری
اس کو لگی ہے (معاذ اللہ) میرے خیال میں دنیا کے اندر سب سے پہلے یہ ہی وہابی ہوئے
کہ اپنے نبی پر ایمان بھی لائے ان کے امتی بھی بنے اور اس طرح کی گستاخیوں کا عقیدہ بھی بنا لیا
آپ نے جب یہ سنا تب دعا مانگی کیونکہ اس گستاخانہ طعنہ سے عصمتِ نبوّت کا دامن داغدار
ہو رہا تھا وہابیت پھیلنے کا اندیشہ تھا بعض نے فرمایا کہ یہ دعا آپ نے اس وقت مانگی جب
قوم کے کچھ کفار نے اللہ تعالیٰ کی گستاخیوں میں زبان کھولی اور آکر کہنے لگے کہ ہم کو جس معبود
کی طرف یہ شخص بلاتا دعوتِ ایمان دیتا ہے وہ معبود تو اتنا کمزور اور مجبور ہے کہ اس اپنے
عبادت گزار کو بھی شفا نہیں دے سکتا۔ تب آپ نے رب سے عرض کیا کہ یا اللہ یہ کفریات سننا
مجھ سے برداشت نہیں ہوتے ان کفریات سے اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ بے شک مجھ کو قلبی روحانی
اذیت پہنچی ہے، تو رب تعالیٰ نے فوراً آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور اس انداز میں قبول فرمائی
کہ قبولیت میں بھی شانِ نبوّت کا اظہار فرما دیا اور کائناتِ عالم کو بتا دیا کہ جو تکلیف درد مصیبت
بیماری پوری سرزمین کے جنّات و شیاطین ابلیس و خنّاث نے اپنے تمام جادو فسون مکر و جنون

کے پورے زور لگا کر بھر کائی اس کا توڑ اور اس کی شفا اس کا دفعیہ تو نبی کے قدم کی ایک ٹھوکر میں ہے، شفاءِ ظاہری بھی چشمۂ قدرت سے ہوئی اور شفاءِ باطنی بھی مگر وہ چشمہ نہ خود رب تعالیٰ نے جاری فرمایا نہ کسی فرشتے سے نکلوایا، بلکہ خود ایوب علیہ السلام کو فرمایا۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۔ اے ایوب تم خود ہی اپنے پاؤں کی ٹھوکر مارو چشمہ نکلے گا۔ شفا یابی میں یہ سات سال یا اٹھارہ سال کی دیری تو خود ایوب علیہ السلام کی وجہ سے ہوئی آپ نے خود ہی دعا نہ مانگی اگر پہلے مانگ لیتے تو یقیناً اسی انداز میں پہلے ہی قبول ہو جاتی اللہ رسول کے ہر کام کلام قدرت میں حکمت ہوتی ہے خواہ دیر ہو یا سویر۔ ایوب علیہ السلام نے حکم ربانی سنکر پاؤں رگڑا ٹھوکر ماری اور فوراً چشمہ جاری ہو گیا حکم ربانی ہوا کہ اس پانی سے غسل کرو۔ آپ نے غسل فرمایا۔ ایک دم عام ظاہری۔ بیماری چھالے داغ دھبے زخم ختم ہو گئے پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت جسم نکل آیا۔ تمام کیڑے جسم سے نکل کر قریبی شہتوت کے درخت پر چڑھ گئے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ چونکہ یہ کیڑے جسم نبی سے بنے پلے بڑھے تھے اس لیے ان کو ریشم کا کیڑا بنا دیا گیا اس سے پہلے زمین پر ریشم کے کیڑے نہ ہوتے تھے ان کی تعداد بارہ ہزار تھی اور اللہ تعالیٰ کے قدرتی لشکر کی تعداد ہمیشہ بارہ ہزار ہی ہوتی رہی چنانچہ نمرود کو بارہ ۱۲ ہزار مچھروں سے ہی سزا دی گئی اور اصحاب فیل کو بارہ ہزار ابابیل سے ہی ہلاک کیا گیا، ظاہری تندرستی پا کر آپ چالیس قدم چلے پھر حکم آیا کہ اپنا پاؤں زمین پر پھر مارو آپ نے پھر مارا دوسرا چشمہ جاری ہوا حکم آیا اس کو پیو آپ نے پیا تو اندر کی تمام تکالیف اور بیماری ختم ہو گئی۔ جبریل امین جنتی حُلے کر آئے آپ کو پہنایا آپ ایک تریبا چٹان پر بیٹھ گئے آپ کی شفایابی کا یہ دن جمعہ کا تھا عاشورہ محرم تھا وقت سحر تھا بعض نے فرمایا کہ زوال کا وقت تھا (از تفسیر روح البیان و تفسیر فتح القدیر) تھوڑی دیر بعد آپ کی بیوی اس خیال سے واپس آئیں کہ اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔ مگر جھونپڑی میں نگاہ کی دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا جھونپڑی خالی تھیں بڑی پریشان ہوئیں طرح طرح کے خیال آنے لگے پتہ نہیں کہاں گئے کون لے گیا خود تو چل بھی نہ سکتے تھے کیا کوئی درندہ کھا گیا یا اللہ یہ کیا ہو گیا قریبی چٹان پر ایک بزرگ بیٹھا دیکھا پہچان نہ سکیں اُن ہی سے پوچھا اے بزرگ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس چھپر میں ایک معذور شخص پڑے ہوئے تھے وہ کہاں گئے۔ بزرگ نے فرمایا وہ تیرے کیا لگتے تھے، حضرت رحمت بیوی نے کہا وہ میرے خاوند تھے، بزرگ نے فرمایا مجھ سے کیوں پوچھتی ہے کیا تو مجھ کو جانتی ہے۔ بیوی رحمت نے کہا نہیں میں آپ کو

نہیں پہنچاتی ہاں البتہ ان کی تندرستی والا حلیہ آپ سے ملتا تھا وہ آپ کے مشابہ تھے بزرگ یہ سن کر مسکرا پڑے تب بیوی صاحبہ نے آپ کے مسکرانے کے انداز سے آپ کو پہچانا بڑی خوشی ہوئی صحت ملنے کے واقعات سنے، پھر دونوں نے سجدہ شکر کیا بستی میں واپس لوٹے، شکرِ الٰہی کا جشن منایا، عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے وہ تمام چیزیں بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرما دیں آپ کو اور آپ کی بیوی کو اللہ تعالیٰ نے جوانی عطا فرمائی، دوبارہ خوب صورت اولاد ہوئی بارہ بیٹے یا سولہ اور اتنی ہی بیٹیاں اور آپ تندرستی کے بعد پھر مزید ستر سال حیات رہے یہ تھا صبرِ ایوب کا وہ سچا واقعہ جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسی کے تذکرے کا اور بذریعہ قرآنِ مجید تا قیامت دنیا میں مشہور کرنے کا اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا جا رہا ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ نے دیگر انبیا کی گستاخیوں کی طرح ایوب علیہ السلام کے واقعات میں بھی گستاخیاں کرتے ہوئے بہت کذبیات و لغویات بھر دئے ہیں، یہود و نصارا تو ہیں ہی جہنم کے احمق و گمراہ افسوس تو اپنے اُن گزشتہ عربی مفسرین پہ ہے جنہوں نے اپنی تفاسیر میں اسرائیلی لغویات بلا تردید لکھ ڈالیں اور اندھا قلم چلا دیا ذرا عقل سے کام نہ لیا نہ آیاتِ قرآنیہ میں غور کیا نہ منشاءِ ربانی کو سمجھا حقیقت یہ ہے کہ رب تعالیٰ ہی سچی ہدایت دینے والا ہے۔ ان تفسیروں نے شخصیتِ ایوب کا ایسا غلط نقشہ کھینچا ہے کہ معلوم ہوتا ہے معاذ اللہ ایوب علیہ السلام نہایت بے صبرے ناشکرے رب کے گستاخ اور اپنی عبادت پر مغرور، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت لڑنے والے گلے شکوے کرنے والے تھے۔ اور یہ کہ دورانِ بیماری انہوں نے کوئی عبادت نہ کی۔ قرآنِ مجید میں جن کی نبوت کا صراحتاً ذکر فرمایا گیا اُن میں ایوب علیہ السلام دسویں صاحب شریعت نبی ہیں ان انبیا علیہم السلام کی بعثت کی ترتیب اس طرح حسبِ ذیل ہے ۱ ادریس علیہ السلام ۲ نوح ۳ پھر ابراہیم ۴ پھر لوط ۵ پھر اسماعیل ۶ پھر اسحاق ۷ یعقوب ۸ پھر یوسف ۹ پھر ہود ۱۰ پھر ایوب ۱۱ پھر صالح ۱۲ پھر شعیب ۱۳ پھر موسیٰ ۱۴ پھر ہارون ۱۵ پھر الیاس ۱۶ پھر یسع ۱۷ پھر یونس علیہم السلام (از تفسیر روح المعانی بروایت ابن سعد عن کلبی) مگر انہوں نے اپنی ترتیب میں دو جگہ غلطی کی ایک یہ کہ لوط علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے بعد رکھا حالانکہ لوط ابراہیم السلام کے بعد ہیں دوم یہ کہ حضرت ایوب کو حضرت یونس کے بعد رکھا حالانکہ ایوب علیہ السلام کا زمانہ ہود علیہ السلام

کے بعد ہے، یونس علیہ السلام سے کہیں پہلے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قرآن مجید کی طرز بیانی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بار بار تذکرۂ ایمانی سے منشاء باری تعالیٰ یہ ثابت و ظاہر ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ مخلوق کا شائق کو بتانا چاہتا ہے کہ میری مخلوق میں وجود انبیاء میرا عظیم شاہکار قدرت ہے اسی لیے انبیاء کرام کی ہر ہر شان کسی نہ کسی انداز میں ظاہر فرمائی گئی۔ ایوب علیہ السلام کے ساتھ تقدیر الٰہی کے اس فیصلے میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبوت کی شان ایک عجیب اور نرالے طریق سے اقوام عالم کو بتانی دکھانی تھی۔ تمام قوتیں طاقتیں ہمتیں جرأتیں مختلف انبیاء کے وجود پر ظاہر کی گئیں۔ مگر ایوب علیہ السلام کے ذریعے صبر کی ایسی سخت کڑی مثال دکھائی گئی جو وجود نبوت کے سوا کسی میں نہیں ہو سکتی جو تکالیف ایوب علیہ السلام کو پہنچیں اگر عوام میں سے کسی کو ان کا عشر عشیر بھی پہنچے تو بندہ تڑپ کر مر جائے اور خودکشی کر لے۔ مگر یہ عصمت نبوت کی ہی شان ہے کہ پائے صبر میں ذرا لغزش نہ آئی اس واقعے نے بتا دیا کہ معصوم وہ ہوتا ہے جو گناہ خطا پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ ان سے گناہ محال بالعصمت ہے۔ ایوب علیہ السلام کے تین معجزے قرآن مجید سے ثابت ہیں ۱۔ صبر ایوب ۲۔ داہنا پاؤں مبارک جس کی رگڑ اور ٹھوکر سے نہانے کا چشمہ جاری ہوا ۳۔ بایاں پاؤں جس کی رگڑ سے پینے کا چشمہ جاری ہوا۔ یہ فائدہ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۔ کی تفسیر حاصل ہوا۔ اور ابلیس کا بھی تا قیامت سارا غرور تکبر گھمنڈ اور نبوت کے خلاف ساری جیب زبانی خاک میں مل گئی یہ شان بتانا ہی ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ہے۔ ہمارے بعض مفسرین نے کہا کہ ذکریٰ کا معنیٰ نصیحت اور معنیٰ یہ ہے کہ قیامت تک عابدین صالحین مصائب پر ایوب علیہ السلام جیسا صبر کریں اور ان جیسا ہی ثواب پائیں۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ محال ہے نہ انبیاء کرام جیسا کسی کا صبر یا کوئی عمل ہو سکتا ہے نہ انبیاء جیسا کسی کو ثواب مل سکے۔ دوسرا فائدہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر چیز کا رب تعالیٰ ذمے دار ہوتا ہے اور اسی لیے ان کو عصمت کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے اور ان کا کوئی عمل کرنا یا کرانا بیکار اور فضول نہیں ہوتا اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام غلطی اور گناہ پر قادر ہی نہیں وہ غلطی اور لغو کام نہ کر سکتے ہیں نہ کرا سکتے ہیں یہ فائدہ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی سلیمان علیہ السلام جنات سے جو کچھ بنواتے منگواتے تھے رب ان کا محافظ جنات کی تابعداری کا بھی ان کے عملیات کا بھی۔ اس سے پتہ

لگا کر سلیمان علیہ السلام ضروری اشیا ہی بنواتے تھے اب اگر یہ کہا جائے سلیمان علیہ السلام اپنے جنوں سے مجسمے تصویریں بنواتے تھے تو یہ رب تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ وہ بیکار و فضولیات کی حفاظت فرماتا تھا (معاذ اللہ) اولیاء اللہ کو رب کی طرف سے حفاظت کی دولت ملتی ہے عصمت و حفاظت میں فرق یہ ہے کہ حفاظتِ الہیہ کا معنیٰ ہے گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں اور اگر کریں تو فوراً ہی توبہ کر کے معافی مانگ لیتے ہیں اور گناہ مٹ جاتا ہے۔ عصمت یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ تیسرا فائدہ رب تعالیٰ نے اپنی پوری مخلوق علوی، سفلی، لطیف کثیف اپنے انبیا کے لیے مسخر فرما دی ہے اگرچہ کسی نے اظہار فرمایا کسی نے نہ فرمایا یا کسی نے کسی طرح ظاہر کیا کسی نے کسی طرح مثلاً سفلیات میں لوہا پہاڑ پرندے، علویات میں چاند سورج فرشتے، لطائف میں ہوا جنات پانی بادل بارش، کثائف میں جمادات نباتات حیوانات اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو تحت الثریٰ سے قاب قوسین تک سب کچھ ہی مسخر کر دیا کہ کبھی شق القمر کبھی ردِ شمس، کبھی معراج کی فضائیں، یہ فائدہ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ واقعۂ سلیمانی میں لفظِ تماثیل کا معنیٰ مجسمہ مورتی کر کے ہمارے کچھ اکابر نے یہ استدلال کیا کہ سلیمان علیہ السلام جنات سے جاندار اشیا کی فوٹو تصویریں مجسمے بنوایا کرتے تھے اور پھر اس پر یہ مسئلہ استنباط کر لیا کہ پہلی شریعتوں میں جاندار کی تصویریں بنانا تو ناجائز نہیں فقط ہماری شریعتِ اسلامیہ میں فوٹو تصویر حرام ہوئی ہے مگر میرے نزدیک یہ استدلال بھی غلط اور کمزور ہے اور استنباط بھی، کسی بھی شریعتِ سابقہ میں کبھی جاندار کی فوٹو تصویر پر مجسمہ مورتی جائز نہ ہوا بلکہ ہر شریعت میں حرام ہی رہا اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی بھی کسی جن وغیرہ سے کسی جاندار کا مجسمہ مورتی یا فوٹو نہ بنوایا۔ میرے اس موقف کے پانچ دلائل ہیں پہلی دلیل یہ کہ اکابر کے پاس اپنے اس مسئلے پر بغیر تماثیلِ سلیمانی کے اور کوئی دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہوا کہ پہلی شریعتوں میں جاندار کی فوٹو جائز تھی۔ دوسری دلیل یہ کہ تماثیل کا معنیٰ جاندار کا مجسمہ یا مورتی فوٹو نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے نقشہ خواہ جاندار کا ہو یا بے جان اشیا۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے مولیٰ علی شیرِ خدا نے شطرنج کے گُٹے کو تماثیل فرمایا تھا جیسا کہ ہم نے ابھی کچھ پہلے مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ کی آیت میں نقل کیا

یہی معنیٰ سلیمان علیہ السلام کی تماثیل کا ہے کہ آپ جنات سے اپنی مملکت سلطنت کے جغرافیائی نقشے بنوایا کرتے تھے جس کو انگریزی میں میپ کہتے ہیں۔ تیسری دلیل یہ کہ احادیث مقدسہ میں حرمت تصاویر کی وجہ یہ فرمائی گئی ہے کہ ملائکہ جاندار کی تصویروں فوٹوؤں سے نفرت کرتے ہیں اور اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں جاندار کی فوٹو ہو، ملائکہ کی یہ نفرت والی عادت تو پہلے بھی تھی اگر کوئی کہے کہ پہلے نہیں تھی تو اُس کو با دلیل ثابت کرنا چاہیئے کہ پہلے زمانوں میں فرشتوں کو جاندار کی تصویروں سے نفرت نہ تھی اور کیوں نہ تھی اَب کیوں ہو گئی۔ جب علت ایک تو حکم بھی ہر شریعت میں ایک ہی ہو گا۔ چوتھی دلیل یہ کہ اشیاء کی حرمت شریعت کی سختی ہے اور چیزوں کا حلال ہونا شریعت کی نرمی ہے اور یہ بات با دلائل ثابت ہے کہ اسلامی شریعت تمام سابقہ شریعتوں سے نرم ہے اسی لیے یہ بات تو ثابت ہے کہ بہت سی چیزیں پہلی شریعتوں میں حرام تھیں مگر شریعت اسلام میں وہ اَشیا حلال ہو گئیں مثلاً قربانی کا گوشت کھا لینا مالِ غنیمت لینا اور قسم کا کفارہ دے کر قسم توڑنے کے گناہ سے بچ جانا، پہلی شریعتوں میں کفارہ قسم نہ تھا۔ بلکہ قسم ہر حال میں پوری کرنا ضروری تھا، وغیرہ وغیرہ مگر یہ ثابت نہیں کہ کوئی بھی چیز پہلی شریعتوں میں حلال ہو اور اسلام میں حرام ہو گئی ہو۔ پانچویں دلیل یہ کہ قرآنِ مجید کی سورۃ سبا آیت ۱۳ میں ارشاد ہے یَعْمَلُوْنَ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کی چاہت سے وہ جنات محاریب و تماثیل بناتے تھے۔ اب اگر تماثیل کا ترجمہ جاندار کی تصویریں کیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام یہ بیکار اور فضول بیفائدہ کام کیوں کرواتے تھے نہ تو سلیمان بچہ تھے نہ عیاش طبیعت کے شوقین مزاج کہ ان تصویروں مجسموں سے گھر سجاتے آپ نبی تھے اور نبی کا ہر کام وحیِ الٰہی سے ہوتا ہے انبیاء کرام بے فائدہ کام نہیں کرتے نہ وحیِ الٰہی اُن کو اجازت دیتی ہے یہ مسئلہ۔ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا۔ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ دنیا میں مومن مسلمان دینی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور کفار دنیوی کام کے لیے۔ یہ مسئلہ۔ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے اُن جنات کو شیاطین فرمایا جو سلیمان علیہ السلام کا دنیوی کام کرتے تھے اور شیطان ہمیشہ کفار کو کہا جاتا ہے جنات ہوں یا انسان مومن جن یا انسان کو شیطان نہیں کہا جاتا اسی لیے امام اعظم نے فرمایا کہ مسلمان شرارتی بچے کو بھی شیطان نہ کہا جائے (از تفسیر روح البیان۔ مدارک خازن، صاوی) اس سے وہ بیوقوف مسلمان

سبق لیں جو ہر وقت علماء پر طعنہ زنی کر کے کہتے ہیں کہ مُلّا تو صرف مسجد تک پہنچا تا ہے مگر سائنسدان کہاں تک پہنچ گیا بہرکیف رب تعالیٰ نے ہر وقت دُنیوی کاموں میں مشغول رہنے والوں کو شیاطین ہی فرمایا ہے۔ تیسرا مسئلہ حلال روزی اور دولت رب تعالیٰ کی رحمت برکت اور عطیہ ہوتا ہے خواہ وسائل ظاہری سے حاصل ہو یا وسائل غیبیہ سے اس کے حصول کی خواہش اور حرص و طمع عین عبادت ہے۔ بندۂ مومن کو اس سے بے رغبتی استغنا یا بیزاری نہیں چاہیئے کیونکہ یہ رب تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے یہ مسئلہ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا روایت ہے کہ تندرستی کے بعد ایوب علیہ السّلام کو اتنی کثیر دولت عطا ہوئی کہ جس بڑی کُٹھیا (کھڑولے) میں آپ ستو رکھا کرتے تھے اس میں سونا بھر دیا گیا اور جس کُٹھیا میں آپ چاول رکھتے تھے اس میں چاندی بھر دی گئی۔ اس کے باوجود آپ ایک دفعہ نہا رہے تھے کہ اوپر سے غیبی طور پر سونے کی بنی ہوئی مکڑی گری۔ آپ نے اسی حالت میں دوڑ کر پکڑلی غسل سے فراغت کا بھی انتظار نہ فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو وحی الٰہی آئی کہ اے ایوب ہم نے تم کو اتنا دیا ہے ابھی بھی تم کو اتنی حرص و خواہش کہ غسل سے فراغت کا بھی انتظار نہ کیا عرض کیا مولیٰ تیری طرف سے آئی ہوئی برکت سے تو میں کبھی مستغنی اور بے پرواہ و بے رغبت نہیں ہو سکتا یہ تو اظہار گدائی ہے تیرے دروازے کا تو میں ہمیشہ گداہی رہوں گا سُبْحَانَ اللّٰہ یہ ہے انبیاء کرام علیہم السّلام کی شانِ عجز بارگاہی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض سورۃ ص آیت ۴۴ میں رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا یعنی ہم نے ایوب کو بہت بڑا صابر پایا یہ توبڑی تعظیمی ہے مگر یہاں فرمایا گیا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ یہ ندا شکوہ ہے اور شکوہ صبر کے خلاف ہے کیونکہ بے صبری ہے۔ جواب مفسرین نے اس کے جواب میں چار قول نقل فرمائے ایک یہ کہ الضُّرُّ سے مراد بیماری کی تکلیف نہیں بلکہ قوم کفار کی کفر یہ گستاخیاں اور طعنے بازیاں یہ آپ سے برداشت نہ ہوا تو ندا عرض کی اور یہ چیز بے صبری نہیں دوم یہ کہ یہ ندائی شکوہ نہیں بلکہ دعا ہے اور دعا صبر کے خلاف نہیں ہوتی اسی لیے رب تعالیٰ نے اِذْ نَادٰى کے بعد فَاسْتَجَبْنَا فرمایا یعنی ہم نے دعا قبول کرلی سوم یہ کہ اگر یہ شکوہ شکایت ہے تب بھی درست ہے اس لیے کہ شکویٰ وہ برا ہوتا ہے جو مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ہو مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی تکلیف کی شکایت اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں عرض کرنی جائز ہے کیونکہ یہ تَلَذُّذًا بِالنَّجْوٰی ہوتی ہے یعنی رب سے مناجات کی لذت
کے لیے لَا مِنْهُ تَنَفُّسًا بِالشَّکْوٰی یعنی اس عرض سے گلے شکوے کا نقصان نہیں ہوتا شرعًا
شکایت اِلَیہ جائز ہے کیونکہ غَایَۃُ القُرْبِ ہے مگر شکایت مِنہ ناجائز کیونکہ یہ غَایَۃُ البُعْدِ
ہے۔ نیز جب بندہ راضی برضاءِ الٰہی ہو اور پھر اپنی تکلیف کا ذکر کسی سے کرے یہ بھی جائز
ہے جیساکہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین نے پوچھا یا رسول اللہ کیا حال
ہے آپ نے فرمایا بخار ہو گیا ہے یا ایک بار عائشہ صدیقہ نے کہا وَارَاسَاهُ۔ ہائے
میرے سر کا درد۔ اتفاقًا اس وقت آپ کی سرِ اقدس میں بھی درد ہو رہا تھا تو آپ نے
بھی فرمایا وَارَاسَاه، چوتھا قول یہ کہ یہ بندی بارگاہِ الٰہی میں ابلیس وشیطان کی شکایت ہے
نہ کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت جیساکہ سورۃ صٓ کی آیت ۴۱ سے ثابت ہو رہا ہے۔ اور شریعت
میں اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا منع ہے نہ کہ شیطان یا کسی بھی دشمن کی۔ دوسرا اعتراض اس
کی کیا وجہ کہ ابلیس کا داؤ مکر وسوسہ آدم علیہ السّلام پر چل گیا اور جنت سے نکلوا دیا جو
اتنا سخت بھی نہ تھا مگر ایوب علیہ السّلام پر ذرہ بھر نہ چلا حالانکہ یہ بڑا سخت تھا ابلیس نے اپنی
پوری شیطانیت اور ذریت کا زور لگا کر سخت غم تکلیف بیماری درد اور بربادی تباہی
مچا دی تھی، جواب قصۂ آدم اور قصۂ ایوب میں دو طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ آدم علیہ السّلام
اُس وقت نبی نہ تھے اشیطان کا داؤ صرف آپ کی بشریت پر تھا اس لیے بشری کمزوری
کی بنا پر مکر چل گیا، دوم یہ کہ آدم علیہ السّلام پر شیطان کا وسوسہ کفر یا ناشکری کا نہ تھا بلکہ
صرف ایک پھل کھا لینے کا تھا اور وہ حیلہ وسوسہ بھی قسمیں کھا کر دوستی بنا کر کیا گیا تھا اس
لیے حضرت حوا کے کہنے سمجھانے مُلکِ لَّا یَبْلٰی کا لالچ دلانے سے دھوکے میں آ گئے مگر ایوب
علیہ السّلام اُس وقت نبی تھے اور ہر نبی کی بشریت بھی بے مثل ہوتی ہے اور آپ کے
خلاف ابلیس کی تمام حیلہ سازی تباہی بیماری کفر اور ناشکری کرانے کے لیے تھی اس لیے
عصمت انبیا کے مقابل ابلیس ذلیل و رسوا ہو گیا، نبوت کامیاب وکامران اور ثابت قدم
رہی۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور سورۃ صٓ
آیت ۴۳ میں فرمایا گیا رَحْمَةً مِّنَّا۔ جواب اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ رَحْمَةً مِّنَّا میں صرف
رحمت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور چونکہ رحمت کی بہت قسمیں ہیں اس لیے یہاں مِنْ عِنْدِنَا
فرما کر رحمت کی نوعیت کا ذکر فرمایا گیا کہ اپنے قرب کی رحمت، جوابِ دوم یہ کہ

وہاں سورۃ صٓ میں صرف دعا ہے اور یہاں دعا کے ساتھ حمد باری تعالیٰ بھی ہے جس کی وجہ سے کثرت ہوئی۔ اور کثرتِ دعا کی بنا پر قبولیت میں بھی کثرت رحمت کا ذکر فرمایا گیا۔ لفظ عِنْدِ سے کثرت انعام اور مبالغۂ قرب کا بیان ہے۔ چوتھا اعتراض۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ نیک بندوں پر ابلیس کا تسلط نہیں چل سکتا نہ ہو سکے تو پھر ایوب علیہ السّلام پر کیوں تسلط ہو گیا سورۃ حجر آیت ۴۲ اور سورۃ اسریٰ آیت ۶۵ میں ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہو سکتا۔ سورۃ نحل آیت ۹۹ میں ہے۔ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۔ یعنی ابلیس کا تسلط اللہ کے متوکل مومن بندوں پر نہیں ہو سکتا سورۃ نحل آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ یعنی ابلیس کا تسلط صرف اُن فاسق لوگوں پہ ہے جو اس سے دوستی لگاتے ہیں اور اُن کافروں پر ہے جو اُس کے کہنے سے مشرک بنے مگر سورۃ ابراہیم آیت ۲۲ میں ہے کہ قیامت میں ابلیس کفار سے کہے گا۔ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ۔ یعنی دنیا میں میرا تم پر کچھ تسلط نہ تھا۔ صرف اتنی بات تھی کہ میں نے تم کو بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔ ان آیات سے ثابت ہو رہا ہے کہ نیک بندوں پر ابلیس کا قبضہ نہیں ہو سکتا مگر ایوب علیہ السّلام کی ہر ہر چیز پر ہو گیا وہ تربی تھے۔ اس کی کیا وجہ جواب۔ تسلط کی چار قسمیں ہیں ۱ اعمال و ایمان وعقائد پر تسلط ۲ جان ومال جسم اولاد پر تسلط ۳ اذیت کا تسلط ۴ اِتباع کا تسلط ان آیت میں جس تسلط کی نفی فرمائی جا رہی ہے وہ ایمان اعمال پر تسلط ہے۔ یعنی ابلیس کا تسلط نیک بندوں کے ایمان اعمال وعقائد پر ہرگز کبھی نہیں ہو سکتا۔ فاسقین کافرین کے ایمان واعمال پر ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ ایوب علیہ السّلام کے ایمان واعمال پر اس قسم کا تسلط قطعاً نہ ہوا تھا نہ ہو سکا حالانکہ ابلیس نے ہزار قسم کے زور لگائے بھیس بدل بدل وسوسے ڈالے ابلیس کا یہ تسلط بھی صرف ورغلانے اور وسوسے ڈالنے کی حد تک ہی ہے۔ اسی تسلط کے لیے اُس نے لمبی عمر اور صحت تندرستی والی مہلت مانگی تھی۔ ابلیس کا یہ ہی تسلط صرف فاسقین کافرین پر قائم ہو جاتا ہے لیکن نیک بندوں پر قائم نہیں ہوتا۔ مگر جس تسلط کی نفی قیامت میں ابلیس کرے گا وہ اذیت دینے کا تسلط ہے یعنی کسی انسان پر جبر تشدد پکڑ گرفت بربادی بیماری دینے کا تسلط ابلیس کو کسی پر

حاصل نہیں۔ ایوب علیہ السلام پر اذیت کا تسلط ہو جانا یہ ایک مخصوص اور عارضی چیز تھی جو ابلیس نے صرف ایوب علیہ السلام کے لیے وقتی طور پر خود طلب کی تھی اور اسے کچھ دنوں کے لیے یہ تسلط دیا گیا۔ پھر ختم کر دیا گیا۔ نہ پہلے کسی پر تھا نہ اب کسی پر ہے۔ ابلیس نے مہلت مانگتے وقت کہا تھا۔ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ یعنی میں صرف ورغلا کر راہِ حق سے اغوا کروں گا۔ (سورۂ ص آیت ۸۲ و ۸۳) ابلیس خود بھی جانتا ہے کہ میں صرف انسانوں کو وسوسے ڈال کر ورغلا سکتا ہوں جس کا اثر کسی کو ہوتا ہے کسی کو نہیں۔ اس تسلط میں تو ایوب علیہ السلام بلکہ ان کی بیوی کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکا نہ ایمان نہ اعمال۔ پانچواں اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ قرآن مجید نے فرمایا۔ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یعنی ایوب بہت بڑے بے مثل صابر اور اچھے بندے تھے مگر کچھ مفسرین نے لکھا کہ ایوب علیہ السلام نے بہت بے صبری ناشکری کی سر پر خاک ڈالی خدا تعالیٰ کی خوب شکایت کی اپنی عبادت کا تذکرہ کر کے رب کی ناانصافیوں کا ذکر کیا معاذ اللہ پھر بعد میں توبہ کر لی۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب۔ نہ مطابقت ہو سکتی ہے نہ کرنے کی ضرورت رب تعالیٰ کا کلام برحق ہے۔ مفسرین کے اقوال باطل گمراہ کن ردی میں جلانے کے قابل ان مفسرین نے جو کچھ لکھا وہ سب عیسائیوں کی کتابوں سے نقل کیا اور عیسائی تو بجز عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام کو گناہگار ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے کفارے کا مسئلہ اور الوہیتِ مسیح کا عقیدہ درست رہے۔ جو پولوس یہودی نے عیسائی بن کر بنایا اور عیسائیوں کو دھوکہ دیا۔ دشمن لکڑی صلیب کو چھوا لیا۔ عیسائی بے وقوف بن گئے یہودی جیت گئے۔ آج تک ایسا ہو رہا ہے۔ ہمارے مفسر بھی بعض دفعہ اس طرح کا دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ۔ اور وہم و تخیل کے شیاطینِ باطن میں سے کچھ طاغوتی قوتیں ہم نے عقلِ علمی کے لیے مسخر فرما دیں جو عقلِ علمی کے حکم سے ہیولۂ جسمانی کے سمندروں میں غوطے لگا کر جزئیاتِ اسرار کے معانی اور کلیاتِ ابرار کے موتی نکال لیتے ہیں اور یہی طاغوتی قوتیں جب عقلِ علمی کے قابو میں آجاتی ہیں تو اس کے علاوہ بھی ترکیبِ صالحات تفصیلِ عملیات، شریعت کی مصنوعات طریقت کے ملبوسات کے عمل کرتی

ہیں برے شیطین کی ان اچھی افکار واعمال کی حفاظت بھی ہم ہی کرتے ہیں اور کذب وباطل کی کھوٹ وملاوٹ سے بچاتے ہیں ورنہ یہ جسم انسانی کے وہم وتخیل بڑے بڑوں کو خراب کر دیتے ہیں ان ہی شیطانوں کی سرکشی سے بڑے بڑے عقل والے ڈرتے ہیں ان کے فساد سے ہی کفر و طغیان فسق وکفران کی فرقے اور مذہب سازی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بدن مومن میں عقل علی ایمانی کے لیے ان قوتوں کو مسخر نہ فرماتا تو تمام جسم عقل وشعور کفر فسق ظلم ہی سے بھر جاتا۔ انسان کی کمالیت یہ ہے کہ وہ آستانۂ نبوت تک پہنچ جائے اور جب یہ سعادت کسی خوش نصیب کو میسر آجائے تو ملک وملکوت کی تمام علوی سفلی اشیا اس کے لیے مسخر کر دی جاتی ہیں پھر اس کے شیطن بھی اس کے تابع ہو کر اس کے لیے اچھے کام کرتے ہیں اور ان اچھے کاموں کو بھی ان شیطانوں کے لیے آسان اور مسخر کر دیا جاتا ہے ورنہ وہ شیطین بھی باوجود طاقتور جنات ہونے کے یہ کام نہ کر سکتے۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ بدنِ انسانی میں نفسِ مطمئنہ ممتحنہ جسمانی ہے، قسم قسم کی مصیبتوں بلاؤں سے اس کا امتحان لیا جاتا ہے، بدنِ مومن کا یہی صبر معرفت کا ایوب ہے ریاضتِ بالغہ کی مشقتوں اور کمالِ زکاء کے مجاہدوں میں اس کو ڈالا جاتا ہے۔ اے مردِ مومن نفسِ ممتحنہ کی اس حالت کو یاد کر جب قوتِ شعور سے اس نے اپنے رب تعالیٰ کو شدتِ کرب کی وقت جد وجہد کی طاقت وسعت بلوغت سے پکارا کہ یا اللہ نفسِ خبیثہ کے شر سے مجھ کو ضعف نقاہت کا عجز وانکسار پہنچ گیا اور یا اللہ تو ہی روح پر وسعتِ توفیق ولیسرت ترغیب کا سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ۔ تب قبول فرمایا ہم نے نفسِ ممتحنہ کی اسی نداءِ التجا کو احوالِ روح کی گہرائیوں سے جو بلند ہوئی کمالِ اطمینان اور نزولِ سکینہ کے وقت اور کھول دیئے ہم نے اسرار کے تمام دروازے اور بچا لیا اس کو مشقتِ ریاضت سے اور ظلمتِ کرب کو نورِ ہدایت کے ذریعے مٹا دیا۔ نورِ قلبی کو طلوع فرما دیا اور واپس لوٹا دیں ہم نے قوتِ نفسانیہ اور تمام معززاتِ ایمانیہ کو ریاضت کے پانی سے ہلاک کر دیا اور جسمِ مومن کو حیاتِ حقیقیہ کی جلا بخشی اور اسی قوتِ نفسانیہ کی مثل ہم نے اس کو قوتِ روحانیہ کی امداد اور صفاتِ قلبیہ کے انوار بھی عطا فرمائے اور مزید فضائلِ خلقیہ کے اسباب ان پر وافر کئے اور علومِ جزئیہ نافعہ کے احوال بھر دئے یہ ہے نفسِ

مطمئنہ کی کامیابی پر رحمتِ لطائف کا انعام قربِ حضوری یہی ہے عالمِ معرفت میں تذکرۂ ابدی ۔ (محی الدین عربی) عارفِ صادق جب اپنی معرفت میں ثابت قدم اور مضبوط و تحقق ہو جائے تو مصائبِ راہِ طریقت اور مراحلِ منزل پر اس کا شکوا حقیقۃً انبساط اور اُس کی ندا حقیقۃً مناجات بن جاتی ہے اور بلاءِ محبوب کی تکلیف ذریعۂ قرب ہو جاتا ہے۔ حکایتِ حال کی زبان تضرع زبانِ عشق ہوتی ہے نہ کہ جزع فزع اور شکایت۔ اسی لیے ایوب علیہ السلام کی ندا اس حالتِ کرب میں بھی مَعَ اللّٰہ تھی نہ کہ مَعَ غیرہٖ۔ یہی دراصل شکر ہے یہ حالتِ اضرار باعتبارِ بشریت تکلیف و بیماری ہے مگر باعتبارِ روحانیت تائیدِ الٰہی سے مؤید ہوتی ہے اسی لیے بندہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے اور مبتلاءِ بلا کو بھی کمالِ عنایت ربانی نظر آتی ہے اور ان مصائب میں تربیتِ نفس اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ چشمۂ رحمت سے مقامِ صبر تک پہنچ جاتا ہے اور نعمتِ عبدیت کا رتبہ پا لیتا ہے۔ بندہ پکارتا ہے کہ مجھ کو بشریت کی مصیبت پہنچی اے ربِ کریم اپنے نورِ فضل سے تو ہی مجھ کو قوتِ صبر دے کر رحم فرمانے والا ہے سب مشفقوں سے زیادہ اور صفاتِ نفس کی بربادی تباہی مچانے بیماری لگاتے کو دور فرمانیوالا ہے۔ اس لیے کہ صبر صفاتِ معبودیت میں سے ہے نہ کہ صفاتِ عبدیت میں سے کیونکہ رب تعالیٰ کا نام ہی صبور ہے۔ اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ ابتلاءِ مومن کے چار فائدے ہوتے ہیں اوّلاً ریاضاتِ شاقہ سے صفائیِ وجود، دوم قسم قسم کے مجاہداتِ بدنیہ سے مقاماتِ علیا کی تکمیل سوم زینِ نفسانی پر ترکِ دنیا کی ٹھوکر۔ چہارم اس ٹھوکر سے حیاتِ حقیقیہ کا پانی مجسّم ہو کر عالمِ مثال میں آجاتا ہے پھر جب اسی سے غسلِ معرفت کیا جاتا ہے تو جسم سے امراضِ عبدیت اور قلب سے امراضِ روحانیہ زائل ہو جاتے ہیں پھر جب بندۂ مومن اس مجاہدے میں کامیاب ہو جاتا ہے تب اُس کو صفائیِ استعداد ملنے کا وقت آجاتا ہے اور فیضِ الٰہی سے قابل ہو کر بارگاہِ روحانی سے ماءِ حیات کا ظہور ہوتا ہے جس کو پی لینے کا حکم ملتا ہے۔ اُس کے پینے سے بندے کے ظاہر و باطن سے وہ تمام کلفتیں مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں جو حاضریِ بارگاہِ الٰہیہ کے لیے بُعد اور حجاب کا سبب بنی ہوئی تھیں پھر بندۂ صابر کی وہ شان ہوتی ہے کہ اُس کی صحبتِ پاکیزہ میں چند لمحات گزارنے والے نفسانیات کو بھی عزیزِ خلائق بنا دیا جاتا ہے اور ذلیل تر کو عزیز تر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اَصحابِ کہف کا کتا۔ ایوب علیہ السلام کے کیڑے یونس علیہ السلام کی مچھلی

یہ قانون کلیہ ہے کہ عزیز کا مجاور بھی عزیز بن جاتا ہے اور ذلیل کا مجاور ذلیل۔ صبا کی ہوا چمن گلزار سے گزرے تو خوشگوار خوشبودار، اگر گندگی سے گزرے تو ناپسند بدبو دار۔ یہی حال اچھی بری صحبت کا ہے۔ اور یہی فرق ہے اوصافِ نفس کے مصائب اور اخلاقِ روح کے مجاور میں کردہ اَسفَلَ السّافِلین کی کراہتوں غلاظتوں میں گر پڑتا ہے اور یہ اَعلٰی عِلّیین کی بلندیوں پر پہنچایا جاتا ہے راز تفسیر روح البیان نے فرماتے ہیں جن کے جسم میں نفسِ امّارہ زندہ ہو اُن کے بول و براز پسینے اور خون پیپ زخم میں بدبو ہوتی ہے، لیکن نفسِ امّارہ مُردہ تو اُن میں بدبو نہیں ہوتی۔

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِؕ

اور ذکر کرو اسماعیل اور ادریس اور ذو الکفل کا

اور اسماعیل اور ادریس اور ذو الکفل کو (یاد کرو)

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَۚۖ (۸۵) وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ

یہ سب ہی صبر والوں میں سے تھے۔ اور داخل کرلیا ہے ہم نے ان سب کو

وہ سب صبر والے تھے۔ اور انہیں ہم نے اپنی

رَحْمَتِنَاؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (۸۶) وَ

اپنی رحمت میں کیونکہ بے شک وہ سب اچھائی والے ہیں۔ اور

رحمت میں داخل کیا بے شک وہ ہمارے قرب کے سزاواروں میں ہیں۔ اور

ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ

ذکر کرو ذوالنون کا جب گئے وہ سخت غصہ ہو کر تب یہ خیال کیا کہ

ذوالنون کو (یاد کرو) جب چلا غصے میں بھرا

اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ

ہرگز ہم باز پرس نہ کریں گے اس پر پھر فریاد کی اندھیریوں میں اس طرح

تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے تو اندھیروں میں پکارا

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ

کہ نہیں کوئی معبود موجود مگر تو ہی۔ پاک ہے تو۔ بے شک میں ہی ہوں

کوئی معبود نہیں سوا تیرے ۔ پاکی ہے تجھ کو بے شک

كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ (۸۷) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ

ظالموں میں سے ۔ تب دعا قبول کرلی ہم نے اس کی

مجھ سے بیجا ہوا ۔ تو ہم نے اس کی پکار سن لی

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى

اور بچا لیا ہم نے اس کو غم سے اور اسی طرح بچاتے رہیں گے ہم

اور اسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے

الْمُؤْمِنِيْنَ (۸۸)

ایمان والوں کو

مسلمانوں کو

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے عبدین کے لیے ذکر عطا کیا اب ان آیت میں ان چند انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جو لوگوں کو

کو عبدیت بنانے والے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اُن انبیاءِ کرام کا تذکرہ ہوا جو ساری عمر اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے ہوئے ان کی نافرمانیوں کو برداشت کرتے رہے مگر آخر دم تک امت کو چھوڑ کر نہ گئے۔ اب اِن آیت میں اُن ایک نبی علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے جو نافرمان اُمت سے ناراض ہو کر چلے گئے مگر پھر رب تعالیٰ کی قدرت سے واپس لائے گئے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہوا جن کو ابلیس نے آزمائش میں ڈال دیا اور بہت طرح سے نقصان پہنچایا پھر بہت عرصہ بعد انہوں نے شفا کے لیے دعا مانگی جس کی قبولیت اور نجات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اِن آیت میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہوا جن کو خود رب تعالیٰ نے ایک آزمائشی مصیبت میں ڈالا پھر جب ان کو اپنی بھول کا احساس ہوا تو بارگاہِ رب العزت میں تکلیف سے نجات کی دعا مانگی جس کی قبولیت اور مصیبت سے نجات کا یہاں ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وَاَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ واؤ برجملہ یعنی ابتداءِ کلام کے لیے اسماعیل وادریس یہ غیر منصرف ہیں کیونکہ عجمی علم ہیں وَذَا الْکِفْلِ اَسماءِ ستہ مکبرہ میں سے ہے ذُو جب بحالتِ فتح ہو تو ذا ہوتا ہے مضاف ہے کِفل اسم معرف باللام مضاف الیہ ہے مصدر ہے ترجمہ ہے کِفَالَۃٌ والا کفیل و ذمہ دار بننے والا۔ یہ لقب ہے ایک نبی علیہ السلام کا اور پہلے دونوں لفظ نام ہیں دو نبیوں کے عَلَیْہِمَا السَّلَام یہ تینوں عطف ہو کر مفعول بہ ہے اُذْکُرْ پوشیدہ امر حاضر معروف واحد مذکر کا کُلٌّ اسم تاکیدی واحد جنسی بمعنی تمام ہر ایک یہ مبتدا ہے مِنَ الصّٰبِرِیْنَ جار مجرور متعلق ہے۔ یَکُوْنُوْنَ فعل تامہ پوشیدہ کا یہ فعل فاعل (پوشیدہ) متعلق مل کر جملہ فعلیہ تامہ علت ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کی سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا واؤ برجملہ اَدْخَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ہے فِیْ رَحْمَتِنَا۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اَدْخَلْنَا کا۔ اِنَّ حرف مشبہ ھُمْ ضمیر اس کا اسم اس لیے یہ ضمیر منصوب متصل ہے۔ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ یَکُوْنُوْنَ تامہ پوشیدہ کا متعلق ہے یہ پوشیدہ فعل با فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے اَدْخَلْنَا کی سب مل کر

۱ لَنْ نُقَدِّرَ باب تفعیل سے جمع متکلم ۲ لَنْ یُقَدَّرَ باب تفعیل سے مجہول مضارع واحد مذکر غائب ۳ لَنْ یُقْدَرَ باب ضَرَبَ سے مجہول مضارع واحد مذکر غائب واللہ اعلم۔ فَ حرف عطف نَادٰی باب مفاعلہ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب یہ مفاعلہ بھی مبالغے کے لیے نہ کہ دو طرفہ عمل کے لیے اس کا مصدر ہے مُنَادِیَۃٌ، مُنَادَاۃٌ و نِدَآءٌ۔ نَدٰی سے بنا ہے بمعنیٰ فریاد کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے ذَا النُّوْنِ فِی الظُّلُمٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے نَادٰی کا جمع مؤنث سالم ہے اس کا واحد ہے ظُلْمَۃٌ بمعنیٰ اندھیرا، اندھیری۔ اَنْ حرف مشبہ مثقلہ سے مخففہ کیا گیا یہاں ضمیر شان پوشیدہ ہے دراصل تھا اَنَّہٗ۔ لَا حرف نفی جنس اِلٰہ اسم مفرد نکرہ مبنی بر فتحہ اس کا اسم منصوب مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثنا متصل اَنْتَ اسم ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے سُبْحَانَ اسم مصدر بروزن فُعْلَان غُفْرَان بمعنیٰ پاک ہونا ہر کمی کمزوری نقص و عیب سے یہ خصوصی صفت ہے اللہ تعالیٰ کی مضاف ہے کَ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا کی۔ اَنْتَ اپنی اس خبر سے مل کر مستثنیٰ ہوا اِلٰہ کا دونوں مل کر اسم ہے لَاءِ نفی کا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ لا کی خبر ہے۔ لَا اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا ہوا بعض لوگوں نے اَنْتَ کو اِلٰہ کا بدل البعض بنایا ہے واللہ اعلم۔ اِنِّیْ اِنَّ حرف مشبہ یْ ضمیر متکلم منصوب متصل اس کا اسم ہے کُنْتُ فعل ناقص با فاعل واحد متکلم مِنَ الظّٰلِمِیْنَ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ الظّٰلِمِیْنَ اسم فاعل جمع کثرت مذکر سالم مجرور ہو کر متعلق ہے کُنْتُ کے سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب دوم ہوا نَادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے ظَنَّ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے ذَھَبَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَ نَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَ کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ فَ زائدہ تعقیبیہ یعنی پھر یعد بھی کچھ دن بعد اِسْتَجَبْنَا باب استفعال کا ماضی مطلق۔ جمع متکلم با فاعل لَہٗ جار مجرور اس کا متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا واؤ عاطفہ زائدہ نَجَّیْنَا باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اس کا مصدر ہے تَنْجِیَۃٌ۔ تَنْجِیْئَۃٌ سے معلل ہے نَجْیٌ سے مشتق اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہٗ ضمیر مفعول بہٖ مِنْ حرف جر بمعنیٰ عَنْ زوالیہ غَمٌّ اسم مفرد نکرہ معرب بمعنیٰ قلبی تکلیف یہ جار مجرور متعلق ہے نَجَّیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا واؤ پھر جملہ ک حرف تشبیہ ذٰلِکَ اسم اشارہ

بعبدی مجرور ہے متعلق مقدم ہوا۔ نُنْجِی باب افعال کا فعل مضارع بمعنی مستقبل یا بمعنیٰ حال نجی "ناقص یائی سے مشتق ہے ایک قرأت نُجّی باب تفعیل سے ہے۔ ایک قرأت نُجِّی ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ دونوں نون میں سے پہلی علامت مضارع ہے اور دوسری نون ف کلمہ ہے اور کسی کو بھی حذف کرنا جائز نہیں ہے نہ علامت کو نہ ف کلمہ کو اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔ الف لام اسمی استغراقی بمعنی تمام مومنین جمع مذکر سالم ہے مومنٌ اسم فاعل کا۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے نُنْجِی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وَاَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور اے محبوب کریم تذکرہ فرمائیے

اُن تمام اقوام عالم کے سامنے جو تا قیامت ہونے والی ہیں اُس عظیم الشان صبر انبیاء علیہم السلام کا بھی جو ہمارے اسماعیل اور ادریس اور ذی الکفل کے اجسام مقدسہ پر ظاہر ہوا تمام انبیاء ہی صبر میں کامل شکر میں اکمل حلم میں مکمل ترین ہوتے ہیں ان تینوں نبیوں کا صبر تمام انبیاء علیہم السلام کے صبر کا نمونہ عظمیٰ ہے اور ان سب کو بھی ہم نے اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ کر داخل کر لیا تھا اس طرح کہ ان کی ہر ادا ہر قول فعل عمل میں چاروں طرف دائیں بائیں اوپر نیچے آگے پیچھے ظاہر و باطن ہماری رحمت ہی رحمت رہی ان کی زندگی کا ہر پہلو ہر لمحہ ہر ساعت ہماری رحمت میں تھیں اور ان کی اُمتیں اُن کے وجود مسعود کی رحمت میں ہوتی تھیں۔ بے شک یہ سب ہماری رحمت تامہ عنایت کاملہ کی صلاحیت و قابلیت رکھنے والوں میں سے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کے پارہ دوم سورۃ بقرہ کی آیت ۱۵۵ میں صبر کرنے کے آٹھ مقام بیان فرمائے پہلا مقام۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ یعنی اے ایمان والوں ہم کسی بھی طرح تم سب کو آزمائش میں ڈالیں گے۔ دوسرا مقام بِشَیْءٍ کسی بھی چیز سے۔ مقام سوم۔ مِّنَ الْخَوْفِ دشمن یا دنیا کے خوف کے ذریعے مقام چہارم۔ وَالْجُوْعِ اور اختیاری یا اضطراری بھوک سے۔ اختیاری بھوک مثلاً روزہ رکھنے کا حکم دے کر اضطراری مثلاً غربت کے فاقے دے کر۔ مقام پنجم۔ وَنَقْصٍ۔ اور کسی بھی قسم کا نقصان دے کر۔ مقام ششم۔ مِّنَ الْاَمْوَالِ مال کے ذریعے دے کر یا لے کر مقام ہفتم۔ وَالْاَنْفُسِ۔ اور جانوں کے ذریعے اولاد دے کر یا لے کر۔ مقام ہشتم۔ وَالثَّمَرٰتِ اور باغ بغیچہ کھیت کھلیان کے پھلوں میں نقصان کے ذریعے۔ ان مقامات صبر کو بیان

کرنے کے بعد سورۃ احقاف آیت ۳۵ میں ارشاد ہوا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ اے بندۂ مومن صبر کے ان تمام مقامات میں ایسا صبر کرنا جو مشابہت رکھے اُس صبر سے جیسا صبر کیا اُولُوا الْعَزْم رسولوں نے۔ صبر کرنے کی چار صورتیں اور طریقے ہیں ۱ صبر استقامت ۲ صبر التزامت ۳ صبر ادامت ۴ صبر طمانیت۔ یعنی مصائب میں حقانیت پر ثابت قدمی یہ استقامت ہے۔ اور امر و نہی کی پابندی اطاعت یہ التزامت اور لزوم ہے۔ اوقاتِ عبادت میں تا حیات ہمیشگی یہ ادامت ہے۔ اور اپنے مصائب کا کسی کے سامنے شکوہ شکایت کا اظہار نہ ہونے دینا یہ طمانیت ہے۔ کُل کائناتِ انسانیت میں بارہ قسم کے صبر ہیں ۱ امیری کے بعد غریبی ملنے پر صبر ۲ سب اولاد کے ایک دم مر جانے پر ۳ بیماری پر صبر ۴ اپنی جان کی قربانی دینے پر صبر ۵ غریب الوطنی یعنی جبری ہجرت پر صبر ۶ وعدہ نبھانے پر صبر ۷ لوگوں کی اذیت پر صبر ۸ تبلیغ کی مشقتوں پر صبر ۹ جہلا کو پڑھانے سکھانے اُن کے ساتھ مغز ماری پر صبر ۱۰ تمام عمر روزے رکھنے کی کفالت پر صبر ۱۱ پوری زندگی ساری رات نماز پڑھنے کا وعدہ کر کے نبھانے پر صبر ۱۲ کسی پر غضب و غصہ نہ کرنے کے وعدہ ادا کرنے پر صبر اور بدلہ لینے کی قوت کے باوجود بدلہ نہ لینے پر صبر۔ اِن آیت میں ان ہی تمام قسم کے صبرِ انبیا کے چرچے کرنے کا حکم ہے تاکہ انسانوں کے سامنے انبیا کی یہ شان بھی ظاہر ہو۔ چنانچہ ابھی گزشتہ آیات میں صبرِ ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کا ذکر ہوا اِن آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے علمِ غیبی نبوی کے بیان سے لوگوں کو بتائیے کہ اسماعیل علیہ السلام کا صبر کس نوعیت کا تھا اور ادریس علیہ السلام کا صبر کیسا تھا اور حضرت ذی الکفل کا صبر کیسا تھا۔ یہاں رب تعالیٰ نے خود صبر کی تفصیل نہ بتائی اس لیے کہ جس ذاتِ محبوب کو تذکرے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ذاتِ گرامی تمام اولین و آخرین کے ہر حال و مقال کو جانتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اجمالی حکمِ ربانی کو سن کر حدیثِ پاک میں اس کی تفصیل خود بیان فرما دی اور فرمایا کہ اسماعیل کے تین صبر مشہور ہیں پہلا صبر یہ کہ اپنے آپ کو ذبح کے لیے بلا تامل پیش کر دیا دوم یہ کہ بے آب و دانہ بیابان میں غریبانہ عمر گزار دی اپنے وطن سے دور تعمیرِ کعبہ اور آبادیِ مکہ کی مشقتیں برداشت کیں سوم یہ کہ ایفائے عہد میں کمال کو پہنچے۔ ادریس علیہ السلام کے بھی تین صبر مشہور ہوئے ایک یہ کہ آپ نے تمام عمر اپنی قوم کی اذیتیں برداشت کیں بعثتِ رسالت سے رفعتِ آسمانی تک دوم یہ کہ قوم کے جُہلا حمقا نا قدروں کو درس و تدریس دینے کی مشقت میں عمر گزار دی

سوم یہ کہ دن رات تبلیغ کی مشقت فرمائی۔ کبھی بے صبری نہ دکھائی۔ ذی الکفل علیہ السّلام کے بھی تین صبر مشہور ہوئے ایک یہ کہ ساری ساری رات تمام عمر ہر حال میں نمازیں پڑھنے میں گزاری کبھی بھی سستی یا غفلت نہ کی دوم یہ کہ تمام عمر ہر دن روزہ رکھنا۔ سوم یہ کہ تمام عمر کبھی کسی پر غصہ یا غضب نہ فرمایا اگرچہ کسی نے کتنی ہی غلطی یا حماقت کی ہو۔ ان آیت سے پہلے ابھی صبر ایوب علیہ السّلام کا ذکر گزرا۔ صبر ایوب کا نام صبر جمیل ہے صبر اسماعیل کا نام صبر جلیل ہے۔ صبر ادریس کا نام صبر کثیر ہے۔ اور صبر ذی الکفل کا نام صبر کبیر ہے۔ ہر نبی کے پاس یہ سب صبر ہیں۔ اظہار کسی کسی پر فرمایا گیا اور شان سب کی بتائی گئی۔ کیونکہ۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۵) فرمایا یہ جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کا صبر بھی بے مثل ہوتا ہے حضرت اسماعیل کا ذکر پاک قرآن مجید میں سولہ جگہ آیا تین جگہ بغیر نام کے اور تیرہ جگہ نام مبارک کے ساتھ اور ان تمام سولہ آیت میں اسماعیل علیہ السّلام کی زندگی کے پندرہ حالات بیان فرمائے گئے جو آپ کی اجمالی سوانح حیات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ سورہ صافات آیت ۱۰۱ میں فرمایا گیا۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ۔ اس آیت میں آپ کی شانِ حلیمی بردباری اور تعمیر کعبہ کے وقت آپ کی عمر بیان ہوئی ۲ یہی سورۃ صافات آیت ۱۰۳ میں آپ کے ذبح کا واقعہ اور امتحانِ عظیم صبر اسماعیل اور فدیۂ عظیم کا تذکرہ ۳ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ میں آپ کے بیابانِ غیر ذی زرع میں ہجرت و سکونت کا تذکرہ ۴ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۵ میں آپ کا نام شریف اور آپ کو طہارتِ کعبہ کی ذمہ داری ملنے کا ذکر ۵ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۷ میں آپ کا نام اور تعمیرِ کعبہ کا ذکر ۶ سورۃ بقرہ آیت ۱۳۳ میں آپ کا نام پاک اور آپ کی اتباع کرنے اور آپ پر ایمان لانے کا تذکرہ آپ کی امت کو حکم دیا گیا ۷ سورۃ بقرہ آیت ۱۳۶ نام اور صحفِ اسماعیل کا ذکر ۸ سورۃ بقرہ آیت ۱۴۰ میں نام اور آپ کے بارے میں یہودیوں کی حاسدانہ لغویات کی تردید ۹ سورۃ آلِ عمران آیت ۸۴ میں شریعتِ اسماعیل کا ذکر ۱۰ سورۃ نساء آیت ۱۶۳ میں آپ کا نام اور وحیِ اسماعیل کا ذکر ۱۱ سورۃ انعام آیت ۸۶ میں آپ کا نام اور تمام جہانوں پر آپ کی فضیلت کا بیان ۱۲ سورۃ ابراہیم آیت ۳۹ میں آپ کا نام اور بڑھاپے میں ملی ہوئی لاڈلی اولاد ہونا ۱۳ سورۃ مریم آیت ۵۴ میں آپ کا نام اور صادق الوعد ہونے کا ذکر ۱۴ یہی سورۃ انبیاء کی آیت ۸۵ میں آپ کا نام اور صبرِ اسماعیل کا ذکر ۱۵ سورۃ ص آیت ۴۸ میں آپ کا نام اور اخیار میں

سے ہونے کا ذکر ہے۔ سورۃ بلد آیت ۳ میں وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ کی قسم فرمائی گئی۔ والد سے مراد ابراہیم اور وَلَدَ یعنی بیٹے سے مراد اسماعیل ہیں کیونکہ شہر مکہ کی آبادی کا تعلق ان دوسے ہی ہے۔ حضرت اسماعیل کی اولاد میں بارہ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں ان کے اسماءِ مبارکہ ترتیب ولادت کے لحاظ سے حسب ذیل ہیں۔ پہلا فرزند۔ حضرت نابت ان کی عمر ایک سو نوے سال ہوئی آپ کی ہی نسل بعد میں اصحاب حجر کہلائی دوم قیدار آپ کی عمر ۱۵۰ سال ہوئی ان کی نسل اور قوم کا نام اصحاب الرس مشہور ہوا سوم ادبیل آپ کی عمر ایک سو سال ہوئی چہارم بیٹی سماۃ بشامہ پنجم ہشام آپ کی عمر ۶۵ اسال ہوئی ششم فرزند سماع ہفتم فرزند دوما ہشتم منشا۔ نہم فرزند ہدار دہم تیما۔ گیارھواں بیٹا یطور بارہواں بیٹا نافیش تیرھواں بیٹا قیدما۔ چودھویں اولاد بیٹی محلات آپ کے یہ بارہ بیٹے اپنی اپنی نسل قوم کے بارہ رئیس ہوئے ان ہی سے عرب کے بارہ قبیلے بنے۔ ان کے یہ نام عبرانی لغت اور زبان کے تھے (از تاریخ طبری جلد دوم اور تاریخ عرب جلد اوّل) لفظ اسماعیل کا معنیٰ ہے۔ مطیع اللہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ مرکب ہے اسمع یا ایل سے یعنی اے اللہ سن لے میری فریاد۔ (از روح البیان) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

آپ کا حلیہ شریف اس طرح لکھا ہے کہ لمبا قد سفید رنگت پتلا بدن خوب صورت نقش بڑی آنکھیں بہت تیز دوڑ لیتے تھے بال سیدھے داڑھی مبارک ہلکی جسم پر بہت کم بال آپ کا مزار شریف اپنی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب حطیم کعبہ کے اندر زیر زمین پوشیدہ ہے۔ (طبری۔ ابن خلدون) آپ کی عمر ۱۳۶ اسال ہوئی تفسیر صاوی نے فرمایا کہ آپ کی کل عمر ایک سو تیس سال ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر نوے سال تھی تاریخ ابو الفدا نے آپ کی کل عمر ۱۳۷ اسال لکھی ہے آپ کی بعثت دو قوموں کی طرف ہوئی ۱ قوم یمن قدیمی ۲ اور قوم عمالقہ یہ دونوں قدیم قومیں تھیں اور آب زمزم کی وجہ سے مکہ میں آباد ہو گئیں یمن اور عمالقہ حضرت آدم علیہ السّلام کے دو فرزند تھے بعض نے کہا یہ نوح علیہ السّلام کے پوتے تھے دونوں بھائی تھے ان کے ہی نام سے ان کی نسلوں کا نام چلا۔ علاقہ یمن بھی یمن کے نام پر ہوا۔ قوم یمن کی ایک لڑکی سے اسماعیل علیہ السّلام کا دوسرا نکاح ہوا آپ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی اس قوم میں اولیاء اللہ بہت ہوئے۔

ادریس علیہ السلام کا مختصر واقعہ

آپ حضرت آدم کے چھٹے پوتے یعنی آدم علیہ السلام آپ کے چھٹے دادا۔ حضرت ادریس زمین پر تیسرے صاحب شریعت نبی رسول تھے نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے نوح علیہ السلام کے پڑدادا وفاتِ آدم علیہ السلام کے وقت آپ کی عمر سو سال تھی مگر ابھی مبعوث نہ ہوئے تھے۔ اس وقت آپ شریعت آدم کے مبلغ علم اور مدرس تھے دو سو سال کی عمر میں قوم عمالقہ کی طرف مبعوث ہوئے اور ڈھائی سو سال تبلیغِ نبوت فرمائی۔ آپ کی زمینی عمر چار سو پچاس ہوئی آپ کا علاقہ رسالت بابل اور مصر ہے۔ آپ کو زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا آپ کی رہائش اب تک جنت میں ہے لفظِ ادریس آپ کا لقب ہے آپ کا نام اخنوخ چونکہ اَلقاب میں کوئی صفت ہوتی ہے اس لیے قرآنِ مجید میں صاحبِ لقب انبیا کے اَلقاب ہی مذکور ہوئے آسمان پر جانے کا تفصیلی واقعہ سورۃ مریم آیت ۵۶، ۵۷ سولھویں پارے کی تفسیر نعیمی میں گزرا۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے ۱ ادریس ابن یاور ابن مہلائیل ابن قینان ابن انوش ابن شیث ابن آدم علیہم السلام۔ ادریس علیہ السلام نے زمین پر اکیس علم پھیلائے اور درس دیئے اسی لیے آپ کا لقب ادریس ہوا۔ یعنی بہت درس و تدریس فرمانے والے رسول ۱ علمِ قلم یعنی کتابت ۲ علم رمل ۳ علم کیمیا ۴ علمِ ریمیا ۵ علم سیمیا ۶ علمِ نجوم ۷ علمِ خیاطی یعنی سلائی ۸ علمِ قرأت (پڑھنے کا علم) ۹ علمِ تدریس یعنی پڑھانے کا علم ۱۰ علمِ تعبیرات ۱۱ علمِ حروف ابجد ۱۲ علم ہندسہ ۱۳ علمِ جغرافیہ ۱۴ علم توقیت ۱۵ خطوط ۱۶ علمِ حساب ۱۷ علمِ حکمت ۱۸ علم سیاست یعنی نظامِ حکومت ۱۹ علمِ سپاہ گری لشکر سازی ۲۰ علمِ شریعت ۲۱ علمِ منطق یعنی طرزِ تکلم کا علم اتنی محنت۔ اتنے احسانات کے باوجود ہر کافر قوم نے ہمیشہ آپ کو اذیتیں ہی دیں جب قوم کفار کی اذیتیں آپ پر اور آپ کے اہل ایمان اُمتیوں پر حد سے بڑھ گئیں تب آپ کو مع مومنین بابل سے ہجرت کا حکم ربانی ملا آپ نے یہ حکم متبعین کو سنایا تو وہ عرض کرنے لگے کہ بابل جیسی سرسبز و شاداب علاقہ زمین چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا آپ نے فرمایا کہ جہاں ایمان کی شادابی اور آزادی نہیں وہاں رہنے کا کیا مزہ اور پھر جس رب تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ شاید اس سے بھی اچھا علاقہ

تم کو عطا فرمائے اس کی رحمت وسیع ہے یہ وعظ و نصیحت اور حکم سن کر سب لوگ ہجرت کے لیے تیار ہو گئے آپ ان کو لے کر مصر چلے آئے یہ علاقہ واقعی بابل سے بھی زیادہ سرسبز تھا اس لیے آپ نے مصر کا نام بابلیون رکھا۔ اسرائیلیات میں مصر کو اب بھی بابلیون ہی لکھا جاتا ہے۔ علاقہ مصر کا نام نوح علیہ السلام کے پوتے مصر بن حام کے نام پر ہے۔ یاد رہے کہ دنیا میں جتنے بھی قدیم علاقہ ہیں وہ یا تو آدم علیہ السلام کے بیٹوں پوتوں نے آباد کیے یا نوح علیہ السلام کے بیٹوں پوتوں نے اور جس شخص نے جس علاقہ کی بنیاد رکھی اس علاقہ کا نام اسی شخص کے نام پر رکھا جاتا رہا۔ مثلاً ہند، سندھ، یمن، مصر، ملتان، بلوچستان وغیرہ۔ آج کل ہند تین ملکوں میں تقسیم ہے۔ انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش۔ لفظ انڈیا ہندیا سے بگڑا لفظ ہے آپ نے مصر میں بھی درس و تدریس تعلیم و تبلیغ کا وہی سلسلہ جاری فرمایا۔ صرف آپ ہی وہ نبی ہیں جو یکے بعد دیگرے دو قوموں کی طرف مبعوث فرمائے گئے یعنی قوم عمالقہ بابل میں اور دوسری قوم قبطی مصر میں۔ بابل اور مصر میں اس وقت تقریباً بہتر زبانیں بولی جاتی تھیں آپ ہر قبیلے کو اسی کی زبان میں تبلیغ و تدریس فرماتے پڑھاتے اور سکھاتے۔ اسی طرح گویا کہ آپ کو ان زبانوں میں سے بہتر زبانیں آتی تھیں اس کے علاوہ بھی آپ کو اور بہت سی زبانیں یقیناً آتی ہوں گی اس لیے کہ جیسا بندہ آپ کے پاس آتا آپ اسی کی زبان میں اس سے ہم کلام ہوتے آپ کی رفعت آسمانی مصر سے ہی ہوئی۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا حلیہ مبارکہ و عادات لطیفہ

آپ گندمی رنگ کے تھے عام قد تھا۔ گھنی داڑھی چار انگل برابر رکھتے تھے۔ سر کے بال سیدھے اور ہلکے تھے شکل بہت ہی حسین ملاحت وجاہت والی ہڈی چوڑی جسم کشادہ بھرا ہوا مضبوط بازو۔ سرمگین چمک دار آنکھیں خاموشی پسند نگاہیں ہمیشہ نیچی رکھتے اکثر سوچ و فکر میں رہتے وعظ و تکلم کے وقت صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

حضرت ذی الکفل علیہ السلام کا مختصر واقعہ

سلسلہ نبوت اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام

کے خلیفہ حزقیل علیہ السّلام اُن کے خلیفہ الیاس علیہ السّلام اور اُن کے خلیفہ اُن کے چچازاد بھائی یسعٰ علیہ السّلام اور اُن کے خلیفہ ذی الکفل علیہ السّلام ہوئے۔ حضرت ذی الکفل کا زمانہ موسیٰ علیہ السّلام سے پانچ سو سال بعد ہوا۔ اور عیسیٰ علیہ السّلام سے پانسو ستانوے سال پہلے ہوا۔ آپ کی بعثت عراق کے علاقہ دریائے خابور کے کنارے بستی یروشلم میں ہوئی آپ قومِ بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ یہی زمانہ بخت نصر کی ظالمانہ حکومت کا ہے۔

آپ کی خلافت کا واقعہ

مسند ابن ابی حاتم میں بروایت ابوموسیٰ اشعری اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک منقطع روایت نقل فرمائی اسی طرح تاریخ ابن جریر میں امام مجاہد تابعی کے حوالے سے ایک قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ حضرت یسع نبی جب بوڑھے ہوگئے تو وحیِ الٰہی آئی کہ اب وفات قریب ہے اپنا خلیفہ مقرر کر دو جو تمہارے سب کام عبادت ریاضت تبلیغ قضا تمہاری عادت اور طریقے کے مطابق ادا کرتا رہے۔ حضرت یسع وہ خصوصی نبی تھے جو اپنی امت کے نبی رسول بھی تھے بادشاہ بھی اور عدالت کے قاضی بھی۔ بلوغت سے تا وفات ہر دن میں روزہ رکھا ہر رات میں ساری رات عبادت فرماتے سو رکعت نماز پڑھتے۔ وقت اشراق سے دوپہر تک عدالت کے فیصلے فرماتے اس کے بعد چار گھنٹے قیلولہ فرما کر سوتے پھر اُٹھ کر باوضو عدالت میں بیٹھتے صحفِ موسیٰ و توریت کی تلاوت فرماتے پھر دوبارہ عدالت لگاتے شام تک فیصلے فرماتے پھر عدالت ختم کر کے روزہ افطار کرتے اور پھر ساری رات کی عبادت میں مشغول ہو جاتے جو سحر تک جاری رہتی سحری کھا کر روزہ رکھتے۔ تبلیغ رسالت عدالت کے اوقات میں ہی جاری رہتی یہ تا عمر کے معمولات تھے۔ جب آپ کو وحی کا حکم ملا تب آپ نے ایک مخصوص محفل منعقد فرمائی اور حاضرین سے فرمایا کہ میری وفات قریب ہے اس لیے میں اپنا ایک ایسا خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں جو میرے بعد میری تمام ذمہ داریاں ادا کرے میرے دن رات کے معمولات کی پابندی کرے جس میں تمام عمر دن میں روزہ

شب بیداری کی عبادت تاحیات دو وقت عدالت کے فیصلے اور پھر تاعمر کسی پر غصہ نہ کرنا۔ اس بھاری ذمہ داری کی پابندی کی کسی میں ہمت نہ تھی اسی لیے کوئی نہ بولا صرف ایک آدمی شبیر نامی نے عرض کیا کہ میں ان سب ذمہ داریوں کو تا عمر پابندی کے ساتھ نبھانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ آپ نے اس جوان کی بات کو کچھ اہمیت نہ دی اور مجلس برخاست فرما دی دوسرے دن پھر ایک مجلس عام منعقد فرمائی جس میں کچھ نئے لوگ بھی آئے آپ نے اسی طرح گفتگو فرمائی تب بھی کوئی شخص اس مشکل ترین پابندی نبھانے کی ہمت نہ کر سکا اور کوئی نہ بولا تب پھر یہی جوان کھڑا ہوا اور کل کی طرح پابندی کا وعدہ کیا حضرت یسع پھر خاموش رہے اور مجلس ختم فرما دی اسی طرح تیسرے دن مجلس بلائی گئی تب بھی کوئی نہ بولا بجز اس جوان کے اس نے عرض کیا یا حضرت میں ان باتوں عبادتوں کی کفالت پابندی سے قبول کرتا ہوں تو حضرت یسع نے فرمایا کہ واقعی تم ہی ذی الکفل یعنی سچی کفالت والے ہو اور آپ کو اپنا خلیفہ مقرر فرما کر اعلان کر دیا کہ میرے بعد یہی تم لوگوں کا بادشاہ اور قاضی ہوگا۔ اس شبیر یا بشیر نامی جوان کو حضرت یسع نے ذی الکفل کا لقب دیا قرآن مجید میں اسی لقب سے آپ کا تذکرہ دو جگہ فرمایا گیا۔ ایک یہیں سورۃ انبیاء آیت ۸۵ میں اور دوسری جگہ سورۃ ص آیت ۴۸ میں یہاں آپ کے صبر کی شان عظمت بتائی گئی اور وہاں آپ کو اخیار میں شامل کرنے کا ذکر فرما کر آپ کی نیکیوں اور مقام اعلیٰ و تذکرۂ ملائکہ آسمانی کا اشارہ فرمایا گیا۔ ذی الکفل علیہ السلام نے حضرت یسع کی موجودگی میں ان کی تعلیم و تربیت سے دو ماہ تک بات و عبادت اور عدالت کی تمام ذمہ داریاں بخوبی سرانجام دیں پھر حضرت یسع علیہ السلام فوت ہو گئے حضرت یسع کا مزار مقدس شہر سبسطین میں ہے۔ فلسطین کے اسی شہر میں حضرت زکریا اور آپ کی زوجہ محترمہ کے مزار مقدس بھی ہیں اب یہ شہر فلسطین کے اس حصے میں ہے جس پر اسرائیل حکومت ہے۔ جس وقت آپ کو حضرت یسع کی خلافت ملی اس وقت آپ کی عمر تیس ۳۰ سال تھی اور دس سال بعد اسی قوم میں آپ کو نبی مبعوث فرمایا گیا۔ یعنی حسب قانون الٰہی چالیس سالہ عمر میں حضرت ذی الکفل کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی آپ کی بھی شریعت علیحدہ تھی حضرت یسع اور آپ کی چند خصوصیات آپ دونوں نبی رسول بھی تھے۔ ایک ہی امت کی

طرف دونوں مبعوث ہوئے۔ ۳ یہ دونوں بادشاہ بھی تھے نبی بھی ۴ عدالت کے قاضی بھی
۵ اور یہ کہ ان دونوں کی پوری امت مومن بن گئی کوئی بھی منکر و کافر نہ تھا۔ آپ کی امت
اس وقت کے بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا۔ جب آپ کو تبلیغ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا
اور آپ کا نام اخیار میں شامل کیا گیا اور ملائکہ کو آپ کے تذکرے کا حکم ملا تب ایک
مرتبہ ابلیس آسمانوں پر گیا۔ دیکھا کہ ہر فرشتے کی زبان پر ذی الکفل کا نام اور آپ پر سلام
جاری ہے۔ ابلیس جو عداوتِ نبوت گستاخیِ رسالت میں بدنام زمانہ ہے حسد میں جل
بھُنکر پوچھتا ہے اس ذکرِ خیر کثیر کی وجہ کیا ہے تو کسی فرشتے نے ملعون کو بتایا کہ آپ
زمین پر صائم الدہر اور قائم اللیل، کاظمین الغیظ ہیں عافین عن الناس اور راحمین علی الامت
میں سے ہیں ان چیزوں کا آپ نے وعدہ کرکے ایسا سچا پکا کر دکھایا کہ اس پر قائم
و دائم ہیں اس لیے آپ کو اخیار میں شامل کر دیا گیا ہے اور ہر فرشتے کو آپ کی زندگی
بھر آپ پر سلام پڑھنے اور آپ کا تذکرہ خیر کرنے کا حکم ملا ہے۔ وہ زمین پر رب تعالیٰ کے
ذاکر ہم سب بحکم ربی آسمانوں پر اُن کے ذاکر۔ ابلیس یہ سن کر جلتا کڑھتا زمین پر بھاگا آیا
اور اپنے تمام شیاطین جنات کو جمع کیا اور کہا کہ ذی الکفل کی نمازوں روزوں عبادتوں میں خلل
ڈالو اس سے یہ نیکیاں چھڑاؤ اس کو ہر طرح ورغلاؤ وسوساؤ، سلاؤ تاکہ اس کا نام اخیار سے مٹ
جائے اس کا تعلق رب سے کٹ جائے اور اس کا تذکرہ زبانِ ملائکہ سے ہٹ جائے
چالیس دن تک یہ جنات شیاطین حضرت ذی الکفل کو ستانے ورغلانے سلانے کی
کوشش کرتے رہے مگر ذرہ بھر آپ کے کسی عمل میں خلل نہ ڈال سکے اور تھک ہار کر
بیٹھ رہے۔ تب ابلیس نے خود آپ کو غصہ دلانے کا منصوبہ بنایا اس لیے ایک دن
آپ کے قیلولے کے وقت ایک۔۔ شیخ ضعیف کی شکل میں آیا اور کہنے لگا کہ میری
قوم نے میرا حق مار لیا ہے آپ فیصلہ فرمائیں اور ابھی فرمائیں اور اتنی لمبی کہانی سنائی
کہ آپ کے سونے آرام کرنے کا سب وقت ختم ہو گیا آپ نے بڑے پیار سے اس کو
سمجھایا کہ اب تھوڑی دیر بعد میں عدالت شروع کروں گا تو اپنے تمام مدعیٰ علیہان کو لے
کر میرے پاس آنا دو طرفہ بیان سن کر فیصلہ کروں گا اور اگر آج نہ آسکو تو کل سب
لوگ عدالت کے وقت میں آنا۔ آپنے وقت بھی بتادیا اور فرمایا کہ اس وقت نہ آنا
یہ میرے سونے کا وقت ہے۔ جب پچھلے پہر عدالت شروع ہوئی تو آپ نے دیکھا

وہ بڈھا نہیں آیا دوسرے دن بھی عدالت کے وقت نہیں آیا۔ اور جب قیلولے کا وقت ہوا تو پھر آگیا اور دربان سے جھوٹ بول کر کہا کہ انہوں نے اس وقت مجھے آنے کو کہا تھا دربان نے راستہ دیدیا۔ اندر جاکر دروازہ بجایا جب آپ کمرے سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہی کل والا بڈھا کھڑا ہے اور اپنی مظلومیت کا رونا رو رہا ہے آپ نے بڑی نرمی سے فرمایا کہ نہ تم کل عدالت میں آئے نہ آج کے وقت آئے اور اب آئے ہو وہ بھی اکیلے کسی مدعیٰ علیہ کو نہیں لائے حالانکہ اس وقت آنیکو میں نے منع کیا تھا، بوڑھا بولا حضرت میرے مدعیٰ علیہ بڑے مکار ہیں جب آپ عدالت میں بیٹھتے ہیں تو کہدیتے ہیں کہ ہم تیرا حق تجھ کو دیدینگے تو ہم پر مقدمہ نہ کر لیکن عدالت کا وقت گزر جانے کے بعد منکر ہو جاتے ہیں، اور آج بھی اتنی دراز باتیں کیں کہ موتے آرام کرنے کا سب وقت ختم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ چلو عدالت میں چل کر بیٹھو اور اپنے مدعیٰ علیہ کو بھی بلا لاؤ اگر وہ نہ آئیں تو ان کا پتا نا ہم بلوالیں گے۔ مگر جب آپ عدالت میں آئے تو وہ بڈھا غائب تھا آپ نے تمام وقت انتظار کیا مگر نہ آیا دوسرے دن بھی عدالت میں نہ آیا تب آپنے عدالت سے فارغ ہوکر اپنے گھر آکر دربان سے فرمایا کہ آج یہ بڑا دروازہ کسی بھی ملنے والے کے لیئے کھولن میں دو دن سے بے آرام ہوں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھا آیا تو دربان نے کہا آج کسی کو اجازت نہیں دروازہ نہیں کھلے گا۔ ابلیس بوڑھا وہاں سے ہٹ کر پچھلی طرف گیا اور ایک روشندن کے ذریعے اندر آگیا اور آپکے کمرے کا دروازہ بجانے لگا۔ آپ کھول کر باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہی بوڑھا ہے آپنے مسکرا کر دیکھا مگر دل میں سوچا کہ میں نے دربان سے کہا تھا کہ بڑا دروازہ کسی کے لیے بھی نہ کھولنا پھر اُس نے دروازہ کیوں کھولا آپ اس سے پوچھنے کے لیے جب بڑے دروازے کی طرف گئے تو دیکھا کہ دروازہ بڑی سختی سے بدستور بند ہے پھر آپنے سوچا کہ بند دروازوں کے باوجود یہ شخص اندر کیسے آیا آپ نے اُسی سے پوچھا کہ شیخ ضعیف صاحب آپ اندر کیسے آئے۔ بوڑھا کہنے لگا کہ آپ نے مظلوموں پر دروازے بند کروا دیئے خود اندر آرام کر رہے ہو باہر مظلوم دھکے کھا رہے ہیں غرضکہ بہت گستاخانہ انداز میں بڑی غصیلی باتیں کیں اور بولا کہ میں مجبوراً اس چھوٹے سوراخ سے یعنی روشندان کے ذریعے آیا ہوں تو آپ کو پتہ لگا کہ یہ کوئی انسان نہیں بلکہ جن ہے اور جان لیا کہ ابلیس ہی ہے تب آپ مسکرا پڑے اور فرمایا ارے او دشمن خدا کیا تو ابلیس

ہے تو اُس نے اقرار کرتے ہوئے کہا ہاں میں ابلیس ہی ہوں اور بار بار آنے کا مقصد ورغلا کر آپ کو غضب اور غصہ دلانا چاہتا تھا تاکہ آپ کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی ثابت ہو جائے مگر آپ جیت گئے میں ہار گیا اور اس سے پہلے میرے تمام جنات شیاطین بھی آپ کو ورغلانے بہکانے میں ناکام ہو چکے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہوئے بھاگ گیا کہ واقعی نبوت کی ہر ہمت طاقت عبادت عادت خصلت بے مثل ہے پوری جناتی ابلیسی قوت مل کر بھی کسی نبی کے کام کو بگاڑ نہیں سکتی۔ حضرت ذی الکفل کی حیات طیبہ اسی سال ہوئی آپ کا مزار اقدس فلسطین کے ایک شہر دامون میں ہے یہ شہر بستی عکہ سے جانب مشرق تین میل دور ہے اب یہ سب علاقہ اسرائیل حکومت میں ہے۔ وَذَا النُّوْنِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور اے محبوب کریم رؤف رحیم تذکرہ فرمایئے ہمارے ایک اور بندے محبوب و مخلص ذوالنون یعنی مچھلی والے کا ان کی زندگی کا صرف وہ واقعہ بیان فرما دیجئے جب وہ ہمارے ہی دین کی خاطر اپنی نافرمان قوم سے سخت ناراض غضب ناک ہو کر اُس علاقہ سے چلا گیا تھا۔ جلد بازی صرف یہ ہوئی کہ اپنے ہی اجتہاد سے ہجرت کرلی ہمارے حکم اور اجازت کے بغیر اور ذہن و عقل میں یہی خیال بنا یا کہ یہ ہجرت درست ہے ہم اس کے اس اقدام پر ناراضگی اور گرفت نہ فرمائیں گے۔ لیکن جب اُن کے ذہنی خیال و گمان کے خلاف ان پر تنگی ڈالی اور پھر گرفت کی تب پچھتائے گھبرائے اور ہماری بارگاہ میں روئے گڑگڑائے۔ اور اُن کثیر گہری اندھیریوں میں ہم کو ہی پکارا اور دعاؤ فریاد کی ندا کی کہ اے میرے قادر قیوم رب بے شک اس تمام کائناتِ عالمین میں سوائے تیری ذات وَحْدَهٗ لَا شَرِيْك کے کہیں بھی کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں۔ تو ہی اِلٰہ ہے۔ تجھ سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ تو ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ بے شک میں بغیر تیری اجازت ہجرت کر کے اپنے آپ پر ظلم ہی کرنے والا تھا۔ اور بے موقعہ اپنے علاقہ سے نکل کر اپنی امت دعوت کو چھوڑ کر اپنا ہی نقصان کرنے والا تھا اپنے بندے کی فریاد تسبیح والی دعا تہلیل والی التجا حمد والا کلام ہمیں اتنا پیارا لگا کہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔ فوراً اپنے کرم و رحم سے ہم نے اُن کی اس

فریاد و التجا کو قبول فرمایا اور مکمل طور پر ہر غم فکر سے ان کو نجات بخشی۔ اور ساتھ ہی کے ان کلمات فریاد و الفاظ دعا کے طفیل ہم آئندہ بھی تا قیامت ہر مظلوم، مجبور، مقہور ایمان والوں کو نجات دیتے رہیں گے بشرطیکہ اسی طرح عجز و انکسار، ادب و احترام سے ہماری حمد و ثنا تسبیح و تہلیل کا سہارا پکڑ کر ہماری بارگاہ میں اپنی مظلومیت کا دامن پھیلا کر دعائیں مانگیں۔

حضرت یونس علیہ السّلام کا نام لقب، نسب، حلیہ، زمانہ، علاقہ، بعثت امت کی تعداد اور مچھلی کا واقعہ

آپ کا نام مبارک یونس تھا آپ کا ایک لقب ذُوالنون اور دوسرا لقب صاحبُ الحوت تھا۔ نون مچھلی کا جنسی نام ہے ہر چھوٹی بڑی کو کہہ دیتے ہیں اس کی جمع نینان اور انوان ہے حوت صرف بڑی مچھلی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا صاحبُ الحوت کا معنیٰ ہوا مچھلی کے اندر ساتھ رہنے والا آپ کا والد کا نام متی ہے بائبل میں آپ کو یوناہ بن اُمتی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام بدورہ تھا۔ (از تفسیر روح البیان اور بخاری شریف کتاب الانبیاء) آپ کا شجرہ نسب ہمیں معلوم نہ ہو سکا صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ حضرت بنیامین کی اولاد سے ہوتے ہوئے ہود علیہ السّلام سے جا ملتے ہیں آپ خود بنی اسرائیل میں سے تھے مگر آپ کی امت قوم نینویٰ تھی۔ آپ بہت وجیہ خوب صورت لمبے چوڑے اور پہلوانی گٹھیلے جسم والے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلوانی اور گتکہ، بنوٹ کا فن آپ کی ایجاد ہے۔ بنوٹ کے فن کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ اس میں ہاتھ یا لکڑی ڈنڈے سے جوڑوں پر مارا جاتا ہے جس سے دشمن معذور ہو جاتا ہے یہ تینوں فن یونس علیہ السّلام کی ایجاد ہیں آپ اتنے طاقتور تھے کہ دس آدمیوں کو اپنے ہاتھوں اور کندھوں پر اٹھا لیتے تھے آپ کا جسمانی رنگ بہت سفید اور شفاف تھا بال سخت کنڈل اور گھنگریالے داڑھی مقدس گھنی اور چار انگل برابر رکھتے تھے سینے اور پنڈلیوں پر کثرت سے بال تھے۔ آپ کو غصہ بہت جلد آتا تھا اپنی قوم سے تین دفعہ ناراض ہو کر نکلے اسی بار بار ناراض ہو کر نکلنے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے قرآن مجید میں مُغاضِباً فرمایا گیا باب مُفاعلۃ سے کیونکہ جب مفاعلۃ اپنے اصلی معنیٰ دو طرفہ فعل میں نہ ہو سکے تو یک طرفہ بار بار فعل مراد ہوتا ہے۔ جیسے سَافَرتُ یعنی میں نے بار بار سفر کیا اور جیسے عَاقَبتُ اللّصَّ میں نے ناکام نامراد بھاگتے ہوئے چور کا ہر طرف

سے بار بار پیچھا گیا تعاقب کیا۔ آپ کا وطن ولادت و رہائش موصل تھا۔ موصل عراق کا ایک شہر ہے آپ کی بعثت کا زمانہ آٹھ سو سال قبل مسیح ہے یہی زمانہ حضرت حزقیل علیہ السلام کا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کی نئی شریعت کے ساتھ نینوا قوم کی طرف بستی نینوی میں مبعوث فرما کر بھیجا گیا۔ آپ نے اس قوم میں چالیس سال تبلیغ فرمائی یہ بستی دریائے دجلہ کے کنارے موصل اور بابل کے درمیان فلسطین کی سرحد پر واقع تھی۔ مگر وفات یونس علیہ السلام کے سو سال بعد جب بعد والی تمام نسل کفر و ظلم میں مبتلا ہو گئی تو اس بستی پر عذاب آسمانی آیا اور یہ بستی تباہ کر دی گئی۔ اب اس کا نشان بھی نہیں ہے۔ اس وقت اس علاقے کا بادشاہ پرتھوی ہراقل نامی ایک کافر شخص تھا۔ پوری قوم زحل ستارے کی پجاری تھی اور اخلاقی عیب یہ تھا کہ قرضے لیتے مگر واپس نہ لوٹاتے۔ اٹھائی گیر بھی تھے غریب قرضدار ٹال مٹول کرتے رہتے۔ امرا اور طاقتور لوگ اپنے قرض خواہ کو قتل کر دیتے یا کرا دیتے چالیس سال تک کسی ایک شخص نے بھی آپ کی کوئی بات نہ مانی ایک دفعہ وہاں کے بادشاہ نے قانون بنایا کہ کوئی شخص کسی کو قرضہ نہ دے اس قانون سے غریبوں کو بہت مصیبت پڑی تب آپ نے بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ قانون نہ بنا بلکہ واپس کرنے کا قانون بنا اور واپس نہ کرنے کی سخت سزا مقرر کر دے۔ مگر ضدی بادشاہ نہ مانا۔ تو پہلی بار آپ ناراض ہو کر بستی سے چلے گئے مگر تیسرے دن واپس آ گئے اور تبلیغ شروع فرما دی پھر ایک دفعہ آپ نے بادشاہ سے فرمایا اگر تو مجھ پر ایمان لے آئے اور شرک کفر چھوڑ دے تو تیری حکومت کو مضبوطی اور درازی نصیب ہو گی مگر اس نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ آپ کا مذاق اڑایا اور درباریوں کو آپ کے ستانے پر لگایا تب دوسری بار آپ بستی سے چلے گئے۔ اگرچہ آپ پر ایمان کوئی نہ لایا مگر آپ کی سچائی اور غریب پروری سے متاثر ہو کر قوم آپ کا احترام کرتی تھی جب کبھی آپ ناراض ہو کر بستی سے نکل جاتے تو سب لوگ آپ کو ڈھونڈتے پھرتے تھے دوسری بار بھی آپ دوسرے دن واپس آ گئے۔ جب چالیس سال تک آپ کی تبلیغ اور مشفقانہ انداز میں سمجھانے کے باوجود کوئی مومن نہ بنا تو آپ ان سے سخت ناراض اور مایوس ہو گئے اور ان کے گستاخانہ فاسقانہ ظالمانہ بدمعاشانہ حرکتوں شرکیہ کفریہ باتوں سے سخت غمگین بھی ہوئے تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا مولیٰ تیری شانِ اقدس میں ان کی گستاخیاں بے باکیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں نہ مجھ

کو ان کے ایمان کی کوئی امید نہ رہی۔ ان پر عذابِ ذلت بھیج دے یعنی ہلاک نہ ہوں مگر دربدر ذلیل ہوتے پھریں۔ یہ بددعا قبول ہوئی اور وحیِ الٰہی آئی کہ تین دن بعد ان پر عذاب آئے گا بعض نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے آکر عذاب کی خبر دی تھی۔ خیال رہے کہ نینویٰ بستی ایک بڑی سلطنت تھی اردگرد کی اٹھارہ حکومتیں اس کی باج گزار تھیں یہ اُن کا مرکزی علاقہ تھا اس لیے یہاں کے لوگ بہت امیر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایمان سے مغرور رہے یونس علیہ السلام نے عذاب کی خبر سن کر قوم کو بتا دیا کہ تین دن بعد تم پر عذاب آجائے گا اور میں تم سے ناراض ہو کر جا رہا ہوں۔ آپ یہ کہہ کر اُسی پہاڑی غار میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے جو آپ کا منتخب غار تھا۔ قوم نے اس خبرِ عذاب کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تیسرے دن آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے سب قوم نے مع بادشاہ یہ سمجھا کہ شاید یہ ہی عذاب ہے کیونکہ ایک دو بار یونس علیہ السلام نے بتایا تھا کہ ایک گذشتہ قوم پر سیاہ بادل کا عذاب آیا تھا اور آگ برسی تھی یہ دیکھ کر سب ڈر گئے اور حسبِ سابقہ بلکہ اس سے بھی زیادہ انہماک سے آپ کو تلاش کرنے لگی جب آپ نہ ملے تو اور بھی زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔ اور گھر بار مال و دولت جانور آل اولاد چھوٹے بچے تک چھوڑ کر باہر ایک میدان میں نکل آئے ٹاٹ کے کپڑے لپیٹ لیے پالتو گھریلو جانوروں کو آزاد کھلا چھوڑ دیا اور ہر شخص نے توبہ معافی اور ایمان لانا شروع کر دیا بُت بھی توڑ دیے اور گڑگڑا کر روتے فریاد کرتے ہوئے عرض کی یا اللہ آج ہمیں بچا لے ہم شرک کفر سے سچی توبہ کرتے ہیں اور اپنے نبی کے حکم سے اللہ وحدہٗ لاشریک پر سچا ایمان لاتے ہیں یہ توبہ قبول ہوئی تھوڑی دیر کے بعد بادل ہٹ گیا یہ بادل عذاب نہ تھا مگر قوم نے اس کو عذاب سمجھا۔ عذاب اس کے بعد آنا تھا نا معلوم کس شکل میں آتا قوم خوش ہو گئی اور پھر یونس علیہ السلام کو تلاش کرتے لگی تاکہ اُن کے ہاتھ پر ایمان کی بیعت کریں اور اُن کی تعلیم سے عبادتِ الٰہی کریں۔ اُدھر حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ عذاب نہیں آیا تو آپ اس خیال سے کہ قوم میرا مزید مذاق بنائے گی رب تعالیٰ کی گستاخیاں کرے گی مجھے جھوٹا کہے گی اس شرمندگی اور لوگوں کی کفریات سننے سے بچنے کے لیے محض اپنی سوچ و فکر اور ذہنی اجتہاد سے آپ نے ارادہ کر لیا کہ میں کفار اور مغرور لوگوں میں واپس کیوں جاؤں بلکہ دریائے دجلہ کے اُس پار علاقہ یافا کے شہر ترسیس کی طرف ہجرت کر جاؤں۔ چنانچہ آپ دریا پر پہنچے وہاں کشتی تیار کھڑی تھی آپ بھی کرایہ

دے کر اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی بیچ دریا میں پہنچی تو ٹھہر گئی بہت کوشش کی گئی مگر نہ چلی تب ملاح نے کہا کہ ہم بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ جب کوئی بھاگا ہوا غلام کشتی میں بیٹھا ہو تب ایسا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یا غلام کو دریا میں پھینک دیا جائے یا پھر کشتی ڈوب جائے گی اب سارے لوگوں کے ڈوبنے ہلاک ہونے سے بہتر ہے کہ ایک اسی بھگوڑے غلام کو دریا میں پھینک دیا جائے وہ ڈوبے یا تیر کر بچ نکلے۔ حضرت یونس نے فرمایا کہ میں ہی وہ بھگوڑا غلام ہوں لیکن آپ کی وجاہت شرافت دیکھ کر کسی نے آپ کی اس انکساری و عاجزی کو تسلیم نہ کیا تب قرعہ ڈالا گیا اور تین مرتبہ آپ کا ہی نام نکلا۔ لوگوں نے پھر بھی ہچکچاہٹ محسوس کی۔ مگر آپ نے خود دریا میں چھلانگ لگا دی، کشتی فوراً چل پڑی ادھر ایک بڑی مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی اس نے آپ کو نگل لیا اور بہت نیچے دریا میں چلی گئی بلکہ دریا سے ہوتی ہوئی سمندر کی گہرائیوں میں چلی گئی۔ رب تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی یہ تیری خوراک نہیں صرف قید خانہ ہے۔ بلکہ اس کے وجود مسعود سے تجھ کو بھی مزین بنانا ہے۔ سمندر کی گہرائیوں میں آپ نے کچھ آوازیں سنیں عرض کی مولا یہ آوازیں کیسی ہیں جواب آیا یہ سمندری جانوروں کی تسبیح کی آوازیں ہیں۔ جب اردگرد دیکھا تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا آپ نے گھبرا کر عرض کیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اس ورد سے مچھلی کے پیٹ میں روشنی پیدا ہو گئی اس سے پہلے تین اندھیرے تھے ۱۔ رات کا اندھیرا ۲۔ سمندر کا اندھیرا ۳۔ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ فِي الظُّلُمٰتِ میں اسی کی طرف اشارہ ہے آپ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے اور اتنا عرصہ یہ ورد کرتے رہے اور سجدے میں پڑے رہے گویا کہ آپ نے مچھلی کے پیٹ کو مسجد بنا دیا۔ اسی لیے روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت یونس نے وہاں مسجد بنائی جہاں کوئی نہیں بنا سکتا۔ اس مسجد کے طفیل رب کریم نے اس مچھلی کے پیٹ کو عرش اعظم کی شکل افضل بنا دیا ایک بار فرشتوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا یا مولیٰ یہ عجیب سی نحیف سی آوازِ حمد و تسبیح کس بندے کی آرہی ہے، جواب آیا ہمارے نبی یونس کی مچھلی کے پیٹ سے یہ ان کی معراج ہے جو ایک عتاب کی شکل میں دی گئی ہے۔ ملائکہ نے سفارش عرض کی یا اللہ ان کو مچھلی کے پیٹ سے آزاد کر دیا جائے رب نے یہ سفارش قبول فرمائی اور مچھلی نے وہیں آکر کنارے پر آپ کو اگل دیا جہاں سے آپ نے کشتی لی تھی جب آپ زمین پر آئے تو بالکل نوزائیدہ بچے کی طرح نازک کمزور سکڑے ہوئے جسم پر کوئی بال نہ تھا

کمال نرم ہو چکی تھی۔ قدرت الہی سے آپ کے پاس فوراً ایک کدو کی بیل اُگ گئی موٹی شاخوں والی بڑے پتوں والی اُس نے اُن پر چھتری یا جھونپڑی کی طرح سایہ کر دیا۔ ایک مشک نافہ والی خوشبودار ہرنی کو حکم ہوا وہ صبح شام آپ کو دودھ پلا جاتی یا دل کو حکم تھا اپنی جگہ نہ بڑے روایتوں میں آتا ہے کہ جس دن مچھلی نے نگلا وہ دس محرم بروز جمعہ تھا مگر ایک یہ روایت ہے کہ جس دن زمین پر اُگلا وہ دس محرم بروز جمعہ تھا یہی صحیح ہے، مچھلی کے پیٹ میں قیام کی مدت میں تین قول ۱ چالیس دن رہے یہی درست ہے ۲ سات دن ۳ تین دن۔ یہ سب واقعات احادیث میں مذکور ہیں اور چالیس دن قیام کا ذکر ہے کدو کی بیل کے نیچے اور ہرنی کے دودھ پلانے کی مدت بھی چالیس ہی دن رہی۔ جس کمزور حالت میں آپ باہر آئے وہ سات یا تین دن میں نہیں ہو سکتی اس لیے عقلاً بھی چالیس کا قول درست ہے جب آپ ہر طرح مکمل طاقتور ہو گئے تو آپ کو حکم ملا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ۔ آپ بستی نینوا میں واپس تشریف لائے قوم آپ کو دیکھ کر خوش اور آپ قوم کی بدلی ہوئی ایمانی حالت دیکھ کر خوش ہو گئے۔ سب نے آپ کی بیعتِ ایمان کی پھر چالیس سال تک آپ نے نہایت اطمینان سے تمام قوم بادشاہ امراء وزراء کو شریعت و عبادت کی تعلیم عطا فرمائی اور سب کو عامل نیک متقی عُلما فضلا بنایا جب سب لوگ ہر طرح صاحب ایمان اور قابلِ علم و عمل ہو گئے، تب رب سے اجازت لے کر بستی الخلیل میں مزار ابراہیم پر مجاور بن کر خلوت نشین ہو گئے۔ یہیں پر دس سال بعد آپ کا وصال ہوا اور قریبی بستی حلحول میں آپ کا مزارِ مقدس ہے اب اس بستی کا نام حلحول ہے۔ بستی سے باہر مقام آجر میں آپ کے والد حضرت متی کا مزار ہے اور اس بستی سے دس میل دور بستی الکفر گنا میں آپ کی والدہ حضرت بدورہ کا مزار ہے اب یہ سب شہر اسرائیلی حکومت میں ہیں۔ اس وقت اسرائیلی یہودیوں کی غاصبانہ ظالمانہ حکومت فلسطین کے بیشتر شہروں پر قائم ہے۔ عربوں کی بزدلانہ فرقہ بازانہ حرکتوں کی وجہ سے۔ بعض لوگوں نے لکھا کہ آپ کا مزار نینوی شہر میں ہی تھا آپ نینوی بستی سے پھر آخر دم تک نہ گئے وہیں وصال ہوا وہیں مزار بنایا گیا۔ مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ آپ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد اسی مومن بادشاہ کی حکومت سو سال رہی وہ قوم تو اپنے ایمان پر قائم رہی مگر نئی نسل میں کفر شرک پھر شروع ہو گیا۔ ایک نبی وہاں تشریف لائے مگر ان کا کہنا کسی نے نہ مانا یہاں تک کہ جب اُس

موسن بادشاہ پرتھوی ہراقل کا انتقال ہوا تو اُس وقت پرانے مومنین میں صرف بارہ بوڑھے آدمی زندہ موجود تھے باقی سب نئی نسل تھی اور صرف چند نوجوانوں کے تمام کافر تھے۔ اس کے بعد یہاں قتلِ عام کا عذاب آیا اور فاتح بادشاہ نے پورا شہر مکمل تباہ کر دیا جلا دیا۔ اب دنیا میں نینوی نام کی کوئی بستی نہیں ہے۔ اگر مزارِ یونس یہیں ہوتا تو اُس بستی پر عذابِ تباہی وقتال کبھی نہ آتا اور نیست ونابود نہ کیا جاتا۔ اس لیے کہ جہاں نبی کا وجود ہو وہ بستی علاقہ تو تا قیامت بَارَکْنَا حَوْلَہٗ ہو جاتا ہے۔

یونس علیہ السلام کی چند خصوصیات

۱۔ آپ ایک ہی قوم میں دو دفعہ مبعوث ہوئے ۲۔ پہلی بعثت میں ایک بھی مومن نہ بنا دوسری بعثت میں سب مومن بن گئے کوئی کافر مشرک بلکہ فاسق بھی نہ رہا ۳۔ صرف آپ کی امت کی تعداد اور توصیف قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی اَوْ یَزِیْدُوْنَ کی وضاحت میں ترمذی شریف کی ایک روایت نے بیس ہزار کا ذکر فرمایا۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا کہ ایک لاکھ یا کچھ زیادہ لوگ آپ کی اُمت قوم نینوی تھے۔ زیادہ کی وضاحت میں چار قول ہیں ۱۔ بیس ہزار ۲۔ دس ہزار ۳۔ چالیس ہزار ۴۔ ستر ہزار مگر پہلا قول اس لیے صحیح ہے کہ حدیث پاک نے فرمایا۔ یونس علیہ السلام کی کُل عمر ایک سو تیس سال ہوئی۔ اس طرح کہ چالیس سالہ عمر میں پہلی بعثت پھر چالیس سال تبلیغ مگر کوئی مومن نہ بنا پھر مچھلی کا واقعہ پھر دوسری بعثت میں چالیس سال میں تعلیم، تربیت اور تدریس پھر دس سال خلوت نشینی یعنی ۴۰+۴۰ پھر ۴۰ پھر دس سال کل ۱۳۰) ۵۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر چھ سورتوں میں ہوا بحساب ترتیبِ تلاوت پہلی سورۃ نساء آیت ۱۶۳ اپ یہاں گیارہ انبیاء کے اسماء میں آپ کا نام بھی شامل وحیِ الٰہی یعنی شریعت عطا فرمانے کا ذکر دوم سورۃ انعام آیت ۸۶ پارہ ۷ یہاں اٹھارہ انبیا کے اسماءِ پاک کے ساتھ آپ کا نام شامل اور اُن سب کی تفضیلت عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کا ذکر سوم۔ سورۃ یونس آیت ۹۸ پارہ ۱۱ یہاں قوم یونس کے ایمان لانے اور عذاب سے بچ جانے کا ذکر ہے دیگر کافر قوموں کو بھی قوم یونس کے اس اچھے کردار کی پیروی کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ چہارم سورۃ انبیا آیت ۸۷ پارہ ۱۷ یہی مقام یہاں آپ کا لقب ذَا النُّوْنِ ارشاد ہوا پنجم سورۃ صافات پ ۲۳ آیت ۱۳۹ تا ۱۴۸ یہاں پانچ

فضیلتیں بیان ہوئیں ۱ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۲ تبلیغِ اُمت ۳ قوم کا عذاب سے بچ جانا ۴ مچھلی کا مختصر واقعہ ۵ اُمت کی تعداد۔ م۔ اَنَّفِ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ششم، سورۃ قلم آیت ۴۸ تا ۵۰ پ ۲۹، یہاں تین چیزیں ذکر ہوئیں ۱ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ آپ کا دوسرا صاحب لقب صَاحِبِ الْحُوْت۔ ارشاد ہوا۔ اور آپ کی اجتہادی بے صبری جلد بازی کے فیصلے کا ذکر ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیحت کہ آپ کبھی اس طرح نہ ہونا۔ ۲ آپ پر رب کی نعمت کا ذکر ۳ اگر آپ ذکرِ الٰہی کر کے دعا نہ مانگتے تو نہ ہمارا انعام ہوتا نہ تمہارا مچھلی سے تا قیامت چھٹکارا۔ یعنی آپ بھی تا قیامت زندہ رہتے بغیر کھائے پئے اور مچھلی بھی۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

وَاِسْمٰعِیْلَ میں دو قول ایک یہ کہ یہ واؤ عاطفہ ہے وَنُوْحًا پر۔ یعنی وَاذْکُرْ۔ دوم یہ کہ یہ واؤ ستر جملہ ہے اور الگ عبارت ہے یہ بتانے کے لیے کہ یہ صابرین وصالحین میں سے تھے ان کو بھی رحمتِ خاص میں داخل کیا تھا۔ مگر یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ ان کا قصہ بتا رہا ہے کہ سابقہ پر عطف ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے ذُوالْکِفْلِ میں نو قول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ ایوب علیہ السلام کے صرف چار بیٹوں کے نام تاریخ میں مشہور ہیں ۱ بڑا بیٹا حُرمل ۲ عیش ان دونوں کے مزار فلسطین کی بستی بردوہ میں ہے ۳ روبین ۴ شمعون ان دونوں کے مزار فلسطین کے ایک شہر کالول میں ہے یہ دونوں شہر اب اسرائیل حکومت میں ہیں دوم یہ کہ یہ زکریا نبی علیہ السلام کا ہی لقب ہے ۳ یہ الیاس نبی کا لقب ہے۔ چہارم قول یہ کہ یہ یوشع بن نون نبی کا لقب ہے پنجم یہ کہ یہ۔ یَسَع نبی کا لقب ہے ششم، یہودی کہتے ہیں کہ حزقیل نبی کا لقب ہے، ساتواں قول یہ کہ اکثر یت کے نزدیک آپ کا نام بشیر تھا آپ مستقل صاحبِ شریعت رسول تھے آپ کی نبوت پر چھ دلائل ہیں پہلی دلیل، قرآنِ مجید میں دوبار آپ کا لقب سے کر آپ کی فضیلت بیان فرمائی یہ خصوصیت صرف انبیا کی ہے دلیلِ دوم قرآنِ مجید میں فرمایا گیا اے محبوب آپ ذی الکفل کا تذکرہ فرمایئے یہ خصوصیت بھی صرف انبیاء کو ملی دلیلِ سوم۔ انبیا علیہم السلام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جانا کسی غیر نبی کی یہ شان

نہیں ہو سکتی نہ ایسی ہم شلی قرآن سے کسی غیر نبی کے لیے ثابت دلیل چہارم۔ انبیا کے ساتھ ذکر فرما کر ارشاد ہوا کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ یہ بھی آپ کی نبوت کو ثابت کر رہا ہے۔ غیر نبی انبیا کی مثل صابر نہیں ہو سکتا دلیل پنجم سورۃ انبیا میں آپ کا ذکر ہونا۔ دلیل ششم دوسری سورۃ ۳۸ ص کی آیت ۴۸ انبیا کے ساتھ ذکر فرما کر کُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ فرمانا یہ چھ دلائل ثابت کر رہے ہیں کہ آپ صاحب شریعت نبی و رسول تھے۔ قول ہشتم۔ بعض نے فرمایا کہ ذِی الْکِفْل نبی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ایک نیک مرد کا لقب تھا جو کسی نبی کے خلیفہ بنے تھے۔ ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ ان کی نبوت کا صراحتًا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ مگر یہ قول اور استدلال کمزور ہے۔ نبوت پر مندرجہ بالا چھ دلائل اقتضاءُ النص ہونے کے اعتبار سے مضبوط ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ آپ نبی تھے نیز آپ کی قوت وعدہ وفائی بھی نبوت پر ایک ثبوت ہے۔ غیر نبی میں اتنا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ قول نہم زمانۂ ماضی قریب کے ایک آزاد خیال اردو مفسر لکھتے ہیں کہ لفظ ذی الکفل معرب ہے ذی الکپل سے اور کپل کا معنیٰ ہے ملک اور تاج و تخت اور ذی کپل کا معنیٰ ہوا حکومت تاج و تخت والا عربی میں اس کو ذی الکفل کہا گیا۔ ذی الکپل گوتم بدھ کا شاہی نام تھا لہٰذا قرآن نے یہ گوتم بدھ کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ گوتم بدھ ایک نبی تھا۔ معاذ اللہ تو بہ نعوذ باللہ۔ پوچھو اس جاہل و احمق مفسر سے کہ کپل تو شاید کسی زبان کا لفظ ہو مگر اس کے ساتھ عربی کا ذی کیوں آ گیا اسی زبان کا لفظ کیوں نہ آیا۔ اور یہ کہ گوتم بدھ کا یہ نام کب کیوں اور کسنے رکھا۔ اس کی کتابوں میں تو اس کا یہ نام اور لقب نہیں ملتا۔ اس کا اصلی پیدائشی نام سدھارتھ تھا۔ اس کا لقب گوتم بدھ ساکھیا تھا، سنسکرتی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے نرم دل۔ نیز ہر نبی نے اپنی تبلیغ میں توحید کے ساتھ نبوت پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا ہے مگر گوتم بدھ کی تعلیم و تبلیغ میں اوّلًا تو توحید کا ہی ذکر نہیں ملتا اس کا مذہب ترکِ دنیا تعلیم کسی جانور کو مت مارو قربانی ظلم ہے خون نہ بہاؤ۔ اس کی تبلیغ میں کسی نبی رسول پر ایمان لانے کا ذکر تک نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے دین میں نبوت کا منکر بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح توحید کا منکر یہی گمراہ مصنف زرتشت آتش پرست کو بھی نبی کہتا ہے (معاذ اللہ) نیز گوتم بدھ نے جب ترکِ دنیا کی تو وہ کسی ملک کا بادشاہ اور تاج و تخت والا نہ تھا۔ نیز قرآن کریم میں دنیوی شان و شوکت والے القابات کا ذکر نہیں فرمایا جاتا۔ ان اندھے مفسروں کے پاس اندھے کی لاٹھی ہے جدھر چاہی گھما دی۔ اور مقصد ان خرافات کا یہ ہوتا ہے کہ

ہر قوم کو خوش کر کے اس سے چندے نذرانے کھاؤ۔ ان جیبوں کے لیے ہی ارشادِ قرآن ہے وَيَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ اور يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ ذَا النُّوْنِ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مچھلی میں جانے کا واقعہ بعثت سے پہلے ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ کو کسی اور نبی کا مبلغ بنا کر قومِ نینوی میں بھیجا گیا مگر آپ وہاں کے بادشاہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر جبرئیل علیہ السلام کے کسی بات کا حکم دینے اور اس پر جلدی مچانے سے ناراض ہو کر تبلیغ کرنے نہ گئے بلکہ بارادۂ ہجرت دریا کی طرف چلے تب مچھلی کا واقعہ ہوا۔ ان کی دو دلیلیں پہلی یہ کہ سورۃ قلم میں مچھلی کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَ تعقیبیہ سے ثابت ہوا کہ بعثت اور نبوت کا اجتبا یعنی چناؤ بعد میں ہوا، دلیل دوم یہ کہ نبی معصوم ہوتے ہیں وہ گناہ کر سکتے ہی نہیں اس لیے نہ آپ مُغَاضِبًا ہو سکتے تھے نہ ظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ کا گمانِ باطل کر سکتے تھے یہ دونوں غلطیاں بعثت سے پہلے ہوئی تھیں بعثت سے پہلے نبی معصوم نہیں ہوتے۔ بعثت کے بعد ہوتے ہیں۔ مگر یہ قول غلط اور استدلال کمزور ہے۔ دوسرا قول یہ ہے اکثر فقہا علما فرماتے ہیں کہ بعثت کے بعد مچھلی کا واقعہ ہوا۔ ان کی بھی دو دلیلیں ہیں پہلی یہ کہ سورۃ صافات کی آیت ۱۳۹ تا ۱۴۲ میں رسالت ملنے کا ذکر پہلے بیان ہوا۔ بعد میں مچھلی کا واقعہ ہونے کا ذکر ہے۔ دلیلِ دوم یہ کہ مُغَاضِبًا بھی گناہ نہ تھا اور ظَنَّ بھی گناہ نہ تھا۔ معترض کو مطلب سمجھنے میں غلطی لگی نیز انبیا تو شکمِ مادر میں ہی معصوم ہوتے ہیں، کوئی گناہ و خطا کر سکتے ہی نہیں۔ مُغَاضِبًا میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے یہی درست ہے دوم یہ کہ بعض نے کہا کہ ایک دن جبرئیل نے یونس سے کہا کہ قوم نینوی میں دینِ الٰہی کی تبلیغ کرنے جاؤ آپ نے کہا میں گھوڑا تیار کر لوں جبرئیل نے کہا جلدی جاؤ یہ تبلیغی کام گھوڑے کی تیاری سے زیادہ ضروری ہے تب آپ جبرئیل سے ناراض ہو کر چلے اور بجائے نینوی جانے کے دریا کی طرف چلے گئے یہ قول بالکل غلط اور اسرائیلیات سے ہے سوم یہ کہ بعض نے کہا کہ رب سے ناراض ہو کر گئے یہ قول کفریہ ہے کسی کافر گمراہ یا مرتد نے بنایا ہے ظَنَّ میں تین قول ایک یہ کہ جملہ خبریہ ہے اور معنی ہے کہ انہوں نے واقعی یہ گمان کیا۔ دوم یہ کہ یہ جملہ سوالیہ انشائیہ ہے یعنی کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا تھا؟ سوم قول یہ کہ یہ جملہ تشبیہی ہے۔ اور معنی ہے کہ یونس ایسے چلے گو یا انہوں نے یہ گمان کیا فِي الظُّلُمٰتِ میں دو قول۔ ایک یہ کہ تین اندھیرے

تھے اسی لیے ظُلُمٰت جمع فرمایا گیا ایک مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا دوسرا سمندر کی گہرائی کا تیسرا رات کا اندھیرا۔ یعنی جب آپ نے آیت کریمہ کا ورد شروع کیا تو اس وقت رات تھی پھر مسلسل آپ چالیس روز دن رات یہ وظیفہ پڑھتے ہی رہے اور سوالاکھ بار مکمل فرمایا۔ یا وہ مچھلی ایسی جگہ تھی جہاں مسلسل رات ہی تھی۔ قولِ دوم بعض نے کہا کہ اس مچھلی کو ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔ تو دو اندھیرے دو مچھلیوں کے اور تیسرا اندھیرا سمندر کا مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ حدیث و قرآن میں دوسری مچھلی کا ذکر نہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ کو ذُوالنُّوْنَیْن اور صاحبُ الحُوْتَیْن فرمایا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ بعض نے کہا کہ ظلمات کا جمع خود آپ کے چوطرفہ ماحول کے اعتبار سے فرمایا گیا۔ یعنی آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے اندھیرے تھے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اسی پوری سورۂ مقدسہ اور خاص کر ان آیت سے منشاءِ باری تعالیٰ یہ ہے کہ عالمِ انسانیت کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ گروہِ انبیاء وہ شاہکارِ قدرت ہے جو تمام مخلوق میں ہر اعتبار سے بے مثل ہے دینی، دنیوی عادت، عبادت خلقت ریاضت عمل فکر صبر شکر، قوت، ہمت جرأت، غرضکہ ہر ادا میں بے مثل ہے کوئی مخلوق انبیاء کی برابری نہیں کر سکتی یہ فائدہ یہاں حضرت ذی الکفل علیہ السلام کا صبر بتا کر حاصل ہوا جس طرح کی آزمائشیں وجودِ انبیاء پر وارد ہو جاتی ہیں دیگر انسان تو در کنار پہاڑ اور پہاڑ کی چٹانیں بھی برداشت نہ کر سکیں اور ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں۔ مگر پائے نبوت میں ذرہ بھر لغزش تک نہیں آتی۔ خیال رہے کہ شکر کی طرح صبر کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کے مختلف انداز ہیں، سورۃ انبیاء میں صبر کے تقریباً تمام انداز و اقسام متعدد انبیاءِ عظام علیہم السلام کے اجسامِ مقدسہ پر آزمائے جانے کا تذکرہ ہے اور سب میں نبوت کامیاب دشمن کی چال ناکام ہوتی رہی صبرِ ذی الکفل بھی اپنے ایک نرالے انداز میں ظاہر ہو کر کامیاب ہو کر تا ابد عالمِ رنگ و بو میں جگمگاتا رہے گا دوسرا فائدہ ابلیس جو خباثت عملاً نطفت ذلالت اور انبیاء کی عداوت کا سیر پاور ہے وہ اپنی پوری خباثی طاقت لگا کر بھی نبوت کے کسی عمل کو خراب نہیں کر سکتا۔ عصمت ایک وہ قلعۂ ربّانی ہے جس سے ٹکرا کر ہر طاغوتی طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے جس طرح

فرشتوں کی عصمت ہے اسی طرح انبیا علیہم السلام کی عصمت ہے یہ فائدہ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ فرمانے سے حاصل ہوا ذی الکفل کا لقب ارشاد فرمانا اسی صبر آزما کفالت کا اشارہ فرما رہا ہے جس کو ابلیس نہ توڑ سکا۔ تیسرا فائدہ، یونس علیہ السلام کی مچھلی کا واقعہ ظاہراً تو عتاب معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً باطناً یہ بھی تمام انبیا علیہم السلام کی ایک عظیم قوت شان بیان کرتی ہے یعنی اجسام انبیا کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی نہ آگ پانی مٹی ہوا۔ نہ ہتھیار نہ کوئی جانور درندہ ان عجائب مخلوق ہستیوں کے لیے جانوروں مچھلیوں کا وہ پیٹ جس کا معدہ ہڈیوں کو بھی ہضم کر جائے۔ معدہ نہیں رہتا مسجد بن جاتی ہے ان کے کپڑے تک گلتے بگڑتے نہیں۔ یہ فیض ان کی ہمراہی کا ہے۔ دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کا ہوش وحواس یادداشت عمل و فکر تک نہ بگڑا نہ بدلا۔ ورنہ بہادر سے بہادر آدمی ہوش وحواس کھو بیٹھا ہے بلکہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ حضرت یونس کو شکم ماہی میں پہنچکر سب کچھ پتہ رہا کہ میں کون ہوں کہاں ہوں، بلکہ جو ان کے دامن غلامی یا جسم اقدس سے لگ جائے وہ بھی حفاظت کے قلعے میں سدا بہار ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ وَذَا النُّوْنِ کا لقب ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ ذَا النُّوْنِ سے ایک یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ اس وقت آپ مچھلی والے تھے یعنی مچھلی کے مالک وارث محافظ نہ کہ مچھلی آپ کی آپ کی مالک وارث دیکھو چالیس دن تک نہ آپ نے کچھ کھایا نہ مچھلی نے آپ کا ذکر الٰہی کرتا دونوں کی زندگی بچا گیا لہٰذا آپ ہی مچھلی کے محافظ اور محسن ہوئے۔ نیز مچھلی کو مسجد اور اس کے پیٹ کو منور بنا دیا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، دعا مانگنا اگرچہ عبادت الٰہی ہے۔ اور ہر مسلمان پر واجب ہے مگر دعا مانگنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں اور یہ تمام طریقے وانداز درس گاہ نبوت کی قولی عملی تعلیم سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی مصیبت کے وقت بارگاہ رب کریم میں صراحتاً عرض کرنے کے بجائے صرف حمد و ثنا تسبیح وتقدیس کرنا بھی دعا کا ایک مقبول بارگاہ انداز ہے اور اس طرح ہر مسلمان کو دعا مانگنا بھی جائز ہے کیونکہ رب تعالیٰ تو بندے کے قلبی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ یہ مسئلہ اِذْ نَادٰى۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ (الخ) کے بعد۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔

فرمانے سے مستنبط ہوا۔ فَاسْتَجَبْنَا۔ کا جملہ بتا رہا ہے کہ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں یہ وِرد کرنا دراصل مصیبت اور غم سے نجات کی دعا تھی جس کو آیتِ کریمہ کے نورانی غلاف میں آپ نے پوشیدہ کر دیا۔ اس طرح یہ دعا عبادت الٰہی بھی بن گئی۔ دوسرا مسئلہ۔ کسی مسلمان کو ہرگز جائز نہیں کہ کسی نبی علیہ السلام کے کسی قول فعل رائے مشورے عادت پر اعتراض کرتے ہوئے اس کو غلط گناہ یا خطا و کمزوری کہے یا سمجھے۔ جو مسلمان ہو کر ذرہ بھر ایسا فاسد خیال دل میں لائے اور ظاہراً عقیدہ بنائے وہ بدبخت اسلام سے خارج اور مرتد ہو جائے گا اس لیے کہ انسان اپنی طرف سے جو بدگمانی بھی کرے گا وہ اس کی اپنی کم علمی بے عقلی ناسمجھی کی وجہ سے ہوگی۔ اور یہی ناسمجھی کی احمقانہ سوچ بارگاہِ نبوت میں کفر ہے۔ یہ مسئلہ۔ مُغَاضِبًا۔ اور ظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ فرمانے کے بعد۔ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے مُغَاضِبًا اور ظَنَّ کو غلط قرار نہ دیا نہ عتاب فرمایا۔ بلکہ عزت سے دعا قبول فرمائی۔ یہ جو عام جہلا مفتیر ملا معنیٰ نکالتے پھرتے ہیں وہ جہالت اور گمراہی ہے۔ ہاں البتہ دوسری آیت سے صرف اتنا اشارہ ملتا ہے کہ جلد بازی ان کی اپنی اجتہادی سوچ تھی نہ کہ وحی سے اِس سے مچھلی کے ذریعے روکا گیا۔ کیونکہ اس سے آپ کی قوم اور امت کو نقصان تھا۔ تیسرا مسئلہ۔ قرآن مجید میں جس نبی علیہ السلام کے جس اُسوۂ حسنہ اور کسی عمل و طریقے کا ذکر فرمایا گیا ہے اُس کا مقصد یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے لہٰذا ہر مسلمان پر عمل واجب ہے۔ اس عملی پیروی سے محبت ربّانی اور بہر برکتِ روحانی اور رحمتِ رحمانی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ فرمانے اور اس کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا۔ جب ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہر مسلمان کو یہ آیتِ کریمہ کا وِرد مفید ہے۔ تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی آیت كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرما کر فرمایا۔ ہاں مفید ہے۔ (ترمذی شریف)

اعتراضات۔ یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اِن کی

کیا وجہ کہ یونس علیہ السلام نے نبی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قادر ہونے کا انکار کیوں کیا۔ ظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ کا معنیٰ ہے کہ ذوالنون یعنی یونس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ہرگز قابو نہیں پا سکتا۔ حالانکہ یہ گمان تو کفر ہے اور اگرچہ ظنَّ کا اصلی لغوی معنیٰ تو خیال گمان اور اندازہ کرنا ہے مگر اس کا ایک اصطلاحی معنیٰ یقین کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت ۴۶ میں ہے۔ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ یعنی خاشعین مومن یقین کرتے ہیں کہ وہ بے شک اللہ سے ملنے والے ہیں تو اگر یہاں بھی ظنَّ کا معنیٰ یقین کرنا کیا جائے تو یہ اشد کفر ہوگا۔ غرضکہ ہر طرح کفر ہی ہے مگر رب تعالیٰ نے بھی اس کو کفر نہ فرمایا نہ گرفت فرمائی۔ اس کی کیا وجہ؟۔ جواب یہ وجہ ہے کہ ظنَّ کا معنیٰ تو جو چاہے کر لیا جائے مگر لَّنْ نَّقْدِرَ کا معنیٰ وہ نہیں ہے جو معترض نے سمجھا۔ لَنْ نَّقْدِرَ بنا ہے قَدْرٌ سے اور قَدْرٌ کا معنیٰ ہے تنگی ڈالنا گرفت کرنا اس معنیٰ میں یہ قرآن مجید کی دو جگہ آیا ہے۔ ۱ سورۃ رعد آیت ۲۶ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ۔ یہاں بھی یَقْدِرُ کا معنیٰ ہے رزق تنگ کرتا ہے ۲ سورۃ فجر آیت ۱۶ وَمَنْ قَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ۔ اور جس پر اس کا رزق تنگ ہو گیا۔ اسی معنیٰ میں یہاں لَنْ نَّقْدِرَ ہے کہ حضرت یونس ذوالنون نے یہ گمان کیا تھا ہم ہرگز اس پر تنگی نہ ڈالیں گے اور ان کی اس اجتہادی ہجرتِ بلا اجازت کو برا نہ سمجھ لیں گے نہ گرفت کریں گے نہ پوچھ گچھ مگر چونکہ یہ عمل درست نہ تھا اور ان کا گمان ٹھیک نہ تھا لہٰذا ہم نے گرفت کی اور تنگی ڈالی۔ بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ ظنَّ سوالیہ ہے۔ یعنی کیا اس نے یہ گمان کر لیا تھا۔ بعض نے کہا یہ ظنِّ تنبیہی ہے۔ یعنی یونس ایسا چلا جیسا کہ وہ چلتا ہے جو یہ گمان کرے کہ لَنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ۔ ہم اس پر تنگی نہ ڈالیں گے۔ دوسرا اعتراض۔ انبیا عصمت کے باوجود بھی گناہ کر لیتے ہیں۔ نبی اور غیر نبی کا فرق صرف یہ ہے کہ انبیا کا گناہ باقی نہیں رہتا فوراً معافی مانگ کر بخشوا لیتے ہیں۔ بس یہی عصمت کا فائدہ ہے مگر غیر نبی کا گناہ تا موت باقی رہتا ہے۔ اسی کی حشر میں شفاعت ہوگی۔ دیکھو حضرت یونس نے سات گناہ کئے۔ ۱ اللہ سے ناراض ہو کر گئے ۲ رب کی اجازت کے بغیر ہجرت کی ۳ اسی لیے اپنے

آپ کو مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کہا ۴ اسی لیے مچھلی کے پیٹ کی قید کی سزا ملی ۵ اسی لیے سورۃ صافات آیت ۱۴۲ میں اُن کو مُلِیْمٌ فرمایا گیا یعنی ملامت کے قابل ۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صاحب الحوت والے گناہ سے روکا گیا کہ ارشاد ہوا۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ یعنی اے نبی تم یونس کی طرح گناہ نہ کرنا (سورۃ قلم آیت ۴۸) ساتواں گناہ حضرت یونس نے اللہ کے حکم اور اجازت کی پرواہ نہ کی اپنی مرضی کرتے ہوئے بے صبری دکھائی اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی سورۃ قلم کی اسی آیت میں فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فرما کر صبر کی تلقین فرمائی گئی۔ حالانکہ یہ بے صبری جلد بازی سب گناہ ہے اور جب ایک نبی یہ سات طرح گناہ کر سکتا ہے تو دیگر انبیاء بھی کر سکتے ہیں بہر کیف گناہ ناممکن نہ رہے۔ ہاں البتہ یونس علیہ السلام نے آیت کریمہ کا ورد کر کے توبہ کر لی جو قبول ہوئی۔ یہی عصمت ہے (عیسائی اور بعض گمراہ مسلمان)

جواب معترضین نے جن سات گناہ کا ذکر کیا ہے وہ اُن کی اپنی جہالت تکبیر ابلیسیت اور ناسمجھی کی بنا پر ہے۔ خود غلط ترجمہ کرتے ہیں اور خود ہی اعتراض بنا کر بدعقیدگی بنا لیتے ہیں۔ عصمت کی تعریف بھی جاہلانہ ہے۔ یہ تعریف حفاظت الٰہیہ کی ہے جو اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔ عصمت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ہی معصوم کے وجود سے ختم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور اُن کی ذات سے ناممکن ہو جاتا ہے۔ انبیاء اور ملائکہ اسی معنیٰ میں معصوم ہوتے ہیں۔ معترضین کی پہلی بات اس لیے غلط ہے کہ وہ مُغَاضِبًا عَلٰى رَبِّهٖ نہ تھا۔ بلکہ قوم پر غضب وغصہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے لیے تھا جو گناہ نہیں بلکہ عینِ ایمان ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی یہ ہجرت بھی گناہ نہ تھی بلکہ آپ کا اجتہاد تھا اور یہ اجتہاد ایسا ہی تھا جیسا داؤد علیہ السلام کا ایک کھیت میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنا۔ وہ اجتہاد داؤد بھی زیادہ صحیح نہ تھا اور یہ بھی زیادہ صحیح نہ تھا اُس اجتہاد سے بکریوں والے کو نقصان تھا اِس سے قوم نینوا کو اُس فیصلۂ اجتہادی کو سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ روکا گیا اور اس کو مچھلی کے ذریعے اس تشبیہ اور مماثلت کا اشارہ سورۃ انعام کی آیت ۸۶ سے ملتا ہے کیونکہ وہاں داؤد علیہ السلام کے ساتھ آپ کی فضیلت عَلَى الْعٰلَمِیْنَ کا ذکر ہے اور فرمایا گیا کہ ہم نے دونوں کو ہدایت دی

یعنی دونوں نے ایسا اجتہادی فیصلہ کیا تھا جو زیادہ صحیح نہ تھا تو ہم نے صحیح طریقے کی ہدایت دی۔ تیسری بات بھی غلط ہے کیونکہ خود مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ کہنا گنا بگاری کی وجہ سے نہیں بلکہ اظہارِ عجز ہے، گناہ تب ہوتا جب رب تعالیٰ فرماتا کہ وہ ظالم تھے۔ نیز انبیا علیہم السلام تو ترکِ مستحب کو بھی اپنے لیے ظلم سمجھتے ہیں مگر شریعت اس کو ظلم نہیں فرماتی۔ معترضین کی چوتھی بات بھی غلط، کیونکہ مچھلی کا پیٹ آپ کی سزا نہ تھی نہ آپ کو وہاں کوئی درد تکلیف ہوئی نہ بھوک پیاس نہ بیہوشی یہ پیٹ مسجدِ یونس بن گیا اور چالیس روز قیام معراجِ یونس اور لذتِ قربِ الٰہی کا سبب اور وردِ عظیم و ذکرِ کریم کا قرصی موقعہ۔ پانچویں بات بھی غلط اس لیے کہ ملیم کا معنی قابلِ ملامت نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ یونس خود اپنے آپ کو ملامت کرنے والے اور اپنی اس ہجرت پر افسوس کھانے والے تھے اور یہ افسوس و ملامت نیکی ہے نہ کہ گناہ چھٹی اور ساتویں بات بھی غلط اس لیے کہ آقاءِ کائنات نبیِّ آفاق صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اجتہاد کرنے سے روکا گیا ہے نہ کہ گناہ سے یعنی اے محبوب تم مکے سے ہجرت بلا اجازت اپنے اجتہاد سے نہ کرنا بلکہ وحیِ الٰہی کی اجازت کا انتظار اور صبر کرنا۔

تفسیر صوفیانہ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ

بدنِ انسانی میں رب تعالیٰ نے صبر کی تین قوتیں پیدا فرمائی ہیں اول صبر استقامت یہ اسماعیلِ باطنی ہے، صبرِ حلیمی یہ ادریسِ روحانی ہے۔ صبرِ استقلال یہ ذَا الْكِفْلِ اعمالِ صالحہ ہے پہلا صبر اوامرِ شریعت کرنے نواہی سے بچنے کی پابندی ہے دوسرا باوجود قوتِ انتقام کے اذیت کی برداشت کرنا۔ تیسرا صبر شیاطین سے اعضا کو بچائے رکھنا اور شریعت طریقت معرفت کے حدود کو پورا کرتے رہنا۔ پہلے صبر سے بندہ مطیع اللہ ہو جاتا ہے دوسرے صبر سے بندہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا کا انعام پاتا ہے اور تیسرے صبر سے بندہ کفیل ایمانی کا مرتبہ پا لیتا ہے۔ بندۂ مومن اپنی قوتِ ایمانی سے ان تینوں صبروں کو اختیار کرتا ہے لیکن بندۂ فاسق اپنی بداعمالی کی بزدلی اور غفلتِ نفسانی سے ان کو ترک کر دیتا ہے اور بندۂ کافر ان تینوں کو اپنی آتش میں جلا دیتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ دشمن کی سرکشی پر حلیمی صبرِ الٰہی ہے یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے یہ حلیمی سرکش کے لیے ڈھیل یا

مہلت یا آزمائش ہے۔ اور اذیت پر حلیمی بندے کا صبر ہے۔ وہ بندہ رب تعالیٰ کی نعمت کا مستحق ہو جاتا ہے جو عبادتِ الٰہی کے قائم کرنے پر تا عمر دلجمی سے صبر کرے، اور اگر گناہوں سے بچے رہنے کا صبر بھی کرے تو نعم العبد کا مرتبہ پالیتا ہے۔ اور جو بندہ تباہیٔ احوال اموات اولاد کی اذیت پر صبر برداشت کرے تو وہ دخولِ رحمت کی صلاحیت والا بن جاتا ہے۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام گناہ کر سکتے ہی نہیں اُن سے گناہ ناممکن اور محال بالعصمت ہے عصمت کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہوتا اور مومن متقی گناہ کر لیتے ہیں مگر فوراً توبہ کر لیتے ہیں اگر سچی پکی توبہ ہو تو قبول ہو جاتی ہے گناہ مٹا دئے جاتے ہیں مگر اولیاءُ اللہ گناہ کر سکتے ہیں لیکن کرتے نہیں ان کی حفاظت کی جاتی ہے وہ جائز الخطا ہوتے ہیں اگر کر لیں تو جلدی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے جیسے حضرت ماعز کی توبہ کہ اگر وہ تمام آسمانوں زمینوں والوں پر تقسیم کی جائے تو سب مقربِ بارگاہ ہو جائیں اور توبہ پھر بھی بچ رہے۔ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ کا معنیٰ ہے صلاحیت اور قابلیت والے صلاحیت کی ابتدا ہے بندے کا متوجہ الی اللہ ہوتا اور انتہا یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے کی طرف متوجہ ہو۔ اپنی توجہ کا شرف بخشے، اس توجہ کی علامت یہ ہے کہ بندے کو عالم رنگ و بو سے بے التفاتی ہو۔ یہی حقیقت میں مقامِ صدیقیت ہے۔ اصلاحِ الٰہی یہ ہے کہ رب تعالیٰ بندے کو پیدائشی صالح بنا دے مثلِ اسماعیل اور کسی بندے کو ادریس باطنی کی رفعت منزل بخش دی اُن کے وجودِ بدنی سے شرو فساد مٹا کر اور کسی کو کفالتِ روحانی کے لیے ازلِ حادث سے چن کر ذی الکفلِ ایمانی بنا دیا یہ خوش بخت ازل سے ہی بلا کسب بلوغِ رفعت اور بلا عمل قبولِ فطرت ہیں۔ تمام افعالِ جلوت اور افکارِ خلوت میں صبر علَی البلا سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ جب بندہ قبر میں جاتا ہے تو یمین میں نماز یسار میں زکوٰۃ و نیکیاں مثلِ سایہ دار چھت اس پر چھا جاتی ہیں لیکن صبرِ مومن تمام حاجات کا کفیل بن جاتا ہے صبر افضلِ اعمال اور راضی برضا رہنا اجلِ صفات ہے بلاءِ ناگہانی کفار کے لیے تعجیلِ عذاب ہے اور مومنین کے لیے تکمیلِ درجات ہے خیال رہے کہ امر بمعنیٰ معاملہ کی جمع امور ہے اور امر بمعنیٰ احکم کی جمع اوامر ہے۔ جیسے کہ غریب بمعنیٰ مفلس و مسافر کی جمع غربا اور غریب بمعنیٰ عجیب کی جمع غرائب اور غریب بمعنیٰ عاجز کی جمع غربین آتی ہے۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى

فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور تذکرہ فرما اے رازدارِ فطرت اس روحِ کمال کا جو اعضاءِ نفسانیہ سے ناراض غضب ناک ہو کر فراقِ بدنی کر گئی جب کہ اعضاءِ نفسانیہ اپنے شہوانی جذبات کی وجہ سے اصرار ہی کرتی رہیں۔ اس لیے کہ قوتِ نفسانیہ اپنے غرور میں آکر ہمیشہ انکارِ حق ہی کرتی ہے۔ عجز و اطاعت کی عبادت میں نہیں آتی۔ روحِ کمال کی ہجرتِ بدن بحرِ جبروت کی طرف اس لیے ہوئی کہ فکرِ مراقبہ میں ہی گمان کر لیا کہ سیرِ ملکوتی درست ہے اور لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ کہ ہم اس کو بحرِ ظلمات کی ابتلاء و آزمائش میں نہ ڈالیں گے لیکن چونکہ سیرِ عرفانی بغیر ابتلا ممکن نہیں لہٰذا آزمائش میں ڈالا گیا تب حوتِ رحمت نے اُس کو اپنی آغوشِ عظمت میں لے لیا تاکہ تعلقِ بدنی کا اِمکان قائم و ثابت رہے۔ یہی ہماری حکمت و راز ہے۔ اس دورِ ابتلا میں روحِ کمال نے زبانِ استعداد سے نِدائی عرض کی مراتبِ ثلاثہ کے ظلمات کثیفہ میں سے ایک ظلمت بدنِ نباتاتی کی دوم طبیعتِ جسمانی کی تیسری ظلمت خصائلِ حیوانی کی یہ تین ظلمتیں ہر انسان میں ہیں۔ روحِ کمال ان تین ظلمتوں میں تین ندائیں کرتی ہے پہلی ندا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یہ توحیدِ ذاتی کا وہ اقرار ہے جو عہدِ اَلَسْتُ اور میثاقِ فطرت کی وقت سنایا تھا۔ یعنی اے میری جان و قلب سے بھی زیادہ قریب میرے رب کریم تیرے سوا پوری کائنات میں کوئی معبود نہیں بس تو ہی تو ہے۔ اِس کلمۂ طیبہ نے بندۂ مومن میں سات قوتیں پیدا کر دیں۔ پہلی قوت یہ کلمہ ہمت جرأت بہادری پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کو سچے دل زبان عقل سے پڑھنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ پوری کائنات میں پالنے بچانے دینے لینے مارنے والا صرف ایک اللہ ہے اسی لیے مومن کسی غیر سے نہ ڈرتا ہے نہ کسی غیر کے سامنے جھکتا ہے۔ دوسری قوت اس کلمہ پر عقیدہ رکھنے سے بندے میں صبر توکل عزم حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور بندۂ مومن ہر کام کے لیے اس یقین کثیر سے اُٹھتا ہے کہ اُس کے ساتھ زمین و آسمان کے زبردست بادشاہ کی طاقت ہے یہ تصور اُس کو چٹان سے زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے اور اُس کے سامنے کسی باطل کی کوئی طاقت نہیں ٹھہرتی۔ تیسری قوت اس کلمے سے وسیع نظری پیدا ہوتی ہے اسی لیے مومن تنگ نظر نہیں ہوتا نہ خود غرض ہو سکتا ہے کیونکہ بندۂ مومن اُس وَحْدَهٗ لَاشَرِیْک معبود کا قائل ہوتا ہے جو اکیلا ہی خالق مالک رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے بندۂ مومن سب مخلوق کو ایک مالک کی ملکیت

سمجھتا ہے اسی لیے ایک کو راضی کرتا ہے بہت سے معبودوں کے سامنے نہیں جھکتا ہے نہ ان سے ڈرتا ہے نہ ان کو راضی کرتا پھرتا ہے۔ ایک کو راضی کرنا آسان ہے، چوتھی قوت۔ یہ کلمہ بندے میں عزتِ نفس اور خودداری پیدا کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کائنات میں قوی قادر حیُ وقیوم ایک ہی ہے اس لیے مومن دیگر تمام قوتوں سے بے نیاز بے پروا ہو جاتا ہے، پانچویں قوت، اس کلمے سے بندے میں عجز و انکسار کی قوت پیدا ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ طاقت دولت عزت حکومت علم عقل ہنر دینے والا بس ایک اللہ تعالیٰ ہے جو سب کو دے بھی سکتا ہے چھین بھی سکتا ہے کسی بندے کے پاس اپنا کوئی کمال نہیں اسی لیے مومن کو اپنے عروج پر غرور نہیں ہوتا نہ تکبر آتا ہے۔ چھٹی قوت۔ یہ کلمہ بندے میں طہارت کی ہمت عبادت کی طاقت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے اور اس کی عبادت کے لیے رب کی خوشنودی ضروری اور خوشنودی کے لیے طہارت ظاہری باطنی ضروری ہے اس کی بارگاہ میں صرف عملِ صالح سے نجات ہے۔ نہ قرابت داری کام آئے نہ دولت سفارش حمایت کام آئے۔ ساتویں قوت۔ اس کلمے کو اقرارِ لسانی اور صدقِ قلبی سے پڑھنے والے میں قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے وہ کبھی کسی حال میں مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسے معبودِ واحد پر ایمان رکھتا ہے جو زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا خالق بھی ہے مالک بھی جس کا فضل بے حد و بے حساب ہے وہ رحیم بھی ہے کریم بھی یہ مکمل عقیدہ بندۂ مومن کو تسکینِ عظیم بخشتا ہے۔ اس کلمے کو مان کر بندے کو کسی اور دوسرے کے دروازے پر جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ اس کے اپنے سچے حقیقی معبود کے پاس ہی سب کچھ ہے یہ قوتیں نہ مشرک کافر کے پاس ہیں نہ دہریا کافر کے پاس، یہی وجہ ہے کہ کفار کو بزدلی ہے بے یقینی مایوسی ہے اور جگہ جگہ خوف کھاتا سجدے کرتا پھرتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ افضل ہے اِلَّا ھُوَ سے۔ اس لیے کہ اَنْتَ میں قرب کا تصوّر ہے اور ھُوَ میں دوری کا گمان۔ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اَفضل ایمان ہے کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا وہ جنتی ہو گیا۔ اس کلمے کی دو جزئیں ہیں۔ پہلی جز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ دوسری جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پہلی جز توحیدِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ دوسری جز تخصیصِ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے پہلی جز ان سات قوتوں کی عطا کا خزانہ ہے، دوسری جز ان سات قوتوں کی تقسیم کا

آستانہ ہے یعنی بندۂ مومن کے لیے۔ تو تیں آئیں گی خزانۂ قدرت سے مگر ملیں گی دروازۂ نبوت سے۔ اس کلمے کی پہلی جز قرآن مجید میں فرقان ہے کیونکہ جدا جدا لکھی ہیں لیکن زبانِ نبوت میں قرآن ہیں یعنی ملی ہوئی۔ مگر ایمان لاتے وقت اَشْھَدُ کہنا پڑے گا کیونکہ یہ ابتداءِ ایمان ہے شہادت کی ضرورت ہے اور کلمۂ طیبہ انتہاءِ ایمان ہے، ابتدا میں شہادتِ ذات ہوگی تو انتہا میں مشاہدۂ صفات نصیب ہوگا۔ کلمہ شہادت شریعت کا درس ہے مگر کلمۂ طیبہ طریقت کا وِرد ہے۔ صحابہ کرام ایمان لاتے وقت کلمۂ شہادت پڑھا کرتے تھے لیکن وِرد کلمہ طیبہ کا کیا کرتے تھے۔ جنت کے در و دیوار پر کلمہ طیبہ کی یہی دو جزیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھی ہیں۔ یہ کلمہ طیبہ میں عجیب شاہکار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہو تو قدرت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو تو معجزہ ہے۔ اولیاء اللہ کے پاس ہو تو کرامت ہے علما کے پاس ہو تو فقاہت ہے۔ زندگی وہی مکمل ہے۔ جو سب کو حیران کر دے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کہ ایک ہی چٹائی پر بیٹھ کر عرش کی معراج والے۔ فرش کی سرکار والے۔ صفاتِ الٰہیہ کے اظہار والے مخلوق پر اختیار والے۔ بازار میں تاجر میدان میں مجاہد مسجد میں امامُ الانبیا، شریعت میں استاذُ العلماء طریقت میں مرشدِ اصفیا، گھر میں تربیتِ گھر بار فرما رہے ہیں۔ فیصلوں میں عدالت سکھا رہے ہیں۔ عدالت میں قاضی بنا رہے ہیں۔ رات میں واصِل باللہ۔ دن میں شاغِل لِلّٰہ زندگی کا ہر پہلو ہر لمحہ حیران کن معجزہ، حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے۔ روحِ کمال کی دوسری ندا تنزیہِ الٰہی ہے سُبْحَانَكَ ہر ہر عیب سے پاک ہے تو ازلِ قدیم ہے۔ روحِ کمال کی تیسری ندا۔ اعترافِ بندگی اور شانِ عجز بلند ہوتی ہے کہ۔ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اے میرے پروردگار میں اپنے قواءِ ظاہری باطنی سے جدا ہو کر بارگاہِ بے نیاز سے دور ہو کر اپنا ہی نقصان کر بیٹھا تھا۔ عدالتِ شریعت سے ہٹ کر کیونکہ روح کے بغیر جسم مردہ ہوتا ہے۔ غور کر اے طالبِ منزل جب روحِ لطائف کشتی ءِ کثافت کی طرف جاتی ہے تو اس کو بحرِ دنیوی کا قالبِ حوت نگل جاتا ہے تب ظلماتِ نفس کی برائیوں سے گھبرا کر ندا کرتی ہے اور توادرات کی آواز آتی ہے کہ اے قالبِ انسانی یہ روح تیری خوراک نہیں بلکہ چند روزہ امانت ہے۔ قالب میں تین اندھیرے ہیں۔

۱ ظلمتِ نفس ۲ ظلمۃِ دنیا ۳ ظلمتِ ابلیس اس کی روشنی بھی تین ہیں ۱ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اے اللہ اس حالتِ فساد و بلا میں کوئی معبود نہیں جو حفاظت کرے میری ظلمات سے اور بچائے مجھ کو آفات سے اور الہام فرمائے سچے ذکر کا مگر تو ہی ۲ سُبْحٰنَكَ پاک ہے تو ہر کمزوری سے ۳ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ظالم تو میں خود اپنے پر ہوں اگرچہ ہر عمل کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر کاسب خود بندۂ ناسمجھ ہے۔ اس ذکرِ ربانی کی روشنی سے یہی ظلمتوں بھری دنیا رنگ و بو کی قید معراجِ روح اور مشاہدۂ حق بنا دی جاتی ہے اور یونسِ باطن کے لیے مقام زلی بھی عرشِ علٰی بن جاتا ہے۔ جب ان تین نداؤں کی روشنی سے تین ظلمتیں ختم ہو گئیں۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تب ہم نے تین نعمتیں عطا فرما کر اس کی دعا کو قبول فرمایا ۱ توفیق یا سلوک ۲ تیسیر بالنور ۳ ہدایت الی الوصول۔ اور نجات دی ہم نے روحِ کمال کو نقصان کے غم سے نورِ تجلیات سے حجابات ہٹا کر مشاہدہ عطا فرما کر۔ اور اسی طرح تا قیامت متبعینِ انبیاء کی روحِ کمالکو دنیوی تغویات سے نجات دیتے رہیں گے ایمانِ یقینی اور عرفانِ تحقیقی کی دولتوں کے ذریعے جیسا کہ اپنے نبی یونس کو نجات دی۔ تاکہ وہ روح روحِ کمال ایمان و تائید کے زیورِ انوار سے مزین ہو کر عالمِ اجساد کی ظلمتوں خباثتوں کے جھاڑ جھنکاڑ والے کوڑے کچرے سے علیحدہ ہو کر ذکرِ وحدت کا ورد کرے جس طرح کہ عالمِ انوارِ ارواح میں کرتی تھی اور اپنے رب تعالیٰ کے اذن سے عالمِ غیب و الشہادت میں حاکم متصرف اور خلیفۂ ربانی بن جائے حدیثِ مقدس میں ہے کہ جو کوئی مسلمان پریشان حال مصیبت و بیماری زدہ اس آیتِ کریمہ کا ورد کرتے ہوئے گناہوں سے سچی توبہ کرے۔ اپنی ظالمیت کا اقرار بھی کرے اور پھر نجات کی مناجات کرے اور التجاء نیاز کرے تو رب تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ یہ آیتِ کریمہ اسم اعظم بھی ہے۔ از مستدرک حاکم و تفسیر روح البیان اس کے کچھ عملیات اس سورۃ کے فضائل و ظائف میں بھی لکھ دئے گئے ہیں اس سورۃ میں جتنے انبیاء علیہم السلام کے اسماءِ مبارکہ بیان ہوئے ہیں روزانہ ان اسماءِ پاک کا گیارہ مرتبہ ورد کرنے سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ والی قوتیں مردِ مسلمان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ

اور ذکر کیجئے ذکریا کا جب دعا پکاری انہوں نے اپنے رب سے کہ اے میرے رب نہ چھوڑ تو

اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب مجھے

فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا

مجھ کو اکیلا اور تو ہی تمام وارثوں سے اچھا وارث ہے تب قبول کر لی ہم نے دعا اسکی

اکیلا نہ چھوڑ۔ اور تو سب سے بہتر وارث تو ہم نے اس کی دعا قبول کی

لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ

اور بخشا ہم نے اس کو یحییٰ اور جوان کر دیا ہم نے اس کیلئے اس کی بیوی کو

اور اسے یحییٰ عطا فرمایا اور اس کے لیے اس کی بی بی سنواری

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا

بے شک یہ سب بہت پہل کرتے رہتے تھے نیک کاموں میں

بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے

رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَالَّتِىْٓ

اور ہم سے ہی دعائیں مانگتے تھے ہر نرمی گرمی میں اور رہتے تھے وہ ہم سے رعب اور ڈر کیلئے

امید اور خوف سے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے تھے اور اس عورت

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ

اس عورت کا جس نے محفوظ رکھا اپنی پاک دامنی کو پھر ہم نے زندہ کیا اس میں

کو جس نے اپنی پارسائی نگاہ [illegible] تو ہم نے اُس میں

زَوْجِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اپنی روح کو اور بنا دیا ہم نے اُس عورت کو اور اُس کے بیٹے کو نشان قدرت تمام جہانوں کے لیے

اپنی روح پھونکی اور اُسے اور اُس کے بیٹے کو سارے جہان کے لیے نشانی بنایا۔

تعلقات ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اُن دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہوا جو انہوں نے اپنی بیماریوں مصیبتوں کے لیے عرض کیا اور قبول ہوئیں۔ اب ان آیات میں حضرت زکریا علیہم السلام کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے اپنی اولاد کے لیے دعا مانگی جو قبول ہوئی اور بارگاہِ رب کریم سے بیٹے کی خوشخبری عطا فرمائی گئی۔

دوسرا تعلق پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا مبارک تذکرہ ہوا۔ اب ان آیات میں اُن کے اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ کس عشق و محبت سے وہ پیارے بندے اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ان نیک مردوں کا ذکر ہوا جن کو نبوت کا تاج پہنایا گیا اب ان آیات میں ان نیک پاک پاکباز عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کو نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

تفسیر نحوی وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ واؤ بیہ جملہ۔ زکریا اسم عجمی علم ہے اس لیے غیر منصرف ہے سریانی زبان کا لفظ ایک نبی علیہ السلام کا نام ہے بحالت فتحہ ہے کیونکہ اُذْكُرْ پوشیدہ، کا مفعول بہ ہے اِذْ اسم ظرف زمانی نَادٰى باب مُفَاعَلَةٌ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب برائے مبالغہ مفاعلت میں آیا یعنی بہت گڑگڑا کر پکارتا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے رَبَّهٗ مرکب اضافی (مضاف و مضاف الیہ) مفعول بہ ہے نَادٰى کا رَبِّ۔ دراصل ہے یَا رَبِّیْ۔ یاحرفِ ندا محذوف منوی ہے مضاف ی ضمیر واحد متکلم مجرور متصل تخفیف کے لیے حذف کر دی اور کسرہ اُس کی نشانی باقی رکھی لیکن یہ

مضاف محذوف منوی ہے یعنی حقیقت میں موجود ہے یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یا پوشیدہ کا لَا تَذَرْنِیْ باب فَتَحَ یا فَتَحَ کا فعل نہی معروف واحد مذکر حاضر وَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چھوڑنا دور کرنا تنہا کر دینا۔ اکیلا رکھنا یہاں آخری معنیٰ ہے نون وقایہ (اعراب بچانے والی) یٰ ضمیر واحد متکلم بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے لَا تَذَرْنِیْ کا فَرْدًا اسم نکرہ بمعنیٰ اکیلا حال ہے یٰ مفعول بہ کا واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ اَنْتَ اسم ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے خَیْرُ اسم مضاف حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ اچھا بہترین مضاف الْوَارِثِیْنَ الف لام اسمی استغراقی وَارِثِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے وَارِثٌ وَرْثٌ سے مشتق باب حَسِبَ میں سے ہے اس کے ہر باب مزید فیہ میں اس کی گردان ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بہت مصادر ہیں۔ ۱ مِیْرَاثٌ ۲ وِرَاثَتٌ ۳ اِرْثٌ ۴ تُرَاثٌ ۵ تَوَارُثٌ ۶ تَوْرِیْثٌ ۷ اِیْرَاثٌ۔ اس کے معنیٰ بھی بہت ہیں ۱ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس کے کسی قریبی متعلق کا زندہ موجود رہنا ۲ بغیر معاوضہ کسی چیز کا مالک کامل بن جانا ۳ مالکِ حقیقی ہونا یہ معنیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ۴ میت کا متروکہ مال کا حقدار بننا ۵ ایک صفت کا دوسرے موصوف میں منتقل ہونا جیسے اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ ۶ ہمیشہ باقی رہنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے یہاں یہی مراد ہے۔ اَلْوَارِثِیْنَ مضاف الیہ ہے خیر کا یہ مرکب اضافی خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے لَاتَذَرْ کے فاعل رَبِّ کا ذوالحال حال مل کر فاعل ہے۔ لَاتَذَرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ہے یا حرفِ ندا پوشیدہ وصب جملہ ندائیہ ہو کر جواب ہے نادیٰ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف اُذْکُرْ پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا
فَ زائدہ یا تفصیلیہ اِسْتَجَبْنَا فعل با فاعل لَہٗ جار مجرور متعلق یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ وَھَبْنَا۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم وَھْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عطا کرنا بلا معاوضہ دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے لَہٗ جار مجرور متعلق ہے یحییٰ۔ اسم مفرد جامد، یہ فعل مضارع تھا جس کو عَلَم بنا کر جامد کیا گیا، اشتقاقی ترجمہ ہے زندہ رہے گا۔ اسم مقصورہ ہے جیسے موسیٰ عیسیٰ وغیرھما۔ بحالتِ فتحہ ہے اعرابِ تقدیری ہے۔ مفعول بہ ہے وَھَبْنَا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَصْلَحْنَا بابِ افعال ماضی مطلق معروف مثبت جمع متکلم

مصدر ہے اِصْلَاحٌ بمعنیٰ اچھا کرنا، سنوارنا، تندرست کرنا اور اصلی حالت پر لانا یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ لَہٗ کی ضمیر کا مرجع زکریا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے زَوْجَہٗ مرکب اضافی مفعول بہ ہے دراصل تھا زَوْجَتَہٗ ضمیر مذکر کے قرینے سے تخفیف کے لیے تاء تانیث گر گئی۔ اَصْلَحْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا وَھَبْنَا کے جملے کا دونوں مل کر معطوف فَاسْتَجَبْنَا کا سب علف ملکر جملہ معطوف ہو کر تفصیل ہوئی نادیٰ کی سب مل کر اِذْ کر کا ظرف ہے۔ اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے کیونکہ یہ فعل کے دو معمولوں پر عمل کرتا ہے اور فعل کی طرح رفع ونصب کا اعراب دیتا ہے فرق یہ ہے کہ فعل کے دونوں معمولوں کا نام فاعل مفعول ہوتا ہے اور اس کے معمولوں کا نام اسم وخبر ہے۔ یہاں سے نیا جملہ شروع ہوتا ہے ایک قول میں یہ نیا جملہ نہیں بلکہ فَاسْتَجَبْنَا کی تعلیل ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع حضرت زکریا اور ان کے اہل خانہ بیوی اور یحیٰی علیہم السلام ہیں ایک قول میں اس کا مرجع سابقہ مذکور انبیاء علیہم السلام ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ منصوب متصل ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی استمراری جمع مذکر غائب مثبت معروف مصدر ہے مُسَارَعَۃٌ سُرْعَۃٌ سے بنا ہے سَرْعٌ اس کا مادہ ہے بمعنیٰ جلدی کرنا پہل کرنا۔ مفاعلۃ میں آکر مبالغہ پیدا ہوا یعنی بہت جلدی کرنا سب سے زیادہ پہل کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع حضرت زکریا اور آپ کی بیوی بیٹا۔ فِی حرف جر ظرفیہ اَلْخَیْرَات اسم معرف باللام جمع مؤنث سالم کثرت بمعنیٰ ہر قسم کا اچھا کام عمل نیکی اس کا واحد ہے خَیْرٌ مصدر اجوف یائی بروزن بَیْعٌ یہاں حاصل مصدر جامد ہے اسی لیے جمع ہو گیا ورنہ مصدر اور مادے کی جمع نہیں ہو سکتی یہ جار مجرور متعلق ہے کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَدْعُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع معروف مثبت جمع مذکر غائب بمعنیٰ ماضی استمراری اپنے سابقہ فعل معطوف علیہ کی وجہ سے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یَدْعُوْنَ کا ایک قرأت میں یَدْعُوْنَّا ہے جمع مذکر اور جمع متکلم کی نون کو آپس میں مدغم مشدد کر دیا گیا۔ بعض نے اس کو یَدْعُوْا نَا پڑھا ہے۔ جمع مذکر کا نون کو حذف کر کے دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دعا مانگنا رَغَبًا اسم مفرد مصدر بمعنیٰ خوش دلی۔

تمنا، محبت کرنا چاہنا، پسند کرنا رغبت کرنا) نرمی ہونا عیش و آرام ہونا یہاں ہر معنٰی مناسب ہے واؤ عاطفہ ہے رَھَبًا اسم مفرد مصدر بمعنٰی ڈرنا۔ خوف زدہ ہونا مرعوب ہونا تنگ دست ہونا۔ اسی معنٰی میں مجازًا آستین کو رھب کہا گیا۔ کیونکہ غریب کے پاس تھوڑا مال ہوتا ہے اور پہلے زمانوں غریب لوگ اپنی آستینوں میں اپنا مال چھپاتے تھے جیسے آجکل جیب میں۔ یہ دونوں مصدر معطوف علیہ معطوف ہو کر حال ہے یَدْعُوْنَ کے فاعل کا ان کی تین قرأتیں کی گئی ہیں ۱ رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۲ رَغْبًا وَّ رَهْبًا ۳ رُغْبًا وَّرُهْبًا مشہور پہلی ہے۔ یَدْعُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ كَانُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل ناقصہ ھُم ضمیر پوشیدہ اس کا اسم لَنَا جار مجرور اس کا متعلق خٰشِعِيْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے خَاشِعٌ۔ خُشُوْعٌ سے مشتق ہے بمعنٰی ہیبت اور رعب میں آنا بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے كَانُوْا کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں عطف مل کر معطوف كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ کا وہ دونوں مل کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ واؤ برجملہ اَلَّتِيْ اسم موصول واحد مؤنث یہ ہمیشہ درمیانِ کلام میں آتا ہے یہاں بھی درمیان کلام ہے کیونکہ اس سے پہلے اُذْكُرْ فعل امر پوشیدہ ہے اَحْصَنَتْ بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب مصدر ہے اِحْصَانٌ، حِصْنٌ سے بنا ہے بمعنٰی حفاظت کرنا۔ قید میں کرنا۔ قید سے آزاد کرنا۔ پاک باز ہونا عورت کا کنوارہ رہنا یہاں اسی معنٰی میں ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع اَلَّتِيْ ہے فَرْجَ اسم مفرد جامد بمعنٰی شرم گاہ عورت و مرد کی لغوی ترجمہ ہے کٹا وہ جگہ اس کی جمع ہے فُرُوْجٌ۔ مصدری معنٰی ہے پھاڑنا، سوراخ کرنا۔ یہ مضاف ہے هَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَحْصَنَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تفصیلیہ بمعنٰی ثُمَّ تراخیہ نَفَخْنَا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنٰی پھونک مارنا یہاں مراد ہے ڈالنا زندہ کرنا فِيْ جارہ ظرفیہ مکانیہ هَا ضمیر کا مرجع اَلَّتِيْ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ رُّوْحِنَا یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے نَفَخْنَا کا سب

مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے نَفَخْنَا کے جملہ پر دونوں عطف مل کر معطوف علیہ ہے
واؤ عاطفہ جَعَلْنَا باب فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم ھَا ضمیر واحد مؤنث معطوف علیہ واؤ
عاطفہ اِبْنَ اسم مفرد جامد بمعنی وہ بیٹا جو اپنی پرورش میں ہو مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ یہ
مرکب اضافی معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ اول ہوا اٰیَۃً اسم مونث لفظی واحد ہے اس کی
جمع آیات ہے یہ تنوین تعظیمی ہے بمعنی بڑی مراد ہے قدرت کی بڑی نشانی یہ مفعول بہ
دوم لِّلْعٰلَمِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا۔ جَعَلْنَا متعدی بدو مفعول اپنے فاعل دونوں
مفعولوں اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے سب عطف مل کر عطف تفصیلی ہے
اَحْصَنَتْ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا الَّتِیْ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے اُذْکُرْ
پوشیدہ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ. فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ اور تذکرہ فرمائیے اے محبوب دنیا میں مبلغ اعظم آخرت میں گواہ اعظم بن کر ہمارے نبی زکریا کا تاکہ تمام انسانوں کو سچے حالات کا پتہ لگے اور یہود نصارا کی لغویات کا پردہ فاش ہو۔ وہ واقعہ سنائیے جب حضرت زکریا نے ایک ملتجیانہ مناجات میں اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب کریم مجھ کو اس دنیا میں اکیلا بے وارث بے اولاد نہ چھوڑ بلکہ دنیوی وارث بھی عطا فرما جو میری وراثت نبوت علمیت روحانیت کا منصب سنبھال سکے۔ اور یہ تو میرا یقین صادق وایمان کامل پہلے ہی ہے کہ تو تمام وارثوں سے اچھا وارث اور بہتر بن محافظ تو ہی ہے۔ اس لیے کہ وہ فانی ہیں تو باقی ہے وہ میت ہیں تو حی ہے۔ وہ عارضی محافظ ہیں تو دائمی محافظ۔ وہ مجازی ہیں تو حقیقی ہے۔ وہ صرف ظاہر کے محافظ تو ظاہر وباطن کا محافظ۔ وہ صرف مال کے محافظ تو مال واسباب ذات وصفات کا محافظ۔ وہ صرف بعد موت وارث تو بندوں کا موت وحیات میں وارث۔ وہ صرف حاضر حالات میں وارث تو حاضر وغائب میں وارث وہ ناقص وارث تو کامل وارث۔ وہ لے کر وارث تو دے کر وارث وہ صرف اپنی قرابت کے وارث ہیں تو اپنی تمام خلقت کا وارث۔ وہ صرف میرا وارث ہو گا مگر تو تمام کائنات

کا وارث۔ وہ میری امانت کا وارث ہوگا تو میری حفاظت کا وارث ہے۔ لہٰذا۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ۔ تو ہی سب وارثوں سے اچھا وارث ہے۔ تیری حفاظت کے ہوتے ہوئے مجھے کسی دوسرے محافظ کی ضرورت نہیں، وارث تو تو ہی کافی ہے مجھ کو تو صرف جانشین چاہیئے جو میری نبوت۔ تبلیغ، تدریس، تعلیم و تربیت قوم میں میری جگہ، میرا مصلّٰے، میری مسجد، میرا منبر سنبھال سکے اور ان کا حق ادا کر سکے صرف قابض ہی نہ بنے۔ مجھے اپنی موجودہ قوم اپنی برادری رشتے داروں میں کوئی بھی اس صلاحیت، لیاقت اہلیت قابلیت کا نظر نہیں آتا۔ اس لیے مجھ کو میری اولاد عطا فرما۔ اگرچہ میں بوڑھا ہوں شیخ فانی کی عمر کو پہنچ گیا ہوں ابھی تک لا ولد ہوں میری بیوی اب بوڑھی بھی ہے اور شروع سے بانجھ بھی ظاہراً تو نہ میں اس قوت والا رہا نہ میری بیوی۔ مگر اے میرے رب بے موسم پھل دینے کی قدرتوں والے مجھ بوڑھے بے موسے کو بھی اولاد کا ایک ہی پھل عطا فرما دے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ جب ہمارے زکریا نے ہماری بارگاہ میں اپنی یہ عظیم دعا اَلْكَلَامُ مَا قَلَّ وَدَلَّ والی التجا عرض کی تو ہم نے ان کے لیے اس خواہش کو جلدی ہی قبول فرما لیا کیونکہ ہم اپنے انبیا کی ہر دعا قبول فرما لیتے ہیں خواہ وہ دعا موسمی ہو یا بے موسمی ظاہری ہو یا باطنی، خفیہ ہو یا علانیہ، مناجات میں ہو یا مکالمات میں اور اس قبولیت میں خاص اپنی قدرت و حکمت سے ایک اچھی مبارک حیات والا یحییٰ بطور عطیۂ ربانی بخش دیا اور اس عطا کے لیے اُن کی بوڑھی اور پیدائشی بانجھ بیوی کو ہم نے اولاد کی صلاحیت والا بنا دیا۔ اس طرح کہ خاوند بوڑھا ہی رہا مگر ایک بیٹے کا نطفہ اس میں پیدا کر دیا گیا جس سے وہ قابلِ زوجیت ہو گیا۔ اور بیوی بھی اسی طرح بوڑھی ہی رہی صرف رحم کی خشکی دور کر دی گئی جو بانجھ پن کا سبب تھا۔ بانجھ پن دور ہو گیا اور صدر مادری میں بیضۂ ولادت پیدا کر دیا گیا۔ ہم اپنے تمام انبیاء و رُسُل کی ہر دعا اس لیے بھی قبول فرما لیتے ہیں کہ وہ ہمارے پیارے معزز و معظم بندے ہر نیکی و خیرات کو بغیر کسی سُستی و غفلت کے فوراً ادا کر لیتے ہیں نہ لغزش کرتے ہیں نہ غلطی نہ بے وقتی کرتے ہیں نہ بعد وقتی اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اپنے ہر دینی دنیوی چھوٹے بڑے ذاتی صفاتی خبر خیراتی اقوال و اعمال اذکار و

اسباب میں ہم سے بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ اُن دعاؤں کی شان یہ ہوتی ہے کہ ہم پر
کامل یقین کی رغبت اور خوشی کے ساتھ اور انکسار و عجز کی رہبت کے ساتھ
زبانِ نبوت سے ادا ہوتی ہیں۔ ان میں ہمارے جمال کی رغبت ہوتی ہے اور ہمارے
جلال کی رہبت۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ قیاماً دعا رغبت ہے قعوداً دعا رہبت
ہے سینے تک ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں جوڑ کر دعا مانگنا
رغبت ہے اور ہاتھ بشکل سجدہ زمین پر رکھ کر سجدے میں رب تعالیٰ
سے دعا مانگنا رہبت ہے اور ہمارے یہ انبیاء و مرسلین اتنی رغبت محبوبیت
اور رہبت مرعوبیت کے باوجود۔ کانوا لنا خاشعین ہمارے قربِ حضوری میں کمال
خشیت سے رہنے والے ہیں۔ ہماری رغبت اُن کے کلاموں میں۔ رہبت ان
کی دعاؤں میں اور خشیت اُن کی اداؤں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ رغبت زبان میں اور
رہبت عقل میں خشیت قلب میں ہوتی ہے رغبت چہرے کی بشاشت میں
رہبت بدن کی تھرتھراہٹ میں اور خشیت سینے کی حرارت میں ہوتی ہے، اور اسی
طرح رغبت صبر میں ہوتی ہے۔ رہبت شکر میں خشیت فکر میں ہوتی ہے رغبت
طریقت میں، رہبت شریعت میں خشیت معرفت میں ہوتی ہے۔ رغبت خلیل ہے
رہبت کلیم ہے اور خشیت حبیب ہے، غرضکہ تمام انبیا کا خلاصۂ حیاتِ مقدسہ
یہی تین چیزیں ہیں۔ یہی تعلیم انبیا ہے یہی تبلیغ اور یہی تربیت ہے۔ یہی ریاضتِ
عظیم عبادتِ کریم اور سعادتِ قدیم ہے۔ رغبت کی تین کیفیات ہوتی ہیں ۱ رغبت
فیہ ۲ رغبت الیہ ۳ رغبت عنہ۔ اگر بندے کو اپنے ارادے کی طلب کثیر ہو
تو رغبۃ فیہ ہے اگر طلب اور خواہش پیہم اور مسلسل ہو تو رغبت الیہ ہے اور اگر
بے توجہی عدم دلچسپی ہو تو رغبت عنہ ہے یعنی بے رغبتی ہے۔ اسی لیے دعا میں
رغبت فیہ اور التجا میں رغبت الیہ چاہیئے تب ہی قبول ہوتی ہے۔ حضرت زکریا
علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی چار سورتوں کی اٹھارہ آیتوں میں کیا گیا جن میں آپ کی شان
کے مختلف پہلو بیان فرمائے گئے۔ مثلاً پہلی سورۃ آلِ عمران از آیت ۳۷ تا آیت ۴۱
ان پانچ آیتوں میں چھ باتیں فرمائی گئیں۔ اول کفالتِ مریم دوم حضرتِ مریم کے پاس
بے موسم پھل دیکھ کر اپنے لیے بیٹے کی دعا مانگنا سوم آپ کو ملائکہ کی بشارت

فرزند۔ چہارم بیٹے کی شان نام اور نبوت و عظمت کا ذکر پنجم۔ ولادت فرزند کے بارے میں آپ کا رب تعالیٰ سے سوال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ششم، ظہور بشارت کی علامات کا ذکر۔ دوسری سورۃ انعام کی آیت ۸۵ میں چار انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک بھی ہے۔ اور صالحین میں سے ہونے کا ذکر۔ سوم سورۃ مریم کی دس آیتوں میں از ۲ تا ۱۱ میں ان ہی چھ باتوں کا ذکر ہے جو سورۃ آلِ عمران میں گزریں۔ صرف فرق یہ کہ وہاں ابتدا کی طرف اشارہ تھا یہاں انتہا اور تکمیل کا ذکر مزید یہاں عَبْدَهٗ کا اعزاز بخشا گیا جو نبوت کا سب سے بڑا اعزاز ہے اور آپ کی دعاء اولاد کو نِدَآءً خَفِیًّا فرما کر تین چیزیں واضح فرمائی گئیں ہیں ۱ دعا کا طریقہ ۲ دعا کا مقام ۳ دعا کا وقت یعنی یہ دعا مناجات تھی خلوت میں آہستہ، رات کے وقت مانگی گئی۔ چوتھی یہی سورۃ انبیاء از آیت ۸۹ تا ۹۰ دو آیتوں میں تین باتوں کا ذکر فرمایا گیا ۱ بیٹے کی طلب ۲ بشارت فرزند ملنے کا ذکر ۳ بوڑھی اور بانجھ بیوی کے قابلِ اولاد ہونے کا ذکر۔ ان چار سورتوں میں سات بار آپ کا نام مبارک آیا۔ آلِ عمران میں تین بار سورۃ مریم میں دوبار۔ انعام میں ایک بار۔ سورۃ انبیاء میں ایک بار۔ زکریا علیہ السلام کی پوری زندگی مبارک کے حالات میں سے قرآن مجید میں صرف آپ کے بڑھاپے کا ہی زیادہ تذکرہ ہے اور اسی تذکرے کا حکم دیا گیا کہ آپ سخت ترین بوڑھے ناقابلِ اولاد ہو گئے۔ اس عمر میں آپ نے اپنی بھانجی مریم کو گود لیا۔ اور کفالت فرمائی۔ بڑھاپے کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا۔ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا۔ اور وَهَنَ الْعَظْمُ یعنی سر تک ضعیفی بھر گئی ہڈیاں بھی سوکھ گئیں۔ اعضا کی کمزوری تو اس سے بھی زیادہ ہو گئی، اور جب مریم جوان ہوتی ہیں تو آپ اُن کے پاس کھڑے ہو کر بیٹے کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ان باتوں کے ذکر میں اور حکمتوں کے علاوہ غالباً یہ حکمت بھی ہے کہ یہودیوں نے حضرت زکریا پر تہمت لگائی تھی کیونکہ وہ خلوت میں مریم کے پاس جاتا ہے اور اور اسی لئے آپ کو جنگل میں شہید کر دیا۔ بدبختوں نے یہ نہ سوچا کہ کہاں تیرہ سالہ چھوٹی بچی اور کہاں ایک ترانویں سال کا گھر بار بیوی والا بوڑھا جو اب اتنا بوڑھا کہ وَهَنَ الْعَظْمُ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا ہو چکا ہے جس کی ہڈیاں پٹھے تک خشک اور ڈھیلے ہو گئے سر سے پیر تک بڑھاپا پھوٹا پڑ رہا ہے۔ وہ بھلا

کیا کر سکتا ہے اپنی اولاد ہی نہیں ہو سکتی۔ اے عقل کے اندھو اُس سے تہمت لگا رہے ہو اور نیک پاک باز اتنا کہ پورا معاشرہ جس کی ہمہ وقتی عبادت ریاضت تسبیح و حمد خوانی سے معطر و منور ہے۔ دراصل زکریا علیہ السّلام کے ان ہی حالات۔ واقعات۔ کیفیات کا ذکر کرنا مُنْشَاءِ یہود اور اُن کی تالمود۔ بائبل کی بکواسیات کا رد فرما کر اصل حقیقت اور شانِ رسالت ظاہر و مشہور فرمانا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

حضرت زکریا علیہ السّلام کا حلیہ اور نسب نامہ

زکریا علیہ السّلام ابن اُدن دیادان یا لدن یا اُشْنَبَہْ، مختلف کتبِ تاریخ نے آپ کے والد کے نام میں یہ چار مختلف اقوال ذکر کئے ہیں) ابن برخیا ابن مسلم ابن صدوق ابن حبشان ابن داؤد ابن سلمان ابن سلم ابن صدیقہ ابن برخیا ابن بلعاط ابن ناحور ابن شلوم ابن بہفاشاۃ ابن ایامن ابن رحبعام ابن سلیمان علیہ السّلام ابن داؤد علیہ السّلام (از تاریخ ابن کثیر جلدِ دوم ص۴۷) آپ نسلِ داؤدی سے۔ بنی اسرائیل تھے۔ اور بیت المقدس کے منتظم اور خانقاہ صوتی جس کو عبرانی میں کاہن عربی میں مجاور کہا جاتا ہے لیکن نجومی جوتشی کو بھی عبرانی میں کاہن کہا جاتا تھا۔ آپ کی بیوی محترمہ کا نام ایشباع تھا بعض نے ایشاع لکھا ہے مگر موجودہ یہود و نصاریٰ اس لفظ کو بگاڑ کر ایلز بیتھ لکھتے ہیں جیسے کہ داؤد کو ڈیوڈ موسیٰ کو موسز عیسیٰ کو جیزز سے بگاڑ دیا۔ حضرت ایشباع بہت بڑی ولیہ کاملہ عابدہ زاہدہ نیک متقی تھیں۔ بنی اسرائیل میں سے حضرت ہارون علیہ السّلام کی نسل سے تھیں۔ حضرت ایشباع اور حضرت مریم کی والدہ حنہ دونوں سگی بہنیں تھیں عمران کی بیٹیاں ایشباع کی عمر دعاءِ فرزند کے وقت ننانوے سال تھی بعض نے کہا ہے کہ ستر سال تھی۔ واللہُ اعلم۔ مشکوٰۃ شریف باب ذکر انبیاء فصل اول ص۵۰۹ میں بحوالہ مسلم، ابن ماجہ اور مسند احمد۔ ایک حدیث منقول ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ زَکَرِیَّا نَجَّارًا۔ یعنی حضرت زکریا بڑھئی (ترکھان) تھے۔ اور دروازے کھڑکیاں پیڑھی پٹلے چار پائیاں بنا کر بیچا کرتے تھے آپ نے کبھی کوئی پیسہ جمع نہ کیا گھر یلو خرچہ سے جو بچتا روز کے روز خیرات کر دیتے۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ میں اس طرف بھی اشارہ ہے دوسرے دن

کے لیے بھی کچھ نہ رکھتے آپ کا آبائی گھر تین کمروں پر مشتمل بالکل بیت المقدس کے ساتھ تھا آپ کے معمولات اس طرح تھے کہ آدھی رات سے اپنی عبادت شروع فرماتے بعد طلوع آفتاب بیت المقدس کے انتظامات اور ذمہ داریاں منتظمین کو بتاتے پھرتے پھر دو پہر تک اپنی چیزیں بناتے پچھلے پہر بعد قیلولہ تبلیغ کے لیے نکلتے غروب آفتاب تک بعد مغرب بیت المقدس میں لوگوں کے ساتھ تقریباً دو ساعت عبادت فرماتے آپ کی شریعت میں صرف مغرب نماز فرض تھی۔ پھر گھر آکر چھ ساعت آرام فرماتے ایک دن چیزیں بناتے دوسرے دن بیچتے۔ آپ کی عمر میں چھ قول ہیں ۱ آپ کی عمر دعاءِ فرزند کے وقت اکہتر سال تھی ۲ نوّے سال تھی ۳ بانوے سال تھی ۴ سو سال تھی ۵ ایک سو بیس سال تھی یہی قول درست ہے کیونکہ روایت سے ثابت ہے ۶ آپ کی کُل عمر ایک سو چھبیس سال ہوئی ولادت یحییٰ علیہ السّلام سے تین دن پہلے آپ کی زبان دنیوی کلام بولنے سے بند ہو گئی تھی لیکن عبادت کے الفاظ بالکل درست ادا ہو سکتے تھے یہ حصرِ لسانی قدرتی نشانی تھی نہ کہ بیماری ولادت کے بعد یہ رکاوٹ ختم ہو گئی۔ بعض جُہلا نے لکھا کہ آپ کی زبان میں خرس یعنی گونگے پن کی بیماری پیدا ہو گئی تھی مگر یہ غلط ہے کیونکہ گونگا تو کچھ بھی زبان سے نہیں پڑھ سکتا آپ کا تین دن تک نہ بولنا خرس نہ تھا بلکہ حصر تھا۔ کتبِ سیر میں آپ کا حلیہ شریف اس طرح لکھا ہے کہ آپ بچپن سے ہی دبلے پتلے باریک ہڈی والے تھے لمبا قد رنگ سفید زردی مائل آنکھیں سیاہ بڑی بڑی بینی مبارک اونچی بال مضبوط اور موٹے گھنے زلفیں کانوں تک رکھتے داڑھی مقدس گھنی تھی چار انگل برابر رکھتے تھے نہ کم نہ زیادہ داڑھی شریف کا چار انگل برابر رکھنا تمام انبیا کی سنّت ہے علیہم السّلام بڑھاپے میں آپ کی کمر جھک گئی تھی غالباً وَهَنَ الْعَظْمُ کا اثر تھا انبیا میں صرف آپ کی کمر جھکی تھی۔ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ کا معنی ہے کہ آپ کے تمام بال بالکل سفید ہو گئے تھے چاندی کی طرح چمک دار دودھ کی طرح سفید تھے سر داڑھی مونچھیں پلکیں بھنویں سب اسی طرح سفید۔ چہرے پر بارعب وجاہت نکھرا حسن مکھ اکثر غمزدہ رہتے عشقِ الٰہی میں آنکھیں نم رہتیں یادِ الٰہی میں زبان جاری رہتی بہت کم سخن ہمیشہ آہستہ چلتے آہستہ بولتے سینے مبارکہ پر تھوڑے سے سفید بال۔ اکثر سبز رنگ کی ٹوپی پہنتے اور سفید رنگ کا اونی جبّہ پہنا کرتے۔ آپ کے ہی پرانے جبّے حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے تا عمر پہنے۔ حضرت یحییٰ کا قد بھی اپنے والد

کے برابر ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح خوب صورت جسم وجاہت والا چہرہ، حضرت زکریا چوبیس گھنٹے میں صرف ایک روٹی تناول فرماتے۔ آپ کے جسم میں قدرتی خوشبو تھی یہ قدرتی خوشبو درجہ بدرجہ کم وبیش ہر نبی کے جسم میں ہوتی ہے علیہم السلام۔ فرمایا مفتی امین الدین بدایونی علیہ الرحمۃ نے کہ دنیا کے خوشبودار پھول انبیاء کرام کے پسینوں سے پیدا کیے گئے۔ واللہ اَعلم۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس اور پسینے مبارکہ معطرہ کی خوشبو تو اُن سب سے کثیر وعظیم ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ جس گلی سے گزر جاتے وہاں کے در ودیوار معطر ہو جاتے۔ یہ تھے سورۃ انبیا میں انبیا علیہم السلام کے شان وعظمت والے حالات کے تذکرے۔ وَالَّتِیٓ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا فَنَفَخۡنَا فِیۡہَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰہَا وَابۡنَہَاۤ اٰیَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ اور اُس نیک وپاکیزہ بی بی کا بھی سچا حال صحیح مقال بیان فرما دیجئے جس نے اپنی ظاہری باطنی فرج کی بہت اچھی طرح حفاظت فرمائی اور اپنے رحم کو حمل نبوت کے لیے پاکیزہ رکھا محفوظ بنایا اور اس طرح نبی کی والدہ بننے کا شرف حاصل کیا اور کائنات عالم میں انبیا علیہم السلام کی ماؤں کی طہارت، دیانت امانت اور ایمان کا حسین نقشہ بنا دیا کہ تمام انبیا علیہم السلام کی مائیں اسی طرح شرک کفر بے دینی۔ گمراہی فسق وگناہ۔ بغاوت۔ فحاشی، اور ہر قسم کی برائیوں کے ارتکاب سے پاکیزہ اور اپنے آپ کو بچائے رکھنے والی ہوتی ہیں۔ ان کے دامن ہمت عصمت وطہارت سے تو حوران بہشتی برکتیں حاصل کرتی ہیں نہ کوئی کافر انکا خاوند بن سکتا ہے نہ بدکار وفاسق۔ جب اُس پاکیزہ بی بی نے اپنی حفاظت قائم رکھی تب ہم نے اُس طاہرہ، مطہرہ، عابدہ زاہدہ نفیسہ بتولہ عورت کے پاکیزہ باطن میں اپنی روح نبوت کو پھونک دیا جو قدرت الٰہی سے مجسم زندہ ہو کر اُس کا بیٹا کہلایا۔ روح پھونکنے کا معنیٰ ہے زندگی بخشنا۔ اور ہم نے اُس بی بی کو اور اُس نمونۂ قدرت والے خصوصی منفرد بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے ایک عظیم تر نشانی مخلوق بنا دیا۔ کیونکہ بلا خاوند کے اس طرح بغیر نطفہ پوری کائنات کے لیے قدرت کا بے مثال نمونہ ہے۔ جنم دینے والی والدہ بھی اور جنم لینے والا بیٹا بھی۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار فلسطین کے ایک شہر اَرِیحا میں ہے۔ اور اس کے قریب ایک چھوٹی کفرِ برِیک بستی میں لوط علیہ السلام کا مزار اقدس ہے یہ علاقے اب اسرائیلی حکومت میں ہیں۔ ان آیات میں مفسرین کے

اَقوالِ مختلف ہیں وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ ہم نے ان کی بیوی کا ان کے لیے بانجھ پن ختم کر کے اُس کو قابلِ اولاد بنا دیا۔ دوم یہ کہ وہ بیوی بہت بداخلاق تھی ہم نے حُسنِ اَخلاق والا بنا دیا مگر یہ قول بالکل غلط اور جاہلانہ ہے اور حضرت ایشاع رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی ہے۔کسی جاہل نے یہ گستاخی بنائی ہے اور کتنی بُری حرکت ہے کہ صرف اپنی نافہمی کم عقلی کی بنا پر بلا دلیل بلا اشارہ کنایہ خواہ مخواہ ایک نیک پاک ولیہ نبی کی بیوی جو تقریبًا اَسّی سال صحبتِ نبوّت سے سرفراز ہونے والی پاکیزہ عورت کو بداَخلاق کہدیا نہ آیت کا سیاق دیکھا نہ سباق نہ لفظِ لَهٗ پر غور کیا پوچھو اسی جاہل سے کہ اَسّی سال بعد اب اَخلاق کی اصلاح کرنیکی ضرورت پیش آئی اور وہ بھی صرف لَهٗ، حضرت زکریا کے لیے اور کیا قبولیتِ دعا کے وقت ہی بداَخلاقی کی اصلاح ضروری تھی پہلے نہ تھی۔ کتنی ظاہر بات ہے کہ بچے کی بشارت ہے بیوی بانجھ اور بوڑھی ہے اس وقت تو بانجھ پن کی اصلاح ضروری تھی زکریا علیہ السّلام بھی اسی بیماری کا بار بار ذکر عرض کر رہے ہیں۔ لہٰذا اَصْلَحْنَا لَهٗ فقط ان کے لیے ہے کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی یہ معنیٰ کم سے کم عقل والے کو بھی سمجھ آنے والا ہے۔لیکن تخریب کاروں کی تخریب کاری کو دیکھئے کہ قرآنِ کریم کے اتنے صاف کلام کو بھی اختلافی اُلجھنوں میں پھنسا دیا تو اسلام و قرآن کے دیگر مسائل ان کی بدفطرتی سے کب بچ سکتے ہیں اسی اندھی تخریب کاری سے بچنے کے لیے فقہاءِ اسلام نے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا کہ جس مسئلے اور معنیٰ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہوگا فقط اسی کو اختلافی مسئلہ کہا جائے گا۔لیکن جس میں ان چار ائمہ کا اتفاق ہوگا وہ تاقیامت متفق علیہ ہوگا۔ ورنہ جاہل لوگوں سے تو اسلام کا کوئی مسئلہ بھی سلامت نہ رہا، ہر کم عقل قلم سے کر دوڑا پھر رہا ہے اور بیہودہ اقوال کے نشتر چلا رہا ہے اسی تخریب کاری سے نئے نئے فرقے جنم لیتے ہیں اور ہر باطل کو ان اقوالِ جاہلانہ سے سہارا مل جاتا ہے بلکہ اس گندی بھرمار سے ہر مسلمان پریشان اور اُلجھا ہوا ہے فقہاءِ احناف نے تو امامِ اعظم کے قول کے ہوتے ہوئے امام محمد اور امام یوسف کے قول کو بھی متروک کر دیا ہے دیکھو فتاویٰ شامی جلد اوّل۔ مسئلہ عبادت کا ہو یا وراثت کا قضا کا ہو یا طلاق و نکاح کا۔ اس لیے کہ اگرچہ ان شاگردوں نے اپنے استاد سے تقریبًا ہر مسئلے میں اختلاف تو کیا مگر دلائل سخت کمزور

خاص کر امام محمد صاحب کے دلائل تو نہایت کمزور ہوتے ہیں۔ بہر حال حضرت ایشاع کی بداخلاقی کا ذکر کہیں نہیں ملتا اس لیے یہ قول مردود ہے ۲؎ اِنَّهُمْ كَانُوْا کے مرجع میں دو قول ایک یہ کہ تمام انبیا مراد ہیں۔ دوم یہ کہ صرف حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی اور حضرت ایشاع علیہم السلام مراد ہیں ۳؎ رَغَبًا کی قرأت میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ رَغَبًا ہے بمعنی رَاغِبٌ صیغہ واحد دوم یہ رُغُبًا ہے راغب کی جمع جیسے خادم کی جمع خدم بھی ہوتی ہے یعنی راغبین سوم یہ کہ یہ رَغْبًا ہے مصدر مفعول مطلق اس کا فعل پوشیدہ ہے ۴؎ رَهَبًا میں بھی یہی تین قرأتیں ہیں انہی تین معنوں میں مگر رَغَبًا کی پہلی قرأت مشہور ہے اور رَهْبًا کی تیسری قرأت ۵؎ اَحْصَنَتْ میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے حرام و حلال سے اپنے آپ کو کنوارہ رکھ کر اپنی فرج کی حفاظت کی یہاں یہی قول درست ہے دوم یہ کہ اَحْصَنَتْ میں معنیٰ ہے حرام سے اپنی فرج کو بچایا۔ اس لیے کہ شادی شدہ پاکیزہ عورت کو بھی مُحْصِنَہ کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ نور میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رب تعالیٰ نے محصنہ فرمایا حالانکہ آپ کنواری نہ تھیں۔ سوم یہ کہ اَحْصَنَتْ کا معنیٰ ہے جبرئیل سے اپنے آپ کو بچایا جب تک کہ نہ پہچانا تھا مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ یہاں فَرْجَهَا ہے نہ کہ نَفْسَهَا۔ ۶؎ فَرْجَهَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ فرج سے مراد شرم گاہ ہے دوم یہ کہ فرج سے مراد گریبان ہے ۷؎ فَنَفَخْنَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے منہ سے پھونک مارنا دم کرنا اور جبرئیل کے فعل کو اپنی طرف نسبت فرمائی۔ دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے زندگی بخشنا اور اللہ تعالیٰ کا فعل ہی مراد ہے جیسے کہ آدم علیہ السلام کے لیے ارشاد باری تعالیٰ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۸؎ لِلْعٰلَمِيْنَ دو قول ایک یہ کہ تمام جہانوں سے مراد تمام مخلوقِ ارضی و سماوی ہے یہی قول درست ہے بلا وجہ توڑ موڑ جائز نہیں دوم یہ کہ تمام جہانوں سے مراد صرف عالَمِ انسانیت ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ بلا دلیل ہے

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مقبول الدعا ہونے کے لیے یہ شرط لازمی ہے کہ بندہ ہر دینی دنیوی کام میں فقط انبیا علیہم السلام کی اتباع کرے قرآن مجید میں انبیا علیہم السلام کی حیات طیبہ کا خلاصہ تین چیزوں میں بیان فرمایا گیا پہلی چیز يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ یعنی ہر

نیکی میں جلدی اور پابندی، دوسری چیز۔ رغبت اور رھبت سے دعا مانگنا۔ تیسری چیز حضورِ بارگاہ میں خشیتِ الٰہی۔ یہ فائدہ۔ فَاسْتَجَبْنَا۔ فرمانے کے بعد انبیا علیہم السّلام کی شان میں یہ تین چیزیں بیان فرمانے سے حاصل ہوا اور تمام مسلمانوں کو بتایا اور سمجھایا جارہا ہے کہ چونکہ تمام انبیا علیہم السّلام کے ہر دینی دنیوی قول وعمل رائے مشورے کی یہی شان وکیفیت تھی۔ اسی لیے ان کی ہر عادت عبادت کی اتباع ضروری اور مفید ہے قرآنِ مجید میں ان چیزوں کے تذکرے فرمانے کا مقصد بھی یہ ہے۔ دوسرا فائدہ اس سورۃ میں رب تعالیٰ نے انبیا کی تقریبًا ایک سو بے مثال تو نیں اور خصوصی شانیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک شان اِن آیت میں یہ بیان فرمائی گئی کہ ان پاکیزہ ہستیوں کو قربِ بارگاہ کا وہ اعزاز حاصل ہے کہ جب چاہیں جو چاہیں اپنے لیے دعا مانگیں قبول ہوتی ہے کبھی نامنظور نہیں اگرچہ وہ دعا قانونِ فطرت کے خلاف ہو انبیا علیہم السّلام کی خوشنودی کے لیے قانون چھوڑ کر قدرت کا کرشمہ دکھا دیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ اور اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو خلقتِ انسانیت کے لیے یہ قانون چھوڑ کر۔ انبیا علیہم السّلام کے سوا کوئی کتنا ہی بڑے مرتبے والا ہو وہ اگر کبھی اس قسم کی دعا مانگے تو کبھی قبول نہ ہو۔ نہ کوئی سابقہ مشاہدہ ہی ہے۔ مگر جب ایک نبی زکریا علیہ السّلام نے ایسی خلافِ قانون دعا مانگ لی تو بھی رب تعالیٰ نے رُدنہ فرمائی قانون توڑ دیا ان کے لیے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ تیسرا فائدہ کسی بھی نبی علیہ السّلام کی والدہ کافرہ فاسقہ نہ ہوئی نہ ہوسکتی ہے اِس کی وجہ یہ کہ اُس والدہ کے جسم میں نبوّت کا نور اور نبی کا وجود رکھا جاتا ہے۔ نبی کے وُجود کی شان تو یہ ہے کہ جس قبر اور جس مٹی میں رکھا جائے وہ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ کا رتبہ حاصل کرلیتی ہے تو جس رحم میں امانت رکھنا ہو وہ کسی گندگی سے پلید کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ کفر وشرک سب سے بڑی نجاستِ غلیظہ ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اور دوسری جگہ سورۃ حج آیت ۳۰ میں ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ یعنی بتوں کی گندگی سے بچو۔ دوسری وجہ یہ کہ والدہ کا ادب کرنا نبی پر بھی لازم ہے لیکن کافرہ کا ادب کرنا گناہِ عظیم ہے۔ یہ فائدہ۔ سورۃ انبیاء میں والدۂ عیسیٰ علیہ السّلام حضرت مریم کے تذکرے اور وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

کے بعد۔ فَنَفَخْنَا فِیْھَا کی فاءِ ترتیبیہ سے حاصل ہوا یعنی وہ عورت جس نے اپنی فرج کو ہر قسم کی گندگی سے بچائے رکھا تب ہم نے اس میں اپنی روح کو زندگی بخشی گویا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم اس میں اپنی روح کی امانت بھی نہ رکھتے۔ سورۃِ انبیا میں ایک غیر نبی شخصیت کے ذکر کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تمام انبیا علیہم السّلام کی والدات کی شانِ طہارت و عظمتِ ایمان بیان فرمائی جائے اور دنیا میں نبی کی پہلی جائے رہائش کا بیان ہو تا ثابت ہو اکہ اس سورۃ میں تذکرۂ مریم بھی نبوت کی ہی ایک خدا داد شان کا بیان و اظہار ہے اور یہ کہ کافرہ عورت نبی کی والدہ نہیں ہو سکتی اگرچہ نبی کی بیوی بن گئی ہو جیسے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی دوسری بیوی کافرہ تھی اسی لیے ایک کافر بیٹے کو ہی جنم دے سکی لوط علیہ السّلام کی بیوی جو قومی محبت میں سرشار ہو کر اپنے خاوند نبی کی مخالفت کی وجہ آخری عمر میں کافرہ ہو گئی تھی یہ دونوں عورتیں نبی تو درکنار کسی ولی اللہ کو بھی جنم نہ دے سکیں اس لیے کہ بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں اور لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عطائیں سب انبیا پر یکساں ہیں اگرچہ قُربِ حضوری کی فضیلت میں۔ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ کی تحقیق ہے کہ کوئی صفی کوئی نجی کوئی خلیل کوئی ذبیح کوئی کلیم کوئی مسیح کوئی حبیب ہے۔ کوئی بَارَکْنَا حَوْلَھَا لِلْعٰلَمِیْنَ کوئی اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور کوئی رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ محققین کے نزدیک اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ میں ہر قسم کے کافر مراد ہیں اس لیے ظاہراً اگرچہ کفر عام ہے شرک سے مگر حقیقتاً ہر کفر میں شرک داخل ہے یہودی ہو یا عیسائی ھندو ہوں یا مرزائی۔ سکھ ہو یا دہریہ۔ اگرچہ اپنے منہ سے خود کو موحّد کہتے پھریں کیونکہ شرک نام ہے اللہ کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنا۔ وہ جھوٹی بات اولاد کی نسبت ہو یا بہت سے الٰہوں کی یا جھوٹی نبوت کے یا سچے انبیا کے انکار کی یا دہریت کے مؤثر ہونے کی لہٰذا زُرتشت کو گوتم بدھ کو غلام قادیانی کو نبی کہنے والے سب مشرک ہیں۔ خیال رہے کہ جس طرح ایمان شجرِ طیبہ ہے اور توحید و رسالت اس کے پھل ہیں اسی طرح کفر شجرِ خبیثہ ہے اور شرک و نجاست اس کے پھل ہیں۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، شریعت میں قانونِ دعا یہ ہے کہ ہر دعا رب تعالیٰ سے ہی مانگی جائے کیونکہ دعا عبادت

ہے اور ہر دعا کے اول و آخر حمدِ الٰہی ثناءِ کبریائی ضرور ہو۔ اور آدابِ دعا یہ ہے کہ الفاظِ حمد و ثنا دعا کے مطابق ہوں اگرچہ ظاہراً قدرے مختلف ہوں۔ یہ مسئلہ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا کی دعا کے ساتھ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ کے حمدیہ الفاظ عرض کرنے سے مستنبط ہوا۔ چونکہ دعا میں دنیوی وارث کی طلب تھی اس لیے حمد میں رب تعالیٰ کی دائمی و قائمی و حقیقی قدیمی وارثیت کا ذکر عرض کیا۔ جس طرح ایوب علیہ السلام نے شفاءِ بیماری کی دعا میں وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کے الفاظ سے حمد عرض کی۔ ثابت ہوا کہ بندوں کو تعلیمِ دعا بھی آستانۂ نبوت سے ملتی ہے دوسرا مسئلہ دینی خدمت کی نیت سے ہی ہر کام کی دعا مانگنی چاہیے خواہ دینی کام ہو یا دنیوی مسلمان کی نیت ہر دعا میں دینی خدمت کے لیے طلب کرنے کی ہونی چاہیے دنیوی اغراض کے لیے دعا مانگنا ممنوع ہے۔ یہ مسئلہ وَزَکَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اور رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا۔ کی دعاءِ نبوی سے مستنبط ہوا۔ دیکھو ایک نبی دنیا کی چیز یعنی فرزند کی دعا مانگ رہے ہیں بیٹا بیٹی وغیرہ دنیوی چیزیں ہیں جیسا کہ سورۂ کہف آیت ۴۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ حالانکہ دنیوی اشیا کی طلب شانِ نبوت کے خلاف ہے مگر چونکہ نیت دینی خدمت۔ وراثتِ نبوت جانشینیٔ شریعت کی تھی اس لیے یہ طلب اور دعا جائز ہوئی بلکہ یہ دعاءِ زکریا علیہ السلام تا قیامت مومن مسلمانوں کے لیے تعلیم ہے کہ اے بندو اپنی ہر دعا میں خدمتِ دین کی نیت کر لیا کرو تو دنیوی کام عبادت بن جائے گا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاءِ فرزند تھی۔ لہٰذا اس نیتِ خیر والی اولاد کی دعا سنتِ انبیا ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ دیوبندی اور وہابی حضرات اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لاشریک کا ذکر جمع کے لفظوں سے کرتے ہیں مگر اہلِ سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کو توحید کے لفظ سے یاد کرتے ہیں اور موجودہ دور میں یہ طرزِ کلام وہابی سنی فرق کا نشان بن گیا ہے۔ مثلاً دیوبندی وہابی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے تو کہیں گے۔ اللہ فرماتے ہیں۔ ہمارے معبود ہم کو دیتے ہیں۔ لیکن سنی لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہمارا معبود ہم کو عطا فرماتا ہے۔ ہماری دعائیں سنتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ علماءِ اہلِ سنت فرماتے ہیں کہ

رب تعالیٰ کو جمع کے الفاظ سے بلانا ناجائز اور گناہ ہے کیونکہ توحید الٰہی کے خلاف اور مشرکوں کی گفتگو کے مشابہ ہے۔ مثل شرک ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ جمع کے صیغوں سے رب تعالیٰ سے کلام و خطاب کرنا نہ قرآن مجید سے ثابت نہ احادیث سے لیکن اہل سنت کے طریقہ گفتگو کے بہت ثبوت ہیں۔ یہ مسئلہ۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ سے مستنبط ہوا۔ ایک بار میں نے ایک بہت بڑے وہابی خطیب و شیخ الحدیث سے پوچھا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو جمع کے الفاظ سے خطاب کیوں کرتے ہو۔ یہ شرکیہ طرز تکلم کے مشابہ ہے کیا تمہارے چند معبود ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ معبود تو ایک ہی ہیں مگر ہم ادب کے لیے جمع کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ لوگوں کے نزدیک واحد کے صیغے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تو بے ادبی ہوئی کہنے لگے بالکل سخت بے ادبی ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں آدم علیہ السّلام سے لے کر عیسٰی علیہ السّلام تک سب انبیاء کرام علیہم السّلام کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو کے تذکرے موجود ہیں سب نے رب تعالیٰ کو اَنْتَ ہی سے خطاب کیا۔ آدم علیہ السّلام سے لے کر عیسٰی علیہ السّلام تک سب انبیاء کرام علیہم السّلام کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو کے تذکرے موجود ہیں سب نے رب تعالیٰ کے لیے واحد کا صیغہ ہی عرض کیا آدم علیہ السّلام نے اَنْتَ کہا ابراہیم علیہ السّلام نے بھی اَنْتَ کہا۔ ایوب علیہ السّلام اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ یونس علیہ السّلام۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ۔ زکریا علیہ السّلام نے وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ کہا کیا یہ تمام انبیاء معاذ اللہ بے ادب تھے وہابی طرز کی گفتگو کا تو کہیں بھی ثبوت نہیں تو پھر آخر تم لوگوں نے یہ طرز تکلم کہاں سے سیکھی کچھ تو ثبوت دو۔ وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ واقعی آپ کی بات بڑی وزن دار ہے۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور آئندہ میں اس طرح نہ بولوں گا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میری بات کا اثر ان کے عقل و قلب پر اسی کے کرم سے ہوا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ دعا میں التجاء۔ حرص۔ خواہش اور رغبت ہونی چاہیئے کہ اللہم کو یہ ضرور ضرور عطا فرما۔ اصرار کے ساتھ گڑگڑا کر رو کر دعا مانگنے کا حکم ہے

اسی لیے دعا میں اِنْ شِئْتَ کہنا منع ہے یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ اگر چاہے تو دے دے اگر نہ چاہے نہ دے۔ یہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں بے رغبتی اور غرور لاپرواہی کی جھلک ہے۔ تو پھر حضرت زکریا نے۔ دعا کے ساتھ۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ کیوں کہا یہ بھی تو اِنْ شِئْتَ کے مشابہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اے رب مجھ کو فرزند عطا فرما لیکن اگر نہ دے تب بھی میں راضی ہوں کیونکہ تو ہی سب وارثوں سے اچھا ہے۔ مجھے تو ہی کافی ہے بیٹا نہ ملے تو نہ بھی زکریا علیہ السلام کو یہ نہ کہنا چاہیے تھا جواب یہ جملہ نہ بے رغبتی ہے نہ اِنْ شِئْتَ کے مشابہ ہے نہ ہم معنی بلکہ اعتماد علی اللہ اور اظہار رضا ہے یعنی اے میرے اللہ میری یہ دعا تیرے سپرد ہے مجھ سے بھی زیادہ میری ضرورت کو تو ہی جاننے والا ہے اور میری دعا کا محافظ اور وارث ہے مجھے کامل اعتماد ہے کہ میری دیگر دعاؤں کی طرح یہ دعا بھی تیری بارگاہ میں مقبول و محفوظ ہوگی مردود و برباد نہ ہوگی۔ یہ الفاظ گویا اصرار و طلب کی پختگی و رغبت ہے نہ کہ بے رغبتی اس کا جواب دوم ہم نے تفسیر میں بیان کر دیا کہ یہ الفاظ صرف حمد الٰہی ہے جو دعاء مقبول کے لیے ضروری ہوتے ہیں، اور چونکہ حمد کے الفاظ دعا کے لفظوں کے مطابق ہونے چاہئیں اگرچہ قدرے مختلف ہوں یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں وارث و جانشین اور نسلی افراد کی زیادتی کی اِلتجا و طلب کی تھی اس لیے حمد میں رب تعالیٰ کی حقیقی اصلی ابدی قائم باقی رہنے والی وارثیت کا ذکر کیا۔

اعتراضِ دوم۔ یہاں پہلے فرمایا گیا فَاسْتَجَبْنَا پھر فرمایا گیا۔ وَوَهَبْنَا لَهٗ پھر فرمایا وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ یہ ترتیب کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔ چاہیے تھا کہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ کے بعد وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ فرمایا جاتا پھر وَوَهَبْنَا لَهٗ فرمایا جاتا ۔ کیونکہ حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ استجابت دعا کے بعد پہلے اصلاحِ زوجیت ہوئی پھر عطاءِ فرزند ہوئی۔ جواب۔ یہ ترتیب نہایت مناسب اور درست ہے اس لیے کہ دعا فرزند کے لیے تھی نہ کہ اصلاحِ زوجیت کے لیے اس لیے فرمایا گیا کہ ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور فرزند دیدیا اگر اس کے بعد اَصْلَحْنَا ہوتا تو بات غلط ہوجاتی اور معنی یہ ہوجاتا کہ ہم نے دعا قبول کرلی کہ بیوی کو درست کر دیا یعنی اصلاحِ زوجیت دعا کی قبولیت بن جاتی

حالانکہ یہ تو دعا ہی نہ تھی۔ فَاسْتَجَبْنَا کے بعد وَوَهَبْنَا کا ذکر بتا رہا ہے کہ دعا یہ تھی۔ عطا کے بعد اصلاح کا ذکر کرتا۔ ذریعۂ قبولیت بتاتا ہے یعنی ہم نے فرزند اس طرح دیا کہ اُن کی بیوی کو قابل اولاد بنا دیا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا۔ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب کے ساتھ لیکن سورۃ تحریم آیت ۱۲ پ ۲۸ کی آخری آیت میں ہے۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ فِيْهِ۔ کی ضمیر واحد مذکر غائب کے ساتھ حالانکہ شخصیت اور واقعہ ایک ہی ہے بلکہ دونوں آیتوں کے الفاظ بھی تقریباً ایک جیسے ہیں اور مقصودِ مضمون بھی ایک ہے تو یہ مذکر مؤنث کا فرق کیوں؟ جواب۔ یہاں اس بات کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ ہم نے کس شخصیت کو اپنی روح کی عطا فرمائی اور وہاں سورۃ تحریم میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے کس جگہ امانت رکھی یہاں هَا ضمیر کا مرجع الَّتِيْ ہے وہاں فِيْهِ میں ضمیر مذکر کا مرجع فَرْج ہے۔ یہاں بتایا گیا کہ مسیح کے لیے ذریعۂ ولادت صرف اُن کی والدہ ہی تھیں کسی والد کا دخل نہ تھا والدہ کو ہی ازلِ حادث یعنی عالمِ ارواح میں یہ امانت دی گئی لہٰذا جب انہوں نے دیگر انبیا علیہم السّلام کی والداؤں کی طرح اپنے فرج کو ہر قسم کی گندگی سے بچائے رکھا اور وہ امانتِ نبوّت کے قابل ہوئیں تو ہم نے ان کو اپنی روح اُن کا بیٹا بنا کر دیدی بلا واسطہ خاوند زندگی بخش دی۔ یہاں نَفَخْنَا کا معنیٰ ہے زندگی بخشی اور وہاں نَفَخْنَا کا معنیٰ ہے ہم نے بذریعہ جبریئل گریبانِ مریم میں پھونک ماری جبریئل کی پھونک براستہ گریبان فرج میں پہنچی۔ وہ روح مجسّم ہو کر ابنِ مریم بن گیا۔ چوتھا اعتراض۔ اِس کی کیا وجہ کہ یہاں پہلے فرمایا گیا وَجَعَلْنٰهَا یعنی ہم نے بنا دیا اُس بی بی کو پھر فرمایا گیا۔ وَابْنَهَا۔ اور اُس کے بیٹے کو بھی بنا دیا ہم نے پھر فرمایا گیا۔ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ایک آیت تمام جہانوں کے لیے۔ اٰيَةً واحد کیوں فرمایا گیا۔ جب کہ پہلے دو شخصیتوں کا ذکر ہے چاہیئے تھا کہ اٰيَتَيْنِ فرمایا جاتا تثنیہ۔ جیسے دن رات کے لیے فرمایا گیا سورۃ اسرٰی آیت ۱۲ میں۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ یعنی ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا۔ جواب۔ میرے نزدیک اِس کے دو جواب

ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کا آیت ہونا ایک ہی چیز ہے وہ ہے ان کی قدرتی ولادت انوکھے اور نرالے انداز میں جنم ہونا جس کا تعلق دونوں سے ہے۔ ایک شخصیت آیت ہی جنم دے کر اور دوسری شخصیت آیت ہی جنم لے کر۔ اس لیے اگرچہ شخصیتیں دو ہیں مگر قدرت کی حیران کن نشانی دونوں میں ایک ہی ہے بغیر خاوند والدہ بننا اور بغیر والد بیٹا بننا۔ لہٰذا آیۃ واحد فرمایا گیا نیز جنم سے پہلے وہ ظاہرًا ایک ہی شخصیت تھی۔ بخلاف رات دن کے کہ یہ دونوں ہر وقت ہر اعتبار سے بالکل دو علیحدہ چیزیں ہیں کبھی ایک جسم میں جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ اس لیے ان کو آیتین فرمایا گیا۔ **جوابِ دوم**۔ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کائنات کی بہت بڑی آیۃ ہیں اس لیے اس پر تنوین تعظیمی آئی اگر تثنیہ کیا جاتا تو تنوین نہ آسکتی اور آیت کی بڑائی ظاہر نہ ہوتی جیسے کہ سورۃ عصر کے لفی خسر کو خُسْر پڑھنا تنوین بغیر فقہا نے منع فرمایا ہے کیونکہ تنوین تعظیمی کو نہ پڑھنا مقصد کلام کے خلاف کرتا ہے۔ **جوابِ سوم**۔ بعض نے فرمایا کہ وَجَعَلْنٰهَا کے بعد آیۃً پوشیدہ ہے دراصل عبارت اس طرح ہے وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً وَّابْنَهَا اٰيَةً اور چونکہ یہ دوسری آیۃ قرینہ بن گیا پہلی آیۃً کا اس لیے پہلی کو پوشیدہ رکھا گیا مگر پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن فی الایمان اور متقی فی الاعمال بن کر معرفتِ الٰہی حاصل کر لیتا ہے تو قالبِ مومن مرکزِ عروج کا بیت المقدس بنا دیا جاتا ہے اور افکارِ اسرار سے منور اعمالِ صالحہ سے معطر اور ترکِ شہوات کی قربانیوں کے لیے قربان گاہِ عشق بنانے والی زکریائے روح کو منتظمِ اعلیٰ مقرر کیا جاتا ہے تب یہ روحِ مزکی اپنی جانشینی کے لیے بارگاہِ ربوبیت میں طلبِ جانشین کے لیے دعاءِ طلب عرض کرتا ہے کہ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا اے میرے کریم و رحیم

رب۔ قالب انسانی کی ترقی۔ تجلی۔ انتظامِ دنیوی اِنصرامِ اُخروی کے لیے میں اکیلا ہوں مجھ کو اکیلا نہ چھوڑ بلکہ نسلِ بدنی کا کوئی ایسا فردِ کامل عطا فرما جو سرمایۂ شریعت خزانۂ طریقت۔ معادنِ حقیقت کی دولتوں کو سنبھالنے اور قالب میں باقی رکھنے کے لیے میرا پکا وارث اور سچا جانشین ہو۔ اور تو ہی میری ان دعاؤں التجاؤں تمناؤں خواہشوں کا تمام خیر خواہوں سے اچھا خیر خواہ اور والی وارث ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ تب ہم نے زکریاءِ روح کی زبانِ استعداد سے مانگی ہوئی یہ دعا قبول فرمائی اور قالبِ مومن کے بدنِ مقدس کی نگہبانی کرنے کے لیے ایک یحییٰ ءِ قلب عطا فرمایا جو مقاصدِ جسمانی کو حیاتِ ابدی کی جلا بخشنے والا ہے اُسی قلب کی صدا جسم کے گوشے گوشے میں ہے کہ کمالِ عمل کی بقا سے فنا فی اللہ کا مقامِ حال بہتر ہے۔ وجودِ قلب کے لیے ضروری تھا کہ پہلے نفسِ امارہ کے بانجھ پن کو دور کیا جائے لہٰذا حیاتِ قلب سے پہلے زوجۂ نفس کو ہم نے روحِ عرفانی کے لیے درست فرمایا۔ کیونکہ تمام اجسامِ معرفت۔ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ اُن مشاہدات میں سبقت لے جاتے ہیں جو خیرات وحسنات ہی ہیں۔ اور یہی عارفین مخلصین مکاشفاتِ قلبی میں کثرت کے لیے ہم سے دعائیں مانگتے ہیں کمال کی رغبت وخواہش اور زوال کی رہبت وخدشہ رکھتے ہوئے یا لطف ورحمت کی رغبت اور قبض و بسط ظلمت وزحمت کی رھبت کے ساتھ اور یہی لوگ ہمارے قربِ جلال کی خشیت قلبی اور دہشتِ جسمی رکھنے والے ہیں۔ وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور اسی قالب ایمانی میں اُس روشن ضمیری کا بھی چرچہ ہے جس نے اپنی کتادگی کو ترکِ تعلق اور ستعدی عبادت میں مشغول رکھ کر اپنی باطنی استعداد کو باطل کی تاثیر اور نفسیات کی ذلالت حماقت والی حرمتوں سے بچائے رکھا تب ہم نے اُس ضمیر پردہ نشین کے خزائن مخفیہ میں روح مقدس کی تاثیر جیا کو حیاتِ حقیقیہ کی جلا بخشی اور ہم نے بنا دیا ضمیرِ روشن اور اُس کی تاثیرِ مسیحیت دائمی کو تواعِ روحانیت کے سب عالمین کے لیے بڑی عظیم آیتِ واضحہ علامۃِ ظاہرہ اور ہدایتِ صالحہ تاکہ تمام نفوسِ مستعدہ اور نظورِ مستنیرہ ان دونوں سے حق کی طرف جاتے والے

راستے کی ہدایت پائیں (محی الدین ابن عربی مع زیادت) تفسیر نیشاپوری میں ہے عارفین کا طلب کی رغبت فنا فی اللہ میں ہے اور رہبت یعنی خوف اور دھڑکا لگا رہنا بقا مع الخلق میں ہے وجود عارف خشیت الٰہی میں لرزتا رہتا ہے قرب جتنا زیادہ ہوگا خشیت یعنی ہیبت اتنی ہی زیادہ ہوگی قالب کی خشیت اعمال شریعت میں ہے نفس کی خشیت تہذیب اخلاق میں ہے قلب کی خشیت اطمینان میں ہے۔ عقل کی خشیت کشف اسرار کے اجتہاد میں ہے روح کی خشیت جسم ظاہری کو اللہ رسول کی اطاعت میں لگانا ہے ضمیر کی خشیت اس کا فنا فی اللہ ہو کر مقام بقا تک پہنچانا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے۔ وہ مریم نفس مطمئنہ جس نے قالب باطنی کے محراب قدس میں رہ کر اپنے قلب فراخ کو تصرفات کونین سے بچالیا اور خواہشات دنیوی سے ہٹائے رکھا تو ہم نے اس کو حیات ابدی سے بقاء وجود بخش دی اور نفس و قلب کو آیۃ الٰہی کا ستارۂ ہدایت بنا دیا ذریات علٰمین کے لیے۔ اس سورۃ انبیاء میں انبیاء علیہم السلام کی چھبیس ۲۶ قوتیں اور شانیں بیان فرمائی گئیں ۱ تمام انبیاء کو رجال بنایا گیا اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کی عظمت قوت کی طرف اشارہ ہے شریعت میں اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ہے مگر طریقت میں اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی الْخَلَآئِقِ ہے اہل طریقت کے نزدیک مرد وہ ہے جو صاحب فراست فقاہت اور صاحب اغنیاء رہو ۲ وارث وحی الٰہی ۳ صاحب ضیاء ایمان ۴ رشد ربانی کے انعام یافتہ ۵ انبیاء علیہم السلام کو کسی کے انتقام کی آگ بھی جلا نہیں سکتی ۶ کوئی چھری ذبح نہیں کرسکتی ۷ ہمت و جرأت دلیری کے خزانوں والے ہیں ۸ صاحب علم عظیم ہوتے ہیں ۹ جہاں رہائش بنالیں وہ جگہ برکت لِلْعٰلَمِیْنَ ہو جائے ۱۰ صاحب علم و عقل ہوتے ہیں ۱۱ مالک حکمت و فصاحت بلاغت ہوتے ہیں ۱۲ ملک و ملکوت کے بادشاہ ہیں ۱۳ ان کی ہر ادا اور ہر دعا مقبول بارگاہ ہوتی ہے ۱۴ رحمت میں داخل ہوتے ہیں ۱۵ صاحب صبر ۱۶ صاحب شکر ۱۷ صاحب اجتہاد اور فکر و تدبر کے مالک ہیں ۱۸ ہر صنعت و حرفت کے ماہر ۱۹ تسخیر عالم کی قوت والے ۲۰ زمینی فضائی ہوائی مخلوق پر حکمرانی فرمانے والے ۲۱ ضروریات انسانی کے موجد اول ۲۲ دنیا کا کوئی مہلک ان کو ہلاک نہیں کرسکتا ۲۳ کوئی جانور ان کو کھا نہیں سکتا ۲۴ ان کی ولادت شاہکار قدرت کا عجیب نمونہ ہوتا ہے ۲۵ انبیاء علیہم السلام کے والدین بھی

بے مثل شان والے ہوتے ہیں ۲۶ ان کا معلم خود ربُّ العٰلمین، ان کا وجود برکت لِلعٰلمین ان کا نشانِ اعظم آیۃ لِلعٰلمین اور ان کا امام رحمۃ لِلعٰلمین۔

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ

بے شک یہ شریعت تمہارا دین ہے جو اصلاً ایک ہی چلا آ رہا ہے اور میں تم سب کا معبود رب ہوں

بے شک تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں

فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ

اسلیے تم سب عبادت کرو میری ہی اور بہت سے لوگوں نے فرقے بازی کرلی

تو میری عبادت کرو۔ اور اوروں نے اپنے کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلئے

كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِنَ

اپنے اعمال میں آپس میں تمام ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں تو جو شخص عمل کریگا

سب کو ہماری طرف پھرنا ہے۔ تو جو کچھ بھلے کام کرے

الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ

نیکیوں والے حالانکہ وہ ایمان والا بھی ہو تو نہ ضائع ہوگی

اور ہو وہ ایمان والا تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں

لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٩٤﴾ وَحَرَامٌ عَلَىٰ

اس کی محنت اور بے شک ہم اس کو بحفاظت لکھنے والے ہیں۔ اور ممنوع ہے ان بستیوں پر

اور ہم اسے لکھ رہے ہیں۔ اور حرام ہے

قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَآ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

فنا کر دیا ہے ہم نے جن کو کہ بے شک وہ کبھی حق کی طرف نہ لوٹیں۔

اُسی بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں۔

حَتّٰىٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ

اس وقت تک جب کھولے جائیں گے قوم یاجوج ماجوج اور وہ ہر

یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج وماجوج اور وہ

مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اونچی نیچی جگہ سے اترتے چلے آئیں گے

ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے

تعلقات اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ذکر فرما کر نبوت کا تعارف کرایا گیا اب اِن آیت میں دین اور قانونِ الٰہیہ کا تعارف کرایا جا رہا ہے جو کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اللہ تعالٰی سے لے کر قوم کی طرف تشریف لاتے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اُن انبیاء علیہم السّلام اور اعمالِ صالحہ کا ذکر ہوا جو بکھرے ہوئے انسانوں اور مختلفُ المزاج لوگوں کو اللہ کی ایک مضبوط رسی میں پرو کر مقبولِ بارگاہ بنانے والے تھے اب اِن آیت میں اُن بدبخت لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دروازۂ نبوت سے ہٹ کر ٹکڑیوں میں بکھر فرقے فرقے ہو گئے اس طرح مردودِ بارگاہ بنے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں اعمالِ صالحہ کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُن اعمالِ صالحہ کی اُخروی شان و عزت کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا

رَاجِعُوْنَ ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ کلام ابتدائیہ ہے یعنی سابقہ کلام سے بترکیب نحوی مرکب نہیں ہے هٰذِهٖ اسم اشارہ قریبی تین لفظوں کے اتصال سے بنا ۱ هَا حرفِ تنبیہ ۲ ذَا اشارہ ۳ ہ قربت کے لیے یا یہ دو لفظ ہیں هَا ۔ ذِهٖ ۔ بمعنیٰ یہ اس کا مشار الیہ ذہنی ہے ۔ مبنی ہے بحالتِ فتحہ اسمِ اِنَّ ہے اُمَّتُ اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع ہے اصلی لغوی ترجمہ ہے قوم جماعت ایک نسل ۔ مگر چونکہ اصلی اور مضبوط قوم دین سے بنتی ہے اس لیے کبھی کبھی امت بمعنیٰ دین بھی ہوتا ہے یہاں اسی معنیٰ میں ہے قرآن مجید میں لفظِ امت نو معنی میں آیا ہے ۱ قوم ۲ جماعت ۳ نسل ۴ برادری ۵ آل ملا تابع فرمان ۶ مدت ۷ طریقہ ۸ ۹ دین مذہب مضاف ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع اس زمانے میں موجودہ کفارِ مکہ ۔ یہ مرکب اضافی ذوالحال ہے اُمَّةً مبدل منہ واحدۃً بَدَلُ الکُلّ یا یہ موصوف صفت ہیں ۔ بہر حال یہ دونوں مل کر حال ہے اُمَّتُکُمْ کا دونوں مل کر خبرِ اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ واؤ سے جملہ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل واحدِ متکلم مرجع اللہ تعالیٰ مبتدا اور رَبُّکُمْ مرکب اضافی رب سے مراد اللہ ہے یعنی معبود کیونکہ مابعد عبادت کا حکم ہے رب بمعنیٰ اللہ سے دو مقصد حاصل ہوئے ۱ ربوبیت سے رحمۃ و محبت اور بمعنیٰ اللہ سے لائقِ عبادت ہونا ۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ فَ عاطفہ تعلیلیہ اُعْبُدُوْ ۔ بابِ نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عبادت کرنا ۔ نِ دراصل نِیْ تھا نون وقایہ یَ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے اُعْبُدُوْ کا سب فعل با فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف رَبُّکُمْ ۔ یہ دونوں مل کر خبر مبتدا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ واؤ جملہ تَقَطَّعُوْا بابِ تَفَعُّلٌ کا ماضی مطلق معروف مثبت جمع مذکر غائب تَقَطُّعٌ سے بنا ہے مصدر ہے تَقَطُّعٌ بمعنیٰ ٹکڑے ٹکڑے کرنا فرقہ بازی کرنا ۔ یہاں مراد ہے حق سے علیحدہ ہو کر باطل کی ٹولیاں بناتے چلے جانا ۔ اَمْرٌ اسم مفرد مذکر معرفہ معنوی ۔ یعنی ضمیر کی اضافت سے معرفہ بنا ترجمہ ہے اعمال ، معاملات ۔ مراد ہیں دینی مذہبی معاملات اعتقادی رستہ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ بَیْنَھُمْ یہ مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے تَقَطَّعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ۔ کُلٌّ اسم تاکیدی بمعنیٰ تمام مبتدا ہے اِلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے رَاجِعُوْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر بابِ ضَرَبَ سے ہے اس کا واحد رَاجِعٌ ہے رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لوٹنا ، واپس آنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ

ہے یہ اسم فاعل با فاعل اور متعلق مقدم سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا
فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا کُفۡرَانَ لِسَعۡیِہٖ
وَ اِنَّا لَہٗ کٰتِبُوۡنَ ۔ فَ ترتیبیہ زائدہ مَنۡ اسم موصول شرطیہ یَعۡمَلۡ باب سَمِعَ کا فعل
مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب بحالت جزم مَنۡ نے دیا۔ اس کا فاعل
ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَنۡ ہے مِنَ الصّٰلِحٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے واؤ حالیہ
ہُوَ ضمیر مبتدا مُؤۡمِنٌ اسم فاعل ہے باب افعال کا مصدر ہے اِیۡمَانٌ خبر ہے مبتدا کی
دونوں جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَعۡمَلۡ کے فاعل کا۔ یَعۡمَلۡ اپنے سب معمولوں سے مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ لَا حرف نفی جنس کُفۡرَانَ اسم مصدر مزید فیہ
مبالغے کے لیے بروزن فُعۡلَانَ بمعنیٰ بیقدری کرنا۔ پھینکنا۔ نہ تسلیم کرنا اسم ہے لَا کا
لِسَعۡیِہٖ۔ لام جارہ تعدیہ کا سَعۡیٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کوشش محنت یہاں مراد ہے
اَعۡمالِ صالحہ مضاف ہٖ ضمیر کا مرجع مَنۡ ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو
کر متعلق ہے پوشیدہ کَائِنٌ اسم فاعل کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَا ءِ نفی
جنس کی یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا واؤ سے جملہ
اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ اسم ہے اِنَّ کا۔ لام حرف جر مفعولیت
کے لیے بمعنیٰ اس کو۔ ہٗ ضمیر مجرور متصل کا مرجع سَعۡیِہٖ ایک قول میں مرجع مَنۡ ہے
تب یہ لام نفع کا ہو گا بمعنیٰ اِسکے یا اُسکے لیے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے کَاتِبُوۡنَ
باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ہے لفظی جمع ہے معنًا واحد ہے کیونکہ مرجع اللہ تعالیٰ
ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے جملہ اسمیہ ہو کر خبر
اِنَّ ہوئی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا
اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ ہُمۡ مِّنۡ کُلِّ
حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ ۔ واؤ سے جملہ حَرَامٌ اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل یعنی حرمت
والا یا بمعنیٰ اسم مفعول یعنی ممنوع اس کی نو قرئتیں ہیں۔ حَرَامٌ، حِرۡمٌ، حَرِمٌ، حَرۡمٌ
یہ سب مصدر بمعنیٰ ممنوع ہے ۵ حَرِمَ باب سَمِعَ سے ماضی ۶ حَرُمَ باب کَرُمَ سے
ماضی ۷ حَرَمَ ضَرَبَ سے ماضی ۸ مُحَرَّمٌ تفعیل سے ماضی مجہول ۹ حَرَّمَ تفعیل سے
ماضی معروف ہما نعمت کی چار قسمیں ۱ تسخیری یعنی دل میں نفرت ڈال دینا کہ بندہ خود

باز رہے ۲ قہری یہاں یہی مراد ہے ۳ ممانعت عقلی ۴ ممانعت شرعی یہ مصدر عامل ہے عَلیٰ قَرْیَۃٍ دراصل ہے عَلیٰ اَھْلِ قَرْیَۃٍ۔ قَرْیَۃٍ موصوف اَھْلَکْنَا باب اِفعال کا ماضی مطلق جمع متکلم ایک قرأت میں ہے اَھْلَکْتُ واحد متکلم اس کا مصدر ہے اِھْلَاکٌ بمعنیٰ ایسا مارنا کہ نشان بھی باقی نہ رہے (فنا کرنا) ھَا ضمیر منصوب متصل کا قَرْیَۃٍ مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قَرْیَۃٍ کی دونوں مل کر مجرور متعلق ہے حَرَامٌ مصدر کا سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ ھُمْ ضمیر کا مرجع قَرْیَۃٍ ہے کیونکہ یہ معناً جمع ہے مراد ہیں سب بستی والے اس لیے ھُمْ ضمیر جمع لائی گئی۔ منصوب متصل ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا۔ لَا یَرْجِعُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بلا بمعنیٰ مستقبل رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لوٹنا۔ اصلیت کی طرف آنا۔ مراد ہے دین حق میں داخل ہونا مومن و مطیع بننا ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے حَتّٰی حرف جر انتہا کے لیے بعض نے کہا یہ حَتّٰی نہ حرف جر ہے نہ عطف بلکہ ابتدائیہ ہے اذا اسم ظرف زمانی فُتِحَتْ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق مجہول بمعنیٰ مستقبل واحد مؤنث غائب ایک قرأت میں فُتِّحَتْ باب تفعیل سے ہے یاجوج وماجوج دونوں عبرانی کے لفظ ہیں پہلے یہ یاغوغ وماغوغ تھا۔ پھر لوگوں کی زبان میں یاگوگ وماگوگ ہوا پھر اہل عرب نے گ کو جیم بنایا اس کی پوری تفصیل تفسیر عالمانہ میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ ایک قرأت میں یَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ الف ہمزہ سے ہے اور ایک قرأت میں یاجوج وآجوج ہے) یہ دونوں مبنی ہیں بر ضمہ کبھی مبنی بر فتحہ ہوتا ہے تنوین سے مانع ہے۔ ہوتا ہے غیر منصرف نہیں کیونکہ ایک سبب ہے عجمی دوسرا سبب نہیں ہے یعنی شخص کا نام نہیں بلکہ پوری قوم کا نام ہے ایک قول میں یہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اور علم ہے پہلے یہ ایک شخص کا نام تھا ایک کا یاجوج دوسرے کا ماجوج ان کی نسل چلی تو یہی قومی نام بن گیا یہ دونوں عطف نائب فاعل ہے واؤ حالیہ یا عاطفہ ھُمْ ضمیر مرفوع مبتدا ہے مرجع ہے یاجوج ماجوج کی پوری قوم میں ایک قول میں مرجع ہے عام اہل قبور لوگ مِنْ حرف جر بمعنیٰ فی ظرفیہ یا بمعنیٰ عَلیٰ فوقیت کا کُلِّ اسم تاکیدی کل بمعنیٰ ہر۔ تمام مضاف ہے حَدَبٍ اسم مفرد جامد اس کی تین قرأتیں ہیں ۱ حَدَبٍ بمعنیٰ اونچی گھاٹی ۲ حَدَثٍ بمعنیٰ قبریں ۳ جَدَثٍ بمعنیٰ نیچی جگہ۔ پہلی قرأت صحیح ہے۔ مضاف الیہ لغت میں حَدَبٍ

کا معنی ہے کوہان دو کوہانوں والے اونٹ کو جمل الحدبین اور کبڑے آدمی کو حادب کہا جاتا ہے۔ یہاں زمین کی کوہانیں یعنی گھاٹیاں مراد ہیں یہ لفظ جنسی جمع ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے۔ یَنْسِلُوْنَ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب بمعنی مستقبل ایک قرئت میں یَنْسُلُوْنَ باب نصر سے ہے۔ نَسْلٌ سے مشتق ہے بمعنی قطار در قطار آگے پیچھے تیز بھاگ کر آنا۔ تسبیح کے دانوں کی طرح ڈھلکتے چلے آنا۔ نسل حیوانی و انسانی کو اسی لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں آگے پیچھے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فعل با فاعل اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یا معطوف ہے یا جوج کا وہ سب عطف مل کر نائب فاعل ہے فُتِحَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا حَتّٰی کا یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یَرْجِعُوْنَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی اَنَّ اپنے اسم خبر کے ساتھ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے حَرَامٌ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۔ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۔ چند انبیا علیہم السّلام کی عظمت شان بیان فرما کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام کی عظمتوں کا چرچہ فرما دیا اور بتا دیا گیا کہ بے شک یہ دین جو آپ اے مسلمانو تم کو ملا ہے یہ ہی دین ہمارے صفی آدم علیہ السّلام سے شروع ہو کر ہمارے حبیب محمد رسول اللہ تک مکمل ہو گیا۔ جس طرح تمام انبیا علیہم السّلام کو سب قوتیں عظمتیں درجہ بدرجہ عطا فرمائی گئیں اسی طرح تمام انبیا کا دین بھی ایک ہی ہے۔ ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ یہی وہ شجرۂ طیبہ ہے کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ اس دین مبارکہ کی جڑ توحید الٰہی ابد قدیم سے ثابت وقائم موجود ومضبوط ہے اور اس کی شاخیں نبوت انبیا آسمان رسالت میں لہلہاتی ہیں۔ دین شجر عند اللہ کا نام ہے اور اس کے پھل توحید و رسالت سے شروع سے ہی ہر نبی علیہ السّلام نے اپنی اپنی اُمت کو اسی توحید و رسالت کی تبلیغ وتعلیم فرمائی کسی بھی نبی نے صرف توحید کی تبلیغ نہ فرمائی۔ از ابتداءِ دین تا قیامت جس طرح اے مسلمانوں تم پر فرض ایمانی ہے کہ وحدانیت معبود کے ساتھ ساتھ

تمام انبیاء کی رسالت نبوت پر بھی ایمان وعقیدہ رکھو اسی طرح سابقہ اُمتوں کے عقائد میں یہ عقیدہ موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بھی ایمان لائیں اور تمام انبیا علیہم السلام کی نبوت پر بھی ایمان لائیں۔ ایک بھی نبی کا انکار کرنا اسی طرح کفر ہے جس طرح توحید الٰہی کا انکار کفر ہے اور جس طرح ہمارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیا علیہم السلام کی تعداد بتا کر ان پر ایمان لانا فرض بتایا اسی طرح تمام پہلے نبیوں نے اپنی اُمتوں کو انبیا کی تعداد بتا کر ان پر ایمان کا حکم دیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر ہمارا ایمان ہے مگر سابقہ اُمتیں کہتی تھیں کہ گزشتہ و آئندہ انبیا علیہم السلام پر ہمارا ایمان ہے۔ غرضکہ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ بے شک تمہارا یہ دین عقائد توحید و رسالت میں ایک ہی دین شروع سے چلا آرہا ہے اگرچہ شریعت عبادت اعمال و اقوال اوامر و نواہی اور نام میں مختلف ہوتا رہا کہ اس دین کا نام کبھی شریعت آدم ہوا کبھی شریعت نوح کبھی ملت ابراہیم کبھی موسوی کبھی عیسوی اور اب آخر میں تکمیل ہو کر رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ آیت ۳) میں نے اپنی رضا سے صرف تمہارے لیے اس دین کا نام اسلام رکھ دیا اور هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اسی رب تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے رب کی طرف سے جو دین و ایمان کی نعمت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی وہ پوری تم پر ہوئی اسی لیے اب اس کا نام اسلام رکھا گیا یعنی منسوخ ہونے سے بھی سلامتی والا دین پہلے یہ نام اس وجہ سے نہ رکھا گیا کہ وہ منسوخ ہونے والے تھے اور اسلام منسوخ نہیں ہو سکتا یعنی اسلام نام ہے مکمل دین کا۔ غیر مکمل دین کا نام اسلام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اے دنیا والوں سمجھ لو کہ اب تمہارا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اب باقی تمام مذاہب بے دینی ہے وَاَنَا رَبُّكُمْ اور فقط میں ہی تمہارا رب ہوں فَاعْبُدُوْنِ۔ اس لیے فقط میری ہی عبادت کرو۔ اسی میں تمہاری کامیابی عزت عظمت قوت ہے۔ اے خوش قسمت مسلمانو کس شان کی ہے یہ تمہاری اُمت ملت کہ اس کا دین واحد شجر طیبہ اس کے پتے اعمال صالحہ اس کی شاخیں انبیا کی شریعتیں تمام انبیا اس کے خوشبودار سدا بہار پھول اور پھولوں کی کلیوں کے غلاف میں توحید کا پھل۔ نبوت کے یہ پھول ہی صراطِ مستقیم ربانی ہے۔ جو صراطِ مستقیم سے ملے گی وہی بارگاہِ الٰہی میں مقبول و پسندیدہ

ہے کیونکہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۹)
جو توحید اِن پھولوں سے ہٹ کر ملے گی وہ توحید نہیں ابلیس کی تلبیس ہے۔ شعر
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا ÷ پھل ہے یہ سینکڑوں سالوں کی چمن بندی کا
جب اپنی پوری جوانی پر آگئی دنیا ÷ تو زندگی کے لیے آخری پیام آیا (محمد علی جوہر)
صراطِ مستقیم کی یہ شاہ راہ صفی سے چلی حبیب تک پہنچی۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی صراط
مستقیم کو اُمتِ واحدہ فرمایا گیا قسمتِ بیدار والے تو وہی ہیں جو اِس اُمت میں
داخل اِس جماعت میں شامل اور اس لڑی میں پروئے گئے۔ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ
اور بد بخت لوگوں نے اپنے دین کے معاملے کو انبیا علیہم السلام کے دروازے
سے علیحدہ ہو کر خود اپنی کم عقل کی سوچ و فکر سے آپس میں توڑ پھوڑ کر فرقے بازی کے
ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کہ کوئی نمرود، شداد، ہامان، فرعون بن بیٹھا، کوئی زر تشت
رام، گوتم بدھ بن بیٹھا، کوئی یہودی، عیسائی، مجوسی بن گیا۔ کوئی ہندو، سکھ، آریا اور
دہریہ بن گیا کسی نے اپنے عقائد سے توحید کو نکالا کسی نے رسالت سے منہ
موڑا کسی نے اپنے دین کے لیے توحید و رسالت کی بجائے توحید و سنت کی بدعت
ایجاد کر لی۔ کسی کو تاجدارِ ختمِ نبوت کے نعرے سے دکھ پہنچا تو اُس نے تاج وتخت
ختمِ نبوت کے نعرے کو ختم دیا۔ گویا کہ تاجدار سے محبت نہیں تاج وتخت سے محبت ہے کوئی ظاہر پوشیدہ
رافضی بنا اور کوئی خارجی معتزلی۔ کتنا بے دین و جاہل ہے وہ مفسر جو زرتشت
اور گوتم بدھ کو بھی نبی مانتا ہے حالانکہ ان کی تعلیم و تبلیغ میں دور دور تک نبوت
و رسالت کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ جب کہ تمام انبیا علیہم السلام کی تبلیغ میں دین
الٰہی نام ہی مجموعۂ توحید و رسالت کا ہے اِسی مجموعے کی بنا پر۔ اِس آیت میں دین
کو اُمت فرمایا گیا۔ کیونکہ ایک مقصد پر جمع ہونے کو اُمت کہا جاتا ہے۔ چند
عقائد جمع ہوں تو امت بمعنیٰ دین ہے ایک دین کے سب قانون جمع ہوں تو اُمت
بمعنیٰ شریعت ہے۔ اگر ایک دین پر لوگ جمع ہوں تو اُمت بمعنیٰ جماعت ہے
اگر کسی بزرگ کے ایک دین کے مقتدی جمع ہوں تو امت بمعنیٰ امام ہے غرضکہ
اُمت کے چار معنیٰ کبھی امت کا معنیٰ جماعت کبھی دین کبھی شریعت کبھی امام بہرکیف
یہ فرقے باز باطلین جتنی چاہیں حیاتِ دنیوی میں سرکشی اور فساد فی الْاَرْضِ مچالیں آخرکار

كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۔ اِن سب نے ہماری طرف ہی لوٹنا ہے ہم سے کہاں بھاگ سکتے ہیں فَمَنْ يَّعْمَلْ ۔ تو جو شخص عورت و مرد کالا گورا، امیر غریب بیمار تندرست، عربی عجمی عالم جاہل بلا امتیاز اپنی اپنی دنیوی زندگی شریعت کی مطابقت اقوالِ انبیا کی اطاعت اور افعالِ انبیا کی اتّباع کرتے ہوئے کچھ اعمالِ صالحہ بھی کرے بشرطیکہ وہ توحید و رسالت پر ایمان لانے والے مومن و مخلص بے ریا بھی ہو تو اُس کی کسی بھی چھوٹی بڑی ظاہر و باطن خلوت و جلوت کی فرض واجبی نفلی نیکیوں کی کوششوں مشقتوں محنتوں کا کفران یعنی ضائع نا قابلِ ثواب نہ کیا جائے گا ؛ ہم رحیم وکریم رب ہیں اپنے انبیا کے تابع فرمان شکرگزاروں کی قدر و منزلت کرتے ہیں ہماری بارگاہ میں تو نیتِ خیر والے ناقص اعمال کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ اسی کرم نوازی کے لیے وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ بے شک ہم ہر اچھے برے بندے کے ناقص و کامل اچھی بری سعی اعمال بذریعہ کراماً کاتبین بندے کے نامۂ اعمال لکھنے والے ہیں اسی طرح کہ اہلِ شفاعت کے لیے لوحِ محفوظ میں لکھنے ہیں عمل والوں کے لیے اعمالنامہ میں راجعون ہیں اور ہر ایک کے سب عمل میدانِ محشر میں حافظون ہیں۔ ذرہ بھر ضائع ہونے کا کوئی خطرہ اندیشہ کسی کو نہ ہونا چاہیئے۔ ہم نے اے لوگو دنیا میں ہی تم سب کو سمجھا بتا دیا ہے اس لیے نبوت کی غلامی میں ہی زندگی گزار کر ہمارے پاس آنا۔ خیال رہے کہ بندوں اور اُن کے اعمال کے تین حال ہیں ۱ کفران ۲ شکران ۳ حرمان، بندے کی تین قسمیں یہ ہیں ۱ مکفور ۲ مشکور ۳ محروم۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کفران سے مراد ثواب نہ ملنا، شکران سے مراد عطاءِ ثواب ہے اور حرمان سے مراد اعمال کی بربادی مکفور وہ بندہ جو ناشکرا ہو۔ مشکور وہ بندہ جو شکرگزار احسان مند ہو محروم وہ بندہ جو قابلِ نفرت ہو۔ یہاں مومن کے لیے فَلَا كُفْرَانَ فرمایا گیا اور سورۃ اسریٰ کی آیت ۱۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ لفظِ کفران، شکران اور مکفور مشکور جب رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں تو کفران بمعنی ثواب کے ناقابل کر دینا اور مکفور بمعنی نامقبول، شکران بمعنی قابلِ ثواب اور مشکور بمعنی مقبول پسندیدہ یہاں آیت میں یہ الفاظ رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اعمالِ مومنین کا کفران نہ ہوگا۔ لیکن جو مومن نہ ہوں۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۔ اس آیت کی چار طرح تفسیر فرمائی گئی ہے چنانچہ امام رازی نے اس طرح تفسیر فرمائی۔ اور ازلِ قدیم میں یہ اٹل مبرم فیصلۂ تقدیر کر دیا گیا ہے کہ جس قوم اور بستی کو پچھلی گزشتہ امتوں میں سے کسی آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک کر دیا گیا تھا یہ دنیوی عذاب اُخروی عذاب کا بدلہ نہ بنے گا۔ حرام اور ممنوع ہے اُس ہلاک کردہ بستی پر اور یہ بات نہیں ہے کہ وہ دائمی عذابِ جہنم میں نہ لوٹیں کفار پر اس قسم کا کوئی رحم نہ ہوگا یہ رحم ان پر حرام کر دیا گیا ہے۔ ان کو تو دنیوی ذلت کے عذاب کے باوجود بھی آخرت کی دائمی ابدی ذلت و عذاب میں جانا ہی ہے حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ۔ دوسری تفسیر۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ تقدیری فیصلے میں جس قوم کا کفر پر مرنا ہلاک ہونا لکھا جا چکا ہے اب ان پر حرام ہے کہ وہ کسی کے سمجھانے سے توبہ اور ایمان کی طرف لوٹیں کبھی بھی نہیں لوٹیں گے۔ یعنی ہر نبی کے زمانے کے لیے یہ قانونِ فطرت شروع سے چلا آ رہا ہے کہ جس قوم کی تقدیر کفر پر ہی ہلاک کیا جانا ہے اُن بدنصیبوں کو اُن کے نبی علیہ السلام سمجھائیں یا اُن کے دین کے علما اولیا یا کتاب اور قرآن مجید سمجھائے یا حدیث پاک وہ ہرگز اللہ رسول کے ایمان اور کفر سے توبہ کرنے کی طرف نہ لوٹیں گے۔ توبہ اور ایمان کی توفیق ان پر حرام ہو چکی ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ۔ تیسری تفسیر۔ روح البیان نے اس طرح فرمایا کہ اس آیت میں منکرینِ قیامت کا رد فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی کفار اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ ہم کو ظلم کی سزا اور کفر کا عذاب ملے ہم جو چاہیں دنیا میں فساد مچاتے ظلم کماتے کفر پھیلاتے پھریں یہ خیالی نعوذ باطل و خام ہے اس لیے کہ تقدیرِ مبرم کے مطابق حرام ہے ہلاکت سے مرنے والے کفار منکرین پر یہ کہ نہ لوٹیں بھلا کیسے نہ لوٹیں گے بلکہ ضرور لوٹیں گے اور اپنے ظلم کفر فساد کی سزا میں جہنم کا ابدی عذاب ضرور پائیں گے اور ان ہلاکت کے لائق سرکش کفار کی یہ انکارِ قیامت اُس وقت تک ہے جب تک قیامت کی علامات ظاہر نہیں ہوتیں لیکن حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ۔ چوتھی تفسیر امام نیشاپوری

اور تفسیر جامع البیان نے اس طرح فرمایا کہ۔ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ کا لَا زائدہ ہے اور معنیٰ ہے کہ حرام ہے ہر اُس قوم پر کہ جن کو ہم نے دنیا میں ہلاک کر دیا ہو کہ پھر وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں اور عزت دولت مرتبے کی دنیا پائیں یعنی کفر پر مرنے والے نہ دوبارہ دنیا میں لوٹ سکتے ہیں نہ دنیوی عزت پا سکتے ہیں نہ آخرت میں عزت کی زندگی پا سکتے ہیں نہ اِس حیاتِ دنیا کی مُہلت میں توبہ اور ایمان کی توفیق پائیں یہ سب دروازے اُن بدنصیبوں پر بند ہو چکے ہیں اور حرام ہو چکے ہیں ابھی تو وہ اتنے بدمست ہیں کہ اِس حیاۃُ الدُّنیا کی مہلت کو غنیمت سمجھتے ہیں نہ توبہ اور ایمانی کی توفیق مانگتے ہیں نہ چاہتے ہیں لیکن۔ پچھتائیں گے اُس وقت حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ یہاں تک کہ علاماتِ قیامت میں سے یہ پانچویں نشانی بھی ظاہر ہو جائے کہ سدِ سکندری کے اُس پار سے یاجوج ماجوج کی دو انسانی وحشی قد آور قومیں سدِ سکندری توڑ کر عامِ انسانی آبادی کی طرف آنے کے لیے کھول دی جائیں اُس وقت تک ہر قوم کے ضدی کافر ہزار ہا معجزات کرامات مشاہدات عبریات بلکہ قیامت کی ابتدائی علامات دیکھنے کے باوجود ایمان کی طرف رجوع نہ کریں گے۔ لہٰذا اے محبوب اور تا قیامت مسلمانو تم اِن کفار کی ضد بازی پر افسوس یا غم نہ کرو تمہاری تبلیغ دین و ایمان اور تمہارے سمجھانے بتانے میں کوئی کمزوری نہیں یہ ان کی ضد تو ان پر قہرِ الٰہی اور ان کی بدقسمتی ہے اُن کے دلوں پر مہر آنکھوں پر پردے کانوں میں ڈاٹ ہمارے اُسی ازلی قدیمی فیصلے کی بنا پر ہے۔ خیال رہے کہ اِن آیت میں اہل ایمان کے لیے فَمَنْ یَّعْمَلْ (الخ) کا سدا بہار وعدۂ رحمانی ہے۔ اور وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ کی پوری آیت میں کفار کے لیے قہر کی وعید ہے۔ بچے کھچے اس وقت کے کافروں کی ہلاکت اُس وقت ہو جائے گی جب یاجوج ماجوج قومیں کھولی جائیں گی اور وہ سب نکل کر ہر اونچی پہاڑی چوٹی گھاٹی سے کثرت میں سیلاب کی طرح اور تیز بھاگنے میں وحشی بھیڑیے کی طرح نکل جائیں گے۔ یَنْسِلُ کا معنیٰ بھیڑیے کا بھاگنا ہے اور سب نکل کر پوری انسانی آبادی پر پھیل جائیں گے اُس وقت آبادیوں بستیوں میں صرف کفار ہی ہوں گے مسلمانوں کو عیسیٰ علیہ السّلام بحکمِ الٰہی پہاڑی غاروں لے جائیں گے۔ یاجوج و ماجوج تمام مکانات توڑ ڈالیں گے۔ تمام دریاؤں کا پانی پی

جائیں گے تمام چھوٹے بڑے درخت اور جس انسان یا جانور کو دیکھیں گے کھا جائیں گے۔ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں نہ جا سکیں گے کیونکہ وہاں امام مہدی کا قیام اور فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ یاجوج ماجوج زمین پر چالیس دن زندہ رہیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام ان پر ہلاکت کی بد دعا فرمائیں گے۔ تب ہر ایک کی ناک میں ایک کیڑا پیدا ہوگا جس سے سب مرتے چلے جائیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام دعا عرض کریں گے کہ یا اللہ ان نعشوں کو یہاں زمین سے ختم فرما۔ اس وقت پوری زمین ان کی نعشوں سے بھری ہوگی تب رب تعالیٰ سبز مرغ جیسے بہت بڑے پرندے بھیجے گا جو ان میتوں کو اٹھا کر نامعلوم جگہ لے جا کر پھینک دیں گے پھر ایک تیز بارش برسے گی جس سے وہ ساری زمین دُھل جائے گی اور اُن کی گندگی ختم ہوگی پھر ایک خوشبو دار ہوا چلے گی جس سے اُن مُردوں کی پھیلی ہوئی بد بو ختم ہوگی تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غاروں پہاڑوں سے سب مسلمانوں کے ساتھ نکلنے کا حکم الٰہی ہوگا اور تمام اہلِ ایمان باہر آکر نئے سرے دنیا آباد کریں گے۔ باغات کھیتیاں لگیں گی عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگا۔ اور کچھ عرصے بعد آپ کی وفات ہوگی روضۂ اقدس میں دفن کئے جائیں گے۔ حدیث پاک میں قیامت کے دس بڑی نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی دجّال کی آمد۔ دوسری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول اسی دن حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظاہر ہونا۔ تیسری نشانی دَابَّۃُ الْاَرْض کا خروج بعض اکابر نے فرمایا یہ دابہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا وہی بچہ ہے جو پہاڑوں میں غائب ہوگیا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ چوتھی نشانی پھر قدرتی دھوئیں کا تمام زمین میں پھیلنا۔ پانچویں نشانی یاجوج ماجوج کا کھلنا اور نکلنا۔ چھٹی نشانی پھر مغرب سے آفتاب نکلنا یعنی اُلٹا پھرنا۔ ساتویں نشانی علاقۂ مشرق میں زمین دھنسنے کا زبردست واقعہ آٹھویں نشانی پھر علاقۂ مغرب میں زمین دھنسنے کا عظیم واقعہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ علاقۂ مشرق سے مراد ہندوستان ہے اور مغرب سے مراد یورپ ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ نویں نشانی پھر جزیرۂ عرب میں زمین دھنسنے کا خطرناک واقعہ۔ دسویں نشانی۔ پھر صورِ اوّل اور صورِ دوم اور پھر یمن کی جانب سے آگ نکلنے کا واقعہ صورِ اوّل سے سب زندہ اشیاء مر جائیں گی یہاں تک کہ ملائکہ بھی اور صورِ دوم سے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اور یمن کی آگ بڑھتی آئے گی اور تمام انسانوں کو میدانِ حشر

کی طرف گھیرتی بھگاتی لائیگی ۔ وفاتِ عیسٰی علیہ السّلام اور نفخۂ صور اوّل کے درمیان ایک سو بیس سال کا فاصلہ ہے مگر اس وقت اُلٹے سورج کی تیز رفتاری ایسی ہو گی کہ ایک سال ایک مہینے کے برابر ایک مہینہ ایک ہفتے کے برابر اور ایک ہفتہ ایک دن کے برابر اور ایک دن اور ایک رات ایک ایک گھنٹے کی ۔ یعنی سورج کے چوبیس گھنٹے کا چکر اس وقت دو گھنٹے میں پورا ہوگا ۔ اور ایک سو بیس سال کی مدت موجودہ وقت کے حساب سے بارہ سال بنتے ہیں ۔ گو یا سورج کی تیز رفتاری آج کل کے حساب سے بارہ سال تک رہیگی ۔۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

۱ اُمَّتُكُمْ کی کُمْ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ خطاب صرف صحابہ کرام کو ہے دوم یہ کہ یہ خطاب سب موجودہ تا قیامت مسلمانوں کو یا سب اہلِ عرب کو ہے ۲ سَعْيِهٖ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تمام اعمال کا ثواب مراد ہے دوم یہ کہ ایمان اور اعمال کی قبولیت مراد ہے ۳ كَاتِبُوْنَ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ لکھنے سے مراد لوحِ محفوظ میں حفاظت کرنا ہے دوم یہ کہ کراماً کاتبین کے اعمالنامے میں لکھنا سوم یہ کہ كَاتِبُوْنَ کا معنیٰ مُثْبِتُوْنَ یعنی محشر تک باقی رکھنا ۴ وَحَرٰمٌ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حرام بمعنیٰ واجب ہے یعنی واجب ہوگیا ہے کہ وہ آخرت کی طرف لوٹیں اور سزا پائیں دوم یہ کہ حرام بمعنیٰ ممنوع ہے ۵ اَهْلَكْنٰهَا میں دو قول ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے کہ تقدیری فیصلے میں قابلِ ہلاکت ہو گئے دوم یہ کہ اَهْلَكْنَا کا معنیٰ ہے ہم نے تقدیری فیصلے میں ان کو ھَالِكْ بنادیا یعنی خود کو ہلاک کرنیوالے کفر پر ڈٹے رہکر ۶ لَا يَرْجِعُوْنَ میں دو قول ہیں بعض نے کہا کہ یہ لَا نافیہ ہے اور فعل مضارع مستقبل منفی ہے دوم یہ کہ یہ لَا زائدہ ہے اور يَرْجِعُوْنَ مضارع مستقبل مثبت ہے ۷ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ میں دو قول ہیں ۔ بعض نے کہا کہ ھُمْ کا مرجع یا جوج ماجوج ہیں بعض نے کہا کہ اس کا مرجع قبروں سے زندہ ہونے والے تمام انسان ہیں مگر پہلا قول درست ہے یہ غلط ہے ۸ حَدَبٍ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اسکا معنیٰ اونچی پہاڑیاں اور معنیٰ ہے کہ یاجوج ماجوج پہاڑوں سے اترتے بھاگتے چلے آئیں گے اُن کی دلیل سورۃ کہف کی آیت ۹۹ ہے وہاں ارشاد ہے

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ. یعنی جب رب تعالیٰ کا وعدہ قیامت کا ہوگا تو یہ سدِ سکندری توڑ دی جائیگی ۔ دوم یہ کہ یہ لفظ حَدَب بہ جَدَث کے معنی میں ہے جَدَث، کا معنی قبر ہے یعنی مُردے قبر سے نکل کر زندہ ہوکر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑیں گے اِس قول کی دو دلیلیں پہلی یہ کہ ھُم ضمیر مذکر ہے حالانکہ یاجوج ماجوج کے لیے مؤنث ضمیر چاہیے تھی جیسے کہ فُتِحَتْ مؤنث ہے دوسری دلیل یہ کہ سورۃِ یٰسٓ شریف آیت ۵۱ میں ہے ۔ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ وہاں بھی اَجْدَاث اور ینسلون ہے لہٰذا یہاں بھی معنًا جَدَث ہے بلکہ ایک قرءت میں لفظ بھی مِنْ کُلِّ جَدَثٍ ہی ہے جب دونوں جگہ یَنْسِلُوْنَ ہے دونوں جگہ اَصلِ قبور ہی مراد ہیں مگر یہ دونوں دلیلیں کمزور ہیں پہلی تو اس لیے کہ فُتِحَتْ سے قبیلہ یاجوج ماجوج مراد اور قبیلہ مؤنث لہٰذا فُتِحَتْ مؤنث اور ھُم ضمیر سے افراد مراد ہیں یاجوج ماجوج افراداً مذکر ہیں لہٰذا ھُم مذکر لائی گئی۔ دوسری دلیل اس لیے کمزور ہے کہ وہ اور واقعہ ہے وہاں نفخ صور کا ذکر ہے، یہاں نہیں ہے ۔ دونوں جگہ یَنْسِلُوْنَ نے صرف یہ بتایا کہ دونوں دفعہ بھاگ دوڑ ہوگی لیکن کون بھاگے گا تو ظاہری الفاظ نے بتایا کہ فُتِحَتْ کے وقت یاجوج ماجوج اور نفخ کے وقت اہلِ قبور بھاگیں گے۔ دو مختلف واقعات کو صرف یَنْسِلُوْنَ کی وجہ سے ایک بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز بلاوجہ ذہنی مرجع نکالنا بھی منع ہے ۔ یہاں اہلِ قبور کا کوئی لفظ نہیں تو ذہنی مرجع ممنوع ہوا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دین نام ہے عقائد کا اور عقائد میں پانچ عقیدے بنیادی ہیں ۱ توحید یعنی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک معبود ہے ۲ رسالت یعنی تمام انبیا کی نبوت پر ایمان ۳ تمام کلامِ الٰہی پر ایمان یعنی آسمانی صحیفے اور چار کتابیں ۴ قیامت اور اُس کی جزا سزا جنت جہنم کے وجود پر ایمان ۵ ملائکہ کے وجود پر انبیاء کی تعلیم کے مطابق ایمان لانا۔ ان ہی پانچ عقیدوں کا نام اللہ تعالیٰ کا دین ہے آدم علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا علیہم السلام کی یہی تعلیم اور تبلیغ دین تھی یہ فائدہ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جس مذہب والے کی تعلیم میں یہ پانچ

عقائد نہ ہوں گے ایک بھی کم ہوگا وہ کافر ہے۔ ماضی قریب کے ایک گمراہ اردو مفسر نے ہری چند ہندو اور گوتم بدھ ساھارتھ بن سدھوان اور زرتشت بن کنھیا آتش پرستی کے بانی کو معاذ اللہ نبی کہا ہے۔ حالانکہ یہ سب مومن بھی نہیں نبوت تو در کنار ہری چند ہر سنت دیوتاؤں کا پجاری ہند و مذہب کا بانی۔ گوتم بدھ دہریہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر۔ ان لوگوں کو نبی کہنے والا وہ مفسر خود کافر ہوگیا ایسے ہی جو کہے کہ ہندوؤں کو کافر نہ کہنا چاہیئے وہ خود کافر ہوگیا کیونکہ کفار کو کفار نہ سمجھنا بھی کفر ہے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف توحید بھی اللہ تعالیٰ کا دین نہیں۔ بلکہ کفر ہے۔ اسی بنا پر سکھ مذہب کو کفر کہا جاتا ہے حالانکہ وہ توحید کے قائل ہیں۔ دوسرا فائدہ دنیا میں سب سے بڑی نقصان دہ چیز فرقے بازی ہے۔ انسانوں میں یہ فرقے بازی نوح علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئی اس وقت چھ فرقے تھے ایک برحق باقی کفریہ، ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ستر فرقے ایک برحق باقی کفریہ۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے ایک برحق باقی کفریہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہتر فرقے ایک مومن باقی کافر (تفسیر صاوی روح البیان) مسلمانوں میں تہتر فرقے ہوتے رہیں گے۔ كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً (حدیث پاک) یہ فرقے متعدد زمانوں میں بنتے ختم ہوتے رہے نہ کہ ایک دم یہ فرقے بازی دینی عقائد کے مختلف ہونے کا نام ہے نہ کہ شریعتوں اور شرعی اعمال کے مختلف ہونے کا۔ یہ فائدہ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً جمع حاضر فرمانے کے بعد۔ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ جمع غائب فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی گمراہوں نے امت یعنی دینی عقائد میں من مرضی کی توڑ پھوڑ کی نہ کہ فقط اعمال و افکار میں لہٰذا حنفی مالکی۔ شافعی۔ حنبلی اور قادری چشتی نقشبندی، سہروردی مختلف فرقوں کا نام نہیں یہ سب ایک ہی برحق گروہ اہل سنت والجماعت کے جلوت والے شرعی اعمال کے مختلف مسلکی طریقوں اور خلوت والے افکار طریقت کے مختلف روحانی سلسلوں کے نام ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ دین اگرچہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا مگر اس وقت اس کا نام اسلام نہ تھا کیونکہ ناکمل تھا۔ اور ناکمل کو سلامتی نہیں ملتی۔ ناکمل چیزوں کی شکل صورت حلیہ اور قد کو بقا نہیں ہوتی بلکہ بدلتی اور منسوخ ہوتی رہتی ہے اسی تبدیلی کی وجہ سے نام بھی بدلتے رہتے ہیں مثلاً

جب بیج اُگتا ہے تو اس کا نام کونپل پھر بوٹا پھر بوٹی پھر پودا لیکن جب شکل اور قد میں مکمل ہوا تب نام ہوتا ہے درخت اسی طرح جب دین مکمل ہوا تب نام ہوا اسلام۔ یہ فائدہ۔ اِنَّ ھٰذِہٖۤ اُمَّتُکُمْ (الخ) اور دوسری جگہ کہ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ نیکی وہی ہے جو انبیا علیہم السّلام کے لائے ہوئے دین پر سچا پکا دائمی ایمان لانے کے بعد کی جائے یہ مسئلہ اس آیت کی طرز ترتیب سے مستنبط ہوا۔ اس طرح اِنَّ ھٰذِہٖۤ اُمَّتُکُمْ فرما کر تمام انبیاء کا ایک ہی دین بتایا گیا پھر فرمایا گیا فَمَنْ یَّعْمَلْ اس کی فَ تعقیبیہ نے بتایا کہ دین انبیا اختیار کرنے کے بعد جو اچھے عمل کرے۔ وَھُوَ مُؤْمِنٌ کی واؤ حالیہ نے بتایا کہ مرنے تک ایمان کی حالت پر رہے پھر فرمایا گیا فَلَا کُفْرَانَ یہاں بھی فَ تعقیبیہ ہے جس نے بتایا کہ فقط مومن ہوت کی نیکیاں اور عبادت وسعیِ اعمال کا کفران وضیاع نہ ہوگا۔ غیر مومن کے تمام اعمال آخرت میں برباد۔ دوسرا مسئلہ کوئی شخص دین وایمان لانے اور پھر اعمالِ صالحہ وعبادات میں سستی کوتاہی یا وقت سہولت کا انتظار نہ کرے نہ یہ سوچے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے نیک بننے عبادت کرنے میں۔ اس لیے کہ سرمایۂ آخرت جمع کرنے لیے فقط یہی دنیوی زندگی ہے اور موت کا وقت بھی اگرچہ عند اللہ معیّن ہے مگر کسی بندے کو پتہ نہیں۔ مشاہدہ بھی نہیں بتاتا کہ کس شخص نے کب مرنا ہے بچے۔ جوان بوڑھے سب ہی مرتے رہتے ہیں نہ ہی پھر کسی کو دنیا میں لوٹنا ہے۔ یہ مسئلہ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ ظاہرًا اگرچہ یہ آیت اَھْلَکْنٰھَآ کفار کے لیے ہے مگر وارداتِ موت کے یکساں ہونے سے عبرت سب مومن کافر کے لیے ہے کسی کو بھی دوبارہ دنیا کی یہ مہلت ملنا نہیں ہے۔ حرام بمعنی ناممکن ممنوع ہے شرعی قواعد میں واجب بھی ایک طرح سے ممنوع ہے اور حرام بھی ممنوع ہے مگر فرق یہ کہ ترکِ فعل کا منع ہونا شرعًا واجب کہلاتا ہے اور عملِ فعل کا منع ہونا حرام کہلاتا ہے۔ واجب میں عمل پر ثواب ملتا ہے اور حرام میں ترک پر ثواب ہے آیت کا باطنی منشا یہ ہے کہ کسی کو بھی اس دنیا میں غفلت وسستی کی من مانیاں

کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ ہر شریعت میں مکلف بندے کو یہ سہولت ملتی رہی ہے کہ وہ حسبِ حال اور مطابق ہمت عملِ صالحہ کرے۔ ہمت طاقت سے زیادہ عملِ صالحہ کا مکلف نہ بنایا گیا یہ رب تعالیٰ کی عظیم کرم نوازی ہے یہ سہولت ہر بندے پر رب تعالیٰ کا احسان ہے۔ یہ مسئلہ۔ مِنَ الصّٰلِحٰتِ میں مِن تبعیضیہ فرمانے سے مستنبط ہوا لہٰذا تندرست مومن کے تندرستوں جیسے۔ سارے بیمار کے بیماروں جیسے، معذور کے معذوروں جیسے۔ مقیم کے مقیموں جیسے۔ مسافر کے مسافروں جیسے امیر کے امیروں اور غریب کے غریبوں جیسے ہی اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ یعنی لوگوں نے اپنا اپنا دین مختلف بنا لیا اس کی برائی فرمائی جارہی ہے حالانکہ یہ کام تو انبیاء نے بھی کیا کہ ہر نبی کی شریعت مختلف ہوتی رہی۔ مگر اس کو اچھا کہا جاتا ہے اور دینِ حق۔ اس کی کیا وجہ جواب اِس کا جواب تفسیر عالمانہ میں واضح کر دیا گیا ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ انبیا علیہم السّلام کی شریعتوں کا مختلف ہونا۔ دینی اختلاف نہیں بلکہ طریقۂ عمل کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف مُضر نہیں اس لیے کہ دراصل دین نام ہے عقائد کا اور شریعت نام ہے اَعمال کا۔ عقائدِ حق کی مخالفت فرقے بازی ہے تَقَطَّعُوْٓا سے یہ ہی مراد ہے اس کی برائی ہے کیونکہ فسادٌ فِی الْاَرْضِ ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السّلام کے عقائد بالکل ایک جیسے تھے ذرہ بھر اختلاف نہ تھا اسی کو اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ فرمایا گیا۔ اسی کی تعریف وثنا فرمائی جارہی ہے یہ فرقے بازی نہیں شریعتوں کا اختلاف تو حالاتِ زمانہ اور عوام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اعمال وعبادات تو وقت کے گزرنے سے ایک ہی شریعت میں بھی مختلف ہو جاتے ہیں جیسے عورت و مرد۔ بیمار و تندرست، معذور، درست امیر و غریب کے اعمال وعبادات اور طریقۂ ادا میں بے شمار اختلاف ہیں اور پچھلی ہر ایک شریعت میں ہوتے رہے اس ہی اختلافِ شرعی کو سہولیات کہا جاتا ہے نہ کہ فرقے بازی۔ دوسرا اعتراض

اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ اور سورۃ مومنون کی آیت ۵۳ میں فرمایا گیا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ عبارت اور مضمون ایک ہے مگر یہاں واؤ ہے وہاں فَ ہے اس کی کیا وجہ ؟ ۔ جواب اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں عوام اور ان کی عام عبادت و کردار کا ذکر کیا گیا عوام کے کردار فرقے بازی کا وقت نہ بتایا گیا ۔ یہاں صرف یہ بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے کہ اے یہودیو تم لوگ موسیٰ و ہارون اور عزیر علیہم السّلام کو ماننے والے ہو اور اے عیسائیو تم عیسیٰ علیہ السّلام کو ماننے والے ہو ۔ اور اے عربیو تم ابراہیم اور اسماعیل علیہما السّلام کو ماننے والے تم لوگ اسلام کی مخالفت اور انکار کیوں کر رہے ہو اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ ۔ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تمہارے پاس لایا ہوا دین اسلام اُمَّةً وَّاحِدَةً ابراہیم موسیٰ ہارون و عزیر و عیسیٰ والے دین ہی کی مثل ہے سب ایک ہی دین ہے ۔ یہودیت مجوسیت اور عیسائیت اور بت پرستی تو بعض لوگوں کی ذاتی حرکت اور فرقے بازی کی توڑ پھوڑ ہے اس لیے وَ تَقَطَّعُوْٓا واؤ عاطفہ سے ارشاد ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کی تو یہ شان کہ سب انبیا علیہم السّلام ایک ہی دین لے کر آئے اور کافر لوگوں کی یہ حرکت کہ انہوں اپنے اپنے دین مذہب بنا لیے لہٰذا جب تمہارا زبانی دعویٰ ہے اُن انبیا کو ماننے کا تو اُن کے لائے ہوئے دین کو بھی مانو جس کا اب اسلام نام رکھا گیا ہے ۔ مگر عملی طور پر تم فرقے بازوں اور اپنے باپ دادوں کی ماننے ہو لیکن سورۃ مومنوں میں اِس فرقے بازی کا وقت بتایا گیا کہ اے گروہ انبیا اور اہل ایمان لوگو تم سب اپنے تقوے طہارت عبادت کی تعلیم تبلیغ اور عمل صالحہ پر قائم رہو کیونکہ سب انبیاء نے اپنے زمانوں میں تقوے کی ہی تعلیم فرمائی پھر اُن کے بعد لوگوں نے فرقے بازی شروع کر دی اس لیے وہاں فَ تعقیبیہ لائی گئی جس نے بعدیت کو بتایا ۔ لہٰذا یہاں واؤ عاطفہ اور وہاں فَ تعقیبیہ بالکل درست ہے ۔ تیسرا اعتراض ۔ اِس کی کیا وجہ کہ یہاں پہلے فرمایا گیا كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۔ یعنی سب لوگ ہماری طرف لوٹنے والے ہیں پھر آیت ۹۵ میں فرمایا گیا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۔ بے شک وہ نہیں لوٹیں گے ۔ ظاہرًا تو یہ تضاد معلوم ہوتا ہے جواب ۔ بالکل تضاد نہیں عبارت بالکل صاف ہے ۔ صرف

معترض نے عقل سے غور و تدبر نہ کیا۔ پہلے رَاجِعُوْنَ کا تعلق اِلَیْنَا سے ہے یعنی سب لوگ قیامت کے دن ہماری طرف لوٹیں گے۔ اور لَا یَرْجِعُوْنَ کا تعلق حَرَامٌ سے ہے۔ یعنی لَا یَرْجِعُوْنَ حرام ہو چکا ہے۔ اور رجوع اِلَی اللہ اتنا اٹل لازمی اور تقدیرِ مبرم ہے کہ کسی کے ٹالے نہ ٹلے روکے نہ رکے منکرین قیامت سن لیں کہ ان پر حرام و ممنوع ہے نہ لوٹنا۔ یعنی ضرور لوٹیں گے حساب و کتاب سنیں گے ظلم و کفر کا بدلہ پائیں گے جہنم میں جائیں گے غرضکہ رَاجِعُوْنَ فرمانا فیصلۂ ربانی کی خبر دینا ہے اور لَا یَرْجِعُوْنَ فرمانا فیصلے کی سختی اور مضبوطی کا بتانا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﳲ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔ اے سالکین حقیقت کے گروہ بے شک وہ توحید مخصوصہ کا طریق مستقیم جو سب انبیا کا صراط نور ہے اور اہل طلب کو مجاز سے نکال کر حقیقت کی طرف لے چلنے والا ہے ایک ہی ہے نہ اس میں کمی ہے نہ کجی نہ موڑ ہے نہ ٹیڑھ نہ حق سے فرار ہے نہ غیر کی طرف انحراف ہے نہ مخالفت کا میلان ہے نہ توحید اس راہ شوق کے سب راہ نوردوں کو یہی تعلیم و تدریس ہے کہ اَنَا رَبُّكُمْ ہر حال زمان میں میں ہی تمہارا مربی ہوں ارواح سے شکم مادر تک مہد سے لحد تک میرا ہی کام ہے تم سب کو پالنا اور تمہارا کام ہے بندگان مخلص کی طرح پلنا۔ میرے سوا کسی کو اپنا رب نہ سمجھو۔ اس راہ عشق کی عبادت کے امر توجہ اِلَی اللہ ہے اور نہی غیر اللہ سے بے توجہی اور حق تعالیٰ سے دور و محجوب ہونے والے لوگوں نے منزل دین مقام ایمان مرتبۂ عرفان سے غافل و ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنے راستوں کو جھوٹی دستار کی گفتار دنیاسازی کا جبہ اور چال بازی کا قبہ بنا کر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف اندھیرے رستوں میں بکھر گئے۔ اور ابلیس کے فریبی طریقوں کو اپنا اپنا دین سمجھ لیا اور خواہشات مختلفہ سے ٹیڑھے راستے غلط منزلیں چن لیں۔ یہ نہ جانا کہ آخر کار سب نے آنا ہماری طرف ہی ہے دنیا میں جو چاہیں راستے بنائیں مقاصد اور سمتیں بناتے پھریں۔ ہر اچھے کو جزا اور برے کو سزا تو ہم ہی دینے والے ہیں لہٰذا ہم

ضرور ہر ایک کو اُس کے ایمان و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دیں گے۔ خوش قسمت تو وہ ہے جو اس حیاتِ دنیوی میں ہمارے سچے راستے پر چل کر صدقِ ایمانی کے ساتھ نیک کام کرے پس جو شخص کمالِ علیہ سے متصف ہو کر عالمِ ظاہر و باطن بن جائے اور یقینِ کامل حاصل کر لے تو اُس کی راہِ طلب کی تمام کوششیں محنتیں مشقتیں مصیبتیں قیامتِ وسطیٰ کے میدانِ حشر و نشر میں محرومیِ ثواب کے کفران میں ہرگز ضائع اور برباد نہ ہوں گی بلکہ فطرۃِ اولیٰ کے مقام تک مقبول و مشکور منظور ہوں گی اور بے شک ہم ہر بندے کے اخلاص کے مطابق صحیفۂ قلب میں اُس کی یہ سعیٔ مشکور لکھ دینے والے ہیں۔ تاکہ تا ابد ثابت و قائم باقی و دائم حافظ و راقم ہو جائے۔ لیکن جن سرکشوں کی ہلاکت کا فیصلہ اُن کی بدبختی شقاوتِ قلبی کی وجہ سے ازلِ اسرار میں ہم نے کر دیا ہے اُن پر حرام و ممتنع ناممکن و مستحیل ہو چکا ہے کہ وہ پھر دوبارہ حجاباتِ کفران اور ظلماتِ کفر سے نکل کر نشاۃِ دنیوی میں فطرتِ عرفانی کی طرف لوٹ سکیں۔ اس لیے کہ۔ وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ جن لوگوں کو دوریِ بارگاہ کے اندھیروں میں ہم نے ہلاک کر دیا۔ اُن پر تا ابد انعامِ سعادت حرام ہے۔ وہ پھر کبھی بھی چمنِ معرفت کی خوشبوؤں تازگیوں میں نہ لوٹ سکیں گے یہاں تک کہ قوتِ نفسانیہ کے یاجوج اور شہواتِ بدنیہ کے ماجوج پر انحرافِ مزاجی کے دروازے کھول دیئے جائیں اور خواہشاتِ جسمانی کی ترکیب کا بندھن ٹوٹ جائے جو مرشدِ کامل نے باندھا تھا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جب کسی بدنصیب کی خواہشات و شہوات کے بندھ کھل جاتے ہیں تو وہ ہر عضوِ بدنی کی بلندیوں کے محلِ مقرّ اور مفر سے اترتے ہی چلے آتے ہیں۔ پھر بد معاشیوں کا ایسا ینسلون مچتا ہے کہ نہ آنکھ میں حیا۔ نہ کان میں شفا نہ ہاتھ میں قوا۔ نہ پاؤں میں بقا۔ نہ قلب میں تقیٰ۔ نہ عقل میں لِقا کچھ بھی کہیں بھی ایمانیات کے کھِل کھِلاتے باغات لہلہاتے کھیت نظر نہیں آتے۔ ہر طرف شیطانیات کی بکھیر ہوتی ہے۔ تب اِن بدبختوں کو ہوش آتا ہے اور کہتے ہیں ہائے ہماری ہلاکت، ہماری توبہ غافلین سفہا کے لیے۔ یہی عالمِ ناسوت کے یاجوج و ماجوج ہیں (محی الدین ابن عربی) راہِ طلب کے تین فرقے پہلا طالب دنیا یہ کثیر ہیں دوسرا طالب آخرت یہ قلیل ہیں۔ تیسرا طالب مولیٰ یہ عظیم ہیں۔ لیکن کُلٌّ اِلَيْنَا

رَاجِعُوْنَ ۔ سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ طالبِ دنیا صورتِ قہر کی طرف اور طالبِ
آخرت صورتِ مہر کی طرف قہر جہنم ہے اور مہر جنت ہے مگر ہمارے طالبِ انوارِ وحدانیت
کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اہلِ شہوات اور گستاخِ نبوت کی بدعات والوں کے دلِ اعتقاد
کی بدنیتی اخلاق کی برائی مخالفتِ شریعت، عداوتِ طریقت۔ رقابتِ حقیقت کی وجہ
سے ایمان کی طرف رجوع اور مولیٰ تعالیٰ کی طرف توبہ کر سکتے ہی نہیں کیونکہ انہوں نے اپنی
خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا لہٰذا۔ فَمَنْ يَّهْدِىْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (سورۃ
روم آیت ۲۹) یعنی کون ہدایت دے سکتا ہے اُس گمراہ کو جسے اللہ تعالیٰ نے فیصلۂ
ازلیہ قدیمیہ تقدیریہ مُبْرَمہ میں گمراہ کر دیا ہر توفیق کا دروازہ ان پر بند کھلنا حرام و
ناممکن (روح البیان) اے سالکینِ معرفت تم مقاماتِ علویہ عبور کر کے اپنے قلوب میں بقا باللہ
اپنی عقول میں فنا فی اللہ کی متفرق دولتوں کو جمع کر لو گے تو تم خود اُمّۃً واحدۃً بن جاؤ گے یہ ہی تمہاری
ابتدا ہے پھر تم کو رب تعالیٰ اپنی معرفت عطا فرمائے گا یہ ہی تمہاری سلامتی ہے پھر ارشاد
ہوگا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ یہ تکمیل ہے اس کے بعد تمہارے اسی دین کا نام
اسلام رکھا جائے گا یعنی منسوخیت سے سلامتی والا ختم نہ ہونے والا۔ پہلے اُس دین کا نام اسلام
اسی لیے نہ رکھا گیا کہ وہ درخت تو تھا مگر پودے کی شکل میں غیر مکمل اور غیر سلامتی والا منسوخیت
سے اَنَا رَبُّكُمْ تم کو پالنے والا صرف میں ہوں فَاعْبُدُوْنِ پس میری شریعت کی عبادت
میری طریقت کی ریاضت کرو۔ اہلِ دنیا نے اپنے خُبثِ باطنی کی وجہ سے اِس راہِ حقیقی
کی طلب کو چھوڑ کر مختلف راستے بنا لیے۔ اہلِ کمال کی سعیِ اعمال کو محرومیِ انوار کے کفران میں
نہیں ڈالا جاتا۔ وَحَرَامٌ ۔ ہاں البتہ اُن خبثِ باطن والوں پر جن کی ہلاکت و ذلالت کا
قدیمی فیصلہ ہو چکا ہے غفلتوں سے نکلنا عظمتوں کی طرف آنا حرام و ناممکن کر دیا گیا ہے
وہ بدقسمت یاجوجِ نفس اور ماجوجِ خباثت کے کھلنے تک دنیوی خواہشوں زمزقوں
بکبکوں میں ہی مبتلا رہیں گے یہی دنیا کے کافران سے متعلق ہیں صوفیا کی اصطلاح میں احکام
شریعت سدِ سکندری ہے جس میں خواہشاتِ نفس کے یاجوج ماجوج قید ہیں اور
مخالفتِ شریعت پیرویِ طبیعت اِن کا دشمن ہے یاجوج معدنِ شہوات ہیں اور ماجوج
حواسِ ظاہرہ کی بدعملی ہیں ان کا فساد قالبِ انسانی میں يَنْسِلُوْنَ ہے جو روح کی قلب و عقل والی
آبادیوں بستیوں میں پھیل جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ حَافِظٌ مِّنْ شَرِّهَا۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ

اور جب قریب آئے گا الٰہی فیصلہ تو اچانک ایسی حالت ہوگی کہ کھلی رہ جائیں گی

اور قریب آیا سچا وعدہ تو جبھی آنکھیں پھٹ کر رہ جائیں گی

أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ

اُن لوگوں کی آنکھیں جو کافر رہے کہ ہائے ہماری بربادی بے شک رہے ہم غفلت میں

کافروں کی۔ کہ ہائے ہماری خرابی بے شک ہم اس سے غفلت میں تھے

مِنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ

اس دن سے بلکہ ہم ہی تھے ظالم۔ بے شک تم اور وہ چیزیں کہ پوجتے ہو تم

بلکہ ہم ظالم تھے۔ بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا

مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا

اللہ کے مقابل۔ دوزخ کا ایندھن ہیں تم سب اس میں

تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں

وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا

گرنے والے ہو۔ اگر ہوتے یہ بت واقعی معبود تو یہ سب نہ گرتے

اس میں جانا۔ اگر یہ خدا ہوتے جہنم میں نہ جاتے اور

وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾

اس دوزخ میں حالانکہ یہ سب ہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

ان سب [illegible] ہے

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا

ہوگی ان کی اس جہنم میں گدھے جیسی چیخ اور وہ اس میں

وہ اس میں رہینگے اور وہ اس میں

يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

سننے کے قابل نہ ہونگے

کچھ نہ سنیں گے۔

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چندطرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں قرب قیامت کی ایک نشانی یعنی یاجوج وماجوج کا نکلنا بیان ہوا۔ اب ان آیت میں اس سچے وعدے یعنی قیامت کے آنیکو صاف صاف لفظوں میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ بالکل قریب ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ کافر اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا رکھتے ہیں مگر ان کا دوبارہ آنا حرام ہے اب ان آیت میں اس کی وجہ بیان ہورہی ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں بھلا واپس دنیا میں کیسے آسکتے ہیں۔ تیسرا تعلق۔ گذشتہ آیت میں فرمایا گیا کہ کفار دنیا میں فرقے فرقے ہوگئے اور دینی اعتبار سے جدا جدا ہوگئے۔ اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ فرقے باز اب جہنم میں ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ ہوں گے یعنی وہیں اکٹھے ہوں گے۔

تفسیر نحوی وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ

واؤ عاطفہ اس سے عطف ہے مابعد کا سابقہ فُتِحَتْ کے جملے پر۔ اِقْتَرَبَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب بمعنی بہت قریب ہوگیا یا آگیا حقیقتاً مستقبل کے معنی میں ہے اس کا مصدر ہے اقتراب۔ افتعال میں فعل کا مبالغہ (زیادتی وکثرت) ہوتی ہے قُرْبٌ سے بنا ہے بمعنی قریب آنا۔ یہاں یعنی قرب میں کثرت نہیں ہے۔ افتعال میں لانے سے بہت کا معنی پیدا ہوا اَلْوَعْدُ اسم مفرد معرفہ الف لام عہدی بمعنیٰ

فیصلہ (قیامت) موصوف ہے اَلْحَقُّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حق سچ صفت ہے یہ مرکب توصیفی فاعل ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اِذَا فُتِحَتْ پر۔ فَ زائدہ رابطے کے لیے اِذَا مفاجاتیہ فَ جزائیہ کے قائم مقام ہے یہاں فَ جزائیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جب جملہ اسمیہ جزا بنے اور اِذَا بھی ہو تو وہاں فَ جزائیہ کی ضرورت نہیں۔ ھِیَ ضمیر شان (ضمیر قصہ) کیفیت و حالت بیان کرنے والی مبتدا ہے۔ شَاخِصَةٌ باب فتح کا اسم فاعل واحد مؤنث شُخُوْصٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا یعنی حیبت اور دہشت سے گھبرا کر مسلسل دیکھے جانا یہ خبر مقدم ہے اَبْصَارُ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد بَصَرٌ ہے بمعنیٰ نگاہ نظر والی آنکھیں مضاف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا باب نصر کا ماضی مطلق یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہے اَبْصَارُ کا یہ مرکب اضافی مبتدا مؤخر ہوا۔ شَاخِصَةٌ کا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھِیَ مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو کر جزاءِ اول ہوئی۔ یَا حرف ندا وَیْلَ اسم مفرد معرب نکرہ معرفہ بنایا گیا ضمیر کی اضافت سے بمعنیٰ ہلاکت بربادی تباہی مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع ہے۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ مجرور متصل ہے کیونکہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے قَدْ کُنَّا۔ باب نصر کا ماضی قریب بمعنیٰ ماضی بعید تحقیقیہ یعنی بے شک تھے ہم۔ جمع متکلم کی ضمیر بارز اس کا فاعل یہ فعل تامہ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ غَفْلَةٍ اسم مفرد مؤنث نقلی بمعنیٰ نادانی سستی کاہلی بیوقوفی ناسمجھی حماقت مجرور ہو کر متعلق اول ہے مِنْ ھٰذَا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی سے مراد قیامت یا دین حق قَدْ کُنَّا اپنے فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ حرف عطف برائے اضراب (ماقبل کی نفی مابعد کا ثبوت) کُنَّا۔ فعل ناقصہ جمع متکلم کی ضمیر صیغہ اس کا اسم ظٰلِمِیْنَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب ہے خبر ہے کُنَّا کی یہ مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا قَدْ کُنَّا پر دونوں مل کر جواب ندا یہ سب مل کر جملہ ندائیہ ہو کر قَالُوْا پوشیدہ کا مقولہ ہو کر جزاءِ دوم ہے اِذَا فُتِحَتْ کا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ اِنَّ حرف مشبہ کُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل مرجع کفار مکہ اور تمام بت پرست کفار معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول اصلاً غیر عقل والوں

کے لیے ہوتا ہے مگر کبھی صرف ذوی العقول اور کبھی ہر دو کے لیے ہوتا ہے یہاں اپنے اصلی معنیٰ میں ہے مراد بت ہیں ہر قسم کے خواہ کسی بھی شخصیت کے ہوں تَعْبُدُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع حال جمع مذکر حاضر عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بت پرستی کیونکہ کفار کی مذہبی عبادت صرف بتوں کی سجدہ ریزی ہے مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ مضاف اَللّٰہِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَعْبُدُوْنَ فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا ایک قول میں مَا مفعول بہ مقدم ہے یہ موصول صلہ مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر اسم اِنَّ ہے حَصَبُ اسم مفرد جامد اس کی پانچ قرأتیں ہیں ۱ حَصَبُ ۲ حَضَبُ ۳ حَصِبُ ۴ حَضْبُ ۵ حَطَبُ معنیٰ سب کا ایک ہے ایندھن لکڑی کی مثل۔ خیال رہے کہ ایندھن کے لیے عربی میں پانچ لفظ ہیں ۱ وَقُوْدٌ یعنی ہر قسم کی جلنے والی مثلاً لکڑی کپڑا پیٹرول۔ گیس تیل گھاس پھوس وغیرہ ۲ حَزْلٌ۔ پانی سے خشک شدہ چیز ۳ دَعْرٌ سلگ سلگ کر جلنے والا ۴ خَوَادٌ جلدی بھڑک کر جلنے والا ۵ جِذْلٌ یا وَبِلٌ گٹھا ہوا مضبوط ایندھن یہ مضاف ہے جہنم اسم مفرد مُعَرَّبْ مضاف الیہ مرکب اضافی خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَنْتُمْ۔ اسم ضمیر مبتدا ہے لام حرف جر بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ یا بمعنیٰ عَلیٰ فوقیت کا یہ جار مجرور متعلق ہے وَارِدُوْنَ کا باب ضرب سے اسم فاعل جمع مذکر وَرَدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ داخل ہونا گرنا گزرنا اوپر سے اترنا۔ قریب جانا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ۔ لَوْ حرف شرط كَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ جمع مذکر مؤنث دونوں کے لیے مبنی ہے بحالت رفع اسم ہے كَانَ کا اٰلِهَةً اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے اِلٰہٌ خبر ہے كَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہے مَا وَرَدُوْا باب ضرب کا فعل ماضی مطلق منفی جمع مذکر غائب وَرُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گرنا داخل ہونا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع مَا تَعْبُدُوْنَ ہے یعنی تمام بت یا اس کا مرجع عابدین معبودین سب ہیں اس لیے کہ اگر بت سچے ہوں تو نہ بت جہنم میں جائیں نہ ان کے پجاری واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ كُلٌّ اسم تاکیدی بمعنیٰ تمام بت و بت پرست فِيْهَا یہ جار مجرور

متعلق مقدم ہے خٰلِدُوْنَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر خَالِدٌ واحد ہے خَلْدٌ اور خُلُوْدٌ سے بنا ہے یعنی ہمیشہ رہنا ضمیر صیغہ اس کا فاعل اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا و دونوں مل کر حال وَرَدُوْ کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ نافیہ ہو کر جزا ہے لَوْ کَانَ کی۔ دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے پوشیدہ یَكُوْنُ فعل کا فِيْهَا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یَكُوْنُ تامّہ کا زَفِيْرٌ اسم مبالغہ بروزن فَعِيْلٌ زَفْرٌ سے مشتق بمعنی رینکنا گدھے کا، یا گدھے کی شل آوازیں کا نکالنا خواہ نقل کرتے ہوئے یا مجبوراً کسی بیماری و تکلیف سے یہاں آخری معنیٰ میں ہے زفیر خود بھی مصدر اور مبالغے کا معنیٰ ہے گدھے کی ابتدائی چیخ دار آواز کو کہتے۔ لغوی ترجمہ ہے اتنی زور سے آہ بھرنا کہ پسلیاں ہوا (سانس) سے بھر جائیں یہ فاعل ہے یَكُوْنُ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامّہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ ہُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ ھَا ضمیر واحد مؤنث مجرور متصل اس کا مرجع ہے جہنم یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ لَا یَسْمَعُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب سَمْعٌ سے مشتق ہے لازم بھی ہوتا ہے متعدی بیک مفعول بھی یہاں لازم ہے ترجمہ ہے سننے کے قابل ہی نہ ہوں گے یعنی مکمل گونگے اسی لیے اس کا مفعول بہ نہیں ہے۔ اس کا فاعل ہُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل فاعل اور متعلق مقدم مل کر جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر خبر ہے ہُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۔ یہ تمام وہ قومیں جو کفر کر کے ہالک یعنی اپنے آپ کو ہلاک کرنے والی بن چکی ہیں اور فیصلۂ تقدیر میں ہلاک ہونے والی بن گئیں اس وقت تک غفلت سے نکل کر توبہ اور کفر کے پچھتاوے کی طرف نہ لوٹیں گی جب تک کہ علاماتِ قیامت میں سے دو بار یَنْسِلُوْنَ کا مظاہرہ نہ ہو جائے۔ ایک پہلا اس وقت اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ جب کہ یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور بھگدڑ مچائیں گے اور دوسری بار اس وقت جب کہ اِقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ نفخۂ دوم کے بعد قیامت کا یقینی وعدہ بالکل ہی قریب ہو جائے گا

اور تمام انسان زندہ ہو جائیں گے فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ
اور کفار اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف مُعَاوِدہ کریں گے بھگدڑ مچائیں گے
فَاِذَا هِيَ تو جب وہ حق الیقین وعدہ اچانک ظاہر ہوگا تب کفار کی آنکھیں پھٹی اور
چڑھی رہ جائیں گی قبروں سے بھاگتے اور قیامت کے آنے کی دہشت کی وجہ سے
کہیں گے ہائے ہماری ہلاکت بے شک دنیا میں ہم بہت بڑی غفلت میں پڑے رہے
نہ انبیاء کی مانی نہ اولیا کی علیہم السّلام۔ نہ قرآن کو سمجھا نہ اسلام کو پرکھا آج بروزِ حشر
ہم کو سب یاد آرہا ہے کس شفقت و محبت سے انبیا نے ہم کو سمجھایا قیامت کا
آنا سنایا جہنم سے ڈرایا۔ قرآن مجید نے بار بار قبر کا حال بتایا مگر ہم بد نصیب
سنتے کان دھرتے تھے اُن مُنْذِرِیْنَ مِنَ اللّٰہ کی ہم اِس سے غافل نہیں سمجھے گئے تھے
بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بلکہ ہم سب سنتے جانتے عقل سے سمجھتے ہوئے بھی ضدی بن کر
خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے آج پچھتا کر توبہ کر رہے ہیں جب کہ کوئی
فائدہ نہیں۔ قرآن و حدیث نے تو ہم کو ہمارے پچھتاوے دنیا میں ہم کو بتادی تھیں
مگر اس وقت ہماری کم بختی ہم نے اپنے خیر خواہ انبیا کی جو ہمارے ہی غم میں غمزدہ
رہتے تھے نہ مانی اور ان پیاروں کو ہی اپنا دشمن سمجھا۔ اور شیطان ملعون و مردود کو
اپنا دوست سمجھتے رہے۔ انبیا علیہم السّلام نے اپنے اپنے زمانوں میں اپنی امت کو
ہمیشہ یہی سمجھایا کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ
لَهَا وَارِدُوْنَ۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ۔ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ۔ اے بت
پرستی کر کے کفر یہ دین پر مرنے والو بے شک تم سب بُت پرست بھی اور تمہارے
سب دیوتا دیوی چاند سورج ستارے اور نیک بزرگوں کے نام پر بنائے ہوئے
بُت بھی جہنم کا ایندھن بنا دئے جاؤ گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ تم پجاری تو
جہنم میں جلنے کے لیے ہی پھینکے جاؤ گے لیکن یہ اینٹ پتھر دھات کی مورتیاں تم
کو مزید ذلیل کرنے جلانے کے لیے تمہارے پاس جہنم میں ڈالے جائیں گے اس
طرح کہ ان کو جہنم میں بے بسی کی ذلت سے پڑے ہوئے دیکھ کر تمہارے دل جلیں
گے کہ ہائے یہ وہی بت ہیں جن کی دنیا میں ہم پوجا کرتے تھے ان کو الٰہ سمجھتے عزت

کرتے تھے۔ اور جب یہ گرم ہو کر تمہارے جسموں سے لگیں گے تو تمہارے جسم جھلسیں گے جس سے تم کو مزید تکلیف اور جلن یعنی عذاب بڑھے گا اسی لیے بذات خود چاند سورج ستارے بھی جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ ان کے پجاریوں کو ان کی گرمی کا بھی عذاب پہنچے۔ اسی طرح ہر وہ بدمعاش بھی تمہارے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا جو دنیا میں اپنی عبادت یا تعظیمی سجدے کرایا کرتا تھا جیسے نمرود۔ فرعون یا تا قیامت کوئی بھی اپنے مریدوں سے تعظیمی سجدے کرانیوالا۔ یا ورغلا بہلا پھسلا۔ ورغلا کر لوگوں سے کسی کی عبادت کرائے جیسے ابلیس وسامری اور پنڈت پوپ پادری جوگی اور جو شخص اپنی جھوٹی معبودیت اور اپنے سامنے لوگوں کی سجدہ ریزی سے راضی اور خوش ہو وہ بھی کل بعد قیامت جہنم میں ایندھن بنا کر ڈالے جائیں گے۔ اے نادانو دنیا میں بھی تم کو سنایا سمجھایا جا رہا ہے اور آخرت میں تم کو دکھایا جائے گا کہ اگر یہ تمہارے دستی تراشے خراشے بت اور نمرود و فرعون اِلٰہ ہوتے تو مَا وَرَدُوْهَا۔ آج یہاں جہنم میں ہزار ہا ذلتوں کے ساتھ نہ پڑے ہوتے اور پھر یہ ذلت و رسوائی کا جہنم ایک دو دن کی بات نہیں بلکہ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ تم سب اور وہ تمہارے تمام دیوی دیوتا بت مورتی تمثال و اوثان اس عذاب جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے نہ مرنے جیسے ہو گے نہ جینے جیسے اتنی دراز مدت کہ جس کی انتہا ہی کوئی نہیں اُس جہنم میں اُن جہنمیوں کی لمبی آواز گدھوں جیسی مکروہ چیخ و پکار اور منحوس اور اہل جہنم تا ابد اُس دوزخ میں کبھی کوئی خوشی کی آواز نہ سنیں گے نہ دلوں کو خوش کرنیوالی خوشخبری نہ کانوں کو خوش کرنے والی خوش الحانی نہ نفس امارہ کو خوش کرنیوالی گیت سنگیت طبلہ سارنگی کی آواز۔ تو اے کم عقل انسانو تم کیوں حیات دنیوی کی یہ چند قیمتی اور فانی ساعتوں کو اپنی ضد، سرکشی، خرمستی سے ضائع اور خراب کر رہے ہو۔ جلدی جلدی نبوت کے دامن کی امان قرآن مجید کے فرمان۔ ابدی ضمان میں آجاؤ۔ یہ تعلیم و تبلیغ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کو اپنے آسمانی صحیفوں اور کتب الٰہیہ سے پڑھ کر سنائیں جب قرآن مجید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ایک دن آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف لائے دیکھا کہ سرداران مکہ ابوجہل ابولہب ولید بن مغیرہ وغیرہ۔ کعبے میں رکھے اور لگے ہوئے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں فوٹوؤں کی پوجا کر رہے

ہیں تب آپ نے اُن سب کفار کو یہ آیتیں سنائیں اس کا پورا واقعہ اگلی آیت ۱۰۱ کے شانِ نزول میں مذکور ہے۔

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

ے ۱ اِقْتَرَبَ میں دو قول۔ ایک قرأت میں یہ اِقْتَرَبَ ہے یعنی بہت ہی قریب آگیا دوم یہ کہ ایک قرأت میں یہ قَرُبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ہے۔ یعنی قریب آگیا سچا وعدہ۔ مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ ۲ وَاقْتَرَبَ کی واؤ میں تین قول ایک یہ کہ یہ عاطفہ ہے اور عطف ہے اِذَا فُتِحَتْ پر۔ دوم یہ کہ سر جملہ ہے اور اگلی عبارت نیا جملہ ہے۔ سوم یہ کہ زائدہ ہے جیسے وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ۔ کی واؤ۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ ۳ اَبْصَارُ۔ میں دو قول ایک یہ کہ یہ جمع ہے بصارت کی بمعنی نظریں دوم یہ کہ یہ جمع ہے بصیرت کی مراد ہے آنکھیں ۴ وَمَا تَعْبُدُوْنَ۔ میں دو قول ایک یہ کہ یہ مَا موصولہ ہے اپنے ہی اصل معنیٰ میں اور اس سے صرف بت مورتی غیر عقل والی دیوی دیوتا مراد ہیں دوم یہ کہ مَا عام ہے بے عقل اور عقل والے جھوٹے معبودوں کو یعنی تمام مَا تَعْبُدُوْنَ۔ بت اور فرعون و نمرود وغیرہ ۵ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں دو قول ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے جہنم کا ایندھن دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے جہنم کے درخت مگر یہ غلط ہے۔ اس کی قرأت میں تین قول ایک یہ کہ یہ حَصَبُ ہے یہ ہی مشہور ہے دوم یہ کہ یہ حَطَبُ ہے بمعنیٰ جہنم کی لکڑی سوم یہ کہ یہ حَضَبُ ہے ض سے بمعنیٰ انگورا یعنی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جس سے آگ شروع کی جاتی ہے ۶ لَهَا میں تین قول، ایک یہ کہ یہ لام بمعنیٰ علیٰ ہے۔ یعنی جہنم پر دوم یہ کہ لام بمعنیٰ فِیْ ہے یعنی جہنم میں سوم یہ کہ یہ لام اپنے ہی معنیٰ میں تعلیلیہ ہے یعنی جہنم کے لیے ۷ وَارِدُوْنَ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وَارِدُوْنَ بمعنیٰ سَاكِنُوْنَ یعنی اس میں رہنے والے دوم یہ کہ بمعنیٰ دَاخِلُوْنَ ہے ۸ مَا وَرَدُوْهَا۔ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جھوٹے معبود مراد ہیں۔ یعنی یہ معبودانِ باطل جہنم میں نہ جاتے اگر سچے معبود ہوتے دوم یہ کہ پجاری کفار مراد ہیں یعنی اگر بت سچے معبود ہوتے تو ان کے پجاری جہنم میں نہ جاتے بت اُن کو بچا لیتے ۹ زَفِيْرٌ میں دو قول ایک یہ کہ زفیر کا معنیٰ ہے ہنکارنا سانس پھولنا دوم یہ کہ زفیر کا معنیٰ ہے گدھے کی طرح بری آواز سے رینکنا ۱۰ لَا يَسْمَعُوْنَ میں تین قول ایک یہ کہ وہ کچھ مدت کے لیے مکمل

بہرے ہوں گے اس لیے بالکل کوئی آواز نہ سن سکیں گے دوم یہ کہ دوزخی لوگ صندوق در صندوق در صندوق بند ہوں گے صندوق آگ یا لوہے کی کیلوں سے ٹھکے ہوں گے اور بہت نیچے پڑے ہوں گے اس لیے کچھ نہ سن سکیں گے اور یہ بعض دوزخیوں کا حال ہو گا سب کا نہیں سوم یہ کہ خوش کن آواز نہ سنیں گے اور تمام کفار کا حال ہو گا تا ابد۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ، زمانۂ نوحی سے تا قیام قیامت ہر زمانے میں ہر نبی کی کافر قوم میں صرف غیر ذوی العقول کی پوجا ہوتی رہی اور اب بھی ہندوؤں میں ہوتی ہے کبھی بھی کسی دور میں مذہبی طریقے پر ذوی العقول کی بذات خود پرستش نہ ہوئی مثلاً پہلے زمانوں میں بتوں مورتیوں چاند سورج ستاروں کی یا ایک وقت سامری کے بچھڑے کی پوجا ہوتی رہی اور اب ہندو لوگ بت مورتی چاند سورج ستاروں کی بھی اور درختوں جڑی بوٹیوں جانوروں کیڑے مکوڑوں دریاؤں اور زمینوں کو بھی پوجا شروع کر دیا۔ درختوں میں پیپل اور املی کو پوجتے ہیں جڑی بوٹیوں میں تلسی کا پودا پوجتے ہیں جانوروں میں گائے اور بندر کو، کیڑوں میں سے چوہے اور ناگ کو دیوتا مان کر پوجتے ہیں۔ دریاؤں میں گنگا جمنا کو۔ زمین کو دھرتی ماتا کہہ کر پوجتے ہیں۔ پہلے زمانوں میں مشرکین صرف فلکی ستاروں اور ان کی تصویروں فوٹوؤں یا اپنے بزرگوں کی فوٹوؤں کو پوجتے مگر کسی درخت یا جانور کی پوجا نہ ہوتی تھی۔ آگ کی پوجا زرتشت سے اور پیپل کی پوجا گوتم بدھ سے شروع ہوئی۔ غرضکہ صرف غیر ذوی العقول کی ہی پوجا ہوتی تھی اور ہوتی ہے یہ فائدہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ کے لفظ مَا فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ یہ اصل معنیٰ میں غیر عقل والوں کے لیے ہی آتا ہے۔ نمرود اور فرعون کی پوجا مذہبی طور پر بین الاقوامی نہ تھی بلکہ صرف اپنی حدودِ سلطنت میں اپنی اپنی رعایہ سے ہی کرائی حکومت کے زور پر نہ کہ مذہباً اسی طرح یہودیوں کا شرک صرف عزیر ابن اللہ کہنا ہے یہودی عزیر علیہ السّلام کی تصویر یا مورتی نہیں بناتے نہ ان کو الٰہ کہتے ہیں نہ اُن کو سجدہ کرتے ہیں عیسائیوں کے دو شرک ہیں ۱ عیسیٰ ابنُ اللہ ۲ اُن کے فوٹو بنا کر سجدہ کرتے ہیں۔ اور فوٹو غیر ذوی العقول ہے اصل زندہ و موجود عیسیٰ علیہ السّلام کی پرستش کبھی نہ ہوئی اسی طرح کفارِ مکہ کا قبیلہ بنی مُلیح بھی فرشتوں کی تصویروں

خیالی بنا بنا کر پوجتے تھے نہ کہ اصل فرشتوں کو بھی نہ کبھی انہوں نے کسی فرشتے کو دیکھا۔ دوسرا فائدہ اگرچہ میدانِ محشر میں سب نیک و بد انسانوں نے جانا ہے مگر ذلت سے جانا صرف کفار کے لیے ہے۔ یہ فائدہ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ کے تخصیصی ارشاد سے حاصل ہوا یعنی کفار کے لیے مرنے کے بعد تین ذلتیں پہلی عذاب قبر کی دوسری مُبْلِسُوْنَ کی تیسری شَاخِصَةٌ کی۔ مومن کی یہ کوئی ذلت نہ ہوگی اُن کی تو روانگی محشر میں بھی عجب شان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احکامُ القرآن اِن آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ تلاوت قرآن مجید کی دس قرأتیں ہیں جن میں سے سات مشہور ہیں جن کو قرأت سبعہ کہا جاتا ہے اور تین قرأتیں شاذ ہیں یعنی بہت کم استعمال۔ شاذ نادر۔ یہ تمام قرأتیں تین طرح کی تبدیلیوں سے پڑھی گئیں ۱ لفظ کی تبدیلی جیسے یہاں حَصَبُ۔ حَطَبُ۔ حَضَبُ کی تین قرأتیں ۲ تلفظ کی تبدیلی یعنی زبان کے موٹا ہونے کی وجہ سے وہ لفظ عربی لہجے میں زبان پر نہ چڑھے جیسے زنجانی اور حبشی اہلِ عرب جو شین کو سین پڑھتے ہیں ۳ زیر زبر کی تبدیلی جیسے لَدُنْ۔ لَدِنْ۔ لَدَنْ۔ لُدْنَ۔ لِدُنَ کی پانچ مختلف قرأتیں۔ یہ تمام قرأتیں آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں آپ کی اجازت سے جائز رکھی گئیں اور دورِ صحابہ کرام سے ہی عرب کے آٹھ علاقوں کے بارہ قبائل میں یہ دس قرأتیں جاری و جائز ہو چکی تھیں اِن قرأتوں کے اختلاف میں اِس شرط کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لفظ یا تلفظ یا زیر زبر بدلنے کے باوجود نہ معنیٰ غلط ہو نہ منشاءِ آیت کے مخالف ہو نہ غیر عربی حرف شامل ہو۔ ان دس قرأتوں کے علاوہ زمانۂ صحابہ کے بعد نہ کوئی گیارھویں قرأت بنائی گئی نہ بنی نہ اُس کی اجازت ہے۔ اس لیے اگر کوئی وہابی ضالین کو ظالین یا زالین پڑھے یا کوئی مصری قَالَ اللّٰهُ کو گال اللہ اور و تعالیٰ جَدُّكَ کو و تعالیٰ گَدُّكَ پڑھے یا کوئی پنجابی قَالَ کو کَال۔ حَقَّ کو حَقْ پڑھے یا کوئی حیدرآباد دکن کا قَالَ کو خَالَ۔ قَدِيْرٌ کو خَدِيْرٌ پڑھے یا کوئی برطانوی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کو گَيْرِ الْمَگْضُوْبِ پڑھے تو اُس کو قرأتی اختلاف نہ کہا جائے گا بلکہ پڑھنے والا سخت گناہگار نماز نا جائز۔ غلط تلاوت کی نحوست قائم ایسے شخص کی امامت ممنوع اور مقتدیوں و امام کی نماز ٹوٹ جائے گی لہٰذا اے مسلمانو ہمت کر کے خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی اچھے مستند قاری حضرات سے

قرآن کریم ناظرے تعلیم دلاؤ جو علم تجوید کے مطابق صحیح مخارج نکالنے کی محنت مشقت کرا کر پڑھائے یہ مسئلہ حَصَبُ کی تفسیر کی اقوالِ مختلفہ سے مستنبط ہوا۔ جب دنیوی تعلیم پر ہزاروں خرچ کرتے ہو تو دینی تعلیم پر بھی خرچ کرو ورنہ یاد رکھو قرآن مجید غلط پڑھنے سے دنیا و آخرت میں غریبی ذلت اور نحوست ملتی ہے۔ دورِ صحابہ کرام کے قراء اور اُن کے تلاوتی لہجوں کے نام ۱ عبداللہ ابن مسعود، لہجہ حجازی ۲ ابو درداء لہجہ مصری ۳ ابی ابن کعب، لہجہ یمنی ۴ امام ابو زید۔ لہجہ حبشی ۵ زید بن ثابت لہجہ عراقی ۶ امام حسن لہجہ حَسَنی ۷ امام حسین لہجہ حسینی۔

دوسرا مسئلہ۔ دینی ایمانی بات سمجھانے کے لیے عقلی مثال و دلیل دینی جائز ہے یہ مسئلہ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ یہ آیت بُت پرست کفار کو عقل فکر سے سوچنے کی دعوتِ عام دے رہی ہے۔ اور یہ زبردست عقلی دلیل ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً یعنی اگر یہ بُت معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے۔ یہ بات کس کو سنائی جا رہی ہے اگر مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہے تو بیکار ہے کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی بتوں کو معبود نہیں مانتے اور اگر کفار کو سنائی جا رہی ہے تو بھی بیکار کیونکہ کفار مانتے ہی نہیں کہ یہ بُت جہنم میں جائیں گے بلکہ کفار تو خود کو بھی جہنمی نہیں مانتے۔ تو اس عقلی دلیل کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ **جواب**۔ یہ دلیل مسلمانوں کو مفید ہے اور کفار کو بھی اگرچہ سنائی صرف کفار کو جا رہی ہے اگر وہ غور کریں تو در اصل بتلایا یہ جا رہا ہے کہ کل قیامت میں کفار کو یہ نظارہ دکھایا جائے گا تب وہ پچھتائیں گے آج دنیا میں ہی غور و فکر کر کے بندہ بن جائیں تو اچھا ہے۔ مسلمانوں کو کفار کا انجام سنا کر ان کی خوش قسمتی بتائی جا رہی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر خوشی کے سجدے کریں کہ ان کو کفار اور بتوں سے بچایا گیا۔ دوسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ پہلے فرمایا گیا۔ اِذَا فُتِحَتْ (الخ) پھر فرمایا گیا وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ (الخ) پھر فرمایا گیا۔ شَاخِصَةٌ (الخ) اس ساتھ ساتھ ذکر سے پتہ لگتا ہے کہ یہ تینوں کام ایک دم ہوں گے۔ حالانکہ پہلی دو چیزیں علاماتِ قیامت سے ہیں جو قیامت سے پہلے ہوں گی اور شَاخِصَةٌ قیامت آنے کے بعد ہوگا جواب اگرچہ یہ تینوں چیزیں علیحدہ وقتوں میں ہیں گر ان کو ساتھ ذکر کرنے میں ان کے بہت

قریب قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا یعنی یہ تینوں اتنی جلدی ہوں گے گویا ایک ساتھ ہی ہوئے اسی لیے روایت میں ہے کہ فتح یاجوج ماجوج کے بعد اب محسوس ہوگا کہ بس قیامت آئی کہ آئی، دن میں خیال گزرا کرے گا کہ شاید ابھی رات کو آجائے رات کو خیال ہوا کرے گا کہ شاید صبح ہی صور اوّل پھونکا جائے۔ اللہ اکبر کبیرہ

تفسیر صوفیانہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ (الخ) دنیا پرست اس وقت تک حجابات کو محسوس نہیں کرتے جب تک کہ خواہشات نفسانیہ کے یاجوج شہوات بدنیہ کے ماجوج کھل کر زمین قالب پر ینسلون۔ مغادرہ کا فساد نہیں مچاتے اور قیامت صغریٰ باطنیہ کا وعدۂ حق نہیں آتا موت قلبی کے بعد تب اس وقت بڑھاپے کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی امراض کثیرہ کی ہولناک کمزوری سے تو یہ مجوبین اپنے ظلم و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے ویل و ثبور ہلاکت و فتور کا رونا روئیں گے کہ ہائے آگیا وقت آخیری تو مجھے یاد آیا ؏ ڈھل گیا وقت کا سایہ تو مجھے یاد آیا

گئی جوانی آئی پیری لگے پیاں پیڑاں حُسن کس کم محمد بخشا اُون جوین ہیڑاں

مرشدان کاملین علماءِ ناصحین نے کتنی بار سمجھایا تھا کہ اے دولت دنیا کے پجاریو موودرحرت کے حوار یو بے شک تم سب اور تمہارا یہ تمام بداعمالی کا سازو سامان جہنم عتاب و غضب کا ایندھن ہے، تم تو اسی طبقات در طبقات دوری کی اندھیریوں کے قہر میں گرنے والے جاتے بنائے ہوئے معبودان کردار کے ساتھ۔ اس دنیا میں جس کی جتنی غفلت زیادہ اتنا ہی اس پر اس کی بدبختی کا عذاب زیادہ اور اتنی ہی معرفت ربانی مصلئہ ایمانی توفیق رحمانی سے دوری۔ اس زق زق دیک بک کے شور شیطانی میں گھٹاٹوپ گہرے پردوں کے المناک غم کا زفیر ہوگا مگر اس میں پھر کبھی بھی نصیحت کی آواز شفقت کی صدا محبت کی پکار نہ سن سکو گے ترس جاؤ گے رحمت کی میٹھی بات کو اس لیے کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ۔ فاسقین پر دنیا میں قہر و عتاب کی شدت عذاب سے تین مصیبتیں آتی ہیں ۱ شوق دیدار سے محرومی کے اندھیرے ۲ محرومی کی طویل مدت ۳ فراق کی بے اطمینانی عبادات

میں بھی بے سکونی نہ کلام حق سن سکیں نہ کلام نبوت کا سرور پا سکیں اس کی تین وجہ ہیں ۱ دنیوی محبت کے موٹے پردے ۲ غفلت کی شدت ۳ جہالت کی قوت۔ اس لیے بصیرت کے انوار بصارت کی روشنی۔ نفسانی اندھیروں میں بدل جاتی ہے (ابن عربی) غافلوں کے دلوں کی موت اقتراب قیامت کا صُورِ اوّل ہے۔ حکما نے فرمایا کہ میّت پر مت روؤ اپنے پر روؤ کیونکہ جو مومن ہو کر فوت ہوا وہ تو تین صعوبتوں سے نجات پا گیا۔ پہلی ملک الموت کی خوفناک آمد سے دوم موت کی تلخی سے سوم خاتمے کے خوف سے۔ جو زندہ ہے وہی دراصل شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ ہے کیونکہ اس کے لیے ابھی تینوں مرحلے باقی ہیں۔ اے حیاتِ روحانی والو خبردار ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ بدن نیں کا پنجرہ قید ہے اور جان اس میں مقید پرندہ ہے جس کا نام نفس ہے جب یہ پرندہ پنجرے سے نکلے گا اور پنجرہ ٹوٹے گا پھر کبھی دوبارہ شکار نہ ہو سکے گا۔ آج ہی غفلت کے گریبان سے سر باہر نکال لو ورنہ کل بوقتِ موت شرمندگی اور حسرت سے سرنگوں ہوگا۔

تمنا ہے درختوں پر تیرے روضے کے جا بیٹھے   قفس جس دم بدن سے طائرِ بسمل کا جب ٹوٹے

اگر راہِ آخرت کا مسکین اور غافلِ عبادت مردہ بعدِ موت زبانِ تکلّم رکھتا تو آہ زاری سے شور مچا دیتا اور زندہ لوگوں کو بتاتا سمجھاتا کہ اے زندہ لوگو ابھی تم خوش قسمت ہو۔ ابھی زندگی رکھتے ہو۔ چونکہ تم کو بدلنے کی قوت ہے لہٰذا ذکرِ الٰہی سے مُردوں کی طرح ہونٹ نہ بند مت کرو۔ میرا زمانہ تو غفلت میں گزر گیا۔ تم ابھی زندہ ہو اپنی ان سانسوں صحتوں اور فرصت کے لمحات کو غنیمت شمار کرو۔ اے میرے کریم رحیم شفیق ورفیق ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے میرے اللہ ہمارے آقا رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لیے رحمۃ عالمین بنانے والے میری موت میرے پاس ایمان وعبادت والی خوشیوں خوشبوؤں کے ساتھ بھیجنا اور میرے دوستوں مریدوں اولاد کے پاس بھی آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بطفیل رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ صوفیاء کرام کی یہ تفسیری تاویلات حقیقت میں کفار کو رُلانے مومنین کو جگانے غافلین کو سمجھانے فاسقین کو عبرت دلانے متقین کا شوق عبادت بڑھانے کے لیے ہیں اور اس تفسیر سے اہلِ ایمان کو بہت ہی فائدہ پہنچا ہے۔ سب سے سن ہجری ۵۹۰ھ اور عیسوی ۱۲۱۰ء میں محی الدین ابن عربی شیخ اکبر نے مکمل قرآن مجید کی تفسیرِ صوفیانہ لکھی پھر تفسیر عرائس البیان لکھی گئی سب علما فقہا نے اس کو پسند فرمایا۔ صحابہ کرام میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اقوال میں کلامِ تصوف کے اشارے ملتے ہیں پھر تمام عربی مفسرین نے تفسیرِ صوفیانہ کو شاملِ تفاسیر فرمایا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ

بے شک وہ لوگ کہ پہلے ہو چکا اُن کے لیے ہماری طرف سے اچھا فیصلہ فقط

بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا

أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ

یہی ہیں اُس جہنم سے دور رکھے ہوئے نہ سُن پائیں گے وہ اُس دوزخ

وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ وہ اُس کی بھنک نہ سنیں گے

حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ

کی سرسراہٹ کو بھی۔ اور وہ لوگ اُن نعمتوں میں جن کی چاہت کریں گے ان کے دل

اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں

خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ

ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں نہ پریشان کرے گی ان کو بڑی گھبراہٹ

گے۔ اُنہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور

وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي

اوران کی زیارت کو آئیں گے فرشتے اِس پیغام کے ساتھ کہ یہ تمہارا وہ دن جس کا

فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے۔ کہ یہ ہے تمہارا وہ دن

كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ

وعدہ دیئے جاتے تھے تم وہ دن کہ لپیٹ دیں گے ہم ہر آسمان کو

جس کا تم سے وعدہ تھا۔ جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

بنڈل پیٹنے کی طرح مسودہ کاپیوں کا جیسے بنانی شروع کی تھی ہم نے

جیسے سجل فرشتہ نامۂ اعمال کو پیٹتا ہے۔ جیسے پہلے

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا

پیدائش کی ابتداء میں ویسے ہی پھر کر دیں گے ہم اسی وعدہ پر جو ہم پر ہے جیسے تک

اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمّے ہم کو

فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

ہم ضرور کرنیوالے ہیں۔

اس کا ضرور کرنا۔

تعلقات ان آیات کریمہ کا سابقہ آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں جہنم سے قریب ہونے والوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ان نیک بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جو جہنم سے دور رہنے والے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جہنمیوں کے پورے حالات کا ذکر ہوا کہ دوزخ میں ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ اب ان آیت میں اہل جنت کا ذکر ہو رہا ہے کہ بہشت بریں میں ان کی کیا شان ہوگی تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جہنم کے شور و غل کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ شور و غل اہل جنت نہ سنیں گے وہ پرسکون ہوں گے۔ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا۔

شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں تشریف لائے وہاں دیکھا کہ ابوجہل اور بہت سے سرداران مکہ کعبے میں موجود ۳۶۰ بتوں کو پوج رہے ہیں تب آپ نے وہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ ایک سردار مکہ نے کچھ بات کرنی چاہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے یہ سارے کام بدترین کفر ہے۔ سب

کفار لاجواب ہو کر چپ رہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے تھوڑی دیر بعد
اُن کفار کے پاس ایک سردارِ مکہ عبداللہ بن زِبَعرٰی سہمی آیا اُس کو ولید بن مغیرہ نے یہ سب گفتگو بتائی
کہ نضر بن حارث اور ہم سب لاجواب ہو گئے۔ ابن زِبَعرٰی نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ایسی بحث
کرتا کہ محمد لاجواب ہو جاتے لوگوں نے آدمی بھیجکر فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلالیا
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لائے تو ابن زِبَعرٰی سہمی کہنے لگا کہ آپ نے
کہا ہے کہ جن کی کفار پرستش کرتے ہیں وہ سب حَصَبُ جہنم ہیں آپ نے فرمایا ہاں تو کہنے
لگا کہ یہودی عزیر کو۔ عیسائی عیسٰی اور قبیلہ۔ نی مُلیح کے لوگ فرشتوں کو پوجتے ہیں تو کیا
یہ سب عزیر۔ عیسٰی وملائکہ بھی جہنم کا ایندھن ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے
سہمی تو کتنا کم علم ہے کہ اپنی اصلی زبان عربی سے بھی ناواقف ہے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا
وَمَا تَعْبُدُوْنَ اور لفظِ مَا اصلاً غیر ذَوِی العُقُول کے لیے آتا ہے لہٰذا اس میں عزیر و
عیسٰی وملائکہ علیہم السّلام شامل نہیں ان سے تو بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے۔ نیز یہودی
وغیرہ ان پاکباز ہستیوں کو نہیں پوجتے بلکہ وہ شیطان کو پوجتے ہیں اس لیے کہ پرستش
کی دو قسمیں ہیں ۱؎ یہ کہ جس کی پوجا ہو وہ یا اس کا بت سامنے ہو جیسے چاند سورج ستارے
اور مورتیں۔ یا کوئی خود کہے کہ میری عبادت کرو جیسے نمرود فرعون۔ یا اس کے کہنے میں
کوئی آکر کفر کرے جیسے شیطان کے وسوسے یا جنات کے احکام۔ یہاں ان میں سے
یہ کچھ بھی نہیں نہ حضرت عُزیر و عیسٰی ان کے سامنے ہیں نہ ان بزرگوں نے کہا کہ ہم کو پوجو
نہ کوئی کفریہ بات منوائی۔ اِس پر ابن زِبَعرٰی ایسا چپ و شرمندہ ہوا کہ اُن کے ساتھیوں
نے ہی اُس کا مذاق اڑایا تب یہ آیت از ۱۰۱ تا ۱۰۳ نازل ہوئی (امام سیوطی و خزائن)
تفسیر صاوی اور روح المعانی میں ہے اِس کے بعد عبد اللہ بن زِبَعرٰی مسلمان ہو گیا
تھا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ غالباً اپنی اسی جہالت اور سردارانِ مکہ کی مذاق بازی سے مغموم
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا ہو گا۔ اس اعتراض میں
ابن زِبَعرٰی کی تین جہالتیں ہیں ۱؎ اُس نے خطاب کی خصوصیت کو نہ دیکھا ۲؎ لفظِ
مَا کے اصلی معنیٰ کو نہ جانا ۳؎ موقعہ محل بھی نہ پہچانا۔ جُہلا کے اعتراض اکثر اسی قسم کے
ہوتے ہیں۔ یہ خطاب اُس وقت صرف کفارِ مکہ سے تھا اور وہ صرف بتوں کو ہی پوجتے
تھے نہ کہ کسی ذوی العقول کو۔

تفسیر نحوی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ۔

اِنَّ حرفِ مشبہ عاملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر سَبَقَتْ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث لَام نفع کا ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنَّا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اَلْحُسْنٰی اسم تفضیل واحد مؤنث۔ اس کا مذکر ہے اَحْسَنُ اسم مقصورہ ہے اس لیے اعراب تقدیری رفع ہے فاعل ہے سَبَقَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ جمع مذکر بعید کے لیے یہاں مکانی یا رُتبی بُعد مراد ہے بحالتِ رفع مبتدا ہے عَنْ حرفِ جر زوالی یعنی دور کرنے ہٹانے کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع جہنم ہے یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے مُبْعَدُوْنَ بابِ افعال کا اسم مفعول جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِبْعَادٌ بمعنی دور کرنا دور رکھنا بُعْدٌ سے بنا ہے اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بِلَا جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے حَسِیْسٌ اسم صفت مشبہ بروزنِ فعیل، اس کی جمع حُسُسٌ ہے یعنی بھنبھنا ہٹ والی آواز یہاں مراد ہے جہنم کے شعلوں کی آواز جس کو بھنک (ہلکی آواز) کہتے ہیں۔ مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ کا مرجع جہنم یہ مرکب اضافی لَا یَسْمَعُوْنَ کا مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بدلُ الاشتمال ہے مُبْعَدُوْنَ کا یہ حال ہے مُبْعَدُوْنَ کے نائب فاعل کا۔ وَاوٗ میر جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے فِیْ حرفِ ظرفیہ مکانیہ جارّہ مَا اسم موصول ہے مراد ہے جنت کی چیزیں۔ اِشْتَهَتْ بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث مصدر ہے اِشْتِهَاءٌ شَهْوَةٌ سے بنا ہے بمعنی خواہش کرنا مراد ہے چاہت پسندیدگی مَا موصولہ سے مراد یہی معنی مصدر (حاصل مصدر) ہے ایک قول میں مَا سے مراد جنت ہے اَنْفُسُهُمْ مرکب اضافی ترجمہ ہے اُن کے دل۔ یہ مرکب فاعل ہے اِشْتَهَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مجرور ہے فِیْ سے یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے خٰلِدُوْنَ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھُمْ ظاہر ضمیر مبتدا کی دونوں مل کر

جملہ اسمیہ ہوگیا۔ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ هٰذَا یَوْمُ
کُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ لَا یَحْزُنُ باب فَتَحَ یا نَصَرَ کا مضارع منفی
واحد مذکر غائب ایک قرأت میں لَا یُحْزِنُ باب افعال ہے حُزْنٌ سے مشتق ہے
بمعنی سخت غم کرنا متعدی بیک مفعول ہے ہُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اَلْفَزَعُ اسم حاصل
مصدر جامد بمعنی گھبراہٹ۔ (قلب و عقل کی ایک کیفیت جو کسی مصیبت کے وقت
ہوتی ہے اور اس کا ظہور سارے جسم پر نمودار ہوتا ہے) موصوف ہے اَلْاَکْبَرُ اسم تفضیل
واحد مذکر بمعنی بہت بڑی گھبراہٹ صفت ہے یہ مرکب توصیفی فاعل ہے یہ سب مل کر
جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائیہ تَتَلَقّٰی باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث
چونکہ ملائکہ جمع مکسر ہے مَلَکٌ کی اس لیے اس کا عامل فعل واحد مؤنث بھی آسکتا ہے
اور واحد مذکر بھی۔ لَقْیٌ سے مشتق ہے بمعنی ملاقات کرنا ملنے آنا ہُمْ ضمیر منصوب متصل اس
کا مفعول بہ اَلْمَلٰٓئِکَةُ اسم مکسر منصرف اسم ظاہر ہے اس کا عامل فعل واحد کا صیغہ آیا
یہ فاعل ہے هٰذَا اسم اشارہ قریبی بحالت کسرہ اصل میں بِهٰذَا یا مَعَ هٰذَا یعنی فرشتے
حاضری دیں گے اہل جنت کے پاس اس پیغام کے ساتھ یا اس پیغام سے یَوْمَ اسم مفرد زمانی بمعنی دن
زمانہ مضاف کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مشار الیہ ہے هٰذَا اپنے مشار الیہ سے مل کر
موصوف اَلَّذِیْ اسم موصول کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ باب افعال کا فعل ماضی استمراری مثبت
معروف جمع مذکر حاضر یا فاعل وَعْدٌ سے بنا ہے بمعنی وعدہ کرنا فیصلہ کرنا۔ یہ جملہ فعلیہ صلہ
ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر صفت ہے یَوْمَ کُمْ کی یہ مرکب توصیفی مبدل منہ ہے۔ یَوْمَ
نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا
اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ یَوْمَ اسم مفرد جامد بمعنی دن اس کی ترکیب نحوی میں چھ قول ہیں ۱
یہ سب جملہ بدل الکل ہے ۲ بدل الاشتمال ہے ۳ ظرف ہے لَا یَحْزُنُ کا ۴ اُذْکُرْ
پوشیدہ کا مفعول بہ ہے ۵ اَلْفَزَعُ مصدر معرفہ موصوف کا ظرف ہے ۶ ظرف ہے
تَتَلَقّٰی کا۔ ہم نے پہلے قول پر ترکیب کی ہے۔ ظرف مقدم ہے نَطْوِیْ۔ باب ضَرَبَ کا
فعل مضارع مستقبل مثبت معروف جمع متکلم اس کی مزید دو قرأتیں ہیں ۱ یَطْوِیْ
ضَرَبَ سے واحد مذکر غائب ۲ تُطْوٰی مجہول واحد مؤنث پہلی قرأت مشہور ہے اَلسَّمَآءَ
اسم مفرد جامد بمعنی آسمان مفرد جنسی ہے مراد تمام آسمان یا الف لام استغراقی ہے یعنی علیحدہ

علیحدہ ہر آسمان مفعول بہ ہے۔ کاف حرفِ جر تشبیہ بمعنی جیسے کَطَیِّ اسم مصدر تفیعف مقرون بمعنی لپیٹنا مضاف ہے اَلسِّجِلِّ۔ اسم معرّب مفرد جامد مذکر ہے مگر اس کی جمع مؤنث سالم ہوتی ہے یعنی سجلات جمع یہ فارسی سے عربی بنایا گیا۔ اس کی بناوٹ اس طرح ہوتی رہی کہ پہلے زمانہ میں پتھر کی سلوں پر لکھا جاتا تھا اس کو سنگ گل کہا جاتا تیزی زبان نے سنگِ گِل کو سجّل بنایا عربی میں سِگل کر سجل پڑھا اور لکھا گیا پھر ہر کاغذ کو اور لکھنے والی فائل رجسٹر کاپی۔ پٹوار کھاتہ کو بھی عربی میں سجل کہا گیا۔ یہاں مراد ہے بڑے لمبے جلد کا غذوں کا بلندہ جس کو پٹواری یا منشی وغیرہ لکھنے کے بعد گول شکل میں لپیٹ لیتے ہیں مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَطْوِیْ کا یہ فعل بافاعل اپنے متعلق اور ظرفِ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بدلُ الکل ہوا یُوْمَکُمْ کا وہ دونوں مل کر مشار الیہ ھٰذَا کا یہ دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے تَتَلَقّٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ کَمَا۔ کاف حرف جر مَا مصدریہ ہے یا کافہ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے بَدَأْنَا باب فتح کا ماضی مطلق بمعنی ماضی بعید۔ جمع متکلم بَدْءٌ سے مشتق ہے بمعنی شروع کرنا اَوَّلَ اسم تفضیل واحد مذکر بمعنی بہت پہلے والا مضاف ہے خَلْقٍ اسم مصدر بمعنی اسم مفعول یعنی مخلوق ترجمہ ہے مخلوق کی ابتدا یا مخلوق کا پہلا فرد اگر مصدری معنی ہو تو ترجمہ ہے پیدا کرنے کی ابتدا یہ مرکب اضافی مفعول فیہ بَدَأْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ بہ ہوا نُعِیْدُ باب افعال کا مضارع۔ جمع متکلم عَوْدٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹنا لازم ہے باب افعال میں آکر ترجمہ ہوا لوٹانا اس کا مصدر ہے اِعْوَادٌ تعلیل ہو کر ہوا اِعَادَۃٌ اس کا فاعل ضمیر جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ وَعْدًا مصدر ثلاثی مجرد ہے عَلٰی حرف جر فوقیت لزومی کے لیے یعنی لازم و واجب ہونا نَا ضمیر جمع متکلم مجرور ہو کر متعلق ہے وَعْدًا کا دونوں مل کر جملہ مشبہ ہو کر موصوف یہ اِنَّ حرفِ مشبہ نَا ضمیر اس کا اسم کُنَّا فعل ناقص جمع متکلم کی ضمیر اس کا اسم فٰعِلِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب اس کی خبر کُنَّا دونوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صفتِ علتی ہوئی۔ یعنی چونکہ وعدہ ہے اس لیے بے شک ہم پورا کرنے والے ہیں۔ یہ ترکیبی صفت نہیں ہے اس لیے اَنَّ نہیں آیا ایک اعتبار سے یہ علیحدہ جملہ ہے لہٰذا اِنَّا ہے یہ تعلیلی (سببی) صفت اور موصوف مل کر مفعول لہٗ ہے نُعِیْدُ کا ہٗ ضمیر مفعول بہ کا مرجع خَلْق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ ہے کَمَا بَدَأْنَا کے جملے کا دونوں مل کر جملہ تشبیہی ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ

اے کافرانِ زمانہ تم نے اپنا اور اپنے بتوں جھوٹے بناوٹی معبودوں کا انجام حَصَبُ جَہَنَّم ہونا تو سُن لیا۔ اب ہمارے عابدین محبوبین بندوں کا انجام بھی سُن لو یہ سب وہ خوش قسمت لوگ ہیں کہ بے شک اُن کے لیے مرنے سے پہلے زندگی اور عالمِ ازل میں ہی یہ فیصلۂ قسمت کر دیا گیا ہے کہ انعام الٰہی کا حُسنٰی گیارہ نعمتوں کا خزانہ اُن کے نامۂ اعمالِ صالحہ وحیاتِ صادقہ میں عطا فرما دیا ۱ سعادتِ ایمانی ۲ قُربِ ربانی ۳ خصائلِ عرفانی ۴ توفیقِ عبادت ۵ بشارتِ جنت ۶ عنایت کی ہدایت ۷ انتہا کی ولایت ۸ مدارجِ جنت ۹ مراتبِ عزت ۱۰ کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۱۱ کلامِ توصیفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں دی گئیں اِس فیصلۂ الٰہی کے سبقت کی وجہ سے اُن کی حیاتِ دنیوی بھی طیبہ اُخروی بھی۔ دنیوی اس طرح کہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی محبت عبادت ریاضت۔ پابندیٔ شریعت تحصیلِ معرفت مراطِ حقیقت، احکام طریقت کے طائعون۔ جلالِ الٰہی کے خائفون جمال ربانی کے تائبون۔ بارگاہ صمدانی کے ساجدون بنتے رہے۔ اور غرورِ جہالت وسفاہت اور اپنے پجاریوں کی پوجا سے کراہت یعنی نفرت کرتے رہے۔ کہ عزیر علیہ السّلام یہودیوں سے عیسیٰ علیہ السّلام عیسائیوں سے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سبائی شیعوں کے علی رب کہنے سے اور تفضیلی فرقی رافضی شیعوں کے ان کو علیہ السّلام کہنے صدیق وفاروق پر فضیلت دینے سے۔ غوثِ اعظم غوثیہ فرقے سے تمام عمر دنیا وآخرت میں نفرت وکراہت ہی کرتے رہے (خیال رہے کہ غیر انبیاء کسی بھی انسان کو علیہ السّلام کہنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے) اور اُخروی زندگی اس طرح طیبہ ہے کہ محشر اور بعد محشر فیصلۂ الٰہی کے سبقت والوں کو پانچ نعمتیں ملیں گی ۱ اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ کے انعام ۲ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا کے اکرام ۳ وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ کے احسان ۴ وَلَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ کی لذت ۵ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ کے اعزاز۔ مُبْعَدُوْنَ یہ کہ یہ پاکیزہ لوگ مومنین وعاشقین جہنم سے بہت دور رکھے جائیں گے اس طرح کہ جب جنت میں جانے کے لیے بذریعہ پُل صراط جہنم پر سے گزریں گے تو جہنم کی آگ اور اُس کی تپش اہلِ جنت سے دور بھاگے گی اور دوزخ پیچھے پکارے گی کہ اے نیک بندو جلدی گزر جاؤ تمہاری عبادت

کا نور اور اجسام کی روشنی میری آگ کی تپش کو بجھا رہی ہے اسی لیے یہ اہل ایمان کوئی براقی
رفتار کوئی برقی رفتار کوئی تیز رفتار سواری کی رفتار سے حسب مراتب گزر جائیں گے۔ اور
کئی حضرات کو تو جنت میں پہنچ جانے کے بعد بھی گمان نہ ہوگا کہ ہم جہنم میں ہو کر گزرے ہیں
(از روح المعانی) اور جب اہل ایمان پلصراط عبور کر کے جہنم کے علاقہ سے باہر نکلیں گے
تو اس جہنم سے اتنی دور بہشت بریں میں پہنچ جائیں گے جو اعلیٰ علیین کی بلندیوں پر ہے
اور جہنم اسفل السافلین کی گہرائیوں تحت الثرائیوں میں ہزاروں سال کی مسافت سے
دور۔ وہاں لَا يَسْمَعُونَ کا اکرام عطا ہوگا۔ شخصیاتِ اہل بہشت کی بارگاہِ الٰہیہ سے ایسی عزت
وراحت ملے گی کہ نہ حشر اور جنت میں وہ محبوبین جہنم کی معمولی سرسراہٹ بھی نہ سنیں گے
یہ اکرام اس لیے ہوگا کہ ان پیاروں نے اپنی دنیوی زندگی میں فاسقوں گمراہوں، منافقوں
کافروں کے ہاتھ زبانوں سے اور اپنوں کا لبادہ پہنکر غیروں قریبیوں کے طعنوں نشتروں
سے وہ وہ دشنام وخشناک باتیں سنیں اور ایذائیں برداشت کیں جو عام انسان برداشت
نہیں کر سکتا مگر پھر بھی اِن بہادر باہمت انبیا اولیا علما صحابہ فقہا نے تبلیغ رسالت وراثتِ
نبوت۔ پابندی عبادت میں اپنے آپ کو ہمیشہ سینہ سپر ہی رکھا۔ ادائیگی حقوقِ شریعت میں
نہ بزدلی کی پیٹھ دکھائی نہ سستی کا منہ پھیرا نہ غفلت کی دیر لگائی۔ اگرچہ ابلیس وشیطین ہزار بھیس
بدل کر ورغلانے وسوسا نے تخریبکاری کرنے آتے رہے۔ نہ یہودی جیسے مکار دشمن سے
گھبرائے۔ نہ عیسائیوں جیسے بے وقوف دوست کے ابن اللہ کہنے پر از لے ابلیس نے ہی
یہود سے عزیر علیہ السلام کو عیسائیوں سے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہلوایا۔ شیعوں
سے مولیٰ علی کو رب کہلوایا۔ بعض گمراہوں کی زبان سے غوث پاک کو انبیاءِ کرام علیہم السلام
سے بڑھایا مگر اِن محبوبانِ بارگاہ نے سب گمراہوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا یا۔ لہٰذا جنت
میں اِن کے کان جہنم کی آواز نہ سنیں گے مَا اشْتَهَتْ کے خلود کا احسان ملے گا اور
جنت کے اندر اس شانِ عظمت وقارِ نصرت سے رہیں گے کہ جو ان کی طبیعت کی خواہش
ہوگی سدا وہی نعمت ولذت ملا کرے گی جو دل چاہیں گے وہ اطمینان جو روح چاہے
گی وہ سرور ملے گا اور نفس وقلب وروح کے یہ اعزازات تا ابد رہیں گے۔ حساب محشر
کے تمام کام مکمل ہونے کے بعد حضرتِ جبرئیل ایک بہت بڑا دنبا مینڈھا لے کر جنت دوزخ
کے بیچ میں کھڑے ہو کر تمام اہلِ جنت و اہلِ جہنم کو دکھا کر پوچھیں گے بتاؤ یہ کیا ہے

سب کہیں گے لَا نَعْرِفُهَا۔ ہم اس کو نہیں پہچانتے۔ تب آپ فرمائیں گے یہ موت ہے اس کو اب ذبح کرکے ختم کر دیا جائے گا یہ کہ کر آپ خود ہی بحکم پروردگار اس کو ذبح فرما دیں گے پھر اعلان فرمائیں گے اب کسی کو کبھی موت نہ آئیگی۔ یہ اعلان سن کر جنتی تو بے انتہا مسرور ہوں گے اور دوزخی دہاڑیں مار کر روئیں گے پھر اعلان ہوگا کہ اب ہر شخص کو اپنے اپنے مقام میں ہمیشہ رہنا ہے یہ اعلان اس وقت ہوگا جب فاسقین بھی اپنی سزائیں بھگت کر یا شفاعت سے ختم کراکر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ یہ اعلان ہم، ایک قسم کا ثواب اور عذاب ہوگا۔ یہ تیسری نعمت اہلِ ایمان کی صائم الدہری اور قائم اللیلی کے ثواب میں ہوگی۔ اہلِ جنت کے لیے چوتھی نعمت یہ کہ اہل بہشت مومنین کو کسی وقت کی بھی فزعِ اکبر پریشان اور غمزدہ نہ کریں گی۔ اس لیے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ رسول کے عشق کے درد میں آخرت کی فکر میں اپنی قوم کے فسق و کفر کے غم میں رہتے تھے۔ لہٰذا آج ان کو نہ فزعِ اکبر کا غم ہو نہ فزعِ اصغر کا۔ نو مقام پر بعدِ موت گھبراہٹ ہے جن میں سے آٹھ مقام پر فزعِ اکبر ہے یہ صرف کفار کے لیے ہے ایک مقام فزعِ اصغر کا یہ کفار و فساق دونوں کے لیے مگر متقین صالحین دونوں سے محفوظ۔ پہلا مقام بوقتِ موت نزع کا دوم قبر کا سوم حشر کا چہارم یمین کی گھیرنیوالی آگ کا پنجم نفخۂ ثانیہ کا ششم پُل صراط کا ہفتم نارِ جہنم کا ہشتم عذابِ کفر کا تا ابد۔ نہم فزعِ اصغر سزاءِ کبائر ظلم وغیرہ کا۔ اہلِ جنت کے لیے پانچویں نعمت ملاقاتِ ملائکہ کی لذت اعزاز و استقبال چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کو دنیا والے تو حقیر سمجھتے تھے دنیا پرست کہا کرتے تھے کہ یہ مُلّا ہے دو رکعت کا امام یہ خانقاہی صوفی یہ مسجد کا لوٹا یہ مسیتل یہ دین کا طالبِ علم کم دماغ۔ مگر کل قیامت میں ان صوفی و مُلّا کی شانِ کرامت کا پتہ لگے گا جب قبر میں اعمال کے فرشتے میدانِ محشر میں آسمانوں کے فرشتے پُل صراط پر عرش و کرسی کے فرشتے جنت کے دروازوں پر لوح و قلم کے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اس طرح کہ قبر و مزار میں۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ کی مبارک بادیاں محشر میں حساب و کتاب کی کامیابیاں پُل صراط پر ثواب کی خوش خبریاں دروازۂ جنت پر اشیاءِ جنت کے تحفے پیش کریں گے یہ استقبالِ ملائکہ اس لیے کہ چونکہ انہوں نے حیاتِ دنیوی کے دنوں میں خفا رتوں کے خطابات سن کر بھی مسجدوں مصلوں مدرسوں چٹائیوں خانقاہوں تسبیحوں

کو ہی اپنے سینوں سے لگائے رکھا اس کے ثواب میں استقبالیہ نوری فرشتے خوش خبریاں سنائیں گے کہ اب دنیوی مظلومیت و مصائب کے دن بھول جاؤ۔ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ تمہاری اچھائی۔ سچائی قدر و منزلت صبر و تحمل کے بدلے اور ثواب کا تو یہ عظیم دن ہے جس کا تم۔ آیت قرآن۔ انبیا کی زبان اور احادیث کے فرمان میں وعدے دیئے گئے تھے تم نے باوجود عقلی فہمی قوت و قدرت استقامت و استطاعت کے صرف ہمارے دین کی خاطر دنیا کی چکا چوند نیرنگی ٴ عالم سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کی سج دھج تمعات و انعامات کو چھوڑا مسجد و مصلے کو اپنایا رب تعالیٰ نے اُس کے بدلے میں جنت کی سج دھج عطا فرمائی۔ گمراہ لوگ اسی دن کا مذاق اڑاتے انکار کرتے تھے کہ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے کافر کہتے ہیں کب ہوگا یہ دن تو سنو۔ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ کافروں کا بدانجام اور مومنین پر یہ انعام اُس دن ہوگا جب ہم ہر آسمان کو اس طرح گول لپیٹ دیں گے جس طرح کاغذات کتب کا بنڈل بنتا ہم قادر مطلق ہیں اس میں بھی کہ جیسے ہم نے مخلوق کو پیدا کر دیا تھا پہلی بار بغیر کسی نمونے اور بیج پھل پھول نطفے کے اسی طرح پھر اُس کو لوٹا دیں گے اور بے نام و نشان نیست و نابود انسانوں کو دوبارہ انہی شکلوں حلیوں ناموں والا پیدا کر دیں گے یہ دوبارہ زندہ کرنا میدانِ محشر میں لانا سزاؤ جزا کے لیے قیامت برپا کرنا ازلی قدیم کا ایک وعدہ ہے جو ہم پر لازم ہے یہ تقدیرِ مبرم ہے اِس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا بے شک ہم اُس کو ضرور کرنے والے ہیں اگرچہ کفار اس کو ناممکن سمجھتے ہوئے اِس کا انکار کریں۔ (اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال) ۱۔ اِنَّ میں دو قول۔ ایک یہ کہ یہ حرفِ تحقیق ہے اپنے ہی معنی میں ترجمہ ہے بے شک یقیناً اور اگلا جملہ علیحدہ عبارت ہے۔ دوم یہ کہ اِنَّ بمعنی اِلَّا ہے اور استثنا ہے سابقہ کلام۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ (الخ) سے اور وہ مستثنیٰ منہ ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ کُمْ سے مراد کفار ہیں جن سے مستثنیٰ متصل ناممکن اور منقطع بیکار ہے ۲۔ اَلَّذِيْنَ میں دو قول ایک یہ کہ اَلَّذِيْنَ سے تمام مومنین اولین و آخرین مراد ہیں اسی لیے مولیٰ علی نے یہ آیت پڑھ کر عشرہ مبشرہ مراد لیے۔ دوم یہ کہ اِنَّ الَّذِيْنَ سے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ اور ملائکہ علیہم السلام

مراد ہیں اور اِنْ بمعنی اِلَّا حرفِ استثنا ہے اور مستثنٰی مِنْہُ، مَا تَعْبُدُوْنَ ہے ۲؎ اَنْتُمْ
۳؎ سَبَقَتْ میں تین قول ایک یہ کہ اس سبقت سے مراد ہے عالم دنیا سے پہلے ازلی
حادث میں۔ دوم یہ کہ دنیوی زندگی میں مرنے سے پہلے سوم یہ کہ محشر سے پہلے مگر پہلا قول درست
ہے ۴؎ اَلْحُسْنٰی کی مراد میں دس قول اور سب ہی درست ہیں اس لیے ہم نے تفسیر میں سب جمع
کردئیے ۵؎ فزعِ اکبر میں آٹھ قول اور سب درست اس لیے ان کو بھی تفسیر میں جمع کر دیا
ہے ۶؎ تَتَلَقّٰھُمُ کے استقبالیہ کام وکلام ومقام میں تین قول اور تینوں درست اس لیے
تفسیر میں جمع کر دیے ہیں ۷؎ اَلْمَلٰئِکَۃُ میں تین قول کون سے فرشتے مراد ہیں تینوں درست
لہٰذا تفسیر میں ہم نے تینوں شامل کر دئیے ۸؎ سِجِلّ میں تین قول ایک یہ کہ اس کا معنی ہے کاغذات
کا گول بنڈل یہ جمہور علما یعنی اکثریت کا ہے یہی درست ہے یعنی جس طرح کاتب منشی اپنے
رجسٹر پر روزنامچہ لکھ کر اس کو گول کر کے لپیٹتا ہے اس طرح تمام آسمان علیحدہ علیحدہ گول
لپیٹے جائیں گے۔ منشاءِ باری تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹنے کی شکل سمجھانا ہے اور تشبیہ میں ضروری
ہے کہ مشبہ بہ جس سے تشبیہ دی جارہی ہے وہ مشہور ہو ہر سننے والا اس کو جانتا ہو
تاکہ مشبہ کو بھی جان لے کاتبوں منشیوں کے لیے بنڈل لپیٹنے کو ہر شخص جانتا ہے اس لیے
اس کی تشبیہ سے آسمانوں کا لپٹا جانا ہر شخص کو سمجھ آجاتا ہے۔ دوم یہ کہ بعض نے کہا کہ سِجِلّ ایک
فرشتے کا نام ہے۔ جو نامۂ اعمال کی کتاب لپیٹ کرے جاتا ہے سوم یہ کہ بعض نے کہا کہ اس
سے مراد نبی کریم صَلَّی اللّٰہ علیہ وَآلہٖ وسلم کا ایک کاتب ہے جس کا نام سجل تھا جو آپ کے خطوط
لکھتا تھا۔ مگر یہ دونوں قول دو وجہ سے مفسرین کے نزدیک غلط ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ
نہ اس نام کا فرشتہ کوئی مذکور نہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا کوئی کاتب اس نام کا کہیں
منقول نہ کسی صحابی، تابعی۔ مؤرخ یا محدث نے اَسْمَاءُ الرِّجَال یا کتبِ حدیث میں ذکر
کیا۔ نہ آپ اتنے خطوط لکھواتے تھے کہ جس کے بنڈل بنائے جاتے۔ آقائے کائنات
صلی اللّٰہ علیہ وَآلہٖ وسلم کے کاتبینِ وحی صرف تینتیس ۳۳ صحابہ تھے جن کے اسماءِ پاک مندرجہ ذیل
ہیں۔ ان دونوں قولوں کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ کہ اگر اس نام کا کوئی فرشتہ ہو بھی
تب بھی اس کے عمل سے تشبیہ منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ فرشتے کے لپیٹنے کو تو کوئی
جانتا ہی نہیں تو سننے والے کو نَطْوِی السَّمَآءَ کا پتہ کیسے لگے گا حالانکہ سمجھانا ہی مقصود ہے
اور علمِ اصول کا قانون بھی یہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے زیادہ مشہور ہو جانا چاہیے (از تفسیر

روح المعانی یہی آیت) اسی طرح نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اگر اس نام کا کوئی کاتب ہو بھی اس کا پتا کسی کو معلوم نہیں لہٰذا اس سے مشابہت بھی بیکار ہوئی۔ اس لیے درست پہلا قول ہی ہے۔ کاتبین وحی کے اسمائے مقدسہ ۱ خالدؓ بن سعید بن العاص یہ سب سے پہلے کاتب تھے ۲ صدیق اکبرؓ ۳ فاروق اعظمؓ ۴ عثمان غنیؓ ۵ علی مرتضیٰ ۶ عبیدہؓ بن جراح ۷ طلحہؓ بن عبید اللہؓ ۸ یزیدؓ بن ابی سفیان ۹ ابو حذیفہؓ بن عتبہ ۱۰ حضرت امیر معاویہؓ ۱۱ حاطبؓ بن عمروؓ ۱۲ ابو سلمہؓ بن عبد اللہ ۱۳ آبانؓ بن سعید بن عاص ۱۴ عبد اللہؓ بن سعد بن ابی سرح ۱۵ ابو سفیان بن حرب ۱۶ حویطبؓ بن عبد العزیٰ ۱۷ جہیمؓ بن صلت ۱۸ علاؓ بن حضرمی ۱۹ سوید بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ سب صحابہ قریش قبیلے سے تھے ۲۰ زیدؓ بن ثابت انصاری ۲۱ سعد بن عبادہ ۲۲ اُسیدؓ بن حُضیر ۲۳ مولیٰ علی شیر خدا۔ یہ چار صحابہ کاملین میں سے تھے اہل عرب میں کاملین اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کو تین فن بہت اچھے طریقے آتے تھے ۱ تیرنا ۲ تیر اندازی ۳ لکھنا پڑھنا۔ ایسے شخص کو انسانِ کامل کہا جاتا تھا زمانۂ نبوی میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں صرف بائیس افراد کاملین تھے جن میں یہ چار مسلمان تھے۔ کاتبینِ وحی میں بعض مؤرخین کے نزدیک مزید یہ مندرجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں ۲۴ عبد اللہؓ ابن مسعودؓ ۲۵ زبیرؓ بن عوام ۲۶ مغیرہؓ بن شعبہ ۲۷ حذیفہ بن کعب ۲۸ اُبیؓ ابن کعب ۲۹ عبد اللہ بن ارقم ۳۰ حصینؓ بن نمیر ۳۱ شرحبیل بن حسنہ ۳۲ حنظلہؓ بن ربیع ۳۳ معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لِلْكُتُبِ میں دو قول ایک یہ کہ یہ لفظ جمع ہے کتاب کا یہ ہی مشہور قرأت ہے دوم یہ کہ یہ لفظ لِلْكِتَابِ ہے اور معنًا مصدر ہے بروزنِ فِعَال اور ترجمہ ہے لکھنے کے لیے لپیٹنا ۱۰ نُعِيدُهُ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ فوت شدہ کے اجزاء سے بعض اجزا کبھی فنا نہیں ہوتے جس کو تخمِ حیوانی کہا جاتا ہے وہی دوبارہ اُگیں گے۔ اس اُگنے کا اشارہ حدیث پاک میں بھی ملتا ہے دوم یہ کہ بالکل فنا ہو جائیں گے پھر قدرتِ الٰہی سے ازسرِ نو نیست سے ہست ہو کر پیدا ہوں گے آیت نُعِيدُهُ کا اشارہ اور مفہوم یہی بتاتا ہے ۱۱ عَلَيْنَا میں دو قول۔ ایک یہ کہ علیٰ بمعنیٰ واجب ہے دوم یہ کہ علیٰ بمعنیٰ لازم۔ دونوں میں فرق یہ کہ وجوب وقتی ہوتا ہے کبھی ہے کبھی نہیں لزوم دائمی۔ جیسے کہ والد کی خدمت بیٹے پر واجب ہے اور والدہ کی خدمت ہر حال میں بیٹے پر لازم ہے والدہ کو خدمت کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

فائدے ان آیات مقدسہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ والد محترم حضرت حکیم الامت بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نفخہ ثانیہ کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے عُرَاۃً حُفَاۃً غُرْلاً پیدا ہوں گے۔ یعنی ننگے بدن ننگے پیر اور بے ختنہ یہاں تک کہ بقول حدیث پاک سب سے پہلے ابراہیم علیہ السّلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے اس قانون میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں آپ قبر اقدس سے لباس میں انگیٹھے اور ختنہ شدہ یہ فائدہ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ سے حاصل ہوا۔ یعنی جو جیسا پیدا ہوا ہم اسی طرح اس کو دوبارہ پیدا کریں گے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جب پہلے ولادت کی پیدائش ہوئی تو روایات مشہورہ کے مطابق۔

پٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا ؛ شانہ کیا ہوا تھا اور سرمہ لگا ہوا

آپ کے علاوہ باقی تمام مومنین کافر بن عُرَاۃً حُفَاۃً غُرْلاً پیدا ہوں گے مومن و کافر کی روانگی محشر میں صرف یہ فرق ہو گا کہ کفار عُرَاۃً حُفَاۃً غُرْلاً مُشَاۃً ہوں گے یعنی پیدل۔ اور مومنین عُرَاۃً حُفَاۃً غُرْلاً رُکْبَانًا۔ یعنی سواریوں پر۔ اگر نبی کریم کی اس خصوصی شان کو نہ مانا گیا تو نُعِیْدُہٗ کی یہ تشبیہ قرآنی تکلیم ربانی کے خلاف ہو گا جو محال ہے دوسرا فائدہ۔ ہر مومن مسلمان کے لیے سب سے بڑی نعمت اور عظیم خزانہ دین اسلام پر ایمان ہے یہ ایسی انمول اور نایاب دولت ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی اہل ایمان پر یہ احسان رب کریم ہے محض رب تعالیٰ کے ندیمی فیصلے سے ہم کو تم کو ملی نہ اس وقت کسی نے دعا مانگی نہ کسی نے ہمارے لیے سفارش عرض کی خود ہی پروردگار عالم نے عالم ارواح میں ہماری روحوں کا کروڑ ہا سال پہلے اپنے محبوب کی غلامی اپنے دین کی سلامی اپنی جنت کی دوامی کے لیے چن چن کر ہمارا انتخاب فرمالیا۔ اسی کرم نوازی رب کریم پر اگر ہم ذرا غور کریں تو سجدہ شکر سے ہم سر نہیں اٹھا سکتے۔ ورنہ سینکڑوں لاکھوں انسان ہم سے خوب صورت حسین و جمیل حَصَبُ جَہَنَّمَ بن کر کفر میں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے اپنا خود بنایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے یہ فائدہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی۔ میں مِنَّا فرمانے سے حاصل ہوا۔ اب اس دولت بیکراں خزانۂ ایمان کو قبر تک بچائے رکھنا بری باتوں، کتابوں محفلوں برے لوگوں سے بچے رہنا ہمارا فرض ہے۔ اس لیے دل و جان سے رب تعالیٰ کی امداد کا وسیلہ مانگتے رہیں۔ اور اپنے مولیٰ تعالیٰ کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہیں رب تعالیٰ کا شکر صرف یہی ہے کہ اس کے

حبیب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت والی غلامی ہر ہر قول و فعل میں تا عمر کی جائے۔ تیسرا فائدہ ہر مومن کے لیے دنیا میں نفسانی خواہشات برائی درگناہ کی علامت ہیں مگر جنت میں نفسانی خواہشات اچھائی اور نیکی خوش قسمتی ہے۔ اس لیے دنیا میں ان سے بچنا چاہیئے تاکہ جنت میں حصول ممکن و آسان ہو یہ فائدہ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ہر بری چیز سے دور رہنا اچھی عادت ہے بلکہ یہ عادت دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے رب تعالیٰ نے اہل جنت کے انعامات میں سے یہ انعام بھی فرمایا کہ مومنوں کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا۔ اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ دنیا میں بھی اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اہل و عیال کو بھی ہر بری چیز سے دور رکھے۔ یہ مسئلہ عَنْهَا مُبْعَدُونَ سے مستنبط ہوا فرمایا یہ جا رہا ہے کہ تم دنیا میں ہر بری چیز سے مُبْعَدُونَ بنے رہو تو کل بعد قیامت جنت میں تم کو مُبْعَدُونَ بنا دیا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ۔ حیات دنیوی میں نیک لوگوں کی دوستی ان سے ہی میل ملاقات رکھنا اچھی جگہوں پاکیزہ مقامات سے تعلق جوڑے رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور شریعت پاک کا حکم ہے یہ مسئلہ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ فرشتوں کی ملاقات و استقبال میل ملاپ بھی نعمات جنت سے ایک نعمت ہے۔ تو چاہیئے کہ دنیا میں بھی ایسے دوست بنائے جائیں جو فرشتوں کی طرح پاکیزہ ہوں ایسے دوست مل جانا بھی رب تعالیٰ کی عظیم رحمت و نعمت ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ تقدیر مبرم اٹل ہے اس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔ یہ مسئلہ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ سے مستنبط ہوا۔ قرآن مجید میں اس طرح کے الفاظ سے تقدیر مبرم مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتے ہیں غلط اور گناہ ہے۔ غوث پاک نے یہ بات اپنی کسی کتاب میں نہیں لکھی نہ کبھی کسی گفتگو میں فرمائی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ جس سے ثابت ہوا کہ اہل ایمان کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا۔ لیکن سورۃ مریم آیت ۷۱ میں فرمایا گیا۔ وَإِن مِّنكُمْ

اِلَّا وَارِدُھَا۔ یعنی تم میں سے ہر انسان کو جہنم میں وارد ہونا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان بھی جہنم سے قریب بلکہ اس میں داخل ہوں گے ظاہراً یہ تضاد معلوم ہوتا ہے جواب اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ کوئی تضاد نہیں اس لیے کہ مُبْعَدُوْنَ سے مراد آوازِ جہنم اور عذابِ جہنم سے دوری ہے۔ اور وَارِدُوْنَ سے مراد ہے جہنم کے اوپر پُل صراط سے گزرنا ہے۔ اس گزرنے عبور کرنے میں اہل ایمان کو نہ عذاب چھوئے نہ تکلیف پہنچے نہ سراسراہٹ جیسی سنائی پڑے۔ جواب دوم یہ کہ مُبْعَدُوْنَ اور وَارِدُوْنَ میں زمانوں کا فرق ہے۔ مُبْعَدُوْنَ جنت میں پہنچنے کے بعد ابدًا لآباد تک اور وُرُودِ جہنم بہت پہلے پُل صراط سے گزرنے کے وقت ہوگا۔ اس لیے کوئی تضاد نہیں یہ دونوں جواب درست ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا یعنی اہل جنت جہنم سے اتنے دور ہوں گے کہ جہنم کی ہلکی سراسراہٹ بھی نہ سن سکیں گے مگر سورۃ اعراف کی آیت ۵۰ میں ارشاد ہے۔ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ۔ یعنی جہنمی لوگ جنتیوں کو پکاریں گے کہ ہم کو بھی پانی کا فیض پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ نے جو تم کو رزق دیا ہے اس میں سے کچھ ہم پر بھی خیرات کرو۔ اسی طرح سورۃ اعراف کی آیت ۴۴ میں ہے کہ جنتی بھی جہنمی لوگوں کو پکاریں گے یہ دونوں آیتیں بتا رہی ہیں کہ جنتی لوگ جہنم کے قریب ہیں اسی لیے دوطرفہ ایک دوسرے کی آواز سنیں گے یہ بھی تضاد معلوم ہوتا ہے اس کا حل کیا ہے۔ جواب۔ تینوں آیات اپنی اپنی جگہ ایک علیحدہ منشا پیش فرما رہی ہیں کوئی تضاد نہیں صرف معترض میں عقل و تدبر کا فرق ہے یہاں اس آیت میں جہنم کی پریشان کن آواز اہل جنت تک پہنچنے کی نفی فرمائی جا رہی ہے اور جنت کے اطمینان و سکون کا ایک نقشہ سمجھایا جا رہا ہے کہ چیخ و پکار تو درکنار وہاں کی سرسراہٹ کی آواز بھی نہ آسکے گی اور جہنم کی دوری بھی بتائی گئی۔ لیکن سورۃ اعراف کی دونوں آیتوں میں صرف دوطرفہ آواز سننے کا ذکر ہے جس سے نہ پریشانی کا سوال نہ دیکھنا ثابت نہ قرب ثابت ہوا۔ آواز تو ترقی زمانہ دنیا میں بھی لاکھوں ہزاروں میل سے سنی سنائی جا رہی ہے یہ ٹیلیفون۔ وائرلیس دور ترین آوازوں کو بالکل ایسا سنوا دیتے ہیں جیسے بالکل قریب ہوں۔ اور ٹیلیفون کرنے میں یہ مشاہدہ عام ہے کہ بجز ایک یا چند بولنے والوں کے اردگرد کی کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی نہ دکھائی دیتی بلکہ اب تو ایسے ٹیلیفون بھی

بن گئے ہیں کہ بات کرنے والے ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے ہیں حالانکہ دوری اُسی طرح قائم ہوتی ہے جب انسانی ایجادات کی یہ حالت ہے تو قدرتِ الٰہی کی کیا شان و قوت ہوگی کیا خبر کس قسم کا انتظام ہوگا کہ سیکڑوں سال کی دوری پر واقع جہنم والوں کی بات چیت گفتگو کی گئی بہر حال۔ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا سے دوری ثابت اور نَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ سے قرب ثابت نہیں ہوتا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔ مگر سورۃ نمل آیت ۸۷ میں ہے۔ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ آیت مطلق ہے سب آسمانی زمینی مخلوق کو شامل یعنی سب گھبرا جائیں گے۔ اس کی کیا وجہ؟ **جواب**۔ ان دونوں آیتوں میں چار طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ یہاں گھبراہٹ سے غمگین ہونے کی نفی ہے۔ وہاں نمل میں گھبراہٹ والی چیز دیکھنے کا ذکر ہے مطابقت اس طرح کہ دیکھیں گے سب مومن و کافر مگر مومنین کو لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔ فزعِ اکبر غمگین نہ کرے گی۔ دوم یہ کہ یہاں بڑے فزع کی نفی ہے وہاں کسی معمولی اور چھوٹی گھبراہٹ کا ذکر ہے سوم یہ کہ یہاں اپنے لیے گھبرانے غمگین ہونے کی نفی ہے وہاں اپنوں کے لیے گھبرانے فکرمند اور غمگین ہونے کا ذکر ہے یعنی اہل جنت کو اپنی ذات کا غم کسی بھی گھبراہٹ سے نہ ہوگا۔ لیکن انبیا اپنی گناہگار اُمت کے لیے فرشتے کمزور مسلمانوں کے لیے فکرمند و غمگین ہوں گے دعائیں مانگیں گے شفاعت فرمائیں گے چہارم یہ کہ۔ یہاں اس آیت میں گناہوں کی وجہ سے گھبراہٹ کی نفی ہے وہاں جلالِ کبریائی حاضری بارگاہ کی خشیّت کی گھبراہٹ کا ذکر ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ

بے شک وہ خوش نصیب لوگ جن کے لیے سعادتِ حُسنیٰ کا فیصلہ عالمِ ازل میں پہلے ہی ہو گیا ہماری کرم نوازیوں کی طرف سے وہ لوگ ملاوٹ طبیعہ فاسدہ سے دور کر دئے گئے اتنی دور کہ نفسِ امارہ کی ابلیسیت والی سرسراہٹ بھی ان کو سنائی نہیں دے سکتی وہ تو نفسِ امارہ کی خواہش پر حلال چیزوں کو بھی ہاتھ نہیں لگاتے اُن کے لیے نفس امارہ کی یہ دوری ان کے مراتبِ عُظمیٰ کی وجہ سے ہے وہ لوگ مشاہداتِ صفات اور قُرباتِ ذات کی جنتوں کے اندر خواہش طبیعت مطابقِ قلب روح کی چاہت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ

الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ نہ موتِ نفس سے اُن کو قیامتِ صغریٰ کا غم ہوگا نہ عظمتِ جلال کی قیامتِ کبریٰ کی ہیبت و گھبراہٹ کیونکہ وہ ہمیشہ انوارِ خشیت کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں ان ہی خوش بختوں کو موتِ نفسانی کے وقت ملائکۂ عرشی کی معرفت کا استقبال زیارت نصیب ہوتا ہے نجات و سلامت کی بشارتوں کے ساتھ اور رضوانِ بہشت کی جانب سے خوش خبری ملتی ہے کہ یہی تمہارا وہ یوم رجوع الی اللہ ہے جس کا وعدہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا سے فَنَا فِی اللہ کے وقت کیا گیا تھا سعادتِ تامۂ استقامۃ حال سے یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ ۔ اہلِ معرفت کو یہ اعزاز، اکرام، انعام، احسان، دوام اُس دن ملے گا جس دن آسمانِ نفس کو کتابِ اعمال کی طرح ہم لپیٹ دیں گے تاکہ صحیفۂ اخلاق کے مقامِ صغیرہ میں حفاظتِ بقا سے رہے اور اُس آسمانِ قلب کو بھی لپیٹ دیں گے جو مقامِ وسطیٰ کے حیّز میں ہے اُس میں علوم کا سورج معارف کا چاند اور صفاتِ حسنہ کے تارے معقولات کی کہکشاں ہے اور آسمانِ روح کو بھی لپیٹ دیں گے جو مقامِ بدن کے کبریٰ میں ہے اُس میں مشاہدات کی بجلیاں، تجلیات کی رونقیں، زندگیِ ابدی کے آثار۔ ہم نشأۃ ثانیہ کے وقت قالبِ فطرت میں پھر لوٹا دیں گے جس طرح نشأۃِ اوّل میں پیدا فرمایا تھا کہ بقا کے بعد فنا اور فنا کے بعد پھر بقا یہ تیسری پیدائش ہے (ابن عربی) بے شک جن لوگوں کے لیے قادر و قیوم کی طرف سے عنایتِ ازلیہ کا فیصلۂ حسنیٰ ہو چکا ہے وہ عاداتِ ذلیلہ کی جہنم دنیوی سے بہت دور کر دیے جاتے ہیں اور شریعت طریقت معرفت حقیقت اطاعت عبادت ریاضت مشقت کی پُر بہار ہشت بہشت میں ان کا خلودِ حیات ہوتا ہے جہاں وہ کبھی بدبختوں کی سرسراہٹ بھی نہیں سن سکتے ۔ نارِ عصیان کی گھبراہٹ اور حرق و غرق و سرق کا غم بھی ان کو نہیں پہنچتا جس دن اللہ تعالیٰ وجودِ انسانی کے آسمانوں کو صفاتِ جلال کے دستِ یمین سے لپیٹ دے گا مراتبِ وجود کو ابتدا سے انتہا تک فنا کر کے پھر وجودِ انسانیت کا اسی تدریج سے رجوع و اعادۂ خلقت فرمائے گا جس طرح پہلے ظہورِ اجسام فرمایا تھا کہ پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظام پھر لباسِ لحم اسی طرح اعادہ ہوگا کہ پہلے حیوانیتِ نفس کا نطفہ پھر شریعت کا علقہ پھر طریقت کا مضغہ پھر معدنیۃ معرفت کے عظام پھر عناصرِ حقیقت کا لحم پھر اسی ناسوتی ڈھانچے میں

روح الٰہی کا دخولِ خلود ہوتا ہے۔ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ یہ وہ وعدۂ ازلی کا فیصلۂ مبرمہ ہے جو ہر عارف کے قالبِ مزکیٰ سینۂ مصفیٰ میں سجایا جاتا ہے (تفسیر نیشا پوری) انتخابِ ربانی میں آجانے والوں کے لیے عنایتِ سابقہ کا حسن ظاہری چار چیزوں میں ہے ۱۔ کونین سے بے رغبتی ۲۔ صرف بتایرِ الٰہی کی طلب ۳۔ خلوصِ للّٰہ ۴۔ انوارِ الٰہی کا اندرونی ظہور۔ اسی طرح عنایتِ ازلیہ سابقہ کا حسنِ باطنی بھی چار چیزوں میں ہے ۱۔ ایجاداتِ مجیبہ ۲۔ علومِ غیبیہ کا انکشاف ۳۔ مکاشفاتِ قائمہ ۴۔ معارفِ کاملہ جس بندے میں ظاہری باطنی یہ چار حسن پیدا ہو جائیں وہ چار مرتبوں کے ساتھ آفاق میں مشہور کر دیا جاتا ہے ۱۔ عاداتِ متقین میں ۲۔ علاماتِ مقربین میں ۳۔ نشاناتِ مخلصین ۴۔ خلافتِ سید المرسلین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار چیزوں کی توفیق ملنے کا نام حسنیٰ ہے ۱۔ توفیقِ عنایت ۲۔ توفیقِ ہدایت ۳۔ توفیقِ اختیار ۴۔ توفیقِ عطا۔ ان توفیقوں سے چار دولتیں ملتی ہیں ۱۔ عنایت سے کفایت کی ۲۔ ہدایت سے ولایت کی ۳۔ عطا سے حکمت کی ۴۔ اختیار سے رعایت کی۔ توفیقِ الٰہی کی نشانی استقامت ہے۔ عارفین کے نزدیک پانچ چیزیں دنیا میں جہنم تک کی حسیس ہیں ۱۔ بدعت کے کام ۲۔ بدمعاشی کے کلام ۳۔ فلسفی دلائل ۴۔ عقلِ خناسی کے الجھاؤ ۵۔ طبیعتِ خباثت کے خیالات اور ظلمت کے وسوسیات عارفین کو ان سے بچایا جاتا ہے۔ قیامت کا دن عابدین کا یومِ جزا ہے اور عارفین کا یوم مشاہدہ ہے۔ عاشقوں کا یوم وصولِ جمالِ کبریا ہے۔ جنت میں چار مکان چار قسم کے لوگوں کے لیے ۱۔ مکانِ راحت ان کے لیے جن کو دنیا میں راہِ الٰہی میں مصائب ملے ۲۔ مکانِ غنا ان کے لیے جنہوں نے فضولیات کو چھوڑا ۳۔ مکانِ امن ان کے لیے جو نا محرمِ حرمتِ الٰہی میں رہے ۴۔ مکانِ اشتہا۔ زاہدین کے لیے۔ عالمِ طریقت میں سینۂ عارف کے سات آسمان جو قیامتِ صغریٰ میں لپیٹ دیئے جاتے ہیں پہلا آسمانِ حیوانیت، دوم آسمانِ عناصر، سوم آسمانِ ترکیب چہارم آسمانِ نامیہ نباتیہ پنجم آسمانِ روحانیہ ششم آسمانِ عملیہ ہفتم آسمانِ فکریہ وَعْدًا عَلَیْنَا یہ شفقتِ رحمانی کا وعدۂ ازلیہ لازمہ ہے اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ بے شک ہم ہر بندۂ مخلص کو دنیا و آخرت میں اس کے مراتب دینے والے ہیں۔
(از تفسیر روح البیان)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ

اور البتہ لکھ دیا ہے ہم نے زبور میں پوری شریعت کے بعد

اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھدیا

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کہ بے شک یہ زمین مالک ہوں گے اس کے میرے بندے نیکیاں پھیلانے والے۔

کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ ط

بیشک اس قرآن میں بھی البتہ بہت علوم ہیں عبادت گزار بندوں کے لیے

بے شک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کو

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت کرنے کے لیے تمام جہانوں کے لیے

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

فرما دیجئے مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود نہیں مگر ایک معبود

تم فرماؤ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا نہیں مگر ایک اللہ

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ

تو کیا تم مسلمان بن جاؤ گے۔ پھر بھی اگر یہ سب منہ پھیرلیں تو فرما دو کہ

تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو فرما دو

اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ

میں نے اطلاع برابر دیدی ہے تم کو اور میں کیا جانوں کہ قریب ہے

میں نے تمہیں لڑائی کا اعلان کر دیا برابری پر، اور میں کیا جانوں کہ پاس ہے

اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

یا دور وہ عذاب جس کا وعدہ دیئے گئے ہو تم

یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بندوں کے اعمالنامے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ آسمان اس طرح لپیٹے جائیں گے جس طرح اعمالنامے لکھنے کے بعد لپیٹے جاتے ہیں۔ اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ کے وعدے لکھنے کا ذکر ہے کہ ہم نے سابقہ کتب آسمانی میں کیا وعدے لکھے تھے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اہل جنت کو قیامت کی گھبراہٹ نہ پہنچے گی۔ اب ان آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ چونکہ انہوں نے اپنی سب زندگی قرآن مجید کے سائے اور رحمت عالمین کے دامن میں گزاری اس لیے اب ان کو کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی اُس کرم والے دامن میں آکر بھلا کون پریشان ہو سکتا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں لوگوں کو اہل جنت مسلمانوں کی شان بتائی گئی تھی اب ان آیت میں لوگوں کو مسلمان بننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

تفسیر نحوی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ واؤ ہر جملہ لام سے کے برلئے تاکید بمعنی اللہ یقینا قد کتبنا۔ باب نصر کا فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم کتْبٌ یا کِتَابٌ سے مشتق ہے بمعنی لکھنا ہر قسم کا یہاں تدوینی لکھائی یا وحی مراد ہے نا ضمیر جمع متکلم اس کا فاعل مرجع ہے رب تعالیٰ فی حرف ظرفیہ مکانیہ الف لام عہد ذہنی خارجی زبور اسم مفرد سُریانی زبان کا لفظ ہے

مراد ہے دوسری منزل کتاب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی ایک قول میں زُبُر ہے
عربی لفظ ہے زَبَر کی جمع بمعنی کُتُب رکتابیں) تب یہ الف لام جنسی ہے مگر یہ قول درست نہیں
کیونکہ کَتَبْنَا کا ماضی کتاب کا تعین چاہتا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے کَتَبْنَا کا۔ مِنْ جارہ زائدہ
(اپنے معنی ابتداءِ غایت کے لیے نہیں صرف عامل ہے) بَعْدِ مضاف ہے اَلذِّکْرِ الف لام
عہدِ خارجی ذکر سے مراد ہے تورات مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے
اَنَّ حرفِ مشبہ درمیانِ کلام ہے اسی لیے اَنَّ ہے اَلْاَرْضَ الف لام استغراقی یعنی تمام
اَرْض اسم مفرد جامد مؤنث لفظی سماعی۔ کل اٹھتر الفاظ عربی مؤنث لفظی (سماعی) ہیں جن کو
قصیدہ ابن حاجب صاحب کافیہ میں منظم کیا گیا۔ مراد ہے جنت کی زمین نہ کہ دنیا کی لوگوں
نے اور بھی بہت سی باتیں بنائی ہیں کہ دنیا کی زمین مراد ہے ۱ساری زمین ۲شام کی زمین
۳بیت المقدس کی زمین ۴یہ آیت آخیر زمانہ امام مہدی کا ذکر فرما رہی ہے ۵نہیں بلکہ
زمانۂ نبوت کا ۶زمانۂ صحابہ کا ۷مغل بادشاہوں کا دور وغیرہ وغیرہ مگر یہ ذوقی باتیں ہیں
اَلْاَرْضَ اسم ہے اَنَّ کا۔ یَرِثُ باب سَمِعَ کا مضارع معروف مستقبل واحد مذکر غائب وِرْثٌ
سے مشتق ہے بمعنی مالک ہو جانا ھَا ضمیر کا مرجع اَرْض ہے عِبَادِیْ۔ جمع مکسر منصرف واحد
ہے عَبْدٌ بمعنی عابد (عبادت کرنے والے بندے) مضاف ہے یْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ
یہ مرکب اضافی موصوف اَلصّٰلِحُوْنَ اسم جمع مذکر سالم واحد ہے صَالِحٌ بمعنی درستی و
صُلح کرنے والے زمین کو فساد سے بچانے والے یہ صفت ہے عِبَادِیْ کی یہ مرکب توصیفی
فاعل ہے یَرِثُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی۔ اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر
جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے کَتَبْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ تاکیدیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ
مشبہ ابتداءِ کلام میں آیا اس لیے اِنَّ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی
اس کا مشار الیہ ذہنی ہے یعنی قرآن مجید یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا یا اسم
مفعول اپنے نائب فاعل پوشیدہ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے
اِنَّ کی ایک قول میں ھٰذَا (کا مشار الیہ یہ ربّ انبیاء ہے) وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ لام گے تاکیدیہ
بمعنی اَلْبَتَّہ۔ بَلَاغًا۔ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ بَلَّغَ سے بنا ہے بمعنی پہنچا دینا (تبلیغ کرنا)
کافی ہونا۔ یہاں دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ لازم ہے نہ کہ متعدی لام حرف جر
نفع کا قَوْمٍ اسم مفرد معنًا جمع ہے بمعنی جماعت گروہ موصوف ہے عَابِدِیْنَ۔ اسم جمع

مذکر سالم بحالت کسرہ صفت ہے قوم کی اس کا واحد ہے عَابِدٌ بمعنی شریعت کے مطابق کام کرنے والے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے بَلَاغًا مصدر کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر اسم مؤخر ہوا اِنَّ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خیال رہے کہ عربی لغت میں کل چھ لفظ ہیں جو معنًا جمع لفظًا واحد ہیں ۱ قوم ۲ رھط ۳ وفد ۴ کُلٌّ ۵ اَجْمَعُ ۶ ذُلُّ وغیرہ
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. واؤ سرجہ لِمَا اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ بمعنی بھیجنا رُسُلٌ سے بنا ہے ہر دو متعدی ہوتے ہیں ہمیشہ یہ فعل بافاعل ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے اِلَّا حرفِ استثنا رَحْمَةً اسم مصدر آخر میں ۃ مصدر یہ ہے بحالتِ نصب کیونکہ مستثنیٰ مفرغ (مفرغ لہٗ) اور بقاعدہ نحوی جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور کلام غیر موجب یعنی منفی ہو اور مستثنیٰ اِلَّا کے بعد ہو تو مستثنیٰ کا اعراب (زیر زبر پیش) وہ ہوتا ہے جو عامل فعل اس کے مستثنا منہ کو دیتا ہے چونکہ وہ تو موجود نہیں لہٰذا اس کے اعراب دینے سے فارغ ہو گیا اور اُس مستثنیٰ کے لیے فارغ ہوا لہٰذا اب اس کو وہی اعراب دے گا یہاں مستثنیٰ مِنْہُ تھا عِلَّةً یا حَالًا۔ وہ مفعول لہٗ تھا اس کا اعراب زبر ہی ہوتا۔ اب وہ اعراب اور وہ درجہ رحمۃً کو مل گیا۔ آیت اس طرح تھی۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عِلَّةً۔ اِلَّا رَحْمَةً ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی مقصد کے لیے مگر رحمت کرنے کے لیے تمام جہانوں پر یہ رَحْمَةً مفعول لہٗ مستثنیٰ ہے لام نفع کا عٰلَمِیْنَ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے عَالَمٌ ترجمہ ہے تمام جہانوں کے نفع و فائدے کے لیے یہ جار مجرور متعلق ہے رَحْمَةً مصدر عامل کا یہ دونوں شبہ جملہ ہو کر مستثنیٰ مفعول لہٗ ہوا۔ مَا اَرْسَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر با فاعل جملہ ہو کر قول ہوا اِنَّ حرف مشبہ مَا کافہ اس نے اِنَّ کو بے عمل کر دیا دونوں کا ترجمہ ہے فقط۔ یُوْحٰی باب افعال کا مضارع مجہول اِلَیَّ جار مجرور متعلق ہے اَنَّمَا۔ اَنَّ حرف مشبہ زائدہ (غیر عاملہ) مَا کافہ دونوں کا ترجمہ ہے فقط اِلٰھُکُمْ مرکب اضافی مبتدا۔ اِلٰہٌ موصوف واحدٌ صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے اِلٰھُکُمْ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ھَلْ حرفِ استفہام تصدیقِ ایجابی کی طلب کے لیے یہ ہر جملے پر آ سکتا ہے۔

فعلیہ ہو یا اسمیہ منفی ہو یا مثبت حرفِ عطف اس سے پہلے آسکتا ہے اس کے بعد نہیں آسکتا اَنْتُمْ ضمیر مبتدا مُسْلِمُوْنَ مُسْلِمٌ اسم فاعل کا جمع مذکر ہے بمعنی اسلام لانے والے مسلمان ہونے یا بننے والے ہوں بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا کی اَنْتُمْ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اِلٰـهُكُمْ کے جملے پر دونوں مل کر نائب فاعل ہے یُوْحٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا سب مل کر جملہ قولیہ ہوا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۔ فَ ترتیبیہ بمعنی ثُمَّ اِنْ حرفِ شرط تَوَلَّوْا بابِ تَفَعُّلٌ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَوَلِّیْ بمعنی منہ پھیر لینا دوست نہ بننا، انکار کرنا۔ نہ ماننا یہ مثبت منفی مصادر میں سے ہے یعنی لفظاً مثبت ہے حقیقتاً و معناً منفی ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع کفارِ مکہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ حرفِ جزا قُلْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اٰذَنْتُ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد متکلم مصدر ہے اِیْذَانٌ بمعنی اجازت دینا، اجازت کی خبر دینا یہاں بمعنی اطلاع دینا بتانا اِذْنٌ سے بنا ہے متعدی بدو مفعول ہے اس کا پہلا مفعول یہ کُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل ہے مرجع ہے کفارِ مکہ اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے حَرْبًا یا عَذَابًا عَلٰى جارہ فوقیت کا سَوَآءٍ اسم مفرد جامد (حاصل مصدر) بمعنی برابری یہ جار مجرور قائم مقام حال ہے کُمْ مفعول بہٖ کا اور متعلق ہے اٰذَنْتُ کا یعنی تم سب کو برابر ایک جیسا بتا دیا ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنْ حرفِ نفی بمعنی مَا نافیہ ماضی مضارع دونوں پر آجاتا ہے اور اسم مشتق پر یعنی جملہ اسمیہ فعلیہ دونوں پر لفظ اِنْ عربی میں چار قسم کا ہے ۱۔ اِنْ حرفِ شرط ۲۔ اِنَّ حرفِ تاکید ۳۔ اِنْ حرفِ مخففہ اِنَّ سے بدلا گیا ۴۔ اِنْ حرفِ نفی یہاں یہی ہے۔ اَدْرِیْ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع غیر مثبت معروف واحد متکلم دَرْیٌ وَدِرَايَةٌ سے مشتق ہے بمعنی اپنی ذاتی قوت سے جاننا یا کسی چیز کا پتہ چلا لینا۔ خیال رہے کہ اِنْ نافیہ فعل کو منفی نہیں کرتا بلکہ اس سے علیحدہ نفی کا تذکرہ ہوتا ہے اِنْ اَدْرِیْ کا ترجمہ ہے۔ نہیں ہے یہ بات کہ میں جانتا ہوں۔ اور لَا اَدْرِیْ کا ترجمہ ہوتا ہے میں نہیں جانتا۔ اَ ہمزہ سوالیہ قَرِيْبٌ اسم مصدر بروزنِ فَعِيْلٌ برائے مبالغہ حاصل مصدر ہے اَمْ حرفِ عطف اختیاریہ بمعنی بَعِيْدٌ اسم مصدر جامد حاصل مصدر یہ دونوں معطوف علیہ معطوف مل کر مبتدا مَا اسم موصول تُوْعَدُوْنَ بابِ افعال کا فعل مضارع

مثبت مجہول۔ جمع مذکر حاضر وَعَدَ سے مشتق ہے ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَدْرِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اٰذَنْتُ کے جملے پر دونوں مل کر مقولہ ہوا قُلْ ۔ دونوں قول مقولہ مل کر جزا ہے اِنْ تَوَلَّوْا شرط کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ۔ اور البتہ بے شک ازلی قدیم کا ایک فیصلہ ہم نے زبورِ داؤد میں لکھ دیا تھا جو توریت موسیٰ کے بعد تھی کہ بے شک ابدی جنتی زمین کے بلا عوض مالک وارث میرے وہی نیک اور دانائی اور صلاحیت رکھنے والے بندے ہوں گے جو علم و فہم کے ساتھ فقط میری ہی عبادت کرنے والے قوموں کی اصلاح کرنے اور میرے انعامات کی لیاقت رکھنے والے ہیں۔ اے مسلمانو تم اِس قرآنِ مجید کو معمولی کتاب نہ سمجھنا اِس کی قدر جاننا اس کو پڑھنا سمجھنا سننا سنانا اقوامِ عالم کو بتانا اِسی سے عبادت کے قاری عدالت کے قاضی بننا اس کی ہر ہر سورت ہر ہر آیت ایک مکمل ضابطۂ حیات اور سرمایۂ نجات ہے۔ اور خاص کر بے شک اِس ذکرِ نبوت والی سورۃ انبیا میں تو البتہ حیاتِ دنیوی نفعیاتِ اُخروی کے پورے مکمل لائحۂ عمل و قول کے لیے کافی خزانۂ قدرت اور انعامِ فطرت ہے ہر اُس قوم کے لیے جو بارگاہِ قدس کے عابدین مخلصین ہیں یہ عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ مشرق میں مغرب میں شمال میں ہوں یا جنوب میں آسمان میں ہوں یا زمین میں۔ اعلیٰ علیین میں ہوں یا تحت الثریٰ میں۔ اسی قرآنِ حکیم اور اس کی اس تذکرۂ انبیا والی سورۃ میں زندگی کے ہر موڑ کے لیے کفایتِ کلیہ ہے۔ اس لیے کہ انبیا علیہم السّلام کے واقعاتِ حیاتِ انسانی زندگی کے لیے ہر وقت مشعلِ راہ اور ضیاءِ حیات ہیں۔ دنیوی زندگی اور اشیاء ارضیات سب امتحانِ الٰہی ہیں۔ اسی لیے۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۲۸) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو اور ہر حال میں صبر کرو دنیا میں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس زمین کا وارث مالک سلطان بنا دے۔ وہ بندہ کافر ہو یا مومن۔ نیک ہو یا بد۔ ظالم ہو یا عادل۔ رحمت والا ہو یا لعنت والا۔ دنیا کی زمین

وراثت تو نمرود کو بھی ملے گی سلیمان علیہ السلام کو بھی سکندرِ اعظم ذوالقرنین کو بھی فرعون کو
بھی۔ فاروقِ اعظم کو بھی چنگیز و ہلاکو کو بھی وہ اللہ جس کو چاہے دے دیتا ہے کہ یہ امتحان
گاہ ہے مگر جنت انعام گاہ ہے وہاں کی حیات، ارضیات۔ ملکیات انعامِ الٰہی ہے وہاں
صرف یَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ ہاں البتہ اگر دنیا میں یہ بندے ہمارے حبیب
محمد مصطفیٰ کے سچے پکے دائمی ہر قول و عمل اطاعت و اتباع پر قائم و ثابت قدم
رہیں تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورۃ النور کی آیت ۵۵) جس طرح
نبی کریم سے پہلے انبیا اولیا کو خلافتِ سلطنت دی گئی اسی طرح صدیق و فاروق
عثمان و علی کو عرب میں تابعین کو عجم میں۔ تبع تابعین کو قبائل میں سلاطین اسلامیہ کو ہند و سندھ
میں اسلام و قرآن قائم کرنے کے لیے زمینِ دنیوی پر خلافت دیتے رہیں گے۔ مومن کی
حیاتِ دنیا امتحان اور حیاتِ آخرت انعام ہے اس لیے یہاں اتار بھی ہیں چڑھاؤ
بھی حیاتِ دنیوی کے تقریباً بتیس زمانے ہیں ۱ حیاتِ شیر خوارگی ۲ حیاتِ طفلگی
۳ حیاتِ لڑکپن ۴ حیاتِ امروی ۵ حیاتِ نوجوانی ۶ حیاتِ جوانی ۷ حیاتِ
درمیانی ۸ حیاتِ بڑھاپا ۹ حیاتِ سٹھیاپا ۱۰ حیاتِ غریبانہ ۱۱ حیاتِ امیرانہ
۱۲ غمگیانہ ۱۳ حیاتِ شادیانہ ۱۴ حیاتِ بیمارانہ ۱۵ صحت مندانہ ۱۶ حیاتِ بزدلانہ
۱۷ حیاتِ بہادرانہ ۱۸ حیاتِ مسافرانہ ۱۹ حیاتِ مقیمانہ ۲۰ حیاتِ شاکرانہ ۲۱ حیاتِ
صابرانہ ۲۲ حیاتِ مجاہدانہ ۲۳ حیاتِ تاجرانہ ۲۴ حیاتِ عابدانہ ۲۵ حیاتِ صالحانہ
۲۶ حیاتِ عالمانہ ۲۷ حیاتِ عادلانہ ۲۸ عاقلانہ ۲۹ حیاتِ شاہانہ ۳۰ حیاتِ صناعی
۳۱ حیاتِ سخاوت ۳۲ حیاتِ شجاعت۔ انسانی زندگی ان ہی پہلوؤں پر گزرتی ہے
منشاءِ باری تعالیٰ یہ ہے اشرف المخلوقات انسان اپنی اشرفیت کو باقی اور ثابت
رکھنے کے لیے زندگی کا ہر زمانہ آغوشِ ایمانی میں گزارتا ہے اور آغوشِ ایمانی صرف
نبوت کے اسوۂ حسنہ میں ہے جو اس سے ہٹا وہ آغوشِ ایمانی سے نکل کر آغوشِ
شیطانی میں گرا۔ اور اشرفیت گنوائی ذلت کمائی اسی لیے قرآن مجید میں بار بار ذکرِ
حیاتِ انبیا علیہم السلام فرمایا جا رہا ہے اور اسی تعلیم و تربیت کے لیے سورۃ
انبیا کا نزول ہوا جس میں زندگی کے یہ تمام شعبے احکام انبیا بروارد فرما کر ان کی پاکیزہ

اور کا بہاب زندگی کو انسانیت کے لیے اُسوۂ حسنہ اور نمونۂ اقوام بنا دیا گیا جیسا کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت ۶ میں ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ الغرض بے شک انبیاءِ کرام میں ہی اے انسانو تمہارے لیے شاندار نمونۂ حیات ہے۔ چنانچہ شیر خوار گی حضرت عیسٰی کی طفلگی حضرت ابراہیم کی لڑکپن حضرت اسحاق کا، امردی حضرت اسماعیل کی نوجوانی حضرت شیث کی جوانی حضرت یحیٰی کی۔ ادھیڑ عمر حضرت یعقوب کی بڑھاپا حضرت نوح کا۔ سٹھیاپا حضرت زکریا کا غریبی حضرت موسٰی کی حلیمی حضرت ہارون کی۔ امیری حضرت سلیمان کی غمگینی حضرت آدم کی شادیانی حضرت داؤد کی۔ بیماری حضرت ایوب کی صحت مندی تندرستی حضرت یونس کی بہادری حضرت صالح کی۔ تجارت حضرت ہود کی۔ عبادت حضرت خضر کی۔ صالحیت حضرت الیاس کی مسافرت حضرت عزیر کی۔ اقامت حضرت لوط کی شکر حضرت شعیب کا صبر حضرت ذوالکفل کا۔ جہاد حضرت یسع کا۔ بادشاہی حضرت یوسف کی۔ علمیت حضرت ادریس کی عقل و حکمت حضرت سلیمان کی۔ صنعت حضرت داؤد کی۔ حرفت حضرت زکریا کی۔ سخاوت حضرت یوسف شجاعت حضرت ابراہیم کی۔ شرم و حیا لوط علیہم السلام کی مردانگی رجُلیت مرسلین کی۔ حمد و ثناءِ الٰہی یونس علیہ السلام کی۔ عشقِ الٰہی یحیٰی کا۔ قرآنِ کریم میں یہ سب بیان ہوئے اس لیے کہ نمونہ ہیں مبلغین، معلمین صالحین صابرین، شاکرین، حامدین، اور بچوں جوانوں بوڑھوں، امیروں وزیروں بادشاہوں ججوں قاضیوں۔ عُقلا، عُلَما۔ فُضَلا کے لیے۔ اس کے علاوہ یہ کلام پاک دنیا میں رضاءِ الٰہی قبر میں مونس، حشر میں وزنِ میزان جنت میں ترقی دراجت کا ذریعہ، اے محبوب کریم یہ تذکرۂ انبیا صرف نمونۂ انسانیت ہے مگر زندگی تو کائنات کے ہر عالم میں ہے اور سب کو رحمت کی ضرورت، اسی لیے ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحم کرنے کے لیے ہی بھیجا۔ اسی لیے سب سے پہلے آپ کو پیدا کیا۔ ایک بار آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا کہ تم کو بھی ہماری رحمۃ عالمینی کا فائدہ پہنچا۔ عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ اپنے انجام سے ڈرتا رہتا تھا لیکن جب آپ معراج میں آئے اور کچھ عرصہ مجھ کو آپ کے ساتھ رہنے خدمت کرنے کا موقعہ ملا تو رب تعالیٰ رحیم و کریم نے میری تعریف فرما دی ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۔ یہ اعزاز پہلے مجھے کسی کام سے نہ ملا

اے محبوب آپ کی رحمت کے سب حاجت مند ہیں متقدمین ہوں یا متاخرین عالم انسانیت ہوں عالم نبوت رسالت اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا۔ غرضکہ عالم نباتات۔ جمادات، حیوانات۔ عالم عرشیاں، فرشیاں۔ کفرستان اسلامستان عرب و عجم، جن و ملک حور و غلمان سب کو رحمت کی ضرورت۔ اس لیے آپ کو رحمۃ عالمین کے لیے بھیجا۔ کفار پر بھی یہ رحمت ہی ہے کہ ہزارہا کفریات کے باوجود آپ اُن پر کوئی عذاب نہیں آتا نہ طوفان کا نہ خسف کا نہ مسخ کا نہ غرق کا نہ حرق کا نہ چیخ کا نہ ہلاکت کا نہ آسمان کا نہ زمین کا۔ امت مسلمہ پر کروڑہا رحمتوں کے علاوہ یہ رحمت بھی کہ آپ نے کبھی امت کو فراموش نہ فرمایا نہ مکہ مکرمہ میں نہ مدینہ منورہ میں نہ مسجد طاہرہ میں نہ حجرۂ طاہرہ میں نہ عرشِ اعلیٰ پر نہ قوسین یا ادنیٰ پر نہ نماز میں نہ معراج میں رحمۃ عالمین کے سات طریقے ۱۔ رحمتِ مطلقہ ۲۔ رحمۃ تامہ ۳۔ رحمۃ شاملہ ۴۔ رحمتِ جامعہ ۵۔ رحمۃ کاملہ ۶۔ رحمۃ عامہ ۷۔ رحمۃ محیطہ۔ رحمتِ عالمین کے آٹھ علاقے۔ اور ہر علاقہ دس ہزار عالم کا۔ کل علاقے اسی ہزار عالم ہیں ۱۔ عالم شہادۃ یعنی ظاہری مخلوق ۲۔ عالم غیب باطنی مخلوق ۳۔ عالم علیہ ۴۔ عالم جبیرہ ۵۔ عالم وجود ۶۔ عالم شہود ۷۔ عالم سابقہ ۸۔ عالم لاحقہ آٹھ قسم کی مخلوق کو رحمۃ عالمین کا فائدہ پہنچ رہا ہے ۱۔ ذوی العقول کو ۲۔ غیر عقل والے حیوانات کو ۳۔ اہل برزخ کو ۴۔ ارواح کو ۵۔ اجسام کو ۶۔ اہل اعراف کو ۷۔ اہل جنت حور و غلمان کو ۸۔ جمادات عالم کو۔ رحمۃ للعٰلمین کے لیے سات صفات لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عالمین سے افضل ہو دوم یہ کہ وہ خلقِ عظیم والا ہو۔ سوم سب عالمین و اہل عالمین کو جاننے پہچاننے والا ہو۔ چہارم سب کا مشاہدہ کر سکنے کی طاقت رکھتا ہو۔ پنجم دور و نزدیک کی سننے کی قوت رکھتا ہو۔ ششم ملک و ملکوت نفس و روح کے مزاج ظاہرہ طبیعۃ باطنی سے واقف ہو۔ ہفتم تمام عالمین کی ضروریات کے خزانوں کا مالک و مختار بنا دیا گیا ہو۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

اے رحمۃ عالمین ان مشرکین سے فرما دیجیے کہ میری طرف بار بار یہی وحی فرمائی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے۔ خیال رہے کہ یہاں حصر کے لیے دو بار لفظِ حصر آیا پہلے۔ اِنَّمَا۔ پھر اَنَّمَا دونوں میں فرق یہ کہ اِنَّمَا یُوْحٰی نے حکم

میں شی کو منحصر کیا اور اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ نے شی میں حکم کو منحصر کیا۔ وحی حکم ہے اور اِلَیَّ شی ہے۔ معنی یہ ہوا کہ یہ ہی وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ دوسری جگہ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ شی ہے اور حکم اِلٰهُكُمْ ہے۔ اس کا حصری معنی یہ ہے کہ ایک ہی ہے تم سب کا معبود۔ بعض جہلا نے یہ معنی کیئے کہ مجھے یہ ہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا ہی معبود ہے اِلٰہ واحد یہ ترجمہ غلط اور گناہ ہے۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ کا ترجمہ پہلی صورت میں ہے کہ زید صرف کھڑا ہی ہے۔ دوسری صورت میں یہ کہ زید ہی کھڑا ہے۔ تو آیت کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ معبودیت سے متعلق مجھے جب بھی وحی کیگئی تو یہی وحی کیگئی کہ ایک ہی معبود ہے تم سب مخلوق کا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تو کیا تم اب بھی مسلمان ہونے ہو یا نہیں۔ اب تو دینِ اسلام کو ماننا تم پر واجب ہو گیا ہے کیونکہ نبی کی زبان ہے توحید کا بیان ہے اسی کو دینِ الٰہی کہا جاتا ہے یہ بھی میری رحمت کا تم پر ایک کرم ہے کیونکہ ماننے میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا تو اے محبوب اگر اب بھی اِن بدقسمتوں نے ایمان سے منہ پھیرا۔ اور شرک کفر نہ چھوڑا تو عَلٰی اِلَا عُلان فرما دیجئے کہ میرا کام یہی تھا عَلٰی سَوَآءٍ کہ میں شروع دن سے برابر تم سب عوام وخواص کو پوری ہر بات سمجھاتا چلا آ رہا ہوں۔ عَلٰی سَوَآءٍ میں تین چیزوں کی برابری بیان ہوئی ۱ تبلیغ کی ۲ وقت کی ۳ افراد کی۔ یعنی میری تبلیغ ہر وقت سب کے لیے ایک جیسی ہے۔ نہ تبلیغِ احکام میں کمی زیادتی کہ امیروں کو کچھ بتا دیا۔ غریبوں کو کچھ اور بتا دیا نہ وقت میں کمی زیادتی کہ کسی کو خصوصی اور علیحدگی کا زیادہ وقت کسی کو تھوڑا اور عمومی وقت۔ نہ افراد میں کمی زیادتی کہ کسی کو بتایا سمجھایا کسی کو نہ بتایا سمجھایا۔ میرے دربار میں امیر غریب آقا غلام۔ کالے گورے۔ عجمی عربی کا کوئی فرق نہیں ہے نہ کبھی ہوا نہ ہوگا۔ مانتے ہو تو مانو نہیں مانتے تو جاؤ جہنم میں عذاب ابدی کا مزہ چکھو۔ میرے پاس۔ بڑائی اور سرداریت سے کرمت آؤ انکساری اور صحابیت سے کر آؤ۔ میرے دل میں کسی کے لیے بھی عذاب قہر غضب وغصہ۔ گھمنڈ و غرور نہیں۔ یہاں تو سب عالمین کے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔ کیونکہ میں اس دہر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا اور اے کفارِ مکہ یہ بھی سمجھ رکھو کہ میں جو کچھ جانتا اور تم کو بتاتا ہوں وہ سب اس غیبی علم سے بتاتا ہوں جو مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے سکھایا۔ اور اتنا عطا فرمایا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۃ نساء آیت ۱۱۳) اے محبوبِ کائنات

مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔ کے جہانوں میں سے جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ ہم نے وہ سب تم کو سکھا دیا لہٰذا میری یہ سزا و جزا کی خبریں اپنی عقلی درایت اور تصوراتی خیالات سے نہیں نہ عقلیں دوڑاتا ہوں اور نہ عقل سے جانتا ہوں وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اور عقلی اندازوں سے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ عذاب جس کی خبریں بارہا تم کو میں سنا چکا ہوں اور میری زبان چشمۂ علم و حکمت سے وعدہ و وعیدی کی صورت میں سن چکے ہو۔ خیال رہے کہ ہم اپنی اردو زبان میں تو ہر عقلی فہمی فکری چیز کا ترجمہ جاننا ہی کرتے ہیں۔ مگر عربی لغت میں عقل فہم، ذہن، تخیل، تصور، وہم سے جاننے کو ادراک کہا جاتا ہے۔ مگر مشاہدے، تجربے کتابوں کے پڑھنے کسی کے پڑھانے، سکھانے، بتانے سمجھانے کو اور ان ذرائع سے پتہ لگنے کو علم کہا جاتا ہے۔ درایت جو اپنی سوچ فکر اجتہاد کے اندازوں کا نام ہے اس میں غلطی ہوسکتی ہے مگر علم میں غلطی نہیں ہوتی خاص کر علم لدنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسب مراتب و ضرورت صرف انبیاء کرام علیہم السّلام کو ملتا ہے اس میں تو قطعاً غلطی کا شائبہ تک نہیں ہوتا نہ ہوسکتا ہے اس وجہ سے قرآن مجید کی تقریباً تیس آیتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی درایت کی نفی فرمائی گئی کہیں مَا اَدْرِیْ۔ کہیں اِنْ اَدْرِیْ۔ فرما کر اور کہیں وَمَآ اَدْرٰىكَ سے سوالیہ نفی فرما کر یہاں بھی عقلی تخیل اور درایت کے اندازے کی نفی فرمائی گئی۔ لیکن نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کہیں کسی آیت سے ثابت نہیں نہ صراحتاً نہ اشارۃً نہ کنایۃً نہ اقتضاءً نہ دلالۃً۔ ہاں البتہ آپ کے علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا ذکر و ثبوت قرآن مجید کی تقریباً چالیس آیتوں میں فرمایا گیا یہاں بھی یہی سمجھایا جارہا ہے کہ میں حقیقتِ علمی سے تو تم کو ایک ایک بات کی خبر دے چکا ہوں جو خبریں وَاِنْ اَدْرِیْ۔ میری درایت سے نہیں بلکہ علم سے ہیں۔ اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں ۱۔ زَبُوْرِ میں دو قول۔ ایک یہ کہ اس سے مراد داؤد علیہ السّلام کی زبور کتاب ہے۔ اس میں صرف حکمت کی باتیں اور دعائیں عبادتیں بشارتیں تھیں شریعت کے قانون کے لیے توریت پر عمل تھا۔ یہ قول ہی درست ہے کیونکہ ثابت و مشہور ہے۔ دوم یہ کہ زبور سے کتاب مراد نہیں بلکہ زبور بمعنی اَلْمَزْبُوْرُ یعنی لکھی ہوئی باتیں جیسے حلوب بمعنی محلوب اور رکوب بمعنی مرکوب۔ اس کا واحد زُبُرٌ ہے جیسے قشور کا واحد قشر ہے اور اس سے تمام آسمانی کتابیں۔ صحیفے بلکہ لوح محفوظ بھی مراد ہے ۲۔ ذِکْر

میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد توریت ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے سوم یہ کہ اس سے مراد علم الٰہی ہے چہارم یہ کہ اس سے مراد وہ نصیحتیں ہیں جو زبور میں ہی لکھی ہوئی تھیں یعنی نصیحتوں کے بعد یہ وراثت ارضی کی بات لکھی گئی تھی۔ میرے نزدیک یہ چاروں قول درست ہیں مطابقت اس طرح ہے کہ اللہ کے علم سے یہ بات لوح محفوظ میں بھی توریت میں بھی زبور و انجیل اور صحیفوں میں بھی تھی اور قرآن مجید میں تو آپ بہ نظر آ ہی رہی ہے ۳ الارض۔ میں تین قول ایک یہ کہ اس سے مراد جنت کی سرزمین ہے یہی قول درست اس کی دو دلیلیں۔ پہلی دلیل یہ کہ آیت کے سیاق و سباق میں جنت و آخرت کا ذکر ہے۔ لہٰذا ارض سے علاقہ جنت ہی مراد ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ سورۃ زمر کی آیت ۷۴ میں اس کی تفصیل و تائید اس طرح ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ۔ یعنی جنتی جنت میں جا کر یہ شکریہ ادا کریں گے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ جس نے اپنا وعدہ صادق کیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنایا۔ نیز یہ قول اس لیے بھی درست ہے کہ وراثت ارض کے لیے عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ کی خصوصیت صرف آخرت میں ہے۔ دنیا میں تو ہر اچھا برا انسان زمین کا مالک وارث بادشاہ جاگیردار بن جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ کہ اس سے مراد سرزمین علاقہ بیت المقدس ہے۔ سوم یہ کہ اس وراثت ارض سے مراد فتوحات اسلامیہ اور سائر اہل ایمان کے فتوحاتی علاقے ہیں ۴ عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مومنین بنی اسرائیل امت داؤد و سلیمان ہیں۔ ان کی دلیل سورۃ اعراف کی آیت ۱۳۷ ہے۔ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا۔ یہاں بنی اسرائیل ہی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ دوم قول یہ کہ ان سے مراد صحابہ کرام اور سلاطین اسلام ہیں۔ ان کی دلیل سورۃ نور کی یہ آیت ۵۵ ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ مگر یہ دونوں قول بھی کمزور ان کے استدلال بھی کمزور صحیح یہی ہے کہ یہ آیت جنتی زمین کے متعلق ہے اور عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ سے صرف آخرت میں اہل جنت مراد ہیں کسی بھی امت سے ہوں۔ اور دلیل میں ان دو قولوں کی آیتیں صرف زمین سے متعلق ہیں اس

آیت کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ آیتیں اس کی تفصیل یا تفسیر نہیں، اور عبادت سے مراد، نماز روزہ۔ کلمہ حج زکوٰۃ ہے ۵ اِنَّ فِیْ هٰذَا میں دو قول۔ ایک یہ کہ اس سے مراد سورۃِ انبیاء ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد پورا قرآن مجید ہے ۶ اٰذَنْتُكُمْ میں دو قول ایک یہ کہ اس سے مراد عذاب قیامت کی آگاہی ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد کفر واسلام کی جنگ ہے اور برابری سے مراد مکمل دو طرفہ تیاری کی مہلت ہے۔ بخت نصر کی طرح اچانک حملے سے مخالفین کی تباہی کرنا میرا مقصود نہیں اگر میں رحمۃ عالمین نہ ہوتا تو اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ نہ کرتا بلکہ دیگر سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح عذاب ناگہانی کی بد دعا کرتا اور تم سب ہلاک کر دیئے جاتے کسی کو بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ایمان لانے کی توفیق ابدی کامیابی کی سعادت نہ ملتی یہ اٰذَنْتُكُمْ بھی تم پر میری رحمت کا ایک حصہ ہے ۷ سَوَآءٍ میں دو قول ایک یہ کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہے دوم یہ کہ اس سے مراد جنگ وجہاد کی اطلاع دینا ہے تاکہ دو طرفہ برابر تیاری کر لیں کفار کو کوئی حسرت نہ رہے ۸ مَا تُوْعَدُوْنَ دو قول۔ ایک یہ کہ اس سے مراد دنیوی ذلت ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں جنگ میں اٹھاؤ گے۔ یہ غیبی سچی خبر ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد قیامت کی ذلت ہے۔

فائدے ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ قرآن مجید میں کیسی شان کی طرز بیانی ہے کہ اپنی ربوبیت عالمین کا چرچہ و تذکرہ اپنے محبوب اور محبوب کی اُمت کی زبان سے کروایا کہ اے بندو تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ مگر اپنے حبیب کی رحمت عالمینی کا چرچہ اور تذکرہ خود فرمایا وہاں بھی تمام جہانوں کا ذکر اور یہاں بھی تمام جہانوں کا ذکر فرما کر بتا دیا کہ جہاں تک میری ربوبیت کی وسعت ہے وہاں تک میرے حبیب کی وسعت رحمت۔ ہماری شہنشاہی ہمارے نبی کی وزارت مصطفائی ہے۔ نہ ربوبیت سے کوئی جگہ خالی نہ رحمت سے اظہار ربانیت عالمینی کے لیے بھی پوری ایک مکمل آیت اور اظہار رحمۃ عٰلمینی کے لیے بھی ایک مستقل آیت۔ یہ فائدہ دونوں جگہ عٰلمین فرمانے سے حاصل ہوا۔ مگر اتنی صاف واضح آیت وکلام کے باوجود وہابی دیوبندی اپنا جلا پا۔ عداوت نبوت۔ حسد بغض گستاخی۔ جہالت بلکہ ابو جہلیت چھپا نہ سکے۔ آیت تو بدل نہ سکے کیونکہ وہ حفاظت الٰہی میں ہے۔ البتہ ترجمہ

وتفسیر میں عقربی ڈنگ اور احمقانہ نشتر چلا ہی دیئے۔ چنانچہ تھانوی صاحب ترجمہ اس طرح کرتے
ہیں۔ اور ہم نے ایسے مضامین نافعہ دے کر آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا
جہان کے لوگوں یعنی مکلفین پر مہربانی کرنے کے لیے (ترجمہ تھانوی طبع تاج کمپنی) میرٹھی وہابی
ترجمہ اس طرح کیا گیا۔ اور ہم نے دنیا جہان کے لوگوں کے لیے رحمۃ بنا کر بھیجا ہے (عاشق الٰہی
میرٹھی طبع تاج کمپنی) محمود الحسن وہابی صاحب اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔ اور تجھ کو جو ہم نے
بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔ مودودی صاحب وہابی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔
اے محمد ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے مودودی
تفسیر۔ اور ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ یہ تھے وہابی ترجمے
ان میں چار طرح خیانت اور بدنیتی ہے۔ عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ فقط جلاپا اور
حسد کی عداوت ہے۔ پہلی خیانت، آیت کے الفاظ میں دنیا جہان کا لفظ نہیں ہے دوم آیت
میں مکلفین لوگوں کا لفظ نہیں ہے یہ صرف انسانوں کو کہا جاتا ہے۔ سوم بنا کر بھیجا۔ آیت
میں بنا کر کا لفظ نہیں ہے۔ اس خیانت نے بتایا کہ نبی کریم پہلے رحمت نہیں تھے جب
بعثت ہوئی تب رحمت بنے۔ چہارم۔ دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔ یہ
الفاظ آیت میں نہیں۔ اس ترجمے کا مفہوم ہے کہ نبی کی ذات بالکل رحمت نہیں۔ ان کو
بھیجنا ہماری رحمت ہے۔ اگر آیت کا یہی مقصود بیان ہوتا تو رَحْمَةً مِّنَّا ہوتا۔ میں کہتا ہوں
کہ اگر یہاں عٰلَمِیْنَ کا ترجمہ اپنی بددیانتی اور خیانت سے دنیا والے مکلفین کرتا ہے۔ یا
یہ کہتا ہے کہ اور کسی بات کے واسطے نہیں۔ تو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ میں بھی عالمین کا ترجمہ
صرف دنیا والوں اور مکلفین لوگوں کا رب کہو، اور آدمی جہنم کیوں لیتے ہو پوری جہنم حاصل
کرو۔ بہرکیف یہ علمی جہالت نہیں بلکہ حسد و عداوت کی جہالت ہے۔ دوسرا فائدہ
عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ نسبتی کے ساتھ۔ ترجمہ ہے ہماری طرف
سے رحمت ہے یعنی مہربانی روح اللہ کا آنا۔ مگر حبیب پاک صاحب لولاک کے لیے
فرمایا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ، فرق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت رحمت ہے حبیب
پاک کا وجود رحمت ہے۔ بعثت محدود ہے مبعوث اِلَیْہِمْ میں۔ یعنی جن کی طرف
بعثت ہے ان کے لیے رحمت، جب تک دین باقی بعثت قائم جب تک بعثت
قائم امت موجود جب دین منسوخ تو بعثت ختم جب بعثت ختم تو امت نہیں جب

اُمت نہیں تو اُس کے لیے رحمت نہیں۔ لیکن رحمتِ عالمین کا جب تک وجود قائم تو عالمین کے لیے رحمت ہوتا باقی۔ عالمین بھی غیر محدود اس لیے رحمت بھی غیر محدود جب تک عالمین کی بقا اس وقت تک رحمت کی بقا۔ عالمین ابد تک لہٰذا رحمت بھی تا ابد، کتنا عظیم فرق ہے اور کتنی عظیم و کبیر شان ہے۔ اسی شان سے ظالم گھٹ گھٹ کر جلے مرے جاتے ہیں۔ دنیا کے لیے رحمت اس لیے کہ آپ سب سے پہلے وجود میں آئے باقی تمام مخلوق آپ سے ہی وجود میں آئی۔ عالمِ اَجسام کے لیے رحمت اس لیے کہ آپ کا دین کبھی منسوخ نہیں اب وہ اسلام بن چکا ہے۔ آپ کی قوم یعنی امت کبھی ختم نہیں۔ عالمِ محشر کے لیے رحمت اس لیے کہ آپ کی شفاعت قائم و نافذ یہاں تک کہ آپ کی شفاعت انبیاء کرام علیہم السّلام کے لیے بھی قُربِ مراتب میں۔ عالمِ جنت میں رحمۃ اس لیے کہ آپ وجود و شہود کے لیے ہیں اَبدًا۔ اَبدا۔ عالمِ ارواح کے لیے اس لیے کہ روح عمل کے لیے محتاج ہے جسم کی اور تمام روحیں مخلوقۃ مطروحۃ۔ صورۃ منتظر تھیں وجودِ رحمۃِ عالمین کی آپ کے آنے سے عالَمِ اَجسام بنا جس سے عالَمِ ارواح ظاہر و زندہ ہو گیا اپنے اپنے جسم کے ساتھ۔ (از روح البیان) اس لیے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا رَحْمَۃٌ مُّهْدَاةٌ (مستدرک حاکم) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کائنات کے لیے رحمۃ کا تحفہ ہوں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ابن قیم نے اپنی کتاب مفتاحُ السعادت میں لکھا ہے کہ اگر کائنات میں نبوت نہ آتی تو عالَم میں نہ علمِ نافع ہوتا نہ عملِ صالح نہ اِصلاحِ معیشۃ نہ قوامِ مملکۃ ہوتا نہ نظامِ سلطنت بلکہ سب لوگ بہائم کی طرح جانور اور عادی درندوں، اور دیوانے کُتوں کی طرح ہوتے۔ ہر خیر آثارِ نبوت کے ظہور سے ہے اور ہر شر آثارِ نبوت کے چھپ جانے سے گویا کہ نبوت روح ہے اور عالَم جسم ہے۔ جب دنیا سے نبوت بالکل بے تعلق ہو جائے گی تو دنیا پر قیامت آ جائے گی۔ تیسرا فائدہ۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السّلام کی بعثت سے عذابِ آسمانی کا پتہ لگا۔ چنانچہ سورۃ اسریٰ آیت ۱۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں کسی بھی کافر قوم کو جب تک کہ ان میں اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں اور پھر وہ منکر ہوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے رحمت کا پتہ لگا۔ جیسا کہ یہاں ارشاد ہوا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور تا قیامت عذابِ آسمانی بند ہونے کا پتہ لگا چنانچہ

سورۃ انفال آیت ۳۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ یعنی اے حبیب کریم جب تک آپ ظاہراً یا باطناً اپنی امت میں موجود ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا خواہ کتنا ہی ظلم و کفر کریں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو تا قیامت موجود کیونکہ سراج منیر یعنی سورج ہیں اور سورج تو کبھی ڈوبتا ہی نہیں کسی کو ن نظر آئے یا رات۔ آپ اوّل بھی رحمت ہیں اور آخر بھی۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ۔ (جامع صغیر) یعنی میری رحمت پہلے ہے میرے غضب سے۔ رحمت کون ہے۔ یہی حبیب ازلی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اور آپ ہی آخر بھی اس طرح کہ آپ کا دین آخر آپ کی آمد آخر آپ کی کتاب آخر آپ کی امت آخر۔ یہ فائدہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ میں اَرْسَلْنَا۔ ماضی مطلق فرمانے سے حاصل ہوا آپ کا ارسال قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ آپ کی بعثت بَعْدَ كُلِّ رَسُوْلٍ۔ رُوْحُكَ شَرِيْفٌ وَجِسْمُكَ لَطِيْفٌ۔ نبی کریم حضور اقدس نے فرمایا کہ حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ میری موجودگی بھی رحمت ہے اور غیر موجودگی بھی رحمت ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ سَابِقًا نُوْرُهٗ وَاٰخِرًا ظُهُوْرُهٗ وَرَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وُجُوْدُهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ رب تعالیٰ کے کلام میں سے انبیاء علیہم السلام پر چار کتابیں اور تین سو تیرہ ۳۱۳ صحیفے نازل ہوئے یہی حنفی مسلک ہے۔ جو مضامین تین کتابوں اور صحیفوں میں تقسیم ہو کر آئے ان تمام کا خلاصہ مجموعہ قرآن مجید میں ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے مضامین ان تین کتابوں اور صحیفوں کو حسب ضرورت تقسیم ہو کر ملے۔ کیونکہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کے مطابق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سب سے پہلے جب صاحب قرآن پہلے تو قرآن کا نزول قلبی پہلے۔ لہٰذا قرآن مجید میں سے توریت کو صرف شرعی احکام ملے۔ زبور کو صرف حکمت کی باتیں۔ نصیحتیں دعائیں ملیں۔ انجیل کو صرف طریقت و تصوف کے قوانین اور ورد وظائف ملے۔ یہ مسئلہ۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ (الخ) کی ایک تفسیری بیان سے مستنبط ہوا اسی وجہ سے بعض نے ذکر سے مراد قرآن مجید لیا ہے۔ دوسرا مسئلہ جس طرح خرید نے

سے خریدار چیز کا مکمل با اختیار مالک ہو جاتا ہے اسی طرح وراثت مالی سے بھی وارث مکمل با اختیار مالک بن جاتا ہے۔ لیکن فتوحات سے ملکیت نہیں ہوتی بادشاہ یا خلیفہ مفتوحہ یا مقبوضہ ملک کا مالک نہیں بنتا بادشاہت صرف عدل وقانون نافذ کرنے کے لیے ملتی ہے نہ کہ کسی کے کسی مال پر قبضہ کرنے کے لیے۔ یہ مسئلہ یہاں یَرِثُهَا اور سورۃ اعراف آیت ۱۳۷ میں اَوْرَثْنَا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی یہاں جنتی زمین کی ملکیت کا ذکر اور اعراف میں دنیوی وراثت سے ملکیت کا ذکر ہے۔ اسی لیے سورۃ رعد کی آیت ۵۵ میں صرف خلیفہ بنانے کا ذکر ہوا۔ اَوْرَثْنَا۔ یا یَرِثُهَا۔ نہ فرمایا گیا۔ لہٰذا سعودی بادشاہ کا یہ کہنا کہ میں سعودی سرزمین کا مالک ہوں اور کسی کو مالک نہ بننے دینا اسلام کے خلاف اور سراسر ظلم ہے تیسرا مسئلہ اہل جنت جنتی زمین کے با اختیار مالک ہوں گے۔ مگر جہنمی لوگ جہنم میں کسی چیز کے مالک نہ ہوں گے یہ مسئلہ یَرِثُهَا فرمانے سے ملکیت کا ثبوت ہوا۔ سورۃ زمر کی آیت ۷۴ میں نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ سے اختیار ثابت ہوا مگر جہنمیوں کے لیے یہ کوئی بات کہیں نہ فرمائی گئی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ نبی کریم رحمۃ عالمین ہیں۔ تو اگر یہ صحیح ہے تو پھر آپ نے تلوار کیوں اٹھائی جنگیں کیوں کیں لشکر خونخوار کیوں تیار کیا۔ (غیر مسلم) جواب) آپ کی تلوار بھی رحمت تھی اس نے تین کام کئے ۱ ظالموں سے مظلوموں کو بچایا زمین سے فساد مٹایا۔ جھگڑا چکایا کفر کو دبایا ۲ ضدی کافروں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا اور ابدی رحمت کو پالیا مزید ظلم سے خود کو بچا لیا۔ ۳ ازلی تقدیر مبرم والے کفار اور عارضی تقدیر معلق والے کفار میں تفریق کر دی اسی طرح کہ عارضی کافر مسلمان ہو گئے۔ اور ازلی کافر یا قتل ہوئے یا ملک بدر کئے گئے یا دب گئے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صرف واحد ہونا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو بے شمار ہیں۔ یہاں اِنَّمَا نہ فرمانا چاہیئے تھا۔ جواب۔ یہ اعتراض دو وجہ سے قطعاً غلط ہے اوّلاً اس لیے کہ واحد ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ ذات باری تعالیٰ واحد ہے نہ کہ صفات باری تعالیٰ دوم یہ کہ یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اور اس کا مقصد شرکیہ عقیدے کی نفی و تردید ہے اور فَهَلْ اَنْتُمْ کی ف بتا رہی ہے کہ ف

کے ماقبل کو ماننا مابعد پر واجب ہے۔ یعنی اے مشرکو تم پر فورًا واجب ہے کہ تم جلدی بلا مہلت اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے پر ایمان لاؤ۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ یعنی میری طرف صرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے حالانکہ وحی تو بہت سی قسم کی کیگئی تھی۔ احکامِ شریعت، طریقت نصائح، حکمت دعائیں، وظیفے۔ قصص تصوف جواب یہ حصر اس لیے فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اصلِ دین توحید باری تعالیٰ ہے باقی احکام اس کی فرع ہیں اِلَیَّ بتا رہا ہے کہ توحید وہی معتبر ہے جو رسالت کے ذریعے ملے۔ یعنی اسلام نام ہے توحید و رسالت کا دوم یہ کہ یہاں حصر شرک کے مقابل ہے۔ یعنی الٰہیت سے متعلق فقط یہی وحی آتی ہے کہ ایک ہی معبود ہے۔ دیگر آیتِ وحی۔ الٰہیت سے متعلق نہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ ان آیات کی تفسیرِ صوفیانہ آیت ۱۱۲ کے بعد ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ

بے شک وہ اللہ جانتا ہے بلند آوازوں کو اور جانتا ہے ان تمام کو

بے شک اللہ جانتا ہے آواز کی بات اور جانتا ہے

مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ

جو کچھ تم چھپاتے ہو، اور میں کیا جانوں شاید یہ ڈھیل آزمائش ہی ہو

جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری جانچ ہو

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ

تمہاری اور نفع دینا کچھ مدت تک ، عرض کیا اے میرے رب ظاہر فرما دے

اور ایک وقت تک برتوانا، نبی نے عرض کی کہ اے میرے رب

بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ

حق کو اور ہمارا رب وہ رحمٰن ہے جس سے مدد مانگی ہوئی ہے

حق فیصلہ فرما دے اور ہمارے رب رحمٰن ہی کی مدد

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

ان تمام بدعقیدگیوں پر جو تم بناتے پھرتے ہو

درکار ہے ان باتوں پر جو تم بناتے ہو

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیات مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بندوں کے ذاتی علم کی نفی فرمائی گئی کہ محبوب کی زبان سے کہلوایا گیا۔ کہ میں کیا جانوں وہ قیامت قریب ہے یا دور۔ اب اِن آیت میں رب تعالیٰ کے ذاتی علم کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ وہ مولیٰ تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں قیامت کے علم ذاتی کی نفی کرائی گئی۔ اب اِن آیت میں دنیوی زندگی اور عیش و آرام کی وجہ کے علم کی نفی کرائی گئی۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اُن باتوں کا ذکر ہوا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمائیں اب اِن آیت میں ان باتوں کا ذکر ہے۔ جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مولیٰ تعالیٰ سے عرض کیں۔

تفسیر نحوی اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ اِنَّ حرف مشبہ ۂ ضمیر منصوب متصل کا مرجع اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ہے اسم ہے اِنَّ کا يَعْلَمُ باب سَمِعَ کا مضارع حال معروف مثبت واحد مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا، اَلْجَهْرُ اسم معرفہ باللام مصدر عامل ہے بمعنیٰ زور سے بولنا۔ آواز کرنا، مِنْ حرف جر بیانیہ ہے یا زائدہ اَلْقَوْلِ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ باتیں الف لام استغراقی ہے یعنی تمام باتیں ہر قسم کی یہ جار مجرور متعلق ہے جَهْرَ۔ مصدر کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہوا يَعْلَمُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ يَعْلَمُ فعل یا فاعل مَا اسم موصول اصلاً

غیر قصن والوں کے بیے ہوتا ہے مجازاً اَنْ کے معنیٰ میں بھی اکثر آجاتا ہے یہاں اصلی معنیٰ میں ہے مراد ہے پوشیدہ خفیہ آہستہ باتیں۔ یاکاتم یَكْتُمُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر زمانہ حال یا زمانہ مطلقہ (حال مستقبل)، کَتْم سے بنا ہے بمعنیٰ چھپانا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا پہلے یَعْلَمُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سیر جملہ اِنْ حرفِ نفی۔ نفی اظہار کے بیے ہوتا ہے یہ حرف ہر جملہ پر آجاتا ہے مگر کسی مشتق کو (فعل ہو یا اسم) منفی نہیں بناتا نہ کسی جملے کی جز بنتا ہے نہ یہ عاملہ ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ ہی نفی کا معنیٰ پیدا کرتا ہے۔ مثلاً اس کا لفظی ترجمہ اس طرح ہوگا کہ یہ بات نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں کہیں ترجمہ ہوگا ایسا کچھ نہیں۔ یا ایسی کوئی بات نہیں کہ فلاں ایسا ہے۔ عام طور پر کسی راز کو چھپاتے کے وقت کسی مصلحت یا حکمت کی بنا پر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مجددِ بریلوی نے اُردو میں جو اس کا ترجمہ (میں کیا جانوں) کیا ہے اس سے بہتر اور کوئی ترجمہ نہیں ہو سکتا گویا کہ بہت لمبی تشریح کو ایک فقرے میں سمو دیا ہے۔ سُبْحَانَ اللہ جن لوگوں نے اِنْ اَدْرِیْ کا ترجمہ میں نہیں جانتا کیا ہے ان کی جہالت عیاں ہے انہوں نے۔ لَا اَدْرِیْ اور اِنْ اَدْرِیْ فرق نہیں جانا۔ خیال رہے کہ عربی میں حروفِ نفی آٹھ عدد ہیں مگر سب میں فرق ہے ۱۔ حرفِ مَا یہ ہر ماضی فعل کو منفی کرتا ہے ۲۔ لَا۔ یہ فعل حال کو منفی بناتا ہے ۳۔ حرفِ لَنْ فعل مستقبل کو منفی بناتا ہے تاکید کے ساتھ ۴۔ لَمْ فعل مستقبل کی ماضی زمانے سے نفی کرتا چلا آتا ہے اور نفی میں تجدید پیدا کرتا ہے یعنی جانتے بوجھتے گزشتہ سے آئندہ تک ایسا نہیں ہوگا ۵۔ لَمَّا اسم مشتق یا جامد یا فعلِ ناقص کو منفی بناتا ہے لَیْسَ ماضی کے مشابہ ۶۔ حرف لَسْتُمْ بِلَیْسَ۔ زمانۂ حال میں نفی ناقص کرتا ہے ۷۔ لائے نفی جنس کسی جامد کی پوری جنس و نسل کی نفی کرتا ہے ان تمام حروف سے مابعد کی حقیقی و اصلی نفی ہو جاتی ہے ۸۔ حرف اِنْ نافیہ اس سے مابعد مدخول کی حقیقی نفی نہیں ہوتی صرف اظہار کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ اَدْرِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد متکلم با فاعل پوشیدہ اس کا مادہ مصدر دَرْیٌ ہے اور دَرَایۃٌ بمعنیٰ عقل سے جاننا۔ محدثین کی اصطلاح میں بھی روایت کے ساتھ درایت کا لفظ مستعمل ہے وہاں معنیٰ یہ ہے کہ صحیح روایت وہ جس کی سند یعنی سلسلۂ رُوات بالکل درست ہو۔ صحیح درایت وہ جس کا متن یعنی الفاظِ حدیث

بالکل درست یعنی قرآن مجید اور مشاہیر و متواتر احادیث کے مطابق ہو۔ علم اصول حدیث میں
پندرہ چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ اُس کا اسم اِسی کا مرجع بَعِیْدٌ
ہے فِتْنَۃٌ اسم مصدر فَتْنٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ چھانٹنا پرکھنا، اچھے برے کو علیحدہ کرنا اس
لحاظ سے اصطلاح میں اس کے پانچ معنی ہیں ۱۔ آزمائش کرنا ۲۔ فساد ڈالنا ۳۔ کسی پر
تسلط و غلبہ کرنا ۴۔ خانہ جنگی کرنا ۵۔ مصیبت ڈالنا۔ ان تمام چیزوں سے قوم پٹ جاتی ہے
اس لیے ان کو فتنہ کہا گیا یہاں یعنی آزمائش ہے یہ مصدر عامل ہے لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے
اسی مصدر کا دونوں شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَتَاعٌ اسم مصدر مزید فیہ مَتَّعَ سے
بنا یعنی نفع دینا پہنچانا اِلٰی حِیْنٍ۔ اسم مفرد جامد نکرہ یعنی زمانہ۔ مدت۔ مجرور ہو کر متعلق ہے
مَتَاعٌ مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے فِتْنَۃٌ پر دونوں عطف مل کر خبر
ہے لَعَلَّ کی لَعَلَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا اَدْرِیْ کا یہ سب مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ قٰلَ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ ۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی
مَا تَصِفُوْنَ ۔ قٰلَ دراصل قَالَ ہے باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب قَوْلٌ سے
مشتق ہے یعنی کہنا فرمانا عرض کرنا یہاں یعنی عرض کرنا ہے مصحف عثمانی میں اس کو کھڑے
زبر اور حذف الف سے قٰل لکھا ہے اس لیے یہی لکھائی مشہور ہے مگر جائز دونوں طرح
ہے ایک قرأت میں قُلْ امر ہے رَبِّ اصل میں یَا رَبِّیْ ہے اے میرے رب تخفیف کے لیے
یا ندائیہ اور یاء متکلم کو حذف کر دیا یاء متکلم کا قرینہ دال ثانی کسرہ ہے اور یا ندائیہ
کا قرینہ ابتداء کلام کی اضافت ہے رَبِّ اپنے پوشیدہ مضاف کے ساتھ منادیٰ ہے
ایک قرأت میں رَبُّ ہے ترکیب و اصلیت یہی ہے اس لیے کہ منادیٰ معرفہ ہو تو
مبنی ہوتا ہے ضمہ پر اُحْکُمْ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر ایک قرأت میں اِحْکِمْ
باب ضَرَبَ کا امر حاضر حُکْمٌ سے مشتق ہے یعنی فیصلہ فرمانا ظاہر کر دینا یہاں ظاہر کرنا ہے
بِ حرف تعدیہ جارہ یعنی کو اَلْحَقّ ۔ اسم مفرد معرفہ یعنی فیصلہ حق بات یہ جار مجرور متعلق
ہے اُحْکُمْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا ہوا۔ یاء ندائیہ پوشیدہ
اپنے منادیٰ و جواب سے ملکر جملہ ندائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَبّ مضاف نا ضمیر
جمع متکلم مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے لوگ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے
اَلرَّحْمٰنُ موصوف اَلْمُسْتَعَانُ باب استفعال کا اسم مفعول واحد مذکر اصل میں ہے

اَلْمُسْتَعْوَنُ واؤ متحرک ماقبل حرف صحیح ساکن واؤ کی حرکت زبر ماقبل کو دی اور واؤ الف سے بدل گئی اس کا مصدر اِسْتِعْوَانٌ ہے تعلیل کے بعد ہوا۔ اِسْتِعَانَۃٌ بمعنی مدد مانگنا عَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی مدد دینا، لینا۔ ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا نائب فاعل۔ مرجع ہے رَحْمٰنُ عَلٰی حرف جر فوقیت کا مَا اسم موصول تَصِفُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع جمع مذکر حاضر وَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنی متصف کرنا صفت اور کیفیت و حالت بیان کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے کفار مکہ یا تمام کافر یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور ہوکر متعلق ہے مُسْتَعَانُ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے اَلرَّحْمٰنُ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا رَبُّنَا کی دونوں مل کر معطوف ہے رَبِّ کے جملہ ندائیہ پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ ایک قرأت میں ہے قَالَ رَبِّیْ اَحْکَمُ، اسم تفضیل مذکر ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ میرے عقلی اندازوں کی تو نفی ہے۔ لیکن میرے رب تعالیٰ کا علم قدیم بہت وسیع محیط ہے وہ خالق کائنات سب بلند آوازوں کو بھی جانتا ہے اور اے خفیہ منصوبے مشورے بنانے والو مشرکو کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہارے ظاہر پوشیدہ کرتوت کو وہ اللہ خبیر و علیم نہیں جانتا یہ بات یہ گمان باطل ہے۔ وہ تو تمہارے ان تمام قول و فعل کو بھی جانتا ہے جو تم بہت ہی چھپا کر سوچتے بناتے اور کرتے کہتے ہو انتہائی رازداری اسلام۔ قرآن۔ اللہ رسول اور اہل ایمان کے خلاف آپس میں باتیں کرتے ہو مجلسیں جماتے محفلیں سجاتے مشورے سناتے ہو۔ اتنی دشمنی مخالفت فتنہ سازی کے باوجود تم پر نہ عذاب آتا ہے نہ عتاب نہ قہر نہ زوال۔ تم لوگ نہ جانے اس ڈھیل کو کیا سمجھتے ہو جس کی بنا پر مغرور و مفرور ہوئے پھرتے ہو دین اور دین والوں کا مذاق اڑاتے ہو اور یہ دھوکہ کھائے بیٹھے ہو کہ اگر ہم غلط ہوتے تو ہم پر عذاب آجاتا۔ وَاِنْ اَدْرِیْ۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ دیری عذاب کیوں ہے۔ اس ذات کریم کی طرف سے شاید آزمائش ہے تمہاری یا ڈھیل ہے یا مہلت یا امتحان اور دنیا کے ساز و سامان پر کیا اترانا یہ تو صرف موت

تک تھوڑا سا نفع اور مزہ لینا ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ فتنے کے چار معنیٰ ۱ مہلت ۲ ڈھیل ۳ ابتلا ۴ امتحان۔ فتنہ کسی کے لیے مفید ہو جاتا ہے کسی کے لیے نقصان دہ اگر آزمائش میں بندہ درست رہے تو فائدہ مند اگر ڈھیل ہو تو نقصان اگر فتنہ مہلت بن کر آئے تو رب تعالیٰ کی اس بندے پر مہربانی، اور اگر امتحان بن کر آئے تو بڑی احتیاط اور کامیابی کی کوشش اور دعا تاکہ ناکامی نہ ہو یہ دنیوی زندگی بہت محتاط رہنے کی گھڑی ہے کیونکہ ایک بار ہی ملتی ہے۔ قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔ اتنے سمجھانے کے باوجود جب پھر بھی سرداران مکہ اور دیگر کفار عرب کفر سے نہ رکے بلکہ اہل ایمان کے خلاف ان کے ظلم ایذائیں شرارتیں بڑھتی ہی گئیں تب ہمارے نبی نے ہم سے دعا عرض کی کہ اے مولیٰ ان پر میری رحمت وشفقت والی تبلیغ اثر نہیں کرتی۔ اب تو ہی وہ حق فیصلہ فرما دے جس سے ان کو عقل آئے اور حیات دنیوی کا فتنہ ان کے لیے مہلت مفیدہ بن جائے اور یہ بندے بن کر تیری وحدت میری رسالت کے آستانے پر آجائیں۔ اسلام کے دامن میں قرآن کے سائے میں پناہ لیں۔ اور کفار سے فرمایا کہ اے دنیا کے عیش وعشرت میں مبتلا لوگو تم کو تو اپنی سرداری، دنیاداری۔ سازوسامان، چرب زبانی۔ افرادی قوت امدادی دولت پر ناز وغرور ہے۔ مگر ہم کو صرف اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اور ہمارا رب کریم رحمٰن بھی ہے مستعان بھی ایسا کہ مہد سے لحد تک ہر مومن اس سے مدد کا طلب گار ہے دعاؤں التجاؤں، فریادوں، آرزوؤں، تمناؤں میں اسکی طرف نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔ تم جو اللہ رسول قرآن، اسلام کو اپنی لغویات کفریات وہمیات، تخیلات سے موصوف کرتے رہتے ہو اور اہل ایمان کا دل جلاتے دکھ پہنچاتے ہو۔ ہم ان خرافات کو مٹانے ہٹانے کے لیے بھی اپنے رب رحمٰن سے معاونت مانگتے ہیں۔ وہ ذات رحیم وکریم تدبیر وقدیم ہمارا مستعان ہے۔ کفار عرب رب تعالیٰ کے لیے کہتے تھے کہ اس نے اپنے بیٹے بیٹیاں بنائیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہتے کہ وہ شاعر وجادوگر ہیں۔ قرآن مجید کو قصے کہانیاں افسانے کہتے اسلام کے بارے میں کہتے پھرتے کہ یہ چند دن کا کھیل ہے جلدی ختم ہو جائے گا پھر ہمیں آرام ملے گا۔ اور ہمارا عروج سدا رہے گا۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ ۱ مِنَ الْقَوْلِ ۔ کے معنی ہیں

دو قول بعض نے کہا کہ اس کے معنیٰ ہیں صرف باتیں کرنا۔ مگر بعض نے کہا کہ اس سے قول و فعل دونوں مراد ہیں کیونکہ باتوں کے ذریعے ہی ہر کام کرایا جاتا ہے۔ زبانی مشورے پہلے ہوتے ہیں کام بعد میں۔ معنیٰ یہ کہ بلند آوازی کی باتیں مشورے اور مشوروں کے مطابق عمل سے ظاہری کام ۲ مَا تَكْتُمُوْنَ میں دو قول۔ ایک یہ کہ ہر خفیہ کام کلام۔ دوم یہ کہ کفار کے خفیہ منصوبے، سازشیں ۳ اِلٰى حِيْنٍ میں تین قول ایک یہ کہ اس سے مراد ہر کافر کی طبعی موت دوم یہ کہ اس سے مراد اسلامی جنگ جہاد فتوحات تک کی مہلت ڈھیل پھر یا قتل یا ذلت کی زندگی۔ سوم یہ کہ اس سے مراد قیامت تک کی مہلت ہے مگر پہلا قول درست ہے ۴ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ کے قول متعلق میں دو قول۔ ایک یہ کہ یہ پورا جملہ کفار کے لیے دعا ہے یعنی ان کو عقل و ہدایت ملے دوم یہ کہ یہ جملہ کفار کے لیے بددعا ہے اس لیے کہ جہاد کی اجازت مانگی جا رہی ہے جس سے کفار کی ذلت و ہلاکت ہو۔ یہ بددعا قبول ہوئی اور جہاد کی اجازت ملی تب بدر، اُحد، حنین، خندق۔ وغیرہ جنگیں ہوئیں اور کفار کا آخری انجام ہوا۔ یہی فیصلہ بالحق تھا ۵ رَبِّ احْكُمْ میں دو قول۔ ایک یہ کہ پہلے قٰلَ فعل ماضی کا مقولہ ہے جس سے مل کر قول مقولہ جملہ خبریہ ہے۔ یہی مشہور قرأت ہے دوم یہ کہ یہ قُلْ کا مقولہ ہے۔ در اصل عبارت یہ ہے۔ قُلْ رَبِّ احْكُمْ اور جملہ انشائیہ ہے کیونکہ قُلْ فعل امر ہے ۶ رَبِّ میں تین قرأتیں پہلی رَبِّ یہی مشہور ہے دوم رَبُّ منادیٰ مفرد ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اس لیے ضمہ (پیش) آیا۔ سوم یہ رَبِّی ہے ۷ اُحْكُمْ میں تین قرأتیں ایک یہ کہ فعل امر ہے یہی مشہور ہے دوم یہ کہ یہ اَحْكَمُ اسم تفضیل مذکر ہے۔ سوم یہ کہ اَحْكَمَ ہے باب افعال کا فعل ماضی ۸ بِالْحَقِّ کے معنیٰ میں دو قول۔ ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے مضبوط اور آخری انجام والا تقدیرِ مبرم کا فیصلہ ظاہر و نافذ فرما دے دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے عدل مگر پہلا قول درست ہے ۹ تَصِفُوْنَ میں دو قول ایک یہ کہ یہ تَصِفُوْنَ ہے دوم یہ کہ يَصِفُوْنَ ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی زندگی کفار کے لیے ڈھیل ہے اور فساق کے لیے عبرت ہے ملحدین کے لیے مہلت۔ لہٰذا۔ کافرین کے لیے باعثِ عذاب، فاسقین کے لیے یہ زندگی باعثِ عتاب اور صالحین کے لیے باعثِ ثواب کہ وہ اعمالِ خیر کا ذخیرۂ آخرت جمع

کر بلس زیادہ سے زیادہ۔ یہ فائدہ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ سے حاصل ہوا کیونکہ یہ جملہ ہر بندے کے لیے قول و عمل سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات کو جانتا ہے اس لیے اس عبارت میں سب مراد ہیں اور اگلے کلام میں کفار سے ہی خطاب ہے کیونکہ وہی لوگ خفیہ سازشیں کرتے تھے۔ یہاں مطلق الفاظ ہیں وہاں تَكْتُمُوْنَ خطاب کا صیغہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کو یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے خاص کر فاسقین غافلین کو جو عقیدۃً تو اللہ تعالیٰ کے جاننے کو بھی مانتے ہیں اور اس کو حاضر و ناظر بھی سمجھتے ہیں مگر عملاً منکر ہیں اگر عملاً بھی مومن بن جائیں تو کبھی خفیہ بھی گناہ نہ کریں۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا کی چیزیں صرف کفار کے لیے عارضی، وقتی۔ فانی متاع ہیں۔ مومن کے لیے یہی دنیوی اشیا دائمی ابدی متاع اور نفع بخش ہیں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی کیونکہ مومن بندہ دنیا کی چیزوں کو اپنے لیے اسبابِ اعمالِ صالحہ اور ذریعۂ عبادت بنا لیتا ہے۔ تو رب تعالیٰ قبول فرما کر انہی دنیوی اشیاء کو آخرت میں باعثِ ثواب بنا دیتا ہے یعنی یہ متاعِ دنیا، مومن کے لیے دنیا میں اعمال کے لیے آخرت میں ثواب کے لیے یہ فائدہ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ میں لَكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی اے کافرو یہ دنیوی اشیاء صرف تمہارے لیے مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ہے۔ مومنین اسی دنیا سے رب تعالیٰ کی رضا، جنت کی قضا حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لیے تمہارے لیے یہ دنیا باعثِ فنا ہے اور ان کے لیے باعثِ بقا ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق دینی دشمن کے لیے بددعا کرنی جائز جبکہ اس کی حرکتوں سے دین اور تبلیغِ دین کو نقصان پہنچ رہا ہو فتنہ فساد پھیل رہا ہو۔ اس لیے کہ ایسا دشمن موذی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ ہر نفع دینے والی چیز شریعت میں متاع ہے۔ اور نقصان دینے والی چیز متاع نہیں ہے۔ خواہ دنیوی نفع ہو یا دینی۔ اسی طرح دینی چیز کہلاتی ہو یا دنیوی۔ اس دنیا میں عام استعمال کی چیزیں دو قسم کی ہیں۔ بعض حلال بعض حرام حلال اشیا۔ فائدہ ہی دیتی ہیں دنیوی ہو یا دینی یہاں تک کہ کافر کو بھی مومن کو بھی اگرچہ کفار غور و فکر سے نہ سمجھیں۔ اور حرام اشیاء ہمیشہ ہر ایک کو نقصان ہی دیتی ہیں بندہ

کافر ہو یا مومن حرام چیزوں میں نہ شفا نہ نفع نہ رحمت نہ برکت اس لیے حرام اشیا کو متاع نہیں کہا جاتا۔ متاع کا لغوی معنی ہے۔ نفع والا سامان یہ مسئلہ۔ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دنیوی حلال چیزیں کفار کے لیے متاع ہیں۔ اگرچہ تھوڑی مدت کے لیے ہوتا۔ یعنی مرنے تک۔ حرام اشیا کو متاع نہیں فرمایا۔ تیسرا مسئلہ علماءِ علم عقائد فرماتے ہیں کہ گناہ کرنا تو حرام ہے مگر گناہ کا عادی ہو جانا کہ علانیہ گناہ کرتا پھرے نہ خوف رہے نہ شرم وحیا۔ یہ حرام بھی ہے بدعقیدگی بھی اور گمراہی بھی۔ صرف گناہ سے بندہ فاسق بنتا ہے مگر عادتِ گناہ سے فاسق معلن اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ جو بدبخت انسان گناہ کرنے میں بے غیرت اور بے خوف ہو جائے اور علانیہ گناہ کرتا پھرے وہ یقیناً۔ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ۔ اور اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ۔ پر عقیدہ نہیں رکھتا اور اپنے عمل سے اپنی اسی بدعقیدگی کا اقرار کرتا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ مفسرین کے نزدیک یہ جملہ بد دعا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام کے لیے رحمت ہی ہیں۔ اور بد دعا دینا رحمت کے خلاف ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے لیے بد دعا کیوں فرمائی۔ جواب۔ اولاً تو اس میں ہی اختلاف ہے کہ یہ جملہ دعا ہے یا بددعا کچھ علماءِ تفسیر فرماتے ہیں یہ جملہ دعا ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر میں وضاحت کر دی۔ کچھ علماءِ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ بد دعائیہ جملہ ہے۔ اگر پہلا قول مانا جائے تب تو اعتراض ہی ختم ہو گیا۔ لیکن اگر اس کو بد دعا ہی کہا جائے تب بھی یہ بد دعا رحمت ہونے کے خلاف نہیں بلکہ اس انداز کی بد دعا میں بھی رحمت کی جھلک ہے۔ اس لیے کہ بد دعا ہلاکت یا لعنت یا آسمانی ناگہانی عذاب کی نہیں بلکہ جہاد کی اجازت اور جنگ مسلط کرنے کی ہے۔ جس میں دو طرفہ تیاری کی مہلت دونوں طرف سے مقابلہ، قتال اور طاقت آزمائی ہوتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی تائیدِ غیبی یہ فیصلہ فرماتی ہے کہ حق پر کون ہے۔ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ میں اسی تائیدی حق فیصلے کی طلب ہے اب چاہے تم اس کو دعا کہو یا بد دعا بہر حال جنگ میں دو طرفہ مکمل کر تیاری لشکر سازی اور سوچنے سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے ناگہانی کچھ نہیں ہوتا

اور کفار کو اس قسم کی جنگوں سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ حق یہ ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ کی تائید ہے اسی طرح ساز و سامان لشکرِ جرار والے کفار اُن مسلمانوں کے ہاتھوں چند گھنٹوں میں ذلت آمیز شکست کھا گئے جو تھوڑے بھی تھے کمزور بھی نہتے بھی اور محض تائیدِ الٰہی سے وہ فتح پا لیتے ہیں جو اسلام کو ماننے والے ہیں۔ اسی طرح کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ بِالْحَقِّ ہو جاتا ہے یہ کہ اے کافرو اسلام سچا ہے تمہارا دین شرک باطل ہے یہی کچھ اس بد دعا میں تھا کہ فقط فیصلہ مانگا گیا تھا نہ کہ آسمانی عذاب یا ناگہانی ہلاکت اور یہی بات قبول ہوئی کہ جنگِ بدر میں اُسی انداز سے حق و باطل کا فیصلہ کیا گیا جس سے باقی ماندہ کفار کا دل و دماغ قائل ہو گیا اور اُن کی عقلوں نے تسلیم کر لیا کہ اسلام سچا دین ہے۔ اور پھر کیا نتیجہ نکلا یہی کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فوجیں بن بن کر اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اُن کی عقلیں حیران تھیں کہ تھوڑے سے تین سو تیرہ ۳۱۳ افراد کا بے سر و سامان کمزور لشکر فتحیاب ہوتا ہے اور کفار کا کثیر و مضبوط ہتھیار بند لشکر شکست کھا جاتا ہے سب جان گئے کہ یہ فتح طاقت کی نہیں بلکہ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ کی قبولیت سے تائیدِ الٰہی کی ہے اس شکست نے کفار کو بتا دیا کہ اسلام حق ہے اس بد دعا سے یہی مقصود تھا۔ اور یہ بد دعا بقیہ زندہ کفار کے لیے رحمت ہی تھی کہ ان کو اسلام قرآن رضاءِ رحمٰن کی دولت مل گئی۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ۔ ہمارا رب رحمٰن ہے۔ رحمٰن تو سب کا رب ہے پھر صرف اپنا رب کیوں کہا؟ جواب۔ اس کے دو جواب ایک یہ کہ رَبُّنَا سے مراد ہے ہم سب مخلوق کا رب اب اس میں کوئی اعتراض نہ رہا کیونکہ سب کافر مومن شامل ہو گئے۔ جوابِ دوم یہ کہ حقیقت میں تو رحمٰن، سب کا ہی رب ہے مگر یہاں ماننے والوں کا ذکر ہے کفار تو رحمٰن کو مانتے ہی نہیں۔ اس لیے ماننے والے تو اُن کے سامنے اپنا ہی رب کہیں گے۔ نیز اپنا رب یا ہمارا رب کہنے میں دوسروں کا رب ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر اعتبار سے یہ اعتراض غلط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور البتہ بے شک ہم نے ازلِ قدیمی فیصلۂ کُنْ فَیَکُوْنُ سے ہر مومن کے زبورِ قلب پر لکھ دیا ہے۔ توریتِ عقل پر لکھنے

کے بعد کہ بے شک اہلِ ایمان کی زمینِ بدنی رہی ہے جس کے وارث اعضاءِ صالحہ اور قوائے محمودہ ہوں گے نورِ سکینہ کے ہتھیاروں سے مزین ہو کر فاسقینِ جسمانی کو ہلاک کرنے کے بعد عبادات جلوت، ریاضاتِ خلوت کی فتوحاتِ مسلسل کے ذریعے اہلِ سلوک کے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ سات بندے ہیں ۱ روحِ طاہر ۲ سِرِّ وافر ۳ قلبِ ماہر ۴ عقلِ شاطر ۵ نفسِ لاغر ۶ اعضاءِ سائر ۷ سالکِ ظاہر مستقیم فانی الوحدت۔ بے شک اسی کتابِ روحانی میں ہر طرح کی کفایت و معرفت ہے اس قوم حقیقی کے لیے جس نے منزلِ مراد کی راہِ طلب میں ہر ہر قدم پر اپنے مولیٰ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عمر گزاری اے حبیب اپنے مخلصین کے لیے ہم نے آپ کی رحمت بھیجی جو عٰلَمِیْن کے لیے ایسی رحمتِ عظیم ہے کہ مخلصین کو کمالِ مطلق کی طرف ہدایتِ عرفانی عطا فرمائے اور بارگاہِ رحمٰنِ قدیم کا قرب دلائے۔ عذابِ قہر و سزا و عتاب سے بچائے یہ خزانۂ قدرت ہے جس نے ہر غضب کو پیچھے کر دیا یہی وہ رحمت ہے جو سب پر سبقت اور غلبہ رکھتی ہے تا قیامِ قیامت اس لیے کہ اس رحمتِ عالمین کے پاس شریعتِ عدل بھی ہے۔ شریعتِ فضل بھی۔ شریعتِ عمل بھی۔ چنانچہ قرآنِ مجید سورۂ شوریٰ کی آیت ۴۰ میں ارشاد ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی ہر برائی کا بدلہ اس کے برابر ضرور دو۔ تاکہ دنیا میں عدل قائم رہے یہ شریعتِ عدل ہے ظالم کو معاف کرنا بذاتِ خود ظلم ہے۔ آگے اسی آیت میں ارشاد ہے فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جو شخص معافی مانگنے والے ذاتی دشمن کو معاف کر دے اور عاجز و کمزور سے صلح کرے تو اس کا اجر قیامت میں اللہ کے پاس ہے یہ شریعتِ فضل ہے۔ یہاں ارشاد ہے اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ یعنی ہر خواہش مند عبادت کے لیے البتہ بے شک اس قرآن حکیم میں عملِ صالح کے لیے کفایتِ تامہ ہے۔ یہ شریعتِ عمل ہے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ توریت میں صرف شریعتِ عدل تھی زبور میں صرف شریعت عمل تھی۔ انجیل میں صرف شریعت فضل تھی مگر قرآن کریم میں یہ تینوں شریعتیں اپنی تکمیل سالمیت کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ قرآن کریم سورۂ نحل آیت ۱۲۶ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ یعنی اگر کسی ظالم کے ہاتھوں تم ایذا پہنچائے گئے ہو تو تم بھی طاقتور بن کر بالکل اسی ظلم کے برابر اس کا بدلہ لو۔ نہ بزدل بنو نہ کمزور۔

یہ شریعتِ عدلِ اسلامیہ تامہ ہے۔ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔ یہ شریعت فضل ہے کہ عاجزی اور معافی مانگنے والے کو معاف کر دینا یا اگر مظلوم کو طاقت نہ ملے گی تو صبر کر لینا بھی بڑے اجر کا باعث ہے اور سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۸۰ میں ارشاد ہے۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یعنی غریب تنگ دست قرضدار کو مہلت دینا تنگ دستی دور ہونے تک یہ بھی اسلام کی عملی عبادت ہے لیکن اگر تم امیر ہو اور سچے واقعی حقیقی تنگ دست کو قرضہ صدقہ کر دو تو تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ یہ اسلام کی شریعت عملی ہے (روح الدین مع زیادت) اکابر نے فرمایا کہ سورۃِ مائدہ کی آیت ۲ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی تفسیر ہے سورۃِ انبیا کی یہ آیت اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ تفسیر نیشا پوری میں ہے کہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ۔ ہم نے اپنے قلمِ قدرت سے سینۂ عارف کے زبورِ عمل میں یہ لکھ دیا کہ بے شک وجودِ حقیقی کی زمینِ جنت میرے اُن صالحین۔ لائقین۔ قابلین۔ عاشقین بندوں کے لیے ہے جن کے وجود آسمانی کو فطرت کی بلندیوں پر پھیلا یا گیا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جسمانیتِ غیر مستقر و غیر ثابت و قائم وجودِ مجازی کا آسمان ہے۔ اور روحانیاتِ مستقر ثابت و قائم وجودِ حقیقی کی زمینِ پرسکون ہے۔ وہ عارفین ہی اس کے لیے وارث و مالک ہیں جو ہر خواہش و لذت سے علیحدہ ہو کر دامنِ رحمۃٌ لّلعٰلمین۔ میں پردہ پوش ہیں۔ اے حبیب کریم ہم نے ہی آپ کو رحمتِ عالمین کے لیے بھیجا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ تو نہ ہوتا تو نہ ہوتا۔ سب جہانوں کا نظام۔ اس لیے

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر ؛ کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ وَاِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ مسلکِ صوفیا میں جنت کے وارث دو قسم کے ہیں۔ ایک گروہ صالحین کا دوسرا گروہ عاشقین کا۔ صالحین باقی با عبادت ہیں اور عاشقین فانی فی الوحدت ہیں۔ صالحین کی بھی چار قسمیں عاشقین کی بھی۔ صالحین ۱ عابد ۲ زہاد ۳ ابرار ۴ اخیار یہی خوش بخت برِ نعمتوں کے انعام یافتہ ہیں اس لیے کہ یہی لوگ عوضِ ریاضت ثواب

عبادت درجاتِ جنت کے اہل ہیں عاشقین ۱ اہلِ معرفت ۲ اہلِ محبت ۳ اہلِ شوق ۴
اہلِ ذوق۔ جنت میں ان کی خصوصی میراث جلالِ ازلی کا مشاہدہ ہے اس لیے کہ حیاتِ
دنیوی میں ہمیشہ تمام عمر ربوبیت کے مشاہدے میں رہتے ہیں۔ دیگر اہلِ جنت عبدیت
کے مشاہدے میں رہتے ہیں کیونکہ صٰلحین بالعبادت نے خود کو عبادت ریاضت کی طرف
منسوب کر لیا اور لیاقت کے زیور سے آراستہ ہو گئے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
حدیثِ قدسی کا ارشادِ ربانی بیان فرمایا کہ میرے لائق صرف وہ ہے جو خالص میرا ہو
نہ کہ میرے غیر کا۔ منقول ہے کہ جنہوں نے اپنے سر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست کر لیا
اور غیر اللہ سے بالکل جدا ہو گئے یہی وارثینِ ارضِ اللہ اور لائقین لقاءِ اللہ ہیں۔ شیخ
مغربی کا شعر ہے۔

بجو در دلِ ما غیر دوست زانکہ نیابی   چنانچہ در دلِ ایاز جز محمود نباشد

اِس سورۃ میں بارہ چیزیں بلاغًا ہیں ۱ اخبریں ۲ مواعظِ حسنہ ۳ وعدے ۴ وعیدیں ۵
توحیدِ الٰہی ۶ رحمتِ مصطفائی ۷ انبیا علیہم السّلام کا ذکرِ تمامی ۸ براھینِ الھامی
۹ کفالتِ دائمہ ۱۰ بشاراتِ قائمہ ۱۱ بلاغتِ کاملہ ۱۲ فصاحتِ راشدہ
یہ دولتیں صرف ہمت والے عابدین حاصل کر سکتے ہیں اُن کے لیے ابدی کافی ہیں۔ نہ کہ
عادت والے غافلین۔ اے مرشدِ غٰلبین فرما دے اِن دنیوی سہاروں پر بھروسہ
کرنے والوں سے کہ میری طرف یہی وحی فرمائی گئی ہے کہ تم سب کا سہارا۔ دادرس
فریادرس فقط ایک ہی معبود ہے۔ اس لیے صرف زبانی نہیں۔ بلکہ کیا دل جان کے عمل و
کردار قول و اقرار سے مسلمان بنتے ہو۔ اگر اب بھی یہ غافلین دنیا پرست منہ پھیریں تو
فرما دو کہ میں نے تم کو شریعت طریقت حقیقت معرفت کے سب راستے برابر دکھا
دئے اور یہ بھی کئی بار سمجھا دیا کہ عقلی تخیلات سے مجھے پتہ نہیں لگتا کہ تمہارا انجام قریب
ہے یا دور۔ نہ تم اس فکر میں پڑو تمہارا کام ماننا اور عمل کئے جانا ہے اِنَّہٗ یَعۡلَمُ الۡجَہۡرَ
مِنَ الۡقَوۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا تَکۡتُمُوۡنَ وَاِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَۃٌ لَّکُمۡ وَمَتَاعٌ
اِلٰی حِیۡنٍ۔ قٰلَ رَبِّ احۡکُمۡ بِالۡحَقِّ۔ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ
عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ۔ اس دنیا میں ذاکر بندے چار قسم کے ہیں ۱ ذاکرِ جہری ۲
ذاکرِ سری خفی ۳ ذاکرِ بے ریا ۴ ذاکرِ ریاکار۔ ذکر کی چار قسمیں ۱ ذکرِ قولی ۲ ذکرِ قلبی

۳ ذکر بالنفس (سانس سے) ۴ ذکر بالنیت۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر بندۂ ذاکر کے ہر ذکر کو جانتا ہے۔ کون کر رہا ہے کیوں کر رہا ہے۔ کہاں کر رہا ہے کیا ذکر کر رہا ہے اور اے بندو جو کچھ تم خفیہ جگہ میں خفیہ طریقوں سے خفیہ وقت میں خفیہ کام و کلام سانسوں میں چھپا کر کرتے ہو اُن سب حالات۔ کیفیات واقعات۔ توقعات کو بھی جانتا ہے بندے کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِن جسمانی ہیکلوں ڈھانچوں کو روح بخشنے والا ہے اور روح کو عقل فہم علم و فکر خیر و شر۔ نفع نقصان تکلم و سماع۔ نگاہ و شمام۔ بطش و مشا قول و فعل کے اوصاف ودیعت فرماتا ہے۔ اس ذاتِ قدیم عَزَّ وَجَلَّ کے لیے مَا تَكْتُمُوْنَ اور مَا تُبْدُوْنَ علم ظہور میں سب برابر ہیں۔ غور کرو کہ جو بندہ شیشے اور روشندان والی چار دیواری میں رہتا ہو اُس کے قول فعل حرکات و سکنات کسی دانا و بینا حاضر و ناظر سے کیسے اور کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ اصطلاح صوفیا میں اسلام کے دعوے۔ ایمان کے نعرے۔ زہدانہ اذانیں ظاہرانہ نمازیں۔ صلاحیت دعا رنیت کا اقرار زبانی۔ مَا تَجْهَرُوْنَ ہے۔ اور صدقِ اخلاص۔ بے ریائی کی قلبی تصدیق مَا تَكْتُمُوْنَ ہے۔ راہ سلوک کا فتنۂ دیری اعمالِ ظاہرہ ہیں اگر دکھلاوا ہیں تو مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ہیں اگر بے ریا ہیں تو مَتَاعٌ اِلٰى اَبَدٍ ہیں مرشدِ کامل بارگاہِ قدس میں عرض کرتا ہے کہ اے میرے ربّ مسافرانِ منزلِ معرفت کے لیے اُن کے عبادت میں حق سچ کا فیصلہ فرما دے کہ کن لوگوں کے کون سے اعمالِ صالحہ تجھ کو پسند ہیں۔ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ۔ ہمارا رب تو صرف اللہ رحمٰن ہے اُس کی رحمانیت دو طرح کی ہے ۱ صفت بالفعل ۲ صفت بالقوہ۔ پہلی عطا کی شکل میں۔ دوسری اِرادۂ ایصالِ خیر کی شکل میں۔ رحمٰن کا معنیٰ ہے بندوں پر بندوں کے ہر حال میں کثرتِ رحمت فرمانے والا۔ روح میں جسم میں شکم میں مہد میں لحد میں قبر میں حشر میں بندوں کا وہی مستعان ہے۔ بندے دو قسم کے ہیں ۱ مطیع ۲ عاصی۔ دونوں کو چاہیئے اسی کی خواہش و طلب کریں جس کے وہ مستحق ہیں۔ مطیع بندے یستعینون کی وحدت میں مستغرق ہیں اور عاصی نافرمان عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ عاصی کی تین تباہیاں ۱ خَبَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ اُن کی اُمیدیں ناکام ۲ وَعَمِيَتْ اَعْيُنُهُمْ۔ اُن کے حالات بگڑے ہوئے ۳ وَخَسِرَ اَفْكَارُهُمْ۔

اُن کی سوچ و فکر نقصان دِہ یہ فیصلہ حکیم مطلق رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ کی طرف سے قانونِ ازل میں ہو چکا ہے۔ رحمت کی نوتوقسیں ہیں (حدیثِ پاک) عاقل کو چاہیئے کہ تین چیزوں پر غرور نہ کرے ۱۔ کثرتِ اولاد پر ۲۔ کثرتِ مال پر ۳۔ طولِ عمر پر۔ کیونکہ یہ غرور کفار کی خصلت ذلیلہ ہے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے پاس کثرتِ مال اور وُسعتِ دنیا ہو اور وہ اُس کو امتحان نہ سمجھے وہ پاگل دیوانہ ہے۔ ابراہیم ادھم علیہ الرحمتہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تجھے خواب میں ملنے والا ایک درھم اچھا لگتا ہے یا بیداری میں ملنے والا ایک دینار وہ بولا کہ مجھے وہ دینار اچھا لگتا ہے جو جاگتے میں مجھے کوئی دے۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے۔ دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری مگر تو اور تیرے جیسے یہ دنیا دار لوگ اس قلیل حقیر فانی دنیا کمانے کے پیچھے دن رات لگے ہوتے ہیں مگر آخرت کی فکر ہی کوئی نہیں سبحان اللہ کیا شاندار عبرت کی مثال ہے۔ یہ سورۃ سورۃ انبیاء شروع ہوتی ہے تو ذکرِ خاتمُ الانبیاء سے اور مکمل ہوئی تو اُن ہی کے ذکر پر۔ توفیقِ الٰہی کی نشانی استقامت ہے اے بندے تیری کامیابی کی نشانی یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ارادت اپنے جسم پر دل کی محبت سے رکھ پھر اُس کے آستانے پر سجدہ کا سر رکھ۔ کیا سوچتا ہے کہ تو نے یہ نیکی کرلی، تو یہ نہیں سوچتا کہ توفیق تو اسی رب کریم کی طرف سے ملی۔ ارے بیوقوف بادشاہ کے باغ سے ہی پھل توڑ کر بادشاہ کو پیش کرتا ہے پھر فخر و غرور کا احسان جتاتا ہے اتراتا پھرتا ہے۔ عارفین کو اِس ریا سے بچایا جاتا ہے اور عابدوں سے کہا جاتا ہے کہ آخرت تمہاری جزا کا دن ہے اور عاشقوں سے کہا جاتا ہے کہ آخرت تمہاری لِقا کا دن ہے۔ یعنی عارفین کی بقا۔ عابدین کی جزا۔ عاشقین کے لیے مشاہدۂ جمال کا دن آخرت ہے۔ نیکوں کو نعمت در نعمت ہے لیکن محبوبوں کو زیارت در زیارت۔ تقوے کا بدلہ عطیۂ حور و غلمان ہے۔ مگر عشق کا صلہ وصلِ جمالِ کبریا ہے اے عقل والے اطاعتِ مصطفیٰ میں جدو جہد کرتا کہ مقامِ قرب تک پہنچ جائے نفس کو دور کر دے اُس کی مخالفت و ذلت کرکے تاکہ سزاؤں سے بچ جائے۔ ترکِ دنیا سے ثوابِ آخرت ہے مگر ترکِ کونین سے وصلِ مولیٰ ہے لہٰذا جو بندہ جنت کی نعمتوں کا طالب ہے وہ لذاتِ دنیا ترک کرکے دنیا سے منہ موڑے رشتہ توڑے اور جو مشاہدات کا طالب وہ غیر اللہ سے انکھ پھیر لیں

؎ توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ جہانوں سے خفا میرے لیے تھا

۱۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بدایونی نے فرمایا کہ نماز وہ عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلقات پیدا کرتی ہے اور نماز میں یَعۡلَمُ الۡجَہۡرَ کی شان بھی ہے اور یَعۡلَمُ مَا تَکۡتُمُوۡنَ کی شان بھی عیاں ہے اسی میں قیام جہری بھی ہے قعود کتمانی بھی نماز ہی سے رَبِّ احۡکُمۡ بِالۡحَقِّ کا ظہور ہے۔ نماز میں ہی بندے کا اقرار ثابت و ظاہر ہوتا ہے کہ رَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ۔ اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ اس لیے بندے کے لیے لازم و ضروری ہے کہ نماز میں خشوع خضوع اختیار کرے تاکہ عبودیت پر ربوبیت کا دبدبۂ جلال اور خشیت جمال قائم رہے۔ بندے کے لیے ذکر ہے اور ذکر کے لیے نماز ہے غفلت نماز کے لیے زہرِ قاتل ہے کیونکہ غفلت نشہ کی مثل ہے یعنی غفلت و عبادت دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔ نشے والی کی نماز برباد ہے، ایسے ہی غفلت اور کسل مندی کی نماز ضائع اور خراب ہے نشہ غفلت ہے اور غفلت بیہوشی ہے۔ نماز قرب الٰہی چاہتی ہے۔ اور قرب دھیان لگانے اطمینان بنانے سے ملتا ہے غفلت سے بے رغبتی اور بے رغبتی سے نفرت اور نفرت سے دوری اور دوری سے محرومی پیدا ہوتی ہے مومن متقی کی نماز راہ بندگی کی شاہراہ اعظم ہے اس میں حیا، حیرت انکساری، نیاز مندی، عاجزی ہوش مندی کے روحانی قدموں سے چلنا پڑتا ہے۔ روایت ہے کہ جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تو رب تعالیٰ بندے کی طرف توجہ رحمانیت فرماتا ہے۔ لیکن جب بندہ کا دھیان بھٹکتا ہے تو رحمت ہٹالی جاتی ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ یہ اپنے رب تعالیٰ کا خیال چھوڑ کر کس طرف متوجہ ہے کیا اس کو رب تعالیٰ سے بہتر کوئی ملے گا۔ اے غافل تجھے افسوس ہے کہ مولیٰ نے تجھ کو اپنا بنایا مگر تو نے کس کو اپنایا؟ اصل نماز دل و دماغ کی ہے باقی بدن ان کے آلات ہیں۔ انسان کی اشرفیت، افضلیت، عقلیت، علمیت، حسنیت عبادت سے ہی ہے عبادت کے بغیر رذلیت احمقیت ہی ہے۔ بشر عبادت سے ملک ہے بے عبادت حیوان ہے

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ وَ نُوۡرِ عَرۡشِہٖ وَ زِیۡنَۃِ فَرۡشِہٖ وَ قَاسِمِ رِزۡقِہٖ سَیِّدِنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ بِفَضۡلِ رَحۡمَۃٍ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔

آج بروز ہفتہ سنیچر بعد نماز مغرب بیس ۲۰ ستمبر ۱۹۹۷ء مطابق انیس ۱۹ جمادی الاوّل ۱۴۱۸ھ کو سورۃ انبیاء کی تفسیر مکمل ہوئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر نعیمی

اَشۡرَفُ التَّفَاسِیۡرُ

۱۳ ـــــ ھ ـــــ ۶۳

سُوۡرَۃ حَجّ

ترتیب تلاوت ۲۲ ترتیب نزول ۱۰۳

سیپارہ ۱۷ (نصف پارہ)

از آیت ۱ تا آیت ۷۸ آخری

از صفحہ ۵۵۵ تا صفحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ حج کی مختصر تفسیر اور اس سورت کے دس رکوعات کا خلاصۂ مضمون

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ رَءُوْفِ الرَّحِیْمِ،
اَمَّا بَعْدُ۔ تعارف اور پہلا رکوع۔ اس سورت میں ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حج اور ارکانِ حج کا ذکر ہے اسی بنا پر اس کا نام سورۃ حج ہے اس کے زمانے میں تین قول ہیں ۱۔ یہ کہ یہ سورت کل کا مدنی ہے اور ۲۔ یہ کہ تمام آیت سے مکی ہے ۳۔ یہ کہ اس کی اکثر آیات مدنی ہیں اور چند آیات مکی ہیں۔ اکثر محققین و مفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مدنی صورتوں میں شمار کیا گیا ہے پہلے رکوع میں مندرجہ ذیل چار چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ۱۔ کافروں۔ غافلوں مغروروں کو سمجھانے بتانے عبرت دلانے بندہ بننے یقین دلانے کے لیے قیامت کے زلزلے اور ہیبت ناکی کا ذکر فرمایا گیا کہ مائیں اس دن دھشت سے شیر خوار بچوں کو چھوڑ بھاگیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور لوگ زلزلے سے نشے والوں کی طرح گرتے پڑتے ہوں گے ۲۔ جو لوگ رب تعالیٰ کے بارے انکاری جھگڑے کرتے ہیں وہ شیطان کے مرید ہیں ۳۔ منکرینِ قیامت کو ایک عظیم اور حقیقی دلیل سے قیامت کا ثبوت سمجھایا جا رہا ہے کہ انسان کی پیدائش کس طرح ہوئی ہے اور زمین سے کھیتی اُگتی ہے پھر سُکتی پھر اُگتی ہے۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے مارتا ہے پھر زندہ کرتا ہے۔ اور یہی قیامت کی حقیقت ہے لہٰذا قیامت بھی یقیناً آئے گی لَا رَیْبَ فِیْهَا اور اللہ تعالیٰ سب مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا ۴۔ جو لوگ گمراہ کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ دوسرا رکوع پہلے رکوع میں قیامت میں شک کرنے والوں کا ذکر ہوا۔ اب دوسرے رکوع میں بعض نومسلموں کا دین اسلام کے بارے شک کرنے کا ذکر ہے۔ اس دوسرے رکوع میں چھ باتوں کا ذکر ہے ۱۔ بعض کم عقل

سامان راحتوں نعمتوں پر تو خوش رہتے اور اسلام کو اچھا کہتے ہیں لیکن ذراسی مصیبت پڑنے پر دین اسلام کے خلاف باتیں کرنے لگتے ہیں یہ لوگ دنیا و آخرت کے گھاٹے والے ہیں۔ اور جب تک انعامات اور دولتیں سہولتیں پاتے رہتے ہیں اسلام کے شیدائی بنے رہتے ہیں جب تکلیف یا بیماری غریبی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر بتوں وغیرہم کو پوجنے لگتے ہیں۔ جن کا نقصان زیادہ ہے فائدہ کم ہے اور فائدہ مشکوک ہے کہ شاید کافر لوگ ان مرتدوں کا کچھ وقتی عارضی خیال کر کے ان کی آؤ بھگت کریں اور انہیں دولت دیں یہ سب ساتھ اور حمایتیں جھوٹی اور بری ہیں ۲ اہل ایمان اور ثابت قدم رہنے والوں کی تعریف اور ان کے انعام اُخروی دخولِ جنت کا ذکر ہے۔ ۳ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں اور حاسدوں کا ذکر ہے کہ اگر حسد کرتے کرتے مر مٹیں تب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ بلکہ گستاخوں کی ہی ذلت آمیز فنا ہے نبی کریم کو تو جو روشن قرآنی آیات معجزات ملتے ہیں وہ ہی کافی ہیں اور ان کی طرف سے ہدایت بھی فقط اس کو ملتی ہے جس کو رب تعالیٰ چاہے اور بارگاہِ رسالت کے لائق بنانے کا ارادہ فرمائے ۴ قیامت میں اللہ تعالیٰ چھانٹ فرما کر اہلِ ایمان کو علیحدہ کر دے گا اور یہودیوں ستارہ پرستوں (صابیوں) اور عیسائیوں مجوسیوں (آتش پرستوں) اور بت پرستوں مشرکوں کو علیحدہ کر دے گا کہ نہ دوستی قائم رہے گی نہ رشتے داری نہ ہمسائیگی۔ آج بھی سب کا حق و باطل اللہ کے سامنے ہے ۵ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگرچہ دنیا کے چند کافر بد بخت رب تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور کسی کا کیا بگڑتا ہے میرے اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات کو تو وہ سب مخلوق سجدہ کرتی ہے جو آسمانوں میں ہے یا جو زمین میں ہے یہاں تک کہ اے سورج کے پجاریو تمہارا سورج اور چاند کے پوجنے والو تمہارا چاند اور ستارہ پرستو تمہارے ستارے اور پہاڑوں کی صیبت ماننے والو تمہارے یہ بلند و بالا پہاڑ اور درختوں پیپل وغیرہ اور جانوروں گائے بچھڑوں کو معبود سمجھنے والو یہ سب تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے اور اسی کو ہر وقت سجدہ کرتے ہیں اور انسانوں میں بھی بہت سے اس مولیٰ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں ہاں بہت سے بد بخت ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ پس جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو تو کوئی بھی عزت

نہیں دے سکتا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۱؎ دو گروہ کا ذکر ہے ایک کفار کا گروہ دوسرا اہلِ ایمان کا، کفار کو جہنم میں جو سزا ہوگی اس کا مختصر ذکر ہے ان کا لباس آگ ان کا غسل کھولتا پانی ہے جس سے جسم گل سڑ جائے۔ لوہے کے گرزوں سے پٹائی۔ نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے مگر بھاگ نہ سکیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ ہمیشہ ہمیشہ جلنے مرنے کا عذاب چکھتے رہو۔ تیسرا رکوع۔ اس رکوع میں دو باتیں ذکر فرمائی گئیں ہیں ۱؎ دوسرا گروہ اہل ایمان کا ہے۔ ان کے ایمان اور اعمال کا بدلہ و جزا جنت اور جنت کی چیزیں۔ ان کے جنتی لباس کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے اور جنتی زیورات کا بھی۔ اور یہ بھی فرمایا گیا کہ ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی وجہ یہ ہے کہ ان کو نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی معرفت ہدایت دی گئی ہے ۲؎ مسجد حرام یعنی خانۂ کعبہ شریف کا ذکر ہے۔ جو کفار یا جو حکومت کسی بھی بہانے مسلمانوں کو اللہ رسول کے ذکر سے روکے اور جو بھی کوئی ان مقامات مقدسہ میں گستاخی بے ادبی یا کفر کا الحاد پھیلائے تو ان کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ کیونکہ یہ مسجدِ حرم شریف یا مقاماتِ مقدسہ تمام مسلمانوں کے لیے تا قیامت مکمل طور پر کھلے ہیں۔ کسی شخص یا کسی حکومت کی اجارہ داری یا کسی قسم کی پابندی جائز نہیں ہے۔ نہ پاسپورٹ اور ویزے کا بہانہ بنا کر نہ کسی بیماری کا بہانہ بنا کر کسی مسلمان کو حج یا عمرے اور دخولِ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے روکنا حرام ہے۔ چوتھا رکوع اس رکوع میں ۹ نو باتیں مذکور ہوئیں ۱؎ ہم نے ابراہیم علیہ السّلام کو اپنی قدرت سے سمجھایا کہ وہاں جا کر خانۂ کعبہ تعمیر کرو مین نصف النہار کے وقت بادل کا ٹکڑا سورج کے سامنے آیا جس کا سایہ اتنی جگہ پر پڑا اور ہوا نے اتنی زمین کوڑے سے صاف کر دی جتنی جگہ میں مع حطیم خانہ کعبہ بنایا گیا ۲؎ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تین حکم دئے گئے۔ پہلا یہ کہ یہاں اس سرزمینِ حرم شریف میں شرک نہ ہونے دو۔ دوم یہ کہ حرمِ پاک کو ہر قسم کی ظاہری باطنی گندگی و غلاظت سے پاک رکھو تاکہ حاجیوں نمازیوں اور اعتکاف والوں کو سہولت سے ہر قسم کی عبادت کا موقعہ فراہم ہوتا رہے۔ سوم یہ کہ اے ابراہیم حج کے لیے چاروں سمتوں آوازیں دے کر تا قیامت مسلمانوں کو حرم پاک کی طرف بلاؤ۔ اے خلیل بلانا پکارنا اذن دینا تمہارا کام ہے اور لانا لوگوں کو ہر طرف سے ہمارا کام ہے تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے قیامت تک

یا لوٹ پڑ جاؤ۔ لوگ آتے رہیں گے ہر تنگی ترشی سہولت سے امیری غریبی میں ہر اونچے نیچے میدانی پہاڑی علاقے سے۔ یہاں آکر لوگ دینی دنیوی فائدے پاتے رہیں گے۔ یہاں آکر ذکرِ الٰہی کریں اور مخصوص دنوں میں حج کریں۔ اور جو ان کو حلال جانور چار پایوں کا رزق ملا اس کا شکر کرتے ہوئے خود بھی کھائیں اور دیگر غربا و مساکین و فقرا مسافرین کو بھی کھلائیں پھر حج و عمرے کے بعد خوب نہائیں غسل کریں اپنا میل کچیل اتاریں۔ واجبی منتیں پوری کریں اور آخری زیارت کریں اور بیتِ عتیق (کعبہ معظمہ) کا طواف زیارت کریں۔ جو دسویں ذی الحج سے بارھویں ذی الحج کی شام تک ہے۔ فقط یہ ہے حج ۳ اور جو شخص اللہ کی عزت والی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خیر ہے۔ ۴ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کے لیے بہت جانور حلال کیے گئے ہیں سوائے اُن حرام جانوروں کے جو پہلے سورۂ مائدہ کی آیت کی تلاوت میں حرام کیے گئے ۵ پھر فرمایا گیا کہ بتوں کی باطنی گندگی سے بھی دور ہو جاؤ۔ ۶ اور جھوٹ بولنے سے جھوٹ سننے اور جھوٹ پر عقیدہ بنانے سے بھی ہمیشہ بچتے رہو باز رہو۔ ۷ بس ایک اللہ تعالیٰ کے بن کر زندگی گزارو۔ مشرکین میں سے نہ ہو نہ مشرکوں کے مشابہ اس لیے کہ جو شرک میں پڑے گا اس کا انجام ایسا ہی ہوگا جیسا کہ بلند آسمانوں کی طرف سے کوئی پرندہ پر توڑ کر گرتا ہے تو شکاری پرندے اس کو چیر پھاڑ کر اچک لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ شرک کرنے والا اپنے ایمانی پر توڑ کر آسمانِ معرفت و بلندیِ شریعت سے گہرے کفر کے غار میں گرتا ہے تو شیاطین شکاری اس کو اُچک کر برباد کر دیتے ہیں ۸ لیکن جو اللہ تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم کرتا ہے تو اس کو دل کا تقویٰ ملتا ہے ۹ حج کے دنوں میں ھَدیٰ کا جانور لے جاتا ہو تو اس جانور سے ضرورۃً مقامِ ذبح تک پہنچنے سے پہلے پہلے نفع لینا جائز ہے۔ مثلاً اونٹ پر سواری اور دودھ والے جانور سے دودھ دوہنے کا فائدہ۔ غرضکہ اس رکوع سے حج کے احکام شروع ہوئے۔ ان ہی احکام کی بنا پر اس سورت کا نام سورت حج رکھا گیا۔ پانچواں رکوع۔ اس میں آٹھ باتیں ذکر فرمائی گئیں ۱ پچھلی تمام اہلِ ایمان امتوں پر بھی حج اور قربانی ہم نے لازم کی تھی وہ بھی قربانیاں دیا کرتے تھے ان پر بھی قربانی اس لیے مقرر ہوئی تھی کہ وہ اپنے چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کر کے ذبح کریں۔ تم سب اگلی پچھلی امتوں کا معبود تو ایک ہی ہے تو اسی کے حضور میں اپنی گردنیں

جھکا دو۔ اور سب مخلوق انسانی اسی کا قانون تسلیم کرے ۳؎ فرمایا گیا کہ اے حبیب کریم
صلی اللہ علیہ وسلم، ان عجز و نیاز کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو کہ جن کے سامنے جب
بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا تو ان کے دل خوف الٰہی ہیبت قرب سے کانپنے لگتے ہیں اور
مصیبتوں آزمائشوں پر صبر کرنے والوں کو بھی خوشخبری دیجئے اور پنجوقتہ پابندی اور آداب
کے ساتھ نماز کرنیوالوں کو بھی اور ان کو بھی جو ہمارے دئے ہوئے رزق سے صدقہ و
خیرات کے طریقے سے خرچ کرتے اور صرف ہمارے دئے رزق کو ہی اپنے اور اپنے
بال بچوں پر خرچ کرتے ہیں حرام طریقے سے رزق حاصل نہیں کرتے ۴؎ فرمایا گیا کہ ہم نے قربانی
کے جانور کو (اونٹ وغیرہ) کو اے ایمان والو مسلمانو تمہارے لیے اللہ کی نشانیاں
بنا دیا ہے ان قربانی کے جانوروں میں تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بہت خیر ہے اس
لیے ان کی خوب دیکھ بھال کرو خوب کھلاؤ پلاؤ سجاؤ عزت کرو۔ ان کی بے عزتی اور مار پیٹ
نہ کرو۔ بلا ضرورت ان پر سواری نہ کرو۔ نہ بھوکا رکھو۔ جب اس قربانی والے اونٹ کو
ذبح کرنے لگو تو نحر کرو ایک پاؤں اٹھا کر ران سے باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا رہنے دو۔
تاکہ بھاگ نہ سکے پھر جب یہ مذبوح اونٹ یا دیگر قربانی کے جانور ٹھنڈے ہو جائیں جان
ختم ہو جائے تو خود بھی کھاؤ اور ان غربا مساکین کو خود جا کر دو جو مانگتے نہیں اور مانگنے
والوں کو بھی گوشت دو ۵؎ فرمایا گیا کہ ہم نے یہ بڑے بڑے قوی ہیکل جانور تم جیسے
کمزور انسانوں کے لیے اس لیے عاجز اور مسخر کر دئے ہیں تاکہ تم شکر گزار بندے بنو
۵؎ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان قربانیوں کے گوشت یا خون نہیں آتے بلکہ
اس کی بارگاہ مقدس میں تو تمہاری طرف سے تمہارے تقوے تمہاری نیک نیتیں آتی
ہیں جن کا ثواب تم کو اور تمہاری طرف سے تمہارے وفات شدگان کو پہنچایا جاتا ہے
۷؎ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضے اور ملکیت میں اس لیے کر دیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ
کی کبریائی کا چرچہ کرو اور اس طریقے سے تکبیریں پڑھو جس طرح تم کو رب تعالیٰ نے اپنی
کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی ۸؎ فرمایا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ مصیبتیں دور فرماتا ہے مسلمانوں
سے ۹؎ اللہ تعالیٰ کسی بھی دغا باز غدار ظالم اور ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔ چھٹا رکوع۔
اس میں نو باتیں ذکر ہوئیں ۱؎ جہاد کرنے کا اذن دیا جا رہا ہے اور مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کی جہاد میں مدد فرمانے کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ مجاہدین اسلام

کی مدد فرمانے پر قادر ہے ۲ جہادِ مومن کی اہمیت اور فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ سنایا جا رہا ہے کہ اگر مولیٰ تعالیٰ شروع زمانوں سے ہی بعض انسانوں کو بعض سے دور نہ کرتا یعنی کفار کو اہلِ ایمان سے دور دفع نہ فرماتا اور ظالم کو مظلوم سے دور نہ کرتا جہاد و قتال کے ذریعے اور جہادوں میں مدد فرما کر تو پہلے زمانوں کی عبادت گاہیں گرجے کلیسے اور یہودیوں عیسائیوں کی اس وقت کی قابلِ احترام عبادت گاہوں کو اور اب موجودہ قابلِ تعظیم مسجدیں کفار کے ظلم و جہالت کی بنا پر ڈھا دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۳ فرمایا گیا کہ اے مجاہدین اور مظلوم صحابہ اپنی بے سروسامانی سے فکر نہ کرنا ہر جہاد میں رب تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا ہر اس شخص کی جو اس کے دین کی مدد کرتا رہے گا بے شک اللہ تعالیٰ غالب قوت والا ہے ۴ فرمایا گیا کہ حاکمِ اسلام اور مسلمان بادشاہوں کا اصل کردار اور نشانی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین کی سلطنت حکومت عطا فرمائیں تو وہ اپنی شاہی قوت و قانون کے ذریعے علاقۂ سلطنت میں اللہ تعالیٰ کے قانون ہی جاری و نافذ کریں نماز قائم کریں زکوٰۃ دلوائیں اور اچھائیوں کا عدل و انصاف کا حکم جاری کریں اور برائیوں ظلم و فساد سے لوگوں کو روکیں اور ہر کام کا نتیجہ اللہ کے پاس ہے ۵ فرمایا گیا کہ اے محبوبِ کریم ان کفارِ مکہ کی تکذیب اور بغض و حسد مخالفت مخاصمت سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے پہلی قوموں نے بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو جھٹلایا تھا۔ قومِ نوح۔ قومِ عاد۔ قومِ ثمود اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط اور مدین والوں نے اپنے اپنے انبیاء کو جھٹلایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام فرعونی قوم سے جھٹلائے گئے اگرچہ ان کی اپنی قوم بنی اسرائیل نے ان کو نہ جھٹلایا۔ تو پہلے رب کریم نے ان کو ڈھیل اور مہلت اور چھوٹ دی لیکن پھر ایسا پکڑا کہ سب نے دیکھ لیا کہ کیسا ہوا عذاب ۶ مسافروں اور تاریخ دانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم لوگ تاریخ سے اور راہِ سفر میں دیکھتے اور جانتے چلے آ رہے ہو کہ کتنی ہی عظیم بستیاں تھیں جن کو ہم نے مکمل طور پر ہلاک و تباہ برباد کر دیا کیونکہ ظالم تھیں تو وہ ابھی تک اپنی چھتوں کے بل اوندھی گری پڑی ہیں اور کتنے ہی اپنے اپنے وقتوں کے بہت آباد کوئیں اور بارونق محل اور قلعے برباد ویران اور بے آباد پڑے ہوئے ہیں کیا وہ کفار زمین میں سیر و سفر نہیں کرتے اور ان ویرانیوں

سے عبرت نہیں پکڑتے کہ ان کے سینوں میں دل پیدا ہوں جن کے ذریعے وہ سمجھ حاصل کریں یا عقل و ہوش کے کان ہوں جن سے حقیقی بات کو سنیں۔ پس بے شک اصلیت یہ ہے کہ آنکھیں اور جسمانی ظاہری بصارتیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ کفار کے وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں ۷ فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ آپ سے عذاب میں جلدی مچا رہے ہیں ان کو خبردار فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ فرمائے گا۔ لہٰذا عذاب ضرور دیا جائے گا ۸ فرمایا گیا عذاب کی جلدی کرنے والے قیامت کو نہیں جانتے وہ دن تو اتنا بڑا ہے جتنے تمہارے گنتی میں ہزار سال ۹ فرمایا گیا کہ اے عذاب کی جلدی مچانے والوں اللہ نے تم سے پہلے بھی جلدی مچانیوالی ظالم و کافر اہل بستی کو پہلے ڈھیل دی پھر ان کو تباہ و برباد ی میں پکڑ بھی لیا۔ اور سب کا پلٹنا تو آخرکار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔

ساتواں رکوع۔ اس میں پانچ باتیں ذکر ہوئیں ۱ اشارۃً فرمایا گیا کہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں کے لیے رسول بن کر تشریف لائے اس لیے فرمایا کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ تمام انسانوں کے لیے نذیر مبین ہوں ایمان والوں اور نیک عمل والوں کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔ ہماری آیتوں میں بحث مناظرے حجت بازی کج بحثی نہ کرو اور فقط اپنی جیت کی خاطر آیت کے ماننے نہ ماننے میں جھگڑا مت کرنا۔ جو لوگ ایسا کریں گے یا کرتے رہتے ہیں وہ سب جہنم والے ہیں ۲ یہاں فرمایا گیا کہ پہلے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے وقتوں میں بھی ایسا ہوتا رہا اور اب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ ابلیس دورانِ تلاوت یا وعظ مبارک۔ اپنی آواز میں کچھ بڑھا دے اور لوگ آواز میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے دھوکہ کھا جائیں اور اس شیطانی بات کو نبی پاک کی بات سمجھ جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی اس چال کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو محکم فرما دیتا ہے۔ یہ شیطان کا کچھ اپنی طرف سے تلاوت میں ملاوٹ کرنا۔ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے اور تاکہ اچھے برے کھوٹے کھرے انسان کی پرکھ ہو جائے جن کے دل میں کفر شرک کی بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں وہ گمراہ ہوتے پھریں اور بے شک ظالم لوگ ہی دور کے جھگڑالو ہیں ۳ اور شیطان کی اس حرکت سے اہل ایمان کی مضبوطی استقامت کا پتہ لگ جائے اور اہل علم حضرات جان لیں کہ حق

کیا ہے اور اس حق پر ایمان اس کے لیے ان کے دل جھک جائیں اللہ تعالیٰ فقط اہل ایمان کو ہی سیدھی راہ چلاتا ہے کہ نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ اور سچی سمجھ ۲ فرمایا گیا کہ کفار قیامت تک شک میں ہی پھنسے پڑے رہیں گے۔ اگرچہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑے یا آخری دن کا عذاب ۵ اُس قیامت کے دن ظاہری باطنی ہر طرح سے صرف اللہ تعالیٰ کی ہی بادشاہی ہوگی رب تعالیٰ ان کے درمیان خود ہی فیصلہ فرما دے گا۔ نیک مومن بندوں کے لیے نعمتوں کے باغ ہیں۔ کفار اور مکذبین کے لیے جہنم کے ذلت والے عذاب ہیں ہمیشہ ہمیشہ آٹھواں رکوع۔ اس میں تین باتیں ذکر فرمائی گئیں ۱ مہاجرین کے لیے ایک قانون بیان فرمایا گیا کہ جو لوگ مسلمان بن کر دارالکفر میں نہ رہ سکیں وہ ہجرت کر کے دارالاسلام یا کسی دارالسلام کی طرف آ رہے ہوں اور اللہ کی رضا کی راستے میں ہوں۔ یا مجاہدین بن کر جہاد میں مشغول ہوں وہ شہید ہو جائیں یا بعد میں اپنی فطری موت وفات پائیں ان کے اجر میں کمی نہیں ہے۔ شہید کے مقابل کمی نہ ہوگی۔ ان کے لیے بھی جنت اور جنت کا رزق حسن ہوگا جیسا کہ اُن کے شہدا ساتھیوں کے لیے اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ بے شک اللہ علم والا ہے ہر ایک کی نیتوں کو جاننے والا ہے ثواب تو نیتوں پر ملتا ہے اور وہ حلم فرمانے والا ہے سب کے انجام (کہ کس نے شہید ہونا ہے کس نے گھروں میں فوت ہونا ہے) رب تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں ۲ جہاد کا ایک قانون بیان فرمایا گیا کہ اگر کفار حملہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دفاع کرتے ہوئے کفر کا منہ توڑ جواب دیں اس دفاع میں نہ محترم مہینوں کا خیال کریں نہ محترم مقامات کا لحاظ رکھیں بلکہ جہاد جوابی شروع کر دیں۔ اور ہر طرح سے کفار کو شکست دے کر ہلاک کریں اور بھگائیں یہ نہ خیال کریں کہ اس حرمت والے مہینے میں یا اس حرم شریف میں قتال کرتے سے کہیں رب تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو جائے اور جوابی کاروائی چھوڑ کر شکست کھا جاؤ اور ملک چھنوا بیٹھو۔ تمہاری اس دفاعی اور جوابی جہاد سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بے شک معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ اور اس سے بھی غمگین نہ ہونا کہ کبھی کفار کو فتح مل جائے یا تھوڑا غلبہ حاصل ہو جائے رب علم اور حکمت والا ہے وہ کبھی رات کو دن پر اور کبھی دن کو رات پر ڈالتا ہے غلبہ دیتا ہے یہ تو دنیوی حکمت الٰہیہ ہے بے شک وہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔ وہی اللہ حق ہے۔ کفار کے بنائے معبود باطل ہیں۔ اسی وجہ سے

غور کرو اللہ تعالیٰ ہی ہر وقت علی و کبیر ہے ۲ قیامت کی ایک دلیل سمجھائی گئی ہے کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمان کی طرف سے بادل کا پانی برسایا اور اس سے خشک مردہ زمین کو ہرا بھرا۔ زندہ کیا وہ اپنی قدرت کاملہ سے مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرکے میدان قیامت میں کھڑا کرسکتا ہے۔ بے شک آسمانوں زمینوں میں سب کچھ اسی اللہ کا ہے۔ انسانات۔ جمادات حیوانات سب اس کی ملکیت مخلوق ہیں۔ اللہ غنی ہے اور حمد کے لائق و مستحق ہے حمدوں کا بھی مالک ہے۔ نواں رکوع۔ اس میں آٹھ باتیں ذکر کی گئیں ۱ چند قدرتوں کا ذکر فرمایا گیا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تمام چیزیں انسان کے قابو میں کردیں دوم یہ کہ سمندروں طوفانوں اور بڑی بڑی لہروں میں بھی کشتیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو پانی کے تھپیڑے کشتیوں کو ایک دم ڈبو دیتے بلکہ لکڑی بھی پتھر کی طرح ڈوب جاتی سوم یہ کہ بغیر کسی ستون کے اور بغیر ٹنگے ہونے کے اتنا بڑا عظیم آسمان اس نے اپنی قدرت کاملہ سے روکا ہوا ہے۔ زمین پر گر نہیں پڑتا۔ ابھی آسمان کو گرنے سے اسی کی قدرت نے تھاما ہوا ہے۔ ہاں قریب قیامت بعد از حساب و کتاب جنتی، دوزخی فیصلے کے بعد یہ آسمان اس کی اجازت سے زمین پر گر پڑے گا ابھی یہ سب قدرتیں اور تسخیرات زمین کے خزائن کشتیاں ہوا میں فضا میں انسان کے لیے ہی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت ہی رؤف و رحیم ہے ۲ اگلی آیت میں قیامت کا ذکر فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ اے انسانوں تم بھی مکمل طور پر ہماری قدرت کے قبضے میں ہو یہ دنیوی نعمتیں آسائشیں اور تسخیریں صرف قیامت تک ہیں اللہ نے ہی تم کو پہلے زندہ فرمایا نیست سے ہست کیا پھر وہی تم کو مار کر فنا کردے گا پھر دوبارہ وہ تم کو میدان محشر اور قیامت کے لیے زندہ کر دے گا۔ اتنی نعمتیں سہولتیں عیش و آرام پانے کے باوجود پھر بھی انسان ناشکرا ہے ۳ فرمایا گیا کہ پچھلی تمام امتوں پر بھی عبادت اور قربانی ذبیحے وغیرہ کا قانون ہم نے بنا دیا تھا کہ اس پر ہی چلیں اپنے عقلی اختراعی اور سیاسی قانون نہ بنانے پھریں تو یہ احمق لوگ ذبیحے وغیرہ اور حلال حرام گوشت کے بارے میں کیوں جھگڑا کر رہے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ جس کو رب تعالیٰ مارے وہ تو حرام ہو جائے اور جس کو یہ مسلمان چھری سے ذبح کرکے مار ڈالیں وہ حلال ہی رہے۔ اے محبوب کریم تم بندوں کو رب تعالیٰ کے قریب ذات کی طرف بلاؤ۔ اور سمجھاؤ کہ قانون الٰہیہ اور موت و حیات تو سب کی رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ ہی موت

دیتا ہے مگر حلال جانور اور پاکیزہ طیب وطاہر گوشت اُس کا ہے جس کا خون اللہ کے نام پر بہایا جائے۔ فقط موت ہی حلت وحرمت کا سبب نہیں ہے۔ اے محبوب آپ کی ہر ادا صورت وسیرت اللہ کی سچی ہدایت اور ہمیشہ قائم رہنے والا راہِ مستقیم ہے۔ اس لیے کہ اے محبوب نبی آپ ہمیشہ سے سیدھے راہ پر ہی اور سیدھی راہ پر ہی ملتے ہیں ۴ کفار کے جھگڑوں کی پرواہ نہ فرمایئے بلکہ ایسے کج بحثوں کو جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے تمہاری بداعمالیوں گمراہیوں ظلم وستم کو وہ قیامت کے دن سچا فیصلہ فرما دے گا جن چیزوں میں تم جھگڑا اور اختلاف کر رہے ہو ۵ فرمایا گیا کہ اے انسان کیا تو ابھی تک نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات پر محیط ہے وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی یہ سب کچھ بتانے کے لیے لوحِ محفوظ کی کتاب میں بھی لکھ دیئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر یہ سب کچھ ذرا مشکل نہیں ہیں ۶ کفار کے پاس اپنے دین اپنی عبادت اور پوجا پاٹ بت پرستی وغیرہ کی دلیل میں کوئی سند نہیں نہ کوئی ثبوت اور نہ علم ہے بلکہ اتنی جہالت ہے کہ حقیقت حال کو یہ کفار خود بھی نہیں جانتے بس یہ ستائے معبود گھڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ ظالم یہ بھی نہیں سوچتے کہ ظالموں کا تو کبھی کوئی کہیں بھی مددگار نہیں ہوتا ۷ کفار کی مکروہ شکلوں کو دیکھئے کہ جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے چہروں میں نفرت اور انکار کے آثار نمودار ہوتے ہیں جو تم صاف پہچان سکو عنقریب آیت قرآنیہ میں بیان کردہ جہنمی آگ کے عذاب ان پر لپٹ پڑیں گے ۸ حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے محبوب ان کفار کو فرما دیجئے کہ کیا میں تم کو تمہارا وہ حال نہ بتادوں جو اس موجودہ زندگی کے حالات سے ہزار ہا گنا بدتر ہے (تو سنو) وہ جہنم کی ابدی دائمی آگ ہے جس کا وعدہ رب تعالیٰ نے کفار سے کر دیا ہے وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ وہ بدترین پھرنے اور لوٹنے کی جگہ ہے۔ دسواں رکوع۔ اس میں پانچ باتوں کا ذکر فرمایا گیا ۱ ایک حقیقی مثال بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اے کافرو تم جن لکڑی لوہے پتھر کے بتوں کو اپنا معبود بنا کر پوجتے ہو اور ان کے سامنے چڑھاوے چڑھاتے اور ان کو دودھ روغن شہد مکھن کھلانے کے لیے ان کے منہ سے ملتے ہو پھر مکھیاں ان کے پاس بھنبھناتی اور ان کے منہ سے شہد مکھن چاٹتی رہتی ہیں اور یہ بت اتنی

ہمت و جرأت بھی نہیں رکھتے کہ اپنے منہوں سے مکھیاں ہی اڑا دیں یا جو مکھیاں ان کے نذرانے ان کے منہوں سے چھین کر بھاگ رہی ہیں ان سے اپنے نذرانے چڑھاوے ہی بچا کر رکھ لیں اور چھین لیں حالانکہ یہ مکھی کتنی کمزور ہے اور شہد مکھن وغیرہ کتنی ہلکی چیزیں ہیں یہ طالب و مطلوب دونوں ہی کمزور و نازک ہیں مگر تمہارے بت ان کے آگے بھی بے بس مجبور ہیں کیا یہ معبود ہو سکتے ہیں۔ معبود کائنات تو خالق کائنات ہے مگر تمہارے بت تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ سارے مل کر بیٹھ کر اپنی پوری اجتماعی قوت صرف کر دیں اے انسانو اس مثال کو نہایت غور سے سنو اور عقل سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ۲ ان کفار بدکردار نے اپنے عظیم محبت کرنے والے پیارے پالنے والے خالق مالک سچے معبود اللہ تعالیٰ کی قدر و شان نہ جانی اس کی قدر جاننے ماننے کے حق کے مطابق۔ اس لیے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کو کمزور سمجھا اور ایک خدا تعالیٰ کے لیے اس دنیا کو سنبھالنا مشکل خیال کیا۔ اسی وجہ سے بتوں کو شریک کار بنا بیٹھے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے انتہا قوتوں والا اور ہر شے پر غالب ہے۔ ایک جہان دنیا کیا وہ تو کروڑوں جہانوں کو پیدا کر سکتا ہے اور سنبھال سکتا ہے ۳ فرمایا گیا کہ بتوں کی تو طاقت ہی کیا ہے جن کو ان بدبختوں نے رب تعالیٰ کا شریک سمجھ لیا اتنے اتنے بڑی قوتوں والے فرشتے اور انبیاء عظام علیہم السلام تو اس کی بارگاہ کے چنے ہوئے رسول ہیں۔ اور یہ چناؤ رب تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے جسے چاہا چن لیا۔ قوت بخشی اور کارِ رسالت پر فائض کر دیا۔ یہ سب قوتوں والے ہاتھ باندھے اس کے حضور حاضر ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔ بے شک سب کی سننے والا سب کو ہر آن دیکھنے والا وہی وَحْدَہٗ لَاشَرِیْک اللہ ہے وہ سامنے موجودہ کو بھی جانتا ہے اور پچھلوں کو بھی۔ سب چیزیں اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ اس سے کوئی بچ کر بھاگ نہیں سکتا ۴ آگے ارشاد فرمایا گیا۔ اے ایمان والو اے تا قیامت میرے محبوب کی امت والو دیکھو ساری کائنات میں سے ہم نے تم کو ہی اپنی شریعت طریقت قرآن و حدیث قانون و تبلیغ اسلام کے لیے پسند کر لیا چن لیا اور کتنا آسان دین تم کو دیا کہ کوئی تنگی سختی تم پر نہ رکھی۔ ورنہ تم سے اچھے اچھے اور خوب صورت دنیا میں موجود ہیں ان کو چھوڑ کر تم کو اپنے لیے پسند کیا لہٰذا اب تمہارا فرض ہے کہ حق کا جھنڈا ہمیشہ بلند ہی رکھنا اپنے سینے سے توحید کی شمع رسالت کا چراغ بجھنے نہ دینا

اسلام اور غلامیِ مصطفیٰ کی جو عزت تم کو نصیب ہوئی ہے اس کو تا عمر بلکہ تا ابد باقی رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ نمازیں پڑھتے رکوع کرتے سجدہ ریز ہوتے رہو۔ اور اس اصل عبادت کے علاوہ ہر چیز میں اندرونی، بیرونی ملکی قانونی ہر مقام پر اللہ کی ہی بندگی کرتے رہو۔ کفار کی طرح کوئی قانون بھی قانونِ الٰہیہ سے علاوہ یا خلاف اختیار نہ کرنا اور ہر میدان میں ہر اپنے پرائے کے ساتھ بھلائی کے کام ہی کرنا تاکہ تم دین دنیا میں کامیاب ہو جاؤ اور تمہارے دشمن ناکام رہیں۔ سیرتِ مصطفیٰ کے سانچے میں خود کو ڈھال کر ظاہر و باطن میں ایسے پاکیزہ اور بے داغ ہو جاؤ کہ تم سراپا حسنِ کردار سے صداقتِ اسلامی کے سچے ستھرے گواہ نظر آؤ اور اس کردار و اخلاق قانون و عبادت کو بچانے کے لیے اگر تم کو کفار و شیاطین سے جہاد بھی کرنا پڑے۔ تو جہاد کرنے کا حق ادا کر دو۔ آگے ارشاد ہے کہ تم پر مزید یہ کتنا بڑا بے انتہا احسان ہے کہ تمہارے جَدِّ اعلیٰ ابراہیم کا دین و ملت منسوخ نہ فرمایا ابھی تک قائم و نافذ ہے اور تا قیامت مسلمانوں کے لیے قابلِ عمل اور ضروری۔ یہ احسان بھی کم نہیں کہ صرف تم کو ہی دینِ اسلام عطا فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ رحیم و کریم مولیٰ پاک نے صرف تمہارا دینی نام پہلی کتابوں اور قرآنِ مجید میں مسلمان رکھا یہ نام تم سے پہلے کسی امت کو نہ ملا یہ انعامات اور فضائل اس لیے ہیں یا یہ تمام عبادات رکوع سجود جہاد وغیرہ اس لیے ہیں تاکہ ہمارا محبوب نبی اور تمہارا پیارا آقا رسول تمہاری حمایت اور مضبوطی و نجاتِ اُخروی کے لیے تمہارا گواہ ہو اور تم سب اس طرح عادل و زاہد صادق و شاہد بن جاؤ کہ کل بروزِ قیامت سب کے گواہ بن سکو بس فوراً خوب اچھی طرح نمازیں قائم کر لو خوب زکوٰۃ و خیرات ادا کرو اور اللہ کی رسی کو اتحاد و اتفاق سے سب اُمتی بیکدم مل کر پکڑ لو انتہائی مضبوطی سے۔ اور کسی بھی موقعہ پر کسی باطل کے مقابل نہ گھبرانا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہارا مولیٰ ہے۔ اے خوش بختو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیسی اچھی طاقت قوت والا مددگار ہے۔

سورۃ حج کے فضائل فوائد اور وظائف۔ عملیات اور تعویذات

علماءِ محققین نے اس سورت کے تین فضائل بیان فرمائے اَوّلاً یہ کہ اس سورت کی تمام اُخروی

آیتیں ہر قسم کے موقعے پر نازل ہوئیں یعنی کچھ آیات مکے میں کچھ مدینے میں کچھ حضر میں سفر میں گھر میں مسجد میں جہاد میں یہ خصوصیت وفضیلت صرف اسی سورۃ کو ملی دوم یہ کہ اس سورت پاک میں شریعت طریقت اور قانونِ الٰہیہ کے تمام مضامین موجود ہیں۔ مکی سورتوں کے خصوصی مضامین بھی اس میں موجود ہیں اور مدنی سورتوں کے مضامین بھی۔ مثلاً۔ ایمان، توحید انداز تخویف بعث حشر نشر جزا۔ قیامت کی ہولناکی۔ شرک بت پرستی کا ذکر یہ مکی مضامین ہیں اسی بنا پر بعض مفسرین نے اس کو مکی سورۃ کہا ہے۔ اور اذنِ جہاد۔ قوانین حج تذکرہ ھدیٰ قربانی تقویٰ۔ اور معاملات، بحث ومباحثہ سے بچنا یہ سب مدنی سورتوں کے مضامین ہیں اسی بنا پر اس کو مدنی سورت کہا گیا ہے غرضکہ یہ سورۃ علم وحکمت کی جامع ہے سوم یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں ۲ سجدے ہیں مگر دیگر ائمہ دوسرے سجدے کو تسلیم نہیں کرتے اس کی وجہ اس آیت کی تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس سورت کے نزول پر صحابہ کرام نے خوشی منائی۔

عملیات۔ عاملین صوفیا فرماتے ہیں کہ روزانہ اس کا وظیفہ ایک دفعہ صبح قبل فرائض فجر اور ایک دفعہ بعد نوافلِ مغرب تلاوت تو جس مقصد کیلئے کرے وہ گیارہ دن کے اندر اندر پورا ہوگا مگر چلہ اکیس دن کا پورا کرے ۲۔ جو شخص غلافِ کعبہ کا ٹکڑا خواہ کتنا ہی بڑا ہو سامنے رکھ کر چالیس دن تین مرتبہ پڑھے اس کو حج مقبول ومبرور نصیب ہو ۳۔ جب کشتی پر سوار یا بحری جہاز پر۔ تو تین دفعہ سورۃ حج کی تلاوت کرے انشاء اللہ تعالیٰ کشتی سلامت رہے۔ اس سورۃ کے حروفِ ابجد والے کل اعداد یہ ہیں ۳۸۲۲۴۴۔ اس کا تعویذ کسی عامل اور متقی باعمل باشرع با اجازت سے لکھوا کر اپنے پاس رکھے یا حفاظت تو تمام آفتوں سے بحمدہٖ تعالیٰ محفوظ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم

تعویذ کا نقشہ یہ ہے۔۔

۷۸۶

۱۲۷۴۵۱	۱۲۷۴۴۴	۱۲۷۴۴۹
۱۲۷۴۴۶	۱۲۷۴۴۸	۱۲۷۴۵۰
۱۲۷۴۴۷	۱۲۷۴۵۲	۱۲۷۴۴۵

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حج مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو بخشنے والا ہے رحم کرنیوالا ہے

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ

اے انسانو خوف رکھو تم اپنے پروردگار کا، بے شک آخرت کا بھونچال

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ

السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا

بہت بڑا حادثہ ہے۔ اُس دن میں دیکھو گے تم اس سب ساعت کو

بڑی سخت چیز ہے۔ جس دن تم اُسے دیکھو گے

تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ

کہ مارے دہشت کے بھول جائیگی ہر دودھ پلانے والی اُس کو جسے دودھ پلاتی ہو

ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی

وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى

اور پھینک دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو اور آپ دیکھو گے

اور ہر گابھنی اپنا گابھ ڈال دے گی اور تو

النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

لوگوں کو نشہ چڑھا ہوا حالانکہ وہ نشہ چڑھے نہ ہوں گے اور لیکن

لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشے میں ہیں اور نشے میں نہ ہوں گے مگر ہے

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

اللہ کا عذاب ہی سخت ہو گا۔ اور لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو بحث کرتا پھرتا ہے

یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں

فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿٣﴾

اللہ کے بارے میں جہالت سے اور اتباع کرتا ہے ہر شیطان ننگے بے غیرت کی

اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں بے جانے بوجھے اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں

تعلقات اس سورۃ حج کا پچھلی سورۃ الانبیاء سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی سورۃ میں تقریباً ان تمام انبیاء کرام کا ذکر خیر فرمایا گیا جو آج دنیا علم و معرفت میں پہچانے جاتے ہیں اسی ہی مناسبت سے سورۃ حج میں ایک ایسے عمل کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت میں ایک ہی طریقے پر شامل رہا۔ وہ عبادت حج ہے اسی مناسبت سے سورۃ انبیاء کے بعد سورۃ حج کی ترتیب بہت موزوں و درست ہے دوسرا تعلق۔ اس سورۃ حج میں سات چیزیں ذرا تفصیل سے بیان فرمائی گئیں ۱۔ ایمان ۲۔ توحید ۳۔ انذار ۴۔ تخویف ۵۔ قیامت حشر نشر ۶۔ جزا سزا ۷۔ قیامت کے مشاہدات و حالات اور ہولناکی وغیرہ۔ تقریباً یہی سات چیزیں سورۃ انبیاء میں اختصار سے بیان فرمائی گئیں اسی لیے سورۃ انبیاء کے اختصاری مضامین کے بعد سورۃ حج کے تفصیلی مضامین کے لیے اس سورۃ انبیاء کے بعد اس سورۃ حج کا ہونا نہایت مناسب

درست ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی سورۃ انبیاء میں انبیاء کرام کا طریقہ سلطنت اور حکومت و بادشاہت نیز عدل و انصاف کے فیصلے کرنے کے اصول و ضوابط بیان فرمائے گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسولانِ کرام نے دنیا جہان میں کس طرح نیکی اور عدل انصاف اور نمازیں عبادتیں قائم فرمائیں۔ اب اِس سورۃ حج میں انبیاء کرام علیہم السّلام کے اُمتیوں غلاموں کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو کسی ملک کی بادشاہی عطا فرماتا ہے تو وہ بھی اپنی سلطنت میں نماز و عبادت الٰہیہ اور شریعت انبیاء علیہم السلام کو جاری کرتے ہیں اور یہی حقیقی عدل و انصاف ہے انبیاء کرام کی سلطنت اور فیصلے کا ذکر بھی اُس سورۃِ انبیاء کے چھٹے رکوع میں ہوا اور نیک لوگوں کی بادشاہت و عدل و انصاف کا ذکر بھی سورۃ حج کے چھٹے رکوع میں ہوا۔ حُسن اتفاق آج مورخہ ۷/۱۱/۹۰ بروز بدھ کو جب میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں تو جنگ اخبار لندن کی خبر ہے کہ پاکستان میں اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ نواز شریف کو پاکستان کا وزیراعظم بنا دیا گیا ہے خدا تعالیٰ یہ حکومت قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہو اخبار میں یہ بھی لکھا ہے کہ قومی اسمبلی کا پہلا اِجلاس سورۃ حج کی انہی آیات کی تلاوت سے شروع ہوا سنا ہے کہ اسمبلی میں تلاوت کی عادت صدر ضیاء الحق مرحوم نے ڈالی تھی اللہ و رسولہٗ اَعلَم خدا تعالیٰ پاکستان کی اس حکومت کو سچی ہدایت اور نیک راہوں سے نوازے۔

شانِ نزول سردارانِ مکہ میں سے ایک شخص نضر بن حارث بہت جھگڑالو کج بحثی کرنے والا منکرین قیامت میں سے تھا۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتا تھا اور قرآنِ مجید کو پہلوں کے اَفسانوی قصے کہتا تھا۔ مغرور اور احمق جاہل تھا۔ اُس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ از آیت ۳ تا ۴ (از خزائن و امام سیوطی) **نزول**۔ سورۃ حج اپنے نزول کے اعتبار سے بارہ حصوں میں ہے۔ یہ مکّی بھی مدنی بھی سفری حضری بھی لیلی بھی نہاری بھی اس کی آیات کچھ جنگ و جہاد میں بھی نازل ہوئیں کچھ زمانۂ امن میں بھی۔ اس کی چند آیات ناسخ بھی ہیں اور چند منسوخ بھی کچھ آیات محکم ہیں کچھ متشابہ۔ اس لحاظ سے یہ سورۃ عجیب تر ہے (تفسیر صاوی) گویا حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامعِ کمالات آپ کا قرآن جامعِ کلامات اور یہ سورت جامعِ نزولات ہے خیال رہے کہ سورتوں آیتوں کے شانِ نزول اور نزول میں یہ فرق ہے کہ کیوں نازل ہوئی یہ شانِ نزول اور کب اور کہاں نازل ہوئی یہ نزول ہے۔

تفسیر نحوی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ یَا حرفِ ندا۔ اَیٌّ اسم موصول مذکر ہے اس کا مونث ہے اَیَّةٌ نکرہ اعرابی ہے (یعنی ہر اعراب ظاہر ہے)، اگر منادیٰ معرف باللام ہو تو ندیٰ و منادیٰ کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے آتا ہے تاکہ حرفِ ندا مکمل یا مدّ قائم رہے اس کے ساتھ ھا حرفِ تنبیہ ضرور ہوتا ہے اگر ندا شروع کلام میں ہو تو حرفِ ندا ظاہر ہوتا ہے جیسے یہاں اگر ندا اندر درمیان کلام ہو تو حرفِ ندا حذف کر دیا جاتا ہے جیسے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ۔ اَیٌّ کے ساتھ حرفِ ندا صرف یا ندائیہ ہوتا ہے۔ اَیَا ھَیَا اَیْ وَ ہمزہ مفتوحہ نہیں آ سکتے منادیٰ مونث کے لیے اَیَّتُهَا آتا ہے۔ اَلنَّاسُ اسم معرف باللام جنس واحد شروع کلام کے لیے ہے اس کو اُنَاسٌ بھی کہا جاتا ہے نَوْسٌ سے بنایا گیا بمعنیٰ حرکت کرنا اچھل کود کرنا تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اچھل کود انسان کرتا ہے اس لیے یہ نام دیا گیا ایک قول میں یہ اِنْسٌ یا انسان کی جمع ہے منادیٰ معرف باللام ہے اِتَّقُوْا بابِ افتعال امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر رَبَّكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ اس کا فعل پوشیدہ فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جوابِ ندا سب مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ زَلْزَلَةَ اسم حاصل مصدر جامد مضاعف رباعی مادہ ہے بمعنیٰ زمین کا ہلنا بھونچال آنا مضاف ہے الف لام عہد خارجی سَاعَةِ اسم مفرد مونث بمعنیٰ وقت مراد ہے قیامت مضاف الیہ یہ مرکب اضافی اسم ہے اِنَّ کا شَیْءٌ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ چیز موصوف ہے عَظِیْمٌ اسم مبالغہ باب کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ اس کی جمع اشتقاقی عَظِیْمِیْنَ عَظِیْمُوْنَ ہے اور اس کی جمع علمی وصفاتی عُظَمَاءُ ہے بمعنیٰ بہت بڑا صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ۔ یَوْمَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ دن مراد ہے زلزلے کا وقت یہ ظرف زمانی مقدم ہے تَرَوْنَ بابِ ضَرَبَ مضارع مستقبل مثبت معروف جمع مذکر حاضر رَاٰیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دیکھنا محسوس کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مخاطب ہیں یعنی عام لوگ ھا ضمیر منصوب متصل مفعول فیہ ہے مرجع ہے یَوْمَ تَذْهَلُ بابِ فَتَحَ کا مضارع مستقبل واحد مونث غائب ذُهُلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شدۃِ وحشت کی بنا پر بھول جانا ہوش نہ رہنا۔ ذہن سے اتر جانا كُلُّ اسم كُلٌّ تاکیدی مضاف ہے مُرْضِعَةٍ باب

افعال کا اسم فاعل واحد مؤنث غائب رَضْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اپنا دودھ پلانا اپنے پستان سے
مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے عَمَّا اصل میں عَنْ مَا ہے عَنْ حرفِ جر مَا اسم موصول
اَرْضَعَتْ باب افعال کا ماضی مطلق بمعنیٰ مستقبل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا
موصول صلہ مل کر مجرور ہے عَنْ سے جار مجرور متعلق ہے تَذْهَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو
کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ تَضَعُ باب فتح کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب وَضْعٌ سے بنا
ہے بمعنیٰ رکھنا ڈالنا جننا حمل پھینکنا یہاں اسی معنیٰ میں ہے کُلُّ مضاف ذاتِ اسماءِ ستہ مکبرہ
میں سے ذُوْ کا مؤنث واحد ہے اس کی جمع ہے ذوات واحد مذکر ذُوْ کی۔ جمع ہے ذَوُوْ
اس کا اعراب ذُوْ مذکر سے مختلف ہوتا ہے۔ بمعنیٰ والی مضاف ہے حَمْلٍ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ
بوجھ مراد ہے پیٹ کا بچہ انسان یا حیوان۔ مضاف الیہ ہے یہ ڈبل مرکب اضافی فاعل
ہے تَضَعُ کا حَمْلَهَا مرکب اضافی ترجمہ ہے اپنا حمل۔ مفعول بہ ہے تَضَعُ کا سب مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تَذْهَلُ کے جملے پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَرَوْنَ کا یہ فعل
اپنے ضمیر صیغہ فاعل ظرف مقدم مفعول فیہ اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سیر جملہ
تَرَى باب فتح کا فعل مضارع مستقبل واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ
اس کا فاعل ہے مرجع ہر مخاطب انسان یا خود نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اَلنَّاسَ
اسم جمع جنسی مفعول بہ ہے اس کی مزید ردّ ترکیب ہی ملے۔ یُرِی النَّاسُ ترجمہ۔ بھیجے جائیں گے لوگ
ماٗ۔ یُرَی النَّاسُ ترجمہ ہے دکھلائے جائیں گے لوگ النَّاسَ مفعول بہ اوّل ہے سُکٰرٰی۔ اسم جمع
مکسر ہے سکران یا سُکْرٌ اسم فاعل یا صفت مشبہ بروزن فَعْلٌ کی۔ ایک قرأت میں سَکْرٰی
ہے یہ مؤنث جمع ہے اس کا جمع مذکر سُکَارٰ ہے سُکْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نشہ میں۔ لازم
ہے سُکَارٰی کا آخری الف علامت تانیث الف ممدودہ ہے بشکل مقصورہ ایک قول
میں الف مقصورہ ہے بروزن عُجَالٰی حُبَارٰی کُبَارٰی کُسَالٰی۔ یہ مفعول بہ دوم تَرَی واؤ حالیہ
مَا حرفِ نافیہ مشبہ بلَیْسَ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع متصل اسم ہے مَا نافیہ کا اس کا
مرجع اَلنَّاسَ ہے بِ جارہ زائدہ سُکٰرٰی مجرور متعلق ہے کَائِنًا پوشیدہ اسم فاعل تامہ کا یہ
اسم فاعل بافاعل اور اپنے اس متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ کی یہ سب
جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اَلنَّاسَ۔ واؤ عاطفہ ایک قول میں اگلی عبارت معطوف نہیں اور یہ
واؤ زائدہ تاکید کے لیے ہے لٰکِنَّ حرفِ مشبہ بمعنیٰ بلکہ عَذَابَ اللّٰہِ مرکب اضافی اس کا

اسم شَدِیْدٌ صفت مشبہ برائے مبالغہ بروزن فعیل اس کی خبر ہے لٰکِنْ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف استدراکی ہے مَا هُمْ بِسُکٰرٰی ہر دونوں عطف مل کر حال ہوا النَّاسَ کا دونوں مل کر مفعول بہ تَرَی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ۔ واؤ ہر جملہ مِنْ تبعیضیہ یعنی سب نہیں بلکہ کچھ مراد ہے (ایک آدمی) النَّاسِ اسم جمع۔ لفظاً واحد معناً جمع یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجود اسم مفعول کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہے مَنْ اسم موصول یُجَادِلُ باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل مضارع حال واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُجَادَلَۃٌ بمعنی بحث کرنا جھگڑا کرنا یہ مصدر اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی کسی سے بحث کرنا (دو طرفہ) جَدْلٌ سے بنا ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ہے اس کا مرجع مَنْ ہے فِی اللّٰہِ یہ جار مجرور متعلق اول ہے بِغَیْرِ عِلْمٍ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے یُجَادِلُ کا یہ سب فعل فاعل اور دونوں متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَتَّبِعُ باب اِفْتِعَال کا فعل مضارع حال مصدر ہے اِتِّبَاعٌ بمعنی نقش قدم پر چلنا (پیروی کرنا) تَبِعَ سے بنا ہے بمعنی فرماں برداری کرنا ہر حکم ماننا کسی کا ہو رہنا، یہاں یہی معنی ہیں اس کا فاعل بھی ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے کُلَّ اسم تاکیدی کُلَّ مضاف ہے شَیْطٰنٍ اسم مفرد مذکر مراد ابلیس موصوف ہے مَرِیْدٍ باب کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ بروزن فَعِیْلٌ مَرْدٌ سے مشتق ہے بمعنی اپنے لباس سے خالی ہونا یعنی ننگا ہونا مراد ہے نیکی بھلائی تقویٰ طہارت سے خالی ہونا، تقویٰ ہی ایمانی روحانی لباس ہے۔ یہ صفت ہے شیطان کی دونوں مل کر مضاف الیہ کُلَّ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَتَّبِعُ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یُجَادِلُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔ اے دنیا بھر کے تا قیامت انسانو تم سب ہر وقت زندگی کے ہر حال ہر زمانے میں اپنے آپ اپنے رب تعالیٰ کی ہیبت و خشیت قائم رکھو تاکہ تمہاری عقل روشن دماغ تازہ اور دل بیدار رہے اور عقل و قلب روشن و بیدار سے قیامت کا تصور کر سکو۔ اور ہر گندگی بری چیز سے پرہیزگار بن کر متقی پاکیزہ لائق بارگاہ قابلِ امن و عافیت بنے رہو اس لیے کہ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ (سورۃ دخان آیت ۵۱) بے شک صرف متقی لوگ ہی عذاب و عتاب قہر جلال غضب و غصہ کی مصیبتوں اور قیامت کی بڑی چھوٹی گھبراہٹ سے امن کے مقام میں رہتے اور بچنے والے ہیں ورنہ یاد رکھو کہ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ بے شک قیامت میں ہونے والا زلزلہ تمہارے وہم و گمان تصور و تخیل سے بھی بہت بڑا دہشت ناک اور خطرناک ہے پوری زمین اور زمین کی تمام اشیاء نباتاتی جماداتی حیواناتی کو بار بار ہلا کر رکھ دینے والا اس زلزلے سے کبھی تو زمین ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح ڈگمگائے گی جیسے پانی کے تھپیڑے جھنجوڑ کر

دکھیں اور کبھی لٹکی ہوئی اُس لالٹین کی طرح جھومے گی جسے طوفانی آندھی کی ہوائیں جھلاتی ہیں اور اُس کی لَو کو بھڑبھڑاتی ہیں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حدیثِ پاک نے اس وقت زمین کی یہ ہی دو حالتیں بیان فرمائیں اس زلزلے کی دہشتناکی کا اندازہ اس بات سے لگاؤ کہ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ۔ اُس وحشتناک دن میں تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے جو اس وقت زندہ موجود ہوں گے کہ وہ ماں کی ممتا اور شفقتِ والدہ جو اپنے شیرخوار بچے کی خاطر بڑے سے بڑے دشمن ہلاک کرنے والے درندے کے سامنے سینہ سپر ہونے سے نہیں گھبراتی بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکرا جاتی ہے، کمزور مرغی اپنے بچوں کو بچانے کے لیے چیل پر اور بلی پر بھینس شیر پر ہرنی چیتے پر بکری بھیڑیئے پر حملہ آور ہو جاتی ہے، عورت اپنے بچے کو بچانے کے لیے جلتے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ مگر اُس دنِ قیامت کے زلزلے میں تھرتھراہٹ کی مدہوشی کی ماری ہر والدہ اپنے دودھ پیتے ہوئے بچے کو دودھ پلانا بھول جائیگی اور چھوڑ بھاگے گی اور اُس سے بھی زیادہ ہولناکی کا مظاہرہ یہ ہو گا کہ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔ صرف ظاہری حالت اور قلبی کیفیت پر ہی اس زلزلے کی دہشت وہیبت نہ ہو گی بلکہ ہر ایک کا باطن بھی پھٹنے لگے گا دل گردے کٹتے پتے پگھلتے محسوس ہوں گے حواس وہوائیاں خوف سے اُڑنے لگیں گی کلیجے پھٹنے لگیں گے رحم گھبراہٹ سے ڈھیلے پڑ جائیں گے اور ہر حمل والی اپنے کچے حمل ہی پھینک دیگی یعنی زلزلے کا ظاہری اثر طفل بے فطام اور باطنی اثر حمل ناتمام ہو گا یہ تو عورتوں کا حال ہو گا جو اُس وقت کے موجود لوگ تم دیکھو گے۔ لیکن اُس وقت بہادر دلیر پہلوان تماڑا کو جھگڑالو مرد بھی اِس زلزلے میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں گے۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ اور اے محبوب تم خود اپنی نگاہوں سے اُس دن بڑے بڑے شہ زور مردوں کو دیکھو گے کہ گرتے پڑتے بھٹکتے بہکتے پھر رہے ہیں ان کے ظاہری پاگل پنے کی کیفیت نشے والی لگے گی، حالانکہ وہ نشے والے نہ ہوں گے۔ خیال رہے کہ شراب کے نشے سے دو کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ باطن میں سرور ۲۔ ظاہر میں فتور، مگر زلزلۂ قیامت کا سُکر اس قسم کا ہو گا کہ نہ باطن سرور میں نہ ظاہر غرور میں بلکہ باطن میں بھی اضطراب وفتور اور ہلاکت خیز ہلچل مچی ہو گی، مگر مشاہدہ ظاہر کا ہو گا اور اندازہ باطن کا لگ جائے گا۔ یہ اُن مردوں کا حال ہو گا جن کو اپنی جوانی دلیری جنگجوئی اور ہمتِ مردانگی حوصلہ مندی پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ اور بڑی سے بڑی گھن گرج کڑک چیخ چنگھاڑ، دھماکوں، زمین کے عام زلزلوں، گولیوں کی بوچھاڑ سے خوف زدہ اور متاثر نہیں ہوتے، مگر قیامت کا زلزلہ اُن کی بھی سب مردانگی بھسم کر دے گا۔ اس کی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہی اتنا شدید ہو گا کہ کوئی بڑے سے بڑا دل گردے والا بھی اُس کو برداشت نہ کر سکے گا اگر اُس وقت موت آتی ہوتی تو سب جاندار مرجاتے مگر فیصلۂ قدرتِ الٰہیہ کی وجہ سے باوجود سخت اذیت اور توڑ پھوڑ کے کوئی بھی مرے گا نہیں

اس زلزلے کو دو وجہ سے عذاب فرمایا گیا، ایک یہ کہ وہ زلزلہ شدتِ اذیت میں مثل عذاب ہوگا، دوم یہ کہ اُس وقت دنیا میں کوئی مومن مسلمان نہ ہوگا، سب بدکار، شریر، سرکش کافر ہی ہوں گے ایسے لوگوں پر ہی قیامت قائم ہوگی چنانچہ حدیث مقدس کا ارشاد ہے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى اَشْرَارِ الْخَلْقِ۔ اور کفار کی ہر سزا و اذیت غیبیہ کو عذاب ہی کہا جاتا ہے دنیوی ہو یا اُخروی خواہ اُس سے کوئی مرے یا نہ مرے صرف ذلیل ہو۔ نیز لغوی اعتبار سے ہر تکلیف کو عذاب کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ قیامت کی ابتدا کا پہلا عذاب ہے آگے تو اس سے بھی بڑے بڑے عذاب ہیں، اے منکرین قیامت جب یہی تم سے برداشت نہ ہو سکے گا اور گرتے پھروگے تو قبر و حشر جہنم و صراط کے عذاب الیم کو کیسے جھیل سکوگے۔ آج تو بار بار سمجھانے کے بھی بڑی اکڑ و غرور سے انکار کرتے پھرتے ہو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ یَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ۔ اور لوگوں میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضدی اور جاہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اُس کی ہر قدرت کے انکار میں بغیر علم کے جھگڑے کئے ہی جاتے ہیں کبھی مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار، کبھی قیامت قائم ہونے حشر و نشر کا انکار۔ علاماتِ قیامت زلزلۂ ساعت محشر کے حساب و کتاب جنت و دوزخ ہر ایک کے وجود کے منکر ہر قدرت و حقیقت کے کافر، اِن جیسے ہی بیہودہ لوگوں نے بھی لغو عقیدے بنا لیے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یہ عقیدہ اس وجہ سے بنایا کہ فرشتے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے تو گویا وہ پردہ نشین ہیں چھپی رہتی ہیں یہ عقیدہ انتہائی حماقت ہے اور بے ایمان۔ اخلاق عادات اعمال اقوال، کردار خصلت کسی چیز میں بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اتباع نہیں کرتے لیکن اِتباع کرتے ہیں تو اُس شیطان کی جو ہر اچھائی سے عاری ہر برائی میں ننگا، اور ظاہر ظہور بے غیرت ہے خیال رہے کہ قیامت کی ابتداء نفخۂ اوّل سے ہوگی اور انتہا پُل صراط پر پہنچنے سے چنانچہ سورۃ الحاقہ آیت ۱۳ پارہ ۲۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۔ ابتداءِ قیامت میں چھ کام ہوں گے پہلا کام نفخۂ فزع اکبر دوم دوسرا نفخۂ صعق یعنی تمام جاندار بیہوش یہاں تک کہ قبر والے بھی اور عذاب قبر بند ہو جائے گا۔ سوم تیسرا نفخۂ قیام یعنی تین بار صور پھونکا جائے گا۔ چہارم میدانِ محشر میں جمع ہونا، پنجم حساب و کتاب اور فیصلۂ الٰہیہ ششم شفاعت کبریٰ و صغریٰ اور پھر پُل صراط کی طرف سب کی روانگی اس کے بعد قیامت ختم پُل صراط پر گزرنا شروع پھر جنتی جنت میں۔ یا اللہ مجھ کو اور میری اولاد اور میرے تمام محبوبوں پیاروں کو اپنے کرم سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ ان ہی میں شامل فرما۔ اور جہنمی جہنم میں، کچھ سزا کے لیے کچھ رہائش، عذاب کے لیے۔ اَللّٰهُمَّ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

روایات سے ثابت ہے کہ نفخۂ فزع کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ نفخۂ فزع سے پہلے جو کچھ عجائبات سے ہوگا وہ قیامت نہیں بلکہ علاماتِ قیامت ہونگی جن میں دس علامات بڑی بڑی ہیں، جن کا ذکر گزر گیا۔ حدیثِ پاک کی عبارت اور آیتِ پاک کی اشارت میں اِن تین نفخوں کا ذکر ہی ملتا ہے، چنانچہ سورۃ نمل آیت ۸۷ میں ارشاد ہے۔ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی جس دن پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو گھبرا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں آسمانوں والے جلالِ الٰہی کی ہیبت سے اور زمین والے زلزلۂ ساعت کے خوف سے یہ پہلا نفخۂ فزعِ اکبر ہے دوسرے نفخۂ صعق کا ذکر سورۃِ زمر کی آیت ۶۸ میں اس طرح ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ یعنی جب دوبارہ صور میں پھونکا جائیگا تو بیہوشی میں فنا ہوجائینگے وہ سب بندے جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں سوائے اُن کے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہ لیا وہ بچے رہیں گے۔ تیسرے نفخے کا ذکر اسی سورۃ زمر کی اسی آیت میں آگے ارشاد ہے ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ یعنی پھر جب آخری بار اُس میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ جن و ملک انسان دوبارہ پیدا ہوکر کھڑے ہوجائیں گے شدت کے انتظار میں ہر طرف دیکھیں گے اسی تیسرے اور آخری نفخۂ صور کا ذکر سورۃ یٰسٓ آیت ۵۱ میں اس طرح ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ یعنی جب آخری بار صور میں پھونکا جائیگا تو ایک دم سب انسان اپنی اپنی قبروں سے پیدا ہوکر اپنے رب تعالیٰ کی طرف بھاگ پڑیں گے۔ اور اسی تیسری بار صور پھونکنے کا ذکر سورۃ مومنوں کی آیت ۱۰۱ میں اس طرح ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۔ یعنی جس دن قیامِ قیامت کا صور پھونکا جائے گا اُس دن نہ کوئی رشتے داریاں ہوں گی اُن لوگوں کے درمیان اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

حکایت : سورۃ حج کی پہلی یہ دو آیتیں غزوۂ بنی مصطلق میں دورانِ سفر نازل ہوئیں واپس آتے ہوئے پندرھویں روز پچھلے رات کے وقت۔ اور جب اُسی رات نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام کو سنائیں تو تمام صحابہ پر قیامت کا اتنا خوف طاری ہوا کہ ساری رات غمگین اور متفکر اور کچھ لوگ روتے رہے صبح کو اسی غم سے نڈھال نہ کسی نے کھانے کا انتظام کیا نہ چلنے کی تیاری نہ چولہا جلایا تب آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام کو جمع فرمایا اور پوچھا کہ بتاؤ وہ دن کیسا ہوگا صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی بہتر جانتے ہیں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُس دن رب تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائیگا اے آدم اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو علیحدہ کرو اور جنت کا حصہ علیحدہ کرو آدم علیہ السلام عرض کریں گے مولیٰ جہنم کا حصہ کتنا ہے۔ جواب آئے گا کہ ہزار میں نوسو ننانوے (۹۹۹) جہنمی ہیں ایک جنتی، یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نے عرض کیا پھر نجات تو بہت مشکل ہے اس پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام کفار اور یاجوج وماجوج ملا کر اہل ایمان کے مقابل وہ نوسو ننانوے ہی بنتے ہیں اور مومن ہزاروں حصہ بنتے ہیں، پھر ارشادِ مقدس و معطر فرمایا کہ قیامت میں جنتی لوگوں کی ایک سو بیس صفیں ہونگی جن میں میری امت کی اسی صفیں ہوں گی اس طرح اہل جنت میں دو تہائی میری امت اور ایک تہائی باقی اُمتیں، اس پر صحابہ کرام نے خوش ہو کر شکرِ الٰہی میں نعرۂ تکبیر بلند فرمایا (از مشکوٰۃ شریف ص۴۸۱ تفسیر صاوی، خازن، معانی) سورۃ حج کی ابتدا قیامت کے ذکر سے دو وجہ سے ہوئی ایک یہ کہ اس سے پہلے سورۃ انبیا کی آخری آیت میں قیامت ہی کا ذکر ہوا مگر اجمالی مثلاً مَا تُوْعَدُوْنَ اور مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ اور رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ اب یہاں ذرا تفصیل سے ذکرِ قیامت ہے دوسری وجہ سورۃ حج کی آیت ۲۷ میں حج کا ذکر ہے اور حج کا نقشہ بھی نقشۂ قیامت کا مختصر نمونہ پیش کرتا ہے، خیال رہے کہ وہ کیفیتی صفات جو صرف عورت کو لاحق ہوتی ہیں اس میں عورت کے لیے مذکر لفظ بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور مؤنث بھی جیسے، حیض، نفاس، حمل، طلاق، رضاعت وغیرہ مگر فرق یہ ہوگا کہ اگر مؤنث لفظ استعمال کیا گیا تو مراد ہوتا ہے بالفعل وہ حالت ہے اور اگر مذکر لفظ استعمال کیا گیا تو مراد ہوتا ہے بالقوۃ وہ اس کیفیت کے قابل ہے، مثلاً حائضہ اُس وقت کہا جائے گا جب حیض آ رہا ہو اور حائض اس عورت کو کہا جائے گا جس میں حیض آنے کی طاقت اور صحت ہو، بچپنے یا بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض بند اور ختم نہ ہو گئے ہوں، اسی طرح حاملہ حمل والی اور حامل قابلِ حمل، نافسہ نفاس والی اور نافس قابلِ نفاس، مطلقہ جس کو طلاق ہو چکی ہو اور مطلق قابلِ طلاق یعنی خاوند والی، اسی طرح مرضعہ وہ عورت جو شیر خوار بچہ کو دودھ پلا رہی ہو، اور مرضع دودھ والی عورت یہاں مُرْضِعَةٍ اسی بتانے کے لیے ارشاد ہوا کہ مائیں زلزلہ قیامت کی ہیبت اس شدت کی محسوس کرینگی کہ دودھ پیتے ہوئے بچوں سے دودھ چھڑا کر بھاگ جائیں گی ایسی دودھ پیتی حالت میں بچوں کو چھوڑ بھاگنا ماؤں کی شفقتِ مامتا کے لیے بہت مشکل ہے یہ بھاگنا اپنی جان بچانے کے لیے نہ ہوگا بلکہ دہشت سے دماغ چل جائیں گے، ذَاتِ حَمْلٍ کا معنیٰ حمل کچا نہ ہوگا بلکہ مکمل بن جانیوالا بے جان حمل پختہ ہونے کے باوجود نکل پڑے گا یہ بھی اُس وقت کی سخت دہشت کے اُس اثر کی طرف اشارہ ہے جو ہر انسان کے باطنی جسم پر پڑیگا اس لیے کہ اس پختگی میں حمل نہیں گرتا حمل کی چھ حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلی نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظاماً پھر لحماً پھر مکمل جسم واعضا اس کے بعد جان پڑتی ہے چار یا چھ ماہ بعد، پہلی حالت کا حمل معمولی اچھل کود سے گر جاتا ہے، دوسری حالت کا حمل اچھل کود سے نہیں گرتا ہاں گرم تاثیر کی دوائیاں کھانے سے گر جاتا ہے، تیسری حالت کا حمل دوائیوں گولیوں گرم خوراکوں سے بھی نہیں گرتا ہاں اٹھرا کی بیماری یا پرچھاویں اور جادو وغیرہ کے عملیات وتعویذات سے گر جاتا ہے یہ جنات کی شرارت ہوتی ہے، چوتھی حالت کا حمل بیماری اور جادو سے

بھی نہیں گرتا ہاں البتہ کسی دھشتناک خبر یا انتہائی غم پڑنے سے گرجاتا ہے مگر پانچویں اور چھٹی حالت کا حمل اس کیفیت سے بھی نہیں گرتا، اگر نکالنا پڑے بھی تو بہت دشواری یا چھوٹے بڑے آپریشن سے ہی نکالا جاسکتا ہے اِن چھ حالتوں میں سے کسی بھی حالت کا حمل ہو تو والدہ کو حاملہ کہا جاتا ہے مگر جب پانچویں یا چھٹی حالت کا حمل ہو جائے تو والدہ کو ذاتَ حَمْلٍ بھی کہا جاتا ہے اُس وقت بچہ سخت اور بچہّ دانی بھر کر رحم مضبوط ہو جاتا ہے رحم کا منہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے حمل گرنے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا لیکن قیامت کے اُس زلزلے کی شدت اتنی کرخت ہو گی کہ حمل والیاں اپنے اُس مضبوط حالت پر پہنچے ہوئے حمل کو بھی نہ روک سکیں گی اور سخت شدہ رحم بھی لرزہ براندامی جاں گدازی کی وجہ سے ڈھیلے پڑجائیں گے اور منہ کھُل جائیں گے حمل گر جائیں گے ذاتَ حَمْلٍ فرما کر شِدَّتِ زلزلہ کی کرختگی بتائی گئی، حکما کے نزدیک رحم کے بوجھ کو حَمْل فتحہ اور زبر سے؛ پیٹھ کے بوجھ کو حِمل کسرہ سے اور زیر سے کہا جاتا ہے۔ زلزلۂ ارض کے اسباب۔ زمین کے عام زلزلوں کے متعلق سائنسدانوں کے دو قول ہیں ایک یہ کہ زمین کے اندر جس جگہ آتشی گیس زیادہ مقدار میں جمع ہو جاتی ہے وہ جگہ گیس کی شدت کی وجہ سے پھڑپھڑاتی ہے اور اُس وقت تک پھڑپھڑاتی رہتی ہے جب تک گیس زمین کے دوسرے حصوں میں اِدھر اُدھر بکھر کر حسب ضرورت نہ رہ جائے اس پھڑپھڑاہٹ کی وجہ سے اتنے حصےّ میں زلزلہ محسوس ہوتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے انسانی حیوانی جسم میں جب کسی جگہ اندرونی ہوا جمع ہو جائے تو جسم کا وہ حصہ پھڑپھڑاتا ہے جس کو ہم آنکھ ناک کان یا بازو اور کندھے کا گوشت پھڑکنا کہدیتے ہیں۔ دوم یہ کہ جب اور جس جگہ زمین کی اندرونی آتش فشانی پھٹتی ہے تو دھمک سے زمین لرز اٹھتی ہے ایسے زلزلے وہاں زیادہ آتے ہیں جہاں آتش فشاں پہاڑ ہوں۔ سوم یہ کہ قدرتِ الٰہی سے زمین کا اندرونی حصہ گرم رکھنے کے لیے بارود، گندھک پٹاس کے ذخیرے زمین کے اندر پیدا کئے گئے ہیں، جب کبھی اُن کی گرمی حدِ ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے تو زمین میں پسینہ پیدا ہوتا ہے اس پسینے سے زمین کو جھُرجھُری آتی ہے اور مُسامات کے ذریعے گرم پانی باہر نکلتا جس سے گرمی کم ہو کر ضرورت کے مطابق رہ جاتی ہے اس جھُرجھُری سے زمین مثلِ کشتی ہچکولے کھاتی ہے جس کو زلزلہ کہدیا جاتا ہے چہارم یہ کہ جب بڑے پہاڑ اندرونی یا بیرونی طور پر پھٹتے ہیں تو ان کی تمام جڑوں میں دھمک پیدا ہوتی ہے اور جہاں تک وہ جڑیں پھیلی ہوں وہاں تک کی زمین کانپ جاتی ہے اِس کو بھی زمینی زلزلہ کہا جاتا ہے پنجم یہ کہ جب سمندر میں اُبال آتا ہے تو اُس کے طوفانی اثرات کناروں تک پہنچتے ہیں تو جن شہروں یا علاقوں میں سمندری ساحل ہیں وہاں کی زمین میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے یہ سبب سے ہلکا زلزلہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ زلزلے

کی سختی نرمی زلزلے کے مرکزی مقام کے قریب و بعید ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ ششم، فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب زمین کے کسی ایک طبقے میں ارتعاش پیدا ہو تو زلزلہ آتا ہے، ارتعاش شدید لرزنے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اور زمین کو لرزہ قدرتی طاقتوں کی وجہ سے، اور تین وجہ سے ان طاقتوں کا ظہور ہوتا ہے، ایک یہ کہ زمین کی گہرائی میں درجۂ حرارت بہت زیادہ ہے چونکہ زمین میں دھاتیں ہیں حرارت کی وجہ سے دھاتیں پگھلتی ہیں اور نلی بن کر سرکتی ہیں تو زمین لرزتی ہے جس سے ارتعاش اور ارتعاش سے زلزلہ دوسری وجہ، چٹانیں قدرتی دباؤ سے کھنچتی اور پھر جھٹکا کھیلتی ہیں تب لرزہ پیدا ہوتا ہے جس سے ارتعاش اور پھر زلزلہ، تیسری وجہ یہ کہ زمین میں اُس کے اپنے مسامات سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں اس سے زمین میں رخنہ اور خلا پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لرزہ اور لرزے سے ارتعاش اور ارتعاش سے زمین جھومتی ہے اس کو بڑا زلزلہ کہتے ہیں۔ زیرِ زمین چٹانیں کمان کی طرح جھکنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جھکتے جھکتے ٹوٹ جاتی ہیں جب ٹوٹتی ہیں تو دھمک سے زلزلہ آتا ہے ہفتم۔ کچھ سائنسدانوں کا قول ہے کہ پوری زمین بلاک اور ٹکڑیوں کی شکل میں ہے۔ بعض جگہ ساتھ ساتھ اور بعض جگہ اوپر نیچے ان کو طبقاتِ ارض کہا جاتا ہے یہ بلاک بعض وقت کسی نامعلوم وجوہ سے اوپر نیچے حرکت کرتے ہیں رسپرنگ کی طرح تو جس علاقہ میں طبقاتِ ارضی مثلِ سپرنگ متحرک اور جتنی دیر متحرک ہوں وہاں کی سطح زمین بھی متحرک ہو جاتی ہے اس کو ہلکا زلزلہ کہا جاتا ہے یہ حرکت چند منٹ ہی رہتی۔ بعض جگہ کی زمین اگر نرم ہو تو اس ہلکے زلزلے سے بھی عمارتیں گر جاتی ہیں۔ اصطلاحِ فلاسفہ میں اس بلاک کو نقطۂ ارض کہا جاتا ہے، اور جس نقطہ میں حرکت پیدا ہوتی ہے اسے نقطۂ ماسکہ کہا جاتا ہے، انگلش میں فوکس، اور جس طرف سے یہ حرکت شروع ہوتی ہے اس کو عربی میں منبع اور انگلش میں سینٹر کہا جاتا ہے، ہشتم۔ بعض سائنسدانوں کے نزدیک زمین کے تمام حصوں میں ہمیشہ گہرائی میں توڑ پھوڑ جاری رہتی ہے مگر جب اس توڑ پھوڑ میں کبھی شدت آ جاتی ہے تو زمین کا وہی شدت والا علاقہ ہلنے لگتا ہے، اس توڑ پھوڑ کو سائنسی زبان میں ٹیکٹانک کہتے ہیں یہ بھی چٹانوں کے ایک دوسرے پر دباؤ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اکثر یہ جھٹکے بہت ہلکے ہوتے ہیں، نہم، ساحلی سمندری علاقوں میں جو زلزلے آتے ہیں وہ سمندری لہروں کے مدوجزر سے پیدا ہوتے ہیں، جن کو طوفانِ سونامی کہتے ہیں، ان کو ہندی میں سوناتھی طوفان یعنی سورج کی آتشی شعاعوں کی بنا پر پانی میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اہلِ علمِ فلکیات کے نزدیک جب آفتاب بُرجِ قوس میں جاتا ہے تب اُس کی ترچھی شعاعیں سمندر پر پڑتی ہیں یہ طوفانِ سونامی بعض دفعہ چھ سو ستر میل فی گھنٹہ کے رفتار سے چلتا ہے، اُس وقت لہروں کی اونچائی تین فٹ سے سو فٹ تک ہوتی ہے۔ اتنی تیزی سے پانی ٹکراتا ہے کہ پانی میں گرمی اور گرمی سے بجلی اور بجلی سے زمین دہلتی ہے، بعض وقت یہ لہریں اتنی خطرناک ہوتی ہیں کہ ان سے زمین بلکہ چٹانیں بھی دھنس جاتی ہیں اور

زمین پھٹ جاتی ہے۔ سائنسدانوں اور فلاسفہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ پوری روئے زمین پر سال میں تقریباً
چھوٹے بڑے دس ہزار زلزلے آتے ہیں، جن میں اکثر اگرچہ معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر ان کا نقصان شدید
ہوتا ہے، دنیا بھر میں ہر ہفتہ میں ایک بار کہیں نہ کہیں زلزلہ ضرور آتا ہے۔ آج سے ڈھائی سو سال پہلے سائنسدانوں
نے زلزلوں کی پیمائش کے لیے ایک آلہ تھرمامیٹر ایجاد کیا تھا جس کا نام سیسموگراف رکھا گیا، اس آلہ سے
زلزلوں کی رفتار اور حرکت ناپی جاتی ہے یعنی کتنے سیکنڈ میں کتنی بار دائیں بائیں یا نیچے اوپر اس زلزلے
میں زمین ہو رہی ہے، پیمائش کے نشاناتِ عددی کو، ریکٹر سکیل کہتے ہیں۔ یہ دس نمبروں تک بنائے گئے
ہیں۔ مگر آج تک کسی زلزلے کی حرکت کی رفتار نو سکیل سے آگے نہ بڑھی سب سے شدید زلزلہ ۱۵۵۶ء میں چین
کے علاقہ شن سائی میں آیا تھا اس کی پیمائش نو سکیل تک پہنچی تھی اور آٹھ لاکھ افراد ہلاک ہوئے ایک ہزار گاؤں
صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے، پھر اس کے بعد یکم نومبر ۱۷۵۵ء میں پرتگال کے علاقہ لزبن میں سونامی
زلزلے کے تین جھٹکے آئے جس سے تیس ہزار افراد ہلاک ہوئے، اور دو بڑے شہر تباہ ہو گئے، پھر یکم نومبر
۱۹۲۳ء کو ٹوکیو اور یوکوہاما جاپان میں زلزلہ آیا، جس سے ایک لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور چالیس بستیاں
تباہ ہوئیں، مالی نقصان کا اندازہ ہی نہیں، پھر ۱۹۳۵ء میں یکم اور دو اپریل کو کوئٹے میں آیا، بلوچستان کا دار الخلافہ
اس میں بھی تقریباً بیس ہزار آدمی فوت ہوئے اور پورا شہر ٹوٹ پھوٹ گیا، فلاسفہ اور سائنسدانوں کے ان نو
مختلف اقوال سے زلزلہ نو قسم کے ہوتے ہیں ۱ زلزلہ غازاتی یعنی زمین کا گیسی آتشی ۲ آتش فشانی زلزلہ
یعنی فاربہ جوار بھاٹہ پھٹنے سے ۳ باردی زلزلہ ۴ خسوفاتی زلزلہ، اس میں زمین دھنستی ہے ۵ طوفانِ
سمندری کا زلزلہ ۶ زلزلہ انشقاقی، اس میں زمین پھٹتی ہے ۷ دوّاوی زلزلہ، اس میں زمین جھومتی یا جھولتی
ہے اگر زلزلہ نرم ہو تو جھومتی ہے سخت ہو تو جھولتی ہے ۸ الجائی زلزلہ زمین کے اندر مد و جزر پیدا
ہوتا ہے ۹ زلزلہ سونامی، دنیا میں اب تک چار بڑے زلزلے آئے ہیں، ۱ چین ۲ پرتگال ۳ جاپان
۴ بلوچستان، وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ مولیٰ تعالیٰ ہر زلزلے سے بچائے، اور یا اللہ
ہمارے دین و ایمان میں زلزلہ نہ آئے یہ تھے وہ اقوال جو سائنسدانوں کے تحقیقی اندازوں سے کئے
گئے دسواں قول وہ حقیقت جو حدیثِ مقدسہ سے ثابت ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ
مستدرک حاکم ایک حدیث پاک نقل فرمائی کہ رب تعالیٰ نے زمین میں بے شمار رگیں پیدا فرمائی ہیں، اور
وہ تمام رگیں کوہِ قاف میں جمع ہیں اسی لیے کوہِ قاف کو زمین کا پیر کہا جاتا ہے۔ اور کوہِ قاف پر ایک
فرشتہ موجود ہے جس کے ہاتھ نے مثلِ لگام وہ تمام رگیں پکڑی ہوئی ہیں جب حکم الٰہی آتا ہے تو رگوں کو
کھینچتا ہلاتا ہے اور جس علاقے کی رگ کو ہلانے کا حکم ملتا ہے صرف وہی رگ ہلائی جاتی ہے اس رگ

ہلنے سے اُسی علاقے میں زلزلہ آجاتا ہے اُس کو عام زلزلہ کہا جاتا ہے جب قیامت کا پہلا نفخہ ہوگا تو بحکم الٰہی وہ فرشتہ تمام رگوں کو یک وقت ہلائے گا جس سے زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ بن کر پوری زمین پہلا کا ہو جائے گا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ اسی زلزلے کا یہاں ذکر ہے۔ یہ تین وجہ سے شَیْءٌ عَظِیْم ہوگا ۱۔ یہ کہ وہ پوری کا زمین پر ہوگا اور ظاہری باطنی زمین پر ہوگا ۲۔ پوری قوت وشدت سے ہوگا جس میں شور کثیر بھی ہوگا ۳۔ مسلسل چالیس ساعت رہے گا ماخوذات ہم نے آٹھ کتابوں سے یہ معلومات اخذ کی ہیں ۱۔ مستدرک حاکم ۲۔ تفسیر روح المعانی ۳۔ عجائب المخلوقات ۴۔ فلسفہ امام رازی ۵۔ ڈکشنری جغرافیہ ۶۔ کتاب حقائق کی تلاش ۷۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ ۸۔ اُردو دائرہ المعارف انسائیکلو پیڈیا۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال، یٰاَیُّھَا النَّاسُ میں تین قول ہیں بعض نے فرمایا اس سے مراد صرف کفار ہیں۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد صرف اہل ایمان لوگ ہیں کیونکہ یہاں تقوے کا حکم ہے اور تقویٰ ایمان کے بعد ملتا ہے کفار کو ایمان کا حکم دیا جاتا ہے۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ یٰاَیُّھَا النَّاسُ کا خطاب صرف کفار کو ہوتا ہے اسی لیے تفسیر مدارک میں ہے کہ مکی آیتوں سورتوں میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب نہیں ہے یہ دونوں طرح سے خطاب صرف مدنی آیتوں سورتوں میں ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد سب انسان ہیں مومن بھی کافر بھی اور تقوے سے مراد پرہیزگاری وخشیت نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے عذاب کا خوف ہے جو کہ ہر انسان کے لیے ضروری مومن ہو یا کافر اور یہی ایمان کا پیش خیمہ ہے گویا اِتَّقُوْا فرما کر ایمان ہی کا حکم دیا جا رہا ہے مومن کو ثابت رہنے کا اور کفار کو ثابت وقائم ہو جانے کا، جیسے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ۔ مگر پہلا قول مضبوط ہے دو وجہ سے اولاً یہ کہ آگے عذاب شدید کا ذکر ہے جو صرف کفار کے لیے ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی دوم یہ کہ قیامت کے وقت دنیا میں صرف کفار ہی ہوں گے لہٰذا اُس وقت سے ڈرانے کا خطاب بھی صرف انہیں سے ہے۔ اِتَّقُوْا میں دو قول بعض نے کہا خوف عذاب مراد ہے جو صرف کفار کے لیے ہے۔ بعض نے کہا خشیت الٰہی مراد ہے جو صرف مومن کی شان ہے۔ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ کی اضافت میں تین قول بعض نے کہا یہ اضافت لامیہ ہے یعنی لِلسَّاعَةِ ترجمہ متعلقہ قیامت کے لیے زلزلہ۔ بعض نے کہا یہ اضافت ظرفیہ ہے یعنی فِی السَّاعَةِ ترجمہ ہے قیامت میں زلزلہ۔ بعض نے کہا یہ اضافت حقیقیہ ہے یعنی قیامت کا زلزلہ مُرْضِعَةٍ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد صرف انسانی والدہ ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد ہر دودھ پلانے والی ہے خواہ جانور ہو یا والدہ ہو یا انسانی دائی مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ جانوروں میں رضاعت شفقت نہیں صرف دیکھنے کی شفقت ہوتی ہے اور دائی میں مامتا نہیں ہوتی۔ وَتَرَى النَّاسَ میں دو قول بعض نے فرمایا کہ تَرَى میں خطاب نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ تا ابد عالمین کا مشاہدہ فرمانے والے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، نزول آیت کے وقت سے صرف آپ ہی اس شان خداداد کے مالک ہیں

جو قیامت کے اُس وقت کا مشاہدہ کرسکیں اور یَوۡمَ تَرَوۡنَ میں تمثیلی و فرضی خطاب ہے یعنی فرضاً اگر تم ہوئے تو دیکھو گے۔ لیکن بعض نے فرمایا کہ یہ مجازی خطاب ہے اور اُس وقت کے زندہ موجود لوگ مراد ہیں جو زلزلے کے وقت ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا میں بھی مجازی خطاب ہے اور مراد اُس وقت کے زندہ لوگ ہیں جو موجود ہوں گے۔ سُکٰرٰی کی قرأت میں تین قول۔ مشہور قرأت میں سُکٰرٰی ہے، شاذ قرأت میں سَکْرٰی، نادر قرأت میں سُکْرٰی ہے۔ مَنۡ یُّجَادِلُ میں تین قول بعض نے کہا اس سے مراد نضر بن حارث ہے۔ بعض نے کہا ابو جہل مراد ہے۔ بعض کے نزدیک اُبَی ابن خلف مراد ہے کُلَّ شَیۡطٰنٍ میں دو قول بعض نے لکھا کہ اس سے مراد ابلیس اور اس کی جناتی ذریت ہے، مگر بعض نے لکھا اس سے مراد سرداران مکہ اور اُمراءِ کفر ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ سرداران مکہ کی تعداد ستر تھی جن کو نقیبُ الاشراف کہا جاتا تھا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ اَعۡلَمُ۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مومن کی سب سے بڑی دولت اُس کا تقویٰ ہے کیونکہ تقوے سے چھ روشنیاں ملتی ہیں ۱ عقلِ سلیم ۲ حکمت ۳ شرح صدر ۴ تذکیۂ قلب ۵ طہارت روح ۶ کشفُ القلوب یہ فائدہ اِتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ فرمانے سے حاصل ہوا حدیث مقدس میں ارشاد ہے۔ رَاْسُ الۡحِکۡمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ۔ یعنی حکمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، تقوے کی چار قسمیں ہیں۔ پہلا تقویٰ جسمانی، دوسرا روحانی، تیسرا عقلی، چوتھا تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ یہ سب سے بلند اور بڑا تقویٰ ہے یعنی دل کا تقویٰ اسی سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تقویٰ ادب اور تعظیم سے ملتا ہے، گستاخوں کو نہیں ملتا۔ دوسرا فائدہ۔ بندے کو چاہیئے کہ اپنے ایمان میں ثابت قدم اور اعمالِ صالحہ میں مستقل مزاج رہے یک در گیر محکم گیر یعنی ایک دروازہ پکڑو اور محکم و مضبوطی سے تمام عمر کے لیے پکڑ و، جو شخص متزلزل مزاج متذبذب طبیعت والا ہو اپنے اعمال و عقائد میں ادل بدل کرتا رہے کہ کبھی حق کے ساتھ کبھی باطل کے ساتھ وہ ہمیشہ بے اعتبار اور نقصان میں ہی رہتا ہے، اُس کے انجام کی بنیادیں کبھی مضبوط نہیں رہ سکتیں۔ یہ لوگ کبھی سنی کبھی وہابی، کبھی شیعہ ایسے بدنصیب لوگوں کو زلزلۂ قیامت سے ڈرایا جا رہا ہے۔ یہ فائدہ۔ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ۔ فرمانے کے اشارۃُ النص سے حاصل ہوا یعنی اے بندے اگر قیامت کے زلزلے سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اپنے دین ایمان، اعمال، عقائد کو مزاجی تخریب کاری کے زلزلوں سے بچائے رکھ۔ ورنہ یہ قیامت کا زلزلہ قبر و حشر میں بھی تجھ کو نہ چھوڑے گا۔ تیسرا فائدہ۔ جو انسان اپنی بات منوانے اور جیتنے کے خاطر غلط اور جھوٹی باتیں کرے وہ دین دنیا کے اعتبار سے مفسد اور جھگڑالو ہوتا ہے اگرچہ پڑھا لکھا سمجھدار ہو، اور جو بندہ ہمیشہ سچی اور صحیح بات کرے وہ مصلح اور اصلاح کرنے والے ہوتا ہے اگرچہ ان پڑھ ہو۔ وہی حق والا ہوتا ہے کیونکہ غلط بات پر ضد کرنا جہالت ہے جس کو تعصب کہتے ہیں اور سچی اور صحیح بات

برضد کرنا عداوت ہے اسی کو تصلّب کہتے ہیں۔ لہٰذا جاہل وہ جس کی بات جاہلانہ اور عالم و عاقل وہ جس کی بات سیدھی سادی سچی ہو جہالت اور تعصب بری چیز ہے اور صداقت و تصلّب اچھی چیز ہے۔ یہ فائدہ مَنۡ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق علم والے علما کی بحث مباحثہ مکالمہ، مناظرہ مجادلہ سب کچھ جائز ہے اگر تحقیقِ حق کے لیے ہو اگر دنیوی غرض کے لیے ہو تو ناجائز ہے لیکن بے علم جاہل انسان کے لیے تو بالکل ہی جائز نہیں کہ کسی دینی مسئلے میں کسی شخص سے مباحثہ کرے عام آدمی کے ساتھ بھی منع عالم کے ساتھ تو سخت گناہ ہے۔ مسئلہ پوچھنے کے لیے سوال اور سمجھنے کے لیے صرف مکالمہ کر سکتا ہے وہ بھی صرف دینی علما سے برابر کے آدمی سے وہ بھی منع ہے تاکہ دین کھیل نہ بن جائے دین کا وقار و احترام ہر مسلمان پر فرض ہے دین کے مسائل سے ناواقف انسان کا دینی مسائل میں کج بحثی کرنا توہینِ دین ہے۔ یہ مسئلہ مَنۡ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ کے ارشاد میں بغیرِ علم کی قید سے مستنبط ہوا، اور ثابت ہوا کہ صرف بغیرِ علم مجادلہ ممنوع اور گناہ ہے اسی قید سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علم والے تلاشِ حق کے لیے مجادلہ مناظرہ کر سکتے ہیں شرعاً جائز بلکہ کئی دفعہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ نحل کی آیت ۱۲۵ میں ارشادِ الٰہی ہے۔ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ۔ یعنی احسن اور علمی طریقے سے مجادلہ کرنا چاہیے، دینی علوم سے ناواقف اگرچہ دنیوی اعتبار سے کسی ملک کا ماہر ڈپلومیٹ سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بھی ہو اُس کو بھی کسی محقق مدقق متبحر عالم اور مفتیِ اسلام سے کج بحثی کرنا جائز نہیں اگر کرے گا تو شرعی مجرم ہوگا۔ قیامت میں سزا پائیگا کیونکہ مستند عالم مفتیِ اسلام بذاتِ خود اسلامی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہے جس کی مرکزی عدالت مدینہ منورہ ہے اور حاکمِ اعلیٰ خالقِ کائنات اور اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ۔ بحث کی چار صورتیں ہوتی ہیں ۱ مناظرہ ۲ مکالمہ ۳ مجادلہ ۴ مباحثہ، اور چاروں میں فرق یہ ہے کہ مکالمہ وہ سوال جواب جس میں ایک طرف سے سوال ہوتے ہیں دوسری جانب سے جواب اور مقصد صرف سمجھنا سمجھانا ہوتا ہے جیسے سبق پڑھتے ہوئے شاگرد اور استاد کے سوال جواب۔ مکالمہ عام بات چیت گھریلو یا بازاری یا صرف مسئلہ مسائل پوچھنا اور دو طرفہ گفتگو۔ مناظرہ وہ گفتگو جو دو طرفہ ہو اور ہر شخص اپنی بات منوانے کے لیے با دلائل ثابت کرنا چاہے دوسرا شخص اپنے فریقِ مخالف کے دلائل توڑ کر اپنے دلائل اپنی بات ثابت کرنے اور منوانے کی کوشش کرنے دو طرفہ خلوص ہو۔ مناظرے میں شرط یہ ہے دونوں بحث کرنیوالوں کا علم برابر ہو احادیثِ مبارکہ میں اسی پُر خلوص بات چیت کو بَحۡثُ اُمَّتِيۡ لِحِكۡمَةٍ کے انعام نبوی سے نوازا گیا ہے۔ مجادلہ یہ ہے کہ دو طرفہ بادلائل گفتگو کرکے منوانیکی کوشش کرے مگر علم کی

برابری شرط نہیں تھوڑے علم والا بھی بڑے علم والے سے اپنے تجرباتی مشاہداتی دلائل سے بحث کرسکتا ہے دینی معاملہ ہو یا دنیوی مگر علم اور دلائل ہوتے شرط ہیں۔ مباحثہ یہ ہے کہ کوئی بھی کسی سے کسی معاملے میں بحث کرے مگر دلائل دو طرفہ کسی کے پاس نہ ہوں۔ یہ دنیوی معاملات میں جائز ہے جیسے جھاڑ لے کرنا وغیرہ مگر دینی معاملات میں دو طرفہ ناجائز۔ اس کو کج بحثی کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو قَالُوْا سَلٰمًا کہدیا جانا چاہیئے ایسے ہی لوگوں کو قرآن مجید میں جَاهِلُوْنَ فرمایا گیا۔ اگر ان چاروں میں ادب تمیز بڑوں کا احترام۔ للہیت، تلاش حق یا احقاق حق یہی نیت ہو تو یہ سب مقبول بارگاہ باعث ثواب ہے۔ لیکن اگر دو طرفہ یا یکطرفہ ضد تعصب، حسد بغض شرارت وجہالت ہو تو اِتَّبَاعَ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ہے، شرعاً ناجائز گناہ ناپسندیدہ مردود بارگاہ باعث گناہ ہے **دوسرا مسئلہ**۔ شریعت اسلام میں چار چیزوں کا نام تقویٰ مومن ہے۔ پہلی خشیت جمال الٰہی اور ہیبت جلال کبریائی، دوم کفر فسق والی نافرمانی سے بچنا بُرے انجام اُخروی سے ڈرنا جہنم سے اپنے آپ کو بچانا، سوم شریعت مطہرہ کے تمام چھوٹے بڑے حکموں کو تاعمر محبت وخلوص کی پابندی سے پوری طرح ادا کرنا، یعنی عبادت کے فرائض، واجبات، سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ سنت عادت سنن عبادت نوافل، مستحبات افعال کی ادائیگی اور شکل وصورت لباس میں مکمل سراپا آقاءِ دوجہان نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کرنے رہنا ہی تقوے کا مقام رفعت ہے کتنا ہی بڑا عالم عابد زاہد ہو اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں تو وہ متقی نہیں خیال رہے کہ اطاعت قول میں ہوتی ہے اور اتباع فعل میں، چہارم۔ شریعت مقدسہ کے تمام ممنوعات کو تاعمر چھوڑ دینا۔ مثلاً شرک، کفر، گناہ کبیرہ، صغیرہ لغویات۔ فسقیات، حرام مکروہ تحریمی، تنزیہی شریعت پاک میں مطعون اور ملعون ناپسندیدہ اشیاء افعال اقوال، احوال، متعلقات وعادات کو چھوڑ دینا یہ تقویٰ ہے۔ یہ مسئلہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ۔ میں تمام انسانوں کو حکم ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا جس کی تفصیل نے بتا دیا کہ مومن کا تقویٰ کیا ہے اور کافر کا تقویٰ کیا ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ قانون شریعت کے مطابق جب مسلمان بیوی کے پیٹ میں حمل آجائے تو خواہ کسی حالت میں، ہو اس کو گرانا منع ہے۔ یہ مسئلہ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔ سے مستنبط کیونکہ حمل گرانے کو زلزلۂ قیامت کی نشانی بنا کر خطرناک نقصان قرار دیا گیا اور نقصان تو بُرا ہوتا ہے لہٰذا مسئلہ یہ ثابت ہو گیا کہ حمل گرانا برا ہے اور بُرا فعل شریعت اسلامیہ میں حرام وناجائز ہوتا ہے۔ اور حمل کا گرانا اور ضائع کرانا عذاب الٰہی ہے کہ اس کو عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ فرمایا گیا، یعنی مومنہ عورت کا حمل نعمت الٰہی ہے اور نعمت کو ضائع کرنا عذاب ہے۔ **چوتھا مسئلہ** شریعت میں غیبت حرام ہے۔ اگرچہ کافر کی ہو، اور غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کے غیر مشہور عیب اور گناہ کو اس کی زندگی میں لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا تحریراً یا

تفریرًا اس کا مشہور نام لے کر لیکن بغیر نام لیے کسی کا عیب بیان کرنا اس کی بغیر موجودگی میں پس پشت یہ غیبت نہیں اسی طرح مرنے کے بعد نام لے کر عیب بیان کرنا بھی غیبت نہیں اسی طرح عام مشہور شدہ عیب بیان کرنا نام لے کر زندگی میں پس پشت یہ بھی غیبت نہیں اس لیے یہ جائز ہے یہ مسئلہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیب تو بیان فرمائے مگر نام ظاہر نہ فرمایا، صحابہ کرام نے بھی اس کا نام اس کے مرنے کے بعد ظاہر کیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا يَوْمَ تَرَوْنَهَا جمع مذکر حاضر کا صیغہ۔ یعنی تم سب دیکھو گے پھر فرمایا گیا۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى۔ واحد مذکر حاضر کا صیغہ۔ یعنی تم اکیلے دیکھو گے وقت ایک زمانہ ایک حالت ایک تو پھر صیغے دو طرح کیوں آئے! جواب وقت اور زمانہ اور واقعہ اگرچہ ایک ہے مگر حالت ایک نہیں ہوگی یہ جمع اور واحد کے دو علیحدہ صیغے دو حالتوں کی وجہ سے ہیں۔ ایک حالت زلزلے کی اور دوسری حالت زلزلے میں مبتلا لوگوں کی تَرَوْنَ میں زلزلے کو دیکھنے کا ذکر ہے جس کو سب دیکھیں گے۔ ھَا ضمیر غائب کا مرجع زلزلہ ہے زمین پوری زلزلے کی لپیٹ میں ہوگی۔ دوسری حالت زندہ موجود انسانوں کی ہوگی اور سب ہی سکارٰی جیسے ہوں گے بدحواس مدہوش گرتے پڑتے بھٹکتے بہکتے اس حالت کا نظارہ سب نہ کر سکیں گے وہ تو اپنی خبر بھی نہ رکھ سکیں گے اُس حالت کا مشاہدہ نظارہ صرف وہی کرے گا جو خود اُس حالت میں نہ ہو اور وہ فردِ واحد ہی ہوگا یعنی آقائے کائنات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا اس وقت کوئی شاذونادر پاکیزہ ہستی اس لیے تَرَى واحد مذکر حاضر ارشاد ہوا اور نبی پاک صاحب لولاک کو خطاب ہے، اور اگر یہ رویت فرضی ہے تب بھی یہ معنی ہے کہ زلزلے کو تو سب دیکھیں گے مگر سکارٰی کو کوئی ایک جو اُس وقت کسی سکارٰی کے قریب ہوگا۔ پہلا قول صحیح ہے کیونکہ اُس وقت زمین پر صرف کفار ہوں گے اور وہ سب مثل سکارٰی کوئی کسی کا ہوش نہ رکھے گا۔ دوسرا اعتراض۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم بھی شی ہوتی ہے جس طرح کہ موجود چیز شی ہوتی مگر اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کسی معدوم کو شی نہیں کہا جا سکتا، معتزلہ کی دلیل یہ ہی آیت ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی بے شک قیامت کا زلزلہ عظیم شیٔ ہے حالانکہ نزولِ آیت کے وقت بلکہ ابھی تک وہ زلزلہ معدوم ہے باوجود اس کے اُس کو شیٔ فرمایا گیا۔ معتزلہ کی اس بات اور استدلال کا کیا جواب ہے۔ جواب، اس کے دو جواب، ایک وہ جواب جو اُس وقت کے امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر علماء اشاعرہ اہلِ سنت نے دیا وہ یہ کہ زلزلے کو شیٔ فرمانا نزولِ آیت کے وقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ وقوع زلزلے کے وقت کے اعتبار سے ہے یعنی جب زلزلہ ہوگا، تو

اُس وقت شیٔ عظیم ہوگا آج یہ شیٔ نہیں ہے نہ زلزلہ ہے نہ شیٔ یہی وجہ ہے کہ اُس کو عظیم فرمایا گیا ورنہ معدوم کسی صفت سے متصف اور موصوف نہیں ہو سکتا۔ اس کو خود معتزلہ بھی مانتے تھے کیونکہ صفتیت تو کسی وجود پر ہی لاحق ہو سکتی ہے تو عظیم فرمانا بتا رہا ہے کہ ابھی زلزلے کو شیٔ نہیں فرمایا جا رہا۔ جواب دوم یہ کہ زلزلہ معدوم نہیں وہ تو ہوتا رہتا ہے ہر شخص اُس سے متعارف ہے ہاں زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ معدوم ہے تو یہاں صرف زلزلے کو شیٔ فرمایا گیا یعنی جو زلزلہ ہوا کرتا ہے جب وہ قیامت میں ہوگا تو وہ عظیم ہوگا (تیسرا اعتراض۔ ان آیت میں قیامت کے زلزلے کا ذکر فرمایا گیا جس کا زمانہ یہی رہتی بستی دنیا اور یہی سرزمین ہے کیونکہ فرمایا گیا زلزلے کے وقت شیر خوار اور ان کی مائیں، شادیاں خانہ آبادیاں حمل اور حاملہ عورتیں سب کچھ اس طرح ہوگا جس طرح آج دنیا شاد و آباد ہے یعنی ماؤں کے شیر خوار، عورتوں کے حمل مردوں کا شغل سگڑی ہوتا ان ہی چیزوں نے اُس وقت کی دنیا کا نقشہ سمجھا دیا پھر اس زلزلے کو عَذَابَ اللّٰهِ شدید فرمایا گیا۔ لیکن سورۃ انفال کی آیت ۳۳ میں وَعدۂ ربانی ہے کہ۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ یعنی جب تک اے محبوب ان میں آپ موجود ہیں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو عذاب نہ دے گا مفسرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی اور دنیا والوں سے آپ کا تعلق ابتداءِ بعثت سے تا قیامت رہے گا اور تجربے سے مفسرین کی یہ بات صحیح ثابت ہو رہی ہے کیونکہ واقعی کفریات ظلمات کے باوجود عذاب نہیں آتے تو پھر قیامت کا زلزلہ کیوں آئے گا وہ بھی عَذَابَ اللّٰهِ شدید ہے یہ زلزلہ وعدۂ ربانی کے خلاف ہے۔ جواب اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ مَا كَانَ اللّٰهُ میں عذابِ مُہلک کی نفی ہے قیامت کا زلزلہ عذابِ مُہلک نہیں ہوگا صرف گھبراہٹ پریشانی اور کھلبلی مچانے کے لیے ہوگا اس سے صرف زمینی توڑ پھوڑ ہوگی کوئی جاندار ہلاک نہ ہوگا۔ دوسرا جواب یہ کہ مَا كَانَ اللّٰهُ میں وَاَنْتَ فِيْهِمْ کی شرط ہے زلزلے کا عذاب اُس وقت ہوگا جب دنیا سے آپ کا تعلق بالکل ختم ہو جائے گا بلکہ نبوت کا کوئی اثر زمین پر باقی نہ رہے گا ہر طرف کفر ہی کفر ہوگا۔ اور اس وقت تَرَى النَّاسَ کا مشاہدہ تعلق والا نہ ہوگا بلکہ ویسا ہی ہوگا جیسے آپ ازلِ حادث سے علمِیْن کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ تیسرا جواب بعض نے کہا کہ دنیا اس وقت آباد نہ ہوگی نہ کوئی شیر خوار ہوگا نہ کوئی حمل و حاملہ۔ بلکہ یہ شدتِ زلزلہ سمجھانے کے لیے تمثیلاً و فرضاً ذکر فرمایا گیا، یعنی اگر اُس وقت شیر خوارگی اور حمل و ذاتِ حمل اُس وقت ہوتی تو ایسا ہوتا، اُس وقت تَرَوْنَهَا اور تَرَى النَّاسَ بھی فرضی تمثیلی ہے۔ مگر یہ جواب کمزور ہے ورنہ سُکاری کا ظہور کیونکر ہوگا یہ تو تمثیلی نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

اے عالمِ رنگ و بو میں بسنے والے انسانو اپنے خالق تعالیٰ ربِ اعلیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تذکیۂ عرفانی سے قربِ بارگاہ حاصل کر سکو اور بچو اس کے قہرِ عقاب سے اس طرح ہٹ جاؤ خصلتِ حیوانیہ کی ملاوٹ سے اور دور ہو جاؤ صفاتِ نفسانیہ کی حلاوت سے۔ بے شک عتابِ الٰہی کی قیامتِ صغریٰ میں زمینِ بدنی کے اضطراب یا یوسی حالاتِ محرومی کا زلزلہ بڑی ہی کرخت تڑپا دینے والی چیز ہے جو اس دن کی فکر نہ کرے اس کو غم کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہ ملے گا اسے عقلِ غرور فکرِ نفور کی قوتو تم سب اس دن دیکھو گے روحِ مرضعہ اپنے اعضاءِ شیر خوار کو چھوڑ کر اپنی فکرِ بقا کے لیے بھاگے گی اور سب شفقتِ جسمانی بھلا دیگی اور قوتِ حافظ اپنے رحمِ تفکر والے بطنِ تدبر سے فکرِ خیال، وہمِ مذاکرہ، معاملہ کے تمام حملِ نا تمام وقتِ تحمل۔ تو ہم تذکر سے پہلے ہی پھینک دے گی۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ اے قلبِ جسمانی تو ضرور دیکھے گا کہ غافلین اعضا پر غفلت کی سکراتِ موت وارد ہوگی خمارِ نشہ کی غشی فنا کی مثل لیکن غشی حقیقی نہ ہوگی قہرِ الٰہی کا عتاب بدنصیبی ہی اتنا شدید ہوگا کہ اکڑ و غرور کے تمام مغرورین دنیا پرست ہر چیز سے غافل و بے رغبت اور بے یقینی کے مریض ہو جائیں گے۔ اہلِ دنیا کو کبھی بھی کسی چیز سے سکون نہیں ملتا۔ یہ سکر و ذھول حیرت و حسرت، حملِ اعضا کو برداشت کرنیکی قوتِ حاملہ کا نہ رہنا تحریک و استقلال کی ضعفِ عقیدت کی بنا پر ہوتا ہے اس طرح کہ نہ حملِ تخیل اعضا فی القوت نہ ہر حکمن کمال فساد و اسقاط میں بالقوت رہتا ہے اور نہ ہر صفت فضائلِ ہر عادت رذائل کے اظہار میں ثابت و قائم رہنے کی من القوت نہ باقی رہے نہ دائم اس کی کرختگی سے ہر چیز کی طاقت تباہ قوتِ ارادی برباد ہو جائیں گے، اس دن اپنی خواہشاتِ دنیا کو بھولے گا لیکن آج وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ جسمِ انسانی میں صرف نفسِ امارہ ہی وہ ہے جو صراطِ ربانی کے ہر قدم پر بے عملی کا جھگڑا اٹھا دیتا ہے ایسا جاہل ہر ننگے شیطان کی پیروی میں ہوتا ہے اسی لیے وہ دینی دنیوی ہر عادت سعادت ساعت قیامت اور ہر عقیدۂ ایمانی کا منکر۔ فنا فی اللہ سے بقا باللہ کی حیاتِ دوم کا بھی منکر اس پر یہی حیاتِ مزاج کا جب زلزلۂ اضطراب آتا ہے تو ہولناکی سے عقلیں اڑ جاتی ہیں، تمیزِ حق و باطل ختم ہو جاتی ہے۔ اے بندۂ طالب راہِ سلوک میں چار آگیں ہیں، دو جگہ بُعدِ ابتدا کی آگ اور دو جگہ قربِ انتہا کی آگ۔ پہلی آگ نارِ انقطاع یعنی بے تعلقی دوسری آگ نارِ فراق یعنی محبوب کی دوری بھی بے توجہی بھی سوم نارِ اشتیاق۔ چہارم نارِ فنا و بقا یعنی قربِ عشق میں فنا ہو کر بقا ملے علم و معرفت کے بغیر شان و قدرت کا صرف وہی بدبخت انکار کر سکتا ہے جو اپنی جہالت و حماقت سے کسی نامراد شیطان کی پیروی میں لگ جائے۔ سوائے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے کسی بھی انسان کی قلبی کیفیت یکساں نہیں رہتی نہ رہ سکتی ہے بلکہ کبھی قربِ نقطہ

کبھی بُعدِ من اللہ، اور کبھی حضوری کبھی بے دوری، کبھی بست کبھی کشاد، کبھی جنت کا شوق کبھی دوزخ کا خوف، کبھی دنیا سے بے رغبتی کبھی آخرت سے بے توجہی، اس لیے کہ انسان میں بشریت بھی ہے اور ملکیت بھی اور دونوں عصمت الٰہی سے خالی، لہٰذا کبھی بشریت کی غفلت کبھی ملکیت کی رغبت، اگر بشریت غالب تو حقوق العباد کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر ملکیت غالب تو حقوق اللہ کی تعمیل ہوتی ہے اس لیے یہ دونوں ہی ضروری کہ اسی میں کمالِ بندگی ہے۔ اسی کا نام تقوٰی مومن ہے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم بر فشاندے

یعنی اگر مومن ایک ہی حال پر رہتا تو یا حقوق العباد پورے نہ کر سکتا یا حقوق اللہ ادا نہ کرتا کامل متقی کے چار نشان ہیں ۱۔ جو اپنے لیے پسند کرتا ہو وہی دوسرے مسلمان کے لیے پسند کرے ۲۔ متقی مثل بھکاری ہے جس کا ٹھکانہ دامنِ مصطفیٰ ہے اور جس کا آستانہ بارگاہِ کبریا ہے۔ اے بندے اس طرح مانگ جس طرح کسی دروازے پر کھڑا بھکاری مانگتا ہے کہ اپنے لیے دروازے والے سے اور دروازے والے کے لیے رب تعالیٰ سے تیری ہر بھیک کا دروازہ تجھے قرآنِ مجید کی اس آیت نے بتایا کہ بابِ رحمت عالمین ہے۔ ارشاد ہوا، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ۔ یاد رکھو کہ عطیات کے خزانے ربِّ کبریا کے پاس ہیں مگر تقسیم کی کنجیاں محبوبِ مصطفیٰ کے پاس ہیں کیونکہ ارشاد ہوا، اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۳۔ متقی وہ ہے جو یہ جانتا مانتا ہو کہ رب قدیر نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو پانچ قوتیں عطا فرمائیں ۱۔ رحمت ۲۔ نعمت ۳۔ قدرت ۴۔ ملکیت ۵۔ نفع نقصان کا اختیار بلکہ اپنی موت و حیات پر اختیار بخشا گیا جو بدعقیدہ گستاخ شخص نبوت کی ان شانوں کو نہیں مانتا وہ بھی يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۔ ہے ایسا بندہ ہزار عبادتیں کرے پھر بھی متقی نہیں ہو سکتا (از فرمودات خواجہ بہاؤ الدین شہنشاہِ نقشبند) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شیطان چار قسم کے ہیں پہلا شیطان ابلیس اسی کی تین صفات ہیں پہلی صفت لعین دوسری رجیم تیسری مَرِیْد، دوسرا شیطان خبیث جنات یہ ابلیس کی صفتِ لعنت سے موصوف ہوتے ہیں، تیسرا شیطان مُفسد اور تخریب کار انسان یہ ابلیس کی صفتِ رجیم سے موصوف کیا جاتا ہے۔ چوتھا شیطان بے غیرت انسان یہ ابلیس کی صفتِ مَرِید سے متصف کیا جاتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ

ازلی فیصلہ کر دیا گیا ہے اس اتباع پر کہ بے شک یہ شیطان جو بھی دوست سمجھے گا اس کو یقیناً وہ شیطان گمراہ کر دے گا اس شخص کو

جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دے گا

وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰۤاَيُّهَا

اور چلائے گا اس کو جہنم کے عذاب کی طرف ۔ اسے

اور اُسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا ۔ اے

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ

انسانوں اگر ہو تم اس شک میں جو جی اٹھنے میں ہے

لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

تو بے شک ہم نے ہی پیدا کیا ہے مٹی سے پھر نطفے سے

کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ

پھر جمے خون سے پھر جاندار لوتھڑے سے اور کچھ بے جان ہی نکل پڑے) تاکہ بتائیں ہم تم کو اور

پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور

غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ

ہم ٹھہرا دیتے ہیں رحموں میں جتنا چاہیں

بے بنی تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم

مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

مقرر مدت تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو

رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر

نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

بچہ بنانے کے لیے پھر البتہ پہنچ جاتے ہو تم اپنی جوانیوں کو

تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو

اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ

اور کچھ تم سے فوت کر دئے جاتے ہیں اور تم میں سے کچھ

پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی مرجاتا ہے اور

يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ

وہ ہیں جو رکھے جاتے ہیں بیکاری کی عمر تک تاکہ جاہل بن جائے بہت کچھ جاننے کے بعد

کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً

اور تم دیکھتے ہو زمین میں خشک سالی کی حالت کو پھر

کچھ نہ جانے اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

جب ڈالا ہم نے اس پر پانی تازہ ہوگئی اور ہری بھری ہو گئی

جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی

وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵

اگاتی مختلف، قسم کے خوب صورت پودے

اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اگا لائی

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق، پچھلی آیت میں شیطان کی دوستی اور اس کی اتباع کی برائی فرمائی گئی تھی اب ان آیت میں اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اس کی دوستی ہمیشہ نقصان ہی دیتی ہے کیونکہ وہ دوست بن کر بھی دشمن ہے گمراہ ہی کرتا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں یَآاَیُّھَا النَّاسُ کا خطاب فرما کر تقوے کا حکم اور قیامت کے زلزلے سے ڈرایا گیا۔ اب ان آیت میں یَآاَیُّھَا النَّاسُ کا خطاب فرما کر ہی منکرینِ قیامت کو ایک مضبوط دلیل سے قیامت کے ثبوت کا یقین دلایا جا رہا ہے جس سے ثابت ہوا کہ یَآاَیُّھَا النَّاسُ کے خطاب میں صرف کفار ہی مراد ہوتے ہیں۔ تیسرا تعلق، پچھلی آیت میں قیامت کے زلزلے کی ہیبت اور سختی کے نتائج میں ایک یہ بات بھی بیان ہوئی کہ حاملہ عورتوں کے حمل دہشت سے گر جائیں گے۔ اب ان آیت میں حمل کی حقیقت بیان فرمائی جا رہی کہ حمل کیا چیز ہے۔

تفسیر نحوی کُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ۔ کُتِبَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب کَتْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لکھنا یہاں مراد ازلی تقدیری لکھائی یعنی فیصلۂ الٰہیہ عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ لام جارّہ یعنی اُس کے لیے ہٖ ضمیر کا مرجع مَنْ یُجَادِلُ کا مَنْ ہے یا اِتّباع ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیرِ شان ہے بمعنیٰ حالت کیفیت قانون یہاں بمعنیٰ لام جارّہ یعنی اُس کے لیے ہٖ ضمیر کا مرجع یا یہ ضمیرِ صیغہ ہے بمعنیٰ وعلیہ مرجع شیطٰن ہے یہ قول زیادہ درست ہے تب ترکیب میں یہ ضمیر اسم ہے اَنَّ کا مَنْ اسم موصول شرطیہ، تَوَلّٰی باب تَفَعُّل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل اس کا مصدر ہے تَوَلّیٌ، وَلِیٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ دوست بنا لازم ہوتا ہے یہ مادّہ بابِ تَفَعُّل میں آ کر متعدی بیک مفعول ہوا بمعنیٰ دوست بنانا اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ اس کا مرجع مَنْ ہے ہٗ ضمیر ظاہر مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ اس کا مرجع شیطٰن ہے یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا یہ دونوں مل کر شرط ہوئی فَ حرف جزا اَنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر کا مرجع شیطٰن ہے منصوب ہے کیونکہ اسم ہے اَنَّ کا یُضِلُّ بابِ افعال کا فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِضْلَالٌ بمعنیٰ گمراہ کرنا ضَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا اور بھی اِس کے بہت سے معنیٰ ہیں یہاں گمراہی کے معنیٰ میں ہے مادّہ لازم مگر بابِ افعال میں متعدی ہوا، اس کا فاعل ضمیر پوشیدہ ہے مرجع شیطٰن ہٗ ضمیر ظاہر کا مرجع مَنْ ہے یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَھْدِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل ھَدْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ راستہ دکھاتا، راستے پر چلاتا یہاں یہ ہی معنیٰ ہیں اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہٗ پوشیدہ کا مرجع شیطٰن ہے ہٖ ضمیر ظاہر کا مرجع مَنْ ہے یہ ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اِلٰی جارّہ انتہا کے لیے عذاب اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا، مصیبت، تکلیف

مضاف ہے السَّعِیر، اسم مفرد معرفہ مبالغہ صفت مشبہ یہاں جامد ہے دوزخ کے پہلے حصے کا نام جہاں طبقۂ نار ہے سعیر بروزن فعیل سُعُر سے مشتق ہے بمعنیٰ آگ بھڑکانا پورے دوزخ کا نام جہنم ہے اس کے حصوں کے مختلف آٹھ نام ہیں ۱ سعیر ۲ لظیٰ ۳ حطمہ ۴ سقر ۵ جحیم ۶ زمہریر ۷ ہاویہ ۸ اَسْفَلُ السّافِلِین، السعیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَھْدِیْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف یُضِلُّ پر دونوں مل کر خبر اَنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی مَنْ تَوَلَّاہُ کی شرط و جزا مل کر خبر اَنَّ یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل ہے کُتِبَ کا، وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ۔ خیال رہے کہ یہ آیت ۵ قرآن مجید کی بڑی آیتوں میں سے ایک ہے اس کے کل حروف دو سو اٹھہتر ہیں کل بڑی مختلف سورتوں میں اکتیس ۳۱ عدد ہیں، ان میں پہلی بقرہ کی آیت ۱۰۲ ہے اور آخری بڑی آیت سورۃ مدثر کی آیت ۳۱ ہے۔ ان بڑی آیتوں میں سب سے بڑی آیت سورۃ بقرہ کی ۲۸۲ ہے جس کے حروف چار سو پینتالیس ہیں اور سب سے چھوٹی آیت بقرہ کی آیت ۲۵۵ آیت الکرسی ہے اس کے حروف ایک سو اٹھاسی ہیں۔ یَا حرف ندا۔ اَیُّھَا برائے فاصلہ تاکہ یَا اور اللہ علیحدہ رہے اور مکمل رہے یوں نہ پڑھا جائے اَلنَّاسُ یہ اسم جمع اِنْسَانٌ اس کا واحد کوئی نہیں یا اسم جنس ہے کہ واحد و جمع دونوں کے لیے ہے یہ منادیٰ معرفہ ہے۔ اِنْ حرف شرط کُنْتُمْ، فعل ماضی مطلق تامہ جمع مذکر حاضر مخاطبہ ضمیر صیغہ کا مرجع اَلنَّاسُ ہے فِیْ حرف جر ظرفیہ قلبی (مجاز مکانی) کے لیے رَیْبٍ اسم حاصل مصدر جامد نکرہ بمعنیٰ وہم، ذہنی وسوسہ موصوف ہے مِنْ حرف جار بیانیہ اَلْبَعْثِ اسم مصدر معرّف باللام الف لام عہدی بَعْثٌ بمعنیٰ اٹھنا کہیں ضروری جانا مراد ہے قیامت کا اٹھنا یہ جار مجرور متعلق ہے کَائِنٌ اسم فاعل تامہ پوشیدہ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے رَیْبٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے کُنْتُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر شرط ہے فَ حرف جزا۔ اِنَّا دراصل اِنَّ نَا ہے اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر بارز منصوب متصل اسم ہے اِنَّ کا خَلَقْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم خَلْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نیست سے ہست کرنا مادہ (میٹریل) بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے اس کا کوئی مشتق کسی بندے کی طرف استعمال کرنا گمراہی و جہالت ہے حضرت عیسیٰ کا اِنِّیْٓ اَخْلُقُ کہنا روح اللہ ہونے کی بنا پر تھا اور آپ نے واقعی صفت الٰہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پرندہ بنا کر پھر اس میں جان ڈالی تھی، کُمْ ضمیر کا مرجع اَلنَّاسُ ہے منصوب متصل مفعول بہ ہے مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے یعنی ابتدا بنانے کے لیے تُرَابٍ اسم مفرد جامد نکرہ موصوف بمعنیٰ زمینی مٹی، لغت میں زمین ہی کا نام تراب ہے یہ جار مجرور معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف

زانی یعنی ہمیشہ کے لیے مِنْ جارّہ، آیت میں سب جگہ مِنْ اپنے معنیٰ (ابتداءِ غایت) کے لیے نُطْفَةٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ عورت مرد کا مادۂ منویہ جو ہر دو کی منی میں ہوتا ہے کسی مرد و عورت میں نہیں ہوتا تو ان کی منی سے بچہ نہیں ہوتا لہٰذا ہر منی نطفہ نہیں اور ہر نطفہ کو منی بھی کہہ سکتے ہیں گویا ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ثُمَّ حرف عطف مِنْ جارّہ عَلَقَةٍ اسم مفرد جامد (مشتق نہیں) بمعنیٰ جما ہوا گیلا تازہ خون مراد نطفہ کا خون بننا، ثُمَّ عاطفہ مِنْ جارّہ مُضْغَةٍ اسم مصدر جامد مؤنث مصدر یہ ہے موصوف ہے مُخَلَّقَةٍ بابِ تفعیل کا اسم مفعول بمعنیٰ مخلوق بنایا ہوا پیدا کیا ہوا، جان والا معطوف علیہ واؤ عاطفہ غَیْرِ اسم مفرد جامد مضاف ہے مُخَلَّقَةٍ مضاف الیہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف صفت ہے مُضْغَةٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر سب عطف ترتیب سے مل کر متعلق ہے خَلَقْنَا کا، لام حرفِ تعلیل نُبَيِّنَ بابِ تفعیل کا مضارع جمع متکلم لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے یہ فعل با فاعل اور متعلق جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے خَلَقْنَا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر إِنَّ وہ اپنے اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی إِنْ كُنْتُمْ کی یہ شرط و جزا مل کر جوابِ ندا ہوا سب مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ۔ واؤ سر جملہ نُقِرُّ بابِ افعال مضارع جمع متکلم إِقْرَارٌ مصدر قَرٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ قائم رکھنا فِي ظرفِ مکانی کے لیے الْأَرْحَامِ جمع مکسر رِحْمٌ مجرور متعلق ہے مَا اسم موصول بیانی بمعنیٰ جتنا یا جس کو مفعول فیہ یا مفعول بہ نَشَاءُ کا نَشَاءُ بابِ فتح کا مضارع جمع متکلم شَيْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قائم رکھنا انتہا بتانے کے لیے أَجَلٍ اسم جامد بمعنیٰ مدت مُسَمًّى اسم مفعول بابِ تفعیل سے سُمُوٌّ یا سُمًى سے بنا ہے مصدر ہے تَسْمِيَةٌ یعنی مقرر کرنا صفت ہے أَجَلٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے نَشَاءُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مفعول بہ ہے نُقِرُّ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ نُخْرِجُ بابِ افعال کا مضارع جمع متکلم با فاعل پوشیدہ كُمْ ضمیر مفعول بہ طِفْلًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ بچہ مفعول لہٗ ہے كُمْ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ نُخْرِجُ سب نے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ لام گے حرفِ تعلیل اس میں أَنْ ناصبِ مضارع پوشیدہ ہوتا ہے تَبْلُغُوا بابِ نصر کا مضارع جمع مذکر حاضر بُلُوغٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بالغ ہونا پہنچنا دراصل تَبْلُغُونَ تھا نونِ اعرابی فتحہ کی وجہ سے گر گئی۔ أَشُدَّ اسم جمع مکسر شَدٌّ کی بمعنیٰ جوانی مضاف ہے كُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب مفعول بہ ہے تَبْلُغُوا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف تعلیلی ہے نُخْرِجُ پر وہ دونوں مل کر معطوف ہے نُقِرُّ کے جملے پر سب مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا

واؤ بر جملہ مِنْکُمْ جار مجرور متعلق ہے یَکُوْنُ فعل پوشیدہ یہ جملہ فعلیہ تامہ ہوکر مبتدا مَنْ اسم موصول یُتَوَفّٰی باب تفعّل مضارع مجہول وَفّٰی سے بنا ہے بمعنی فوت ہونا عمر پوری ہونا، ختم ہونا یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ خبر مبتدا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مِنْکُمْ اسی طرح جملہ ہوکر مبتدا ہے مَنْ موصولہ یُرَدُّ باب نصر کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب رَدٌّ سے بنا ہے بمعنی حسب سابق ہونا، رَدُّ ہونا۔ پہلے حالات کی شکل ہونا اِلٰی جارہ انتہا کے لیے اَرْذَلِ باب سمع کا اسم تفضیل رَذْلٌ سے مشتق ہے بمعنی گھٹیا، کمزور موصوف یا مضاف ہے لفظ عمر اسم جامد ہے زندگی کو عمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے اَلْعُمُر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یُرَدُّ کا لِکَیْ لام مکسورہ تاکید یہ کے حرف تعلیل بمعنی تاکہ لَا یَعْلَمَ باب سمع کا مضارع منفی منصوب کَے کی وجہ سے ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل بَعْدَ عِلْمٍ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے شَیْئًا اسم مفرد نکرہ بمعنی کچھ مفعول بہ لَا یَعْلَمَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر علت ہے یُرَدُّ کی وہ سب جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہے مَنْ کا موصول صلہ خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہوا پہلے مِنْکُمْ پر سب مل کر جملہ عاطفہ ہوگیا، واؤ بر جملہ تَرَی باب فتح کا مضارع واحد مذکر حاضر رَاْئٌ سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا اَلْاَرْضَ بمعنی کھیتی والی زمین ذوالحال ھَامِدَۃً حال یا دونوں دو علیحدہ مفعول بہ ہیں اسم فاعل واحد مؤنث ھَمْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی خشک بنجر یہ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے تَرٰی فعل با فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا، فَ زائدہ برائے تعقیب اِذَا حرف شرط اَنْزَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر ہے اِنْزَالٌ بمعنی اتارنا عَلٰی جارہ فوقیت کا بمعنی اوپر ھَا ضمیر کا مرجع ارض یہ جار مجرور متعلق ہے اَلْمَآءَ اسم مفرد معرفہ بمعنی پانی مراد ہے بارش مفعول بہ ہے اَنْزَلْنَا سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہے اِھْتَزَّتْ باب افتعال ماضی مطلق واحد مؤنث غائب مصدر ہے اِھْتِزَازٌ ھَزٌّ سے بنا ہے بمعنی جھومنا تروتازہ ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ رَبَتْ باب نصر کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب رَبْوٌ سے مشتق ہے بمعنی ہرا بھرا ہونا۔ بلندی میں بڑھنا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنْبَتَتْ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب اس کا مصدر ہے اِنْبَاتٌ نَبْتٌ سے بنا ہے بمعنی اُگانا، اگنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ ان تینوں فعلوں کے فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع ارض ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ کُلِّ مضاف زَوْجٍ اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع بمعنی قسم قسم بَھِیْجٍ باب کرم کا اسم فاعل صفت مشبہ واحد مذکر بروزن فَعِیْلٌ بَھْجٌ سے مشتق ہے بمعنی نفیس عمدہ، صفت ہے زَوْجٍ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے کُلِّ کا یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَنْبَتَتْ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے یہ تینوں عطف مل کر جزا ہے اَنْزَلْنَا کے ۔ جملے کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ کُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ

ابلیس شیطان کی تقدیری قسمت میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ کبھی کسی کا خیر خواہ نہیں ہے نہ کبھی تھا نہ کبھی ہوگا خواہ کسی بھیس کسی حیلے میں آکر کیسی ہی تمہیں کھاتا دوستی جتاتا آجائے اے انسانو ہمیشہ تمہارا بدخواہ اور اندرونی دشمن ہی رہے گا تمہارا نقصان ہی کرے گا تم چاہے عملی یا قولی کتنی ہی اس کی اتباع کرو اور دوستی بناؤ۔ لہٰذا تم کو خبردار کیا جاتا ہے کہ دھوکہ میں نہ آنا، اس سے دوستی نہ لگانا نہ قولی نہ عملی نہ ظاہری نہ باطنی نہ ایمانی نہ عقائدی، کیفیت یہ ہے کہ جس نے بھی اس کو دوست سمجھا یا اچھا جانا خواہ ظاہراً باطناً کافر بن کر یا صرف باطناً فاسق بن کر کہ منہ سے تو برا کہتے رہے مگر مانی ہر بات ہر وقت اُسی کی دن کے وسوسے رات کی تھپکیاں اسی کی مانیں تو یاد رکھو کہ ایسے بیوقوف و بدنصیب دوستی لگانے والوں کو وہ ہمیشہ گمراہ ہی کرے گا اگرچہ عوام کو ظاہراً وہ بات اچھائی لگتی ہو یہ ظاہر و باطن کا فرق ہونا بھی شیطان کی مکاری اور بدبختی ہی ہوتی ہے اُس کی تو ہدایت بھی جہنم کے راستے کی طرف ہی ہوتی ہے اور ایسے بیہودہ لہویات لعبیات لغویات بے حیائی بے غیرتی کے کفریہ فسقیہ کام کرواتا ہے جو عذابِ جہنم کے ہی اسباب بنتے ہیں یہ ہی حال انسانی شیطانوں کی دوستی کا ہے یہ سب اسی ابلیس شیطان مَرِید کی اتباع میں ہیں نہ تقوٰئے رب نہ شرمِ نبی نہ خوفِ قیامت بلکہ بلا علم بغیر تفکر تدبر قیامت اور قیامت میں دوبارہ اپنے پیدا ہونے اور سزا وجزا ملنے کی قدرت کا بھی انکار کئے پھرتے ہیں اگر یہ جہان کے آثار چڑھاؤ کمال وزوال پر غور نہیں کرتے تو کم از کم صرف اپنے آپ میں ہی غور کر لیں تو ان کی کبھی بھی خلقت ثانیہ کے انکار کی جرأت نہ رہے مگر شیطان کے پھندے میں ایسے گمراہ ہوتے ہیں کہ اپنے دوستوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں اور اس گمراہی و گمراہ گری کو خیر خواہی سمجھتے ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ۔ اے ابلیس کی ماننے والو اور ہر قول و فعل و عقیدے میں شیطان مَرِید کے فرمانبردارو اگر تم تمام کو قیامت میں اپنے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں آتا ریبیت میں ہی پڑے ہوئے ہو تو اپنی اس پہلی پیدائش میں ہی غور کرو تو تم کو دوسری پیدائش قیامت کا یقین ہو جائے گا اور وہ شیطانی رَیب ختم ہو جائے گا جس کی بنا پر تمام قدرتوں خلقتوں کے منکر بنے ہوئے ہو، تو غور کرو کہ بے شک ہم نے تم سب انسانوں کو اسی زمینی مٹی سے پیدا کیا، اس طرح کہ مٹی سے بیج، بیج سے سبزیات، سبزیات سے غذائیات سے عورت و مرد میں نطفہ پیدا کیا، پھر مرد کی پشت سے عورت کی ترائبِ سینہ سے منتقل ہو کر رحمِ والدہ میں آیا۔ اُس کو وہاں عَلقہ بنایا یعنی جما ہوا خون پھر اُس جمے خون کو مُضغہ بنایا یعنی گوشت کا لوتھڑا، پھر گوشت کے

و تھڑے میں شاخیں پھوٹیں جو ظاہری اعضا بن گئے اور باطنی ہڈیاں بن گئیں انسانی جسم میں ہڈیوں کی تعداد دو سو چھ ہے پسلیوں کی تعداد ۲۴ ہے چہرے کی ہڈیوں کی چودہ ہے ریڑھ کی ہڈیوں کی گھنڈیاں تینتیس ہیں ہتھیلی کی ہڈیوں کی تعداد ستائیس ہے۔ سب سے سخت ہڈی دانتوں کی ہوتی ہے اور سب سے نرم مُرکنی چینی ہڈی ناخن کی ہڈی ربڑ کی طرح نرم انسانی جسم میں تقریباً اسّی ہزار مسامات (خلیے) ہیں کسی بھی ہڈی میں مسامات نہیں ہوتے اگر یہ مسامات بند کر دئے تو وہ حصہ سُن ہو جاتا ہے کچھ درد وغیرہ محسوس نہیں ہوتا سُن کرنے والا انجکشن مسامات ہی بند کرتا ہے۔ اَطباّ کے نزدیک تمام انسانوں کے خون صرف چار قسم کے ہوتے ہیں جسے انگلش میں گروپ کہتے ہیں۔ عام بلڈ پریشر ۲۰ سے ۱۲۰ تک ہونا چاہیئے۔ پھر کسی کو مخلقہ کر دیا یعنی روح ڈال کر مکمل مخلوق قابلِ پیدائش و ولادت بنا دیا تو وہ پورا آدمی بن گیا، اور کسی مُضغہ کو غیر مخلقہ ہی رہنے دیا، یا اس طرح کہ لوتھڑا ہی رہا۔ یا اس طرح کہ کچھ اعضا بن گئے، کچھ نہ بنے یا اس طرح کہ تمام اعضا بن گئے مگر جان نہ پڑی اور اسی طرح یہ سب غیر مخلقہ رہ کر ہی ضائع ہو گئے۔ یہ درجہ بدرجہ تم انسانوں کی پیدائش عدم سے وجود میں اور نیست سے ہست میں لا بنگئی اور یہ شکل و عقل ناک نقشہ کس بے مثال ترتیب و ترکیب سے حسن و جمال والا اُن قدرتوں والے خالق تعالیٰ نے اُس وقت بنا دیا جب تم کچھ بھی نہ تھے یہ سب اس لیے ہوا کہ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ، تاکہ تمہارے علم، فہم، عقل، شعور درست کرنے کے لیے اور تمہارے تفکر و تدبر کو قائم کرنے کے لیے ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور تم ان میں غور کر کے اپنے خالق تعالیٰ کی قدرتِ عاملہ و قوتِ کاملہ پر صدقِ قلبی، تصدیقِ عقلی اور اقرارِ لسانی سے ایمان لاؤ۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ۔ اور ہم ہی تمہارے جسموں کو جان پڑنے کے بعد بھی کچھ مقررہ مدت کے دنوں تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں تاکہ ہماری قدرت کی یہ نشانیاں بھی تم سے پوشیدہ نہ رہیں اور تم اپنے حکیمانہ تجربوں طبیبانہ مشاہدوں ڈاکٹری طریقوں، سائنسی مشینوں ایکسروں خوردبینوں کے ذریعے ان کی پیدائش کے ان تمام مرحلوں، منزلوں بدلتی حالتوں جرثوموں، جراثیموں کی نشو و نما پاتی کیفیتوں کو غور و تدبر سے دیکھ لو یہ سب کچھ ہم نے ہی تم کو دکھایا ہے اگر ہم پردہ رکھنا چاہتے تو تم کچھ بھی نہ دیکھ سکتے سب کچھ تم سے چھپا رہتا تمہاری سائنسی طاقتیں مشینی قوتیں قبل اور ناکام ہو جاتیں اب بھی جتنا ہم چاہتے ہیں وہی تم دیکھ سکتے ہو جو نہ چاہیں وہ نہیں دیکھ سکتے مضغہ کو تم نے دیکھ لیا مگر اس سے آگے آج تک تم نہ جان سکے کہ رحمِ مادر میں یہ مضغہ کیا بن گیا نر یا مادہ، مذکر یا مؤنث یا خُنثیٰ یا ناقص یا کامل سالم، اور یہ بھی تمہارے لیے غور و فکر کی ہماری ایک قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ اُلٹے اور کھلے منہ والے رحم میں اُس مخلقہ اور غیر مخلقہ مضغے کو اُن کے رحموں میں جتنی دیر ہم چاہتے ہیں ٹھہرائے

رکھتے ہیں، ہر حمل کے لیے ایک مدت مقرر ہے تخلیق حمل کی مدتِ قرار کم از کم چھ ماہ زیادہ سے زیادہ نو ماہ یہ عام ہے اور دو سال یہ شاذ ہے اور چار سال یہ نادر ہے، حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ مخلوقِ حمل کی پیشانی یا سینے پر فرشتہ بحکمِ الٰہی سات چیزیں لکھ دیتا ہے ۱ عمر ۲ عمل ۳ رزق ۴ سعید یا شقی ۵ مقامِ وطنیت ۶ مقامِ موت ۷ مقامِ قبر یعنی کتنی اور کہاں ہے، پھر جب تمہاری رحمی مدت پوری ہو جاتی ہے تو تم کو طفل بنانے کے لیے نکال دیتے یعنی نہایت نازک لاغر، بے عقل بے علم بے فہم محتاج کمزور بچہ پھر ہم ہی رحمِ مادر سے نکال کر آغوشِ مادر کی شفقانہ ممتا میں رکھتے ہیں تاکہ تم اپنی ظاہری باطنی جسمانی عضوی عقلی علمی فکری عملی کبھی بھرپور جوان قوت و شدت کو پہنچو عمرِ اشد میں اطباءِ محققین کے پانچ قول ہیں ۱ اٹھارہ ۱۸ سالہ عمر ۲ پچیس ۲۵ سالہ ۳ تیس ۳۰ سالہ ۴ پینتیس ۳۵ سالہ ۵ چالیس ۴۰ سالہ عمر، یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے اسی عمر میں انسانی عقل فکر تجربہ مکمل ہو کر پختہ تر ہوتے ہیں۔ اور چالیس ۴۰ سال لوگوں میں مقبول مانا جاتا ہے، یہ عوام کی اشدِ عمر کا ذکر ہے۔ لیکن انبیاءِ کرام علیہم السّلام بچپن میں ہی عقل و علم کے عروج پر پختہ تر ہوتے ہیں۔ اور چالیس سال کی عمر میں اذنِ نبوت ملنا عوامی مقبولیت ہونے کے اعتبار سے ہے تاکہ عوام کی نظر میں عمری نامقبولیت کا باعث نہ بنے کیونکہ عوام کی نظروں میں اس عمر سے پہلے چھوٹا اور غیر معتبر شمار ہوتا ہے۔ خاص کر بوڑھے لوگ اس کی بات کو چھوٹی عمر کا سمجھ کر رد کر دیتے ہیں اور اس کی نصیحت ماننے کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں اس عمرِ اشد کے بعد۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا۔ یہ قدرت و حکمت کی ایک نشانی ہے جو عبرتِ آخرت کے لیے دن رات تم کو دکھائی جا رہی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ اپنے بچپن بلوغت نوجوانی جوانی میں ہی اپنی عمریں پوری کر کے فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ باقی رکھے جاتے ہیں کمزور اذلی عمر تک تاکہ پھر بچپن کی طرح بے علم بے عقل ہو جائیں کی علم سے استفادہ نہ کر سکیں اور اپنی اس اصلی حقیقت کو جان لیں جو بچپن میں نہ جان سکے تھے اور اپنے علم و ہنر قوت و طاقت حُسن و جوانی پر غرور کیے پھرتے تھے۔ اَرذلِ عمر بڑی سخت چیز ہے یہاں تک کہ بعض سخت بڑھاپے میں لکھنا پڑھنا بھی بھول جاتے ہیں۔ علم پڑھنے ہنر سیکھنے کسب جاننے کے بعد پھر کچھ نہ کچھ جانتے کیا قدرتِ الٰہی ہے اللہ اکبر ؎

اگرچہ صد علم از بر بدانی ۔۔۔۔ چوں پیری شُد الف بَ تَ ندانی

اس تغیر تبدل میں حکمتِ ربانی یہ بھی ہے کہ کوئی بندہ اپنی کسی بلندی بڑائی بڑھائی پر ناز نخرہ بھروسہ اور غرور نہ کرے نہ عمر، قوت، طاقت پر نہ ہنر جوانی قدرت پر نہ علم عقل کسب پر نہ یہ سمجھے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے نیکی کرنے کے لیے بلکہ ؎

اُترنے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے ۔۔۔۔ اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن اُجالا ہے

کسی کو نہیں پتہ کہ اس کی موت کب آجائے مَنْ يُّتَوَفّٰى والوں میں سے یا مَنْ يُّرَدُّ، والوں میں۔ ؎

موت نہ دیکھے حسن وجوانی نہ یہ دیکھے بچپن   خواہ ہو عمر اٹھارہ برس کی یا ہو جاوے پچپن

ویسے تو تمام مخلوق ہی قدرتِ الٰہی کا عظیم حیران کن شاہکار ہے، مگر انسان کی خلقت خود انسان کے لیے ایک عجیب کرشمہ ہے، جب طب کی دنیا میں پہنچ کر اپنے آپ میں غور کرتا ہے بنظر بصارت اور فکر بصیرت سے تو قدرت کے شاہکار دریاؤں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور ورطۂ حیرت میں عاجز رہ جاتا ہے کہ خلاقِ کائنات نے جسم انسانی کے اندر کتنا بہترین اور زبردست مضبوط کارخانہ قائم فرمایا ہے جب انسان غذا کھانے لگتا ہے تو پہلے چھ جگہ اس غذا کا معائنہ ہوتا ہے ۱ ہاتھ نے اس کی گرمی سردی کا معائنہ کرکے منہ کے قابل بنا دیا ۲ پھر ہونٹوں نے اس کی سختی نرمی کا اندازہ لگالیا ۳ پھر زبان نے اس کی لذت معلوم کرکے غذا کے نفع نقصان کا پتہ لگالیا ۴ پھر دانتوں نے اس میں کنکر پتھر ریت مٹی کو جان لیا ۵ پھر حلق نے اس کی ملاحت وکسلاحت کو سمجھ لیا، جہاں بھی غذا میں نقصان اور غلطی ہوئی اس معائنہ ٹیم اور طبی گروہ نے غذا کو آگے نہ بڑھنے دیا، ہاتھ نے نوالہ جھٹک دیا ہونٹوں نے پھینک دیا، زبان نے اگلدیا، دانتوں نے قبول نہ کیا اور حلق نے ابکائی کردی ۶ ہونٹوں سے پہلے قدرت نے ناک کو قائم فرما دیا جسنے غذا کی بدبو، خوشبو، سڑاند گھساند کو جان لیا اور ہونٹوں کو غذا لینے سے منع کر دیا، جب ہر طرح سے درست بن کر غذا اندر پہنچی تو اندرونی مشینی کارخانے نے غذا کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ۱ فضلہ ۲ عمدہ ۳ بلغم ۴ خون ۵ نطفہ پھر اگلی قدرتی مشین نے نطفے میں پانچ چیزیں بنائیں پہلی جرثومہ کیا شانِ عظیم ہے قدرت خالق کی کہ ایک ہی غذا مرد کے اندر کچھ اور بنا رہی ہے عورت کے اندر کچھ اور یہ نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہ کر عورت کے سینے میں ترائب کے اندر اور شکم مادر سے ہی رحم کے متعلقہ حمل مذکر وحمل مونث کے اندر اپنے اپنے مقام میں امانت رکھدیا، اسی جرثومے کو عربی میں نسمہ کہتے ہیں ولادت کے بعد سے بلوغت تک جرثومہ ہی رہتے ہیں بلوغت کے بعد مضبوط غذائیں کھا کر یہ جرثومے بڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو عربی ذُریت یا ذَرّہ کہتے اردو میں جراثیم جب یہ حالت ہوتی ہے تو بچہ بالغ اور بالغہ مانا جاتا ہے بلوغت سے پہلے نطفہ جرثومہ ہی رہتا ہے اور جرثومہ مخلقہ نہیں ہو سکتا، اسی لیے اگر کوئی نابالغ مذکر کسی بالغہ یا نابالغہ عورت سے صحبت کرے تو کبھی حمل نہیں ٹھہر سکتا جب نطفہ جراثیم بن جائے تب وہ حمل نطفہ عَلَقَہ یا مضغہ اور مخلقہ یا غیر مخلقہ بن سکتا ہے۔ نطفے کی دوسری چیز، یہی جراثیم، تیسری چیز مادہ منویہ، یہ جراثیموں کی غذا ہے چوتھی چیز آب مذی یہ نطفے کو چلانے پھرانے اور آلہ تناسل تک لانے کے لیے ہے گویا یہ اس کا رہائشی گھر ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی پانچویں چیز ودی یہ نطفے کے راستے

کو زم بنانے والی گریس ہے اگر یہ خارج نہ ہو تو جوشِ نطفہ سے رگیں پھٹ جائیں۔ حضرت آدم کو اُن کی پُشت سے نکال کر یہی جرثومے اور جراثیم دکھائے گئے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص۲ پر باب القدر میں ہے۔ مرد کا نطفہ جاندار جرثومہ اور جراثیم ہوتا ہے۔ عورت کا نطفہ بے جان چھوٹے انڈے کی شکل کا ہوتا، بے جان اور بیجانی روح سے نہیں بلکہ مثلِ نباتات نشو و نما کی حرکت ہوتی ہے، عورت کا انڈا مثلِ جمادات ہے نشو و نما، مرد کے نطفے سے علقہ مضغہ اور اعضاءِ ظاہری و باطنی بنتے ہیں۔ عورت کے نطفے سے کھال بال بنتے ہیں۔ سورۃ طارق کی آیت ۵ تا ۷ میں اسی کا ذکر ہے۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۔ صُلب سے مُراد مَرد کی پیٹھ والی ریڑھ کی ہڈی ہے اور ترائب سے مراد عورت کے سینے کی پسلیاں ہیں، غذا سے یہ اشیا غذا کے چار ہاضموں کے ذریعے بنتی ہیں ۱ ہضم فضلہ معدہ میں ۲ ہضم تیزابیت سے ۳ ہضم گُردی کلیجی سے ۴ ہضم دموی خون سے، اہم غذا میں چار عنصر ہوتے ہیں۔ مٹی، پانی، آگ، ہوا، نطفہ جراثیم جب شکمِ مادر میں پہنچتا ہے تو اس میں نو تبدیلیاں ہوتی ہیں، پہلی تبدیلی وہ جراثیم بڑھتے بڑھتے علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے۔ دوسری تبدیلی وہ علقہ بڑھتے بڑھتے مضغہ بن جاتا ہے سوم پھر وہ بڑھتے بڑھتے لحمہ۔ چہارم پھر عظمہ پنجم پھر اعضاءِ ظاہری باطنی ششم، پھر حُلیہ شکل و صورت ہفتم باطن میں نفسِ امّارہ، ہشتم پھر حُسن و جمال یا بے حُسنی، نہم نفسِ ناطقہ۔ نو چیزیں نفسِ ناطقہ میں بنتی ہیں۔ عقل، فہم، ادراک، شعور، فراست، بصارت، سماعت شمامت، حسّاسیت کی قوتیں یہ آخری چار قوتیں اگرچہ حیوانات میں بھی ہیں مگر وہ ناطقہ نہیں کیونکہ ان کی یہ قوتیں عقل و علم سے وابستہ نہیں لیکن انسان اپنی ان قوتوں سے بھی بہت سے علم حاصل کر لیتا ہے ان تبدیلیوں کے مکمل ہونے کے بعد اس جسم میں روح ڈالی جاتی ہے اور وہ مُخلّقہ ہو جاتا ہے پھر بغیرہٖ کچھ عرصہ رحم میں رکھا جاتا ہے۔ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا پھر اُس کو طفل بنانے کے لیے شکمِ مادر سے نکال کر آغوشِ مادر میں ڈال دیا جاتا ہے اِس دُنیا میں آکر پھر اس میں نو تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ پہلی تبدیلی وہ طفل بن جاتا ہے دوم وہ صبی بن جاتا ہے سوم نابالغ چہارم اَمرد پنجم بالغ، ششم مَردِ نوجوان بن جاتا ہے ہفتم جوان، ہشتم بڑھاپا یعنی ہرم، نہم سٹھیا یعنی خرف باَرذَلِ عمر، ثُمَّ يُتَوَفّٰى۔ یعنی پھر موت پھر آخرت کی نو تبدیلیاں: پہلے میت پھر لحد میں عذاب یا ثواب کے ساتھ ۳ برزخی قیام ۴ نفخۂ فزع کا دَور ۵ پھر نفخۂ صعق کا زمانہ ۶ پھر نفخۂ قیام کی ساعت ۷ پھر میدانِ محشر کی طرف روانگی ۸ پھر محشر میں حاضری ۹ پھر پُل صراط سے گزرنے کا زمانہ اور پھر جنتی یا دوزخی قیامِ ابدی، غرضکہ انسان پر تین زمانے گزرتے ہیں ۱ زمانۂ شکمِ مادر ۲ زمانۂ دنیا ۳ زمانۂ آخرت اور ہر زمانے میں نو تبدیلیاں

انسان پر ہوتی ہیں کُل ستائیس ۲۷ تبدیلیوں سے گزر کر انسان اپنی آخری ابدی منزل پر پہنچتا ہے۔ اِن تمام مراحل کی اَصلِ مستی کو صحاح کی احادیث اور فقہاءِ کرام کے مشاہدات سے اس طرح بیان فرمایا ہے، پہلا دور حمل کی مدتیں چالیس دن تک نطفہ، پھر چالیس دن تک علقہ پھر چالیس دن تک مضغہ پھر چالیس دن تک لحمہ پھر چالیس دن تک عظام پھر چالیس دن تک مکمل مخلقہ پھر چار ماہ بعد نفخِ روح (صاوی) پھر نموکا قرارِ شکم۔ اِس مدت میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔ کم سے کم چھ ماہ اس میں سب کا اتفاق ہے زیادہ میں اکثریت نو ماہ اِس سے زیادہ میں اختلاف ہے چنانچہ امام اعظم اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دو سال امام شافعی کے نزدیک تین سال اور امام مالک کے نزدیک چار سال مگر یہ بہت شاذ و نادر ہے، حیاتِ دنیوی کی تبدیلیوں کی مدت ولادت کے بعد دو سال تک طفلگی بشیر خوارگی، سات سال تک صبی، دس سال تک نابالغ بارہ سال تک اَمرَد۔ چودہ سال کی عمر تک بالغ پچیس سال تک نوجوان، چالیس سال تک جوان، پھر ادھیڑ عمر ساٹھ سال تک پھر بڑھاپا ستر سال تک، اِس کے بعد سٹھیا یا موت تک، تیسرا اور آخری دور یعنی اُخروی تبدیلیوں کی مدت، مرنے کے بعد دو یا تین دن تک زمین پر تجہیز و تکفین کے لیے، پھر قبر کی مدت نفخۂ اولیٰ تک یہی برزخی قیام ہے، نفخۂ اُولیٰ سے نفخۂ ثانیہ صاعقہ تک چالیس ساعتیں، پھر نفخۂ ثانیہ سے نفخۂ ثالثہ تک بیہوشی کی مدت چالیس ساعتیں، پھر نفخۂ ثالثہ کے قیام سے یَنسِلُونَ کی مدت میدانِ محشر تک چالیس ساعتیں، اِن ساعتوں کی حقیقت حدیث پاک میں ظاہر نہ فرمائی گئی، یا راوی بھول گئے تھے کہ ساعت سے مراد چالیس دن ہیں یا چالیس ماہ یا سال، پھر میدانِ حشر کا قیام ہزار سال کا ایک دن پھر پلصراط سے گزرنا پانچسو سال تک پھر ابدًا الآباد تک اہل جنت کے لیے جنت اور اہلِ جہنم کے لیے جہنم۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ کیا قدرت کی شان ہے کیا عظیم احسان ہے انسان پر کتنا زبردست مضبوط انتظام فرما کر ایک ایک لمحہ حفاظت فرمائی، اب بھی اگر انسان اُس کو نہ مانے تو انسان کی کتنی بڑی بدنصیبی احسان فراموشی ہے، اے انکارِ قیامت والے کفر کے بیمار دہریت کے مارو اپنی اِن غذاؤں کی پیدائش اور حیاتِ نشوونما پر کبھی غور و فکر کیا ہے اگر اے انسان زمینی نباتات کی زندگی میں تدبر کرے تو تجھے اپنی ابتدائی حیاتِ رحمی کا پتہ لگ جائے کہ تو کبھی نطفے سے مضغے تک مثل نباتات نشوونما سے بڑھتا رہا اُس وقت یہی تیری زندگی تھی اس لیے عقل کی نظر سے اگر تو زمین میں تدبر کرے تو تجھے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وَتَرَی الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ۔ اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل خشک مردہ بے جان پڑی ہے نہ سبزی نہ ہریالی نہ نشوونما کی خوبصورتی خوش نمائی ترو تازگی کے کوئی آثار و نشان

نہیں کسی کو تصوّر بھی نہیں کہ کل یہاں کوئی خودرَو گھاس نباتات اُگے گا، تو جب ہم نے اُس پر بارش کا پانی اُتارا اِهْتَزَّتْ تو اسی زمینِ مردہ میں کیسی زندگانی کی ہلچل مچ گئی۔ زمین جب پانی سے نرمی، تری سے گرمی، گرمی سے پھٹن، پھٹن سے اُبھار، اور اُبھار سے وَرَبَتْ، اور زمین پھول کر پھٹ پڑی اور لہلہا کر اپنی کونپلوں، کلیوں، شگوفوں غنچوں سے وَاَنْۢبَتَتْ اور اُگا دیا دیکھتے ہی دیکھتے اُسی زمین نے جس کو تم بے حس مردہ سمجھ رہے تھے اپنی مٹی سے ہر قسم کے خوب صورت حسین سرسبز شاداب چمکدار، خوشبودار پھول پھل پتے، گھاس جڑی بوٹیوں جھاڑیوں شاخوں کھیتوں کو کہ پھولوں سے تمہاری دماغی غذا پھلوں سے جسمانی غذا، جڑی بوٹیوں سے دوائی غذا، گھاس پھوس جھاڑیوں سے تمہارے جانوروں کی غذا، اگر زمینِ دنیا کی اِس خود رَو قدرتی پیداوارِ نباتاتی میں ہی غور کرو تو تمہارے سارے مشکوک اور برے عقیدے، انکارِ قیامت کے شیطانی وسوسے ختم ہو جائیں اور تمہاری عقلیں اس دلیلِ آفاقی کو مان لیں کہ جو ربّ تدبر ذاتِ قدیم زمین سے اُس کی پوشیدہ زندگیوں کو اُگا کر ہستیوں میں بدل سکتا ہے وہ تم کو بھی دوبارہ اسی طرح اِسی مٹی سے اُگا سکتا ہے، جس طرح اُس نے پہلے تم کو مثلِ نباتات ہی بےجان بے روح والے نطفے سے اُگایا تھا اسی اُگنے کا نام خلقتِ ثانیہ ہے اور یہی قیامِ قیامت ہے۔ اِن آیت میں قیامت کی پہلی دلیل نفسی ہے کہ انسان خود اپنی پہلی پیدائش میں غور و تدبر کر لے یہ دلیل علم و عقل بصیرت والے تجربہ مشاہدہ کرنیوالوں کے لیے ہے اور دوسری دلیل آفاقی ہے کہ ہر علم غیر علم والا صاحبِ بصارت اپنی نگاہوں سے زمین کی پیداوار کو دیکھ کر قدرتِ الٰہی کا نظارہ کرے اور کمالِ قدرت پر ایمان لائے یہاں خلقۂ انسانی کے سات مرحلے بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلا مرحلہ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ دوم۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ تیسرا مرحلہ۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، چوتھا۔ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ، پانچواں مرحلہ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔ چھٹا۔ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ۔ ساتواں مرحلہ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ كُتِبَ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا یہ فعل مجہول ہے یہی مشہور قرأت ہے۔ بعض نے کہا یہ كَتَبَ، فعل معروف ہے۔ عَلَيْهِ کی ضمیر میں دو قول ہیں، بعض نے لکھا کہ اس کا مرجع اور مراد شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ہے۔ یہی درست ہے مگر بعض نے کہا کہ مرجع مَنْ يُّجَادِلُ ہے سَعِيْرِ میں تین قول ہیں، بعض نے کہا اس سے مراد مطلقاً پوری جہنم ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد طبقۂ نار ہے جو ابلیس کا اصلی ٹھکانہ یعنی اپنے ٹھکانے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد جہنم کا ایک خاص طبقہ ہے جس کا نام ہی سعیر ہے اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ میں دو قول ہیں بعض نے کہا اِس سے مراد تمہارے جَدِّ اعلیٰ آدم علیہ السّلام کی پیدائشِ ذاتی ہے یعنی بلا تغیّر و تبدّل وہ مٹی سے پیدا کیے گئے پھر ان کی

نسل بن کر تم سب پیدا کئے گئے اور وہ بلا واسطہ مٹی سے تم سب بلواسطہ مٹی سے۔ مگر بعض نے کہا کہ تم سے مراد تم سب لوگ اور معنیٰ ہے ہر ایک اور تُراب کا معنیٰ ہے مٹی سے حاصل شدہ غذا۔ اور غذا سے نطفہ پھر درجہ بدرجہ مرحلہ وار تم پورے انسان پیدا ہو گئے۔ یہی قول درست ہے۔ مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ. میں پانچ قول ہیں ۱ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ سے مراد ظاہری باطنی مکمل اعضا والا حمل اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ غیر مکمل اعضا والا یا تو ہر عضو ناقص یا کوئی ایک عضو سرے سے ہی نہیں ۲ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ شکل وصورت والا اور غیر مخلقہ صرف لوتھڑا ۳ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ مجخنہ حمل غیر مخلقۃ کچا حمل ۴ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ وہ حمل جو مدت پوری کر کے جنم لینے والا یعنی وقتِ مقررہ پر ولادت، غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ وقت سے پہلے گر جانے والا یا گرا دیا جانے والا حمل ۵ بعض نے فرمایا کہ شکل صورت اعضاء ظاہری باطنی طوالت، قوت، وزن میں بے عیب مُخَلَّقَةٍ ہے اور ان میں سے کسی طرح کا عیبدار غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جو مکمل ہو کر جنم لے اور زندہ رہے وہ مُخَلَّقَةٍ ہے جو زندہ نہ رہے ناقص پیدا ہو وہ غیر مُخَلَّقَةٍ ہے لِّنُبَيِّنَ ۔ نُقِرُّ، نَشَآءُ، نُخْرِجُ ان چاروں فعلوں کی قرأت میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ چاروں فعل جمع متکلم کے صیغے ہیں جیسے کہ لکھے گئے۔ یہی مشہور قرأت ہے۔ دوم قرأت یہ کہ یہ واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں یعنی لِيُبَيِّنَ۔ يُقِرُّ۔ يَشَآءُ، يُخْرِجُ أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ میں تین قول بعض نے کہا یہ سٹھیا پے کی پچھتر سالہ عمر ہے جب انسان بے عقل ہو جاتا ہے بعض نے کہا کہ انسان کی اَرذلِ عُمر کفر اور فسق والی زندگی ہے اور اَشَدِّ عُمر ایمان اور اعمالِ صالحہ والی زندگی ہے بعض نے کہا کہ اَشَدِّ عُمر سے مراد صحت وقوت والی زندگی اور اَرذلِ عمر بیماری کمزوریاں معذوریوں والی زندگی۔ وَتَرَى الْأَرْضَ۔ میں دو قول ہیں بعض نے کہا اس سے عام خود رَو گھاس پھوس جھاڑیوں جڑی بوٹیوں والی زمین مراد ہے یہی قول درست ہے، کیونکہ زمین کی قدرتی خود رَوئی ہی بتانا مقصودِ کلام ہے۔ بعض نے کہا اس سے کھیتی والی زمین مراد ہے اَلْمَآءَ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا اس سے بارش کا پانی مراد ہے، اور بعض نے کہا اس سے ہر قسم کا پانی مراد ہے، نہری بحری چاہی بارشی، مگر پہلا قول درست ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اَنْزَلْنَا سے بارش ہی مراد ہوتی ہے دوم یہ کہ ہر میدانی پہاڑی زمین میں صرف بارش ہی پہنچ سکتی ہے رَبَتْ کی قرأت میں دو قول، مشہور قرأت رَبَتْ ہی ہے، اور ایک شاذ قرأت میں رَبَاَت ہے (تفسیر روح المعانی)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ان آیت میں شیطان کی تین چیزیں بیان ہوئیں۔ ایک جبلّت، ایک عادت اور دو خصلتیں جبلّت اس کی شیطنیت عادت اس کا مرید اور ہر طرح ننگا بے غیرت ہونا پہلی خصلت دوست بن کر دھوکا فریب دینا

اور فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ۔ دوستوں کو گمراہ کرنا، دوسری خصلت جہنم کی طرف ہدایت دینا، ان کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو تم یہ کوئی عادت خصلت اختیار نہ کرنا نہ دوستوں کو کبھی دھوکا دینا نہ جان بوجھ کر گمراہ کرنا نہ خود جہنمی بننا نہ کسی کو بنانا بلکہ ہر وقت ہر طرح شیطان سے بچتے رہنا نہ کسی طرح مَرِید ہونا مَرِید کا معنی ہے ننگا اور خالی ہونا۔ اس کی سات کیفیتیں ہیں ۱۔ بے لباس ہونا اس میں سر بھی شامل ہے ننگے سر پھرنا یا ننگے سر نماز پڑھنا شیطانی مَرِید ہونا ہے موطا امام مالک میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس نے بال بکھیرے ننگا سر کیا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا جس نے شیطان کو دیکھنا ہے وہ اس کو دیکھ لے وہاں ثَائِرُ الرَّاسِ کا لفظ ہے جس کے معنی بکھرے بال ننگا سر ہوتا ہے ۲۔ نیک عمل سے خالی ہونا بھی شیطانی مَرِید ہونا ہے ۳۔ بے غیرت ہونا ۴۔ بے حیا ہونا، عملی بے شرمی بے حیائی ہے اور قولی بے شرمی بے حیائی ہے ۵۔ بے تقویٰ ہونا ۶۔ بے تہذیب ہونا ۷۔ بے ادب اور گستاخ خاص کر انبیاء کرام علیہم السلام کا گستاخ تو سب سے بڑا شیطانی مَرِید ہے۔ یہ فائدہ کُتِبَ عَلَیْہِ (الخ) سے حاصل ہوا کہ جو اس شیطان سے دوستی لگائے گا وہ بھی ان ہی تمام بری خصلتوں سے دنیا و آخرت کا ننگا ہوگا۔ خیال رہے کہ جبلت پیدائشی طبیعت کو کہتے ہیں۔ اور عادت جو خود بخود ہو جائے کسی ماحولی صحبت کی وجہ سے طبیعت بن جائے اور خصلت وہ اچھی یا بری حرکت جو بندہ خود اختیار کرلے۔ دوسرا فائدہ مومن متقی کی دنیوی زندگی ہر اعتبار سے اَشَدِّ عمر ہے اگرچہ مومن متقی ظاہراً غریب بیمار کمزور معذور اور عمر رسیدہ ہو۔ اور کافر کی دنیوی زندگی ہر اعتبار سے اَرْذَل عمر ہے اگرچہ کافر ظاہراً امیر تندرست خوش حال مضبوط اور جوان نظر آتا ہو۔ یہ فائدہ اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی تفسیر صوفیانہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اصل پائیدار عزت والی زندگی تو وہی ہے جس میں قبر حشر کی عزت و رحمت ملے۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ دنیا و آخرت میں ہر طرف سے لعنت ہی ملتی رہے۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں پانی بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ نہری ہو یا دریائی چشموں کا ہو یا کنوؤں کا خاص کر بارش کا پانی تو بہت ہی عظیم و کثیر نعمت ہے اور نعمت کو ضائع کرنا گناہِ کبیرہ ہے، فضول خرچی بھی ضائع کرنا ہی ہے اور بلا ضرورت استعمال کرنا بھی فضول خرچی ہے یہاں تک کہ کوئیں نہر یا دریا کے پانی میں فضول خرچی بھی ناجائز ہے۔ وضو میں چار چار بار دھونا فضول خرچی ہے کھیتوں میں ضرورت سے زیادہ پانی دینا فضول خرچی بار بار برتن کو دھونے کا وہم فضول خرچی ہے یہ فائدہ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ بارش بھی ضرورت پڑنے پر نازل فرمائی جاتی ہے بلا ضرورت نہیں ہوتی بعض دفعہ ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بارش بلا ضرورت یا بے موقعہ ہے تو یہ ہماری اپنی ناسمجھی نادانی

ہے باری تعالیٰ کی اس میں بھی ہزار ہا حکمتیں ہوتی ہیں جو بندوں کی عقل وفہم سے بالاتر ہیں، اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں اپنی رائے زنی کرنا گناہ کبیرہ ہے، خاص کر موت وحیات وقدرت وحکمت. اور موسمیات کے تبدل تغیر میں، بعض جُہلا کہدیتے ہیں کہ فلاں بے وقت مرگیا ایسا کیوں ہوگیا نہ ہونا چاہیئے تھا اس قسم کی سب باتیں گناہ بلکہ کفریہ ہیں، بارش اور دیگر پانیوں میں پانچ طرح فرق ہے ۱۔ بارش ہر اونچی نیچی جگہ پہنچتی ہے دوسرے پانی نہیں پہنچ سکتے ۲۔ بارش چل کر آتی ہے بلا محنت وخرچ انعام مفت ہے دوسرے پانی محنت مشقت اور خرچہ کرکے چلاکر لانے پڑتے ہیں ۳۔ بارش سے پتے دُھل جاتے ہیں کپڑے رجاتے جڑوں میں پانی بھی اور غذائی کھاد بھی۔ دیگر پانیوں سے صرف سیرابی ہوتی ہے ۴۔ بارش رب تعالیٰ کی حکمت سے اور دیگر پانی بندوں کی صوابدید پر موقوف ہے ۵۔ بارش کے بعد کسی پانی کی ضرورت نہیں رہتی دیگر پانیوں کے بعد بھی بارش کی اشد ضرورت رہتی ہے وغیرہ وغیرہ

احکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ. قانونِ شریعت کے مطابق حمل جب تک رحم میں رہتا ہے وہ غیر ذوالعقول میں شمار ہوتا ہے اگرچہ انسان کا ہو اور اُس کا بڑھنا مثل نباتات ہے یہ نشوونما روح کی وجہ سے نہیں روح تو بعد میں پڑتی ہے. ولادت تک مثل جانوران ہے خواہ نطفہ ہو یا علقہ یا مضغہ ذی روح ہوجائے یا بے روح مخلّقہ ہو یا غیر مخلّقہ یہ مسئلہ مَا نَشَآءُ کے مَا موصولہ سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ حملِ انسانی کے تمام مدارج کے مکمّل ہونے کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا گیا وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ۔ یعنی جس کو چاہتے ہیں ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں، یہاں مَنْ نَشَآءُ نہ فرمایا گیا. لفظِ مَنْ عقل والوں کے لیے ہوتا ہے اور مَا غیر عقل والوں کے لیے، اگر ولادت سے پہلے انسانی حمل ذی عقل مانا جاتا تو مَنْ نَشَآءُ فرمایا جاتا. دوسرا مسئلہ۔ ہر ذی عقل انسان کو اپنے مورث کی میراث ملتی ہے مگر پیدائشی مخبوط الحواس لاعلاج ناقِصُ الْخِلْقَتْ بچے کو میراث نہیں ملے گی اگرچہ کتنا ہی عرصہ دنیا میں زندہ رہے۔ ایسا ناقِصُ الْخِلْقَتْ بچہ غیر مخلّقہ میں اور غیر ذی عقل میں شمار ہے مثل لوتھڑے کے صرف روح پڑنے کا نام انسانِ کامل نہیں جسم وہوش وحواس مکمّل ہونا ضروری ہیں یہ مسئلہ بھی مَا نَشَآءُ میں مَا فرمانے سے مستنبط ہوا، کیونکہ وہ حمل دنیا میں اگر بھی اُسی حالت میں رہا جس طرح پیٹ میں تھا پیٹ میں بھی غیر ذی عقل تھا لہٰذا جب تک اُسی حالت پر دنیا میں رہے گا غیر ذی عقل ہی مانا جائے گا. اور کسی غیر ذی عقل کو تو میراث نہیں ملتی اس لیے ایسے بچے کو بھی نہ ملے گی، آگے ارشادِ باری تعالیٰ ہے ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔ یعنی پھر ہم نے تم کو طفل بنانے کے لیے نکالا یہ اُس کی نئی تبدیلی والی حالت ہے اس سے ثابت ہوا کہ اندورنی حالت سے تبدیلی ہوگی تو طفل ہوگا اور طفل باہر آکر بنے گا اِشارۃً وَاِقتضاءً بتایا گیا

اگر باہر آکر بھی حالت تبدیل نہ ہو تو طفل نہ بنے گا۔ اس لیے کہ طفل صرف انسانی دو سالہ شیر خوار بچہ کو کہتے ہیں۔ اور طفل بننا یہ ہے کہ وہ بچہ انسانی نفس ناطقہ والا ہے۔ اگر ذی عقل ہے تو طفل ہے اگر ذی عقل نہیں تو طفل نہیں، اور طفل نہیں تو کسی کا وارث نہیں، اسی لیے حمل کی میراث موقوف رکھی جاتی ہے پیدا ہونے کے بعد فیصلہ ہوتا ہے کہ یہ مذکر ہے یا مؤنث یا مخنث یا مخبوط۔ تیسرا مسئلہ۔ علم نام ہے عقل، فہم، تدبیر، تفکر، سمجھداری کا نہ کہ صرف لکھنے پڑھنے کا، لہٰذا اگر کوئی شخص پڑھا لکھا نہ ہو مگر اُس کی عقل فہم فراست اور سمجھداری بہت شاندار ہو تو اُس کو علم والا ہی کہا جائے گا، اور اگر کوئی آدمی پڑھ لکھ کر بھی بیوقوف اور احمق ہی رہے حماقت کے ہی کام کرے تو اُس کو جاہل کہا جائے گا۔ یہ مسئلہ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا فرمانے سے مستنبط ہوا قدرتی علم عطاءِ الٰہی ہے، اور پڑھنا لکھنا کسبی علم ہے۔ یہاں رب تعالیٰ نے ہر بوڑھے انسان کی ارذلِ عمر میں علم کی نفی فرمائی ہے اُس سے یہی قدرتی عطائی علم مراد ہے، فرمایا کہ وہ علم کے بعد کچھ علم نہ رکھے۔ حالانکہ ہر دور میں اَن پڑھوں کی کثرت رہی، پڑھے لکھے بہت ہی کم ہوتے رہے، اکثریت نے پڑھنا لکھنا نہ سیکھا مگر فطرتی عقل و فراست اور سمجھداری سے ایسے ہنر اور کام کر دکھائے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے بھی حیران اور مبہوت ہو گئے، یہی ہنرمند اور کاریگر دستکار ہیں جب اَرذلِ عمر کو پہنچتے ہیں تو کچھ بھی عقل و ہنر فن و صنعت باقی نہیں نہ دماغی نہ زبانی نہ دستی، یہاں لَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ۔ اسی عطائی علم عقل ہنر کے ختم ہو جانے کا ذکر ہے اسی فطری عقل علم کی بنا پر انسان کو حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے اسی کی وجہ سے ہر انسان اَشرفُ المخلوقات ہے نہ کہ فقط لکھنے پڑھنے سے بلکہ لکھنا پڑھنا بھی عطائی علم سے آتا ہے بعض انگریزی پرست لوگ سمجھتے ہیں کہ علم صرف انگریزی سیکھنے میں ہے اسی پرستاری کے بدلے میں ان کو سر کا خطاب ڈاکٹر پروفیسر کے القاب مل جاتے ہیں حالانکہ جتنی جہالت انگریزی نے پھیلائی اتنی کسی نے نہ پھیلائی، کوئی مانے یا نہ مانے مگر حقیقت یہی ہے کہ علم عقل لیاقت فطانت فراست صرف قرآنِ مجید کے نور اور حدیثِ مقدسہ کی روشنی سے ہی ملتے ہیں اسی سے انسان اَشرف و افضل و اکرم بن سکتا ہے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اَرذَل ہی اَرذَل ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ یعنی اے کافرو اگر تم قیامت کے آنے اور دوسری بار مُردوں کے پیدا ہونے میں شک کرتے ہو حالانکہ کفار تو قیامت کے نہ آنے کے یقین پر ہیں، شک میں دونوں طرف کا گمان ہوتا ہے کہ شاید آجائے یا شاید نہ آئے مگر کفار تو ایک ہی نہ آنے کے عقیدے میں پختہ ہیں کہ قیامت یقیناً نہیں آئے گی اور اس ایک جانب کی پختگی کو یقین کہا جاتا ہے نہ کہ شک تو یہاں فِیْ رَیْبٍ کیوں فرمایا

فِیْ یَقِیْنٍ فرمانا چاہیئے تھا رَیْبٌ کا معنیٰ تو شک کرنا ہے۔ جواب۔ شک بھی عربی لفظ ہے اور یقین بھی اور رَیْبٌ بھی مگر یہاں ریب فرمایا گیا اس کی وجہ یہ کہ ریب کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ جب کسی کا یقین حقیقت کے خلاف ہو تو ریب ہی کہا جاتا ہے اس لیے کہ رَیْبٌ مثلِ شک کمزور اور غلط ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح جو یقین کسی دلیل سے ٹوٹ جائے وہ مثلِ شک کمزور ہوتا ہے یہاں یہی سمجھایا جا رہا ہے کہ کفار کا یقین اور اس کی بدعقیدگی مثلِ شک کمزور اور غلط ہے اور مثل شک کمزور اور حقیقتاً غلط یقین کو لینے کو عربی لغت میں ریب ہی کہا جاتا ہے اگر یہ کفار ذرا بھی اپنے اندر غور کریں اور اپنی پہلی ابتدائی خلقت اور زمینی پیداوار میں تفکر تدبر کریں تو ان کے یہ باطل نظریے عقیدے اور سب یقینیاتِ باطلہ ٹوٹ جائیں۔ دوسرا اعتراض، یہاں فرمایا گیا وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یعنی اور ہم ٹھیرلتے ہیں رحموں میں جس کو چاہیں، یہاں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے جو ذی عقل اور اشرف المخلوقات ہے، ذی عقل کے لیے مَنْ آتا ہے نہ کہ مَا۔ تو یہاں مَا نَشَآءُ کیوں فرمایا گیا۔ مَنْ نَّشَآءُ چاہیئے تھا مَا کا لفظ نباتات جمادات حیوانات کے لیے بولا جاتا ہے۔ جواب۔ اس کے دو طرح جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ مَا سے مراد اَجَلٍ مُّسَمًّى ہے اور معنیٰ ہے کہ جتنی مدت ہم چاہتے ہیں رحموں میں حمل ٹھہراتے ہیں اور مدت چونکہ غیر ذی عقل ہے لہٰذا اَب مَا لانے پر کوئی اعتراض نہیں، جوابِ دوم یہ کہ لفظ مَا کا تعلق حمل سے ہی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ جس حمل کو ہم چاہیں رحم میں ٹھیرا دیں مگر چونکہ حمل جب تک رحم میں رہتا ہے وہ غیر ذی عقل ہی ہے اس لیے مَا ارشاد فرمانا بالکل درست ہے بلکہ اسی لفظ مَا نے بتایا کہ انسانی حمل بھی جب تک رحم میں ہے۔ مثل نباتات غیر ذی عقل ہے ولادت کے بعد اگر ہر طرح مُخَلَّقَۃٍ ہو تب ذی عقل ہے ورنہ ناقص حمل تو جنم لے کر بھی مثل حیوان غیر ذی عقل ہے۔ ہم نے اپنے ترجمے میں مَا کا تعلق مدت سے جوڑا ہے۔ اور اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں مَا کا تعلق حمل سے ہے۔ یہ عام انسانوں کے حمل کا حکم ہے لیکن تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور بعض اولیاء اللہ تو عالمِ اَرواح میں بھی سرتاجِ عُقلا اور سرچشمۂ علم و حکمت منبۂ عقل و فراست ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔ كُمْ ضمیر جمع ہے تو اس کا مفعول لہٗ طِفْلًا واحد کیوں آیا، اَطْفَالًا جمع فرمانا چاہیئے تھا تاکہ مطابقت ہوتی۔ جواب اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ كُمْ ضمیر جمع کا معنیٰ کُلّی نہیں بلکہ نکرہ عمومی جزئی ہے اور ترجمہ ہے ہر ایک ذکر تم سب۔ یعنی پھر تم ہر ایک کو طفل بنانے کے لیے ہم نکالتے ہیں۔ جوابِ دوم بعض نے فرمایا کہ لفظِ طِفْلًا اِسم جامد بلکہ اسم مصدر ہے اور مصدر سب کے لیے ہوتا ہے۔ جمع ہو یا واحد یا تثنیہ، اور مقصد یہ ہے کہ جنم لے کر تم سب نے پہلے طِفْلًا یعنی نادان کمزور شیرخوار ہی بننا ہے بعد میں تم سب ہماری

دی ہوئی قوت عقل دولت سلطنت سے جو چاہو بنتے پھرو نیک پاک بن کر ابدی زندگی خوشحالی پالو یا نمرود، شداد ہامان فرعون بن کر ابدی ذلت پالو۔ مگر یہ کفر وغرور شکر گزاری کے خلاف ہے اور نقصان تمہارا اپنا ہی ہے جوابِ سوم بعض نے فرمایا کہ لفظ طِفلاً اسم جنسی ہے جو جمع کے لیے بھی آجاتا ہے اور واحد کے لیے بھی یہاں جمع کے لیے ہے۔ یعنی طِفلاً کا معنیٰ بچہ نہیں بلکہ بچے ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا۔ یعنی اَرذَلِ عُمر میں انسان بہت کچھ جاننے کے بعد پھر بے علم ہوجاتا ہے اور کچھ نہیں جانتا سب بھول جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا سٹھیاپے میں بھی انسان کو بہت کچھ یاد ہوتا ہے جانتا بھی ہے، اسی طرح دو تین سال کا بچہ بھی جانتا سمجھتا ہے یہاں تک کہ ایک دن کا بچہ بھی، مولانا رومی نے فرمایا ہے

طفلِ یکروزہ ہمیں داند طریق ۔ کہ بگریَد تا شود دایہ رفیق

یعنی ایک دن کا بچہ بھی اتنا علم رکھتا ہے کہ دایہ کو دودھ کے لیے کس طرح بلاتا ہے، تو یہاں شَيْـًٔا فرما کر کُلّی نفی کیوں فرمائی گئی۔ **جواب**، اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ اس نفی کے بیان کرنے میں انسان کے اُن علوم کے بھول جانے کا ذکر ہے جو انسان اپنی محنت مشقت سے حاصل کرتا ہے اور جس پر اس کو اکثر غرور اور ناز ہوتا ہے، کیونکہ ہر انسان کو تین علم ملتے ہیں پہلا علم عطائی یعنی عقل فہم ادراک یہ قدرتی عطا ہے بچپن سے شروع ہوکر بڑھاپے تک تدریجاً مرحلہ وار بڑھتا رہتا ہے یہ علم بچوں پاگلوں اور دیوانوں کو بھی ملا ہے مولانا روم کا اشارہ اسی علم کی طرف ہے۔ دوم علم کسبی جیسے ہنرمندی کاریگری، فنکاری، سوم علم معلوماتی، یہ علم پڑھنے لکھنے تجربوں مشاہدوں سے ملتا ہے لِكَيْلَا يَعْلَمَ میں انہی دوسری دو قسموں کے کسبی اور معلوماتی علم کی نفی ہے۔ نہ کہ عطائی قدرتی فطری علم کی کُلّی نفی یہ کسبی و معلوماتی دونوں علم سٹھیاپے کی اَرذَلِ عمر میں واقعی بھول جاتے ہیں اس کا بہت مشاہدہ ہے لیکن فطری علم کی کچھ قوتیں باقی رہتی ہیں جس سے جان پہچان بھوک پیاس بول براز کا پتہ رہتا ہے، جوابِ دوم۔ بعض نے فرمایا کہ علم نہ رہنے کا معنیٰ ہے عقل نہ رہنا زائل و بیکار ہونا جس کی وجہ سے وہ بندہ بے علم ہی کے مشابہ ہوجاتا ہے کیونکہ عقل بمع حافظہ خراب اور وہ انسان اپنے کسی علم سے نہ نفع لے سکتا ہے نہ دے سکتا ہے لہٰذا بے علم ہی ہوا خاصکر اپنی جوانی کے مقابلے میں لَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ ہی ہوا۔ پس جتنا بچوں اور جانوروں کے پاس قدرتی علم ہوتا ہے اتنا ہی اس کے پاس رہ جاتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُۥ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُۥ يُضِلُّهُۥ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ

تفسیر صوفیانہ السَّعِيرِ۔ دنیا میں شیطان دو قسم کے ہیں اور بندے تین قسم کے ہیں ۱ جناتی

شیطان ۲ انسانی شیطان، جناتی شیطان خفیہ وسوسوں ورغلاہٹوں اور شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اور انسانی شیطان بدعتوں گستاخیوں بے ادبیوں زندیقیوں، فلسفوں، عقلیات کی الجھنوں دہریت کے نظریوں، غلط کتابوں جاہلانہ تقریروں، جھوٹی تبلیغوں سے باطل عقیدے سناتے سکھاتے بتاتے ہیں متقی بندہ اس لیے بچا رہتا ہے کہ وہ ان سب قسم کے شیطانوں کو اپنا حقیقی دشمن سمجھتا ہے، مگر فاسق انسان اُن کے قریب میں آکر ان کو دوست سمجھ لیتا ہے اور اُن کے قریب ہو جاتا ہے لہٰذا گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور کافر انسان ان کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ خود ہی شیطان اور مثل شیطان ہو جاتا ہے اس لیے کفار کو یہ شیاطین عذاب سعیر کی طرف اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں غرضکہ یہ شیطان فاسقین کو یُضِلُّهٗ اور کافرین کو یَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ سے ابدی جہنم میں پہنچا دیتے ہیں، مگر مومن متقی انسان کا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگرچہ ورغلاتے سب کو ہیں، متقی آدمی کا کمال یہ ہے کہ علوم حقیقیہ میں چار مرتبے حاصل کرے ۱ اپنے نفس ونفسیات کی معرفت ۲ اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کی معرفت ۳ دنیا کی اچھائی برائی کی پہچان حاصل کرے ۴ آخرت کے انعام اور امتحان کی معرفت حاصل کرے، متقین کی بلندیوں کے چار درجے ہیں پہلا درجہ بصارت وبصیرت کی اہلیت یہ درجہ سب سے بلند ہے، دوسرا درجہ اس سے نیچے اہل یقین ہونا تیسرا درجہ اس سے نیچے اصل استدلال کا، چوتھا درجہ اس سے بھی نیچے اہل تقلید کا جو شخص ان درجوں سے ہٹ گیا وہ انقطاع کی گمراہی اور محرومی کے عذاب میں پڑ گیا سالک طلب کے لیے ضروری ہے کہ اہل بصیرت کے عین الیقین کا درجہ حاصل کرنے کی ہمت وکوشش کرتا رہے، اور یہ مرشد کامل کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مرشد کے بغیر اُس منزل تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اور جس خوش قسمت کو عین وبصیرت کا مرتبہ مل گیا وہ شیطان اور اُن کی دوستی سے بچا لیا گیا، اب اُس کو کسی مجلس، کسی وعظ، کسی کتاب دنیوی اور کسی سے لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ علم کتابوں سے نہیں ملتے محبوب دلدار کے دیدار سے ملتے ہیں۔ ؎

صد کتاب وصد ورق در نار کن رُوئے دل را جانب دلدار کن

جب بغیر وسیلۂ دلیل ہی مدلول حقیقی تک پہنچ گیا تو اب کسی دلیل کی کیا ضرورت جو آسمان تک بلند ہو گیا اس کو کسی چھت کی بلندی کی کیا حاجت، جس کا آئینہ صاف وشفاف ہو اس کو صیقل کی کیا ضرورت، جو بندہ خود ہی بارگاہ سلطان میں موجود ہو اس کو کسی قاصد دربان نامہ وپیام کی کیا حاجت ہے، ان علوم حقیقیہ کو پالینے والا بندہ دو مصیبتوں سے بچ جاتا ہے ۱ مجادلہ ۲ اتباع شیطان، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں جناتی شیطان کو شیطان اسود کہا جاتا ہے یعنی کالا شیطان اور انسانی شیطان کو شیطان ابیض یعنی سفید

شیطان کہا جاتا ہے عاقل وہ ہے جو رات دن تذکیۂ نفس میں ظاہری باطنی اجتہاد کرتا رہے کیونکہ یہی جہادِ اکبر ہے اور نفسِ امّارہ جیسے بدترین دشمن کا مقابلہ اور مضبوط تلوار جو آدمی نفسِ امارہ کو دشمن سمجھے ابلیس اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، شیطان صرف اپنے دوستوں کو ہی خراب کرتا اور منکرِ آخرت بناتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ۔ اے عقلیاتِ نفسانی میں اُلجھے ہوئے لوگو اگر تم اِس بدعقیدگی میں مبتلا رہو گے کہ کفر کی قلبی موت مرنے کے بعد ایمانی زندگی نہیں ہو سکتی اور نارِ فراق میں وصل کا گلزار فسق کی خزاں میں تقوے کی بہار نہیں آسکتی تو اپنی خلقتِ باطنی پر غور کرو کہ بے شک ہم نے تم کو ازلِ حادث کی ابتدا میں تراب سے پیدا کیا ہے پھر عقل کے نطفے میں تم کو محفوظ کیا پھر اُس عقل کو تفکرات کا عَلَقہ بنا دیا پھر تم کو علم و فہم کا مضغہ بنا دیا اور اس عقل فکر علم فہم کی قوتوں سے تم اشرف المخلوقات بن گئے پھر تم میں سے کچھ ایمان یقین اعمال عرفان کی افضیلت پا کر مخلقہ ہو گئے اور مقامِ افضل المخلوقات کا عروجِ اَشُدّ پا لیا اور کچھ لوگوں نے فسق کفر شرک گمراہی سے غیر مخلقہ بن کر اَرْذَلُ المخلوقات کا مقامِ زوال پا لیا، یہ عروج و زوال، رفعت و سفلت عقل و حماقت، علم و جہالت کے تغیرات اِس لیے ہیں کہ لِنُبَیِّنَ لَكُمْ تاکہ ظاہر کر دیں ہم تمہارے لیے میت و ہست کے اسرارِ فنا و بقا کے مکاشفات موت و حیات کے مشاہدات کہ جو ذاتِ قدیم بغیر ظاہری دانے کے شجراتِ انسانی لگانے پر قادر ہے وہ دانۂ قلبی سے فنا کو بقا بنا کر دوبارہ شجراتِ جسم و عظیم بھی بنا سکتا ہے جس کی قدرت نے پہلے نابود کو بود کر دیا تھا وہ بود کو وجود بھی فرما سکتا ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں لہٰذا اے منکرو ہماری عطا کردہ عقل سے اپنے اندر جھانکو سب معرفتیں حاصل ہو جائینگی کہ جو اوّل پر قادر وہ آخر پر بھی جو موت کی خزاں پر قادر ہے حیاتِ اُخروی کی بہار پر بھی قادر ہے۔ وَ نُقِرُّ اور ہم جس کو جتنا چاہتے ہیں گمنامی کے رحموں عدم کے پردوں ہستی کے غلافوں میں ٹھیرائے رکھتے ہیں، اس استقرارِ اسرار کی اَجَلٍ مُّسَمًّى اور مدّتِ مقررہ کو ہم ہی جانتے ہیں ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ پھر مضغہ مخلقہ کو مدّتِ مقررہ کے بعد رحمِ باطن سے نکال کر آغوشِ مرشدِ مربّی کی پرورش میں رکھتے ہیں طِفْلًا۔ انوارِ لطائف کی شیر خوارگی سے طفلِ شریعتِ ظاہرہ بنانے کے لیے پھر آغوشِ تربیت سے نکال کر وادیِ طریقت کے سلوکِ معرفت میں ہم ہی پہنچاتے ہیں تاکہ تم طلبِ حقیقت میں آکر اشرفیت کے صبی بن جاؤ اور پیر مردِ کامل کا عروج پا کر مرتبۂ بلند کی بلوغت حاصل کر سکو اور تم کو اعمالِ صالحہ کی غذاؤں سے افضیلت کی قوت اکرمیت کی شدت حاصل ہو جائے، راہِ سلوک میں عارفین میں جو تغیرات ہوتے ہیں وہ عالمِ ناسوت کی طفلگی کو

۱؎ پھر عالمِ جبروت کی صبیّت کا بچپنہ نا بالغی ۲؎ پھر ملک وملکوت کی بلوغت ۳؎ پھر عالمِ لاھوت کی مردانگی قوتِ جوانی ۴؎ پھر عالمِ قدس میں افضلُ الخلق ہونا، ۵؎ پھر عالمِ قرب کے اکرمُ الخلق جیسا کہ سورۂ حجرات آیت ۱۳ میں ارشاد ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ یعنی بارگاہِ قربِ الٰہی میں اکرم الخلق وہی ہے جو تقوے میں سب سے بڑا ہو ۶؎ پھر عالمِ انوار کی بزرگی ۸؎ پھر منزلِ عشق کی مدہوشی ۹؎ پھر فنائی الذات کی آخرت۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۔ اور تم میں بہت سے خوش قسمت وہ ہیں جو اعمال کی دولت ایمان کی طاقت پاکر تقویٰ خشیت طہارت ولایت علمیت فقاہت عبادت کی زندگی مکمل اور پوری پا لیتے ہیں اُن کی ہر چیز کو بقا ہے اور تم میں سے بہت لوگ غفلت وفسق کی اَرذلِ عمر کی طرف مردود نامقبول ناپسندیدہ کر دیئے جاتے ہیں تاکہ علم کے بعد جاہل عقل کے بعد احمق اور عمل کے بعد بے عمل ہو جائیں اور کچھ نہ پائیں ان کا کچھ باقی نہ رہے سب فنا ہو جائے کیونکہ علم سے پہلے جہالت دوزخ ہے اور علم کے بعد جہالت نارِ عشق ہے اس وجہ سے کہ علم سے پہلے جہالت حرص و لالچ کا سبب ہے اور علم کے بعد جہالت صبر ورضا کا سبب ہے اَرذلِ عمرِ وصل کے بعد فراق کی ساعتیں ہیں اس عمر میں راہِ طریقت کا مسافر احوالِ شریعت اور مقامِ حقیقت اور اعمالِ رفعت سے بے خبر ہو جاتا ہے عالَمِ معرفت کی راہِ طلب میں سالکِ طالب کو چار قسم کی عمریں ملتی ہیں پہلی اشرفِ عمر پھر دوسری افضلِ عمر پھر تیسری اکرمِ عمر پھر چوتھی اَرذلِ عمر، ہر عمر میں تین چیزیں ملتی ہیں اشرفِ عمر میں علم وعقل فہم، افضل عمر میں ایمان اعمال افکار، اکرم عمر میں عرفان ایقان قُرب اَرذلِ عمر میں غفلت، جہالت بُعد، پہلی عمر عالمین عاقلین قابلین کی دوسری عمر عابدین عاملین قانتین کی تیسری عمر عارفین عاشقین خاشعین کی چوتھی عمر خائنین کاہلین فاسقین کی ہوتی ہے پہلی عمر میں بندہ اشرف المخلوقات بنایا جاتا ہے دوسری میں افضل المخلوقات تیسری عمر میں بندہ اکرم المخلوقات چوتھی میں ارذل المخلوقات میں ہو جاتا ہے۔ پہلی بارگاہِ ربوبیت سے ملتی ہے دوسری عمر دامنِ نبوت سے تیسری عمر اعمالِ شریعت سے اور چوتھی عمر اپنی بد اعمالی اور صحبتِ شیطانی سے ملتی ہے۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۔ اے دنیوی دولتوں خواہشوں کے بچاری اور قیامِ اُخروی کے منکر اور بھولنے والے اگر کبھی اپنے جسمِ نفسانی کی زمینِ باطنی پر نگاہِ عبرت سے تدبّر کرے تو دیکھے گا تو یہ کہ یہ زمینِ نفسانی جہالت وحماقت کی خشکی سے مردہ پڑی تھی نہ اس میں فضائل کے نباتات تھے نہ کمالات کے باغات تھے نہ ایمان کے پھول نہ اعمال کے پھل نہ شریعت کی شاخیں نہ طریقت کے پتے نہ حقیقت

کی کلیاں نہ معرفت کے غنچے نہ عبادت کے شگوفے نہ قرآنِ مجید کا سایہ نہ حدیثِ مقدسہ کی خوشبو غذاءِ روحانی اور سامانِ آخرت کے لیے کچھ بھی تو نہ تھا فقط عقلیاتِ دنیوی فلکیاتِ گمراہی کے جھاڑ جھنکاڑ تھے اسے دولت ہائے ثروت کے خار دار تھے تب ہم نے اپنے رحم و کرم سے شفقتِ نبوت کا بادل بھیجا اور تیری اس مُردہ زمینِ باطن پر اَبرِ روحانی سے علم و عرفان کا پانی برسایا تو وہ زمینِ خشک حیاتِ حقیقیہ سے زندہ ہوگئی اور مقاماتِ حُسن کی ترقی و بلندیِ درجات کی چہل پہل سے چمک گئی وَاَنْبَتَتْ اور اسی ناکارہ فلاق زمین نے اُگا دیے مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ہر قسم کے حُسن کمالات کے گلشن مُتبَنِیہ اور حسنِ اعمال کے فضائل مزیّنہ ایمان کے بیجوں اور ایقان کی جڑوں سے شاہِ نقشبند نے فرمایا کہ اعمالِ طریقت میں سالکِ طالب پر راہِ منزل میں سات تغیرات وارد ہوتے ہیں ۱۔ جب بے علم و عمل ہو تو بیکار و بے جان نطفہ ۲۔ جب قوتِ شعور بیدار ہو جائے تو عَلَقَہ ۳۔ جب طاقتِ ایمانی آجائے تو مضغہ ۴۔ علم و عمل کی تکمیل سے مخلقہ ۵۔ پھر خلوتِ مراقبہ کی ریاضتِ قرب کے لیے رحمِ رحمت میں قرارِ اَجَلِ مُسَمّٰی ۶۔ پھر جلوۂ مشاہدہ کے لیے آغوشِ رحمت میں طفلگی کی تربیت اور عرفان کی شیر خوارگی ۷۔ پھر مقامِ قُرب کی محبوبیتِ شدیدہ کی اَشُدِّ عمر اگر کوئی کم قسمت والا محبوبیت کی دولتِ اَشُدْ نہ پا سکا تو يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی فنائے علم و عمل اور ضعیفیِ عقل اور بے کسیِ فکر میں بھٹکتا پھرتا ہے کہ کبھی ابلیس بھٹکاتا ہے کبھی شریر بہکاتا ہے کبھی نفس اکساتا ہے کبھی شیطان ورغلاتا ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ روح نورِ عزت سے پیدا ہوئی اور ابلیس آتشِ ذلت سے پیدا کیا گیا اور انسان خاکِ عجز سے، جب روح و جسم کا ملاپ ہوتا ہے تو دونوں کی زندگی ہے جدائی کا نام موت ہے اوّلاً روح ہر جسم سے افضل ہے جب روح اپنے جسم میں جاتی ہے تو جسم کو مخلقہ بنا دیتی ہے اگر جسم کی سرشت میں خاکِ عجز کی غالبیت ہے تو وہ گلشنِ روحانی ہے اور روح زندہ ہے اور اگر آتشِ ذلت کا غلبہ ہے تو وہ روح کا قید خانہ ہے اور اس میں روح مُردہ ہے ابلیس و شیاطین کی روحیں مُردہ قیدی ہیں، اور ابلیس اپنے دوستوں کو بھی مُردہ بنانا چاہتا ہے اس لیے ہر بندے کے دل سے چمٹا رہتا ہے مگر جب بندہ ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو ابلیس و شیطان منہ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور روح تازہ ہو جاتی ہے موت و حیات، مُردے اور زندے چار قسم کے ۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی ۳۔ کلی ۴۔ جزئی، مومن مخلقہ ہے، منافق غیر مخلقہ، متقی، اَشُدَّكُمْ ہے۔ فاسق لِكَيْلَا يَعْلَمَ ہے کافر اَرْذَلِ عُمُر ہے، مرتد مَنْ يُتَوَفّٰى ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہی زندہ کریگا

اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ

الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ﴿۶﴾

مُردوں کو اور بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

مُردے جِلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ

اور اس وجہ سے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے نہیں ہے ذرا شک اس میں اور بے شک

اور اس لیے کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ

اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾

اللہ اٹھا کھڑا کرے گا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہوں گے۔

اللہ اُٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں قیامت کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئیں ایک انسان کی زندگی نیست سے ہست کرنا نطفے سے بندہ بنانا دوم مٹی سے سبزیاں نباتات اُگانا مُردہ زمین کو زندہ کرنا۔ اب ان آیت میں دلائل کے بعد دعوے کی طرف متوجہ ہونے کیلئے کلام جارہا ہے کہ جس طرح نطفے سے زندہ انسان اور مردہ مرجھائی زمین سے نباتات زندہ کر دیئے اسی طرح وہ اللہ مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اُس زندگی کا ذکر فرمایا گیا جو ظاہر نظر آتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کرتا اب یہاں اس زندگی کا ذکر ہو رہا ہے جس کا نام قیامت کی زندگی ہے جس میں کفار شک اور اُس کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

ذَالِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ وہ یہ مبتدا ہے بحالت رفع، مبنیات میں سے ہے ب جارہ سببیہ اس سے پہلے لفظ مَوْجُوْدَاتٌ اسم مفعول جمع مؤنث پوشیدہ ہے اَنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اس کا اسم هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا مرجع اللّٰہ تعالیٰ یہ ضمیر حصر کے لیے آئی بمعنیٰ ہی اَلْحَقُّ الف لام عہد ذہنی حَقٌّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سچا، ہمیشہ رہنے والا، قائم دائم خبر ہے مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہوکر خبر اَنَّ یہ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ عامل ہٗ اس کا اسم منصوب متصل مرجع اللّٰہ تعالیٰ یُحْیِیْ باب افعال کا مضارع بمعنیٰ مستقبل اس کا مصدر ہے اِحْیَاءٌ بمعنیٰ زندہ کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللّٰہ تعالیٰ اَلْمَوْتٰی اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے مَیِّتٌ بمعنیٰ مردہ، بے جان کیا ہوا یہاں الف لام استغراقی ہے بمعنیٰ تمام مفعول یہ ہے یہ فعل با فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اَنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر منصوب متصل اسم ہے عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق مقدم ہے قَدِیْرٌ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بمعنیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک بہت قدرتوں طاقتوں والا باب کَرُمَ سے ہے یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر اَنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے اَنَّ اللّٰہ کے عطفوں پر سب مل کر معطوف علیہ ہوا، واؤ عاطفہ اَنَّ حرف عامل اسم و خبر میں عمل کرتا ہے الف لام عہد ذہنی سَاعَۃٌ بمعنیٰ وقت زمانہ مراد ہے قیامت ذوالحال ہے۔ لَا حرف نفی جنسی رَیْبَ اسم مفرد جامد اس کا اسم، فِیْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثَابِتٌ اسم فاعل کا وہ اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور اس متعلق ظاہر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے لا نفی جنس کی یہ سب تینوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر حال ہے اَلسَّاعَۃُ کا بعض نحویوں نے لَا رَیْبَ کے جملے کو خبر ثانی بنایا ہے اَنَّ کا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ یہ ذوالحال حال مل کر اسم اَنَّ۔ اٰتِیَۃٌ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مؤنث اس کا فاعل پوشیدہ هِیَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلسَّاعَۃُ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر اَنَّ اَنَّ اپنے اس اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا، واؤ عاطفہ۔ لفظ اللّٰہ اسم ہے اَنَّ کا یَبْعَثُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مستقبل مثبت معروف واحد مذکر غائب بَعْثٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بھیجنا اٹھانا، یہاں مراد ہے زندہ کرکے اٹھانا، اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع اللّٰہ تعالیٰ مَنْ اسم موصول اسم جنسی اس سے واحد بھی مراد ہوتا ہے اور جمع بھی یہاں مراد ہے بمعنیٰ وہ تمام لوگ فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ اَلْقُبُوْرِ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام قبریں قبور جمع ہے

قبر کی لغوی ترجمہ ہے چھپنا، چھپانا، مراد ہے دفن کرنا، دفن ہونا، یہاں اگر لغوی معنیٰ لیے جائیں تو لفظِ قبور میں ہر مردہ شامل ہے خواہ وہ مدفون ہو یا جانور کھالے یا جلایا جائے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوۡجُوۡدٌ کے وہ پوشیدہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے مَنۡ کا، موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَبۡعَثُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اَنَّ ہے، یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَنَّ السَّاعَۃَ کے جملہ پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف بِاَنَّ اللّٰہَ کے عطفوں پر سب مل کر مجرور ہو کر معطوف ہے ذٰلِكَ مبتدا کی یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ۔ اے منکرینِ قیامت اور خلقتِ ثانیہ کا انکار کرنے والوں وہ بے شمار زندگیاں جو اگرچہ تمہاری نگاہوں کے قریب ہیں اور کائنات ارض و اجسام میں قدم قدم پر بکھری پڑی ہیں مگر تمہاری عقل فہم شعور سے ذٰلِكَ یعنی دور ہیں کیونکہ تم پر ظلم و جہالت کفر و ضلالت حماقت و تعصب کے پردے پڑے ہوئے ہیں، وہ سب زندگیاں خود بخود نہیں ہیں بلکہ زمین کی زندگی سے بیج اس سے جڑ پھر کونپل شگوفہ، غنچہ، پتے کلیاں پھول پھل دانے غذا اور نطفہ علقہ مضغہ پھر جسم و روح کی زندگیاں یہ نظام کائنات کی چہل پہل تر و تازگی اہلِ عقل و بصیرت کو پانچ باتیں سمجھا رہی ہے۔ پہلی بات بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡحَقُّ یہ کہ یہ ازلی ابدی فناء و بقا موت و حیات دنیا و آخرت کا نظام اس وجہ سے قائم و نافذ صحیح و ثابت چلا آ رہا ہے کہ بے شک تمام موجودات میں اللہ تعالیٰ ہی حق صحیح واجب الوجود علیم و خبیر قدیم و حکیم قوی جلیل ہے وہ ہی زندہ فرما رہا ہے ہر آن ایسے ایسے ذرّوں کو جن کی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، عقل عقلاً حیران ہے کہ مٹی میں کونسا ایسا مخفی بیج تھا کہ جس سے نباتاتِ کثیرہ اگ گئے، صحراؤں، ریگستانوں بلکہ سمندروں کی تہوں میں کس نے بیج بکھیرے کہ ہر طرف زندہ کھلیان کھل اٹھے۔ غذاؤں میں کونسی چیز ہے کہ غذا حیوان و انسان بن گئے پھر کیسی حیران کن قدرت ہے کہ ایک ہی مادہ آب علقہ مضغہ گوشت پوست ہڈی بال آنکھ ناک کان اور بینائی سماعت شامت ہاتھ پاؤں عقل دماغ بنتا چلا جا رہا ہے اور بنتے بنتے پھر اسی انسان میں وہی نسلِ اصلی کی ذریت بن رہی ہے اور یہی غذا مرد میں نسلِ انسانی کے جراثیمی تخم اور عورت میں اصلِ انسانی کے انڈے بنا دیتی ہے جب دونوں ملتے ہیں تو ایک قوی ہیکل انسانی مخلوق بن جاتی ہے جو باپ کی نسل اور ماں کی اصل کہلاتی پھر یہی نباتات حیوانات انسانات اپنی تکمیل پر پہنچ کر مردہ ہو کر زمین میں غائب ہو جاتے ہیں انباتات

کو تمہاری نگاہوں کے سامنے دوبارہ زندہ کر کے نکال لیا جاتا ہے مگر انسانوں کو قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اس وقت دوسری یہ بات ظاہر ہو گی کہ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ فرماتا ہے اب بھی اور بعد میں بھی اوّل بھی آخر بھی۔ کیا شاہکارِ قدرت ہے کہ آگ پانی مٹی ہوا کو زندہ کیا تو انسان و حیوان بن گئے اور لوہا چونا نمکیات گیسیات کو زندہ کیا تو بڑے چھوٹے نباتات قد آور شجرات بن گئے جب ابتدا کی یہ شان ہے تو اعادہ کیوں مشکل ہو گا جس خلّاق و رزّاق نے زمینوں اور زمینوں کی فضاؤں ہواؤں میں بکھرے مخفی ذرّوں سے ایجاد کر کے تم کو اور تمہاری غذاؤں کو بارش کے چھینٹوں نطفے کی بوندوں سے بنا کر زندہ کر دیا اُس کے لیے دوبارہ قبروں سے جگانا مشکل نہیں کیونکہ وَاَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور بے شک صرف وہی اللہ تعالیٰ ہر مشیّت ہر چاہت پر قادر ہے ہمیشہ تک تم کو نظر آئے یا نہ آئے سمجھ آئے یا نہ آئے وہاں تک کسی کی عقل پہنچے یا نہ پہنچے کوئی ایمان لائے یا نہ لائے اپنی مشیّت پر بھی قادر و قدیر ہے، اور جو بندہ چاہے اُس پر بھی وہی رب تعالیٰ ہی قادر ہے۔ بندہ صرف چاہ سکتا ہے بندے کو اپنی چاہت پر قدرت نہیں ہے، ہر ایک کی چاہت دعاؤں کی قبولیت پر قدیر و خبیر وہی وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ ہے یہ تیسری بات بھی ہمیشہ یاد رکھو کیونکہ نہ اُس کی چاہت کی حد ہے نہ اُس کی قدرت کی نہ کوئی ذہن اُس کے لیے حد مقرر کر سکتا ہے یہ حد مقرر کرنا اور یہ کہنا کہ وہ یہ کر سکتا ہے یہ نہیں کر سکتا یہی کفر و شرک ہے، ان تینوں حقیقتوں پر ایمان لا کر پھر اس چوتھی بات پر بھی ایمان لاؤ کہ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا۔ اے لوگو جب اتنی زندگیوں کو دن رات اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہو تو سمجھ لو اور تدبّرِ عقلی سے کام لے کر مان لو کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں یہ اُس قدرتوں والے کا سچا پکا اٹل تقدیر مبرم کا وعدہ ہے اور جو ذاتِ قدیم قدیر بھی ہو حکیم بھی وعدہ فرمانے والا بھی تو اُس کو وعدہ پورا کرتا نہ مشکل نہ کوئی رکاوٹ نہ کھٹکاوٹ جب وہ چاہے قیامت قائم فرما سکتا ہے۔ قیامت قائم فرمانے میں ہزار ہا حکمتوں مصلحتوں کے علاوہ یہ حکمت بھی ہے کہ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس نے انسانوں کو عدم و نیستی کی قبروں صلبِ ترائب کے نطفوں، بیج کو مٹی کی اور بکھری جڑوں کو زمین کی مخفی قبروں سے زندہ فرما کر اگا دیا حالانکہ یہ سب مٹی میں مٹی ہی بن کر پوشیدہ تھیں۔ وہی اللہ جَلَّ وَعَلٰی اُن تمام گلے سڑے جسموں، بوسیدہ و رمیم ہڈیوں بکھرے بال اُدھڑی کھال کو اُن کی ہی شکلوں صلیبوں میں اُٹھائے گا جو قبروں میں مرے پڑے پوشیدہ ہیں۔ یہ پانچویں بات بھی یاد رکھو اس لیے کہ یہ دنیا فقط دارالعمل ہے اس تھوڑی سی زندگی میں بڑی بڑی جزا و سزا کی گنجائش نہیں۔ یہاں تو کسی نے ظلم کیا کسی نے عدل کسی نے فضل کسی نے کرم کسی نے دیانت کسی نے خیانت

کسی نے عبادت کسی نے خباثت، کسی نے ذہانت کسی نے حماقت کی لہٰذا ظالم مظلوم، عادل و معدول، حاکم و محکوم خائن و امین، عابد و غافل عاقل احمق، شاکر و کافر، فاسق و صابر کا حساب و کتاب جزاء سزا ضرور ہوگی نہ بھلایا جا سکتا ہے نہ چھوڑا اسی حکمتِ عدل و فضل کے لیے قیامت ہے اور قیامت کے لیے تمام بندوں کا زندہ ہو کر اٹھنا اور بارگاہِ عدالتِ الٰہیہ میں پیش ہونا ہے۔ ان آیت کی بیان فرمودہ پہلی تین باتیں علتِ فاعلی ہیں اور دوسری دو باتیں علتِ غائی ہیں یعنی بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۔۲ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۔۳ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ یہ علتِ فاعلی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کائنات کا فاعلِ حق ہے، وہ ہی فاعل حیات ہے وہ ہی فاعل قدیر ہے۔ ان تین چیزوں کے اظہار و بیان کا مقصد و غایت یہ ہے کہ وہ قیامت بھی قائم فرمائے گا اور مُردوں کو زندہ بھی فرمائے گا۔ دنیا سے مرنے کے بعد جو انسان جہاں جائے گا وہی اُس کی قبر ہے خواہ مٹی میں دفن کیا جائے یا پانی میں

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں، پہلا فائدہ۔ عالم برزخ نام ہے موت کے بعد روح کی قیام گاہ کا، اور قبر نام ہے اجسام کے قیام گاہ کا لہٰذا جلے مُردے کی راکھ۔ پانی میں ڈوب کر مرنے والے کے ذرات، جانور کے کھانے سے مرنے والے کا بنا ہوا بول و براز جہاں جہاں پڑا ہو گا وہی اُس کی قبر ہے، ہر چیز گل سڑ کر رمیم بن جاتی ہے مگر تخم صُلب وَالتَّرَائِب کے ذرات والا نطفہ جرثومہ کسی بھی چیز سے فنا نہیں ہو سکتا نہ آگ میں راکھ نہ مٹی میں خاک نہ پیٹ میں براز نہ پانی میں ذراتِ فانی بنے وہ اپنی اصلیت پر باقی اسی تخم انسانی سے قیامت کی خلقت و بعثت ہے یہ فائدہ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دنیا میں انسان مرتے مٹتے بہت طرح سے ہوتے ہیں مگر سب کی بعثتِ ثانیہ کے لیے مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ ہی فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ قبر صرف قبرستانی لحد کا نام نہیں ہے بلکہ ہر مردے کا آخری ٹھکانہ اُس کی قبر ہے۔ دوسرا فائدہ، جس طرح مادۂ منویہ میں تمام مادہ تخم انسانی نہیں بلکہ اس کے اندر کا صرف جرثومہ ہی تخم انسانی ہے اسی طرح نباتاتی بیج بھی اور پرندوں کا انڈا بھی پورے کا پورا تخم نہیں بلکہ بیج اور انڈے کے اندر بھی مثل جرثومہ بہت ہی باریک ذرہ ہوتا ہے جو بجز خوردبین نظر نہیں آ سکتا وہ ذرہ ہی اصل تخم شجر و پرند ہے، اس لیے جب کسی نئے پھوٹتے پودے کو مٹی سے نکال کر دیکھو تو دانے کے اندر سے اوپر کی جانب سے اُس نسل کا پودا اور نیچے کی جانب سے اصل اور جڑ کا دھاگا نکلتا نظر آتا ہے اور درمیان میں دانہ اُسی طرح اپنے پورے جسم کے ساتھ موجود ہوتا ہے صرف پھول کر موٹا ہو کر پھٹا ہوتا ہے ہمارے اساتذہ دوران سبق ہم سے یہ تجربے اور مشاہدے کرایا کرتے تھے اور علمی اور تجرباتی ان آیت کی تفسیر سمجھاتے تھے، حدیث ذرہ و نسمہ میں شارحین

بھی یہی فرماتے ہیں یہ فائدہ یُحْیِ الْمَوْتٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ مشکوٰۃ شریف ص باب القدر میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اُن کی پُشت میں سے اُن کی تا قیامت اولاد دکھائی گئی تھی وہ یہی جرثومے تھے اِن ہی کو حدیث پاک میں ذرّہ اور نسمہ فرمایا گیا عربی میں جرثومے کو نسمہ اور جراثیم کو ذرّہ کہتے ہیں۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر شی کی پیدائشی کیفیت اور جرثوموں کی تفصیلی حالات کا ذکر فرمایا ہمارے فلاسفر اُن احادیث کی روشنی میں طبی تجربات و مشاہدات کر کے نباتاتی حیواناتی خلقت درجہ بدرجہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں، نبوت کی آنکھ وہ کچھ دیکھ لیتی ہے جو خورد بین سے بھی نظر نہیں آتا۔ جرثوموں اور نباتات کی حیات اُن کا نشو و نما اور بڑھنا مختلف شکلوں میں بدلنا جانا ہے ان کی زندگی روح سے نہیں، روحانی زندگی تو مخلقہ سے شروع ہوتی ہے اور روحانی زندگی صرف انسان حیوان جنات و ملائکہ کی ہے حجرات کی زندگی ان کا ذکرُ اللہ ہے۔ یہ فائدہ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی جس چیز میں اُس کی زندگی نہیں وہ اہلِ قبور ہیں انسان کی روح نہیں تو وہ اہلِ قبر۔ نباتات میں نشو و نما نہ رہے تو حجرات میں ذکرِ الٰہی نہ رہے تو وہ سب اہلِ قبور یعنی مردہ ہیں، پھر جب چاہے رب تعالیٰ ان میں ان کی زندگی ڈال دے تو وہ وہی یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ہے اور ان کا اپنی قبر سے نکلنا ہے، جب مردے جرثومے کو بعثتِ قبری کی زندگی ملی تو جراثیم اور علقہ مضغہ بن گیا۔ بیج اور جڑ کو بعثتِ قبری کی زندگی ملی تو وہ اپنی قبر سے نکل کر نباتات و شجرات بن گئے حجرات کو جب زندگی ملی تو وہ بے ذکری کی قبروں سے نکل کر ذکرُ اللہ کی زندگی میں آ گئے مردہ انسانوں کو جب حیاتِ اُخروی ملے گی تو وہ اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف چلیں گے، سب کو اٹھانے جگاتے زندہ کرنے والا وہی رب قدیر ہے۔

اَحکامُ القرآن اِن آیتِ پاک سے ایک مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، مسئلہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ قدرتِ الٰہی اور علمِ مصطفائی کا انکار کرے کیونکہ قدرتِ الٰہی کا انکار کافرانہ خصلت ہے اور علمِ مصطفائی کا انکار خبیثانہ خصلت ہے، یہ مسئلہ فَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں اپنی قدرت کو پانچ چیزوں کے اجمالی ذکر سے بیان فرمایا مگر اِن پانچوں کی تفصیل چشمۂ علم و حکمت والی زبانِ مصطفیٰ نے بیان فرمائی وہ اجمال بھی حیران کن یہ تفصیل بھی حیران کن، ہم نے جو اپنی تفسیر عالمانہ میں تفاصیل خمسہ بیان کی ہیں وہ احادیث پاک سے ہی نقل کی ہیں اور سچی بات بھی یہی ہے کہ اجمالِ قرآن کی تفصیل کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی زبانِ اقدس ہو سکتی ہے ورنہ ہم کیا سمجھتے کہ حق کیا ہے، حیات کیا ہے

قدرت کیا ہے، ساعت کیا ہے، بعثت کیا ہے۔ بلکہ ہم کیا سمجھنے خدا کون ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے گئے پہلا اعتراض۔ اِن آیت میں منکرینِ قیامت کو قیامِ قیامت کا ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ اُس کے لیے انسانی پیدائش کا ذکر تو ٹھیک ہے کیونکہ انسانی پیدائش ہی دوسری بار ہوگی اور یہی انسان ہی دوبارہ زندہ ہو کر قیامت میں اُٹھ کر محشر میں حاضر ہوں گے مگر نباتات کی خلقت کا ذکر یہاں کیوں فرمایا گیا، اُن کی پیدائش سے قیامت کا کیا تعلق ہے؟ جواب تین وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ قیامت کا برپا کرنا دو چیزوں پر منحصر ہے ایک یہ کہ تمام ممکنات پر قادر ہونا دوم یہ کہ تمام معلومات کا عالم ہونا، یعنی اُس کی قدرتِ کاملہ اور علمِ کلیہ، کیونکہ کفار قیامت کے انکار میں یہی کہتے ہیں کہ نہ ہر چیز پر وہ قادر ہے نہ ہر چیز کا علیم ہے، تو یہاں کفار کے دونوں باطل عقیدوں کا رد فرمایا جا رہا ہے کہ اے منکرو تم مُردہ انسانوں کی دوبارہ پیدائش والی قدرتِ الٰہی کو مشکل سمجھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ تو وہ قدرتوں والا ہے جو مُردہ زمین کو زندہ فرما کر آنِ واحد میں دیکھتے دیکھتے کروڑوں شجرات و نباتات اُگا دیتا ہے اور علیم و خبیر ایسا کہ ہر چیز ہر معلومات پہ ہر طرح ہر وقت ہر جگہ سے خبر رکھنے والا ہے، وہ اللہ قدیر ہر شئی کو اُس کے مقام کو اُس کے وقت کو اُس کے بنانے مٹانے کے طریقے کو جانتا ہے۔ اس لیے آیت ۶ میں تین باتیں ارشاد ہوئیں جن میں علتِ فاعلی کا بیان ہے ۱ وہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں حق ہے ۲ وہی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے ۳ ہر چیز پر قدیر ہے اور اُس کی فاعلیت علم و قدرت والی ہے، آگے آیت ۷ میں دو فرمان ہوئے جن میں اس فاعلیت کے اظہار کی علتِ غائی یعنی مقصد بیان فرمایا گیا کہ اس علم و قدرت کی بنا پر قیامت بھی قائم فرما سکتا ہے اور قبروں سے مُردوں کی بعثت بھی دوسری وجہ یہ کہ نباتات کا تعلق خلقتِ انسانی سے ہے کہ مٹی سے دانہ، دانے سے پودا، پودے میں غذا غذا میں نطفہ، اس لیے ثبوتِ قیامت کے لیے خلقتِ انسانی اور خلقتِ انسانی کے ثبوت کے لیے پیدائشِ نباتات کا ذکر فرمایا گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ چونکہ انسان کی حیاتِ دنیوی دو قسم کی ہے پہلی زندگی محض نشو و نما اور دوسری زندگی روح سے حیاتِ اول صُلب و الترائب سے ہوتی ہوئی رحمِ مادر میں آئی یہ زندگی حیاتِ نباتات کے مشابہ صرف نشو و نما سے ہے اس لیے جرثومے و جراثیم، علقہ پھر مضغہ کی زندگی کو ثابت کرنے کے لیے مُردہ زمین اور زمین کی زندہ نباتات کا ذکر فرمایا گیا کہ زمین و نباتات کی زندگی نشو و نما ہے اسی طرح انسان کی پہلی زندگی نطفہ سے مضغہ تک نقط نشو و نما کا نام ہے روح تو بعد میں پڑتی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ فِی الْقُبُوْرِ

مَنْ واحد ہے اور قُبُوْر جمع، حالانکہ نحوی قانون سے موصول وصلہ ایک جیسا ہونا چاہئے لہٰذا یا اسم موصول جمع ہوتا یا قبور واحد ہوتا جواب، مَنْ اور مَا بحیثیت اسم جنسی ہوتے ہیں اس لیے واحد کے لیے بھی آجاتے ہیں اور جمع کے لیے بھی یہاں چونکہ صلہ جمع ہے اس لیے یہاں مَنْ جمع ہے، اور ترجمہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان تمام کو جو قبروں میں ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَتِہٖ

تفسیر صوفیانہ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ اصطلاحِ صوفیا میں منکرِ قیامت دو قسم کے ہیں ایک قولی جن کو کافرین کہا جاتا ہے دوم عملی جن کو فاسقین کہا جاتا ہے، کافرین اپنی بدعقیدگی سے غلط بات کرتے ہیں فاسقین اپنی بدعملی سے غلط کام کرتے ہیں۔ کافرین نے اپنی کفریہ بدعقیدگی سے کہا کہ اللہ بھی حق ہے ہمارے بُت دیوی دیوتا بھی حق فاسقین نے اپنی بدکرداری دنیا پرستی سے سمجھ لیا کہ اللہ بھی رب ہے اور دولتِ دنیا بھی رب اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا۔ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ بے شک فقط اللہ تعالیٰ ہی حق اور سچ اور رب ہے وہاں بھی کا تصور ہی شرک ہے۔ وہاں ذات میں بھی صفات میں بھی ہی کا ہی مقام حصر ہے وہ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْك ہے نہ اُس کی حقانیت میں کوئی شریک نہ ربوبیت میں نہ رزاقیت میں۔ کافرین نے اپنی بدعقیدگی سے کہا اللہ بھی زندگی دیتا اور ہمارے بُت دیوی دیوتا بھی زندگی دان کرتے ہیں۔ فاسقین نے اپنی بدعملی سے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی زندگی و شفا دیتا ہے اور دنیا کے ڈاکٹر حکیم دوا دارو بھی زندگی اور شفا دیتے ہیں زندہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى۔ اے کافرو فاسقو تمہارا قولی عملی فہمی عقیدہ نظریہ غلط ہے اور بے شک فقط وہ اللہ تعالیٰ ہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے جِلا دیکر اور وہی بیماروں کو زندہ رکھتا ہے شفا دے کر اُس کے سوا نہ کوئی کسی کو جِلا دے سکتا ہے نہ زندگی دان کر سکتا ہے نہ کوئی شفا دے سکتا ہے، دنیا میں لائق حکیموں طبیبوں ڈاکٹروں کے پاس صرف دَارُ الدَّوَا ہے دَارُ الشِّفَا صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے چاہے تو بڑی جوہری دواؤں سے شفا مٹا دے چاہے تو مدینہ منورہ کی خاک میں شفا ڈال دے، کافرین نے بدعقیدگی سے کہا کہ اللہ بھی تو نوں قدرتوں والا ہے اور ہمارے بُت دیوی دیوتا بھی طاقتوں قدرتوں والے ہیں فاسقین نے اپنے فسق و فجور سے سمجھ لیا کہ اللہ بھی قادر ہے مگر ہم بھی اپنے اچھے برے پر قدرت و اختیار رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور بے شک صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی۔ ہر چاہت مشیت ہر شئے پر قادر و قدیر ہے، ہمیشہ سے ہمیشہ

یک اُس کے سوا نہ کوئی بت کسی قسم کی قدرت والا نہ کوئی انسان وہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت پر بھی قادر و قدیر ہے اور ہر بندے ہر مخلوق کی چاہت پر بھی بندے مخلوق نہ اپنی چاہت پر قادر نہ کسی دوسرے کی چاہت پر اور بُت دیوی دیوتا تو اپنی ذات اپنے آپ پر بھی کچھ قدرت نہیں رکھتے، وہ تو بالکل ہی بے بس بے خبر ہیں۔ کافرین نے اپنی بدعقیدگی سے کہا کہ قیامت نہیں ہو سکتی قطعاً ناممکن ہے

اور یہ جہاں یونہی رہیگا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

فاسقین نے اپنی بدعملی سے سمجھ لیا کہ یہ جہان بنتا اجڑتا کسی ڈھیٹ، ان کی اس دیدہ دلیری والی بدکرداری چور بازاری سود خوری ظلم بازی بتا رہی ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی کہ حساب و کتاب سزا و جزا جنت و دوزخ کچھ نہیں، دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ اس لیے جور و جفا ظلم و ستم حرام و گناہ جو چاہو کرو۔ کھاؤ، کماؤ، مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا۔ کافرو خوش فہمی میں نہ رہو، فاسقو بد مستی میں نہ آؤ، مظلومو نہ گھبراؤ، اور بے شک یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں نہ ریب ہے نہ تردد، ہر ایک کا پورا پورا حساب اور محاسبہ ہوگا نہ کوئی بچ سکے گا نہ کوئی بھاگ سکے گا۔ کافرین نے اپنی بدعقیدگی سے کہا۔ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ (سورۃ یٰس آیت ۷۸) کہ انسان مر کر کبھی زندہ نہیں ہو سکتا، بھلا کون زندہ کر سکتا ہے بچی کھالوں سڑے گوشتوں بکھری رمیم بوسیدہ ہڈیوں کو خاک بنے اعضا کو، فاسقین نے اپنی بدعملی، خرمستی بدمعاشی بداعمالی سے سمجھ لیا ہے گویا کوئی ہمیں پوچھنے روکنے ٹوکنے والا نہیں اور جگا کر بٹھانے جلا کر اٹھانے والا نہیں، نہ مظلوم کا بدلہ نہ بدعملی کا عتاب نہ بدمعاشی کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ اے کفریہ نظریات اور فسقیہ تصورات والو کسی غرور و گھمنڈ میں نہ رہو نہ دھوکے میں اکڑو، اور بیشک وہی اللہ تعالیٰ جس نے پہلے تم سب انسانوں کو بے جان مٹی سے جاندار، احسنِ تقویم اور نہایت مضبوط خوب صورت عقل علم بصارت بصیرت والا بنا کر پیدا کر دیا۔ جب کہ۔ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (سورۃ دھر آیت نمبر ۱) وہ انسان کسی گنتی شمار اور تذکرے میں ہی نہ تھا۔ تو ذاتِ خلاق قادر و قدیم پر اعادہ کیا مشکل ہے۔ لہٰذا اے انسانو کافر و فاسق بن کر اپنا ابدی اور وقتی نقصان نہ کرو بلکہ دل و جان عقیدۃً ایمان عمل و کردار سے مان لو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ہر مردہ انسان کو اُسی جسم و شکل صورت و حلیہ بدنی میں زندہ کر کے قبروں سے اُٹھائے گا۔ کافر کا عذاب فاسق کا عتاب ظالم کا حساب مظلوم کا کتاب ضرور ہوگا۔ یہ اعضا یہ ابدان، یہ زندگی یہ امان سب اللہ تعالیٰ کی

امانتوں کا امتحان ہے۔ جب دنیا کے لوگ امانتیں دے کر نہیں بھولتے حساب وکتاب کرتے ہیں امین کو انعام خائن کو سزا دیتے ہیں تو کیا عالم بن کا علیم وخبیر رب قدیر اپنے بندوں کو امانتیں دے کر بھول سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، انہی امانتوں کے حساب کے لیے قیامت بھی یقینی مُردوں کا زندہ ہونا بھی یقینی ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے جو۔ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ہے۔

حضرت حکیم الامت بدایونی بانی تفسیر نعیمی کی ایک تقریر سے اقتباس اللہ تعالیٰ پر یہ تمام ظاہری باطنی قدرتیں آسان ہیں اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں عالم ارواح کی روح ڈال کر موت تک زندہ کر دیا اور باطن میں روح مصطفائی سے ابد تک زندہ فرمایا، علما کے نزدیک، جہاں جسم مصطفیٰ وہیں قدم مصطفیٰ لیکن صوفیا کے نزدیک جہاں نظر مصطفیٰ وہیں قدم مصطفیٰ۔ ظاہر صورت ہے اور باطن معنیٰ ہے۔ ظاہری صورت کو فنا ہے باطنی معنیٰ کو بقا ہے۔ معنیٰ اصل بہار ہے صورت فرع ہے اور فرع کو خزاں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو بحث کرتا ہے اللہ کے بارے میں بے

اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو

عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿٨﴾ ثَانِيَ

علمی اور بے ہدایتی سے اور بغیر روشن دلیل کے اپنی

تو علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن نوشتہ حق سے اپنی

عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي

گردن دوسری طرف کر تیوالا تاکہ گمراہ کرتا پھرے اللہ کے رستے سے، مقدر ہے اس کے لیے

گردن موڑے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اس کے

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

دنیا کی ذلت اور ہم چکھائیں گے اُس کو محشر کے دن میں

لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

جلنے کی سزا ۔ وہ سزائیں اُن اعمال کی وجہ سے ہیں جو آگے بھیجدئے ہیں تیرے دونوں

ہم اسے آگ کا عذاب چکھائیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے

يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰

ہاتھوں نے اور بے شک اللہ تو نہیں ہے ذرہ بھر ظلم کرنیوالا بندوں پر

ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ قیامت کو ماننے والوں کے پاس قیامت کے ثبوت پر یہ دلائل ہیں ہدایت اور کتاب منیر بھی ہے اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ جو بدبخت کافر اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں اُن کے پاس تو کوئی دلیل وہدایت نہیں ہے نہ روشن کتاب ہی ان کو ملی ۔ دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کافرانوں کی ایک قسم بیان کی گئی ۔ جو اللہ تعالیٰ کو تو کسی نہ کسی نام سے مانتے ہیں مگر قیامت کے منکر اب ان آیت میں کافرانوں کی دوسری قسم کا ذکر ہورہا ہے جو باری تعالیٰ کا ہی انکار کرتے ہیں تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفار کے خود گمراہ ہونے کا ذکر ہوا ۔ اب ان آیت میں کفار کی دوسری حرکت کا ذکر کیا گیا کہ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں ۔ شان نزول ۔ خزائن العرفان میں ہے کہ ابوجہل اور اُس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرتوں کے منکر تھے اور صحابہ سے راہ چلتے جھگڑے کرتے تھے ایک دفعہ چند نوجوان صحابہؓ نے اس کو گھیر لیا اور اُس سے اس کی بکواسیات پر دلیل مانگی تو گھبرا کر جان چھڑا کر بھاگا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئیں

از رہنا ہے نہ ملنا۔

تفسیر نحوی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ
واؤ ہر جملہ یا حالیہ ہے اس کے بعد موجود اسم مفعول پوشیدہ ہے حرف مِنْ کے قرینے سے کیونکہ حرف جر کبھی ابتدا میں نہیں آسکتا اس سے پہلے کوئی عامل مشتق ضرور آتا ہے خواہ ظاہر حقیقی ہو یا حکمی یا پوشیدہ۔ یہاں پوشیدہ عامل ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ بمعنیٰ بعض لوگ النَّاسِ مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول واحد مذکر کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مبتدا مَنْ اسم موصول يُجَادِلُ باب مُفَاعَلَۃٌ فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُجَادَلَۃٌ بمعنیٰ ایک دوسرے سے بحث کرنا جھگڑا کرنا باتوں سے جَدَلٌ سے بنا ہے فِيْ حرف جر برائے ظرفیۃ حکمی ترجمہ ہے بارے میں اَللّٰہ اسم مفرد معرفہ مجرور ہوکر متعلق اول ہے يُجَادِلُ کا اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے مَنْ بِ حرف جار زائدہ غَیْرِ اسم مفرد مضاف مصدر ثلاثی بھی ہوتا ہے باب تفعیل و تفعّل میں گردان مشہور ہے بمعنیٰ بدلنا جامد بھی آتا ہے بمعنیٰ اجنبی اس کی جمع ہوتی ہے اَغْیَار اس کے علاوہ چار اور طرح مستعمل ہے ۱ فقط حرف نفی بمعنیٰ نہیں (بغیر) یہاں اسی معنیٰ میں ہے اسی لیے مضاف ہونا ضروری ہوا اور اس کا مضاف الیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ۲ بمعنیٰ اِلَّا ۳ کسی چیز کی ظاہری تبدیلی کے لیے ۴ کسی چیز کی مکمل تبدیلی کے لیے۔ قرآن مجید کے ہر پارے میں یہ لفظ ضرور آیا ہے کل تقریباً ایک سو تیرہ دفعہ آیا ہے۔ مضاف ہے عِلْمٍ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا حرف عطف تاکید کے لیے بمعنیٰ غیر هُدًى اسم مصدر ثلاثی هُدًى يَهْدِيْ ضَرَبَ وَقَتَلَ فَعَلٌ۔ هَدْيٌ وَهِدَايَۃٌ سے بمعنیٰ رہنمائی کرنا۔ دلیل سمجھانا۔ بحالت کسرہ ہے اعراب تقدیری ہے دراصل تھا هُدَیٌ اسم مقصورہ آخر کا الف واؤ سے جڑنے کی وجہ سے گر گیا اور زیر اس کی علامت نکرہ کی وجہ سے تنوین بن گئی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ لَا عاطفہ برائے تاکید کِتٰبٍ اسم مفرد مبالغہ بمعنیٰ مکتوب یعنی لکھا ہوا موصوف مُنِيْرٍ باب اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر نُوْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ روشن کرنا۔ نور بنانا روشنی دینا۔ یہاں اسی معنیٰ میں صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۔ سب عطف مل کر متعلق دوم ہے يُجَادِلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ ثَانِیْ باب ضَرَبَ کا اسم واحد مذکر ثَنْیٌ

سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے دو ہونا دوسرا ہونا، اسی سے ہے اِثْنَا کا عدد بمعنی دو اور اسی سے ہے ثانی بمعنی دوسرا اصطلاح میں ہر دوسری حالت کو ثنا کہا گیا، اچھائی کے بیان کو بھی ثنا اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کی دوسری حالت ہے کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس میں کوئی وصف نہیں ہوتا جو اس کی ثنا (تعریف و اچھائی) بیان کی جا سکے جب بڑا ہوتا ہے تب اس میں اچھے اوصاف پیدا ہوتے جن کو ثنا کہا جاتا ہے اب لفظ ثنا مطلقاً اچھائیوں کے تذکرے کو کہا جاتا۔ یہاں معنیٰ ہے موڑنا، پھیرنا اپنے آپ کو یہ بھی دوسری حالت ہوتی ہے کہ جب سیدھا چل رہا ہو تو یہ ایک حالت ہے اور پورا یا آدھا مڑا تو یہ دوسری حالت ہوئی اس لیے ثَانِیْ کہا گیا یعنی موڑنے والا یہ اسم فاعل مضاف عِطْفِ اسم مفرد جامد، بمعنی پہلو لچک دار یعنی جسم کا وہ حصہ جس کو موڑنے پھیرنے سے سارا جسم پھر جائے موڑ کھا جائے مراد ہے، سر یا سینہ، کندھے، اگر اس کے بعد علیٰ جارہ ہو تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں اس کی طرف پھرنا مڑنا یعنی شفقت و محبت کرنا اور اگر اس کے بعد عَنْ ہو یا مطلقاً ہو تو معنی مڑ کر دوسری طرف ہونا مراد پھیرنا نفرت کرنا اکڑ وغرور سے یہاں اسی معنیٰ میں ہے بعض نحات نے کہا عِطْفٌ کا معنیٰ اکڑ غرور، اور عَطْفٌ کا معنیٰ نرم اور شفقت محبت، یہ زیر، زبر کا فرق ہے ضمیر کا مرجع مَنْ ہے عِطْفِ مضاف ہ مضاف الیہ دونوں مل کر مضاف الیہ ہے ثَانِیْ کا یہ دونوں مل کر حال ہے یُجَادِلُ کے فاعل کا۔ لِیُضِلَّ۔ لام تعلیلیہ عاقبت والا کام کے لیے یہ اگلا جملہ انجام کیلئے علت عاقبت ہے یا یُجَادِلُ کی یا ثَانِیْ کی یعنی یا اس لیے بحث کرتا ہے کہ گمراہ کرے یا اس لیے منہ پھیرتا ہے کہ گمراہ کرے یُضِلَّ باب افعال کا مضارع مثبت معروف۔ بحالتِ نصب لام کے تعلیلیہ کی وجہ سے کیونکہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُضِلَّ کا اس کا مصدر ہے اِضْلَالٌ، بمعنی گمراہ کرنا یہ متعدی ہے مگر اس کا مفعول یہ محذوف منوی ہے لام حرف جر برائے تعدیہ بمعنی کو، ہٗ کے ضمیر کا مرجع مَنْ یُجَادِلُ ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے پوشیدہ اسم مفعول مقدرٌ کے بمعنی تقدیری فیصلہ کیا ہوا، یا مقررٌ کا بمعنی ثابت کیا ہوا۔ فِی الدُّنْیَا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اسی پوشیدہ کا اسم مفعول پوشیدہ اپنے نائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اور اپنے دونوں متعلقوں کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اس نائب فاعل ضمیر کا مرجع خِزْیٌ ہے اِضمار قبل الذکر اس لیے نہیں کہ حقیقۃً مبتدا پہلے ہوتا ہے خبر بعد میں یہاں صرف عارضی پہلے آئی ہے برائے حصر، خِزْیٌ اسم مفرد جامد بمعنی سخت قسم کی ذلت یہ مبتدا مؤخر ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ ہلکی اور تھوڑی و عارضی ذلت کو فضیحۃٌ کہتے ہیں یہ ناحق بھی ہوتی لیکن سخت اور استحقاقی ذِلت خِزْیٌ ہے، واؤ سے جملہ نُذِیْقُ باب افعال کا فعل مضارع جمع متکلم ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ذَوْقٌ اَجْوَف واوی اس کا مادہ بمعنی چکھانا، تھوڑا سا پانا اس کا مصدر اِذَاقٌ

دراصل اِذْوَاقٌ تھا۔ پہلے واؤ کو یٰ سے بدلا پھر یٰ کو بھی گرادیا اور آخر میں تاءِ مصدر یہ لگا دی اِذَاقَۃٌ ہوگیا بمعنی چکھانا متعدی ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے نُذِیْقُ کا عَذَاب اسم مفرد جامد مضاف ہے اَلْحَرِیْقِ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبہ باب کَرُمَ سے اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کے معنی میں آجاتا ہے یعنی جلنے والا (جلا ہوا) اور جلانے والا یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے مراد ہے جہنم کی آگ یا یہ مصدر ہے بروزنِ فعیل بمعنی جلنا مضاف الیہ ہے حَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنی جلنا جلانا، لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی یہاں متعدی ہے، یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے نُذِیْقُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ ذَالِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ ذَالِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ عذاب جو قیامت میں ہوگا یہ مبنی ہے بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے اس کی ترکیب نحوی میں مزید تین قول ہیں ۱۔ یہ کہ یہ تھا اَمْرُ ذَالِكَ ۲۔ یہ تھا فَعَلْنَا ذَالِكَ ۳۔ یہ تھا مَقُوْلًا یا قِیْلَ لَہٗ ذَالِكَ مگر یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں۔ بِ حرفِ جر سببیہ مَا اسم موصول یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے قَدَّمَتْ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مؤنث غائب یَدَا اسم تثنیہ بمعنی دو ہاتھ اس کا واحد ہے یَدٌ اور جمع ہے اَیْدِیْ مضاف ہے اصل میں یَدَانِ تھا اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی گر گئی اور الف کو کھڑے زبر سے بدلا گیا کیونکہ مرکب ہو کر ایک لفظ کے حکم میں ہوجاتا ہے اور یہ رفع کا اعراب کبھی بیچ میں نہیں آسکتا كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع مَنْ یُّجَادِلُ کا مَنْ ہے، چونکہ یہ جملہ ہر اعتبار سے بالکل علیحدہ ہے اس لیے یہاں ضمیر غائب کی بجائے لَكَ ضمیر حاضر لائی کیونکہ تنبیہ اور وجہِ عذاب کی وضاحت مقصود ہے اس لیے خطاب میں وضاحت زیادہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے قَدَّمَتْ کا قَدَّمَتْ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ اَنَّ حرفِ مشبہ اَللّٰہَ اسم لَیْسَ فعل ناقصہ کَانَ کی طرح کبھی تامّہ بھی ہوتا ہے یہاں تامّہ ہے یہ فعل ماضی ہے اس کے پورے چودہ صیغے ہوتے ہیں لیکن اس کا مصدر اور دیگر مشتقات نہیں ہوتے یہ ماضی حال تک دراز ہوتا ہے یعنی اب بھی نہیں ہے دیگر افعال ناقصہ کی خبر ان پر مقدم ہوسکتی ہے مگر لَیْسَ کی خبر مقدم نہیں ہوسکتی ہاں البتہ اسم پر مقدم ہوسکتی ہے کبھی لَیْسَ بمعنی اِلَّا بھی ہوتا ہے مگر یہ قول کمزور ہے لَیْسَ کو اسم نکرہ بھی بنا لیا جاتا ہے مثلاً لَیْسٌ اس وقت ترجمہ ہوتا ہے بے خبر آدمی اگر اس سے پہلے ہمزہ لگا دی جائے یعنی اَلَیْسَ تو نفی کی نفی یعنی ثبوت کا معنیٰ دیتا ہے۔ مگر یہ شاعرانہ شاذ باتیں ہیں عام گفتگو میں ایسا نہیں ہوتا اس لَیْسَ تامّہ کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع اَللّٰہ ہے بِ حرفِ جر زائدہ ظَلَّام۔ اسم مبالغہ بروزنِ فَعَّالٍ جو اِدِ ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی ظلم کرنا نقصان کرنا بلاوجہ ایذا دینا۔ خیال رہے کہ مبالغہ تین

رقسم کا ہے ۱ مبالغہ فی الکیفیت ۲ فی الحالیت ۳ فی الکیت یہاں مبالغہ فی الکمیۃ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ فی الکیفیت کا معنی ہے کہ زیادہ نہیں کرتا تھوڑا کرتا ہے اور فی الحالیت کا معنی کہ اس حال میں نہیں کرتا مگر اُس حال میں کرتا ہے یا اس پر نہیں کرتا مگر اُس پر کرتا ہے۔ کمیت کی نفی کا مطلب ہے کسی پر کسی حال میں کچھ بھی ظلم نہیں فرماتا۔ لام جارّہ بمعنی علیٰ فوقیت عَبِیْدًا اسم جمع مکسّر بروزنِ فعیل اس کا واحد ہے عَبْدٌ بمعنی بندہ مراد ہے تمام مخلوق خیال رہے کہ بروزن فعیل اسم مبالغہ بھی ہوتا ہے (صفت مشبہ) اور مصدر بھی اور جمع مکسّر بھی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ظَلّام کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور متعلق ہے لَیْسَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر اَنَّ ہے وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے قَدَّمَتْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے مبتدا ذَالِكَ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۔ دنیا میں ذہنی اعتبار سے انسان تین قسم کے ہیں ۱ کچھ وہ لوگ جو اتباع اور تقلید کرنے والے ہوتے ہیں ۲ کچھ وہ لوگ جو اپنی اِتّباع کرانے والے ہوتے ہیں ۳ کچھ وہ لوگ جو ہر وقت وسوسے میں پڑے رہتے ہیں کہ نا معلوم کون سچا کون جھوٹا پہلی قسم کے لوگ اپنے دین وعقائد اور اپنے پیشواؤں رہنماؤں کو بچانے سچا کہنے اور سمجھنے کے لیے مجادلہ مباحثہ کرتے ہیں، دوسری قسم کے لوگ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتے اپنا مقتدی مقلد اور پیروکار بنانے اور خود گمراہ رہنے کے لیے مخالفوں کو جھوٹا کرنے کے لیے مجادلہ مباحثہ کرتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ اپنا دین وایمان موقوف رکھتے ہیں اور دنیوی عیش وآرام کی لالچ میں دین قبول کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اگر دنیوی آرام سکون دولت عشرت ملے اور ملتی رہے تو وہ دین کو سچا سمجھتے رہتے ہیں اگر ذرا تکلیف آجائے تو دین کو بُرا سمجھنے لگتے ہیں بلکہ برگشتہ ہوجاتے ہیں پہلی قسم کے لوگوں کا ذکر آیت ۳ میں فرمایا گیا۔ اور یہاں آیت ۸ سے ۱۰ تک دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اور آگے آیت ۱۱ میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا پہلی قسم کے لوگ عوام ہیں، اگر سچا برحق دین کے لیے مباحثہ کریں اور سچے دین کی حمایت میں ڈٹ جائیں تو ان کا مجادلہ درست باعثِ ثواب ونجات اسی کو تصلّب کہتے ہیں اس مجادلے کے لیے صرف علم وعقل کافی ہے کیونکہ علم وعقل سمجھ داری سے مجادلہ کرنا جائز بھی ہے مفید بھی بے علمی بے عقلی کا مجادلہ سخت نقصان دِہ سچائی کی عزت ختم اور برحق آدمی کا بھی وقار برباد باعث دنیوی رسوائی، اور اگر جھوٹے دین کی حمایت

ہیں مجادلہ مناظرہ کرتا ہے تو جھوٹا اور جہنمی، جھوٹے دین کا آدمی کبھی بھی علم وعقل والا نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے پہلے صرف بغیر علم فرمایا گیا۔ ایسے لوگ گمراہ رہتے تو ہیں مگر کسی کو گمراہ کر نہیں سکتے۔ ان کے مجادلے کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ہم جس دین پر ہیں وہ درست ہے کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو اس دین پر قائم رہیں گے۔ ایسے ضدی لوگ کسی کے سمجھانے سے حقانیت کو نہیں مانتے وہ صرف پیچ یعنی تابعدار مقتدی مقلد ہوتے ہیں وہ پیشوا اور گمراہ گر نہیں ہوتے اسی گمراہی کو تعصب کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کے لوگوں کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے ۱؎ علم بدیہی یعنی عقلی سمجھداری ۲؎ علم نظری یعنی دلائل اور استدلال حاصل کرنے کی قوت ۳؎ کسی کلام الٰہی کی تائید اور حمایت درروشنی ملنا اگر تینوں چیزوں کی دولت اُن کے پاس ہے تو وہ برحق اور دنیا و آخرت میں خوش بخت کامیاب اُن کا مجادلہ درست اور لوگوں سے اپنی اقتدا وتقلید کرانا جائز۔ لیکن اگر تینوں چیزیں نہیں ہیں تو ان کا مجادلہ غلط اُن کی اتباع گمراہی اور لوگوں کو اپنی اتباع میں لانا گمراہ گری اور ورغلانا جال میں پھنسانا ہے اور بحث مباحثہ کرنا کج بحثی اور غرور وتکبر وشیطانیت ہے۔ اسی لیے یہاں ایسے گمراہ کرنے والوں سے تینوں چیزوں کی نفی فرمائی گئی کہ گمراہ کرنے کے لیے مجادلہ تو کرتے ہیں مگر نہ علم نہ ہدایت نہ کتاب منیر یہ لوگ یُضِلّ ہیں۔ تیسری قسم کے شکی مزاج لالچی لوگ اگر دنیوی امور میں وسوسہ وہم یا لالچ کریں تو اُس کو ذاتی احتیاط یا مفاد کہا جا سکتا ہے مگر دینی عقائد میں وسوسہ یا دین میں دنیوی مفاد کی لالچ کرنا گناہ، ناجائز بلکہ منافقت ہے۔ وہاں آیت ۳ سے تا آیت ۱۱ اُن ہی تین قسم کے بدبخت لوگوں کا ذکر ہے کہ جو شیطانِ مَرِید کے تابعدار ہیں وہ بغیر علم مجادلہ کرتے اور انہیں اپنے اس گمراہ رہنے پر فخر ہے کہ ہماری بُت پرستی درست اور انکارِ قیامت وانکارِ خِلقتِ ثانیہ والے عقائد ٹھیک ہیں، اور یہاں آیت ۸ میں گمراہ کرنے والے لوگوں کے ذکر میں سات چیزوں کا بیان فرمایا گیا ۱؎ اُن کا مجادلہ ۲؎ ان کی ذاتی حالت وکیفیت ۳؎ اُن کے مجادلے کی وجہ ۴؎ مجادلے کا مقصد ۵؎ ان کا دنیوی برا انجام ۶؎ ان کا اُخروی برا انجام ۷؎ اُن کے اُخروی برے انجام کا سبب، چنانچہ ارشاد ہوا کہ وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے جاہل، مغرور، متعصب ضدی اور اپنے پر گھمنڈ کرنے والے ہیں جو اپنے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں قوتوں کے انکار میں بغیر علم وعقل کے اہل ایمان کے ساتھ جھگڑے کرتے رہتے ہیں، حالانکہ دن رات قدرتِ الٰہیہ کے بے شمار عجائباتِ واضحہ وظاہرہ دیکھتے ہیں مگر اتنا علم بدیہی بھی نہیں کہ خود ہی ان میں عقل سے غور کر کے سمجھداری حاصل کر لیں، اور نہ اُن کے پاس کسی نظری علم کی ہدایت ہے کہ اُن کے دلائل یا خود

دلیل لے کر استدلال کرکے ہی حق کو سمجھ لیں اور شعور پالیں نہ کسی کی سنتے ہیں نہ مانتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش ورغبت کرتے ہیں کہ کسی طرف سے اُن کو ہدایت وفراست حاصل ہو۔ نہ اُن کے پاس کوئی سچی پکی روشن کرنے والی تحریر موجود ہے جس کے پڑھتے سمجھنے سے اپنی بحث پر دلیل بنا سکیں یعنی نہ کوئی بدیہی دلیل نہ نظری نہ کبھی استدلال نہ کوئی سمعی تحریری بُرھان اِس کے باوجود اپنے آپ کو بڑا عقل مند سمجھتا ہے اور اہل علم سے کج بحثی کرتے ہیں اور چلتے راہیوں کو ورغلاتے ہیں۔ اُن کی ذاتی حرکت مجادلہ کرکے اپنی علمیت کا رعب جمانا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ نہ علم نہ ہدایت نہ کتابِ منیر کی روشنی اِس کے باوجود مجادلے کی وجہ سے ثَانِیَ عِطْفِہٖ بڑے ناز نخرے اور اپنی دولت اُفرادی قوت قوم قبیلے پر سرداری کا گھمنڈ غرور کرتے ہوئے اچھے سچے ایماندار لوگوں سے منہ پھرائے گردن اکڑائے پھرتے ہیں اور اِس مغرورانہ مجادلے کا مقصد لِيُضِلَّ، تاکہ راہ چلتوں کو اسلام سے گمراہ کریں اپنے گروہ کے غریبوں غلاموں ماتحتوں مزدوروں پر اپنے علم کا رُعب جمائیں اور گمراہی پر قائم رکھیں، حالانکہ اپنی بے علمی کم عقلی کو خود بھی سمجھتے ہیں اس سے بڑی حماقت کیا ہو گی تھوڑی سی عارضی چند دن کی عزت کے حاصل کرنے کے لیے وہ کتنا بُرا انجام لے رہے ہیں اس کو نہیں سمجھتے کہ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ۔ اس بدنصیب گروہ کے لیے دنیا میں ہی سب کے سامنے کتنی بڑی ذِلتِ عظیم اور کثیر بدنامی، کیسی بربادی عنقریب ہونے والی ہے۔ نہ صرف یہی نہیں بلکہ اِس کے بعد وَّنُذِيقُهٗ۔ اور قیامت کے دن ہم ایسا عذاب چکھائیں گے اس منکر جھگڑالو گمراہ گروہ کو جہنم کے جلانیوالے عذاب کا مزہ جو نزع سے شروع ہو کر قبر تک، قبر سے حشر تک حشر سے جہنم کے ابدی قیام تک ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، نزع میں دکھا کر، قبر میں جھلسا کر حشر میں تڑپا کر جہنم میں گرا کر ظاہر ہوگا۔ اور آخرت کے اس ابدی عذاب کا سبب، ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ وہ اُخروی عذاب جو تیرے تصور و خیال سے کہیں زیادہ وحشت و دہشت والا اَلِیم وعظیم ہوگا اُن بدکاریوں، گمراہیوں، شرکیہ کفریہ عقیدوں اور ظلم وستم جور و جفا کے بدلے میں ہوگا جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تیرے یہ کفریات ہی اُس کا سبب ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے قصور بندوں کو بے جا سزا دینے والا نہیں اُس کی ذاتِ اقدس سے ذرہ بھر ظلم کا صدور نہیں ہو سکتا نہ کسی کی نیکیاں کم کرکے نہ گناہ بڑھا کر نہ کسی کے گناہ کسی پر ڈال کر، وہ باری تعالیٰ تو فضل وعدل، رحم وکرم ہی کرنے والا ہے۔ خیال رہے کہ اُن مجادِلین کو دنیوی ذلت اور تا قیامت نار بھی لعنت ملامت بدنامی جنگِ بدر میں ملی کہ ابو جہل اُبی ابن خلف نضر بن حارث، اخنس بن شریک وغیرہم کل چھوٹے بڑے اُمرا، اور سردارانِ مکہ اور دیگر

کفار ملا کر ستر افراد قتل ہوئے ان کی کچھ لاشیں بدر کے کوئیں میں گلی سڑیں اور اکثر کو کتوں گیدڑوں نے کھایا، اور ستر نامی سردار قید ہوئے اور باقی کفار سب ذلیل وخوار ہو کر سامان چھوڑ کر بھاگ گئے گرتے پڑتے زخموں سے مرتے بھوکے پیاسے واپس لوٹے۔ یہی لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ۔ اس بدبخت گروہ کی عبرت ناک ذلت دنیوی ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ مَنْ یُّجَادِلُ میں تین قول۔ بعض نے لکھا کہ اس سے مراد وہی نضر بن حارث ہے جو پہلے آیت ۳ میں مراد ہوا، اور یہ دوبارہ ذکر مزید چار عیب بیان فرمانے کے لیے ہوا۔ یعنی پہلے مجادلہ کرنے۔ بغیر علم ہوتے، اتباع شیطانی کرنے کا ذکر ہوا۔ اب مجادلہ بغیر علم، بغیر ہدایت، بغیر کتاب منیر، دنیوی اخروی انجام بیان ہے۔ اس میں تاکیدی مبالغہ بھی ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس میں نضر بن حارث اور اس میں ابوجہل مراد ہے ۳ اور بعض نے کہا کہ آیت ۳ میں نضر بن حارث اور یہاں ابوجہل اخنس بن شریک ابی ابن خلف تینوں مراد ہیں بلکہ وہ سردارانِ مکہ جو بدر میں ذلیل ہوئے قتل ہو کر یا قید ہو کر یا بھاگ کر۔ مگر میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت میں تمام وہ سردارانِ مکہ مراد ہیں جو بدر میں قتل ہوئے۔ نہ کہ قیدی یا بھاگنے والے ان میں سے تو اکثر مسلمان ہو گئے تھے، نیز مَنْ کی وحدت لفظی اور یُجَادِلُ کی وحدتِ صیغہ اور یَدَاكَ کی وحدتِ ضمیری سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مَنْ موصولہ اسم جنس ہے جو واحد کے لیے آتا ہے اور جمع کے لیے بھی، یہاں یُجَادِلُ کے صیغے سے گروہ کی وحدت مراد ہے یعنی ایک گروہ یَدَاكَ کی ضمیر میں خطاب ایک اسی گروہ سے ہے۔ اس قسم کی وحدت کی مثالیں قرآن مجید میں اور بھی بہت ہیں۔ مثلاً جیسے کہ ابھی پہلے آیت ۷ میں یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ مَنْ جمع کے لیے ہے اور تمام مُردے مراد ہیں اسی لیے بعد میں قُبُوْرِ جمع ہے، اور مثلاً جیسے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۸) وہاں بھی مَنْ جمع کے لیے ہے اسی طرح یَقُوْلُ کی وحدت میں گروہ کی وحدت مراد ہے اسی لیے آگے هُمْ ضمیر اور اٰمَنَّا جمع متکلم مُؤْمِنِیْن جمع اسم فاعل جمع ارشاد ہوا یعنی ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہم سب افراد اٰمَنَّا، ایمان لائے، حالانکہ وہ سب افراد مومن نہیں بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔ میں چار قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ علم سے مراد ہونے کا طریقہ، هُدًی سے مراد راہِ راست پر چلنے کی ہمت کتابِ منیر سے مراد تہذیب وسلیقہ مندی، یعنی مجادلین میں یہ تینوں چیزیں نہیں پھر بھی جھگڑے کرتے ہیں ۲ بعض نے کہا کہ ان تینوں سے مراد ضروری فطری علم۔ کسبی علم سے استدلال کرنا، اور کتاب سے سمعی علم مراد ہے

۳ بعض نے کہا کہ علم سے مراد عقلی دلیل بتانا ھُدٰی سے مراد کسی کی ماننا اور کتاب سے مراد منقولی دلیل ۴ بعض نے کہا کہ علم سے مراد اپنی عقل ھُدٰی سے مراد علم والوں کی عقلی بات اور کتابِ مُنیر سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام سابقہ کتب یا قرآن مجید، ثانیہ۔ عِطْفِہٖ کی قرئت میں دو قول ۱ بعض نے کہا عِطْفِہٖ عین کے زیر سے ہے ترجمہ ہے، غرور سے گردن اور نفرت سے کروٹ پھیرنا ۲ مگر بعض نے کہا یہ عَطْفِہٖ، زبر سے ہے عطف کا معنیٰ ہے نرم اور شفقت محبت، ثانِی کا معنیٰ ہے دور ہونا منہ پھیرنا یعنی شفقت و نرم دلی سے دور ہونا، اُن کے دل میں کسی کے لیے محبت شفقت نہیں، لِیُضِلَّ کی قرئت میں دو قول ۱ ایک قرئت میں یہ لِیُضِلَّ بابِ اِفعال سے ہے، اور معنیٰ یہ ہے کہ تاکہ گمراہ کرے نو مسلموں کو دوبارہ مرتد بناکر مسافروں کو اسلام سے دور رکھ کر اور اپنے کافر ساتھیوں کو کفر پر قائم رکھ کر ۲ بعض نے کہا یہ بابِ ضَرَبَ سے لِیَضِلَّ ہے اور معنیٰ یہ کہ تاکہ وہ گمراہ رہے۔ مگر پہلی قرئت مشہور و نافذ ہے خِزْیٌ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اِس سے مراد جنگِ بدر کا قتلِ کفار ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد لوگوں کی زبان پر تاقیامت ان کے لیے لعنت ملامت کی بڑی ذلت اور خِزْیٌ کی تنوین تعظیمی ہے۔ نُذِیْقُ کی قرئت میں تین قول ہیں ۱ یہ نُذِیْقُ جمع متکلم ہے ۲ اُذِیْقُ واحد متکلم ہے ۳ یُذِیْقُ، واحد مذکر غائب ہے، پہلی قرئت مشہور و نافذ ہے۔ عَذَابَ الْحَرِیْقِ، کی ترکیب نحوی میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ اضافتِ حقیقی ہے اور معنیٰ ہے جہنم کا عذاب حَرِیْق ایک طبقۂ جہنم کا نام ہے ۲ بعض نے کہا یہ اضافتِ توصیفی ہے، معنیٰ ہے جلانے والا عذاب لفظ حریق عذاب کی صفت ہے ذٰلِکَ میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ اسم اشارہ اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی دور کے لیے معنیٰ یہ کہ دنیا میں ہی اُن کو بتا دیا کہ ہم قیامت میں عذاب چکھائیں گے ۲ بعض نے کہا کہ ذٰلِکَ ھٰذَا کے معنیٰ میں ہے قریبی اشارے کے لیے، یعنی قیامت میں عذاب دکھا کر اُن سے یہ بات کہی جائیگی کہ یہ ہے وہ عذاب جو ہم تم کو چکھائیں گے اُس کا بدلہ جو اے گروہِ کفار تیرے دو، دو ہاتھوں نے یہاں آگے بھیجا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ، دنیا میں مومن کے لیے تین چیزیں عظیم ترین اور کثیر انعامِ ربانی ہیں۔ علم، ہدایت، اور قرآن مجید، جس خوش قسمت کو یہ نعمتیں مل گئیں اُس کی ہر بات عقل والی ہے اور ہر بحث حکمت ہے اور ہر ادا پسندیدہ بارگاہ ہے ہر عبادت ایمانی قبول، اگر یہ انعام نہ ہو تو اُس بدنصیب کی ہر بات مجادلہ بغیر علم جس کا بُرا انجام بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ علم و ہدایت والی بحث کو مجادلہ کہا نہ جائے، کیونکہ چشمۂ علم و حکمت والی زبان

نبوت نے فرمایا یَحْشُرُ اُمَّتِیْ لِحِکْمَۃٍ ۔ یہ فائدہ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ کے ارشادِ ربانی میں بِغَیْرِ عِلْمٍ (الخ) کی قید لگانے سے حاصل ہوا، دوسرا فائدہ۔ دنیا میں سب سے بری اور کمینی عادت غرور اور گھمنڈ کرنا ہے، ہر شخص اس کو ناپسند کرتا ہے۔ کافروں میں سے بھی بدترین کفار کی یہ خصلت ہے اور کفر سے بھی بری حرکت، اسی لیے علم کفار کی ایک سزا مگر مغرور کافر کی دو سزائیں کہ دنیا میں خِزْیٌ اور آخرت میں عذابِ حریق یہ فائدہ ثَانِیَ عِطْفِہٖ فرمانے سے حاصل ہوا، لہٰذا ہر مسلمان کو اس بری عادت سے بچنا چاہیئے۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام، احکام فیصلے وقانون عین عدل وانصاف سے اور فضل وکرم ہے، اُس کی جزا فضل ہے اُس کی سزا عدل ہے، خواہ کسی کو جنت میں بھیجے یا کسی کو جہنم میں ڈالے، رب کریم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا نہ اس کا کوئی عمل وقانون ظلم ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ظلم کا معنیٰ ہے کسی کی چیز میں بغیر اُس کی اجازت مداخلت یا تصرف کرنا یا کسی چیز کو اُس کی اصل جگہ ومقام سے ہٹا کر بے موقعہ محل رکھنا جیسے کہ امانت میں خیانت وغیرہ مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی تصرف غیر کی ملکیت میں نہیں تمام کائنات رب تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے، نہ کوئی بے موقعہ ہے ہر کام وقانون عین حکمت کے مطابق ہے بندوں کو سمجھ آئے یا نہ آئے یہ فائدہ لَیْسَ بِظَلَّامٍ فرمانے سے حاصل ہوا ظَلَّام، مبالغے کا صیغہ ہے۔ مبالغے کی تین قسمیں ہیں (۱) مبالغہ تعظیمی، سخت (۲) مبالغہ تکراری یعنی بار بار (۳) مبالغہ افرادی یعنی بہت سوں پر۔ یہاں ہر طرح کے ظلم کی نفی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کا ظلم نہیں فرماتا نہ سخت نہ نرم نہ تھوڑا نہ زیادہ نہ ایک پر نہ چند پر نہ کثیر پر نہ قلیل پر نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں نہ قانون میں نہ مجرم پر نہ غیر مجرم پر، نہ اس کا عتاب ظلم ہے نہ قہر ظلم نہ عذاب ظلم اس کا قہر عدل ہے اُس کا مہر فضل ہے وہ جس بھی حال میں بندے کو رکھتا ہے عین حکمت کے مطابق ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، مجادلہ چار قسم کا ہوتا ہے (۱) مجادلہ علمی (۲) مجادلہ بے علمی (۳) مجادلہ تصلّب (۴) مجادلہ تعصب قانونِ شریعت کے مطابق دو قسم کے مجادلے جائز ہیں کیونکہ مفید ہوتے ہیں، اور دو قسم کے مجادلے ناجائز ہیں کیونکہ نقصان دِہ ہوتے ہیں، مجادلہ علمی اور مجادلہ تصلّب جائز ہیں یہ مجادلے اس لیے جائز اور مفید کہ اس میں تلاشِ حق یا حق کو قائم رکھنے کے لیے بحث مباحثہ ہوتا ہے، مجادلہ بے علمی وتعصبی اس لیے ناجائز ونقصان ہوتا ہے کہ اس میں کج بحثی باطل پرستی ضد بازی اور جہالت ہوتی ہے یہ مسئلہ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ اور لِیُضِلَّ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی ایسے مجادلے

کا مقصد صرف راہِ حق سے گمراہ کرنا ہوتا ہے۔ دوسرا مسئلہ ہر شریعت میں تین کام ہمیشہ حرام رہے۔ پہلا کام مجادلہ بغیرِ علم کے اور دوسرا کام ثانی عطفہ، یعنی اچھائی سچائی سے منہ موڑنا غرور یا جہالت وضد کی بنا پر تیسرا کام، گمراہ ہونا اور گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کے دین سے، یہ مسئلہ۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بچائے اس شجرِ خبیث کا بیج گستاخیِ نبوت اور اس کی جڑ توہینِ رسالت ہے یہ ابوجہل سے شروع ہو کر براستہ نجد ایشیا میں پہنچی جو بھی اس ناسور بیماری میں مبتلا ہوا، اس کے سینے میں بغیرِ علم کی جہالت ثانیِ عطفہ کی اکڑ غرور، بغیر ہدیٰ کی حماقت لیُضِلَّ کی گمراہی ہے، گستاخوں نے توہینِ رسالت کا نام توحید رکھ لیا ہے۔ (لطیفہ) کسی گستاخ کی گفتگو سن کر ایک بزرگ نے کیا خوب فرمایا اور سچ فرمایا۔ ؎

توہین کی خیانت سینوں میں ہے تمہارے مٹ جائے گا جہاں سے نام ونشان تمہارا

تیسرا مسئلہ، دنیا میں کسی انسان پر جو بھی ذلت کی مصیبت پریشانی، بیماری، غربت بے سکونی آتی ہے وہ اس کے گناہوں کی شامت ہوتی ہے اس لیے ہمارے بزرگ ایسی حالت میں کثرت سے استغفار پڑھنے کا اور توبہ کرنے نوافل کا حکم دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ، فرمانے سے مستنبط ہوا کہ لَهٗ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ، بھی مَا قَدَّمَتْ کی وجہ سے ہے اور قیامت کا عذاب حریق بھی، دنیا کی خزی اور ذلت بے سکونی ہر کافر فاسق کے لیے اور عذابِ حریق صرف کفار کے لیے، بعض علما نے فرمایا کہ عذابِ حریق بھی کافر و فاسق دونوں کے لیے مگر فاسق کے لیے عارضی اور کافر کے لیے دائمی آج کل ملکوں میں انفرادی، اجتماعی، عوامی حکومتی، عدالتی، تجارتی، ملازمتی، ہر طرف پریشانی ہی پریشانی ہے کہ حکومت عدالت سے بدگمان اور عدالت حکومت سے نالاں، عوام دونوں سے پریشان، حکومت توہین عدالت کر رہی ہے اور عدالت توہینِ حکومت کر رہی ہے بعض سیاسی لیڈر اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے توہینِ اسلام کر رہے ہیں، توہین عدالت پر عدالتیں محیل اٹھتی ہیں از خود محاسبہ و گرفت کر لیتی ہیں، مگر ایک سرگردہ نسوانی سیاست نے اسلامی قوانین کو وحشیانہ کہا مگر کسی عدالت نے از خود کچھ نہ کہا، توہینِ عدالت کا قانون انتہائی حساس و نزاکت خیز بنا لیا مگر توہین رسالت پر کوئی گرفت نہیں، کتنے ہی گستاخِ نبوت زبان وقلم سے آزاد اور دندناتے پھر رہے ہیں اسی وجہ سے یہ پریشانیاں، دہشت گردیاں تخریب کاریاں۔ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ ہیں، جو عملی قولی توہینِ رسالت اور بے ادبیِ اسلام فسق و فجور بے حیائی فحاشی کا ہی نتیجہ ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان عدالتوں حکومتوں کو علم عقل ہدایت

اور کتاب منیر قرآن کریم کی روشنی ملے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں، پہلا اعتراض۔ بغیر علم کہنے کے بعد وَلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ۔ کہنے کی کیا ضرورت تھی، بغیر علم میں ہی سب کچھ آگیا تھا کیونکہ علم سے ہی ہدایت ملتی ہے اور علم سے ہی کتاب کا فائدہ اگر علم نہیں تو کتاب کا ہونا کچھ مفید نہیں نہ ہدایت ملے، علم کی نفی سے دونوں کی نفی خود بخود ہو گئی تھی، جاہل کے پاس نہ کتاب ہوتی ہے نہ ہدایت جس خوش قسمت کے پاس علم ہوگا اسی کو کتاب بھی ملے گی اور ہدایت بھی، جواب، تین وجہ سے یہاں تینوں کی نفی فرمائی گئی۔ پہلی وجہ یہ کہ اس تذکرے سے وضاحت ہو گئی، دوسری وجہ یہ کہ علم تین قسم کا ہوتا ہے اور تین ذریعوں سے ملتا ہے۔ پہلا علم فطری، یہ قدرتی آیا تا ہے جیسے کہ ذاتی سمجھداری تجربہ اور مشاہدہ سے کچھ معلومات حاصل کرنا دوم وہ علم جو کسی کے بتانے سمجھانے سے آئے اسی کو ہدایت کہتے ہیں تیسرا علم جو پڑھنے سے آئے اس کے لیے کتاب کی ضرورت بعض لوگوں کے پاس پہلی قسم کا علم ہوتا ہے مگر دوسری تیسری قسم کا نہیں ہوتا کسی کے پاس دوسری قسم کا علم ہی ہوتا ہے کسی کے پاس تیسری قسم کا ہی۔ مگر یہاں یہ بتایا گیا کہ مَنْ يُّجَادِلُ ایسا بڑا جاہل ہے کہ اس کے پاس کسی بھی قسم کا علم نہیں صرف بغیر علم کہہ دینے سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی۔ تیسری وجہ یہ کہ ھُدًی اور کتاب کا علیحدہ نہ کرنا اُن کی خصوصی شان ظاہر کرنے کے لیے ہے جس طرح کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۹۸ میں ارشاد ہے، مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ دیکھو یہاں لفظ مَلٰٓئِكَتِهٖ میں جبرئیل و میکائیل داخل تھے مگر پھر بھی علیحدہ ذکر کیا خصوصی شان کی وضاحت کے لیے بعض نے یہ جواب دیا کہ علم ہدایت اور کتاب منیر میں دلیل و استدلال کے اعتبار سے بہت طرح فرق ہے، جن کا ذکر تفسیر عالمانہ میں کر دیا گیا ہے، دوسرا اعتراض، یہاں فرمایا گیا لِيُضِلَّ باب افعال سے اس کا معنی ہے تاکہ وہ گمراہ کرے، ایک قرأت میں لِيَضِلَّ، باب ضَرَبَ سے ہے اس کا معنی تاکہ وہ گمراہ رہے یا ہو جائے۔ لام تعلیلیہ فرما کر گمراہ ہونے کو مجادلے کی علت و مقصد بتایا کہ وہ جھگڑا اس لیے کرتا ہے تاکہ گمراہ ہو جائے، حالانکہ دونوں صورتوں میں یہ مجادلہ علت نہیں بن سکتا، کیونکہ پہلے معنی میں وہ مجادلے کے ذریعے گمراہ نہ کرتا تھا نہ مجادلے کا یہ مقصد تھا، بلکہ اسی مجادلے میں وہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ میں قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کا منکر ہوں اسی بنا پر وہ اسلام و قرآن سے کافر تھا، دوسرے معنی میں بھی علت نہیں بن سکتی کیونکہ وہ مجادلے سے گمراہ ہوا

تھا وہ تو پہلے ہی گمراہ تھا یعنی گمراہی کی وجہ سے مجادلہ کرتا تھا نہ کہ مجادلے کی وجہ سے گمراہی اس لیے مجادلہ گمراہی کی عِلّت یا سبب نہ ہوا بلکہ ضَلالت و گمراہی عِلّت و سبب بنی مجادلہ کی نہ گمراہ ہوتا نہ مجادلہ کرتا، تو پھر لامِ تعلیلیہ کیوں ارشاد ہوا، جواب قرأتِ مشہور لِیُضِلَّ بابِ اِفعال سے ہی ہے اور لامِ تعلیلیہ عاقبت و انجام بیان کرنے کے لیے ہے۔ اور معنیٰ یہ کہ اگرچہ مجادلہ ظاہراً صرف انکارِ قدرت و قیامت کا ہے مگر اس کا انجام یہ ہے کہ وہ مَنْ یُّجَادِلُ تین طرح لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، نو وارد اجنبی مسافروں مہمانوں کو اسلام سے دور رکھ کر و غلط کر گمراہ کر رہا ہے، نو مسلموں کو پھسلا کر شکوک و شبہات وسوسے ڈال کر مرتد بنانے کی کوشش اور اپنے بے علم کافر ساتھیوں کو گمراہی پر ثابت و قائم رکھ کر، اور اگر لِیَضِلَّ بابِ ضَرَبَ سے ہو تب بھی لامِ تعلیلیہ فرمانا قطعی درست ہے اور معنیٰ یہ کہ اس لیے مجادلہ کرتا ہے تاکہ گمراہ رہے اور لوگوں کو فخریہ اپنی گمراہی بتائے اپنی مضبوطی پختگی ثابت کرے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ بِمَا قَدَّمَتْ یَدَاکَ، یعنی یہ دنیوی ذِلّت اور اُخروی عذاب اُس کفر کی وجہ سے ہے جو اے گروہِ کفر تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے۔ حالانکہ کفریہ اعمال اور گناہ تو سارا جسم کرتا ہے صرف ہاتھ تو نہیں کرتے۔ اب اِس آیت کا معنیٰ یا تو یہ کرنا پڑے گا کہ دیگر اعضا جرم کرتے ہی نہیں یا کرتے ہیں مگر اُن پر پکڑ گرفت اور عذاب و ذِلّت نہیں یا وہ برے نہیں، دونوں سزائیں صرف ہاتھوں کے جرائم پر ہیں مگر یہ معنیٰ دیگر آیت کے خلاف ہیں۔ جواب۔ جرائم تو سب اعضا ہی کرتے ہیں اور سب ہی برے قابلِ عذاب و ذِلّت ہیں مگر صرف ہاتھوں کا ذکر دو وجہ سے فرمایا گیا، ایک یہ کہ انسانی ہاتھ تمام انسانی جسم کے ہر عضو کا ہر اچھے برے دینی دنیوی کام میں ہر وقت معاون و مددگار رہتے ہیں تو گویا ہر عضو کا کام اُسی کا کام ہوا اور یہ سارے اَعضا کا سردار ہوا اور بڑا کارگر، اسی لیے ہاتھ بول کر پورا جسم مراد لے لیا جاتا ہے دوسری وجہ یہ کہ ہر عضوِ انسانی کے ایک دو کام ہوتے ہیں مگر انسانی ہاتھ ایسے بہت سے کام کر لیتا ہے جو دوسرا کوئی عضو نہیں کر سکتا غرض کہ انسانی ہاتھ قدرت کا عجیب حیران کُن عظیم کرشمہ اور بہترین نعمت ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ انسانی ہاتھ تقریباً چونسٹھ کام کر لیتا ہے۔ مثلاً نمبر۱ ہاتھ چمٹا بھی ہے نمبر۲ چمچہ بھی نمبر۳ چاقو بھی نمبر۴ چھری بھی نمبر۵ خنجر بھی نمبر۶ سُوا بھی نمبر۷ قینچی بھی نمبر۸ قمچی (چھڑی) بھی نمبر۹ پنکھا بھی نمبر۱۰ کنگھا بھی نمبر۱۱ کنگھی بھی نمبر۱۲ جھاڑو بھی نمبر۱۳ چھاتوال بھی نمبر۱۴ پُڑیا بھی نمبر۱۵ قلم بھی نمبر۱۶ رسّی بھی نمبر۱۷ مسواک بھی نمبر۱۸ شکنجہ بھی نمبر۱۹ ہتھوڑا بھی نمبر۲۰ اشاروں کی زبان بھی نمبر۲۱ تھرما میٹر اور نبّاض بھی نمبر۲۲ موچنا اور چمٹی بھی نمبر۲۳ ڈاٹ اور بندھن بھی نمبر۲۴ گرہ اور گانٹھ بھی نمبر۲۵ پیالہ بھی نمبر۲۶ پیالی اور پرچ بھی نمبر۲۷ بچّے اور معذور کے لیے اگلے دو پاؤں بھی نمبر۲۸

کھودنے والی کسّی بھی ۲۹ گز میٹر اور فٹ بھی ۳۰ گرہ اور اِنچ بھی ۳۱ تسبیح کے دانے اور گنتی کا آلہ بھی۔ یہ تو ہاتھ کے ذاتی کام ہیں اب اس کے تعاون کی شان ملاحظہ ہو ۳۲ سر پر بوجھ اُٹھاؤ تو تمام راستہ ہاتھ مدد گار اگر ہاتھ مدد نہ کریں تو یا گردن نہیں یا بوجھ نہیں ۳۳ پیٹھ پر بوجھ لادو تو ہاتھ پشت پناہ ۳۴ کندھوں پر کچھ اٹھاؤ تو ہاتھ سہارا ۳۵ آنکھ سے کچھ نہ دیکھنا چاہو تو ہاتھ کا پردہ ۳۶ ناک سے بدبو روکنا ہو تو ہاتھ کی ٹاٹ ۳۷ کان سے نہ سننا چاہو تو ہاتھ کی انگلی کان کے اندر یا ہتھیلی کان پر ۳۸ کان سے غور سے سننا چاہو تو ہاتھ کان کے پیچھے ۳۹ اگر زور سے بولنا چاہو اذان وغیرہ میں تو ہاتھ کانوں کے اوپر ۴۰ سینے پر بوجھ رکھو اور گھبراؤ تو ہاتھ کا تعاون ۴۱ تیز چلنا چاہو تو پیروں کے آگے پیچھے ہاتھ بھی حرکت میں معروف ۴۲ بات سمجھانی ہو تو ہاتھ کا اشارہ ۴۳ نغمات کی طرز اور سُرود کا راگ بنانا ہو تو ہاتھ کی تحریکِ نغمہ سازی ۴۴ ہر عبادت میں سب سے آگے، اس طرح کہ اذان میں کانوں پر ۴۵ نماز کے قیام میں ناف پر ۴۶ اگر گھٹنوں پر آجائیں تو رکوع بن جائے ۴۷ کانوں تک اُٹھ جائیں تو تکبیر تحریمہ ۴۸ زمین پر رکھے جائیں تو سجدہ ۴۹ رانوں پر آجائیں تو قومہ یا جلسہ ۵۰ شہادت کی انگلی دستِ یمین میں ۵۱ لڑائی کی سبابہ انگلی بھی بائیں ہاتھ میں ۵۲ آسمان کی طرف ہاتھ پھیل جائیں تو دعا ۵۳ زکوٰۃ خیرات صدقات تبرکات ہاتھوں سے ہی تقسیم کئے جاتے ہیں، یہ تھے اس کے دینی تعاون ۵۴ دنیوی صنعت حرفت کاریگری ہاتھ ہی سے کی جاتی ہے۔ ہر بُرے کام کفر شرک بدکاری میں بھی ہاتھ کا بہت دخل ہوتا ہے۔ مثلاً ۵۵ سندھیوں میں لعنت کا بُجہ ہاتھ سے بنایا جاتا ہے ۵۶ تماشے کے لیے تال ہاتھ سے ۵۷ اہل عرب میں گالی دینے کا اشارہ انگلی سے جسے سبابہ کہتے ہیں ۵۸ قوالی کے اشارے ہاتھ سے ۵۹ ناچ کے زاویے ہلکارے ہاتھوں سے ۶۰ بُت پرستی کے نظارے ہاتھوں سے ۶۱ کفر کا حلف مورتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اٹھایا جاتا ہے ۶۲ شہوت رانی بھی ہاتھ سے ۶۳ ماتم میں سینہ کوبی ہاتھوں سے ہی ہوتی ہے۔ غرضکہ دینی، دنیوی اور شیطانی کاموں میں ہر جگہ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ ہی کا ظہور ہے۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ لَيْسَ بِظَلَّامٍ۔ ظلّام اسم مبالغہ ہے جس کا معنیٰ ہے بڑا ظلم کرنے والا، یا ہمیشہ ظلم کرنے والا تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا، اور ہمیشہ ظلم کرنے والا نہیں۔ تو گویا چھوٹا ظلم اور کبھی کبھی ظلم کرتا ہے۔ اس طرح تو ظلام میں بڑائی اور ہمیشگی کی نفی ہوئی کُلی قطعی نفی نہ ہوئی چاہیے تھا کہ لَيْسَ بِظَالِمٍ فرمایا جاتا۔ اس طرح کُلی و قطعی نفی ہوتی ہے لَيْسَ ظَالِمٍ کا معنیٰ ہے مطلقاً ظلم فرمانے والا نہیں، اس میں ہر قسم کا چھوٹا بڑا ہر بندے پر ہر زمانے میں ظلم شامل ہو گیا اور لَيْسَ کے فرمانے سے سب کی نفی ہو جاتی جو آپ ظَلَّام فرمانے سے کُلی اور قطعی ہر قسم کے ظلم نفی ہو رہی ہے کیونکہ مبالغہ جلد

قسم کا ہے ۱ مبالغہ فعلی یعنی کثرتِ فعل ۲ مبالغہ زمانی یعنی کثرتِ اوقات ۳ مبالغہ افرادی یعنی کثرتِ تعداد ۴ مبالغہ صنفی و نوعی یعنی کثرتِ اقسام، لفظِ ظلّام کی فاعلیت نے کثرتِ زمان و اوقات بتائی، کیونکہ اسم فاعل میں ماضی حال مستقبل تینوں زمانے ہوتے ہیں، اس کے مادۂ اشتقاق نے کثرتِ نوعی بتائی، اس کی اسمیت نے کثرتِ فعل بتائی، اس کی جمعیت نے جرِ للعبید کی وجہ سے ثابت ہوئی کثرتِ افراد بتائی اس طرح ظلّام میں تمام کثرتیں آگئیں اور لَیْسَ نے ظلّام کی نفی فرماکر گویا تمام کی نفی فرما دی اور آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی بھی زمانے میں کسی بھی قسم کا ظلم کسی بھی طرح کسی بھی بندے پر نہیں فرماتا ظلّام فرمانے سے کلام ہر طرح جامع مانع ہوگیا۔ ظالم فرمانے سے یہ بات حاصل نہ ہوتی لہٰذا بِظَلَّامٍ فرمانا عین درست ہے اور کُلی نفی بھی۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ ان ہی انسانوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ مشاہدے کا علم نہ مراقبے کی ہدایت نہ کتابِ منیر کا آستانہ سراجِ منیر نہ ضمیر سینہ کی روشنی وہ نفسِ امّارہ کا غلام جدال وفساد کا پیروکار، یہ بات وادی سلوک میں عیاں ہے کہ جس کا ظلم کثیر اُس کی ہلاکت قریب اور فنا اُس کا نصیب ظلم کی مدد اور مظلوم کی ذلت کرنا لوگوں کو بڑا شر ہے۔ شرکِ خفی ہو یا جلی اپنے پر ظلم ہے سب سے بڑا ظلم غیر اللہ کی عبادت ہے کیونکہ مقامِ عبادت سے جُدا اور بے موقعہ ہے۔ محرابوں میں مصلّوں پر سجدہ اس لیے درست ہے کہ رب تعالیٰ کے لیے وہی عبادت کا حق دار ہے اگر اس میں بھی خلوص نہ ہو تو وہ بھی شرکِ خفی ہے اور جدالِ سرّی۔ اہلِ نفاق وریا، اور اہلِ شہوت و بدعت کا مجادلہ مذموم ہے کیونکہ محض فساد کے لیے ہے۔ لیکن اہلِ معرفت و اہلِ خلوص کا مناظرہ محمود ہے کیونکہ دفعِ شبہات اور طلبِ ہدایتِ مراط کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں علمِ الٰہی کی توفیق اور ہدایتِ مصطفائی کی کتابِ منیر کھلی ہوتی ہے جس سے نورِ حق کا ظہور اور باطل کا قلع قمع ہوتا ہے، جاہلِ ضلالت کا جدال کثرتِ قیل وقال ہے۔ مگر عالمِ معرفت کا جدال ثبوت۔ دعوت عمل، اور حصولِ حق ہے۔ جاہل اتّان، ثَانِيَ عِطْفِهٖ کا مغرور اور مائلِ بدعت حق سے معزور ہوتا ہے لیکن بندۂ عارف طالبِ لطفہ اور شائقِ سنّت ہوتا ہے۔ مجادلِ بے علم کے لیے وعیدِ شدید ہے۔ مناظرِ بامعرفت کے لیے وعدۂ حمید ہے تین چیزوں میں احتیاط چاہیئے۔ طبیعت کی پہچان میں، مقارنت اور دوستی کے عرفان میں۔ امراض کے بطلان میں، کیونکہ طبعوں

میں قوتِ جاذبیت، مفارقت یعنی میل ملاقات میں قوتِ اثریت اور امراض میں قوتِ سرایت ہوتی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جسم انسانی میں تین مختلف قوتیں ہیں، قوتِ دنیوی، قوتِ دینی، قوتِ شیطانی قوتِ دنیوی کے پاس علم ہے، قوتِ دینی کے پاس کتاب منیر کی ہدایت ہے مگر قوتِ شیطانی بغیر علم کے وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ اسی جاہل کے خیالات وہم قبیح ہے مگر علم صحیح سے کشتہ مرنج ہے۔ جادلِ مُبْطِل اور تابعِ مُضِل دونوں کے لیے خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا اور عَذَابَ الْحَرِیْقِ فِی الْاٰخِرَۃِ کا وبال ہے۔ اور بد خصلتی تکبر ہے، سات عادتوں سے سات چیزیں ملتی ہیں ۱۔ تکبر سے ذلت ۲۔ عاجزی انکساری سے کثرتِ محبت ۳۔ اچھی باتوں سے تعظیم ۴۔ حلم سے مددگار دوستوں کی کثرت ۵۔ نرم دلی اور محبت سے قلبی خادموں کی کثرت یعنی عطف سے لطف اور عطف اور کنف ملتا ہے ۶۔ وفاءِ محبت سے دوامِ اخوت ۷۔ صدقِ لسانی سے فضلِ ایمانی ملتا ہے۔ اگر دنیوی ذلت اور اخروی حرقت سے بچنا ہے تو رب تعالیٰ سے ہمیشہ دو چیزیں مانگتے رہو ۱۔ صفاتِ ذمیمہ سے تخلی یعنی خالی ہونا ۲۔ ملکاتِ جمیلہ کا تحلی یعنی زیور۔ (روح البیان)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اے بندے وہ غفلتِ قالب ہے سکونِ قلب کی ذلت وعذاب ان خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے ہے جو تعصب ضلالت کے تکبر سے ہاتھوں نے راہِ سلوک میں بکھیریں اور دامِ تزویر سے منزلِ معرفت میں بڑھائیں بغیر علم استدلالی اور بغیر ہدایتِ کشفِ وجدان اور بغیر کتاب فرمان بے شک اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آستانۂ قدس سے ہٹانے کا ظلم نہیں فرماتا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ان آیات میں فاسقین عملی منکرینِ قیامت کو انیس باتوں میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے ۱۔ اے انسان تو صرف چند دنیوی اعمال کا فقط کاسب ہے نہ خالق نہ قادر ہر قدرت خلقت قبولیت میں اللہ تعالیٰ ہی حق ہے ۲۔ اُس کی ہی کمالِ قدرت سے ہر ان مُردوں کو زندگی بخشی جا رہی ہے۔ جتنی بار چاہے کسی کو زندگی عطا فرما دے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ۳۔ یہ ذہن میں رکھو کہ جتنا چاہو فسق وظلم شرارت وخباثت سے اپنی جانوں پر ظلم کما لو گے مگر اُس کی قدرتی پکڑ سے مغرور نہیں ہو سکتے لہٰذا دنیوی ڈھیل پر مغرور مت رہو ۴۔ یاد رکھو کہ تم کو مر کر ضرور زندہ ہونا ہے اور فتنہ ذنب کے حساب کے لیے اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ بے شک قیامت آنیوالی ہے ۵۔ تم نے زندہ ہونا ہے خواہ مر کر خاک جل کر راکھ ہو جاؤ ۶۔ ثبوتِ قیامت اور دوبارہ زندگی پر تین طرح غور کرو پہلے عقلی تجربے مشاہدے کرکے۔ اگر یہ نہ کر سکو تو علم والوں سے استدلال کی ہدایت اور کتاب منیر حجۃ قائمہ والی برہان حاصل کرو ۷۔ مشاہدہ یہ کہ اپنے میں غور کرو تم بالکل ہی معدوم تھے کس طرح پیدا ہو گئے ۸۔ حالاتِ عالَم نباتات کی خلقت میں تدبر کر کے ہدایت لو ۹۔ موت بھی دو بار اور زندگی بھی دو بار۔ پہلی موت حقیقت وصورت دونوں سے عدم

تھیں۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (سورۂ دہر آیت ۱) دوسری موت۔ تغیر وفراق کہ صرف صورت معدوم مگر حقیقت موجود روپوش، پہلی زندگی خلقت ہے دوسری زندگی بعثت ہے۔ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ خلقت ایجاد ہے بعثت اعادہ ہے خلقت حقیقت بنانا ہے بعثت صورت بنانا ہے ۱۰ غور کرو کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق میں ہر آن تبدیلی ہو رہی ہے نطفے سے ولادت تک ولادت سے قبر تک قبر سے حشر تک اس تغیر کا نام موتِ ثانیہ ہے یہ تغیر صرف صورت کو ہے حقیقت کو نہیں، صورت کو فنا ہے حقیقت کو بقا ہے ۱۱ حیاتِ بالقوۃ اور حیات بالفعل کا فرق، حیاتِ بالقوۃ وجود ہے، حیات بالفعل ظہور ہے نطفے اور علقے میں حیات بالقوۃ ہے، مضغہ اور مولود میں حیات بالفعل ہے۔ بیج میں حیات بالقوۃ ہے پودے حیاتِ بالفعل ہے ۱۲ پتھر اور بیج کا فرق، پتھر میں زندگی کا جوہر معدوم ہے ۱۳ تراب اور قبر کا فرق، تراب میں زندگی کا جوہر مفقود و معدوم، قبر میں موجود و مستور، اسی لیے تراب سے خلقت ہے قبر سے بعثت ہے تراب کی آغوش خالی ہے، قبر کی آغوش بھرپور ۱۴ کیفیتِ کائنات آٹھ چیزیں ہیں، مفقود، موجود، خلقت بعثت، حقیقت، صورت، تسکین، تغیر۔ ان سب کے لیے اَجَلِ مسمّٰی ہے ۱۵ اِحیا اور ظہور کا فرق، تراب سے وجودِ انسان ہے نطفے سے ظہورِ انسان ہے اور ارض سے وجودِ نباتات ہے۔ پانی سے ظہورِ نباتات ہے۔ وجود حقیقت ہے، ظہور اس کا نشوونما ہے ۱۶ رمیم اور بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی مفقود نہیں بلکہ مستور ہے، بوسیدہ اور رمیم ہڈی دیکھ کر مطالبہ نہ کرو کہ ہمیں ان میں زندگی دکھا دو۔ اس کے لیے بھی اَجَلِ مسمّٰی ہے۔ نطفے میں انسان اور بیج میں پودا نظر نہیں آتا مگر ہر مسلم کافر تسلیم کر لیتا ہے۔ نطفے اور بیج کی زندگی ہزاروں سال سے بن دیکھے مانتے ہو۔ آج تم نے خوردبین سے مشاہدہ بھی کر لیا، اس میں تم کو نہ پہلے ریبیت تھی نہ اب ہے۔ آئندہ وقتوں میں اَجَلِ مسمّٰی میں بعثتِ ثانیہ اور ساعتِ ساعت کو بھی دیکھ لوگے۔ ماضی کی دلیل سے مستقبل کو مانو۔ ایک وقت جب صرف نطفہ اور بیج دیکھ سکتے تھے اندر کا جوہر حیات نظر نہ آتا ہے پھر یہ وقت بھی آیا کہ تم نے خوردبین سے نطفے میں زندگی دیکھ لی مگر ابھی رمیم ہڈی میں کسی خوردبین سے بھی نسمۂ حیاتِ نظر نہیں آتے یا اس لیے کہ وہ جرثوموں سے بھی چھوٹے ہیں یا اس لیے کہ تم پہچان نہیں سکتے۔ ولایت و نبوّت کی آنکھ یہ بھی دیکھ لیتی ہے۔ لہٰذا اپنے ایمان کو اپنی بے علم و ہدایت والی نظر پر موقوف مت کرو بلکہ آستانۂ نبوت سے ولایت کی خوردبین لگا کر ایمان کی بنیاد دلیلِ علمی، استدلالِ ھُدیٰ اور برھانِ کتابِ منیر پر قائم کرو۔ تا کہ جان لو کہ اللہ ہی حق ہے وہی۔ يُحْيِ الْمَوْتٰى ہے خلقتِ وجود اور اعادۂ ظہور فرما کر عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قدیر ہے اُس کے لیے نہ خلقت محال نہ اعادہ۔ جلدی مت مچاؤ بلکہ انتظار کرو بے شک قیامت آنے والی ہے سب کچھ دیکھ لوگے۔ اگر تبدیلی کا قانون مقدر ہے تو قانونِ اجل بھی مقرر ہے نہ وہ مٹ سکتا ہے نہ یہ بدل سکتا ہے نہ یہ بدلا سکتا ہے جب اجلِ مقرر آئیگی تو ہر مردہ قبر سے مثلِ نباتات اٹھ کھڑا ہوگا کوئی جزا کے لیے کوئی سزا کے لیے، ہر مُردہ صاحبِ قبر ہے خواہ موتِ کفر سے مرے یا موتِ بدنیہ سے خواہ لحد میں پڑا ہو یا عیش و آرام کے لحاف میں سو یا ہو، خواہ موتے سے جاگے دنیا میں یا بعثت سے بھاگے آخرت میں ۱۲ہر غفلت کا نام موت ہے ہر بیداری کا نام زندگی ہے، ہر تغیر کی پوشیدگی موت ہے ہر تغیر کا تحقق زندگی ہے ۱۳ اے بندو یہ بھی یاد رکھو کہ انعدام فنا ہے خلقت حیوٰۃ ہے۔ تفریق موت ہے۔ اعادہ لقا ہے۔ تم دیکھتے ہو مانتے ہو کہ دنیا میں ہر قدم پر تغیر تبدل اور تجدد ہے۔ تو مان لو کہ اجلِ مسمّی پر ایک اور تبدل و تجدد ہونے والا ہے جو آخری ہوگا۔ نظرِ بصارت سے دیکھ کر ماضی و حال کے تغیر کو مان لیا تو نظرِ بصیرت سے مستقبل کے تغیر کو بھی مان لو۔ اسی کا ماننا ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ خلقت کے بعد صرف صورت میں تغیر ہے وہی بیج اُگ جائے تو پودا بڑھ جائے تو درخت، کٹ جائے تو شہتیر، چر جائے تو تختہ، پھٹ جائے تو ایندھن جل جائے تو راکھ، اُڑ جائے تو ذرات، وہی راکھ و ذرات مٹی میں ملے بارش پڑی پھر اُگ گئے حقیقت وہی ہے شکلیں بدل رہی ہیں، ہم نے تو سوکھی مسواک اُگتی دیکھی ہے صحابہ نے جلی گٹھلیاں اُگتی دیکھیں یہ تبدل کب ختم ہوگا یہ تم نہیں جانتے کیونکہ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (سورۃ اسریٰ ۸۵) خود ہمارے علم میں کتنی تبدیلیاں کبھی صرف حواس سے کبھی صرف آنکھ سے کبھی خوردبین سے کبھی الیکٹرانک کام ہوا سے آئندہ کیا ہوگا ابھی تم کو کچھ پتہ نہیں ۱۹ کائنات کے ہر گوشے میں تبدیلیِ صورت اور بقاءِ حقیقت کا قانون جاری ہے، بقاءِ حقیقت کی چار صورتیں اور حالتیں ۱ دانۂ تخم ۲ نسمۂ نطفہ ۳ ذرۂ حیات ۴ قطرۂ بقا۔ موت کیا ہے؟ دامنِ قبر میں زندگی کے سو جانے کا نام موت ہے ؎

موت نے چپکے سے آکر کچھ کہا زندگی خاموش ہو کر سو گئی

مگر تم اس نیند کو نیند کی آغوش کو نہیں جانتے نہ جان سکتے ہو۔ لہٰذا اپنے مشاہدے پر عقیدے کی بنیاد مت رکھو ورنہ ہزاروں حقیقتوں کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ تم بغیرِ علم ہو، اگر حواس ناکارہ ہوں تو ہدایتِ ادراک سے کام لینا پڑتا ہے اگر یہ بھی نہ ہوں ادراک ھُدیٰ کا اندھیرا ہو تو رک جاؤ کسی سراجِ منیر کے دامن میں کتابِ منیر کو تلاش کرو، وہ کتاب تم کو بتائیگی کہ تمہارے بدلتے موسموں بہار خزاں، سردی گرمی، خشکی، سیرابی کی طرح عرفانِ حقیقت کے عالم میں بھی تمہاری شکل و صورت پر ہزاروں موسموں کی تبدیلی آنیوالی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تمہارا نظام الاوقات عالمِ صورۃ کے ایک چھوٹے سے کُرّے

مگر عالم حقیقت کا تقویمی نظام انتا لمبا کہ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (سورۃ معارج آیت ۴) یعنی ایک دن پچاس ہزار سال کا تمہارا موسم بدلتا ہے اور بارش ہوتی ہے تو اِھْتَزَّتْ کی حیات وَرَبَتْ کا تغیر۔ وَاَنْبَتَتْ کا تبدل اور مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَھِیْجٍ کے تجدد کا یوم ظہور ہوتا ہے مگر عالم حقیقت کا جب نفخۂ صور ہوگا تو یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ کا یوم نشور ہو جائے گا۔ اس کتاب منیر کے بغیر تم کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ تمہاری قلت علمی کو دور کرنے کے لیے فقط یہی کتابِ منیر قرآنِ مجید تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تم بغیرِ علم بھی وَلَا ھُدًی بھی اور تمہاری ہر بات مجادلۂ جہالت ہے جس کا انجام خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا اور عذابَ حریق ہے چاہو تو دامن مصطفیٰ میں آکر بچ جاؤ، اور علم و ہدایت پالو۔ نہ چاہو تو نہ آؤ۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۶)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ ج

اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ وہ ہے جو عبادت اختیار کرتا ہے اللہ کی ایک فائدے کیلئے

اور کچھ آدمی اللہ کی بندگی ایک کنارہ پر کرتے ہیں

فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِہٖ ج وَاِنْ

اس لیے اگر اس کو پہنچتی رہے دنیوی اچھائیاں تب تو سکون ملے روز اگر

پھر اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچ گئی جب تو چین سے ہیں اور

اَصَابَتْہُ فِتْنَۃُ نِ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ قف ج

پہنچی اس کو کوئی مصیبت تو دین سے پھیر لیا اس نے اپنے سینے کو

جب کوئی جانچ آ پڑی منہ کے بل پلٹ گئے

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ط ذٰلِکَ ھُوَ

گھاٹا پایا اس نے دنیا اور آخرت میں۔ وہ ہی بہت

دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا یہی ہے

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ

ذلت والا ایسا نقصان ہے جو ظاہر طور ہے۔ عبادت دعا مانگتا ہے

صریح نقصان اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہیں جو ان کا

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ

اللہ کے مقابل اُس چیز سے جو نہ نقصان کر سکے اُس کا اور جو نہ نفع دے اُس کو

بُرا بھلا کچھ نہ کرے یہی ہے دور کی گمراہی

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۚ ⑫ يَدْعُوْا

وہی بہت دور پہنچ جانیوالی گمراہی ہے۔ دعائیں مانگتا

ایسے کو پوجتے ہیں جس کے نفع سے نقصان کی

لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ

ہے ایسے معبود باطل سے کہ اُس کا نقصان زیادہ قریب ہے اُس کے نفع سے

توقع زیادہ ہے بے شک کیا ہی

الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

البتہ برا ہے وہ دوست اور البتہ برا ہے سرپرست

برا مولا اور بے شک کیا ہی برا رفیق

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق، پچھلی آیت میں انسانوں کی دوسری قسم کا ذکر ہوا جو کفار کا دہریہ منکر خدا ٹولہ ہے ان آیات میں انسانوں کی تیسری قسم کا ذکر ہوا جو صرف دنیوی مفاد کے لیے ایمان لاتے ہیں، دوسرا تعلق

پچھلی آیات میں کفر کی چند قسمیں بیان کی گئیں اب اِن آیات میں ان کی دنیوی اُخروی نقصان دِہ حالتوں کا ذکر ہو رہا ہے
تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں سچے معبود اللہ تعالیٰ کی قوتوں کا ذکر ہوا، اب اِن آیات میں جھوٹے معبودوں کی کمزوریوں کا ذکر ہے۔ **شانِ نزول** ۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک گاؤں کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے اس ارادے سے مسلمان ہوئے کہ ہم کچھ دنیا کما لیں گے مگر ہوا یہ کہ وہ بیمار بھی ہو گئے اور ان پر کسی وجہ سے غربت بھی آ گئی اور چند ایک نومسلمان کے گھر لڑکیاں بھی پیدا ہو گئیں ایک شخص کی گھوڑی نے حمل گرا دیا تو وہ سخت پریشان ہوئے اور اسلام کو برا بھلا کہنے لگے کہ معاذ اللہ یہ دین برا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی از ملا نا ۱۳ (از خزائن و امام سیوطی)

تفسیر نحوی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۔ واؤ سر جملہ اس کے بعد موجودٌ اسم مفعول پوشیدہ ہے مِنَ النَّاس اسی پوشیدہ کا متعلق ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ مَنْ اسم موصول یہ حرف ذوی العقول چیزوں کے لیے ہوتا اکثر واحد کے لیے کبھی جمع کے لیے بھی آتا ہے یہاں واحد لفظی جمع معنوی کے لیے ہے بمعنیٰ ایک گروہ یَعْبُدُ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع حال واحد مذکر غائب عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عبادت کرنا قلبی ہو یا عملی یہاں قلبی مراد ہے یعنی ایمان لانا اللہ اس کا مفعول بہ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے عَلٰی اپنے فوقیت کے معنیٰ پر۔ حَرْف اسم مفرد جامد بمعنیٰ لغوی ٹکڑا حصہ جُز ۔ اصطلاحی معنیٰ کنارہ ہے۔ لفظوں کو حروف اِسی لیے کہتے ہیں کہ وہ کلام یا کلمات کے اَجزا ہوتے ہیں کسی چیز کے آخری حصے کو کنارہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ چیز کا ایک جز ہے یہاں حرف بمعنیٰ ایمان کا ایک حصہ یا اپنے عقیدے کا ایک مقصد، دنیوی یا اُخروی، یہاں دنیوی مقاصد مراد ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے یَعْبُدُ کا۔ فَ حرفِ زائد سببیہ تعلیلیہ اِنْ حرفِ شرط اَصَابَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِصْوَابٌ تعلیلِ نحوی ہو کر ہوا اِصَابَۃٌ بمعنیٰ درستی ہونا۔ بھلائی پہنچنا، لگ جانا صَوْبٌ سے بنا ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے خَيْرٌ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ اچھائی بھلائی مراد ہے دنیوی فائدہ یہ فاعل ہے۔ اَصَابَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے اِطْمَاَنَّ ثلاثی مزید فیہ کا چوتھا باب اِفْعِلَّالٌ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِطْمِيْنَانٌ طُمَنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دل کا سکون ملنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع مَنْ ہے بِهٖ جار مجرور مل کر متعلق ہے اَصَابَ کا یہ فعل با فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِنْ اَصَابَ کے جملے کی دونوں جملہ شرطیہ ہو کر

معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنْ حرفِ شرط بمعنیٰ اگر اَصَابَتْ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے مَنْ، فِتْنَۃٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ مصیبت فاعل ہے اَصَابَتْ کا یہاں تلاوت میں چھوٹی نون ہے اِس کو نونِ تنوین کہتے ہیں قرأ حضرات اِس کو نونِ قطنی کہتے ہیں مشدد نون کو بھی نونِ قطنی کہا جاتا ہے کیونکہ قطن یعنی روئی کی طرح اڑتی اچھلتی ہے حرف مشدد بھی اڑتا اچھلتا ہے اَصَابَتْ فعل اپنے مفعول بہ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا اِنْقَلَبَ باب انفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِنْقِلَابٌ قَلْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لوٹ جانا، بدل جانا، پھر جانا، یہاں ہر معنیٰ درست ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے مَنْ عَلٰی جارہ فوقیت کا وَجْہِہٖ بمعنیٰ اپنے چہرے اپنے منہ مراد ہے ذات جسم، یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اِنْقَلَبَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِنْ اَصَابَتْ کی دونوں مل کر معطوف ہوا اِنْ اَصَابَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مبتدا ہے یا معلول ہے عَلٰی حرف کا یَعْبُدُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خَسِرَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب خُسْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نقصان پانا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع مَنْ ہے الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ یہ معطوف علیہ معطوف ہو کر مفعول فیہ ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل برائے حصر بمعنیٰ وہ ہی، مشار الیہ ہے ذٰلِكَ کا دونوں مل کر مبتدا اَلْخُسْرَانُ اسم مصدر بروزنِ فُعْلَانٌ مبالغ کے معنیٰ میں ہے ترجمہ ہے بہت ہی زیادہ ذلت آمیز نقصان اور گھاٹا ہوتا یا یہ موصوف ہے اَلْمُبِیْنُ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا ذٰلِكَ ھُوَ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ۔ ذٰلِكَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ۔ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ۔ یَدْعُوْا بابِ نَصَرَ کا مضارع حال واحد مذکر غائب دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دعا مانگنا چونکہ دعا بذاتِ خود عبادت کی جز ہے اس لیے یہاں جز بمعنیٰ کل ہے یعنی عبادت کرتے ہیں اس کا فاعل مَنْ موصولہ سابقہ کی ضمیر ہے جو یَدْعُوْا کے صیغے میں پوشیدہ ہے مِنْ حرف جر زائدہ دون اسم مفرد معرب بمعنیٰ مقابل مضاف ہے اَللّٰهِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَدْعُوْا کا مَا اسم موصول اصلاً غیر ذوی العقول چیزوں کے لیے آتا ہے یہاں اسی لیے بت مراد ہیں بت لَا یَضُرُّ باب نَصَرَ کا مضارع زمانۂ حال منفی معروف واحد مذکر غائب ضَرٌّ المضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ترجمہ نقصان کرنا، مصیبت ڈالنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مَا

ضمیر کا مرجع ہے مَنْ مفعول بہ ہے لَا یَضُرُّہٗ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصول لَا یَنْفَعُ باب فَتَحَ کا مضارع یا فاعل نَفْعٌ سے مشتق ہے (بنا ہے) بمعنیٰ فائدہ پہنچانا ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہے لَا یَضُرُّ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یَدْعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ذٰلِكَ هُوَ اسم اشارہ مشار الیہ مل کر مبتدا ہے الضَّلٰلُ اسم مصدر بمعنیٰ گمراہی موصوف ہے الْبَعِیْدُ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبہ باب کَرُمَ کا بمعنیٰ بہت ہی دور والی جس میں واپس آنا مشکل ہو یا واپس پہنچنے تک مقصد ہی ہاتھ سے نکل جائے یہ صفت ہے ضَلٰلٌ کی۔ یہ مرکب توصیفی خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَدْعُوْا فعل با فاعل لام تاکیدیہ مَنْ اسم موصول اعتقادی معنیٰ مراد ہیں اس لیے ذوی العقول والا لفظ مَنْ لایا گیا کیونکہ کفار کے عقیدے میں بُت اُن کے معبود ہیں ان کے نزدیک تو بہت عقل والے ہیں اس سے پہلی آیت میں مَا لَا یَضُرُّ اور مَا لَا یَنْفَعُہٗ مَا آیا وہاں بتوں کی اصلیت کی طرف اشارہ ہے اور یہاں کفار کے عقیدے کی طرف مراد دونوں جگہ ہی بُت ہیں مٹی لکڑی لوہے پیتل کے یا آگ سورج ستارے گائے پیپل وغیرہ ضَرُّہٗ اسم حاصل مصدر جامد ذ رُّ ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا ہے، اَقْرَبُ اسم تفضیل واحد مذکر باب نَصَرَ سے ہے اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ هُوَ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے مِنْ نَّفْعِهٖ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَقْرَبُ کا اَقْرَبُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا ضَرُّہٗ کی یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا وہ موصول صلہ مفعول بہ ہے یَدْعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لام کے بِئْسَ فعل ذم ماضی مطلق واحد مذکر غائب یہ لام جواب ہے قول کا یا قسم کا اس لیے ایک ترکیب میں یہاں یَقُوْلُ الْكُفَّارُ۔ پوشیدہ ہے اور بعض نحویوں نے یہاں وَاللّٰهِ پوشیدہ مانا ہے اور بعض نے یہاں اِنَّهٗ پوشیدہ مان کر یَقُوْلُ الْكُفَّارُ پوشیدہ مانا ہے بِئْسَ فعل ذم هُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع صَنَمٌ (بُت) اَلْمَوْلٰی اسم مفرد مصدر میمی ہے وَلْیٌ سے مشتق ہے وَلَایَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ذمہ دار ہونا یہ اس کا مصدر ہے۔ جمع اس کی مَوَالِیْ ہے یہ جمع مکسر منصرف ہے۔ جمع مؤنث موالات دراصل مَوْلَیٌ تھا آخر میں یٰ پر حرکت ما قبل مفتوح لہٰذا یٰ کو الف سے بدل دیا گیا مولیٰ یہ مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ہے یعنی ہر چیز کی ذمہ داری لینے والا مصدر کو مبالغے کے لیے لایا گیا جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ اَلْمَوْلٰی مخصوص بالذم بِئْسَ اپنے فاعل اور مخصوص سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لام کے برائے شدت کلام بمعنیٰ سخت بُرا بِئْسَ فعل هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل اَلْعَشِیْرُ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبہ باب کَرُمَ سے بروزن فَعِیْلٌ عِشْرَۃٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زندگی گزارنا اسی سے ہے

عبش وعشرت، عشیر کا ترجمہ ہے ہر وقت ساتھ رہنے والا، یا ساتھ نبا ھنے والا مراد ہے پکا دوست، قرابت دار، اہلِ خانہ، یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یہ مخصوص بالذم، بئس سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا پہلے بئس کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا پوشیدہ یقول کے جملے پر سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ باعتبارِ دین چھ قسم کے لوگوں کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے (۱) مومن (۲) کافر (۳) منافق (۴) ساتر (۵) مُذَبذَب (۶) مُتَزَلزِل۔ مومن وہ جو ظاہر باطن عملاً قولاً اسلام کو مانے، اس میں متقی اور فاسق شامل، کافر وہ ہے جو ظاہر باطن عملاً قولاً اسلام کو نہ مانے اس میں مشرک اور دہریہ بھی شامل منافق وہ جو باطن میں مکمل کافر ہو مگر ظاہراً قولاً عملاً، مسلمان اور مومن بنے، ساتر وہ جو باطن میں مکمل مومن ظاہر میں عملاً یا قولاً کافر ہو۔ اس میں وہ شخص بھی شامل جو اپنے اسلام کو چھپائے رہے مرنے تک جیسے حضرت ابو طالب اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی اور وہ بھی شامل جو پہلے ظاہر مسلمان ہو مگر کفار میں رہکر جان بچانے کے لیے مرتد بن جائے مُذَبذَب وہ شخص جس کا کسی بھی دین پر کامل بھروسہ نہ ہو نہ کفر پر نہ اسلام پر اور دل سے کوئی دین قبول نہ کرے۔ مُتَزَلزِل، وہ شخص جو دنیوی لالچ کے لیے دین قبول کرے اسلام میں فائدہ اور عیش و آرام نظر آئے تو سچا پکا ظاہری باطنی مسلمان بن جائے اور اگر تکلیف آجائے تو اسلام چھوڑ دے اس تقسیم سے ساتر کی دو قسمیں ہو گئیں (۱) ساتر دائمی (۲) ساتر عارضی، مومنین کا ذکر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے فرمایا جاتا ہے۔ کافرین کا ذکر۔ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے فرمایا جاتا ہے۔ منافقین کا ذکر مُنٰفِقِيْنَ کے لفظ سے کیا گیا، ساترینِ دائمی کا ذکر سورۃ مومن آیت ۲۸ میں اس طرح فرمایا گیا وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ ساترینِ عارضی کا ذکر سورۃ نحل کی آیت ۱۰۶ میں اس طرح فرمایا گیا۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ مُذَبذَبین کا ذکر سورۃ نساء کی آیت ۱۴۳ میں اس طرح فرمایا گیا۔ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ مومن ایمان لاتا ہے عبادت کے لیے ساتر ایمان چھپاتا ہے حفاظت کے لیے۔ منافق ایمان لاتا ہے شرارت کے لیئے مُذَبذَب ایمان لاتا ہے آزمائش کے لیے مُتَزَلزِل ایمان لاتا ہے لالچ کے لیے ان آیت میں ایسے ہی بیوقوف اور بدقسمت لالچی متزلزل

لوگوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، اُس زمانے میں یہ لوگ قبیلہ بنی حلاف اور بنی غطفان کے بدوی اور کچھ اعرابی قبائل کے گنوار اور مؤلفۃ القلوب میں سے شیبہ ابن ربیعہ، اَقرَع بن حابس عُیَینہ بن بدر عبّاس بن مرداس جیسے نومسلم اَن پڑھ لوگ تھے (از تفسیر روح المعانی و نیشاپوری) چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو اسلام کو قبول تو کر لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی عبادت دل کی گہرائیوں عقل کی سچائیوں، باطن کے خلوص ظاہر کی محبت سے نہیں کرتے لالچی طبیعت مفاد پرستی کی عادت کے ایک کنارے پر رہ کر کرتے ہیں کہ ایک طرف نیا دین اسلام اور دوسری طرف پرانا دین کفر ہوتا ہے ہر وقت ہر حالت ہر مقام میں ان کی کیفیت ہوتی ہے کہ کچی عادت پریشان عقیدت مطلبی فطرت، پیٹ پرستی، ضرّاً میں تزلزل اور سرّاً میں تذبذب ہی رہتا ہے، اگر اَصَابَہٗ خَیرٌ دنیوی اچھائی بھلائی مال دولت آل اولاد عیش و آرام، عزت، نصرت ملتی رہے دل کی خواہشات پوری جانوروں کی نسل بڑھتی اولاد میں صرف بیٹے ہی پیدا ہوتے رہیں تو وقتی طور پر مطمئن اور اسلام پر ثابت و قائم رہتے ہیں مگر قلبی اطمینان پھر بھی نہیں ملتا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں چھن نہ جائے کبھی لٹ نہ جائے اس تذبذب میں نمازیں اسی فکر کی دعائیں، عیش ملتا رہے تو ان کے نزدیک اسلام سچا اور اگر اَصَابَتْہُ فِتْنَۃٌ، کبھی اُن کو آزمائشی مصیبت نقصان غربت، اولاد میں بیٹیاں، جانوروں میں خرابیٔ نسل ہو جائے یا کبھی مخلص مسلمانوں کی طرح دین کی خاطر کسی قسم کی قربانی دینی پڑے یا اپنی ہی کسی حماقت سے کوئی دنیوی تکلیف ہو جائے تو دین کو منحوس و ملعون اور برا کہنے ہوئے۔ اِنقَلَبَ عَلٰی وَجْہِہٖ سے اپنے پہلے دین پہلی صورت و حالتِ کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتے ہیں نہ ایمان کی قدر نہ آخرت کی فکر، مگر اس پھر جانے پلٹ جانے سے کسی کا کیا بگاڑا اللہ رسول یا اہلِ ایمان کا کیا نقصان ہوا اپنی ہی خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ۔ دنیا کا بھی نقصان اور خسارہ ہوا اس طرح کہ اسلام کی وجہ سے جو عزت، کرامت، اِمامت، لیاقت ملی تھی سب برباد، مال تباہ، جان ضائع کیونکہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ مالِ غنیمت بند تالیفِ قلبی ختم آخرت بھی خراب اس طرح کہ نہ مقامِ ولایت نہ مرتبۂ شہادت نہ فائدۂ عبادت جو تھوڑے بہت عملِ صالحہ کئے تھے وہ ختم، عشرت کی اُمید ختم، وطن سے بھاگے تو بے وطن ہوئے رہے تو قتل ہوئے، اور مر کر بھی چھٹکارا نہیں، قبر کا عذاب محشر کی ذلت جہنم کی سختی، دائمی مصیبت، ہائے نادان تو نے کیا پایا تھوڑی لالچ میں سب ہی گنوایا، ایسے متزلزل لوگوں کو آغوشِ اسلام کی کیا قدر۔ یہ بات نہ بے شکرے اجر جانتے ہیں نہ بے صبرے قریب جانتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ وہ ہی

سب سے بڑا ظاہر، کھلا نقصان ہے، اگر اسی حالت میں موت آگئی تو پھر معلوم ہوگا کہ اے انسانوں خود اپنا کیسا ہلاکت والا نقصان کر لیا، قربان جاؤں میں اپنے ربّ کریم رحیم پر کہ کس طرح شفقت و محبت سے اپنے نادان بندوں کو سمجھا رہا ہے۔ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهِ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ۔ کتنا کم عقل ہے انسان کہ اپنے رب تعالیٰ رحیم و کریم مُنعم و مُحسن قادر و قیوم کو چھوڑ کر ان بے جان مورتیوں بتوں اینٹوں پتھروں اور چاند سورج ستاروں کو نادانی معبود سمجھ کر اُن کو دیوی دیوتا بنا کر اُن کی عبادت کرتا اُن سے دعائیں مانگتا ان کو کارساز حاجت روا سمجھتا ہے جو حقیقتاً قطعاً اِن پوجا کرنے والوں کا ذرہ بھر نقصان نہیں کر سکتا اگرچہ پوجا نہ کریں بلکہ اِن کو توڑیں پھوڑیں اور حقیر مٹی سمجھ کر گندگی میں پھینک دیں اور یہ بے وقوف انسان ان بتوں کو پوجتا ہے جو ذرہ بھر کسی کو کسی قسم کا نفع نہیں دے سکتے۔ اگرچہ یہ کفار ساری عمر ان کی عبادت میں ماتھا رگڑ رگڑ کر زندگی گزار دیں، اِن مُرتد مُتزلزل لالچی کفار کو سمجھ نہیں کہ وہ بُت پرستی کتنی دور کی گمراہی ہے اور گمراہ اپنی گمراہی میں بھٹکتا بیابان کفر میں اتنی دور نکل جاتا ہے کہ اُس کے واپس آنے سچے راستے پانے صحیح منزل پر پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں رہتی، یہ دنیوی فائدہ کی خاطر مسلمان بننے والے اور دیگر کفار اور مصائب وجہاد سے گھبرا کر مرتد ہو جانے والے اُن بڑے کافروں سے آس لگائے عقیدہ بنائے ہوئے ہیں کہ یہ بڑے پنڈت پادری دنیا میں حاجت روا، آخرت میں شفاعت وسفارش کر کے بچانے والے ہیں ان ہی کے کہنے ورغلانے سے بتوں کو دنیا ہی میں معبود سمجھ لیا آخرت کا شفیع بنا لیا، لیکن اگر ذرا اپنے عقلی مشاہدے اور عملی تجربے سے خود ہی اندازہ لگائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا نقصان تو اتنا قریب ہے کہ دنیا میں ہی دیکھ لیں گے۔ کہ جن کی باتوں میں آکر ان پر دنیا کی ذلت غربت ہلاکت پڑی وہ ان کو کسی بھی مصیبت سے نہ بچا سکے نہ عیش و اولاد دلا سکے، نہ ان کے یہ بت ہی کچھ نفع دے سکے ان کا نقصان تو اتنا قریب میں ہی مل گیا اور نفع اتنا دور کہ صرف تصور و خیال کی اُخروی آس اُمید میں کہ یہ قیامت شفاعت کر کے بچا لیں گے یعنی نقصان تو یقینی ہوا بلکہ پا لیا اور نفع صرف ایک وہم وہ بھی بہت دور آخرت میں یہ بھی بہت جلدی جان جاؤ گے کہ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى، کتنا برا ہے وہ جس کو تم نے اپنا مولیٰ مددگار والی وارث سمجھ لیا تھا فقط اس کے زبانی کلامی وعدے و نعرے سن کر اور کتنا برا ہے وہ بے بس احمق دوست و سرپرست جس کے ساتھ لگنے سے ہمیشہ بے عزتی اور

نقصان ہی ملے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۔ ۱ ۔ وَمِنَ النَّاسِ میں دو قول بعض نے کہا اِس سے مراد ایک یہودی ہے ۔ مگر یہ قول غلط ہے، اس لیے کہ یہودی لوگ ۔ يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللهِ نہیں ہوتے، ان کا کفر عزیر ابن اللہ، کہنا دین منسوخ کرنا، قرآن اسلام اور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ ۔ سے مراد چند اعرابی اور بدوی کفار ہیں یہ ہی قول درست ہے ۲ ۔ عَلٰى حَرْفٍ میں تین قول، بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کنارے پر، بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے شک پر، بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے شرط پر تینوں قول درست ہیں اور تفصیل یہ کہ یہ شکی مزاج شروع دن سے اسی شرط پر مسلمان ہوئے تھے کہ ہم کو خوب دنیا ملے یہی وجہ ہے کہ ہر ہر معاملے میں ہٹے ہٹے ایک طرف رہتے ہیں محبت سے آگے بڑھ کر دین کے کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتے ۳ ۔ کے مرجع میں دو قول بعض نے اس کا مرجع اسلام کہا ۔ بعض نے کہا اس کا مرجع، دنیوی خیر ملنا ہے دونوں قول درست اور معنیٰ یہ ہوئے کہ اس دنیوی خیر خیرات مال متاع ملنے کی وجہ سے دین اسلام پر مطمئن ہو گئے، ۴ ۔ انْقَلَبَ میں دو قول ۱ ۔ بعض نے کہا کہ مصائب دیکھ کر اپنے چہرے کے بل اوندھے گر گئے یعنی حوصلہ ہار دیا دین کے کام چھوڑ دئے اور کہتے پھرے کہ ہم کفر میں ہی اچھے تھے ۲ ۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ مرتد ہو کر پھر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ یہی قول درست ہے وَجْهِهٖ میں دو قول ۱ ۔ بعض نے کہا اس سے مراد پہلا کفر یہ دین ۲ ۔ بعض نے کہا اس سے مراد منہ پھرانا خَسِرَ الدُّنْيَا کی قرأت میں تین قول ۱ ۔ یہ خَسِرَ فعل ماضی ہے ۲ ۔ یہ خَاسِرَ اسم فاعل ہے اِن دونوں قرأتوں میں اس کا فاعل مَنْ يَّعْبُدُ ہے اور الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ظرف ہے اس لیے منصوب ہے ۳ ۔ یہ خُسْرَانُ الدُّنْيَا ہے ۔ یہاں خسران مبتدا مضاف اور اَلدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مضاف الیہ لہٰذا مجرور ہے ۔ پہلی قرأت ہی مشہور اور جاری ہے ۔ ترجمہ پہلی قرأت میں نقصان پایا اُس نے دنیا و آخرت میں دوسری قرأت میں ترجمہ نقصان پانے والا ہے دنیا و آخرت میں، تیسری قرأت کا ترجمہ، دنیا و آخرت کا نقصان، يَدْعُوا دو جگہ ارشاد ہوا دونوں میں تین قول بعض نے کہا، پہلے کا معنیٰ عبادت کرتے ہیں، دوسرے يَدْعُوا کا معنیٰ پکارتے ہیں ۲ ۔ بعض نے کہا دونوں کا معنیٰ عبادت کرتے ہیں ۳ ۔ بعض نے کہا کہ دونوں کا معنیٰ پکارتے ہیں مگر پہلا قول درست ہے ۔ ذٰلِكَ میں دو قول ہیں ۱ ۔ بعض نے کہا اس سے مراد کفار کی عبادت ہے ۲ ۔ بعض نے کہا اس سے مراد آخرت اور دنیا کا نقصان ہے، دونوں قول درست ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ یاد رکھو کہ ایمان مثل بھٹی ہے اس میں مصائب بھی ہیں آرام بھی مگر دونوں سے مومن کا امتحان ہے۔ منافق کے لیے یہ مصائب فتنہ ہیں متزلزل کے لیے کسوٹی ہے، اور مومن مخلص کے لیے پرچۂ امتحان، یہ فائدہ۔ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃٌ انْقَلَبَ (الخ) سے حاصل ہوا، دوسرا فائدہ، شاندار عبادت صبر ہے، اور بدترین گناہ مایوسی ہے کیونکہ مایوسی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ فائدہ۔ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْہِہٖ کی تفسیر عالمانہ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ یہ آیت مسلمانوں کو بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر یقین کامل رکھنا چاہیے نہ شک کرو نہ مایوسی، اللہ تعالیٰ کی بات انبیاء کرام علیہم السلام اور اب تا قیامت آقا و کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات صحابہ سے صحابہ کی تابعین سے تابعین کی تبع تابعین سے ان کی آئمہ اربعہ سے ان کی بات اب علما محدثین مفسرین شارحین فقہا سے لہٰذا اب تکمیل ایمان کے لیے یقین قلبی سے ان آستانوں سے پختہ تعلق ہی ایمان لاتا ہے کہیں پر بھی شک ہوا تو ایمان ناقص ہے۔ یہ فائدہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ قانون شریعت کے مطابق جو شخص ظاہراً مسلمان ہو اس کو ظاہری شریعت میں مسلمان ہی مانا جائے گا اور اُس پر اسلام کے پورے قوانین نافذ ہوں گے خواہ وہ شخص باطن میں منافق ہو یا مذبذب یا متزلزل اسی طرح سائر شخص کو شرعاً ظاہراً غیر مسلم ہی مانا جائے گا اور اُس وقت تک اُس پر اسلام کا کوئی قانون نافذ نہ ہوگا جب تک وہ علانیہ یا دو گواہوں کے سامنے اپنا اسلام نہ کرے سائر خواہ دائمی ہو یا عارضی، اگر کوئی کفار سے جان بچانے کے لیے ان کے جبر کرنے پر کافر گیا اور اُس کا یہ کفر مشہور ہو گیا تو اگرچہ وہ باطن میں مسلمان ہی ہے اور بارگاہِ الٰہی میں وہ مرتد نہیں ہوگا مگر شرعاً اُس پر واجب ہے کہ کفار سے آزاد ہو تو پہلا کام یہ کرے کہ اپنا اسلام اور اتنا عرصہ قلبی کیفیت کو مسلمانوں کے سامنے اپنے قول و عمل سے ظاہر کرے جب تک ایسا نہ کرے گا اس وقت تک گناہگار ہونے کے علاوہ شرعاً اس کو کافر و مرتد ہی سمجھا جائے گا۔ یہ مسئلہ۔ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ سے مستنبط ہوا، کہ باری تعالیٰ نے ایسے متزلزل شخص کے اسلام اور عبادت کا انکار نہ فرمایا بلکہ طریقۂ قلبی کو برا فرمایا، ایسا شخص شرعی کافر تب ہوگا جب اِنْقَلَبَ کا ارتداد ظاہر و ثابت ہوگا۔ مگر جب تک اِطْمَاَنَّ بِہٖ کا ظہور رہے گا تو اگرچہ مخلص مومن کی طرح اُس کا اطمینان نہ ہو پھر بھی مسلمان ہی مانا جائے گا، عِنْدَ اللّٰہِ منافق کافر ہے، اُس کے لیے

ابدی جہنم ہے۔ساتر ابدی مومن ہے اُس کے لیے قیامت میں یا بخشش یا تخفیفِ عذاب، مذبذب اور متزلزل اگر ایمان پر مرا تو ادنیٰ جنتی ہے ورنہ پکا کافر مرتد۔ دوسرا مسئلہ مسلمان کی وہی عبادت قبول ہے جو ذوق شوق محبت لگن الفت خلوص نیت صادقہ یقین کاملہ اور قلبی گہرائیوں سے کی جائے، مارے باندھے۔کسل مندی تھکاوٹ ، بیٹھتے انگڑائیاں لیتے، بہانے کرتے، سُستی دکھاتے غفلت لاپرواہی بے یقینی بے دلی مایوسی بے رغبتی سے، یا اسلام کو صرف ماتھے کا ٹیکہ سمجھتے ہوئے عبادت کرنا، نامقبول بلکہ مردود ہے اگر اسلام کو دل کی گہرائیوں سینے کی پنہائیوں عقل کی تنہائیوں اور شکل صورت لباس خوراک میں داخل اور شامل نہ کیا جائے تو ایسا عمل مردود ہے کل قیامت میں منہ پر مار دیا جائے گا یہ مسئلہ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ہر شخص کی بے رغبتی والی عبادت عَلٰی حَرْفٍ ہے مسلمان کو ان روحانی ایمانی بیماریوں سے بچنا چاہیے ۔ ننگے سر نماز پڑھنا بھی ایلیسیت ہے اور عیاشیت کا فیشن۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا کہ لَا یَضُرُّ وَلَا یَنْفَعُ یعنی بتوں سے نہ نقصان نہ نفع، پھر فرمایا گیا کہ نقصان قریب ہے نفع سے پہلے دونوں کی نفی فرمائی گئی پھر دونوں کا ثبوت یہ تضاد کیوں؟ جواب، یہ تضاد نہیں بلکہ پہلے اصل حقیقت کا بیان ہے پھر کفار کی غلط عقیدت کا۔ یعنی اصلیت تو یہ ہے کہ نہ نقصان نہ نفع مگر کفار کی عقیدت بتوں کے متعلق یہ ہے کہ کفار کی شفاعت کریں گے، فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس شفاعت کی تم آس اُمید لگائے بیٹھے ہو وہ تو بہت دور، لیکن ان کا نقصان بہت جلدی دنیا میں ہی ذلت وقتل وقید سے شروع ہو جائے گا اور پھر مرتے ہی ان کا نقصان شروع، دوسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ اِنْ اَصَابَهٗ خَيْرٌ ۔ پھر فرمایا گیا۔ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ۔ خَیْرٌ کے بعد شَرٌّ ہونا چاہیے تھا کیونکہ خیر کا مقابل شر ہوتا ہے نہ کہ فتنہ ، فتنہ کا معنیٰ ہے آزمائش دنیا کی تو خیر بھی آزمائش اور فتنہ ہے جواب ۔ یہاں خیر کے بعد بجائے شر فرمانے کے۔ فتنہ فرمایا گیا دو وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ یہاں محاورے اور رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور محاورے میں خیر کو فتنہ نہیں کہا جاتا بلکہ نعمت کہا جاتا ہے۔ فتنہ سے مراد شر ہی لیا جاتا ہے اِسی لیے فساد کے ہم معنیٰ فتنہ بولا جاتا مثلاً فلاں شخص نے فتنہ فساد مچا دیا، دوسری وجہ یہ کہ اگرچہ خیر بھی ایک آزمائش یعنی فتنہ ہی ہے ہر مومن وکافر کے لیے، مگر کفار یہ نہیں سمجھتے۔ وہ دنیوی خیر یعنی امیری دولت مندی کو اپنی حقانیت سمجھ لیتے ہیں، اور شر سے گھبراتے ہیں اُسی کو فتنہ کہتے ہیں اسی لیے یہاں اِن آزمائشی

مصیبتوں اور اسلام کی خاطر قربانی دینے کو فتنہ فرمایا گیا، ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا کچھ دنوں بعد وہ سخت بیمار ہو گیا، پھر کسی حادثے میں اس کا ایک بیٹا مر گیا، ایک دن اس کا گھوڑا بھاگ گیا، تو وہ یہ سمجھا شاید میرے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ مصیبتیں مجھ پر آرہی ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میری بیعتِ اسلام واپس کر دیجئے میں مسلمان ہو کر بہت مصیبتوں میں گھر گیا ہوں، میں اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اسلام کی بیعت نہیں ٹوٹتی اور تیری یہ مصیبتیں شاید تیری آزمائش ہوں، اسلام مثل بھٹی کھوٹے کو تپا کر رگڑا دے کر کھرا بناتا ہے، تو کچھ دن صبر کر۔ اس نے صبر کر لیا تو واقعی پھر ہر طرح کا اطمینان مل گیا۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا يَدْعُوا مَا لَا يَضُرُّهٗ ۔ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ مَا موصولہ غیر عقل والوں کے لیے آتا ہے ثابت ہوا کہ بت مراد ہیں، لیکن پھر فرمایا گیا۔ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ ۔ مَنْ موصولہ عقل والوں کے لیے آتا ہے۔ حالانکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ بت ہی مراد ہیں، تو پھر یہاں مَنْ کیوں فرمایا گیا، بتوں کے لیے تو مَنْ نہیں آسکتا، یا کہ یہاں بت مراد نہیں ہیں۔ جواب۔ دونوں جگہ بت ہی مراد ہیں مگر مَا و مَنْ استعمال فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے حقیقت کا بیان ہے۔ اور بعد میں کفار کی عقیدت کا اظہار ہے۔ یعنی حقیقت تو یہی ہے کہ تمام بت اور کواکب چاند سورج جانور درخت وغیرہ جتنی چیزوں کو کفار پوجتے ہیں وہ سب بے عقل چیزیں ہیں۔ لہٰذا مَا ارشاد ہوا۔ لیکن کفار اپنی عقیدت اپنے نظریئے اپنے خیال میں ان کو بہت بڑا عقل والا دانا بینا سمجھدار سمجھ کر ان کو معبود بنائے پھرتے ہیں، ان کے جھوٹے اور غلط عقیدے کے اظہار کے لیے، مَنْ ارشاد ہوا۔ بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ پہلے کلام میں بت مراد ہیں، مگر دوسرے کلام میں کافر لیڈر پنڈت پجاری اور کفر کے پیشوا مراد ہیں، اور یہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے علیحدہ ہے اس دوسرے جملے کا تعلق لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ سے ہے۔ یعنی گمراہ کرنے والوں کو حاجت روا کارساز سمجھ کر پکارتے ہیں، بتانا یہ مقصود ہے کہ عبادت کرتے ہیں مَا کی اور پکارتے ہیں مَنْ کو معبود سمجھتے ہیں مَا کو شفیع سمجھتے ہیں مَنْ کو۔ یا مطلب یہ کہ کبھی مَا کو پکارتے ہیں کبھی مَنْ کو یا یہ کہ کچھ کفار مَا کو پکارتے ہیں کچھ مَنْ کو۔ یا اس طرح کہ بڑے کفار بتوں کو اور چھوٹے ان پڑھ جاہل غریب کفار بڑے کفار کو پکارتے بھی ہیں ان کی پوجا پاٹ، کرتے ہیں، ان کو اپنا رب سمجھتے ہیں۔ ان مختلف کفریات کو ظاہر کرنے کے لیے پہلے مَا فرمایا

گیا پھر حق ارشاد ہوا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ لوگوں میں کچھ ایسے مسلمان ہیں جو نام اور کام کے تو مسلمان ہوتے ہیں مگر نیت اور مقصد کے مکار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر خواہشاتِ دنیا کے کنارہ پر کھڑے رہ کر ان کے ہر عمل و عبادت میں دنیا کی لالچیں بھری ہوتی ہیں۔ پیر بنتے ہیں تو گدی بنانے کے لیے مرید بنتے ہیں تو دنیا کمانے کے لیے خطیب بنتے ہیں تو دنیا بچانے کے لیے مقتدی بنتے ہیں واقعی جگانے کے لیے امام بنتے ہیں تو روٹی کمانے کے لیے، اگر دنیوی دولتیں غرضیں اور من پسند خیرات و بھلائیاں ملتی رہیں تو پیر بھی اچھا مرید بھی پیارا خطیب بھی پسندیدہ مقتدی بھی شاندار مثلاً مریدوں اور مقتدیوں کی مرضی کے اور ندلتے پیر و خطیب کی مرضی کے اور پیر سے مرید کی خواہشاتِ دنیوی کے تعویذات خطیب سے اپنی آزادی عیاشی کے مسائل نہ ملے تو اقتداء ختم ہوئی بیعت ٹوٹ گئی، اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ کسی دوسرے پیر کی تلاش شروع، دوسرے خطیب کا چناؤ کیا جو شریعت کے سخت مسائل نہ بتائے جہنم سے نہ ڈرائے رشوت و سود کے مسئلے نہ سنائے بلکہ ہر طرح کی آزادی دلائے، یہی وہ بد نصیب پیر مرید امام و مقتدی خطیب نمازی ہیں کہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ۔ جن کی دنیا بھی برباد آخرت بھی تباہ، سچی پیری مریدی، امامت و خطابت تو یہ تھی کہ دنیا سے بے رغبتی عبادت سے رغبتی شریعت کے معاہدے سے طریقت کے مراتب حقیقت کے مکاشفے میں کامیابیاں حاصل کی جائیں پیر کامل کا تو فرض ہے کہ مرید کو دنیا پرستی سے ہٹا کر درِ مصطفیٰ پر گرا دیتا، خطیب اپنی تقاریر سے سینوں کو مدینہ بنا دیتا امام اپنی جماعت میں کعبہ دکھا دیتا، مگر فی زمانہ نہ پیر میں خلوص نہ مرید میں حصول تعویذ صرف اس لیے کہ دولت ملے نمازیں دعائیں اس لیے کہ امیر بن جائیں رب تعالیٰ کی بارگاہ کا تو کسی کو بھی شوق نہیں ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ وہی تو سب سے بڑا صاف ظاہر نقصان ہے ارادات نفس تصوراتِ عقل خواہشاتِ قلب کا نام انسانِ باطن ہے ہر آدمی کے باطن میں چھ قسم کی انسانیت موجود ہوتی ہے پہلی انسانیت یقین محکم دوسری ربیت۔ سوم نفاق۔ چہارم انسانیت خفی و بیری پنجم انسانیت وہم و تذبذب، ششم انسانیت تزلزل۔ قلب کی انسانیت یقین محکم نفس کی انسانیت ربیت شکوک و شبہات، عقل کی انسانیت مخفی و اسرار و رموز۔ نفسِ امارہ کی انسانیت

نفاق۔ طبیعت کی انسانیت تذبذب، دماغ کی انسانیت تزلزل ہے۔ اور باطن کے انسانوں میں کچھ وہ انسان ہیں جو عقلی شکوک نفسانی شبہات طبعی شرائط کے کنارے پر رہ کر ہی اطاعت نبوی و عبادت الٰہی کرتا ہے۔ اس طرح جو آیت و حدیث، عبادت و قانون اپنی عقل میں آجاتی ہے اُس کو مطمئن ہو کر تسلیم کر لیتا ہے وہی اُس کو اچھی بھی خیر اور صحیح معلوم ہوتی ہے، اور اگر جاہلانہ عقل غافلانہ سمجھ میں نہ آئے تو منکر ہو کر ترک کر دیتا ہے اور اپنی اندھی عقل کی مانتا ہے، ایسے ہی منکرین قرآن و حدیث کی دنیا بھی تباہ اور آخرت بھی خراب وہ ہی یہ نقصانِ ایمانی ہے جو ہر ایک کے سامنے مبین اور صاف ظاہر ہے، کیونکہ ایسے شخص کو دنیا میں جہالت کا اندھیرا قبر میں حماقت کی سزا اور آخرت میں ذلت کا عذاب محرومی ایسے انسان کی زبان کی کلامی عقل کی تباہی بن جاتی ہے اور قلم کی سیاہی قلب کی ظلمت بن جاتی ہے، اُن کی نشانی یہ ہے کہ یَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنۡفَعُهٗ، ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ۔ یَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰى وَلَبِئۡسَ الۡعَشِيۡرُ۔ وہ بدبخت انسان اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ایسی چیزوں کا پجاری بن جاتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت و اطاعت میں لگ جاتا ہے، جو ذرہ بھر قوتِ ظاہری باطنی نہیں رکھتیں کیونکہ انسان آستانۂ نبوت سے جدا ہو کر غیریت کے حجاب میں ہو جاتا ہے اور حق سے بہت ہی دور، اور پھر یہی عقل نفسانی کا بندہ کر ایسے دنیوی سہاروں کو پکارتا ہے جن کی باطلیت مجوبیت کی ظلمت کا نقصان تو پکارنے والوں کے قریب تر ہے مگر اُن باطلین کا نفع اتنا دور و معدوم کہ نظر و عقل بصیرت و بصارت شعور و ضمیر سے بھی نظر نہیں آتا گویا کہ ہے ہی نہیں، ہزار ہا پردوں میں حق سے دور ہونے والے اُن نابکار انسانوں زمانہ پرستوں، مطلب سازوں کا والی و موالی معین و مشیر اُن کا شیطان ہوتا ہے اور اُن کے ساتھی برے یار خراب کتابیں، گمراہ کن تقریریں بیہودہ محفلیں ہوتی ہیں اس لیے یقینی ہے یہ بات کہ وارث و ناظم کار مولیٰ مددگار بھی بُرا کیونکہ وہ معرفتِ الٰہی سے دور کرتا ہے نور سے قریب کرتا ہے، اور ساتھی ہمراہی بھی بُرا اس وجہ سے کہ بُرے یار مثلِ مار، خراب کتاب مثلِ عذاب بیہودہ محفل مثلِ مقتل، گمراہ کن تقریر دنیا و آخرت کی ذلت و تحقیر اے انسان حیاتِ دنیوی میں تیرے پاس صرف دو چیزیں ہیں ۱۔ دنیا ۲۔ دین، ان سے نفع بھی ہے نقصان بھی دنیا کو مان کر نقصان یہ اقرب ہے۔ دنیا کو نہ مان کر نفع یہ دور ہے مگر ابدی ہے، دین کو مان کر نفع یہ اقرب ہے دین کو نہ مان کر نقصان یہ دور ہے مگر ابدی ہے دنیا کی پہلی حالت متذبذب، آخری حالت متزلزل، کافر نے بتوں سے مانگا تو عذاب ملا، کیونکہ اس نے اپنے

خالق تعالیٰ کو چھوڑا، مومن نے نبی سے مانگا تو ثواب ملا کیونکہ اُس نے حکمِ خالق تعالیٰ کو مانا، مومن و کافر کی کیفیات میں یہ فرق ہے کہ ضرّا میں صبر سرّا میں شکر مومن کی نشانی ہے، لیکن ضرّا میں تزلزل اور سرّا میں تذبذب کافر کی نشانی ہے، دنیوی لوگ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ ہوتے ہیں، دینی لوگ اولیاءُ اللّٰہ ہوتے ہیں، کافر، مومن، مذبذب متزلزل کا فرق یہ کہ کافر اپنے کفر میں مست ہے مومن اپنے ایمان میں مطمئن مذبذب ہر حالت میں پریشان، اور متزلزل کبھی سکون میں کبھی ہلچل میں یعنی کبھی مطمئن کبھی پریشان اس کا اطمینان بھی عارضی کفران بھی عارضی ایمان نام ہے یقین و اُمید کا، کفر نام ہے شک اور مایوسی کا سینۂ مومن میں اُمید کا چراغ روشن ہوتا ہے یقین چراغ ہے اُمید اس کی روشنی ہے یہی سرچشمۂ حیاتِ ابدی اور تقاضۂ ایمان کا پھل ہے اسی سے دنیوی اُخروی کامیابیوں کی دولت ملتی ہے زندگی اُمید ہے مایوسی موت ہے اگر شمعِ حیات روشن ہے تو سعادت کا نور موجود ہے اور اگر یہ شمع بجھ گئی تو ہر طرف نامرادی کی ظلمت و اندھیرا ہے، یقین و اُمید فتح مندی کی بنا ہے، بے یقینی مایوسی تذبذب تزلزل ویران کھنڈرات ہیں، اُمید وصلِ روح ہے یقین بقاءِ روح، وصل و بقا ہی حیاتِ مومن ہے، مایوسی فراقِ روح ہے شک فناءِ روح فراق و فنا ہی موتِ انسانی ہے، دینِ اسلام شریفانہ اخلاق و عمدہ آداب کی دولتوں سے بھرا ہوا ہے۔ کل قیامت کی میزان میں حسنِ اخلاق سے بھاری کوئی عمل نہ ہوگا، مومن اپنی خوش اخلاقی کی بدولت بہت سے بد اخلاق عابدین زاہدین شب بیدار صالحین سے بلند مرتبہ پالے گا۔ حدیثِ مقدس میں ہے، کہ اے لوگو تواضع کرو، تواضع کی تین صورتیں ہیں پہلی یہ کہ کسی پر ظلم زیادتی نہ کرو ملنے والوں کو پہلے سلام کرو اور سلام کا جواب محبت سے دو۔ محفل میں کم درجہ پسند کرو اور اپنی تعریف و تعارف کی خواہش نہ کرو ۔ جو ملنے نہ آئے اُس کی خاطر تواضع کرو، دینی مسائل بتانا بری چیزوں سے آگاہ کرنا نیک مشورہ بھی خاطر تواضع ہے۔ احسان کی اُمید نہ رکھو۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

بے شک اللہ داخل کرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک

بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور بھلے

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اعمال کئے ایسی جنتوں میں کہ بہتی ہیں جن باغوں کے نیچے

کام کئے باغوں میں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

نیچے نہریں ۔ بے شک اللہ کرتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے۔

نہریں رواں بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ

جو شخص یہ وہم کرتا ہے کہ ہرگز نہ مدد کرے گا ان کی اللہ

جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہ فرمائے گا

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى

دنیا اور آخرت میں تو چاہیئے کہ لٹکائے ایک موٹی رسی کسی خاص

دنیا اور آخرت میں تو اُسے چاہیئے کہ اوپر کو ایک

السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ

بلندی کی طرف پھر پھانسی پا جائے پس چاہیئے کہ غور کرے کہ کیا کچھ بگاڑ جائے گا

رسّی تانے پھر اپنے آپ کو پھانسی دے پھر دیکھے کہ

كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ

اُس کا یہ حیلہ اُس چیز کو جس کا یہ جلاپا کرتا ہے، اور اسی کی مثل یہ ہم نے نازل کی ہیں

اس کا یہ داؤ کچھ لے گیا اس بات کو جس کی اُسے جلن ہے اور بات یہی ہے کہ ہم نے یہ قرآن اُتارا

بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

تمام روشن آیتیں اور بے شک اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

روشن آیتیں اور یہ کہ اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے نقصان وخسران کا ذکر ہوا، اب ان آیات میں ایمان والوں کے دائمی فائدوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار کے بت کفار کی بالکل مدد نہیں کر سکتے اب ان آیات میں بتایا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب پاک کی ضرور مدد فرمائے گا نہ ماننے والے نہیں مانتے تو نہ مانیں حسد وبغض سے گلے میں پھندا ڈال کر مرجائیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں برے لوگوں اور ان کی بدعملیوں کے نتائج کا ذکر ہوا، اب ان آیات میں نیک لوگوں اور ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ ونتائج کا ذکر ہورہا ہے۔ **شانِ نزول**۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسد اور بنی غطفان کی طرف اسلام لانے کا پیغام بھیجا تو ان کے سرکردہ لوگوں نے قاصدین صحابہ کرام کو واپسی پیغام دیا کہ نبی کریم کی دعوت تو عارضی ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں نہ اللہ ان کی مدد کرے گا دنیا میں تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا اور ہمارے پرانے حلیف یہودی ہیں۔ ہم اسلام لاکر یہودیوں کو ناراض نہیں کرسکتے ورنہ کل جب اسلام شکست کھا گیا تو نہ ہم یہودیوں کو منہ دکھانے کے قابل رہیں گے نہ وہ ہم سے مروت و محبت کریں گے تب یہ پانچ آیات نازل ہوئیں از آیت ۱۴ تا آیت ۱۸ واللہ ورسولہ اعلم

تفسیر نحوی إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔ اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم یُدْخِلُ باب افعال کا فعل مضارع بمعنی مستقبل زمانہ، مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ مصدر ہے اِدْخَالٌ متعدی بیک مفعول ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اس کا اَلَّذِیْنَ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنی کام کرنا، اعضاء ظاہری کے کام کو عمل کہا جاتا ہے اصطلاح میں آخرت میں حساب وکتاب والے کاموں کو اعمال کہا جاتا ہے اچھے ہوں یا برے یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اَلصّٰلِحٰتِ الف لام استغراقی بمعنی تمام صالحات اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے صَالِحَۃٌ واحد مؤنث صَلُحَ سے مشتق ہے بمعنی اچھا، مفید کام کرنا، چونکہ اعمال (کام کاج) غیر ذوی العقول ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے مؤنث کے الفاظ آتے ہیں نیک اعمال کو بھی صالحۃ کہتے ہیں اور نیک عورت واحد وجمع کے لیے صالحہ اور صالحات

مُستعمل ہے قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک جگہ نیک عورتوں کے لیے آیا ہے باقی ہر جگہ نیک اعمال کے لیے ہی آیا۔ یہ بحالتِ فتحہ ہے تقدیری اعراب ہے۔ مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف دونوں عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مفعول بہ ہے یُدْخِلُ کا جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے جَنَّۃٌ لغوی ترجمہ ہے چار دیواری وغیرہ میں گھرا چھپا ہوا باغ یہاں مراد آخرت کی جنت بہشتِ بریں جو ہر نگاہ سے پوشیدہ ہے بحالتِ فتحہ تقدیری اعراب ہے۔ موصوف ہے تَجْرِیْ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع بزمانۂ حال واحد مؤنث غائب جَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہنا مراد ہے دریا و نہر کا پانی چلنا مِنْ حرفِ جر زائدہ تحت اسمِ مبنی بمعنیٰ نیچے مُعْرَب مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع ہے جَنّٰت۔ جمع عربی میں غیر ذوی العقول اشیا کے لیے ضمیر واحد غائب آتی ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے تَجْرِیْ کا اَلْ اَنْھٰرُ الف لام عہدِ ذہنی اَنْھٰرُ اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے نَھْرٌ بمعنیٰ خوب صورت پانی کی گزرگاہ یہاں مراد ہے خود پانی بہتا ہوا یہ فاعل ہے تَجْرِیْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صفت ہے جَنّٰت کی یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے یُدْخِلُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر اِنَّ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اس کا اسم یَفْعَلُ باب فَتَحَ کا فعلِ حال مضارعِ مثبت معروف ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل مرجع اللّٰہ تعالیٰ مَا اسم موصول یُرِیْدُ باب افعال کا فعل حال مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ مرجع اَللّٰہ اس کا مصدر ہے اِرَادٌ تعلیلِ نحوی ہوکر ہوا اِرَادَۃٌ، رَوْدٌ یا رَیْدٌ سے بنا ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَفْعَلُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ خیال رہے کہ اصل عربی مصدر ثلاثی مجرد اور رباعی مجرد ہوتے ہیں باقی تمام اِن سے بنے ہوئے الفاظ مشتقات کہلاتے ہیں اگرچہ مصدر مزید فیہ ہوں عربی میں مشتقات کل پندرہ قسم کے ہیں (١) مصدر مزید فیہ (٢) مصدر میمی (٣) اسم فاعل (٤) اسم مفعول (٥) اسم ظرف زمان (٦) اسم ظرف مکان (٧) اسم تفضیل (٨) اسم آلہ (٩) صفت مشبہ (١٠) صیغہ مبالغہ (١١) اسم المرّہ (١٢) اسم النوع (١٣) فعل ماضی (١٤) فعل مضارع، اسم مرّہ اور اسم النوع یہ دونوں مصدر مفعول مطلق کی دو قسمیں ہیں (١) وحدت اور (٢) نوعیت کو بتاتے ہیں جیسے بیٹھا میں ایک بار بیٹھنا اور مارا اس نے زور کا مارنا۔ مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ کَیْدُہٗ مَا یَغِیْظُ۔ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰهُ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ۔

مَنْ اسم موصول شرطیہ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر اس کا مرجع مَنْ ہے مَنْ سے مراد عام کفار تا قیامت یا کفارِ مکہ یَظُنُّ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ظَنٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گمان کرنا خیال کرنا گمان کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ خالص وہم ۲۔ یقین ملا وہم جس کو احتمال کہا جاتا ہے کبھی کبھی یہ خالص یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں پہلے معنی یعنی وہم کرنا مراد ہے اُس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے اَنْ حرفِ مشبہ اصلاً اَنَّ تھا اِس کے ساتھ ضمیر شان تھی جب اُس کو حذف کیا گیا تو اِس کو مخففہ کر دیا گیا۔ لَنْ یَنْصُرَ باب نَصَرَ کا مضارع منفی نفی تاکید بلَنْ سے ہے واحد مذکر غائب بمعنی مستقبل ہے نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مدد کرنا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل مرجع ذہنی ہے مُراد نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مفعول بہٖ ہے اَللّٰہُ فاعل ہے لَنْ یَنْصُرَ کا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ یہ دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے لَنْ یَّنْصُرَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے یَظُنُّ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَانَ ناقصہ کی یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صِلَہ ہوا مَنْ کا موصول صِلہ مل کر شرط ہے فَ حرفِ جزا لْیَمْدُدْ باب نَصَرَ کا فعل امر غائب معروف واحد مذکر غائب مَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی پھیلانا، لمبا کرنا تاننا، لٹکانا، یہاں اِسی معنی میں ہے، حروف کو دراز کرنے کے لیے جو اِعراب لگایا جاتا ہے اس کو بھی مَدّ کہتے ہیں اسی پھیلنے زیادہ کرنے کے معنی میں۔ بقانونِ فصاحت برائی پھیلانے کے لیے مَدٌّ کو باب نَصَرَ میں لایا جاتا ہے اور اچھائی پھیلانے زیادہ کرنے کے لیے بابِ افعال میں لایا جاتا ہے اسی سے ہے مِداد بمعنی قلم کی سیاہی کو مِداد اسی لیے کہا جاتا ہے اس سے علم پھیلایا یا بڑھایا جاتا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ھُوَ کا مرجع مَنْ ہے بِ جارہ متعدی کی بمعنی کو، سَبَبٍ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے اَسْبَاب، بمعنی لغوی ذریعہ، یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کوئی کام پورا انجام دیا جائے اصطلاح میں موٹی رسّی سامان وغیرہ کو سبب کہا گیا کہ اس کے ذریعہ بھی بہت کام ہوتے ہیں، یہاں مراد لٹکی ہوئی موٹی رسی جو کم از کم ایک آدمی کا بوجھ اُٹھا لے اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے اَلسَّمَآءِ اسم مفرد معرّف باللّام بمعنی بلندی مراد ہے چھت یا درخت یا آسمان اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں مراد چھت ہے اور یہی مقصدِ کلام میں درست ہے یہ جار مجرور متعلق ہے فَلْیَمْدُدْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ اِنشائیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف بمعنی پھر لْیَقْطَعْ باب فَتَحَ فعل امر غائب معروف قَطْعٌ سے بنا ہے بمعنی کاٹنا، اُکھیڑنا، یہ متعدی ہوتا ہے مگر یہاں لازم کیونکہ سبب بول کر مسبب مراد لیا جا رہا ہے، اگر متعدی ہو تو یہاں عُنُقًا پوشیدہ ہوتا ہے ترجمہ

ہوتا ہے، کاٹ لے گردن کو۔ اور لٹکی رسی کے پھندے سے گردن کاٹنا سبب ہے پھانسی کا لہٰذا یہاں
پھانسی لینا مراد ہے اور یہ لازم ہے نہ کہ متعدی یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ
ہے یا جزائیہ، اگر جزائیہ ہے تو مابعد جملہ جزاءِ دوم ہے مَنْ کَانَ کی مگر عاطفہ ہونا زیادہ درست
ہے لِیَنْظُرْ باب نَصَرَ کا امر غائب معروف واحد مذکر غائب نَظْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا غور کرنا یہاں
دوسرے معنیٰ میں ہے ہَلْ حرفِ سوال یُذْهِبَنَّ بابِ افعال کا مضارع مستقبل با نون ثقیلہ واحد
مذکر غائب ذَهَبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جانا لازم ہے اس کا مصدر ہے اِذْهَابٌ متعدی ہے بمعنیٰ لے
جانا کَیْدٌ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ مکر حیلہ فریب، مضاف ہے ہٗ ضمیر
کا مرجع مَنْ ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے مَا موصولہ
یَغِیْظُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع بمعنیٰ ماضی یا بمعنیٰ حال ہے غَیْظٌ اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت غم
جلا پا، یہاں دوسرے معنیٰ میں ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے
یُذْهِبَنَّ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے فَلْیَنْظُرْ کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے ثُمَّ لْیَقْطَعْ
کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر پھر عطف ہے فَلْیَمْدُدْ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر جزا ہے مَنْ کَانَ
کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ کَذٰلِکَ، اسم اشارہ تشبیہی بعیدی بمعنیٰ اسی طرح مبنی ہے
بحالت رفع مبتدا ہے مابعد جملہ خبر ہے اس کا مشبہ بہ مشار الیہ سابقہ آیات قرآنیہ ہیں یا اِنَّ اللّٰهَ
یَفْعَلُ کا جملہ ہے اَنْزَلْنٰہُ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم فعل با فاعل ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ ذوالحال ہے
اٰیٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم موصوف بَیِّنٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم واحد ہے بَیِّنَۃٌ مذکر ہے بَیِّنٌ صفت
مشبہ بروزن فَیْعِلٌ دراصل تھا بَیْیِنٌ چونکہ اس طرح پڑھنا بوجھل تھا لہٰذا دونوں یٰ کا ادغام کر دیا بَیِّنٌ ہو گیا
یہ صفت تابع ہے اس لیے مفتوح ہے یہ مرکب توصیفی حال ہے ہٗ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اَنْزَلْنَا
کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَذٰلِکَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ، اللّٰهَ اس
کا اسم یَھْدِیْ بابِ ضَرَبَ کا مضارع واحد مذکر غائب با فاعل مرجع اَللّٰهُ مَنْ اسم موصول یُرِیْدُ بابِ افعال
کا مضارع زمانہ حال با فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَھْدِیْ کا یہ سب
جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۔ اے دنیوی لالچ میں عبادت سے علیٰ حرف
اور دنیوی مصائب میں ایمان سے منحرف ہو جانے والے لوگو بے شک اللّٰہ تعالیٰ داخل فرماتا ہے

اُن ثابت قدم مخلص بندوں کو جو اپنی استقامت پسندی سے ایسا سچا پکا ایمان لائے رہے کہ نہ امیری دولت مندی کا عیش اُن کو غافل کرسکا نہ جنگ و جہاد نہ غُربت عسُرت کے آزمائشی مصائب اور فتنے ان کو دینِ اسلام سے منحرف یا متزلزل و مُتذبذب کرسکے اور ہر حال ہر مقام میں دشت میں دہر میں کوہسار میں میدان میں کڑکتی بجلیوں چلتی تلواروں، تڑپتی لاشوں میں بھی اپنے رب تعالیٰ کے ہر فرمان فرضی واجبی نفلی پر پورا پورا محبت و اُلفت سے عمل کیا اور اپنے اَعمالِ صالحات سے زمین و زمان تکین مکان کو جنتِ اَرضی بنا دیا، ایسے ہی پیاروں کو اُن اُخروی جنتوں میں جن کے درختوں کے نیچے فرشِ زمین کے اندر محلوں مکانوں کے ساتھ بہت سی نہریں بہتی ہیں، لبنِ سرور، عسلِ شہور۔ ماءِ میرور، شرابِ طہور کی پاکیزہ خوشبودار یعنی دودھ، شہد، پانی اور شرابِ طہور کی ٹھنڈی میٹھی نہریں بہتی ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ وہ کرلیتا ہے جو ارادہ فرمائے اپنے حکم، مشیت، رضا میں حاکمِ مطلق ہے اپنے انبیا کو طاقت، اولیا کو کرامت نافرمانوں کو حقارت دیتا ہے نہ اُس کو کوئی روک سکتا ہے نہ ٹوک سکتا ہے، جس کو وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ کچھ روکنا چاہے تو کوئی دے نہیں سکتا، ہاں اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب بندے اسی سے عرض کرکے اُسی کے دستِ قدرت سے دلوا بھی سکتے ہیں اور رُکوا بھی سکتے ہیں جیسے کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عشرہ مبشرہ کو جنت دلوا دی اور حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے کفار قوم کی زندگی اور مال و دولت عیش و عشرت امیری عیاشی رُکوا دی، اُس اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا صفی و نجی خلیل و ذبیح، کلیم و مسیح، حبیب و نبی بنا لیا، لہٰذا گوش و ہوش سے سُن لے ہر وہ شخص یا گروہ، مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ جو یہ وہم و تصور کئے بیٹھا ہے کہ ہرگز اللہ تعالیٰ اپنے دین یعنی نبی کریم، اسلام، قرآن، اور مسلمانوں کی مدد نہ فرمائے گا دنیا میں نصرت یُسرت شہرت عزت غلبہ قوت کی فتوحات سے اور آخرت میں ثواب درجات عنایات انعامات عطیات کو جنات سے، کفارِ مکہ کبھی آپس میں کبھی راہ چلتے مسافروں سے کہتے تھے اور نو واردوں کو سمجھاتے تھے کہ اسلام کی یہ تہلکہ خیز ٹھاٹ چند دن کی ہے یہ مٹھی بھر مسلمان اسی طرح ہمارے ہاتھوں مصیبتیں پاتے ظلم اُٹھاتے ختم ہوتے چلے جائیں گے، دیکھو اتنے سال اِن کو مکے میں اپنا دین پھیلاتے ہوگئے مگر نہ ان کو عزت ملی نہ دولت اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حق دین نہیں اللہ اِن کی ہرگز مدد نہیں کرے گا اگر یہ سچے ہوتے تو اللہ ان کو ہمارے ہاتھوں سے بچا نہ لیتا، کوئی کافر کہتا کہ میں ایسے خدا سے ڈر نہیں سکتا کہ جو اپنے پیمبر کی حفاظت

کر نہیں سکتا، کوئی کافر کہتا کہ جس خدا کو یہ مسلمان مانتے ہیں وہ تو ہمارے بتوں سے بھی کمزور ہے اسی لیے مسلمانوں کی مدد نہیں کر سکتا (معاذ اللہ) ہمارے دیوتاؤں کی کتنی برکت ہے کہ ہمارے پاس دولت عزت قوت سب کچھ ہے اے ناواقفو تم ہرگز اسلام نہ لانا اور اے نومسلمو تم جلدی سے اسلام چھوڑ دو واپس اپنے دینِ سابقہ میں آجاؤ ورنہ جب یہ دینِ اسلام آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا تو پھر تم اپنی اس جلد بازی بیوقوفی پر پچھتاؤ گے۔ لیکن کفارِ مکہ کے اتنا زور لگانے شور مچانے کے باوجود جب کوئی مسلمان اُن کی بات نہ سنتا اور کوئی بھی آنیوالا، نیا مسلمان بننے والا اُن کی نہ مانتا بلکہ صرف محفلِ پاک میں آکر چہرۂ مقدس دیکھتے ہی قلب و زبان سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ پڑھ لیتا اور دھڑا دھڑ، گروہ در گروہ مسلمان بنتے چلے جاتے کثرتِ اہلِ ایمان ہوتی ہی جاتی- تو غیظ میں جل جاتے بے دینوں کے دل۔ یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اے بدنصیبو نبیِ پاک سے دشمنی رکھنے والو ؛ عداوت میں گھٹ گھٹ کے مرجانے والو تم جیسے ہر شخص کو چاہیے کہ فَلْيَمْدُدْ، اپنی چھت کی طرف سے ایک رسی لٹکا کر اُس میں اپنے گلے کو پھندا لگالے اور سانس گھٹ کر مر جائے اور پہلے سوچ لے کہ کیا یہ حیلہ طریقہ، اللہ تعالیٰ کی اُس مدد کو ختم کر دے گا جس کے جلاپے اور حسد و بغض سے جلا مرا جا رہا ہے اور کیا ہمارے حبیب و محبوب نبی کی عظمت قوت عزت قدرت نصرت ملکیت و شانِ شہنشاہی کو ذرہ بھر منقطع کر سکتا ہے اس کی وضاحت سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۱۹ میں اس طرح فرمائی گئی قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ فرما دو کہ مر جاؤ اپنے غیض و حسد بغض جلن میں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو وہاں اُس آیت میں بھی نبی کریم آقاءِ کُل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے۔ کفارِ مکہ کے حسد بغض کا ذکر ہے کہ تم کافر لوگ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعروں شانوں، نعتوں، جلسوں، جلوسوں چرچوں تذکروں کو دیکھ دیکھ کر عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔ غصے اور جلاپے میں دانتوں سے اپنے پورے کاٹتے ہو۔ حسد و بغض کا یہ سلسلہ شیطانی گروہ میں تا قیامت رہے گا۔ اسی غیظ میں یہ حاسدین مرتے مٹتے رہیں گے۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۔ اور ہم نے اسی طرح جس طرح پہلے آیتِ قرآن ظاہر، نص مفسر محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، الفاظ مقطعات کو اپنے حبیب کے لیے بینات یعنی آسان اور واضح بنا کر نازل فرمائیں۔ آپ کا بقیہ آیات کو اپنے نبی کے لیے فہم و علم میں آسان بینات کی طرح ہی نازل فرمائی ہیں ہمارے

یہ نبی ہمارے تمام کلام کا ایک ایک حرف لفظ، کلمہ، کلام کا منشا معنیٰ، رمز و اسرار سمجھتے ہیں اور ازلی حلاوت سے ہم نے اپنے محبوب کے لیے قرآن مجید کے تمام علوم بیّن یعنی آسان کرکے بتا دئے سکھا دئے یہ قرآن لوگوں کے لیے کلام ہے لیکن محبوب کا معجزہ بھی ہے اِس کے ایک ایک لفظ نقطے، اعراب کا اعجاز ہی بَیِّنَاتِ علومِ نبوت ہے اس حقیقت کا ثبوت واضح ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے، اے انسانو اگر تم چاہتے ہو کہ اس قرآنِ حکیم کی فہم و علم حاصل کرو تو، اُن کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے۔ نبی کے آستانۂ علم و حکمت پر آجاؤ، ان کی زبان خزائنِ علوم کی چابی اور اُن کی احادیث معانیِ قرآن کے خزائن ہیں، مگر بلال بن کر آنا ابوجہل بن کر نہ آنا، دل کا برتن لے کر آنا عقل کی گٹھری لے کر مت آنا، اور یہ بھی یاد رکھو کہ آستانۂ مصطفیٰ تک آنا بھی اللہ تعالیٰ کا کرم اور اُس کی ہدایت ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی اس ہدایت دینے میں بھی صاحبِ اختیار و مالکِ مرضی ہے، جس کا ارادہ فرماتا ہے اُس کو آستانۂ نبوّت کی ہدایت عطا فرما دیتا ہے، اسی کی یہ شانِ بے نیازی ہے کہ حسن از بصرہ بلال از حبش صُہیب از روم کو ہدایت مل گئی۔ مگر ز خاکِ مکہ ابوجہل کو ہدایت نہ ملی۔ مکے کی مٹی سے پیدا ہونے والے ابوجہل کو ہدایت نہ ملی۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ، مِنْ تَحْتِهَا میں تین قول ہیں ۱۔ بعض نے فرمایا کہ جنّت کی سطحِ زمین سے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ قول ہی درست ہے کیونکہ محاورے میں سطح کو ہی زمین کہا جاتا ہے اس کو کھودا جائے تو اس کا نام گڑھا کہا جاتا ہے اور نہر کھود کر ہی بنائی جاتی ہے، جنّت سے مراد زمین اور تَحْتِهَا سے مراد ذرا نیچے ۲۔ بعض نے فرمایا تَحْتِهَا سے مراد شجراتِ زمین سے نیچے یعنی درختوں کے نیچے ۳۔ اور بعض نے فرمایا محلاتِ زمین سے نیچے۔ یعنی جنّت کی نہریں ہر مکان کے آگے اُن کی بالکونیوں چباروں شیڈوں کے نیچے سے گزرتی ہوں گی معنیٰ یہ کہ گھر اونچے نہریں نیچی، جیسے کہ حضرت مریم سے فرمایا گیا تھا تَحْتَكِ سَرِيًّا، جب کہ مریم اونچی جگہ بیٹھی تھیں اور نہر نیچی جگہ جاری ہوگئی تھی مَنْ كَانَ يَظُنُّ میں چار قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ مَنْ سے مراد بنی اسد اور بنی غطفان کا گروہ ہے جیسا کہ شانِ نزول سے ثابت ۲۔ بعض نے کہا مَنْ سے مراد سردارانِ مکہ کا گروہ ۳۔ بعض نے کہا مَنْ سے مراد وہی متزلزل لوگ ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت ۱۱ میں گزرا ۴۔ بعض نے کہا اس سے مراد کچھ جلد باز قسم کے لوگ مسلمان ہیں جو مشرکین کی جلدی ہلاکت کی خواہش کرتے تھے اور غمگین رنجیدگی میں ایسی باتیں کرتے تھے ان کو مایوسانہ باتوں سے جھڑکا اور منع کیا جا رہا ہے۔ يَظُنُّ میں تین قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے وہم کرتے

ہیں ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ خیال وگمان کرتے ہیں ۳ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یقین کرتے ہیں، خیال رہے کہ قلبی اضطرابی حالت کے اندازے کو وہم کہتے ہیں، آثار کے مشاہدات کے اندازے کو گمان وخیال کہتے ہیں، اور کسی حتمی تجربے کی مطابقت کو یقین کہتے ہیں لَنۡ یَّنۡصُرَ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہرگز مدد نہیں کرے گا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ ہرگز رزق عطا نہیں کرے گا لَنۡ یَّنۡصُرَہٗ کی ہٗ ضمیر کے مرجع مراد میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں ۲ بعض نے کہا، اس کا مرجع مَنۡ یَّظُنُّ ہے، یعنی گمان کرنے والا خود اپنے متعلق یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اُس کی مدد نہیں کرے گا۔ اِلَی السَّمَآءِ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اصلی آسمان ہے اور معنیٰ یہ کہ آسمان پر کسی رَسّی کے سبب سے پہنچ جائے ۲ بعض نے کہا کہ آسمان کا لغوی معنیٰ یعنی بلندی مراد ہے جیسے کہ گھر کی چھت وغیرہ جس سے لٹک کر پھندا ڈال مرے۔ ثُمَّ لۡیَقۡطَعۡ۔ میں قرأت اور معنیٰ دو قول ۱ ایک قرأت میں لام امر ساکن ہے ثُمَّ کی میم سے جڑا ہوا کیونکہ ثُمَّ بھی واؤ عاطفہ اور فاءِ عاطفہ کی طرح لام سے جڑ جاتا ہے۔ یہی مشہور قرأت ہے ۲ بعض نے کہا جڑا نہیں ہے بلکہ لام امر مکسور ہے یعنی ثُمَّ لِیَقۡطَعۡ ۳ اس کے معنیٰ میں بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے اپنا گلا گھونٹ کر بند کردے ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی مددِ وعطا کو بند کرسکتا ہے تو کرکے دیکھے فَلۡیَنۡظُرۡ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے آنکھوں سے دیکھے یعنی آسمان پر جاسکے تو جائے اور مدد و رزق وعطا بند کرائے اور دیکھے کہ اُس کا یہ حیلہ اور محنت وہ مدد الٰہی بند کرا سکا جس کے غیظ میں یہ جلا مرا جاتا ہے ۲ بعض نے کہا فَلۡیَنۡظُرۡ کا معنیٰ ہے، تصور کرے یعنی پھانسی لینے سے پہلے یا آسمان کی طرف اُڑان سے پہلے یہ غور و تصور کرے کہ کیا اس کا یہ حیلہ اس کا یہ مَرن بھرت یا خود کشی، بھوک ہڑتال کی دھمکی کارگر ہوسکتی ہے۔ اور اِس پھانسی پاکر مرجانے سے کیا اللہ تعالیٰ کی عطائیں مددیں بند ہو جائیں گی، اِن اختلافی اقوال سے اس آیت کی چھ تفسیریں ہو گئیں، پہلی یہ کہ مَنۡ یَّظُنُّ جو یہ وہم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک کی مدد نہ کرے گا وہ چھت سے رسی باندھ کر پھانسی لے لے، دوم جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کچھ بھی عطا نہ کرے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں وہ کسی سبب سے آسمان پر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بند کرکے دیکھ لے، تفسیرِ سوم، جس کو اپنی بدعقیدگی سے یہ یقین ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دنیا و آخرت میں مدد نہ فرمائے گا، وہ آسمان پر جا کر وحیِ الٰہی کو روک کر دکھائے، چوتھی تفسیر

جو جلد باز لوگ ہر کام میں جلد بازی مچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو دیر لگانے کو نہیں سمجھتے جلدی مایوس و بددل ہو جاتے ہیں وہم کرتے ہیں کہ شاید اب اللہ تعالیٰ مدد نہیں فرمائے گا اور کفار کو سزا نہ دے گا بتانے سمجھانے سے بھی مطمئن نہیں ہوتے ان کا علاج صرف یہی ہے کہ پھانسی لے کر مرجائیں اور غور کریں کہ کیا یہ حیلہ اُن کی آس پوری کر دے گا اور جلد بازی مچانے کا غیظ جاتا رہے گا۔ پنجم۔ جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ مجھ کو دنیا و آخرت میں کوئی رزق یا ثواب نہ دے گا تو پھانسی سے مرجائے پھر دیکھے کہ کیا اس کا مقصد پورا ہوتا ہے یا نہیں، چھٹی تفسیر، جو بدعقل ظاہر بیت دیکھ کر یہ وہم کئے بیٹھا ہے کہ دنیا، آخرت میں اللہ تعالیٰ نہ رزق دے سکتا ہے نہ ثواب لہٰذا مسلمان ہونا عبادت کرنا سب بیکار ہے تو وہ خود آسمانوں پر جا کر اپنا رزق لینے اور فوراً دولت مند بننے کی کوشش کر دیکھے کیا اس حیلہ سازی سے اُس کی غربت ختم ہو جائے گی۔ وَكَذٰلِكَ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح ہم نے موت و حیات قیامت حشر نشر اور ابتدائی زندگی، معدوم سے موجود حیات بعد الموت کے مسائل کے لیے بہت سی بَیِّن واضح دلائل کی آیات نازل کی ہیں اسی طرح تمام قرآنِ مجید بَیِّنَات اور واضح با دلائل آیتوں سے نازل کیا ہے تمام مسائل میں کامل بیان ۲ بعض نے فرمایا اس کا معنیٰ ہے کہ جس طرح ہم نے پندرہ ۱۵ قسم کی آیت وَالفاظِ قرآنی کو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہر طرح آسان کر کے نازل کیا ہے اسی طرح پورا قرآنِ مجید ہم نے اُن کے لیے روشن و آسان کر کے نازل کیا اُن کو ہر ہر لفظ و حرف کا معنیٰ آتا ہے آیتِ مجمل مشکل متشابہ ظاہر نص مفسر ہو یا خفی و مقطعات ہو، وہ سب سے واقف ہیں جبرئیل علیہ السلام ناواقف ہو سکتے ہیں مگر اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ کی شان والا کس طرح ناواقف ہو سکتا ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** یہ بات حقیقتِ ایمانی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہے اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ منع کر سکتا ہے اور جس کو نہ دینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا یہی تعلیم نبوت ہے کہ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ۔ لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں اپنی دعاؤں التجاؤں عرض و معروض کے ذریعے بندوں کو دلوا بھی سکتے ہیں اور رکوا بھی سکتے کفار کی زندگی ختم بھی کروا سکتے ہیں جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے وادی غیر ذی زرع میں تا قیامت ہر قسم کا رزق اپنی فریاد و التجا سے دلوا دیا بلکہ رب تعالیٰ نے طائف کی پوری پھل دار و سرسبز و شاداب پہاڑی کہیں سے اکھیڑ کر وہاں رکھوا دی اسی لیے اس کا نام طائف

ہوا۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے مائدہ دلوایا، موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون و فرعونیوں سے سب کچھ رکوا دیا نوح علیہ السّلام نے اپنی کافر قوم کی زندگی بند کرا دی یہ فائدہ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ کی تفسیر سے حاصل ہوا، دوسرا فائدہ۔ آقائے کائنات نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات صفات، شان، قوت، عزت، رفعت سے کفار اور گمراہوں گستاخوں کو ہمیشہ ہی غم غصہ جلایا حسد وغیظ و طیش ہی رہا اسی میں گھٹ گھٹ کر جئے اور جل جل کر مرتے رہے۔ اور تا قیامت مَنۡ كَانَ يَظُنُّ کا ایک گروہ اِسی کَيۡدُهٗ مَا يَغِيۡظُ کی قلبی روحی بیماری میں مرتے دم تک رہے گا۔ مگر میں اپنے رب کریم کا شکر ادا کروں کہ اُس کا کرم و احسان ہے کہ کسی کے حسد بغض سے ہمارے آقا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ کا ذرّہ بھر کچھ نہیں بگڑتا بلکہ دن رات کا مشاہدہ ہے کہ، یہ سب منع کرنے والے پڑے کریں کاں کاں ؛ پڑھتا ہی جاتا ہے ذکر اس کا تھاں تھاں، نہ نعت خوانی رکی نہ میلاد نہ جلسے نہ جلوس نہ سلام نہ درود حالانکہ یہود ہنود و سعود نے ہر طرح کا دامے درمے قدمے سخنے قانون زورِ حکم و حکومت لگا کر دیکھ لیا، مجھ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ دشمنوں کو اُس گھر کی حکومت ملی ہی اس لیے ہے کہ وہاں بادشاہت کر کے اپنی فوج و سپاہ کا زور لگا کر دیکھ لیں کہ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ مَا يَغِيۡظُ۔ یہ فائدہ، تلمیذ و سبب کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ، خیال رہے کہ علما فقہا کی علمی تقسیم سے قرآن مجید کی انیس قسم کی آیات ہیں ۱ ظاہر ۲ نص ۳ مفسّر ۴ محکم ۵ خفی ۶ مشکل ۷ مجمل ۸ متشابہ ۹ مفصّل ۱۰ مفسّرات ۱۱ مقطّعات ۱۲ قصص ۱۳ وعدے ۱۴ وعیدیں ۱۵ احکام ۱۶ ارشادات ۱۷ دلالات ۱۸ عبادات ۱۹ اقتضاآت یہ تقسیم علماء امّت کے اعتبار سے ہیں کہ اُن کے لیے کچھ مشکل کچھ مجمل تا لکن، مگر آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سب ہی بیّنات ہیں اور پوری تفصیلی معلومات کے ساتھ آسان ہیں اور قابلِ اظہار آیتوں کا احادیث میں اظہار بھی فرما دیا۔ ظاہری شریعت کو علما کے لیے باطنی اسرارِ طریقت کو اولیا صوفیا کے لیے، غرضکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا علمِ قرآنی بے مثل و لاشریک ہے یہ فائدہ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی یہ پورے قرآنِ مجید کی تمام آیات صرف محبوب پاک کے لیے بیّنات ہیں مگر علما فقہا کے لیے تو کچھ مقطّعات کچھ مشکل مجمل، نیز حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی سچی اور مکمل تفسیر تو زبانِ احادیث ہی ہے۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ایمان کے ساتھ

اعمالِ صالحہ بے حد ضروری ہیں کیونکہ ایمان سے جنت ملتی ہے اور اعمالِ صالحہ سے جنت کی نعمتیں ایمانِ صادقہ بھی دو چیزوں کا نام ہے اور اعمالِ صالحہ بھی ایمانِ صادقہ اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السّلام کو اقرار و صدق سے ماننا، اعمالِ صالحہ نام ہے اطاعتِ اقوال اور اتباعِ افعال کا یعنی ہر امت پر اپنے نبی علیہ السّلام کے ہر قولی حکم اور فعلی نقل کو کرنا لازم ہے اطاعت سے بندہ مقبولِ بارگاہِ الٰہی بنتا ہے اور اتباع سے محبوبِ بارگاہِ الٰہی بنتا ہے، مومن پر نبی علیہ السّلام کی اطاعت کی خلاف ورزی جائز نہ اتباع کی جائز، اطاعت کی بھی پانچ قسمیں ۱ فرض ۲ واجب ۳ سنت ۴ نفل ۵ مستحب، اتباع کی بھی یہی پانچ قسمیں ہیں، یہ مسئلہ اٰمَنُوْا کے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ اٰمَنُوْا سے دخولِ جنت کا ذکر ہوا اور عَمِلُوْا میں صٰلِحٰت کی قید لگا کر نبی علیہ السّلام کی اطاعت وَاتباع کا ثبوت ملا، جنت کو جمع فرما کر علاوۂ جنت کے باغوں کا ذکر ہوا، اور نہروں کا ذکر ہوا، اور نہروں کا تذکرہ نعمتوں کا بیان ہے۔ بہرحال ہر مومن پر نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ہر فعلِ مقدس کی اتباع اور شکل وصورت لباس کی نقل لازم ہے اگرچہ وہ فعل شریف عادۃً ہو یا عبادۃً سنتِ مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، صحابہ کرام تو آقاءِ دوعالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی مسکراہٹ کی بھی اتباع کرتے تھے اور اگر کوئی اُس بے موقعہ مسکراہٹ کی وجہ پوچھتا تو فرماتے کہ یہ بات ارشاد فرماتے وقت آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کسی بات پر مسکرائے تھے اس لیے ہم یہ حدیثِ مقدس سناتے وقت مسکراتے ہیں تاکہ اتباعِ پاک کا ثواب ملے۔ ایک بدبخت گمراہ شارح اپنی شرح میں لکھتا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی عملی اتباع ضروری نہیں اس کی یہ شیطانی بات قرآنِ مجید کے خلاف ہے، دوسرا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کی مدد، نصرت، نعمت، برکت، رحمت، شفا اور وعدوں سے مایوس ہونا بدعقیدگی ہے اور یہ بدعقیدگی مشابہ کفر ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے سورۃ یوسف کی آیت ۸۷ میں بزبانِ یعقوب علیہ السّلام ایسی بدظنی کو کافروں کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ یہ مسئلہ مَنْ كَانَ يَظُنُّ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا، اس قسم کی مایوسی سے بہت قسم کی ایمانی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً جلدبازی، شکوک، شبہات، ایمان میں تزلزل تذبذب، اللہ تعالیٰ سے بدگمانی (معاذ اللہ) اعمالِ خیر، عبادت، ریاضت سے دوری بے پرواہی غفلت بے اطمینانی وغیرہ بلکہ آزادی، بے باکی بے غیرتی، تیسرا مسئلہ۔ قرآنِ مجید کے تمام مسائل میں فہم ادراک، تدبر، تفکر، تذکر، حاصل کرنے کے لیے شمع حدیث کی مقدس روشنی ضروری

ہے۔ بعض وہ مفسر جو آیاتِ قرآنی میں تفسیر احادیث کو چھوڑ کر اپنے عقلی تخمینے و اندازے لگاتے پھرتے ہیں اور اپنے اندازوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اگر اُن کے اپنے اس بیہودہ تغیری اندازے کی تردید صحیح حدیثِ مقدس سے بھی ظاہر ہو جائے تو بھی حدیث پاک کو صحیح ماننے کے باوجود اپنے نظریئے کے مقابل حدیثِ مقدس کا انکار کر دیتے ہیں، ایسے مفسر لوگ جاہل و گمراہ ہیں، جیسا کہ موجودہ دور کے ایک اُردو مفسر صاحب جن کو اپنی تفہیم قرآنی پر بڑا ناز ہے اکثر جگہ ایسی ہی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید سے بار بار یہی ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فہم القرآن کی مثل کسی بھی شخص کی فہم نہیں ہو سکتی اور ہر طرح کی صحیح حدیث مقدس کا انکار سراسر فہم نبی کا انکار ہے اور یہی گمراہی کی آخری حد اور بڑی جہالت ہے۔ مخلوق میں صرف نبی علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات ہی وہ ہستی بے مثال ہے جس سے کسی بھی قسم کی غلطی ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں، پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ اکثر آیات میں اور یہاں بھی جنّات۔ جمع فرمایا جاتا ہے اور اُس کے بعد تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فرمایا جاتا ہے حالانکہ جنّت تو ایک مُلک اور علاقے کا نام ہے لہٰذا اس کو واحد ہی فرمانا چاہیئے اسی طرح جنّت میں تو اور بھی بہت سی نعمتیں ہیں مثلاً پھل پھول چشمے وغیرہ مگر زیادہ تر صرف نہروں کا ذکر کیا جاتا ہے ایسا کیوں! جواب دو وجہ سے ایک یہ کہ جنّت تو واقعی ایک علاقے کا نام ہے مگر اُس کی اندرونی کیفیت کا پتہ بتانے کے لیے اندر کے باغات کا ذکر لفظ جمع سے کیا جاتا ہے یعنی علاقۂ جنّت کے اندر بکثرت باغ ہیں، دوسری وجہ یہ کہ علاقۂ جنّت تو سب ایمان والوں کا مشترکہ علاقہ ہے مگر اُس کے باغات ہر جنتی کے درجہ بدرجہ علیحدہ علیحدہ ہوں گے، لہٰذا جہاں جنّت واحد ارشاد ہوا وہاں علاقۂ جنّت کا داخلہ مراد ہوتا ہے۔ انعام کی ملکیت کا پتہ نہیں لگتا، لیکن جنّت جمع بول کر باغات کے انعامات کی ملکیت کا اظہار فرمایا جاتا ہے اسی طرح نہروں کا ذکر کرنے سے جنّت کی تین مثالوں کا اظہار ہوا ۱۔ جنّت کی خوب صورتی ۲۔ جنّت کے چشموں کا اظہار کیونکہ نہریں چشموں سے ہی بنتی ہیں ۳۔ جنّت کی چار غذاؤں کا ذکر، پانی، شہد دودھ، شراب طہور۔ اور باغوں کا ذکر کرنے سے پھلوں پھولوں کا ذکر خود بخود ہو گیا کیونکہ باغ

ہی پھل پھول والے درختوں کا ہے بغیر پھل والے درختوں کا نام جنگل ہوتا ہے نہ کہ باغ۔ نیز جنتی نہروں میں غذائیت بھی بھرپور ہے یعنی ہر نہر پیاس اور بھوک دونوں کے لیے ہے۔ بلکہ دنیا میں بھی بعض پانی ایسے ہیں جس میں مکمل غذائیت ہے جیسے آب زمزم مگر کسی کھانے میں آبیت نہیں، اسی لیے بعض دفعہ صرف پانی یا دودھ، شہد پی کر غذائیت تو حاصل ہو جاتی ہے مگر کبھی بھی صرف کھانا کھا کر بغیر پیئے گذارہ نہیں ہو سکتا، ثابت ہوا کہ پانی دودھ شہد بڑی نعمتیں ہیں۔ بڑی نعمت کے ذکر میں چھوٹی نعمتیں خود بخود آ گئیں، دوسرا اعتراض بیان فرمایا گیا۔ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ جو بھی ارادہ فرماتا ہے وہ ضرور پورا کرتا ہے یعنی اس کے ارادوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ حالانکہ قرآن مجید کی دیگر بہت سی آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ تبدیلی ہو جاتی ہے، مثلاً ذبح اسماعیل کا ارادہ فرمایا مگر پورا نہ کیا، آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ سے روکنے کا ارادہ فرمایا گیا یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔ اسی طرح بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو تبلیغ کے لیے بھیجا مگر وہ قتل کر دیئے گئے تو پھر یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ کا معنی مقصد کیا ہے؟ جواب معترض نے آیت کا معنی غلط کیا۔ آیت کا معنی یہ نہیں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ کام ضرور کر دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا مالک ہے اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے ارادے کے کام بھی چاہے تو کرے نہ کرے ارادہ کر کے چھوڑ دے۔ بغیر ارادے والے کام بھی چاہے کرے چاہے نہ کرے یہاں یُرِیْدُ کا معنی مشیت و چاہت ہے، اور وہ مثالیں جو معترض نے پیش کیں اس کے لیے خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کام دس قسم کے ہیں ۱ ارادے والے ۲ رضا والے ۳ مشیت والے ۴ حکم والے ۵ تدبیر والے ۶ تقدیر والے ۷ حکمت والے ۸ محبت والے ۹ قانون والے ۱۰ قدرت والے۔ ذبح اسماعیل کا صرف حکم تھا وہ بھی صرف امتحاناً ارادہ، رضا، محبت، مشیت کچھ نہ تھی اور حکمت کچھ اور ہی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے شجر ممنوعہ میں ممانعت کی رضا تھی مگر حکمت و مشیت کچھ اور تھی۔ قتل انبیاء پر نہ حکم نہ ارادہ نہ رضا نہ محبت بلکہ تقدیر تھی۔ ہاں البتہ مشیت و حکمت کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا بلکہ ہر ارادے غیر ارادے، رضا غیر رضا محبت تقدیر تدبیر میں حکمت و مشیت موجود ہوتی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَنْزَلْنٰہُ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ۔ جس کا معنی ہے ہم نے تمام قرآن کو بینات بنایا یعنی آسان اور آسان وہ کلام ہوتا ہے جو بغیر غور، فکر، تدبر کی محنت مشقت کے سمجھ آ جائے مگر دوسری جگہ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۸۲ میں ارشاد ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اس آیت میں تدبر فی القرآن کی دعوت دی جا رہی ہے جس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید بہت مشکل ہے اس کے

کے لیے تدبر کی محنت تفکر کی مشقت کرنی پڑے گی تب سمجھ آئے گا اور مشاہدہ بھی ہے کہ علماء فقہا طلبا بڑی محنتوں سے بہت علوم حاصل کرتے ہیں تب اُن کی مدد سے آیت قرآنیہ سمجھ آتی ہیں، تو پھر ان کو بَیِّنَات کیوں فرمایا گیا؟ جواب اس کے دو جواب دئے گئے ہیں، ایک یہ کہ بَیِّنَات کا معنیٰ آسان ہونا نہیں ہے، بلکہ مدلل ہونا ہے، یعنی قرآن مجید کی ہر آیت ہم نے اس طرح مدلل نازل فرمائی جس طرح موت و حیات، حشر نشر، بعثت، قیامت کی آیت مدلل نازل فرمائیں، اور سورۃ نساء کی آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن مجید سمندر عمیق اور بحر بیکراں ہے اس کے دلائل مثل موتی و یاقوت و جواہر ہیں اُن کو نکالنے حاصل کرنے کے لیے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ دوسرا جواب وہ جو ہم نے تفسیر عالمانہ واضح کیا کہ بَیِّنَات کا معنیٰ آسان ہونا ہی ہے مگر ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ صرف اس کے لیے جس کو خود بخود رب تعالیٰ نے اپنے مدرسۂ قدرت میں پڑھایا سکھایا اور وہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اَقدس ہے اُن کو قرآن مجید سمجھنے کے لیے نہ تدبر کی ضرورت نہ غور و تفکر کی حاجت اُن کے لیے قرآن مجید کا کوئی حرف کوئی لفظ نہ مشکل نہ مجمل نہ متشابہ، لیکن دیگر مخلوق انسان، جنات ملائکہ کے لیے یہ سب آیت انتہائی مشکل بجر اتباع نبوت کے بغیر کسی کو بھی سمجھ نہیں آسکتا، خیال رہے کہ یُسر کے معنیٰ بھی آسان ہونا اور بَیِّن کے معنیٰ بھی آسان ہونا مگر چار طرح فرق ہے ۱۔ جو کلام زبان پر آسان ہو وہ یُسر ہے جو فہم میں آسان ہو وہ بَیِّن ہے ۲۔ جو کلام حفظ کرنے میں آسان ہو وہ یُسر ہے جو قلب و سینے میں آسان ہو وہ بَیِّن ہے ۳۔ جس کا ظاہر آسان ہو وہ یُسر ہے اور جس کا باطن آسان ہو وہ بَیِّن ہے ۴۔ جس کلام کے اَلفاظ آسان ہوں وہ یُسر ہے جس کے معانی و اَسرار آسان ہوں وہ بَیِّن ہے۔ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے یُسر بھی ہے بَیِّن بھی لیکن دیگر اشخاص کے لیے صرف یُسر ہے۔ بَیِّن نہیں، اس کو بَیِّن بنانے کے لیے تدبر تفکر اور تعلیم نبوت کی ضرورت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ جو بدقسمت لوگ دین داسلام تلاوت و عبادت مسجد و مصلّٰی جبّہ و دستار کو صرف دنیا سجانے دولت کمانے کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں ان کو فانی عارضی دنیا تو مل جاتی ہے مگر لقاء الٰہی کی باقی دائمی خوشنودی ربانی کی جنت اُن کو نہیں ملتی اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ صرف اُن لوگوں کو داخل فرماتا ہے اَسرارِ معرفت کی جنتوں میں جو توحید کبریائی اور نبوت مصطفائی پر خالص کامل یقینی ایمان لائے

اور اطاعتِ قول واتباعِ فعل سے اچھے اعمال کرتا ہے ان جنتوں کے نیچے شرابِ معرفت آبِ شریعت شہدِ حقیقت لبنِ طریقت کی نہریں بہتی ہیں یعنی آبِ طہور لبنِ سرور شرابِ طہور کی نعمتیں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ عالمِ ناسوت، جبروت لاھوت وملکوت میں جو چاہتا ہے حکمت ومشیت نافذ فرماتا ہے سعادت کے خزانے کی چابی اہل دل کی مقبولیت ہے یہ چابی اس دل میں نہیں رہتی جس میں شک ترددِ ریبیت کا تزلزل یا تذبذب ہو وادیٔ ایمن کی چرواہی تب ہی مراد کو پہنچتی ہے جب کہ چند سال کسی شعیبِ وقت کی خدمت مل جائے مسلمان دو قسم کے ہیں ایک گروہ جو جہادِ اکبر میں مشغول ہے دوم وہ جو جہادِ اصغر میں مشغول ہے۔ پہلا گروہ باہمت لوگوں کا ہے اور طرفِ دین میں ہے دوسرا کمزور ایمان والوں کا علیٰ حرف یعنی کنارۂ لشکر پر اگر ان کی دنیوی مرادیں پوری ہوتی رہیں تو بے فکر سینہ سپر رہتے ہیں، ورنہ پیٹھ توڑ کر مڑ جاتے ہیں اس لیے ان کو دنیا وآخرت کا خسارہ ہے کیونکہ ان پر دنیا میں کفارِ نفس کا غلبہ، اور آخرت میں فتوحاتِ صدر مکاشفاتِ قلب، غنائمِ معانقہ اور وصل کی سعادتوں سے محرومی ہے لہٰذا غلبۂ مطلقہ کی ظفرمندی اور غنیمۂ نافلہ کی فتحمندی نصیب نہیں لیکن جو اہلِ دل مشقتوں پر صبر اور محبتوں پر شکر کرتے ہیں وہی جنتِ ابدی میں داخل کئے جاتے ہیں مبارک ہے عشاقِ غمزدہ کا وقت جو دردِ فراق کا گھونٹ بابار پیتے ہیں خواہ زخم دیکھیں یا مرہم غمِ عشق کتنا ہی کڑوا ہو وہ سانس روک کر پی جانے والے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو صبر اس کی یاد میں ہوتا ہے وہ کڑوا ہی نہیں ہوتا کیونکہ جو دستِ دوست سے ملے وہ شہد سے زیادہ میٹھا ہے ایمانِ ظاہری یعنی خالص تقلیدی اور اعمالِ بے رغبتی والوں کو جنت وصل میں داخل نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو داخل فرمایا جاتا ہے جن کے قلوبِ صالحات پر قلمِ عنایت سے خلوص کا ایمانِ حقیقی لکھ دیا گیا ہے۔ اور لیکن مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سینۂ انسانی میں چار شخص ہیں (۱) مَنْ كَانَ يَظُنُّ، یہ نفسِ خبیث ہے (۲) مَنْ كَانَ يُنْصَرُ۔ یہ قلبِ حفیظ ہے (۳) مَنْ كَانَ يُوَسْوِسُ یہ عقلِ عیار ہے (۴) مَنْ كَانَ يَلْعَبُ۔ یہ طبیعتِ طرار ہے، عیار وطرار میں فرق یہ کہ جو دوسروں کی تخریب میں لگا رہے وہ عیار ہے، جو اپنی تعمیر میں لگا رہے وہ طرار ہے، عیار کو اپنے نفع نقصان بننے یا بگڑنے کا کوئی فکر نہیں ہوتا دوسرے کا بہرحال نقصان چاہتا ہے۔ طرار کو دوسروں کے نفع نقصان بننے بگڑنے کا کوئی خیال وملال

نہیں ہوتا وہ صرف اپنا بھلا چاہتا ہے تو جو شخص بدنِ ایمانی میں یہ تصور لئے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قلب مومن مخلص کی مدد نہ فرمائے گا نہ عالمِ ناسوت میں نہ عالمِ لاہوت و جبروت و ملکوت میں، اس کے لیے ہلاکت نفی ضروری ہے وہ زنّارِ کفر سے بلندیٔ غرور پر نفسِ امّارہ کو ہلاک کر کے چشمِ عبرت سے دیکھے کہ کیا مدعاءِ شر و فساد پورا ہوتا ہے یا نہیں اے عالمِ ناسوت یعنی دنیا کے باشندو! زمینِ قالب میں فساد مچانے والو ہم نے اس قرآن مجید کو اس طرح ظاہر و باطن میں عبرت کے لیے بیّن نشانیاں نازل فرمایا ہے جس طرح فناء بقا کو عبرت کا ایک نشان بنایا، مگر راہِ معرفت و منزلِ حقیقت کی طرف اس خوش بخت کو ہدایتِ کاملہ اور توفیقِ عاجلہ نصیب ہوتی ہے جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ تعالیٰ فرما لیتا ہے۔ اس کے ارادے کے بغیر کوئی کسی کو ہدایت قرب نہیں دے سکتا نہ یہ ہدایت پا لینا اپنا کسب کمال ہے، اس ذات جلّ مجدہٗ کی توفیقِ کرم دستگیر ہو تو کائنات کے ہر ذرے میں بندے کی ہدایت موجود و موجزن ہے لیکن اگر اس کی توفیق و حمایت نہ ملے تو قرآنِ مجید بھی ہدایت نہیں دیتا بلکہ دُور کار دیتا ہے، اور بندہ کہتا ہے

سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ۔۔۔ ذرا سی جھاتی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

اسی لیے ذی عقل اور سعادت مندوں کا طریقہ یہ ہی ہوتا ہے کہ، دُد دُو کریں سہیلیاں میں مُڑ مُڑ دیکھوں توئے اہل اللہ جانتے ہیں کہ میری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے۔ قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو آستانہء مصطفیٰ کی ہدایت مل گئی اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔ ہر بندے کو دنیا میں چار رستے ملتے ہیں ۱۔ راہِ سعادت ۲۔ راہِ عبادت ۳۔ راہِ شہادت ۴۔ اور راہِ خباثت۔ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ کا یہی آخری راستہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

بے شک وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے اور وہ لوگ جو یہودی ہی رہے اور

بے شک ۔۔۔ مسلمان ۔۔۔ اور ۔۔۔ یہودی ۔۔۔ اور

وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ

ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی ہیں

ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی عبادت میں شریک بنا لیے بیشک اللہ فاصلہ کردیگا

اور مشرک ۔ بے شک اللہ ان سب میں قیامت کے

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

ان کے درمیان قیامت کے دن کیونکہ بے شک اللہ ہر چیز پر

دن فیصلہ کر دے گا بے شک ہر چیز اللہ

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ

مشاہدہ فرمانے والا ہے ، اے نبی کیا نہیں دیکھا تم نے اس چیز کو کہ بے شک اللہ سجدہ کرتے ہیں

کے سامنے ہے ، کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں

لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اسی کو تمام وہ جو سب آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو پوری زمین میں ہیں

وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

اور سورج اور چاند اور تمام ستارے اور تمام پہاڑ

اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ

وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ

اور سب درخت اور تمام جانور اور بہت سارے انسانوں میں سے بھی

اور درخت اور چوپائے اور بہت آدمی

وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُّهِنِ

اور بہت کچھ لوگ وہ ہیں کہ واجب ہو گیا ان پر بڑا عذاب، اور وہ شخص جس کو رسوا کرے

اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا، اور جسے

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

اللہ تو نہیں ہے اس کے لیے کوئی بھی عزت دینے والا بے شک اللہ کرتا ہے

اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ

مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ السجدۃ

جو چاہتا ہے۔

جو چاہے کرے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق، پچھلی آیت میں بہت دور سے دنیا کے اچھے برے لوگوں کی مذہبی قسمیں اور ان کی دنیوی اُخروی جزا سزا کا ذکر ہوتا چلا آرہا تھا۔ اب ان آیت میں مختلف قسم کے کفار کا نام بنام ذکر فرمایا جا رہا ہے تاکہ مزید شناخت ہو جائے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں لوگوں کی دنیوی زندگی کی کیفیت کا ذکر فرمایا گیا کہ یہاں پتے جھوٹے اور کھرے کھوٹے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت میں سب اچھے برے میں فاصلہ اور چھانٹ کر دی جائیگی۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منکروں کا ذکر ہوا اب ان آیت میں اس مخلوق کا ذکر ہو رہا ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔

تفسیر نحوی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ اِنَّ حرف مشبہ اَلَّذِيْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی

مطلق جمع مذکر غائب اِیْمَانٌ مصدر سے مشتق ہے اور ایمانٌ اَمْنٌ سے مشتق ہے دونوں متعدی ہیں بمعنی ایمان لانا، مان لینا یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر هَادُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق دراصل هَادَوُوْا تھا جمع مذکر غائب هُوْدٌ سے مشتق ہے یہ مادہ مصدر مصنوعی ہے کیونکہ لفظ یہود کو بگاڑ کر بنایا گیا ترجمہ ہے یہودی ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ الصَّابِئِیْنَ یہ عبرانی لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے بہت سی چیزوں کا مرغوبہ (ملکچر)، چونکہ یہ لوگ یہودی عیسائی اور مشرک لوگوں کے عقائد پر عامل تھے کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے اور نیا دین بنا لیا اس لیے ان کو صابی کہا گیا اس کی جمع ہے صابئین یہ جمع عربی ہے بعض نے اس کا ترجمہ کیا بے دین کیونکہ ان کے دین کی ایسی کھچڑی ہوتی ہے کہ ہر دین والا ان کو بے دین سمجھتا ہے ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے صَبُوٌّ سے مشتق اسم فاعل جمع مذکر اس کا صَابِی ہے یا صَبْئَۃٌ سے مشتق ہے بمعنی ستاروں کا طلوع ہونا، چونکہ یہ ستارہ پرست بھی تھے اس لیے ان کو یہ نام دیا گیا، ایک قول میں یہ صَبْغٌ سے مشتق صَابِغِیْ تھا یہ دن میں ہر تین گھنٹے بعد نہاتے اور ماتھے ہاتھوں پیروں پر پیلا اور سرخ رنگ ملتے ہیں اس لیے ان کا نام صابغی پھر صابی ہوا آج بھی ہندوؤں میں یہ فرقہ موجود ہے بحالت نصب ہے اَلَّذِیْنَ اسم اِنَّ کی وجہ سے یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمَجُوْسَ، یہ عجمی (غیر عربی) لفظ ہے بانی اس مذہب کا زرد شت تھا اس کا اصل بانی مجوس نامی تھا، یہ دو خدا کے قائل تھے اس مذہب کا وطن ایران تھا، ایک خدا روشنی اور دوسرا اندھیرا دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں روشنی کا خدا آگ میں رہتا ہے، اس لیے یہ آگ کے پجاری تھے، ایک قول میں لفظ عربی ہے اور مجوسی کی جمع ہے، معطوف ہے یہ چاروں هَادُوْا صَابِئِیْنَ نَصٰرٰی مَجُوْسَ معطوف علیہ معطوف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول، اَشْرَكُوْا باب افعال کا ماضی جمع مذکر مصدر ہے اِشْرَاكٌ شِرْكٌ سے بنا ہے بمعنی حق و باطل کو ایک جیسا اچھا و سچا سمجھنا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی ماننا، یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا پہلے اَلَّذِیْنَ پر سب عطف مل کر اسم اِنَّ ہوا، اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم یَفْصِلُ باب ضرب کا مضارع مستقبل فَصْلٌ سے بنا ہے بمعنی جدا کرنا فاصلہ کرنا، یہ فعل با فاعل ہے بَیْنَهُمْ مرکب اضافی ظرف ہے یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے، اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ

اس کا اسم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے شَہِیْدٌ بروزن فَعِیْلٌ اسم صفت مشبہ واحد مذکر غائب شُھُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی حاضر و ناظر ہونا، مشاہدہ کرتا یہ اسم فاعل صفت مشبہ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ اور یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے یَفْصِلُ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے پہلے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ۔ اَ حرف ہمزہ سوالیہ لَمْ تَرَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر حاضر معروف بمعنٰی ماضی رَاْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی دیکھنا، نَظْرٌ اور رَاْیٌ میں یہ فرق ہے کہ رَاْیٌ آنکھ دل دماغ سے بغور دیکھنا اور نظر آنکھ سے دیکھنا غور ہو یا نہ ہو۔ اصل میں تھا تَرٰی لَمْ جازمہ کی وجہ سے آخر کی یٰ گر گئی لَمْ تَرَ رہ گیا اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے مرجع ہے آقائے کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیونکہ یہ خطاب نبی کریم کو ہی ہو سکتا ہے صرف وہی کائنات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اَنَّ حرف مشبہ اللہ اس کا اسم یَسْجُدُ باب نَصَرَ کا مضارع حال واحد مذکر غائب سُجُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی زمین پر سر اور پیشانی رکھنا لَهٗ جار مجرور متعلق ہے فعل کا مَنْ اسم موصول فِی السَّمٰوٰتِ اسم معرف جمع مؤنث سالم بمعنٰی تمام آسمان یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ فِی الْاَرْضِ یہ سب موصول صلہ میں ہو کر معطوف ہے یہ دونوں عطف پھر معطوف اَلشَّمْسُ اور اَلْقَمَرُ اور اَلنُّجُوْمُ اور اَلشَّجَرُ یہ سب آپس میں عطف ہو کر معطوف علیہ ہوا اَلشَّمْسُ بمعنٰی سورج قمر بمعنٰی چاند لغوی ترجمہ ہے غالب آنا، جوئے کھیلنے کو بھی قمار اور قمار کہتے ہیں کہ اس میں غلبے کا ارادہ یا حصول ہوتا ہے مطلقاً ہر چاند کو (پورے ماہ کا) قمر کہا جاتا ہے بعض نے تیسری کے بعد اسے چاند کو قمر کہا تاریخوں کے اعتبار سے چاند کے تین نام ہیں ۱۔ ھلال ۲۔ بدر ۳۔ قمر کی یا بحوم۔ جمع ہے نجم کی بمعنٰی ستارے جبال جمع مکسر ہے جبل کی شجر اسم واحد مذکر اسم جنس مراد ہیں تمام درخت اس کی لفظی جمع ہے اَشْجَارٌ۔ اَلدَّوَآبُّ اسم جمع مکسر ہے دَآبَّةٌ کی بمعنٰی زمین پر چلنے والا۔ پیروں سے یا رینگ کر ہر جاندار کے لیے یہاں مراد صرف زمینی حیوانات ہیں ایک قول میں سمندری مخلوق

بھی اس میں شامل مگر صحیح یہ ہے سمندری مخلوق مَنْ فِی الْاَرْضِ میں شامل ہو گئی دَبٌّ سے بنا ہے بمعنی زمین اکھیڑنا، رگڑنا، واؤ عاطفہ کَثِیْرٌ باب کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ مِنَ النَّاسِ مِنْ جارہ بعضیت کا یہ جار مجرور متعلق ہے کَثِیْرٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا، سب معطوف مل کر فاعل ہے یَسْجُدُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ حرف کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سے جملہ کَثِیْرٌ مبتدا، حَقَّ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب حَقٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی سچا ہونا۔ لازم ہونا یہاں اسی معنی میں ہے عَلَیْہِ یہ مجرور متعلق ہے ہ ضمیر کی مرجع کَثِیْرٌ ہے یہ کَثِیْرٌ اپنے صیغے کے اعتبار سے واحد مذکر ہے اس لیے ضمیر واحد آئی ہے اگرچہ معنًا جمع یعنی چند افراد مراد ہے اَلْعَذَابُ اسم مفرد معرفہ بمعنی اخروی سزا یہ فاعل ہے حَقَّ فعل فاعل متعلق سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کَثِیْرٌ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خیال رہے کہ یہاں پہلے کَثِیْرٌ سے کثرت اضافی مراد ہے یعنی بہت سارے لوگ اور دوسرے کَثِیْرٌ سے کثرت حقیقی مراد ہے یعنی کچھ لوگ چند لوگ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ واؤ سے جملہ مَنْ شرطیہ موصولہ یُهِنِ باب افعال کا فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِهَانَۃٌ هَیْنٌ سے مشتق ہے تعلیل نحوی سے پہلے اِهْیَانٌ تھا، ترجمہ ہے اہانت کرنا ذلیل و رسوا کرنا۔ یُهِنِ اصل میں یُهِیْنُ تھا مَنْ شرطیہ نے جزم دیا آخر کی نون ساکن ہوئی تو یٰ ساکن گر گئی پھر نون کو وصل مابعد کی وجہ سے کسرہ (زیر) آیا۔ اللّٰہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ جزائیہ مَا حرف مشبہ بلَیْسَ نفی کے لیے لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر اسم مَا کا۔ مِنْ جارہ زائدہ مُكْرِمٍ اسم فاعل ایک قول میں مُكْرَمٍ اسم مفعول ہے ایک قرأت میں مُكْرَمٍ مصدر میمی باب افعال کا مصدر ہے اِكْرَامٌ بمعنی تعظیم کرنا عزت کرنا دینا۔ کَرَمٌ سے مشتق ہے یہاں غیر عامل ہے مجرور ہو کر متعلق ہے کَائِنًا پوشیدہ اسم فاعل کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ مشبہ بلَیْسَ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اس کا اسم یَفْعَلُ فعل مضارع حال با فاعل پوشیدہ کا اسم موصول بمعنی جو کچھ یَشَآءُ باب فَتَحَ کا مضارع حال شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا، یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَفْعَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ بے شک وہ خوش نصیب لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ارادے میں منتخب ہو کر یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ کے گروہ سعید میں داخل کر دیئے گئے اور آستانۂ نبوت سے رب تعالیٰ کی ہدایت دے کر صدق قلبی، اقرار لسانی اور اظہار عملی سے سچے اچھے پکے مخلص مومن بنے رہے اور وہ لوگ جو یہودی دین والے ہوئے اور وہ لوگ اچھے سچے دین کو چھوڑ کر صابئی والے دین بن گئے اور وہ لوگ جو پہلی سچی عیسائیت چھوڑ کر بے دین گمراہ نصارٰی بن گئے اور وہ لوگ جنہوں نے مجوس وزرتشت کا مجوسی آتش پرستی کا دین اختیار کر لیا۔ اور وہ لوگ جو مورتیوں بتوں فوٹو تصویروں کو پوجکر شرکیہ دین بنا کر مشرک بن گئے بتوں کو معبودیت میں شریک مان لیا ان سب کا فیصلہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ کیونکہ دنیا میں تو ہر دین والا خود کو اور اپنے دین کو سچا اور صحیح سمجھتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں سچے جھوٹے کی کچھ علامات ظاہر ہیں جن کو اہل عقل سلیم ہی پہچانتے اور مانتے ہیں، مگر دنیا میں حالات ومقامات سے تفریق نہیں ہے۔ یہ تفریق اس فیصلۂ کبریا سے ہوگی جو بے شک یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا ان تمام سچوں جھوٹوں متذبذبوں اور متزلزلوں، کافروں مومنوں کے درمیان، اور نیکوں بروں کو انکا انجام سنایا جائے گا، اس طرح کہ ثواب عقاب، عتاب مقرر کر کے مقامات اور حالات میں سب علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ اہل ایمان متقین کو ثواب جنت اہل کفر کو عذاب جہنم، بروں کو سزا وعتاب کے متفرق مقامات دے کر فیصلہ ہوگا، چونکہ یہ فیصلہ دنیوی زندگی میں نہیں ہو سکتا، دنیا اپنی علاقائی اور عمری حیثیت میں بہت چھوٹی اور تھوڑی ہے، ایمان کا کفر دفیق بہت بڑے جرائم ہیں اس لیے ان کے بدلے کے لیے علاقہ وزمانۂ آخرت ہی مناسب وبرابر ہے۔ اور مکمل وپائیدار فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ فرما سکتا ہے۔ اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر ہر وقت ہر طرح، ہمیشہ تک مشاہدہ فرمانے والا ہے، ہر ذرے کی ہر حالت، کیفیت، نیت، عمل، کردار افعال سے واقف ہے، اسی لیے اس کے کسی فیصلے میں نہ حیف ہوتا ہے نہ حیفٌ توقف نہ تاسف۔

دنیا کے دینوں کی مختصر تشریح محققین فرماتے ہیں، اشارات قرآن مجید اور بیانات احادیث

سے ثابت ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے ایمانِ برحق کا دین آیا یہ دینِ برحق رب تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے بھیجا دینِ حق کے بنیادی اُصول و قواعد توحید و رسالت کو ماننا ہے۔ جو بندہ ان دونوں چیزوں کو ان کی تمام فروعات کبیرہ و صغیرہ کے ساتھ دل کی تصدیق زبان کی تقریر اور اعضا کی تعمیل سے مانیگا وہ ہی مخلص مومن متقی ہے تصدیق قلبی سے بندہ مخلص بنتا ہے۔ اقرارِ لسانی سے مومن اور اعمالِ اعضائی سے متقی بنتا ہے دینِ باری تعالیٰ بذریعہ آدم نبی اللہ دنیا میں بھیجا گیا، پھر دنیا میں ابلیس کی پہلی حرکتوں سے انسانوں میں فسق و گناہ شروع ہوا سب سے پہلے خود ابلیس نے فسق کیا چنانچہ سورۃ کہف آیت نمبر ۵۰ میں ارشاد ہے فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ۔ پھر سب سے پہلے انسانوں میں قابیل نے فسق کیا، خیال رہے کہ فسقِ صغیرہ پر اصرار یعنی ضد اور ہمیشگی کی جائے تو وہ فسق کبیرہ بن جاتا ہے اور اگر فسق کبیرہ پر ضد اور ہمیشگی کی جائے تو وہ کفر بن جاتا ہے۔ فسق صغیرہ کرنے والا شخص فاسق ہے۔ فسق کبیرہ کرنے والا فاسقِ مُعلن ہے اور کفر کرنے والا کافر ہے، جب ابلیس نے اپنے فسق پر ضد اور تعصب برتا تو۔ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ کافروں میں سے ہو گیا۔ (سورۃ بقرہ آیت ۳۴) اور جب قابیل نے اپنے فسق کبیرہ پر ضد اور تعصب کیا تو وہ بھی کافر ہو گیا، دنیوی زندگی میں اپنی من مرضی کرنی فسق ہے اور نافرمانی کرنی کفر ہے یعنی خلافِ شریعت اپنی مرضی کے رسم و رواج اعمال اخلاق قائم کرنے اور ان کو صوفی ازم کا نام دیدینا جس طرح ترکیہ کے بعض پیروں نے اختیار کر لیے ہیں یہ سب فسق و گمراہی ہے، اگر نبی علیہ السلام کی زبانِ اقدس یا پیغامِ مقدس سے اُن رسم و رواج کی ظاہراً ممانعت ثابت ہو مگر فاسق شخص پھر بھی اُس کو نہ مانے تو وہ کافر ہو گا۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اعمال اخلاق طریقوں و اقوال تعلیمات تبلیغات کلمات کو ماننا ہی دینِ برحق اور فرمانِ الٰہی ہے اس کے علاوہ سب اخلاقیات نظریات رسمیات رواجیات اور دین شیطانی ہیں شیطان ابلیس نے پانچ دین دنیا میں رائج کئے پہلے دینِ شرک پھر ۲ دینِ مجوس پھر ۳ دین یہود، پھر ۴ دین صابی پھر ۵ دین نصاریٰ بہ ہی بڑے اور مشہور ہوئے باقی ادیانِ باطلہ ان کی ہی چھوٹی بڑی تقریباً اٹھتیس ۳۸ شاخیں ہیں جو تاریخِ عالم میں بنتی بگڑتی مٹتی فنا و نیست و نابود ہوتی رہیں اور ہوتی رہتی ہیں، ان پانچ باطل دینوں میں سب سے پہلے ابلیس نے شرک ایجاد کیا۔ شرک کا تعارف اور اس کی قسمیں: شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی معبود سمجھا جائے اور کسی غیر اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے

کے ساتھ غیر اللہ کی بھی بندگی عبادت کی جائے ، ابلیس نے سب سے پہلے اپنی عبادت کرائی اِس
شرک میں کچھ جنات اور کچھ انسان شامل ہوئے یہ فرقہ قابیل کی اولاد سے شروع ہوا، اور آج
تک ہندوستان کے بعض علاقوں میں موجود ہے جو ابلیس کے تصوراتی فوٹو، تصویر، اور مورتی
کو سامنے رکھ کر سجدہ کرتے ہیں مصر میں اُس کا نام خالقِ شر، ایران میں اَھرمَن ہندوستان
میں کال وَ قحط کا دیوتا رکھا گیا ہے ، پھر ابلیس نے نیک لوگوں کی فوٹو تصویریں ایجاد کر کے
اُن کی پرستش کرائی ، اِس شرکیہ دین کی ابتدا ادریس علیہ السّلام یا شیث علیہ السّلام کے
زمانے سے ہوئی اور نوح علیہ السّلام کے زمانے میں عروج کو پہنچی، اُس زمانے میں انسانوں
نے خود مصوری اور دستکاری کر کے فوٹو اور بُت بنانے شروع کر دئے ، پھر اسی شرک میں
کچھ فرقوں نے زندہ انسانوں کو الٰہ بنا لیا ، اور سجدۂ تعظیمی شروع ہو گئے ، زندہ انسانوں کو
تعظیمی سجدے کی ابتدا نمرود سے شروع ہوئی، آج کل بُت پرستی کا مرکز صرف ہندوستان ہے
ہندوستان میں دو جگہ سے شرک آیا ، ایران اور مصر سے ، ایران سے آریہ مذہب ، آتش پرستی
شیطان پرستی آئی ، اور مصر سے ستارہ پرستی یعنی کواکب چاند سورج کی بلا واسطہ یا ان
ستاروں کی اور سیاروں کی مورتیں بنا کر ، بابل سے مصر میں اور مصر سے ہندوستان میں
اب بحمدہٖ تعالیٰ فتوحاتِ فاروقی سے وہ علاقے تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو کر اسلامی
ریاستیں بن گئیں ، مگر ہر قسم کے شرک کا گہوارہ اب صرف ہندوستان ہے یا مضافاتِ ہند
تبت وغیرہ ، ہندو قوم ہر قسم کے شرک میں مبتلا ہے یہ بُت پرست بھی ہے آتش، سورج چاند
ستارہ ، حیوانات ، شجرات ، حجرات ، آبیات پرست بھی ، کوئی فرقہ کواکب سیارگان کا پجاری
اور کوئی فرقہ کواکب ثابتان کا ، سیاروں میں سب سے بڑا دیوتا سورج اور ثابتان میں سب
سے بڑا دیوتا قطب ستارہ سمجھا جاتا ہے ، سیاروں کے پجاری سیاروں کی تعظیم کرتے ہیں
ان کی طرف پیر نہیں کرتے تھوکتے نہیں ، سورج کو دن میں طلوع کے وقت اور ستاروں کو ہر
رات میں چاند کو بارھویں تیرھویں چودھویں پندرہ سترہ تاریخوں میں رات کو سجدہ کرتے
ہیں ، ثابتان کے پجاری قطب ستارے کی تعظیم کرتے ہیں اُس کی طرف تھوکتے نہیں پیر
نہیں کرتے ، اور جب نظر آئے تو ایک سجدہ کرتے ہیں ۔ بعض جاہل مسلمان بھی قطب تارے
کی طرف پیر کر کے نہیں لیٹتے یہ شرکیہ رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے ، غرضکہ بُت پرستی دس
قسم کی ہوئی ۱ شخصیات پرستی مورتی بنا کر ۲ بناوٹی تصوراتی شخصیات کے تخیلاتی بت

بناکر ۳ سیارہ ستاروں کی ۴ قائم اور ایک جگہ منجمد یا غیر سیارہ ستاروں کی ۵ آتش پرستی ۶ زندہ انسان پرستی ۷ قوت اور مادہ پرستی، ہر قوی اور دہشت ناک کے آگے سجدہ کر دیا ۸ فائدہ پرستی، جس میں ذرہ فائدہ دیکھا اس کو معبود بنا لیا اسی لیے ہندو لوگ جانوروں میں گائے، بندر، چوہوں کو اور درختوں میں، املی، پیپل، اور تلسی کے پودوں کو پوجتے ہیں ۹ حسن پرستی جس خوب صورت پھول پودے، رنگ چمک، روشنی کو دیکھا معبود بنا لیا ۱۰ نقصان اور خوف پرستی جس کیڑے مکوڑے، جانور، درندے نے حیبت ناکی اور نقصان پھیلایا ایسے ہی موسم پرستی کہ جس موسم نے کچھ اپنا رنگ دکھایا ہندو نے اس کو اپنا معبود بنا لیا۔ پہلے زمانوں میں شخصیات کے بت ومورتی عرب میں لات ومنات، عزیٰ اور اب ھندوؤں میں، رام، لکشمن، کرشن یہ شخصیاتی بت ہیں اور گنیش، ھنومان، سورج دیوتا، چندرمان دیوی، آگنی دیوی، طوفان دیوتا، کالی آندھی دیوی لکشمی دیوی، شانتی دیوتا، گاؤماتا، دھرتی ماتا، کالی ماتا، ناگ دیوتا، شیر کو باگھ دیوتا وغیرہ عرب میں تخیلاتی بت جیسے، یعوق، وَدّ، سواع، یغوث، نسر، زندہ انسانوں میں جیسے نمرود فرعون پہلے، اور اب ھند میں پنڈت پروہت گرو، قرآن پاک میں ان سب شرکیات کو بت پرستی اور کواکب پرستی فرمایا گیا ہے، اس بت پرستی کے بعد ابلیس نے مجوسیت پھیلائی۔

دینِ مجوسیت کا نام وشناخت واقسام۔ یہ دین طوفانِ نوحی بلکہ وفاتِ نوح علیہ السلام کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی بعثت یا ولادت سے تقریبًا پانچ سو سال پہلے یافث کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوا جس کے پیدائشی بہت چھوٹے چھوٹے کان اور کانوں تک لمبے بال تھے اس وجہ سے اس کا نام۔ میخ گوش رکھا گیا یعنی چھوٹے کانوں والا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کا نام موگوش رکھا گیا یعنی لمبے بالوں والا کانونک، یہی لفظ میخ گوش یا موگوش عربی میں معرب ہوکر اولاً۔ میخ جوس یا موجوس ہوا پھر استعمالِ زبانی کلامی میں مجوس ہوا، اس نے بڑا ہوکر اپنے آپ کو پیغمبرِ آسمانی یعنی اوتار کہنا شروع کر دیا۔ اور آگ کو مظہر الٰہی قرار دیا، اولاً ضرورتِ موسمی کے تحت ہر ایک سے آگ اور ایندھن منگواتا جس سے یہ لوگوں میں آگ والا نبی مشہور ہوگیا اس کے عقیدت مند اس کے پاس عقیدت سے آگ لاتے جلاتے اور تبرکًا اس کی بھٹی سے اپنے گھروں کو آگ لے جاتے اس طرح اس کی آگ اور اس گھر بلو چولہے و آتش کدے کا چرچہ شروع ہوا، ہر وقت اس کا یہ چولہا جلتا اور سلگتا رہتا، اس چرچہ سے اس نے آگ کی تعریفیں شروع کر دیں یہاں تک آگ کو روشنی کا خالق کہنا شروع کر دیا اور اندھیرے کو

خالق ظلمت اس طرح اِس کے دین کا بنیادی عقیدہ دو خالق ماننا ہوا دن کی آگ کا نام آتش نور اور رات کی آگ کا نام آتشِ ظلمت رکھا گیا، آگ کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیا گیا۔ یہی اُن کے لیے نیکی کا خالق منصور ہوا، ظلمت کو بدی کا خالق سمجھا گیا، انہوں نے اپنی عبادت کے لیے بدھ کا دن مقرر کر لیا صبح کی آگ کو صبح اور دوپہر پوجتے اور نار لیل کو شام اور آدھی رات کو پوجتے، جب شعلے بلند ہوتے تو پوجا کی جاتی انگاروں کی عبادت نہیں کرتے۔ شعلوں کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ خالق جاگ رہا ہے، انگاروں کے متعلق عقیدہ ہے کہ خالق آرام کر رہا ہے سو رہا ہے۔ اُس وقت پوجا منع ہے کہ خالق کو بے آرام مت کرو اس سب آگ کے لیے ایک ہی آتش کدہ ہوتا، صرف ایندھن بدلتا۔ دن میں خوشبو دار لکڑیاں جلائی جاتیں رات میں عام لکڑیاں، صندل کی لکڑی سے ابتدا کی جاتی پھر عام لکڑیاں اس خدا کو زندہ رکھنے کے لیے ڈالی جاتیں، اور اُس کو خدا کا کھانا کہا جاتا۔ یہ مجوس بابل کا رہنے والا تھا، پھر یہ مذہب ایران میں آیا اور اس کا نام گبر، رکھا گیا۔ اوّلاً یہ عوامی مذہب رہا پھر گستاشپ بادشاہ مجوسی نے اُس کو قانونی اور حکومت کا مذہب بنایا، اس بادشاہ کے ایک بڑے وزیر زرتشت ابن پروشاکھیانے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا زرتشت کا زمانہ قبل مسیح چھ سو سال ہے ۶۶۰ ق م زرتشت نے ایک بڑا آتش کدہ بنوایا جو ہزار سال تک جلتا رہا اور آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میلادِ پاک کے وقت ایک دم مکمل بجھ گیا اور ہزار کوشش کے باوجود نہ جل سکا یہ سب سے پہلا بڑا آتشکدہ تھا اس کا نام آزرِ زرتشت تھا زرتشت اپنی قوم سے صفیں بندھوا کر آگ کی عبادت کراتا خود امام بنتا، بڑا دن بدھ ہی مقرر تھا، بدھ کی رات سے عبادت شروع ہوتی، پہلے بوقتِ شام پھر آدھی رات پھر بدھ کی صبح پھر دوپہر ان کی عبادت کا طریقہ پہلے سجدہ چند منٹ پھر کھڑے ہاتھ باندھے ہوئے دعا، پڑھنا، یہ سب اوقات و طریقے بانی مذہب مجوس نے جاری کئے تھے جو اب تک جاری ہیں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ، زرتشت ابن پروشاکھیا ایک سو سال زندہ رہا پھر اس کے مرنے کے بعد گستاشپ بادشاہ نے اپنے علاقے بلخ میں ایک دوسرا آتشکدہ بنوایا جس کا نام آزرِ گستاشپ رکھا گیا مگر جو شہرت اور دراز مدت زرتشتی آتش کدے کو ملی وہ کسی اور آتش کدے کو نہ ملی، زرتشت نے ایک مذہبی کتاب بھی بنائی جس کا نام آرتھا، رکھا، مذہبِ مجوسی میں کچھ زیادتیاں اور پابندیاں شامل کیں۔ اسی وجہ سے اس کو بانی

دوم کہا جاتا ہے۔ اہل عرب نے اس دین کا نام مجوسی دین رکھا اب مجوسی پوری قوم کا نام ہے ایک مرد کو مجوسی عورت کو مجوسیہ۔ قدیم روما کے علاقہ ھیٹا میں اس کو خوب قوت و شہرت ملی پھر قدیم سائبیریا میں پھر وہاں سے امریکہ کے جزیرے میکسیکو میں پھیلا، اس کا تیسرا بانی مہبراک بنیس ہے یہ دو سو سال قبل مسیح ہوا، ان کے مندر کی شکل ایک بڑا کمرہ جس کے چار کونوں میں چھت پر چار مینارے ہوتے ہیں وہ چمنی کا بھی کام دیتے ہیں ان کے آتش کدوں کا نام آزر ہوتا ہے اور پورے معبد کا نام مندر ہوتا تھا اب ہند میں مندر ہوا۔ تاریخ میں اب تک بڑے مجوزہ آتشکدے سولہ عدد مشہور ہوئے ۱ ایران میں آزر زرتشت ۲ آزر گشتاسپ بلخ میں ۳ آزر آبتین ۴ آزر برزین ۵ آزر خروبن ۶ آزر فریدون یہ تینوں علاقہ طوس میں ۷ بخارا میں آزر بردسون ۸ آزر بہمن سجستان میں ۹ اصفہان آزر قبادان ۱۰ چین آزر کیخسرو ۱۱ آزر بارجان فارس میں ۱۲ آزر بلبان خوارزم میں ۱۳ آزر آفراسیاب کارشان میں ۱۴ آزر نوشیروان روم میں ۱۵ آزر شاپوران آزد شیر قسطنطنیہ میں ۱۶ آزر بوران بنت کسرای بمبئی انڈیا میں مجوسی دین میں آگ کی پوجا تین وجہ سے کی جاتی ہے ۱ آگ کائنات میں سب سے بڑی قوت ہے، ہر جگہ موجود ہے ۲ یہ دوزخ کی آگ سے بچائیگی ۳ باقی آشیا کی اسی سے تخلیق ہے یہ مظہر خدا ہے حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔

مجوس کا مذہبی لباس و حلیہ۔ یہ لوگ مذہبی حکم سے داڑھی منڈاتے ہیں، مونچھیں بڑی رکھتے ہیں سر کے بال کانوں تک لمبے اور ننگے سر رہتے ہیں، لمبا گون، اور کمر پر سرخ یا پیلا پٹکا باندھتے ہیں عربی میں جس کو زنار کہا جاتا ہے پیلے رنگ کی تعظیم کرتے ہیں (از انسائیکلو پیڈیا، تاریخ ادیان، تفسیر روح المعانی)

یہودی مذہب کا مختصر تعارف لفظ یہود، ھُوْدٌ یا فعل ھَادُوْ سے نکلا ہے، اس کا لغوی ترجمہ ہے رجوع کرنا، کوٹنا (تفسیر روح البیان) یہ بنی اسرائیل قبیلے کا مذہبی نام ہے اور لفظ بنی اسرائیل ان کا قومی آبائی نام ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی نسل کا نام بنی اسرائیل ہے لفظ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا اپنا ذاتی نام تھا یعقوب ان کا لقب تھا لفظ یہود افرادی جمع ہے، ایک مذکر فرد کو یہودی اور عورت کو یہودیہ کہتے ہیں مذہب کا نام بھی یہود مذہبی افراد کا نام بھی یہود۔ یہود اور بنی اسرائیل میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر یہودی بنی اسرائیل ہے مگر ہر بنی اسرائیل یہودی نہیں، چنانچہ ہر افغان اور خاصکر یوسف زئی پٹھان

سب بنی اسرائیل ہیں یہ قبیلہ حضرت بنیامین کی اولاد سے ہے یہود کی نسبت پدری یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے یہودا سے یہ مذہب یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد وجود میں آیا اگرچہ اس کی ابتدائی بنیاد سامری کے بچھڑے سے نمودار ہو چکی تھی یہودیوں کا کفر یہ مذہب آٹھ بنیادی بدعقیدگیوں پر ہے ۱؎ اللہ تعالیٰ کو مجسّم اور انسانی شکل کا جسم والا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آسمانوں زمینوں میں پھیلا ہوا ہے ۲؎ انبیاء علیہم السّلام بجز موسیٰ و عزیر سب گناہگار ہیں ان کو تہمتیں لگاتے ہیں اسی وجہ سے اُن کو شہید کرتے رہے بجز یہود قتلِ انبیاء کا کفر کسی نے نہ کیا ۳؎ تحریفِ توریت ۴؎ عُزیر علیہ السّلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اِس کی وجہ یہ کہ آپ سَو سال بعد زندہ کئے گئے تھے ۵؎ عیسیٰ علیہ السّلام کا انکار اور گستاخی ایذا رسانی اور قتل کے درپے ہونا، اگرچہ قتل نہ کر سکے مگر اپنے گمانِ باطل میں آج تک یہی خیال کئے ہوئے ہیں کہ ہم نے صلیب پر مار ڈالا ۶؎ انجیل کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار ۷؎ آقائے کائنات ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا اِنکار ۸؎ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار اِن وجوہ سے یہ کافر ہیں۔

دینِ صابئی کی تقسیم و تعارف لفظِ صابئی۔ صَبُوٌ یا صَبْیٌ سے بنا ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے صَبُوٌ کا معنیٰ ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ بیٹھنا۔ صَبْیٌ کا معنیٰ ہے اُنڈیلنا، اصطلاحی ترجمہ ہے بے دین ہو جانا یہ فرقہ یہودیوں سے نکل کر ایک نئے دین کا موجد ہوا تھا اور فارس کے بادشاہ طہمورث نے یہ دین شروع کیا، بعض نے لکھا ہے کہ اوّلاً یہ دین زمانۂ ابراہیم میں تھا پھر یہ نابود ہو گیا طہمورث نے دوبارہ شروع کیا (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ) انہوں نے ہی سب سے پہلے انبیاء علیہم السّلام کو شہید کیا مگر تلوار سے نہیں، بلکہ دھوکہ دے کر پانی میں گرا کر یا کڑکتا کھولتا پانی خفیہ چھپ کر سر پر ڈال کر، یا گرم تیل میں دھکا دے کر یا کوئی پتھر لڑھکا کر ان کی دیکھا دیکھی اصل یہودیوں نے تو بہت ہی زیادہ ظلم کمایا اور انبیاء علیہم السّلام کو شہید کیا اسی وجہ سے ان کو صابی یا صابئی کہا گیا، عربی میں اِن کا یہ نام ہے صرف یہودیوں نے ان کو دیا ان کو فارسی میں ترسا، کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ دین پہلی شکل میں مٹ چکا ہے اب یہ لوگ دہریہ کہلاتے ہیں یعنی ہر دین کے منکر، بعض لوگوں نے کہا کہ صابی دین یہ تھا کہ ہر دین کی مفید باتیں لے لیں نرم باتیں چن لیں دنیوی اعتبار سے غیر مفید اور سخت باتیں چھوڑ دیں کچھ یہودیت کی کچھ نصاریٰ کی کچھ مشرکین کی کچھ مجوسیت کی اس طرح ہر دین والا ان کو بے دین کہتا تھا اس لیے ان کا نام صابی ہوا، صابئی دین کے پانچ فرقے تھے ۱؎ عراقی صابی یہ علاقہ اُن کا پہلا

اور مرکزی صدر مقام تھا یہ گروہ اصل ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ طلوع، غروب اور زوال کے وقت سورج کی پوجا، شروع رات جب چاند کی آدھی رات کو ستاروں کی اُن کی طرف منہ کر کے ان کا سجدہ کھڑے کھڑے سر جھکا دینا ہے صابئی دین کی ابتدا بھی عراق سے ہوئی ۲ دوسرا فرقہ رومی صابی صرف سیاروں کی پوجا کرتے تھے ۳ ہندوستان کے صابی ثوابت تاروں کی پوجا کرتے تھے ۴ چوتھا گروہ فرشتوں کا پجاری تھا یا تصوراتی شکل کا تخیل سامنے رکھ کر سجدہ کرتے یا خود ساختہ تصور کے بُت یا کاغذ پر فوٹو بنا لیتے، فرشتوں کے فوٹو اڑتے ہوئے پروں والے بچوں کی شکل پر بناتے ۵ پانچواں فرقہ چاند سورج کے بُت یا فوٹو بنا کر پرستش کرتا تھا اب اِن کے ایک فرقہ کو دہریہ کہا جاتا ہے، اِن کے آٹھ بنیادی عقائد تھے ۱ کائنات کے دو خالق ہیں ایک خالق خیر اُس کا نام یزدان ہے دوسرا خالق شر اُس کا نام اہرمن ہے ۲ عبادات کا قبلہ چاند، سورج، ستارے ۳ آسمان سے کوئی کلام نہیں اُترا۔ اللہ سب سے بڑا خالق ہے اس نے دو خالق پیدا کر دئے باقی مخلوق ان دو خالق خیر و شر کی مخلوق ہے ۴ صرف تین نبی دنیا میں آئے شیث، ادریس، اور نوح، ان کے علاوہ کوئی نبی سچا نہیں (معاذ اللہ) ۵ انسانی رہنمائی کے لیے کسی نبی اور کسی کلام کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر انسان کی اپنی روح اور عقل کافی ہے دینی سعادت خود اپنی عقلی و روحانی قوت سے حاصل کرو، اسی طرح دنیوی قوانین گھریلو و عدالتی، حکومتی بازاری، خود اپنی عقل سے بناؤ، سب سے پہلے اِسی فرقے نے توریت اور کتبِ الہیہ کے ربانی قوانین کو چھوڑ کر اپنے عقلی قوانین بنائے اور عدالتوں میں جاری کئے بعد میں ان کی ہی نقل میں انگریزوں اور فرنگیوں نے اپنے یورپی علاقوں میں اپنے عقلی خود ساختہ قانون بنائے اور قانون سازی کو اسمبلی کا نام دیا۔ آج کل پاکستان میں بھی یہی عقلی انگریزی قوانین جاری ہے خدا تعالیٰ اِس شرک سے بھی مسلمانوں کو بچائے، اندازہ لگاؤ کہ جس قانون کی بڑی عدالتوں سپریم اور ہائی کورٹ کا پہلا قانون ہی عوام ناظرین کو دھوکہ دینا ہے اُس عدالت سے انصاف کی کیا امید ہو سکتی، یعنی حکم ہے کہ ہر جج سفید رنگ کی وِگ لگا کر عدالت کی کرسی پر بیٹھے تاکہ بوڑھا اور تجربہ کار جہاندیدہ نظر آئے یہ دھوکہ دہی نہیں تو اور کیا ہے اسلام نے اسی لیے ہر قسم کی وِگ اور کالے خضاب کو حرام قرار دیا کہ یہ دھوکہ دہی ہے ۶ ستارے اس لیے معبود ہیں کہ خالق کے مظہر ہیں ۷ کبوتر، اونٹ اور پیاز حرام ہے ۸ یزدان دن میں حکومت کرتا ہے اور اہرمن رات میں اس لیے دن

خیر ہے اور رات شر ہے، صابئین کے ان عقائد کا اصل بانی ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے میں ایک شخص کلدائیین نامی عراقی شہر بابل میں تھا، نمرود بھی اسی کا پیروکار تھا، یہی عقائد رکھتا تھا اور بادشاہ ہونیکی وجہ سے خود کو تعظیمی سجدہ کراتا تھا، کلدائیین کا یہ دین و عقائد صرف نمرود کے زمانے تک رہے پھر عیسٰی علیہ السّلام سے پانچ سو سال پہلے تقریبًا، اُن ہی گم شدہ عقائد کو لے کر صابئی دین ابھرا نمودار ہوا۔

دین نصارٰی کا تعارف، لفظ نصارٰی یا لفظِ اَنْصَارِیْ سے ماخوذ ہے یا ناصرہ بستی سے سچے عقائدِ عیسوی والوں کو بھی اُمتی نصارٰی کہا جاتا تھا اور بعد کے جھوٹے عقائد والے عیسائیوں کو بھی نصارٰی ہی کہا جاتا ہے، یا تو اس لیے کہ جب عیسٰی علیہ السّلام نے ایک بار اپنے حواریوں سے پوچھا تھا کہ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ ۔ یعنی اللہ کے لیے میری کون مدد کرے گا تو سب حواریوں نے عرض کیا تھا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ۔ ہم مددگار ہیں دینِ الٰہی کے اُس دن سے اُن کا نام ہوا انصارٰی اور دوسری نسبت شہرِ ناصرہ سے ہوئی جو بیت المقدس کے قریب ہے یہ سب حواری وہاں کے باشندے تھے اس لیے شروع سے ہی اُن کو نصارٰی کہا جاتا تھا، دینِ مسیح رفعتِ آسمانی سے تین۳ سال بعد تک بالکل درست سچا اور تعلیم عیسٰی علیہ السلام کے مطابق رہا، پھر یہودیوں نے واقعۂ صلیب کی بنا پر آئندہ عیسائی دشمنی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک منصوبہ بنایا اُس کے تحت ایک یہودی پولوس کو مصنوعی عیسائی بنایا گیا یہ پولوس زندگیِ مسیح میں عیسٰی علیہ السّلام کا سخت موذی دشمن رہا رفعتِ مسیح علیہ السّلام کے تین۳ سال بعد اچانک یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گیا اور اُس نے آتے ہی اس دین کو کفر میں بدلنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ عیسائی دینی اعتبار سے تباہ برباد ہو گئے اور پولوس کے کفریہ جال میں پھنستے اور بیوقوف بنتے چلے گئے اور آج تک بنتے چلے آ رہے ہیں، پولوس نے عیسائیوں میں آٹھ کفریہ عقائد پھیلائے اور عیسائیوں سے منوا کر ان کو کافر بنایا، اوّلا یہ کہ عیسٰی علیہ السّلام اللہ کے بیٹے تھے، دوم یہ کہ عیسٰی دنیا میں تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفّارہ بننے کے لیے زمین پر آئے تھے اس لیے وہ صلیب پر سولی پا کر مر گئے تمام۳ عیسائیوں کے اگلے پچھلے سب گناہوں کا کفّارہ بن گئے اور سب کے گناہ مٹا گئے اب کسی عیسائی کو شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ۴ یہ صلیب کی لکڑی تمام عیسائیوں کے لیے رحمت اور متبرک و نجات دھندہ ہے یہ وہ عبارتِ نعرہ تھا جس نے سب عیسائیوں کو پاگل بنا دیا

کہ جس لکڑی سے عیسائیوں کو نفرت اور دشمنی ہونا چاہیئے تھی اسی کو مکار دشمن نے اپنی جان بچانے کے لیے تا قیامت دنیا بھر کے عیسائیوں سے پیار کرا لیا۔ سینوں پر سجا دیا، بلکہ سجدہ کرا لیا چہارم، پولوس نے کہا کہ اے عیسائیو عیسیٰ نے تم کو شریعت کی لعنت سے چھڑا دیا، گویا کہ شریعت لعنت ہے (معاذ اللہ) پنجم مسیح الٰہ ہیں اور الوہیت مسیح کے اندر اس طرح موجود ہے جس طرح پھول میں خوشبو (توبہ نعوذ باللہ) ششم الٰہ تین ہیں (۱) باپ یعنی اللہ (۲) بیٹا یعنی مسیح (۳) روح القدس یعنی جبریل، بعض عیسائی کہتے ہیں روح القدس سے مراد مریم ہیں۔ غرضکہ اسی کو تثلیث کا عقیدہ کہتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ مریم رب کی بیوی ہیں، آٹھواں کفر یہ کہ تمام انبیا گناہ گار ہیں، یہ ہیں وہ عقائد باطلہ جو پولوس نے عیسائیوں کو سکھائے منوائے۔ بعد میں ان کفریات کو بچانے کے لیے عیسائیوں نے خود بھی کچھ ناجائز عقائد بنا لئے (۱) مثلاً یہ کہ پادری دنیا میں گناہ بخش سکتا ہے (۲) اور مسیح آخرت میں (۳) پادری میں مسیحیت ہے اور مسیح میں الوہیت ہے (۴) نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار (۵) قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا انکار (۶) انجیل کی تحریف اور اپنی مرضی کی انجیل بنا ڈالی جس میں پولوس کے یہ تمام کفریات شامل کر لیے گئے (۷) ان مصنوعی اور بناوٹی انجیلوں میں انبیا کی گستاخیاں اور ان پر گندی تہمتیں اور دیگر بازاری افسانوں فحاشی کے قصے اس لیے ارشاد فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ہر عمل و عقیدے کا مشاہدہ فرمانے والا ہے، شہید و علیم و خبیر کا فرق یہ کہ امور ظاہر کو جانتے دیکھنے والا شہید ہے۔ علوم تامہ مطلقہ کلیہ کو جاننے والا علیم ہے اور امور غیبیہ اشیاء باطنہ کو جاننے والا خبیر ہے۔ یہ کفار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کروڑہا نعمتیں استعمال کر کے بھی اس کو ایک سجدہ کرنا بھی گراں سمجھتے ہیں اور ہزار قسم کے شرک شامل کر رہے ہیں کبھی صنمیت کا کہیں ابنیت کا کہیں الوہیت کا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت خالص کے سجدوں کے منکر بنے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ٹوٹے پھوٹے گندے ملاوٹی سجدوں کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نہایت عمدہ خالص سجدہ کرنے والے تو کائنات میں بیشمار ہیں جن کو یہ کوئی شمار ہی نہیں کر سکتے۔ اے عالمین ارض و سموات کے مشاہدہ فرمانے والے محبوب نبی، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۔ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ

کیا تم نے اپنی نظرِ جسمانی و قوتِ عرفانی سے تمام کائنات میں نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ ذاتِ کبریائی والا کہ سجدۂ عبادت کرتا ہے اُس کو ہر وہ بندہ جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ سمجھدار جو زمین میں ہے یہ کفار جس چاند، سورج ستاروں، پہاڑوں، درختوں، جانوروں کو معبود سمجھے بیٹھے ہیں وہ سب تو ہر وقت اُسی خالق تعالیٰ کو عبادت و عجز کے سجدے کر رہے ہیں اس طرح کہ ہر منزل پر سورج، ہر تاریخ پر چاند، ہر مدار پر ستارے ہر حرکت پر پہاڑ، ہر اُتار چڑھاؤ پر چھوٹا بڑا درخت، ہر صبح شام تمام درندے چرندے پرندے کیڑے مکوڑے جانور اپنے اپنے طریقوں سے باطنی عجز کا اور ظاہری جسم کا سجدہ اُسی ذاتِ الٰہی کے لیے کر رہے ہیں، اور کچھ انسان بھی تعلیم نبوت سے اللہ تعالیٰ کو سجدے کر رہے ہیں، اور کچھ منحوس بندے جنات اور انسانوں میں سے وہ بھی ہیں جن پر تقدیرِ ازلی کے فیصلۂ الٰہیہ میں عذابِ دائمی لازم و لاحق ثابت و قائم ہو چکا ہے وہ سجدۂ ظاہری جسمانی اور عبادتِ الٰہی کے منکر ہیں، یہ اُن کی مغرورانہ متکبرانہ بدنصیبی ہے اس بنا پر فیصلۂ عذاب کو نہ کوئی ٹال سکتا ہے نہ ذِلّتِ عذاب کو بدل کر عزّتِ اُخروی دے سکتا ہے۔ وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ۔ اور اللہ جس ظالم کافر کو ذلیل کرے تو پورے جہان میں کوئی بھی اُس کو عزّت و کرامت دینے والا نہیں ہے سب عزّتیں تو اُسی کی بارگاہ سے ملتی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے وہ کرتا ہے سجدے دو قسم کے ہیں ایک جسمانی ظاہری دوم باطنی کیفیتی یہاں دونوں قسم کے سجدے مراد ہیں یعنی تمام مخلوق آسمانی اور زمینی، عقلی غیر عقلی سجدۂ ظاہری بھی، سجدۂ باطنی بھی، خوشی اور رضا کا سجدہ بھی اپنے جسموں، سروں کو جھکا کر زمین سے لگا کر رب تعالیٰ ہی کو کرتی ہے اور عاجزانہ حالت محتاجانہ کیفیت مجبوری و مقہوری کا باطنی سجدہ بھی اُسی ربّ قدیم و قدیر کو کرتی ہے اُس کے حضور کسی کی کوئی اکڑ و نافرمانی نہیں چلتی سب عاجز و لاغر ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے کے سامنے سب مخلوق کا عاجز رہ جانا لاغر ہو جانا چاہتے ہوں یا نا چاہتے ہوں سرِ تسلیم خم ہو جانا بھی باطنی کیفیت کا سجدہ ہے اِس سجدے میں ہر شخص مومن ہو یا کافر جن ہو یا فرشتہ نباتات ہو یا جمادات ستارے ہوں یا سیّارے، طوعاً ہوں یا کرھاً ہر وقت اُس کی بارگاہِ صمدیت میں سجدہ ریزی میں کسی کی کوئی مرضی نہیں چل سکتی کسی کو کچھ دم مارنے کی مجال نہیں کہ موت و حیات، قوت و کمزوری، بیماری و تندرستی، امیری و غریبی، خوبصورتی و بدصورتی صغیری و کبیری، مذکر و مؤنث ہونے میں سب مخلوق بے بس ہے اپنی مرضی سے کوئی شخص قدم

اپنے اندر تبدیلی نہیں کر سکتا جس کے ساتھ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سلوک فرماتا ہے مگر کچھ لوگ ظاہری جسمانی سجدے کے منکر و کافر ہو جاتے ہیں، اس کفر و انکار کی وجہ سے ان پر عذاب ابدی حق ہو گیا اور وہ عذاب کے مستحق ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اپنے انبیا علیہم السّلام کے لیے ایک خصوصی شان قائم فرمائی انبیاء کرام علیہم السّلام کے سجدے ظاہری جسمانی اتنے مقبول و پسندیدۂ بارگاہ ہوئے کہ سجدئہ باطنی سے ممتاز و مستثنیٰ کر دئے گئے کہ جن مذکورہ کیفیات و حالات میں دیگر تمام آسمانی زمینی مخلوق بے بس و مجبور ہے۔ انبیا علیہم السّلام اُن میں بھی مختار بنا دئے گئے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ خیال رہے کہ اس آیت میں چھ چیزیں وضاحت سے بیان کی گئیں ۱۔ اَلَمْ تَرَ ۲۔ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ۳۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۴۔ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۵۔ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۶۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ بعض نے لکھا کہ اَلَمْ تَرَ کا معنیٰ اَلَمْ تَعْلَمْ ہے، مگر یہ قطعاً غلط اور منشاءِ آیت کے خلاف ہے اَلَمْ تَرَ اپنے اصلی ہی معنیٰ میں ہے اور جسمانی آنکھ سے دیکھنا ہی مراد ہے خطاب آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے بلا وجہ معنیٰ تبدیل کرنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے نبی علیہ السّلام کی آنکھ وہ کچھ دیکھ سکتی ہے جو کسی دوسرے کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، بلکہ احادیثِ مشہورہ صحیحہ سے تو ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر قوت ہی بے مثل ہے ذرا غور کرو کہ جس کی انگلی چاند چیرائے، جس کا امر سورج لوٹائے، جس کا ہاتھ بارش برسائے، جس کا اشارہ درخت بلائے اور وہ درخت دوڑا چلا آئے اس کی آنکھ مخلوق کی عبادت اور سجدے بھلا کیوں نہ دیکھ سکے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشاہدہ معائنہ اور سماعت تو بے مثل ہے ہی آپ کے تو صحابہ بھی کھانے کی تسبیح سُن کر پہچان لیا کرتے تھے، حدیثِ پاک میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایک روز آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک راہ سے گزرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں ایک پتھر ہوتا تھا جب بچپن میں ہم یہاں سے گزرتے تھے تو وہ ہم کو سلام کیا کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھر کی وہ آواز سنتے بھی تھے سمجھتے بھی تھے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوتِ نظر اور سمع آج بھی دن رات تمام مخلوق شجرات، حجرات، حیوانات، ارضیات و السّمٰوات کے سجدے دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں کہ کونسی چیز کس طرح سجدہ کرتی ہے کب کرتی ہے، مگر ہماری آنکھ نہ دیکھ سکے نہ سمجھ سکے، ہماری اس کمزوری کا ذکر سورۃ

اسریٰ کی آیت ۴۴ میں اس طرح ارشاد ہے، وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ، یعنی ہر چیز ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے مگر اے لوگو تم اس کو سمجھ نہیں سکتے بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ تیز ہواؤں سے پہاڑوں صحراؤں علاقوں گلی محلوں میں جو گونج کی آواز پیدا ہوتی ہے وہ اُن پہاڑوں چٹانوں علاقوں کی تسبیح خوانی ہی ہے، صوفیا کی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا نہ اُس کو ہوا کی آواز کہا جا سکتا ہے کیونکہ ہوا کی اپنی کوئی آواز نہیں ہوتی، ہوا تو صرف آواز کا ذریعہ سبب ہے۔ یہ سیٹی، باجے، ڈھول، ستار کے تاروں کی آواز بلکہ خود ہماری ہر آواز ہوا کی وجہ سے ہے اگر کسی کے گلے میں کبھی ہوا نہ جا سکے گلا پھول جائے رگیں سوج جائیں گزرگاہ ہوا بند ہو جائے جس کو گلا بیٹھنا کہا جاتا ہے تو بندہ کتنا ہی زور لگائے آواز نہیں نکلتی، بہرکیف صرف انبیاء علیہم السّلام ہی جانتے سمجھتے ہیں کہ مخلوق کے سجود و تسبیح کیا ہیں، کیسے ہیں، کب ہوتے ہیں۔ یُسْجُدُ کے معنی اور حقیقت میں بھی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نباتات جمادات، حیوانات کا سجدہ ظاہری حقیقی نہیں (زمین پر جھکنے اور پیشانی رکھنے والا) بلکہ مجازی سجدہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے عاجز دبے لس ہیں اس کو باطنی سجدہ کہا جاتا ہے، میں کہتا ہوں یہ قول بھی غلط ہے۔ بلکہ آیت میں دونوں قسم کے سجدے مراد ہیں حقیقی ظاہری بھی، مجازی باطنی بھی اور ہر مخلوق سب تعالیٰ کو جسم کا حقیقی سجدہ کرتی ہے لیکن صرف انبیاء علیہم السلام کی آنکھ ان کو دیکھ سکتی ہے عقل جاتی ہے اور ان کی قوتِ قلب ہی پہچانتی ہے۔ صرف انبیا علیہم السلام ہی کو پہچان ہے کہ کس مخلوق کی کیا پیشانی ہے اور کس طرح کب عبادت میں جھکتی ہے، کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ زمینوں کے زلزلے پہاڑوں کا لرزہ چٹانوں کا گرنا اُن کا سجدہ ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور صدّیق و فاروق کوہِ اُحد پر چل رہے تھے تو پہاڑ ہلنے لگا یہ ہلنا اس کا سجدۂ شکرِ الٰہی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس پر پاؤں مارا تو وہ ٹھہر گیا، شاید ٹھوکر سے یہ سمجھایا ہو کہ ابھی رُک جا ابھی تیرے سجدے کا وقت نہیں آیا، روایتوں میں ہے کہ ہر دن ایک پہاڑ دوسرے سے پوچھتا ہے کہ کیا آج تجھ پر کوئی ذاکرِ الٰہی گزرا جب وہ جواباً ہاں کہتا ہے تو پوچھنے والا پہاڑ اس کو مبارک دیتا ہے، مولانا رومی فرماتے ہیں دنیا کی ہر چیز بولتی ہے، خواجہ اجمیری وطن سے اجمیر جاتے ہوئے دریائے راوی کا جواب سنکر ہی داتا صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر چلہ کش ہوئے تھے آپ نے

راوی پر سے گزرتے ہوئے پوچھا کہ اے دریا کبھی تجھ پر سے کوئی مرد خدا بھی گزرا، دریا نے جواب دیا، ڈھائی مرد، ایک جیلانی، ایک ہجویری، آدھا اجمیری سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ یہاں سجدہ کرنے والوں میں دس چیزوں کا ذکر ہوا۔ ۱ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی ملائکہ، حور و غلمان ۲ مَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی جنات و انسان ۳ سورج ۴ چاند ۵ ستارے ۶ تمام پہاڑ ۷ تمام درخت ۸ تمام جانور ۹ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ صرف مومن مسلمان انسان ۱۰ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ۔ یعنی کافر جنات انسان، پہلی نو چیزیں تو حقیقی ظاہری جسمانی اور مجازی کیفیاتی عادت و عبادت دونوں قسم کے سجدے کرتے ہیں مگر آخری دسویں مخلوق حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ صرف باطنی سجدۂ ذلت بے بسی عاجزی مجبوری کا جھکنا سر تسلیم خم کرنا تو کرتے ہیں مگر حقیقی ظاہری جسمانی عبادت کے سجدے کے منکر ان کو یہی بتانے کے لیے پہلی نو چیزوں کے سجدوں کا ذکر ہوا کہ اے بدبختو تم جن کو سجدہ کرتے ہو وہ تو خود ہمارے بندہ بن کر سب ہم کو سجدہ کرتے اِلٰہِ واحد مانتے ہیں، عرب کے قبائل میں ۱ بنی اَقیر کے مجوسی ملائکہ کے پجاری تھے ۲ بنی اشعر جنات کی ۳ عیسائی عیسیٰ کی ابن اللہ مان کر ۴ یہودی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ مان کر ۵ بنی حمیر سورج کو سجدہ کرتے ۶ بنی کنانہ چاند کی پوجا ۷ بنی تمیم کا صابئی فرقہ ستاروں کی ۸ بنی لخم ثریا و عطارد ستاروں کی ۹ بنی اسد مشتری مریخ سیاروں کی ۱۰ بنی غطفان عزّٰی مؤنث بت اور سمرہ درخت کی ۱۱ بنی ربیعہ شبیر سانپ اور درندوں کی مورتیاں بنا کر ۱۲ مصر کے یہودی گائے کی ۱۳ اکثر عرب پہاڑوں کی اور پہاڑوں کے پتھروں سے بت تراش کر ۱۴ لیکن ہندوستان کے ہندو ان تمام کفریات کا مجموعہ ہیں پہاڑوں میں کوہ ہمالیہ کی پانیوں میں گنگا جمنا کی بادلوں میں کالی گھٹا اور کڑکتی بجلی کی، رنگین دھنک کی پوجا کرتے ہیں۔ زمین کو دھرتی ماتا کہہ کر، درختوں میں پیپل، املی، تلسی کی۔ (از مذاہب عالم جلد سوم تاریخ و تفسیر روح المعانی) یہاں دو جگہ فرمایا گیا۔ كَثِيْرٌ اس کی ترکیب نحوی میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں کا تعلق يَسْجُدُ سے ہے یعنی انسانوں میں کچھ ساجدین ہیں کچھ منکرین۔ بعض نے کہا یہ علیحدہ جملہ اسمیہ مبتدا ہے اس کی خبر پوشیدہ ہے اصل عبارت ہے وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ مُثَابٌ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ یعنی ساجدین کو ثواب دیا جائے گا منکرین پر عذاب لازم ہو گیا۔ یہ دونوں كَثِيْرٌ کثرتِ اضافی کے لیے نہیں یعنی مقابلہ تعداد کے لیے نہیں کہ فلاں سے زیادہ بلکہ کثرت حقیقی کے لیے

ہیں یعنی کچھ لوگ ایسے اور کچھ ایسے جن پر عذاب واجب، اردو محاورے میں کچھ کی جگہ بہت بھی بول دیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے بہت آگئے بہت چلے گئے یعنی کچھ آگئے کچھ چلے گئے اضافی کثرت کا ترجمہ ہوتا ہے زیادہ، لفظ کثیر لفظاً واحد ہے معنیً جمع وحدت کا اعتبار کرتے ہوئے عَلَیْہِ واحد کی ضمیر لائی گئی عَلَیْھِمْ نہ فرمایا گیا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ، تمام کفر و کفریات جنسِ عقائد کے اعتبار سے ایک درجہ کے کفر ہیں اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ مگر نوعی اعتبار سے مختلف سب کفار آخرت کو مانتے ہیں مگر قیامت کے منکر یہود و نصاریٰ کی آخرت یہ ہے کہ میدانِ محشر ہوگا مگر حساب و کتاب کوئی نہیں مغفرت سیدھے دوزخ میں جنتی سیدھے جنت میں مجوس کی آخرت قبر میں اچھے لوگ یعنی ان کے عقیدے میں آتش پرست کو قبر میں آگ نہ جلائیگی دوسروں کو جلا دے گی صابئین کی آخرت مرنے کے بعد شروع اچھوں کو فرشتہ یا ستارہ بنا دیا جاتا ہے بروں کو کیڑا مکوڑا یا بھوت پریت ہندؤوں کی آخرت دوسرا جنم آواگون، وغیرہ کوئی عداوت کا کافر جیسے یہودی انبیاء کی دشمنی میں کوئی عقیدت کا کافر جیسے نصاریٰ عقیدتِ مسیح میں ابن اللہ بنا بیٹھے اور کافر ہوئے۔ کوئی حماقت کا کافر، کسی نے غیر اللہ کو معبود سمجھ کر فقط عزت کی اور کسی نے سجدہ بھی کیا، یہ فائدہ وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا (الخ) کے بعد وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا علیحدہ فرمانے سے حاصل کہ اگرچہ یہودی عیسائی مجوسی صابی سب ہی مشرک ہیں مگر ظاہر ظہور مشرک جو صاف طور سے غیر اللہ کو معبود بناتے ہیں وہ صرف بت پرست ہیں، باقی دیگر یہودی عیسائی ابن اللہ کہہ کر مجوسی مظہر کہہ کر۔ صابئی مرف خالق مان کر مشرک بنے مگر بت پرست اپنے بتوں کو برابر کا الٰہ مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کروڑ کروڑ شکر ہے کہ ہم کو اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت بنا کر ہر طرح کے شرک سے محفوظ رکھ لیا یا اللہ یہ نعمت باقی رکھنا، دوسرا فائدہ، اصل دینِ الٰہی انبیاء علیہم السلام کو ماننا ہے، اصطلاح شریعت میں صرف وہی مومن ہیں جو تمام انبیا علیہم السلام پر سچا اور صحیح ایمان لائیں نبوت کو ماننا ہی پورا دینِ ربانی ہے اس لیے کہ جب کہا نبی اللہ رسولُ اللہ تو اس میں توحید، قیامت ملائکہ جنت، دوزخ سب پر ایمان شامل ہوگیا ایمانِ نبوت تمام ایمانیات پر محیط ہے۔ بخلاف توحید کے کہ اللہ کو صرف واحد مان لینا تمام ایمانیات پر محیط نہیں دنیا میں بہت سی ایسی کافر قومیں تو ہیں جو توحید کو مانتی ہیں مثلاً آریہ ھندو

اور سکھ اس کے باوجود یہ لوگ کافر ہیں عند اللہ شرعًا مومن نہیں، لیکن کوئی ایسی کافر قوم نہیں جو نبوت تامہ اور تمام انبیا کو مان کر بھی عند اللہ کافر ہو، یہ فائدہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ فرمانے کے بعد وَالَّذِیْنَ هَادُوْا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ یہودی عیسائی، اللہ تعالیٰ کو اور آخرت جنت دوزخ فرشتوں کو مانتے ہیں مگر چند انبیاء علیہم السلام کو نہ ماننے کی وجہ سے ان کو مومن نہ فرمایا گیا اٰمَنُوْا سے علیحدہ ان کا ذکر و شمار فرمایا گیا۔ تیسرا فائدہ جہنم سے مکمل طور پر وہی بچ سکتا ہے جو مومن بھی ہو اور نیک متقی عابد ساجد عامل کامل بھی ہو، صرف مومن مسلمان ہو جانا، اعمالِ صالحہ، عبادت صلوٰۃ و صوم نہ کرنا نہ محبوبیت دلا سکتا ہے نہ عذابِ جہنم سے بچا سکتا ہے یہ فائدہ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمانے سے حاصل ہوا، کیونکہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ میں فاسق لوگ بھی شامل تھے اس لیے كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ میں ساجدین عابدین کا ذکر فرما کر فاسقوں کو علیحدہ کر دیا گیا، اور اس قسم کے بے عمل بدکردار پر بھی عذاب ہوگا اگرچہ عتابًا ہو نہ کہ سزاءً کافر و فاسق کے عذاب میں یہ بھی ایک فرق ہے خیال رہے کہ کافر و فاسق کی جہنم میں چار طرح فرق ہے ۱ کافر کی ابدی رہائش فاسق کی عارضی وقتی ۲ کافر کا عذاب الیم ہے فاسق کا عذاب اس کی صفائی ۳ کافر کا عذاب سزا ہے فاسق کا عذاب عتاب ہے ۴ کافر جہنم کا ایندھن ہیں فاسق جہنم کے [illegible]

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، دنیا و آخرت کی اصل و دائمی عزت و تکریم عبادت سے ہے نہ کہ دنیوی دولت اور شان و شوکت سرداری سے، لہٰذا مومن کتنا ہی غریب ہو بیمار یا کمزور پھر بھی عزت والا ہے قیمتی ہے، کافر کتنا ہی دولت مند یا سرداری والا ہو اصلًا ذلیل ہے، یہ مسئلہ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا، دیکھو اولیاء اللہ جھونپڑوں میں رہتے چٹائیوں پر بیٹھتے ہیں پھر بھی بڑے بڑے اُمرا وزرا مسلم غیر مسلم اُن کے در کے بھکاری بنے پھرتے ہیں، دوسرا مسئلہ، اہلِ کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح جائز ہے۔ اگرچہ موجودہ اہلِ کتاب یہود و نصارا میں کفر بھی ہے اِبنیت کا شرک بھی مگر چونکہ غیر اللہ کی کوئی ظاہری پرستش اور سجدہ ریزی ان میں نہیں ہے نہ آتش پرستی نہ ستارہ نہ بت پرستی، اس لیے دیگر مشرکین سے ان کا حکم جداگانہ ہے، دیگر کسی کافرہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح شرعًا جائز نہیں یہ مسئلہ هَادُوْا، اور نَصٰرٰی فرمانے سے مستنبط۔ یعنی ان کو مشرکین میں شامل نہ کیا گیا نہ کوئی دوسرا کفریہ نام دیا گیا ان کے وہی سابقہ صحیح ایمانی وقتوں والے نام ہی باقی رکھے گئے یہی ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے، یہود و نصاریٰ کو ابن اللہ کے باطل عقیدے کے باوجود

مشرکین سے علیحدہ ذکر کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ ان کا ذبیحہ جو یہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جائز ہے، ہاں البتہ آج کل جو یہود و نصاریٰ دہریہ اور لادین ہو کر اپنے دین سے بھی برگشتہ ہو چکے ہیں خنزیر خور اور شرابی جواری بن گئے ہیں اُن کی اس قسم کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں نہ اُن کا ذبیحہ جائز، لیکن دیگر مشرکین صابئی، مجوسی بُت پرست کا ذبیحہ و مناکحت بالکل حرام ہے اگرچہ مسلمانوں کی تکبیر پڑھ کر ذبح کریں۔ تیسرا مسئلہ سجدۂ تلاوت ہر مسلمان پر واجب ہے آیتِ سجدہ تلاوت کرنے والے پر بھی سننے والے پر بھی اگرچہ اس کا معنیٰ کوئی بھی نہ سمجھتا ہو۔ یہ مسئلہ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرما کر ساجدین کی عظمت و ثواب ظاہر فرمانے، اور سجدہ نہ کرنے والے کثیر پر عذاب لازم و واجب فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی اگر مسلمان سجدۂ تلاوت نہ کریں معمولی سمجھ کر چھوڑ دیں تو حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ میں شامل۔ اگرچہ یہ لزومِ عذاب فسق کی وجہ سے عارضی ہوا، یہ امام اعظم کا مسلک ہے جو اس آیت سے مستنبط ہوا، مگر امام شافعی و امام حنبل سجدۂ تلاوت کو سنت سمجھتے ہیں اُن کا مسلک کمزور ہے، تفسیر خازن اور مظہری میں اسی آیت کے تحت ہے کہ مذہبِ اہل سنت وَ ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کو جمانی سجدہ و زبانی تسبیح کرتی ہے، موجودہ زمانے میں لاؤڈ سپیکر، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کیسٹ پر آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت واجب ہونے میں موجود حنفی فقہاءِ اُمت کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں ۱۔ اکثریت کا اکابر فقہا فرماتے ہیں کہ جب تک خود انسانی آواز سنائی نہ دے کسی بھی مشینی آواز سے سجدہ واجب نہیں ہوتا لہٰذا اُن کے قول میں دور سے لاؤڈ سپیکر اور ریڈیو کی آواز سن کر سجدہ واجب نہیں ۲۔ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ جس تلاوت میں پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہو رہا ہے اس تلاوت کو سن کر ہر سننے والے مسلمان پر بھی سجدہ واجب ہے خواہ ہزاروں میل دور سے سنے یا نزدیک سے لہٰذا لاؤڈ سپیکر، ریڈیو، ٹی وی پر اگر کوئی قاری بیٹھا تلاوت کر رہا ہے تو ہر مسلمان سننے والے پر سجدہ واجب کیونکہ خود قاری پر بھی اُسی وقت سجدہ واجب ہو رہا ہے۔ لیکن اگر لاؤڈ سپیکر یا ریڈیو یا ٹی وی پر ٹیپ ریکارڈ یا نوار ریکارڈ یا ریڈیو کیسٹ سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سنی تو سجدہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس وقت آواز والے پر بھی واجب نہیں ہو رہا، دونوں اقوال کا موقف یہ کہ پہلے قول میں وجوب و عدمِ وجوب کا اعتبار انسانی و مشینی آواز سے ہے، دوسرے قول میں سننے والے پر وجوب آواز والے پر وجوب سے ہے ۳۔ ہر قسم کی کیسٹ ریکارڈ، توا، ویڈیو، کی آلات

پر کسی کے قول میں سجدہ واجب نہیں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے ۵۔ اگر کافر آدمی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو قریب بیٹھے سننے والے پر پہلے قول میں سجدہ واجب ہے کیونکہ انسانی آواز سن رہا ہے۔ نہ کہ میثنی اور دوسرے قول میں سننے والے پر سجدہ واجب نہیں کیونکہ آواز والے پر بوجہ کفر واجب نہیں ہو رہا ۵۔ طوطا مینا، یا گونج کی آواز سے سننے والے مسلمان پر سجدہ واجب نہیں اس میں بھی سب کا اتفاق ہے ۶۔ اگر بے غسل جنبی پلید مسلمان یا حائضہ نافسہ عورت سجدۂ آیت تلاوت کرے تو اگرچہ یہ کام ناجائز ہے مگر دونوں پر سجدہ واجب یعنی پڑھنے والوں پر بھی سننے والوں پر بھی پلید شخص پاک ہو کر سجدہ کرے عورت بھی جب بھی پاک ہوئے پاک مسلمان تلاوت کرے پلید آدمی مرد یا عورت سنے سجدہ واجب متفق علیہ ۸۔ نابالغ مسلمان مرد و عورت پڑھنے والا سننے والا کسی پر واجب نہیں، متفق علیہ ۹۔ نابالغ تلاوت کرے بالغ سنے پہلے قول میں سننے والے پر واجب ہے کیونکہ انسانی آواز ہے دوسرے قول میں سننے والے پر واجب نہیں کیونکہ قاری پر واجب نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ متفق علیہ اقوال پر تو اسی طرح عمل کرے جس پر موجودہ فقہا کا اتفاق ہے مگر اختلافی مسلک میں احتیاطاً سجدۂ تلاوت کرے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض، اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى اور سورۃِ مائدہ آیت ۶۹ میں بھی اِس ترتیب سے وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى ہے، یعنی ترتیب ذکری میں پہلے یہودیوں کا ذکر پھر صابئی پھر نصاریٰ کا مگر سورۃِ بقرہ آیت ۶۲ میں فرمایا گیا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ پہلے یہود پھر نصاریٰ پھر صابئین کا ذکر یہاں ترتیب کیوں بدلی گئی؟ جواب۔ اس کی وجہ یہ کہ ان تینوں آیتوں میں تین نوعیتوں کی طرف اشارہ ہے، سورۃِ بقرہ کی ترتیب اہلِ کتاب اور غیر اہل کتاب کے لحاظ سے ہے، یہودی و نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں، صابئین غیر اہلِ کتاب ہیں، سورۃِ مائدہ میں یہ اشارہ ہے کہ صابئی فرقہ یہود میں سے نکلا ہے نہ کہ نصاریٰ میں سے کہ وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو یہودی ہیں اور جو اُن میں سے نکلنے والے مگر یہاں سورۃِ حج کی اِس آیت ۱۷ میں اِن تینوں فرقوں کی زمانی ترتیب بتائی گئی کہ پہلا زمانہ یہودیوں کا پھر صابئی فرقہ پیدا ہوا، پھر نصاریٰ فرقے نے جنم لیا دوسرا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ۔ پھر بعد

میں فرمایا گیا وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ یعنی جو زمین میں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اور کچھ انسان بھی سجدہ کرتے ہیں، جب کہ مَنْ فِي الْاَرْضِ میں ہی انسان شامل تھے تو پھر علیحدہ کیوں ذکر فرمایا گیا۔؟ جواب۔ اس کی وجہ یہ کہ آسمانوں میں مَنْ ملائکہ ہیں، اور زمین میں مَنْ انسان ہیں جب مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ فرمایا گیا تو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ تمام ملائکہ ساجدینِ عبادت ہیں، اس اعتبار سے مَنْ فِي الْاَرْضِ میں بھی یہ وہم ہو سکتا تھا کہ انسان بھی سب ہی ساجدینِ عبادت ہیں اس وہم کو ختم کرنے کے لیے كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا گیا کہ انسان سب ساجدینِ عبادت نہیں بلکہ کچھ انسان ساجدینِ عبادت ہیں جو ثواب کے مستحق اور کچھ منکرینِ عبادت حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ جو عذاب کے مستحق ہوئے، تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ فرمایا گیا وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ یعنی مَنْ فِي الْاَرْضِ۔ کچھ انسان سجدہ کرتے ہیں اور کچھ انسان منکر ہو کر مستحق عذاب، حالانکہ زمین میں جنات بھی ہیں اور ان کی بھی یہی دو قسمیں ہیں کہ کچھ جنات نیک مومن اور کچھ جنات کافر اور مَنْ فِي الْاَرْضِ میں شامل ذَوِي الْعُقُول ان کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا۔ جواب۔ اس کی دو وجہ پہلی یہ کہ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ کے الفاظ پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے لیکن اس کا وجوب صرف انسان پر ہے صرف انسان مسلمان بالغ عاقل ہی سجدۂ تلاوت کا مکلف ہے، جنات اور فرشتے سجدۂ تلاوت کے مکلف نہیں جنات اور ملائکہ صرف سجدۂ عبادت و نماز کے مکلف ہیں اس لیے یہاں سجدۂ تلاوت کے وجوب سے ان کو علیحدہ کرنے کے لیے اور یہ مسئلۂ شریعت ظاہر فرمانے کے لیے كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ علیحدہ اس لیے فرمایا گیا کہ سجدہ اپنی وجودیت کے اعتبار سے دو قسم کا ہے ایک نظر آنے والا اور ایک نظر نہ آنے والا جنات کا سجدہ کسی کو نظر نہیں آتا اس لیے وہ مَنْ فِي الْاَرْضِ میں شجرات و حجرات کے ساتھ شامل و مذکور ہو گئے۔ انسان کا سجدہ سب کو نظر آتا ہے اس لیے صرف ان کا ذکر علیحدہ ہوا جنات کا سجدہ شجر و حجر کے مثل و مشابہ ہے باعتبار رویت کے بدیں وجہ ان کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، چوتھا اعتراض۔ یہاں متقی اہل ایمان کے لیے بھی كَثِيْرٌ فرمایا گیا کہ وہ بہت ہیں، اور کفار منکرین کے لیے بھی فرمایا گیا کہ وہ بہت ہیں۔ یعنی ثواب والے بھی کثیر اور عذاب والے بھی کثیر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں کافرین مومنین کی تعداد برابر ہے۔ حالانکہ اس سے پہلی آیت میں کفار کے پانچ گروہ اور مومنین کی فقط ایک جماعت مذکور ہوئی، جب کہ مومنین میں

سے فاسقین بھی ساجدین عبادت نہیں وہ نکل جائیں تو ساجدین اور بھی کم ہو گئے، فاسقین نے کبھی سجدہ کیا ہی نہیں صرف ایمان ہی لے کر دنیا سے چلے گئے اور ظاہر بات ہے کہ پانچ گروہ کی تعداد ایک گروہ سے زیادہ ہے یعنی دنیا کے اندر ہر دور میں کفار زیادہ ہی رہے اور مومنین کی تعداد کم ہی رہی، سورۃ سبا کی آیت ۱۳ سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔ میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ نیز تاریخ عالم کی مردم شماری سے بھی پتہ لگایا کہ دنیا بھر میں تمام قسم کے غیر مسلم مسلمانوں سے تعداد میں بارہ گنا زیادہ ہیں، ایک حدیث مقدس ہے کہ جہنم کا علاقہ جنت سے سات گنا بڑا ہے کیونکہ جہنمی زیادہ ہیں، تو پھر یہاں دونوں کے لیے ایک جیسا لفظ "کثیر" کیوں ارشاد ہوا۔ جواب اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں واضح کیا کہ یہاں لفظ کثیر اضافی اور تعدادی کثرت کے لیے نہیں بلکہ حقیقی کثرت کے لیے ہے اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے کچھ یا چند اور اس کا ترجمہ بہت بھی کر دیا جاتا ہے یعنی ایک دو سے زیادہ لفظ بہت اور لفظ کچھ ہم معنیٰ ہے تو آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ دنیا میں کچھ انسان مومن متقی عابدین ساجدین بن کر ثواب والے ہیں اور کچھ کافرین منکرین سجدہ ہو کر عذاب والے ہیں، کون زیادہ کون تھوڑے اس کا کوئی بیان تعداد نہیں ہے، اس وضاحت سے تو یہ اعتراض ہی ختم ہو گیا، مگر بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدۂ عبادت کرنے والے انسان تعداد میں بھی تمام دنیا کے کفار سے زائد ہیں اس لیے کہ انسانوں میں جنتی حور و غلمان بھی شامل ہیں جن کی تعداد تمام زمینی اچھے برے انسانوں سے ستر گنا زائد ہے حور و غلمان انسان ہی ہیں اگرچہ آدمی یعنی اولادِ آدم نہیں، اسی انسانیت کی وجہ سے ہی انکا نکاح مسلمان جنتیوں سے ہوگا ورنہ غیر جنس جانور و جنات وغیرہ سے انسان کا نکاح جائز نہیں نہ ہی ممکن ہے، حوریں اور غلمان تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ ایک ایک مسلمان مرد کو ستر حوریں بیویاں اور ستر ہی غلمان خدمت کے لیے ملیں گے، گویا کہ کفار زمینی اعتبار سے زیادہ ہیں، اور مسلمان ساجدین آسمانی اعتبار سے کثرت میں ہیں۔ اور قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ کا معنیٰ یہ ہے کہ شاکرین کا بھی شکر بحساب نعمتوں کے کم ہے۔ اور جہنم کا علاقہ اگرچہ بڑا ہے مگر تعداد اہل جنت کی زیادہ ہے تاریخ کی مردم شماری بھی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ بے اعتبار ہے نہ معلوم کب مردم شماری ہوئی کس نے کی غلط کی صحیح کی پھر اگر صحیح بھی ہوئی تو مکمل ہوئی یا غیر مکمل، پھر بھی دنیا کی ہی ہوئی ہوگی نہ کہ جنت کی لہٰذا دونوں جگہ کثیر فرمانا بالکل

درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِئِیۡنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الۡمَجُوۡسَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ اے بندے جان لے کہ ایمان وکفر یہ دونوں قلب کی صفات ہیں قلب کے دو دروازے ہیں ایک کو علوی بلندی والا، دوم کو سفلی، علوی دروازہ روحانیت کی طرف کھلتا ہے اور سفلی نفس امّارہ کی طرف، جب سفلی دروازہ بند ہو جائے تو بندہ نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اگر خوش بختی سے علوی دروازہ کھل جائے تو روح کی طرف سے لطف الٰہیہ کے خزانے آتے ہیں دل میں، تب قلب مومن انوارِ معرفت سے منوّر ہو جاتا ہے اور بندہ حجاباتِ نفس سے چھٹکارا پا لیتا ہے لیکن اگر بد قسمتی سے نفسانی صحبتوں بری کتابوں کی وجہ سے سفلی دروازہ کھل گیا تو علوی بند ہو جاتا ہے اور قلب میں وساوس شیطانی ظاہر ہوتے ہیں، خواہشات کی بدعتیں پیدا ہوتی ہیں اور باطل دینوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے ان خرافات وقساوات کو مختلف بھیسوں میں شیطان لاتا ہے اور نفس قبول کرتا ہے دل ان کی اتباع کرتا ہے اس وجہ سے دینِ حق وطریقۂ ایمانی سے گمراہ ہو جاتا ہے، اور دور ہوتا چلا جاتا ہے بندۂ نفس خواہشاتِ دنیوی کے بتوں کو اپنا معبود سمجھ لیتا ہے۔ تب عالم دنیا میں بندے دو قسم کے ہو جاتے ہیں (۱) دروازۂ علوی کے ہدایت والے (۲) اور دروازۂ سفلی کی گمراہی والے قیامت تیرے رب تعالیٰ دونوں میں فیصلہ اور فاصلہ فرماتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ایک دل میں ایمان وکفر جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک جگہ علوی وسفلی نہیں رہ سکتے، اچھے برے کا یہ فاصلہ برزخ صغرٰی خفیہ سے کیا جاتا ہے جس کو دنیا میں صرف اہل معرفت ہی پہچانتے ہیں مگر قیامتِ محشر میں اس کو ہر شخص ظاہر صوری حسّی طور پر جان لے گا (روح البیان)
بے شک اللہ تعالیٰ ہر امورِ ظاہر پر شہید ہے۔ علومِ مطلق تامہ کلیہ میں علیم ہے۔ اور علومِ باطنہ پر خبیر ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر قالب انسانی میں ایک ایمان ہے اور پانچ کفر ہیں، طبیعتِ قلبی ایمان ہے (۱) طبیعتِ عقلی اور عقیدۂ عداوت پر باطنی یہودیت ہے (۲) طبیعتِ خواہشی نفس عقیدتِ محبت یہ باطنی عیسائیت ہے (۳) طبیعتِ آوارگی آزاد خیالی یہ باطنی شیطانی صابئیت ہے (۴) طبیعتِ ریاکاری نام ونمود وجاہتِ لذت یہ باطنی مجوسیت ہے (۵) طبیعتِ طمع ولالچ حرص وہوس حرام وحلال کی ملاوٹ یہ شرک باطنی ہے۔ زمین جسمانی پر

یہ چھ دین ہی پھیلے ہوئے ہیں، ایمانیات سے حُسنِ اَخلاق کا نور پھیلتا ہے، یہودیت سے بداخلاقی کی دشمنی فساد، صابئیت سے بے ادبی گستاخی کی وبا، عیسائیت سے جھوٹی محبت اندھی عقیدت کفر کی دوستی مجوسیت سے اَشیاءِ حرام کی آگ پھیلتی ہے اور باطن کے شرک سے باطل پرستی دنیا سازی کی حماقت پھیلتی ہے۔ باری تعالیٰ راہِ معرفت کی ریاضتوں مشقتوں کے حشر قائم فرما کر ان مختلف خصائل و عادت والوں کو انعامِ ثواب اور انتقامِ عذاب کے علیحدہ علیحدہ حالات و مقامات دے کر فاصلہ اور فیصلہ فرما دیتا ہے اہلِ نور کو مقبولیت اہلِ نار کو محرومیت دے کر، بے شک اللہ تعالیٰ ہر قالب کی ہر کیفیت نیک و بد کا ہر وقت ہر طرح مشاہدہ فرمانے والا ہے۔ یہ طبیعاتِ خمسہ کے کفار اگر سجدۂ ربانی کے منکر ہیں تو ان کا اپنا ہی نقصان ہے، اس لیے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ اے قابَ قوسین کے محبوبِ اَبدی کیا تم نے سیرِ معراج میں تمام کائناتِ اَعلیٰ و اَسفل کو اپنی نظرِ بصارت سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہے ہیں وہ تمام جو قالبِ آسمانی کے دماغوں میں ہیں اور وہ تمام جو ملکوتِ زمینی کے سینوں میں ہیں۔ اور آفتابِ قلب بھی ماہتابِ عقل بھی، نجومِ فکریات بھی تمام طبیعتوں کے پہاڑ بھی، تمام شجراتِ اَجسام بھی اور تمام حیواناتِ اعضا بھی اور کچھ وہ لوگ بھی جو معرفتِ الٰہی والے ہیں سجدۂ انقیادِ عبادت اور سجدۂ عجز سجدۂ عادت بھی، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اَفعالِ خواص کا تو اُن پر اپنے امر کی تسخیر جاری فرما دیتا ہے اور اپنی مراد کی نافرمانی والوں کو مٹا کر قدرتِ جبر و قہر نافذ فرماتا ہے تب یہ مخلوق سجدۂ خضوع میں گرتی جھکتی ہے اور کسی کو امکانِ انکار نہیں رہتا، اور کچھ وہ قالبِ انسانی ہیں جو تابعِ شیطان ہیں صرف ظاہری اختیاری اَعمال میں ہی مگر اسرارِ باطنی والے اَعمال ہیں وہ بھی معذورِ قدرت مجبورِ فطرت اور مقہورِ مشیت ہیں اُن پر صبحِ ازل سے حکمِ شقاوت لاحق ہو گیا اس طرح اُن پر شیطنیت کا غلبہ و ذلت کا حملہ ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ رُسوا کرے۔ اپنے قہر کی ناراضی اور غضب کی سزا سے تو اُس کو کوئی بھی کہیں بھی کبھی بھی توفیقِ سعادت کی کرامت دینے والا نہیں ہے (محی الدین ابن عربی) بندۂ عارف کے تین سجدے، پہلا سجدۂ عبادت مثل سجدۂ ملائکہ۔ دوم سجدۂ عادت مثل سجدۂ جمادات

نباتات، سوم سجدۂ حاجت، جیسے سجدۂ دعا و التجا پہلے سجدہ سے آخرت درست دوسرے سے بندگی درست تیسرے سے دنیا درست ہوتی ہے، عابدین انسان تعداد میں قلیل ہیں مگر قوت میں کثیر ہیں اس لیے کہ پہلا کثیر جمال والا ہے، دوسرا کثیر جلال والا ہے جمال والا ایک بھی مراد نظم ہے کیونکہ وہ ایک بھی مثل ہزار ہے، عذاب جلال والے کثرت تعداد میں بھی متاع قلیل ہیں، انسان کی دس قسمیں نو کافر ایک مومن پھر مومن کی دس قسمیں نو فاسق ایک مطیع، پھر مطیع کی دس قسمیں نو زاہد ایک عاشق، پھر عاشق کی دس قسمیں نو فرقت فصل والے ایک منزل وصل والا یہی تکریم رحمانی والا ہے کیونکہ اس نے خود کو ہمیشہ عشق ربانی کے جلال میں جلا ڈالا تو اس کو کرامت ابدی مل گئی اس کو کوئی بھی رسوا اور محروم نہیں کرسکتا، پھر اہل منزل دس قسم کے نو آستانۂ مصطفیٰ تک آنے والے، ایک بارگاہِ کبریا تک جانے والا عشق الٰہی نارِ تکلفت و مشقت ہے اور عشق مصطفیٰ نورِ محبت، اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا ہے مصطفیٰ کے وصل میں بقا ہے اس لیے عشق کبریائی بہت مشکل ہے ؎

ایں مدعیاں در طلبش بیخبر اند — آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

عشق مصطفیٰ آسان ہے یہ منزل معرفت کا پہلا قدم ہے یہی سجدۂ حقیقی ہے (روح البیان)

اہلِ حق ہرگز نمی باشد جہاں — اہلِ باطل خوار باشد در جہاں

جو ساجدین حقیقی کی گستاخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز

بس یہی دو گروہ ہیں جنہوں نے مباحثہ کیا اپنے رب کے بارے

یہ دو فریق ہیں کہ اپنے رب میں جھگڑے۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ

تو وہ لوگ جو منکر ہو گئے تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے لباس

تو جو کافر ہوئے ان کے لیے آگ کے کپڑے

مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

آگ سے ، مزید یہ کہ انڈیلا جائے گا اُن کے سروں کے اوپر سے

بیونتے گئے ہیں اور اُن کے سروں پر کھولتا پانی

الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ

کڑکتا پانی اِس حالت کا کہ ٹکڑے کر دئے جائیں گے اُس پانی سے وہ اعضا جو انکے پیٹوں میں

ڈالا جائے گا ، جس سے گل جائے گا جو کچھ اُن کے پیٹوں میں ہے اور

الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

ہیں اور کھالیں بھی اور ان کے لیے ہتھوڑے ہیں جو لوہے سے بنے ہوئے ہیں

اُن کی کھالیں ، اور اُن کے لیے لوہے کے گرز ہیں

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ

جب بھی ارادہ کیا انہوں نے کہ نکل بھاگیں اس آگ سے

جب گھٹن کے سبب اُس میں سے نکلنا چاہیں گے

غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ

مصیبت کے باعث فوڑا دھکیل دئے گئے اسی میں کہ چکھو جلانے

پھر اُسی میں لوٹا دئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ چکھو آگ

الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع

والے عذاب کو

کا عذاب

تعلقات ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق سابقہ آیات میں کفر کے مختلف گروہوں اور مومنوں کا ذکر کیا گیا اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب قسم کے بہت سے مختلف گروہ دراصل فقط دو ہی متحارب گروہ ہیں ۱ تمام کفریہ فرقے ایک گروہ اور ۲ اہل ایمان مسلمان ایک گروہ۔ **دوسرا تعلق**، سابقہ آیت میں ذلیل کرنے کا ذکر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ اب ان آیات میں ذلت کے سامان وعذاب کا ذکر ہے کہ کفار کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا **تیسرا تعلق** گذشتہ آیت میں میدان محشر کا نقشہ کھینچا گیا اب ان آیت میں میدان جہنم اور دخول کفار کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

شان نزول ان آیت کے شان نزول میں تین قول ہیں ۱ ایک مرتبہ چند اہل کتاب نے صحابہ کرام سے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے زیادہ پیارے ہیں اس لیے کہ ہم کو تم سے پہلے کتاب ملی اور ہمارے نبی بھی تمہارے نبی سے پہلے ہوئے۔ جواباً صحابہ نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ اچھے ہیں کیونکہ ہم اپنے نبی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے قرآن مجید پر بھی ایمان لائے اور تمہارے نبی علیہ السلام پر بھی اور تمہاری کتاب مقدس پر بھی ایمان لائے تب یہ آیت نازل ہوئی ۱۹ تا ۲۴ ۲ ایک قول کے مطابق یہ آیت ۶ اشخاص کے متعلق نازل ہوئی حضرت امیر حمزہ، مولیٰ علی شیر خدا ۳ عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۴ شیبہ ۵ عتبہ ۶ ولید بن عتبہ جن کا مقابلہ ہوا ۳ ایک قول میں یہ آیت یوم بدر میں نازل ہوئیں ان چند صحابہ کرام کے بارے میں جو جہاد میں مقابلتہً بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور مقابلے میں جھگڑا کرتے تھے مگر الفاظ آیت کو دیکھتے ہوئے مفسرین کرام نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَرَسُوْلُہٗ۔ (از امام جلال الدین سیوطی فی کتاب لُبَابُ النُّقُوْلِ فِیْ اَسْبَابِ النُّزُوْل)

تفسیر نحوی هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ

اسم اشارہ تثنیہ اس کا واحد ہے ذا، مذکر مشار الیہ کے لیے ہوتا ہے بحالت رفع بنتا ہے آخر کا نون تثنیہ کا ہے بمعنی یہ دو۔ بعض نحویوں نے کہا کہ یہ تثنیہ نہیں اسم جنسی ہے جو صرف دو کے لیے آتا ہے جیسے کلا کلتا، اور آخر کی نون تثنیہ کی نہیں بلکہ اصلیہ ہے

ان کی دلیل یہ ہے کہ اضافت کے وقت یہ نون نہیں گرتی مثلاً ذٰلِکَ ہی رہتا ہے، اگر یہ تثنیہ کی نونِ اعرابی ہوتی تو اس اضافت کے وقت گر جاتی ذاک رہ جاتا۔ ہم کہتے ہیں یہ بات غلط ہے یہ تثنیہ ہی ہے اور ذالِکَ میں اضافت نہیں کیونکہ اسماء اشارات کی اضافت ہوتی ہی نہیں، خَصْمٰنِ اسم تثنیہ ایک قول میں خَصْمَانِ ہے اس کا واحد ہے خَصْمٌ بمعنی جھگڑا کرنے والا یہ مصدر ہے بمعنی اسم فاعل مبالغے کے لیے جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ بمعنی عادلٌ، اس کی جمع پانچ طرح آتی ہے ۱۔ خُصُوْمٌ ۲۔ خِصَامٌ ۳۔ اَخْصَامٌ ۴۔ خُصُوْنٌ ۵۔ خُصْمَاتٌ اس میں اختلاف ہے کہ یہ جمع ہے یا بروزنِ عثمان الف نون زائدتان ہے یہ موصوف ہے اِخْتَصَمُوْا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُمْ اس کا فاعل جس کا مرجع خَصْمَانِ تثنیہ کے لیے جمع کا صیغہ اس لیے آیا کہ خَصْمَانِ افرادی اعتبار سے جمع ہے ایک قرأت میں اِخْتَصَمَانِ تثنیہ ہی ہے، فِیْ رَبِّھِمْ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے، اِخْتَصَمُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے خَصْمٰنِ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے ھٰذٰنِ مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا فَ زائد بیانیہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا باب نصر کا ماضی جمع مذکر غائب کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنی منکر اسلام ہونا یا کسی بھی دینِ الٰہی کا منکر ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر مبتدا ہوا، قُطِّعَتْ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مؤنث غائب اس کا مصدر ہے تَقْطِیْعٌ۔ قَطْعٌ سے بنا ہے ایک قرأت میں قُطِعَتْ باب فتح سے ہے ترجمہ ہے کپڑے تیار کرنا کاٹ چھانٹ اور سیکر، اردو میں اس کو بیونتنا کہتے ہیں یا یہ حقیقی معنی میں ہے تب ماضی اپنے معنی میں ہے یعنی دوزخیوں کے کپڑے تیار کر دیئے گئے ہیں، یا یہ مجازی معنی میں یعنی آگ یا عذاب مثلِ لباس ان کو لپیٹ جائے گا تب یہ ماضی بمعنی مستقبل ہے اور ماضی کا آنا یقین کے لیے ہے گویا کہ ایسا ہی ہو گیا مگر پہلا قول قوی ہے دیگر آیت اس کی تائید کرتی ہے لَھُمْ، یہ لام جارہ استحقاقیہ ہے یا نفع کا یہ معنی وجہ یا بمعنی عَلٰی ہے ۔یہ جار مجرور متعلق ہے قُطِّعَتْ کا ثِیَابٌ اسم جمع مکسر ہے ثَوْبٌ کی بمعنی کپڑا یہاں مراد ہے لباس یعنی تیار شدہ کپڑا قابل جسم یہ فاعل ہے قُطِّعَتْ کا مِنْ نَّارٍ یہ جار مجرور متعلق ہے قُطِّعَتْ کا ایک قول میں یہ متعلق ہے پوشیدہ یَکُوْنُ فعل تامہ کا یا کَائِنٌ اسم فاعل کا اور وہ جملہ ہو کر صفت ہے ثِیَابٌ کی یعنی

ایسے کپڑے جو آگ سے ہیں یہی ترجمہ اعلیٰحضرت کا ہے تب یہ مِنْ جارّہ زائدہ ہے مراد ہے آگ کے کپڑے ہماری ترکیب میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی تیار کیے گئے ہیں آگ سے تب یہ متعلق ہے قُطِّعَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اول ہے فَالَّذِیْنَ مبتدا کی یُصَبُّ اس جملہ کی ترکیب میں تین قول ہیں ۱؎ یہ خبر دوم ہے فَالَّذِیْنَ کی۔ یہ ترکیب زیادہ درست ہے، ۲؎ یہ علیحدہ جملہ ہے، ۳؎ یہ جملہ حال ہے لَهُمْ کی هُمْ ضمیر کا، ہم نے پہلی ترکیب لی ہے یُصَبُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب بمعنی مستقبل صَبٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی انڈیلنا، ڈالنا، مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمْ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُصَبُّ کا اَلْحَمِیْمُ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بابِ کَرُمَ سے ہے حَمٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے گرم ہونا مبالغہ میں آ کر معنیٰ ہے بہت ہی سخت گرم، یہاں مراد ہے بہت سخت کھولتا ہوا پانی اصطلاح میں جہنم کے پانی کا نام اِسی معنیٰ سے حمایت اور پکی دوستی کو بھی حمیم کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی گرم جوشی ہوتی ہے حمیم بمعنی گرم پانی جمع حَمَائِمُ ہے اور بمعنیٰ دوست کی جمع اَحِمَّاءُ ہے یہ نائب فاعل ہے یُصَبُّ کا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر دوم ہے فَالَّذِیْنَ اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ كُلَّمَا اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ يُصْهَرُ بِهٖ بابِ افعال کا یا فتح کا مضارع مثبت مجہول واحد مذکر غائب ایک قرأت یُصَهَّرُ بابِ تفعیل سے ہے مبالغے کے لیے کیونکہ بابِ تفعیل کی تعدی مبالغہ پیدا کرتی ہے صَهْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پگھلنا ٹکڑے ہونا نرم ہونا، یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں یعنی ٹکڑے ہونا سسرالی رشتے کو صَهْرٌ یا صِہْرٌ نرم ہونے کے معنیٰ میں کہا جاتا ہے کیونکہ اغیار اور اجنبی لوگوں میں محبت اور نرمی صرف سسرالی وجہ سے ہوتی ہے بِ جارّہ سببیہ بمعنیٰ ذریعے ہ ضمیر کا مرجع حمیم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یُصْهَرُ کا مَا اسم موصول فِیْ جارّہ ظرف مکانی کے لیے بُطُوْنِهِمْ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْجُلُوْدُ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے جِلْدٌ بمعنیٰ کھال معطوف ہے دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہوا یُصْهَرُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے اَلْحَمِیْمُ کا یہ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے یُصَبُّ کا، واؤ عاطفہ لام

حرفِ جر استحقاقیہ یعنی وہ کفار مستحق ہیں اِن کے ھُم ضمیر کا مرجع فَالَّذِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے
پوشیدہ اسم مفعول موجود کا مَقَامِعُ اسم آلہ جمع باب فتح سے اِس کا واحد ہے مِقْمَعٌ یا مِقْمَعَۃٌ بمعنی
ہتھوڑا، گرز قَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی کوٹنا مضاف اس کو اضافتِ مِنْیہ کہتے ہیں اصل میں تھا
مَقَامِعُ حَدِیْدٍ بمعنی لوہے کا گرز حرفِ مِنْ جارہ بیانیہ ہے جس نے بعضیت کو بیان کیا حَدِیْدٍ اسم
مفرد نکرہ بمعنی لوہا یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَصْنُوْعٌ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر
مضاف ہے مَقَامِعُ کا یہ مرکبِ اضافی نائبِ فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا اسم مفعول اپنے
نائبِ فاعل متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ بعض نے ترکیب اس طرح کی ہے کہ لَھُمْ موجودٌ
سے مل کر خبر مقدم ہے اور مَقَامِعُ مرکبِ اضافی مبتدا مؤخر ہے یہ بھی درست ہے کُلَّمَا، یہ
یہ دو لفظوں کُلَّ کا مجموعہ ہے کُلَّ اسم تاکیدی جمع جنسی لفظاً واحد معناً جمع بحالتِ نصب ہے
کیونکہ ظرفِ زمانی ہے مَا مصدریہ ہے یا نکیریہ بمعنی وقت کُلَّمَا، بمعنی تمام وقت یہاں استمراری
معنی میں ہے یعنی جب کبھی، جب بھی یہ اکثر ماضی سے پہلے آتا ہے اور شرط کے معنی پیدا کرتا
ہے یہ ظرف مقدم ہے اَرَادُوْا۔ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب بمعنی مستقبل
اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع فَالَّذِیْنَ ہے اَنْ ناصبہ یَخْرُجُوْا باب نصر کا مضارع مثبت معروف
جمع مذکر غائب خُرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنی نکلنا اصل میں تھا یَخْرُجُوْنَ آخر سے نونِ اعرابی
علامتِ رفع اَنْ ناصبہ نے نصب دے کر گرا دی اُس کی جگہ بھرنے کے لیے اَلِف حشوی
لگا دیا گیا مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع نَارٌ ہے ایک قول میں ثِیَاب
ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرفِ جر تعلیلیہ بمعنی وجہ سے غَمٍّ اسم فعل۔ یعنی اسم
جامد بمعنی فعل غیر متصرفہ اسم) لغوی ترجمہ ہے چھپانا، گھٹانا، اندھیرا ہونا، رنجیدگی ہیں
چونکہ عقلی تاریکی میں دل گھٹتے ہیں اور طبیعت چھپتے میں ہوتی ہے اِس لیے رنج کو غم کہا گیا
ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یَخْرُجُوْا کا۔ علماءِ نحو کے نزدیک یہ جار مجرور مِنْھَا کے بَدَلُ الاشتمال
کے درجہ میں ہے۔ بعض نے کہا یہ جار مجرور مفعول لَہٗ کے حکم میں ہے اور یہ زیادہ ٹھیک
ہے یَخْرُجُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے اَرَادُوْا کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو کر شرط ہوا اُعِیْدُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول۔ جمع مذکر غائب اِس کا مصدر
ہے اِعَادَۃٌ دراصل تھا اِعْیَادٌ یا اِعْوَادٌ سے تعلیل ہوا بمعنی لوٹانا، لوٹایا جانا۔ عَوْدٌ
سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا، اس کا نائبِ فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع فَالَّذِیْنَ ہے فِیْ ظرفیہ مکانیہ

ہے ایک قول میں یہاں رُدُّوْا ہے ھَا ضمیر مرجع نَار یا ثِیَاب ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اُعِیْدُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ذُوْقُوْا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر ذَوْق سے مشتق ہے بمعنی چکھنا تھوڑی لذت پانا، یہاں چکھنا سے مراد ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے یا دن بدن عذاب کے زیادہ ہونے کے لحاظ سے ہے کہ پہلا عذاب دوسرے اگلے عذاب کے مقابل تھوڑا ہوگا۔ عَذَابَ الْحَرِیْقِ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ذُوْقُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا پوشیدہ یُقَالُ کا وہ جملہ قولیہ ہو کر معطوف ہوا اُعِیْدُوْا کا یہ دونوں عطف مل کر جزا ہے کُلَّمَا کے جملے کی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ — هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ۔ دنیا میں ہی وہ چھ دینوں والے ہیں جو عملی اعتقادی زبانی قلبی، اختلافی، اتفاقی، دوستی، عداوت، تقابل، تعاون کے اعتبار سے مد مقابل مخالفت ہیں دو گروہ ہیں ہر امت کے تمام اہلِ ایمان ایک ملت ہیں اور ہر قسم کا کفر ملت واحدہ ہے، مومن کسی بھی شریعت کا ہو دین آدم علیہ السّلام کا ہو یا حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ داؤد اور عیسیٰ علیہم السّلام کا یا مومن مسلمان دین اسلام کا ہو سب ایک گروہ ہے، کفر قابیل کا ہو یا نمرود شداد، فرعون ہامان کا، یا یہودی صابئی نصارا مجوسیہ شرکیہ دہریہ تمام اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔ دنیا میں از ابتدا تا قیامت ان دونوں گروہوں کا ہی وجود نمود ہے، ان کا ہی جھگڑا ان کا ہی فساد ان کی ہی خصومت مناظرہ مجادلہ مکالمہ، گویا کہ زمین جلسہ گاہ دنیا اسٹیج ایک طرف اہلِ ایمان کی ایک جماعت دوسری طرف اہلِ کفر کے پانچ گروہ ایک طرف ذکر و شکر کی چہل پہل دوسری طرف باطلیت کا شور و غل ایک طرف حج و زکوٰۃ زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم، دوسری طرف ناقوس ڈھول و طبلے و سارنگیوں کا شور، ادھر ایک حق اُدھر پانچ باطل، اِدھر ایک علم اُدھر پانچ جہالتیں، عیسائی نے کہا، ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ، مومن کو حکم ملا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مشرک نے کہا بُت اللہ کے مددگار ہیں، مومن نے کہا، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے۔ مجوسی نے کہا، آگ کی بڑی قوت ہے مومن نے کہا لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یہودی نے کہا عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ مومن نے کہا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ صابئی نے کہا، فرشتے اللہ کی بیٹیاں اور قرابتدار ہیں مومن نے کہا وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتے دار نہیں ہے، سب اُس کی مملوک و مخلوق ہے، رب تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ غرضکہ، دونوں طرف سے اِخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ اپنے رب تعالیٰ خالق اعلیٰ مالک بالا کی ذات میں، صفات میں، قوت میں شان میں دین میں ایمان میں جھگڑا کیا جاتا رہا، کیا جاتا ہے کیا جاتا رہے گا۔ کوئی دوست بن کر کوئی دشمن، کبھی وجوبیت کا انکار کبھی وجودیت کا، کبھی شہودیت کا، کبھی ربوبیت کا، کبھی معبودیت کا انکار یہ دنیا کی ھنگامہ خیزی ہے، کفر بیں نہ تدبر نہ تفکر نہ تذکر نہ تعلّم نہ تشکر، ہر ایک اپنے آپ کو سچا کہہ رہا ہے ان سب کفریات کا جواب سورۃ اخلاص ہے۔ اسی کا فیصلہ قیامت میں ہوگا، تو وہ لوگ جو ان پانچ قسموں میں سے کسی بھی قسم کے کافر ہوں گے اُن سب کو جہنم میں پانچ قسم کے عذاب ہوں گے، پہلا عذاب اُن کے جسموں کو آگ کا لباس ایک ہی لمبا کرتا کندھوں سے پیروں تک دوسرا عذاب، اُن کے تنگے سروں پر ایسا کھولتا کڑکتا گرم پانی ڈالا جائے گا جس کی کیفیت حدیث پاک میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر اس پانی کا قطرہ پہاڑ پر ڈالا جائے تو پتھر پگھل جائے۔ تیسرا عذاب اُس لباس نار اور آب حمیم کا باطنی اثر یہ ہوگا کہ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ تمام آنتیں چربی، دل، گردے، پھیپھڑے کلیجی ایک دم جل بھن کر کوئلہ سیاہ راکھ ہو جائیں گے عذاب چہارم، وَالْجُلُوْدُ۔ اور نار لباس و ماءِ حمیم کا ظاہرا اثر یہ ہوگا کہ پوری کھال بھی جل بھن کر راکھ بن جائیگی درد تکلیف سے چیخیں گے دھاڑیں گے ڈکرائیں گے، مگر شنوائی کوئی نہ ہوگی۔ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ۔ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ اور عذاب پنجم یہ ہوگا کہ ان کے لیے ملائکہ زبانیہ کے پاس لوہے کے ایسے مضبوط اور بھاری ہتھوڑوں کی مثل گرز ہوں گے جس کی کیفیت حدیث پاک میں اس طرح بیان ہوئی کہ اگر ایک گرز زمین پر پھینکا جائے تو تمام انسان تمام جنات مل کر بھی اس کو اُٹھا نہ سکیں، یہ گرز اور ہتھوڑے اس لیے ہوں گے کہ جب کبھی یہ تڑپتے پھڑکتے جہنمی کفار انتہائی درد و غم سے گھبرا کر ارادہ کرکے نکل بھاگیں گے نچلے طبقۂ جہنم سے اوپر کی جانب اس خواہش میں کہ شاید پوری جہنم سے ہی باہر نکل جائیں تو پھر ان ہی گرزوں کی مار سے لوٹائے جایا کریں گے اسی احاطۂ عذاب میں اور گرزوں کی اُس مار دھاڑ کے دوران اُن سے کہا جایا کرے گا کہ اب کیوں بھاگتے ہو، پیٹ بھر کر چکھتے رہو اُس جلانے والے عذاب کو دنیا میں بہت بھاگ لیے تھے

نبی کے بلانے سے اسلام کے آستانے سے قرآن کے خزانے سے علما کے سمجھانے سے اُس وقت حیاتِ دنیوی میں اپنی اکڑ اپنے غرور کرکے اُن پیار کرنے والوں عافیت دینے والوں سے بھاگتے تھے آپ عذاب سے بھاگنے نہیں دئے جاؤ گے، یہ بھاگ دوڑ پکڑ دھکڑ، دھکم پیل، مار دھاڑ وقفے وقفے سے جہنم میں تا ابد ہوتی ہی رہیگی، یہ سب کچھ پانچویں عذاب کی ہی شکل ہوگی کہ کفار عذابِ حریق سے اِدھر اُدھر دوزخ کے اندر ہی چھپنے پھرینگے مگر ملٰئکہ پھر انہیں مارتے گھیٹتے روندتے اُسی مقامِ عذاب میں لے آیا کریں گے۔ تفاسیر کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے یہ ثیابِ نار ابلیس کو پہنایا جائے گا پھر یہود کو پھر صابئین کو پھر نصارٰی کو پھر مجوسی کو پھر بُت پرستوں کو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ہو سکتا ہے یہاں پچھلی آیت کی ترتیب ذکری اسی وُرودِ عذاب کے اعتبار سے ہو لباسِ نار آگ کی ایک چادر کی لپیٹ ہوگی جو کندھوں سے پیروں تک مثل چادر ہر کافر کے اردگرد لپٹی ہوگی اور۔ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا کے وقت اُسی ثیابِ نار سے کچھ دیر کے لیے باہر ہوجایا کریںگے، سب کافر ایک دم نہیں بلکہ کبھی کوئی کبھی کوئی جس کو بھی ذرا موقعہ ملا کرے گا۔ (وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی)

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ خَصْمَانِ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ بعض نے کہا اس سے مراد پچھلی آیت میں بیان کردہ چھ دینی گروہ ہیں ایک مومنین کا اور دوسرا پانچ باطل مذکورہ دین والوں کا کیونکہ تمام باطل دین جنسی اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے اگرچہ نوعی اعتبار سے مختلف ہیں ۲؎ بعض نے کہا یومِ بدر کے وہ دو گروہ مراد ہیں جنہوں نے پہلے جنگ کی مسلمانوں کی طرف سے حضرتِ حمزہ مولیٰ علی شیرِ خدا اور حضرت عُبیدہ بن حارث رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْھُم اور کفار کی طرف سے ربیعہ کے دو بیٹے ایک پوتا، عتبہ شیبہ، ولید ابن عتبہ ۳؎ بعض نے کہا اس سے مراد، ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مکالمہ کرنا ایک دفعہ ایک یہودی نے کہا ہم تم سے افضل کیونکہ ہمارا دین ہمارے موسیٰ ہماری کتاب پہلے ہے مسلمان نے کہا کہ ہم تم سے افضل کیونکہ ہمارا سب انبیا اور سب کتب پر ایمان ہے اور تم یہودی لوگ حسد سے ہمارے نبی اور قرآن مجید کو نہیں ملتے حالانکہ جانتے ہو کہ اسلام قرآن سچا ہے ۴؎ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنت اور دوزخ کی آپس کی گفتگو ہے اِخْتَصَمُوْا میں چار قول ۱؎ ایک یہ کہ اس سے مراد

تا قیامت مومنین کافرین کے دینی مناظرے ہیں، دوم یہ کہ بعض نے کہا کہ یوم بدر کی پہلی مقابلے بازی کی بات چیت مراد ہے۔ تین کافروں کے مقابل اولاً تین انصار صحابی نکلے ایک صحابیہ عفراء کے دو بیٹے عوف بن حرث ۱ معوذ بن حرث ۲ عبداللہ بن رواحہ تو مقابل میں آنے والے تینوں کفار نے کہا تم ہم سے کمتر ہو ہمارے مقابل کے مکی قریشی بھیجو تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی، حمزہ، عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا حضرت حمزہ نے آتے ہی پہلے ہی وار میں عتبہ کو مولیٰ علی نے تیسرے وار میں شیبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت عبیدہ اور کافر ولید کا کچھ دیر مقابلہ رہا اور دونوں سخت زخمی ہو کر گر پڑے ولید کو تو قتل کر دیا گیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر بارگاہ رسالت سے آئے آپ کے پیر کی ھڈی کٹ چکی تھی مینگ اور خون بہہ رہا تھا، آپ کی شہادت ہوئی یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں، یہاں یہ ہی گفتگو مراد ہے سوم قول ایک یہودی اور مسلمان کی مندرجہ بالا باتیں چہارم یہ کہ بعض نے کہا اس سے مراد جنت و جہنم کا وہ مکالمہ ہے جو معراج میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا، جنت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوں، جہنم نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا قہر ہوں، جنت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا جمال ہوں جہنم نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا جلال ہوں۔ مگر پہلا قول زیادہ درست ابو ذر غفاری قسم بول کر کہتے تھے کہ اِخْتَصَمُوا سے یوم بدر کا مکالمہ مراد ہے، ہوسکتا ہے چاروں واقعات کے بعد آیت اتری ہو اور یہ سارے مکالمے ہی مراد ہوں فِیْ رَبِّہِمْ میں تین قول ۱ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کے دین میں ۲ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں ۳ فِیْ رَبِّہٖ سے مراد اللہ کی ذات میں جھگڑا مناظرہ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ میں دو قول بعض نے لکھا کہ آگ ہی لپیٹی جائیگی مثل لباس۔ بعض نے کہا کہ انگارے کی طرح سرخ و گرم تانبے کی چادر سارے جسم پر لپیٹی جائیگی، دونوں قول درست ہیں، اس طرح کہ کسی کو یہ یا کبھی یہ کبھی یہ لَهُمْ کے لام میں چار قول ۱ یہ لام استحقاقی ہے یعنی وہ کافر اس لباس نار کے مستحق ہیں ۲ یہ لام فائدے اور بدلیت کا ہے یعنی یہ کافرین کا بدلہ ہے ۳ یہ لام توجیہ کا ہے یعنی یہ ثیاب نار ان کے کفر کی وجہ سے ہے ۴ یہ لام بمعنیٰ علیٰ ہے یعنی یہ لباس نار قُطِّعَتْ لَهُمْ، ان کے جسموں پر فٹ کیا جائے گا۔ لَهُمْ مَّقَامِعُ کی هُمْ ضمیر کے مرجع میں دو قول بعض نے کہا اس کا مرجع کفار اور لام کا معنیٰ ہے بعض نے کہا اس کا مرجع دوزخی فرشتے ہیں اور لام کا معنی عِنْدَ یعنی پاس۔ اَنْ یَّخْرُجُوْا میں تین قول ۱ بعض نے کہا اپنے مقام عذاب سے نکل کر

دروازۂ جہنم کی طرف ۲ بعض نے کہا اپنے لباس سے نکلینگے، اُن کی دلیل اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا ہے ۳ بعض کے وہ جہنم سے نکلنے کا صرف ارادہ کریں گے نکلیں گے نہیں ان کی دلیل سورۃ مائدہ کی آیت ۳۷ ہے وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنۡهَا۔ مگر پہلا قول درست ہے اسی لیے اُعِیۡدُوۡا ہوگا۔ کیونکہ صرف ارادے کے لیے اُعِیۡدُوۡا نہیں ہوسکتا اور کُلَّمَا اَرَادُوۡا کا معنی ارادۂ عملی ہے نہ کہ فقط ارادۂ قلبی اور سورۃ مائدہ میں اور کسی وقت کا ذکر ہے مِنۡهَا کی ھَا ضمیر کے مرجع میں تین قول ۱ اس کا مرجع عذاب ہے ۲ اس کا مرجع لباس ہے ۳ اس کا مرجع جہنم ہے۔ مگر پہلے دو قول درست ہیں۔

فائدے ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** دنیا میں ایمان کی بھی بہت قسمیں ہیں کفر کی بھی بہت قسمیں ہیں، مگر ایمانیات اپنی تمام اقسام کے ایک مجموعے کا نام ہے، ایمانیات مندرجہ ذیل ہیں ۱ توحید ۲ رسالت یعنی تمام انبیاء علیہم السّلام کو ماننا ۳ تمام کلام الٰہی کو ماننا ۴ تمام فرشتوں کو اُن کی صفات عطائیہ کے ساتھ ماننا ۵ قیامت حشر و نشر دوزخ، جنّت کو ماننا ۶ نیست سے ہست اور ہست سے نیست کی موت و حیات کو ماننا ۷ خلقت اُولیٰ و بعثت آخرت کو ماننا ۸ تمام عبادات کی تعداد اور اُن کے اوقات کو ماننا۔ یہ سب ایمان کا ایک مجموعہ اور نظام انبیاء علیہم السّلام کا گلدستہ ہے جو بندہ اِن سب چیزوں کو اقرارِ لسانی اور صدقِ قلبی سے مانیگا بس وہی مومن ہے ایک چیز کا انکار بھی شرعی مومن نہ بننے دے گا۔ یہ اشیاء ایمان کے اعضاءِ اصلیہ ہیں مگر کفر میں یہ بات نہیں وہاں مجموعہ اور اجتماع ضروری نہیں بلکہ تمام کفریات میں سے ایک کفر کو بھی مان لیا تو اسی طرح مکمل کافر ہوگا جس طرح سب کفریات خمسہ وغیرہ کو باقی کفریات کو ماننے یا نہ ماننے اسی طرح اجزاءِ ایمان میں سے ایک جز کا بھی انکار مکمل کفر ہے۔ ایمان مثل اجزاء کے ہے جن سے مل کر کُل بنتا ہے۔ مگر کفریات سب متفرق کُل ہیں، کفر مثل افراد ہے یعنی یہود، مجوسی وغیرہ سب علیحدہ علیحدہ مکمل کفر ہیں۔ یہ فائدہ ھٰذانِ خَصۡمٰنِ کے صیغۂ تثنیہ کے بعد اِخۡتَصَمُوۡا۔ جمع فرمانے سے حاصل ہوا، یعنی تمام ایمانیات ایک اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ہیں اور کفریات، یہود و ہنود مجوس، صابئی نصاریٰ علیحدہ مستقل مکمل **دوسرا فائدہ** جنّت اور دوزخ اور ان کی تمام چیزیں پیدا ہو چکی ہیں ہر نیک بندے کے ثواب کی چیزیں اور بُرے بندے کے عذاب

کی چیز بن چکی ہیں جو بعد قیامت ملیں گی یہاں تک کہ اہلِ جنت کا لباس نور اہل جہنم کا ثیاب نار بھی ہر ایک کے جسم کے مطابق بنایا جا چکا ہے، دنیا کی طرح بارگاہِ الٰہیہ میں ناپ لینے کی ضرورت نہیں وہاں ہر نیک و بد کے ناپ و پیمائش پہلے ہی موجود ہیں اگرچہ ان دنیا میں علی الترتیب پیدا ہوتے فوت ہوتے رہتے ہیں۔ یہ فائدہ قُطِّعَتْ۔ ماضی مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔
تیسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ طاقت والی مخلوق ملائکہ ہیں صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی جسمانیت اور جسمانی قوت اتنی زیادہ ہے کہ اگر ایک فرشتہ چاہے تو تمام انسانوں اور تمام جنات کو اپنے ایک ہاتھ میں جکڑ لے۔ روایت میں ہے کہ چاہے تو پوری زمین کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا لے، طائف کا پورا پہاڑ بحکم الٰہی جبرئیل علیہ السلام ہی کہیں سے اٹھا کر لائے تھے، سورۃ بقرہ کی آیت ۶۳ میں فَوْقَكُمُ الطُّورَ۔ یہ بھی جبرئیل علیہ السلام نے طور پہاڑ اٹھا کر بنی اسرائیل پر کیا تھا یہ فائدہ۔ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ۔ کی تفسیر نبوی سے حاصل ہوا۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ یہ لوہے کے گرز اتنے بھاری ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی زمین پر رکھ دیا جائے تو ثقلین یعنی تمام جنات اور تمام انسان مل کر بھی اس کو نہ اُٹھا سکیں وہ گرز بانیہ فرشتے ہر ایک۔ ایک گرز کھلونے کی طرح اٹھائے پھرے گا۔ اور احادیث سے ہی یہ بھی ثابت ہے کہ روحانی قوت میں انبیا علیہم السلام ملائکہ علیہم السلام سے بھی زیادہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کے ایک تھپڑ کی طاقت کا عزرائیل علیہ السلام کو پتہ ہے اور نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاقت کا سیر معراج میں سدرہ سے آگے لامکان تک جانے پر جبرئیل علیہ السلام کو پتہ لگا۔

احکام القرآن ان آیاتِ مقدسات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ لباس انسانی میں کندھوں سے ٹخنوں تک جسم انسانی شامل ہے مگر سر اُس لباس میں شامل نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ زید کو کپڑوں کا لباس دوں گا اور وہ صرف کرتا پاجامہ دو کپڑے دیتا ہے مگر عمامہ یا ٹوپی یا سر کا رومال نہیں دیتا حانث نہیں ہوگا۔ قسم پوری ہو گئی یہ مسئلہ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ۔ فرمانے کے بعد يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی پورے جسم پر لباس ہونے کے باوجود سر ننگا ہوگا۔ اس طرح اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ اپنے جسم پر پانی نہیں ڈالوں گا یعنی نہاؤں گا نہیں وہ صرف اپنے سر پر پانی ڈالتا ہے تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر سارے جسم پر پانی

ڈالے صرف سر نہ دھوئے تو حانث ہو جائیگا قسم ٹوٹ گئی کفارہ واجب نہانا پایا گیا۔ اصطلاحًا بھی جسم سے مراد کندھوں سے ٹخنوں تک ہوتا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص پسینے میں نہا گیا تو کندھوں سے ٹخنوں تک ہی تر ہونا مراد لیا جاتا ہے سر اور جسم کا یہ اصطلاحی فرق اسی آیت سے مستنبط ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جہنم کا پانی جہنم کی آگ کو نہیں بجھا سکتا۔ حالانکہ دنیا کا پانی دنیا کی آگ بجھا دیتا ہے۔ یہ فرق دنیا و آخرت بھی اسی آیت سے ظاہر ہوا، کہ جسم پر آگ ہو گی سر پر پانی ڈالا جائے گا جو یقینًا نیچے لباس پر آئے گا مگر لباس کی آگ نہ بجھے گی۔ **دوسرا مسئلہ** کفر کی سابقہ پانچ قسموں کے علاوہ چھٹی قسم یہ ہے کہ ایمان کی آٹھ اجزا میں سے جو شخص ایک کا بھی انکار کرے وہ مکمل کافر ہے اور جہنم میں وہی عذاب خمسہ جو ان کفار خمسہ کو دئے جائیں گے وہ اس کو بھی ابدًا ابدًا دئے جائیں گے یہ مسئلہ هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ کی تفسیر سے مستنبط ہوا کہ کسی بھی ایمانیات کا انکار دراصل ایمان سے جھگڑا اور مناظرہ مجادلہ کرنا ہے۔ بعض گمراہ مسلمان مفسر بن تے گوتم بدھ اور زرتشت کو نیک انسان بلکہ مَعَاذَ اللہ پیغمبر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ جاہلانہ قول قطعًا کفر یہ ہے۔ زرتشت اور گوتم بدھ وغیرہ میں اوّلًا تو ایمانیات کی ایک ذرہ بات بھی نہیں تھی ہر بات ہر تبلیغ ہر عمل و کردار میں شرک ہی شرک تھا ثانیًا اگر ذرہ بھر کسی طرف سے توحید الٰہی کا اشارہ ملتا بھی ہو تو ایمان کے باقی اجزا رسالت، قیامت وغیرہ کا ذکر اشارۃً بھی اُن کی تبلیغ اور تعلیم و تعلم میں نہیں ملتا، اس لیے یہ خود اور اُن کے عقیدت مند ہرگز ہرگز مومن نہیں، گوتم بدھ کے دین میں بت پرستی ظاہرًا موجود اور زرتشت آتش پرست اس نے ایران میں ایک اتنا بڑا آتش کدہ بنوایا تھا جو ہزار سال تک جلتا رہا۔ اور عید میلاد النبی کے دن ایک دم بجھ گیا تھا پھر ہزار کوشش پر بھی نہ جل سکا۔ زرتشت آگ کو طاقت کا سرچشمہ اور مظہر الٰہ مانتا تھا۔ لہٰذا یہ سب کفار میں شامل۔ **تیسرا مسئلہ** حدیث پاک میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر نبوت کے تحت مذکور ہے کہ جو دنیا میں کیڑے کے ریشم کا لباس پہنیگا کل قیامت کے دن جنت میں ریشمی لباس سے محروم رکھا جائے گا ایسے ہی جو مسلمان مرد دنیا میں سونے چاندی کا زیور۔ کنگن، انگوٹھی وغیرہ پہنے گا جہنم میں اس کو آگ کا زیور پہنایا جائے گا۔ مسلمان مردوں کو ریشم و سونا چاندی حرام ہے۔ یہ مسئلہ قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ (الخ) کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا۔ دنیا میں صرف مسلمان عورتوں کو ریشم و زیور جائز ہے وہ بھی فقط سونے چاندی کا بقیہ دھاتوں کا زیور عورتوں کو بھی حرام ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا خَصْمَانِ تثنیہ کا صیغہ یعنی دو جھگڑا کرنے والے مگر آگے ارشاد ہوا اِخْتَصَمُوْا جمع کا صیغہ جس کا معنیٰ ہے بہت سے لوگوں نے جھگڑا کیا، حالانکہ مفسرین فرماتے ہیں اور کلام کی روش سے بھی ظاہر کہ اِخْتَصَمُوْا کا فاعل خَصْمَانِ ہی ہے، تو تثنیہ کا فعل جمع کیوں لایا گیا چاہیے تھا کہ اِخْتَصَمَا، فرمایا جاتا۔ **جواب**۔ خَصْمَانِ تثنیہ ہے خَصْمٌ کا اور یہاں لفظ خَصْمٌ لفظاً واحد ہے اور معنیً جمع ہے کیونکہ خَصْمٌ سے ایک قسم کے افراد کے اعتبار ایک گروہ مراد ہے تو اصل معنی یہ ہوئے کہ دو گروہ کے افراد نے جھگڑا کیا ہے ایک گروہ مومنین کا دوسرا گروہ کفار کا چونکہ گروہ اپنے اجتماع کے اعتبار سے واحد ہوتا ہے افراد کے اعتبار سے جمع لہٰذا خَصْمَانِ میں گروہی وحدت کے اعتبار سے دو گروہ کے لیے تثنیہ ارشاد ہوا اور گروہی افراد کے اعتبار سے اِخْتَصَمُوْا فرمایا گیا یہ بات اِخْتَصَمَا فرمانے سے ظاہر نہ ہوتی بلکہ فرداً بھی دو ہی شخص معلوم ہوتے۔ اس لیے دونوں صیغے عین حکمتِ اظہار کے مطابق ہیں **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ ۔ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا قُطِّعَتْ لَهُمْ لِبَاسُهُمْ۔ کیونکہ کپڑے کو کاٹنے کا مقصد کپڑے کو کوئی دوسری چیز بنانا ہوتا ہے یا لباس یا غلاف وغیرہ۔ کپڑے کو کاٹنے کا مقصد کپڑا بنانا نہیں ہوا کرتا۔ موجودہ الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ کاٹا گیا اُن کے لیے کپڑا بنانے کے لیے آگ سے یا آگ کو اور یہ معنیٰ درست نہیں۔ اگر لِبَاسُهُمْ مِّنْ نَّارٍ ہوتا تو ترجمہ یہ ہو جاتا کہ ان کے لیے کپڑا کاٹا گیا لباس بنانے کے لیے یہ ترجمہ قابلِ فہم ہے اس لیے درست ہے۔ اس اُلجھن کا حل کیا ہے۔ **جواب** یہاں ثِیَابٌ فرمانا ہی عین درست ہے۔ اس لیے کہ کپڑے کا استعمال جسم پر تین طریقے سے ہوتا ہے ۱۔ پہن کر ۲۔ لپیٹ کر ۳۔ اوڑھ کر۔ پہننے کے لیے کپڑا کاٹ کر پیمائش کے مطابق سیا جاتا ہے عرفِ عام میں صرف اِسی کو لباس کہا جاتا ہے۔ لیکن لپیٹنے یا اوڑھنے کے لیے کپڑا صرف کاٹا جاتا ہے، سیا نہیں جاتا، اور اُس کو عرفِ عام میں لباس نہیں کہا جاتا بلکہ چادریں یا تہبند اور دھوتی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جیسے احرام کی چادریں وغیرہ، یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اُن جہنمیوں کے جسم پر آگ کا سلا لباس نہیں ہوگا بلکہ کھلی چادروں کی شکل میں اُن کے جسم کے مطابق آگ کی یا تپتے تانبے کی چادریں ہوں گی اسی لیے قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ فرمایا گیا۔ لِبَاسُهُمْ نہ فرمایا گیا کیونکہ سلے ہوئے کرتے پیجامے نہ ہوں گے۔ یہ صرف اُن کفار کا حال بیان فرمایا گیا جو اِخْتَصَمُوْا کے جھگڑالو ہیں

دیگر کفار کا حالِ عذاب مختلف ہوگا بعض نے یہ جواب دیا کہ قُطِّعَتْ کا معنیٰ کاٹا گیا نہیں، بلکہ جسموں پر فٹ کیا گیا۔ یہ معنیٰ لباس کے لیے بھی ہو سکتے ہیں اور کھلی چادروں کے لیے بھی اب اعتراض ختم ہوگیا۔ **تیسرا اعتراض**۔ جہنّم کی نار شر ہے یا خیر ہے؟ **جواب**۔ جہنم کی آگ کے متعلق بعض نے فرمایا نہ یہ شر ہے نہ خیر ہے بلکہ عذاب الٰہی اور حکمت ربانی ہے بعض نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ کسی کے لیے خیر ہے مثلاً فُسّاق کبھی کیلئے تزکیہ کے لیے عذاب، کسی کے لیے عتاب، جیسے حاکم کے ہاتھ میں کوڑا، جو نافرمان کو بندہ بناتے والا درست کرنے والا خیر ہے کہ دیکھ کر سن کر ہی جرم سے باز آجائے، اور مجرم بدکار کے لیے سزا کا شر ہے کہ کسی کی سزا سن کر دیکھ کر ڈر جاتا ہے یہ دنیا میں ہے آخرت میں یہ آگ مثل نارِ نمرود ہے کہ نمرود نمرودیوں کی نگاہ میں وہ ابراہیم علیہ السّلام کے لیے شر تھی مگر حقیقتاً وہ بَرْدًا وَّسَلَامًا کا خیر تھی، یونہی گناہگاروں کے لیے نارِ جہنّم ان کو پاکیزہ کر کے گناہ جلا کے گلزارِ جنّت کے لائق بنانے والی خیر ہے یا جیسے وَبَاءِ طاعون کو مومنین کے لیے صبر و شہادت کا خیر کہ صبر کریں تو اجر پائیں گے طاعون سے فوت ہو جائیں تو شہادت پائیں مگر کافرین کے لیے یہ نارِ جہنم عزت دلانے ڈرانے کفر سے بچانے کے لیے دنیا میں مہلت کا خیر ہے ورنہ قبر و حشر و جہنّم میں عذاب الیم کا شر ہی شر ہے۔ نارِ جہنّم دنیا میں سنائی گئی قبر میں دکھائی گئی اور جہنم میں پہنچائی گئی، جو شخص دنیا میں سن کر بھی عبرت نہ پکڑے اچھا بندہ نہ بنے تو اس کے لیے یہ آگ ہر جگہ شر ہی شر ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ۔ یعنی جب وہ کفار ارادہ کریں گے نکلنے کا اس جہنم سے غم کی وجہ سے تو اُعِيْدُوْا فِيْهَا تو اسی جہنّم میں لوٹا دئے جائیں گے، سوال یہ ہے کہ کفار صرف نکلنے کا ارادہ کریں گے نکلیں گے نہیں ارادہ فقط نیت کا نام ہے نہ کہ عملی اقدام کا۔ اس لفظ سے ثابت ہوا کہ نکلیں گے نہیں اور سورۃ مائدہ کی آیت ۳۷ سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نکلیں گے نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ تو پھر یہاں اُعِيْدُوْا کیونکر فرمایا گیا، لوٹانا تو تب ہو سکتا ہے جب نکلنا پایا جائے بغیر نکلے اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ **جواب** ارادہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک ارادہ ظاہری دوم ارادہ باطنی ہر شخص کا اپنا ارادہ باطنی ہوتا ہے لیکن جب دوسرا کوئی بیان کرے تو وہ پہلے اس پر ظاہر ہوگا تب ہی بیان کیا اور لوگوں

کو دکھایا سنایا جا سکتا ہے باطنی ارادے کا نام ارادۂ قلبی ہوتا ہے اور ظاہری ارادے کی تین صورتیں یا تو ارادے والا خود بتائے کہ میرا یہ ارادہ ہے یا اس کے انداز بتائیں، یا اس کا عملی اقدام بتائے، یہاں کفار کے ظاہری ارادے کا ذکر ہے کہ وہ عملی اقدام بھی کر لیں گے اور نکل بھاگیں گے ان کا پورا ارادہ تو جہنم ہی سے نکلنے کا ہوگا مگر ابھی وہ مقام عذاب یا ثیاب عذاب سے ہی نکلے ہوں گے کہ اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ مار پیٹ کر اسی جگہ اور اسی ثیاب نار میں لوٹا دیئے جائیں گے اور سورۂ مائدہ کی آیت ۳۷ میں پوری جہنم سے نکلنے کی نفی جا رہی لہٰذا دونوں آیتیں دو مختلف نکلنے کا ذکر فرما رہی ہیں یہاں جو نکلنا پایا گیا اسی کے لیے اُعِيْدُوْا فرمایا گیا ہے اس لیے اعتراض ختم ہو گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ۔ عالم ابدان میں یہ دو ہی قوتیں ہیں جو ہر وقت بر سر پیکار اور بد مقابل رہتی ہیں ایک قوت روح مومن یہ حق کی طاقت ہے دوم قوۂ نفس کافرہ۔ یہ باطل کا شور ہے، دونوں کا جھگڑا کفر اور ایمان میں شکر اور کفران میں، صبر اور شکوان میں ہے پس جو نفس کافرہ کی قوتیں ہیں ان کے لیے مخالفت شریعت مطابقتِ طبیعۃ کی بنا پر غضب الٰہی کے تانے اور قہر جباری کے بانے کی نارِ فراق سے ان کی صفاتِ منحوسہ عاداتِ منکوسہ کے مطابق شکل و صنیئت کے کپڑے بنا دیئے، اور ان کے خصائلِ متکبرانہ کے سروں پر شہوات شیطانیہ اور حب دنیا کا کھولتا پانی کڑکتا ماءِ حمیم جہل مرکب کا تیزاب فنائیت غالب و بلند کر کے ڈالا جائے گا اور اعتقاد فاسدہ کے قطرے ان کی ظاہر خواہشوں خفیہ مکروں منصوبوں کو مغلوب کر کے یہ قہر الٰہی کا ایسا پانی کہ تمام خیالات فاسدہ کی آتش عذاب دل و دماغ عقل و ہوش پر اس طرح پڑے گی کہ تمام عبادات حمیدہ عاداتِ صالحہ يُصْهَرُ جل کر تباہ و سیاہ ہو جائیں گی مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ کے اعمال حسنہ اور غیرت ایمانی کی جُلُوْد پگھل کر بکھر جائیں گے یعنی ظاہر بھی تباہ باطن بھی برباد فساد فِي الْاَرْض بدنی کی تمام استعداد باطنی خفی جلی قوتیں خاک و راکھ ہو جائیں گی، ان کی صفات انسانیت و کیفیت بشریت صورۃً و معنًا تبدیل ہو جائیں گی کیونکہ اہل نفسانیت اللہ تعالیٰ سے اس کے دین سے اس کے قانون کلام حدود، انبیاء علیہم السلام کی صورت و سیرت اطاعت و اتباع سے

دور و جُدا رہتے ہیں اور دعوت انبیا علیہم السّلام کے انکار اور اُس کی مخالفت و رُوگردانی میں لگے رہتے ہیں، اِتّباعِ خواہشات و طلبِ شہوات میں مشغول تب خیاطِ قضا و قدر ان کی اہلیت کے قدر برابر اُن کے اُوپر محرومیِ عرفانی کی نارِ غضب کی چادریں آتشِ فراق کے کپڑے ڈال دیئے جاتے ہیں جس سے انکی عقلوں کی قوۃ شعور و لطافت پگھل کر ختم ہو جاتی ہے اور وہ حمقاء بن کر ظاہر اچھائیوں کو بُرائیاں اور برائیوں کو اچھائیاں سمجھنے لگتے ہیں اور قہرِ عذاب کا پانی اس طرح اُن پر غلبہ کر لیتا ہے کہ اُن کی باطنی کیفیات اور ظاہری جلوات کے حالات بگڑ جاتے ہیں۔ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ۔ كُلَّمَآ أَرَادُوٓا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ۔ اور ان ہی شیطانی خصلتوں کے لیے آیاتِ قرآنیہ کا نزول اور اثراتِ ملکوتیہ کا صدور شریعتِ ایمانیہ کا قانون مثلِ ہتھوڑا اور گرزِ حدید دھماکہ خیز ہیں جو اجرام سماویہ کے لشکر ملائکہ زبانیہ فرشتے لے کر آتے ہیں بارگاہِ قدس سے۔ نفس کی مادی طاقتوں کی غلاظتوں کو ختم کرنے کے لیے۔ كُلَّمَا جب کبھی فطرتِ انسانی کے دھیلہ استعدادِ اوّلی کے گھمنڈ میں حدودِ فطری سے باہر نکلنے لگتے دنیوی محرومی کے غم سے اور اس آتشِ فراق سے بھاگنے لگتے ہیں کوششِ کثیفہ سے اُن اندھیری عذاب سیاہ کی مجلسوں میں سے نکل کر مراتبِ انسانی کی چڑھتی فضاؤں ڈھلتی فضاؤں کی جانب کھسکتی ہیں تو ملکاتِ مردودیت کے کرب اور دردناک گرزوں کی کڑک مہلک ضربوں کی بھڑک بھیانک عذابوں کی تڑپ میں پھر لوٹا دیئے جاتے ہیں اور صحراءِ غیب کی صداؤں سے ان کو کہا جاتا ہے ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ۔ غفلت کی زندگی کے عذاب کا مزہ موتِ حقیقی تک چکھتے رہو صوفیا فرماتے ہیں کہ بیابانِ معرفت میں دو خصمان ہیں۔ ایک عدم کا، دوم وجود کا۔ عارفین کے مسلک میں وجود خیرِ محض ہے اور عدم شرِ محض ہے۔ اس لیے کہ وجود میں حکیمِ مطلق عزّوجلّ کی صفتِ قدرت کا اثر ہے لہٰذا کسی بھی چیز کا وجود باطل نہیں، اشیا کا فاسد ہو کر شر بن جانا اعمالِ مخلوق اور اثراتِ ملکوت کی وجہ سے ہے۔ باری تعالیٰ اپنی ملکیت میں يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ کی شان والا ہے اور اپنے حکم میں يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ۔ کی حکمت والا ہے، آگ مظہرِ جلال ہونے کی بنا پر خیرِ محض ہے اور تعلقِ انسانی کی بنا پر کسی کے لیے شر کسی کے لیے خیر ہے۔ آتشِ دنیوی کو اس لیے بھی پیدا فرمایا گیا تاکہ ذی عقل مخلوق خالق تعالیٰ کی قدرِ جلال

کبریائی کو جانے مانے پہچانے، آگ میں خصمان ہیں ایک خصم قوت دوم خصم کمزوری، قوت یہ کہ ہر چیز کو راکھ کر دے کمزوری یہ کہ خوفِ الٰہی کے آنسو سے بجھ جائے، آگ میں الفت کا غلبہ بھی ہے اور کلفت کا عنصر بھی، محققین فرماتے ہیں کہ جیسے ایک شخص دعوتِ عام کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ جو لوگ میری دعوت میں آئیں گے انعام و اکرام پائیں گے جو لوگ نہ آئیں گے وہ قید و عذاب کی سزا پائیں گے، تو دوسرا شخص رحم و کرم شفقت و الفت پیار و محبت میں پہلے شخص سے زیادہ اکمل و اکرم اور اَتم و اَرحم شفیق و حلیم ہے کہ جو کوئی بندہ اُس کی دعوت لینے آستانۂ نبوت میں آگیا اُس کے لیے ثواب و رضا ہے جو نہ آیا اُس کے لیے عذاب و قضا ہے۔ اس لیے عقل مند تو وہی بندہ ہوا جو دعوت لینے آگیا۔ یہ دنیوی جنگ و جہاد اور اُخروی سزا وعذاب کا ابھی سے اِس دنیا میں ہی قرآن و حدیث سے بار بار سنایا جانا ظہورِ الفت ہی ہے ظاہراً کلفت ہے باطناً اُلفت ہے۔ ظاہراً مصیبت ہے۔ باطناً شفقت ہے۔ ظاہراً زحمت ہے باطناً رحمت ہے۔ اے بندے ابھی جب کہ اَجَلِ مقدَّر نے تیرے دستِ عمل کو بند نہیں کیا نہ قدرت کے پاؤں کو باندھا جلدی جلدی دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر پاؤں کو چلا کر دَا وَرِ محشر کی دعوتِ شریعت و طریقت میں تلبیۂ حقیقی پڑھتا ہوا حاضر ہو جا سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹا لے کیونکہ سزاءِ نار کے اندر آجانے کے بعد شور و فریاد بیکار ہے بلکہ فرعونیت کا نمونہ ہے۔ گناہ کرتے میں اپنے رب سے ایسی شرم کر جیسی اپنوں اور پڑوسیوں سے، دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا کہ قیامت میں کسی سے نہ ڈرے۔ پھل وہی پاتا ہے جو جڑ لگاتا ہے۔ خرمن و کھلیان وہی اُٹھالے جا سکتا ہے جو موسمِ حیات میں بیج بکھیرتا ہے۔ (از تفسیر نیشاپوری) ابن عربی، روح البیان، شیخ سعدی) حیاتِ دنیوی موسمِ بہار ہے زندگی کی سانسیں سرزمین کھیت کھلیان، ایمان چمنستانِ مصطفائی ہے اعمالِ صالحہ بیج ہیں۔ اِن کو بروقت ادا کرنا بیجوں کی بکھیر ہے۔ یہ لمحاتِ زندگی مہلت و فرصت کی گھڑیاں ہیں، جو بندہ اپنے نفس کی پوشیدہ باتوں کو پہچان لیتا ہے وہ غرور سے سربلندی نہیں کرتا بلکہ عجز و انکسار کی راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی اُس کی بدخواہی یا مذمت کرے وہ اس سے بھی جھگڑا نہیں کرتا بلکہ تواضع کرتا ہے اور جو کوئی اُس کی تعریف و ثنا کرے تب بھی فخر بڑائی نہیں کرتا بلکہ شکرِ کبریائی کرتا ہے ہر شخص کی سواری ہوتی ہے اور عمل کی سواری عاجزی و تواضع ہے۔ عاجزی کا پہلا نشان غریبوں مریدوں بیماروں کے ساتھ

بیٹھ کر کھانا کھلانا اور خود بھی وہی غریبوں والی خوراک کھانی، دوسرا نشان سچ بولنا تیسرا نشان سخاوت، چوتھا نشان عبادت پانچواں نشان لوگوں کو اذیت سے بچانا، چھٹا نشان خود تکلیف برداشت کر جانا، عاجزی کے باطنی نشان بھی چھ ہیں ۱ اپنے رب تعالیٰ سے حیا ۲ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وفا ۳ فصل و جدائی کا خوف طاری رہنا ۴ وصل و قربت کی آرزو رکھنا ۵ اپنے آپ پر ندامت ۶ گناہ پر نفرت، تواضع تین قسم کی ہے پہلی عیب کو ختم کرنے کے لیے نفس کو ذلیل کرنا دوم توحید الٰہی کی رغبت کے لیے نیکوں کی تعظیم فساق کی توہین کرنا سوم ہر ایک سے حق قبول کرنا، خلوت و جلوت میں نصیحت علما اصفیا کو ماننا، تکبر و غرور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے اور خود پسندی اپنی ناواقفیت سے آتی ہے اس قسم کی جہالت انسانیت کی مخالفت ہے عارف وہ ہے جس نے اپنے آپ کو پہچانا جس نے خود کو پہچانا اسی نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچانا، اسی لیے شریعت اسلام نے تکبر کی ممانعت اور غرور کی مخالفت فرمائی ہے۔ غرور کی پانچ سزائیں ۱ نارِ فراق کے حجابات ۲ ماہ جحیم کے عذابات ۳ محرومیت کے عتابات ۴ مقامع حدید کے الزامات و قہریات ۵ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا کی مجبورات عالمِ ناسوت کا یہی عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ہے (اللہ ہم کو بچائے)

اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

بے شک اللہ داخل فرمائے گا ان لوگوں کو جو مومن بن گئے اور عمل کئے اچھے

بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور اچھے

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

ہی ایسی جنتوں میں کہ جاری رہتی ہیں جن کے نیچے

کام کئے بہشتوں میں جن کے نیچے

الۡاَنۡهٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ

نہریں اس شاندار حالت میں کہ زیور پہنائے جائیں گے ان میں سونے کے

نہریں بہیں ان میں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن

ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

کنگن کا اور موتیوں کا اور ان کا لباس اُن جنتوں میں ریشم ہے۔

اور موتی۔ اور وہاں اُن کی پوشاک ریشم ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا

ہدایت دئے گئے تھے وہ کلمہ طیب کی اور ہدایت دئے گئے تھے

اور انہیں پاکیزہ بات کی ہدایت کی گئی۔ اور سب

اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ حمید کے دین کی طرف، بے شک وہ لوگ جو کافر ہو گئے

خوبیوں سراہے کی راہ بتائی گئی، بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ

اور رکاوٹ ڈالی انہوں نے اللہ کے راستے سے اور اُس مسجد

اور روکتے ہیں اللہ کی راہ اور اس ادب والی مسجد سے

الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ

حرام سے بنایا ہم نے جس کو کھُلے عام مسلمانوں کے لیے کہ برابر ہیں

جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے مقرر کیا کہ اس میں ایک سا حق ہے

ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

وہاں کے باشندے اور باہر سے آنے والے اُس میں اور جو شخص ارادہ کرے گا اِس حدودِ حرم

وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا اور جو اس میں کسی زیادتی کا

بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۵﴾

بے دینی پھیلانے کا کسی ظلم کے ذریعے مزہ چکھا دینگے ہم اس کو دردناک عذاب کا۔

ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہل نار کا عذاب بیان کیا گیا۔ اب ان آیت میں اہل بہشت کا ثواب بیان کیا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں سزاء اُخروی کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیت میں اُس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ ان کو عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ کفروا بھی تھے اور یصدون بھی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ کفار جہنم سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے رہیں گے مگر نکل نہ سکیں گے اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ کفار زندگی میں مقدور بھر لوگوں کو مسجد حرم شریف سے نکالتے رہے اور منع کرتے روکتے رہے کعبہ شریف حرم پاک اور مکہ مکرمہ کو اپنی ذاتی جائداد سمجھتے رہے۔ اُس کی پاداش میں اب جہنم ان کی ذاتی جائداد بنا دی گئی۔

شان نزول حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مقام پر عبداللہ بن اُنیس نومسلم کے ساتھ دو آدمیوں کو بھیجا۔ ایک مہاجر تھا ایک انصاری ان دونوں میں بات چیت کے دوران حسب نسب پر فخر کرتے ہوئے جھگڑا ہوا۔ نومسلم عبداللہ بن اُنیس کو غصہ آیا اُس نے انصاری کو قتل کر دیا اور خود مرتد ہو کر مکے کو بھاگ گیا تب یہ آیت ۲۵ نازل ہوئی۔ (از خزائن) دوسرا قول ابوجہل وغیرہ امیر لوگوں اور مسلمانوں کو تو حرم کعبہ میں بڑی عزت دلاتے اور کعبہ کھول کر دکھاتے پذیرائی کرتے مگر غریب صحابہ کرام کو روکتے طواف سے منع کرتے ایک دفعہ چند نادار مفلس مسلمانوں کو اس لیے مارا کہ وہ سرداران مکہ کی موجودگی میں کیوں کعبے کے پاس آئے ہیں ان صحابہ نے بارگاہ رسالت میں فریاد کی تب یہ آیت نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ۔ إِنَّ حرف مشبہ اللہ اس کا اسم يُدْخِلُ

بابِ افعال کا فعل مضارع مستقبل با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اَللّٰہَ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر
اٰمَنُوْا۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اَلَّذِیْنَ یہ فعل
با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ عَمِلُوْا بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق با فعل ضمیر صیغہ
مرجع اَلَّذِیْنَ اَلصّٰلِحٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بحالتِ نصب مفعول بہ ہے عَمِلُوْا کا
جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم موصوف ہے تَجْرِیْ ضَرَبَ کا فعل مضارع واحد مؤنث
غائب جَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنی بہنا، مِنْ حرف جر زائدہ یا ابتدائیہ تَحْتَ اسم سمتی بمعنی نیچے
ظرفِ مکانی کے لیے فَوْقَ کا ضد اَسْفَلُ کا ہم معنی مگر فرق یہ ہے تَحْتُ منفصل کے لیے آتا ہے
مثلاً وزیر بادشاہ سے نیچے ہے یہاں تحتُ استعمال کیا جائے گا۔ اور کندھا نیچے ہے سر
سے نیچائی مقامی ہو یا رتبی سب کے لیے تَحْتُ آتا ہے لیکن اَسْفَلُ صرف مکانی و مقامی
نیچائی کے لیے ہوتا ہے اکثر مضاف ہوتا ہے بغیر مضاف الیہ ہو تو مبنی مضموم ہوتا ہے
یہ مضاف ھَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَجْرِیْ کا اَلْاَنْھٰرُ اسم جمع
مکسر یہ فاعل ہے تَجْرِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے جَنّٰتٍ کی یہ مرکب توصیفی مفعول
فیہ ہے یُدْخِلُ کا۔ یُحَلَّوْنَ بابِ تفعیل کا مضارع مجہول جمع مذکر غائب اس کا مصدر تَحْلِیَۃٌ
ہے تعلیل تحری ہو کر ہوا اَلْحِلْیَۃُ حِلْیٌ سے مشتق ہے بمعنی زیور پہننا۔ تفعیل متعدی بن معنی ہے
زیور پہنانا، یُحَلَّوْنَ اصل میں تھا یُحَلَّیُوْنَ دوسری یعنی اصل مادے کی یٰ کو گرا دیا گیا۔ اس میں
ضمیر صیغہ نائب فاعل فِیْھَا جار مجرور متعلق اوّل ہے۔ یُحَلَّوْنَ کی مزید دو قرأتیں ہیں یَحْلُوْنَ
معروف فتح سے ۲ یُحْلَوْنَ بابِ فتح سے مجہول اس باب میں یہ فعل لازم ہے اور ترجمہ ہے
خوب صورت لگیں گے۔ مِنْ جارہ زائدہ ہے یا بعضیت کا یا بیانیہ یا اپنے اصلی معنی ابتدائیہ
میں پہلے دو قول درست ہیں اَسَاوِرَ اسم جمع مذکر مکسر منصرف واحد ہے سِوَارٌ بمعنی کنگن
زیور مراد ہیں کنگن صرف ہاتھوں میں ڈالنے کا زیور یہ مضاف ہے اس کو اضافت بیانیہ
کہتے ہیں مِنْ بیانیہ ہے یا ابتدائیہ یا بعضیت کا ذَھَبٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی سونا۔ اس کی
جمع ہے ذُھُوْبٌ۔ ذَھْبَانٌ۔ اَذْھَابٌ یہ لفظ ذھب بمعنی جانا سے اِستعارہ ہے کیونکہ
سونے کی دھات سب سے جلدی پگھلتی ہے یا اس لیے کہ یہ دھات اصل دولت ہے
جلدی آتی جاتی ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مصنوع کا مصنوع اسم مفعول سب سے
مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ اَسَاوِرَ کا یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے دوم یُحَلَّوْنَ کا واؤ

عاطفہ ہے اور مابعد کا جملہ معطوف ہے اَسَاوِرَ کے محل پر اور وہ مَحَلًّا منصوب (زبروالا)
اس لیے یہ ظاہراً منصوب ہوا، ایک قول میں واؤ زائدہ ہے اور مابعد جملہ محذوف موصوف
کی صفت ہے یا یہاں یُؤْتَوْنَ فعل پوشیدہ ہے اور یہ عبارت اُس کا مفعول ہے مگر
ہماری ترکیب زیادہ صحیح و آسان ہے۔ لُؤْلُؤًا اسم مفرد جامد بمعنی موتی جنسی جمع ہے یعنی ہر قسم
ہر جنس کا موتی اِس کی لفظی جمع ہے لآلی۔ اس کو لُؤْلِیًا، لِیلِیًا، لُؤْلُوٍ اور لُؤْلِیٍ بھی پڑھا گیا
ہے یہ معطوف ہے مَحَلًّا اَسَاوِرَ پر یُحَلَّوْنَ اپنے اِن تمام معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
علیہ واؤ عاطفہ اور مابعد جملہ معطوف ہے یُحَلَّوْنَ کے جملہ پر۔ ایک قول میں کہ مابعد جملہ حال ہے
یہ ہی ترکیب نحوی زیادہ مقبول آسان اور معتبر ہے بعض نحویوں ایک اور بھی ترکیب
کی ہے۔ بہر کیف یہ جملہ حال ہی ہے یُحَلَّوْنَ کے نائب
فاعل کا۔ لِبَاسُهُمْ یہ مرکب اضافی مبتدا فِیْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ یا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ
حَرِیْرٌ اسم مفرد جامد بمعنی ہر قسم کا ریشم یہ لفظ ریشم کا جنسی نام ہے فاعل ہے ثَابِتٌ کا
یا نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لِبَاسُهُمْ، مبتدا کی یہ دونوں
جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے یُحَلَّوْنَ پر دونوں عطف مل کر حال اَلَّذِیْنَ کا یہ دونوں مل کر مفعول
بہ ہے یُدْخِلُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَهُدُوْٓا اِلَى
الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ
فِیْهِ وَالْبَادِ واؤ سے جملہ هُدُوْٓا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول دراصل هُدِیُوْا
تھا ی پر ضمہ ثقیل تھا ماقبل کو دیا دو ساکن جمع ہوئے ی حرف اصلیہ (مادے کا حرف)
ہے اس لیے گر گئی واؤ نہیں گر سکتی کیونکہ علامت جمع ہے بقانون نحو علامت نہیں گر سکتی
هُدٰى سے مشتق ہے بمعنی ہدایت دینا تعلیم دینا، اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ مرجع
اَلَّذِیْنَ ہے اِلَى الطَّیِّبِ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنَ الْقَوْلِ یہ جار مجرور متعلق دوم
ہے هُدُوْٓا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا هُدُوْٓا اگر اپنے ماضی کے معنیٰ میں ہو تو
طَیِّب سے کلمہ طیبہ اور پورا دین اسلام اور اگر مستقبل کے معنیٰ میں ہو تو طیب سے مراد
اہل جنت اور ملائکہ کی پاکیزہ گفتگو، واؤ سے جملہ هُدُوْٓا فعل با نائب فاعل اِلٰى جارہ انتہائے
غایت کے لیے بمعنی تک یا طرف صِرَاطِ اسم مفرد جامد بمعنی کھلا راستہ مضاف ہے اس کو

اضافت بیانیہ کہتے ہیں اصلاً صفت موصوف ہے حَمِید بمعنیٰ محمود جیسے کہ حبیب بمعنیٰ محبوب ہوتا ہے اسم صفت مشبّہ ہے باب کَرُمَ سے یا دونوں سے مراد جنّت ہے اگر ھُدُوْا بمعنیٰ مستقبل ہو یا صراط سے مراد راستہ حمید سے مراد جنّت لیکن اگر ھُدُوْا اپنے ماضی کے معنیٰ میں ہو تو صراط سے مراد راستہ حَمِید بمعنیٰ اسلام یا ایمان، دینِ الٰہی، یا دونوں سے مراد اسلام اور دینِ الٰہی ہے۔ یہ ھُدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا اِنَّ حرفِ مشبہ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول کَفَرُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ایک قول واؤ حالیہ ہے اور مابعد حال ہے پوشیدہ ھُمْ ضمیر مبتدا کی خبر ہو کر، اور ایک قول میں یہ واؤ زائدہ ہے اور جملہ بذاتِ خود حال ہے ہماری ترکیب پہلے قول پر ہے یَصُدُّوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب صَدٌّ سے مشتق ہے یعنی صَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بمعنیٰ روکنا رکاوٹ ڈالنا۔ عَنْ جارہ زوالیہ دور کرنے ہٹانے کے لیے سَبِیْلِ اللّٰہِ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ مرکب توصیفی موصوف ہے یہاں مسجدِ حرام سے پورا شہر مکہ حرم شریف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر جَعَلْنٰہُ فعل ماضی با فاعل جمع متکلم مرجع اللّٰہ تعالیٰ متعدی بدو مفعول ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مسجد ہے مفعول بہ اوّل ہے لِلنَّاسِ یہ جار مجرور متعلق ہے مُبَاحًا اسم مفعول پوشیدہ کا یہ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ذو الحال ہوا، سَوَآءً اسم مصدر بمعنیٰ برابر ہونا پورا ہونا، بیچ میں ہونا، یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اور برابری رُتبی مراد ہے نہ کہ مکانی اس کی ترکیب میں چار قول ہیں ۱۔ یہ ماقبل لِلنَّاسِ کے جملے کا حال ہے ۲۔ یہ خود مفعول دوم ہے جَعَلْنَا کا ۳۔ یہ حال ہے ہٗ ضمیر کا ۴۔ سَوَآءٌ مبتدا مرفوع ہے اَلْعَاکِفُ سب اس کی خبر پھر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول ثانی یا حال ہے ہم نے پہلی ترکیب کو اختیار کیا ہے۔ سَوَآءً مصدر عامل بمعنیٰ مُسْتَوِیٌ اسم فاعل اَلْعَاکِفُ اسم فاعل واحد مذکر با فاعل ضمیر صیغہ فِیْہِ جار مجرور متعلق ہے عَاکِفٌ کا عُکُوْفٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے بمعنیٰ ٹھہرنا اعتکاف کرنا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ اَلْبَادِ، اسم فاعل بَدْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گاؤں (دیہات) میں رہنے والا مراد ہے ہر مسافر اصل بَادِیٌ آخر کی یٰ بحالت رفع گر گئی تقدیری ضمّہ آیا لبشکلِ تنوینی کسرہ پھر الف لام کی وجہ سے تنوین بھی ختم ہو گئی یہ معطوف اَلْعَاکِفُ پر دونوں عطف مل کر فاعل سَوَآءً مصدر بمعنیٰ اسم فاعل کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا مُبَاحًا پوشیدہ کا وہ دونوں مل کر مفعول دوم ہے جَعَلْنَا کا یہ سب مل کر

صِلہ ہوا الذین کا یہ دونوں مل کر صفت ہے مسجد کی یہ مرکب توصیفی معطوف سبیل پر دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے یصدون کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کفروا پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا الذین کا دونوں اسم اِنَّ کا اس کی خبر کا جملہ وَ نُذِیْقُهُمْ لَعَذَابٌ پوشیدہ پر سابقہ آیت ذُوْقُوْا (الخ) کے قرینے سے بعض نے کہا کفروا تک اسم اِنَّ وَیَصُدُّوْنَ کا واؤ زائدہ اور تمام جملہ خبر اِنَّ۔ وَاللہُ اَعْلَمُ۔ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ واؤ بر جملہ مَنْ موصولہ شرطیہ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ یُرِدْ۔ باب افعال کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب، یُرِیْدُ سے۔ یُرِیْدُ پھر مَنْ جازمہ نے جزم دیا تو ہو گیا یُرِدْ کیونکہ دال ساکن ہوئی تو دو ساکن ہوئے ی گر گئی فِیْهِ جار مجرور پہلا متعلق بَ تعدیہ کی اِلْحَادٍ باب افعال کا مصدر بمعنی بے دینی پھیلانا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم بَ حرف جر سببیہ بمعنی ذریعے ظُلْم اسم مصدر مجرور یہ جار مجرور تیسرا متعلق ہے یُرِدْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی نُذِقْ باب افعال کا مضارع مستقبل بحالت جزم اسی مَنْ کی وجہ سے پہلے نُذِیْقُ تھا۔ باِفاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع مَنْ ہے مِنْ زائدہ عَذَابٍ اَلِیْمٍ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نُذِقْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ۔ وَهُدُوْا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ۔ اے نگاہِ عبرت رکھنے والو تم لوگوں نے کافران گروہ خمسہ کا اُخروی انجام مقام عذاب ثیاب نار مقامع حدید۔ عذاب حریق غم شدید کے حالات تو سن لیے۔ اب اہل ایمان خوش نصیبوں کا بھی انجام سنو کہ آخرت میں اُن کا حال۔ معال۔ مقال، کمال۔ مقام لباس کیا ہو گا بے شک اللہ تعالیٰ بہترین عزت اور شان کے ساتھ داخل فرمائیگا اُن ایمان والوں کو جنہوں نے حیات دنیوی میں تمام عمر تعلیم نبوت کے مطابق اعمال صالحہ کئے اور ہر عمل قول کردار عادات اخلاق میں اپنے اجسام و حالات۔ معاملات معاشرات اوقات پر صورت نبی اور سیرت نبوی کا پورا نقشہ قائم کئے رکھا اُن جنتوں میں جن کے محلوں مکانوں درختوں زمینوں کے نیچے نیچے

ما و سرور۔ شراب طہور اور بنِ لذیذ و عسل کثیر کی نہریں بہ رہی ہیں اُن جنتوں کے اندر وہ جنتی لوگ جنّت کے سونے اور قدرتی لعل و یاقوت کے مُصفّا مُجلّا زیوروں کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس قدرتی ریشم کا ہوگا مومن مردوں کا بھی مومنہ عورتوں کا بھی ان کی خوش نصیبی دنیا میں بھی ہوئی کہ ان کو ایمان عرفان قرآن کی راہ کلمہ طیبہ تلاوت عبادت کی ہدایت ملی یہ لوگ عالمِ ارواح سے ہدایت دیئے گئے اور نبوت اور رسالت کی غلامی کے لیے منتخب کئے گئے اور محمود جَلّ وَعلیٰ کی راہ قُرب کی بھی ہدایت دیئے گئے اور آخرت میں بھی کہ ہر وقت ذکرِ الٰہی شکرِ کبریائی نعتِ مصطفائی کی توفیق سعید پاتے رہیں گے اس طرح کہ جب جنت کو پُل صراط سے دیکھیں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا۔ تمام حمدیں ہمارے اُسی رحیم و کریم اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے محض اپنے کرم سے ہم کو اس جنّت کی ہدایت دی اور جب یہ اہلِ ایمان جنت کے اندر داخل ہوں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ۔ تمام حمدیں اسی ذاتِ قدیم و علیم خبیر اللہ دعالیٰ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہم سے اپنا فضل کرتے ہوئے غم دور فرمایا اور جب اپنے جنتی گھروں میں داخل ہوں گے تو کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ۔ تمام تعریفیں اُسی اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنا وَعْدۂ کرم وغفّاریت سچا فرمایا ہمارے لیے اور ہمیں مالک بنایا زمینِ جنت کا جنتی زیور صرف کنگن ہوں گے جو ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے جسم کے کسی دوسرے مقام پر کوئی زیور نہ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جہاں تک وضو میں کلائی دھوئی جاتی ہے وہاں تک کنگن ہوں گے ایک کنگن سونے کا ایک چاندی کا اور ایک لعل و یاقوت کا، اسی کو عربی میں لُؤلُؤ کہا جاتا ہے یعنی جواہر۔ ریشم کا لباس اور جنتی زیور اُس مومن کو ملے گا جس نے دنیا میں ریشم اور زیور کو اپنے لیے حرام سمجھا اور کبھی بھی استعمال نہ کیا، دنیا میں یہ دونوں چیزیں ہر مومن مرد کو حرام قطعی ہیں۔ یہی اہلِ ایمان اَزلی قسمت اور تقدیری فیصلے سے دنیا و آخرت میں ربِّ محمود کے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیئے گئے۔ کہ دنیا میں آستانۂ نبوت کی حاضری، شریعت کی اطاعت طریقت کی اتباع حقیقت کی عبادت معرفت کی منزل ملی، اور آخرت میں قبر کی راحت، حشر کی عزت، پُل صراط کی رفتار جنّت کی گفتار ملی، دنیا میں ربّ حمید کی فرماں برداری آخرت میں ربِ حمید کی

خوشنودی، دنیا میں رب تعالیٰ کی ماننے کی سعادت و توفیق اور آخرت میں اُس سے ملنے
کی نعمت و تکریم دنیا میں تین قسم کے انسان تین قسم کے کام کرتے ہیں اُن کو آخرت میں تین قسم
کا بدلہ ملے گا، مومن ایمان لایا اس کا بدلہ جنت ملی عبادت کی اس کا بدلہ نعمتیں و نہریں ملیں
ہر حرام کو چھوڑا اُس کے بدلے ریشم و زیور ملا، فاسق نے گناہ کئے اُس کے بدلے سزا ملی ظلم
کئے اُس کے بدلے نیکیاں چھنیں، عبادت سے بھاگا تو ذلت ملی، کافر نے کفر کیا تو جہنم کی رہائش
ملی۔ غرور کا لباس پہنا تو آگ کے کپڑے ملے۔ لوگوں کو ورغلایا۔ دینِ کبریائی نعمتِ مصطفائی
سے بھگایا کفر کی طرف لوٹایا تو مقامعِ حدید کی مار سے مقامِ عذاب میں لوٹایا گیا۔ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ
سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ
مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ اِن کفار میں وہ لوگ جو شروع زندگی کے کافر ہے۔ اَب
اُن کی خباثتِ طبعی یہ ہے کہ لوگوں کو دینِ حق اَقوالِ طیبہ اور صراطِ حمید سے روکتے
ہیں اور ان کا صرف یہی ظلم نہیں بلکہ حرمِ مکہ میں عمرہ کرنے اور مسجدِ حرام میں عبادت تلاوت
طواف کرنے سے بھی روکنے لگے حالانکہ یہ شہرِ مکہ اور مسجدِ کعبہ وہ جگہ وہ عبادت گاہ
ہے جس کو ہم نے تا قیامت تمام اہلِ ایمان انسانوں کے لیے بنایا ہے۔ یہاں طواف
و عبادت عمرہ و حج کے لیے سب مقیم و مسافر شہری و دیہاتی، آبادی و آفاقی اہلِ حل اہل
حرم، اہل میقات اہلِ آفاق، شمالی جنوبی، مغربی مشرقی، سب برابر ہیں۔ مقیم اپنے
گھروں میں مسافر اِس کی پوری سرزمینِ مکہ میں جہاں چاہیں خیمہ لگائیں، ڈیرہ جمائیں کوئی دوسرا
شخص اُن کو اُن کی منتخب زمین سے بلا وجہ ظلماً ناحق اُٹھا نہیں سکتا نہ حکومت کے زور پر
نہ امیری دولت مندی کی دھونس پر نہ کسی سیاسی مخالفت کے رعب پر نہ مقیم مسافر کو نہ
مسافر مسافر کو نہ کوئی بادشاہ، وزیر، مشیر اہلِ حکومت کسی عابد حاجی طائف کو کسی وقت
کسی منٹ کسی موسم میں۔ صبح شام رات دن، سردی گرمی میں نہ کسی بیمار کو روکنا جائز نہ
کسی تندرست کو سال بھر تا عمر نہ کوئی وُرودِ مکہ سے روکے نہ دخولِ مسجد سے، یہ شہر
یہ مسجد تمام دنیا میں اس خصوصی شان والا ہے کہ سب کے لیے مالکِ اَرض و سماء کی
طرف سے وقفِ خاص ہے۔ یہاں کسی کو ملکیتِ حکومت صرف انتظام و انصرام کے لیے دی
جاتی ہے نہ کہ ملکیت جتانے ظلم کمانے کے لیے۔ ہاں اَلبتہ اگر کسی وقت کسی جگہ سے کسی

شخص کو اٹھانا ضروری ہو جائے تو متبادل جگہ دے کر معذرت و اخلاقِ حسنہ گفتارِ حمیدہ طریقۂ رشیدہ کے ساتھ اُس کو اُٹھانا جائز ہے مثلاً کسی اجنبی نے غلطی یا ناواقفی سے سرِ راہ رہنے کا خیمہ یا ٹھیرنے کا ڈیرہ یا سونے کا بستر لگا لیا تو اُس کو دوسری نزدیکی جگہ پہنچا نا یہاں سے اٹھانا جائز ہے تاکہ نہ اس کو کوئی تنگی و نقصان ہو نہ کسی راہ گیر کو یہ قانونِ ربانی تا قیامت ہر شخص ہر مقیم، ہر حکومت کے لیے ہے، خبردار اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے کیونکہ یہ شہرِ جلال ہے اگر یہاں کی ایک نیکی لاکھ برابر ہے تو یہاں کا ظلم وگناہ بھی لاکھ برابر یہاں تو ارادۂ گناہ بھی گناہِ عظیم ہے۔ لِهٰذَا۔ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ۔ اور تا قیامت جو شخص بھی اس مسجدِ حرام اور حرمِ مقام میں بے دینی کی طرف مائل ہو کر عمداً ارادۃً کسی ظلم کا ارادہ بھی کرے گا۔ کفر شرک کا یا کسی کے قتلِ انتقام کا یا نقصان کا یا جھوٹی اور لغو قسمیں کھانے کا یا بغیر احرام حدودِ حرم میں عمرے و حج کے لیے، داخل ہونے قدم رکھنے کا یا یہاں کے شکار کا یا بلا ضرورت کوئی گھاس بوٹی کاٹنے اکھیڑنے کا یا یہاں کے مقیمین و زائرین کا کھانا پانی غذاءِ جسمانی، ضروریاتِ زندگانی روکنے کا یا اپنی حکومت چکانے سیاست پھیلانے، ڈرانے دھمکانے دہشت وحشت بھڑکانے، مارنے اُکسانے ورغلانے کا یا گالی و دشنام طرازی کا یا ممنوعاتِ احرام و حرم کا تو۔ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ ہم اس کو ایسا عذابِ اَلِیم چکھائیں گے جو دنیا میں عبرت ناک قبر میں حیرت ناک حشر میں حسرت ناک جہنم میں دردناک ہو گا۔ اصحابِ فیل کو دنیا میں ہوا، کفارِ مکہ کو بدر و قبر میں، یزید پلید کو قبر برزخ میں ہو رہا ہے بہت سے دیکھنے والوں نے بشکلِ آگ و دھواں دیکھا یہ تو شہرِ امن ہے یہاں انسان حیوان نباتات جمادات سب کو امن ہے۔ یہاں اُس ظالم کو بھی نہیں مار سکتے جو باہر کسی پر ظلم کر کے یہاں پناہ لے لے، ہاں البتہ حدود اللہ کی سزاؤں سے یہاں بھی نہیں بچ سکتا مرتد ہو کر یا چوری ڈکیتی کر کے یا کسی کو قتل کر کے زنا و شراب پی کر یہاں پناہ لے لے تب شرعی عدالت سے نہیں بچ سکتا، حکومتِ وقت یہاں سے بھی پکڑ کر اُس پر حدِ شرعی جاری کرے گی، رجم و قصاص کی پوری سزائیں دی جائیں گی۔ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن غلافِ کعبہ میں چھپے ہوئے مرتد و قاتل عبداللہ بن خطل اَنیس مردود کو وہیں سے نکلوا کر قتل کروا دیا تھا یہ شخص ایک سفر میں کسی جھگڑے کی بنا پر ایک انصاری مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو کر مکے میں بھاگ آیا تھا (از مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۲۸)

بحوالہ متفق علیہ) یَصُدُّوْنَ کا واقعہ اس طرح ہوا کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ۶ھ میں عمرے کی ادائیگی کا ارادہ فرمایا تو ماہِ ذیقعدہ میں آٹھ تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی بیرِ علی پر احرام باندھا۔ جب مقام حُدَیبیہ پر پہنچے تو ابوسفیان نے جو اُس وقت کافر تھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آکر روک دیا اور کہا کہ اس سال تم مکے میں نہیں آسکتے۔ صحابہ کرام کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ اگر ہم احرام میں نہ ہوتے تو پھر ہم دیکھتے کہ تو کس طرح ہم کو روکتا ہے تم سب کی لاشیں ہی یہاں سے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکمت ربانی بیان فرماکر صحابہ کا غصہ ٹھنڈا کیا اور آئندہ سال کے لیے صلح ہوگئی اسی کا نام صلح حُدَیبیہ ہے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے چھ میل دور جانب مدینہ منورہ ہے، پھر ۷ھ میں اسی صلح کے مطابق ماہ ذیقعدہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مع تمام صحابہ عمرہ ادا فرمایا، یہ اسلام کا پہلا عمرہ تھا۔ حج اسلام ۹ھ ماہِ جمادی الاوّل میں سورۂ مائدہ کی آیت ۲۷ سے فرض ہوا، اسی ۹ھ میں زکوٰۃ فرض اور سود حرام ہوا، یہ آیت بروز جمعہ نازل ہوئی، حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ادا فرمایا۔ ۲۶ ذیقعدہ کو مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی چار ذی الحج کو مکہ مکرمہ میں داخلہ ہوا، پھر آٹھ ذی الحج سے ارکانِ حج شروع ہوئے، ۹ ذی الحج کو میدانِ عرفات میں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی آیت مقدسہ نازل ہوئی ۱۹ ذی الحج کو مکہ مکرمہ سے واپسی ہوئی اور چھبیس ذی الحج کو مدینہ منورہ واپسی ہوئی، اسی دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے بیٹے سیدنا سیدنا ابراہیم چار سال کی عمر میں فوت ہوئے چند دن بخار میں رہ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ بہت لاڈلے پیارے تھے انہی کی وفات پر آپ کے چند آنسو نکلے۔

کعبہ شریف اور مسجد حرام شریف کے کچھ تاریخی حالات۔ کعبہ معظمہ ابتداء سے اب تک تیرہ بار تعمیر ہوا پہلی بار ملائکہ نے جنتی سفید چمکدار موتیوں سے بنایا جس کی لمبائی مع حطیم بیس شرعی گز یعنی ۴۵ فٹ، پھر رفعت آدم علیہ السلام کے وقت آپ کے ساتھ ہی جنت میں یہ پوری یاقوتی عمارت پہنچا دی گئی اِسی میں بیٹھ کر آپ وہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ جنت سے اُتارے جانے لگے تو آپ نے اُس یاقوت کو بوسہ دیا جس کے ساتھ آپ ٹیک لگایا کرتے تھے پتھر نے عرض کیا مجھ سے جدائی برداشت نہ ہوگی مجھے

بھی ساتھ لے چلئے تب آپ باجازتِ الٰہی اس یاقوت کو اپنے ساتھ ہی لے آئے اسی کا نام بعد میں حجرِ اسود ہوا۔ دوسری بار انہی بنیادوں پر آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا، یہ کعبہ سدرہ کے بیت المعمور کے بالمقابل زمین پر ہے اتنا ہی لمبا چوڑا، حجرِ اسود کو کعبہ کی شرقی و شمالی دیوار کے کونے میں خود آدم علیہ السلام نے لگایا زمین سے چار فٹ اونچا اس وقت بابِ کعبہ زمین کے برابر رکھا گیا تھا، چھت نہ بنائی گئی۔ بابِ کعبہ مشرقی دیوار میں ہی ہمیشہ رہا حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان دو فٹ جگہ ہے اس کا نام مُلتَزَم ہے یعنی سینہ لگانے کی جگہ یہ تعمیر حضرتِ آدم علیہ السلام نے اپنے تیسرے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کے ساتھ مل کر فرمائی کہ شیث علیہ السلام گارا مٹی اور اینٹ پتھر پکڑاتے آدم علیہ السلام تعمیر فرماتے یہ کعبہ ہمیشہ اسی جگہ رہا جہاں آج ہے ذرہ آگے پیچھے نہ ہٹایا گیا، اس کی وجہ یہ کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں زمین سے پہلے ایک نور کا ستون پیدا فرمایا عرش سے تحتُ الثَّریٰ تک پھر اس کے آس پاس سات آسمان پیدا فرمائے، ساتویں آسمان پر سدرۃُ المنتہٰی کے پاس اس ستون میں ملائکہ سے ان کا کعبہ بیت المعمور بنوایا اس کے دو ہزار سال بعد زمین پیدا کی گئی زمین پر جنات کو بسایا، اس کے دو ہزار سال بعد بیت المعمور کے نیچے زمین پر اسی ستون میں فرشتوں سے کعبہ بنوایا جو جنتی جواہر سفید سے بنایا گیا۔ اس کے دو ہزار سال بعد آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا زمین پر سجدہ کرایا اور بہت عرصہ جنت میں رکھا جب جنت سے نیچے تشریف لائے تو توبہ کی مقبولیت کے تین سو سال بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے اور وہاں آپ سے زمین کی پہلی تعمیر، کعبہ معظمہ بنوایا گیا، یہ تعمیر دو ہزار سال تک قائم رہی اتنی مضبوط بنائی گئی تھی پھر طوفانِ نوح میں یہ کعبہ شہید ہوا، تب تیسری بار حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ انہی بنیادِ آدم اور لمبائی چوڑائی کی پیمائش پر تعمیرِ کعبہ فرمائی۔ یعنی لمبائی پینتالیس ۴۵ فٹ اور چوڑائی چوبیس ۲۴ فٹ، اس کی شکل جانبِ جنوب محراب نما گول بنائی جاتی رہی یہی شکل بیت المعمور کی ہے جانبِ شمال دو ۲ کونے بنائے گئے تھے اب جن کا نام رکنِ یمانی اور رکنِ اسود ہے۔ تعمیرِ کعبہ کے بعد اسماعیل علیہ السلام نے اپنی علاقائی قوم جرہم کے ساتھ مل کر مطاف کی چار دیواری بنائی اسی دیوارِ مطاف میں بابِ کعبہ کے مقابل مقامِ ابراہیم کا پتھر رکھ دیا گیا، اس کچی دیوار کی اونچائی تقریباً تین فٹ تھی، تمام انبیاء علیہم السلام اس کا طواف کرنے تشریف لاتے

رہے۔ حج ہر اُمت پر فرض رہا۔ چوتھی بار قومِ عمالقہ نے تعمیر کی پانچویں بار قومِ بنی جرہم نے کی چھٹی بار تعمیرِ کعبہ قصیٰ بن کلاب سردارِ مکہ نے اپنی قوم کے ساتھ مل کر کی۔ اُس وقت کعبہ کے نقشے اور پیمائش میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی، وہی آدم و ابراہیم علیہما السّلام والا نقشہ و پیمائش قائم رہا کہ نہ چھت بنائی گئی نہ ہی دروازہ بدلا گیا بلکہ حسبِ سابق زمین کے ساتھ ہی رکھا گیا ساتویں بار بنی قریش نے تعمیر کیا اور چھ تبدیلیاں کی گئیں ۱ کعبہ معظمہ کی چھت ڈالی گئی لکڑی کے بالے شہتیر اور لکڑی کے چھ ستون بنائے گئے اوپر سے چھت پختہ کی گئی ۲ بارشوں سیلابوں سے بچانے کے لیے دروازۂ کعبہ چھ فٹ اونچا بنایا گیا ۳ حجرِ ابراہیم جس پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السّلام تعمیرِ کعبہ فرماتے رہے جس کا نام مقامِ ابراہیم ہے اس پتھر کو مطاف کی دیوار میں بابِ کعبہ کے سامنے جوڑا نصب کیا ۴ دیواریں بھی پختہ بنا دی ۵ پیسہ کم ہونے کی وجہ سے کعبہ کو چھوٹا کر دیا اور سات فٹ حطیم بنا دی گئی، اور کعبے کے چار کونے بنا کر چورکور کر دیا گیا ۶ اور حطیم میں شرقاً غرباً دو دروازے بغیر کواڑ رکھے گئے جیسے آج کل ہے۔ کعبہ شریف کے بھی شرقاً غرباً دو دروازے رکھے گئے مگر چند سال بعد دوسرا یعنی مغربی دروازہ بند کر دیا گیا۔ آج کل کعبہ و حطیم کعبہ اسی نقشے پر ہے مسلم شریف جلد اول ص ۴۲۹ پر ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تین خواہشیں تھیں ایک یہ کہ کعبے میں مدفون خزانہ نکال کر فی سبیلِ اللہ خیرات کر دیا جائے دوم کعبے کا دروازہ نیچے زمین کے ساتھ کر دیا جائے، سوم حطیم کعبہ کعبہ معظمہ میں شامل کر دی جائے۔ قرآنِ مجید میں کعبہ شریف کے تیرہ ۱۳ نام مذکور ہوئے ۱ کعبہ یہ اسم ذاتی ہے باقی نام صفاتی ہیں ۲ بیتِ اٰمن ۳ بیتِ عتیق ۴ بیتُ اللہ ۵ بیتِ حرم ۶ بیتُ الحرام ۷ بیتُ الحریم ۸ بیت مثابہ ۹ قبلہ ۱۰ اوّلِ بیت ۱۱ مکانَ البیت ۱۲ مبارک ۱۳ ھدیً، آٹھویں تعمیر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والیِ حجاز نے نقشۂ ابراہیم علیہ السّلام پر تعمیر کیا اور حطیم کو شاملِ کعبہ کر دیا اور بابِ کعبہ زمین کے برابر رکھا بلندی ختم کر دی، ۶۴ھ ہجری میں یزید پلید کے حملے کے بعد جس سے کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچا تھا۔ یہ تعمیر پندرہ جمادی الثانی کو شروع ہو کر ستائیس رجب معراج کی شب کو مکمل ہوئی یعنی ایک ماہ بارہ دن میں۔ تعمیر نہم، حجاج بن یوسف نے پہلے خود ہی کوہِ صفا سے اپنی فوج کے ذریعے کعبہ پر پتھر بازی اور آتش بازی کی تاکہ

اہلِ حکومت وہاں موجود ڈر کر بھاگ جائیں۔ پھر ایک سال بعد ۷۴ھ میں عبدالملک بن مروان
کے حکم سے خود ہی تعمیر کروائی۔ اور نقشۂ قریشی کے مطابق حطیم کو خارج کر دیا باب کعبہ
کو اونچا کر دیا۔ چھت ڈالدی گئی اس دلیل پر کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جس
نقشے کو نہ بدلا تو ہم کیوں بدلیں یہ نقشۂ کعبہ یادگارِ زمانۂ نبوی ہے۔ دسویں تعمیر۔
سلطان مراد رابع ابن سلطان محمد کی تعمیر اسی نقشۂ قریش و حجاج بن یوسف کے
مطابق۔ گیارھویں تعمیر۔ آلِ عثمان کی، بارھویں تعمیر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں آلِ سعود
کی تعمیر اسی نقشے پر ہوئی یہی تعمیر آج ہے حجرِ اسود ایک بار دیوارِ شمالی کے بوسیدہ ہونے کی
وجہ سے باہر گر گیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک میں رکھ کر
تمام سردارانِ مکہ سے چادر پکڑوا کر چادر کو اُٹھوایا تاکہ حجرِ اسود نصب کرنے کا شرف
سب کو حاصل ہو جائے پھر اپنے دستِ اقدس سے اُس کی جگہ پر رکھدیا اس وقت
آپ کی عمر مقدس پچیس سال تھی تبلیغِ نبوت سے پندرہ سال پہلے۔ تیرھویں تعمیر
اُس وقت ہو گی جب ایک حبشی کافر یہودی جس کا لقب ذو سویقتین ہو گا کعبہ معظمہ
کو شہید کر دے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو تعمیر فرمائیں گے، پھر زلزلۃ الساعۃ
کے وقت یہ تعمیرِ مسیح علیہ السلام زمین سے اٹھا کر جنت میں پہنچا دی جائے گی، جنت
میں آٹھ چیزیں جائیں گی ۱ اُحد پہاڑ ۲ کعبہ معظمہ کا کمرہ تعمیرِ مسیح والا ۳ سگِ اصحابِ
کہف ۴ ناقۂ صالح علیہ السلام ۵ خرِ عیسیٰ ۶ قصوای اونٹنی ۷ ستونِ حنانہ ۸ عصاءِ
موسیٰ علیہ السلام، سب سے پہلے کعبہ معظمہ پر غلاف ڈالنے والا یمن کا بادشاہ قبیلۂ
بنی حمیر کا تبان اسعد ابوکرب تھا، یہ خود اور اس کی سب قوم پہلے بت پرستی تھی،
رفعتِ مسیح علیہ السلام سے ایک سو ۱۲۸ اٹھائیس سال بعد اس کا زمانہ ہے پھر یہ
یہودی بن گیا اور سولہ ۱۶ عدد یمنی چادریں جو سیاہ ریشم کی دھاری دار تھیں ان کو جوڑ
کر غلافِ کعبہ تیار کیا اور کعبہ معظمہ پر چڑھایا یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے کا ہے۔ اس وقت سے اب تک کبھی بھی
کعبہ بلا غلاف نہ رہا اُس وقت متولی کعبہ معظمہ سردارانِ مکہ قریش تھے۔ کعبے میں
سب سے پہلے بت لانے والا قومِ عمالقہ یا بنی خزاعہ کا عمرو بن لحی تھا اس کا اصلی
نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا یہ شخص علاقۂ شام میں گیا اور وہاں

کے ایک شہر بلقاء سے پانچ بت لایا اور کعبے میں رکھے اس نے عرب میں بت پرستی پھیلائی، قوم عمالقہ کا یہ پہلا متولی کعبہ تھا اور حجاز کا حاکم۔ بعض نے لکھا ہے یہ قریشی سے تھا۔ (از سیرت النبی تو کلی) اسی نے بنی خزاعہ کے قصی بن کلاب سے تولیت مکہ کو چھین کر خود متولی کعبہ بن گیا قصی بن کلاب نے چار بار کعبے کی تعمیر کی تھی تبدیلی کوئی نہ کی قریش نے تین بار تعمیر کیا اور پہلی بار ہی چھ مذکورہ تبدیلیاں کر دی تھیں یمنی زبان میں غلاف کعبہ کا نام قصولی تھا اور باب کعبہ کے پردے کا نام برقعہ تھا یہ زمانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تھا جب پہلی بار غلاف چڑھا یعنی اسلام سے پانچ سو سال پہلے زمانہ قریش میں دوسری تعمیر کا سبب بھی غلاف کعبہ بنا اس طرح کہ ایک عورت نے اپنی کوئی منت پوری کرتے ہوئے لوبان سے کعبے کو دھونی دینی شروع کی تو غلاف کعبہ کو آگ لگ گئی، جس سے سارا غلاف اور باب کعبہ اور چھت کا کچھ حصہ جل گیا انجیل میں کعبے کو بیت الایل کہا گیا ہے۔ اب بھی غلاف کعبہ سولہ چادروں پر بنا کر جوڑا جاتا ہے غلاف کی اونچائی کی جانب سے چوڑائی پندرہ گز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس کے بعد یہ غلاف مصر سے بن کر آتا رہا پہلا مصری غلاف شاہ مصر الصالح اسماعیل بن ناصر بن عون نے بنوایا اُس نے اُس پر لکھائی کی ابتدا کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں یہ لکھائی نہ تھی یہ ۷۶۱ھ میں شروع ہوئی لکھائی کلمہ طیبہ اور چند آیات تھیں۔ اب اس پر کتابت کی پٹی پچیس انچ چوڑی ہوتی ہے اوپر سے چار فٹ نیچے ہے سونے سے ملمع کرکے چاندی کے تاروں کا دھاگہ بنایا جاتا ہے اس سے کڑھائی کی جاتی ہے پورے غلاف کی لمبائی پچاس گز یعنی ۴۷ میٹر ہوتی ہے اور باب کعبہ کا پردہ آٹھ گز (۷ میٹر) اور چوڑائی ستره فٹ ایک ہزار سال تک مصر سے غلاف کعبہ بن کر آتا رہا پھر جب مصری صدر کرنل ناصر سے سعودیہ کے سیاسی اختلاف شدت اختیار کر گئے تو شاہ فیصل نے ان کا غلاف لینا بند کر دیا، پھر ایک سال پاکستانی حکومت نے بنایا مگر مودودی صاحب نے عوامی چندہ وصول کرنے کے لیے اُس غلاف کو پورے ملک میں پھرایا بذریعہ ٹرین۔ اور چندہ سے اپنا منصورہ بنوایا واللہ اعلم۔ حکومت سعودیہ نے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے آئندہ کے لیے پاکستانی حکومت کو غلاف بنانے سے منع کر دیا اور خود بنانا شروع کیا جو اب تک جاری ہے

آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کعبہ کی پیمائش اس طرح تھی، قریش کی تیسری تعمیر تھی حطیم باہر تھی باب کعبہ کندھوں تک لمبا تھا ساگوان کی لکڑی کا بنا تھا اندر چھ ستون لکڑی کے کعبے کی بلندی سوا اٹھائیس شرعی اسلامی گز ۲۴ انگل سبابہ کے برابر ایک شرعی گز ہوتا ہے۔ دیواروں کی چوڑائی۔ رکن یمانی سے رکن اسود تک پچیس گز اور اتنی ہی رکن عراقی سے رکن شامی تک باب کعبہ کی بلندی نچلی چوکھٹ سے چھ گز دس انگل اور چوڑائی چار گز مشرقی دیوار میں اس پر چاندی کی پتی پیتل کی کیلوں سے جڑی ہوئی، دروازہ زمین سے تقریباً چھ فٹ بلند۔ دروازے اور حجر اسود کا درمیانی فاصلہ جس کو ملتزم کہا جاتا ہے چار گز حجر اسود زمین سے تین گز سترہ انگل بلند بند کردہ دروازہ جانب مغرب پشت کعبہ میں رکن یمانی سے چار گز شرعی دور جانب رکن عراقی موجودہ مشرقی دروازے کے بالمقابل، حطیم کے تین نام تھے ۱۔ حطیم ۲۔ حظیر ۳۔ حجر حطیم کے بیچ میں کعبہ کی چھت کا بارشی پرنالہ میزاب رحمت، مسدود باب کی چوڑائی ساڑھے تین گز تھی۔ اور لمبائی (بلندی) پانچ گز ایک بالشت حطیم نصف دائرے کی شکل میں رکن عراقی وشامی کے درمیان دیوار حطیم سے دیوار میزاب تک فاصلہ سات گز تھی۔ اور لمبائی (بلندی) پانچ گز ایک بالشت، حطیم نصف دائرے کی شکل میں رکن عراقی وشامی کے درمیان۔ دیوار حطیم سے دیوار میزاب تک فاصلہ سات گز آٹھ انگل حطیم کے دو دروازے ایک رکن عراقی کے پاس ایک رکن شامی کے پاس درمیانی فاصلہ بیس گز بیرونی فاصلہ ۲۵ گز دیوار حطیم کی چوڑائی (موٹائی) دو فٹ اور بلندی دو گز۔ آدم اور شیث وابراہیم سے لے کر قصی بن کلاب کی تعمیر تک حطیم کعبے کے اندر تھی اور کعبہ کی اندر سے کل لمبائی اڑتیس گز اور بیرونی اکتالیس گز تھی۔ مطاف کا صحن ایک سو تینتیس گز (از تفسیر روح المعانی سورۃ حج یہی آیت) کعبہ معظمہ کی موجودہ صورت حال۔

کعبہ شریف کی بلندی ۴۹ فٹ شرقی دیوار کی چوڑائی ۲۹ فٹ ۲ انچ شمالی دیوار ۳۲ فٹ ۵ انچ جنوبی دیوار کی چوڑائی دائیں بائیں ۳۲ فٹ۔

رکن عراقی، دیوار غربی
رکن یمانی
جانب جنوب
مغربی دیوار ۲۹ فٹ ۱/۲ انچ
شمالی دیوار
حطیم
میزاب
حجر اسود
جنوبی جانب
رکن شامی، شرقی دیوار باب، ملتزم

ایک عجیب غلطی، جو شیعوں نے بنائی اور جاہل سنیوں نے اپنائی۔ یہ کہ مولیٰ علی شیرِ خدا کعبے میں پیدا ہوئے یہ ایک ایسی جاہلانہ اور پاگلانہ بات ہے کہ جس کا ثبوت نہ عقل میں نہ نقل میں نہ کتابی تاریخات میں نہ علاقائی مشہورات میں، کہیں سے ایک شعر بنالیا ہے۔ جس کو خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ کہ،

کسے را میسّر نہ شد ایں سعادت   بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

اوّلاً تو یہ شعر خواجہ علیہ الرحمۃ کا ثابت ہی نہیں، اگر اُن کا ہی ہو تب بھی یہ مولدِ کعبہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ ایک ہی شعر مشہور ہے اور اس میں تو دونوں باتوں کی نفی ہے یعنی دنیا میں کسی کو یہ سعادت میسّر ہی نہیں ہے کہ اُس کی ولادت کعبے میں ہوئی ہو اور شہادت مسجد میں واقع ہو جائے۔ یعنی یک شخص یہ دونوں سعادتیں کسی بھی شخص کو دنیا میں حاصل نہ ہوئیں نہ مولیٰ علی کو نہ کسی اور کو۔ دوم یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ مولیٰ علی کی ولادت دن میں بوقتِ اشراق ہوئی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد زوجۂ ابو طالب طواف کر رہی تھیں وقتِ ولادتِ علی قریب آیا تو دیوارِ کعبہ پھٹی آپ اندر چلی گئیں اور ولادت ہو گئی۔ حالانکہ کعبے کی سطح اور دروازہ چھ فٹ اونچائی بغیر سیڑھی کوئی جا ہی نہیں سکتا مسلم شریف جلد اوّل ص۴۲۸ میں ہے کہ فتح مکّہ کے دن رَتَنَبّتُ الدَّرَجَۃَ میں سیڑھی کے ذریعہ کعبے میں گیا اور ص۴۲۹ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواہش بتائی کہ لَجَعَلْتُ بَابَھَا بِالْاَرْضِ، میں چاہتا ہوں کہ اِس کا دروازہ زمین کے ساتھ نیچا کر دوں، ثابت ہوا کہ دروازہ اونچا تھا، تو والدۂ علی بغیر سیڑھی ایسی نازک حالت میں کس طرح چڑھیں۔ نیز کعبے پر موٹا غلاف تھا کعبہ ہر طرف سے ڈھکا ہوا۔ جیسا کہ مشکوٰۃ ص۲۳۸ پر متفق علیہ حدیثِ اَنَس سے ثابت کہ عبد اللہ ابن خطل اَستارِ کعبہ میں چھپا ہوا تھا اور جب کعبے پر غلاف تھا تو فاطمہ بنت اسد کو کعبے پھٹنے کا پتہ کیسے لگا کہ کہاں سے پھٹا ہے کتنی اونچی بلندی پر دیوار پھٹی غرض کہ کیسے جانا کیسے چڑھیں کہاں سے پردہ اُٹھا یا کون سیڑھی لایا کسی اور نے کیوں نہ دیکھا، پھر کیسے اتریں، فرشِ کعبہ کس طرح صاف کیا۔ نیز اُن زمانوں میں دروازۂ کعبہ سارا دن کھلا رہتا تھا لوگ آتے جاتے داخل ہوتے رہتے تھے باری باری چندہ گیری کے لیے متولیانِ کعبہ بیٹھے رہتے تھے زائرین سے چندہ نذرانہ وصولی کے لیے۔ اتنی بے پردگی میں یہ ولادت کیسے انجام پائی نہ نقلاً بھی یہ کہیں ثابت

نہیں اتنا انوکھا واقعہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی نہ کسی دائی کو نہ عورت کو نہ خاوند ابوطالب کو نہ خود فاطمہ بنت اسد سے کوئی روایت منقول، تاریخات و مشہورات سے بھی کوئی ایسا ذکر نہیں ملتا بلکہ تاریخ مکہ اور علاقائی لوگوں کی زبانی مشہورات سے یہ بتایا جاتا ہے کہ کوہِ صفا کے پاس حضرت ابوطالب کا گھر تھا وہی مولدِ علی تھا۔ ۱۹۷۳ء تک یہ گھر موجود تھا ہم نے خود اس ہی گھر کی زیارت کی ایک معلّم حجاج کے قبضے میں خود معلّم نے ہم کو بتایا کہ یہ گھر اور یہ کمرہ مولیٰ علی کی جاءِ ولادت ہے بلکہ اس کمرے پر اوپر کی جانب لکھا ہوا تھا ھٰذَا مَوْلِدُ الْعَلِی۔ ہم نے اس معلّم سے کہا کہ پاکستان میں تو کعبہ ولادت مشہور ہے تو وہ حیران ہو کر کہتا ہے کہ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ بِہٰذَا قَوْلُ الْجُہَلَاءِ۔ بس ایک جاہلانہ بناوٹی بات مشہور کر دی گئی نہ جاننے والے نے عقل سے یہ باتیں سوچیں نہ جاہل سنّیوں خطیبوں نے بمسجد شہادت بھی درست نہیں بلکہ مولیٰ علی کی شہادت کوفے کی مسجد کے دروازے پر شروع ہوئی اور گھر میں جا کر وفات ہوئی۔

مسجد حرم شریف کے تاریخی حالات مسجد حرم شریف کی گیارہ خصوصیات ۱ اس کے لیے احرام باندھا جاتا ہے ۲ اسی میں عمارتِ کعبہ ہے ۳ اسی میں طواف ہوتا ہے ۴ یہ مسجد تمام زمین کے لیے قبلہ ہے ۵ سب سے پہلے اعتکاف اسی مسجد سے ہوا ۶ عبادتِ حج یہیں سے شروع ہوتا ہے ۷ یہی اسلام کا معبدِ اول ہے ۸ عبادتِ عمرہ یعنی حجِ اصغر یہیں پر ہوتا ہے ۹ اس میں حطیم ہے ۱۰ یہیں آبِ زمزم ہے ۱۱ اسی میں مقامِ ابراہیم منسوب و موجود ہے زمین پر سب سے پہلا گھر کعبہ اور حرم مکہ اسی مسجد کے اندر ہے ہر تین تین میل تک، شہر مکہ سے باہر باہر چاروں طرف ہے مسجدِ حرم شریف اب تک پانچ بار بڑی کی گئی ۱ دورِ فاروقی میں ۲ پھر دورِ عثمانی میں ۳ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے دورِ حکومت ۶۳ھ میں ان کے زمانوں میں مسجد حرم شریف مربع شکل رہی یعنی چاروں طرف طول و عرض میں برابر ۴ پھر عبدالملک بن مروان نے اپنی دورِ سلطنت میں صرف دیواریں اور پتھر کے ستون بنائے وسعت نہ کی ۵ پھر سلطان منصور زنگی ترکی نے جانبِ شام مسجد میں وسعت کی اور برآمدے و ستون بنائے جس سے اس مسجد کی لمبائی چار سَو چار گز ہو گئی اور چوڑائی تین سَو گز ہوئی ۶ پھر خلیفہ مہدی نے دو مرتبہ وسعت کی اس سے کعبہ ایک سمیت ہو گیا، تب اس نے چاہا کہ کعبہ ہر طرف

سے درمیان میں ہی حبیب سابق رہنا بہتر ہے تو انہوں نے جانب مُصلّٰی حنفیہ تیسری بار وُسعت کرنے کے لیے دَارُالنَّدْوَہ تک تمام عمارات خرید کر وہ جگہ مسجد میں شامل کر دی جس سے کعبہ شریف وَسط میں ہو گیا، یہ وُسعت دَورِ سلطنت عثمانی تک رہی ۵ پھر سلطان نورُالدین زنگی نے اپنے دَور میں وسعت دی ۶ پھر اَب ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء میں سعودی حکومت نے تھوڑی وُسعت دی اور مسجد شریف کو گول کر دیا۔ زیب وزینت کی گول برآمدے بنائے اور بلندی میں تین منزل تک بنا دیا۔ آرام دِہ ٹھنڈا سنگِ مرمر لگایا۔

ان آیت میں مفسّرین کے مختلف اَقوال، اَسَاوِرَ میں دو قول ۱ ہر جنّتی کو تین تین کنگن پہنائے جائیں گے دونوں ہاتھوں میں ایک سونے کا ایک چاندی کا ایک یا قوت کا ۲ مگر بعض نے کہا ایک ہی قسم کا کنگن ہو گا جس میں سونا بھی ہو گا اور چاندی بھی اور پر موتی یا قوت جڑے ہوئے اور کہنیوں تک پہنائے جائیں گے۔ مگر پہلا قول درست ہے حدیث پاک میں یہی ارشاد ہے اور تین کنگنوں سے ہی کہنی تک بھر جائے گی ہر کلائی۔ وَھُدُوْا اِلَی الطَّیِّبِ میں چار قول ۱ اس سے مراد زندگی میں کلمہ طیبہ پڑھتے رہنا اور تعلیم قرآن وَتدریس حدیث کی سعادت ملنا ۲ بعض نے کہا اِس سے اُخروی بہشت میں جنت دیکھ کر شکر وحمد کی دعائیں پڑھنا ہے ۳ اس سے مراد ملائکہ کی استقبالیہ مبارک بادیاں اور آتے جاتے سلام کرنا ۴ بعض نے کہا اِس سے مراد اہلِ جنّت کی آپس میں پاکیزہ گفتگو اور حمد و نعت صِرَاطِ حمید میں دو قول ۱ حمید بمعنیٰ محمود ہے جیسے کہ حبیب بمعنیٰ محبوب ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا نامِ اَقدس ہے۔ یا اس سے مراد پسندیدہ دین ہے اور اضافت توصیفی ہے ۲ اگر محمود اللہ کا نام ہو تو اضافت حقیقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ حمید و محمود ہے اُس کا راستہ ہر طرح سچائی وَبقا کی راہ۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں دو قول ۱ اِس سے مراد ہے دِینِ اِسلام سے روکتے ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد صحابہ کو ایذائیں دیتے ہیں تاکہ وہ گھر وطن سے مہاجر ہو جائیں۔ مَسْجِدِ حرام میں فقہاء کرام کے چار قول ۱ امامِ اعظم نے فرمایا اِس سے پورا حرم مراد ہے یعنی کعبہ مسجد مکہ مکرمہ پورا علاقہ ۲ امام مالک نے فرمایا اس سے صرف شہرِ مکہ مراد ہے ۳ امامِ احمد بن حنبل نے فرمایا اِس سے مراد ۶ھ کا روکنا مراد ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وسلم کو اور ایک ہزار چار سَو صحابہ کرام کو عمرے سے روکنا ۴ امام شافعی نے فرمایا اس سے مراد صرف

مسجد حرام شریف ہے مگر امام اعظم کا قول زیادہ مضبوط ہے اور با دلائل ہے۔ سَوَآءً میں دو قول ہیں ۱۔ امام اعظم نے فرمایا اس حکم میں پوری زمینِ مکہ شامل ہے نہ کہ گھر۔ بلو عمارتیں یعنی مسجد حرام سب کے لیے ہر وقت عبادت نماز تلاوت اعتکاف، طواف کے لیے برابر وقف ہے اور زمینِ شہر مکہ حج و عمرے میں ٹھیرنے کے لیے کسی خطۂ زمین کا کوئی مالک نہیں کوئی بھی زائر مسافر جہاں چاہے خیمہ لگائے منیٰ عرفات مزدلفہ بھی اس میں شامل کسی جگہ کا کوئی شخص نہ مالک ہے نہ بیچ سکے نہ کرایہ لے سکے ہاں جس مقیم نے جہاں عمارت بنائی ہو تو وہ عمارت میں ٹھیرانے کا کرایہ لے سکتا ہے یہی امام احمد کا قول ہے ۲۔ امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ یہاں سَوَآءً سے مراد صرف مسجد ہے جو ہر عبادت میں سب مقیم و مسافر کے لیے برابر کی وقف ہے مگر شہر مکہ کی زمین ہر مکی مقیم کی ذاتی ملکیت ہے خواہ موروثی ہو یا خریدی ہوئی۔ ان کی تین دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے والد مرحوم سیدنا عبداللہ کے گھر ٹھیرے اور اس کو اپنا موروثی ملکیتی گھر قرار دیا۔ حضرت ابوطالب کا گھر ان کے دو بیٹوں علی اور جعفر کو نہ دیا وہ عقیل کی ملکیتِ موروثی میں دیدیا اور فرمایا کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ عقیل وفات ابوطالب کے وقت تک مومن نہ بنے تھے ابوطالب مومن ہو کر فوت ہوئے۔ مگر علی و جعفر اس وقت مومن تھے اس لیے وہ غیر مومن والد کے وارث نہ بن سکے تو اگر زمینِ مکہ کی ملکیت نہ ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے والد عبداللہ کے گھر کے وارث و مالک کیوں بنتے۔ اور عقیل اپنے والد کے گھر کے ثابت ہوا کہ زمینِ مکہ سَوَآءً میں داخل نہیں ملکیت ثابت کرایہ و خرید و فروخت جائز۔ امام شافعی و امام مالک کی دوسری دلیل فاروقِ اعظم نے مکہ مکرمہ کا ایک گھر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا تھا اگر زمینِ مکہ کی ملکیت جائز نہ ہوتی تو یہ خرید و فروخت بھی ناجائز ہوتی اور فاروقِ اعظم ناجائز کام کے مرتکب ہرگز نہیں ہو سکتے ماننا پڑے گا کہ سرزمینِ مکہ سَوَآءً نہیں ہے۔ تیسری دلیل قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ (سورۂ آل عمران آخری رکوع آیت ۱۹۵) دیکھو یہاں مِنْ دِیَارِهِمْ فرما کر رب تعالیٰ نے ثابت فرما دیا کہ مکے والوں کے گھر ان کی ملکیت ہیں۔ دِیَارِهِمْ کا ترجمہ ہے ان کے گھر اس فرمانِ الٰہی سے بھی ثابت ہوا کہ یہ اضافت محض رواجی یا رسمی نہیں بلکہ حقیقی ملکیتی اضافت ہے

اس سے بھی ثابت ہوا کہ مکۂ مکرمہ کی زمین مَوَآءً نہیں۔ سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ وَالْبَادِ سے صرف مسجد حرم شریف مراد ہے۔ یہ تھے امام مالک اور امام شافعی نے دلائل اُن کے اپنے مسلک بر بظاہر کتنے مضبوط معلوم ہوتے ہیں مگر بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم کے ایک قول سے یہ سب دلائل تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ گئے۔ اور سب منہ دیکھتے رہ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سب واقعات، وراثت۔ ملکیت، خرید و فروخت اور دیارِ حرم کی نسبت عماراتِ مکہ کے لیے ہیں نہ کہ سرزمینِ مکہ کے لیے اور ہماری گفتگو خالی زمین کے بارے میں ہے خالی زمین کی فروخت، وراثت ملکیت کہیں ثابت نہیں۔ عمارات تو مثل خیمہ ہوتی ہیں اس کا ملبہ جب چاہو اُٹھوا دو۔ یہی حال کھیت کھلیان باغات کا ہے۔ حضرت سیدنا عبد اللہ رضؓ، اور حضرت ابوطالب کے گھر سے مراد اوپر کی عمارتیں ہیں نہ کہ زمین۔ لہٰذا جس جگہ کوئی عمارت نہ بنی ہو وہ خالی میدان عاکف و بادی کے حق میں برابر ہے سبحان اللہ امام اعظم کے ہر مسلک کی یہی شانِ قوت ہے۔ بِاِلْحَادٍ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد شرک کفر ہے ۲ ہر کفر۔ فسق و گناہ مراد ہے۔ بِظُلْمٍ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد کسی انسان یا جانور کو ستانا تڑپانا مارنا بھگانا، پریشان کرنا یا زبردستی اُس کی جگہ سے اُٹھانا یا ممنوعاتِ احرام کام کرنا ۲ بعض نے کہا اس سے مراد کسی کو ناحق قتل کرنا یا چوری ڈکیتی کرنا۔ یہ دونوں قول درست ہیں اور ہر وقت یہ سب بُرے کام مکۂ مکرمہ میں سخت بُرے بلکہ اُن کا ارادہ بھی ظلم ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ مکۂ مکرمہ شہر جلال ہے یہاں جلالِ کبریائی کا ظہور ہے ہر مسلمان کو بہت احتیاط چاہیے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے اپنا گھر خشیتِ الٰہیہ کے باعث مکۂ مکرمہ سے ہٹا کر طائف میں بنا لیا اور عبد اللہ ابن عمر کو جب دورِ عثمانی میں گورنرِ مکہ بنایا گیا تو آپ نے ایک جھونپڑی حدودِ حرم سے باہر بنوائی ایک شہر میں کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا شہر کی عبادت کے لیے ہے اور باہر کی مقدمات و بیانات سننے کے لیے کیونکہ دورانِ مقدمہ جھوٹی باتیں لغو قسمیں، غوس یمین منہ سے نکلتی رہتی ہیں تو کہیں وَمَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ کے زمرے میں نہ آجائیں حِل میں تو معافی مل جاتی ہے حرم میں تو ارادے پر بھی پکڑ ہے۔ آدابِ حرم کے خلاف بھی ہے اور مُذِقْهُ کی وعیدِ شدید بھی۔ یہ فائدہ وَمَنْ يُرِدْ دا لخ) فرمانے

حاصل ہوا گستاخانِ رسول اللہ کو خوف آنا چاہئے جو دن رات مسجدِ حرم میں بے ادبیِ انبیاء کی کفر یہ تقریریں کرتے اور اہلِ سنت عوام کو ورغلاتے رہتے ہیں۔ اس شہر جلال کا اثر وہاں کے باشندوں پر بھی ہے اس لیے حاجی صاحبان کو وہاں کے لوگوں کا بھی ادب کرنا چاہیے اور ان کی تلخ کلامی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے دوسرا فائدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومن تھے۔ یہ فائدہ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک پر ایک دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ فتح کے دن آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے والد کا گھر اپنی ملکیت وراثت میں لے لیا اگر حضرتِ عبد اللہ مومن نہ ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے مکان کے وارث نہ ہوتے، جیسے کہ مولیٰ علی و حضرت جعفر اپنے والد ابو طالب کے وارث نہ بنے (از تفسیر مظہری یہی آیت) تیسرا فائدہ دنیا میں اہلِ ایمان ہی ہر طرح سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں کیونکہ دنیا و آخرت میں ان کو قولِ طیب اور صراطِ حمید کی ہدایت دی گئی دنیا میں عبادت طہارت تلاوت کی لذتیں، آخرت میں اسا ورجنت کی نعمتیں یہ فائدہ وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ شہر مکہ کی یہ خصوصی شان ہے کہ اس کی پوری زمین مسجد کی طرح زمین وقف للہ ہے یہ فائدہ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الخ) فرمانے اور شانِ نزول و تفسیرِ حنفی سے حاصل ہوا کیونکہ کفارِ مکہ نے مقامِ حدیبیہ پر صحابہ کرام کو حج و عمرے و ذبح ھدی کے لیے شہر مکہ سے ہی روکا تھا جس کو مسجد سے روکنا فرمایا گیا۔ اور آئندہ تا قیامت سب کے لیے پورا شہر برابر قرار دیا گیا۔ وقف ہی سب کے لیے برابر ہوتا ہے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلکِ حنفی کے مطابق اگر عمرہ یا حج کا ارادہ نہ ہو بلکہ کسی ذاتی کام کی غرض سے مکہ شریف میں جانا ہو تو بلا احرام جانا جائز ہے، لیکن اگر حج یا عمرے کے ارادے سے جانا ہو تو بغیر احرام دخولِ مکہ حرام ہے یہ مسئلہ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ۔ میں تفسیری اقوال سے مستنبط کیونکہ بغرضِ عمرہ و حج بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ الحاد میں شامل ہے۔ ہاں ذاتی یا تجارتی غرض سے دخولِ مکہ بغیر احرام جائز۔ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ فتح مکہ کے دن بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس سفر میں آپ نے کبھی

سیاہ عمامہ باندھا کبھی مغفر ٹوپی پہنی ۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص۲۳۵ پر مغفر کی حدیث عَنْ اَنَسٍ مُتفق علیہ مذکور ہے اور سیاہ عمامہ شریف کا ذکر نسائی شریف جلد دوم ص۲۹۵ پر ہے مگر آداب حرم شریف یہ ہے کہ اگر کبھی کبھی حرم شریف جانا ہو تو ضرور احرام باندھ لے اور عمرہ ادا کرنے کی نیت کرے پھر آکر پہلے عمرہ ادا کرے پھر اپنا کام کرے لیکن جن کو بار بار یا روز آنا ہوتا ہے وہ بغیر احرام آسکتے ہیں یہ اجازت تا قیامت فتح مکہ کے دن میں عمل نبوی سے مسلمانوں کو ملی یہی مسلک باقی ائمہ ثلاثہ کا ہے مگر صرف امام محمد فرماتے ہیں کہ کبھی بھی کسی کو بھی بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ جائز نہیں فتح مکہ کے دن آقاء دوعالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بغیر احرام تشریف لانا آپ کے لیے صرف اس وقت کی خصوصیت تھی ۔ مگر امام محمدؒ کا یہ قول نہایت کمزور بلا دلیل اور اُن کی ذاتی رائے سے ہے ۔ اس دن تو کسی صحابی کا احرام بھی ثابت نہیں ۔ نہ یہ مسلک کسی حدیث و آیت سے ثابت ۔ دوسرا مسئلہ ۔ دنیا کے دیگر مقامات اور مکہ مکرمہ میں ایک یہ فرق عظیم بھی ہے کہ دیگر کسی جگہ اگر کسی گناہ کا ارادہ کر لیا تو صرف ارادے پر کوئی پکڑ نہیں نہ یہ لکھا جائے جب ارتکاب ہوگا تب لکھا جائے گا لیکن مکہ مکرمہ میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کر لیا تب بھی پکڑ اور عذاب ہے یہاں کا صرف قلبی ارادہ و نیت بھی عمل ہے کر لینے کا علیحدہ گناہ خواہ کہیں رہ کر ارادہ کرے مثلاً کسی شہر میں بیٹھ کر یہ ارادہ کرے کہ میں مکے میں جا کر یہ گناہ چوری ڈکیتی وغیرہ کروں گا یا وہاں کا کبوتر پکڑوں گا ارادہ کرتے ہی گناہ لکھ دیا جاتا ہے ۔ یہ مسئلہ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ اَللّٰهُ اَكْبَر بہت نازک معاملہ ہے ۔ تیسرا مسئلہ ۔ اِلْحَاد کی تین قسمیں ہیں نمبر۱ اِلْحَاد بِاللّٰه یعنی شرک کفر نمبر۲ اِلْحَادِ بِالْاَسْبَاب یعنی حقوقُ الْعِبَاد میں ظلم نمبر۳ اِلْحَادِ بِالْاَعْمَال یعنی فسق و فجور گناہ ۔ پہلے اِلْحَاد سے بندہ کافر بن جاتا ہے دوسرے سے بیدین جیسے یزید پلید ۔ تیسرے سے فاسق بنتا ہے ۔ یہ مسئلہ بِاِلْحَادٍ کے لغوی معنیٰ سے مستنبط ہوا ۔ چوتھا مسئلہ ۔ مسلک حنفی میں حدودِ حرم کی زمین بیچنا اس کا کرایہ زائرین سے وصول کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس زمین کا کوئی انسان قطعاً مالک نہیں سب زمین وقف ہے لہٰذا سب کے لیے اس سے نفع لینا برابر ہے ہاں البتہ اس پر گھر بنانا اور عمارت بیچنا یا عمارت کا کرایہ اور گھر یلو اشیاء بستر فرنیچر برتن وغیرہ کے استعمال

کا کرایہ لینا جائز ہے۔ اس طرح چار دیواری میں ٹھیراتے زائرین اور اُن کے مال سامان کی حفاظت کا کرایہ لینا بھی جائز یہ مسئلہ سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا فِیْہِ کی ضمیر کا مرجع تمام زمین مکہ ہے مسجد حرم شریف بھی اس میں شامل نہ کہ عمارات مکہ وہ تو گرتی بدلتی بنتی بگڑتی رہتی ہیں، نیز عمارتی اشیاء تو لگنے سے پہلے یقیناً لگانے والے کی ملکیت ہیں تو لگنے کے بعد ملکیت کیوں ختم ہو گی۔ یہی حکم درختوں اور کھیتوں کا ہے کہ زمین کا کوئی مالک نہیں باقی اشیا میں جو محنت کرے گا وہ ہی مالک ہے وہ بیچ بھی سکتا ہے کرائے پر بھی دے سکتا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے کَفَرُوْا فعل ماضی فرمایا گیا پھر یَصُدُّوْنَ فعل مضارع فرمایا گیا دونوں جگہ ماضی یا دونوں جگہ مضارع کیوں نہ فرمایا گیا۔ جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ہم یہاں وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ اس طرح ماضی و مضارع فرمانے سے استمرار یعنی ہمیشگی و بار بار کا فائدہ ظاہر ہوا کہ یہ کفارِ مکہ اکثر ہی بلکہ جب سے کافر ہوئے ہیں اس وقت سے شہر مکہ اور مسجدِ حرم اور کعبہ معظمہ پر اپنی اجارہ داری سمجھتے آرہے ہیں اور جب تک خود کو قابض سمجھتے رہیں گے تب مالک بنے بیٹھیں گے دوسروں کو روکتے رہیں گے، یہ استمرار اس طرح ثابت ہوا کہ تین ہی زمانے ہوتے ہیں، ماضی، حال مستقبل زمانہ ماضی۔ تو کَفَرُوْا میں آگیا۔ اور حال و مستقبل۔ یَصُدُّوْنَ فعلِ مضارع میں ترجمہ اس طرح ہے کہ بے شک وہ لوگ جب سے کافر ہوئے تب سے روکتے چلے آرہے ہیں عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بھی اور مسجدِ حرام سے بھی۔ اس کی مثال سورۃ رعد کی آیت ۲۸ میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ بے شک وہ لوگ جو مومن بن گئے اور اُن کے دِل اُسی دن سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے مطمئن اور چین میں ہو گئے ہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ در اصل یہاں کفارِ مکہ کی تین حالتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ پہلی حالت اسلام کے آنے سے پہلے دوسری اسلام کے آجانے کے بعد کی تیسری حالت ہجرت کے بعد مسلمانوں کی قوت شان دیکھ کر جلاپے اور حسد کی۔ پہلی حالت میں وہ کَفَرُوْا ہیں۔ پہلے سے کافر جب اسلام آیا تو یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو جلاپا تعصب

کرنے کے لیے ظاہر کرتا پھرے تاکہ مال وجاہ شان وشوکت عیش وعشرت نام ونمود پائے اور شہوات جنسیہ، فرحات نفسیہ کی مباشرت وملاپ پائے اور یہ خیال وحمیہ بنا ہے کہ یہی چیزیں دارین کی بھلائیاں اور کامیابیاں ہیں۔ اور نفاق اور ریا کو ہی اصل تعبیرات یا تقابل ترقی صفات سمجھنے لگے تو۔ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ الْحَرِيقِ۔ ہم اُس کو جہنم خناسی کا عذاب مایوسی اور ناکامی کا درد چکھائیں گے۔ (ابن عربی) اس عالم رنگ وبو میں نفوس مغرور اور ارواحِ مرندہ کے حالات ہمیشہ حقانیت کے منکر اور حق سے اعراض ونفرت ہی کرتے رہے۔ طالبینِ انوار، شائقینِ اسرار کو راہِ الٰہی طریق صداقی سے ہر وقت روکنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کبھی انکارِ کافرہ کے سبب اور کبھی اعتراضاتِ فاسدہ کے ذریعے مرشدانِ ہدایت کے آستانوں سے طالبانِ دینِ حق کو روکتے ہیں مسافرانِ منزل کا راستہ کاٹتے دور رکھتے ہیں تاکہ وہ مریدانِ شوق طلب حق میں عرفاتِ معرفت اور منیٰ طریقت سے رُک جائیں اور سینۂ انوار کی مسجدِ حرام اور حرم شریعت میں مناسکیں قلبِ مرشد بھی حرم اسرار ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی محترم بنایا ہے ہر مرید عاکف وبادی کے لیے ہی۔

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسی است ‏ ہشیار گوش دول بہ پیام سروش کن

یعنی اے بندئے راہِ عشق میں ابلیسِ اہرمن کے بہت وسوسے ہیں۔ اگر تو بچنا چاہتا ہے تو ہوش رکھ اور کان کو دل کو آتی ہوئی آواز وپیغام پر لگائے رکھ۔ جان کا دشمن قلب کا مُراف ہے۔ گداءِ فقیر کا دشمن صرف سگ نفس ہے۔ اے طالبِ حق اگر تو چاہتا ہے کہ گلزارِ یار کے پھولوں کی خوشبو تجھے آئے تو ماغِ باطنی کو انکار کی غلاظت سے خالی وصفا رکھ مقام قلب کے حرم وحریم میں عالی وموالی اولین وآخرین منتھی ومُبتدی واصلین وفاصلین سب برابر۔ یہاں کوئی کسی پر اپنے کو افضل نہ سمجھے یہاں قدموں سے نہیں کرموں سے فضیلت ملتی ہے وجود سے نہیں سجود سے قُرب ملتا ہے۔ جلوس سے نہیں خلوص سے مقام ملتا ہے۔ منزلِ قدس کے انداز نرالے ہیں ساری عمر کے عاکف ومقیم بے نیت پردہ انکشافات ومشاہدات نہ ہوں جو بادی لحظہ بھر اور مسافر چند ساعت پر ہو جائیں وہ ذات صمد اور وہاب وکریم ہے اُس کی بارگاہِ بے نیاز میں عاصی عاجز وتائب کی زیادہ قدر ہو جاتی ہے اُس مینج

مغرور و بقیم سے بڑھ کر جس نے طاعت بے عجزی یا فخری میں عمریں گزار دی ہوں۔ روح قدس کا فیض اگر مدد کرنے پر آجائے تو وہ کچھ کر سکتا ہے جو مسیحا کرتے تھے قسمت کی یاوری میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ شام عصیاں میں گرد نفسانی ہو اور صبح کی توبۂ نصوحہ صادقہ سے عربی قلب ہو جائے۔ لیکن وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ جس بدنصیب فطرت نے میلان قلبی اور محبت عقلی کا ارادہ غیر حق کی طرف کر کے ظلم جسمانی و روحانی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بُعد فرقت اور بارگاہ کی قطعیت کا ایسا عذاب نفرت وانقطاع چکھاتا ہے جو ابد تک دردناک ہے۔ اس لیے کہ قلب انسان تو محبت الٰہی و الفت مصطفائی کا کعبہ بنایا گیا ہے جو خزانۂ معرفت اور معدن حقیقت ہے مگر وہ سرکش و نامراد بندہ اس میں محبت غیر بھر نے سجدۂ شرک کرنے کا ظلم الحادی کرتا ہے جس کی سزا فراق کی تڑپ اور مایوسی کا عذاب الیم ہے۔ حضرت سعدی نے فرمایا۔

دلم خانۂ مہر یار است و بس ؛؛ ازاں می نگنجد درو کین کس

یعنی میرا دل صرف محبوب کی محبت کا گھر ہے۔ اس لیے اس میں کسی کا کینہ نہیں سما سکتا۔ اے بندے اپنے دل میں، یا دوست کو رکھ لے یا خیالی عیش و عشرت کو ایک گھر میں دو طبعی مخالف نہیں سما سکتے۔ قلب مومن میں توجہ الٰہی عشق کبریائی اور الفت مصطفائی کے علاوہ کسی غیر کی محبت نہیں آسکتی نہ گنجائش، محبت الٰہی کا لباس حریر الفت مصطفائی ہے جو اس لباس و غلاف کے بغیر محبت الٰہی کا دعویٰ کرے وہ کاذب و ننگا شیطان ہے (تفسیر روح البیان) نجد ابلیس و ویرانۂ اشرار ہے وہاں انکار و الحاد، وسواس و رغلاہٹ کے کچرے ان کچرے کی ڈھیریوں میں گستاخیوں کی سڑاند ہے یہی بُغضوں کے حجابات مکر اور دام حیلہ و مکاری ہیں (اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ

اور یاد کیجئے جب ہم نے نشاندہی کرائی ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کی

اور جب کہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بتا دیا

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ

اس لیے کہ نہ شرک ہونے دے میرے ساتھ کچھ بھی اور پاک کر دے میرے گھر کو

اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر

لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ

طواف کرنے والوں اور ٹھیرنے والوں کے لیے اور رکعتیں پڑھنے والوں

ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکعتیں پڑھنے والوں

السُّجُوْدِ (۲۶) وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ

اور سجدے کرنے والوں کے لیے، اور آواز لگا دے آئندہ نسلوں میں حج کے بارے میں

سجدے والوں کے لیے، اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے

یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ

تو وہ سب تیری اس جگہ پیدل چل کر اور سوار ہو کر تیز سواریوں پر

وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (۲۷) لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ

جو آئیں ہر طرف کے دَرّوں سے تاکہ حاضر ہو کر پا لیں کثیر نفعوں کو

کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں، تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں

لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ

اپنے لیے اور بسم اللہ کا ذکر پڑھیں وہ سب چند معلوم

اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں

مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ

دنوں میں ان ذبیحوں پر جو رزق دیں ہم نے ان کو حلال چوپایہ

اس پر کہ انہیں روزی دی بے زبان چوپائے، تو

الۡاَنۡعَامِ ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ

جانوروں سے، پھر تم کھا بھی لو ان ذبیحوں سے اور پکا کر کھلاؤ بھی محتاج

ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ

الۡفَقِيۡرَ ﴿۲۸﴾

فقیروں کو

محتاج کو کھلاؤ

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کافر لوگ مسجد حرم شریف سے روکتے ہیں جو سخت ترین جرم ہے۔ اب ان آیت میں اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ مسجد تو ابراہیم علیہ السلام نے بنائی ہی اس لیے تھی کہ اس میں کھلے عام ہر شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت طواف و اعتکاف کر سکے اس پر کسی بھی شخص یا سلطنت حکومت کی اجارہ داری نہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی رکاوٹوں کا ذکر کیا گیا کہ وہ کس خباثت و شیطانیت سے لوگوں کو مسجد حرم میں آنے سے روکتے ہیں اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے خلیل ابراہیم کو حکم دیا تھا کہ سب کو دور دور سے پکار کر اس مسجد میں بلاؤ اور ہر طرف کے لوگوں کو اذن عام و دعوت تاقیامت دو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں بعد قیامت اہل ایمان کے جنت میں داخلے کا ذکر ہے اب ان آیت میں بعد ایمان اہل ایمان کے مسجد حرم شریف داخل ہونے کا حکم و اذن عام کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی | وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ

بِیْ شَیْئًا وَّطَہِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْقَآئِمِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ وَ اَذِّنْ
فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ۔ واؤ بر حیلہ اِذْ اسم ظرف زمانی بَوَّأْنَا۔ باب تفعیل کا فعل ماضی
مطلق جمع متکلم بَوَّأْ، اجوف واوی مہموز اللام سے مشتق اس کا مصدر تَبْوِیَۃٌ یعد تعلیل
نحوی ہو گیا تَبْوِئَۃٌ بمعنیٰ جگہ دینا، جگہ لینا، جگہ اور مقام بتانا نشان دہی کرنا یہ فعل با فاعل
لِاِبْرٰہِیْمَ لام نفع کا یہ جار مجرور متعلق ہے مَکَانَ الْبَیْتِ یہ مرکب اضافی ہے۔ مَکَانَ
باب نصر کا اسم ظرف مذکر مَکْوَنٌ تھا کَوْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہونا مکان بمعنی جگہ یہ
مرکب ظرف ہے بَوَّأْنَا کا۔ اَنْ حرف تفسیر یہ برائے علت (سبب)، ثقیلہ اَنَّ سے
خفیفہ ہوا لَا تُشْرِکْ۔ باب افعال کا فعل نہی واحد مذکر حاضر مصدر ہے اِشْرَاکٌ
شِرْکٌ سے مشتق ہے متعدی ہے باب افعال میں آکر تعدی تاکیدی یعنی سخت متعدی
ہوا بمعنیٰ شرک نہ کرنا نہ ہونے دینا۔ یہاں دوسرے معنیٰ میں ہے ایک قرأت میں لَا یُشْرِکْ
ہے بِیْ یہ جار مجرور متعلق ہے شَیْئًا مفعول بہ ہے لَا تُشْرِکْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ طَہِّرْ باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر
اس کا مصدر ہے تَطْہِیْرٌ، طُہْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پاک کرنا متعدی
ہے بَیْتِیَ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ترجمہ ہے میرا گھر مراد ہے خانۂ کعبہ شریف
یہ اضافت ملکی ہے نہ کہ نفعی لام جارہ نفع کا اَلطَّآئِفِیْنَ یہ الف لام جارہ کے اتصال
کی وجہ سے گر گیا۔ الف لام معرفہ کا اسمی ہے بمعنیٰ اَلَّذِیْنَ طَائِفِیْنَ باب نصر کا اسم
فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْقَآئِمِیْنَ۔ الف لام اسمی قَآئِمِیْنَ
باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ کیونکہ معطوف تابع ہوتا ہے ماقبل کا واؤ عاطفہ
اَلرُّکَّعِ باب فتح کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے رَاکِعٌ دراصل رَاکِعِیْنَ تھا برائے
مبالغہ بروزن فُعَّلٌ ہو گیا گیا بمعنیٰ بہت رکعتیں، نمازیں پڑھنے یا بہت رکوع کرنے والے
یا بہت عاجزی انکساری سے جھکنے والے۔ اس طرح اَلسُّجُوْدِ بروزن فُعُوْلٌ جمع ہے
سَاجِدٌ کی یہ چاروں اسم فاعل جمع مذکر آپس میں عطف ہو کر مجرور ہو کر متعلق ہے طَہِّرْ کا
یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَذِّنْ باب تفعیل کا امر حاضر معروف
واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَاذِیْنٌ بمعنیٰ لغوی کان کریدنا اصطلاحی ترجمہ ہے کان
میں انگلی ڈال کر زور سے آواز دینا اسی سے ہے نماز کی اَذان چونکہ اَذان دینے

کا مطلب و مقصد بلانا ہے اس لیے اجازت کو بھی اذن کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے آواز دینا بلانا، فِی ظرفیہ مکانیہ اَلنَّاسِ بمعنٰی انسان یعنی روح و جسم۔ مگر یہاں عالمِ ارواح کی روحیں مراد ہیں اِذن کی قبولیت کے عملی وقت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ جار مجرور متعلق اول ہے بِالْحَجِّ یہ متعلق دوم ہے بِ جارہ بمعنٰی لامِ تعلیلیہ بمعنٰی حج کے لیے اسی لفظ کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ حج رکھا گیا۔ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یَاْتُوْ باب ضَرَبَ کا مضارع۔ جمع مذکر غائب یَاْتُوْنَ سے تعلیل ہو کر یَاْتُوْنَ ہوا پھر اَذِّنْ امر کا جواب ہونے کی بنا پر آخر کی نونِ اعرابی جزم کی وجہ سے گر گئی اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنٰی آنا یہ بمعنٰی استقبل ہے كَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل ظرفِ مکانی حکمی یعنی آپ کے پاس اِس جگہ۔ كَ بول کر جگہ مراد لی گئی بوجہ خطاب امر حاضر کے معنًا یہ دراصل یَاْتِیْنَكَ یا مُعَامَلَكَ ہے رِجَالًا اسم مشتق جمع اسم فاعل اس کا واحد ہے رَاجِلٌ رِجْلٌ سے مشتق ہے بمعنٰی پیروں والے یعنی پیدل چلنے والے یہ ہمیشہ مفرد نکرہ ہوتا ہے اگر مضاف ہو تو وہ رَجُلٌ کی جمع مکسر ہوتی ہے بمعنٰی مرد یہ اسم فاعل یا فاعل جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَلٰی جارہ فوقیت کا ترجمہ ہے پر، اوپر كُلِّ اسم تاکیدی جنسی مراد ہیں بہت سی۔ ضَامِرٍ باب نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر ضُمْرٌ سے مشتق ہے بمعنٰی دُبلا ہونا جسم کا یہاں مراد ہے تیز رفتار اونٹ لغوی اعتبار میں مراد ہے دُبلا اونٹ چونکہ دبلا جوان یا انسان تیز چلتا ہے اس لیے اب تیز رفتار کو ضامر کہا جاتا ہے یہ واحد جنسی ہے اس لیے ایک اور بہت نر و مادہ (اونٹ۔ اونٹنی) سب کو شامل ہے یہ موصوف ہے اور جمع مؤنث مراد ہے اسی لیے یَاْتِیْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل جمع مؤنث غائب آیا عام طور پر اہلِ عرب سفر میں اونٹنی استعمال کرتے ہیں تاکہ سفر کی سہولت کے ساتھ ساتھ دودھ سے خوراک کی سہولت بھی ہوتی رہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ سفر کی وجہ سے اونٹنی ہی زیادہ تر دبلی اور تیز رفتار ہوتی ہے۔ بدیں وجہ یہاں ضامر سے مؤنث مراد ہیں مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے فَجٍّ اسم مفرد نکرہ بمعنٰی پہاڑی درہ پہاڑوں کے درمیان اونچا نیچا کھلا راستہ اس کی جمع فِجَاجٌ ہے موصوف ہے عَمِیْقٍ اسم صفت مشبہ (اسم فاعل) واحد مذکر باب کَرُمَ سے ہے عُمْقٌ سے بنا ہے بمعنٰی گہرا ہونا۔ مبالغے میں ترجمہ ہوا بہت زیادہ گہرا، جب کہ آس پاس اونچے پہاڑ ہوں صفت ہے یہ مرکب

توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے یاتینَ کا وہ سب فعل با فاعل ضمیر صیغہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے ضامر کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ کُلِّ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل راکبًا کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے رِجَالًا پر دونوں مل کر حال ہے یا تو فعل کے فاعل کا۔ لِيَشْهَدُوا۔ باب فتح کا مضارع جمع مذکر غائب یَشْهَدُوْنَ تھا۔ لام کئے تعلیلیہ نے اَنْ ناصبہ پوشیدہ کے ذریعے اس کو نصب دیا اس لیے آخر کی نون اعرابی علامتِ رفع گر گئی شُہُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حاضر ہونا اور آ کر کسی چیز کو پانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مَنَافِعَ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے مَنْفَعَةٌ بمعنیٰ نفع مفعول بہ ہے لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے لِيَشْهَدُوْا کا لَهُمْ کا ترجمہ ہے اپنے لیے لام جارہ نفع کا هُمْ ضمیر نفسی بمعنیٰ اپنے یہ سب جملہ ہو کر معطوف علیہ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ۔ واؤ عاطفہ یَذْكُرُوْا باب نصر کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب خیال رہے کہ ان پانچوں فعلوں یا تو لِيَشْهَدُوْا وَيَذْكُرُوا فَكُلُوْا وَاَطْعِمُوْا۔ کا مرجع اَلنَّاسِ ہے اِسْمَ اللّٰہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق اول ہے عَلٰى حرف جر بمعنیٰ بسببیہ مَا اسم موصول رَزَقَ باب نصر کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب متعدی اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ رزقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نفع والی چیز مراد ہے قربانی کا گوشت هُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ مِنْ بعضیت کا بَهِيْمَةِ اسم صفت مشبہ واحد مؤنث بروزن فعیلۃ باب کرم سے بَہْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پوشیدہ خفیہ نامعلوم مراد ہیں بے زبان جانور جن کی بات کسی کی سمجھ نہیں آتی اسی سے ہے اِبْهَامٌ وَمُبْهَمٌ اس معنیٰ کے لحاظ سے تمام چرند و پرند درند کیڑے مکوڑے بہیمہ ہیں چونکہ انسانوں کو زیادہ حلال گھریلو چوپایوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے اب اصطلاح میں صرف گائے اونٹ وغیرہ کو کہا جاتا ہے اس لیے اس کو انعام کی طرف اضافت کیا گیا۔ مضاف ہے اَلْاَنْعَامِ اسم جمع مکسر منصرف نَعَمٌ واحد ہے لغوی ترجمہ ہے نعمت مراد ہے اونٹ جب یہ جمع بولی جائے تو اونٹ کے علاوہ دیگر حلال چوپائے بھی مراد ہوتے ہیں اور یہ لفظ جمع ہی مستعمل ہے یہ مضاف الیہ ہے بَهِيْمَةِ دونوں مل کر دوسرا متعلق ہے رَزَقَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر

معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ بمعنیٰ اس لیے کُلُوْا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر خطاب ہے حاجیوں کو غائب کے بعد فوراً حاضر کے صیغوں سے تاکید اِباحت ہے کہ حج وذبیحہ تمام امتوں کے لیے تھا۔ اِباحت اِطعام صرف اب موجودہ کے لیے ہے مِنْھَا یہ جار مجرور متعلق ہے کُلُوْا۔ اَکْلٌ سے بنا ہے دراصل اُأْکُلُوْا تھا دوم ہمزہ گر گئی تخفیف کے لیے یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَطْعِمُوْا باب اِفعال فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مصدر ہے اِطْعَامٌ معنیٰ ہے پکا کر کھلاؤ یعنی کھانا بنا کر، یہ دونوں امر استحبابی ہیں اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اَلْبَائِسَ باب فتح کا اسم فاعل واحد مذکر بَأْسٌ سے مشتق ہے معنیٰ بھوک، تنگی، غربت، لڑائی، جھگڑا۔ مضائقہ خوف ڈر۔ یہاں صرف پہلے معنیٰ میں ہے یعنی بھوکا یہ موصوف ہے اَلْفَقِیْرَ اسم فاعل صفت مشبہ بمعنیٰ غریبی والا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے اَطْعِمُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے کُلُوْا پر یہ دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے یَذْکُرُوْا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے لِیَشْھَدُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر علت ہے یَاْتُوْکَ کی یہ سب جملہ فعلیہ ہوکر جواب امر ہے اَذِّنْ کا، یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ہے طَھِّرْ کے جملے پر وہ دونوں معطوف لَا تُشْرِکْ کے جملے پر یہ سب مل کر مفعول لہٗ ہے بَوَّاْنَا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہوکر مفعول بہ ہے اُذْکُرْ فعل پوشیدہ کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔

اے رحمۃ للعالمین یاد کرو اُس آنکھوں دیکھے واقعے کو اور بتاؤ سناؤ اُن اولاد ابراہیمی کفار کو جو کعبہ وحرم سے عابدین طوافین کو روکتے ہیں حج وعمرے سے جب کہ ابراہیم کو نشاندہی فرمائی تھی ہم نے بیت اللہ کے مکان بنانے کی اس عہد کے ساتھ کہ اے ابراہیم یہاں میرا شرک نہ ہونے دینا کسی بھی چیز سے کسی بھی طریقے کا نہ ارادے کا نہ عقیدے کا نہ جلی نہ خفی نہ عملی نہ قولی نہ ظاہری نہ باطنی نہ قلبی نہ عقلی نہ بُت پرستی کا نہ دنیا پرستی کا شرک جلی بُت پرستی ہے شرک خفی غلط نظریات ہیں شرک ظاہری غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی ہے شرک باطنی اللہ سے مایوسی اور غیر اللہ سے کچھ

اُمیدیں لگانا شرکِ قلبی غیر اللہ اور عدو اللہ کی تعظیم کرنا، شرکِ عقلی تقدیر کو نہ ماننا اپنی تدبیر پر بھروسہ کرنا، بُت پرستی یہ ہے کہ دیوی دیوتا اور ستاروں کو موسموں کو تقدیر میں شریکِ کار سمجھنا، دنیا پرستی یہ ہے کہ رب تعالیٰ سے غافل و فاسق ہو جانا، سچا مومن وہ جو حیاتِ دنیوی کے ہر مقام میں حل میں حرم میں ہر قسم کے شرک سے بچا رہے یہاں تک کہ اپنے اعمال میں نام و نمود کی خواہش بھی نہ رہے اگر کوئی تعریف بھی کرے تو حمدِ الٰہی کرنی چاہیئے اپنے پر فخر نہ کرو اور اے ابراہیم جب یہ بیتُ اللہ تعمیر مکمل ہو جائے تو ہر قسم کی حقیقی حکمی، غلیظہ، خفیفہ گندگی سے میرے اِس گھر کو پاک صاف ستھرا رکھنا طواف اعتکاف نماز کا قیام رکوع سجدہ کرنے والوں عابدین کے لیے اس آیت کی تفصیل و تفسیر اللہ تعالیٰ کے چشم دید گواہ شاہدًا کے خطاب والے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ جب رب تعالیٰ نے حضرتِ خلیل کو حکم فرمایا کہ جاؤ وادیِ غیر ذی زرع میں بیتُ اللہ کی تعمیر کرو تو آپ نے چاہِ زمزم کے پاس پہنچ کر عرض کیا یا مولیٰ تعالیٰ کس جگہ بیتُ اللہ بناؤں، تو رب تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جو اُس جگہ عین مقامِ کعبہ کے اوپر ستون کی شکل گول بل کھاتی ٹھہر گئی جس طرح بگولہ اور واورولا ہوتا ہے جس کو عربی میں حجوج کہتے ہیں اور وہیں پر سانپ کی طرح گھومتی رہی فارسی میں اس کو غول بیابانی کہتے ہیں۔ یہی ہوا سمندر میں آئے تو اس کو ورطہ یا بھنور کہتے ہیں اِس ہوا سے جگہ کا تو پتہ لگ گیا مگر لمبائی چوڑائی والے رقبے کا پتہ نہ چل سکا تو رب تعالیٰ نے کچھ بلندی پر فضا میں ایک بادل بھیجا جو بالکل رقبۂ کعبہ کے برابر تھا اس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم میری پیمائش کے برابر بیتُ اللہ کی تعمیر فرماؤ تب آپ نے اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام نے کھدائی شروع کی تھوڑی کھدائی پر بنیادِ آدم ظاہر ہوگئی۔ بادل اور ہوا غائب ہو گئے۔ پھر آپ کوہِ صفا سے ایک بڑا پتھر اٹھا لائے جس کو بطور میز استعمال فرمایا اس پر چڑھ کر آپ نے تعمیر شروع فرمائی اسماعیل علیہ السّلام اینٹ نما پتھر اور گارا دیتے جاتے آپ لگاتے جاتے، دیواریں جتنی اونچی ہوتی جاتیں پتھر بھی اتنا اونچا ہوتا اور آگے کی طرف چلتا بھی جاتا یہ اُس پتھر کی کرامت رب تعالیٰ کی قدرت کا ظہور اور قدمِ ابراہیم علیہ السّلام کا معجزہ تھا یہی پتھر اب مقامِ ابراہیم ہے تمام اہلِ ایمان کا مصلّٰی ہے اس تعمیر میں تین پہاڑوں کے

پتھر لگائے گئے ۱ کوہِ صفا ۲ کوہِ مروہ ۳ کوہِ ابو قبیس آٹھ ذی الحج سے تیرہ ذی الحج تک
چھ دن میں یہ تعمیرِ کعبہ مکمل ہوئی اس تعمیر میں حسب سابق چھت نہیں بنائی گئی حطیم شامل
کعبہ تھی اور مشرقی جانب دروازہ رکھا گیا جب تعمیر مکمل ہوگئی تو حکم الٰہی آیا۔ وَاَذِّنْ فِی
النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔
اور اے ابراہیم اذان دیدو پوری دنیا کے تاقیامت انسانوں میں حج کی ابراہیم علیہ
السّلام نے عرض کیا مولیٰ میری آواز اُن تک نہیں پہنچے گی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے
ابراہیم آواز دینا تمہارا کام ہے آواز کو سب تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ تمہاری اذان
پر آتے رہیں گے لوگ تاقیامت شوقِ زیارت میں پیدل بھی اور ہر دبلی پتلی تیز رفتار
اونٹنی پر بھی نہ تھکاوٹ کی پرواہ ہوگی نہ کمزوری کی نہ راہ کے مصائب کی اور پیدل
وسوار جاتے ہیں ہر اونچی نیچی دور قریب پہاڑی میدانی دریائی صحرائی ریگستانی علاقوں
سے۔ تب آپ اُسی پتھر پر کھڑے ہوئے وہ پتھر پہاڑ برابر بلند ہوگیا بعض نے فرمایا کوہِ
صفا پر کھڑے ہوکر بعض نے فرمایا کوہِ ابو قبیس پر کھڑے ہوکر اذان دی دونوں کانوں
میں ہاتھ رکھے اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ قَدْ بَنٰی بَیْتًا۔ وَکَتَبَ عَلَیْکُمُ
الْحَجَّ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ فَاَجِیْبُوْا رَبَّکُمْ وَحُجُّوْا بَیْتَهُ الْحَرَامَ۔ یُثِیْبُکُمْ بِهِ
الْجَنَّةَ وَیُجِیْرُکُمْ مِنَ النَّارِ۔ ترجمہ۔ اے لوگو۔ خبردار ہو جاؤ، بے شک
تمہارے رب تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے۔ اور تم پر حج فرض فرمایا ہے بیتِ عتیق
کا لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کے اس بلاوے کو قبول کرو۔ اور حج کرو اُس کے بیتِ حرام
کا۔ تاکہ تم کو اُس کے بدلے جنّت کا ثواب عطا فرمائے۔ اور بچائے تم کو جہنم کے
عذابِ نار سے آپ کی اُس اذان میں سات کلمات تھے زمین پر یہ پہلی اذان تھی آپ نے
یہ اذان ایک سو بارہ ۱۱۲ مرتبہ ادا کی۔ رب تعالیٰ نے آپ کی اِس آواز کو معجزہ بنا دیا
اس لیے یہ آواز پوری کائنات میں پھیل گئی اور ہر انسان حیوان روح وجسم شجر حجر مدر
جن ملک نے سن لی۔ اور انسانوں میں سے نیک روحوں اور جسموں نے اُس آواز
پر لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ کہا۔ عالمِ ارواح میں بھی سعید روحوں نے اور عالمِ اجسام
کے اس وقت موجود سعید مومن جسموں نے روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلے اہل
یمن نے لبیک کہا اسی لیے سب سے زیادہ حاجی یمنی ہوتے ہیں اُن کے لیے آقائے کائنات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے۔ اَلْاِیْمَانُ یَمَانٌ۔ یعنی
سب سے زیادہ اونچی شان والا ایمان یمن والوں کا ہے یمن کے لیے ہی نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت دعائیں فرمائیں اور حدیث پاک میں ہے کہ جس نے جتنی دفعہ
لَبَّیْکَ کہا اس کو اتنی بار ہی حج کی سعادت نصیب ہو گی اس اذان کے بعد آئندہ سال
حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام نے پیدل حج ادا فرمایا یعنی مکہ مکرمہ سے منیٰ تک
پھر منیٰ سے عرفات اور واپس منیٰ و مکہ مکرمہ تک طوافِ کعبہ معظمہ آپ نے جوتا اُتار کر
ادا کیا۔ ایک دوسری حدیث مقدس میں ہے کہ جو مومن پیدل حج کرے گا اس کو ہر قدم پر
مسجدِ حرم شریف کی نیکی کے برابر سات سو نیکی کا ثواب ملے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا
یا رسول اللہ مسجدِ حرم کی نیکی کیسی ہے فرمایا ایک لاکھ نیکی کے برابر۔ گویا پیدل حاجی کو
ہر قدم پر سات سو لاکھ نیکی ملے گی۔ اور سواری کے ہر قدم پر ستر نیکیاں۔ اس سے ثابت
ہوا کہ پیدل حج افضل ہے۔ پیدل کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ گھر اور وطن سے
پیدل دوم یہ کہ مدینہ منورہ سے پیدل سوم یہ کہ بحری جہاز یا ہوائی جہاز سے اُتر کر جدہ
شریف سے پیدل چہارم یہ کہ مکہ مکرمہ سے منیٰ و عرفات میں پیدل۔ خیال رہے کہ رِجَالًا
اور عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ فرما کر سمندری راستہ بھی اس میں شامل فرما لیا گیا ہے کیونکہ سمندر
سے تو صرف جدہ شریف تک ہی آ سکتا ہے اُس سے آگے مکہ مکرمہ تک رِجَالًا
یا ضَامِرًا ہی ہو گا اسی طرح ضَامِرًا فرما کر موجودہ و سابقہ و آئندہ ہر قسم کی سواری اس
میں شامل فرما لی گئی کیونکہ ہر سواری گھوڑا خچر گدھا اور بس ٹرک کار حج تک پہنچتے
پہنچتے ضامر یعنی دبلی پتلی بوسیدہ و خراب ہو ہی جاتی ہے اور دور دراز کی بسیں
تو ایسی ضامر ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ جن لوگوں نے پاکستان ہندوستان، افغان و
ایران سے براستہ خشکی سفر کیا ہے اُن سے اِن مشکلات کا پوچھو۔ بعض فقہا فرماتے
ہیں کہ اِس آیت سے مسلمانوں پر حج فرض ہوا اور اَذِّنْ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے مگر یہ قول اس لیے غلط ہے کہ آیت کے سیاق و سباق
کے خلاف ہے اِس کا عطف ہے اَلَّا تُشْرِکْ اور طَهِّرْ بَیْتِیَ پر جو وہاں پر تو ابراہیم
علیہ السلام کو خطاب ہے تو یہاں تبدیلیِ خطاب بلا وجہ کیوں ہو سکتی ہے مسلمانوں پر
حج فرض ہوا ہے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۹۷ سے وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

رآیَۃِ بَیِّنٰۃً ۔ ۹ھ میں ماہ رجب بروز پیر مدینہ منورہ میں وہ آیت نازل ہوئی پھر اگلے سال ۱۰ھ میں پہلا حج اسلام ہوا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

حج کا ذکر

حج کی عبادت میں تین فرض ہیں ایک شرط اور دو رکن، ۱ احرام شرط ہے ۲ وقوف عرفہ ۳ پھر طواف زیارت، حج میں پچیس کام واجب ہیں ۱ باہر سے آنے والوں کے میقات سے احرام باندھنا ۲ سعی کرنا ۳ صفا مروہ کے درمیان سبز میلین میں صرف مردوں کو دوڑنا عورتوں کو دوڑنا منع ہے ۴ سعی کی ابتدا کوہِ صفا سے کرنا ۵ غروبِ آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا ۶ شام یا رات کو عرفات سے واپس ہونا ۷ مزدلفہ میں دسویں رات گزارنا ۸ مغرب وعشا کی نمازیں مزدلفے میں جمع کر کے عشا کے وقت پڑھنا ۹ دسویں ذالحج کو صرف جمرۂ عقبہ پر اور گیارھویں۔ بارھویں کو تینوں جمروں پر رمی کی کنکریاں مارنا ۱۰ دسویں کی رمی سر منڈانے سے پہلے ہونا ۱۱ قران اور تمتع والوں کو قربانی دینا ۱۲ رمی میں ایّام کی پابندی کرنا ۱۳ ایّامِ نحر میں رمی اور حلق ہونا ۱۴ ایّامِ نحر اور منیٰ میں قربانی دینا ۱۵ عرفات کے بعد ایّامِ نحر میں ہی طوافِ زیارت یعنی طوافِ افاضہ کرنا ۱۶ ہر طواف حطیم سے باہر ہونا ۱۷ داہنی ہاتھ یعنی داہنی طرف سے طواف شروع کرنا ۱۸ تندرست کے لئے پیدل طواف کرنا ۱۹ باغسل اور باوضو طواف کرنا، بے غسل اور ناپاکی سے طواف کرنا کفر ہے بے وضو حرام ہے ۲۰ ہر طواف میں پورا ستر چھپانا ۲۱ طواف کے بعد نفل واجب ہیں مکروہ وقت نہ ہو تو اُسی وقت پڑھے ورنہ بعد میں جلد از جلد پڑھے جب بھی پڑھے گا ادا ہی ہوگا قضا نہیں ۲۲ حج کے تمام ارکان میں ترتیب واجب ہے۔ یعنی پہلے رمی کرے پھر قربانی والا حاجی قربانی کرے۔ پھر سر منڈا کر احرام سے کھلے نہائے دھوئے پھر طوافِ زیارت کرے ۲۳ آفاقی یعنی باہر سے آنے والوں پر طوافِ وداع یعنی طوافِ صدر کرنا ۲۴ احرام کے تمام ممنوعات سے بچنا واجب یعنی نہ سلا لباس پہنے نہ موزے نہ دستانے نہ سر منہ ڈھکے۔ عورتیں صرف منہ نہ ڈھکیں ۲۵ آٹھویں ذی الحج سے طوافِ زیارت تک بیوی سے صحبت نہ کرنا ہر واجب کے ترک کرنے پر دَم یعنی ذبیحہ واجب ہے۔ حج کی بارہ سنتیں ہیں ۱ آفاقی پر طوافِ قدوم ۲ ہر

طواف حجر اسود سے شروع کرنا ۳ ہر طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا ۴ ساتویں نویں۔ گیارھویں ذی الحج کو۔ مکہ مکرمہ اور عرفات و منیٰ میں امام حج کا خطبہ سننا ۵ آٹھویں ذی الحج کو بعد فجر منیٰ کو روانگی ۶ نویں کی رات منیٰ میں گزارنا ۷ نویں ذی الحج بعد طلوع آفتاب عرفات کو روانہ ہونا ۸ وقوف عرفات کے لیے غسل کرنا ۹ بعد عرفات مزدلفہ میں پوری رات گزارنا اور وہاں سے ہی کنکریاں چننا ۱۰ طلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ ہونا ۱۱ دسویں گیارھویں بارھویں تاریخیں منیٰ میں گزارنا ۱۲ وادی محصّب میں تھوڑی دیر ٹھہرنا، میقاتیں آٹھ ہیں ۱ مدینہ منورہ سے جانے والوں کے لیے بیر علی ذوالحلیفہ ۲ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عرق ۳ شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے مقام رابغ یعنی جحفہ ۴ نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے قرن ۵ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے کوہ یلملم پاکستانیوں ہندوستانیوں کو براستہ سمندر یہی میقات ملتی ہے ۶ اہل حل کی میقات اُن کا گھر ہے ۷ اہل مکہ کی میقات برائے حج حدود حرم شریف یعنی ان کا گھر یا مسجد حرام یا شہر کے کسی جگہ سے ۸ اہل مکہ کی میقات برائے عمرہ مسجد تنعیم ہے جو باہر تقریباً تین میل دور، میقات وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھا جاتا ہے اُس سے آگے بغیر احرام آجائے تو دم واجب ہو جاتا ہے۔

اَفعالِ حج کی ترتیب

پہلے احرام، پھر طواف پھر منیٰ میں آنا پھر عرفات میں جانا، پھر واپسی پر مزدلفہ میں ٹھہرنا پھر وہاں منیٰ میں آنا پھر جمرۂ عقبٰی کی رمی یعنی کنکر مارنا پھر قربانی کرنا پھر سر منڈا کر احرام سے کھلنا، پھر مکہ مکرمہ جا کر طواف زیارت (افاضہ) کرنا، اگر آٹھویں کو منیٰ آنے سے پہلے طواف قدوم کی سعی نہ کی تھی تو اب طوافِ اِفاضہ کے بعد کرے، امام اعظم کے نزدیک ترتیب وار کرنا واجب ہے اگر ترتیب ٹوٹ گئی کسی بھی کام میں تو دم واجب ہے یعنی بکری ذبح کرنی پڑے گی۔ ارکانِ حج کی ترتیب توڑنے سے گناہ بھی ہے اور جرم بھی گناہ کی سزا آخرت میں اور جرم کی سزا دنیا میں کہ دم دینا پڑے گا۔ اگر بھول کر ترتیب ٹوٹ گئی تو فقط جرم ہوا لہٰذا دم واجب گناہ نہیں ہوگا۔

حج کی بھول میں ذبیحہ مثل نماز کی بھول میں سجدۂ سہو کی طرح ہے۔ نماز کا سجدۂ سہو بھی ترک
واجب کی سزا ہے۔ یہی فرق ہے گناہ اور جرم میں حج کے ڈھائی مہینے ہوتے ہیں
۱۔ پورا شوال ۲۔ پورا ذیقعدہ ۳۔ ذی الحج کے پہلے تیرہ دن پہلے دو ماہ حج کے احرام باندھنے
کے لیے اس سے پہلے احرامِ حج باندھنا جائز نہیں مگر ارکانِ حج آٹھ ذی الحج سے شروع
ہوتے ہیں اور اصلِ حج وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت ہے نو اور دس ذی الحج۔ آقائے دو
عالم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے چار ہی حج ادا فرمائے اور چار ہی عمرے
تین حج نفلی فرضیت سے پہلے قبلِ ہجرت۔ اور ایک حج بعد فرضیت جس کو حجۃ الوداع
کہا جاتا ہے ہجرت کے دسویں سال، اور عمرے تمام ہی ہجرت کے بعد ادا فرمائے۔ آخری
عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ اور تین اس سے پہلے۔ پہلا عمرہ ۶ھ میں، دوسرا ۷ھ میں
حجِ اسلام کی بے شمار حکمتوں، مصلحتوں کے علاوہ اہلِ ایمان پر اس لیے بھی حج ضروری
ہے کہ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ
مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ
تاکہ حاضر ہو کر پائیں، ایمان والے اپنے وہ منافع جو ان کے لیے وہاں ہیں، دینی دنیوی، ملکی
سیاسی، میل ملاقاتی تعارفی، ثقافتی ہر دنیوی فکر و مشغولیت سے علیحدہ ہو کر نہایت اطمینان
اور یکسوئی سے اور ان چند معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کریں دعاؤں، فریادوں
وِرد وظیفوں تلبیوں، تسبیحوں میں اور زور زور سے تکبیریں پڑھیں ان گھریلو جانور کے
ذبح پر جو رب تعالیٰ نے تم کو رزق عطا فرمایا هَدِی بنا کر بَهِيمَةُ الْأَنْعَام، اونٹ گائے بھیڑ
بکری چوپایوں کا۔ بذریعہ خریداری، کمائی ملکیتی اور پھر صحیح و پاکیزہ طریقوں سے نحر یا ذبح
کر کے ان کا گوشت خود بھی کھاؤ اور غریبوں، یتیموں، مسکینوں، ہر قسم کے مصیبت
زدہ محتاجوں معذوروں بیواؤں کو بھی کھلاؤ، دیگر یا پکا کر طعام بنا کر اس ذبیحے پر کبھی کسی
شریعت میں ممانعت نہیں ہوئی۔ کفارِ مکہ اور زمانۂ جاہلیت کے حج کرنے والے حج
کی ان هَدِی ذبیحوں کو دیگر مقامات کی سوختنی قربانیوں پر قیاس کر کے نہیں کھاتے تھے
مگر قرآنِ پاک نے ان کے اس قیاس کی تردید فرماتے ہوئے بتا دیا کہ اس ذبیحے
اور سوختنی قربانی میں زمانۂ ابراہیم سے فرق چلا آ رہا ہے۔ قربانی کا گوشت تو کھانا
کھلانا پہلی امتوں کو ممنوع نہ تھا کسی اونچی جگہ پہاڑی وغیرہ پر رکھ دیا جانا جس کی

قربانی قبول ہوتی اُس کو قدرتی غیبی آگ جلا جاتی جس کی نامقبول ہوتی پڑی گلتی سڑتی رہتی جانور پرندے بھی نہ کھاتے۔ مگر حج کی ھَدِیْ کے ذبیحوں کا یہ حکم نہ تھا وہ عام روزمرہ کے ذبیحوں کی طرح کھانا کھلانا جائز تھا۔ بلکہ ذبح کے بعد اس کی ملکیت ہی ختم کر دی گئی کہ جو چاہے پورا ذبیحہ لے جائے، ھَدِیْ والا خواہ خود تقسیم کرے یا ذبح کر کے چھوڑ دے محتاج فقرا خود لے جائیں جتنا چاہیں کوئی روک نہیں سکتا، ہاں اَلبتہ برباد کرنا مٹی میں دبا دینا منع ہے کہ نہ خود کھائے نہ کھانے دے یہ حرام ہے جیساکہ پہلے کفار مشرکین اور یہود و نصارٰی کرتے تھے اِس آیت پاک نے جاہلیت کے اسی نظریے کو توڑا اور فرمایا کہ خوب کھاؤ کھلاؤ۔ کھانا مستحب کھلانا واجب ہے۔ یاد رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نو قسم کی وجہ سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں ۱ قربانی تمام دنیا کے مسلمان علاقوں کے مسلمان ۲ حِجِّ قِران کا ذبیحہ منیٰ میں ۳ حِجِّ تمتّع کا ذبیحہ منیٰ میں ۴ کوئی شخص اِحرام حج یا اِحرام عمرہ باندھ کر حج یا عُمرے سے روک دیا جائے تو وہ جہاں روکا جائے وَہیں تب اپنے اِحرام سے کھلے گا جب جانور ذبح کرے اس کو دمِ اِحصار کہتے ہیں یہ چاروں ذبیحے واجب ہیں، حج میں تین ذبیحوں کے جانوروں کو ھدی بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی دمِ قِران دمِ تمتّع دمِ احصار ۵ حجِ افراد کا ذبیحہ بھی منیٰ میں یہ ذبیحہ مستحب ہے ۶ کسی جُرم کا کفّارہ دینا اُس ذبیحہ کو دمِ کفّارہ کہتے ہیں یہ مسئلے شریعت میں کر سکتا ہے ۷ حج کا کوئی واجب چھوٹ جائے ذبیحہ واجب ہے ۸ حج کا یا احرام کا کوئی ممنوعہ کام کر لیا تب ذبیحہ واجب مثلاً مُحرِم نے جنگلی شکار کر لیا چرندہ یا پرندہ یا درندہ ۹ صدقہ واجبی مَنّت وغیرہ ذبیحہ اس کے لیے منیٰ ضروری نہیں جو حاجی اپنے واجب ذبیحہ سے پہلے احرام سے کھلے گا اُس پر بھی دم واجب ہے۔ تمام فقہاءِ کرام کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ دمِ کفّارہ (کسی بھی جُرم کا ذبیحہ) اور صدقۂ مَنّت کا گوشت صرف غریبوں کو کھانا جائز ہے، خود ذبیحے والا اور امیر لوگ نہیں کھا سکتے۔ حج اور احصار کے ذبیحوں میں فقہاءِ مجتہدین میں اختلاف ہے یہ انشاءاللہ تعالیٰ اَحکامُ القرآن میں بیان کیا جائے گا۔ ان تمام مذکورہ بالا نو قسم کے ذبیحوں میں سات قسم کے گھریلو جانور قربانی کی عمر برابر ذبح کئے جا سکتے ہیں اونٹ مذکر مؤنث ۲ گائے مذکر

مؤنث ۳ بھینس مذکر مؤنث اگر مل جائے۔ عرب میں بھینس نہیں ملتی ۴ بکری ۵ بھیڑ ۶ دنبہ ۷ مینڈھا سب مذکر مؤنث اونٹ گائے بھینس میں سات حصے جائز باقی میں صرف ایک حصہ۔ چگنے والے گھریلو جانور کسی بھی ان ذبیحوں میں جائز نہیں مثلاً مرغی، بطخ، ہنس۔ سالانہ قربانی اور حج کے ذبیحوں میں تین طرح فرق ہے پہلا فرق یہ کہ قربانی ہر مسلمان اپنے وطن میں دیتا ہے اور یہ ہی مستحب ہے۔ لیکن حج کے یہ تمام ذبیحے مکہ شریف یا منیٰ میں ہوتے ہیں دوم یہ کہ سالانہ قربانی صرف امیر دولت مند صاحب نصاب پر واجب ہے۔ مگر حج کے ذبیحے حج کی وجہ سے ہوتے نہ کہ امیری کی وجہ سے وہ غریب پر بھی لازم ہیں۔ سوم فرق یہ کہ سالانہ قربانی خود واجب ہے مگر صدقہ نفلی ہے اس لیے ہر امیر، غریب اور خود قربانی والا بھی کھا سکتا ہے۔ مگر حج کے ذبیحے تین قسم کے ہوتے ہیں ۱ ذبیحہ مستحب صدقہ بھی مستحب۔ جیسے حج مفرد کا ذبیحہ یہ سب کھا سکتے ہیں ۲ ذبیحہ واجب مگر صدقہ نفلی جیسے حجِ قران اور حجِ تمتع کا ذبیحہ سب کھا سکتے ہیں ۳ ذبیحہ واجب صدقہ بھی واجب یہ صرف غربا کھا سکتے ہیں۔ جیسے منت کے ذبیحہ اور جرائم کے کفارے۔

ان آیات میں مفسرین کے اختلافی اقوال۔ اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا میں دو قول ۱ اس کا معنیٰ ہے بت پرستی نہ ہونے دینا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ عبادتِ حج وعمرہ میں کوئی دنیوی مفاد شامل وشریک نہ کرنا طَہِّرْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کفر کی گندگی سے پاک کرنا ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے ظاہری گندگی سے ہر طرح پاکیزہ رکھنا۔ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ باہر سے آنے والے طائفین اور باشندے قائمین ۲ بعض نے کہا کہ طواف کرنے طائفین ہیں اور نماز واعتکاف کرنے والے قائمین ہیں یہی درست ہے پہلا قول غلط ہے کیونکہ صفائی تو خود باشندوں پر فرض ان کے بیے کون کیوں صفائی کرے۔ اَذِّنْ فِی النَّاسِ میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ حکم ابراہیم علیہ السلام کو تھا اور بالنّاس سے تا قیامت موجودہ وآئندہ انسان مراد ہیں، یہی قول درست ہے ۲ مگر بعض نے کہا یہ حکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تھا اور النّاس سے مراد امتِ مسلمہ ہے۔ بِالْحَجِّ میں دو قول ۱ بعض

نے فرمایا کہ اس ہی لفظ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ حج رکھا گیا ۲ مگر بعض نے لکھا کہ نہیں بلکہ از آیت ۲۵ تا آیت ۳۳ حج کے ابتدائی کچھ امور کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام سورۃ الحج ہوا۔ اور از آیت ۳۴ تا آیت ۳۷ میں دیگر علاقوں کی قربانی کا ذکر و حکم ہے۔ یَاتُوْکَ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ آپ کے پاس آپ کے جیتے جی آنا شروع ہو جائیں گے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ آپ کی یہ آوازِ اذان عرش و فرش پر تمام کائنات میں پہنچے گی اور عالمِ ارواح کی روحیں بھی لبیک کہیں گی پھر تا قیامت پیدا ہو کر بڑی ہو کر آتی رہیں گی ۳ یہ کہ اس کعبے کے پاس آتے رہیں گے اور کَ خطابی کا معنیٰ آپ کی اس جگہ کے پاس یہی دو قول درست ہے۔ عَمِیْقٍ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے دور دراز علاقہ اور فَجٍّ کا معنیٰ ہر طرف سے ۲ بعض نے فرمایا عَمِیْقٍ کا معنیٰ میدانی علاقہ اور فَجٍّ کا معنیٰ پہاڑی علاقہ یہ دونوں قول درست ہیں اور چاروں قسم کے علاقے مراد ہیں یعنی دور قریب مغربی شمالی جنوبی اور میدانی پہاڑی۔ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا پیدل حج کا زیادہ درجہ ہے کیونکہ اس کا پہلے ذکر کیا گیا ۲ بعض نے فرمایا سواری پر حج افضل و مفید ہے اس کے تین فائدے پہلا یہ کہ بندہ جلدی حرم شریف میں پہنچ کر عبادت کا زیادہ وقت حاصل کر سکتا ہے دوم یہ کہ ہزارہا مصائب و تھکاوٹوں سے بچ کر با صحت پہنچ سکتا ہے تھکاوٹ و بیماری مانعِ ارکان ہو سکتی ہے سوم یہ کہ حصولِ سواری میں شکرِ الٰہی زیادہ ہے۔ یعنی سواری میں کثرتِ شکر ہے۔ پیدل میں کثرتِ صبر ہے اور خود مصیبت میں پڑنا ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ مَنَافِعَ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد دنیوی فوائد ہیں گوشت حاصل ہونا اور تجارت میل ملاقات وغیرہ ۲ بعض نے کہا اس سے مراد اُخروی فوائد ہیں۔ بخشش، رضاءِ الٰہی، تمام گناہوں کا خاتمہ معافی ۳ بعض نے کہا اس سے دینی دنیوی، اُخروی ہر قسم کے تمام فوائد مراد ہیں۔ یہی قول درست ہے اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ میں پانچ قول ہیں ۱ امام اعظم نے فرمایا اس سے مراد صرف ذی الحج کے پہلے تیرہ ۱۳ دن ہیں ۲ امام مالک اور امام احمد حنبل کا قول ہے کہ اس سے مراد صرف پانچ ایامِ تشریق ہیں یعنی نو ۹، دس ۱۰، گیارہ ۱۱، بارہ ۱۲، تیرہ ۱۳ ذی الحج ۔

۳ امام شافعی نے فرمایا اس سے مراد نحر کے تین دن ہیں یعنی دس گیارہ، بارہ ذی الحج ائمہ ثلاثہ کے مسلک ان دنوں میں ہر وقت ذبح کر سکتا ہے رات میں بھی دن میں بھی بارہویں کی عصر تک لیکن امام مالک کے نزدیک کوئی جانور کسی جگہ بھی رات میں ذبح کرنا منع ہے بوجہ اندھیرا غلطی کے اندیشے کی بنا پر خواہ قربانی کا ذبیحہ ہو یا حج کا کوئی۔ یا عام روزمرہ کا۔ ۴ کچھ فقہا نے فرمایا اس سے مراد حج کے ڈھائی ماہ ہیں ۵ بعض فقہاء نے لکھا کہ اس سے مراد ذی الحج کے پہلے دس دن ہیں لیکن جامع مانع قول امام اعظم کا ہے۔ کلوا میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ امر استحبابی ہے۔ کھاؤ یا نہ کھاؤ ۲ بعض نے کہا یہ امر وجوبی ہے اور معنٰی یہ ہے کہ قربانی کی طرح اس گوشت کو بھی ضائع نہ ہونے دینا بلکہ کوئی بھی مسلمان اس کو لے جائے اور کھائے۔ یا تین حصوں میں تقسیم کر کے بانٹ دے اَطۡعِمُوا میں دو قول ۱ ائمہ اربعہ نے فرمایا کہ یہ امر وجوبی ہے۔ اور معنٰی یہ کہ صاحب ذبیحہ کا کھانا مستحب ہے مگر غربا فقراء کو دینا واجب ہے۔ پکا کر یا کچا اس میں اغنیاء ہے کسی کو منع کرنا گناہ ہے ۲ بعض دیگر فقہا نے فرمایا یہ امر بھی استحبابی ہے۔ مگر پہلا متفقہ قول درست ہے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ دنیا بھر کی ہر مسجد کو پاکیزہ صاف ستھرا رکھنا اس کی روزانہ صفائی کرنا جوتے اتار کر آنا واجب ہے اگرچہ نئے جوتے ہوں مسجد کے اندر جوتے پہن کر آنا مسجد کی بے ادبی گستاخی ہے کیونکہ جوتا بذات خود اپنے نقشے میں معیوب و حقیر ہے اسی لیے نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام اور سابقہ مغفورین مومنین متبعین ہمیشہ ہر وادی مقدس و پاکیزہ مقامات میں جوتا اتار کر ہی گئے۔ اسی طرح کسی مسجد میں تھوکنا یا وضو کے چھینٹے ڈالنا ٹپکانا گناہ کبیرہ ہے۔ یہ فائدہ وَطَهِّرۡ بَيۡتِيَ سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ طہّر کی علت قائمین کو بھی بنایا گیا اور قائمین کا قیام نماز و رکوع سجود تو ہر مسجد میں ہوتا ہے جب ہر مسجد میں قیام عبادت کی علت موجود تو حکم طہّر بھی موجود، طہارت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک ظاہری گندگی سے پاکیزگی کوڑے کچرے سے صفائی۔ دوم ادب سوم احترام ادب یہ ہے کہ گندا بے غسل گندے پلید کپڑے لے کر مت آؤ۔ بدبودار چیزیں کر اور کھا کر

نہ آؤ احترام یہ ہے کہ مسجد میں یا مسجد کے قریب جھوٹ فسق کفر کھیل تماشہ شور وغل ڈھول باجہ اور شیطانی کام مت کرو۔ صرف ذکرِ الٰہی کی آوازیں بلند ہوں یا پھر خاموشی سے بیٹھو بلکہ جلالِ کبریائی دربارِ الٰہی کی ہیبت و خشیت اپنے دل دماغ پر قائم رکھو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیقِ سعادت عطا کرے مسجد میں خوشبو اور چراغاں کرنا بھی مسجد کا احترام۔ اللہ تعالیٰ کا کیا یہ کم احسان ہے اُس نے ہم کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت وسعادت بخشی۔ دوسرا فائدہ۔ حج کے سفر میں ہر جگہ تجارت خرید وفروخت اور مزدوری کاریگری اُجرت پر کام کرنا سب کچھ جائز گھر سے چلتے ہوئے اِس محنت مزدوری تجارت کی نیت بھی جائز ہے۔ اور دورانِ حج گھریلو ضروریات خریدنا جائز بلکہ زیادہ بہتر ہے اِس خریداری کی گھر سے نیت کرنا بھی مستحب بلکہ کارِ ثواب ہے حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں حج یا عمرہ کرنے جاؤں تو اتنی اشیا خریدوں کہ میرے گھر کا ہر کمرہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کی چیزوں سے بھر جائے جاپان و لندن میں یہود ونصاریٰ کی دکانوں کی خریداری سے بدرجہا بہتر ہے کہ مسلمانوں کی تجارت کو فروغ دیں بعض بدعقل جاہل و بیوقوف حج میں خریداری کو بُرا اور تقوے کے خلاف سمجھتے ہیں اور منافیِ عبادت تصور کرتے ہیں۔ یہ اُن کی بد دماغی ناسمجھی ہے بلکہ ضرورتِ زندگی کی اشیا مکہ ومدینہ حرمین شریفین سے خریدنا بھی عبادت ہے تاکہ مسلمانوں کی تجارت کو فروغ اور مضبوطی حاصل ہو۔ ہر زمانے میں تجارت ہی قومی ملکی مضبوطی کا ذریعہ رہا۔ یہود وہنود تجارت ہی پر چھانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنا سرمایہ اسلام دشمنی میں خرچ کرتے ہیں اور یہ احمق مسلمان اس بات کو سمجھتے ہی نہیں اور اپنے جاہلانہ نظریات کو ستاتے پھیلاتے پھرتے ہیں۔ یہ فائدہ لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ تو ہر حاجی مسلمان کو خرید وفروخت کی تجارت اور محنت مزدوری سے کمائی حاصل کرکے منافع کمانے کا حکم عطا فرما رہا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نائی، قصائی، راج مستری معمار۔ لوہار ترخان بڑھئی۔ گھر سے ہی اپنے سفری سامان کے ساتھ اپنی کاریگری کے اوزار ہتھیار اس نیت کے ساتھ لے جائے کہ فارغ وقت میں وہاں اتنے دنوں مزدوری بھی کرلوں گا تو اِس آیت کے تحت یہ نیت وارادہ بھی عبادت میں شامل ہے اور باعث ثواب ہے کیونکہ اس کی کاریگری سے حجاج کو

بھی فائدہ اور اس کا اپنا بھی منافع، مگر ہر کاری گر کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے ارکان حج، نماز تلاوت طواف اور عبادات میں کوتاہی و سستی غفلت نہ ہونے پائے۔ تیسرا فائدہ۔ حج میں تمام ذبیحوں کے گوشت کا خاص خیال رکھا جائے برباد ہونے سے بچایا جائے حجاج تو اکثر مسافر ہوتے ہیں ان کے پاس تو اپنے جانور کے گوشت سنبھالنے کا نہ وقت ہوتا ہے نہ اسباب نہ سہولت یہ کام مقامی لوگوں بلکہ حکومت کا ہے کہ اس گوشت کو دنیا بھر کے مسلمان غربا فقرا کو پہنچائے صاحب ذبیحہ کو تو جائز نہیں کہ اس کو بیچے مگر غربا اس کو لے کر بیچ بھی سکتے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طریقے سے مسلمان اس کو کھالیں۔ یہ فائدہ کُلُوْا کے امر استحبابی اور اَطْعِمُوْا کے امر وجوبی سے حاصل ہوا اب سنا بلکہ دیکھا ہے کہ حکومت سعودیہ گوشت کا بہت اچھا انتظام کرتی ہے گوشت برباد نہیں ہونے دیا جاتا مقصد باری تعالیٰ صرف خون بہا کے چھوڑ دینا نہیں بلکہ کُلُوْا اَوْ اَطْعِمُوْا۔ بھی حج کے افعال میں سے ہیں۔

احکام القرآن ان آیات پاک سے چند فقہی حنفی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ محرم اگر خشکی کا جانور شکار کرے تو اس جرم میں اس پر جو ذبیحہ واجب ہوگا، اس کا گوشت نہ خود صاحب ذبیحہ کھا سکتا ہے نہ کوئی امیر آدمی اگرچہ ذبیحہ والا خود بھی غریب ہو۔ صرف دیگر غربا ہی کھا سکتے ہیں ان ہی کا حق ہے کیونکہ یہ ذبیحہ شکار کا بدلہ اور کفارہ ہے جب شکاری محرم اپنا شکار نہیں کھا سکتا اور اس پر یہ گوشت حرام ہے تو اس کا بدلہ بھی حرام ہے۔ ایسے ہی منت اور نذر مانی ہو تو اس کا ذبیحہ بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کوئی امیر اور صاحب ذبیحہ نہیں کھا سکتا مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ منت و نذر کا ذبیحہ سب کھا سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حج کے جرموں اور حج بگاڑنے کے کفاروں کے واجباتی ذبیحوں کا حکم ہے کہ صاحب ذبیحہ اور امیر لوگ نہیں کھا سکتے صرف غربا کو دیدیا جائے۔ لیکن امام احمد بن حنبل کے نزدیک حج کے جرموں اور حج بگاڑنے کے ذبیحہ امرا و صاحب ذبیحہ نہیں کھا سکتا باقی تمام واجبی ذبیحے سب امیر غریب اور خود صاحب ذبیحہ کھا سکتے ہیں امام حنبل کے نزدیک محظورات و ممنوعات کے کفارے مثل قربانی ہیں لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک

مثل کفارہ شکار ہیں۔ جب شکار کا بدلہ حرام تو دیگر کفارے بھی حرام۔ اور منّتی کا ذبیحہ اس لیے صرف غربا کے لیے کہ وہ سب ذبیحہ للہ صدقہ واجبہ ہے لہٰذا حاجت مند کو ہی دیا جائے گا۔ یہ مسئلہ یہاں مَا رَزَقْنٰهُمْ (الخ) فرمانے سے اور سورۂ مائدہ کی آیت ۹۵ میں فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی کُلُوْا اُن ذبیحوں میں ہوگا جو رب تعالیٰ تم پر واجب فرمائے یا جن کا ذبیحہ رب تعالیٰ نے مستحب فرمایا مثلاً قربانی قِران، تمتع، اِفراد کا ذبیحہ۔ لیکن جو خود تم نے اپنے جرموں، کفاروں، منتوں سے اپنے پر واجب کر لیے وہ تم نہیں کھا سکتے، وہ تمام ذبیحے تمام اجزاء کے ساتھ، اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ۔ کے حکم سے خیرات ہی کرنا پڑینگے۔ اس لیے کہ شکار کا بدلہ شکار کی مثل، اور چونکہ شکار جرم ہے تو دیگر جرائم بھی اسی جرم کی مثل، اور منت کا ذبیحہ خود واجب کردہ ہے تو وہ بھی دیگر واجب کردہ کفاروں کی مثل ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**: اَیَّامِ حج کے تین ذبیحے اور دنیا بھر کی قربانی کا ذبیحہ تمام ائمہ کے نزدیک ہر امیر غریب کو کھانا جائز اور کھلانا بھی جمع کر کے رکھ لینا بھی۔ یہ مسئلہ یہاں اسی آیت کُلُوْا مِنْهَا (الخ) سے مستنبط ہوا، اور مشکوٰۃ شریف میں بیان کردہ حدیث متفق علیہ سے بھی مستنبط ہوا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا۔ ترجمہ، سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ گوشت تم سب کھاؤ بھی کھلاؤ بھی اور جمع بھی رکھ سکتے ہو۔ جب تک چاہو جتنا چاہو۔ **تیسرا مسئلہ** امام اعظم، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ دمِ قِران و تمتع کا گوشت تمام امیر غریب اور خود صاحب ذبیحہ کو کھانا جائز ہے یہ ذبیحے مثل قربانی ہیں یہ مسئلہ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوْا (الخ) سے مستنبط اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حَجَّةُ الْوَدَاعِ سے بھی کہ آقائے دوعالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حج قِران فرمایا مہاجرین انصار نے تمتع اور مکی صحابہ نے حج اِفراد بعد حج آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سو اونٹ اپنے حج کے ذبح فرمائے تریسٹھ اپنے دستِ اقدس سے غالباً اپنی عمر مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور باقی سینتیس اونٹ مولیٰ علی شیرِ خدا نے اپنے دستِ اقدس سے کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهٗ بعد ذبح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے باورچی صحابہ کرام کو فرمایا کہ ہر اونٹ سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر پکاؤ وہ ہم سب لوگ کھائیں گے اور باقی گوشت غربا مساکین میں تقسیم کر دو۔ صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ تم اپنے ذبیحوں کا گوشت کھاؤ کھلاؤ۔ جمع کر دُسکھاؤ یا تقسیم کر دو اور یہ مسئلہ تا قیامت ہر حاجی مسلمان کے لیے مقرر ہو گیا۔ لیکن امام شافعیؓ فرماتے ہیں کہ قران و تمتع اور دیگر تمام واجبات کے ذبیحے امرا اور صاحب ذبیحہ کو کھانا ممنوع ہیں خواہ شریعت نے واجب کئے ہوں یا خود حاجی اپنے پر منت یا جُرم کر کے واجب کرے مگر یہ مسلک کمزور اور اس آیت پاک و اس حدیث مبارکہ کے خلاف ہے معلوم امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دلیل کیا ہے۔ حج میں شرعی واجب صرف دو ذبیحے ہیں قران و تمتع کا باقی واجبات خود کردہ ہیں جو تقریباً بارہ ہیں۔ اس کے علاوہ ایک منت کا (تفسیر مظہری)

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ (الخ) مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اَنْ تفسیری ہے اور لَا تُشْرِكْ کا جملہ ماقبل جملے بَوَّاْنَا کی تفسیر کر رہا ہے علت بیان کرتے ہوئے حالانکہ بَوَّاْنَا کی تفسیر و تعلیل لَا تُشْرِكْ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا ترجمہ اس طرح بنتا ہے ہم نے ابراہیم کو مکانِ بیت کا نشان بتایا یعنی شرک نہ کرو۔ یا تاکہ شرک نہ کرو **جواب**۔ یہ اَنْ۔ بَوَّاْنَا کی تفسیر نہیں بلکہ مقصد بَوَّاْنَا کی تفسیر ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس لیے مکانِ بیت کا نشان بتایا تاکہ وہ تعمیر کریں وہاں بیت اللہ بنے توحیدِ الٰہی قائم ہو شرک کا خاتمہ رہے۔ اور یہ کام ابراہیم علیہ السلام سے اس لیے کرایا کہ ان ہی کی نسل و اولاد نے یہاں رہنا بسنا تھا ان کو اپنے جدِ اعلیٰ کی پیروی لازمی کرنی چاہیئے نافرمانی سے شرم آنی چاہیئے کہ جدِ اعلیٰ نے یہاں کیا کیا۔ اور اے عرب تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ **دوسرا اعتراض**:۔ ابراہیم علیہ السلام تو پہلے ہی مشرک نہ تھے پھر ان کو لَا تُشْرِكْ کی نہی کیوں فرمائی گئی **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ لَا تُشْرِكْ کا معنیٰ ہے شرک نہ ہونے دینا، دوسرا جواب یہ کہ یہاں شرکِ مجازی مراد ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اس بیت اللہ کے پاس آکر سوائے عبادتِ الٰہی کے اور کوئی دنیوی مقصد بھی نہ رکھنا خواہ جائز غرض ہو یا ناجائز سوائے رب تعالیٰ کسی سے کوئی سوال دعا عرض و معروض بھی نہ کرنا کسی غیر اللہ سے کوئی اُمید بھی لے کر یہاں نہ آنا جو کچھ دین دنیا مانگنا ہو بس

اپنے رب تعالیٰ سے ہی مانگتا اس کو دنیوی گھروں جیسا بھی نہ سمجھنا کہ دنیوی گھر بنانے میں انسان کے کئی مقاصد ہوتے ہیں مثلاً گھرستی بھی عبادت بھی رہائش بھی استعمال کے برتن بھی عبادت کے مصلے بھی مگر بیت اللہ شریف کے مقاصد میں بجز عبادت تلاوت۔ طواف، اعتکاف اور کوئی مقصد شامل و شریک نہ ہو دونوں جواب درست ہیں۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا بَوَّأْنَا یعنی مَکَانَ الْبَیْتِ تعمیر کرنے کے لیے جگہ کی نشاندہی فرمائی اور اس جگہ پہنچایا، پھر اسی وقت وَطَهِّرْ بَيْتِيَ میرے گھر کو پاک کرو، ابھی تو گھر بنا ہی نہیں تو پاک کس کو کیا جائے گا یہ حکم بَوَّأْنَا کے ساتھ کیوں دیا گیا۔ جواب: اس لیے کہ بَیْتِیَ سے مراد پوری مسجد و مطاف ہے کہ بنانا تو صرف کعبے کی عمارت ہے مگر آج سے ہی یہ سب جگہ پاک رکھو نہ یہاں گندگی ہونے دو نہ رہنے دو نہ جوتے پہن کر کسی کو آنے دو مطلب یہ ہے کہ آئندہ پاک رکھنا، یا مطلب یہ ہے کہ جب تعمیر ہو چکے تو تب سے ہی ہر طرح کی طہارت شروع کر دی جائے۔ طَهِّرْ کا عطف لَا تُشْرِكْ پر ہے کہ نہ شرک ہونے دینا نہ کسی قسم کی گندگی پلیدی بے حرمتی ہونے دینا۔ یا یہ واؤ تفسیریہ ہے یعنی لَا تُشْرِكْ کا معنی ہے پاک رکھنا بتوں سے اس لیے کہ شرک بھی نجاست ہے اور مشرکین نجس ہیں یہ ہیں مفسرین کے مختلف جوابات۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ لیکن سورۃ بقرہ کی آیت ۲۰۳ میں فرمایا گیا ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ حالانکہ یہاں بھی حج کے دنوں کا ذکر ہے اور وہاں بھی آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک حج کا ہی ذکر ہے اور ایام سے حج کے دن ہی مراد ہیں تو کیا وجہ کہ یہاں مَعْلُوْمٰتٍ ہے اور وہاں مَعْدُوْدٰتٍ ہے۔ مَعْلُوْمٰتٍ اور مَعْدُوْدٰتٍ میں کیا فرق ہے؟ جواب: یہاں لوگوں کی علمیت کی طرف اشارہ ہے اور حج کے تمام دن یکم ذی الحج سے تیرہ ۱۳ ذی الحج یا پورے ڈھائی ماہ ان دنوں مہینوں کا علم رکھنا بحکم حدیث پاک فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس لیے مَعْلُوْمٰتٍ فرمایا گیا یعنی ہر مسلمان کی علمی معلومات والے دن، خیال رہے کہ پانچ قسم کے علوم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ۱ مسائل نماز کا علم ۲ مسائل زکوٰۃ کا علم ۳ مسائل صیام رمضان کا علم ۴ مسائل ایام حج کا علم ۵ مسائل طہارت۔ تو یہاں معلومات کا معنی ہے، علوم اہل اسلام

کہ ضروری معلومات والے دن۔ اور وہاں معدودات فرماتے ہیں دنوں کی مقدار کا ذکر ہے کہ وہ چند ہی ہیں معدودات کا ترجمہ ہے گنتی کے چند دن اور مراد ہیں ایام تشریق وغیرہ اور ذکر سے مراد تلبیہ، دعائیں، حمد و نعت، درود، وظائف، ذبح کی تکبیر، تلاوت وغیرہ تسبیح تہلیل۔ یاد الٰہی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْقَآىِٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے روح خلیل کو بیت قلبی کے کمال و اخلاق کے تعمیر کی نشاندہی فرمائی اور اعمالِ صالحہ کی وہ بنیادیں جو طوفانِ جہالت کے وقت خباثیت کی موجوں سے لذات وشہوات کی مٹی کیچڑ کی دلدل میں پوشیدہ ہو گئی تھیں رحمۃ کی سانسوں کی ہواؤں اور کرم توفیق کے بادلوں سے ظاہر فرما دیں تب حقیقت نفسانیہ کا تمام ماحول اور طبیعت انسانیت کا سب غبار لادینیت سب چھٹ گیا اور اُن ہی علمی فکری عقلی عملی چار بنیادوں پر فطرت انسانی کے گارے اور کردار صالحہ کی اینٹ پتھروں سے اور حکم الٰہی کے نقشہ پر بیت قلبی کو تعمیر و مزین اخلاقِ حسنہ کے مقام پر کھڑے ہو کر شعورِ اسماعیلی کے تعاون سے بنایا اور فرمایا ہم نے ابراہیمی روح اور اسماعیلی قالب کو کہ یہاں مطاف قلبی میں خلوص وحدت کے ساتھ اغراض نفسی کی شمولیت کا شرک خفی مجازی نہ ہونے دینا اور بیت قلب کو جو میری تجلیات کا گھر ہے اس کو نجاسات وھمیہ سے پاک رکھنا اُن قواءِ اعضائی کے لیے جو قلب مومن کے ماحول نورانی کے طواف اور اخلاقِ فضیلت کے اعمال عبادت میں قائم دراکعہ۔ ساجد و عاجز ہوں اور اعضاءِ روحانیہ کی قوت سے القاءِ معارف میں قائم ہوں اور معانی حکمت ربانی کے رکوع میں جھکنے والے اور زمین بدنیہ پر عجز کے ایسے سجدوں میں گرنے والے کہ عبادت کی صورت شریعت کے آداب اور عقلیت کی ہدایت ملتی رہے طالبین بصارت منقلبین بصیرت، مجاہدین سلوک عابدین خشوع زاہدین خضوع کو وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اے روح لطیف اعضاءِ نوبہ کو حج عرفات معرفت کی دعوت اذان بلند فرما، تو صفات نفس کی وادیوں کو چھوڑ کر پیدل بھی حاضری دینگے

اور ریاضتِ شاقہ سے کمزور تھکی طبیعتوں کی سواریوں پر بھی ہر الفت بیدار کی گہرائیوں اور عشقِ بلند کے حوصلوں کی فج عمیق سے اور دوریِ منزل کی فکرِ عمیق سے لِیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِيۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ‌ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ۔ تاکہ پائیں بر رجال و سوار فوائدِ علمی قربِ قلب سے مستفید ہو کر اور انوارِ تجلیات و مکاشفات کے ایامِ معلومات میں وردِ اسم ذات و صفات کا ذکر کریں جب کہ مجاہدات و مخالفات کی چھری سے حیوانِ نفسانی کو ذبح کریں پھر حقیقتِ اصلیہ کے معنی میں اَکلِ حلال سے غذا بر روحی خود بھی کھائیں۔ اور نفسانیت کے مصیبت زدہ مریدانِ مبتدی منعفِ دماغی کے فقیروں اور تعلیم و تربیت کے محروموں محتاجوں کو تہذیب و ناد یب کی غذائیں کھلائیں (روح البیان عربی) اے بندۂ مومن تیرا دل ملکیت کبریا کا گھر ہے اس کو اغراضِ دنیوی کے شرک سے بچا۔ آنسوؤں کے پانی سے دھو کر آتشِ عشق سے سکھا، اور اغیار کی گندگی سے پاک رکھ ؎

خوش آں آتش کہ در دل بر فروزد ٭ بجز حق ہر چہ پیش آید بسوزد

اے مومن کعبۂ حرم کو اُمیدوں کے اصنام و اوثان، تمناؤں کے امثالِ خواہشات کے تمثال سے پاک کیا جاتا ہے اور کعبۂ دل کو ارباب، اوحام، حسد کینہ کھوٹ ملاوٹ سے پاک کیا جاتا ہے۔ توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اُگتا جس میں شرک حسد۔ غرور۔ ریاکاری اور کینہ پروری کے کانٹے ہوں۔ اے بندۂ آقا کا مسکنِ انوار جان کی ہمت و محبت سے طلب کیا جاتا ہے کیونکہ مسکن محبوب اگر ہے تو فقط مخلص و مسکین کا دل ہے۔ لَا تُشۡرِكۡ بِيۡ ہے کہ قلبِ مومن کو اغیار سے بچایا جائے اور طَهِّرۡ بَيۡتِيَ خواہشات کا نکالدینا ہے لِلطَّآئِفِيۡنَ واردات حقانی کا آنا ہے۔ اور قائمین قیامِ عرفانی ہے اور عبادت میں رغبت رکوعِ طریقت ہے۔ اہلِ خوف و امید عطاءِ کبریا رغبتِ الٰہی اس راہِ معرفت کے رُکَّعْ ہیں اور قبض و بسط صحبت و انسِ جمالِ الٰہی والے وَالسُّجُوۡدِ ہیں۔ جس بندۂ خوش قسمت کو کعبۂ عشق کا طواف نصیب ہو گیا اسی کو قربِ رُکنِ یمانی کا چومنا نصیب ہوتا ہے جو بندہ قلب کو بیت اللّٰہ اور عقل کو مقامِ ابراہیم نہ بنائے وہ محبوبین میں سے نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر روح البیان) حج ہی وہ عبادتِ خصوصی ہے جس میں بندے کو اپنا تمام قلب وقالب مشغول اور مال و متاع خرچ کرنا پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ جل مجدہٗ نے جب کائناتِ عالم کی تخلیق فرمائی تو سب سے پہلے اَرواحِ انسانی کو پیدا فرمایا۔ اور ان ہی روحوں کا نام انسان رکھا گیا۔ ان کی ابتدائی رہائشی وطن کو عالمِ ارواح کا نام دیا گیا پھر جب منتقلی کا وقت آیا تو سب سے آخر میں اس روحانی انسانیت کو بشری جسم کا لباس پہنا کر سرزمین دنیا پر یکے بعد دیگرے اُتارا گیا اور اس جسمِ انسانیت کا نام آدمی رکھا گیا اور اس مخلوق مجبلی کی ڈیوٹی اور ذمہ داری لگائی گئی کہ تو نے اپنے جسم اور روح کی خود حفاظت کرنی ہے اور اس کی غذائی ضرورت کو پورا کر کے اس کی قوت طاقت شان وشوکت عزت وعظمت بڑھانی ہے اس کو فنا سے بچا کر دائمی بقا میں لا کر پھر اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش کرنا ہے۔ اور عالمِ ارواح میں تمام روحوں کو بار بار اقراری تعارف کرایا گیا کہ ہم ہی خالق تعالیٰ تمہارے رب ہیں۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کیا ہم ہی تمہارے رب تمہارے پالنے والے نہیں ہیں تمام اَرواح نے عرض کیا۔ ہاں اے اللہ تو ہی ہمارا رب ہے اچھا تو ہمارا حکم یہ ہے کہ دنیا میں جا کر تم نے اپنی جسمانی قدروں اور روحانی قوتوں کو بڑھانا ہے اور اس سلسلے میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ نیکی اور تقوے سے تعاون کرنا ہے گناہ اور برائی کی مدد نہیں کرنی۔ اس مضبوط وعدے کے بعد ان کو دنیا میں مبعوث فرمایا گیا۔ مگر اس دنیا میں آ کر انسانوں کے چار گروہ ہو گئے۔

۱: وہ گروہ جن کو رب تعالیٰ نے خود ہی اپنی درس گاہِ ربانی میں روحانیت اور جسمانیت کے درس پڑھا دئے اور قوتِ روحانی وجسمانی کے سارے طریقے سکھا دئے ان کو دنیا میں آ کر کسی سے سیکھنے پڑھنے یا کسی کی نقل کرنے اور کسی کے نقشِ قدم پر چلنے کی ضرورت نہیں۔ اس گروہِ عظیم کا لقب ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام۔

۲: چاہیے تو یہ تھا کہ تمام انسان دامنِ نبوت میں ہی پناہ لیتے اور تعلیمِ نبوت سے اپنی روحانی ترقی کے منازل طے کر کے تزکیۂ نفس اور قوتِ روح حاصل کرتے مگر انسانیت اور آدمیت تین گروہ میں تقسیم ہو گئی۔ ایک طبقے نے اپنے اپنے نئے دین بنا کر اپنی روحانی

ارتقا اور قوت روحانیہ کے لیے اپنے ذھن سے ترک دنیا وغیرہ طریقے منتخب کریئے۔
ع۲ بعض لوگ روحانیت کو بالکل چھوڑ کر صرف مادہ پرستی اور تن سازی میں ہی عمر برباد کر گئے انہوں نے کسی دین سے کوئی لگاؤ نہ رکھا۔
ع۴ چوتھا گروہ اس دنیا میں اہل ایمان کا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب سعادت مند جماعتِ مبارکہ ہے جس نے خالص منشاءِ الٰہیہ کے مطابق قوتِ روحانیہ اور تزکیۂ نفس پانے حاصل کرنے کے لیے تعلیم نبوت کا دامن تھاما۔ اسی جماعتِ مبارکہ نے قوتِ روحانیہ کی صحیح غذائیں اور سچی لذتیں اور ابدی بقا کی نعمتیں حاصل کیں اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام ہی رب تعالیٰ کی درس گاہِ قدیم سے علم و عرفان حقیقت و معرفت شریعت وطریقت کے ہدایت یافتہ ان کی پاکیزہ حیاتِ طیبات ہی مشعلِ راہ سعادت ہے ان کی نقل کرنے کا نام ہی عبادتِ الٰہیہ ہے۔ ان کی اتباع ہی رب تعالیٰ کی شریعت ہے ان کے اقوال ہی قانونِ الٰہی ہے۔ ان کا خوب صورت نظام ہی اصل روحانی قوت ہے۔

حج و زکوٰۃ و زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم   بنگر چہ دلفریب نظامِ محمد است

روحِ انسانی کو جلا نفسِ آدمیت کو تزکیہ اتباعِ رسالت ہی سے ہے۔ ان قدسی آستانوں کو چھوڑ کر کوئی بھی ریاضت یا زہد کیا جائے روحانیت کی جلا میسّر نہیں آسکتی۔ انبیاءِ کرام کے وہ اعمال جو انہوں نے کبھی بھی عادۃً یا عبادۃً اختیار فرمائے آنے والی تا قیامت نسلوں کے لیے وہی اعمال و افعال عبادتِ الٰہیہ قرار پائے۔ انبیاءِ علیہم السلام کے ذاتی اور وقتی کام جو کسی وقت کسی بھی حالت میں ان نفوسِ قدسیہ سے صادر ہوئے وہ امت کے لیے قانونِ شریعت کی حیثیت ہو گئے ان اعمال کی نقل ہی عبادت و ریاضت ہے ان ہی کو فرض سنت ونفل اور واجب کا درجہ دیا گیا ان اعمال و اقوال کی نقل کرنے کو ہی نماز روزہ حج و عمرے کا نام دیا گیا۔ ان اعمالِ صالحہ سے ہی جسم وجان کی قوت اور ازلی ابدی شان و بقا ہے۔ یہ نقشِ قدم ہی بندے کی روحانی طاقت کو اتنا عظیم کر دیتا ہے کہ ولی ابدال و اوتاد اور غوث و قطب بن جاتا ہے۔ اسلام کی بہت سی عبادات ہیں نماز، روزہ زکوٰۃ خیرات صدقات قربانی، وِرد وظیفہ چلہ مراقبہ حج وعمرہ وغیرہ۔ ان تمام سے ہی روحانی قوتیں حاصل ہوتی ہیں مگر حج ایک ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس عبادتِ مقبول سے اتنی شان والی روحانی قوت حاصل ہوتی ہے جو کسی اور عبادت سے حاصل نہیں یہ عبادت

جسم کی تمام آلائشوں اور روح کی تمام کثافتوں۔ اور اعضاء و جوارح کے گناہوں لغزشوں خطاؤں اور نجاستوں کو اس طرح مٹا دیتی ہے کہ بفرمانِ حضور اقدس آقاء کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حج کے بعد بندہ اپنی روح و جسم میں ایسا پاکیزہ طاہر و منزہ ہو جاتا ہے کہ گویا آج پیدا ہوا ہے۔ یہ ہی وہ جسمانی تزکیہ اور روحانی قوت ہے جو صرف حج کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حج اور دیگر عبادات میں چند طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ اگرچہ بندے کی سب عبادات ہی انبیاء کرام علیہم السلام کی یادگاریں اور نقل ہیں مگر نماز روزہ وہ اعمالِ طیبات ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام نے خود عبادت کے طور پر ادا فرمائیں مگر حج وہ عبادت ہے جو انبیاء کرام اور رب تعالیٰ کے محبوب بندوں نے اپنی ذاتی ضرورت کے تحت وقتی طور پر ادا فرمائی۔ اگر غور کیا جائے تو بجز طوافِ کعبہ باقی تمام ارکان ہی کسی نہ کسی پیارے کی یادگاریں ہیں مثلاً احرام اُس لباس کی یادگار ہے۔ جو آدم علیہ السلام جنت سے پہن کر زمین پر آئے اور عرفات کے میدان میں اسی لباس کے ساتھ آئے اور اسی کا سفید رنگ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ و تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدگی کی یادگار ہے۔ قربانی ابراہیم کے تن تنہا اور اسمٰعیل علیہما السلام کے فدیے کی یادگار اسی طرح عرفات مزدلفہ منیٰ کا قیام اُن ہی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی یادگاریں ہیں جن کو روحانی قوت اور روحانیات کی تمام طاقتیں خود رب تعالیٰ نے اِس انداز سے سکھائیں پڑھائیں اور بخشیں کہ ان کی ہر عادت و عبادت کی نقل و اتباع ہی مومن کے لیے روحانی قوت کا درسِ عظیم اور حصول و دستیابی کا مرکزِ اتم ہے آبِ زم زم پینا صفا مروہ کی سعی یہ سب بزرگوں کے ذاتی اور ذہنی اعمال ہی تو ہیں۔ جو سب ایمان والوں کے لیے عبادت اور ذریعۂ معرفت و روحانیت بنا دیئے گئے مومن کے لیے روحانی قوت کا حصول اس لیے بھی ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان کی روح نے عالم ارواح میں قالوا بلیٰ کا وعدہ لیا تھا مگر دنیا میں آکر انسان بھول گیا یہ روح کی کمزوری ہے اور مومن کے لیے روحانی قوت کا حصول اس لیے بھی ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان کو دو چیزیں عطا فرمائیں ۱۔ جسم اور ۲۔ روح۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں یہ دونوں اس دنیا میں گھوڑے اور سوار کی مثل ہیں۔ جو قوت و طاقت میں زیادہ ہوگا وہی گھوڑا بن کر دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا۔ اہلِ دنیا اپنے جسم کی

زیادہ فکر کرتے ہیں ہر طرح کی جسمانی غذائیں جائز و ناجائز بلا پرہیز کھاتے چلے جاتے ہیں اور جسم کی تن سازی میں عمر گراں مایہ برباد کر ڈالتے ہیں۔ اس لیے ان کی رفتار، گفتار۔ دیکھنا سننا، چلنا پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا یہاں تک کہ علم و حکمرانی سب جسمانی طاقت کی حدود میں رہتی ہیں گھوڑے نے تو اپنی ہی طاقت کے مطابق چلنا دوڑنا ہے سوار تو اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہے بلکہ گھوڑے سے بھی کمزور ہے اگر روح میں قوت ہوتی اور اس کو روحانی ایمانی عرفانی غذاؤں سے طاقتور کیا ہوتا تو بدن پر سواری کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ روح خود جسم کو اٹھائے پھرتی اور پھر وہ اپنی قوت سے چلتی۔ اہل اللہ اور عاشقانِ رسول اللہ اپنی روح کی فکر زیادہ کرتے ہیں اور ہر طرح کی عبادت سے روحانی غذائیں حاصل کرتے رہتے ہیں، جن میں حج و عمرہ اور روضۂ اقدس کی زیارت حصولِ قوتِ روحانی کے سب سے بڑے ذریعے ہیں بلکہ ایک سچی زیارۃِ روضۂ اقدس سات حج و عمرہ سے زیادہ روحانیت کے لیے مفید ہے کیونکہ ۔۔۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبۂ و منیٰ ؛؛ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اُن کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیا ؛؛ اصلِ مراد حاضری اِس پاک در کی ہے۔

جب بندہ حج عمرہ زُہد، عبادت، ریاضت تقویٰ طہارت، روزہ، نماز، زکوٰۃ اور تمام حقوق العباد و حقوق اللہ کی پوری ادائیگی کر کے تزکیۂ نفس و اجسام اور قوتِ روحانیہ اکمل مکمل حاصل کر لیتا ہے تو پھر عالمِ ناسوت میں روح کی ہی شہنشاہی و حکمرانی ہوتی ہے اور جسم انسانی لاغر سوار کی طرح ہوتا ہے، پھر بندہ زمین پر ہوتا ہے، مگر نگاہیں عرش تک پہنچتی ہیں، رفتار بندے کی ہوتی ہے اور تختِ بلقیس اٹھا چلا تا ہے۔ آواز فاروقِ اعظم کی ہوتی ہے اور اُس کی گونج نہاوند کی پہاڑیوں میں حضرت ساریہ کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے، حکم نامہ خلیفۃُ المسلمین کا ہوتا ہے اور دریاءِ نیل قیامت تک کے لیے جاری ہو جاتا ہے کرامت عبدالقادر غوث اعظم کی ہوتی ہے اور پرانے مردے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں، ایک عام لکڑی کی کھڑاؤں چند دن خواجہ چشتی کی صحبت قدم میں رہ کر وہ قوت پا لیتی ہے کہ فضاؤں میں اڑ کر جادوگر کا تمام جادو تباہ کر دیتی ہے۔ یہ سب روحانی قوت ہی تو ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تو یہ تمام روحانی قوتیں ۔۔ یک جنبشِ نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

وسلم اور صحبتِ پاک کی برکت سے مل جاتی تھیں لیکن ما و شما کو تو یہ طاقت عبادت کی محنت مشقت سے ہی حاصل ہوگی جس میں حج اسلامی سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے۔
حج اور دیگر عبادات میں دوسرا فرق یہ کہ ہر عبادت یا صرف بدنی ہے یا مالی یا صرف لسانی مگر حج تمام بدنی مالی لسانی عبادات کا مجموعہ ہے۔ تیسرا فرق۔ حج مساواتِ اسلامیہ کا اعلیٰ نمونہ ہے یہاں پہنچ کر محمود و ایاز غلام و آقا کی یکجائی کا پتہ لگتا ہے اسلامی اتحاد اور ترک دنیا یہ ہے کہ تمام دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے اب امیر غریب آقا غلام کی چھانٹ کوئی نہیں کر سکتا، چوتھا فرق یہ کہ دیگر عبادات اول سے آخر تک محض عبادت ہی ہیں، عبادت ہی پہلے بزرگوں نے کی اور بعد والوں نے اِس کو عبادت کے طریقے پر ہی نقلِ بزرگاں ادا کی مگر حج وہ عبادت ہے جو اپنے ابتدائی وقت میں عبادت نہ تھی۔ جیسے احرام سعی، قربانی، آبِ زمزم پینا، عرفات مزدلفہ سعی و سعی میں دوڑنا منیٰ کا قیام حضرتِ اسماعیل کا کنکریاں مارنا منیٰ دعرفات تک جا تا آنا۔ مقامِ ابراہیم وغیرہ اُن ابتدائی اَدوار میں جب یہ اعمال انبیاء اور اللہ کے محبوب بندوں علیہم السّلام سے صادر ہوئے عبادت نہ تھے بلکہ بہت زمانہ بعد مومن کو قوتِ روحانی بخشنے کے لیے یہ نقلِ بزرگاں عبادتِ الٰہیہ بنا دی گئیں۔ اس قانونِ الٰہیہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ۱ یہ کہ روحانی غذائیں اور قوتِ روحانی صرف عبادتِ الٰہیہ سے حاصل ہوتی ہیں ۲ یہ کہ عبادتِ الٰہیہ صرف نقلِ بزرگاں اور اتباعِ انبیا علیہم السّلام ہی کا نام ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

پھر دور کریں اپنے میل کچیل کو اور ضرور ہی پورے کریں اپنے ذمہ واجبات کو

پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی منتیں پوری کریں

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ق

اور ضرور طوافِ وداع کریں سب کے سب پرانے ابتدائی پہلے گھر کا، اُس کی تعمیل کریں

اور اس آزاد گھر کا طواف کریں۔ بات یہ ہے

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ

اور وہ حاجی جو اچھی طرح خیال رکھے اللہ کی قابلِ احترام چیزوں کا تو وہ اچھا ہے اس کے لیے

اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اُس کے لیے اُس کے

عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا

اس کے رب کے پاس، اور حلال کر دئے گئے تمہارے لیے چوپائے سوائے اُن کے

رب کے یہاں بھلا ہے اور تمہارے لیے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے سوا

مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ

جو پہلے پڑھ دیا گیا تمہارے سامنے. لہٰذا بچو تم گندگی سے جو

اُن کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو

الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ ﴿۳۰﴾

بتوں سے ہے اور بچو تم جھوٹی باتیں کرنے سے

بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے

تعلقات

ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے. پہلا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں کو مسجدِ حرم خانۂ کعبہ اور مکہ مکرمہ میں آکر حاضری دے کر کچھ کام کرنے کا حکم دا زین دیا گیا. اب اِن آیت میں مزید کچھ اور کام کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے. دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حج سے متعلق حقوق العباد کا ذکر فرمایا گیا. اب اِن آیت میں حج سے متعلق حقوق اللہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے. تیسرا تعلق پچھلی آیت میں چند شرعی اوامر اور کرنے والی چیزوں کا ذکر ہوا. اب ان آیت میں چند شرعی نواہی اور ممنوعہ چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اِن اِن کاموں سے بچو.

تفسیر نحوی

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ ذٰلِكَ ، وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ ثُمَّ حرف عطف تاخیر ترتیبی یعنی ماقبل جملے سے مابعد کلام کو دور یا دیر کرنے کے لیے تاخیر کی چار صورتیں ہوتی ہیں ۱ عملی تاخیر مثلاً یہ کام کیا پھر یہ کام کیا ۲ رتبی تاخیر مثلاً بادشاہ پھر وزیر پھر سردار ۳ وضعی تاخیر مثلاً امام پھر مقتدی ۴ زمانی تاخیر مثلاً باپ، پھر بیٹا پھر پوتا یا آج کل، پرسوں، یہاں زمانی تاخیر مراد ہے اگر تاخیر دراز ہو جائے تو اس کو تراخی کہا جاتا ہے ثُمَّ کے مابعد جملہ عَتِیْق تک ماقبل فَكُلُوْا پر معطوف ہے۔ ایک قول میں ثُمَّ ہے بمعنی بیان ہی اور یہ اگلی مابعد عبارت علیحدہ جملہ ہے لْيَقْضُوْا باب ضَرَبَ کا فعل امر غائب معروف جمع مذکر غائب قَضْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے دور کرنا یہاں یہی مراد ہے اصطلاح میں قولی وعملی فیصلے کو بھی قضا کہا جاتا ہے اس لیے کہ فیصلے کے بعد مدعی مدعیٰ علیہ اور جھگڑے کو دور اور ختم کیا جاتا ہے۔ اول میں لام مکسورہ امر کا ہے اس کا فاعل ضمیر جمع مرجع النَّاس تَفَثَ، اسم مفرد جامد بمعنی بدنی جسمانی میل کچیل مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لْيَقْضُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لْيُوْفُوْا۔ باب اِفعال کا فعل امر غائب معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِیْفَاءٌ بمعنی پورا کرنا وَفْیٌ سے مشتق ہے بمعنی پورا ہونا یہ لازم ہے افعال میں آکر متعدی ہوا نُذُوْرَ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے نَذْرٌ، بمعنی لازمی واجبی چیز جس کے نہ کرنے پر سزا ملے، اسی معنی میں منت ماننے کو نذر کہا جاتا ہے یہاں مراد ہیں واجبات حج۔ ڈرانے والے کو نذیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ واجبات و فرائض کے ادا کرنے کا حکم اور نہ کرنے کی سزا کا ذکر کرتا ہے یہ مضاف ہے هُمْ مضاف الیہ یہ دونوں مفعول بہ ہے لْيُوْفُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لْيَطَّوَّفُوْا باب تَفَعُّل کا امر غائب معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَطَوُّفٌ طَوْفٌ سے بنا ہے بمعنی چکر لگانا (طواف کرنا) اصل میں تھا لِيَتَطَوَّفُوْا۔ تفعّل کی تَ کو ہم مخرج ہونے کی بنا پر طَ بنایا اس کا الٹ نہیں ہو سکتا کیونکہ طَ حرف اصلی ہے (مادے کا حرف) اس کا

فاعل ضمیر صیغہ یہ تینوں افعالِ امر کے فاعل ضمائر کا مرجع اَلنَّاس ہے بِ حرفِ جر متعدیہ
بمعنی کا یا کو۔ اَلْبَیْتَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی گھر چھت والا یعنی کمرہ بیت کا لغوی ترجمہ ہے
رات گزارنا، اصطلاح میں مطلقاً کمرے کو بیت کہا جاتا ہے اینٹ پتھر لوہے سیمنٹ
کا ہو یا مٹی گھاس پھونس کا یا خیمہ شامیانے کا یہاں مراد ہے کعبہ شریف یہ حاصل مصدر ہے
موصوف ہے اَلْعَتِیْقِ۔ اسم فاعل صفت مشبہ ہے بروزنِ فعیل باب کرم کا عتق سے
مشتق ہے بمعنی پرانا ہونا ایک قول میں یہ عِتْقٌ سے مشتق ہے بمعنی آزاد ہونا اب یہ عتیق
بمعنی مُعْتَقْ اسم مفعول ہوگا معنی آزاد شدہ یعنی کسی کی ملکیت سے آزاد شروع سے
آزاد جب سے زمین بنی ہے اس لیے صرف کعبہ شریف کی یہ صفت و لقب ہے نہ کسی
مسجد کی نہ بیت المقدس کی کیونکہ یہ سب مسجد بننے سے پہلے غیر اللہ کی ملکیت رہے
ہیں یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے یَطَّوَّفُوْا۔ کے سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
لِیُوْفُوْا پر وہ معطوف یَقْضُوْا کا یہ تینوں عطف مل کر معطوف فَکُلُوْا کے جملے پر ذٰلِکَ
اسم اشارہ مبنی ہے بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے پوشیدہ فعل اِفْعَلُوْا کا ذٰلِکَ
کا مشار الیہ ماقبل تمام فعل امر ہیں یعنی تعمیل کرو تم ان تمام حکموں کی یہ فعل فاعل اور
مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصولہ شرطیہ۔ یہ جنسی لفظ ہے
معنی ہے تمام لوگ ہر ایک (جو بھی) یُعَظِّمْ باب تفعیل کا مضارع معروف واحد مذکر
غائب اس کا مصدر ہے تعظیمٌ بمعنی عزت کرنا احترام کرنا بڑا سمجھنا اس کا فاعل ضمیر
صیغہ مرجع ہے مَنْ حُرُمٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بحالتِ فتحہ اس کا واحد ہے حُرْمَۃٌ
بمعنی قابل احترام چیز یہ مضاف ہے اَللّٰہ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ یُعَظِّمْ کا سب
مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہے فَ جزائیہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا خَیْرٌ
اسم مصدر عامل لَہٗ جار مجرور متعلق ہے عِنْدَ رَبِّہٖ یہ ڈبل مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے
خَیْرٌ کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر جزا ہوئی مَنْ یُعَظِّمْ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ
ہوگیا۔ خیال رہے کہ تعظیم سے مراد علم اور عمل کرنا ہے اور کاربند رہنا۔ حُرُمٰت سے
مراد حج کے اعمال مقامات ہیں خَیْرٌ سے مراد قبولیت ہے وَاُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ
اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ
واؤ سر جملہ اُحِلَّتْ بابِ افعال کا ماضی مطلق مثبت مجہول واحد مؤنث غائب

مصدر ہے اِحلال حَلّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی حلال اور جائز ہونا۔ لام حرفِ جر نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل یہ جار مجرور متعلق ہے اُحِلَّتْ کا اَلْاَنْعَامُ اسم جمع مکسر منصرف اِس کا واحد ہے نَعَمٌ بمعنی چوپایہ جانور گھریلو یا شکاری (جنگلی) مستثنیٰ مِنہُ ہے اِلَّا حرف استثنا۔ یہاں استثنا متصل ہے مَا اسم موصول اپنے اصلی معنیٰ ہے یعنی برائے غیر ذوالعقول یُتْلٰی باب نَصَرَ کا مضارع مجہول بمعنی ماضی ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے عَلَیْکُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے یُتْلٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا اَلْاَنْعَامُ کا، دونوں مل کر فاعل ہے اُحِلَّتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ اگلا کلام علیحدہ جملہ ہے یا سابقہ امر کے فعلوں پر عطف ہے اُحِلَّتْ کا۔ جملہ بیچ میں معترضہ ہے اِجْتَنِبُوا باب افتعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اِس کا مصدر ہے اِجْتِنَابٌ جَنْبٌ سے بنا ہے بمعنی بچنا پرہیز کرنا، ایک طرف ہٹنا، ہٹ جانا، کروٹ کو جنب اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ ہٹنے کے لیے کروٹ پھیرنی پڑتی ہے گویا سبب کو مسبب کا نام دیا گیا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اَلرِّجْسَ اسم مفرد معرف باللام بمعنی گندگی پلیدی اس کی جمع ہے اَرْجَاسٌ عام ہے ظاہری باطنی کو یہاں مراد ہے باطنی یہ مفعول بہ ہے مِنْ حرف جر بیانیہ الف لام حرفی عہدِ خارجی اَوْثَانِ جمع مکسر ہے وَثَنٌ کی معنیٰ ہے پوجا کرنا۔ یہ مصدرِ جامد حاصلِ مصدر ہے اب اصطلاحاً مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی پوجا کیا ہوا مراد کفار کے جھوٹے معبود یہ جار مجرور متعلق ہے اِجْتَنِبُوا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ میرجملہ یا عاطفہ اِجْتَنِبُوا فعل با فاعل قَوْلَ اسم حاصلِ مصدر جامد بمعنی بات گفتگو یا مصدر جامد بمعنی بات۔ یعنی بولنا کہنا مضاف ہے اَلزُّوْرِ اسم مفرد مصدر لغوی معنیٰ انحراف کرنا، یعنی حق بات سے ہٹنا، اسی معنیٰ میں جھوٹ کو زُور کہا جاتا ہے کِذب اور زُور میں چند طرح فرق ہے تفصیل تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائے گی۔ اِنْشَاءَ اللہُ تعالیٰ، مضاف الیہ ہے ایسی اضافت کو اِضافتِ بیانیہ کہا جاتا ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِجْتَنِبُوا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ قَوْلَ الزُّوْرِ کو اَلرِّجْسَ پر عطف نہ کیا گیا بلکہ علیحدہ فعل با فاعل جملہ بنایا۔ تاکہ پتہ لگے کہ جھوٹ بولنا بھی بُت پرستی اور گندگی پلیدی کی طرح سخت بُری چیز ہے۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ ذٰلِكَ۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ اے اہل سعادت حاجیو عرفات و مزدلفہ میں قیام کے بعد پھر حج کے بقیہ واجبات میں ترتیب کا سختی سے خیال رکھتے ہوئے ادا کرو اپنے ذمے واجباتِ حج کو اُن ہی واجبات میں اپنے آپ کو احرام سے کھول کر ہر طرح صاف ستھرا کرنا ہے اس ترتیب سے کہ مزدلفہ میں رات گزار کر خود اپنی کنکریاں چن کر صبح کو منیٰ میں آتے ہی سارا دن میں کسی بھی سہولت کے وقت غروب آفتاب سے پہلے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کرو پھر قربانی کرو۔ جب قربانی ہونے کا یقین ہو جائے یا اس طرح کہ خود اپنی نگاہوں کے سامنے چھری پھرو یا کسی معتبر دیانت دار شخص کو قربانی کرنے کا اِذن دو جب وہ تم کو آکر بتا دے کہ قربانی فلاں وقت ہو گئی ہے تب سر منڈاؤ پھر نہاؤ اور جسم سے دیگر بال صاف کرو خوب مَل مَل کر میل صاف کرو ناخن کاٹو۔ اب احرام سے کھل گئے لہٰذا کپڑے پہن لو خوشبو لگاؤ اور اپنی سب نذریں یہیں سرزمینِ مکہ اور ایامِ حج میں ہی پوری کرو۔ نُذُوْر جمع ہے نذر کی اس کا معنیٰ ہے حج کی واجبات چیزیں خواہ شریعت نے واجب کی ہوں جیسے حج و عمرہ کے واجب کام۔ نذر کا لغوی معنیٰ ہے واجب کیا ہوا کام، یا حاجی شخص نے خود اپنے اوپر وہ کام واجب کر لیا اس کی دو صورتیں ہیں ۱ منّت مان لی ہو۔ ۲ یا کوئی حج میں غلطی کر لی ہو جس کا کفارہ واجب ہو گیا اِن تینوں قسموں کے واجب کو دورانِ حج ایامِ حج میں پورا کرنا بھی یہیں پر واجب ہے اس طرح نُذُوْرِ حج تین قسم کی ہو گئیں پہلی واجباتِ حج جو شریعت نے واجب کیں دوم منتیں سوم کفارے یہ چیزیں بندہ خود اپنے پر واجب کرتا ہے منتیں آٹھ قسم کی ہیں ۱ قسم کھا کر کوئی کام اپنے پر واجب کرنا ۲ منّت بالشرط یعنی اگر مگر سے کوئی کام معلق کرنا ۳ کسی جائز کام کی منّت مان لینا ۴ یا ناجائز کام کی منّت مان لینا ۵ مشکل کام کی منّت مان لینا ۶ ناممکن کام کی منّت مان لینا ۷ فضول کام کی منّت مان لینا ۸ کسی جگہ یا کسی وقت یا کسی طریقے سے کام کرنے کی منّت مان۔ ان سب منتوں کو اس وقت پورا کرنا واجب ہے جب وہ مراد پوری ہو جائے پہلے نہ کرے جائز کام کی منّت بعینہٖ اسی طرح مکمل پوری کرے جس طرح مانی ہے، ناجائز کام کی منّت

میں وہ ناجائز کام نہ کرے بلکہ اس کا کفّارہ دیدے، کفّارہ بھی منّت کی مراد ہو جانے کے بعد واجب ہے پہلے کفّارہ نہ دے اگر پہلے دیا تو جب مراد پوری ہوگی دوبارہ کفّارہ دینا پڑے گا۔ اگر مشکل کام کرنے کی منّت مانی تھی تو جب اس کی منّت مراد پوری ہو تو وہ مشکل کام ہمت کرکے ادا کرے اگر نہ ہو سکے تو اس کا بھی کفّارہ ادا کرے اگر کسی چیز کی منّت پر ناممکن کام کرنے کی شرط لگائی تھی تب بھی منّت والی چیز ملنے کے بعد اس ناممکن کام کا کفّارہ دیدے اور توبہ بھی کرے کیونکہ ناممکن کام پر منّت ماننا گناہ ہے۔ اگر فضول کام کرنے کی منّت مانی تھی تو جب اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری فرما دے تو اصل کام کرے فضولیات کو چھوڑ دے۔ کیونکہ اصل کام پورا ادا کرنا واجب ہے فضول قیدیں پوری کرنا ضروری نہیں۔ مثلاً منّت مانی ہے اگر میری یہ مراد ہو جائے تو میں آدھی رات دریا میں پانی کے اندر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ تو جب مراد ہو جائے تب کسی بھی وقت مسجد میں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے منّت پوری ہو جائے گی دریا اور وقت کی قیدیں فضولیات ہیں۔ اور ناممکن بھی کیونکہ پانی میں سجدہ نہیں ہو سکتا۔ منّت کا کفّارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری جلد دوم صفحہ ۲۸۹ میں بحوالہ مسلم، نسائی مستدرک حاکم بیہقی شریف ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنَّذْرُ یَمِیْنٌ وَکَفَّارَتُہٗ کَفَّارَۃُ یَمِیْنٍ۔ حج کے کفّارے جرائم حج کی تعداد کے مطابق بارہ قسم کے ہیں۔ چھ جرم ترکِ واجبات سے اور چھ جرم ممنوعہ کام کر لینے سے وَلْیَطَّوَّفُوْا۔ اور پھر طواف زیارت کرو یہ فرض ہے اس کا نام اِفَاضَہ بھی ہے یعنی حج وعرفات سے و مزدلفہ سے لوٹنے کا طواف کرو بیتِ عتیق خانۂ کعبہ کے پاس جا کر عتیق کے تین معنیٰ ہیں ۱۔ سب سے پہلا زمین پر بنا ہوا کمرہ دگھر) سورۃ آل عمران آیت ۹۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔ یعنی گھر اللہ کا ہے لیکن بنا لوگوں کے سجدوں نمازوں طوافوں کے لیے ۲۔ عتیق کا معنیٰ ہے سب گھروں عمارتوں سے زیادہ محترم مکرم ۳۔ ہر شخص کی ملکیت تسلّط اور غلبے سے آزاد ہے طواف کی چار قسمیں ۱۔ نفل طواف جو ہر وقت پورا سال بغیر احرام کیا جائے ۲۔ طوافِ سنّت جب کوئی وہ مسلمان جو حدودِ حرم سے باہر رہتا ہو جس کو آفاقی کہا جاتا ہے جب کبھی بھی کام سے مکے میں آئے تو نیّتِ عمرہ

احرام باندھ کر آئے اور آتے ہی پہلے طوافِ کعبہ کرے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں
پھر وہ خواہ اپنا کام پورا کرے یا عمرہ پہلے ادا کرے عمرے کا فرض طواف اِس
کے علاوہ ہے ہاں اگر ایک ہی طواف میں دونوں کی نیت کر لی تب بھی جائز ہے
اس صورت میں سعی کر کے پھر کوئی اور اپنا ذاتی کام کرے یہ اُس آفاقی کے لیے
ہے جو کبھی کبھی مکّے میں آئے لیکن جس کو بار بار آنا پڑتا ہے وہ بغیر احرام بھی آسکتا
ہے مگر آتے ہی بغیر احرام اوّلاً طواف سنّت ضرور کرے۔ یہ تحیّت مکہ ہے ۲ طوافِ
زیارت یہ حج کے فرضوں میں ہے ہر حاجی پر فرض ہے آفاقی ہو یا مکّی ۳ طوافِ وداع
یہ واجب ہے باہر سے آنیوالے حاجیوں پر ہے۔ مکّی پر نہیں ہے۔ اس کو طواف
صدر بھی کہتے ہیں۔ ۴ نفل طوافِ کعبہ ہر شخص کے لیے نفلی عبادت ہے مکّی ہو یا آفاقی
حاجی ہو یا عمرے والا۔ اپنے فارغ وقت میں جب چاہے باوضو اور پاکیزہ ہو کر، طوافِ
قدوم آنے کا طوافِ وداع جانے کا صرف آفاقی کے لیے۔ طوافِ زیارت ہر حاجی کے لیے
ہر طواف میں نیّت فرضِ شرط ہے اور سات چکر فرضِ رُکن ہے یہ سات چکر مثلِ رکعاتِ
نماز ہیں۔ مگر نماز سے دو طرح فرق ہے ۱ طواف میں اچھی اور ضروری باتیں کر سکتا ہے،
بلا ضرورت اور بری بات کرنا مکروہ تحریمی مگر نماز میں کوئی بھی بات نہیں کر سکتا، بات
کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے طواف نہیں ٹوٹتا، دوسرا فرق، طواف کے چکروں میں
جماعتِ نماز میں شریک ہو کر فاصلہ کر سکتا ہے پنجوقتہ ہو یا نمازِ جنازہ مگر نماز کی
رکعتوں میں فاصلہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ طواف کا دوسرا فرضِ رکن حجرِ اسود کے پاس سے
دائیں طرف کو چلے، تیسرا فرضِ رکن مسجد کے اندر طواف کرنا، اگر مسجد کے باہر
باہر چکر لگائے گا تو طوافِ کعبہ نہ بنے کا طوافِ مسجد بن جائے گا اور ناجائز ہو گا۔
طواف چونکہ عبادت ہے اس لیے سواءِ کعبہ کے کسی عمارت کسی قبر کا جائز نہیں
ہے۔ غرضکہ ہر طواف کے چار فرض ہیں ایک شرط تین رکن طواف کے واجبات بھی
چار ہیں ۱ غسل ہونا ۲ وضو کرنا ۳ ستر ڈھانپنا ۴ بدن بھی پاک ہونا اور لباس بھی
ہر طواف کی سنّتیں دو ہیں ۱ ایک دم پورا طواف کرنا طواف کو بیچ میں چھوڑنا خلاف
سنّت ہے اگر بالکل چھوڑ دیا تو قضا کرنا واجب ہے اگر تسلسل بلا وجہ شرعی توڑا
تو گنہگار کسی نماز کی وجہ سے توڑا تو خلافِ سنّت اس لیے مستحب یہ ہے کہ

ایسے وقت طواف کرے جب کہ درمیان میں کوئی نماز نہ آئے، ہر طواف کے پانچ مستحبات ہیں ۱ تکبیر سے شروع کرنا یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ پڑھ کر ۲ پھر کلمہ پڑھے ۳ ایسے وقت میں طواف شروع کرے جب کسی نماز با جماعت آجانے سے طواف توڑنا یا چھوڑنا نہ پڑے ۴ طواف میں دعائیں مانگنا عربی میں یا اپنی زبان میں دنیوی باتوں سے مکمل پرہیز کرنا سب سے بہتر ہے کہ درود شریف پڑھتا رہے بلا وجہ ادھر اُدھر توجہ نہ کرے جدھر جا رہا ہے ادھر ہی دیکھے ۵ دونوں رُکنوں کا استلام کرے۔ امام اعظم نے فرمایا دونوں رُکنوں کا استلام مؤکدہ سنت ہے تارک گنہگار ہوگا۔ سنت طوافِ قدوم میں دو اختیار جائز ہیں ایک یہ کہ طواف عمرہ کے ساتھ بھی اُس کی نیت کر سکتا ہے یعنی دو طوافوں کی نیت سے ایک طواف کرے

اگر ایک ساتھ نیت نہ کی تو طوافِ قدوم پہلے کرنا مستحب ہے اگر پہلے طوافِ عُمرہ کر لیا تو پھر عمرہ کی سعی کر کے پھر طوافِ قدوم کرے۔ بغیر نیت خود بخود طوافِ قدوم شامل نہیں ہو سکتا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں طوافِ عمرہ میں ہی طوافِ قدوم کی نیت کر لی دوسرا اختیار یہ کہ طواف قدوم چھوڑ بھی سکتا ہے مگر کچھ تھوڑا سا صدقہ دیدے تاکہ سنتِ مؤکدہ کے ترک کا بوجھ معاف ہو جائے۔ طوافِ زیارت کسی حاجی مرد یا عورت سے معاف نہیں کیونکہ یہ حج کا تیسرا اور آخری فرض رُکن ہے حائضہ غسل کرنے کے بعد طوافِ زیارت (افاضہ) کرے نفاس والی اُس سال حج ہی نہ کرے اسی طرح قریب ولادت والی بھی حج نہ کرے فراغت کے بعد پھر جب موقعہ ملے تو کرے استحاضہ والی وضو کر کے ہر طواف کرے مسجد میں حاضری دے سکتی ہے کیونکہ استحاضہ سے بے غسلگی نہیں ہوتی یہ ایک بیماری ہے۔ طوافِ وداع واجب ہے کسی آفاقی حاجی مرد سے معاف نہیں اگر چھوڑے گا تو دَم واجب مگر حائضہ سے معاف ہے اگر طوافِ وداع کرنے کے بعد پھر کچھ دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا پڑ گیا تو دوبارہ کرنا ضروری نہیں وہ پہلا ہی کافی ہے واجب ادا ہو گیا ائمہ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے مگر امام شافعی کے نزدیک دوبارہ کرنا واجب ہے (مظہری) طوافِ نفل اگر شروع کر کے توڑ دیا کسی عذر سے یا بلا عذر تو پورے طواف کی قضا واجب ہے۔ کیونکہ ہر نفلی عبادت شروع کرنے سے پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔ طوافِ قدوم ائمہ ثلاثہ کے

نزدیک سنت ہے مگر امام مالک کے نزدیک واجب ہے، طواف زیارت سب کے نزدیک فرض ہے، طواف وداع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے مگر امام مالک کے نزدیک سنت ہے۔ ذٰلِكَ۔ وہ ہی بیان ہے حج کا جو ابھی گزرا وہ ہی منشاء باری تعالیٰ ہے۔ حج کے وہ سب کام تم ضرور کرو۔ چھوٹے ہوں یا بڑے فرض واجب سنت مستحب ذٰلِكَ وہ حج و طواف نماز ہی مقصد تعمیر کعبہ ہے ذٰلِكَ، وہی حکم الٰہی ہے ذٰلِكَ کا مشار الیہ پوشیدہ ہے اس لئے حصر پیدا ہوا۔ خیال رہے کہ پانچ چیزیں حصر پیدا کرتی ہیں ۱ عامل کو مؤخر کرنا ۲ معمول کو مقدم کرنا ۳ عامل یا معمول کی تکرار ۴ تاکید کرنے سے ۵ عامل یا معمول یا مشار الیہ کو پوشیدہ رکھنے سے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ۔ اے بندو قوانین ربانی اللہ تعالیٰ کی حرمات ہیں۔ اور جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کرے تو وہ بندہ بہت ہی اچھا سچا پیارا ہے اپنے رب کی بارگاہ میں۔ تعظیم حرمات کے چھ معنی۔ پہلا یہ کہ تمام حکموں کو ذوق و شوق اور دل و جان سے مان کر ان پر عمل کرنا، دوم یہ کہ تمام ممنوعہ چیزوں سے بچنا، حرام ہوں یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی مشکوک ہوں یا شبہ والی، حرم کعبہ میں ہر قسم کے شرک سے بچنا کسی کو مکہ مکرمہ اور مسجد و کعبہ کے پاس طواف عبادت ذکر اللہ حج و عمرہ سے نہ روکنا بے وضو بے غسل ننگے ہو کر طواف نہ کرنا یہ سب پابندیاں تعظیم حرمت میں شامل سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام چیزوں کا ادب کرنا بے ادبی نہ کرنا چہارم یہ کہ اے مسلمانو تم صرف اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو ماننا جاری کرنا جو قرآن و حدیث کی شریعت بنائے عبادتی قانون ہوں یا عدالتی دکورٹ کچہری کے، غیر اللہ کے قانون سے عدالتیں بنانا کچہری سجانا بھی شرک ہے۔ قیامت میں اس کی سخت سزا ہے کوئی وزیر مشیر جج و جسٹس نہ بچ سکے گا۔ پنجم یہ کہ شریعت، طریقت، کعبہ و مساجد شعائر و مقابر مقامات و تبرکات کی توہین نہ کرنا نہ ہونے دینا۔ ششم یہ کہ اللہ تعالیٰ (اللہ رسول) کی کسی بات کے مقابل اپنی عقل کو دخل نہ دینا، حُرُمٰت کی دو قسمیں ہیں ۱ قابل عزت تمام اشیاء۔ وہ تقریباً تیرہ ہیں ۱ حرم مکہ مکرمہ ۲ حرم مدینہ منورہ ۳ بیت حرام کعبہ معظمہ ۴ ماہ حرام یعنی حج کے ڈھائی مہینے ۵ مسجد حرام ۶ مشعر حرام یعنی مزدلفہ کا پہاڑ جس پر کفار دسویں ذی الحج کی ساری رات آگ جلاتے باپ

دادوں کا ذکر کرتے فخریہ اشعار پڑھتے، اسلام نے اِن بُری رسموں سے منع فرمایا اور ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا، جیساکہ سورۃِ بقرہ آیت ۱۹۸ میں ارشاد ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۷ مسجدِ نبوی ۸ بیتُ المقدس کی مسجدِ اقصٰی ۹ کوہ صفا ۱۰ کوہ مروہ ۱۱ عرفات کا پورا میدان ۱۲ مزدلفہ کا پورا علاقہ ۱۳ منٰی پورا۔ حُرمات کی دوسری قسم، شریعت کی تمام ممنوعہ چیزیں اور کام، مثلاً حج اور عُمرے کی تمام ممنوعات حرم کی تمام ممنوعہ چیزیں۔ اُن سے بچنا ہی تعظیم حُرمت ہے اور مسلمان کے لیے خَیر ہے۔ یعنی باعثِ ثواب لائقِ تقوٰی قابلِ مرتبہ، موجبِ محبوبیتِ بارگاہ ہے وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ کتنے کرم ہیں اے انسانو تم پر تمہارے پروردگار کے کہ حج وزکوٰۃ وزہد وعبادت صلوٰۃ وصوم کی روحانی غذاؤں قلب کی دواؤں کے علاوہ تمہاری جسمانی غذاؤں کے لیے بھی بے شمار نفعے۔ نعمتیں۔ فائدے عطا فرمائے وَاُحِلَّتْ اور حلال کئے گئے تمہارے لیے گھریلو چرندے چوپائے جن کی تعداد کا بیان سورۃ انعام کی آیت ۱۴۳ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ سے فرمایا گیا ۱ اونٹ مذکر، مؤنث ۲ گائے مذکر مؤنث ۳ بکری مذکر مؤنث ۴ اُون والے چوپائے مذکر مؤنث، یہ آٹھ قسمیں ہوئیں، بھینس گائے میں شامل، اور اونی جانور کی تین قسمیں بھیڑ، دنبہ مینڈھا، اسطرح کل مذکر ومؤنث ملاکر چودہ قسم کے حلال گھریلو چوپائے بنتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے یہ تمام تا قیامت حلال فرما دیئے۔ کفارِ عرب اپنے بتوں کے نام پر کچھ جانور چھوڑتے تھے جن کے نام ۱ بحیرہ ۲ سائبہ ۳ وصیلہ ۴ حام تھا بحیرہ وہ اونٹنی جو پانچ بار بچہ جنتی پانچویں بار نر بچہ جنم دیتی تو اُس کا کان چیر کر بتوں کے نام مندر پر چڑھا دی جاتی وہ پھرتی چرتی رہتی اس کا گوشت حرام اور اس کا دودھ صرف مندر کے راہب (پنڈت) کے لیے ہوتا، سائبہ وہ اونٹنی جس کی منت مان لی جاتی کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو یہ اونٹنی بتوں کو چڑھاوا ہے جب کام ہوجاتا تو بُت کے نام پر آزاد چھوڑ دی جاتی یہ بھی کھانا حرام سمجھی جاتی اور دودھ صرف پنڈت پروہت کے لیے اِس کو صندو۔ بجار کہتے ہیں ہندوستان میں ہندو بھی بڑے بڑے فرآور بیل بجار کرکے چھوڑتے ہیں جو آزاد پھرتے ہیں ہر ہندو کافر ہر شخص اُس کی عزت کرتا

ہے اس کو کھانا دانہ کھلانا ہے اس کو ذبح کرنا گوشت کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ وصیلہ وہ بکری جو سات بار بچہ جنے اور ساتویں بار اگر نر مادہ جوڑے کو جنم دے تو کان پر چیرا لگا کر بتوں کے نام پر مندر میں چڑھاوا کر دی جاتی تھی۔ حام وہ اونٹ جو گیارہ بار اونٹنیوں کو حمل کرے اس کو بھی بتوں کے نام پر چڑھاوا کر دیا جاتا۔ کفار کا عقیدہ ہے کہ بتوں کے نام کا جانور کھانا حرام ہے۔ اسلام نے اس بد عقیدگی کی بھی تردید فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص کسی چیز کو حرام نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ جانور بھی حلال فرمائے گئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔ چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت ۱۰۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىٕبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی جانور کو بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام نہیں بنایا یہ سب بھی اے مسلمانوں اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ میں شامل ہیں خیال رہے کہ اَنعام گھریلو چوپایوں کو کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ماکولات (۲) مرکوبات ماکولات کو بَھِیْمَہ کہا جاتا ہے۔ جنگلی چوپایوں کی بھی دو قسمیں (۱) چرندے (۲) درندے چرندے حلال ہیں اُن کو صیدا اور شکاریات بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ہرن، نیل گائے جنگلی بھینس جنگلی اونٹ یعنی زرافہ، وغیرہ، پرندے سب جنگلی، اور چگندے سب گھریلو سوائے شترمرغ کے پرندوں کی بھی دو قسمیں (۱) چگندے (چگنے والے) (۲) درندے شکاری، چگندے سب حلال درندے سب حرام، اے مسلمانو تم پر سب اَنعام جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے وہابی، یہودی، عیسائی، مشرکین کے حرام حرام کہنے سے کچھ حرام نہیں ہوتا، ہاں البتہ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ۔ مگر اے مسلمانو تم پر صرف وہی جانور کھانا حرام ہیں جو قرآنِ مجید اور حدیث پاک میں عبارۃً، دلالۃً، اقتضاءً، اشارۃً تلاوت کر دئے گئے۔ چنانچہ سورۃ نحل کی آیت ۱۱۵، اور سورۃ انعام کی آیت ۱۴۵ میں کچھ اختصار سے اور سورۃ مائدہ کی آیت ۳ میں ذرا تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ۔ ترجمہ اور حرام کئے گئے ہیں اے مسلمانو تم پر مردار، اور بہکر نکلنے والا خون اور خنزیر اور وہ حلال جانور جو غیر اللہ

کے نام پر (بغیر بسم اللہ اور تکبیر پڑھے) ذبح کر دیا جائے اور گلا گھٹ کر مرنے والا، خواہ کوئی انسان گلا گھونٹے یا کوئی درندہ یا دھوئیں سے یا پانی سے یا بیماری سے گلا گھٹ جائے اور مر جائے اور لاٹھی، گولی، غلے سے مرنے والا اور پہاڑی وغیرہ سے گر کر مرنے والا اور کسی بڑے جانور کے سینگ سے مرنے والا اور ۹ وہ حلال جانور جس کو کسی گھر بلو یا جنگلی درندے نے تھوڑا سا کھا لیا ہو لیکن اگر اس کو مرنے سے پہلے درندے سے چھڑا کر ذبح کر لیا تو وہ کھانا حلال ہے۔ اور ۱۰ وہ جانور جس کو مشرکین نے بتوں کے نام پر چھوڑا ہوا اور بتوں کے نام پر کوئی بھی ذبح کرے حرام ہے۔ یہ دس قسم کے جانور اور چیزیں کھانا قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے حرام فرمائیں۔ سورۃ انعام کی آیت ۱۴۳ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ نے دلالۃً بیان فرمایا کہ گھوڑا، خچر، گدھا، مذکر مؤنث کا گوشت دودھ مسلمانوں کو کھانا پینا حرام ہے اور اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ۔ میں شامل ہے۔ باقی حرام جانور وحشی، شکاری، درندے ہوائی اور بری بحری اور کیڑے مکوڑے حدیث نے بیان فرمائے۔ مثلاً شکاری میں گھر بلو کتا بلا۔ جنگلی میں درندے شیر، چیتا، ریچھ، بھیڑیا، جنگلی کتا، گیدڑ، لومڑی وغیرہ، شکاری پرندے مثلاً باز، عقاب، شکرہ، چمگادڑ، چیل، کوا، الو۔ دریائی سب جانور حرام سوائے مچھلی کے، جھینگا ایک کیڑا ہے۔ مچھلی نہیں بعض جہلا اس کو مچھلی کہتے ہیں مگر یہ سب شیطانی جہالتیں ہیں جھینگا کھانا بھی حرام ہے، وحشی مثلاً، ہاتھی، زیبرہ، بندر، بن مانس، لنگور وغیرہ، احرام باندھ کر شکار بھی اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ۔ میں شامل ہے مگر محرم کا شکار حلال، صرف غربا کھا سکتے ہیں نہ خود شکاری کھائے نہ کوئی امیر آدمی کیونکہ یہ شکار حج و عمرے کے ممنوعات میں سے ہے نہ کہ محرمات میں سے، ذبیحہ دو قسم کے ہیں ۱ نحر، گردن کی لمبائی میں رگوں کو کاٹنا یہ ذبیحہ صرف اونٹ اونٹنی میں ہوتا ہے ۲ عقر، گردن کی چوڑائی میں رگیں کاٹنا یہ ذبیحہ گائے بھینس بکری دنبہ مینڈھا اور تمام شہری، جنگلی حلال جانوروں چرندوں چگندوں، پرندوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانوں اللہ رسول کی بتائی ہوئی حلال و طیب چیزیں استعمال کرو فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔ اے بندو گندگی سے پرہیز کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چھ چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم فرمایا اول سورۃ زمر آیت ۱۷ میں اور سورۃ نحل آیت ۳۶ میں طاغوت سے دوم

سورۃ نسا آیت ۳۱ اور سورۃ شوریٰ آیت ۳۷ اور سورۃ نجم آیت ۳۲ میں گناہِ کبیرہ سے سوئم سورۃ حج میں یعنی آیت ۳۰ میں رِجْسٌ سے، چہارم سورۃ حج اسی آیت ۳۰ میں قَوْلَ الزُّوْرِ سے۔ پنجم سورۃ حجرات آیت ۱۲ میں بدگمانی سے، ششم سورۃ مائدہ آیت ۹۰ میں عَمَلِ الشَّیْطٰنِ سے۔ یہ بچنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمے تین چیزوں کی حفاظت لگائی ہے۔ قالب کی قلب کی۔ روح کی اس حفاظت کے لیے تین چیزوں کا حکم دیا۔ غذا کھانے کا، علاج کرانے کا پرہیز کرنے کا۔ غذا بھی تین قسم کی ہوتی ہے، کھانے پینے۔ لگانے کی۔ علاج بھی تین قسم کا، کھانے پینے، لگانے کا اور پرہیز بھی تین قسم کا بچنے، ہٹنے، چھوڑنے کا، غذا، دوا، پرہیز، دنیوی بھی ہے اور دینی بھی، دنیوی غذا یعنی کھانا پینا، دنیوی دوا یعنی جڑی بوٹی دنیوی پرہیز، موذیات سے ہٹنا، زہریات سے بچنا، اور کمی زیادتی کو چھوڑنا۔ کیونکہ غذا اور دوا میں زیادتی کمی (افراط و تفریط) بیماری لاتی ہے۔ کمزوری بڑھاتی ہے، دینی غذائیں عبادات ہیں، دینی دوائیں تعظیمات ہیں، اور دینی پرہیز شرعی ممنوعات ہیں، چنانچہ غذاءِ روحانی کے لیے حکم ہوا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرو (سورۃ نساء آیت ۳۶) دوا کے لیے ارشاد ہوا۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ (الخ) اور فرمایا گیا وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورۃ فتح آیت ۹) اور سورۃ اسریٰ آیت ۸۲ ارشاد ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ فاسق اور کافر انسان صرف اپنے بدن جسم قالب کی حفاظت میں لگا رہتا ہے، ساری زندگی تن سازی۔ پہلوانی، خوبصورتی اور فیشن پرستی میں گزار دیتا ہے، سردی گرمی بیماری میں صرف جسم کو بچاتا ہے۔ اور کافر اپنے کفر و شرک سے روح و قلب کو قتل کرتا ہے۔ رِجْسٌ مِّنَ الْاَوْثَانِ روح و قلب کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ اور فاسق اپنے فسق و گناہ سے قلب و روح کو بیمار و کمزور کرتا ہے تمام گناہ کبائر ہیں، اور کبائر رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ہیں، لیکن مومن متقی قالب کی بھی حفاظت کرتا ہے اور قلب و روح کی بھی اس طرح کہ وہ اپنی دنیوی غذا دوا پرہیز شریعت حقیقت کے حکم سے کرتا ہے، اور دینی روحانی غذا، دوا پرہیز طریقت و معرفت کے حکم سے کرتا ہے دین و دنیا کو شریعت حقیقت اور طریقت معرفت کی حدود حرم میں رکھتا ہے۔

یہی مومن مخلص کی پہچان ہے۔ کیونکہ پرہیز اور اجتناب غذا میں ضروری ہے اور دوا میں بھی، بدپرہیزی سے نہ دوا کا فائدہ نہ غذا کا دینی دنیوی پرہیز تین قسم کے ہیں دنیوی پرہیز یہ کہ صحیح غذا میں زیادتی کمی سے بچنا مضر غذا سے ہٹنا، دوا میں زیادتی کمی سے بچنا غلط دواؤں سے ہٹنا، دینی پرہیز یہ کہ عبادات میں زیادتی کمی سے بچو۔ اور حرام مکروہ مشکوک، رجس، قول الزور، طاغوت، کبائر، عمل الشیطان سے ہٹے رہو گندی چیز چار قسم کی ہے ۱۔ وسخ یعنی میل کچیل ۲۔ قذر یعنی گھناؤنی چیز ۳۔ نجس ۴۔ رجس۔ ان چاروں میں فرق یہ ہے کہ میل کچیل عقلاً گندی چیز۔ قذر طبعاً گندی چیز ہے اگرچہ یہ دونوں پاک ہوں، جیسے بلغم تھوک وغیرہ، نجس شرعاً گندی چیز۔ ظاہری ذاتی پلیدی، اس کی آٹھ قسمیں ۱۔ غلیظہ ۲۔ خفیفہ ۳۔ حکمی ۴۔ حقیقی ۵۔ ذاتی ۶۔ صفاتی ۷۔ ~~حقیقی ۸۔ مجازی~~ ۹۔ ذاتی ۱۰۔ صفاتی ۱۱۔ دائمی ۱۲۔ کلی ۱۳۔ جزئی ۱۴۔ عارضی ان کے نقصانات وسخ سے دل گھبراتا ہے، قذر سے جی متلاتا ہے، نجس سے عقل بگڑتی ہے۔ رجس اوثان سے روح مردہ ہوتی ہے اور رجس شیطان سے دل مردہ ہوتا ہے، دنیوی وسخ میل کچیل، دنیوی قذر گھناؤنی اشیا دنیوی نجس ظاہری پلیدی دنیوی، رجس باطنی پلیدی، مگر دینی وسخ جھوٹ کذبیات، دینی قذر مکروہات شریعت تحریمی ہوں یا تنزیہی، دینی نجس بدعقیدگی، گمراہی، دینی رجس کفر شرک بت پرستی ہے۔ کفار کا عذاب قبر حشر جہنم یہ رِجۡسٌ مِّنَ الۡاَوۡثَانِ ہے اور فساق کا عذاب قبر، حشر جہنم رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ۔ اسی لیے ارشاد ہوا۔ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ۔ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ کا علاج سچی پکی توبہ کے الفاظ و اعمال اور ندامت کے آنسو ہیں۔ رِجۡسٌ مِّنَ الۡاَوۡثَانِ کا علاج، اللہ رسول پر اقرار زبانی و تصدیق قلبی کا ایمان اور حرمت اللہ کی تعظیم ہے اوثان جمع ہے وثن کی وثن کی تین قسمیں ۱۔ صنم ۲۔ تمثال ۳۔ طاغوت انسانی حیوانی شکل کے بنائے ہوئے لکڑی پتھر مٹی، دھات کی مورتی صنم ہے اور یہی نقش و شکل کپڑے، کاغذ پر بنائی یا کسی دھات و لکڑی پتھر پر کندہ کیگئی یا کشیدہ کاری قلمکاری، فوٹوگرافی سے تصویر بنائی گئی وہ تمثال ہے اور بغیر تراشے خراشے، پتھر، پہاڑ چٹان، درخت یا جانور کی پوجا کرنا، اور جھوٹا معبود بنالینا یہ طاغوت ہے۔ بعض نے کہا کہ بغیر

شکل والے بُت ذہن ہیں، اور ٹھوس مجسّم شکل، یا کپڑے کاغذ پر جاندار کی شکل بنانا صنم ہے اور جس کی بھی کفار پوجا کریں وہ طاغوت ہیں خواہ اصل کی یا بناوٹی شکل کی یا تراشیں خراش کی۔ مثلاً گائے بندر پیپل، کواکب، اور مورتی، اے لوگو تو تم ان تمام گندگیوں سے بچو۔ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ اور ہر جھوٹی بات سے بھی بچو۔ جھوٹ کی پانچ قسمیں ہیں ۱ کذب ۲ زُور ۳ بُہتان ۴ اِتّہام ۵ اِفک، ان میں فرق یہ ہے جھوٹا کلام کِذب ہے، جھوٹا کام زُور ہے، جھوٹی حقیقت کذب ہے (حقیقت سمجھ لینا) جھوٹی عقیدت زُور ہے، حقیقتِ اَصلیہ کے خلاف ہونا کِذب ہے عقیدتاً اصلیہ کے خلاف ہونا زُور ہے۔ فِسق کِذب ہے کفر زُور ہے، شرک بہتان ہے۔ کفار تلبیہ میں شرکیہ الفاظ کا زُور بولتے تھے۔ اور حج کے ذبیحوں کو بحیرہ سائبہ وصیلہ حام کو، اور بعض انعام کو کھانا حرام سمجھتے تھے یہ ان کا کِذب تھا اور کہتے تھے کہ ننگے طواف کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ اُن کا بُہتان تھا، اصطلاح میں کسی مرد پر کوئی الزام لگانا بہتان ہے، اور کسی عورت پر کوئی الزام لگانا اِفک ہے، زُور کا لُغوی معنیٰ ہے منحرف ہونا، کروٹ بدلنا، چنانچہ سورۃ کہف آیت ۱۷ میں ہے وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ۔ یعنی اے محبوب آپ یہ تو دیکھتے ہی ہو کہ جب بھی کسی بھی موسم میں سورج طلوع ہوا تو منحرف ہو جاتا ہے ان کے غار سے اس طرح کہ ہٹ کر گزرتا ہے۔ مگر یہاں زُور سے مراد ہے حق وسچ سے اِنحراف کرنا، اور کذب کا معنیٰ باطل میں اِنہماک کرنا، بہتان کا معنیٰ ہے، جانتے ہوئے کسی کے متعلق غلط اور حقیقت کے خلاف بات کرنی اسی لیے تمام کفریہ شرکیہ اقوال بہتان ہیں اور کفریہ اعمال زُور ہیں۔ اِن آیات میں مفسّرین کے مختلف اقوال ثُمَّ لْيَقْضُوْا کے معنیٰ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اِس کا معنیٰ ہے اپنے بدن کی صفائی کریں، یہی قول درست ہے ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ اَرکانِ حج ادا کریں۔ مگر یہ قول غلط ہے۔ ثُمَّ کے خلاف ہے کیونکہ اَرکانِ حج تو آٹھویں ذی الحج سے شروع ہو چکے ہیں۔ اِن آیتوں میں تین امر ارشاد ہوئے پہلا ثُمَّ لْيَقْضُوْا۔ دوم۔ وَلْيُوْفُوْا۔ سوم۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ اِن تینوں کی قرءت میں دو قول ہیں ۱ بعض کی قرءت میں ثُمَّ اور واؤ، ہر ایک اپنے اپنے لام سے مُجڑی ہے، اور لام

امر ساکن ہے، یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا یہ سب جدا ہیں اور لام امر متحرک مکسور ہے تَفَثَهُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے میل کچیل بال ناخن یہی قول درست ہے، حرفِ ثُمَّ کی وجہ سے ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اپنے ارکانِ حج، یہ قول غلط ہے وَلْيُوفُوا میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے ادا کریں ۲ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے پورا کریں نُذُورَهُمْ میں دو قول بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے واجباتِ حج ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے۔ کوئی مانی ہوئی مَنّت دونوں باتیں ٹھیک ہیں کیونکہ دونوں چیزیں واجب ہیں اور سب کا پورا کرنا لازم ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوا میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ طوافِ زیارت کرو ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ ہر طواف فرضی، واجبی، نفلی، سنّت، صرف کعبۂ معظمہ کا ہی کرو، دونوں قول درست ہیں بَيْتِ عَتِيقِ کے معنیٰ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ زمین پر سب سے پہلا گھر بہت پرانا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہر شخص کی ملکیت، تسلّط حملے و غلبے سے آزاد ۳ بعض نے لکھا کہ عتیق کا معنیٰ ہے متبرک مکرّم مبارک ذٰلِكَ کی ترکیب نحوی میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ پوشیدہ خبر کا مبتدا ہے اور مرفوع ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ذٰلِكَ مَقْصُودُهُ ۲ بعض نے کہا یہ خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی اور مرفوع ہے۔ اصل عبارت یہ ہے اَلْحُجُّ ذٰلِكَ ۳ بعض نے کہا یہ فعلِ پوشیدہ کا مفعول بہٖ ہے اور منصوب ہے اصل عبارت اِس طرح اِفْعَلُوْا ذٰلِكَ۔ اور مشار الیہ ارکانِ حج ہے، حُرُمٰتِ اللّٰهِ میں دو قول ۱ بعض نے کہا حُرُمٰت کا معنیٰ ہے قابلِ احترام چیزیں یعنی ادب کے لائق ۲ بعض نے کہا حُرُمٰت کا معنیٰ ہے حرام کردہ چیزیں اور تعظیم سے مراد یہ کہ اُن سے بچو۔ اِلَّا میں دو قول۔ بعض نے کہا کہ یہ استثنا منفصل ہے اور تمام حرام جانوروں حرام چیزوں کا استثنا ہو رہا ہے، یعنی تمام شکاری درندے پرندے اور وحشی وگھریلو چوپائے اور بہتا خون وغیرہ جو قرآن وحدیث نے بیان فرمائے سب حرام ہیں ۲ بعض نے فرمایا یہ استثنیٰ متصل ہے۔ اور یہاں صرف حرام چوپائے (جو پرندے) مراد ہیں مثلاً مُردار کی پانچوں قسمیں اور خنزیر کتا بلا ہاتھی، گینڈا، بندر وغیرہ کیونکہ انعام صرف چوپایوں کو کہا جاتا ہے ان میں کچھ حلال

کچھ حرام، حلال کا ذکر اُحلّت میں کیا گیا، حرام کا یہاں استثنا ہو گیا۔ اور بذریعہ استثنا اُحلّت سے نکال دئے گئے۔ مگر پہلا قول درست ہے تیلی میں دو قول ہیں ۱ دیوبندی وہابی اور شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف قرآن مجید ہے یعنی قرآن مجید نے جو جانور ذکر فرمائے۔ ۲ علماءِ اہل سنت کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید اور حدیث پاک دونوں ہیں، تلاوت کا لفظ عام ہے حدیث و قرآن کو۔ تلاوت کا لغوی ترجمہ ہے سمجھ کر پڑھنا یا سمجھنے سیکھنے کے لئے پڑھنا، اصطلاحی ترجمہ ہے مطلقاً پڑھنا، یہی قول درست ہے۔ قَوْلَ الزُّوْرِ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد ہر قسم کا جھوٹ اور غلط بیانی ہے، قولی، عملی، عمدی، نسیانی، جہلی، عقیدۃً، یا عادۃً یا شہادۃً، یا بہتاناً انہاماً۔ اُفکاً، طوعاً کرھاً، مجبوراً، یا مرضی سے ہر جگہ تاقیامت اجتناب اور پرہیز کا حکم ہے ۲ بعض نے کہا اس سے مراد کفارانہ عملی قولی وہ جھوٹ ہیں جو دورانِ حج کفار بولتے بکتے تھے اور فَاجْتَنِبُوْا میں خطاب فقط اس وقت کے مسلمانوں سے ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کی تمام منتخب چیزوں اور مقرر کردہ احکام و ممنوعات قانون کا احترام و تعظیم اور ادب عبادات کی اصل اور قلب و روح کی دوا و شفا ہے اسی ادب سے ہی تمام عبادات مقبولِ بارگاہ ہوتی ہیں اگر ادب و تعظیم نہیں تو تمام عبادات صحیحہ بھی مردود و ناپسندیدہ ہیں یہ فائدہ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ (الخ) سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ بندہ کتنی ہی عبادت، عبادت میں ریاضت اور ریاضت میں مشقت و سجدہ رکوع کرے مگر خیر اور باعث ثواب اور لائق جنت نہیں، عمل باعث ثواب اور عامل لائق جنت تب بنے گا جب حُرُمٰتِ اللّٰہ کی تعظیم کرے گا۔ دوسرا فائدہ کسی چیز کو حرام و حلال کرنا صرف اللہ رسول کا کام ہے۔ جو سب کچھ قرآن و حدیث میں ذکر ہو چکا اور فقہاءِ ائمہ اربعہ نے استنباط کر کے واضح اور ظاہر فرما دیا اب نہ کسی کے اجتہاد کی ضرورت نہ کسی کے حلال کرنے سے کچھ حلال ہو سکے نہ کسی کے کچھ حرام کرنے سے کوئی چیز حرام ہو سکے یہ فائدہ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ (الخ) کے استثنا اور آیت کی تفسیری تفصیل سے حاصل ہوا کفار نے

بحیرہ سائبہ وصیلہ حام کو حرام کہنا شروع کر دیا ھندؤں نے گائے اور چھوڑے ہوئے
بجار کو حرام کہنا شروع کر دیا، یہودیوں، عیسائیوں نے اونٹ کا گوشت اور ہر جانور
کی چربی کو حرام کر لیا۔ شیعوں نے خرگوش مؤنث کو حرام سمجھ لیا، دہابیوں نے گیارھویں
شریف کا بکرا حرام کر لیا، اور ختم شریف کے دیگر تبرکات کو حرام حرام کہنا شروع کر دیا
یہ سب باطل خرافات، لغو نظریات اور گمراہی کے عقائد ہیں۔ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ
فرما کر تا قیامت اِن سب کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ اور ان حمقا کی حماقت ظاہر کی
جا رہی ہے۔ **تیسرا فائدہ۔** شریعتِ اسلام میں مَیْتَہ یعنی مُردار جانور صرف پانچ قسم
کے ہیں ۱ مروضہ، جو جسمانی بیماری سے مرے اس میں بیمار مچھلی بھی شامل اس کو
طافی کہتے ہیں یعنی مر کر پانی کے اوپر آجانیوالی ہر مروضہ مُردار کا کھانا حرام ہے ۲
مُنْخَنِقَة ۳ موقوذہ ۴ مُتَرَدِّیَہ ۵ نَطِیحَہ، یہ فائدہ۔ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ کی اِشَارَۃُ
النَّصّ سے حاصل ہوا۔ ان الفاظ نے دیگر ان آیات و احادیث کی طرف اشارہ فرما دیا
جن میں تفصیل سے حرام جانوروں کا ذکر قرآن مجید کے بیان اور نبوت عظیم کی زبان
سے تلاوت کیا گیا۔ غرضکہ مروضہ قدرتی میتہ ہیں اور باقی چار مُنْخَنِقَہ وغیرہ سبھی
مَیْتَہ ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات مقدسہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ
ائمہ اربعہ کا متفقہ مسئلہ ہے کہ قربانی کرنے کے بعد حاجی اپنے
احرام سے کھل جاتا ہے احرام سے کھلنے کے بعد وہ تمام کام حاجی کے لیے جائز
ہو جاتے ہیں جو احرام کی وجہ سے منع ہو گئے تھے۔ مثلاً سر منڈانا، ناخن کاٹنا
جسم کے ممنوعہ بال صاف کرنا، کپڑے لباس پہننا، سر ڈھکنا، سوائے بیوی سے
ہمبستری کے وہ ابھی جائز نہ ہوا۔ وہ جائز ہوگا طوافِ زیارت کے بعد یہ مسئلہ
ثُمَّ لْيَقْضُوا کی ثُمَّ حرفِ ترتیب سے مستنبط ہوا جب کہ پچھلی آیت میں ذبح کرنے
کا ذکر ہوا۔ یعنی ذبحِ ھَدی سے پہلے کوئی حاجی قارن اور متمتع ہرگز ہرگز احرام
نہیں کھول سکتا، آج کل جن ظالموں نے حجاج سے ذبیحے کے پیسے لوٹنا شروع کئے
ہیں اور ذبح کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ لٹیرے ظالم اس حاجی کی طرف سے ذبح کرتے
بھی ہیں یا نہیں، مگر وہ پیسے اور ذبیحے کی قیمت دیدینے والا حاجی فوراً اپنے احرام

سے کھل جاتا ہے اور بعیر ذبح اپنا حج خراب کر لیتا ہے کہ مال بھی گیا اور حج بھی مولیٰ تعالیٰ اُن ظالموں سے بچائے۔ دوسرا مسئلہ۔ جھوٹی گواہی بھی شرک باللہ ہے کسی بھی عدالت یا کورٹ کچہری میں کسی کے خلاف ہو یا کسی کے حق میں، اس لیے کہ جھوٹی گواہی بھی ظلم ہے اور شرک بھی ظلم ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان آیت ۱۳ میں ارشاد ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ اور حدیث مقدس میں ارشاد ہے۔ عَنْ اَيْمَنَ ابْنِ خُرَيْمٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ خَطِيْبًا فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ شَهَادَةُ الزُّوْرِ عُدِلَتْ بِالشِّرْكِ بِاللّٰهِ۔ ثَلَاثًا۔ ثُمَّ قَرَءَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ ترجمہ۔ ابن خریم فرماتے ہیں کہ ایک بار بعد نمازِ فجر آقاءِ کائنات حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، اے لوگو جھوٹی گواہی دینا بھی شرک کفر کے برابر ہے یہ تین بار فرمایا اور یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ رب تعالیٰ نے قولِ زور سے اجتناب کو بتوں کی گندگی سے اجتناب کے ساتھ برابر کیا۔ فاروق اعظم ہر جھوٹے گواہ کو پانچ سزائیں دیا کرتے تھے ۱ پہلے اس کو چالیس کوڑے لگواتے ۲ پھر اس کا منہ کالا کرواتے ۳ پھر اس کو بازار میں پھراتے ۴ پھر اس کی لوگوں میں مشہوری اور لوگوں سے اس کی ذلت کرواتے ۵ پھر اس کو قید میں ڈال دیتے اس وقت تک کے لیے جب تک کہ سچی توبہ نہ کر لیتا۔ یہ مسئلہ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا آج کل کورٹ کچہری میں یہ بیماری عام ہے، کرائے کے گواہ مل جاتے ہیں بلکہ یہ روزگار بنا لیا گیا ہے اس پر کوئی حکومت گرفت نہیں کرتی کسی کو خدا خوفِ خدا نہیں رہا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ علم نحو کا یہ متفقہ قانون ہے کہ حرف ثُمَّ بھی ترتیب کے لیے اور حرفِ فَ بھی، فرق صرف تراخی وغیر تراخی کا ہے کہ ثُمَّ ترتیب مع تراخی اور حرفِ فَ ترتیب بلا تراخی اور حرف واؤ تابع عطفی کے لیے یہاں پہلے۔ ثُمَّ لْيَقْضُوْا فرمایا گیا، پھر وَلْيُوْفُوْا۔ پھر وَلْيَطَّوَّفُوْا ہے پھر وَاُحِلَّتْ ہے پھر فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ ہے پھر وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ فرمایا گیا، اس ذکری، ترتیب سے

ثابت ہو رہا ہے کہ یہ سب کام ترتیب وار کرنے چاہئیں۔ یعنی پہلے صفائی بدن پھر منتیں پوری کرنا پھر طوافِ کرنا، پھر اُحلّت سے ذبح کرنے کا اشارہ ملتا ہے، پھر اجتناب رجس پھر اجتناب قول الزور مگر یہ ترتیب نہ مفسرین نے بوضاحت سے بیان فرمائی نہ حدیث پاک نے نہ حقیقتاً ضروری ہے بلکہ منتوں کی ادائیگی دورانِ حج بحالتِ احرام یقضوا سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اسی طرح ذبیحہ تو ہوتا ہی صفائی بدن سے پہلے ہے، اور بتوں سے یا قول زور سے بچنا تو زندگی میں ہر وقت ضروری ہے اوّل بھی آخر بھی تو پھر یہ ترتیب نحوی و ذکری کیوں بیان فرمائی گئی؟ **جواب**۔ اس کے دو جواب دئیے گئے ہیں، پہلا یہ کہ یہ ترتیب بالکل درست و ضروری ہے کیونکہ یہاں جتنے بھی کام مذکور ہیں وہ حج کے دنوں میں ہی کرنے والے ہیں اور حج سے ہی متعلق ہیں۔ یہاں تک کہ منتیں بھی اور کفارے بھی وہ ہی مراد ہیں جو احرام سے کھل کر کرنے واجب ہیں اسی طرح رِجسُ الاَوثَان اور قولَ الزُّور بھی وہ وہی مراد ہیں؛ جو اسلام سے پہلے کفار حج و تلبیے میں بت پرستی اور کذبیات کرتے تھے۔ اسی لیے ترتیب ضروری ہے۔ حج کی ھدی ذبح کرنے سے پہلے کوئی بھی ذبیحہ جائز ہی نہیں ہے، دوسرا جواب یہ کہ حج کا بیان وَلیطَّوَّفُوا ۔ پر ختم ہو گیا وہاں تک ترتیب ضروری تھی ذَالِکَ نے بھی بتایا ہے کہ وہ پہلے بیان کردہ کام حج تھا اور لیُوفُوا نُذُورَھُم سے حج کے واجبات ہی مراد ہیں جو ذبیحۂ حج کے بعد احرام سے کھل کر کرنے ہیں اور طوافِ زیارت سے پہلے، لیکن اُحِلَّتْ لَکُمُ ۔ یہ نیا اور علیحدہ تا زندگی کا حکم ہے نہ کہ فقط حج کے لیے اسی طرح اجتناب کے احکام بھی عام زندگی کے احکام ہیں۔ **دوسرا اعتراض** مفسرین نے فرمایا کہ بیتِ عَتیق کا معنیٰ یہ ہے کہ کعبہ معظمہ پر تا قیامت کسی کا غلبہ تسلط اور تخریب کاری کا حملہ و غلبہ نہیں ہو سکتا، تو پھر کیا وجہ کہ یزید نے کعبے پر حملہ کیا اور تھوڑا نقصان بھی کعبے کو پہنچا یا اسی طرح حجاج بن یوسف ثقفی نے بھی کعبے پر حملہ کیا اور کعبے کو کچھ نقصان پہنچا نیز احادیث میں آتا ہے کہ قربِ قیامت ایک حبشی امیر جس کا لقب ذوسویقتین ہوگا وہ کعبے کو شہید کر دے گا۔ یہ حملے غلبے تسلط کیوں؟ اور پھر بیت عتیق کا کیا معنیٰ کیا جائے گا۔ **جواب**، حملہ، غلبہ اور تسلط کا معنیٰ یہ ہے کہ کعبے کی دشمنی

اور مخالفت میں کعبے پر حملہ کر کے کعبے کو اپنی تخریب کاری کا نشانہ بنائے، اس میں کوئی بد بخت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا نہ کوئی ایسا حملہ غلبہ پاکر کعبہ معظمہ کو ڈھا سکے جیسا کہ ابرھہ کافر محض کعبے کی دشمنی میں لشکر ہاتھیاں سپاہیان سے کر کعبے پاک کو شہید کرنے آیا مگر خود ہی مع ہاتھیوں سپاہیوں کے ابابیل پرندوں سے کعصف مأکول ہو کر ہلاک ہوا، یزید پلید، اور حجاج بن یوسف ثقفی کا حملہ کعبہ معظمہ پر نہ تھا بلکہ اُس فوج پر تھا جو اُس کی باغی ہو کر وہاں پوشیدہ ہو چکی تھی، مگر اُس کی اندھی آتش بازی اور پتھراؤ سے کعبہ معظمہ کو بھی کچھ نقصان پہنچا، یزید تو ناکام ہو کر بھاگ گیا اُس کو درست کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا اور مر گیا مگر حجاج نے کامیابی کے بعد خود ہی کعبہ معظمہ کو درست کرا دیا جلا ہوا دروازہ بدلوا دیا۔ اور حبشی ذوسویقتین کا واقعہ وہ بھی محض کعبے کی دشمنی میں نہیں ہوگا۔ بلکہ اُس خزانے کے حصول کی لالچ میں ہوگا جس کے متعلق مشہور ہے کہ صدیوں پرانا کوئی خزانہ کعبے کے نیچے دفن ہے۔ اس خزانے کو نکالنے پالینے کے لیے وہ حبشی امیر وحاکم کعبے کو شہید کرے گا۔ نیز یہ حملہ بھی غلبہ یا تسلط کا نہیں ہوگا بلکہ علامات قیامت میں سے ایک نشانی قیامت ہے حبشی کی نیت صرف خزانہ نکالنا ہوگا جب اُس کو خزانہ مل جائے گا تو وہ لے کر چلا جائے گا مزید عمارت کعبہ نہ گرائیگا، اس گری ہوئی دیوار کو حضرت عیسٰی علیہ السلام درست کروائیں گے۔ یہ جواب اُس صورت میں ہے جب کہ بیت عتیق کا معنی غلبے حملے تسلط سے آزاد ہونے والا کئے جائیں مگر بیت عتیق کے دو معنی اور بھی مفسرین بیان فرماتے ہیں بعض نے کہا، اس کا معنی سب سے پہلا گھر۔ بعض نے کہا محترم مکرم گھر اس معنی کی صورت میں یہ اعتراض ہی نہیں پڑتا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ، ذٰلِكَ، وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ جب قلب وروح مومن عارف خزانہ معرفت کا احرام ارادہ باندھ کر اعمال سلوک کا حج مکمل کر لیتا ہے تو احرام خلوت کو اتارنے الہام ملتا ہے کہ اے قلب وروح محبت الٰہی کے پانی سے غسل تطہیر کر کے غصہ

باطنی کے چہرے غضبِ نفسانی کے ناخن فضولیاتِ دنیوی کے بیل، فضلات کے کچیل اور شہواتِ لغویات کے بال مونڈ دو، لابچ دنیا کے تمام خبائث دور کر دو پھر معانی اسرار و کمالاتِ ابرار کی وہ منتیں پوری کرو جو منزلِ سلوک میں حجاجِ محبوبین کے سینۂ مدینہ فیض گنجینہ میں امانت رکھی گئی ہیں، اسی قضاءِ تفث اور ایفاءِ نذور میں تزکیۂ قلب و روح اور حصولِ معارف کا زیور ہے، پھر عارفینِ اسرار کو حکم دیا جاتا ہے کہ اب تم سیرِ ملک و ملکوت کا طوافِ زیارتِ کعبۂ انوار کرو۔ اور افاضۂ عرشِ اللہ المجید میں واپس لوٹو۔ ذَالِکَ، وہی انوارِ قلب کا کعبہ ہے وہی مقصدِ ازلی ہے، جو بندۂ طالب نے اپنے عقلِ قلب سے ممنوعات و محذوراتِ شریعت کی تعظیم کی اس طرح کہ ذبیحۂ نفس کر کے تطہیر روحانی پائی اور مناسب فضائل و اجتنابِ خبائث کو حاصل کر لیا۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ، تو وہ تجلیاتِ انوار کے حاصل ہونے صفاتِ حمیدہ سے متصف ہونے، ترقی مقامات کی سعی میں مقصدِ قربِ بارگاہ تک پہنچنے کے لیے بہت شان و آن عزت و تکریم کی خیرِ ابدی ہے۔ اس کے رب کے پاس، ایسے باکمال بندوں کے لیے بشارتِ عظمیٰ ہے کہ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ اے قلب و روح اب تمہارے لیے نفوسِ سلیم کے اخلاقِ حسنہ اعمالِ مطمئنہ کا نفع حلال و ظاہر کر دیا گیا ہے، اب احرامِ حرم کے پردوں کی خلوتِ طریقت سے نکل کر جلوتِ شریعت کے منیٰ میں آجاؤ اور حقوق العباد کے عمرے و حقوق اللہ کے حج کا قران اور حقوقِ ذات کا تمتع حاصل کرو۔ کیونکہ حدودِ شریعت کے منیٰ میں خواہشاتِ نفس کے انعام حلال کر دئے گئے ہیں، ہاں البتہ حدودِ شریعت سے باہر جنگلاتِ ابلیسیہ میں تلاوت کر دی گئیں وہ ابدی حرام ہی رہیں گی۔ کیونکہ یہ قالبِ عارف کے لیے موذی جانور ہیں لہٰذا ان گندگی کے بتوں سے بچو اور ناجیات سے بچنے رہنا، ان لذاتِ خواہشات، شہوات، شبہات کو معبودِ زندگی نہ سمجھ لینا نہ ان کی پرستش کرنا، اور زخرفات، وھمیات، تخیلات، جدلیات، اختلافات، مغالطات، مغروریات، لغویات کے قَوْلَ الزُّوْرِ سے بھی بچنا، اس لیے کہ یہ ہی ایمانیات کے زہر اور عقائدِ حقانیہ کے قاتل ہیں، اختلافیات کے ڈاکو ہیں (محی الدین ابن عربی) اہلِ دل لوگ

قافلۂ صبر کے امیر ہیں اُن کے پاس ہی کشادگی کی کنجی ہے اُن کو چاہئے کہ نہایت خوش دلی سے اس قافلۂ صبر کو حجِ عرفانی کے بیتِ عتیق تک لے آئیں، ابرار کا حج زیارتِ کعبہ ہے مگر اخیار کا حج گھر والے کی زیارت، کعبے کا حج کرنے والے جنتی ہیں مگر کعبے والے کا حج کرنے والے عِنْدَ رَبِّهٖ کے مَقْعَدِ صِدْقٍ میں آتے ہیں لہٰذا جس خوش بخت نے اپنے وجودِ نیاز سے ہر قسم کا تفث اور وسخ اُتار دیا، اور ہر سمت سے اِعراض و علیحدگی کر لی اس کا قبلہ ذاتِ حق اُس کا حرم صفاتِ حق، اُس کے کام کمالاتِ حق اُس کا وجود آیاتِ حق اور وہ خود باقی مخلوق کا قبلہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کہ ان کو رب تعالیٰ نے عَلٰی صُوْرَتِہٖ پیدا فرمایا ان پر اپنی صفات کا حُسن اور اپنے مشاہدے کا نور ڈالدیا اور اُن کو اپنے جلال کا لباس پہنا دیا، اپنے جمال کی چادر اُڑھا دی اس لیے وہ قبلۂ ملائکہ بن گئے اور عبد و معبود کے درمیان وسیلۂ حق، چونکہ ذاتِ احدیت کا سورج بیتِ محرّم ہے اور حق سبحانہ کی طرف جانے کے لیے اسرارِ حرم کی حدود سے پہلے طریقت کا لباسِ احرام میقاتِ آستانۂ مرشد سے باندھنا پڑتا ہے اسی لیے ارشاد ہوتا ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ یعنی بیت میں مَبِیت (رات گزارنا) ہے اور بَیت میں رات ہے اور رات میں ہی بندوں کے لیے تجلیِ انوار ہے۔ رات ہی مظہرِ غیب ہے۔ رات ہی میں قالبِ مومن پر نزولِ حق ہوتا ہے غیبِ ربانی، تجلیِ خدانی کا مظہر، رحمتِ رحمانی کا منبع بیتِ عتیق ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جب اہلِ زمین کے لیے صفتِ رحمت کی تجلی فرمائی تو پہلے وہ رحمت کعبۂ بیتِ عتیق پر نازل ہوئی اور کعبہ سرِّ وحدت کا حق ہو گیا تب وہاں سے تقسیمِ رحمت ہوئی، اسی لیے احرامِ حج اور طوافِ حرم صرف کعبے کا ہوتا ہے اور کعبے کو تمام مکانات ارضی و مقاماتِ فرشی سے افضل بنا دیا گیا۔ باقی تمام جگہ کے انوار یہیں سے مقتبس و منتخب ہوئے اسی کے طفیل بلد مکہ اُمُّ الْقُرٰی بن گیا۔ اسی کی شعاعوں سے حدودِ حرم مقرر ہوئیں۔ قالب مومن زمین ہے۔ نفسِ انسانی فجِّ عمیق ہے اور قلبِ عارف بیتِ عتیق ہے۔ کیونکہ یہی مخزنِ صفاتِ قدیم ہے لہٰذا اے بندو۔ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ۔ اپنی صدقِ طلب وارداتِ صالحہ، نیاتِ خالصہ کے تمام دعوے، عہدوں کی منتیں متوجہ الی اللہ ہو کر پوری کرو۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ اور ہر جانب سے ہٹ کر اسی کعبۂ تجلیات، مرکزِ صفاتیات

قلبیا بانیات کا طواف کرو، اُس کے ہی آس پاس رہو۔ کیونکہ، حرمِ معرفت کی حدود باطنی میں سالکین احرام کے لیے ذاتِ قدیم کا وہی بیت عتیق ہے۔ اور اُن وعدوں میں قول الزور سے بچتے رہو، ہر وہ بات جس کی دل میں گنجائش نہ ہو وہ قولِ زور ہے وعدہ دل سے ہوتا ہے اظہار زبان سے اور ایفا اعضا سے جو شخص طلب صدق کا وعدہ کرے پھر پورا نہ کرے رِجْسَ مِنَ الْاَوْثَانُ ہے، وہی قولَ الزور ہے حجِ معرفت میں سب کے لیے منافع کثیرہ ہیں۔ قالب کے منافع قبولِ اطاعت، اعضاءِ قالب کے منافع ظہورِ آثار ہیں۔ یہ بھی شعائرِ اللہ میں سے ہیں۔ قلب کے منافع ایفاءِ عہد ہے نفس کے منافع تبدیلی اخلاق ہے کہ ذبحہ رذیلہ وخبیثہ کو چھوڑ کر حسینہ وجمیلہ، طیبہ اختیار کرلے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو توفیق سعادت بخشنے والا ہے۔ (از تفسیر روح البیان)

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ

ایسی حالت وشان سے کہ ہر ایک سے علیحدہ ہونے والے ہو اللہ کے لیے نہ شرک کرنیوالے
ایک اللہ کے ہوکر کہ اُس کا ساجھی کسی کو نہ کرو۔ اور جو اللہ کا شریک

بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ

ہو اُس کا۔ اور جو شرک کرے گا اللہ کا تو گویا یقیناً وہ گر پڑا بلندیوں کی طرف سے پھر چاہے جھپٹ لے جائے اُس کو
کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے

الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

کوئی پرندہ یا پھینک دے اس کو ہوا دور کہیں ویرانے میں
اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا اُسے کسی دور جگہ

سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ

غور میں رکھو اس کو۔ اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کے نشانوں کی تو
پھینکتی ہے۔ بات یہ ہے جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے

اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ

بے شک یہ تعظیم سبب بننے والی ہے دلوں کے تقوے کی تمہارے لیے

تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ تمہارے لیے

فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

ان شعائر میں نفع حلال ہیں مقررہ مدت تک پھر اس کا

چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک، پھر

مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

پہنچ جانا ہے دنیا کے پہلے پرانے گھر (کعبہ معظمہ) تک۔

ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔

تعلقات

ان آیت کا پچھلی آیت سے چندطرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت سے کچھ اعمالِ حج کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں اُن اعمالِ صالحہ کے اندر خلوص و للّٰہیت پیدا و ظاہر کرنے کا درس دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں۔ بتوں اور بتوں کی باطنی گندگی سے بچنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں اس کے وبال اور مصیبت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ بتوں کی پرستش اور اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا گویا آسمان سے گر کر فنا و ہلاک ہونے کے مشابہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی عزت و تعظیم کرنے اور اس کے خیر و بھلائی ہونے کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں ان دونوں باتوں کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ حُرُمٰتُ اللّٰهِ شَعَآئِرُ اللّٰهِ ہیں اور خیر یہ ہے کہ اُس سے دل کا تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر نحوی

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ

ذٰلِكَ حُنَفَآءَ اسم جمع مکسر اس کا واحد حنیفٌ ہے خیال رہے کہ حنیف بروزن فعیل کی جمع دو طرح ہوتی ہے اگر صفت مشبہ کا اشتقاقی و اسم فاعلی معنی مقصود ہو تو جمع مذکر سالم حنیفین یا حنیفون ہو گی لیکن اگر معنی وصفی یا علمی مقصود ہوں تو جمع مکسر ہوتی ہے۔ مثلاً نبیٌ کی نبیین بھی آتی ہے اور انبیاء بھی اسی طرح غریبٌ کی غریبین بھی غربا وغیرہ بھی یعنی اگر غریب سے مراد غربت والا ہے تو جمع غریبین ہو گی اور اگر غریب سے مراد محتاج فقیر ہے تو جمع غربا ہو گی۔ یہ اگلی عبارت حال ہے سابقہ اِجْتَنِبُوْا کا یعنی بتوں کی گندگی پلیدی سے اور جھوٹے کفریہ اقوال سے بچو اس حالت وشان کے ہو کر یہ صفت مشبہ ہے حنفیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پاکیزہ ایک طرف ہو کر ہر چیز سے علیحدہ ہو کر لِلّٰهِ جار مجرور متعلق ہے حُنَفَاءَ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر موصوف ہوا۔ ایک قول میں یہ ذوالحال ہے اگلی عبارت حال ہے ایک قول میں علیحدہ جملہ حال ماقبل کا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ غَیْرَ مضاف ہے بمعنی لَا نا فیہ مُشْرِکِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب افعال سے ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ بِہٖ جار مجرور اس کا متعلق ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی صفت ہے حُنَفَآءَ کی یہ مرکب توصیفی حال ہے سابقہ اِجْتَنِبُوْا کے فاعل کا، واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصول شرطیہ یُّشْرِكْ باب افعال کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِشْرَاکٌ شِرْکٌ سے مشتق ہے بمعنی شریک بنانا برابر کرنا، سمجھنا یہاں مراد کفر کرنا یا فقد یہ جار مجرور متعلق ہے یُّشْرِكْ کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے اسی نے یُّشْرِكْ کو جزم دیا۔ اصل میں یُّشْرِكُ تھا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط فَ حرف جزا کَاَنَّمَا حرف مشبہ آخر میں مَا کافہ اس لیے یہ لغو ہو گیا یعنی عامل اسم وخبر نہ رہا اب حرف مشابہت کے لیے اس کا مشابہ لَہٗ مُشْرِک ہے۔ اور مشابہ بہٖ مابعد خَرَّ کا جملہ ہے خَرَّ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب خَرٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی زور سے سنسناتے ہوئے گرنا۔ ایک دم گرنا کہ سنبھلنے کا موقعہ نہ ملے یا ہوش نہ رہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع مَنْ ہے مِنَ السَّمَآءِ یہ جار مجرور متعلق ہے خَرَّ کا۔ یہاں سَمَآءِ سے مراد بلندی ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بمعنی ثُمَّ یعنی پھر یا تراخی ترجمہ ہے فوراً بعد تَخْطَفُ باب فَتَحَ یا سَمِعَ سے فعل مضارع واحد مؤنث غائب مثبت معروف خَطْفٌ سے بنا ہے بمعنی ہوا میں سے گرتی چیز کو اچک لینا یا جھپٹنا، جھپٹا مارنا، ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع مَنْ ہے الطَّیْرُ اسم معرف باللام (یعنی نکرہ مخصوصہ) مراد ہے بڑا شکاری پرندہ یہ فاعل ہے تَخْطَفُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرف عطف اختیاری نحوی باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف

واحد مؤنث غائب هَوِيٌّ سے مشتق ہے بمعنی تیز چلنا اچلانا۔ لازم بھی مستعمل ہے اور متعدی بھی یہاں متعدی ہے غالباً اُردو میں ہوا کا نام یہیں سے لیا گیا ہے بِ ب جارہ متعدی کے لیے یہ جار مجرور متعلق ہے اَلرِّیْحُ اسم مفرد جامد اس کا جمع ہے رِیَاح، یہ فاعل ہے تَهْوِيْ کا فِيْ ظرفیہ مکانیہ مَکَانٍ اسم ظرف واحد مذکر اس کا مؤنث مَکَانَةٌ (مؤنث لفظی) موصوف سَحِیْقٍ۔ اسم صفت مشبہ اسم فاعل باب کَرُمَ سے برائے مبالغہ (زیادتی شدت) سُحْقٌ سے بمعنی دور ہوتا، مبالغے سے معنی ہوا بہت ہی دور، یہاں ظرفیۃ کا معنی ہے یعنی بہت دور جگہ، یہ صفت ہے مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے تَهْوِيْ کا اَلْبَۃ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تَخْطَفُ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے گا تھا کے جملے پر سب عطف مل کر جزا ہے مَنْ یُّشْرِكْ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بحالت نصب، کیونکہ مفعول بہ ہے پوشیدہ اُنْظُرُوْا فعل امر کا بمعنی یا دیکھو یا غور کر لو ان سابقہ باتوں اور انجام کو یہ فعل با فاعل پوشیدہ اپنے اس ظاہر مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کہ ذٰلِكَ بحالت رفع ہے کیونکہ خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی دراصل تھا۔ اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ۔ اعلیٰحضرت نے یہی ترجمہ اختیار فرمایا۔ یعنی بات یہ ہے، اور ذٰلِكَ کا تعلق مابعد سے قائم فرمایا ہے مگر ہماری ترکیب میں ذالِكَ کا تعلق ماقبل کلام سے یعنی بات وہی ہے وہی ہوتی ہے جو مومن و مشرک کے بارے میں ابھی پہلے گزری۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ واؤ سر جملہ مَنْ شرطیہ یُعَظِّمْ باب تفعیل کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب مصدر ہے تعظیم عَظْمٌ سے بنا ہے بمعنی بڑا سمجھنا احترام و عزت کرنا ان کے حکم و لوازمات کا خیال رکھنا یہاں ہر معنی مناسب ہے اس کا فاعل پوشیدہ ہے شعائر اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد شَعِیْرَةٌ ہے بروزن فَعِیْلَةٌ یا شِعَارَةٌ، شعیرۃ کے معنی ہیں نشان شعارۃ کا معنی ہے معلومت حاصل کرنا نشان کے بارے میں علما کے آٹھ قول ہیں ۱۔ شعائر سے مراد اللہ کا دین ۲۔ عبادتِ الٰہی ۳۔ ہر وہ جگہ جہاں جانا اور کچھ کرنا عبادت بنا دیا گیا ہو ۴۔ حج ۵۔ مقامات حج ۶۔ ہر ذبیحہ اور اس کی تعظیم یہ ہے کہ قیمتی اور خوبصورت جانور ذبح کیا جائے ۷۔ حج کے مہینے ۸۔ سال بھر کی عبادتیں فرضی، یہ مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ جار مجرور متعلق ہے یُعَظِّمْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے فَ جزائیہ اِنَّ حرف مشبہ ھَا ضمیر منصوب متصل اسم ہے اِنَّ کا اس کا مرجع تعظیم حاصل مصدر جامد تعظیم مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ تقویٰ اسم حاصل مصدر جامد اس کا مادہ اشتقاق وَقْیٌ یا تَقْوٌ ہے۔ پہلا قول درست ہے باب افتعال میں آکر ہوا اِوْتِقَا، واؤ کو ت کیا اور ت کا ت میں ادغام ہوا اِتِّقَا اسم جامد بنانے کے لیے تَقْوِیَۃٌ بروزن تَفْعِلَۃٌ کا مصدر بنایا تخفیف کے لیے آخر کی یا ء تقلیبہ

تَ سے بدل گئی اور تَ مصدر پہ حذف ہوئی۔ تقویٰ ہو گیا یعنی حفاظت، پرہیزگاری مضاف ہے قُلُوْبِ جمع مکثر ہے قَلْبٌ کی بمعنی دل مضاف الیہ ہے تقویٰ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل مسبب یا واجدٌ کا یعنی تعظیم کرکے پانے والا ہے دل کے تقوے کو یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر جزا مَن یُعَظِّم کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ لَامَ حرفِ جر نفع کا چونکہ حرف جر کبھی ابتدا میں نہیں آتا اس لیے قرینہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی فعل یا حرف پوشیدہ ہے لَکُم جار مجرور متعلق اوّل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا فِی حرفِ جر ھَا ضمیر کا مرجع شعائر ہے یا تعظیم یا حج کے ارکان یا شعائر کی ایک چیز یعنی قربانی اور درست یہی ہے کیونکہ اگلی عبارت اسی کی تائید کر رہی ہے یہ جار مجرور متعلقِ دوم مَنَافِعُ اسم جمع منتہی الجموع اس کا واحد ہے مَنْفَعَةٌ یہ نائب فاعل مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت کے لیے اَجَلٍ اسم مفرد جامد بمعنی مدت وقت موصوف ہے مُسَمًّی بابِ تفعیل کا اسم مفعول واحد مذکر تَسْمِیَۃٌ سے مشتق بمعنی مقرر کیا ہوا وقت مدت۔ منافع سے مراد ہے ھَدْیٌ کے جانور سے نفع حاصل کرنا ھَدْیٌ سے پہلے یا مجبوری جس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ مُسَمًّی صفت ہے اَجَلٍ کی دونوں مجرور ہو کر متعلقِ سوم ہے اَجَلٍ مُسَمًّی معطوف علیہ ہے ثُمَّ عاطفہ مَحِلُّ اسم مصدر میمی حِلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے یعنی موجود ہونا پہنچ جانا یہاں دوسرے معنی میں ہے ھَا ضمیر مرفوع متصل ہے عملاً، اور مَحِلًّا و نفعاً مجرور متصل ہے کیونکہ یہ فاعل مضاف الیہ اس کا مرجع شعائر یا تعلیمات یا ھَدْیٌ کا جانور اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے مصدر مضاف کا یہ مصدر اپنے فاعلِ مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اَجَلٍ پر دونوں عطف مجرور ہو کر متعلقِ سوم مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اپنے نائب فاعل اور تینوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ ذٰلِكَ

اے بندو، ہر دینِ باطل ہر چاہتِ دنیا ہر خواہشِ نفسانی سے علیحدہ ہو کر بس اپنے رب تعالیٰ کے ہو جاؤ، ہر عبادت کو ریا، غرور اور فخر سے دور کر کے خالص کر لو، ہر گمراہی کے بجائے حق تعالیٰ کی راہ مستقیم کی طرف میلانِ قلبی سے گامزن ہو کر مومن بننا ہی حُنَفَآءَ لِلّٰهِ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے مشرکین نہ بنو۔ عبادت ریاضت، آس، امید، شفا، دوا، حاجت، عادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ سمجھو۔ کیونکہ جو بدبخت بدعقل کسی کو رب تعالیٰ کا شریک کرتا بناتا سمجھتا ہے۔ اس کی ایسی حالت و ہلاکت ہوتی ہے گویا وہ آسمانِ بلندی سے سخت۔ شر شر ہٹ یا سر سراہٹ

یا بھڑ بھڑاہٹ یا تھر تھراہٹ کے ساتھ گر پڑا، شرشراہٹ کا معنی یہ کہ گرنے والا چیختا ہوا گرے سرسراہٹ کا معنی تیز گرنے کی آواز، بھڑ بھڑاہٹ کا معنی طوفانی ہواؤں کی آواز تھر تھراہٹ کا معنی الٹتا پلٹتا قلابازیاں کھاتا ہوا اس طرح گرے کہ کوئی ذرہ بھر روک یا سہارا کہیں نہ ملے، غرض کہ یہ چار نوعیتیں ہیں اور پھر گرتے ہوئے کوئی شکاری پرندہ اس کو راستے میں ہی جھپٹ لے جو اس کو لوچ نوچ کر ٹکڑے کر کے کھائے اور یقینی ابدی فنا کے پیٹ میں بھرے۔ یا ابلیسی وسوسوں کی ہوا اس کو اڑا کر کسی خوف و ذلت کی گہری پتھریلی گڑھے والی دلدلی زمین میں جا پھینکے۔ اس تشبیہی جملے میں سات چیزیں ذکر ہوئیں ۱۔ خَرَّ ۲۔ مِنَ السَّمَآءِ ۳۔ فَتَخْطَفُهُ ۴۔ الطَّيْرُ ۵۔ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ ۶۔ الرِّيْحُ ۷۔ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یعنی شرک کرنے والا گویا گر پڑا وہ گرنے کی چار صورتیں ہوتی ہیں ۱۔ بہت زیادہ تیز پانی کو شرشراہٹ کی طرح ۲۔ تھوڑے جاری پانی کی طرح تھرتھراہٹ کی آواز سے ۳۔ ہلکی چلتی ہوا کی سرسراہٹ والی آواز کی طرح ۴۔ تیز طوفانی ہوا کی آندھی جیسی بھڑ بھڑاہٹ کی آواز سے خَرَّ میں یہ سب معنی پائے جاتے ہیں اور خَرَّ فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ اب ایسے یار و مددگار ہو کر گرے کہ ذلیل و خوار ہو جائے کوئی بچانے، چھڑانے یا اٹھانے والا نہ ہو۔ دوم مِنَ السَّمَآءِ اس سے مراد اس دینِ فطرت کی اوج بلندی ہے جو دین میں ہر انسان کو عالمِ ارواح سے ہی اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں قَالُوْا بَلٰی کے اقرار سے ملی۔ اسی بہے۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ کی بشارۃ نبوی عطا ہوئی یہ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ کا کفر شرک الحاد تو دنیا میں آ کر ملتا ہے۔ سوم فَتَخْطَفُهُ سے مراد ورغلانا، وسوانا، پھنسانا، میٹھی زہریلی آوازوں سے دوست بنانا غفلت کی نیند سلانا، چہارم۔ اَلطَّيْرُ سے مراد برے ساتھی، بری محفلیں، صحبت بد، گمراہ کرنے والی کتابیں۔ پنجم۔ تَهْوِيْ بِهِ، خفیہ وسوسے نفسی وہمیات تَذَبْذُبْ، تَزَلْزُلْ کے شکوک و شبہات۔ بدعقیدگی کے پھیرے گمراہی کے۔ نظریات، ضد۔ تعصب کی ہوائیں۔ غرور بے دینی کی بلائیں انکارِ دہریت، ششم، اَلرِّيْحُ سے مراد شیطان نفسِ امارہ، ہفتم فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ اس سے مراد دنیا کی بے اطمینانی بے سکونی بے ثباتی، خوف و ڈر موت کی ذلت، قبر کا عذاب جہنم کی گہرائی ضلالت کی کھائی۔ ہلاکت کی تہرائی، اس تشبیہ سے مشرک دو قسم کے ہوئے۔ پہلی قسم انکارِ فاسدہ تعصب لاحقہ والے ایسے ضدی مشرکین کی توبہ کی کوئی امید نہیں ہوتی ان کا حال تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ ہو جاتا ہے بری صحبتیں ان کی عقل و شعور قوت فہم و فراست کے ٹکڑے کر کے اپنی خواہشات کے پوٹلوں میں بھر لیتی ہیں۔ اسی کو کہا جاتا ہے۔ یارِ بد بدتر بود از مارِ بد۔ برا یار برے سانپ سے زیادہ

گُھلے ہے۔ دوسری قسم کے شرکِ نفسانی اندرونی خبیثہ وسوسوں، شیطانی اُلجھنوں سے گمراہی کی گہرائی میں گرنے والے۔ اِس کی توبہ کی اُمید ہوتی ہے شاید یہ بچ جائے پہلی قسم کا مشرک مذبذب، اس کے اعضاءِ ایمانی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وحمیات کے غاروں، بُری صحبتوں کے پیٹوں میں فضلاتِ ابلیسی بن کر فنا کی فضاؤں میں بکھر گئے۔ بے علمی بے عقلی میں اُلجھ کر گئے۔ دوسری قسم کا مشرک دینِ باطل کی دلدل میں منہمک ہوتا ہے، اور ثابت ہر ایمانِ حق بلندی کا آسمان ہے اور ہر کفر پستی کی سحیق حضیض ہے، سحق کا لغوی معنیٰ ہے لمبا ہونا، حضرت اسحاق کا نام اسحاق اسی لیے رکھا گیا تھا کہ آپ بوقتِ ولادت عام مولود بچوں سے دگنا لمبے تھے، کھجور کے سیدھے اور لمبے درخت کو نخلِ سحوق کہتے ہیں۔ اے انسانو کان کھول کر ہوش سنبھال کر سُن لو کہ وہ انجام اٹل ہے۔ لہٰذا خبردار ہو کر دنیا میں شرک سے بچ جاؤ۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ

اور وہ خوش قسمت بندہ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اپنے عمل، قول، اقرار، پابندی اور استقامت خوش اسلوبی اور احسن طریقے سے پورا ادا کر کے ادب و احترام کرے تو بے شک یہ تعظیم دلوں میں تقوٰی پیدا کر دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چیزوں کو بڑا سمجھنا ہی دل کی گہرائیوں کا تقویٰ ہے شعائر اللہ ہر وہ چیز ہے جس کی تعظیم و عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت بن جائے شعائر جمع شعر کی اس کا لغوی ترجمہ ہے پہچان اور معرفت تو شعائر اللہ کا معنیٰ ہوا کہ وہ چیز اور وہ شخصیات جن کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی ذات صفات، قدرت کمال کی معرفت حاصل ہو۔ شعائر کا اصطلاحی معنیٰ ہے محبوب اور پسندیدہ اور ضروری اشیا و شخصیات، قرآن مجید اور متعدد احادیثِ مقدسات میں پانچ قسم کی چیزوں کو شعائر اللہ فرمایا گیا ہے۔ ۱ اعمال ۲ اوقات ۳ مقامات ۴ شخصیات ۵ اور اشیاء۔ اعمال مثلاً نماز، روزہ ۲ حج ۳ زکوٰۃ ۴، عمرہ ۵ و دیگر عبادات ۶ یادگار۔ اوقات مثلاً اِن عبادات کی شمسی ساعتیں ۷ قمری ۸ تاریخیں قمری ۹ مہینے، شمسی ۱۰ ایام۔ مقامات مثلاً کعبہ ۱۱ معظمہ، مکہ ۱۲ مکرمہ مدینہ ۱۳ منورہ، منیٰ ۱۴ دنیا ۱۵ بھر کی مسجدیں، صفا ۱۶ مروہ ۱۷ بیت المقدس ۱۸، عرفات ۱۹، چشمہ ۲۰ زمزم مزدلفہ ۲۱، مزارات ۲۲ اولیاء اللہ و صحابہ کرام، شخصیات، مثلاً، انبیاء علیہم ۲۳ السلام، صلحا ۲۴، علما ۲۵، مجتہدین ۲۶، اشیاء مثلاً قرآن مجید ۲۷، حدیث پاک ۲۸ حج کی ۲۹ ھدی، بُدنہ، اور ذبیحہ جانور، آبِ ۳۰ زمزم کُل ۳۱ تبرکات ان تمام شعائر اللہ کی تعظیم جداگانہ ہے نماز کی تعظیم یہ ہے کہ ہر طرح پاکیزہ ہو کر با اطمینان خوش دلی سے مکمل و صحیح ادا کرنا، صیام کی تعظیم یہ کہ پابندی سے ادا کرنا مکروہات و ممنوعات سے بچانا فحش کلامی۔ بد نگاہی سے بچنا۔ حج کی تعظیم یہ کہ خوفِ الٰہی کے ساتھ حاضری ارکان پوری ترتیب سے ممنوعات سے بچتا رہنا۔ اسی طرح عمرے کی۔ زکوٰۃ کی تعظیم یہ کہ پورے حساب سے ہر سال کے بعد مستحقین کو دینا، اوقاتِ عبادت کی تعظیم یہ ہے کہ ہر منٹ کا خیال رکھ کر مستحبات و قتوں میں عبادت کرنا نہ پہلے جلد بازی سے

نہ بعد میں غفلت سازی سے۔ کعبے کی تعظیم یہ ہے کہ طواف، نماز سجدہ رکوع ہر طرح پاکیزہ ہو کر اسی کی طرف کرنا، اُس کی طرف پیر نہ پھیلانا۔ حرم کی تعظیم یہ کہ ممنوعات سے بچو۔ نہ حیوانات کو ستاؤ نہ نباتات کو اکھیڑو مساجد کی تعظیم یہ ہے کہ ان کو پاکیزہ آباد اور مزین رکھو، خوشبو لاؤ بدبو سے بچاؤ۔ صفا مروہ کی تعظیم یہ کہ یادگار ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مانتے ہوئے پاکیزہ ہو کر سعی کرو۔ پاکیزہ رکھو گندگی نہ پھیلاؤ وہاں رہائشی بستر نہ لگاؤ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کی زیارت کرو اور خوب عبادت کرو۔ آبِ زمزم کی تعظیم یہ ہے کہ کوئیں کی حفاظت کرو پانی کھڑے ہو کر پیو اس سے گندگی صاف نہ کرو نہ استنجا نہ جنابت، خوب جی بھر کر پیو۔ اس کے پاس جانا اس میں جھانکنا اور اس وقت دعائیں مانگنا یہ سب اس کی تعظیم ہے منیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں حج کے واجبات ادا کرو کھیل تماشوں لغویات سے بچو۔ عرفات کی تعظیم، سارا دن، عبادت و دعاؤں، ذکرِ الٰہی نعتِ مصطفائی میں گزارنا، مزدلفہ کی تعظیم یہ ہے کہ مغرب کو عشا کے وقت پڑھو اور ساری رات ذکرِ الٰہی کرو صرف تہجد جاگنے کے لیے تھوڑی دیر سونا، مشعر حرام کے پاس ذکر و تلاوت کرنا۔ مزارات کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں جا کر تلاوت دعائیں وسیلے کی التجائیں، ایصالِ ثواب کی ادائیں اپنی بخشش کی فریادیں رب تعالیٰ سے کرنا وسیلہ صاحبِ مزار کا پکڑنا، محرمات و ممنوعاتِ شریعت سے بچنا۔ قبور کو بُت نہ بنانا، ڈھول قوالی طبلہ سارنگی سے بچنا، سجدہ تعظیمی کو حرام سمجھنا یہ ہر شریعت میں حرام ہی رہا۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تعظیم یہ ہے کہ خالق کا بندہ خلق کا آقا کہو انہیں، اور ان کے ہر قول کی اطاعت ہر فعل کی اِتباع کرو۔ اس لیے کہ ان کی اطاعت متقی بناتی ہے اور ان کی اتباع محبوب اولیاءُ اللہ کی محبت، صلحا کی نقل علما کی تقلید یہ ہی اُن کی تعظیم ہے۔ قرآنِ مجید کی تعظیم یہ کہ اس کو سمجھنا، اس کی تلاوت اس کی تعلیم۔ اس کا مکمل قانون نافذ کرنا، عوام اپنے جسم پر خواص اپنے معاشرے پر حکومت اپنے مُلک پر نافذ کرے۔ قرآن کریم کا قولی، عملی ادب کرنا، بلند جگہ سب کے اوپر رکھنا نہ اس طرف پاؤں کرنا نہ پیٹھ۔ حدیث پاک کی تعظیم یہ ہے کہ اُس کو قرآن حکیم کی تفسیر سمجھنا۔ اُس کے سامنے اپنی عقلوں کو معدوم کر لینا۔ کیونکہ قرآن مجید محفوظ ہے اور حدیث پاک معصوم ہے اس کی طرف بھی پاؤں اور پیٹھ نہ کرنا۔ ادب سے ہر چیز کے اوپر رکھنا، کیونکہ کائنات میں قرآنِ مجید کے بعد حدیثِ پاک ہی کا درجہ ہے ہَدی کے جانور کی تعظیم یہ ہے کہ اُس کی دیکھ بھال حفاظت خوراک صحت عمر کا ہر طرح خیال رکھنا۔ بلا ضرورت اس سے کوئی نفع نہ لینا، نہ ستاؤ نہ مارو، نہ بھگاؤ نہ تھکاؤ قیمتی اور خوب صورت خریدو، یہ تمام تعظیمات ہر مسلمان پر واجب ان کی خلاف ورزی گستاخی ہے اور گستاخی بے دینی ہے اور ہر بے دینی گمراہی

ہے۔ تعظیم سے تقویٰ، تقوے سے خشیت، خشیت سے مخافت، مخافت سے حکمت، حکمت سے ولایت، ولایت سے محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ۔ اے تعظیم کرنے والو تمہارے لیے ان تعظیماتِ شعائر اللہ میں دینی دنیوی، اُخروی بے شمار فائدے ہیں اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ مقررہ مدت تک یعنی سفرِ حج کی ابتدا سے انتہا تک پھر یوم ترویہ سے یوم افاضہ تک ھَدْیُ لینے سے اُس کے ذبح تک، پھر اے بندو تمہاری تمام زندگی سے موت تک، موت سے قبر تک، قبر سے حشر تک حشر سے پلصراط تک، پلصراط سے جنت تک ابدالآباد۔ مومن کو ہر جگہ اُس کی عادتِ تعظیم کی وجہ سے نفع ہی نفع ہے۔ بے ادب گستاخ کو نقصان ہی نقصان، سفرِ حج میں عبادات کے نفع، ایام تشریق میں (یوم ترویہ سے یَوْمِ اِفاضہ تک) گناہوں سے بالکل پاک ہو جانے کے منافع ھدی کے جانور میں اُون، دودھ نسل، سواری گوشت، کھال وغیرہ کے خود استعمال کا دنیوی اور صدقہ کر دینے کا اُخروی منافع ادب کرنے والے کو تا عمر ہر عملِ صالحہ کے منافع، قبر میں راحت وروشنی کے فائدے، پلصراط پر ثوابِ عزت رفتارِ عظمت کے فائدے، جنت میں رضاءِ صمدی سلامِ مَلَکی کے منافع ثُمَّ مَحِلُّھَا پھر ان تمام شعائر کا اصل موقع، محل، مقام و مقصد اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ خانۂ کعبہ تک پہنچنا ہے یہ قربِ کعبہ ہر جگہ ہے نمازوں میں مسجدِ حرم ہے سعی میں صفا و مروہ، واجباتِ حج میں منیٰ میں ہے، فریضۂ حج میں پورا میدانِ عرفات مَحِلُّھَا ہے، واپسی میں مزدلفہ کا پورا میدان مَوْقِفٌ ہے رمی میں جمرات میں ذبیحوں میں منیٰ کا مذبح و منحر ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔ اَللّٰھُمَّ یَسِّرْ لِیْ قُرْبَ الْکَعْبَۃِ وَوَفِّقْنِیْ بِطَوَافِ کعبہ وَزِیَارَتِ کَعْبَۃِ الْکَعْبَۃِ۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ حُنَفَآءَ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ ہر باطل دین سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علیحدہ ہو جانا فقط اسلام کو ماننا اور یہ خطاب تا قیامت ہر انسان سے ہے اور شرک سے ظاہری شرک مراد ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے ہر عبادت خالص کرو ریاکاری اور دکھلاوے سے پاک صاف، اور خطاب تا قیامت مسلمانوں سے ہے۔ اور شرک سے خفی مراد ہے۔ وَمَنْ یُّشْرِکْ کے مَنْ میں دو قول ۱ یہ شرطیہ ہے بمعنی اگر کوئی شخص، اور مراد صرف مرتدین ہیں ۲ بعض نے کہا۔ یہ مَنْ موصولہ ہے بمعنی جو شخص بھی اور مراد ہر کافر اور مرتد ہے فَکَاَنَّمَا میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ تشبیہ مرکب ہے ایک ہی کافر شخص کی تین حالتیں بیان کی جا رہی ہیں، پہلی حالت اُس کا گرنا، دوسری اُس کا

نیست و نابود ہو جانا درستی کی کوئی اُمید نہیں سوم۔ اُس کا کسی گہرے اندھیرے غار میں چلے جانا جس میں بچ جانے درست ہو جانے کی کچھ اُمید ہوتی ہے ۲ بعض نے کہا یہ مسلمانوں کو مفرد و انفرادی تشبیہ سے سمجھایا جا رہا ہے کہ ایمان آسمانِ بلندی ہے اگر کوئی مومن بن کر پھر مُرتد ہو گیا کسی بھی قسم کے کفر میں شریک بن کر تو وہ گویا آسمانِ عزت سے گر گیا۔ اب کسی مرتد کی حالت تَخْطَفُهُ کی فنا سے ہو گی اور کسی حالت تَهْوِي فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ کی ذلت آمیز ہلاکت سے ہو گی یہ قول درست ہے فَتَخْطَفُهُ کی قرأت میں چار قول ۱ یہ باب فَتَحَ کا مضارع معروف ہے یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے ۲ تَخْطَفُهُ بغیر فاءِ تعقیب کے ہے ۳ فَتَخَطَّفَهُ، ہے بابِ تَفَعُّل کا ماضی مطلق ۴ یہ فَتَخِطِّفُهُ ہے باب تفعیل کا فعل مضارع مؤنث اِس کے معنی میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا خَطْفٌ کے معنی اُچک لینا پکڑ لینا ۲ بعض نے کہا اِس کا معنی ہے چیر پھاڑ کر ٹکڑے کر کے کھا لینا، لفظ۔ اَوْ۔ عاطفہ میں دو قول ۱ یہ تخییری ہے یعنی کافر مشرک کی حالت یا یہ ہو گی یا یہ ہو گی۔ نہ دونوں حالتیں ختم ہو سکیں نہ دونوں جمع اسی کو علم نحو میں مَانِعَةُ الْخُلُوّ۔ اور مَانِعَةُ الْجمع کہتے ہیں، یہاں مَانِعَةُ الْخُلُوّ بھی ہے مانعۃ الجمع بھی ۲ بعض نے کہا یہ اَوْ تنویعی ہے اور مَانِعَةُ الْخُلُوّ ہے مَانِعَةُ الجمع نہیں یعنی تینوں حالتیں ختم نہیں۔ ہاں البتہ تینوں حالتیں ایک کافر میں جمع ہو سکتی ہیں اس طرح کہ پہلے وہ گرے پھر اُس کو راستے میں سے پرندے نے اُچک لیا پھر اس سے چھوٹ جائے اور کسی گہرے مکانِ سحیق میں گر پڑے پھر وہاں پرندہ نوچ پھاڑ کر کھائے۔ یا ایک ایک حالت ہو کہ یا یہ یا یہ مگر پہلا قول درست ہے اَلرِّيحُ کی قرأت میں دو قول ۱ یہ الرِّيحُ ہے جنس واحد ۲ یہ الرِّيَاحُ ہے۔ پہلی قرأت مشہور مکتوب ہے۔ مَكَانٍ سَحِيقٍ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے گہری جگہ۔ یہی لغوی معنیٰ ہے اسی کو اکثر نے ترجیح دی ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے پتھریلی زمین ۳ بعض نے کہا اس کا معنی دلدلی زمین ہے تمام معنیٰ درست ہیں۔ کیونکہ کفر میں گہرائی بھی ہے اندھیرا بھی پتھر بھی دلدل بھی۔ کفریات بہت سے ہیں ذٰلِكَ کے مشار الیہ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اِس کا مشار الیہ ماقبل جملہ۔ فَكَأَنَّمَا خَرَّ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ کافر و مرتد کا انجام وہی اٹل ہے کہ یا تَخْطَفُهُ یا تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ کا ہلاکت خیز گرنا ۲ بعض نے کہا اس کا مشار الیہ لفظ اَمْرُ اللهِ پوشیدہ ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے وَاَمْرُ اللهِ ذٰلِكَ۔ یا ذٰلِكَ اَمْرُ اللهِ۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ کے مَنْ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ مَنْ شرطیہ ہے ترجمہ ہے اگر کوئی ۲ بعض نے کہا یہ موصولہ ہے ترجمہ ہے جو

کوئی، شَعَآئِرَ اللّٰہِ میں تین قول ہیں (۱) بعض نے کہا اس سے مراد ھَدِیْ کے جانور بُدْنہ ہیں (۲) بعض نے کہا اس سے مراد تمام وہ ذبیحے جو اللہ کے لیے ذبح کئے جائیں مثلاً حج کی ھَدِیْ والے۔ اور عام قربانی والے، اور بچوں کے عقیقے والے (اور منتوں کے صدقے والے جرائم حج کے کفارے والے مراد ہیں ہیں) (۳) بعض نے کہا اس سے مراد حج و عمرے کے افعال مراد ہیں، بعض نے کہا اس سے مراد تمام شعائر ہیں یعنی عبادات اوقات شخصیات، مقامات ذبیحات وغیرہ منقولہ غیر منقولہ تعظیم میں تین قول ہیں (۱) بعض نے کہا اس سے مراد اللہ کے ذبیحے جانور کی تعظیم مراد ہے یعنی قیمتی و خوب صورت خریدنا محبت و پیار سے دیکھ بھال کرنا، ذاتی نفع بلا ضرورت نہ لینا عقیدت سے ذبح کر دینا (۲) بعض نے کہا اس سے مراد عبادات کی تعظیم ہے۔ یعنی صحیح اور پاکیزگی و پابندی خوشدلی سے ادا کرنا (۳) بعض نے کہا اس سے مراد۔ مقامات و شخصیات کی تعظیم ہے۔ یعنی ان کا ادب احترام کرنا۔ یہ قول درست ہے کیونکہ جامع مانع ہے۔ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ کے مِنْ میں تین قول (۱) مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے ہے۔ یعنی تعظیم سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے اصل تقویٰ دل سے ہے باقی تقوے اس کی فرع ہیں دل کا تقویٰ سب سے بڑا اگر یہ نہیں تو کوئی بھی تقویٰ نہیں ملتا نہ عقل کا نہ جسم کا نہ اعضا کا، اور قلبی تقویٰ صرف تعظیم و ادب سے اگر تعظیم نہ ہو تو کسی عبادت سے کوئی تقویٰ نہیں ملتا (۲) بعض نے کہا یہ مِنْ تعلیلیہ ہے اور معنی ہے کہ تقویٰ ہو تو تعظیم ہوتی ہے، جس شخص میں تقوئے قلبی نہیں ہے وہ کسی شعائر اللہ کی تعظیم کر سکتا ہی نہیں ساری زندگی گستاخ و بے ادب ہی رہتا ہے اور تقوئے قلبی رب تعالیٰ کی عطا ہے جو کسی کی خوش قسمت کو دیا جاتا ہے، تو پہلے قول میں تعظیم سے تقویٰ ملتا ہے اور دوسرے قول میں تقوے سے تعظیم کی توفیق ملتی ہے۔ پہلے میں تعظیم سبب ہے تقوے کا، تعظیم پہلے تقوئے قلبی بعد میں دوسرے قول میں تقوئے قلبی علت ہے تعظیم کی تقویٰ پہلے تعظیم بعد میں (۳) بعض نے کہا۔ یہ مِنْ بعضیت کا ہے، یعنی تقویٰ قلبی کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک تعظیم بھی ہے لہٰذا پہلے قول میں عادت تعظیم ملی آستانۂ نبوت سے سینہ بسینہ اچھی صحبتوں سے اور تقویٰ ملا تعظیم سے دوسرے قول میں تقویٰ ملا عطاءِ ربانی سے اور تعظیم کی توفیق ملی تقویٰ سے تیسرے قول میں، تقویٰ درخت ہے تعظیم اس کا پھل لَكُمْ فِيْهَا کی ھَا ضمیر میں تین قول (۱) بعض نے کہا اس کا مرجع شعائر اللہ یعنی تمام شعائر اللہ میں تمہارے لیے منافع ہیں (۲) بعض نے کہا اس کا مرجع ھَدِیْ و قربانی کے جانور ہیں (۳) بعض نے کہا اس سے مراد حج و عمرے ہیں، مَنَافِعُ میں دو قول (۱) بعض نے کہا اس سے

دنیوی نفع مراد ہیں۔ یعنی حج میں تجارت کے فائدے اور ھدی کے جانوروں میں دودھ اون، سواری حصول نسل اور گوشت کے منافع ۲ بعض نے کہا اس سے اُخروی منافع مراد ہیں۔ یعنی حج، عمرے، قربانی کا ثواب اَجَل میں تین قول ۱ اس سے ابتداء اور انتہاءِ ایامِ حج مراد ہے ۲ بعض نے کہا اس سے ھدی کے ذبح کا وقت مراد ہے ۳ بعض نے کہا اس سے چھ مقامات تک پہنچنا مراد ہے پہلے خانۂ کعبہ تک پھر منیٰ پھر عرفہ پھر مزدلفہ پھر منحر و مذبحٌ منیٰ پھر واپس حدودِ حرم میں مُسْتَمّیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد ذبیحہ جانوروں کا نام رکھنا ہے مثلاً ھدیٔ قربانی، بُدْنہ دمِ کفارہ، عقیقہ، اور ان پر نشانات لگانا۔ یا ہار ڈالنا۔ ۲ بعض نے کہا اس سے مراد ذبیحوں کو مذبح خانے تک پہنچانا منیٰ وغیرہ میں ۳ بعض نے کہا اس سے مراد موت کے بعد ثواب تک پہنچنا ہے مَحِلُّھَا میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ اسم ظرف ہے یعنی جگہ ۲ بعض نے کہا یہ مصدر میمی ہے بمعنیٰ واجب ہونا ۳ بعض نے کہا محل بمعنیٰ مقصد۔ یعنی مقصدِ حج و منشاءِ ذبیحہ اِلٰی میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ انتہا کے لیے ہے بمعنیٰ تک ۲ بعض نے کہا یہ سمنیت کے لیے ہے بمعنیٰ طرف ۳ بعض نے کہا یہ قرب کے لیے ہے بمعنیٰ پاس پہلے قول میں معنیٰ ہے بیتِ عتیق یعنی کعبے تک، دوسرے قول میں اُس کی طرف جانا، خواہ مسجد حرم ہو یا منیٰ عرفات مزدلفہ، تیسرے قول میں کعبے کے پاس یعنی حدودِ حرم بیتِ عتیق میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد کعبہ معظمہ ۲ بعض نے کہا اس سے مراد پورا حرم شریف تین، تین میل تک چاروں طرف کعبہ معظمہ سے ۳ بعض نے کہا اس سے مراد پورا علاقۂ حج ہے۔ یعنی مکہ مکرمہ، منیٰ عرفات مزدلفہ۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** مومن کا تقویٰ دل میں ہوتا ہے منافق کا تقویٰ نفسِ اَمّارہ میں۔ تقوے کی چار قسمیں ہیں پہلا تقویٰ قلبی پھر تقویٰ اعضاءِ ظاہری کا پھر اعضاءِ باطنی کا پھر تقوے لسانی۔ تقوے قلبی اولیاءُ اللہ کا اس کی تین علامتیں ۱ خشیتِ جمال ۲ ہیبتِ جلال ۳ خوفِ کمال، دوسرا تقویٰ عابدین زاہدین کا اس کی بھی تین علامتیں ۱ اطاعتِ اقوال ۲ اِتباعِ افعال ۳ اجتنابِ ممنوعات تیسرا تقویٰ عوام مومنین کا اس کی بھی تین نشانیاں ۱ عبادت میں غفلت ۲ ممنوعات میں بدپرہیزی ۳ اطاعت کے قریب اتباع سے دور چوتھا تقویٰ منافقین کا اس کی بھی تین نشانیاں ۱ زبان پر خشیت ۲ دل میں بناوٹ ۳ عقل میں مکاری کردیا ث فی ذئیاب لب پہ کلمہ دل میں گستاخی۔ پہلا تقویٰ، حقیقی، صادق، کامل، دوسرا، مجازی، صادق، کامل، تیسرا عارضی، صادق ناقص، چوتھا، ناقص کاذب، خادع۔ یہ تقسیم نافعہ، تقوی القلوب کی اضافت خصوصیہ سے

حاصل ہوا۔ ان میں سے تقوائے قلبی سب سے بڑا اور اہم و مقبولِ بارگاہ ہے مولیٰ تعالیٰ مجھے بھی نصیب ہو۔ **دوسرا فائدہ** کافر بھی جانوروں سے محبت کرتا ہے اور مشرک بھی مومن بھی مگر فرق یہ ہے کہ کافر کی محبت تغفّل ہے مشرک کی محبت تعبّد ہے لیکن مومن کی محبت تحفّظ ہے تغفّل یہ ہے کہ جانوروں کی محبت میں نہ حرام کی پرواہ رہے نہ پاکی پلیدی کی نہ دین کی نہ شریعت کی محبت میں دیوانہ ہو جانا جیسے یہود و نصاریٰ کتوں کی محبت میں۔ تعبّد یہ کہ جانور کو معبود سمجھ لینا جانور کی پوجا کرنے لگ جانا جیسے ہندو کی محبت گائے بندر چوہے سے سانپ، بچار سانڈھ سے لیکن مومن کی جانور سے محبت صرف یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور جاندار سمجھ کر اُس کی دیکھ بھال تحفظ رحم دلی ہمدردی کرے۔ یہ فائدہ وَمَنْ یُّعَظِّمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ مسلمانوں کو ھدیٰ قربانی اور بدنہ کی تعظیم کا حکم ہوا مگر دیکھ بھال تحفّظ کی حد تک اس کو بزرگ نہ سمجھ لو بلکہ بوقتِ ضرورت اس سے ہر طرح کا نفع حاصل کرو اور پھر اجلِ مسمّٰی آئے تو اپنے رب تعالیٰ کے نام پر اُس کو ذبح کر ڈالو گوشت کھا لو، مشرکین کی طرح جانور سے دل نہ لگاؤ۔ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ کی مثل نہ بن جاؤ۔ سواری بھی کر سکتے ہو چلانے کے لیے مار بھی سکتے ہو اُس کی کوھان میں زخم کر کے نشانِ خون بھی لگا سکتے ہو۔ یہ تعظیم کے خلاف نہ ہو گا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عبادت اس کے محبوب بندوں اور پسندیدہ چیزوں کی تعظیم و ادب ہے۔ جس کے پاس تعظیم اور ادب کی دولت ہے اُس کو انعام بھی بڑا ملتا ہے تقوائے قلبی بڑا انعام ہے۔ اسی سے ولایتِ اکمل اور محبوبیتِ اقرب نصیب ہو جاتی ہے، بے ادبی سے گستاخی جنم لیتی ہے اور گستاخ کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی تمام عبادتیں برباد ہو جاتی ہیں جیسے کہ ابلیس کی تمام عبادتیں مردود ہوئیں، مومن کو اطاعت سے تقوائے بدنی ملتا ہے اِتباع سے تقوائے عقلی اور تعظیمِ شعائر اللہ سے تقوائے قلبی ملتا ہے۔ شعائر اللہ صرف محبوب بندے اور اُن کی نسبت والی یادگار چیزیں ہیں۔ جیسے صفا اور مروہ حضرتِ ہاجرہ کی یادگار اور بدنہ قربانی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یادگار یہ فائدہ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ کی ف جزائیہ سے حاصل ہوا۔ یعنی اگر مومن تعظیمِ شعائر کرے گا تو اُس کو تقوائے قلبی کا انعام ہو گا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ قربانی یا ھدی جانور خرید کر پھر بیچنا منع ہے کیونکہ اسی نیت سے خریدتے ہی وہ شعائر اللہ

بن جاتا ہے اور شَعَآئِرُ اللہ کو بیچنا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف ہے لہٰذا گناہ ہے شعائر اللہ ہونا مثل
وقف ہے، جس طرح وقف للہ کو تبدیل کرنا منع ہے اسی طرح تبدیلیِ شعائر اللہ بھی منع ہے۔
حَجّۃُ الوداع میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت ہی خوب صورت جانور بنیّتِ ھَدی
تین سو دینار کی انتہائی بھاری قیمت سے خریدا۔ پھر کچھ سوچکر بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یارسول اللہ
کیا میں اِس کو بیچ کر اس کی قیمت سے زیادہ جانور خرید کر ھَدی کرسکتا ہوں آقائے دو عالم
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں اسی ایک کو ہی ھدی کرنا پڑے گا
یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک میں۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ کے فرمانِ الٰہی اور اس
مندرجہ بالا حدیث پاک کے فرمانِ نبوت سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ ھَدی اور قربانی کے جانور
میں پانچ چیزیں اور پانچوں کے حکم شریعت میں مختلف ہیں ۱۔ خود جانور ۲۔ اس کی زندگی والے تمام
منافع ۳۔ ذبح کے بعد اس کی کھال ۴۔ اس کے ساتھ خریدی ہوئی رسی یا زنجیر اور اس کے
لیے خریدا ہوا کوئی جُل یا کھانے کا توبڑا وغیرہ ۵۔ اس کا گوشت۔ جانور کا شرعی حکم یہ ہے کہ خوبصورت
اور قیمتی پوری شرعی عمر کا خریدو ایک دن بھی کم نہ ہو اونی جانور مجبوراً چھ ماہ کا موٹا تازہ اونچا
سال برابر لگنے والا خریدنا جائز ہے بلا مجبوری جائز نہیں یعنی اگر سال کے ملتے ہوں تو چھ ماہ کا
جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح فرمائے سب ہی
بہت خوبصورت پانچ سالہ اور موٹے تھے ایک اونٹ کی ناک میں سونے کی موٹی بالی تھی اس کو
بھی عکرمہ بن ابوجہل سے خریدا، اس کو ذبح کرکے سب کچھ صدقہ فرمادیا یہ بالی والا اونٹ ابوجہل
کا ذاتی تھا اون بال دودھ، نسل کا نفع بلاضرورت خود استعمال نہ کرے بلکہ صدقہ کردو۔ ضرورۃً
جائز ہے۔ اونٹ یا گائے بیل بھینس مذکر مؤنث پر بلاضرورت سواری نہ کرو ضرورۃً جائز
ذبح کے بعد اس کی کھال رسی یا زنجیر جو اس کے ساتھ ہی آئی ہو بلاضرورت استعمال نہ کرو بلکہ سب کچھ صدقہ
غربا پر کردو، ضرورۃً بعینہٖ وہی اشیا استعمال کرنی جائز لیکن ان اشیا کی قیمت ہر حال میں غربا پر صدقہ
ہی کرنا پڑے گا نہ خود استعمال کرسکتا ہے نہ مسجد نہ کسی ادارے نہ قبرستان ہسپتال نہ مدارس پر۔ اگر
سخت ضرورت پڑجائے تو غریب سے حیلہ شرعی کرانا پڑے گا۔ جیسے کہ زکوٰۃ اس کا پورا با دلائل بیان
ہمارے فتاویٰ العطایا میں دیکھئے۔ ہاں البتہ اس کا گوشت ہر طرح کھا بھی سکتا ہے کھلا بھی اور بانٹ
بھی خیرات بھی، حضرت عبداللہ بن عمر کا یہی فتویٰ اور حکم ہے خود بھی قربانی و ھَدی کی کھال جُل
رسی وغیرہ غریب کو صدقہ فرمادیا کرتے تھے امام اعظم رضی اور امام مالک کا یہ مسلک وَمَنْ یُّعَظِّمْ

کی آیت اور مندرجہ بالا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس روایت سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** امام اعظم فرماتے ہیں کہ قربانی اور ھدی کے جانور سے بلاضرورت نفع لینا جائز نہیں۔ مثلاً بنیّتِ قربانی یا ھدی جانور خریدا اور اُس کے بچہ پیدا ہو گیا تو وہ صدقہ کر دے ایسے ہی اُس کا دودھ اون بھی صدقہ کر دے لیکن اگر قربانی والے کو خود ضرورت ہے تو خود استعمال کرنا جائز ہے بچے سے بچا ہوا دودھ خود پی لے لیکن بیچ کر پیسہ خود استعمال نہیں کر سکتا وہ پیسہ خیرات کر دے سواری بھی بلا ضرورت نہیں کر سکتا، ضرورۃً کر سکتا ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ، امام مالک امام حنبل، امام شافعی فرماتے ہیں، کہ ہر وقت ہر طرح نفع لینا سواری کرنا جائز ہے ضرورۃً بھی بلا ضرورت بھی یہ ائمہ اپنے قول پر دو دلیلیں پیش فرماتے ہیں پہلی دلیل یہی آیت وَلَكُمْ مَنَافِعُ۔ یہ ارشاد مطلق ہے اور مطلق کی وجہ سے ہر قسم کا نفع ہر حالت میں لینا جائز ہوا ضرورۃً ہو یا نہ ہو۔ دوسری دلیل۔ حضرت جابر کی حدیث پاک۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ، رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَسُوْقُ بُدْنَةً جَهْدًا فَقَالَ اِرْكَبْ عَلَيْهِ۔ قَالَ هٰذَا هَدْىٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ وَيْلَكَ اِرْكَبْ عَلَيْهِ۔ ترجمہ حضرتِ جابرؓ نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو ھدی کے بدنہ اونٹ کو بڑی مشقت سے کھینچتے ہوئے لئے جا رہا تھا تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو فرمایا اِس پر سوار ہو جا۔ اُس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ تو ھدیٰ کا متبرک جانور ہے آپ نے جھڑکتے ہوئے فرمایا تیری خرابی ہو اس پر سوار ہو جا اور سوار ہو کر چلاتا لے جا۔ تب وہ سوار ہو گیا۔ ائمہ ثلاثہ اس سے دلیل لیتے ہیں کہ مطلقاً نفع لینا جائز ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہی آیت ہے، رب تعالیٰ نے یہاں آیت ۳۲ میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم فرمایا اور تعظیم کی شان بتائی اور آگے آیت ۳۶ میں بُدنہ کو شعائر اللہ میں شامل فرمایا جس سے بدنہ کی تعظیم ہر مومن پر لازم ہو گی۔ جب بُدنہ جانور کو ھدی یا قربانی کے لیے خرید لیا تو شعائر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی چیز بن گئی اور خریدار کی ملکیت ناقص ہو گئی۔ اب وہ اس کا نفع نہیں لے سکتا نہ بیچ کر قیمت کے منافع سے نہ کرائے پر دے کر نہ دودھ اُون بچہ بیچ کر۔ اب تو اُس کی تعظیم لازم ہے اور دنیوی نفع کمانا تعظیم کے خلاف ہے۔ امام فخر الدین رازی شافعی اور علامہ فیروز الدین قمی نیشاپوری نے اس حنفی دلیل کو کمزور بتایا ہے اور فرمایا کہ امام اعظم نے فرمایا کہ چونکہ بیچ نہیں سکتا کرائے پر نہیں دے سکتا لہٰذا ثابت ہوا کہ ملکیت تامہ ختم ہو گئی یہ بات درست نہیں کیونکہ بیچ نہ سکنا ملکیت کی نفی نہیں کرتا۔ دیکھو اُمِ وَلَد لونڈی کو مولیٰ بیچ نہیں سکتا مگر اُس کی

ملکیت قائم رہتی ہے اسی لیے مولیٰ اُم ولد سے ہر طرح کا نفع لے سکتا ہے ضرورۃً بھی بلا ضرورت بھی، اسی طرح ھدی و قربانی کے بدلنے میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام رازی اور علامہ قمی صاحب کی اپنی سوچ کمزور اور جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ اُم ولد پر قیاس تو حنفی دلیل کی قوت ہے (اُم ولد، وہ لونڈی ہوتی تھی جو مولیٰ کی اولاد کو جنم دے)، اسی لیے کہ ام ولد کی ملکیتِ تامہ بھی ختم ہو گئی اور مُدبّرہ کی بھی وہ اُم ولد بن کر یہ شعائر اللہ، نہ ام ولد بک سکے نہ میراث بن سکے بلکہ مولیٰ کے مرتے ہی خود بخود آزاد، ایسے ہی نہ بُدنہ بک سکے نہ کرائے پر دیا جا سکے، اُئمہ ثلاثہ کی دونوں دلیلیں بھی نہایت کمزور اور غلط ہیں، کیونکہ ائمہ ثلاثہ کا استدلال حدیث و آیت کو مطلق ماننے کی وجہ سے ہے حالانکہ نہ یہ آیت مطلق ہے نہ وہ حدیثِ جابرؓ آیت میں اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّی کی قید ہے اور حدیث پاک میں جُھدًا کی قید ہے۔ یعنی لَکُمْ مَنَافِعُ مُسَمًّی تک ہے جب جانور کا مُسَمّٰی ھَدی ہو گیا یا قربانی ہو گیا، اب نفع کی عام اجازت نہیں ہے مُسَمّٰی کا معنیٰ ہے نام رکھ دیا گیا۔ جب تک تم نے جانور کو ھَدیٰ کے لیے وقف نہ کیا تھا نہ قربانی کے لیے تو تم اپنے اس جانور سے ہر طرح نفع لے سکتے تھے۔ مگر ھَدیٰ یا قربانی کی نیت کر لینے کے بعد اس جانور کا نام ہو گیا قربانی یا ھَدیٰ رب تعالیٰ نے اس کو بنا لیا شعائر اللہ اب اس کی تعظیم لازم عام نفع ممنوع اب تو صرف جُھدًا ضرورۃً، مشقۃً نفع لے سکتے ہو۔ یہی حدیثِ پاک میں ہے کہ وہ شخص نہایت مشقت تھکا ماندہ ہو کر لے جا رہا تھا اس لیے سوار ہونے کا حکم نبوی ارشاد ہوا۔ اَئمّہ ثلاثہ نے۔ نہ آیت کی اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّی پر غور فرمایا نہ حدیث مقدس کے جُھدًا پر، یہ شانِ تفکر تو صرف امام اعظم کو ودیعت ہے۔ یہی حال دیگر منافع کا ہے کہ بلا ضرورت قربانی والے کو جائز نہیں نیز لَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ سے اَئمّہ ثلاثہ کا دلیل لینا بھی ظنی ہے کیونکہ فِیْهَا کی ضمیر کے مرجع میں کئی قول، کسی نے کہا اس کا مرجع شعائر ہونا اور منافع سے مراد اُخروی نہ کہ دنیوی منافع۔ کسی نے کہا

اس کا مرجع تعظیم کرنا یعنی تعظیم نفع ہے اور تعظیم شعائر عبارۃ النص سے ثابت، امام اعظم کی دوسری دلیل سورۂ مائدہ کی آیت ۲ میں ارشاد ہے۔ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے شعائر کو اپنے لیے ہر طرح بلا ضرورت حلال نہ سمجھ لو۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلا ضرورت نفع لینا ناجائز ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ ابھی اس سے پہلے فرمایا گیا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ اس میں ہر شرک سے بچنے کا حکم ہے تو پھر یہاں غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ۔ کیوں فرمایا گیا **جواب**: یہاں دو وجہ سے غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ فرمایا گیا پہلی وجہ یہ کہ وہاں ہر انسان مسلم غیر مسلم کو بتوں توتوں کی گندگی سے بچایا جا رہا ہے تاکہ کوئی مسلمان کسی جاہل گمراہ کی باتوں میں آ کر تصویروں کو جائز سمجھ کر گھروں کو مندر نہ بنائے۔ اور یہاں کفار کو پرستش سے روکا جا رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وہاں بتوں کی پہچان کرائی جا رہی ہے یہاں حُنَفَآءَ کا تعارف کرایا جا رہا ہے تیسری وجہ وہاں اجتناب کا حکم ہے یہاں انحراف کا حکم ہے۔ وہاں پرہیز کا حکم ہے یہاں پرہیز کا طریقہ بتایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَكَاَنَّمَا۔ یہ تشبیہ ہے بلندی پر ہونے کی اگر یہاں عام کفار مراد ہیں تو تشبیہ درست نہیں لگتی کیونکہ وہ تو پہلے ہی پستی میں گرے پڑے ہیں اور اگر مرتدین مراد ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ اگر کوئی مومن ایمان سے ہٹ کر مشرک بنا تب گویا آسمان سے گرا لیکن کسی دوسرے کفر میں گیا تو گرنا نہ پایا گیا۔ اس کا کیا حل ہے اس تشبیہ کا کس سے تعلق ہے۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ایک یہ کہ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی مومن کسی قسم کا مرتد ہوا تو گویا آسمان سے گر گیا چونکہ ہر کفر ہی شرک ہے اس لیے کفر کی اصلیت بتائی گئی۔ جواب دوم یہ کہ مراد عام کفار ہیں اور آسمان کی تشبیہ سے بلندی مراد نہیں بلکہ گرنے کی سختی مراد ہے۔ یعنی جہاں سے گرا اتنا سخت گرا گویا آسمان سے گرا ہے۔ اور گرنے کی سختی کا اثر یہ ہوگا کہ یا تَخْطَفُهُ کی طرح فنا ہو جائے گا۔ یا تَهْوِیْ کی طرح، قریب الفنا ہو جائے گا۔ **تیسرا اعتراض** بُدنہ جانور کو شعائر اللہ کیوں بنایا گیا اور اس کی تعظیم کی اتنی شان کہ تقوائے قلبی کا حصول ہو گیا۔ کسی اور عبادت کی یہ شان نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**۔ اس کی چار وجہ۔ پہلی یہ کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے اور پیاروں کی یادگار بھی پیاری۔ دوم یہ کہ اس میں اہل ایمان کے دینی اُخروی سب فائدے یہ مجموعۂ فوائد ہے۔ سوم یہ کہ اس سے کافر و مومن کے ذبیحوں میں فرق کیا گیا جس سے کفر و اسلام کا فرق معلوم ہوا۔ چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی شان اور اس کی نیکی کا مرتبہ سمجھایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِهٖ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۔ اے طالبانِ معرفت، اگر معرفتِ الٰہی چاہتے ہو تو ہر طرح فاسدہ وعلوم باطلہ سے ہٹ کر بری محفلوں خلوتوں سے بچ کر ، ہر طرف سے منہ پھیر کر خلوتِ اسرار میں چلے آؤ۔ اگرچہ دنیوی کمالیت ظاہری زینت چھوڑنی پڑے کیونکہ یہی مادیات انوارِ حقیقت کے لیے موٹے پردے ہیں تلاشِ معرفت کے لیے غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۔ مَا سِوَا اللّٰه سے نظریں اور مَا عَدَا سے توجہ کو ہٹالو کسی بھی چیز کو خیال، تصور، تفکر، تذکر، تخیل کو اس کا شریک نہ بنانے والے ہی آسمانِ ولایت پر قدم پہچانتے ہیں۔ لیکن جو کم عقل عرفاتِ کبریائی کے موقف میں طلبِ صفات واحد کے ساتھ طلبِ غیر کی طمع کو بھی شریک کر لیتا ہے اور میلانِ عقلی کا شرکِ باطنی کرتا ہے فَكَاَنَّمَا خَرَّ ۔ وہ گویا آسمانِ روحانی سے ذلتِ سفلہ میں گر گیا۔ پھر یا اُس کو نفسانی درندہ پھاڑ کھانے والا پرندہ خواہشاتِ شیطانی کا شکاری اُس بدنصیب گرتے ہوئے کو اس طرح اُچک لیتا ہے کہ عقیدت کے باز و محبت کے قدم عشقِ ناتمام کی توتیں ٹکڑے کر کے بطنِ عدم اور فنا کے پیٹ میں سما جاتی ہیں، اور یا پھر شہوات کی ہوائیں اُڑا کر ہلاکت کی بعید وادی حقانیت سے اندھیری کمائی کی مکانِ سحیق میں پھینک دیتی ہے ۔ ذٰلِكَ ، وہ ہی بدبختی اُس کا مقدر ازلی اور مُبرم ابدی ہے ۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۔ اور جو طالبِ معرفت، شائقِ نائقِ حقیقت لائقِ عبدیت نفسِ مطمئنہ توبہ توفیقِ سعادت کے قدموں سے چل کر اسرار کو اغیار سے چھپا کر اشرار سے بچا کر تعظیم حفاظت کر لیتا ہے اور اپنی عقل وشعور کو قربان گاہِ بارگاہ کا بُدْنَۂ ھَدْیْ وقربانیِ ابدی بنا کر منیٔ عشق میں اسمِ ذات پر ذبح کر دیتا ہے ۔ فَاِنَّهَا ۔ تب اُس کو تحصیلِ کمال، مخزنِ اعمال کا تقویٰ لازوال کا قلبی خزانہ مل جاتا ہے، اور وہ بندہ صفاتِ نفسانی عاداتِ ظلمانی سے خالی بداخلاقی سے عاری کر دیا جاتا ہے خالصۃً للہ ہو کر، اے راہِ طلب میں آنے والو۔ لَكُمْ فِيْهَا ، تمہارے لیے ان شعائرِ الٰہی نشاناتِ راہِ معرفت میں کمالاتِ علیہ، افعالِ عقلیہ اور اعمالِ نوریہ اخلاقِ علیہ کے بے شمار منافع ہیں عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی میں منزلِ فنا کی اَجَلِ مُسَمّٰی تک، کیونکہ عارفین کی فنا فی الذات ہی اُن کی بقا فی الجلوۃ ہے ۔ ثُمَّ مَحِلُّهَا ، پھر قربان گاہِ خواہشات کا مقامِ نحر و قیامِ عقر حرم سینہ تک کعبۂ دل کے مطافِ اسرار جہات وصفات کے احرام میں طلوع پہنچنا ہے ۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تعظیمِ شعائر چار چیزیں ہیں ۱۔ توکل ۲۔ تفویض ۳۔ تسلیم ورضا ۴۔ صبر وشکر، اسرارِ ولایت کے یہی شعائر اللہ ہیں، جب بندہ اللہ کو بڑا جانتے ہوئے ہر چیز سے زیادہ اہمیت ہر چیز پر زیادہ فوقیت دیتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے ظاہر کو فنونِ آداب سے مزین فرما دیتا ہے ابراہیم علیہ السلام کو ایک پتھر ملا جس پر قدرتی تحریر میں چار سطریں

لکھی نہیں۔ پہلی سطر میں تھا۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِیْ۔ اور دوسری میں لکھا تھا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلِیْ طُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ عَلَیْہِ وَ اتَّبَعَہٗ۔ تیسری میں لکھا تھا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مَنْ تَوَکَّلَ عَلَیَّ نَجَا۔ چوتھی سطر میں تھا۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ اَلْحَرَمُ لِیْ وَالْکَعْبَۃُ بَیْتِیْ مَنْ دَخَلَہٗ فَقَدْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ۔ ترجمہ۔ ۱ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے صرف میری ہی عبادت کرو تم انسان ۲ بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں بجز میرے اور محمد میرے رسول ہیں پس مبارک ہے وہ شخص جو ان پر ایمان لائے اور ان کی اتباع کرے ۳ بے شک میں ہی اللہ ہوں پوری کائنات میں کوئی معبود نہیں مگر میں ہی معبود ہوں، جس نے مجھ پر بھروسہ کیا تو وہ نجات پا گیا ۴ بے شک میں ہی اللہ ہوں کہیں کوئی معبود نہیں سوائے میرے، تمام حرم میری عبادت و تعظیم کے لیے ہے اور کعبہ معظمہ میرا ہی گھر ہے، تو جو اس میں آگیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔ حدیث مقدس میں ہے کہ ایک حج کے طفیل اللہ تعالیٰ تین بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا پہلا شخص اپنے حج کی وصیت کرکے فوت ہونے والا دوم وہ وارث جو اُس کی وصیت پوری کرتے ہوئے کسی شخص کو حج بدل پر بھیجے۔ تیسرا وہ شخص جو حج بدل کرنے کے لیے روانہ ہوا اور ہر طرح صحیح حج ادا کرکے لوٹا۔ زمانۂ جاہلیت میں کفار کسی عورت کو حج نہ کرنے دیتے تھے نہ ماں بہن کو نہ بیوی بیٹی کو اس لیے اپنے آپ کو حنفاء کہتے سمجھتے تھے اور خوب شرک کرتے تھے یہ عورتوں پر زور چلانا ہی ان کی حنفیت تھی۔ یہاں اسی کی تردید فرمائی گئی۔ اور بتایا گیا کہ حُنَفَاءَ وہ لوگ ہیں جو شرک نہ کریں۔

حدیثِ قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کبریائی میری چادر ہے۔ عظمت میرا لباس ہے۔ جس نے ان میں سے کوئی چیز لینے کی کوشش کی اُس کو پاش پاش کر دیا جائے گا۔ اور اُس کا ٹھکانہ ابدی ذلت کی جہنم ہے مشرک کی چار نشانیاں ۱ زمین پر اکڑ ۲ اکڑ سے ظلم ۳ ظلم میں بے دردی بے رحمی ۴ اہل اللہ کی گستاخی بے ادبی۔ حالانکہ انسان اکڑ کر کے نہ پہاڑ سے اونچا ہو سکتا ہے نہ ظلم کرکے زمین کو پھاڑ سکتا ہے۔ انسان کا اصل مقام تو پستی ہے، اپنی اصلیت پر پہنچنا ہی بندے کی معراج ہے۔ انسان کی ابتدا گندے نطفے سے اِس کی انتہا ایک بے بس لاش ہے اور زندگی بھر گندگی کو اٹھائے پھرنے والا ہے ذرا سی تکلیف برداشت نہیں مچھر سے زیادہ محتاج پھر اکڑ کس بات پر۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا

اور تمام اُمتوں کے لیے بنایا تھا ہم نے قربانی گاہ تاکہ تکبیر پڑھیں

اور ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ

اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ

اللہ کے نام کی اُن کے ذبح پر جو رزق دیا ہم نے اُن کو بعض

اللہ کا نام لیں اُس کے دئے ہوئے بے زبان

الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا

چوپایہ حلال حیوانوں میں سے اس لیے کہ تمہارا معبود وہ معبود ہے جو واحد ہے لہٰذا اسی کی اطاعت کرو

چوپایوں پر۔ تو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اُسی کے حضور گردن رکھو

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ

تم اور اے محبوب بشارت دیجئے۔ اُن ہر وقت عبادت کرنے والوں کو جن کے سامنے جب اللہ

اور اے محبوب خوشی سنا دو ان تواضع والوں کو۔ کہ جب

اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى

اللہ کا ذکر کیا گیا تو لرز گئے ان کے دل، اور جو صبر کرنے والے ہیں ان تکلیفوں پر

اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو افتاد پڑے

مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا

جو پہنچی اُن کو اور قائم رکھنے والے ہیں نماز کو اور اُس سے ہی

اُس کے سہنے والے اور نماز برپا رکھنے والے اور

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

جو رزق دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔

ہمارے دئے سے خرچ کرتے ہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں کو حج کے احکام وقواعد سمجھائے وبتائے گئے۔ اب ان آیت میں سابقہ گذشتہ مومن اُمتوں کا ذکر کیا گیا کہ حج وقربانی عمومی کے شرعی احکام اُن کے لیے بھی نافذ العمل تھے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں قربانی عمومی اور ھدی کے جانوروں کا ذکر فرمایا۔ کہ ان سے ذبح کرنے کے پہلے فائدہ لے سکتے ہو۔ اب ان آیت میں اُن کی قربانی کرنے کا طریقہ وذکر سکھایا جارہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں دیگر عبادات یعنی صبر اور نماز قائم کرنے والوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا کہ پہلی آیت میں مسببات کا ذکر ہوا اب یہاں اسباب وعلل کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۔ واؤ سر جملہ بِكُلِّ اُمَّةٍ امت لفظاً واحد معناً جمع ہے یہاں معنی مراد ہے بمعنی امتوں یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے جَعَلْنَا کا اور اس تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا جَعَلْنَا باب فتح کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے مَنْسَكًا۔ باب کرم کا اسم ظرف ہے واحد مذکر اس کا جمع ہے مَنَاسِكَ نُسُكٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی قربانی کرنا اصطلاح میں ۱ قربانی کی جگہ ۲ قربانی کرنا ۳ ذبح کرنا خون بہانا ۴ عبادت کرنا مطلقاً ہر قسم کی ۵ حج کرنا ۶ عبادت خانہ ۷ حج کی جگہ ۸ مذہب دین، یہ مختلف آٹھ اقوال ہیں لفظ منسکا۔ ایک قول میں مصدر میمی ہے۔ یہ مفعول بہ ہے لام کئے برائے تعلیل (وجہ) اس میں اَن ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے یا یہ خود اَنْ ناصبہ کی طرح مضارع کو نصب (زبر) دیتا ہے يَذْكُرُوا۔ باب نصر کا مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب بحالت نصب ہے اس لیے آخر سے اعراب رفع کی نون گر گئی دراصل يَذْكُرُوْنَ تھا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع النَّاسِ ہے اِسْمَ اسم مضاف بمعنی نام مراد ہے ذبح کی تکبیر یہ مرکب اضافی مفعول بہ

ہے عَلٰی جارہ فوقیت کا مَا اسم موصول اپنے معنٰی میں (برائے غیر ذوی العقول) رَزَقَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُم ضمیر مفعول بہ اس لیے منصوب متصل ہے مرجع وہی اَذِّنْ فِی النَّاسِ مِنْ تبعیضیہ بمعنٰی کچھ، تھوڑے، بعض، بَھِیْمَۃِ اسم مفرد جنسی لفظاً واحد مؤنث ہے معنًا جمع ہے۔ مضاف ہے اَلْاَنْعَامُ اسم جمع مکسّر منصرف بمعنٰی حلال چوپایہ حیوانات کے جانور یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے رَزَقَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ برائے تعلیل یعنی مابعد علّت ہے ماقبل لِیَذْکُرُوْا کی۔ اِلٰھُکُمْ۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اِلٰہٌ اسم نکرہ توصیفی موصوف ہے وَاحِدٌ باب ضَرَبَ سے اسم فاعل اسم عددی ہے اکائی کا خیال رہے کہ واحد کی چار قسمیں ہیں ۱؎ واحد حقیقی یہاں مراد یہی ہے کہ نہ اُس کے پہلے کوئی ہو نہ اُس کے بعد کوئی اس کا نہ کوئی عدد ہو نہ جنس نہ نوع ۲؎ واحد جنسی جو جنسیت میں اپنے اگلوں پچھلوں سے منفرد ہو ۳؎ واحد نوعی جو نوعیت (قسمیت) میں اپنے اگلوں پچھلوں سے منفرد ہو ۴؎ واحد عددی جس سے پہلے کوئی نہ ہو سب اُس کے بعد ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی شان میں واحد حقیقی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شان و وجود میں واحد عددی ہیں وَاحِدٌ صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ برائے ترتیب لَہٗ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہوا اَسْلِمُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مصدر ہے اِسْلَامٌ بمعنٰی ماننا تسلیم کرنا، جُھک جانا، دین اسلام قبول کرنا اس کا فاعل ضمیر جمع، مرجع فِی النَّاسِ کا اَلنَّاسِ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے فَاِلٰھُکُمْ کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے رَزَقَ کے صلہ موصول پر سب مل کر مجرور ہے عَلٰی سے اور یہ جار مجرور متعلق ہے لِیَذْکُرُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علّت ہے۔ جَعَلْنَا کی جَعَلْنَا فعل بافاعل اپنے متعلق مقدم اور علّت، مفعول بہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ بَشِّرْ باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنٰی خوشخبری سنانا، آئندہ زمانے میں ہونے والا کوئی اچھا خوش کن کام یا بات اس کو عربی میں بشارت اُردو میں خوشخبری کہتے ہیں۔ بِشْرٌ یا بَشْرٌ یا بُشْرٌ سے مشتق ہے بمعنٰی ظاہری کھال کا کھل اُٹھنا، چونکہ اچھی خبر سے انسان کے ظاہری جسم پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس کو بشارت کہتے ہیں اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اَلْمُخْبِتِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِخْبَاتٌ بہت ہی انہماک سے کوئی کام کرنا اس طرح سے کہ اِدھر اُدھر کا کوئی ہوش و فکر نہ رہے یعنی کھانے پینے تک کا خیال نہ آئے اسی کو اُردو میں جنت یا خبط سوار ہونا کہتے ہیں۔ اس کا مادہ ہے خَبْتٌ اصطلاحاً

ترجمہ ہے انتہائی عاجزی سکینی خشوع خضوع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، اور ہر وقت ہر کام ہر حالت میں اسی کی عبادت کا خیال رہنا۔ یعنی اُس کی عبادت میں غرق ہو جانا۔ نرم زمین کو اَرضُ الخَبتُ کہتے ہیں وہاں بھی زمین کی عاجزی ہی مراد ہے یہ موصوف ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ عَلٰی مَاۤ اَصَابَھُمۡ وَ الۡمُقِیۡمِی الصَّلٰوۃِ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۔ اَلَّذِیۡنَ اسم موصول جمع مذکر اِذَا ظرفیہ شرطیہ، اس کی مابعد عبارت ایک قول میں جملہ ہو کر ظرف مقدم ہے اگلی عبارت کا اور ایک قول میں یہ جملہ شرط ہے ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ذُکِرَ اللّٰہُ ۔ ذُکِرَ فعل مجہول ماضی اللہ اُس کا نائب فاعل اصل فاعل معنوی ذکر کرنے والے پیارے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے وَجِلَتۡ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد مؤنث غائب خیال رہے کہ قُلُوۡبُ غیر ذوی العقول جمع مذکر اسم ظاہر ہے اسلیے اس کا عامل فعل واحد مؤنث غائب کا صیغہ آیا۔ وَجلٌ مثال واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ ایک دم ڈر جانا خوف زدہ ہو جانا، دبک جانا یہاں اللہ تعالیٰ کا ڈر مراد ہے قُلُوۡبُھُمۡ یہ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے یہ فعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی اِذَا ذُکِرَ کی یہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلصّٰبِرِیۡنَ اسم فاعل جمع مذکر باب ضَرَبَ سے ہے صَبۡرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ برداشت کرنا جھیلنا، سہارنا، اپنے آپ کو روکے رکھنا ڈٹے رہنا، راز رکھنا، یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یعنی مصیبت برداشت کرنا اس کا مقابل ہے جزع فزع بمعنیٰ گھبرا کر شکوہ شکایت چیخ و پکار کرنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ عَلٰی جارہ بمعنیٰ بِ سببیہ ترجمہ ہے اس بنا پر مَا اسم موصول اپنے اصلی معنیٰ میں اَصَابَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَا ہے صَیۡبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مصیبت تکلیف آنا پہنچنا ھُمۡ ضمیر مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اَلصّٰبِرِیۡنَ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلۡمُقِیۡمِیۡ، بابِ اِفعال کا اسم فاعل جمع مذکر اصل میں تھا اَلۡمُقِیۡمِیۡنَ مضاف ہونے کی وجہ سے نونِ جمع اعرابی گر گئی یہ مضاف ہے ایک قرأت میں اَلۡمُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ ہے واحد مذکر کے صیغے سے بحالتِ فتحہ ہے الصّٰبِرِیۡنَ پر عطف تابع ہونے کی وجہ سے اور وہ منصوب ہے اَلَّذِیۡنَ پر عطف تابعی کی وجہ سے اور وہ منصوب ہے اَلۡمُخۡبِتِیۡنَ کی تابع صفت کی وجہ سے اَلصَّلٰوۃِ اسم معرف باللام مضاف الیہ ہے بمعنیٰ نماز پانچ وقتہ پر مرکب اضافی معطوف علیہ۔ اس کی ترکیب اس طرح ہے کہ اسم فاعل مضاف ضمیر صیغہ پوشیدہ ھُمۡ اس کا فاعل اَلصَّلٰوۃ مفعول مضاف الیہ واؤ عاطفہ مِمَّا۔ اصل میں مِنۡ مَا ہے موصول یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے رَزَقۡنَا بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع

متکلم با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ یُنْفِقُوْنَ باب اِفعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ اس کا مصدر ہے اِنْفَاقٌ بمعنی خرچ کرنا، خیرات کرنا۔ نَفَقٌ سے بنا ہے مادہ لازم ہے اور مصدر متعدی ہے۔ یہ مبتدا و خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَلْمُقِیْمِیْ کے جملے پر وہ معطوف ہے الصَّابِرِیْنَ کے جملے پر وہ معطوف اَلَّذِیْنَ کے جملے پر سب عطف مل کر صفت ہے اَلْمُخْبِتِیْنَ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے بَشِّرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ

حج کے تمام ذبیحوں کے اجمالی ذکر کے بعد اب عام سالانہ قربانی کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اور ہر امت کے لیے ابتداءِ آدمیت سے آج تک اور آج سے تا قیامت جتنے بھی اہل ایمان ہوئے یا ہوتے رہیں گے۔ مختلف زمانیات، شخصیات، مقامات اور ضروریات کے لیے ہر شریعت میں ایک منسک اور قربانگاہ کا مذبح و منحر ہم نے مقرر اور واجب فرما دیا اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور کی قربانی اے مسلمانوں صرف تم پر ہی واجب نہیں ہوئی یہ عبادت ہر شریعت میں ہر امت پر واجب کی گئی تاکہ ہر مومن اپنے علاقہ میں اللہ تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے بہیمہ جانوروں چوپایوں کو اس کے ہی نام پر ذبیحہ کیا کریں۔ یہاں وَلِكُلِّ اُمَّةٍ کے الفاظ پہلے ارشاد فرمانے میں حصر کا اظہار ہوا یعنی کوئی بھی امت اس حکم قربانی سے علیحدہ نہ ہوئی اگرچہ قربانی کی تاریخیں اور طریقے ہر شریعت میں مختلف ہوتے رہے۔ دسّ ذی الحج کی تاریخ حضرتِ ابراہیم کے واقعۂ ذبح اسماعیل علیہما السلام کے بعد سے منفرد ہوئی آپ کی یادگار قائم کرنے کے لیے کہ حاجی لوگ منیٰ میں اور باقی مومنین اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں قربانی کریں۔ اس قربانی کا مقصدِ اصلیہ یہ ہے کہ ان حلال چوپایہ جانوروں کو صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا کریں جو جانور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے عطا فرمائے۔ یہاں آیت میں چار چیزیں بیان فرمائی گئیں پہلی یہ کہ اللہ کے نام پر ذبح ہو۔ اس سے کافروں مشرکوں کے ذبیحوں کو حرام کیا گیا۔ اور اہلِ ایمان کا ذبیحہ ہی حلال رکھا گیا۔ دوم عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ۔ اس میں حلال ملکیت کا ذکر کیا گیا۔ تاکہ مومن حرام ملکیت سے بچے چوری، ڈکیتی یا حرام کمائی سے جانور حاصل نہ کرے۔ سوم بَهِيْمَةِ۔ پیدائشی حلال جانور کی ہی ہمیشہ قربانی ہر شریعت ہر امت میں جائز رہی۔ چہارم اَلْاَنْعَامِ یعنی چار پاؤں والے۔ خلاصہ

یہ کہ قربانی میں چار حلتوں کا حکم ہے اور چار حرمتوں سے بچایا گیا ۔ ۱ حلال ملکیت سے حاصل کر کے ۲ حلال طریقے سے ۳ حلال جانور کو ۴ حلال چوپائے کی قربانی واجب ہے اور حرام ملکیت سے ، حرام طریقہ ذبح سے ۔ حرام جانور ، حرام چوپائے کو ذبح کرنے سے بچو ۔ یہ حلال کے کرنے اور حرام سے بچنے کا حکم اس لیے کہ ۔ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تم انسانوں کا ہر زمانے کی ہر امت کا ایک ہی معبود ہے ، کوئی شخص اُس کی ذات صفات قوت ، قدرت ملکیت میں قطعًا ذرہ اس کا شریک نہیں ۔ لہٰذا اے لوگو ہر کام ہر کلام ہر عادت ہر عبادت میں اپنا سر عجز و نیاز خلوص وانکسار ، رضا و خشیت سے اُس کی بارگاہِ جلال و جمال ، قہر و قدس میں ہر وقت جھکائے رکھو ۔ سرِ تسلیم خم کر دو ۔ تاکہ دنیا سے بُت پرستی کی گندگی ختم ہو اور ہر علاقے گلی محلے علاقے شہر ، گاؤں میں اسمِ الٰہی تکبیرِ کبریائی کی صدائیں بلند ہوں اللہ تعالٰی کے جانور اللہ تعالٰی کے نام پر ہی ذبح ہوں ، اور اقوامِ عالم کو پتہ لگ جائے کہ مومن و کافر کے ذبح میں بھی فرق ہے ۔ کافر کا ذبح بتوں کے نام پر اُس کا نام عبیر ، عتیرہ ، بھینٹ ، مومن کا ذبح خالق تعالٰی کے نام پر اُس کا نام ھَدی ، قربانی عقیقہ ۔ کافر کا ذبح بھی شرک و کفر و حرام ، مومن کا ذبح بھی عبادت ، ریاضت و حلال ۔ حرام کو مردار کہا جاتا ہے اور حلال کو ذبیحہ کہا جاتا ہے ۔ ہر عبادت کی طرح ہر ذبیحے میں بھی ، فرائض ، واجبات ، مستحبات اور سنت ہیں چنانچہ ذبح کے تین فرض ان میں ایک شرط ہے ۔ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا ۔ اور دو رُکن حلقوم اور تین رگوں میں سے دو رگوں کا کٹنا ۔ حلقوم کی ایک جانب دو رگیں ہوتی ہیں جن کو وَدجان کہتے ہیں یہ دونوں خون کی ہیں ان کا کٹنا ضروری ہے ۔ دوسری جانب ایک رگ جس کو مِری کہتے ہیں یہ سانس کی رگ ہے ۔ رکن سوم ، سر کی جانب سے تقریبًا ایک انچ نیچے سے گردن کاٹنا فرض ہے ۔ اگر بالکل سر کے قریب گردن کاٹی جس طرح یہودی عیسائی کاٹتے ہیں تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا ۔ کیونکہ اس طرح حلقوم نہ کٹے گا اور گھنڈی (نرخرہ کا کچھ حصہ بھی) سینے کی جانب ہوگا ۔ گردن کی جانب نہ ہوگا یہی نشانی ہے حلقوم نہ کٹنے کی ، اور ایک رگِ وَدج بھی نہ کٹی مِری اور ایک وَدج کٹ گئی ۔ ذبح فرض رہ گیا ، خون پورا نہ نکلا اس لیے ذبیحہ حرام ۔ ذبح کے دو واجب پہلا یہ کہ تکبیر زور سے پڑھی جائے کہ پاس کھڑا انسان سن لے ، دوم یہ کہ گردن کا اکثر حصہ کاٹا جائے تاکہ حلقوم سے نیچے بھی کچھ کٹ جائے اور دل کا خون بھی نکل جائے تاکہ جلدی جان نکل جائے ۔ بعض لوگوں کا ہاتھ ہلکا ہوتا ہے ۔ اُن سے کم گردن کٹتی ہے اس لیے دل میں کچھ خون موجود رہتا ہے تو جان دیر سے نکلتی ہے ۔ ذبح کی تین سنتیں پہلی یہ کہ ذبح سے پہلے جانور کو دانہ پانی دکھا دو تاکہ کچھ کھا پی لے ۔ کھائے پیئے یا نہ کھائے پیئے قریب رکھنا سنت ہے ، دوسری سنت یہ کہ اونٹ

کو کھڑا کر کے ایک پیر اٹھا کر گھٹنے تک موڑ کر اچھی طرح باندھ کر تیز چھری والے نیزے سے گردن کی لمبائی کی جانب سے نحر کرنا۔ گائے بھینس کے چاروں پاؤں باندھ کر لٹا کر عقر کرنا یعنی چوڑائی میں گردن کاٹنا خیال رہے کہ نحر کرنا سنتِ قولی بھی ہے عملی بھی مگر گائے میں عقر صرف قولی سنت ہے اور بھینس میں قیاسی سنت ہے۔ اس لیے کہ نحر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی فرمایا حکم بھی دیا گائے کے عقر کا حکم اور ترغیب فرمایا۔ بھینس کے ذبح کو فقہا نے گائے پر قیاس کیا۔ باقی چھوٹے چوپائے بکری دنبہ وغیرہ۔ پاؤں قابو کر کے عقر کرنا سنتِ قولی ہے بعض نے فرمایا عملی بھی ہے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری خود ذبح فرمائی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ذبح کے تین مستحب ہیں ۱ نحر اور عقر میں جانور کو اس طرح باندھا یا لٹایا جائے کہ اس کا منہ قبلہ رخ ہو۔ ۲ تیز چھری کے ساتھ ایک دم تیزی اور قوت سے ذبح کیا جائے ۳ ذبح کرنے والا اپنا داہنا گھٹنا جانور کے کندھے پہ سینے کی کروٹ پر رکھے۔ یہاں بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ فرمانے سے واضح ہوا کہ انعام کی چار قسمیں ہیں ۱ بہیمہ یعنی حلال چوپائے ۲ رکوب یعنی سواری والے چوپائے ۳ جنگلی چرندے ۴ جنگلی درندے۔ ان میں سے گھریلو بہیمۃ کو ہی صرف ھدی، قربانی اور عقیقے کا ذبیحہ بنایا جا سکتا ہے۔ سواری والے گھریلو چوپائے مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر یہ حلال نہیں کیونکہ بہیمۃ نہیں صرف انعام ہیں۔ لفظ بہیمہ کا لغوی معنی ہے بدھو بیوقوف، بزدل بہیمہ جانور سات قسم کے ہیں۔ اونٹ گائے، بھینس، بکری، دنبہ بھیڑ، مینڈھا۔ مذکر مونث سورہ یٰسٓ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ۔ ترجمہ، دنیا میں کچھ انعام صرف سواری کے لیے کچھ صرف کھانے کے لیے ہیں یٰسٓ آیت ۷۲ اس تقسیمِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ سواری والوں کو کھانا ممنوع اور کھائے جاتے والوں پر سواری ممنوع، کھانا ممنوع ہونا حرام ہوتا ہے اور سواری ممنوع ہونا مشکل ہوتا ہے، بہیمہ کو جب ھدی یا قربانی یا عقیقہ بنا لیا گیا تو تمام ہوا قرائین، جنگلی چوپایوں پر گھریلو چوپایوں کی مشابہت سے حکم لگایا جاتا ہے۔ مثلاً ہرن، بارہ سنگھا، نیل کنٹھ۔ یہ بکری کے مشابہ، نیل گائے کے مشابہ، زرافہ اونٹ کے مشابہ، زیبرہ، گدھے کے مشابہ، ہاتھی سواری و مال برداری میں گھوڑے و خچر کے مشابہ جنگلی بھینس ہر قسم کی بھینس کے مشابہ ان سب کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ حلال کے مشابہ حلال ہیں اور حرام کے مشابہ حرام، جنگل کے بقیہ چوپائے مثلاً، ریچھ، لومڑی، گیدڑ، بھیڑیا، بندر، شیر، چیتا یہ سب درندے ہیں اس لیے حرام، یہ جسمانی روحانی، قلبی، عقلی، غذائیں تو دنیا میں اہلِ ایمان کے لیے رب تعالیٰ کی نعمتیں ہیں وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اے حبیبِ کریم خوشخبری عطا فرما دیجئے ان مقبولِ

بارگاہ کو جو اپنے رب تعالیٰ کے قرب میں مُخبتین ہو گئے۔ ایسے کہ حقوقُ اللہ کی ادا میں مخلص، سجدوں میں عاجز۔ حقوق العباد کی ادا میں نرم دل، دنیا میں پُرسکون، عبادت میں بے ریا۔ مشکلات میں صابر و راضی برضا اعمال میں باہمت اقوال میں با اخلاق، ایمان میں محبت والے بارگاہِ رسالت میں تعظیم والے ہیں۔ اُن کی چار نشانیاں اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یہی وہ خوش نصیب لائق بشارت لوگ ہیں کہ جب بھی ان کے سامنے رب تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل جلال کبریائی کے رُعب سے تھرتھرانے لگتے ہیں اور یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر آنے والی مصیبت تکلیف بیماری پریشانی، ناگہانی وَبا تنگی تُرشی غریبی پر نہایت خندہ پیشانی سے صبر کرنے والے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہر حال میں بہت اچھے اور صحیح طریقے سے خشوع خضوع عجز و خلوص کے ساتھ وقت کی پابندی سے ہر نماز قائم رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ مسجدوں میں نمازوں کی زینت اذانوں کی رونق، تکبیروں کی صدائیں، گھروں میں تلاوتوں کی آوازیں۔ ذکر اللہ کی بہاریں جاری رکھنے والے ہیں اور ہر قسم کی جانی مالی وقتی، بدنی جسمانی عقلی۔ قلبی عبادت کرنے والے۔ اور اُسی رزقِ حلال طیب مال سے خرچ خیرات صدقات کرنے والے ہیں جو ہم نے اُن کو دیا کسی شیطانی رستے میں حرام مال نہیں لیتے۔ صرف حلال ذریعے سے ہی رزق حاصل کرتے ہیں۔ یہی رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ غرضکہ اِن مخبتین پر اِخبات کے چار اثر ہوتے ہیں ۱ وَجِلَتْ کی خشیت ۲ صبر کا تقویٰ ۳ شکر کی نمازوں کا قائم کرنا ۴ زکوٰۃ و خیرات و صدقات ختمات پر مداومت، عبادات کی استقامت اپنے رب تعالیٰ کی محبت میں کسی کی پرواہ نہیں کرنے نہ جان کی نہ مال کی نہ آل کی نہ اولاد کی نہ عزت کی نہ کاروبار کی نہ تجارت کی نہ اَمارت کی۔ لہٰذا اُن کے لیے ہی ثوابِ جزیل اور عطاءِ جمیل و خطاب جلیل کی بشارتیں ہیں مُخبتینْ وہ لوگ ہیں جو غرورِ کفر کو چھوڑ کر سرورِ ایمان پا لیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں تَذَبْذُبِ نفسی اور تَزَلْزُلِ وہمی کی بے اطمینانی کو چھوڑ کر تصمّم قلبی کا اطمینان اختیار کریں اس طرح کہ رب تعالیٰ کے ہر ظاہری باطنی، تقدیری، تدبیری۔ تشریعی، تکوینی فیصلے پر خوشی دلی سے راضی رہیں۔ کفار نے چھ کفر ایجاد کئے جس کی وجہ سے زمین پر فساد ہوا۔ اُن کے کفر کی غلاظت کو دھونے کے لیے اور کفریات کو توڑنے اور اصلاحِ زمین کے لیے ایمان والوں کو چھ عبادتیں دی گئیں۔ پہلی یہ کہ کفار نے بتوں کو سجدہ کیا مومنوں کو جامع عبادات نماز دیگئی ۲ کفار نے اللہ تعالیٰ کے رزق کو بتوں پر چڑھاوا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو صدقہ خیرات زکوٰۃ، ختمات سے غربا پروری کا حکم فرمایا، سوم کفار

نے بتوں کے لیے فاقے، امرن بھرت، اور ترکِ دنیا کا سنیاس لیا۔ اسلام نے مسلمانوں کو فرض نفلی روزوں اور اعتکاف کا انعام دیا۔ چہارم۔ کفار نے بتوں کی یاترا۔ گنگا کفر و شرک کے میلے لگائے اور سفر کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حج عمرہ حاضری کعبہ زیارتِ روضۂ اقدس کے سفر کرائے طواف وسعی کی رونقیں سجائیں ذکر اللہ کی محفلیں سجوائیں۔ پنجم۔ کفار نے بتوں کے نام پر جانور بھینٹ چڑھائے ایمان والوں کو صدقہ و قربانی پر ذکر اللہ کا حکم دیا گیا۔ ششم۔ کفار نے غیر اللہ کی تعظیم کی مسلمانوں کو شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا کفار کا ہر کام شرک باللہ مومن کا ہر کام عبادت للہ۔ مال کا خرچ کرنا پانچ قسم کا ہے جن میں صرف ایک طریقہ حق ہے چار طریقے باطل ہیں۔ پہلا طریقہ حق اِنفاق۔ یعنی حلال رزق ہو۔ حلال جگہ ہی خرچ کیا جائے اس کی آٹھ صورتیں ہیں ۱ اپنی ضروریات پر ۲ اپنی آل پر ۳ اپنی اولاد پر۔ ۴ قرابت داروں کی صلہ رحمی پر ۵ محتاجوں، پڑوسیوں پر ۶ مساجد و مدارس پر ۷ عبادات وضروریاتِ دین پر مثلاً حج، عمرہ زیاراتِ مزارات، قتال جہاد پر۔ دینی کتب کی خریداری پر ۸ صدقاتِ جاریہ پر مفادِ عامہ پر یہ سب انفاق فی سبیل اللہ ہے قرآن مجید میں تقریباً چالیس جگہ انفاق کا حکم اور اس کی تحسین و تعریف فرمائی گئی۔ خرچ کرنے کی دوسری قسم اسراف یعنی فضول خرچی ہے یعنی حلال رزق ناجائز جگہ فسق و فجور لغویات لہو بات لعبیات، کھیل کود عیاشی تماشوں میلوں میں برباد کرنا سورۃ آل عمران کی آیت ۱۴۷ میں اس خرچ سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا یہ خرچ بھی باطل ہے ۳ تبذیر۔ یہ ہے کہ حرام کمانا، حرام جگہ خرچ کرنا، سورۃ اسریٰ کی آیت ۲۶ اور ۲۷ میں اس کمانے خرچ کرنے کو شیطانی کام اور شیطانی خرچ فرمایا گیا۔ خرچ کی چوتھی قسم بخل یہ کہ نہ ضروریات پر پورا خرچ کرے نہ فی سبیل اللہ خرچ کرے نہ کرنے دے۔ اور اگر مجبوراً خرچ کرنا پڑ جائے تو رو، رو کر۔ جل بھن کر چھوڑ کر ہی مرجائے سورۃ نساء کی آیت ۳۷ میں اس کی سخت برائی فرمائی گئی۔ پانچویں قسم، اِشحاح یہ ہے کہ دولت کی لالچ، خرچ میں تنگ دلی، عیاشی میں فراخ دلی بہت سی آیت میں اس کی برائی فرمائی گئی۔ سورۃ نساء آیت ۱۲۸ سورۃ حشر آیت ۹ سورۃ تغابن آیت ۱۶ سورۃ احزاب آیت ۱۹ میں۔ اسی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا خلاصہ یہ کہ خرچ کی پانچ قسمیں ۱ اِنفاق ۲ اِسراف ۳ اِبذار ۴ اِبخال ۵ اِشحاح پہلا طریقہ مومن کا باقی طریقے کافرین و فاسقین کے۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

لِکُلِّ اُمَّۃٍ میں دو قول ۱ بعض نے فرمایا اس سے تمام سابقہ مومن اُمتیں مراد ہیں یہی قول درست ہے

(۲) بعض نے فرمایا کہ اس سے تمام مسلمان تا قیامت مراد ہیں یعنی ہر علاقے کے ہر گروہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے کہ اپنے اپنے شہر علاقے گھر میں قربانی کریں۔ اور اس طرح ان گمراہوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف حج میں واجب ہے مَنسَکًا کی قرأت میں تین قول (۱) یہ اسم ظرف زمانی ہے سین کے فتحہ سے مَنسَکًا بمعنیٰ قربانی کا وقت (۲) یہ اسم ظرف مکانی مَنسِکًا ہے بمعنیٰ قربانی کی جگہ (۳) مصدر میمی مَنسَکًا ہے بمعنیٰ قربانی کرنا۔ مَنسَکًا کے مقام میں دو قول (۱) بعض نے کہا اس سے مراد منیٰ کا مذبح ہے۔ مگر یہ قول روشِ کلام کے خلاف ہے اس لیے غلط ہے (۲) بعض نے کہا اس سے مراد دنیا بھر کا ہر اسلامی علاقہ ہے۔ جہاں مسلمان قربانی کریں یہی قول درست ہے۔ فَاِلٰهُكُمْ اور فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا کی فَ میں دو قول ہیں (۱) بعض نے کہا یہ فَ تعلیلیہ ہے اور اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ہونا علت ہے جَعَلْنَا مَنسَکًا کی اور آیت کا معنیٰ ہے کہ ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربان گاہ بنا دی اس لیے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے بس اسی کے نام پر قربانی کرو۔ (۲) بعض نے فرمایا کہ یہ فَ ترتیب کی ہے اور آیت کا معنیٰ اس طرح ہے کہ ہم نے ہر امت کے لیے ایک مَنسَکًا بنایا۔ پس اسی لیے سمجھ لو کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ ایک طرح کی سب کا قربانی کرنا دلیل ہے ایک معبود ہونے کی اَلْمُخْبِتِیْنَ کے معنیٰ میں چھ قول (۱) اس کا معنیٰ عاجزی والے (۲) اس کا معنیٰ یہ حقوق اللہ میں نرم دل، حقوق العباد میں رحم دل (۳) اس کا معنیٰ مطمئن دل والے (۴) اس کا معنیٰ بے ریا مخلصین (۵) اس کا معنیٰ ہے، کوشش ہمت محبت سے عبادت کرنے والے (۶) بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی ہر تقدیر تدبیر، تحکیم و تشریع پر خوش اور راضی رہنے والے، وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ میں چار قول (۱) بعض نے کہا یہ لفظ مُقِیْمِی الصَّلٰوةِ ہے۔ مُقِیْمِی اسم فاعل جمع مذکر مضاف ہے۔ الصَّلٰوةِ مفعول مضاف الیہ دراصل تھا مُقِیْمِیْنَ۔ نونِ جمع اضافت کی وجہ سے گر گئی یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے (۲) بعض نے کہا یہ مُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ ہے (۳) بعض نے کہا یہ وَالْمُقِیْمِ الصَّلٰوةِ ہے۔ اسم فاعل واحد مذکر (۴) بعض نے کہا یہ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةَ ہے صَلٰوةَ پر زبر ہے اور مفعول بہ ہے یُنْفِقُوْنَ میں تین قول (۱) بعض نے کہا کہ یُنْفِقُوْنَ کا معنیٰ ہے زکوٰۃ دیتے ہیں، کیونکہ نماز کے ساتھ ہمیشہ زکوٰۃ کا ہی ذکر ہوتا ہے۔ اور حکم بھی دونوں کا ایک ہے کہ دونوں فرض ہیں (۲) بعض نے کہا اس سے مراد یہ کہ ہر طرح خرچ و خیرات کرتے رہتے ہیں فرضی واجبی نفلی کیونکہ یُنْفِقُوْنَ مطلق ہے یہی قول زیادہ مناسب ہے (۳) بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے حج و عمرے میں خرچ کرتے ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیت میں حج و

وعمرے ہی کا ذکر ہے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ حج وعمرے کا ذکر آیت ۳۳ میں بَیْتُ الْعَتِیْقِ پر ختم ہو گیا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قربانی عبادت ہے جو اپنے طور طریقوں کے اعتبار سے تمام اُمتوں پر ایک جیسی فرض و لازم واجب رہی اور ہر مومن کو اپنے اپنے علاقوں میں قربانی کرنے کا حکم ملا۔ یعنی ہر مومن کا گھر قربان گاہ بنتا رہا۔ از آدم علیہ السلام تا اسلام ہر شریعت نے قربانی کا حکم دیا۔ ہاں البتہ ادائیگی میں دو فرق تھے ایک یہ کہ پہلی اُمتیں قربانی کو کھا نہیں سکتی تھیں۔ پس جانور پر چھری چلائی اور کسی اونچی پہاڑی پر جانور رکھوا دیا گیا مع کھال، ذبح مقبول کو آگ کھا جاتی اور نامقبول پڑی رہتی سڑتی گلتی رہتی جانور بھی نہ کھاتے۔ لیکن مسلمانوں کو گوشت کھانے کی اجازت ملی دوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی قربانیِ اسماعیل علیہ السلام کے واقعے کے بعد سے دسویں ذی الحج قربانی کا دن مقرر کیا گیا اور دو دن مزید سہولت کے لیے دئے گئے لیکن اس سے پہلے ہر شریعت کا دن صرف ایک تھا اور اپنا اپنا علیحدہ اس کے علاوہ جانور، اور اُن کی عمریں، اور سال بعد ہونا پہلے بھی ایسا ہی تھا جیسا اسلام میں ہے یہ فائدہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ مومن مسلمان کی ہر عبادت میں عقیدۂ توحید کا تصور اور اظہار لازم ہے۔ بدنی عبادت ہو یا مالی قلبی ہو یا عقلی ہو یا نفلی لسانی ہو یا اعضائی سفری ہو یا حضری۔ یہ فائدہ لِیَذْکُرُوا اسْمَ اللہِ کے لامِ تعلیلہ اور اَمرِ تاکیدیہ اور صیغہ جمع فرمانے سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ۔ جس طرح تمام فرضی، واجبی، نفلی عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا مقصد ذکرِ الٰہی، توحید کبریائی کا چرچہ کرنا ہے۔ اسی طرح قربانی کا مقصد بھی سارے جہان کے ہر علاقہ میں ذکرُ اللہ تکبیر و بسم اللہ کی دھومیں مچانی رونقیں بنانی ہیں۔ اسی لیے جس طرح تمام عبادتوں کا وقت اور طریقہ فرائض واجبات مستحبات سنن کے ساتھ مقرر ہے اسی طرح قربانی کے لیے بھی یہ تمام چیزیں شریعتِ مقدسہ نے مقرر فرمائیں۔ وقت و طریقہ بھی، فرائض و واجبات بھی لہٰذا جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ کسی علاقہ سے خاص نہیں بلکہ دنیا بھر میں نماز روزہ، زکوٰۃ اذان وکلمہ جاری و جائز اسی طرح قربانی بھی دنیا بھر میں ہر مسلمان کے گھر ہونا جاری و جائز ہے۔ یہ فائدہ جَعَلْنَا مَنْسَكًا میں اسم ظرفِ زمانی فرمانے سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن ان آیاتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ امام اعظم نے فرمایا کہ گھوڑا، گدھا، خچر کا گوشت مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ یہ مسئلہ یہاں بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ

را لخ) فرمانے سے اور مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۱ بحوالہ ابو داؤد و النسائی شریف پر ہے۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ۔ سے مستنبط ہوا۔ بھیمہ کی اضافت توصیفی سے انعام کی دو قسمیں ہو گئیں ایک ماکولی انعام ۲ رکوبی انعام۔ ماکولی چو پایہ حلال ہے رکوبی حرام سورۃ یٰس کی آیت ۷۲ نے بھی گھریلو چو پایہ کی یہی دو قسمیں فرمائیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھوڑے کا گوشت حلال مانتے ہیں مگر ان کا یہ مسلک آیت و حدیث کے استنباط کے خلاف ہے۔ دوسرا فائدہ جو مصیبتیں تکلیفیں اللہ کی طرف سے آئیں ان پر صبر کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے لیکن جو مصائب ظالم انسان یا موذی حیوان کی طرف سے آئیں ان میں صبر کرنا واجب نہیں بلکہ ہر طرح دفاع کرنا ضروری اور لازم ہے یہ مسئلہ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی ان مصائب پر صبر کرنا مخبتین کی نشانی ہے جو مَآ اَصَابَهُمْ۔ یعنی خود بخود قدرتی ناگہانی آجائیں جیسے وبائی بیماریاں طوفانی، تحلی مصائب وغیرہ تیسرا مسئلہ تمام عبادات خاص کر پنجوقتہ نماز پابندیٔ وقت اور طریقۂ شرعی کے مطابق نہایت سکون آرام اطمینان سے سفر و حضر میں فرائض، واجبات، نوافل و سنن کو شوق و محبت الفت و بہجت کے ساتھ ادا کرنا ہی نماز قائم کرنا ہے اور یہی مخبتین عاشقین کی ایک نشانی ہے یہ مسئلہ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ کی ترتیب بیانی سے مستنبط ہوا۔ بارگاہِ الٰہی میں مخبتین کا بہت درجہ و مرتبہ اور مقام ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ذوق و شوق مخبتین میں سے بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ لفظ اِلٰہ دوبار ارشاد ہوا۔ کیا ایک بار ہی، اس طرح کہنا کافی نہ تھا۔ فَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ۔ جواب: نہیں اس لیے کہ فَاِلٰهُكُمْ میں ذاتِ باری تعالیٰ مراد ہے اور دوبارہ اِلٰہٌ کہنے میں صفتِ الٰہیت و معبودیت مراد ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ پس تمہارا اللہ تعالیٰ ہی ایک معبود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی الٰہ نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ الٰہ کو واضح بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اِلٰهُكُمْ میں۔ کُمْ کی نسبت و اضافت یہ ہوا کہ اے مسلمانو جو تمہارا معبود ہے بس وہی پوری کائنات کا معبود ہے۔ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ میں صفتِ الوہیت ذکر ہوئی۔ اگر صرف اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ، فرما دیا جاتا تو صرف ذات کا بیان ہوتا، یعنی ذاتِ الٰہ ایک ہے لیکن صفتِ الوہیت کی وحدتِ لاشریک کا بیان نہ ہوتا، دوبارہ تاکیدًا بیان فرما کر

یہ بتایا گیا کہ تمہارا معبود صرف ذاتاً ہی ایک نہیں بلکہ صفتِ الوھیت اور حق معبودیت میں بھی یکتا ہے۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ ہے دوسرا اعتراض، یہاں فرمایا گیا۔ وَ الْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ یہ عبارت مقدسہ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے اَلْمُقِیْمِی اسم فاعل جمع مذکر مضاف ہے۔ اَلْمُقِیْمِیْنَ تھا اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی جمع آخر سے گر گیا اور اَلصَّلٰوةِ اس کا مفعول مضاف الیہ ہے یہاں سوال یہ ہے کہ قانون نحوی کے مطابق مضاف پر الف لام نہیں آسکتا تو پھر یہاں مضاف پر الف لام کیوں آگیا۔ وَمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ ہونا چاہیئے تھا بغیر الف لام کے غالباً اسی قانونِ نحوی کی وجہ سے بعض قُراء حضرات نے اس کو وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ پڑھا ہے بغیر اضافت کے مگر وہ مشہور و مکتوبی قرأت نہیں ہے جواب۔ نحو کا یہ قانون کلی اسم جامد مضاف کے لیے ہے۔ کیونکہ اسم جامد مضاف میں صرف اضافت ہوتی لہٰذا نسبت سے تخصیص پالی گئی معرفہ بنا کر تخصیص کرنے کی ضرورت نہیں مگر اسم مشتق کے لیے یہ قانون نہیں ہے اس لیے کہ اسم مشتق مضاف میں دو چیزیں ہیں ایک اضافت دوم عاملیت، اس کا مضاف الیہ اس کا معمول بھی ہے اس لیے یہاں دو طرح تخصیص بھی ہو سکتی ہے معتر نہیں ایک تخصیص اضافت سے دوسری الف لام سے نیز اہلِ عرب کے نزدیک مشتق مضاف پر الف لام کا آنا جائز و جاری و مشہور ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی نے اسی جگہ ایک شعر لکھا ہے۔

اَلْحَافِظُوْ عَوْرَةَ الْعَشِیْرَةِ ÷ تَاتِیْهِمْ مِنْ وَّرَائِهِمْ نُطَفُ

دیکھو اَلْحَافِظُوْ اسم مشتق مضاف ہے اور اس پر الف لام آگیا دراصل یہ اَلْحَافِظُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر ہے نون اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گیا، اس کا مفعول مضاف الیہ عَوْرَةَ الْعَشِیْرَةِ ہے ثابت ہوا عرب شعراء کے نزدیک مشتق مضاف پر الف لام آسکتا ہے تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اُن مخبتین لوگوں کے دل ڈر کے تھرتھرانے کانپنے لگتے ہیں لیکن سورۂ رعد کی آیت ۲۸ میں ارشاد ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ خبردار۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو چین سکون اطمینان ملتا ہے دل پُرسکون و مطمئن ہو جاتے ہیں۔ وَجِلَتْ میں کپکپاہٹ خوف و ڈر ہوتا ہے، اطمینان میں بے خوفی اور سکون ہوتا ہے یہ دونوں آپس میں متضاد نقیض ہیں، تو ذکرُ اللہ سے یہ تضاد کیوں۔ جواب۔ اس دنیا میں دو قسم کے بندے ہیں برا اچھے بُرے اور ان کی دو قسم کی ہی زندگی ہے ا دینی زندگی ۲ دنیوی زندگی، اطمینان بھی دو قسم کا اور وَجِلَتْ

بھی دو قسم کا ایک دینی اطمینان ایک دنیوی اطمینان اور ایک دینی وَجلَۃ اور ایک دنیوی وَجل، دونوں آیتوں میں فرمایا جا رہا ہے، دنیوی اِطمینان تو کسی کو بھی میسّر نہیں نہ اچھوں کو نہ بروں کو بلکہ جتنا جتنا دنیا میں زیادہ پھنسے جائیں اتنی ہی پریشانی بے اطمینانی بڑھتی ہی جاتی ہے اور اہل دنیا روز وشب دروزقرق و در یک ییک اندر جس نے دنیوی زندگی میں سکون اطمینان لینا ہے تو یاد رکھو کہ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ بے چین اور پریشان دلوں کو چین و سکون صرف ذکرُ اللہ میں ہی ملے گا، اُس آیت میں دینی دنیوی اطمینان کا ثبوت اور دنیوی وَجلَۃ کی نفی فرمائی جا رہی ہے یہاں اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کی خشیّت رُعبِ جلال اور ہیبتِ قرب کی وَجلت کا ثبوت ہے نہ کہ دنیوی خوف کا یعنی مقرّبین و مُخبتین بندے جب ذکرِ الٰہی کو سنتے ہیں یا کرتے ہیں تو خشیّتِ کبریائی سے دل لرزتے ہیں آنسو بہتے ہیں، غرضکہ وہاں اور نوعیت کا بیان ہے یہاں دوسری نوعیت کا بیان۔

تفسیر صوفیانہ وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَکًا لِّیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَہُمۡ مِّنۡۢ بَہِیۡمَۃِ الۡاَنۡعَامِ فَاِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗۤ اَسۡلِمُوۡا وَ بَشِّرِ الۡمُخۡبِتِیۡنَ۔ بدنِ انسانی کی ہر قوت ایک علیحدہ اُمّت ہے اور ہم نے ہر اُمّتِ قویۃ کے لیے اُس کی قربان گاہِ عبادت کا ایک مَنسک عمل بنا دیا تاکہ جسمِ انسانی کی ہر قوتِ ذکر و فکر اپنے اپنے مَنسک و مسلک کے مطابق عبادتِ ذکرِ یۃ فکرِ سرّیہ، نسبتِ مخفیہ میں مشغولِ اعمال ہو جائے اور مظاہرہ توجید کی توجہِ کمال سے رزقِ حلال پر ذکر اِسمُ اللہ کی چھُری چلا دے یہ نفسِ امّارہ ہی بدنِ انسانی میں حیوانِ بھیمہ ہے۔ اے نفوسِ مطمئنۃ والوسن لو کہ تم سب کا معبود و مسجود ایک ہی اِلٰہ واحد ہے پس عقل، شعور، ضمیر تمیز، قلب و فواد کی سادی قوتوں کو اُسی خالق تعالیٰ کی بارگاہِ بے نیاز میں جھکا دو۔ اے مرشدِ لاہوتی محبوبِ جبروتی، تمام اعضاءِ جسمانیہ نواعِ بدنیہ کی قوۃ مسکینۂ عجزِ نیاز کو فیضِ الٰہی عطاءِ رحمانی برکتِ ایمانی رحمتِ عرفانی کے قابل ہونے کی خوشخبری سنا دے (ابن عربی) سالکینِ معرفت کی چار اُمّتیں، صدیقی، فاروقی، عثمانی، حیدری ہر قوت کے چار منسک، قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، ہر منسک کے چار ہی مسلک، حنفی، مالکی، شافعی حنبلی، بنا دیئے گئے یہ سب معرفتِ الٰہی کی منزلیں ہیں اِن طبقاتِ مختلفہ کے راستوں پر ہر ایک ہی طلبِ مولیٰ کے لیے قربانیِ فکریات و نظریات و عقلیات پیش کرتا ہے مگر سب کا طریقہ اور راستہ جداگانہ ہے صالحین طریقِ معاملات میں طلبِ مولیٰ کر رہے ہیں عابدین طریقِ مجاہدات

میں مگن ہیں، مخلصین طریقِ مشاہدات میں مسرور ہیں، اور عاجزین مکاشفۂ انوار میں محو تجلی ہر ایک کو حکم ربانی ہے کہ بھیمۂ نفسانی پر قہرِ ذکر کی چھری چلا دو کیونکہ وہ ہی بغاوتِ الٰہیہ کا وحشی ہوتا ہے۔ حالانکہ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اسی کی جستجو میں مقاماتِ صبر و شکر کو عبور کر کے حصولِ کمالات کرو کہ یہی فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا کا حکم ربانی ہے۔ اسلام بمعنیٰ اِخلاص ہے اور اخلاص کا پہلا قدم آفتوں سے اَعمال کو پاک وصاف کرنا ہے، دوسرا قدم کدورتوں سے اَخلاق کو پاکیزہ رکھنا، تیسرا قدم اِلتفاتِ غیر سے اَحوال بچانا چوتھا قدم انفاس کو اَشرار سے دور کر لینا۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ اور بشارت ہو طالبین، مخلصین صادقین عاملین کاملین کو سعادت لقاءِ اَنوار کی (روح البیان) اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یہی ہیں اہلِ قدم کہ جب ذکرِ حاضریٔ للہ کیا جائے تو قربِ فیض سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور قبولِ فیض میں سرشار و نثار ہو جاتے ہیں، اور مخالفات و مجاہدات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ نمازِ مشاہدات کو قائم رکھنے والے ہیں، اور یہی وہ خوش کردار بندے ہیں جن کو ہم نے کمال وفضائل کا رزق عطا فرمایا وہ اسی رزق کو راہ فنا کی قربانیوں اور مقامِ بقا کی منزلِ عرفاتِ حج میں خرچ کرتے ہیں اور طالبینِ سعادت کو عطیے دیتے ہیں (ابن عربی) سالکینِ طلب وہ عاشق ہیں جو خود چاہتے ہیں کہ مصائبِ محبوب میں گھر جائیں تاکہ قربِ مطلوب نصیب رہے تکالیفِ تقدیری سے نکلنے کی کبھی تمنا نہیں کرتے وہ اُن تکالیف ومصائب در دو آہ کو وسیلۂ یاد سمجھتے ہیں۔ اس لیے آرام اور کشودگی وفراخی کی کبھی چاہت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی خوشی سے اپنے آپ کو سپردِ بلا کر دیتے ہیں، مثلِ پروانہ اور بلبلِ ویرانہ، اور یہی کہتے ہیں کہ ؎

میرے مولیٰ تیرے پتھر بھی اچھے ٭ غبارِ راہ اور کانٹے بھی اچھے

تمنائے قرب میں عرض کرتے رہتے ہیں۔ اے آقا اگر لطف سے بُلالے تو مزید مہربانی اور جو تو قہر سے ہٹا دے تو قضاءِ آسمانی۔ آقا کے منہ پھیر لے سے آزردہ ومایوس نہیں ہوتے۔ بے توجہی کے باوجود درِ آستانہ سے چمٹے رہتے ہیں اور اپنے اَحوال کی پرواہ کئے بغیر اَسرارِ محبت کی نماز میں مشغولیت وحفاظت کرنے والے ہیں۔ یہی وہ عاشقین ہیں جو نمازِ دائمی کی مناجاتِ ربانی میں مقیم ہیں نہ راحت کی تمنا نہ روح کی فکر۔ بس آرزو یہی ہے کہ طالب بنا رہے مطلوب بنتا رہے۔ یہی مخلصین ہیں جو صیامِ دہر وقیامِ لیل کی وجہ سے جنت میں نہ جائیں گے بلکہ صلاحِ صدر، زکاءِ قلب سخاءِ نفس سلامتی عقل ملنصائح خلق کی وجہ سے رضاءِ خالق کی جنتِ قرب میں

داخل کئے جائیں گے، کیونکہ یہ لوگ مال وجود سے خدمتِ مولیٰ کرنے والے ہیں، یہی عادت دنیا کی عبادت اور عقبیٰ کی سعادت ہے، مخبتین وہ ہیں کہ جب رب تعالیٰ نے عالمِ ازل حادث میں، بندوں پر حکومت کی قوت اور سخریت کی نعمت تقسیم فرمائی تو کچھ بندوں نے عرض کیا یا مولیٰ ہمیں سخریت کی نعمت نہیں خدمت کی سعادت عطا فرما۔ عاملین چاہتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ سَخِّرْ لَنَا الْاَشْیَاءَ اے اللہ ہمارے لیے چیزوں مسخر اور نرم فرما دے مگر عارفین چاہتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ کُنْ لَنَا۔ اے مولیٰ تو خود ہمارا ہو جا، کیونکہ وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ رب راضی تو سب راضی ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ (سعدیؒ)

اے بندے تو رب تعالیٰ کے حکم سے گردن مت پھیر، تو کوئی چیز تیرے حکم سے گردن نہیں پھیرے گی۔ تو اَللّٰھُمَّ سَخِّرْ لِی اَشْیَاءَ کی دعا نہ کر، بلکہ خود اس کے آستانے پر مسخر ہو جا۔ اس عالمِ ناسوت میں تین قسم کی چیزیں۔ تین قسم کے بندوں کو ملتی ہیں پہلی چیز عزت یہ بندۂ رحمٰن کو دی گئی، دوسری چیز تکبر یہ بندۂ شیطان کو ملی۔ تیسری چیز غرور یہ بندۂ نفسانی کو ملی، عزت والے مخبتین ہیں۔ تکبر والے مفسدین ہیں اور غرور والے سفہین یعنی بے وقوف ہیں، کوئی مومن خود کو ذلیل نہ سمجھے، عزتِ دائمی یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو پہچانے، احترامِ آدمیت یہ ہے کہ اسے دنیا کے عارضی مفاد کے لیے استعمال نہ کرے، تکبر یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ سے ناواقف رہے، غرور یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اپنے مقامِ اصلیہ حقیقیہ سے بالا تصور کرے، اچھے بندے کی نشانی یہ ہے کہ ہر عمر میں جہاں بھی جس حال میں بھی ہو خلوت جلوت میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا رہے، برے بندے کی نشانی یہ ہے کہ اس کی بدکلامی بدلگامی کے ڈر سے لوگ دور ہو جائیں اچھا وہ ہے جو باوجود قوتِ انتقام کے برائی کا بدلہ نیکی اور حسنِ سلوک سے دے، خوشِ اخلاقی مومن کا زیور ہے مگر موذی کو معاف کرنا مخلوقِ الٰہی پر ظلم کرنا ہے، ہر نیکی دنیا میں ایک برائی کو مٹاتی ہے جس طرح ایک روشنی ایک اندھیرے کو مٹاتی ہے، جس بندے کو نرم دلی کی نعمت ملی اس کو بھلائی ملی جسے نرم دلی یعنی رقتِ قلبی نہ ملی وہ دنیوی اُخروی بھلائی سے محروم رہا۔ اگر بندے کو رب تعالیٰ کی نعمتیں ملیں تو ایثار کرے اور اگر نہ ملے تو نہ شکوہ کرے نہ حسد نہ رشک۔ بلکہ محروم پر صبر اور موجود پر شکر کرے کسی چیز کو اپنی ملکیت نہ سمجھو کیونکہ اس سے حقداری کا غرور پیدا ہوتا ہے (از صدیقِ اکبر)

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

اور موٹے تازے اونٹ ہی ہیں کہ بنایا ہم نے جن کو تمہارے لیے اللہ کے نشانات کا

اور قربانی کے ڈیلدار جانور (اونٹ اور گائے) ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

تمہارے لیے ان میں خیر ہی خیر ہے تو پڑھو تم اللہ کا نام اس پر

سے کئے تمہارے لیے اُن میں بھلائی ہے تو اُن پر اللہ کا نام لو

صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا

پاؤں بندھے حالت میں پھر جب بے جان ہو کر گر جائیں اُن کی کروٹیں تو خود بھی کھاؤ

ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے پھر جب اُن کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ

مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ

اُس سے اور کھانا دو مانگنے والوں محتاجوں کو اور گداگروں کو ۔ اور

اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ ہم نے یونہی ان کو تمہارے

سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

قابو میں دیدیا ہے ہم نے اِن کو تمہارے تاکہ تم شکر کرو ۔

بس میں دیدیا کہ تم احسان مانو ۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

نہیں پہنچیں گے اللہ کو ان کے گوشت نہ ان کے خون،

[illegible] نہ اُن کے خون

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ

اور لیکن پہنچتی ہے اس کی بارگاہ میں نیک نیتی تمہاری طرف سے ۔ اسی طرح

ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے ۔ یونہی ان کو تمہارے

سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ

قابو میں کر دیا ان کو تمہارے تاکہ تکبیر پڑھو تم اللہ کی اس طریقے پر جو ہدایت دی اس نے تم کو

بس میں کر دیا کہ تم اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ تم کو ہدایت فرمائی

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ

اور بشارت دیجئے نیکوں کو کہ بے شک اللہ دفاع فرماتا ہے

اور اے محبوب خوشخبری سناؤ نیکی والوں کو ۔ بے شک اللہ بلائیں ٹالتا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

ان لوگوں کا جو مومن بن گئے بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا ہر قسم کے

مسلمانوں کی ۔ بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا ہر بڑے

خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

خائن اور ناشکرے کو

دغا باز ناشکرے کو

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں قربانی کے چھوٹے جانوروں کا ذکر ہوا جو دنیا کے ہر خطے علاقے میں پائے جاتے ہیں ۔ اب اِن آیت میں قربانی کے اُس بڑے چوپائے کا ذکر فرمایا گیا جو زیادہ تر عرب میں

پایا جاتا ہے دوسرا تعلق، گذشتہ آیت میں شعائر اللہ اور ان کی تعظیم کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیت میں اونٹ کے شعائر اللہ میں سے ہونے کا ذکر ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اس میں بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں چھوٹے چوپایوں کو قربانی میں ذبح کرنے کا ذکر اور اشارہ طریقہ بیان فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں اونٹ کو ذبح کرنے کا طریقہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی قربانیوں کے خون کعبہ معظمہ کی دیواروں سے ملتے تھے اور یہ عقیدہ بناتے تھے کہ اس طرح کرنے سے اللہ کی بارگاہ میں ہماری یہ قربانی پہنچ جائیگی۔ فتح مکہ کے بعد بعض ناسمجھ مسلمانوں نے بھی اس کی اجازت مانگی تب یہ آیت نازل ہوئیں ۳۶ تا ۳۸ اور اس طرح گندگی پھیلانے سے منع فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ واؤ سر جملہ اَلْبُدْنَ اسم معرف باللام الف لام حرفی عہد خارجی بُدْنَ جمع مکسر ہے بَدَنَۃٌ کی موٹے جسم والے اونٹ کو کہا جاتا ہے مذکر مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے یہ سفر کے لیے زیادہ استعمال نہیں کئے جاتے زیادہ تر گوشت اور دودھ کے لیے ہوتے ہیں، ایک قول میں اس میں موٹی گائے بھینس بھی شامل مگر بعض نے کہا یہ درست نہیں اسی آیت میں لفظِ صَوَآفَّ سے اس قول کی تردید ہو رہی ہے یہ مفسر ہے تاکید کے لیے ایک قول میں یہ مفعولِ مقدم ہو کر مفسر ہے اور تقدم سے تاکید و اہمیت مقصود ہے ایک قول میں یہ پوشیدہ فعل جَعَلْنَا کا مفعول بہٖ ہے دراصل تھا وَجَعَلْنَا الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا مگر پہلا قول زیادہ واضح و آسان ہے جَعَلْنَا فعل با فاعل ھَا ضمیر مفسر ہے اَلْبُدْنَ کا دونوں مل کر مفعول بہٖ ہے لَکُمْ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ تبعیضیہ کا شعائر اللہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلقِ دوم ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَکُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا فِیْھَا۔ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے ھَا ضمیر کا مرجع شعائر ہے خَیْرٌ اسم مصدر جامد (حاصل مصدر) بروزنِ بَیْعٌ یہ نائب فاعِل ہے مَوْجُوْدٌ کا سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا فَ زائدہ بیانیہ اُذْکُرُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِذْکَارٌ ذِکْرٌ سے بنا ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مرجع وہی فی النّاس اسم اللہِ مرکب اضافی اس کا مفعول بہٖ عَلَیْھَا یہ مجرور جار متعلق ہے ھَا ضمیر واحد مونث برائے جمع مونث غیر عقل والی جمع چیزوں کے

لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر ہی آتی ہے ذوالحال ہے صَوَآفَّ اسم جمع منتہی الجموع بروزنِ دَوَابّ صَافَّۃٌ کی باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مؤنث، دراصل صَافِفَۃٌ تھا فَ کا فَ میں اِدغام کر دیا۔ اس کی اشتقاق اور صیغے کی جمع صَافَّاتٌ ہے۔ یہ صَوَآفُّ جمع منتہی ہے صَفٌّ سے مشتق ہے بمعنٰی صف بنا کر کھڑی ہونے والیاں یہاں تشبیہ کے لیے ہے حقیقتًا معنٰی مراد نہیں مراد ہیں وہ قربانیاں یعنی قربانی کے اونٹ جس کے ایک ایک پیر باندھ کر نَحر (ذبح) کرنے کے لیے تیار کھڑا کیا جاتا ہے حقیقی صف بندی مراد نہیں مجازًا کہا گیا کہ جس طرح صف باندھنے والے لوگ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے بوجہ عبادت یہ جانور بھی ہل نہیں سکتے بوجہ بندھنے کے اگرچہ دُور دُور آگے پیچھے بندھے ہوں یہ حال ہے، اس کی قرأت میں مزید دو قول ہیں ۱۔ یہ صَوَافِنَ ہے جمع صَافِنَۃٌ کی ۲۔ صَوَافِیُ ہے جمع منتہی الجموع صَافِیَۃٌ کی یہ ذوالحال مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے فَاذْکُرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ فَ زائدہ ترتیبیہ اِذَا اسم ظرفِ زمانی کے لیے یہ بتا جملہ ہے علیحدہ یہاں شرط کے لیے ہے بعض نے اس کو ماقبل کا ظرف بنایا ہے۔ وَجَبَتْ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب وَجْبٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے واجب ہونا ضروری ہوتا یہاں ارشاد ہوا عربی میں گرنے کے لیے چار مصدر اس کے علاوہ ہیں اور ہر ایک میں نوعی فرق ہے ۱۔ طَرْحٌ ۲۔ سَقُوْطٌ ۳۔ هَوِیٌّ ۴۔ حَطَطٌ، جُنُوْبٌ اسم جمع مکسر ہے جَنْبٌ کی بمعنٰی کروٹیں مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ مرجع وہی ہے شعائر جانور قربانی کے یہ مرکب اضافی فاعل ہے وَجَبَتْ کا یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے انسان کے علاوہ ہر جانور بے جان ہو کر کروٹ کے بل ہی گرتا ہے اس لیے جنوب کو فاعل بنایا گیا۔ اور گرنے کو بے جان ہونے سے تعبیر کیا گیا یہ انتہائی فصاحتِ ادب ہے فَ جزائیہ کُلُوْا فعل امر با فاعل جمع مذکر حاضر مِنْهَا جار مجرور متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اور اَطْعِمُوْا فعل امر با فاعل پوشیدہ جمع مذکر حاضر اَلْقَانِعَ باب فَتَحَ کا اسم فاعل واحد مذکر حاضر قَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنٰی صابر وشاکر نہ مانگنے والا راضی بر رضا غریب محتاج یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمُعْتَرَّ باب افتعال اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِعْتِرَارٌ، عَرٌّ سے بنا ہے بمعنٰی جھگڑا کر کے گداگری کرنا۔ یعنی جھگڑالو گداگر۔ لغوی ترجمہ کھجلی خارش کرنا چونکہ معترض بھی کسی عطا سے خوش نہیں ہوتا اگر بول نہ سکے تو کم از کم کسمسانا ضرور ہے اس معنٰی میں جھگڑالو کو مُعْتَرّ کہا گیا۔ دراصل مُعْتَرِرٌ تھا دونوں رکو ہم جنسی کی وجہ سے اِدغام کیا گیا یہ معطوف ہے دونوں عطوف مل کر مفعول ہے اَطْعِمُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کُلُوْا کے

جملے پر وہ دونوں مل کر جزا ہے وَجَبَتْ کے جملے کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ کَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ واؤ سر جملہ کَذٰلِكَ یہ حرف تشبیہ جار مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے سَخَّرْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم ہے اس کا مصدر ہے تَسْخِيْرٌ یہ فعل با فاعل اس کا مفعول بہ ھَا ضمیر ہے لَكُمْ جار مجرور اس کا متعلق ہے لَعَلَّ حرف مشبہ کُمْ ضمیر اس کا اسم تَشْكُرُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر لَعَلَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے سَخَّرْنَا کی، سَخَّرْنَا فعل با فاعل اپنے مفعول بہ متعلق مقدم اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَنْ يَّنَالَ باب سَمِعَ کا مضارع منفی تاکید بلن واحد مذکر غائب نَيْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پہنچنا، پانا، زمانہ مستقبل کی تاکید کے لیے ہوتا ہے لُحُوْمٌ جمع مکسر ہے لَحْمٌ کی لغوی ترجمہ ہے مکمل چیز اصطلاح میں گوشت کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں غذائیت مکمل ہوتی ہے مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا حرف عطف تاکید کے لیے اس سے لَنْ يَّنَالَ کی نفی کی تاکید تکراری ہوئی دِمَآءٌ اسم جمع مکسر ہے دَمٌ کی بمعنیٰ خون مراد ہیں قربانی کے خون یہ مرکب اضافی معطوف ہے لُحُوْمُهَا پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے لَنْ يَّنَالَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ لٰكِنْ حرف عطف يَنَالُ فعل مضارع واحد مذکر غائب ہٗ ضمیر واحد مذکر مرجع اللہ تعالیٰ ہے مفعول بہ ہے اَلتَّقْوٰى اسم مصدر عامل مِنْكُمْ جار مجرور اسی مصدر کے متعلق ہے، یہ متعلق ہے يَنَالُ کا دونوں ترکیبیں درست ہیں اَلتَّقْوٰى شبہ جملہ ہو کر فاعل ہے يَنَالُ کا اس لیے مرفوع ہے مگر اعراب تقدیری (پوشیدہ) ہے کیونکہ اسم مقصور ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَنْ يَّنَالَ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ کَذٰلِكَ اسم اشارہ مجرور متعلق مقدم ہے سَخَّرَ کا اس کا مشار الیہ جَعَلْنٰهَا کا جملہ ہے سَخَّرَ فعل ماضی ھَا ضمیر مفعول بہ ہے سَخَّرَ کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے لام حرف تاکید (لامِ کَے) بمعنیٰ تاکہ یہ مضارع کو اَنْ ناصبہ کی طرح نصب دیتا ہے تُكَبِّرُوا باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف انشائی، کیونکہ ترجی ہے واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مفعول بہ کُمْ ضمیر ظاہر ہے هَدٰى فعل فاعل اپنے باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب هُدًى سے مشتق ہے بمعنیٰ راستہ بتانا طریقہ سکھانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مفعول بہ کُمْ ضمیر ظاہر ہے هَدٰى فعل فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں

مل کر مجرور متعلق ہے لِتُكَبِّرُوا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہے سَخَّرَ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال ہے کہ جملہ انشائیہ صرف دس قسم کے ہیں امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، عقود، ندا، عرض، قسم، تعجب واؤ سیر جملہ بَشِّرْ فعل امر حاضر معروف با فاعل واحد مذکر اَنْتَ ضمیر مرجع آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَلْمُحْسِنِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت فتحہ مفعول بہ ہے بَشِّرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ اِنَّ حرف مشبہ اللہ اس کا اسم يُدَافِعُ باب مُفَاعَلَةٌ کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب یہاں باب مُفَاعَلَةٌ مبالغے کے لیے ہے بمعنی بہت زیادہ دفاع اور حفاظت فرمانے والا اس کا مصدر ہے مُدَافَعَةٌ دَفْعٌ سے بنا ہے بمعنی مصیبت اور دشمن کو دور کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ عَنْ حرف جر زوالیہ یعنی مابعد سے ماقبل کو ہٹانا بچانا دور کرنا۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے موصول صلہ مجرور متعلق ہے يُدَافِعُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اِنَّ حرف مشبہ اللہ اس کا اسم لَا يُحِبُّ باب اِفعال کا مضارع منفی بلا بمعنی حال مصدر ہے اِحْبَابٌ حُبٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے ترجمہ ہے پسند کرنا، اچھا سمجھنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اللہ کی كُلُّ اسم تاکید ہے بمعنی تمام مضاف ہے ہر قسم کے خَوَّانٍ اسم مفرد مبالغہ بروزن جَبَّارٍ، جَوَّادٍ خَيْنٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے دوست بن کر دشمنی کرنے والا۔ اصطلاح میں ہر قسم کی خیانت کرنے والے دغا باز فریبی کو خائن کہا جاتا ہے خائن اسم فاعل کا مبالغہ بنایا گیا تو ہوا خوان موصوف ہے كَفُوْرٍ اسم مفرد مبالغہ بروزن فَعُوْلٍ کا فر سے مبالغہ بنایا گیا۔ كُفْرٌ اور كُفْرَانٌ سے مشتق ہے بمعنی ناشکرا سخت مطلب پرست یہ صفت ہے موصوف صفت مل کر مضاف الیہ كُلَّ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَا يُحِبُّ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اور اے مسلمانوں ہم نے تمہاری قربانی کے لیے لحیم، شحیم، عظیم، جسیم، سمین حلال طیب، بُدنہ جانوروں کو یعنی پختہ عمر والے اونٹ اور گائے کو شعائر اللہ بنا دیا کہ ان کو اللہ کی چیز سمجھ کر نیت خالص تقوے قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر ڈالو۔ بُدنہ کا لغوی معنی ہے بڑے بدن والا شرعی معنی ہے سات حصوں والا قربانی کا بھیمہ جانور چوپایہ اور اصطلاحی معنی ہے زیادہ اونٹ

بُدْنٌ سے ماخوذ ہے بمعنی عظیم اور بڑا بدن، بُدْنَۃٌ جمع ہے بَدَانَۃٌ واحد ہے عمر کی پختگی یہ ہے کہ اس کے نطفے سے حمل ٹھہرے اونٹ نر مادہ میں پانچ سال، گائے بھینس میں دو سال اور بکری دُنبے میں ایک سال ہی، قربانی ھَدِی عقیقے کے لیے صحیح عمریں لازم و معتبر ہیں ایک دن کم نہ ہونا چاہئے ان سے زیادہ ہو تو جائز ہے۔ ذبیحہ جانوروں کی سات قسمیں ہیں ۱۔ بُدْنَہ۔ یعنی اونٹ گائے بھینس نر و مادہ ۲۔ ھَدِی، حج کے تمام ذبیحے چھوٹے بڑے اور نر و مادہ ۳۔ دمِ کَفّارہ، واجباتِ حج کے ترک پر جرمانے کا ذبیحہ ۴۔ اُضحیہ۔ یعنی قربانی کے لیے ہر چھوٹا بڑا نر و مادہ بھیمہ چوپایہ اُون یا بال والا جانور، اُون والا جانور بھی ایک سال کا لازم ہے لیکن بامِ مجبوری کہ اگر ایک سالہ موجود نہ ہو تو چھ ماہ کا ایسا موٹا تازہ قد آور جو دیکھنے میں سال برابر لگے جائز ہے لیکن اگر سال بھر کے موجود ہوں تو ترجیح سال والے کو ہے۔ صرف نرم گوشت کی نیت سے چھ ماہا خریدنا قربانی کو مکروہ کر دے گا اس لیے کہ للّٰہیت کا خلوص نہ رہا گوشت کی نیت رہ گئی۔ اے ایمان والوں جانوروں کو صرف تمہارے لیے شعائر اللہ بنایا جا رہا ہے۔ لہٰذا ان کے ذریعے دنیوی عبادت اور اُخروی ثواب حاصل کرو اور اس کی دیکھ بھال حفاظت اس سے پیار محبت اللہ تعالیٰ کی عبادت سمجھ کر کرو۔ کیونکہ اس کے ہر کام پر تم کو ثواب ہے یہاں تک کہ اس کے ذبح پر ثواب گوشت بنانے تولنے تین حصے کرنے کھانے کھلانے بانٹنے پر بھی ثواب جانور کی صحت صحت مندی، اعضا کی سلامتی، جسم کی تازگی خوب صورتی قیمتی ہونے پر بھی تم کو ثواب ہے۔ بیمار دبلا، کٹے اعضا والا جانور جائز نہیں۔ پانچویں قسم منت کا ذبیحہ ۶۔ عام روزمرہ کا ذبیحہ یہ چھ اقسام ان کو ہی بھیمۃ الانعام کہا جاتا ہے۔ اردو میں گھریلو حلال چوپایہ، ہفتم، شکاریات کا ذبیحہ، ان کو صیدُ الانعام کہا جاتا ہے۔ اردو میں حلال شکار۔ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ۔ اے مسلمانو تمہارے لیے ان قربانیوں میں دینی، دنیوی بہت بھلائیاں ہیں۔ خیر کی چار نوعیتیں ۱۔ اعلائی ۲۔ منافع ۳۔ نیکی ۴۔ رزق۔ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا۔ پس اے بندو تم ان قربانی کے جانوروں پر شریعت کے مقرر کردہ دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام پڑھ کر ان کو ذبح کرو، قربانی کرتے وقت تین بار ذکر پڑھنا ضروری ہے۔ اَوّلاً جب جانور کو ذبح کے لیے قابو کر چکو اس وقت صاحبِ قربانی خود یہ پڑھے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ پھر اس کے بعد خود صاحب قربانی پڑھے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَاِلَیْکَ،

ترجمہ: اے ہمارے کریم رحیم رب تو نے ہی یہ جانور ہمارے قابو میں کر کے ہمیں عطا فرمایا اور اب ہم اس کو تیرے ہی نام پر قربان کر رہے ہیں ۳ پھر ذبح کی چھری چلانے والے بلند آواز سے پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اور فوراً تیز چھری سے ذبح کر دے۔ اُس وقت کوئی دنیوی بات نہ کرے تاکہ نہ توجہ بٹے نہ ذکر اللہ سے غفلت یا بھول چوک ہو صَوَافَّ کا معنیٰ ہے جانور کو اچھی طرح قابو کرنا، اونٹ کا صَوَافّ یہ ہے کہ کھڑے اونٹ کا اگلا دایاں یا بایاں پاؤں اٹھا کر گھٹنا موڑ کر ران سے اچھی طرح باندھ دینا، گائے کا صَوَافّ یہ ہے کہ اُس کو لٹا کر چاروں پاؤں اچھی طرح باندھنا۔ بکری بھیڑ کا صَوَافّ ہمت سے قابو رکھنا ہے۔ مستحب ہے کہ ہر جانور کا منہ ذبح کے وقت قبلہ رُخ ہو۔ صَوَافَّ کا لغوی معنیٰ ہے قابو کرنا، اونٹ کے ذبح میں نحر کرنا سنت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑا کر کے تین چھری والا نیزہ اوپر گلے میں مارے پھر نیزہ نیچے کو کھینچ لے اور گردن کو لمبائی میں ذبح کرے۔ عقر بھی جائز ہے۔ باقی جانوروں میں صرف عقر جائز ان میں نحر ہو سکتا ہی نہیں۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا۔ پھر ذبح کے بعد جان نکل جانے سے جانور جب خود ڈھیلا پڑ کر ڈھیر ہو جائے۔ اس طرح کہ اونٹ کسی کروٹ پر گر جائے اور گائے بھینس بکری اسی کروٹ پر ٹھنڈی ہو جائے تڑپنا ختم ہو جائے۔ وَجَبَتْ کا لغوی معنیٰ ہے زمین پر ڈھیر ہو جانا نیچے گر کر یا پھڑکنا بند ہو کر۔ اصطلاحی معنیٰ ہے جان نکل جانا زمین سے چمٹ جانا، جانور کا وَجَبَتْ زمین سے لگنا اور حکم کا وَجَبَتْ بندے سے چمٹنا لگنا، جانور کی جان نکل جائے بندے کا اختیار نکل جائے۔ یعنی جب جانور زمین پر ٹھنڈا ہو جائے تب اُس کی کھال اُتارو، گوشت کاٹو۔ کچھ کھاؤ کچھ کھلاؤ کچھ خیرات کرو۔ قانع وہ محتاج جو مانگتا نہ ہو مُعْتَرّ وہ محتاج جو گداگر ہو، قربانی کا گوشت سب کو کھلاؤ، مِنْهَا کی مِنْ تبعیضیہ سے تقسیم گوشت کا ثبوت ملا۔ كُلُوْا کا امر مستحب ہے اور اَطْعِمُوْا کے امر میں دو قول اکثریت نے فرمایا یہ بھی مستحب ہے لہٰذا سب گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اور بانٹ بھی اور سب خیرات بھی کر سکتے ہیں سنت یہ ہے کہ تین حصے کئے جائیں ایک خود ایک احباب کو اور ایک قانع و مُعْتَرّ فقرا کو بعض فقہائے نے فرمایا اَطْعِمُوْا کا امر وجوب کے لیے ہے یعنی فقرا کو دینا واجب ہے۔ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ۔ اے لوگو اس میں غور کرو کہ اتنے اتنے بڑے جانور قوت و طاقت والے جو ظاہر و باطن میں ہمت و قوت میں تمہارے سامنے بڑھ نہ ہیں مگر تمہاری خدمت و صیبت میں صَوَافّ کیوں بنے پھرتے ہیں تو یاد رکھو کہ اسی طرح ہم

نے اُن کو تمہارے لیے عاجز و مسخر کیا ہے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ تاکہ تم اس عزت افزائی پر ہر دم
اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ قربانی کی نعمت اور شکر کا ثواب حاصل کرتے رہو
اگر ہم ان کو مسخر نہ فرماتے تو تمہارے تعقل تدبّر کی طاقت نہ تھی کہ ان کو رسّیاں
باندھ کر قابو کر لیتے اور یہ چُپ چاپ بندھواتے رہتے، تم تو چھوٹے سے وحشی جانور
کو قابو نہیں کر سکتے۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى
مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ
اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔
اے مسلمانو تم یہ بات یاد رکھو کہ ان قربانیوں ھدیوں کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ کے
پاس نہیں جاتا نہ وہ تمہارے ان جانوروں کے گوشت و خون سے خوش ہوتا ہے، اس
کی بارگاہِ مقدّس میں صرف تمہارا تقویٰ اور خلوصِ نیت احترام شریعت کی خشیت کا درجہ
پہنچتا ہے۔ زمانۂ اسلام سے پہلے کفار ایّامِ حج میں کچھ جانور منیٰ میں اپنے بتوں کے پاس
ذبح کرتے ان کا خون بتوں سے لیپتے اور گوشت بتوں کے پاس چھوڑ آتے اور سمجھتے کہ
کہ اس سے بُت خوش ہو جاتے ہیں، اور کچھ جانور کعبے کے پاس ذبح کرتے ان کا خون
دیواروں سے خون لیپتے، اور گوشت کعبے کے اندر اور حطیم میں رکھ دیتے اور سمجھتے کہ یہ
اللہ کا حصہ ہے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ کہتے کہ اللہ کا حصہ اللہ کے پاس
پہنچ گیا اور بُتوں کا بُتوں کے پاس، جب مسلمان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہلی بار حج کرتے
آئے تو بعض نے عرض کیا کہ ہم ذبح میں کیا کریں ان کو سمجھایا گیا کہ قیامت تک کیلیے اس
بات کو سن لو کہ کسی بھی ذبیحے کا گوشت یا خون اللہ عزّ وجلّ کی بارگاہ میں نہیں پہنچتا، اے
میرے بندو تم شرکیہ کفریہ باتوں رسموں اور گندے طریقوں سے بچو وہ سب کفار کی احمقانہ
باتیں تھیں، تمہیں تو چاہیئے کہ اپنے ہر کام ہر عادت ہر عبادت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے آستانۂ تعلیم گاہِ قدسیاں سے تقوائے قلبی، عقلی، جسمی، عملی حاصل کرو تمہاری
طرف سے اس ذاتِ جلّ مجدہٗ کی بارگاہ میں صرف تقویٰ ہی پہنچتا ہے۔ شریعت میں تقویٰ
پانچ چیزوں کا نام ہے (۱) نیّت خالص (۲) اعمالِ صالحہ (۳) طبیعتِ عاجزہ (۴) عقلِ سلیم کی
عقیدت (۵) قلبِ فہیم کی محبت اور شکوک و شبہات سے پرہیز۔ جادوگر انسانوں اور
شیطانی جنات نے کفار کے ذہنوں عقیدوں میں یہ وسوسہ ڈالا ہوا ہے کہ دیوی دیوتاؤں کو

خوش کرنے کے لیے ان کی مورتیوں پر گوشت اور خون کی بھینٹ اور چڑھاوے چڑھاؤ تب وہ راضی رہتے ہیں اگر نہ چڑھاؤ گے تو دیوی دیوتا کا غضب نازل ہوگا۔ اس شیطانی وہم و تصور سے مسلمانوں کو منع کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ قربانیوں سے تمہارے ہی دینی، دنیوی ایمانی، عرفانی فائدے ہیں اس میں عقیدۂ توحید، عبادتِ تکبیر اور عادتِ ذکرُ اللہ ہے، مومن کی صدی اور قربانی کفر توڑ شرک سوز اور طلبِ رضا ہے، کیونکہ قربانی ہے ذکرُ اللہ اور ذکر سے فکر فکر سے تدبّر، تدبّر سے تذکّر، تذکّر سے عبادت عبادت سے خلوص، خلوص سے خشیت، خشیت سے تعظیم تعظیم سے تقویٰ، تقوے سے محبت سے قرب اور قرب سے فضیلت ملتی ہے نیتِ خلوص کے بغیر کوئی بھی کام مقبول نہیں، لہٰذا اے بندو اپنے آپ کو عبادت میں ایسے مسخر کر دو۔ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ۔ جس طرح رب تعالیٰ نے دنیا کے تمام جانوروں کو تمہارے لیے مسخر فرما دیا۔ اسی تسخیر کی وجہ سے تم نہایت آسانی سے اُن کو پکڑ لیتے خرید لیتے ہو مالک بن کر ان سے ہزار طرح کے نفعے حاصل کرتے رہتے ہو۔ مال برداری، اپنی سواری، نعمتِ غذائی رب کا کرم نہ ہو تو مصیبت ہے زندگی، اُس کا ہی کرم ہے تو سہولت ہے زندگی۔ ان چیزوں میں غور کرو۔ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر اس طرح ایمان لاؤ جس طرح تم کو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اور تعلیم سے ہدایتِ کاملہ ملی۔ اور کفریہ طریقے چھوڑ کر بتوں کے بجائے اپنے تمام ذبیحوں پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر پڑھو۔ اور یہ بھی یاد کرو کہ ربِّ قدیر خالق کبیر نے تم کو کیسے عمدہ خوبصورت اعلیٰ و بالا نفع بخش جانور عطا کئے۔ جو تخلیق میں ایسے سخت کہ دیوار بن توڑیں اور تسخیر سے ایسے نرم کہ تمہارے حکم سے کبھی گردن نہ موڑیں، غصّہ میں آجائیں تو پہلوان بھی ان کو نہ کھینچ سکیں اور سُرور میں آئیں تو تمہارا ایک بچہ بھی لیے پھرے۔ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو ماننے سمجھنے والے ہی محسنین ہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ۔ اے محبوب کریم اپنے امتیوں میں نیک، محبین عاملین مخلصین متقین کو آئندہ زندگی کی بشارت دیجئے۔ خیال رہے کہ بشارت آئندہ چیز کی ہوتی ہے اور تصدیق گذشتہ کی، بے شک اللہ تعالیٰ مدافعت فرماتا ہے اُن لوگوں سے جو رب تعالیٰ پر سچا مصمم ایمان لاتے ہیں کافروں ظالموں سے بچا کر بھی اور کفّار کو شکستگی و کمزوری دے کر بھی صحابہ کرام پر دو وقت ایسے گزرے جب انہوں نے اپنے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قتالِ کفّار کی اجازت مانگی، پہلی بار مکہ مکرمہ میں کفار کے ظلم برداشت کرتے ہوئے اُس وقت

عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو بھی اجازت فرمایئے کہ جو ہم پر ظلم کرے ہم بھی اُس کو ماریں کوٹیں قتل کریں
آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ملی ابھی صبر کرو
اِس صبر میں تم کو ثواب عظیم اور جزائے کثیر ہے ابھی ذاتی انتقام کا وقت نہیں آیا مومن کا کوئی کام
ذاتی نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ رب تعالیٰ کی اجازت سے ہو۔ اجازت اِلٰہی کا کام عبادتِ الٰہی ہے اور
عبادت پر ثواب ہے دوسری بار اُس وقت اِذنِ قتال طلب کیا جب کفارِ مکہ کی شرارتیں مدینہ منورہ
تک بھی پہنچنے لگیں کبھی ڈاکو بن کر آتے کبھی چور، پھر یہاں تک کہ تمام مہاجرین وانصار صحابہ کرام بلکہ
خود آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عمرے اور زیارتِ کعبہ سے روکا تب سب
صحابہ رضی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر حکم ہو تو اِن روکنے والوں کو ہم روکنے کا مزہ نہ چکھا دیں فرمایا ابھی
صبر کرو۔ ابھی رب تعالیٰ کی اجازت نہیں ابھی تم احرام میں بھی ہو، ابھی ہاتھ اُٹھاؤ گے تو ذاتی
انتقام بنے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مومن کا ہر کام ،عقلی قلبی ،غیض ،غضب غصہ محبت دوستی دشمنی
اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اُسی کی اجازت سے ہو۔ اَب فرمایا جارہا ہے کہ اے حبیب کریم اِن
محسنین صحابہ اور تا قیامت عابدین زاہدین متقین کو خوشخبری سنا دو کہ اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ
عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ! بے شک اللہ تعالیٰ پوری پوری حمایت اور مدافعت فرماتا رہے گا بار بار
ایمان والوں کی ،کفار کے مقابل۔ اِذنِ قتال سے پہلے بھی اور بعد میں بھی پہلے مومنوں کو کفار کے
ہاتھوں بچا کر اور بعد اِذن جہاد میں مومنوں کے ہاتھوں کفار کو ہلاک کر کے شکست دے کر اور
ایمان والوں کو قوت طاقت ہمت جرأت اور فتح دے کر یہاں۔ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ فرمانے
سے دو باتیں ثابت ہوئیں پہلی بات یہ کہ باب مُفَاعَلَۃٌ سے بار بار ہونے کا اظہار فرمایا گیا
دوم یہ کہ لفظ عَنْ ارشاد فرما کر حمایت کا اظہار فرمایا نحوی قانون ہے کہ جب دَفْعٌ کو اِلٰی سے
متعدی کیا جائے اِلٰی بعد میں ہو تو دَفْعٌ کے مشتقات کا معنی ہوتا ہے پہنچانا جیسا کہ سورۃ
نساء آیت ۶ میں ارشاد ہے فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ یعنی یتیموں کو ان کے
مال پہنچا دو۔ اور اگر عَنْ سے متعدی کیا جائے تو معنیٰ ہوتا ہے دفاعی حمایت جیسے یہاں
حمایت کی بشارت کو مبالغے سے بیان فرمانا دو وجہ سے ہے ۱ سخت حمایت ۲ بار بار
حمایت، ایمان والوں کی یہ ربانی حمایت اس لیے بھی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ
بے شک اللہ تعالیٰ کبھی کسی خیانت کرنے والے کو کسی چیز میں خائن کو پسند نہیں فرماتا
اور نہ کسی ناشکرے انسان کو پسند فرمائے خواہ فاسقین میں سے ہو یا کافرین میں سے۔ اور

حمایت کرنا پسندیدگی کی نشانی ہے۔ جب حمایت ہے تو محبت ثابت، محبت نہ ہو تو غضب غصہ نفرت ہوتی ہے کسی میں رغبت کرنا محبت ہے کسی سے رغبت نفرت ہے۔ محبت ہو تو رضا ہے، محبت نہ ہو تو ناراضگی، خَوَّان بھی مبالغہ کا لفظ ہے اور کَفُور بھی۔ اس لئے خَوَّان کا معنیٰ ہے کہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی ظاہری باطنی امانت سخت ترین بدترین۔ بد دیانتی کرنے والا امانت ہو یا دیانت اعمال ہوں یا افکار، عبادت ہو یا اُن کے اوقات یا ان کی تاریخوں میں تبدیلی غرضکہ شریعت کے کسی بھی امر یا نہی میں تغیر، تبدل کرنے والا خَوَّان ہے۔ کَفُور کا معنیٰ ہے، ہر نعمت کی ہر وقت ناشکری کرنے والا، کفر و شرک کرکے یا فسق و گناہ کرکے۔ حدیث مقدس میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْمُتَفَحِّشَ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ بُغض فرماتا ہے بے حیائی بے غیرتی سے یہاں بغض بمعنی نفرت ہے اللہ تعالیٰ کے محبت نہ کرنے کی تین نشانیاں ہیں ۱۔ توبہ کی توفیق نہ ملنی ۲۔ عبادت سے سُستی ۳۔ اولیاءُ اللہ سے کدورت، خیانت اور کُفران سے محبتِ الٰہی ختم ہو جاتی ہے جب محبت ختم تو سعادت ختم اور سعادت سے ہی توفیقِ توبہ نصیب ہوتی ہے۔ اور توبہ سے محبت اور محبت سے دعاؤں کی قبولیت اور قبولیت سے نعمت ملتی ہے خَوَّان و کَفُور اُس سے محروم ہے نہ اُنہیں انعام اکرام نہ اُن سے کوئی وعدہ نہ اُن کو بشارت یہ وعدے صرف پاکباز لوگوں سے ہیں۔ جو بندہ چار چیزوں سے بچ گیا وہ پاک باز ہو گیا اوّل کفر دوّم منافقت سوّم فِسق، چہارم گستاخی، یہ سب خیانت وکُفران کی شاخیں ہیں حق کی سعادت امانت داری اور دیانت داری ہے لیکن حق کی مخالفت کرنا ایک قسم کی بڑی خیانت اور بددیانتی ہے۔ اسی لیے کُفر شرک منافقت، خیانتیں ہیں اور کافر مُشرِک مُنافق خَوَّان ہیں۔ کیونکہ جان، جسم عقل قلب، نفسیات اعضا اور اُن کی قوتِ اعمال سب امانت الٰہی ہیں۔ قیامت میں اِن سب کا حساب اور جواب طلبی ہو گی، چنانچہ سورۃ اسریٰ آیت ۳۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ یعنی قیامت میں پوچھا جائے گا کہ اے لوگو تم نے ہماری دی ہوئی عقل وقلب گوش و ہوش اعضاء و بدن کی امانتوں کو کہاں استعمال کیا۔ حیاتِ دنیوی میں ان قوتوں کو کس طرح برتا۔ صوم وصلوٰۃ، طہارت، عبادت، یہ شریعت کی امانتیں ہیں۔ ان کی ادا ظاہری امانت داری ہے ان پر ایمان باطنی امانت داری، اور ان کا عملی ترک ظاہری خیانت ان کا انکار باطنی خیانت ہے، ادا میں سُستی، غفلت، بے وقتی بے علمی، بے دلی یہ فاسقانہ

خیانت ہے مثلاً طلوعِ فجر کے یقین پر سحری کھاتے رہنا۔ اور طلوعِ آفتاب پر سوتے رہنا، نماز نہ پڑھنا غروبِ آفتاب سے پہلے افطار کر لینا یہ سب خیانت بھی ہے اور کُفرانِ نعمت بھی۔ بزرگوں نے تو یہاں تک بھی فرمایا ہے کہ ورد وظائف یا نوافلِ سُنن میں مشغول رہ کر فرائض چھوڑ نا بھی، خیانت و کُفران کا خسارہ ہے۔ حقوق اللہ کی کوتاہی کفور ہے اور حقوق العباد کی کوتاہی خوّان ہے۔ ناپ تول میں کمی بھی خیانت ہے۔ کُفران سے خود انسان کی اپنی تباہی ہے اور خیانت سے دین ایمان ملک و قوم کی تباہی ہے۔ اہلِ ایمان سے وعدۂ الٰہیہ ہے کہ اُن کو کفار کی خیانت سے بھی بچایا جائے گا اور کفور کے مکر سے بھی اس لیے کہ مومن سے محبت ہے اور محبت سے مدد ہے اور مدد میں مدافعت خوّان و کفور سے لَا یُحِبُّ اللّٰہ محبت نہیں تو مدد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد محض انتقام کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ زمین سے برائیوں کا فساد روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اذنِ جہاد کے بعد قیامت تک چھ برائیوں کو ختم فرمایا۔ پہلی یہ کہ کفارِ مکہ عابدین کو حرم میں عبادت سے روکتے تھے۔ اِس ظلم کو ختم فرمایا دوم کعبہ معظمہ کو خون و گوشت سے گندا کرتے تھے۔ اس سے کعبے کو بچایا اور بری رسم کو مٹایا، سوم، بتوں کے نام پر ذبح کرتے کعبے کو بُت خانہ بناتے۔ چہارم، حرم شریف کے خوآن تھے، پنجم عبادتِ الٰہیہ کے کفور تھے کہ نہ کرتے تھے نہ کرنے دیتے تھے، ششم، گوشت کی بدبو، کفر کی نجاست شرکیہ رسموں کی حماقت پھیلاتے تھے اِذن قتال اور فتح مکہ سے یہ برائیاں ختم کی گئیں۔ کسی صحابی نے نہ اپنی سابقہ اذیتوں کا انتقام لیا نہ اپنے گھر واپس چھینے بلکہ اب ان کو مکہ مکرمہ میں رہنا ہی ممنوع کر دیا گیا، یہ تھی سچی امانت داری اور شکرانِ نعمت، خوآن اور کفور کی پانچ صورتیں ہیں ۱ امر میں ترک، نہی میں ارتکاب، کفر میں ضد، گستاخی میں دیدہ دلیری ۲ لوگوں کی امانتوں میں بد دیانتی ۳ اللہ تعالیٰ کی امانتوں میں خیانت نعمتوں کے عیش میں تکبر یہ بھی کُفران ہے ۴ ہر شخص سے بُرا اور ناحق سلوک یہ بھی خیانت ہے ۵ ہر اچھائی سے نفرت ہر برائی سے اُلفت یہ بھی خوآن و کفور کی علامت ہے۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال | وَالْبُدْنَ۔ کی قرئت میں تین قول ۱ یہ وَالْبُدْنَ ہے یہی مشہور و مکتوب قرئت ہے ۲ یہ وَالْبُدُنَ ہے ۳ یہ وَالْبُدُّنَ ہے۔ صَوَآفَّ کی قرئت میں تین قول ۱ صَوَآفَّ یہی مشہور و مکتوب ہے اس کا معنیٰ ہے قابو کیا ہوا ۲ صَوَافِنَ اس کا معنیٰ سخت بندھا ہوا ۳ صَوَافِیَ۔ اس کا معنیٰ ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اِذَا وَجَبَتْ کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اِذَا سَقَطَتْ یعنی جب زمین پر گر جائے

۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اِذَا مَاتَتْ یعنی جب جان نکل جائے ۳ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اِذَا فَرَغَتْ یعنی جب تڑپنا پھڑکنا ختم ہو جائے۔ پہلے قول میں بُدْنَہ کا معنیٰ صرف اونٹ کیا جائے گا کیونکہ وہی کھڑے سے گرتا ہے، دوسرے دونوں قولوں میں بُدْنَہ سے مراد اونٹ گائے بھینس سب بڑے جانور ہوں گے اَلْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کے معنیٰ میں پانچ قول ۱ بعض نے کہا قانِعُ وہ محتاج جو گداگر نہ ہو مُعتَر، جو گداگر ہو ۲ بعض نے کہا اَلْقَانِعِ جو شرم سے ہاتھ نہ پھیلائے مگر ضرورت مند ہو، اَلْمُعْتَر وہ شخص جو ضرورت مند ہو اور مانگنے میں شرم نہ کرے ۳ بعض نے کہا اَلْقَانِع وہ محتاج جو نہ آئے نہ مانگے، مُعْتَرّ وہ جو آئے اور مانگے ۴ بعض نے کہا قانع وہ محتاج حقیقی مسکین ہو، مُعْتَر وہ ضرورت مند جو صاحب نصاب اور قربانی والا نہ ہو ۵ بعض نے کہا قانع حرم شریف کے فُقَرا اور مُعْتَر، باہر سے آئے ہوئے فقرا، مُعْتَر کی قرأت میں دو قول اَلْمُعْتَرّ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ مُعْتَرِیْ یہ شاذ و متروک ہے لَنْ یَنَالَ کی قرأت میں دو قول ۱ یہ لَنْ یَّنَالَ ہے یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا لَنْ تَنَالَ ہے عَلٰی مَا ھَدٰاکُمْ کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا، اس کا معنیٰ ہے، تم کو اللہ تعالٰی نے ہدایتِ اسلام دی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی تبلیغ و تعلیم کے ذریعے ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ تم کو اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کے قول و عمل کے ذریعے قربانی کے ایّام اوقات کے تعیّن اور ذبح کے طریقہ نحر و عقر کی ہدایت دی، دونوں قول مناسب ہیں کیونکہ سب ہدایت اللہ تعالٰی کی عطا اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تقسیم سے ہی ہیں ۳ بعض نے کہا کہ ھَدٰاکُمْ کا معنیٰ ہے۔ اللہ تعالٰی نے جو جانور تم کو عطا کئے اُن پر تکبیر پڑھ کر اُن کو ذبح کرو۔ ھَدٰا کا معنیٰ عطا ہے۔ تینوں قول درست ہیں۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مسلمانوں پر قربانی واجب کرنے کی تین وجہ پہلی یہ کہ جس طرح مسلمان پر مالی جانی، جسمی عضوی بلکہ اپنے اوقات و ایّام کی زکوٰۃ نکالنا لازم ہے اسی طرح مسلمانوں پر منافع اور فوائد کی زکوٰۃ بھی واجب ہے تو یہ قربانی گویا فوائد کی زکوٰۃ ہے۔ اور یہ زکوٰۃ صرف خون بہانا ہے گوشت اس کا دنیوی اجر ہے اور قبولیت کا شرف اُخروی اجر و ثواب قربانی کی دوسری وجہ یہ کہ مسلمان دنیا بھر میں تکبیر و تسلیم اللہ سے یادِ الٰہی مناتیں شکرِ الٰہی کمائیں، اور بتوں کے ذبیحوں کی کفر یہ شرکیہ رسمیں مٹائیں، تیسری وجہ، حجاج کے ساتھ دنیا کے تمام مسلمان مل کر شریک عبادت ہو جائیں

اور یادگارِ خلیل و ذبیح عَلَیْہِمَا السَّلام تازہ کریں یہ بھی اتحاد ویکجہتی کا ایک شاندار نمونہ واظہار ہے۔
فوائد کی زکوٰۃ اس طرح کہ جانوروں سے تم مسلمان دودھ مکھن گھی کی غذائیں اور نسل کی تجارتیں، تجارتوں
سے امیری دولت مندی، اور امیری سے شان وشوکت حاصل کر رہے ہو ان کو اپنے اللہ تعالیٰ
معبود ومسجود کی راہ میں اس کے نام پر قربان بھی کرو۔ اور قلب وکردار سے اس عطیۂ ربانی کا
اظہارِ شکر کرو۔ کہ مِنْکَ وَاِلَیْکَ یا اللہ رب کریم تیری چیز تیرے ہی نام پر قربان، یہ فائدہ
لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ قربانی کی علتِ غائی سے حاصل ہوا، کیونکہ جانور میں قربانی ہے، قربانی میں شکر
ہے۔ شکر میں تکبیر ہے، تکبیر میں اعترافِ کبریائی ہے اور اعتراف ہی عبادت ہے اگر ذرا دیدہ
غور کرے تو ہر عبادت میں قربانی کا عنصر موجود ہے۔ اور اسلام کے ہر کام میں قربانی کا جذبہ
ہے بلکہ بذاتِ خود اسلام لانا بھی اپنی عقل ومزاج، نفس واجسام کی قربانی ہی پیش کرتا ہے۔
اس لیے کہ اسلام کا پہلا درس ہی یہ ہے کہ عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ، اس چوکھٹ پر
صدیق کی عقل فاروق کا شعور عثمان کی فراست، مولیٰ علی کا علم، ائمہ اربعہ کا اجتہاد حکما کی تدابیر
عقلا کے مشورے سب قربان، اسلام ہی زندگی بھر کی اگلی تمام قربانیوں کے لیے بندۂ مومن
کو تیار کرتا ہے۔ یہ قربانیاں نظامِ مصطفیٰ کا ایک خاکہ ہے۔

حج وزکوٰۃ وزہد وعبادت صلوٰۃ وصوم ÷ جنگ وجدال عملِ قتالِ لیال ویوم

یہ سب مختلف انداز میں حیاتِ اسلامیہ کی قربانیاں ہی ہیں دوسرا فائدہ قربانی سے دنیا کی
بے رغبتی کا اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ کافر جب جانور سے محبت کرتا ہے تو یا اس کو معبود بنالیتا
ہے یا معشوق۔ مگر مومن جانور سے محبت کرتا ہے تو اس کو اپنے رب تعالیٰ کی مخلوق سمجھ کر اور
مومن کو یہی حکم ہے کہ اپنے پیار سے پالے ہوئے، قیمت سے خریدے ہوئے بے شمار
منافع وفوائد والے جانور کو اپنے رب تعالیٰ کے نام قربان کردے تاکہ رب تعالیٰ کی چیز رب تعالیٰ
کے نام پر جائے، اس قربانی میں ہر طرح کے کفر کی مخالفت ہے۔ گزشتہ یہود ونصاریٰ مشرکوں
کی اور موجودہ ہندو مشرکوں کی کیونکہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو ہندوؤں نے گائے کو پوجا۔ یہ فائدہ
فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہَا (الخ) اور فَکُلُوْا مِنْہَا (الخ) سے حاصل ہوا کہ ذبح کرکے گوشت
بنا کے خوب کھاؤ کھلاؤ، اور مشرکین کو جلاؤ تیسرا فائدہ۔ ہر مومن مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے اعمال
کو مقبولِ بارگاہ اور محصولِ آخرت بنانے کے لیے اپنے اندر عقلی، قلبی اور بدنی تقویٰ حاصل
کرے کیونکہ بغیر تقویٰ سب عبادات بیکار ہیں، ہر تقوے کے تین بنیادی رکن ہیں۔ پہلا

نیت خالص دوم صحیح و مکمل طریقہ سوم عبادت میں ہمت محبت۔ جو عمل غفلت، سستی، کسلمندی،
مارے باندھے یا دنیوی لالچ یا ناموری کے لیے کیا جائے وہ مقبول و پسندیدہ نہیں ہوتا یہ فائدہ
وَلٰکِنْ یَنَالُہُ التَّقْوٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔ حدیث مقدسہ میں ارشاد ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَلْوَانِکُمْ وَلٰکِنْ
یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ آقائے کائنات حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے رنگ
کو مقبولیت نہیں بخشتا، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی دل
سے رب تعالیٰ کی برتری مانو عمل سے اظہار کرو۔

احکام القرآن

اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ امام اعظم کے
نزدیک بُدنہ سے مراد اونٹ اور گائے ہیں، یہی امام محمد کا قول ہے۔ لیکن امام
شافعی اور امام یوسف کے نزدیک بُدنہ سے صرف اونٹ مراد ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ مسئلہ
وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا سے مستنبط ہوا، بُدنہ کا لغوی معنیٰ ہے۔ لحیم، جسیم، سمین، شحیم، یہ اونٹ بھی ہے
اور گائے بھی اس لیے بُدنہ کا لفظ دونوں پر بولا جائے گا۔ دوسری دلیل مسلم شریف کی حدیث جابر ہے۔
عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَشْتَرِکُ فِی الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ کُلَّ سَبْعَۃٍ مِّنَّا فِی الْبُدْنَۃِ۔ ترجمہ، حضرت
جابر رض نے فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر ہم لوگ ہر اونٹ اور گائے کے بُدنے میں سات
آدمی شریک ہوتے تھے۔ امام شافعی رض نے اپنے قول کی دلیل تین استدلال پیش فرمائے۔ پہلا
استدلال اسی آیت سے کہ یہاں فرمایا گیا صَوَآفَّ اور آگے ہے فَاِذَا وَجَبَتْ۔ صَوَآفَّ
کا معنیٰ ہے کھڑا کر کے پاؤں باندھا جائے یہ صرف اونٹ میں ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ بُدنہ سے
مراد صرف اونٹ ہے۔ وَجَبَتْ کا معنیٰ ہے۔ بعد ذبح زمین پر گرنا، گرتا وہی ہے جو کھڑا ہو
اِس سے بھی ثابت ہوا کہ بُدنہ سے مراد صرف اونٹ ہے، دوسرا استدلال ترمذی شریف میں
ہے۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ الْبَقَرَ عَنْ سَبْعَۃٍ وَالْبُدْنَۃَ عَنْ سَبْعَۃٍ
ترجمہ، حضرت جابر نے فرمایا کہ حدیبیہ کے سال ہم نے گائے بھی نحر کی سات کی طرف سے اور
بدنہ بھی سات کی طرف سے۔ یہاں بُدنہ کو علیحدہ بیان کرنا بتا رہا ہے کہ بُدنہ صرف اونٹ
ہے۔ تیسرا استدلال، آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قربانی کے موقعے پر فرمایا
تھا۔ اَلْبُدْنَۃُ عَنْ سَبْعَۃٍ وَالْبَقَرُ عَنْ سَبْعَۃٍ یعنی بدنہ بھی سات آدمیوں کی طرف سے

اور گائے بھی سات کی طرف سے یہ تفریقی فرمانِ مقدس بھی ثابت کرتا ہے کہ بُدنہ اونٹ ہے بقرہ اور ثابت ہوا کہ بُدنہ صرف اونٹ ہے، حنفی علما فرماتے ہیں کہ یہ تینوں استدلال نہایت کمزور ہیں۔ پہلا اس طرح کہ صَوَافَّ کا معنیٰ باندھنا نہیں بلکہ قابو کرنا ہے جس طرح ہو سکے کھڑا کر کے یا لٹا کر یا بٹھا کر۔ اس عام معنیٰ کو لیتے ہوئے اونٹ کو کھڑا کر کے بھی ذبح جائز ہے اور بٹھا کر بھی نحر بھی جائز عقر بھی جائز۔ اگر بقولِ امام شافعی صَوَافَّ کا معنیٰ صرف کھڑا کر کے باندھنا ہی ہو تو اونٹ میں صرف نحر ہی واجب ہوگا۔ حالانکہ اِس کا کوئی قائل نہیں، نحرِ اونٹ واجب نہیں بہتر ہے بٹھا کر بھی جائز ہے۔ نیز وَجَبَتْ کا معنیٰ بھی گرنا نہیں بلکہ جان نکلنے کے بعد ڈھیر ہو جانا ہے۔ اِس کی وضاحت ایک حدیث پاک میں اس طرح فرمائی گئی۔ کہ مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ (ابو داؤد ترمذی) یعنی ذبح کے بعد جب تک پوری جان نہ نکلے نہ کھال اتارو نہ گوشت کاٹو، کیونکہ جو ٹکڑا جانور سے کاٹا گیا جان نکلنے سے پہلے تو وہ ٹکڑا مردار ہے (کھانا حرام) حضرتِ جابر کی پیش کردہ حدیث مَثَنًّا موضوع اور بناوٹی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں ہے کہ ہم نے گائے کو سات کی طرف سے نحر کیا۔ حالانکہ گائے کی نحر تو ہو سکتی ہی نہیں۔ تیسرے اِستدلال میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بُدنہ کو علیحدہ ذکر فرمانا لُغوی اعتبار سے ہے۔ اور اَلْبُدْنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ کا معنیٰ ہے کہ ہر بڑے جسم والا جانور سات کی طرف سے ہو سکتا ہے اور بعد میں اَلْبَقَرُ فرمانا اِصطلاحی وضاحت اور سمجھانے کے لیے یعنی گائے بھی بڑے جسم والا جانور ہے لہٰذا وہ بھی سات کی طرف سے، دوسرا مسئلہ، ہر چھوٹے بڑے چرند پرند چگند حلال جانور پر قربانی، ھَدْیِ، دمِ کفارہ مَنَّتْ عقیقہ اور عام روزمرہ کے ذبیحے پر بسمِ اللہِ اللہُ اکبر۔ پڑھنا فرض رکھی ہے، اگر بغیر یہ تکبیر پڑھے جان بوجھ کر چھوڑ دینے کے ذبح کر دیا تو جانور حرام ہوگا۔ یہ مسئلہ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ کے اَمر فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ سے بسم اللہ کا ثبوت لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ سے اللہُ اکبرُ کہنے کا ثبوت اور عَلَيْهَا سے فرضیت کا ثبوت ہوا کیونکہ حرفِ عَلٰی وجوبِ فرضیت کے لیے آتا ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔ سورۃِ بقرہ آیت ۱۸۳ کی اِس آیت کے عَلَيْكُمْ سے بھی فرضیتِ روزہ ثابت ہے۔ تیسرا مسئلہ امام اعظم اور امام محمد جن کو فقہا طرفین کہتے ہیں۔ ان کے مسلک میں اگر کوئی شخص یہ منت مان لے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بَدنہ ذبح کروں گا تو جب اُس کا منت والا کام پورا ہو جائے تو جس علاقے میں

گائے بھی ذبح کر دے گا تو اُس کی منت پوری ہو جائے گی۔ یہ مسئلہ بُدنہ کے لغوی معنیٰ سے مستنبط ہوا کیونکہ طرفین کے نزدیک گائے بھی بدنہ۔ یعنی بڑے بدن والی ہے۔ لیکن امام یوسف کے نزدیک مکہ مکرمہ میں جا کر اونٹ ذبح کرے گا تب منت پوری ہوگی کیونکہ بدنہ کو شعائر اللہ فرمایا گیا اس لیے مکہ مکرمہ سے مخصوص ہو گیا اور اُن کے نزدیک بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر منت میں جزور ذبح کرنے کی منت مانتا تو کسی بھی علاقہ میں گائے ذبح کر دیتا تو منت پوری ہو جاتی، احناف نے جواب دیا کہ بدنہ بھی ثواب میں جزور یعنی عام جانور کی مثل ہے۔ اور ہر قربانی کا جانور شعائر اللہ ہے لہٰذا نہ بدنہ اونٹ سے خاص نہ شعائر اللہ مکہ مکرمہ سے خاص جیسا کہ قربانی مکہ مکرمہ سے خاص نہیں، بدنہ سے مراد قربانی کا بڑا جانور ہے چوتھا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق ہر علاقہ میں ہر اُس مسلمان پر قربانی واجب ہے جو زکوٰۃ دیتا ہو یعنی صاحبِ نصاب ہو یہ مسئلہ فَاذْكُرُوا (الخ) اور عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ کے عمومی حکم سے مستنبط ہوا بعض گمراہ مسلمان کہتے پھرتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ مکرمہ کے حاجیوں پر واجب ہے۔ اس کے علاوہ قربانی جائز نہیں بلکہ فضول خرچی ہے۔ اُن کی یہ بات غلط اور جاہلانہ ہے۔ قربانی دنیا میں ہر جگہ لازم آیت سے بھی ثابت احادیث سے بھی اور اجماعِ امت سے بھی عملِ صحابہ سے بھی، آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے اور حدیث پاک میں ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ كُلَّ سَنَةٍ۔ یعنی آقاءِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے آپ نے ہر سال قربانی دی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ۔ اگر فَاذْبَحُوا بِسْمِ اللّٰهِ۔ فرمایا جاتا تو زیادہ وضاحت ہو جاتی اور کسی منکرِ قربانی کو اِس آیت میں انکارِ قربانی کا استدلال نہ ملتا، نہ کوئی بہانہ بنتا۔ ابھی تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ فَاذْكُرُوا سے مراد بوقتِ ذبح نہیں بلکہ ویسے ہی اللہ نام کی خیرات مراد ہے **جواب،** فَاذْكُرُوا۔ فرمانا بہت جامع کلام ہے اور اِس سے ذبح کا اِسلامی ایمانی اور شرعی طریقہ بیان فرمانا مقصود ہے۔ نہ کہ فقط ذبح کا حکم ذبح تو کفار بھی کرتے ہیں۔ اگر فَاذْبَحُوْا فرمایا جاتا تو اسلامی قربانی اور غیر اسلامی و اسلامی عام ذبیحوں کا فرق ظاہر نہ ہوتا۔ اِس آیت میں چار طرح اسلامی فریضۂ قربانی کی وضاحت ہو رہی ہے۔ مثلاً جانور کو بُدنہ فرمانا۔ بدنہ کو شعائر اللہ اور اسمُ اللہ کو عَلَيْهَا فرمانا، پھر صَوَآفَّ فرما کر، باندھنے کا طریقہ بتانا، وَجَبَتْ سے کھال اتارنے

گوشت کاٹنے کا وقت بتانا۔ پھر فَكُلُوْا وَاَطْعِمُوْا سے قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ یہ سب کھلی کھلی وضاحتیں صرف قربانی کے لیے ہیں، نہ عام ذبیحوں کے یہ احکام ہیں نہ غیر مسلموں کے ذبیحوں کے۔ اتنے صاف انداز میں دنیا بھر میں اسلامی قربانی کا حکم عطا فرمایا جا رہا ہے اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اس کی جہالت وگمراہی ہے نیز سورۃ کوثر کی آیت ۲ میں تو اس سے بھی زیادہ وضاحتِ عام سے قربانی کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ارشاد ہوا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یعنی نماز پڑھ کر نحر کرو۔ دنیا میں وہ ذبیحہ جس کا تعلق نماز سے ہو وہ سوائے عالمِ اسلامی کی قربانی کے اور کوئی ذبیحہ نہیں ہو سکتا نہ حجِ قران وتمتع کا ذبیحہ، کیونکہ حاجیوں پر عید کی نماز جائز ہی نہیں، نہ دم کفارہ نہ منت کے ذبیحے نہ دنیا کے عام ذبیحے۔ پس ثابت ہوا کہ فَصَلِّ، دنیا بھر کی عِیْدُ الْاَضْحٰی ہے اور وَانْحَرْ، دنیا بھر کی قربانی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں بُدْنَہ کیوں فرمایا گیا اُضْحِیَہ فرمانا چاہیئے تھا تاکہ بھیڑ بکری دُنبہ مینڈھا بھی قربانی کے شعائر اللہ ہونے میں شامل ہو جائے۔ ان کی قربانی بھی تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ بلکہ اصل یادگارِ خلیل وذبیح علیہما السلام تو دُنبہ ہی ہے جواب، بھیڑ، بکری، دنبہ مینڈھا، اگرچہ قربانی کے جانور ہیں مگر وہ تین وجہ سے شعائر اللہ نہ بنائے گئے، اوّلاً اس لیے کہ یہاں جانور کی عظمت ومنفعت بتانا بھی مقصود ہے اور یہ صرف لحیم شحیم سمین جسیم جانوروں میں ہے وہ صرف اونٹ اور گائے بھینس میں ہی ہے۔ ثانیاً۔ اس لیے کہ لفظ شعائر۔ شعر یا شِعَار سے ماخوذ ہے اور شِعار کا معنیٰ ہے نشان لگانا، یہ صرف اونٹ گائے کی ہَدی میں لگایا جاتا ہے۔ اُس کی پیٹھ پر زخم کر کے کوہان کا خون لیپ دینا یا گلے میں چمڑے کا ہار ڈال دینا تاکہ سب کو پتہ لگ جائے کہ ہَدِیْ ہے پہلے زمانوں میں اسی طرح کیا جاتا تھا اور مکے کے راستے پر چھوڑ دیا جاتا تو چلتا چلاتا یا ہنکتا ہنکاتا منیٰ میں اس نشانی کی بنا پر پہنچا دیا جاتا۔ بکری دنبے میں یہ بات نہیں ہو سکتی تھی یا تو وہ خوف کی وجہ چلتی ہی نہ تھی یا کسی کے گھر گھس جاتی یا کوئی جانور کھا لیتا یا کوئی چوری کر کے چھپا لیتا، اس لیے اس پر شعار نہ لگایا جاتا نہ اب لگایا جا سکتا ہے۔ ثالثاً، اس لیے کہ اونٹ گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یہ سستا بھی ہے، اس میں عام متوسط لوگوں کا فائدہ ہے جب کہ بکرہ دنبہ مہنگا بھی اور صرف ایک کی طرف سے لہٰذا بڑے جانوروں کا ذکر فرمایا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قربانی کر سکیں اور گھر بیٹھے یادِ خلیل علیہ السّلام کی سعادتیں اور حج کی رونقوں برکتوں منافع میں شامل وشریک ہو سکیں۔ اس طرح کہ حاجی وہاں تلبیہ

پڑھتا ہو۔ دیگر مسلمان یہاں تکبیر تشریق پڑھتے ہوں حاجی لوگ عرفات سے منیٰ کو آتے ہوں اور دیگر مسلمان گھروں سے عید گاہ کو جاتے ہوں، حاجی صاحبان احرام سے کھلتے ہوں یہ لوگ اپنے گھر میں نہا دھو کر عید کا لباس پہنتے ہوں۔ حاجی لوگ وہاں حج کی ھدی کا جانور ذبح کرتے ہوں یہ مسلمان یہاں قربانی کا جانور ذبح کرتے ہوں حاجی لوگ طواف زیارت کرتے ہوں اور یہ لوگ یہاں نمازِ عید پڑھتے ہوں، حاجی لوگ وہاں سر منڈائیں یہ لوگ یہاں غفلتیں مٹائیں، حاجی لوگ وہاں شیطان کو مارتے ہوں، یہ لوگ یہاں یادگاریں منائیں۔ تیسرا اعتراض۔ مسخر کرنے کا ذکر دو بار کیوں فرمایا گیا پہلے كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ، پھر كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ۔ جواب۔ پہلی تسخیر سے مراد مسلمانوں کے لیے قربانی کے بُدنہ جانوروں کو مسخر کرنا اور لکم میں خطاب قربانی کرنے والوں کو ہے كَذٰلِكَ کا مشار الیہ صَوَافَّ ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے لیے اسی طرح بندھنے کے لیے جانور کو مسخر کر دیا کہ تم ذبح کے لیے باندھتے ہو اور وہ چپ چاپ بندھتے چلے جاتے ہیں۔ اگر منجانب اللہ یہ تسخیر نہ ہوتو تم قطعًا نہ باندھ سکو، دوسری تسخیر سے مراد عام جانوروں کی ہمہ وقتی مراد ہے اور لکم میں خطاب تمام انسانوں سے ہے مسلم غیر مسلم۔ كَذٰلِكَ کا مشار الیہ پہلی تسخیر ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اے انسانو جس طرح ذبح کے لیے ہم نے جانوروں کو مسخر فرما دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب انسانوں کے لیے ہر قسم کا چھوٹا بڑا چوپایہ جانور مسخر کر دیا۔ اسی لیے تم ان کے مالک اور سوار بن جاتے ہو، ان پر مال لادتے ہو، گاڑی میں لگا کر سارا دن روزانہ بھگاتے اور مارتے پیٹتے ہو وہ کچھ نہیں کہتے اشاروں پر چلتے ہیں، اے انسانو یہ تسخیر اس لیے ہے تاکہ تم بھی اپنے رب تعالیٰ کے حضور مسخر ہو جاؤ اور اے کفار کفر چھوڑ کر ذاتِ الٰہی کی تکبیر بولو اس کی عظمت کبریائی پر ایمان لاؤ، اور مسلمانوں تم غفلت چھوڑ کر اعمال صالحہ سے تکبیر الٰہی کا اظہار کرتے رہو۔ اور بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ سے مراد تمام انسانوں کو ان جانوروں کا عطیہ کرنا ہے اور اہل ایمان کو تعلیم نبوی کے ذریعے سچا راستہ دکھانا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ اور ہم نے جسم مومن کو نفسِ عظیم کا بدنِ شریفہ بنا دیا، اور دنیا و آخرت میں قدر و منزلت کا مقام قبولیت عطا فرما کر شعائر اللہ میں شامل و شمار کر لیا گیا اب یہی ہدایتِ معظمہ کا شانِ علیا ہے اے

عام و خاص انسانوں تمہارے بیلے اِن وجوہ سے دین میں سعادت و کمال کی خبر ہے لہٰذا اگر تم بھی کامیابی کے طلب گار اور متلاشی ہو تو اِن کی صفات و عادات کی مطابقت اور نقشہ و عبادات پر ذکر اسمِ اللہ کی یاد مناؤ اور ان کی شانِ عظیم پر اسم الٰہی کا وِرد کرو تاکہ تمہارے اخلاقِ ذمیمہ کا نحر اور عاداتِ رذیلہ کا ذبح ہو جائے، اور عباداتِ ربانیہ کی پابندی میں اپنے اجسام صوافّ کر کے جکڑ لو اس طرح کہ شریعت کی رسی سے خواہشاتِ دنیوی کے پیر باندھ لو اور آدابِ طریقتوں میں دلوں کو قابو کر لو۔ دلِ بدست آور کہ حج اکبر است۔ پھر جب حرکاتِ نفس اور اضطراب طبیعت میں سکون و وقوف آجائے اور نفس امارہ حیاتِ شہوات کی زمین ذلت پر گر کر ختم ہو جائے اور سب تڑپ پھڑک اکڑ مٹ جائے تو وجودِ مومن کے فضائل اعمال سے خود بھی فائدہ حاصل کر لو روحانی غذائیں پالو۔ اور مریدینِ صادقین اور طالبین و سالکین کو لذاتِ روحانیہ کا فائدہ پہنچاؤ۔ جس طرح اُن پر آسانیاں فرمائیں تھیں اے ایمان و اخلاص والو اسی طرح اسلام کی ہر عبادت ریاضت زہد و تقویٰ چلہ، مراقبہ خلوتِ جلوت انتہائی آسان اور مسخر کر دی ہم نے تم سب بندوں کے بیلے تاکہ تم سب اطمینانِ جسمانی، سکونِ روحانی، فوائدِ ایمانی کا شکر اطاعت کر سکو اور تحفہ ہمت سعادتِ الفت، توفیق اِستقلال کی حمایتِ فی سبیل اللہ پالو (ابن عربی) نفسِ انسانی بھیمہ ہے یہ خواہشات شہوات، حرص و لالچ کے چار پاؤں والا چوپایہ ہے اِس کو کعبۂ قلب کی قربان گاہ میں لے جاکر عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی کی رسیوں سے جکڑ کر باندھ دو تاکہ یہ شعائر اللہ میں سے ہو جائے اور اس پر اعلامِ دین و اہلِ صدق اور طلبِ خلوص کے شعائر و نشان لگ جائیں پھر جلال کبریائی کی چھری سے اُس کو ذبح کر دو اسی میں تمہارے بیلے دنیا و آخرت کا خیر و فیضان ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ اے بندو گوشِ ہوش سے سن لو کہ کسی بھی عابد و زاہد کے عملیات کے لحوم باطنی اور کمالاتِ عقلیات کی خواہشاتی غذاؤں کے خون منزلِ قرب و قبول تک نہیں پہنچتے۔ بلکن تجردِ خالص کا تقویٰ اور تیتِ بے ریا کی صفاتِ حسنات کا زہد اُس کی بارگاہِ قدس تک پہنچتے ہیں، کیونکہ وصولِ اِلی اللہ کا سبب فقط فنا فی اللہ کا تجردِ خالص ہے نہ کہ مکانِ رذائل میں حصولِ فضائل، جس طرح تمام نفسانی قوتوں کو

ریاضتِ عبدیت سے مسخر فرمایا اس طرح اِن تمام دنیوی قوتوں کو بھی رب تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر فرما دیا تاکہ تم ہر جلوتِ رنگ و بو سے علیحدہ ہو کر اور بحرِ اَلَسۡتُ میں ہمہ تن غرقاب ہو کر نعرۂ قَالُوۡا بَلٰی کی تکبیریں بولو اُسی تعلیم مصطفائی اور طریقۂ مجتبائی کے مطابق جو تم کو تمہارے رب تعالیٰ نے زبانِ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہدایت کی کہ ہدایت کبریائی ہے زبان مصطفائی ہے۔ اے محبوب جلوت اور حبیبِ خلوت بشارت فرما دے میرے اُن مُخۡبِتِیۡنَ فی العبادت اور مُتَاہدین فی المحبۃ اور مشغول فی العبدیت و مشہور فی الحُبّیت کو بقائی الفنا اور حالِ استقامت مقالِ تمکین کی کہ سب کو فنا ہے مگر شہیدانِ جمال کو بقا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ایسے ہی ایمان والوں سے نفسانیت کی ظلمت کا دفاع فرما کر حجابتِ قوتِ روحانی کی توفیق دیتا ہے، کیونکہ ہر نفسِ امّارہ خَوَّانِ امانت ہے اور ہر عقل آزاد کفورِ نعمت ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نہ خائنِ ذلیل کو پسند فرماتا ہے نہ کفورِ لعین کو، نفسِ خائن نے وعدۂ قَالُوۡا بَلٰی سے غداری کی اور عقلِ کفور نے نعمتِ فہم و شعور کو معصیتِ دنیوی میں استعمال کر دیا (ابن عربی) مُخۡبِتِیۡنَ وہ ہیں جن کی عبادت میں رویتِ جمال ہوا ور دیدارِ جمال میں خشیتِ حق ہو یہ بندے صرف فضلِ رضوان کے طالب ہوتے ہیں۔ اے بندو نہ ہر مال خدا نہ ہر رب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ ہر دل خدمتِ ربّ تعالیٰ کی لیاقت رکھتا ہے تو تو جلدی کر اپنے اعمال کی توبہ میں اور مال کی سخاوت میں جلدی کر ورنہ تیرا مال صرف تیرے نفس کے لیے اور تیرا مال صرف تیرے بدن کے لیے ہو جائے گا اور تو مُخۡبِتِیۡنَ سے خارج کر دیا جائے گا کیونکہ مُخۡبِتِیۡنَ کا مال برائے مہمان اور جان برائے قربان ہوتی ہے اور قلب برائے رحمٰن ہوتا ہے، سچی قربانی طہارتِ قلب ہے اس کا سچا نفع تجلیاتِ انوار کا مشاہدہ ہے، مجاہدے کی چھری اور فناءِ وجود کے نشتر سے نفسِ امّارہ کا نحر و عقر بھی ذبحِ عظیم ہے وہ جان جو قربان نہ ہو وہ مردار ہے، جو شمشیرِ دوست سے کشتۂ ذبح نہ ہو وہ لاشۂ بے جان سے بدتر ہے۔ تکبیر یہ ہے کہ بندہ راہِ کبریا میں قربانی پیش کر دے اے بندو جانوروں پر تکبیرِ ذبح پڑھتے ہو کبھی اپنے احوال پر تکبیرِ ذبح پڑھو تاکہ شہوات و خواہشات کے ٹکڑے ہوں بندے کو چاہیئے کہ تکبیر و بسم اللہ سے نماز میں بسمل ہو جائے۔ جسم کو مثلِ اسماعیل بنا لو اور جان کو مثلِ ابراہیم بنا لو جو رضا کی چھری اور بقا کی تکبیر جسم جمیل پر چلا دے اور جانِ جلیل کا نذرانہ بارگاہِ جلیل میں بھیج کر وَجَبَتۡ جُنُوۡبُہَا کا نظارۂ عشق آشکار کر دے تاکہ گناہِ گذشتہ اور جرائمِ مکتوبہ کی وجہ سے لَبَّیۡکَ وَ سَعۡدَیۡکَ کا جواب لا لَبَّیۡکَ وَلَا سَعۡدَیۡکَ لَکَ نہ ملے بڑا نازک مقام ہے کوئی ورلیاں ہوتی لے قربان۔ (تفسیر روح البیان)

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ

اجازت دیدی گئی ہے اُن لوگوں کو جو قتل کیے گئے۔ اس لیے کہ وہ ظلم کیے گئے ہیں

پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ اُن پر ظلم ہوا

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

اور بے شک اللہ اُن کی مدد پر بہت جلدی اظہارِ قدرت فرمانے والا ہے۔ وہ لوگ

اور بے شک اللہ اُن کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ جو اپنے

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ

جو نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے بغیر کسی وجہ کے مگر اس وجہ سے کہ وہ

گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا

يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر نہ دفاع کرنا ہوتا اللہ کا لوگوں کو

ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

اُن کے بعض کو بعض سے تو یقیناً گرائے جاتے رہتے، گرجے اور کنیسے

دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں اور گرجا۔

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ

اور عبادت گاہیں اور اب مسجد بھی۔ ذکر کیا جاتا ہے جن میں

اور [illegible] مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت [illegible] نام لیا جاتا ہے

اللّٰهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ

اللہ کا نام کثرت سے اور یقیناً اللہ مدد کرے گا ہر اس شخص کی جو ساتھ دے گا اس کا

اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اُس کی جو اُس کے دین کی مدد کرے گا

إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ البتہ قوت والا غلبے والا ہے۔

بے شک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر جانوروں کا خون بہانے اور قربانی کرنے کا حکم و طریقہ بیان ہوا۔ اب اِن آیت میں مسلمانوں کو حکم و اذن دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے بھی خون جان و مال قربان کرو اور جہاد کے ذریعے کفار کے بھی خون بہاؤ۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں زمانۂ جاہلیت کے کفار کا ذکر ہوا جو وہ قربانیوں کے خون سے کعبے کی دیواروں کو گندا کرتے تھے اَب اِن آیت میں موجودہ کفار کے مسلمانوں کے ساتھ برے سلوک کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے یہ کافر کعبے کو گندے خون سے لتھیڑتے تھے اب اسی رب تعالیٰ کا نام لینے والوں کو کعبے اور اس کے شہر مکہ سے نکالتے ہیں۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ نے کمزور انسانوں کے بس میں اتنے بڑے بڑے جانور اونٹ گائے بھینس کر دئے تاکہ شکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ورد کریں اور عبادت کریں اب اِن آیت میں وہ مقامات بیان فرمائے جا رہے ہیں جہاں رہ کر مومن شکر و عبادت اور تکبیریں بلند کریں۔

شانِ نزول کفارِ مکہ تقریباً روزانہ ہی صحابہ کرام کو ہاتھوں اور زبانوں سے ایذا پہنچاتے کفار کی یہ تکلیفیں جھیل کر صحابہ کرام فرمان نبوت کے اتباع میں صبر سے کام لیتے لیکن کبھی کبھی حد سے بڑھی ہوئی تکالیف پر مظلوم صحابہ کرام بارگاہِ اقدس میں فریادیں کرتے تب آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مزید صبر کی تلقین فرماتے کہ ابھی مجھ

کو جہاد کی اجازتِ ربانی نہیں ملی، پھر جب مدینہ منورہ کو ہجرت ہوئی تب یہ آیت نازل ہوئیں از ۱؎ تا ۲؎ ان میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار سے جہاد کی اجازت ملی اور یہ آیت اس سورۃ کی مدنی ہیں۔

تفسیر نحوی اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ اُذِنَ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب اس کا نائب فاعل اسی کا مصدر اِذْنٌ حاصل مصدر جامد ہے ترجمہ ہے اجازت دی گئی۔ لام جارہ نفع کا متعدی کے لیے بمعنی کو اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع يُقٰتَلُوْنَ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب "قتل" سے مشتق ہے مصدر ہے مُقَاتَلَۃٌ بمعنی جنگ کرنا ایک دوسرے کو قتل کرنا یہاں مفاعلت مبالغے کے لیے ہے یعنی خوب ظلماً ایک طرف سے قتال ہونا نہتوں کو مارا گیا، یا مراد ہے ایک طرف سے ظلم اور قوت سے قتال ہوا دوسری طرف سے اپنے دفاع اور بچاؤ میں قتال ہوا۔ اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر پوشیدہ ہے مرجع اَلَّذِيْنَ ہے ایک قرأت میں اَذِنَ اور يُقٰتِلُوْنَ دونوں فعل معروف ہیں یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اُذِنَ کا بَ حرفِ جر سببیہ برائے علت اس کا مابعد جملہ علت اور وجہ ہے اُذِنَ کی بعض نے کہا یہ بیان ہے يُقٰتَلُوْنَ کا اور بَ بیانیہ ہے یعنی قتل کیے گئے وہ اس طرح سے کہ ظلم کیے گئے مگر پہلا قول درست ہے اَنَّ حرفِ مشبہ ھُمْ ضمیر اُس کا اسم ظُلِمُوْا باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر اَنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور متعلق ہے اُذِنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ اِنَّ حرفِ مشبہ اللّٰہ اس کا اسم عَلٰی جارہ نون تنوین کا نَصْرِ مصدر مضاف ھُمْ ضمیر مفعول مضاف الیہ یہ مرکب اضافی شبہ جملہ ہو کر مجرور متعلق مقدم ہے لام تحقیقی بمعنی بیشک یقیناً یا یہ لام ظرفیہ زمانیہ ہے بمعنی بہت جلدی۔ اور قَدِيْرٌ اسم فاعل صفتِ مشبہ کا معنی قدرتِ فعلی ہے نہ کہ بالقوہ مگر پہلا قول درست ہے قَدِيْرُ دراصل قَدِيْرٌ ہے اگلی عبارت سے وصل کے لیے تنوین بشکل نون ہو گئی۔ قَدِيْرًا اپنے پوشیدہ ضمیر فاعل متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی یہ سب اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول۔ جمع مذکر۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ ایک قول میں بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ بیان یا صفت ہے یا بدل اُلکل ہے لِلَّذِيْنَ کا ایک قول میں بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ مقدم ہے اُن کے نزدیک اُخْرِجُوْا فعل

معروف ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اُخْرِجُوْا بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے دِیَار اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے دَارٌ بمعنی چار دیواری مراد ہے پورا گھر مضاف ہے ہِمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق اول ہے اُخْرِجُوْا کا بِ جارّہ زائدہ غَیْرِ اسم نافیہ مضاف ہے حَقٍّ مُستثنیٰ مِنْہُ اِلَّا حرفِ استثنیٰ، اَنْ حرفِ ناصبہ یَقُوْلُوْا. فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا. رَبُّنَا مرکب اضافی مبتدا ہے اللّٰہُ اس کی خبر ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مقولہ ہوا یہ دونوں قول مقولہ جملہ قولیہ ہوکر مستثنیٰ منصل ہوا حَقٍّ کا دونوں مل کر مضاف الیہ غَیْرِ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق دوم ہے اُخْرِجُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اَلَّذِیْنَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا. وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ

واو بر جملہ لَوْ حرفِ شرط لَا حرفِ نفی منصل ہوکر ایک لفظ بن گیا اور عربی میں چار طرح مستعمل ہے ۱ لَوْلَا امتناعیہ. یعنی اگر ایسا نہ ہوتا تو یعنی یہ مانعت ورکاوٹ ہوئی ہے اور فائدہ پہنچا ہے یہاں یہی صورت مراد ہے ۲ لَوْلَا توبیخیہ ۳ تحضیضیہ (آمادہ کرنے کے لیے) ۴ استفہامیہ بمعنی کیوں نہیں (دوانفی!) ۵ لَوْلَا نافیہ اس میں اختلاف ہے دَفْعُ مصدر (مصدر مضاف) اللّٰہ فاعل مضاف الیہ النَّاس مُبدَل منہ بعض مضاف ھُمْ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع اَلنَّاسَ. جمع ہے یہ مرکب اضافی بدلُ البعض ہے اَلنَّاس دونوں مل کر مفعول بہ ہے بِبَعْضٍ یہ جار مجرور متعلق ہے دَفْعُ مصدر مضاف کا سب مل کر شبہ جملہ ہوکر شرط ہے. لَھُدِّمَتْ لام برائے جزاءِ تحقیقیہ ھُدِّمَتْ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مؤنث غائب اِس کا مصدر ہے تَھْدِیْمٌ، ھَدْمٌ سے بنا ہے بمعنی ڈھا دینا، گرا دینا ویران، بے آباد کرنا یہاں سب معنی مناسب ہیں صَوَامِعُ اسم جمع منتہی الجموع غیر منصرف اس کا واحد ہے صَوْمَعَۃٌ بر وزنِ فَوْعَلَۃٌ یا فَعْوَلَۃٌ بمعنی وہ مکان جس کی چھت لمبے گول مینارے کی طرح جیسے اونچا لمبا مندر عیسائی لپنے گرجا (چرچ) کو بھی اسی طرح گھنٹہ گھر کے مشابہ بناتے ہیں اس لیے اُس کو صومعہ کہتے ہیں. یعنی کان منہ جڑے ہوئے سخت بہرے کو اَصْمَعُ اسی معنی میں کہتے ہیں کہ اُس کے کان منہ سے جوڑ کر بات کی جاتی ہے. اصطلاح میں عیسائیوں کے عبادت خانے کو کہتے ہیں مراد ہیں

پہلے زمانے کے یہودی عیسائی واؤ عاطفہ بِیَعٌ جمع مکسر ہے بِیْعَۃٌ کا بمعنی کنیسہ یہودیوں کا عبادت خانہ واؤ عاطفہ صَلَوٰتٌ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے صَلوٰۃٌ بمعنی نماز مراد ہے نمازوں کی جگہ عبادت گاہ گویا کہ صَوَامِعُ اور بِیَعٌ عام بڑی عبادت گاہیں اور صَلوٰۃ سے مراد چھوٹی گھریلو یا محلے وار عبادت گاہیں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے کیونکہ نماز یعنی عبادتِ جسمانی وجہ ہے عبادت گاہ بنانے کی واؤ عاطفہ مَسَاجِدُ اسم جمع منتہی الجموع غیر منصرف اسی لیے صَوَامِعُ اور مَسَاجِد پر تنوین (دو پیش) نہیں آئی۔ یہ چاروں لفظ معطوف علیہ معطوف ہو کر موصوف ہیں۔ ایک قول ہیں صرف مَسَاجِدُ غیر منصرف ہے یُذْکَرُ باب نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب فِیْھَا جار مجرور متعلق ہے یُذْکَرُ کا ھَا ضمیر کا مرجع یہ چاروں عبادت خانے ہیں اور عبادت خانے پہلے زمانے کے مراد ہیں جب کہ یہودی عیسائی اللہ تعالیٰ کی سچی عبادت کرتے تھے اپنے اپنے زمانوں میں اِسْمُ اللّٰہِ مرکب اضافی ذُوالحال کَثِیْرًا۔ اسم صفت مشبہ واحد مذکر اس کی جمع ہے کَثِیْرِیْنَ مذکر یہ دونوں مل کر نائب فاعل ہے یُذْکَرُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے صَوَامِعُ کے پورے عطف کی یہ مرکب توصیفی نائب فاعل ہے صُدِّمَتْ کا وہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی لَوْلَا کی دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ لَیَنْصُرَنَّ، باب نَصَرَ کا فعل مضارع لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد مذکر غائب معروف اللہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدم ہے مَنْ اسم موصول شرطیہ یَنْصُرُ فعل مضارع مثبت معروف خیال رہے کہ مَنْ شرطیہ مضارع کو جزم دیتا ہے مگر یہاں تاخر کی بنا پر مضارع کو جزم نہ آیا۔ اور اس لیے کہ یہ حقیقی شرط و جزا نہیں اس میں توصیفیۃ کے معنی پنہاں ہیں، یَنْصُرُ کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہٗ ضمیر منصوب بہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ مراد ہے اللہ کا دین یا اس کے علما اولیا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ موصول صلہ مل کر شرط مؤخر ہے لَیَنْصُرَنَّ کے جملے کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اللہ اسم۔ لام لَقَوِیٌّ تاکید یہ بمعنی اَلْبَتَّہ (یقیناً)، قَوِیٌّ، بروزنِ فَعِیْلٌ اصل میں قَوِیْیٌ تھا قُوَّۃٌ سے مشتق اسم صفت مشبہ واحد مذکر، عَزِیْزٌ اسم صفت مشبہ۔ بروزنِ فَعِیْلٌ ان دونوں موصوف صفت کی جمع قَوِیِّیْنَ اور عَزِیْزِیْنَ مذکر سالم ہے، عزیز کی جمع اَعِزَّۃ بھی آتی ہے مگر خلافِ قیاس صرف سماعی یہ مرکب توصیفی خبر اِنَّ کی ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول

میں قَوِیٌّ اور عَزِیْزٌ دونوں علیحدہ علیحدہ دو خبریں ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ اِنَّ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ اب اجازتِ جہاد دیدی گئی ہے اُن مظلوم صابرین، شاکرین متقین، بہادر باوفا مسلمانوں کو جو اپنی زندگی کے دراز عرصے تک کافرین ظالمین مغرورین کے ظالمانہ قتل مصائب میں محض مظاہرۂ صبر وتحمل برداشت وبُردباری کرتے ہوئے پھنسے رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر وقت اُن کی ہر قسم کی مدد پر قادر وقدیر ہے۔ یہ وہی مظلومین ہیں جو ناحق رُلائے تڑپائے ستائے اور نکالے گئے اپنے وطن کے گھروں سے ایذائیں دے دے کر اس طرح نکالنے کا کوئی حق اور وجہ نہ تھی، سوائے اِس کے کہ وہ مظلومین لوگ قلب وزبان عقل وایمان، شعور وعرفان سے یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ وہی مالک وہی مجود ہے وہی معبود ہے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں رَبُّنَا اللّٰہُ کا معنیٰ ہے پورا دینِ اسلام، اور اسلام نام ہے توحید ورسالت کا کفار کا انہوں نے کوئی نقصان نہ کیا تھا، اُن کو دُکھ اور بغض مسلمانوں کا صرف یہ کہنا تھا کہ ہم کسی بُت دیوی، دیوتا، لات ومنات کو نہیں مانتے، یہ ہمارا فطرتی یقین ہے اور اپنے اِس یقینِ محکم پر رہیں قدرتی حق ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اتنی صبر آزما کشمکش کے بعد اُن کے لیے اِذنِ جہاد کے ساتھ ساتھ اِنعامِ نصرۃ کا بھی وعدہ ہے ابتداءِ آفرینش سے دینِ حق کا یہ طریقۂ کار چلا آرہا ہے کہ اپنے ماننے والوں کی دو شانیں اَقوامِ عالم کے سامنے پیش فرماتا ہے، پہلی شانِ صبر دوم شانِ شکر۔ صبر اس طرح کرو کہ باوجود قدرتِ انتقام اور قوتِ مُدافعت کے ہمتِ صبر کا مظاہرہ کرو تاکہ پختگیِ ایمان کے ساتھ ساتھ کھوٹا کھرا بھی نکھرتا چلا جائے اور اچھوں سچوں میں قوتِ مزید پیدا ہو جائے، دینِ حق کی نعمتیں آرام طلبی میں نہیں ملتیں، تیرہ ۱۳ سال تک تاریخ عالم کو مسلمانوں کی شانِ صبر کا مظاہرہ کرایا گیا اور باوجود انتقام ومُدافعت کی اجازت طلب کرنے کے، آستانۂ نبوی سے اجازت نہ ملی کوہِ صفا کی پہلی تبلیغ سے لے کر ہجرت والی آخری رات تک کونسا ایسا ظلم جبر قہر اذیت تکلیف تھی جو کفارِ مکہ نے مسلمان صحابہ کو نہ پہنچائی ہو۔ مسافر، غربا اور غلام صحابہ تو ایک طرف بڑے رئیس اور رامبزادے اہلِ خاندان، اہلِ وطن اپنوں

ہی کے ہاتھوں جبر و ظلم کی چکی ابتدا کی مصیبت میں پیسے جا رہے ہیں۔ اگر بلال کو غلام، یاسر کو غریب سلمان فارسی کو مسافر سمجھ کر بھوک سے تڑپایا، دھوپ میں لٹایا، مار سے پچھاڑا یا ستایا جا رہا ہے، تو عثمانِ غنی بن عفان اور ابو بکر صدیق جیسے اہلِ خاندان اُمرا و سردارانِ قوم کو بھی ناقابلِ برداشت طرح طرح سے دردناک و غمناک اذیتیں دی جا رہی ہیں، بجز فاروقِ اعظم اور امیر حمزہ کے تقریباً تمام صحابہ کرام کو جی بھر کر ستایا گیا ظلم ڈھایا گیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان دونوں حضرات کی تو پُر جلال شکل دیکھ کر ہی بڑے سے بڑے کافر سردار کی روح فنا ہوتی پتہ پگھلتا تھا۔ ان کے علاوہ ہر صحابی مسلمان کو قولی، فعلی، مار دھاڑ، لہو لہان، طعن و طنز مذاق و تمسخر رکاوٹ و کھچاوٹ، پیٹ کر گھسیٹ کر لٹا کر پٹا کر گالی گلوچ، دشنامی بدکلامی چھین کر لوٹ کر غرضکہ اجتماعاً و انفراداً جتنے بھی ظلم و جفا شرارت و بربریت کے ہتھکنڈے مکہ کے کفار سے ہو سکتے تھے وہ مسلمانوں پر کئے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ کفارِ مکہ اور سردارانِ کفر بہت طاقتور، جنگجو، تندخو، دلاور و بہادر تھے یا مسلمان بہت کمزور، بیمار، بزدل تھے نہیں نہیں، بلکہ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمان اپنے آقا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب عزّوجلّ کی اجازت کے بغیر انتقام کا ہاتھ اور مدافعت کی تلوار نہ اٹھا سکتے تھے کئی دفعہ غلام و غریب صحابہ نے بھی اپنے زخم دکھا کر اجازتِ انتقام طلب کی مگر ہجرت سے قبل تک ہر بار زبانِ نبوت سے یہی جواب ارشاد ہوتا رہا۔ اُصْبُرُوْا وَلَمْ اُؤْمَرْ بِقِتَالٍ۔ یعنی اور صبر کرو۔ ابھی مجھے اجازتِ قتال، جہاد نہیں ان ظالم کفار کی بزدلانہ بربریت ظاہری بہادری ہتھوں پر ظلم کا دعا ہاتھ چلا کی کا بھانڈا تو ایک دن ایک بار اس وقت پھوٹا۔ جب کہ امیر حمزہ ابھی بحالتِ کفر تھے۔ آپ باہر تشریف نہ تھے کسی نے ان کو خبر دی کہ آج ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمد کو بہت برا بھلا کہا اور گالیاں دی ہیں۔ امیر حمزہ کو خونی رشتے کا طیش آگیا چہرہ غصے سے لال ہو گیا اور ابو جہل کو ڈھونڈنے کعبے کے پاس آئے وہ اس وقت بہت سے لوگوں اور سردارانِ مکہ کے درمیان بیٹھا تھا، آپ نے جاتے ہی ابو جہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ وہ لہو لہان ہو گیا سر پھٹ گیا، لیٹ کر تڑپنے لگا پھر پیٹ میں اس زور سے لات ماری کہ بلبلا اٹھا، سارے سردار اور موجود لوگ اس ناگہانی حملے سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے آپ کا چھوٹا بھائی ابو لہب ابو جہل کی حمایت میں کچھ بولا تو آپ نے ابو لہب کی طرف ایسی زہر آلود غضبیلی نگاہ سے دیکھا کہ ابو لہب ملعون تاب نہ لا سکا اور بھاگ گیا پھر آپ نے ابو جہل سے کہا کہ آج تو نے میرے بھتیجے کی شان میں گستاخی کی ہے جس کا

یہ سزا ہے اگر آئندہ کی تو زبان کاٹ لوں گا۔ ابو جہل کو اُسکے لوگ اٹھا کر گھر لے گئے امیر حمزہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے اے بھتیجے آج میں نے ایسا کام کیا ہے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر بتایا کہ آج میں نے ابو جہل سے آپ کی گستاخی بدتمیزی کا بدلہ لے لیا ہے۔ آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا عَمِّ اِنِّیْ لَا اُحِبُّ اِنْتِقَامَكَ وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ اِیْمَانَكَ۔ یعنی اے میرے چچا جان میں تمہارے انتقام لینے سے خوش نہیں ہوتا، مجھے تو آپ کا ایمان لانا خوش کرے گا تب آپ اُسی دن یا چند دن بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ بہر حال اس واقعے کی دھشت کفار کے دلوں پر اتنی طاری ہوئی کہ آٹھ دن تک کوئی سردارِ کفر گھر سے باہر نہ نکلا ان ہی دنوں میں ایک دن ابو جہل روتا ہوا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد از وجودِ تو حیاتم زار زار۔ از حیاتِ تو وجودم پاش پاش۔ یعنی تیرے وجود سے میری زندگی زار زار روتی ہے اور تیری زندگی سے میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے، تو نے تو دوست کو دوست سے لڑا دیا عجیب فساد مچا دیا (معاذ اللہ) اسی طرح فاروق اعظم کے مسلمان ہونے کا واقعہ ہے کہ آپ جب مسلمان ہونے کے لیے درِ اقدس پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ اندر کچھ صحابہ کرام اور خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ ابو جہل کے دار الندوہ سے اٹھ کر تو حضرت عمر کسی غلط ارادے سے آئے تھے اور ننگی تلوار لے کر نکلے تھے اسی حالت میں آپ یہاں آگئے۔ ہاتھ میں اگرچہ وہی تلوار مگر اب حالت وہ نہ تھی جب دروازہ کھٹکھٹایا تو کسی صحابی نے کواڑ کی دراڑ سے باہر دیکھ کر بتایا کہ باہر عمر ہیں ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ کچھ صحابہ نے غصہ سے کہا کہ عمر کی یہ جرأت کہ یہاں آئے، پھر امیر حمزہ بولے خیر سے آیا تو آنے دو۔ ورنہ اسی کی ہی تلوار ہو گی اُس کی گردن پر۔ غرضکہ کفار مکہ کا یہ جور و جفا برداشت کرنا مسلمانوں کی بزدلی کمزوری کی بنا پر نہ تھا بلکہ عشق ایمانی کی آزمائش ۱ صبر عظیم کا مظاہرہ ۳ اطاعتِ نبوی کا ثبوت ۴ اور اقوام عالم کو بتانا تھا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ حُسنِ اخلاق اور عشقِ بے تاب سے پھیلا، تلوار تو مدافعت کے لیے بھی تبلیغِ اسلام سے چودہ سال بعد اُس وقت ملی جب ظلم کفر حدود سے باہر ہو گیا اور ظالم کفار کو اپنے ظلم پر غرور اور مسلمانوں کی برداشت سے غلط فہمی ہونے لگی، سنِ میلادی کے ترپن سال اور سنِ بعثت کے تیرہ سال جب ہوئے اور کفار مکہ کا ظلم و ستم کسی طرح کم

ہوتے ہیں نہ آیا اور مسلمانوں نے جہاد کی اجازت مانگی تو بعثت کے تیرھویں سال یکم محرم یا دس محرم کو ہجرت کی اجازت ملی لہٰذا بہت سے مسلمان وقتاً فوقتاً قافلہ، قافلہ ہو کر پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ یہ ہجرت قولی سنت تھی، پھر خود آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت ملی اس کی تاریخ میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یکم ربیع الاول کو اجازت ملی اور تین دن بعد ہجرت فرمائی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ابوجہل نے اپنے دارالندوہ میں سب سرداران مکہ کو جمع کیا اور مشورہ ہوا کہ تین دن بعد رات کے وقت سب مل کر سونے کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یک دم حملہ کر کے قتل کر دیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہوا، اسی دن حضرت جبرئیل نے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ پرسوں رات آپ یہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ جبرئیل امین علیہ السلام کا یہ پیغام وحی خفی تھا بعض نے لکھا ہے ہجرت اجازت کے لیے سورۂ مزمل شریف کی آیت ١٠ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ سے ہجرت کی اجازت ملی دونوں قولوں کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس آیت سے اذن ہجرت ہوئی اور پیغام جبرئیل سے حکم اور وقت ہجرت ملا، آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تمام ملکی مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہو گیا ہجرت کے بعد بھی کفار مکہ کی شرارتیں کم نہ ہوئیں بلکہ یہاں مزید یہودیوں کی خفیہ سازشیں کفار مکہ سے جاسوسی مخبری اور منافقین کا تعاون کفر بھی شامل غرضکہ تین قوتیں مسلمانوں کے خلاف جمع ہو گئیں پہلی کفار مکہ دوم یہودیوں کی سوم منافقین کی۔ اگر اسلام سچا دین نہ ہوتا تو اس یلغار کی طاقت نہ پاتا، اور اگر نبی کریم رحمۃ عالمین نہ ہوتے تو ان تینوں گروہوں پر عاد و ثمود سے بھی سخت عذاب آتا۔ کفار مکہ کی اب شرارتیں اس قسم کی ہوتیں کہ کبھی ڈاکو بن کر مزدوروں چرواہوں سے جانور چھین کر لے جاتے۔ کبھی چور بہروپیہ بن کر مسلمان بنتے پھر موقعہ ملتا تو کسی کی چیزیں یا جانور چرا کر بھاگ جاتے یا کسی اکیلے غافل کو قتل کر کے بھاگ جاتے یا کبھی کوئی وفد منافقانہ مسلمان ہو جاتا اور صحابہ کو ورغلاتا وسوسا تا اس اسلام سے بہکاتا۔ تب ٢ھ میں عید الاضحیٰ کے دن بعد نماز عید۔ اس آیت کریمہ کے نزول سے مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت ملی اور فرمایا گیا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ، یہ مسلمانوں کی پہلی نماز عید با جماعت تھی پھر سات ماہ بعد ستائیس رجب ٢ھ میں سورۂ بقرہ کی آیت ١٩٠ نازل ہوئی غزوۂ بدر سے تقریباً دو ماہ پیشتر وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ

اِس آیتِ پاک سے حکم جہاد مِلا۔ اور اِس آیت سے جنگ مومن کا نام جہاد رکھا گیا، پھر اِس کے بعد جہاد کے مختلف طریقوں کو بیان کرنے کے لیے وَقْتًا فَوْقْتًا حکم جہاد کی تقریبًا تیئیس ۲۳ آیت نازل ہوئیں۔ اِس اِذنِ قتال کی آیت اور سورۂ توبہ کی آیتِ سیف سے۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا وَاصْبِرُوْا کی تقریبًا بہتر ۷۲ آیتیں منسوخ ہوئیں۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا وَاصْبِرُوْا یعنی معافی دیتے، درگزر کرنے، صبر رکھنے کی اِن سب آیتوں سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بزدل نہ تھے۔ انتقام کی ہمت اور مدافعت کی قوتِ خداداد تھی اِس کے باوجود صبر کی تلقین میں حکمتِ ربانی تھی ورنہ کمزور کو وَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا نہیں کہا جاتا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ اور اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدافعت نہ ملتی کہ بعض لوگوں کو کچھ لوگوں کے ذریعے بچالیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ربّ العزت کی طرف سے بندوں کو مدافعت اور حفاظت کی چھ ۶ صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ایمان والوں کو عذابِ آسمانی سے بچالینا، دوم یہ کہ مومنین کے ذریعے ذمی کفار کو ہر ظالم سے بچالینا اور سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں کفار کی عبادت گاہیں بدخواہوں سے بچانا، سوم یہ کہ مجاہدین کے ذریعے ملک اور عوام کی حفاظت چہارم یہ کہ عادل حکام کے ذریعے مظلومین کی جان و مال کا بچاؤ اور اُن کے حقوق کی حفاظت، پنجم یہ کہ شرعی حدود و قصاص و تعزیرات کے ذریعہ جرائم کی روک تھام، ششم یہ کہ اِذنِ قتال و دِفاع کے ذریعے ظالم و فسادی کفار کی شکست و ہلاکت، غرضکہ نبیّین نے مومنین کی، مومنین نے ذمیین کی مجاہدین نے معذور قاعدین کی۔ عادلین نے مظلومین کی حاکمین نے مجبورین کی مدافعت و حفاظت فرمائی اِس کے علاوہ نیکوں کی دعاؤں، دن کے روزوں رات کی نمازوں نے سخیوں کی سخاوت نے زکوٰۃ صدقات خیرات ختمات کے ذریعے غافلوں فاسقوں کنجوسوں کی ناگہانی آفتوں بلاؤں، وباؤں سے مدافعت کی یہ مدافعتیں رب تعالیٰ کی ہی حفاظتیں ہیں ورنہ لَهُدِّمَتْ برباد ویران مقفل و ممنوع یا توڑ پھوڑ کر دیے جاتے گذشتہ و آئندہ کی تمام اُمتوں کے عبادت خانے۔ صوامع، یہودی کنیسے بِيَعٌ عیسائی گرجے صَلَوٰتٌ خانقاہیں مساجد۔ جیسا کہ پہلے زمانوں میں بخت نصر بادشاہ نے تمام عیسائی خانقاہیں گرجے توڑ دیئے۔ یہودیوں صابیوں کے کنیسے اور صابیوں نے مجوسیوں کے آتش کدے توڑے، مجوسیوں

نے انتقاماً یہودیوں صابیوں کے پھر انگریزوں نے یہودی صلوٰتوں کو اور ہندوؤں نے ایک بابری مسجد کو کمال پاشا نے ترکیہ کی تمام مساجد کو مقفل کر دیا تھا اِن میں نماز ممنوع آج بھی ترکیہ میں مساجد و اسلامیات پر پابندی ہے جیسا کہ جنگ لندن ۳/۹۸ ۳ ص۲ کالم ۵ مختصر خبروں میں خبر شائع ہوئی ہے صوامع یہود ونصاریٰ تارک الدنیا کی جنگلی خانقاہیں، بیعٌ شہری گرجے، صَلَوَاتٌ یہودی اور صابئین کے شہری مَعْبَدَ۔ اور مسلمانوں کی مسجدیں، سابقہ امتوں نے اپنی خصوصی عبادات کے لیے دنوں کا انتخاب بھی کیا تھا اور اپنے اپنے عبادت خانوں کے یہ نام بھی خود رکھے۔ مگر مسلمانوں کے لیے دن کا انتخاب یوم جمعہ بھی رب تعالیٰ نے خود اپنے کرم سے مقرر فرمایا اور اسلامی عبادات کے لیے عبادت گاہ کا نام مسجد بھی اللہ تعالیٰ نے خود رکھا۔ اس آیت میں معبدوں کی یہ ترتیب لفظی دو وجہ سے ہے ۱ یا اس لیے کہ شریعت کے بعد اشرف کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کہ صَوَامِعُ شرافت والی جگہ اور بِیَعٌ اُس سے بھی زیادہ شرافت والی جگہ اور بِیَعٌ سے بھی زیادہ شرافت والی جگہ صَلَوَاتٌ اور صَلَوَاتٌ سے بھی زیادہ شرافت والی جگہ مَسَاجِدُ اور شرافت کی زیادتی عبادت کی کثرت کی بنا پر۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگرچہ اپنے اپنے وقتوں اور زمانوں میں اِن دینوں کے منسوخ ہونے سے پہلے سب معبدوں میں صحیح اور سچی عبادتِ الٰہی ہوتی تھی اور وہ معبد اپنے شرعی دینی زمانوں میں درجہ بدرجہ شریف و اشرف تھے مگر تا قیامت سب میں زیادہ ہر طرح ہر وقت اشرف و افضل اور اکثر فی العبادت صرف مساجد ہیں اس لیے کہ تا قیامت صحیح سچی عبادت وطہارت صرف مسجد میں ہی ہوتی رہے گی جو عدداً۔ اداءً، وقتاً کثیر ہوگی ۲ اِس ترتیب کی دوسری وجہ ان کا زمانۂ تعمیر وجود ہے۔ اس طرح کہ سب سے پہلے دنیا میں زمین پر صَوَامِع بنائے گئے پھر بِیَعٌ پھر صَلَوٰتے، پھر دین اسلام کی بعثت پر مسجدیں لَهُدِّمَتْ سے عبادت گاہوں کو رب تعالیٰ نے پہلے زمانوں میں اہلِ ایمان کو قتالِ حیٰ للنین کا حکم دے کر۔ قتال کی دو قسمیں کر دیں ایک مدافعت کی صورت میں اپنی جگہ رہ کر دوم مقابلے اور حملے کی صورت میں آگے بڑھ کر، پھر اسلامی زمانے میں سلطنتِ اسلامیہ کو پھیلا کر بھی مُشرکین دشمنوں سے بچایا۔ اسلام میں رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ کسی مذہب کا معبد تباہ مت کرو نہ کرنے دو۔ بلکہ اہلِ ذمہ کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرو۔ اسی لیے آج بھی اسلامی ریاستوں میں غیر مسلموں کے صَوَامِع بِیَعے صَلَوٰتے۔ کنیسے، گرجے مندر، گردوارے محفوظ و امن میں ہیں، ہزار سالہ مُغلیہ دور میں دورِ شاہی، اس پر شاہد ہے۔ ہاں البتہ جس

جس مسجد کو سیاسی اڈہ اور اسلحہ و شرارت و جاسوسی مخبری کا مسلمانوں کے خلاف سازش خانہ بنا لیا جائے گا اُس پر یلغار کرنا جائز و ضروری ہے جیسا کہ سومناتھ کا مندر محمود غزنوی کے زمانے میں اِس کے علاوہ کوئی مثال اور واقعہ نہیں ملتا۔ کسی مندر، معبد کو کوئی خطرہ نہیں نہ انتقامی نہ سیاسی، نہ مذہبی، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد پر ہر وقت قادر ہے۔ کوئی چیز اُس کے لیے رکاوٹ نہیں۔ عزیز بزرگ جلیل و غالب ہے نہ اُس کو کوئی روک سکے نہ ٹوک سکے اُس کی ہر حکمت جاری و نافذ ہے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال: ۱۔ اُذِنَ کی قرأت میں دو قول۔ پہلا یہ کہ اُذِنَ فعل ماضی مطلق مجہول ہے یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے۔ دوم یہ کہ یہ اَذِنَ فعل معروف ہے معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی۔ اِذنِ جہاد کے ملنے میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا اسی آیت سے اجازت ملی ۲۔ بعض نے کہا کہ اِس آیت سے اجازت نہیں ملی بلکہ اجازت دیئے جانے کی اطلاع ملی۔ اصل اجازتِ جہاد سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۰ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ سے دی گئی ۳۔ بعض نے کہا کہ اصل اجازتِ جہاد سورۃ توبہ کی آیت ایک سو گیارہ ۱۱۱ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ۔ سے ملی، کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ اِذنِ جہاد سورۃ توبہ کی آیت ۵ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ سے ملی۔ مگر پہلا قول درست ہے کہ اِذنِ قتال سورۃ حج کی اسی آیت سے ملا۔ یہ اُذِنَ فرمانا اطلاع نہیں بلکہ اصلِ اذن ہے، اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۰ میں جہاد کا طریقہ اور سورۃ توبہ آیت ۱۱۱ میں جہاد کا مرتبہ اور ثواب بتایا گیا۔ اور سورۃ توبہ کی آیت ۵ میں انتقامی جہاد کا ذکر فرمایا اور کچھ آیت میں مدافعانہ قتال کا حکم ہے، دو قسم کی جہاد کی اجازت دیگئی ہے پہلی مدافعانہ دفاع کرتے ہوئے، پھر انتقامانہ آگے بڑھ کر علاقۂ کفر میں جاکر حملہ یلغار کرتے ہوئے اور پھر تبلیغی جہاد۔ اس طرح مسلمانوں کے جہاد تین قسم کے ہوئے ۱۔ مدافعانہ ۲۔ انتقامانہ ۳۔ مبلغانہ۔ یُقَاتَلُوْنَ کی قرأت میں دو قول ۱۔ یہ فعل مضارع مجہول ہے ۲۔ یہ یُقَاتِلُوْنَ فعل مضارع معروف ہے۔ دِیَارِھِمْ کے معنیٰ میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد شہر مکہ مکرمہ ہے ۲۔ بعض نے کہا اِس سے مراد بستی مکہ میں مسلمانوں کے ذاتی ملکیتی گھر ہیں۔ اِلَّاَ کے حکم میں تین قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ مستثنیٰ متصل کے لیے ہے بمعنیٰ مگر اور بقولِ کفار مسلمان چونکہ توحید و رسالت کو ماننے والے بن گئے اس لیے اخراج کے مستحق

ہو گئے۔ اور بت پرستی کا آبائی دین چھوڑ کر توحید باری ماننے کی پاداش میں مسلمانوں کو ستانا کفار مکہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق بنتا ہے ۲؎ بعض نے کہا یہ استثنیٰ منقطع ہے بمعنیٰ لیکن یعنی اہل ایمان مکہ مکرمہ سے نکالے جانے کے مستحق نہ تھے بلکہ حقیقت میں تو یہی مومن ہی مکہ مکرمہ میں رہنے کے حقدار تھے کیونکہ کعبۂ و حرم تو بنا ہی توحید اور عبادتِ الٰہی کے لیے تھا نہ کہ بُت پرستی اور شرک کفر کے لیے۔ تو گویا فتح مکہ حق بحقدار رسید کا مظاہرہ تھا۔ اِلاَّ لیکن محض توحید کی دشمنی میں یہ ایمان والے ناحق نکالے گئے۔ بعض نے کہا اِلاَّ مستثنیٰ منقطع ہے اس کا معنیٰ ہے سوائے، یعنی کفارِ مکہ کو ظلم ڈھانے کا کوئی بہانہ نہ ملا سوائے مسلمانوں کے رَبُّنَا اللّٰہ کہنے کے (کلمہ پڑھنے کے) لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ کی قرأت میں دو قول ہیں ۱؎ دَفْعُ اللّٰہِ ۲؎ دِفَاعُ اللّٰہِ۔ باب مفاعلۃ کا اسم مبالغہ اور معنیٰ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں مومنوں کی کفار سے مدافعت اور حفاظت کرنے والا ہے بار بار لَهُدِّمَتْ کی قرأت میں دو قول بعض نے کہا یہ باب تفعیل کا ماضی شرطیہ مجہول ہے بمعنیٰ بالکل ڈھا دئیے جاتے۔ لَهُدِّمَتْ یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے ۲؎ یہ هُدِمَتْ ہے۔ بغیر تشدید۔ باب ضَرَبَ ماضی مطلق مجہول اور معنیٰ ہے کہ ویران بے آباد مقفل کر دئیے جاتے، داخلہ بند عبادت ممنوع۔ بِيَعٌ، صَلَوٰتٌ کے معنیٰ میں تین قول ہیں ۱؎ بِيَعٌ عیسائیوں کا عام گرجا۔ صَلَوٰتٌ خلوت کی عیسائی خانقاہیں صَوَامِعُ یہودیوں کے معبد کنیسے ۲؎ بعض نے کہا کہ صوامع مجوسیوں کے، بیع نصاریٰ کے صَلَوٰتٌ یہودیوں کے معبد ۳؎ بعض نے کہا صَوَامِعُ یہودیوں کے۔ بیع نصاریٰ کے صَلَوٰتٌ صابئین کے معبد مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ مجوس کے معبد کو بیتِ ناریہ (آتشکدہ) کہا جاتا ہے۔ اور صابئین کے معبد کو کنیسہ، صَوَامِعُ کا واحد صامعہ ہے۔ بِيَعٌ کا واحد بِيْعَةٌ ہے صَلَوٰتٌ کا واحد صَلوٰۃ ہے یہ عبرانی لفظ ہے۔ صَلَوٰتٌ کی قرأت میں دس قول ہیں ۱؎ صَلَوٰتٌ، یہی مشہور اور مکتوبی ہے ۲؎ صُلُوْتٌ ۳؎ صَلَوٰتٌ ۴؎ صُلُوْتٌ ۵؎ صَلَوَاتٌ ۶؎ صُلُوْتٌ ۷؎ صِلْوِيْثَا ۸؎ صَلَوَاثٌ ۹؎ صِلَوَاتٌ ۱۰؎ صُلُوْبٌ۔ اس کا واحد صَلِيْبٌ بروزنِ طَرِيْقٌ۔ يُذْكَرُ فِيْهَا کی هَا ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا اس کا مرجع یہ چاروں عبادت خانے ہیں یعنی صوامع، بیع، صلوتے۔ ان میں بھی پہلے اپنے اپنے وقتوں میں صحیح، عبادت اور ذکرُ اللہ ہوتا تھا۔ اور مسجدوں میں تا قیامت ان شاء اللہ تعالیٰ ہوتا رہے گا ۲؎ بعض نے کہا هَا کا مرجع صرف مساجد ہیں کیونکہ نزولِ آیت کے وقت صحیح ذکرُ اللہ کا مقام صرف مساجد ہی تھیں۔ یہی قول درست ہے۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ دنیا میں جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگا وہ کام ہمیشہ مفید بھی ہوگا اور جائز بھی لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کرا کرایا جائے وہ نقصان دہ یا بے فائدہ کام، خواہ دینی ہو یا دنیوی اس لیے کہ اجازت والے کام میں رب تعالیٰ کی رضا شامل اور رضا میں ارادہ و حکم و حکمت داخل۔ اور جس کام میں رب تعالیٰ کی حکمت شامل اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی شامل۔ یہ فائدہ۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ بِمَا تَوَلَّوْنَ اور نَصْرِهِمْ لَقَدِیْر کی بشارت سے حاصل ہوا غرضکہ اذنِ الٰہی اجازتِ ربانی مل جانے سے بندے کو مزید چار نعمتیں مل جاتی ہیں۔ رضا۔ ارادہ۔ حکم، حکمت، یہاں تک کہ ارادۂ الٰہی بندے کے لیے اتنا مفید ہے کہ بندے کی اس بھول میں سینکڑوں فائدے مل جاتے ہیں جو بھول رب تعالیٰ کے ارادے و حکمت سے ہو دیکھو ایک دفعہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر کی ایک نماز میں بھول گئے تو سجدۂ سہو کا مسئلہ ظاہر ہوا۔ اور ایک سفر میں اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہار بھول گئیں تو تیمم کا مسئلہ ظاہر ہوا۔ لیکن اگر کسی کام میں اللہ کی اجازت نہ ملی ہو اور وہ ہو جائے تو اس کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے سورۂ قصص کی آیت ۱۵ میں موسیٰ علیہ السلام نے ایک مُکّے سے قبطی کے مرجانے کو فرمایا۔ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی یہ کام نہ رب کی اجازت سے ہوا نہ میرے ارادے سے بلکہ شیطان کی شرارت سے اسی طرح ایک سفر میں یوشع علیہ السلام نبی مچھلی کے زندہ ہو کر پانی میں کود جانے کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے تو اس بھول کو بھی شیطان کی طرف منسوب فرمایا۔ چنانچہ سورۃ کہف آیت ۶۳ میں ہے۔ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ۔ اس لیے کہ قبطی مارنے اور مچھلی بھولنے کے دونوں واقعات سے نقصان ہی ہوا فائدہ کچھ ظاہر نہ، وہاں مدین کی مشقتیں اٹھانی پڑیں اور یہاں سفر دریا دراز ہو گیا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے بندوں کا دفاع فرماتا ہے، مردودین سے مقبولین کو بچاتا ہے اور باطل سے حق کو جیسے ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود سے، اور ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ایمان والوں کو نمرود سے بچایا۔ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون سے بنی اسرائیل کو بچایا۔ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے مسلمانوں کو یزید سے بچایا۔ اور ہر جگہ رجالِ غیب کے ذریعے جنگل صحرا یا کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے مسلمان محتاجین کو اس ناگہانی مصیبت سے۔ اسی طرح اولیاءِ باطنی کے ذریعے لشکرِ کفار سے، لشکرِ اسلام کی مدد فرمائی۔ جیسے جنگ بدر میں ملائکہ کے ذریعے مدد پہنچائی اور

چند صدو سلم گذشتہ جنگوں میں سبز پگڑیوں والے غیبی اولیاء اللہ کے ذریعے مجاہدین اور ملکی سرحدوں کا دفاع فرمایا گیا۔ اور جیسے دجال کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعے مسلمانوں کو دجال سے بچایا جائے گا یہ فائدہ عَلٰی نَفْسٍ هِمْ نَقْدِ بُنُ۔ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو ہر وقت، دو چیزوں کا اپنے ہر عمل میں خیال رکھنا چاہیئے۔ اطاعتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کے احکام و اقوال ہیں اور اتباع آپ کے ہر عمل مقدس ہیں۔ اس لیے کہ اس اطاعت اور اتباع کی برکت سے مسلمان کے کسی دینی دنیوی کام میں کبھی کوئی پریشانی تکلیف رکاوٹ یا شکست نہ ہوگی، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر مصیبت، رکاوٹ، پریشانی کے وقت یہی غور کرتے تھے کہ کہیں ہم سے کوئی قولی یا عملی ترکِ سنت کا ارتکاب تو نہیں ہو رہا جس کی وجہ سے یہ پریشانی اور مصیبت رکاوٹ آگئی اگر ایسا ہوتا تو فوراً اس سنتِ مقدسہ پر عمل شروع کر دیتے اور وہ پریشانی دور ہو جاتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام کے اس کردار سے وہ قلعے فتح ہو جاتے جو مہینہ بھر لشکرِ اسلام کے محاصرے سے فتح نہ ہو سکے تھے یہ فائدہ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ کے وعدۂ ربانی سے حاصل ہوا۔ اس وعدۂ ربانی کے باوجود بھی بعض دفعہ مسلمان، کفار اور فساق سے کیوں شکست کھا جاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مسلمان یا اطاعت میں کوتاہی کر جاتے ہیں یا اتباع میں، کیونکہ وعدۂ ربانی تو ہر حال میں برحق اور موجود ہے لیکن ناکامی مسلمانوں کی اپنی کوتاہیوں کا خمیازہ ہوتا ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت سالک بدایونی کا شعر ہے۔

اُن کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے ؎ اُن سے پھرے جہاں پھر آئی کمی وقار میں

ثابت ہوا اطاعت و اتباع بھی مَنْ يَّنْصُرُهٗ کی ایک صورت ہے۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ امام اعظم کا مسلک ہے کہ مرتد مرد کو قتل کیا جائے اگر وہ توبہ کی مہلت میں توبہ نہ کرے خواہ وہ مرتد مرد جوان ہو یا بوڑھا یا معذور۔ لیکن مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا جوان ہو یا بوڑھی یا معذورہ لیکن تاتوبہ قید کی سزا دی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں مرتد ہونے پر اور دین اسلام چھوڑنے پر کوئی گرفت اور سزا نہیں شریعتِ اسلام نے دین پر کوئی پابندی نہیں رکھی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں کوئی جبر نہیں، سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶ اگر کوئی دین اسلام سے مرتد ہو کر کافر ہوتا

ہے تو اُس کو صرف سمجھایا جائے گا۔ صرف مرتدہ ہونے کی بنا پر قتل نہ کیا جائے گا۔ لیکن ائمہ ثلاثہ امام مالک امام حنبل اور امام شافعی کا مسلک ہے کہ ہر مرتد کو قتل کیا جائے مرد ہو یا عورت جوانی یا بڑھاپا یا معذوری میں ہو۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں وجہِ قتل ارتداد ہے اور وہ سب میں برابر۔ امام اعظم نے اپنے اِس مسلک کو اِس آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ (الخ) سے مستنبط کیا۔ امام اعظم فرماتے ہیں دین اسلام خوشبوں محبتوں کا دین ہے یہ جبراً کبھی نہیں ٹھونسا گیا، دینِ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا نہ کوئی دین تلوار سے پھیل سکتا ہے کیونکہ تلوار کا قبضہ صرف جسم پر ہوتا ہے جب کہ دین کا قبضہ دل پر ہوتا ہے۔ تلوار ہیبت پھیلاتی ہے دین اُلفت پھیلاتا ہے تلوار بادشاہ تو بنا دیتی ہے مگر قلبی محبوب نہیں بنا سکتی جب کہ دین و ایمان محبوبیت چاہتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو اس لیے قتال کی اجازت دی گئی ہے کہ ظالم کا ظلم بند کیا جائے اور جو مسلمانوں سے قتال کریں یا جن سے آئندہ کسی وقت قتال کا خطرہ ہو اُن سے قتال کر کے اِس حد تک کمزور کر دو کہ وہ قتال کی جرأت نہ پائیں۔ مرتد مرد سے قتال کا چار طرح خطرہ ہے ۱؎ جوان مرتد کفار کے لشکر میں شامل ہو کر قوتِ کفر اور جاسوسی بڑھائیگا مسلمانوں کی مخبری اور اسلام کے خلاف جنگ میں شامل ہوگا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اوّلاً اُس کو دلائل اور حُسنِ اخلاق سے سمجھایا جائے گا اور توبہ کرائی جائے گی اگر توبہ نہ کرے تب قتل کیا جائے گا ۲؎ بوڑھا اور معذور مرتد اپنی عقل اور سیاسی شوروں سے یا مالی امداد سے کفار کی جنگی قوت بڑھائے گا ۳؎ یا بیٹھا بیٹھا کفر کی تبلیغ کرے گا مسلمان نسل کو اسلام سے بہکائے ورغلائے گا ۴؎ ہر مرتد مرد لشکرِ کفر کا جسماً، مالاً، عقلاً، دامے درمے سخنے تعاون کرنے میں جوشی و تیزی دکھائے گا۔ اور مرتد کی تبلیغ زیادہ نقصان دِہ ہے عام کافر کی تبلیغ سے ان وجوہ کی بنا پر مرتد مرد کو قتل کیا جائے گا۔ تاکہ یہ تمام خطرات جڑ سے ختم ہو جائیں قتلِ مرتد کی وجہ صرف یہ تعاونی خطرات ہیں نہ کہ ارتداد۔ لیکن ایک گھریلو مرتدہ عورت سے پہلے تین خطرات نہیں وہ نہ جسماً قتال کر سکتی ہے نہ مالی نہ عقلی جنگی چالوں سیاسی فارمولوں کی اس لیے اُس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ ہاں البتہ اُس سے تبلیغِ کفر اور بہکانے وسوسانے کا خطرہ ہے اِس خطرے سے بچنے کے لیے مرتدہ کو دراز مدت تک قید کر دیا جائے گا یا اسی کے گھر میں نظر بند۔ رب تعالیٰ نے صرف اُن کفار کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں یا کبھی کر سکتے ہیں، چنانچہ سورۃ بقرہ آیت ۱۹۱ میں ارشاد

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اے مسلمانو صرف ان کو قتل کرو جو کسی وقت تم سے جنگ کر سکتے ہوں۔ اور جن سے جنگ کا خطرہ ہو۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ یعنی جن سے کسی قسم کی (مالی جسمی، عقلی، سیاسی) جنگ کا خطرہ نہیں ان کو قتل نہ کرو اس آیت کی تفسیر حدیث پاک میں اس طرح ارشاد ہوئی کہ فرمایا آقاۓ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ اے تاقیامت مسلمانو، کسی بھی جنگ و جہاد میں دفاعی جنگ ہو یا خطرۂ جنگِ کفار کے پیشِ نظر پیش قدمی کی جنگ ہو بچے بوڑھے، معذور، اور عورت کو قتل نہ کرو (مسلم بخاری) اس حدیث پاک کی شرح میں شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بوڑھے و معذور و عورت مراد ہے جو جنگ میں کفار لشکر کی کوئی مدد نہ تو کرتے ہوں نہ کر سکتے ہوں۔ نہ مالی نہ عقلی و سیاسی نہ مشاورتی۔ یہ حکم حدیث بھی عام بوڑھے و معذور کافر کے لیے ہے نہ کہ مرتد بوڑھے و معذور کے لیے اس لیے کہ عام بوڑھے اور معذور کافر سے خطرۂ قتال نہیں ہے مگر مرتد ہونے والے بوڑھے و معذور سے سیاسی و مالی تعاون کا خطرہ یقینی ہے کیونکہ اس کا مرتد ہونا بلاوجہ نہیں ہو سکتا نہ مرتد اپنی شرارتوں کفر نوازیوں میں چپ بیٹھ سکتا ہے۔ لہٰذا مرتد مرد کو ہر حال قتال کیا جائے کہ یہ راستے کا خطرناک کانٹا ہے (مسلم بخاری، ابو داؤد میں ہے عَنْ اَنَسٍ اور عَنْ رِبَاحِ ابْنِ ربیع ہے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں۔ چار شخصوں کو قتل مت کرو (۱) عورت، (۲) بوڑھا (۳) معذور (۴) مذہبی لیڈر۔ (راہب، پادری، پنڈت) کیونکہ یہ کسی طرح بھی جنگ میں شریک نہیں ہوتے لیکن جو عورت یا بوڑھا، یا معذور یا پادری راہب پنڈت جسمًا۔ یا مالاً، مشورۃً۔ یا سیاستًا جنگ کرے یا کروائے اس کو قتل کیا جاوے گا۔ بچوں کو بالکل قتل نہ کیا جائے۔ یہ مسئلہ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا سے مستنبط ہوا۔ ائمہ ثلاثہ کے دلائل (۱) حدیث بخاری میں ہے مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ یہاں مَنْ عام ہے مرتد اور مرتدہ کے لیے، حنفی علما جواب دیتے ہیں کہ یہ عموم ظنی ہے اور ظنی دلیل سے قتل کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ حدیث (۲) عَنْ جَابِرٍ۔ دارِ قطنی میں ہے کہ ام مروان مرتدہ ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے توبہ و رجوع کرواؤ اگر توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دو۔ حنفی علما جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت عمر و ابن رواع ضعیف راوی کی وجہ سے ضعیف ہو گئی اور ضعیف روایت سے قتل کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسری حدیث از دارِ قطنی، عَنْ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یومِ اُحد ایک عورت مرتدہ ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے توبہ

کرواؤ اگر کرے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کردو۔ تفسیر مظہری نے جواب دیا کہ یہ روایت محمد بن عبد الملک نے روایت کی حالانکہ محدثین کے نزدیک یہ راوی حدیثیں بنانے میں بدنام ہے اس لیے یہ حدیث بھی یقیناً بناوٹی ہے۔ لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا مسلک کمزور اور اس آیت قرآن مجید کے خلاف ہے غرضکہ امام اعظم کا مسلک یہ کہ ارتداد وجہ قتل نہیں بلکہ خطرۂ قتال مرتد کو قتل کر دینے کا سبب ہے یہ مسلک قرآن مجید سے مستنبط اور ثابت ہے ائمہ ثلاثہ کا مسلک کہ ارتداد ہی وجہ اور سبب قتل ہے یہ مسلک خلاف قرآن ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ سابقہ تمام شریعتوں میں کفار سے مدافعانہ انتقام لینا جائز رہا کسی نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو کفار سے بدلہ لینے کے لیے منع نہیں کیا اسی لیے پہلی امتوں میں ہر طرح دینی دنیوی امن قائم عبادت گاہیں سلامت رہیں، عبادتیں ہوتی رہیں۔ صرف دفاع کے انتقام اور کفار کے حملے سے بچاؤ کے لیے پیش قدمی کی اجازت ہر مظلوم امت کو عطا فرمائی گئی اس اجازت قتال کی بدولت ہی دنیا میں امن قائم رہا اور سب کے دین و عبادت معبد و کنیسے محفوظ رہے اور ہیں، یہ مسئلہ۔ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں صرف امن سلامتی صلح اور محبت لے کر آئے تھے اور حضرت مسیح کی تعلیم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص دشمن تمہارے ایک رخسارے پر چپت مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کی طرف کردو اور کہو کہ ادھر بھی مار لے یہ بالکل غلط بات ہے عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کبھی نہ فرمایا نہ اس تعلیم کا فائدہ نہ دنیا میں رہنے کے لیے اس پر عمل ہو سکتا ہے نہ کسی عیسائی نے آج تک اس پر عمل کیا ہے نہ کر سکے بلکہ جتنا ظلم اپنی جنگوں میں عیسائیوں نے مظلوموں نہتوں پر کیا۔ اس کی تو کسی اور قوم میں مثال نہیں ملتی صلیبی جنگیں اور ہندوستان میں انگریز عیسائیوں کا ظلم اس کے گواہ ہیں۔ عیسائی جنگوں میں تو بچوں بوڑھوں معذوروں عورتوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ سب پر قتل عام کیا گیا حالانکہ کسی شریعت نبوی نے اس طرح کے ظلم کی اجازت کبھی نہ دی۔ مگر ان صلح محبت کے دعویداروں کی تاریخ ظلم سے بھری پڑی ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ یہ شرعی قانون تاقیامت جاری و نافذ ہے کہ مجاہدین، صرف ان عورتوں، بوڑھے مردوں، اور معذور، اور مذہبی رہنماؤں کو دوران جنگ امن دیں قتل سے بچائیں جو جنگ میں کسی طرح حصہ نہ لیں اور تمام بچوں کو بھی امن دیں لیکن جو کافر عورتیں یا بوڑھے معذورین مذہبی لیڈر اپنے مال و

مشوروں سے جنگی کفار کو تقویت دیے رہے ہوں، یا جنگی چالیں سمجھا رہے ہوں، یا مخبری جاسوسی کا تعاون کر رہے ہوں۔ ان کو قتل کیا جائے گا یہ مسئلہ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ ظُلِمُوْا والے مسلمانوں کو اذنِ قتال دیا گیا ان کے خلاف جو ظالم کافر ہیں، اور سیاسی وغیرہ تو اصل جنگی فوجیوں سے بڑے ظالم ہوتے ہیں کیونکہ جنگ کراتے ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے حالانکہ مسلمان تو خود نکلے تھے۔ ہجرت کی اجازت رب تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی تھی اور اس نکلنے پر خوش تھے کسی کافر نے نہ نکالا تھا تو اُخْرِجُوْا۔ کیوں فرمایا گیا؟ **جواب** نکالنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ زبان سے کہا جائے نکل جا، جس طرح آذر چچا نے، ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا اُهْجُرْنِي مَلِيًّا۔ اے ابراہیم میرے پاس سے دور ہجرت کر جا (سورۃ مریم آیت ۴۶) دوم یہ کہ ظالم زبان سے کچھ نہ کہے مگر مظلوم کو اتنا ستائے ظلم و تشدد کرے کہ مظلوم گھبرا کر خود ہی نکل جائے یہ گویا باطناً نکالنا ہی ہے۔ سوم یہ کہ مظلوم اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور نبی علیہ السلام سے التجائیں عرض کرے کہ یا اللہ مجھے ان ظالموں سے بچا یہاں سے اور وہاں پہنچا جہاں میں آزادی سے دل بھر کر تیری عبادت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وَاِتباع کر سکوں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو اسی قسم کا نکالا تھا۔ زبانی کلامی یا ہاتھ پکڑ کر نہ نکالا تھا، مگر حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ مجبوراً مظلوم مقہور مسلمانوں کو وہاں سے نکلنا پڑا اور اللہ تعالیٰ سے اجازتِ ہجرت مانگنی پڑی۔ اسی ظلم و ستم کے اظہار کے لیے یہاں اُخْرِجُوْا فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد کرنے پر قوی (قادر اور عزیز و غالب ہے، تو پھر بعض دفعہ مسلمان کفار سے شکست کیوں کھا جاتے ہیں، جیسے کہ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح، شکست میں بدل گئی اگرچہ وہ شکست عارضی اور وقتی ہی تھی، خوارزم شاہ چنگیز سے۔ خلیفۂ بغداد ہلاکو سے اور مشرقی پاکستان میں نوے ہزار ہتھیار بند مسلمان فوجی ہندوؤں کے قیدی بن گئے، بہادر شاہ ظفر مغل بادشاہ اور سلطان ٹیپو انگریز کفار سے شکست کھا گئے کیا وجہ۔ **جواب**۔ رب تعالیٰ کا یہ وعدہ ہر وقت بالکل سچا ہے، مگر مطلق نہیں بلکہ مقید و مشروط ہے، یہاں، مَنْ يَّنْصُرُهٗ، کی قید اور شرط ہے اور سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔یعنی اُن مومنین کی مدد ہو گی جو اُس کے دین کی مدد کریں گے۔ اور اے مسلمانو ہر کفر پر تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ مومن بن کر رہو مسلمان ہونا پیچھے عقائد کا نام ہے اور مومن ہونا پیچھے اعمال کا نام ہے اور پیچھے اعمال آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری اطاعت اور پوری اِتّباع کا نام ہے اگر مسلمان اِس اطاعت و اتّباع میں مضبوطی سے ہر وقت قائم رہیں تو کبھی شکست نہ ہو۔ جیسا کہ خُلفاءِ راشدین کی فتوحات صلیبی جنگوں میں اسلامی فتوحات اور ہندوستان پر ہزار سالہ مغل شہنشاہی دَور۔ لیکن جب بھی مسلمانوں نے دینی مدد میں کمزوری دکھائی اور اطاعت وَ اِتّباعِ نبوی، عشقِ الٰہی، محبتِ مصطفائی میں کمی دکھائی یا فرمانِ نبوت سے بے پرواہی برتی تو فوراً شکست کھائی۔ جنگِ اُحد کی وقتی شکست بھی اسی لیے تھی کہ درّے پر بٹھائے اُن بارہ صحابہ نے فرمانِ نبوّت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، فتح دیکھ کر بلا اجازت درّہ چھوڑ دیا حالانکہ حکم تھا جب تک ہم خود نہ بلائیں درّہ نہ چھوڑنا بارہؓ میں سے دسؓ نے بلا اجازت درّہ چھوڑ دیا۔ اس معمولی نافرمانی نے بھی فوراً اثر دکھایا اور فتح شکست میں بدل گئی۔ مگر پھر دعاءِ نبوّت اور فراستِ رسالت نے حالات سنبھال لئے۔ اور دوبارہ فوراً فتح مل گئی، خوارزم شاہ کی شکست کی وجہ مسلمان حکومتوں کی آپس میں نااتفاقی بے اتحادی بلکہ کفر نوازی اور مخبری غداری کفار کی دھشت کا سہ بیسی تھی۔ بغداد کی شکست کمزور سیاست اندرونی دشمن کُرسی کے لالچی رافضی وزیر پر اندھا اعتماد اور خلیفہ کی احمقانہ روِش تھی اور مخلص دوستوں پر بے اعتمادی، سلطنتِ ہند ظفر شاہ اور میسور کی شکست بھی بدعملی ھندو نوازی اور مسلمانوں کی اندرونی غداری تھی، مشرقی پاکستان میں اتنی بڑی مسلمانوں کی فوج کا ھندوؤں کا قیدی بن جانا، قوّت کی شکست نہ تھی۔ بلکہ اپنوں اور غیروں کی ملی بھگت سے سیاسی عیّاری کر کے قیدی بنوایا گیا تھا اور دوطرفہ دوٹوں سے منتخب نومولود وزارتوں کا یہ نعرہ تھا کہ تم اُدھر ہم اِدھر۔ مسلمان فوج جنگی قیدی نہ تھے بلکہ عیّارانہ غدار سیاست کے قیدی تھے۔ خوارزم۔ بغداد، پاکستان میں بھی مَنْ يَّنْصُرُهٗ کا مظاہرہ کب کیا گیا۔ دینِ اسلام کی یہ مدد وتعاون والی شرط اور قید کیا ہمارے عوام وَ اہلِ حکومت میں نظر آتی ہے۔ ہر طرف اعمال کردار، شکل وصورت کورٹ کچہری قانون میں نقشۂ کفار ہی نظر آتا ہے تو پھر نصرتِ الٰہی کی توقع کیوں کی جاتی ہے۔ جب مسلمانوں نے بھی مُلک لے کر کفر کی ہی پرچار کرنی ہے تو اُن کو فتح مندی کیوں دی جائے۔ جب میں کہتا ہوں کہ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ ؛ حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ ۔ سبعہ صحیحہ قرئتوں میں سے ایک قرئت یُقَاتِلُوْنَ ۔ فعل معروف سے ہے یہ قرئت بہت صحابہ اور قراءِ مکہ نے اختیار فرمائی ، اس قرئت سے آیت کا معنیٰ ہوا کہ اجازت دیدی گئی اُن مسلمانوں کو جو قتال کرتے ہیں ۔ حالانکہ مسلمانوں کا قتال تو اذن سے پہلے تھا ہی نہیں ، فرضاً اگر تھا تو پھر اب اذن کی ضرورت نہیں تھی اور اگر یہ قتال پہلے نہ تھا تو قراءِ صحابہ نے یہ فعل معروف والی یُقَاتِلُوْنَ کی قرئت کیوں اختیار کی اور اس قرئت کو صحیح بھی کہا اب کیوں ؟ جواب مشہور اور مکتوب تو پہلی قرئت یُقٰتَلُوْنَ فعل مجہول ہی سے ہے ۔ یعنی اہلِ ایمان ظلماً ۔ قتال کئے جلتے ہیں اور ظالم کفار مکہ قتال کرتے ہیں قتال سے مراد ہلاکت کی حد تک پے در پے اذیت ، تشدد مار پیٹ ، باب مُفاعلتؐ سے بیان کرنے کا مقصد بار بار ظلم کرنا ۔ اس قرئت پر تو اعتراض ہی نہیں ، دوسری شاذ قرئت میں معنیٰ یہ ہے کہ مسلمان باوجود نہتے ، تھوڑے اور مظلوم ہونے کے بزدل و کمزور نہ تھے بلکہ اپنی روحانی جسمانی صدری قلبی بے مثالی و لاجواب قوت کی بنا پر بار بار آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازتِ قتال طلب کرتے تھے لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بار اُن کو صبر اور مزید انتظار کی تلقین فرماتے تھے ۔ انتقام تو درکنار دفاع کی اجازت نہ ملتی تاکہ امتحانِ صبر کے آزمائشی پرچے پورے ہو جائیں ۔ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی تو اس میں بتایا کہ اُن بہادروں کو اجازتِ قتال دیدی گیا جو پہلے ہی بار بار اذنِ قتال مانگتے رہتے تھے اور ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہتے تھے ۔ اسی طلبِ اذن کو مجازاً یا تمثالاً قتال ہی فرمایا گیا گویا اُن کا اذنِ قتال مانگنا اس جرئت ، ہمت ، شدت اور بے خوفی سے تھا کہ گویا وہ راہِ حق کے جہاد میں ہی مصروف ہیں ۔ بس عطاءِ اجازت کے لیے زبانِ نبوت ہلنے کی دیر ہے کہ ابھی ٹوٹ پڑیں گے اور اُن ہی کے ہتھیاروں سے اُن کو ہلاک کر دیں گے ۔ غرضکہ اس قرئت میں جرئتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان بیان فرمائی جا رہی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ نِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ حرم قالب میں اُن صابرینِ قلب شاکرینِ عقل ذاکرینِ لسان کو المیں نفوس کے ظلم سے بچنے انتقام لینے اپنا دفاع کرنے کے لیے مجاہدات نماز اور

مشتاقاتِ صیام کے تبر و تلوار کے ذریعہ مجالسِ فکر کے میدانوں میں قتال خواہشات کی اجازت دیدی گئی جو پہلے نفس کی ظالمانہ رذالتوں خباثتوں کے قتالِ بلا میں مبتلا کئے گئے۔ اس وجہ سے کہ نفس کی بدنیتی کا ظلم کئے گئے تھے اور اعضاءِ روحانیہ پر وہم و بدخیالی نے یلغاری حملوں کا قتال کیے گئے۔ اب اراداتِ قلبیہ کے اہلِ ایمان کو قوتِ نفسانیہ کے ساتھ جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کیونکہ اہلِ نفوس کی طرف سے غلبۂ امارہ کی فحاشیوں اور صفاتِ غضابیہ کی بدمعاشیوں کے ظلم کئے جاتے رہے اور بے شک خالقِ قلب مالکِ روح اللہ تعالیٰ اہلِ روحانیت کی مدد پر ہمیشہ سے ہمیشہ تک قادر ہے۔ یہ وہی مظلومینِ باطنی مجبورینِ خفی ہیں جو اپنی جلوت کی عبادتوں خلوت کی ریاضتوں اور ذکر اللہ کے منصبوں سے نکالے گئے۔ حریم ذکر قبلۂ فکر کے اطمینانِ وطنی سے دور لذاتِ دنیوی کی ہجرتوں میں بھٹکائے ستائے گئے ناحق کیونکہ قلب اور اہلِ قلب کا وطنِ اصل تو یادِ محبوب کی محفلیں ہیں۔ اصلی حق تو یہی شکر کی مجلسیں ہیں۔ اہلِ دل اس سے بھٹکائے اور ورغلائے وسوسائے جانے کے مستحق نہ تھے۔ اس ظلمِ امارہ اور مخالفتِ نفس اور اذیتِ شیطانی کا سبب صرف یہ تھا کہ قلبِ مسعود توحیدِ ایمانی، تمجیدِ عرفانی، تعظیم ربانی، تمکینِ اعمال توقیرِ صمدانی، تحقیقِ وجدانی میں رہ کر حق کی طرف متوجہ اور باطل سے متنفر و علیحدہ تھا کافرِ نفس کو اگر بحکمِ شریعت قتل و قید کیا جائے تو اذنِ الٰہی سے ہی ہے شریعت کے مطابق صرف فرمانِ نبوت میں ہے اور اجازتِ شریعت کا وقت احکامِ فقہا میں بعد بلوغت ہے اور احکامِ صوفیا میں راہِ سلوک میں قدمِ بلوغت رکھنے کے وقت ہے شریعت کی بلوغت بعمر چودہ ۱۴ سال اور طریقت کی بعمر چالیس ۴۰ سال ہے، بلوغت کے بغیر کسی قتال و جہاد کا مکلف نہیں ہو سکتا کیونکہ بلوغت شخصیتِ انسانی کی تکمیل چاہتا اُس مجاہدے کے زیور سے ہے جو شریعت کا لباس ہے اسی لیے بندہ بلوغت سے پہلے مکلف نہیں ہوتا کیونکہ اُس وقت قالبِ انسانی پر نفس امارہ کا ظلم و تشدد نہیں ہوتا مجاہدہ وہی معتبر ہے جو مدینۂ شریعت کے حدودِ حرم کی طرف مکمل ہجرت کر کے ہو۔ تاکہ نفس کے اوپر جہاد انتقام اور دفاعِ قتال میں نہ افراط ہو نہ تفریط نہ کمی نہ زیادتی دونوں طرفین غلطی سے محفوظ رہیں کہ جتنا ظلم نفس نے قلب پر کیا تھا بس اتنا ہی انتقام ہو۔ نفسِ امارہ نے قلبِ مومن پر چار ظلم کئے پہلا یہ کہ نقصان کا غلبہ کیا۔ دوم یہ کہ مخالفتِ شریعت میں مشغول کیا سوم یہ کہ مطابقتِ طبیعت کی شہوات میں پھنسایا چہارم یہ کہ دنیا کی لذت میں ڈالا اذنِ قتال کے بعد قلب کا انتقام اور مدافعت یہ ہے

کہ گناہوں سے ہجرت کر کے ضربِ اِلَّا اللہ سے نفس کا قتال کیا جائے نمازوں کی الفت بھوک کی کلفت سے نفسِ ملعون پر حملہ ہو۔ نفس کے ظلم سے قلب پر تین اذیتیں آتی ہیں ۱۔ آئینۂ قلب پر اندھا پن ۲۔ گناہوں کے زنگ کی سیاہی ۳۔ غفلت سستی کمزوری، اس کے انتقام بھی تین اوّلاً معائبِ ذمیمہ سے دوری دوم شریعت کے قلعے میں ہجرت، سوم طبیعت کا ترک اور ذکرُ اللہ میں اطمینانِ قلبی رُجوع اِلیٰ اللہ کا جذبہ، محفلِ اہل اللہ کی رغبت اگر ملے ورنہ مطالعۂ کتبِ اہل اللہ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خزانۂ نور نہ ہو تو بندہ نہ نفس پر قدرت رکھتا ہے نہ جہادِ عدل سے تزکیۂ روح کی قوت رکھتا ہے مگر نصرۃِ الٰہی کی طرف سے لہٰذا اے بندے جب تو نے خدمت کا چہرہ زمینِ عبادت پر رکھ دیا تو اس خوش قسمتی پر رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کر اور اس توفیقِ سعادت اور ہجرت اِلیٰ شریعت کو اپنی ہمت نہ سمجھ اس لیے کہ اگر مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے توفیقِ خیر نہ پہنچے تو بندہ کب اس کی اِذن کے بغیر کسی خیر پر پہنچ سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خزانۂ انابت کا بچاؤ نہ ہوتا کہ نفس کی بعض شہواتِ غضبیہ کو دور کرے بعض روحانی قلبی عقلی قوتوں فراستوں کے ذریعے تو البتہ برباد ہو جاتے اَسرارِ قلبیہ کے بلند صوامع اور نصارائے روحانی کی خلوت گاہیں اور عبادت کی مجالس کے بِیَع اور تمکیناتِ سینہ کے سُنُوت، اور نورِ ایمانی کے معبد، روحِ مومن کی سجدہ گاہیں اور مشاہداتِ فنا فی اللہ کی نمازیں عجزِ عرفانی کی نیازیں جن میں تخلیقِ اَخلاق وَ اتّصافِ صفات فناءِ ذات تحقیقِ اَسرار کا ذکرِ کثیر کیا جاتا ہے۔ سالکینِ وادیِ معرفت کے لیے یہی اسمُ اللہِ اعظم ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ فرد مدد فرماتا ہے اپنے اظہارِ نور و عطیۂ سرور کی نعمتوں کے ذریعے دفعیۂ شرور سے اُس مُوحّد مخلص کی جس نے میدانِ عبادت میں اپنے آپ کو ہمیشہ سپر کر دیا اور مخالفتِ اَعداء سے اَماناتِ الٰہیہ کی مدد اور حفاظت کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے قہر پر قادر و قوی ہے اور اپنے مہر پر عزیز و غالب ہے۔ اگر مولیٰ تعالیٰ قلوبِ مومنین سے غلبۂ نفوس و خصائلِ نفور کو دور نہ فرماتا تو اَرکانِ شریعت کے بلند و ظاہر صوامع اور آدابِ طریقت کے خلوتِ مخفیہ والے بِیَع اور مقاماتِ حقیقتِ اَبدیہ کے صلوٰتے اور قوائے روحانیہ کی وہ تمام مساجد بے آباد ویران ہو جاتیں جن میں ذکر، فکر شکر، صبر کے کثیر تذکرے ہوتے ہیں، اور ذکرِ کثیر صرف اُن

قلبِ وسیع میں ہوتا ہے جو نور اللہ سے منور ہو جائے۔ جب کبھی حریم قالب میں نفس و قلب کا مقابلہ و قتال ہوتا ہے تو کبھی کبھی نفس غالب اور قلب مغلوب ہو جاتا ہے تب کرم کریم سے اس وقت دفاع الٰہیہ کی مدد سے جذبۂ قلب ابھرتا ہے اور جوشِ اعمال کی طاقت و مشقتِ عبادات کے جذبے سے پھر غلبۂ جلال حاصل کر لیتا ہے اور وقتی مغلوبیت کی پریشانی اور عشق کی قوت سے محنت مشقت کی فراوانی ہی اس کا کفارۂ سیئات بن جاتا ہے۔ اس لیے عالمِ دنیا میں اہلِ ایمان کی وہ عارضی شکست بھی کسی وقت، دنیوی کفار فساق کے ہاتھوں جھیلنی پڑتی ہے جو مومن کا کفارۂ سیئات اور ذریعۂ حسنات و وسیلۂ ترقیات بن جاتی ہے یہ سب نظامِ قدرت اٹل ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ مگر مومن کے لیے یہ سب کچھ نصرتِ الٰہی ہے کوئی بلا واسطہ کوئی بالواسطہ کوئی ظاہر کوئی باطن کوئی جسمانی کوئی روحانی، کوئی فراستِ عاملی کی صورت میں کوئی لیاقت کاملی کی صورت میں بندے کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے چار فائدے ۱؎ کسی کو قلبی انعام ۲؎ کسی کو عقلی انعام ۳؎ کسی کو بدنی انعام کسی کو اُخروی انعام، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد ظاہری باطنی مومن کے لیے انعام ہے کافر کے لیے انتقام ہے مومن ہر مومن کا مددگار ہوتا ہے۔ مدد کرنا بھی قوت ہے اور قوت ہے قوت میں زندگی ہے اس لیے مومنِ کامل بعد وفات بھی اپنے مومن صادق بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اہلِ ایمان کی مدد کرنا بھی نیکی ہے یہاں تک کہ کسی کے خالی برتن میں کوئیں سے پانی نکال کر بھر دینا بھی نیکی ہے اور اس خیال سے کہ کہیں کسی مسلمان کو یہ کانٹا نہ چبھ جائے اس پتھر سے کسی مسلمان کو ٹھوکر نہ لگ جائے راستے کا نٹا پتھر ہٹا دینا بھی نیکی یہ سب دَفعُ اللہ کی صورتیں ہیں، دو چیزوں سے اسلام نے ہر مسلمان کو منع فرمایا ۱؎ تکلفاتِ ذاتی سے ۲؎ خوشامد سے۔ تکلف سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور خوشامد سے بیغیرتی پیدا ہوتی ہے حیثیت سے بڑھ کر کوئی کام کرنا تکلف ہے حیثیت سے گھٹ کر کوئی کام کرنا خوشامد ہے (تفسیر روح البیان، محی الدین ابن عربی، تفسیر نیشاپوری) حضور قطبِ ربانی نے فرمایا کہ بندۂ عارف جب عشق کے مقامِ بیخود پر پہنچتا ہے تو نفس کی ہر جائز ناجائز خواہش اُس کو اذیت ناک ظلم لگتا ہے اور اپنے رب سے ہر خواہشِ نفسی پر قتال کی اجازت طلب کرتا ہے مگر ہر بار اُس کو لسانِ الٰہی محبوب کبریائی کے آستانۂ قدس سے جواب آتا ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ اے بندے ابھی تو شریعت کی حدود میں رہ اسلام میں شریعت والوں کے لیے ترکِ دنیا جائز نہیں مگر جب خواہشات کی اذیتیں برداشت کی حد سے گزر جاتی ہیں تو پہلے

پروازِ لاہوتی کی ہجرتِ عالمِ قدس ملتی ہے پھر اُذِنَ لِلَّذِیْنَ، خواہشات پر حملہ و قتال کی اجازت دی جاتی ہے اور مسجدِ خلوت میں بٹھا کر ترکِ دنیا کا اعتکافِ عمری کرایا جاتا ہے، بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اس وجہ سے کہ خواہشات کی آمد سے اس پر شدّۃِ ظلمِ شدید ہوتا ہے وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ۔ ترکِ اللذات کی خلوت نشینی ہی اِن کی نصرتِ ربّانی ہے کیونکہ دنیا کی ہر چیز سے ان کو اذیت پہنچتی ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ۔ دنیا داری مجالسِ محبوبیت سے دور کرتی ہے حالانکہ اِن کا حقِ عرفانی ذکرِ محبوب کی محفل میں جانشینی ہے لیکن دنیا داری غفلت کی طالب ہے اور ذکرِ مولیٰ سے مغرور اس کو قلبِ محمود کا رَبُّنَا اللّٰهُ کہنا پسند نہیں۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ۔ اور اگر عشقِ الٰہی کی تائیدی مدافعت و حفاظتِ قلبی نہ ہوتی تو فکری صوامعِ ذکری بِیَعِ شکری صَلَوٰتِ، اور روحانی مسجدیں سب ویران ہو جاتیں، یہ ذکرِ کثیر اور سینۂ عارف کی عبادت گاہیں امدادِ کبریائی کی وجہ سے قائم ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا

وہی ہیں یہ لوگ کہ اگر ہم طاقت دیں ان کو زمین میں تو

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

نمازیں جاری کرادیں اور زکواتیں دیں اور قانون بنادیں اچھی باتوں کا

تو نماز برپا رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور روک دیں ہر برائی کو اور خاص ہے اللہ کے لیے تمام معاملات کا آخری فیصلہ

اور برائی سے روکیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے سب کاموں کا انجام۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

اور اگر جھٹلا رہے ہیں یہ کفار آپ کو تو جھٹلا یا ہے ان سے پہلے قوم

اور اگر یہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح

نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ

نوح عاد اور ثمود ۔ اور قوم ابراہیم اور

کی قوم اور عاد اور ثمود ۔ اور ابراہیم کی قوم

قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ

قوم لوط ۔ اور مدین کے علاقے والوں نے ۔ اور جھٹلائے گئے

اور لوط کی قوم ۔ اور مدین والے ۔ اور موسیٰ کی

مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ

موسیٰ اس وقت بھی ڈھیلیں دی تھیں میں نے ان تمام کفار کو پھر پکڑ لیا میں نے ان کو

تکذیب ہوئی تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر انہیں پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

تو کیسا ہوا تھا میرا عذاب ۔

تو کیسا ہوا میرا عذاب ۔

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں [illegible] کو کفار سے جہاد کی اجازت حاصل ہونے کا ذکر ہوا [illegible] جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی تحسین کی نشاندہی ہے [illegible] قیامت [illegible] حکومت [illegible]

اللہ تعالیٰ کے دین کی سرفرازی کرتے ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور مظلوم غریب مسلمانوں سے برا سلوک کیا۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کفار تو پہلے زمانوں سے انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ہمیشہ برا ہی سلوک کرتے رہے اُن کی تکذیب اُن کا مذاق کرتے رہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ ہمیشہ اس کی مدد فرماتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرے۔ اب ان آیت میں اس قانون الٰہیہ کے کچھ ثبوت سابقہ اُمتوں کے ذکر سے بیان فرمائے جا رہے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ نے کس کس زمانے میں اپنے بندوں کی امداد فرمائی اور ان کے دشمن کافروں کو ہلاک فرمایا۔

تفسیر نحوی اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ہے اپنے مابعد صلہ کے ساتھ مل کر اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا کی صفت یا بدل ہے (روح المعانی) اِنْ حرف شرط مَكَّنَّا باب تفعیل کا ماضی جمع متکلم اس کا مصدر ہے تَمْكِیْنٌ اور تَمْكِنَةٌ مَكَنٌ سے بنا ہے بمعنی جگہ دینا قوت و حکومت سلطنت دینا۔ مکان دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ھُم ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ مفعول بہ ہے فِی الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے مَكَّنَّا کا اَرْض بمعنی زمین سے مراد علاقہ ہے یہ فعل فاعل مفعول متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے اَقَامُوْا باب افعال ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِقْوَامٌ تعلیل نحوی سے اِقَامَةٌ ہے قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنی قائم کرنا جاری کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ الصَّلٰوةَ اسم مفرد واحد بمعنی نماز (بدنی عبادت) جنساً جمع کے بیان ہے یعنی ہر قسم کی نماز نفل سنت واجب اور فرض یہ مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰتَوْا باب افعال کا ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ اَتٰی سے مشتق ہے بمعنی دینا دلوانا ادا کرنا خیال رہے کہ مطلقاً دینا نحرٌ بَلْ ہے بلا معاوضہ دینا عطا ہے اور مستحق کو دینا اِیْتَاءٌ ہے اَلزَّكٰوةَ اسم مفرد حاصل مصدر جامد زَكٰوةٌ سے تعلیل ہو کر زکوٰۃ ہوا لغوی ترجمہ ہے بڑھنا، پاک ہونا صاف کرنا چونکہ کسی چیز کو پاک صاف کرنا اس کی بڑھائی اور زیادتی کا سبب ہے اس لیے سبب مسبّب دونوں اس کے لغوی معنی ہیں اصطلاح میں سال بعد مال کے نصاب سے شریعت کے مقرر کردہ مال کو خیرات کرنا زکوٰۃ فرض کہلاتی ہے وہی یہاں مراد ہے

یہ مفعول بہ ہے یہ فعل با فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَمَرُوْا باب نَصَرَ کا
فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب بِ حرفِ جر تعدیہ کا اَلْمَعْرُوْفِ باب ضَرَبَ کا
اسم مفعول واحد مذکر عُرْفٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے پہچانا اصطلاح میں ہر وہ چیز
(بات یا کام یا شخصیت) جس کو دین ومذہب کی عقیدت کے علاوہ عقلِ سلیم بھی اچھا سمجھے
اور جس میں دین دنیا کی بھلائیاں ہوں یہ جار مجرور متعلق ہے اَمَرُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ، نَهَوْا باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب
اس کا فاعل ضمیر صیغہ نَہْیٌ سے مشتق ہے بمعنی منع کرنا روکنا کہ نہ ہونے دینا عَنْ حرفِ جر
زوالیہ یعنی دور کرنے ہٹانے کے لیے اَلْمُنْکَرِ باب افعال کا اسم مفعول واحد مذکر صنفی
وحدت ہے مراد ہے ہر قسم کا برا کام نُکْرٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِنْکَارٌ یعنی ہر وہ چیز
(قول یا فعل یا شخصیت) جس کو عقلِ سلیم بھی برا سمجھے یہ جار مجرور متعلق ہے ہے نَهَوْا کا یہ
سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَقَامُوْا کے جملہ پر یہ چاروں معطوف جملے مل کر جملہ
جزا ہے یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں موصول صلہ مل کر
بدل ہے سابقہ لِلَّذِیْنَ کا خیال رہے کہ یہ چاروں فعل اَقَامُوْا۔ اٰتَوُا۔ اَمَرُوْا۔ نَهَوْا۔ فعل
مضارع مستقبل کے معنی میں ہیں اور ماضی کو لانے سے یقین کا فائدہ گویا کہ ایسا ہو
ہی گیا۔ واؤ سرِ جملہ لِلّٰهِ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے پوشیدہ اسم مفعول مخصوصٌ کا یا اسم
فاعل خَاصَّةٌ کا یہ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ سے اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر
مبتدا ہے عَاقِبَةُ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی آخری فیصلہ۔ آخری حساب کتاب، مضاف
ہے الْاُمُوْرِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے اَمْرٌ بمعنی کام فیصلہ۔ اعمال یہ مضاف الیہ
یہ ہے مرکب اضافی خبر ہے، مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ اِنْ شرطیہ
تحقیقیہ یعنی جملہ مابعد اگرچہ شرط ہے مگر یقینی ایسا ہو چکا ہے اس کو مجازی شرط کہتے
ہیں۔ اس سے محض سمجھانا تسلی دینا مقصود ہوتا ہے یعنی اگر ایسا ہو رہا ہے اور ایسا
ہونا ہی ہے یُکَذِّبُوْ باب تفعیل کا مضارع جمع مذکر غائب مصدر تَکْذِیْبٌ بمعنی جھٹلانا،
کِذْبٌ سے بنا ہے بمعنی جھوٹ بولنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے ذہنی مراد ہیں
کفارِ مکہ کَ ضمیر متصل منصوب واحد مذکر حاضر اس کا مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس یہ مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے

یُکَذِّبُوْكَ تھا اِنْ شرطیہ کی وجہ سے آخر کو جزم ہے لہٰذا آخر کی نون گر گئی۔ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ ثَمُوْدُ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ف جزائیہ قَدْ كَذَّبَتْ۔ باب تفعیل کا فعل ماضی قریب معروف مثبت واحد مؤنث غائب اس کا مصدر ہے تَكْذِيْبٌ بمعنی جھٹلانا کسی کو جھوٹا کہنا قَبْلَهُمْ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے قَدْ كَذَّبَتْ کا ہُمْ کا مرجع کفارِ مکہ ہیں قَوْمُ اسم مفرد لفظی معنًا جمع ہے یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے آجاتا ہے اس لیے اس کا صیغہ قد کذّبت واحد مؤنث آیا مذکر بھی آسکتا ہے بعض نے کہا کہ قوم سے مراد اُمت یا قبیلہ ہے اور وہ مؤنث ہے اس لیے صیغہ فعل مؤنث آیا مگر یہ تاویل کچھ ضروری نہیں، مضاف ہے نُوْحٍ اسم مفرد معرفہ عَلَمْ ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَادٌ اسم مفرد نکرہ واؤ عاطفہ ثَمُوْدُ، اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَمْ پہلے یہ ثمود بن عابر کا عَلَم تھا پھر اس کی اولاد ونسل کا قومی نام ہی ہوگا۔ ایک قول میں عربی لفظ ہے ثَمْدٌ سے مشتق ہے بروزنِ فَعُوْلٌ بمعنی گڑھے میں بارش کا تازہ اور تھوڑا پانی مگر پہلا قول صحیح ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَوْمُ لُوْطٍ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَصْحٰبُ اسم جمع مکسر منصرف ہے صاحب کی بمعنیٰ والا۔ مضاف ہے اَصْحٰبُ مَدْيَنَ مَدْيَنُ اسم مفرد معرفہ نام ایک علاقہ کا جو وادیِ سینا سے فرات تک پھیلا ہے اس کا نام معان بھی ہے غیر منصرف ہے مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی معطوف ہے قَوْمُ نُوْحٍ پر یہ سب عطف مل کر فاعل ہے كَذَّبَتْ کا یہ فعل متعدی ہے مگر اس کا مفعول بہٖ محذوف منوی ہے۔ یعنی نَبِیَّهُمْ (اپنے نبی کو) كَذَّبَتْ فعل اپنے تمام معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ كُذِّبَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب مُوْسٰى اسم منقصورہ نام پاک ہے ایک مُرسَل علیہ السّلام کا بحالتِ رفع ہے کیونکہ نائب فاعل ہے اعراب تقدیری ہے یہ فعل نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے كَذَّبَتْ کے جملے پر دونوں معطوفی جملے مل کر معطوف علیہ بنی ہے۔ فَ عاطفہ سببیہ اَمْلَيْتُ باب اِفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد متکلم مرجع اللہ تعالیٰ۔ اس کا مصدر ہے اِمْلَاءٌ مَلِیٌّ سے بنا ہے بمعنی ڈھیل دینا مُہلت دینا۔ کتابت کرنا فیصلہ لکھنا بھی اُمیدیں دلانا یہاں پہلے لغوی معنیٰ میں ہے۔ لِلْكٰفِرِيْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے اَمْلَيْتُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر

معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ اَخَذْتُ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم فاعل اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر مفعول بہ اَخْذٌ سے بنا ہے متعدی بیک مفعول ہے۔ ترجمہ ہے میں نے پکڑ لیا۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اَمْلَیْتُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف تعلیلی ہے ہے تَدَّکَذَّبُتْ کے جملے پر یہ معلول وعلت جزا ہے اِنْ یُّکَذِّبُوْا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تحسین کلام کے لیے کَیْفَ اسم مُبْہَم غیر متمکن مبنی آٹھ طریقوں سے مستعمل ہوتا ہے ۱ کبھی ظرفیت زمانی کے لیے ۲ کبھی ظرفیتِ مکانی کے لیے مگر اُس کی ظرفیت مجازی ہوتی ہے ۳ کبھی شرطیہ ہوتا ہے ۴ کبھی استفہام یعنی سوالِ حقیقی کے لیے ۵ کبھی استفہام (سوال) تعجب کے لیے ۶ سوالِ توبیخ کے لیے ۷ سوالِ تنبیہ یعنی متنبہ اور خبردار کرنے کے لیے یہاں اِسی معنی میں ہے اور سوال مجازاً ہے ۸ کبھی تحسین کلام اور وضاحت کے لیے مَا اَحْسَنَ یا مَا اَشَدَّ کے معنی میں ترکیباً یہ کبھی مفعول بہ دوم کے درجہ میں ہوتا ہے کبھی مفعول سوم کے درجہ میں کبھی مفعول مطلق کے درجہ میں کبھی حال کے درجہ میں کبھی خبر مبتدا کے درجہ میں کبھی خبرِ کَانَ کے درجہ میں یہاں کَیْفَ خبرِ مُقدّم ہے کَانَ فعل ناقصہ نَکِیْرِ اسم مصدر جامد (حاصل مصدر) بروزنِ فَعِیْلٍ، مضاف معنوی ہے دراصل تھا نَکِیْرِیْ نُکْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ انکار کرنا، ناپسند کرنا بمعنیٰ اسم مفعول مُنْکَر ہے یعنی انکار اور ناپسند کیا ہوا مراد ہے عذابِ دنیوی یاءِ متکلم کو بوجہ آخر میں ہونے کے حذف کر دیا گیا اور اُس کے بدلے میں تنوینِ کسرہ لگا دی گئی بحالتِ رفع ہے تقدیری اِعراب یاءِ متکلم کے منوی ہونے کی بنا پر اسم ہے کَانَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

دینِ ربانی کے مدد کرنے والے یہی وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو زمینی ملکوں میں حکومت سلطنت عطا فرما دیں تو اَقوامِ عالَم اور اَقوالِ تاریخ میں ظاہر و ثابت فرما دیں کہ یہ ہوتی ہے اسلامی سلطنت۔ اور نقشہ ءِ مبارکہ قائم فرما دیں عدالتِ اسلامیہ کا حاکم اسلامی کی چھ نشانیاں ہوتی ہیں پہلی یہ کہ حکّامِ اسلامی کا وجودِ مسعود عدلِ اسلامی کا روشن ظہور ہے، دوم یہ کہ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ کسی بھی منصب مرتبے پر پہنچ جائیں یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تخت ہو یا تختہ دربارِ فاروقی ہو یا کربلاءِ حسینی ہو اور پھر مُصَلِّیْنَ صلوٰۃ ہی نہیں بلکہ مُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ ہیں مُصَلِّیْنَ وہ ہوتے ہیں جو نماز پڑھے مگر نماز کے حقوق ادا نہ کریں اور مُقِیْمِیْنَ صَلٰوۃ وہ ہوتے

ہیں کہ دشت ہو یا دامنِ کہسار ہو میدان ہو یا بیابان ہو۔ غار ہو یا مصیبتوں کا غار ہو ایسی حُسن
ادا سے نماز پوری کریں کہ نماز کے تمام حقوق پورے ہو جائیں اور نماز خود عرش پر جا کر عرض
کرے کہ اے رب مجھے تیرے بندۂ مخلص نے ادا کیا ہے نماز کے چھ حقوق ہیں ۱ پوری
طہارتیں حاصل ہوں۔ طہارت کی پانچ قسمیں، اوّل با غسل دوم با وضو سوم ظاہری پلیدی سے
جسم پاک لباس پاک پنجم جگہ پاک ۲ قبلہ رُخ ۳ پابندیِ وقت ۴ فرائض واجبات، سنن
مستحبات کے ساتھ آہستہ آہستہ نہایت اطمینان اور سکون سے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا یعنی تعدیلِ
ارکان کرنا، بھاگ دوڑ یا چھینا جھپٹی نہ محسوس ہو ۵ نماز سے عشق کی طرح الفت و محبت
ہو خشوع اور خضوع سے ۶ اور جو کچھ نماز میں رب تعالیٰ سے وعدے کئے ہوں ان کو
پورا کرنا۔ مثلاً وتر کی دعاءِ قنوت میں ہر نمازی وعدہ کرتا ہے وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ
یَّفْجُرُكَ یعنی اے اللہ ہم ان تمام رشتے داروں، دوستوں، ساتھیوں کو چھوڑتے ان
سے دور ہوتے ہیں جو تیرے نافرمان ضدی گنا ہگار فاسق مُعلِن ہیں اور ہر رکعت نماز میں
ہر نمازی عرض کرتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ اُسی اللہ کی عبادت اُسی اللہ
سے مدد مانگنے کا وعدہ کرتے ہیں اِن حقوق کے اعتبار سے صرف نماز ہی پوری زندگی کا
اسلامی نمونہ ہے مصلّین وہ ہیں جو نماز پڑھیں مگر اِن حقوق کی پرواہ نہ کریں۔ ایسے نمازیوں
کے لیے ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ
یعنی ہلاکت ہے اُن نمازیوں کے لیے جو نماز کے حقوق ادا نہ کریں مُصلّین نماز تو بہت ہیں
مُقِیْمِیْن نماز بہت تھوڑے، مُصلّین کثیر ہیں مُقیمین قلیل ہیں حاکم اسلامی کی تیسری نشانی یہ کہ
وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ یعنی جب اُن مومن حکام کو دولت کا نصاب ملے تو زکوٰۃ دیں اور
ملک کے خزانے ملیں تو ملک اور ملک کی رعایہ پر خیرات کریں اُن کی حفاظت پر نثار کریں
عبادات پر خرچ کریں غربا پر تقسیم کریں۔ مخلوقِ الٰہی کو آرام پہنچائیں بھوکوں کو کھلائیں
اپنے ذاتی عیش و آرام میں نہ لگائیں اور سمجھیں کہ یہ سب سلطنت و دولت رب تعالیٰ کی
امانتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے کے لیے مخلوق خدا کو
دینے انصاف دلانے کے لیے اُمَرا سے زکوٰۃ دلوائیں مانعینِ زکوٰۃ کو سزا دیں چوتھی
نشانی وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ۔ جہاں تک ان کی سلطنت کی حدود ہوتی ہیں وہاں تک عدالتِ
اسلامی کا قیام و ظہور ہوتا ہے مُلکی عدالتیں ہوں یا وکالتیں، کفالت ہو یا تنظیمِ عبادت

ہو یا ریاضت ہر طرف شریعتِ قرآن و حدیث کے اَمَر بالمعروف کی شانِ معظم نظر آتی ہے اسلام میں ہر وہ چیز معروف ہے جو عادۃً، عبادۃً، شرعًا، عُرفًا، عِلمًا، عقلاً، شعورًا۔ اصطلاحًا اچھی ہو۔ اور اچھی وہ ہے جو مفید ہو۔ اس لیے کہ دنیا کی ہر اچھائی صرف اسلام نے ہی سکھلائی دیگر کسی دین نے نہ سکھائی۔ یہاں تک کہ بعض کفار کی اچھی عادتیں بھی جو غیر مسلموں نے اپنائیں وہ انہوں نے بھی اسلام سے ہی نقل کیں ہیں اُن کی کتب میں تو یہ اَخلاقیات نہیں ملتے۔ گویا کہ دنیا کی ہر اچھائی اسلام میں اور پورا اسلام قرآن مجید میں اور پورا قرآن فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ میں ہے۔ پورے اسلام کا خلاصہ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وَاتباع میں ہے کہ اقوالِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وسلم کی اطاعت فرض اور، اَعمالِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع واجب، اسی اطاعت واتباع کا نام اسلام ہے۔ یہی امر بالمعروف ہے۔ پانچویں نشانی یہ کہ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حکامِ اسلام اپنی سرزمین سلطنت میں سے ہر قسم کی دینی، دنیوی اَخلاقی۔ اعمالی برائیوں کو ختم کرتے ہیں یعنی ظلم، بدکاری، گستاخی، فسق وفجور، فحاشی، عیاشی سے پوری رعایہ کو روکتے، منع کرتے ہیں رعایہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی مسلم ہو یا غیر مسلم مُلکی نظام میں سب رعایہ کو برابر حقوق دیتے دلواتے ہیں، یہی اسلام ہے کہ اَمن کو قائم کیا جائے فتنہ فساد ختم کیا جائے مُنکَر، ہر وہ چیز ہر وہ کام وَکلام ہے جو شرعًا، عقلاً طبعًا، فطرتًا بُرا ہو۔ جو چیز عقل اور طبیعت کو بری لگے وہ بھی اسلامی محرمات وَممنوعات میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اسلام دینِ فطرت کہلاتا ہے، دوسری کسی دینِ دنیوی میں یا کسی دنیوی قانون میں یہ خوبی نہیں۔ حاکم اسلامی کا فرض ہے کہ اپنی کورٹ۔ کچہری عدالت، تجارت، اَمارت میں صرف اسلام کا نظامِ عادلانہ فیاضانہ نافذ کرے دنیوی لوگوں غیر مسلموں کے بنائے ہوئے قانون کو اپنی حدودِ سلطنت سے مٹائے، کیونکہ دنیوی بنے ہوئے قوانین غیر منصفانہ اور ظالمانہ ہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ کے قانون کے ہوتے دنیا داروں کے قانون جاری کرنا شِرک بھی ہے اور ظلم بھی۔ حُکامِ اسلامی کی چھٹی نشانی، اسلامی سلطنت کا سب سے عظیم اور امتیازی نشان یہ ہے کہ وہاں امیر غریب، بادشاہ، فقیر وزیر، رعایہ، سُلطان، قانون میں سب برابر، سب پر یکساں قانون نافذ ہیں۔ اَعمال اعتقاد، عبادت، عدالت، فرضیت واجبیت کی ادائیں سب ایک ہی صف میں ہیں۔ سب کے سر نیاز اپنے رب تعالیٰ کے حضور عجز وانکسار خشیتِ جلال، رُعب کمال سے جھکے ہوئے ہیں۔ حکایت، سلطان ہارون رشید نے جب مُلکِ مصر فتح کیا تو سب سے پہلے وضو کر کے تخت شاہی پر ایک طویل سجدہ کیا

اور نذر با آواز بلند بہت دیر تک نہایت خشوع خضوع عجز و انکسار سے کپکپاتی آواز میں پڑھتے رہے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى، جب سر اٹھایا تو تخت کا قالین اُس جگہ آنسوؤں سے تر تھا اور چہرہ خوف الٰہی سے زرد کسی نے پوچھا۔ یا امیر اِس وقت سجدہ کیوں کیا۔ جواب دیا کہ ایک وقت تھا جب اِسی تخت پر بیٹھ کر فرعون نے اِس چھوٹی سی سلطنت کے غرور و گھمنڈ میں خدائی کا دعوٰی کرتے ہوئے کہا تھا۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ اس لیے میں نے اُس کے کفر کے خلاف شیطان کے فرار۔ اپنے عجز و انکسار بندگی کے اظہار کے لیے زبان کے اقرار قلب کی تصدیق سے عرض کیا ہے کہ میں کچھ نہیں، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى، میرا پاک پروردگار ہی کائنات و موجودات میں اعلٰی، سُبْحَانَ اللہ سُبْحَانَ اللہ ماشاءَ اللہ یہ ہے تعلیمات اسلامی کا بادشاہ اے میرے رب کریم مجھ بندہ بیمار۔ عاجز اقتدار معذور و لاچار کو بھی ایسا ہی سجدۂ مقبول عطا فرما۔ اور میرے قلم کو مَكَّنَّا فِي الْاَرْضِ کا انعام عطا فرما۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ اور اے لوگو تم بھی اور تاریخ عالم بھی مشاہدہ کرے گی کہ یہ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ۔ صرف جملہ شرطیہ ہی نہ رہے گا بلکہ ظہور مَكَّنَّا کی چار صورتیں تا دیر عالمِ دہر پر جلوہ گر ہوں گی اَوَّلًا، صحابۂ مہاجرین میں سے خلفاءِ راشدین، اور صحابۂ انصار و مہاجرین میں مجاہدین، پھر تابعین پھر تبع تابعین کے سلاطین، پھر اِس کے بعد کئی صدیوں تک ہم اپنے محبوب کی امت میں سے عابدین، زاہدین، عاشقین، عادلین، قابلین، لائقین کو مَكَّنَّا فِي الْاَرْضِ کی شہنشاہی عطا فرمائیں گے جو زمین کو عدلِ اسلامی کے نور سے بھر دیں گے اور کفر یہ قوانین کو اُکھاڑ پھینکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہی ہے ہر کام کا پورا انجام نہ کوئی اُس کو روک سکے نہ ٹوک سکے نہ بدل سکے۔ بھلائی برائی اُسی کے ہی قبضے میں اُس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ کس کو کس وقت کتنا کب تک زمین کا تسلّط بخشتا ہے یہ فیصلہ بھی اُس کی قدرت و حکمت کے قبضے میں ہے مگر حمقا، جہلا، سفہا اِس بات کو نہیں سمجھتے۔ اُن کی دماغی فرعونیت اپنی وقتی عارضی تھوڑی سی سلطنت و تسلط سے دھوکہ کھائے ہوئے ہے نہ اپنا انجام سمجھ پاتے ہیں نہ اپنے پہلوں کا، یہی وجہ ہے کہ اے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کی ہر نصیحت رحمت، مروت، مودّت سے باغی و طاغی ہوئے پھرتے ہیں۔ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَاَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ۔ اور اگر یہ کفارِ مکہ کے باغی وطاغی آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو اے محبوب آپ اپنی کافر قوم کے جہنم کا نے سرکش ہونے کا فرسے پر افسردہ غمزدہ نہ ہوئیے کیونکہ ہر کافر قوم کا شروع زمانوں سے یہی وطیرہ اور طریقۂ بد چلا آرہا ہے کس کس نبی علیہ السلام کو ان بدبختوں نے نہیں جھٹلایا، سب کو ہی جھٹلایا اور اپنے پر عذاب بلایا، قومِ نوح نے نوح علیہ السلام کو قومِ عاد نے اپنے نبی ھود علیہ السلام کو اور قبیلہ ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو اپنے منہ مانگے ناقۂ معجزہ ملنے کے باوجود جھٹلایا حالانکہ اونٹنی کے ملنے پر نبوتِ صالح کی تصدیق اور ایمان لانے کا وعدہ خود قوم نے کیا تھا۔ اسی طرح قومِ ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کو جھٹلایا حالانکہ نارِ نمرود کو گلزار بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ اور قومِ لوط نے لوط علیہ السلام کو جھٹلایا کسی بھی نصیحت، مفید مشورے اور کلامِ حقانی نصیحتِ ایمانی کو نہ مانا، اور مَدْیَن والوں نے اپنی بستی کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی، مَدْیَن نام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک پوتے کا یعنی مَدْیَن ابن اسحاق ابن ابراہیم، پھر پوری نسلی قوم کا نام مَدْیَن ہوا پھر ان کی رہائشی بستی کا نام بھی مَدْیَن ہو گیا شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے ایک قبیلہ اَیْکَہ دوم علاقۂ مَدْیَن کے لوگ۔ اَیْکَہ والوں نے آپ کی بات مان کر ایمان قبول کر لیا۔ مگر مَدْیَن والوں نے تکذیب کی۔ اس لیے قومِ شعیب نہ فرمایا گیا، اور موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے گئے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے تو ظاہر ظہور اور بڑے بڑے نو معجزے دکھلائے تھے۔ یہ سب ضدی قومیں اپنی ہلاکت تک اپنے کفر پر ڈٹی رہیں، یہاں بھی قوم موسیٰ نہ فرمایا گیا، کیونکہ آپ کی قومِ بنی اسرائیل نے آپ کو نہیں جھٹلایا تھا بلکہ قومِ فرعون قبطیوں نے جھٹلایا تھا۔ ظلم کفر، غرور شرک اور حماقتِ دنیا والے پہلے زمانوں سے ایسا کرتے چلے آرہے ہیں اگر اہلِ باطل کے دل اندھے غفلت مفلوج، فہم معذور خود مجبور نہ ہوتی تو ایک دوسرے کی انجام کار عاقبت سے عبرت پکڑتے سبق حاصل کرتے بندہ بن جاتے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر نے دینِ حق کا مذاق ہی اڑایا لہٰذا اے رحمت والے نبی رؤف ورحیم رسولِ برحق آپ نہ ان کی ذلت پر غم نہ ہلاکت پر افسوس نہ ان کے ایمان کی حرص فرمائیں ہم نے پہلے کفار کو بھی بہت ڈھیل ومہلت عطا فرمائی تھی پھر جب ان کفار کے ظلم وکفر کا پیمانہ اور ایمان والوں کی برداشت وصبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب اَخَذْتُهُمْ ہم نے ان ضدی سرکش ظالم کفار کو ایسا پکڑا اور پکڑ کر ایسا جکڑا جو آپنے اے

محبوب عالمِ ازل حادث ہیں دیکھا ہی تھا کہ کَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ میری پکڑ کڑا عذاب جس نے ان کی وجودِ ہستی کا حُلیہ بگاڑ دیا تھا، چنانچہ پہلا عذاب طوفانِ نوحی کا آیا، پھر قوم عاد پر ہوائی طوفان کا پھر قومِ ثمود پر صیحِ چنگھاڑ کا، نمرودیوں پر مچھروں کا، اور مکانات دھنسنے کا قومِ لوط پر پتھروں کے رجم کا مدین والوں پر سیاہ بادل کی آگ وانگاروں کا قبطیوں فرعونیوں پر دریاءِ قلزم کی غرقابی کا یہ اَخذِ الٰہی تھی جس نے نعمت کو محنت حیات کو ہلاکت، عزت کو ذلت، کثرت کو قلت بقا کو فنا عمارات کو خرابات بنا دیا، سزاءِ قائمی عذابِ دائمی بنگئی۔ اَخذ کا معنیٰ ہے پکڑنا اور نکیر کا معنیٰ ہے جکڑنا، تو جب اِن کفار مکہ کا بدکردار اور ظلم انُ پہلی عذاب والی قوموں جیسا ہے تو سمجھ لو کہ ان کا انجام بھی اُن جیسا ہی ہوگا، اور جب پہلی مومن اُمتوں نے وقت کا انتظار صبر کا اقرار کیا تو اے حبیب آپ کے صحابہ کو بھی صبر وشکر انتظار چاہیئے، جو انعاماتِ صبر اُن پر ہوئے تھے وہ انُ پر بھی کئے جائیں گے، خیال رہے کہ سزا کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱ سزاءِ تعزیر یعنی مُلکی قانون کی صوابدید پر مقرر کردہ سزا ۲ سزاءِ حد یعنی شریعت کی مقرر کردہ سزا ۳ سزاءِ شدید یعنی ظلم کے مطابق موقع محل کی سزاءِ ہنگامی وقتی ۴ سزاءِ نکیر جرم کی سرکشی ضد غرور کے مطابق سزا۔ غرضکہ قانونی سزا۔ شرعی سزا سخت سزا کڑی سزا۔ کفار کو ایسی سزا ملی کہ کہیں بھی عزت وامن نہ ملی اور صحابہ کرام کو ایسی عزت وجزا ملی کہ مکہ مکرمہ میں جان بچائی گئی اور مدینہ منورہ میں آن بچائی گئی اور پوری دنیا کی فتوحات میں شان دلائی گئی مدد کی بھی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ اور یہ سب صحابہ کرام کو رب تعالیٰ نے عطا فرمائیں اس طرح کہ تخلیصِ مکہ سے، تجیرِ مدینہ سے تغلیبِ فتوحات سے تملیکِ غنیمات سے لہٰذا مسلمانوں پر ہر حال میں رب تعالیٰ کے حضور صبر ورضا وتسلیم واجب ہے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰھُمۡ کی ترکیبِ نحوی میں دو قول ہیں، بعض نے کہا کہ اَلَّذِیۡنَ منصوب ہے اس لیے کہ یہ موصول ہے سابقہ جملے مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ کا ۲ مگر بعض نے کہا کہ یہ مجرور ہے اس لیے کہ عطف تابع ہے سابقہ اَلَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا کا۔ اَلَّذِیۡنَ کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا۔ اس سے مراد خلفاءِ راشدین ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام صحابہ مجاہدین ۳ بعض نے کہا اس سے مراد تمام سلاطین نکیر کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ نَکِیۡرِ ہے بغیر یاءِ متکلم، یہی مشہور ومکتوب ہے ۲ بعض نے کہا یہ نَکِیۡرِیۡ ہے یاءِ متکلم کے ساتھ ترجمہ دونوں کا ایک ہے یعنی میری کڑی سزا۔ فَکَیۡفَ کے سوال میں تین قول ۱ یہ سوالِ تعجب ہے ۲ یہ سوالِ تھویل، ھَولناکی کو بتانے والا ۳

۳ یہ سوال تقدیری ہے۔ یعنی اب یقیناً ہوا تھا مَكَّنّٰهُمْ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنٰی ہے کہ ہم نے ان کو نیا وطن دیا ۲ بعض نے کہا اس کا معنٰی ہے ہم نے ان کو بہت حکومتیں دیں فِي الْاَرْضِ میں تین قول ۱ بعض نے کہا زمینِ مدینہ منورہ مراد ہے ۲ بعض نے کہا زمینِ مکہ واپس دینا مراد ۳ بعض نے کہا زمینِ فتوحات مراد ہے۔ قوم سے مراد میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد اُمّتِ دعوت کے کفار مراد ہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ لفظ قوم اسم جنس ہے اس کے لیے مذکر مؤنث دونوں صیغہ آسکتے ہیں ۲ بعض نے کہا قوم کا معنٰی قبیلہ ہے یہ لفظ مؤنث ہے اس لیے كَذَّبَتْ مؤنث کا صیغہ آیا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ان آیتوں سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہر حاکمِ اسلامی کو اپنی حکومت کے ذریعے ہر عالم خطیب کو اپنے قلم و کلام کے ذریعے، ہر پیر و مرشد کو اپنے عمل کے ذریعے چار کام کرنے چاہئیں۔ پہلا کام اپنی رعایا اپنے مقتدیوں اپنے مریدوں میں اَمر بالمعروف جاری کرے۔ دوم نہی عَنِ الْمُنْكَرِ سختی سے قائم کرے اور بار بار برائیوں سے بچنے کی تقریر و تلقین کرے سوم نماز کو نافذ کرے چہارم زکوٰۃ کی ادائیگی پر پابندی کرے کرائے۔ یہ فائدہ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ (الخ) کی تفسیر عالمانہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ اِن آیت میں اقوامِ عالم کو سنانے اور اسلامی حکّام اور اسلامی بادشاہوں وزیروں امیروں کو سکھانے کے لیے اسلامی سلطنت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ اور اسلامی حاکموں کی ذمہ داری بتائی گئی ہے تاکہ تاقیامت مسلمان بادشاہ اپنے مفتوحہ علاقوں میں اس طرح کی عادلانہ عاملانہ نظام قائم کریں یہ فائدہ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ، خلفاء راشدین کی خلافت حکومت فتوحات سب برحق اور منجانب اللہ تھی جو اس کا منکر ہے وہ گمراہ ہے۔ یہ فائدہ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ میں ھُمْ ضمیر جمع ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ اِن آیت پاک میں رب تعالیٰ نے ایک وعدے کا ذکر فرمایا کہ آئندہ اب ہوگا اور ان صحابہ کو بطریقۂ خلافت جہاد اور بطریقۂ جہاد فتوحات اور بطریقۂ فتوحات عالَمِ اسلام ملے گا جس سے اسلامی سلطنت کا نفاذ ہوگیا۔ یہ وعدۂ ربّانی خلفاءِ راشدہ کے ذریعہ پورا فرمایا گیا جنہوں نے خلیفہ بن کر ان آیت کا بیان کردہ سلطنتِ اسلامیہ کا نقشہ جاری و طاری فرمایا۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ نمازی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مصلّینِ صلوٰۃ دوم مقیمینِ صلوٰۃ، مصلّین بننا آسان ہے اس لیے

ان کی اکثریت ہے۔ ان میں کوئی آٹھ کے نمازی یعنی صرف جمعہ کی نماز پڑھنے والے کوئی تین سو ساٹھ کے نمازی یعنی عیدین کی نماز پڑھنے والے کوئی کھاٹ کے نمازی یعنی صرف نمازِ جنازہ پڑھنے والے اور کوئی ہارٹ کے نمازی یعنی دل آگیا تو پڑھ لی نہ آیا تو نہ پڑھی، غرضکہ مصلین کی چار قسمیں۔ لیکن مقیمین صلوٰۃ بنا ہمت و محبت کا کام ہے اور کچھ مشکل بھی ہے۔ مگر بارگاہ الٰہی میں مقبولیت و محبوبیت صرف مقیمین کی ہے نہ کہ مُصلین کی بلکہ مصلین کے لیے وَیل کی وعید ہے یہ مسئلہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کہنے اس پیاری نشانی سے مستنبط ہوا جو رب تعالیٰ نے یہاں اور دیگر بہت سی آیات پاک میں اپنے مقبول بندوں کی پہچان بتائی۔ ایسے ہی نمازیوں کو ٹھاٹھ کا نمازی کہا جاتا ہے۔ دوسرا مسئلہ قانونِ شریعت یہ ہے کہ پہلے خود حکام اور علماء ائمہ و صاحبزادگان اور پیران کو عامل کامل نمازی متقی ہونا چاہیئے پھر عوام ورعایا اور دوسروں کو حکم دینا چاہیئے۔ اسی میں عزت و وقار ہے اور اسی میں ان کے حکم کا احترام اور تبلیغ کا اثر ہے بے عمل کی نہ عزت نہ وقار نہ حکم و تبلیغ کا اثر یہ مسئلہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (الخ) کی ترتیبِ ذکری سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ۔ کا ذکر پہلے ہوا جو ہر بندے کا ذاتی عمل ہے اور ہر مسلمان کا فریضہ، پھر بعد میں امر بالمعروف اور نہی عَنِ الْمُنکَر کا ذکر ہوا جو دیگر عوام کی تربیت و تبلیغ کے لیے، غرضکہ شریعتِ اسلام کا تقاضا ہے عمل کرنے میں اوّل خویش بعد درویش ہو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ پہلے فرمایا گیا کَذَّبَتْ، اور اس میں تمام بڑی قوموں کا ذکر کیا گیا، لیکن موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔ وَکُذِّبَ مُوْسٰی۔ یا تو پہلے بھی فرمایا جاتا۔ کَذَّبَ نُوْحٌ وَّهُوْدٌ وَّصَالِحٌ (الخ) اور یا تذکرۂ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی کَذَّبَتْ کے ساتھ کر دیا جاتا۔ اس تفریقِ تذکرہ کی وجہ کیا ہے۔ جواب۔ مفسرین نے اس کی چند وجہ بیان فرمائیں جس کا مختصر ذکر ہم نے تفسیرِ عالمانہ میں کر دیا۔ ایک وجہ یہ کہ امت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) امتِ دعوت (۲) امتِ اجابت (۳) امتِ ارشاد و تبلیغ، امتِ دعوت کو قوم کہا جاتا ہے جس میں کافر مومن سب شامل جو ایمان لے آئیں وہ امتِ اجابت اور جن کفار کو کوئی نبی علیہ السلام بغیر ان کی طرف بعثت کے راہِ حق کی ہدایت دیں وہ امتِ ارشاد ہے۔ جیسے یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو تبلیغ فرمانا جیسے عزیر علیہ السلام جو ساری عمر سفر میں رہے آپ جس قوم سے گزرتے تھے وہاں کے کفار کو دینِ حق اور توحیدِ الٰہی کی تبلیغ فرما کر آگے روانہ ہوتے حالانکہ وہ کفار آپ کی قوم

نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھے مگر آپ نے قوم قبط کو بھی تبلیغ فرمائی آپ کو آپ کی قوم نے نہ جھٹلایا بلکہ قوم فرعون قبطیوں نے جھٹلایا، قوم نے نہ جھٹلایا اس لیے نہ پہلے كَذَّبَتْ قَوْمُ میں اس کو شامل کیا گیا نہ علیحدہ كَذَّبَتْ قَوْمُ مُوسٰى فرمایا گیا، دوسری وجہ یہ کہ یہ كُذِّبَ مُوسٰى کا جملہ تعجب کا ہے۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ کفار کی ضد اور بدعقلی تو یہاں تک بڑھی ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی بھی جھٹلائے گئے جن سے اُن فرعونیوں نے اتنے عظیم و کثیر معجزے دیکھے تھے اُن کو نہ ماننے کا تو کوئی عذر یا بہانہ بھی نہ تھا کیونکہ قبطیوں نے معجزے دیکھے بھی مانگے بھی ایمان لانے کے وعدے بھی کئے مصیبت ٹلنے کی دعائیں بھی منگوائیں جو قبول ہوئیں مگر پھر بھی نہ وعدہ پورا کیا نہ ایمان لائے آپ کی قوم بنی اسرائیل نے آپ کو نہ جھٹلایا۔ صرف کبھی کبھی بعض جلدباز نوجوانوں کی طرف سے گمراہی و نافرمانی صادر اور ظاہر ہو جاتی جس کی جلدی توبہ بھی کر لیتے اور توبہ میں اپنی جان بھی پیش کر دیتے۔ قوم قبط اگر اُمّتِ اجابت بن جاتی تو ان کے لیے اچھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر۔ از خود صرف چار سو قبطی تقریباً مومن بنے تھے جن میں فرعونی جادوگر اور حضرت آسیہ زوجۂ فرعون بھی شامل تھیں۔ باقیوں نے اپنا ایمان فرعون کے ڈر سے ظاہر نہ کیا غرقِ فرعون کے بعد ظاہر کیا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں سابقہ کافر قوموں کے عذابوں کو نکیر کیوں فرمایا گیا۔ آسمانی ناگہانی فرما دیا جاتا۔ جواب تین وجہ سے ۱ وہ سب عذاب صَادِعًا لِّقَوْمِهٖ تھے، یعنی کفار کے لیے سزاءِ ابدی ۲ اور وہ عذاب رَادِعًا لِغَيْرِهٖ تھے یعنی دوسروں کے لیے عبرت ۳ اور گارِضًا لِلّٰهِ تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ تھے، سخت ناپسندیدہ عذاب کو بھی نکیر کہا جاتا ہے آئندہ دیکھنے سننے والوں کے لیے عبرت دلانے والے عذاب کو بھی نکیر کہا جاتا ہے اور عذاب والوں کے لیے سخت کڑے پکڑ و جکڑ والے عذاب کو بھی نکیر کہا جاتا ہے عذابِ نکیر ہر وہ عذاب ہے جس سے شخصیات کا وجودِ ہستی مٹ جاتا ہے، بستیوں کا حلیہ بگڑ جاتا ہے نسلیں ختم ہو جاتی ہیں، نشانات فنا ہو جاتے ہیں اُن مذکورہ آسمانی عذابوں میں یہ سب چیزیں موجود تھیں اس لیے اُن کو نکیر فرمایا گیا۔

تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ۔ یہ اِنْ حرفِ شرط ہے اور پورا جملہ شرطیہ بن گیا شرطیہ میں جزا کا پایا جانا ضروری جب تک جزا نہ پائی جائے فعل مشکوک ہوتا ہے یہاں فعلِ تکذیب ہے جملہ شرطیہ سے ظاہر ہوا کہ کفارِ مکہ کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھٹلانا مشکوک ہے۔ حالانکہ وہ کفارِ مکہ تو ظاہر ظہور ہر ہر بات کو جھٹلا رہے تھے تو پھر یہاں اِنْ شرطیہ

کیوں ارشاد فرمایا گیا؛ جواب شرط دو قسم کی ہوتی ہے ۱۔ شرط معلق بالجزا ۲۔ شرط معلق بالامر شرط معلق بالجزا کا تعلق انجام سے ہے یعنی اگر ایسا ہو یا ایسا ہوا تو ایسا ہو جائے گا۔ لیکن شرط معلق بالامر کا تعلق مخاطب کے آئندہ عمل سے ہے اور مخاطِب اپنے مخاطَب کو کسی کام کا حکم دیتا ہے، اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں کبھی شرط و امر کا زمانہ حال ہوتا ہے مثلاً اگر ایسا ہو رہا ہے تو تم بھی ایسا کرو۔ کبھی دونوں میں زمانہ مستقبل ہوتا ہے مثلاً اگر کبھی ایسا ہوا تو تم بھی ایسا کرنا، اور کبھی شرط میں زمانہ ماضی ہوتا ہے اور امر میں زمانہ حال یا مستقبل، مثلاً اگر پہلے ایسا ہوا تھا تو تم بھی ایسا کرو۔ یا ایسا کر لیا کرو۔ یہاں آیت وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ میں یہی تیسری صورت ہے معلق بالامر شرط میں جملہ شرطیہ حقیقۃً نہیں بلکہ حقیقۃً یہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور کسی چیز کی خبر دی جاتی ہے صرف امر کو اس پر معلق کرنے کی وجہ سے اس کی شکل شرطیہ جیسی بنا دی جاتی ہے لہٰذا اس آیت یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے نبی کریم، اگر یہ کفار آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ کو غم نہ کرنا چاہیئے بلکہ صبر اور انتظار کرنا چاہیئے اس امر کے لیے تمہیداً یہ بات بتائی گئی کہ پہلے زمانوں میں بھی کفار ایسا کرتے رہے ہیں ان انبیاء علیہم السّلام نے انتظارِ فیصلہ کیا تھا تو آپ بھی ایسا ہی کرو۔ کفارِ مکہ کے اس ارتکابِ تکذیب پر ایک امر معلق کیا گیا اور فقط كَذَّبَتْ سابقہ جملے اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اور اگلے امر کی وجہ بیان ہوئی یہ امر و شرط و توجیہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دیتا ہے اور غم دور کرتا۔

تفسیر صوفیانہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ قلبِ منصورہ کی نشانی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالٰی طالبینِ رضا کے دلوں کو ارضِ بشریت میں قوتِ سلطانی عطا فرمائے تو وہ قلوبِ معرفت مُواصلاتِ عبادت میں ہمیشگی کرتے ہیں ہمیشگی دکھاتے ہیں اور احوالِ قبض و بسط کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دن رات چوبیس گھڑیوں میں دھڑکنوں کا چالیسواں حصہ مخلوقِ الٰہی پر خرچ کرتے ہیں اور باقی ساعتوں کی قلبی دھڑکنیں ذکر الا اللہ کی ضرب میں کر کے اپنے خزانۂ اعمال میں جمع کرتے ہیں، ہر دھڑکن حیاتِ دنیوی کی ایک سانس ہے اغنیا کی زکوٰۃ مال کا چالیسواں حصہ فقرا کی دولتِ قلبی مالِ اعمال اور طیّب سانسیں ہیں لہٰذا دولتِ دنیوی کے نصاب سے اور قلبِ عارف اپنی سانسوں کے حساب سے زکوٰۃ دیتے ہیں امرِ الٰہی کی مخالفت کرنے سے اپنے حواس کو بچانا یہ قلبِ مومن کا امر بالمعروف ہے منعم تعالٰی

کا ذکر پاسِ انفاس (سانسوں کا وِرد) یہ شکرِ باطنی ہے اور اعضا کو سُستی، غفلت، معزوریت
ریاکاری سے بچانا یہ نہی عَنِ الْمُنکَرْ ہے قالبِ عارف کی دولت شورِ اِلَّا اللہ قالبِ مومن اسی
کا خواہش مند ہے مگر دنیا دار حرص وحمیّت، نہر و بحر کا طالب ہے اور ہر طالب حق تعالیٰ سے
اپنی اپنی خوشگواری مانگتا ہے حضرتِ ابن عباس رضی کی روایت ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ قیامت کی علاماتِ صُغریٰ میں سے یہ پانچ باتیں بھی ہیں ۱۔ نماز کو
ضائع کرنا ۲۔ شہوات کے پیچھے لگنا ۳۔ دنیوی خواہشات کی محبت اور اہمیت ۴۔ اُمَرا خائن
۵۔ وُزرا فاسق ہو جائیں گے، یہ وہ وقت ہوگا جب اہلِ ایمان کے دل غم سے اس طرح پگھلیں
گے جس طرح پانی سے نمک۔ مگر مومن میں تبدیلِ حالت کی قوت نہ ہوگی اگر بولے تو مارا جائے
اگر چپ رہے تو غم سے مر جائیں، مومن کامل کا وجود زمین پر رب تعالیٰ کا سایہ ہے اے
بندے اگر بادشاہ محسن ہو تو شکر کر اور اگر بُرا ہو تو صبر کر۔ ایک ساعت کا عدل ستر سال کی عبادت
سے بہتر ہے حافظ شیرازی نے فرمایا کہ بادشاہ کو سال کی عبادت سے وہ ایک گھڑی بہتر ہے
جس میں عدل قائم کر جائے ظلم مٹا جائے۔ حضرتِ سعدی نے فرمایا کہ اے وہ لوگو جو بادشاہ
یا حاکم بنائے گئے ہو اگر تم چاہتے ہو کہ تم سے نفرت نہ کی جائے تمہارے پیچھے نہ تمہارے بعد
تو ہر دم اپنے منصب اور مرتبے کے مطابق نیکی پھیلاؤ۔ یعنی عدل قائم کرو اور مظلوم کی آہ سے
بچو۔ رعایہ کو چاہیئے کہ اچھائی کو اختیار کرے اور برائی سے بچے ورنہ ذاتِ بے نیاز اللہ
الصمد کا قانون ہے کہ جس قوم کی نیکی اس کو پسند ہو اُس قوم پر عادل نیک حاکم اور بادشاہ
کو مقرر کیا جاتا ہے اور اچھوں کو تسلط بخشا جاتا ہے اور اگر کسی قوم کے گناہوں کی بنا پر
مُلک کو ویران کرنا چاہے تو ملک ظالم کے قبضے میں دیدیا جاتا ہے فرمایا بزرگوں نے
کہ بادشاہ صرف لشکر سے ہے اور لشکر صرف مال سے ہے مال صرف آبادیوں سے ہے
اور آبادیوں کی رونق وکثرت صرف عدل سے ہے اور عدل صرف اسلام سے ہے اور
فرمایا کہ سلامتی سے عدل، عدل سے حسنِ سیاست حسنِ سیاست سے قوتِ ریاست ہے
(از تفسیر روح البیان) اور یہی وہ اہلِ سعادت لوگ ہیں جن کو اگر وجودِ حقانی کی سعادت
ہم عطا کر دیں تو وہ زمینِ قالب پر مراقبۂ خلوت اور مشاہدۂ جلوت کی نمازیں قائم فرما دیں
اور علومِ حقیقیہ معارفِ یقینیہ کی زکوٰۃ ادا کریں، دولتِ مکاشفات کے نصاب سے اور
تقسیم کریں مریدین طالبین میں سے تحقیقِ انوار کو محتاجینِ اَسرار کو اور نفوسِ نفسانیہ

کا امر بالمعروف کریں، نفوسِ نا نسہ کو اعمالِ شریعت کا حکم دیں اور اخلاقِ مرضیہ کی تلقین کریں مقامِ مشاہدہ میں لے جا کر شہواتِ بدنیہ لذاتِ خبیثہ و رذائل معاملاتِ مردیہ کے منکرات و مکروہات سے منع کریں اور سب کا رجوعِ آخری اللہ تعالیٰ ہی طرف ہے اسی لیے بندوں کو چاہیئے کہ حیاتِ دنیوی میں اس کی بارگاہ کی حاضری کی تیاری کر لیں (ابن عربی) وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ مَدْیَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ۔ حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ اس کی شرح میں محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے تین گروہ ہیں پہلا گروہ انبیاء علیہم السلام کا دوسرا گروہ مبارکہ رُسُل علیہم السلام کا اور پہلے رسول یوسف علیہ السلام، تیسرا گروہ مرسلین کا بنی اسرائیل کے پہلے مرسل موسیٰ علیہ السلام، دوسرے داؤد علیہ السلام تیسرے عیسیٰ علیہ السلام۔ قوم بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی نسل ہے آپ سے پہلے سات انبیاء علیہم السلام ہوئے نبی وہ ہے جو اپنے سے پہلے رسول نبی کی شریعت پر تبلیغ فرمائے خود نئی شریعت والا نہ ہو، رسول وہ ہے جو نئی شریعت اور صحیفہ لے کر تبلیغ فرمائے، مُرسَل وہ نبی ہیں جن کو رب تعالیٰ نے نئی شریعت نئی کتاب اور نیا صحیفہ عطا فرمایا ہو۔ یا صرف نئی شریعت نیا صحیفہ ملے پہلے صاحبِ صحیفہ اور نئی شریعت والے مرسل آدم علیہ السلام پھر نوح پھر ابراہیم وغیرہ علیہم السلام پہلے صاحبِ کتاب و صاحبِ صحیفہ حضرتِ موسیٰ پھر حضرت داؤد پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی آقاءِ کائنات سید المرسلین حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کتب اور تمام صحف کے علاوہ وحیِ خفی، وحیِ منامی وحیِ نطق بھی عطا فرمائی گئی۔ غرضکہ آپ کو پانچ قسم کی خصوصی وحی عطا فرمائی گئی (۱) وحیِ جلی (قرآنِ مجید) بذریعہ جبرئیل علیہ السلام (۲) وحیِ خفی حدیثِ قدسی بلا واسطہ کلامِ الٰہی کا عطیہ (۳) وحیِ منامی خواب میں پیغاماتِ الٰہی (۴) وحیِ نطق۔ یعنی تمام احادیثِ مبارکہ، یہی آپ کے صحیفے ہیں (۵) سابقہ کتب و صحف کا علم، تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کفار اور گمراہوں کے لیے ہی ہوتی رہی۔ چونکہ آقاءِ دوجہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہٖ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ تو بند ہو گیا مگر کفر و گمراہی بدستور دنیا میں ہوتا رہے گا اس لیے تبلیغ کا سلسلہ علماءِ امت کے ذمہ ہے اور کَاَنْبِیَاءِ کی تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح ان انبیا علیہم السّلام کے پاس نہ نئی شریعت تھی نہ نیا کلام صرف تبلیغ کی ذمہ داری تھی اسی طرح علماءِ امت کے ذمے بھی صرف تبلیغِ اسلام ہے علماءِ امت کے بھی تین گروہ ہیں ۱ فقہاءِ مجتہدین ۲ علماءِ مقلدین عاملینِ شریعت ۳ صوفیاءِ طریقت، انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی بعثت کفار کی طرف علماءِ امت کی آمد فساق کی طرف انبیا علیہم السّلام کی تکذیب کی کفار نے، علماءِ امت کی تکذیب کی فساق نے انبیاء علیہم السّلام کی تکذیب ہوتی رہی علماءِ امت کی تکذیب ہوتی رہے گی۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام نے کمال وجمال کا صبر کیا تو اے گروہِ فقہا، علما، اولیا تم بھی صبر کرو۔ انبیاء علیہم السّلام کی بھی نصرت کی گئی تھی تو اے گروہِ اولیا علما تم بھی یقینِ کامل رکھو کہ تمہاری بھی نصرت و مدد فرمائی جائے گی۔ انبیاءِ بنی اسرائیل اور ان سے پہلوں کی تکذیب۔ قوم ۱ نوح ۲ قوم ہود ۳ قوم صالح ۴ قوم ابراہیم ۵ قوم لوط ۶ اصحابِ مدین ۷ قوم فرعون کرتی رہی اور فقہا علماء اولیا کی تکذیب و توہین ۱ دنیا پرست ۲ تصویر سازیت فروش ۳ فحاشی و بدمعاش ۴ دنیا کے فنکار و دانشور کہلانے فخر غرور کرنے والے ۵ آزاد خیال، آوارہ ذہن، دہریت والے ۶ خائن، بے ایمان تاجر، ناشکرے فساق لوگ ۷ اُمرا وُزرا، عیاش سلاطین کرتے رہیں گے۔ کفار کے پاس تکذیبِ انبیاء کے لیے وَجَدْنَا آبَائَنَا کا بہانہ تھا اور اب ان فساق و عیاش کے پاس بری رسمیں طبلہ و سارنگی بجانے کے لیے وَجَدْنَا قَبِیْلَتَنَا کا بہانہ ہے وہ کفار آبائی دین کو نہ چھوڑتے تھے۔ یہ فساق رشتے داری قرابت داری کی رسمیں نہیں چھوڑتے اسی لیے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علماءُ اُمّتی، میری امت کے علما فقہا، علما، صوفیا۔ تبلیغ کی جانفشانی مخالفین کی ایذا رسانی اور صبر و تحمل کی فراوانی میں کَاَنْبِیَاءِ بنی اسرائیل ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اجتہاد والے فقہاءِ ائمہ صاحبِ کتاب ہیں۔ طریقت والے اولیا صوفیا صاحبِ صحیفۂ قلبی وَالہاماتِ صدری ہیں اور علماءِ شریعت صاحبِ تبلیغ و تقلید ہیں تکذیبِ انبیا سے عذابِ نکیر آتے رہے اور تکذیبِ علماء و اولیا سے وباءِ کبیر اور بلاءِ کثیر آتے ہیں۔ حیاتِ دنیوی خزانۂ عظیم ہے اس کا چور ابلیس ہے اس کا محافظ پاسبان آستانۂ مرشد ہے۔ عذابِ نکیر سے وہ بچا جو دامنِ نبوت میں پناہ گیر ہوا۔ بلاءِ کثیر سے وہ بچے جو براستہ مرشد آستانۂ مصطفیٰ پر آجائے۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

تو کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے برباد کر دیا ہے ہم نے ان کو حالانکہ وہ بہت ظلم کرنیوالی تھیں

اور کتنی ہی بستیاں ہم نے کھپا دیں کہ وہ ستمگار تھیں

فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

پھر وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں کے بل اور کتنے ہی کوئیں ایسے جو ناقابلِ استعمال

تو اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی ہیں اور کتنے کوئیں بیکار پڑے

وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اور خوب صورت محلات بھی ۔ تو کیا یہ آتے جاتے نہیں ہیں اُن علاقوں میں

اور کتنے محل پچ کئے ہوئے تو کیا زمین میں نہ چلے کہ

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ

کہ ہوں اُن کے دل سمجھیں وہ اُن کے ذریعے یا کان ہوں

ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں یا کان ہوں

اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى

کہ سن سکیں وہ جن کے ذریعے ۔ کیونکہ بے شک حقیقتاً نہیں اندھی بنتی ہیں

جن سے سنیں تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ

الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ

آنکھیں اور لیکن اندھے ہو جاتے ہیں وہ دل ہی جو

وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں

فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ

سینوں میں ہیں اور بڑی جلدی مچا رہے ہیں یہ لوگ آپ سے عذاب کی

ہیں اور وہ تم سے عذاب مانگنے میں جلدی

وَ لَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ ؕ وَ اِنَّ یَوۡمًا

حالانکہ ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدے کو اور بے شک ایک دن ایسا بھی ہے

کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ جھوٹا نہ کرے گا۔ اور بے شک تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے

عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۴۷﴾

آپ کے رب کے پاس ان ہزار سال کے برابر جس سے تم گنتی کرتے ہو۔

جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ ہر چیز کا انجام رب تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اب اِن آیات میں بعض قوموں کے دنیوی انجام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں چند ہلاک شدہ قوموں کا تاریخی تذکرہ فرمایا گیا اب اِن آیات میں اُن کی اُجڑی بستیوں کا جغرافیائی نقشہ اور محلِ وقوع سمجھایا جا رہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی نصیحتیں نہ ماننے والی قوم کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں نہ ماننے کی وجہ کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ بے عقل بہرے واندھے ہیں۔

تفسیر نحوی فَکَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا وَ ہِیَ ظَالِمَۃٌ فَہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ۔ فَ زائدہ ہے یا تعقیبیہ مابعد کلام علیحدہ جملہ ہے یا ماقبل کَیۡفَ کَانَ کا بدل ہے کَاَیِّنۡ اسم مُبہم مبنی ہمیشہ شروع کلام میں آتا ہے اکثر خبر دینے کے لیے ہے کبھی سوال کے لیے بھی آجاتا ہے کثرت پر دلالت کرتا ہے اور مابعد کے ابہام (پوشیدگی) کو دور کرتا ہے یہ ممیّز کے درجہ میں ہوتا ہے اور اس کے بعد مِنۡ جارّہ

سے اس کی تمیز ہوتی ہے لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کبھی مِنْ نہیں ہوتا ہے۔ اگر یہ مبتدا بن کر آئے تو اس کی خبر مرکب ہو گی مفرد نہیں ہو سکتی خواہ جار مجرور ہی ہو۔ مرکب سے مراد مرکب تام ہے یعنی جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ یہاں فعلیہ ہے اس سے پہلے حرف جر نہیں ہو سکتا جیسے کہ بِکَاَیِّنْ نہیں ہو سکتا یہاں کَاَیِّنْ بمعنی کثیر ہو کر عامل ہے مِنْ تبعیضیہ قَرْیَۃٍ اسم مفرد نکرہ مراد ہے اَصْلِ قریہ یہ جار مجرور متعلق ہے کَاَیِّنْ کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا اَهْلَكْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق۔ جمع متکلم ایک قرأت اَهْلَكْتُ ہے واحد متکلم، اَمْلَيْتُ۔ اَخَذْتُ اور نکیری کی مناسبت سے اِهْلَاكٌ مصدر ہے بمعنی تباہ و برباد نیست و نابود کرنا کہ نشان بھی باقی نہ رہے هَا ضمیر کا مرجع قَرْيَۃٍ مفعول بہ واؤ حالیہ ھِیَ مبتدا ظَالِمَۃٌ اسم فاعل واحد مؤنث خبر ہے یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر حال هَا ضمیر کا وہ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے اَهْلَكْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ ترتیبیہ ھِیَ ضمیر واحد مؤنث مرفوع منفصل مبتدا ہے خَاوِیَۃٌ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مؤنث خَوْیٌ سے بنا ہے بمعنی گھُل کر یا پگھل کر یا ٹوٹ کر ڈھے جانا زمین پر۔ بیٹھنے اور زمین کے ساتھ لگتے چلے جانا جس کو زمین بوس ہونا کہتے ہیں یا اوندھے منہ گرنا لغوی معنی ہے کھوکھلا ہونا اندر سے خراب و خالی ہونا یہ سبب ہے گرنے کا یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے یعنی گرنا۔ اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے قَرْيَۃٍ عَلٰی حرف جر اپنے ہی معنی میں (برائے فوقیت) عُرُوْشٌ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے عرش بمعنی چھت اصطلاح میں عرش بمعنی عزت کا مقام اسی معنی میں تختِ شاہی کو عرش کہتے ہیں لغت میں ہر منتقلی کمرہ جو صرف بیٹھنے اٹھنے کے لیے بنایا گیا اور اٹھا کر دوسری جگہ رکھا جا سکے۔ یعنی چھت والا لکڑی وغیرہ کا مکان یہاں صرف چھتیں مراد ہیں مضاف ہے هَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب مجرور ہو کر متعلق ہے خَاوِیَۃٌ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا ھِیَ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَهْلَكْنَا پر یہ سب مل کر خبر مبتدا ہے واؤ عاطفہ بِئْرٌ اسم مفرد مؤنث لفظی لغوی ترجمہ کھودا ہوا مبالغے میں ترجمہ ہوا بہت گہرا کھودا ہوا بِئْرٌ بروزن فِعْل اسم مصدر مبالغہ بمعنی مفعول یعنی گہرا کھودا ہوا کھود کر بنایا ہوا اردو میں ترجمہ ہے کنواں موصوف ہے مُعَطَّلَۃٍ باب تفعیل کا اسم مفعول واحد مؤنث اس کا مصدر ہے تعطیلٌ بمعنی معطل کرنا بیکار کرنا معطلہ ہر وہ چیز یا کام

یا شخصیت جس کا کام فائدہ اور نفع ختم ہو جائے یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف علیہ
واؤ عاطفہ قَصْرٌ اسم مصدر حاصل مصدر جامد۔ لغوی ترجمہ ہے روکنا۔ اصطلاح میں شاہی محل
کو قصر اسی لیے کہتے ہیں کہ ہر عام شخص اس میں نہیں جا سکتا روکا جاتا ہے یہ اپنے مصدری معنی
میں مستعمل ہے اسی سے ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ اور قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں مراد ہے
شاہی محل موصوف ہے مَّشِيْدٍ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر مَشْيُوْدٌ تھا تعلیل نحوی سے
مَبِيْعٌ کی طرح مَشِيْدٌ ہو گیا۔ شَيْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے لیپنا پوتنا پلستر کرنا چنائی کرنا،
اونچا کرنا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہے بِئْرٍ پر وہ معطوف ہے مِّنْ بیانیہ کی وجہ سے
لیے مجرور ہے یہ سب عطف مل کر مجرور ہے وہ متعلق ہے كَاَيِّنْ کا۔ وہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ
ہو گیا۔ مقصد بیان یہ ہے کہ کتنی ہی بستیاں اور کتنے ہی بیکار کنوئیں اور کتنے ہی شاندار محل جن کو
برباد کر دیا ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ اَفَ۔ دراصل ہے ءَ فَ۔ فَ عاطفہ لغو (عطف کے
لیے نہیں ہے) اَ ہمزہ سوالیہ۔ ترجمہ ہے تو کیا۔ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ
قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ
لَمْ يَسِيْرُوْا باب ضَرَبَ کا مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل سَيْرٌ
اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنی سیر کرنا چلنا پھرنا آنا جانا فِي الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے
فَ تعلیلیہ سببیہ بمعنی تاکہ تَكُوْنَ فعل مضارع تامہ واحد مؤنث غائب ایک ترکیب میں يَكُوْنَ ہے
واحد مذکر بحالت نصب ہے کیونکہ جواب استفہام ہے حکماً یہاں اَنْ ناصبہ مصدریہ پوشیدہ ہے
ترجمہ ہے دلوں کی سمجھ کے لیے لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے تَكُوْنَ کا قُلُوْبٌ اسم۔ جمع مکسر
ہے قَلْبٌ کی بمعنی دل موصوف ہے يَعْقِلُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع
مذکر غائب عَقْلٌ سے بنا ہے بمعنی سمجھنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے قُلُوْبٌ بِهَا یہ جار
مجرور متعلق ہے يَعْقِلُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قُلُوْبٌ کی مرکب توصیفی
معطوف علیہ اَوْ حرف عطف اختیاری اٰذَانٌ جمع مکسر ہے اُذُنٌ کا بمعنی کان جسمانی مراد
ہے قوت سماعت یعنی سننا موصوف ہے يَسْمَعُوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع جمع مذکر غائب بَ جارہ
سببیہ ترجمہ ہے ذریعے هَا کا مرجع اٰذَانٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے يَسْمَعُوْنَ کا یہ سب فعل
با فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اٰذَانٌ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے قُلُوْبٌ پر

یہ دونوں عطف مل کر عامل ہے فَتَكُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ تامہ ہو کر مسبب ہے لَمْ يَسِيْرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَ زائدہ اِنَّ حرف مشبہ ھَا ضمیر قصہ بمعنی ماقبل کی کیفیت بتانے والی ہے بمعنی شان یہ ہے کہ حالت یہ کہ اسی لیے اس ضمیر کا کوئی مرجع نہیں ہوتا اور اِنَّ لغو ہو جاتا ہے اور ضمیر اس کا اسم نہیں بن سکتی لَا تَعْمَى باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بِلَا معروف واحد مؤنث غائب اَلْاَبْصَارُ اسم جمع مکسر منصرف بَصَرٌ واحد ہے بمعنی آنکھ نگاہ۔ فاعل اسم ظاہر ہے اس لیے فعل عامل واحد کا صیغہ ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لٰکن عاطف اِستدراکیہ نہیں یعنی ماقبل کی نفی نہیں کرتا تَعْمَى مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب اَلْقُلُوْبُ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث فِی الصُّدُوْرِ فِیْ ظرفیہ مکانیہ اَلصُّدُوْرِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے صَدْرٌ بمعنی سینہ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّتِیْ کا یہ موصول صلہ مل کر صفت ہے اَلْقُلُوْبُ کی یہ مرکب فاعل ہے تَعْمَى کا خیال رہے کہ لَا تَعْمَى اور تَعْمَى دونوں عَمًى سے مشتق ہیں بمعنی اندھا ہونا دونوں آنکھوں کا یہاں مراد ہے مکمل۔ اندھا تَعْمَى سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَا تَعْمَى کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر ایک قول میں علت ہے لَمْ يَسِيْرُوْا کی اور ایک قول میں یہی جملہ معطوفہ مکمل ہے واؤ سے جملہ يَسْتَعْجِلُوْنَ، باب استفعال کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب اس کا مصدر اِسْتِعْجَالٌ بمعنی جلدی مچانا جلد بازی کرنا۔ جلدی چاہنا عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنی جلدی کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع کفار مکہ كَ ضمیر منصوب متصل واحد مذکر حاضر اس کا مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یہ مفعول ہے بِالْعَذَابِ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ واؤ حالیہ لَنْ يُّخْلِفَ باب افعال کا فعل مضارع نفی تاکید بِلَنْ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِخْلَافٌ بمعنی خلاف کرنا متعدی خُلْفٌ سے بنا ہے بمعنی خلاف ہونا یہ لازم ہے اَللّٰهُ اس کا فاعل وَعْدَهٗ اسم حاصل مصدر جامد مضاف ہے بمعنی عہد ہٗ ضمیر نفی بمعنی اپنا مرجع ہے اللہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مفعول ہے لَنْ يُّخْلِفَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال سببی ہے كَ ضمیر کا یعنی آپ سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں کہ آپ اللہ سے منگوا دیں اور اللہ نہ بھیجے یہ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ يَسْتَعْجِلُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ واؤ سے جملہ ایک

قول میں عاطفہ ہے اور مابعد کا عطف ہے وَلَیَسْتَعْجِلُوْنَ کے جملے پر مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ پہلا جملہ حالیہ اور یہ حالیہ نہیں ہو سکتا اس لیے عطف جائز نہیں جو عاطفہ کہتے ہیں اُن کے نزدیک پہلا سابقہ جملہ حالیہ نہیں بلکہ معترضہ (درمیان میں علیحدہ بے تعلق جملہ) ہے اِنَّ حرفِ مشبہ یَوْمًا موصوف عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے رَبِّكَ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے عِنْدَكَ یہ ڈبل مرکب اضافی ظرف ہے مُقَدَّرًا یا مُقَرَّرًا پوشیدہ اسم مفعول کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے یَوْمًا کی یہ مرکب اسم اِنَّ کاف حرفِ جر تشبیہی یہاں برائے مساوات (برابری) کے لیے ہے۔ اَلْفُ اسم عددی۔ اس کا لغوی ترجمہ جُڑنا پیوست ہونا، متحد ہونا، چونکہ تینوں اصولی عدد ہزار میں آ کر ایک جگہ جڑ جاتے ہیں۔ یعنی اکائی۔ دہائی، سیکڑہ اسی لیے اس کو اَلْف کہتے ہیں۔ گہری قلبی محبت کو بھی اُلْفَتْ اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ دو یا تین شخصیتیں جڑ جاتی ہے مضاف ہے سَنَۃٍ اسم مفرد نکرہ اس کی جمع مذکر ہے سِنُوْنَ اور جمع مؤنث سالم ہے سَنَوَاتٌ۔ یا سَنَہَاتٌ۔ اس کی اصلیت میں اختلاف ہے ۱ یہ سَنُوْنَھَا ۲ یہ سَنَۃٌ یہ زیادہ درست ہے کیونکہ قرآن مجید کا لفظ لَمْ یَتَسَنَّہْ اسی کی تائید فرما رہا ہے اس کا معنیٰ ہے ایک سال یہ زمانے کی سب سے بڑی مُدّت کُلُّ مدتیں پانچ قسم کی ہیں ۱ دن ۲ دن رات ۳ ہفتہ (سبت) یعنی سات دن ۴ مہینہ ۵ سال۔ بارہ مہینے۔ عربی میں عَامٌ بھی سال کو کہتے ہیں اور سَنٌ (سَنَۃٌ) بھی مگر ان دونوں میں عام خاص کی نسبت سے فرق ہے کہ ہر عامٌ سَنَۃ ہے مگر ہر سَنَۃٌ عامٌ نہیں ہوتا دنوں کے مجموعے کا نام سَنَۃٌ ہے کہ کسی طرح بھی سال کے دن جو تقریباً تین سو چونسٹھ ۳۶۴ ہیں وہ گزر جائیں۔ خواہ کوئی موسم کتنے حصے کا آئے لیکن عامٌ موسموں کے مجموعے کا نام ہے جب چار موسم مکمل طور پر گزر جائیں یعنی سردی ۱ گرمی ۲ بہار ۳ خزاں ۴ اس بنا پر عامٌ کبھی کبھی سَنَۃٌ سے بڑا ہوتا ہے یہ مضاف الیہ ہے۔ ایسی اضافت کو اضافتِ توصیفی کہتے ہیں یہ مرکب اضافی موصوف ہے مِنْ جارہ بعضیت کا مَا موصولہ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے تَعُدُّوْنَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر حاضر عَدٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ گننا۔ فعل با فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَلْفِ سَنَۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے مُسَاوٍ اسم فاعل پوشیدہ کا جو دراصل مُسَاوِیٌ بحالتِ رفع ہے یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو

کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ۔ اے قربان انسانوں تو کیا تم لوگ عبرت نہیں پکڑتے اُن تاریخی راہ سفر کے مشاہداتی گذشتہ قوموں کے واقعات سے کہ گزرے زمانوں میں بہت دفعہ ایسا ہوا کہ کتنی ہی اُن بستیوں کو جو ہر قسم کا ظلم کفر شرک فساد پھیلانے والی تھیں ہم نے اُجاڑ کر ویران اور برباد کر دیا۔ تمام اہل بستی کو ہلاک کر کے۔ بغیر ظلم و فساد کے کبھی کسی بستی کو ہلاک نہ کیا گیا اگرچہ کتنا ہی کفر شرک یا فسق کیا، ہلاکت و بربادی اُس وقت آتی ہے اور آتی رہی جب کفار نے انبیا علیہم السّلام اور مومنین پر ظلم و تشدد کیا جب مظلومین کی زبانی آہیں قلبی بد دعائیں آسمان تک بلند ہوئیں تب مختلف آسمانی و ناگہانی طوفانی و سُلطانی قتال و عذاب آتے رہے۔ جن سے بندے بھی جانور بھی مر کر تباہ ہوتے رہے اور علاقائی بستیاں اور بستیوں کے گھر خالی اور ویران ہوتے رہے۔ یا ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈرات بنتے رہے کیونکہ انسانوں سے کفر ہوا کفر سے ظلم ہوا۔ اور ظلم سے فساد، فساد سے ہلاکت ہوئی جانداروں کی ہلاکت اُن کا مرنا ہے۔ اور بستیوں کی ہلاکت ان کا ویران و برباد ہونا ہے یا کھنڈرات و اُجاڑ ہونا ہے بے گناہ جانوروں کی ہلاکت کفار کی ملکیت اور اُن کے کھونٹوں سے بندھے ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ جب ظالموں کے ظلم کی وجہ سے عذاب آیا اور اہلِ بستی کو موت آگئی تو بستیوں کی ہلاکت فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا کی صورت میں ہوئی انسانوں کے ظلم کی وجہ سے اُس علاقے کی چار چیزوں پر ہلاکت آئی۔ پہلی ہلاکت خود ظالم انسانوں پر۔ پھر ان کے جانوروں پر ان دونوں پر موت سے ہلاکت ہوئی، پھر بستیوں کی تمام نباتات پر پھر بستیوں کی عمارات پر۔ ان دونوں کی ہلاکت خَاوِيَةٌ سے ہوئی خَاوِيَةٌ کی ہلاکت تین طرح ہوئیں باغات اُجڑ گئے کھیت و کھلیان بکھر گئے چمن سوکھ گئے۔ عمارات ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گئیں یا کھڑی کھڑی خالی اور ویران ہو گئیں کہ مضبوطی اور خوبصورتی قائم رہی مگر ویرانی سے بے رونقی کی اُداسی و نحوست چھا گئی اور ہلاک کر دیا ہم نے کوئیں کو۔ اس طرح کہ کوئی اُن سے پانی نکالنے پینے والا نہ رہا۔ اجاڑ بیابان بن کر رہ گئے۔ رونقیں ختم ہو گئیں سب چہل پہل گم ہو گئی۔ نہ چرخی کی چر چراہٹ نہ رسی کی سرسراہٹ نہ ڈول کی پھڑ پھڑاہٹ نہ پرندوں کی چہچہاہٹ نہ گھڑوں کی گڑگڑاہٹ نہ آنے جانے پینے پلانے والوں کی آہٹ، نہ قدموں کی کھڑکھڑاہٹ

وَ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ ۔ اور ہلاک کر دئے ہم نے کتنے ہی خوب صورت مضبوط سجے سجائے قلعے جن کی مضبوطی پر بنانے والوں کو ناز تھا اور سجانے والوں کو فخر ہوا کرتا تھا اور بسنے رہنے والوں کو غرور ہوتا تھا۔ نہ بنانے والے رہے نہ سجانے والے نہ بسانے والے جن میں کبھی خوشی کے شادیانے، رونقوں کی شہنائیاں، اور آمد ورفت کے نقارے بجتے تھے وہاں اب ایسی ویرانی ہوائیاں اڑ رہی ہیں کہ ۔ بوم نوبت میزند بر گنبدِ افراسیاب، اُلوؤں کے گھونسلے، مکڑیوں کے جالے چمگادڑوں کے بسیرے گیدڑوں کی آوازیں ہیں یہی انجام ہے کفر کے غرور کا اور ظلم کے ظہور کا۔ قَرۡیَۃٍ، بِئۡرٍ، قَصۡرٍ یہ تینوں الفاظ جنسی جمع ہیں اور گذشتہ تمام کفار کی عذاب والی بستیوں کا ذکر ہو رہا ہے اور کَاَیِّنۡ کا تعلق اِن تینوں سے ہے یعنی عاد ثمود، قومِ نوح قوم ابراہیم قومِ لوط۔ اَصحابِ مَدیَن اور فرعونیوں کی بستیاں کوٹھیں، محلات مراد ہیں۔ مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ کَاَیِّنۡ کا تعلق صرف قَرۡیَۃٍ سے ہے جن میں تمام عذاب والی بستیاں شامل اور ہلاکت سے مراد جانداروں کی موت عمارات کی ویرانی یا ٹوٹ پھوٹ مگر بِئۡرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ سے مراد شہر حضرموت کا مضبوط اور خوب صورت قلعہ اور حاضورا بستی کا کنواں ہے۔ واقعہ اس طرح کہ جب حضرت صالح علیہ السّلام مع اپنے چار ہزار مومن اُمتیوں کے ساتھ باذنِ الٰہی بستی ثمود سے ہجرت کر گئے اور عذابِ ثمود سے بچا لئے گئے تو آپ ایک پہاڑ پر مع ساتھیوں کے خیمہ زن ہو گئے کچھ عرصہ بعد وہیں اُن لوگوں نے ایک خوب صورت پتھریلا شہر آباد کر لیا۔ وہیں پر حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اُس شہر کا نام ہی حضرموت رکھا گیا جو آج تک جاری ہے۔ اِسی پہاڑ کے نیچے دامن میں ایک گاؤں آباد تھا اس کا نام حاضورا تھا۔ وہ اب مٹ چکا ہے۔ وہاں میٹھا پانی نہ تھا، قومِ صالح کے اولیاءَ اللہ نے ایک کنواں کھودا تو نیکوں کی دعاؤں اور برکت سے میٹھا پانی نکل آیا۔ صالح علیہ السلام کی وفات شریف تو اسی شہر میں ہوئی مگر آپ کی تدفین وصیت کے مطابق علاقہ شام کے شہر عکہ میں کی گئی صالح علیہ السّلام نے وفات کے وقت تمام نیک اور بزرگ لوگوں کو جمع فرمایا۔ اور کہا اب میری موت حاضر ہو گئی ہے۔ حَضَرَ مَوۡتٌ۔ اس لیے تم کو آئندہ زندگی کے لیے وصیتیں کرتا ہوں جن میں تدفین کی وصیت بھی شامل اور منہ کے نکلے الفاظ مبارک جانتے ہوئے شہر کا نام ہی حَضَرَ مَوۡتٌ رکھا گیا۔ میٹھے پانی کی سب کو بہت خوشی تھی اس کو بھی معجزہ صالح سمجھا گیا اور یقیناً یہ حقیقت بھی ہو گی۔ سب بستی والے بلکہ اردگرد بستیوں والے وہیں

نے پانی بھرتے تھے اور کنویں پر بڑی رونق رہتی۔ اُس کے قریب پانچ چھوٹی حوضیں بنائی گئی تھیں۔ ایک انسانوں کے لیے ایک اونٹوں کے لیے ایک گایوں کے ایک بکریوں کے اور ایک پرندوں کے لیے کچھ عرصہ بعد جلیس ابن جلاس بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی اور نئی نسل گمراہ کافر ہوئی، تب ان میں ایک نبی مبعوث ہوئے ان کا نام روایت میں حنظلہ بن صفوان بن تحافر آتا ہے آپ کو صرف خواب میں وحی آتی تھی نہ کہ جاگتے میں خیال رہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کو تقریباً گیارہ طرح سے وحی آتی ہے ۱ بعض کو صرف جاگتے میں ۲ بعض کو صرف سوتے میں ۳ بعض کو بذریعہ صحیفہ ۴ بعض کو کتاب میں ۵ بعض کو خلوت میں ۶ بعض کو جلوت میں ۷ بعض کو صرف سفر میں ۸ بعض کو صرف حضر میں ۹ بعض کو صرف بذریعہ جبرئیل علیہ السّلام ۱۰ بعض کو بلا واسطہ غیبی آواز سے ۱۱ بعض کو القاءِ ربّانی سے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تقریباً چالیس طریقے سے وحی آتی رہی۔ مذکورہ نبی حضرت حنظلہ نے بہت تبلیغ فرمائی مگر کوئی ایمان نہ لایا بلکہ آپ کی دشمنی میں اتنے بڑھے کہ آپ کو شہید کر دیا بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ پہلے شہید نبی ہیں اور زکریا علیہ السلام آخری شہید نبی ہوئے۔ حضرت حنظلہ کی شہادت سے اُس قوم پر دھوئیں کا عذاب آیا اور تمام افراد دم گھٹ کر مر گئے رات کو عذاب آیا صبح کو سب مرے پڑے تھے اور قصرِ مَّشِید آناً فاناً ویران اور وہ کنواں معطّل ہو کر رہ گیا ایک ہی رات میں پورے علاقہ پر ویرانی کا سناٹا چھا گیا نہ کوئی گھر میں رہا نہ بازار میں نہ کوئیں پر چہل پہل رہی نہ شہر میں رونق، جغرافیائی اعتبار سے بستی کی چھ قسمیں ہوتی ہیں ۱ مدینہ ۲ قریہ ۳ بَدْوَہ ۴ قصبہ ۵ حصن ۶ قصر۔ مدینہ کا معنیٰ بڑا کھلا شہر، قریہ کا معنیٰ مطلقاً آباد علاقہ، بدوہ چھوٹا گاؤں، قصبہ بڑا گاؤں، حصن حفاظتی قلعہ، قصر شاہی محل۔ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ اے حبیبِ کریم کیا یہ کفارِ مکہ اُن قوموں کے عذاب والے علاقوں کی سیر و سیاحت نہیں کرتے اِس آیت میں دو قسم کے لوگوں کو دو قسم کی دعوتِ علم دی جا رہی ہے ۱ مُقیمین لوگوں کو سفر کرنے کی ۲ اور مسافروں کو دورانِ سفر غور و فکر اور بنظرِ بصیرت حالات کا جائزہ لینے کی دعوتِ فکر کی طرف متوجّہ کیا جا رہا ہے اور دونوں گروہوں کو رغبت دلانے عبرت پکڑنے بینہ بن جانے کا حکم ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا

اِن کے پاس ایسے روشن دل موجود ہیں جن کے ذریعے ہر چیز میں عقل استعمال کرتے اور قلبی عقل سے غور و فکر کرتے۔ ہر انسان کی چار آنکھیں ہوتی ہیں۔ دو آنکھیں سر میں اور دو دل میں اگر سر کی آنکھیں اندھی ہوں مگر دل کی روشن و بینا ہوں تو کوئی نقصان نہیں ہوتا نہ دنیوی نہ اُخروی لیکن اگر دل کی آنکھیں اندھی ہو جائیں تو اگرچہ سر کی آنکھیں روشن ہوں مگر نقصان ہی نقصان دنیوی بھی اُخروی بھی نہ دینی نفع ملے نہ دنیوی ایسا بدنصیب انسان دنیوی اعتبار سے بے وقوف، احمق، بُدھو اور اُخروی اعتبار سے گمراہ و خائب و خاسر دنیوی نقصان یہ ہے کہ بندے کی دنیا اس کو ابدی جہنم میں لے جائے اور دنیوی نفع یہ ہے کہ بندے کی دنیا بھی دین بن جائے۔ سر کی آنکھیں دیکھتی ہیں دل کی آنکھیں سوجھتی ہیں سر کی آنکھوں میں بصارت ہے اس لیے وہ دنیا دیکھتی ہیں، دل کی آنکھوں میں بصیرت ہے اس لیے وہ دین و ایمان دیکھتی ہیں۔ سر کی آنکھیں اوپر کا چھلکا دیکھتی ہیں مگر دل کی آنکھیں اندر کا مغز دیکھتی ہیں سر کی آنکھیں ظاہر ہیں، دل کی آنکھیں باطن ہیں۔ سر کی آنکھیں مجاز دیکھتی ہیں، دل کی آنکھیں حقیقت دیکھتی ہیں بصیرتِ قلبی کی تین صورتیں ہیں اولاً جذبات ثانیاً خیالات۔ ثالثاً احساسات، علم کی اصل جگہ دل ہے اور دل کی جگہ سینہ ہے۔ قلبِ مومن بیدار ہے اور بیدار دل روشن ہے اور روشن دل گیارہ خزانوں کا مدینہ ہے اور اُن خزانوں کو دیکھنے والی آنکھیں سینے میں ہیں، زندہ دل والی آنکھوں کو ہر طرف آیاتِ قدرت نظر آتی ہیں کیونکہ ہوشیار ہیں

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ؎ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اور دماغ دروازہ ہے ان خزانوں کا اور گیارہ خزانوں کے گیارہ راستے ہیں خزانے یہ ہیں ۱ ادراک ۲ عقل ۳ حواس ۴ فہم ۵ شعور ۶ فراست ۷ فکر ۸ علم ۹ تدبّر ۱۰ حفظ ۱۱ حلم، یہ سب خزانے اسی ترتیب سے جسمِ انسانی میں ودیعت رکھے جاتے ہیں۔ پہلے چار خزانے شکمِ مادر کے اندر بچے کو مقامِ قلب میں امانت دیدئے جاتے ہیں، پھر پیدا ہونے کے بعد بوقتِ بلوغت تین خزانے امانت کیے جاتے ہیں۔ شعور فراست و فکر اِن تینوں خزانوں کا نام ہی بلوغت ہے یہ سات خزانے بلا کسبِ انسانی عطاءِ ربانی ہے پھر انسان اپنے کسبِ تعلّم اور حصولِ تدرّس کے ذریعے بارگاہِ الٰہیہ سے چار خزانے ودیعت پاتا ہے یعنی علم۔ تدبّر۔ حفظ۔ حلم یہ عام بندوں کی کیفیتِ باطنی ہے ان میں عُلما۔ حُکما اولیا۔ عقلا شامل ہیں، مگر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو یہ سب خزانے شکمِ مادر میں سکھا دیے

جاتے ہیں اور آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تمام خزانے اور اتنے ہی اور مزید خزانے عالم ازل حادث میں رب تعالیٰ نے بلا واسطہ عطا فرما دئے تھے اس لیے صرف آپ نے فرمایا۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ۔ ہر انسان کو یہ خزانے ملے یہی اشرف مخلوقیت ہے یہی بشریت اعلیٰ ہے۔ نبوت کی اصل تو ہیں ان سے بھی وراءُ الورا ہیں۔ کفار کے ان خزانوں میں نہ چمک نہ روشنی نہ نورانیت سب اندھے شیشے۔ مومن کے ان خزانوں میں ایمان کی چمک ہوتی ہے۔ اولیاء صالحین علماء عابدین کے ان خزانوں میں محبوبیت کی روشنی بھی ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے یہ سب خزانے اصلاً نور ہیں۔ اور آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ تمام خزانے منیر ہیں یعنی نور بنانے والے آفتاب کائناتی ہیں۔ ان خزانوں کے گیارہ راستے ہیں ۱۔ آنکھیں ۲۔ باطنی بینائی ۳۔ قوت تفریق ۴۔ طاقت امتیاز ان کے چار ہی دروازے ہیں ۵۔ دماغ کی پچھلی طرف روشنی کا خزانہ جس میں چالیس تاریں انسانی بال کی مثل جن کے وسیلے اور مدد سے رنگ اور اشیا، اندھیرے اجالے کا فرق سمجھ کر سکتا ہے ۶۔ کان باطنی سماعت کا دروازہ ہے ۷۔ ناک قوت شامہ کا دروازہ ہے ۸۔ باطنی سماعت کا مرکز دماغ کے وسط میں ہے کان اور دماغ کے درمیان گیارہ تاریں باریک بال کی طرح چھ تاریں ایک کان کی طرف اور پانچ ایک کان کی طرف اس لیے ایک کان سے زیادہ سنائی دیتی ہے۔ ایک سے کم ۹۔ ناک میں قدرت نے دو پردے قائم فرمائے ایک خوشبو سونگھنے والی ایک بدبو سونگھنے والی ۱۰۔ قوت کلام کا دروازہ زبان اور حلق ہے اس کے معاون دانت جبڑے ہونٹ ہیں۔ زبان میں ہی قوت ذائقہ ہے ۱۱۔ قوت احساس کا راستہ مسامات ہیں۔ اگر کسی کے مسامات بند ہوں یا بند کر دیئے جائیں سن کر کے یا بے ہوش کر کے تو کچھ محسوس نہیں ہوتا جسم کے ہر حصہ کی قوت حس مختلف ہوتی ہے۔ فلاسفۂ متقدمین و متاخرین اور اسلامی فلاسفہ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ علم و عقل کا مرکزی مقام کہاں ہے فلاسفہ متقدمین کہتے ہیں کہ مرکزی مقام علم و عقل دونوں کا دماغ انسانی ہے۔ متاخرین کہتے ہیں کہ عقل کا مقام دماغ ہے اور علم کا مقام دل ہے مگر اسلامی فلاسفہ کہتے ہیں کہ دونوں کا مقام دل ہے۔ اور دماغ دروازہ ہے اعضاء جسم راستے ہیں یہی قول درست اور مدلل ہے۔ پہلی دلیل۔ سورۂ ق کی آیت ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی

لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔ ترجمہ، بے شک اُس قرآن مجید میں البتہ عقل اور نصیحت ہے صرف اُس شخص کے لیے جس کا زندہ قلب ہے۔ دلیلِ دوم۔ سورۃ حج کی یہی آیت ۴۶ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا۔ ترجمہ، تو کیا اُن کے دل زندہ ہیں جس سے وہ عقل رکھیں۔ دلیلِ سوم۔ سورۃ محمد کی آیت ۲۴ میں ارشاد ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ ترجمہ، تو کیا یہ لوگ قرآنِ مجید میں تدبّر نہیں کرتے یا اِن کے دلوں پر تالے ہیں دلیلِ چہارم۔ حدیثِ مقدّس میں ہے کہ جسمِ انسانی میں ایک مضغہ یعنی گوشت کا ٹکڑا ہے ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہے اگر وہ فاسد تو سارا جسم فاسِد وَھُوَ قَلْبٌ اور وہ دل ہے گویا کہ اگر دل زندہ ہے تو سارا جسم اور جسم کی ساری قوتیں زندہ اور درست ہیں اگر دل بینا تو تمام قوتیں بینا اگر دل اندھا تو سب قوتیں اندھی، دل بیدار تو سب بیدار، دل خفتہ تو سب خفتہ دل صحت مند تو ساری قوتیں صحت مند طبی اعتبار سے بھی شرعی اور روحانی اعتبار سے بھی ان دلائل سے ثابت ہوا کہ عقل بھی دل میں اور علم بھی دل میں ہوتا ہے فلا سفۂ اسلامی فرماتے ہیں کہ علم و عقل میں تین طرح فرق ہے۔ پہلا فرق، علم عام ہے کسبی بھی ہوتا ہے۔ عطائی بھی عقل خاص ہے صرف عطائی ہوتی ہے، دوسرا فرق علم کتابوں مدرسوں، استادوں سے حاصل بھی ہو جاتے ہیں اور عطاءِ ربّانی سے حصول بھی مگر عقل نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے درسے پیدا۔ بلکہ بے عقل کے لیے تو کتابیں اور مدرسے ہی بیکار۔ تیسرا فرق، عقل وہ روحانی نور ہے جس کے ذریعے علوم فطری نظری و ضروری حاصل کیے جاتے ہیں، جسمِ انسانی میں پانچ حواسِ گیری ہیں مگر کوئی بھی تدبّرِ قلبی کے بغیر مفید نہیں نہ بصارت نہ سماعت نہ شامت نہ ذائقت نہ حساست۔ اگر یہ کفّارِ مکّہ سیر و سیاحت سفرِ تجارت نہیں کر سکتے تو اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا۔ کیا اُن کے ایسے کان ہیں جن سے وہ لوگ اِن عبرت ناک خطرناک عذاب کی تاریخی واقعاتی خبریں ہی سن لیا کریں اور سن کر اپنے انجام سے ڈریں اور ڈر کر سچے نیک بندے بنیں۔ لیکن وہ تو یہ خبریں سننا بھی نہیں چاہتے اور اگر کبھی کوئی سنائے تو توجہ ہی نہیں دیتے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ بہرے گونگے اندھے ہیں، نہیں نہیں۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ۔ پس بے شک اُن کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں۔ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ۔ بلکہ وہ دل اندھے ہیں جو سینے میں ہے اور دل کا اندھا ہونا دل کی موت ہے۔ دل مُردہ تو سب مُردہ۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا

عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ اور اے محبوب آج تو یہ کفارِ مکہ نضر بن حارث اور اس کے ساتھی عذاب کی آپ سے جلدی مچا رہے ہیں آپ سے مذاق تمسخر اور عذاب کا انکار کرتے ہوئے وہ عذاب مانگ رہے ہیں جس کا آپ نے ذکر ان کو سنایا قہرِ الٰہی سے ڈرایا حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ عذاب دینا رب تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بھی وعدے کو کبھی خلاف نہیں فرماتا خواہ وہ وعدہ بشارت کی نوید ہو یا نذارت کی وعید ہو۔ استعجال یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرنا۔ کفار کے لیے کوئی پیشگی خبر وعید سزا ہے اور مومن کے لیے کوئی پیشگی خبر نوید جزا ہے۔ لغت میں وعید اور نوید دونوں کو وعدہ کہا جاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ وعید اس پر ہوتی ہے جس کا چھوڑنا بحکمِ الٰہی بندے پر ضروری ہو مگر بندہ نہ چھوڑے گو یا بندے پر مولیٰ کا حق ہے۔ اس حق مارنے پر ہی وعید ہے اور وعدہ وہ حق ہے جو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے اپنے نیک فرمانبردار بندے کے لیے اس بات کا یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اے منکرو ہر وعدے کا پورا کرنا رب تعالیٰ پر حق ہے جس کو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ خلاف نہ ہوگا اگر اس کے وعدۂ وعیدی سے بچنا چاہتے ہو تو تم ترکِ وعیدی کو نبھاؤ اور اپنا حق پورا کرو۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر وعدہ اپنے وقت پر پورا ہوگا۔ تمہاری جلد بازی مچانے کی وجہ سے پہلے نہیں ہو سکتا اور اس کا وقت بھی تمہاری گھڑیوں، تمہارے نظامُ الاوقات کے مطابق نہیں نہ تمہارے سال و ماہ و دنوں ہفتوں کے مطابق۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے وَعدوں کا دن بھی اس کے ہی نظامُ الاوقات کے مطابق ہے اس طرح کہ اس کا ایک دن تمہاری گنتی سے ہزار سال برابر ہے جو عذاب آتے ہیں آتا۔ اور جانے ہیں فانا ہوتا ہے، دنیا کے دن بندوں کی گھڑیوں اور گھڑیوں کی سوئیوں کے حساب سے ہوتے ہیں مگر آخرت کا دن قدرت وحکمت کے حساب سے دنیا کے دن بھی دو قسم کے ہوتے ہیں اور آخرت کے دن بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، دنیا کے عام دن حساب والے خاص دن احساس والے، حساب والے دن بارہ گھنٹے کے۔ اور احساس والے دن اگر آرام کا ہو تو لمبا دن بھی لمحہ برابر لگتا ہے اور اگر تکلیف کا ہو تو تکلیف کے لمحات بھی پہاڑ جیسے دن برابر لگتے ہیں۔ آرام کا وقت گزرتے دیر نہیں لگتی مگر تکلیف کا وقت ایک منٹ بھی لمبے دن برابر اہلِ عرب کہتے ہیں سَنَةُ الْوَصْلِ كَالْيَوْمِ وَيَوْمُ الْفِرَاقِ كَالسَّنَةِ بے شک تمہارا ایک دن اور تمہاری گنتی کا ہزار سال اس کی بارگاہ میں برابر ہے اس کی پکڑ یا عفو میں نہ کوئی فرق نہ کوئی

نہ کوئی رکاوٹ نہ بھول نہ چوک۔ لہٰذا اے کافرو اپنے دن رات کے حساب اور گھڑی کی رفتار سے رب تعالیٰ کے فیصلوں کی جلدی یا دیر کا اندازہ مت لگایا کرو۔ اُن کے فیصلے اُس کی قدرت پر ہوتے ہیں نہ کہ تمہاری عُجلت پر وعید و نوید کی دو قسمیں ہیں ۱ وعیدِ انشائی ۲ وعید خبری۔ اسی طرح نوید انشائی اور نوید خبری۔ مثلاً وعیدِ انشائی۔ جیسے تَبَّتْ يَدَا۔ (الخ) وعید خبری جیسے وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ۔ نویدِ انشائی جیسے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ نویدِ خبری جیسے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ فَكَاَيِّنْ کی ترکیب میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ منصوب ہے اَهْلَكْنَا کا مفعول بہ مقدم ہے ۲ بعض نے کہا یہ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے اور اگلا جملہ اَهْلَكْنَا اس کی خبر ہے۔ پہلے قول میں ترجمہ ہے۔ پس کتنوں کو ہلاک کیا ہم نے دوسرے قول میں ترجمہ ہے۔ کتنے ہی تھے کہ ہلاک کر دیا ہم نے ان کو یہی قولِ دوم درست ہے کیونکہ مفعول بہ تو ھا ضمیر موجود ہے۔ اَهْلَكْنَا کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے فرمایا یہ جمع متکلم ہے یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا یہ اَهْلَكْتُ ہے اَنْبَتُّ اَخَذْتُ کی مناسبت سے مُعَطَّلَةٍ کی قرأت میں دو قول ۱ باب تفعیل سے تشدید کے ساتھ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ مُعْطَلَةٍ بغیر تشدید۔ فَتَكُوْنَ لَهُمْ کی قرأت میں دو قول ۱ صیغہ مذکر غائب کا ۲ تَكُوْنَ لَهُمْ۔ صیغہ مؤنث غائب کا یہی مشہور و مکتوب ہے۔ مِمَّا تَعُدُّوْنَ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ یہ جمع مذکر حاضر ہے یہی مشہور قرأت ہے ۲ مِمَّا يَعُدُّوْنَ۔ جمع مذکر غائب ہے (از معانی) فَكَاَيِّنْ کے معنی میں دو قول ۱ یہ بمعنی کَمْ سوالیہ ہے یعنی کتنے ہی ۲ یہ بمعنی رُبَّ ہے۔ یعنی بہت دفعہ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ میں دو قول ۱ یہ جمع مذکر غائب ہے یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے ۲ وَتَسْتَعْجِلُوْنَكَ جمع مذکر حاضر۔ كَاَلْفِ سَنَةٍ میں چار قول ۱ حضرت ابن عباس رض کا فرمان ہے کہ یہاں یوم سے مراد وہ چھ دن ہیں جن میں زمین و آسمان بنائے گئے ۲ بعض نے فرمایا میدانِ محشر کا دن مراد ہے جو ہزار سال کے برابر ہوگا۔ بعض نے فرمایا پوری قیامت ایک دن ہے اور وہ ایک دن پچاس ہزار سال برابر۔ اور صرف میدانِ محشر کا دن ایک ہزار سال برابر اس کی دلیل ابو داؤد شریف و ترمذی شریف کی وہ حدیث پاک ہے جس میں آقاءِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غُرَبَاءِ مومنین جنت میں اُمَرَاءِ مومنین سے آدھا دن یعنی پانچسو سال پہلے جائیں گے ۳ بعض نے کہا کہ اصلاً دراز نہ ہوگا بلکہ عذاب کی ہولناکی سختی کی وجہ سے ہزار سال برابر لگے گا مگر یہ جاہلانہ قول ہے ۴ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے

کہ اے کافرو عذاب کی جلدی مت مچاؤ۔ کیونکہ اگر ایک دن یعنی ہزار سال بعد بھی آیا تب بھی آکر رہے گا اس لیے کہ رب تعالیٰ نہ بھولنے والا ہے نہ وعدہ خلاف۔ اَھْلَکْنٰا کے معنی میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے لکھا کہ ہلاک سے مراد غیبی دھوئیں سے گھٹ کر مرنا ہے ۲؎ بعض نے کہا کہ بخت نصر ظالم بادشاہ کی جنگ سے قتل ہونا مراد ہے بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا یہ لفظ جنسی جمع ہے اور معنی ہے۔ کتنے ہی کوئیں۔ کَاَیِّنْ کے ماتحت ہے قَرْیَةٍ پر عطف ہے ۲؎ بعض نے کہا کہ یہ واحد ہے اور ایک خاص کوئیں مراد ہے۔ یہ حضر موت شہر کے قریبی گاؤں حاضورا میں تھا۔ جب یہاں کے سب باشندے کافر ہو گئے اور انہوں نے اپنے نبی حضرت حنظلہ بن صفوان کو شہید کر دیا تب ان پر ہلاکت کا عذاب آیا اور سب مر گئے تو اُن معطل ہو کر رہ گیا۔ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ۔ میں دو قول ۱؎ یہ جنسی جمع ہے اور مراد ہیں عام ویران قلعے ۲؎ بعض نے لکھا کہ یہ واحد لفظ ہے اور مراد ہے قلعہ حضر موت جو اس وقت دور نبوی میں ویران پڑا تھا، عذاب ناگہانی سے سب باشندے مر گئے تھے۔ اُس کو بنانے والوں کے متعلق چار قول ۱؎ اس کو قوم صالح نے بنایا تھا ۲؎ شداد بن عاد بن ارم نے ۳؎ اس کو بہرام گور نے حمدان کے قریب بنایا ۴؎ اس کو قوم ثمود نے علاقہ عدن میں بنایا بعض نے لکھا کہ اس کا نام حضر موت اور لقب حاضورا تھا، یا اس کے برعکس مَّشِيْدٍ کے چار معنی کیے گئے ہیں ۱؎ مضبوط اور گہری بنیادوں والا ۲؎ خوب صورت ۳؎ اونچا دو منزلہ ۴؎ پھیلاؤ میں زیادہ بہت لمبا چوڑا علاقہ۔ قلعے کے اندر ہی رہائشی آبادی اور کھیت باغات۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ خوش قسمت ہے وہ انسان جس کا دل روشن اور بینا ہو۔ آنکھوں کی بینائی تو صرف دنیا دیکھنے کے لیے عارضی ہے۔ حقیقی بینائی تو دل کی ہوتی ہے آنکھوں کی بینائی مجازی ہوتی ہے یہ فائدہ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ ایک بار حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ قرآن مجید میں ہے کہ جو دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا تو کیا میں آخرت میں اندھا اٹھوں گا۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آیت مقدسہ میں حقیقی اندھا ہونا مراد ہے نہ کہ مجازی۔ دل کا اندھا ہونا حقیقی اندھا پن ہے آنکھوں کی نابینائی مجازی ہے یعنی جو دنیا میں دل کا اندھا ہو گا وہ آخرت ظاہری بھی اندھا ہو گا اور یہی آیت پاک اُن کو سنائی۔ دوسرا فائدہ اسلامی فلاسفر کہتے ہیں

کہ تمام عقلی کُلی جزئی تمام علومِ مادّی کا مرکز دل ہے۔ اِن علوم وعقول کی تقریباً دس قسمیں ہیں پانچ ظاہری علوم اُن کو حواسِ ظاہری کہا جاتا ہے۔ اور پانچ باطنی علوم ہیں ان کو حواسِ باطنی کہا جاتا ہے۔ فلاسفہ اسلامیہ کا یہ قول۔ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ سے حاصل ہوا فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ علومِ کلیات و جزئیات کا محل و مقام نفسِ ناطقہ مطلقہ ہے۔ اور فلاسفہ متقدمین کہتے ہیں تمام عقلیات وعملیات کا محل دماغ ہے مگر یہ دونوں قول غلط ہیں تیسرا فائدہ حیاتِ دنیوی میں کفار کو بھی وعید ہے اور فُسّاق کو بھی۔ مگر تین طرح فرق ہے پہلا فرق یہ کہ وعیدِ کفار میں نہ شرطِ رحم نہ غفّاریت نہ شفاعت مگر وعیدِ فُسّاق میں رحم بھی غفّاریت بھی شفاعت بھی۔ دوسرا فرق یہ کہ وعیدِ کفار دائمی مگر وعیدِ فُسّاق وقتی تیسرا فرق یہ کہ وعیدِ کفار میں کسی طرح کا خلاف نہیں ہے مگر وعیدِ فُسّاق میں رحم وکرم، عفو و درگزر ستّاری و غفّاری، شفاعت وَالفت سے تبدیلی ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہوگی۔

احکام القرآن اِن آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ میں ہر مفید اور معلوماتی سفر سیر وسیاحت جائز ہے مگر اِس جواز کے درجے مختلف ہیں۔ بعض سفر سیر وسیاحت فرض ہیں۔ بعض واجب بعض سنّت۔ بعض مستحب جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ یہ مسئلہ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (الخ) کے سوالِ حکمی سے مستنبط ہوا۔ اِس میں حصولِ عبرت کے لیے کفار کو سیر وسیاحت کے سفر کا حکم دیا جا رہا ہے بطرزِ سوالِ استفساری یعنی ضرور سفر کریں۔ نکلیں اور عبرت پکڑیں تاکہ سچے بندہ بنیں۔ دوسرا مسئلہ، ہر چیز، ہر کام، ہر عمل کا دارومدار اور اعتبار دل پر ہے۔ اور دل کے ارادے کا نام ہی نیّت ہے۔ حدیثِ پاک میں اِسی کا بیان ہے کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ تمام اعمال کا تعلق نیت سے ہے نیت اچھی تو ظاہراً برا کام بھی عِندَ اللہ اچھا ہے۔ لیکن اگر دل کا ارادہ وَ نیت بری ہے تو اچھا کام بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں برا ہے۔ یہ مسئلہ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ سے مستنبط کہ دل اندھا ہو تو اُس کی عبادت اور کلمہ گوئی بھی منافقانہ کردار بن جاتا ہے۔ تیسرا مسئلہ شریعتِ اسلام نے ہر مسلمان کو جلد بازی کرنے اور جلد بازی مچانے سے سخت منع فرمایا۔ قرآن مجید نے اِس کو کفار کی نشانی بتایا ہے اور احادیثِ مقدسہ نے اِس کو (جلد بازی اور جلدی مچانے یعنی کرنے) کو کارِ شیطان فرمایا ہے۔ کیونکہ جلد بازی کرنے سے کام بگڑتا ہے اور مچانے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ

وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا قُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ۔ یعنی وہ دل جو سینوں میں ہیں یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ دل ہوتے ہی سینوں میں ہیں تو پھر اَلَّتِیۡ اسم موصول کے ساتھ اس کے سینے میں ہونے کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ اسم موصول تو تقسیم کا متقاضی ہوتا ہے جیسا کہ علماءِ نحو کا کہنا ہے۔ **جواب** بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ فرمان صرف تاکید کے لیے ہے اور تاکید کا فائدہ صرف متنبہ کرنا ہے مگر بعض نے جواب دیا کہ یہ فرمان یہ بتانے کے لیے کہ دل سے مراد وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جو سینے میں بائیں جانب ہوتا ہے وہی اگر خوش نصیب ہو تو ایمان کی روشنی سے بینائی والا ہوتا ہے وہی اگر بد نصیب ہو تو کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نابینا ہوتا ہے۔ اور وہی جب اندھا ہوتا ہے تو سارے حواس اندھے ہوتے ہیں۔ تو یہ اَلَّتِیۡ تقسیم کے لیے نہیں بلکہ توضیح کے لیے ہے۔ اور رہا ہر شخص کا یہ جاننا کہ دل صرف سینے میں ہی ہوتے ہیں تو وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ دل ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ وہ قلب کی اصلیت و حاکمیت و باطنیت کو نہیں جانتے۔ یہاں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ وہ ہی دل جو سینے میں ہیں۔ وہ محض گوشت کا ایک عضو نہیں بلکہ تمام خیر و شر کا مرکز ہے۔ دل بھی قدرت کا عجیب و عظیم شاہکار ہے۔ ابلیس نے حضرت آدم کے پورے جسم کو دیکھ کر حیرانی نہیں کی مگر دل کو دیکھ کر سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہے۔ اور حیران و ششدر کھڑا رہ گیا۔ یہ قلبِ آدم ہی تھا جس نے فوراً تمام اسما کے نام بتا دیئے اور فرشتوں سے جیت گئے۔ یہی مخزنِ علوم و عقول ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ۔ فرمانے اور قرآن مجید کی دیگر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل کا محل و مقام دل ہے مفسرین و فلاسفہ اسلامی بھی یہی فرماتے ہیں مگر تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ عقل کا مقام دماغ ہے اس لیے کہ اگر دماغ میں سخت چوٹ لگے تو عقل ماری جاتی ہے۔ کند ذہنی کو دماغی مرض بتایا گیا ہے۔ یہی بات اطباء اور ڈاکٹر حکیم لوگ کہتے ہیں۔ یہی بات قدماءِ فلاسفہ اور موجودہ سائنسدان کہتے ہیں۔ نیز دیوانگی، مجنونیت مجذوبیت سب دماغی امراض میں شمار ہیں کند ذہنی دیوانگی مجنونیت میں طبیب لوگ سر پر علاج کرتے تالو کھولتے۔ لیپ کرتے مالش کرواتے ہیں۔ تو درست کونسا قول ہے یا دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب ہم نے تفسیرِ عالمانہ میں دیدیا ہے کہ قلب محلِ عقل ہے مگر دماغ دروازہ ہے نہ کہ محلِ و مقام، دروازہ صرف نکلنے استعمال ہونے کے لیے ہے

ہوتا ہے گندذہنی مجنونیت، دیوانگی بیہوشی شراب نوشی میں دماغ بند ہو جاتا ہے۔ اور عقل و علم فہم و بصیرت باہر نہیں نکل سکتی اس لیے دماغ کا علاج کیا جاتا ہے تاکہ دروازہ کھل جائے۔ چوٹ لگنے سے بھی دماغ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے عقل ختم نہیں ہوتی۔ اگر اس بنا پر اطباء یا حکماء۔ یا ڈاکٹر۔ فلسفی۔ سائنسدان یہ کہنے لگیں کہ دماغ محلِّ وقوعِ عقل ہے تو یہ اُن کی اپنی کم عقلی ہے بہر حال خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُہٗ دماغ و دل بنانے پیدا کرنے والا عقل کے بارے میں دل ہی کا تذکرہ فرماتا ہے نہ کہ دماغ محلّ وقوع وہی معتبر ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَلٰکِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ۔ یعنی کفار کے دل اندھے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ سورۃِ نمل کی آیت ۸۰ میں ارشاد ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ یعنی اے نبی کریم آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ یہاں بھی مَوْتٰى سے مراد کفار ہیں۔ اور کفار کے مُردہ ہونے کا معنیٰ ہے کہ اُن کے دل مُردہ ہیں۔ تو یہاں کی آیت نے بتایا کہ مُردہ نہیں صرف اندھے ہیں کیونکہ آدمی زندہ ہو تب ہی اُس کو اندھا کہا جا سکتا ہے اور وہ آیت بتا رہی ہے۔ اندھے نہیں بلکہ مُردہ ہیں۔ لہٰذا یا تو یہاں چاہیے تھا کہ تَعْمَى الْقُلُوْبُ نہ فرمایا جاتا بلکہ۔ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ فرمایا جاتا۔ یعنی ان کے دل مُردہ ہیں۔ اور یا وہاں فرمایا جاتا۔ کہ آپ اندھوں کو نہیں دکھا سکتے۔ جواب امام رازی نے اس کا جواب یہ دیا کہ کفار اپنے کفر کے اعتبار سے مختلف حالتوں میں ہیں بعض کفار پر کفر نے اتنا زبردست قبضہ جمایا کہ وہ لوگ مثل مردہ کفر کی قبر میں بے بس پڑے اور مُردے کی طرح ان کی تمام قوتیں فنا ہو چکی ہیں۔ سورۃِ نمل کی اُس آیت ۸۰ میں ایسے ہی گروہ کفار کا ذکر ہے اور یہاں اُن کفار کا ذکر ہے جن پر کفر نے دل کے اندھاپن تک ہی اثر کیا ہے۔ کفر کا پورا قبضہ نہیں۔ کسی بھی وقت اُن کی یہ بے نوری دور کی جا سکتی ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ اُس آیت میں روحانی مُردے اور یہاں قلبی بیمار مراد ہیں۔ ہر کافر روحانی طور پر مردہ ہے اور قلبی طور پر اندھا ہے۔ وہاں کفار کی ایک حالت کا ذکر ہے۔ یہاں دوسری حالت کا ذکر ہے۔ غرضکہ شخص ایک ہے اور حالتیں دو ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اور قالبِ انسانی کی کتنی ہی نفسانی بستیوں کو ہم نے غفلت و سُستی قبض و بسط کی موت مار کر ہلاک کر دیا اور فنا کی مٹی میں ڈھیر کر دیا۔ اس وجہ سے کہ اپنے اعضاءِ مجبور بن پر گمراہ اور بداعمالی کا ظلم کرنے والے تھے تو وہ دنیوی۔ اُخروی

ذلت کے گڑھوں میں مثل ناکارہ اندھے پڑے رہ گئے۔ شریعت سے عاری طریقت سے خالی حقیقت سے باغی معرفت سے طاغی دینی بلندیوں سے نیچے گر گئے اُن کی آنکھوں کے کوئیں معطل نہ یادِ الٰہی کی لہریں نہ عشقِ ربّانی کو بہریں نہ خوفِ کبریائی کے آنسو نکلے نہ محبتِ مصطفائی کی چشم پُرنم۔ نہ لذتِ تنہائی نہ آہِ سحرگاہی اور جسم مزین ولباسِ فاخرہ سے سجائے جانے والے وہ قالبِ بشری کے کتنے ہی پرانی ڈھانچے موجود رہ گئے مگر روح کی رونقیں نہ رہیں جسمانی سجاوٹ رہ گئی ایمانی لگاوٹ نہ رہی قوی جثہ رہ گیا ایمانی حصہ نہ رہا۔ اگر جسمِ انسانی میں عبادتوں کی رہائش نہ رہے تو وہ ویران قلعہ ہے اہلِ ظلم کے دل ویران بستیاں ہیں کیونکہ ظلم سے ظالم کی بستیاں اُجڑتی ہیں اور وادیِ خرابات بن جاتی ہیں اوّلاً راحت ختم ہوتی ہے پھر سکون تباہ پھر بے اطمینانی کی یلغار وحشت کی بھرمار پھر سینے کی تنگی اور بداخلاقی کی خلفشار پھر غیض کی اِفراط عیش کی تفریط یہی وہ باطنی سزائیں ہیں جو گھن کی طرح بندے کو ہلاکت کی صحرا میں ڈالدیتی ہیں۔ اور اسی کے ظلمِ وجودی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں۔ اِسی کو ظلم کی ویران بستی کہا جاتا ہے ظلم والا کبھی تاجیر جا بستا ہے۔ کبھی جلدی مچاتا ہے قالب کی خرابی عبادت کا تعطل اور ترک ہے اور یہ ترک وتعطل ظلم کی نحوست سے ہے۔ قلب کی ویرانی وخرابی اُس پر غفلت کا پردہ پڑجاتا ہے خاص کر نمازوں کی جلوت اور ذنبوں کی خلوت میں۔ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَلٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ۔ کیا اِن نفس کے بندوں نے غفلت کے منحوس عشرت کے ویران خاک کے ڈھیر ظلمات کے اندھیر جسموں کی سیر وسیاحت نہ کی جن کے باہر تو زرق برق فیشن کی عیاشی مگر باطن میں ظلمت کی فحاشی ہے تاکہ اِن کے دل کو عبرت اور کانوں کو حیرت آنکھوں کو غیرت آتی۔ اصلیت یہ ہے کہ آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں دل ہی بے نور ہوجاتے ہیں جاہلوں کی آنکھیں بصارتِ ظاہری سے دیکھتی ہیں مگر ان کے دِل اشیا کی اُن حقیقتوں سے پردوں میں رہتے ہیں جو ذات وصفات کے انوار میں ہیں۔ اپنے اعضا پر گمراہی کے ظلم کرنے والوں کو رب تعالیٰ غفلت کے غِشاوہ اور شہوت کے حجابہ کی کورچشمی سے اندھا کردیتا ہے۔ سیرِ قلبی سے بصیرتِ قلبی ملتی ہے اور بصیرتِ قلبی سے شہوات وخواہشات پر غلبہ ہوجاتا ہے۔ جب دل کی روشنی اور بینائی ختم ہوجاتی ہے۔ تو شہوت غالب اور غفلت متواتر تب بدن گناہوں میں ملوث اور حق سے دور ہوجاتا ہے صفائیِ قلب سے عقلِ حقیقی حاصل ہوتی ہے اور حواس کی صفائی سے قلب کی صفائی ملتی ہے

نہ اندھاپن باقی رہتا ہے نہ بہراپن، جس کا دل بصیرت اور سماعت میں صحیح ہو گیا اُس کے تمام اوصاف درست ہو گئے اور تمام ادراکات کا درست ہونا ہی قلب کی زندگی ہے اُس وقت بندہ نورِ یقین سے دیکھتا ہے اور نورِ اقبال سے جانتا ہے۔ اور خوشبوئے ایمان وعبادات کو سونگھتا ہے۔ قلبِ بیدار کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کُرتہ مصر سے چلتا ہے خوشبو کنعان میں آجاتی ہے یہ سونگھنا ظاہر کے ادراک سے نہیں بلکہ اسرارِ باطنی کی قوتِ شامہ سے جو قلب میں ہے اگر عارف بننا ہے تو تین اجتہاد کرو، پہلا صفائی باطن کا بہ کثرتِ ذکرُ اللہ اور حرام اشیا سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے دوم تخلی وتجلی اور زینۃِ قلب کا بہ کثرتِ درود شریف سے خاصکر درود تاج شریف کے وِرد سے۔ سوم حجابات دور کرنے کا یہ نعمت رات کی تہجد، صبح کی استغفار اور دن کی تلاوت سے ملتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے لوگوں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو ورنہ قلب کھوٹا ہو جائے گا اور کھوٹا دل بارگاہِ الٰہی سے دور کر دیا جاتا ہے اور دل والے کو پتہ بھی نہیں لگتا مخلوق کی باتوں میں مشغولیت سے چار نقصان ہوتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں اور اللہ والوں کی محفلوں میں دل نہیں لگتا۔ ثانیاً یہ کہ اعمالِ صالحہ قلیل ہو جاتے ہیں۔ ثالثاً یہ کہ دل اندھا اور پژمُردہ ہو جاتا ہے چوتھا یہ کہ عمل ولمحاتِ عمر ضائع۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اور دل کی پالش ذکرُ اللہ ہے پانچ چیزیں دل کی دوا ہیں ۱۔ نیکوں کی محفل ۲۔ تلاوت قرآنِ مجید ۳۔ پیٹ کو خالی رکھنا ۴۔ قیامِ لیل یعنی تہجد کی نماز ۵۔ سحر کے وقت اپنے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کر کے رونا آہیں بھرنا۔ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ۔ دنیا میں کچھ لوگ اہلِ نفس ہیں کچھ لوگ اہلِ دل ہیں۔ اہلِ نفس کی طبیعت میں تیزی، تندی جلد بازی حماقت لیکن اہلِ دل کی طبیعت میں اطمینان، سکون، استقلال، لیاقت، استقامت۔ اہلِ نفس اپنی خباثتِ باطنی اور حماقتِ ظاہری سے حق کی امن وعافیت کو چھوڑ کر قہر وعذاب کی جلدی مچاتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ قہر میں عذاب ہے اور عذاب میں ہلاکت ہے۔ ہلاکت میں فنا ہے۔ اس لیے اہلِ دل کو اُن کی صحبتِ بد اور قربتِ نقصان سے بچنا چاہیئے بارگاہِ ربانی اور تقدیرِ صمدانی میں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ ہر چیز کا فیصلہ جداگانہ ہے کسی کو وعید ہے کسی کو نوید ہے کسی کو آنا کسی کو فانا وہاں نہ دیر کو دیر کہا جاتا ہے

نہ جلدی کو جلدی نہ وعدے کا خلاف نہ وعید کا زوال۔ اس راز و اسرار کو صرف اہلُ اللہ جانتے ہیں۔ مگر دنیادار ہر کام میں جلد بازی چاہتا ہے اور جلد بازی ہمیشہ نقصان دِہ۔ قدرت کے فیصلوں کے واقعات حکمت کے نظامُ الاوقات سے بنائے گئے ہیں۔ باطن کا ایک دن ظاہر کے ہزار سال کے برابر اس لیے طالب معرفت کو منزل کی جلدی نہ مچانی چاہیے۔ ہر بندے کے لیے تین کام ضروری ہیں ۱ انتظار ۲ اضطبار ۳ اِمہال یعنی انتظار کرنا صبر بنانا۔ مہلت لینا۔ اسی کا نام استقلال ہے اور استقلال میں کامیابی ہے۔ جلد بازی میں بربادی ہے۔ کیونکہ کسی کی جلد بازی تقدیر کے وقت نہیں بدل سکتی۔ جو وعدہ رب تعالیٰ نے فرمایا وہ پورا ضرور ہوگا خواہ ایک دن میں ہو یا ہزار سال میں اس دیری کو وعدہ خلافی نہ سمجھنا چاہیے ورنہ منکروں میں داخل کردئے جاؤ گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) منکرین کی چار قسمیں ہیں ۱ مُنکرِ ایمانی ۲ منکرِ لسانی ۳ منکرِ جنانی ۴ منکرِ روحانی، ہر بندے کے نفس میں تکلُّف ہوتا ہے قلب میں تاسُّف اور زبان میں تکلّم متکلّف ہمیشہ برا ہے۔ کیونکہ اس میں ظاہریت، غرور اور خوشامد ہے تاسُّف دنیوی برا ہے اُخروی اچھا ہے تکلّم ایمانی اَخلاقی اچھا ہے۔ لیکن بد کلامی ہر طرح کی بُری، حُسنِ کلام کی تین صورتیں حیا۔ نرمی۔ مٹھاس یہی لسانِ مومن کی شان اور اُخروی ثواب کا باعث۔ باتوں کی کثرت سے تین بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ۱ قلبی موت ۲ خوشامد ۳ نِفاق۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ

اور کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے کہ مہلت دی میں نے اُن کو

اور کتنی بستیاں کہ ہم نے اُن کو ڈھیل دی اس حال پر

ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

حالانکہ وہ ظلم کرنے والی تھیں پھر پکڑا میں نے ان کو اور میری طرف ہی پلٹنا ہے۔

کہ ستمگار تھیں پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ

فرما دیجئے اے کائنات کے لوگو فقط میں ہی ہوں تم کو صحیح صحیح ڈرسانے

تم فرما دو کہ اے لوگو میں تو یہی تمہارے لئے صریح ڈرسنانے

مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

والا۔ تو لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے

والا ہوں۔ تو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ

اُن کے لیے موجود ہے بخشش اور خالص رزق۔ اور وہ لوگ جنہوں نے

اُن کے لیے بخشش ہے اور عزّت کی روزی۔ اور وہ جو کوشش کرتے ہیں

سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

زندگی بھر کوشش کی ہماری آیتوں میں بحث مباحثہ کرتے ہوئے وہی لوگ

ہماری آیتوں میں ہار جیت کے ارادے سے

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

ہیں جہنّم والے۔

وہ جہنمی ہیں۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی گذشتہ آیات میں اُن لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا جن کو رب تعالیٰ نے دنیا میں مہلت دی تو انہوں نے زمین پر جلائی پھیلائی اَب اِن آیات میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن کو قدرت

کی طرف سے ڈھیل مہلت قوت دولت سرداری اور لمبی عمر ملی مگر انہوں نے زمین پر بدکاری و فساد ہی پھیلایا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے ظالم و کافر قوموں کو ہلاک و فنا کر دیا۔ اب اِن آیۃ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے بغیر مہلت دیئے اور بغیر بتائے سنائے سمجھائے ہلاک نہ فرمایا بلکہ بڑی مہلتیں دی اور اپنے انبیاء اولیا کے ذریعے سالوں اور برسوں سمجھایا۔ تب بھی ظلم و کفر سے باز نہ آئے تو انتہا پر ہلاک کیا گیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ کفار تم سے عذاب مانگتے ہیں کہ تم ہم پر عذاب جلدی جلدی نازل کر دو اب اِن آیت میں کفار کی اُسی جلد بازی کا جواب دلوایا جا رہا ہے کہ فرما دیجئے میں عذاب نازل کرنے والا نہیں ہوں تو فقط تم کو وقت سے پہلے تمہارے بھلے کو ڈرا رہا ہوں کہ پہلے ہی بندہ بن جاؤ عذاب کی نوبت ہی نہ آئے۔

تفسیر نحوی

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ. قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ واؤ سر جملہ کَاَیِّنْ اسم مبنی مُبہمات میں سے ہے لفظ کثیر بن اسم مشتق کے قائمقام ہو کر عامل ہے مِنْ قَرْیَۃٍ یہ جار مجرور متعلق ہے کَاَیِّنْ بمعنی کَثِیْرٌ بن کا کَاَیِّنْ اصل کتابت میں کَاَیٍّ ہوتا ہے اِس کی تنوین (دو کسرہ) کو اصلی شکل میں نون بنا دیا گیا یہ سب شبہ جملہ ہو کر مبتدا ہوا اَمْلَیْتُ کے باب افعال کا ماضی مطلق واحد متکلم مصدر ہے اِملاءٌ ملی سے بنا ہے بمعنی مہلت و ڈھیل دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ لام جارہ تعدیہ کا ھا ضمیر کا مرجع قَرْیَۃٍ ذوالحال ہے واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ ھِیَ مبتدا اَظَالِمَۃٌ اسم فاعل واحد مؤنث ظلم سے مشتق ہے بمعنی ظلم کرنا یہاں اِس فقرے کا مقصود اصل قریہ کی قوت کا اظہار ہے کیونکہ ظلم وہی کرسکتا ہے جس کے پاس مظلوم سے زیادہ قوت ہو۔ ظَالِمَۃٌ اسم فاعل با فاعل جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ھا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے اَمْلَیْتُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف اَخَذْتُ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد متکلم اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی جکڑ لینا قابو میں کرنا ھا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع قَرْیَۃٍ ہے مفعول بہ ہے یہ فعل با فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِلَیَّ دراصل اِلٰی یٰ تھا ترجمہ ہے میری طرف یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اَلْمَصِیْرُ اسم مصدر بمعنی صَارَ فعل ناقصہ کا صَیْرٌ سے مَصِیْرٌ بنایا گیا مصدر عامل اپنے متعلق مقدم سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اَخَذْتُ پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے اَمْلَیْتُ کے جملے پر سب مل کر خبر ہے مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو گئے۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف با فاعل ضمیر

صیغہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر قول ہوا یَا حرفِ ندا اَیُّھَا برائے فاصلہ اَلنَّاسُ اسم معرف باللام مراد ہیں تمام اگلے پچھلے انسان تا قیامت منادیٰ مفرد معرفہ ہے اسی لیے ضمہ (پیش) پر مبنی ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل بے عامل کیونکہ ساتھ مَا کافہ ہے۔ حصر کے معنیٰ میں ہے یعنی فقط ہی۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے لَکُمْ لام حرفِ جر نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متعلق ہے مقدم ہے نَذِیْرٌ اسم فاعل صفت مشبہ برائے مبالغہ واحد مذکر باب کَرُمَ سے نَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈرانا ترجمہ ہے خوب ڈرانے والا ڈرسنانے والا یہ اسم فاعل اپنے فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنَا اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر موصوف مُبِیْنٌ۔ بابِ اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر اِبَانٌ مصدر ہے بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنی کھولنا بیان کرنا ظاہر کرنا یہ صفت نَذِیْرٌ کی مرکب توصیفی خبر مبتدا اَنَا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر جوابِ ندا حرفِ ندا اپنے منادیٰ و جوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہوکر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ۔ فَ حرف عطف زائدہ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ ھُمْ مستتر مرجع اَلنَّاسُ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا فعل ماضی با فاعل الصّٰلِحٰتِ مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف دونوں عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر مبتدا ہے لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول سے مُقَرَّرٌ یا مُقَدَّرٌ یا مَوْجُوْدٌ کا مَغْفِرَةٌ اسم مصدر میمی ہے غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنی بخشنا، چھپانا مٹانا۔ یہاں حاصل مصدر جامد بمعنی بخشش معطوف واؤ عاطفہ رِزْقٌ اسم مفرد نکرہ مخصوصہ بمعنی نفع کی چیز موصوف ہے کَرِیْمٌ اسم صفہ مشبہ بمعنی خالص یہ صفت ہے یہ مرکب معطوف ہے مَغْفِرَةٌ پر دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہے پوشیدہ اسم مفعول کا یہ سب جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مکمل ہوا وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ واؤ برجملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر سَعَوْا بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب سَعْیٌ سے مشتق ہے بمعنی کوشش کرنا تیزی دکھانا، دوڑنا۔ قصد کرنا۔ کمائی کرنا۔ تیز لپک کر چلنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ فِیْ حرفِ جر ظرفیت مجازی کے لیے آیات اسم جمع مؤنث سالم بحالتِ جر ہے فِیْ کی وجہ سے مضاف ہے بمعنی آیتیں قرآن مجید کی نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس لیے مجرور اور اپنے عامل مضاف سے جڑی ہے

اس لیے منفصل ہوئی یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے سَعَوْا کا مُعٰجِزِیْنَ۔ بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا اسم فاعل جمع مذکر۔ ایک قرأت میں مُعَجِّزِیْنَ باب تفعیل سے ہے اور ایک قرأت میں مُعْجِزِیْنَ باب افعال سے ہے۔ عَجْزٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عاجز کرنا۔ عاجز کرنے کی کوشش کرنا، ہرانا ہانون سے۔ کج بحثی کرنا یہاں یہی آخری معنیٰ ہیں۔ مُفَاعَلَتْ اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی دو طرفہ ہرانے کی کوشش کرنا اگرچہ ایک سچائی پر ہو اور دوسرا باطل پر یہاں باطل والے جھگڑالو لوگ مراد ہیں یہ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ حال ہے سَعَوْا کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مل کر مبتدا ہوا۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ وہی لوگ اس کا مشار الیہ وَالَّذِیْنَ ہے یہ بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے مَا بعد کا مبنیات میں سے ہے (اَسماءِ متمکنہ) اس لیے اس کا اعراب ظاہر نہیں ہے اَصْحٰبُ اسم جمع مکسر ہے صاحب کی بمعنیٰ والا ہمیشہ مضاف ہوتا ہے معربات میں سے ہے مضاف ہے۔ صَحِبَ سے مشتق ہے بمعنیٰ لغوی ساتھ رہنے والا رساتھی۔ اصطلاح میں مالک کو رہائش والے کو اور کسی بھی نسبت والے کو صاحب کہہ دیا جاتا ہے اَلْجَحِیْمِ اسم معرف باللام مفرد بمعنیٰ دوزخ بروزن فَعِیْلٌ جَحْمٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بھڑکتی آگ۔ بلند شعلے جس کی سرسراہٹ کی آواز بھی نکلتی ہو اصطلاح میں جہنم کے آٹھ طبقوں (حصوں) میں سے طبقۂ نار کا نام ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے اُولٰٓئِكَ مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو کر پھر خبر ہے وَالَّذِیْنَ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔

اور چونکہ رب تعالیٰ اپنے کسی بھی وعدے کے خلاف نہیں فرماتا یہ قانونِ الٰہی بھی ازلی ابدی کُلّی ہے اُس کی بارگاہ میں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اس قانون کے تحت گزشتہ زمانوں میں کتنی ہی بستیاں اور ان میں بسنے والے ایسے ہوئے کہ میں نے اُن کو لمحاتِ زندگی کا بہت وقت دیا کسی کو مہلت دے کر کسی کو ڈھیل دے کر۔ یہ عمر کی سانسیں حیات کے اوقات تندرستی کی آسائشیں دولت کی سہولتیں عبرت لینے والوں کے لیے مہلتِ عملیات ہے کفر و فسق کی غفلت والوں کے لیے ڈھیل ہے۔ اے انسانوں میری طرف سے یہ گرفت کی دیر بلکہ دنیا کی ہر نعمت سہولتِ اِمہال ہے مگر جُہلا کفار و فسّاق اس عارضی مہلت کو

دائمی اِحمال یعنی چھوٹ اور آزادی سمجھ لیتے ہیں وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اور اسی دھوکے میں گزشتہ بستیاں بھی ظلم کرنے والوں کی اندھیر نگریاں بن چکی تھیں یہ غلط فہمی بھی ان کا ایک ظلم ہی تھا ظالم کسی کو اَذِیّت دے کر یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فلاں پر ظلم کیا ہے اور اسی غرور میں اکڑتا ہے کہ یہ میرا حق تھا حالانکہ درحقیقت وہ خود اپنے پر ظلم کرتا ہے کیونکہ ہر ظلم میں دو چیزیں ہوتی ہیں پہلی چیز اَذِیّت دوم اس کا وبال، اذیت مظلوم پر ہوتی ہے۔ وبال ظالم پر اذیت عارضی ہوتی ہے۔ وبال دائمی، اَذِیّت والے کو کم نقصان ہوتا ہے مگر وبال والے کو بہت زیادہ اذیت کی تکالیف ختم ہو جاتی وبال کی تکلیف ختم نہیں ہوتی۔ گزشتہ قوموں کے ظلم و جبر کی اذیت جب انتہا کو پہنچی ثُمَّ اَخَذْتُھَا۔ تب میں نے اُن ظلم کرنے والی بستیوں کے تمام باشندوں کو ہر طرح سے پکڑ لیا۔ تمام ظالموں کو اسی طرح پکڑا جاتا ہے اور پھر حسبِ سابق وبال کی تکلیف شروع ہوتی ہے کیونکہ ظلم بندے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اَخذ رب تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کہ ظالموں کی کثرت کو قلت میں تندرستی کو بیماری میں امیری کو غریبی میں۔ شاہی کو اسیری میں۔ امن کو قتال میں۔ فراخی کو تنگی میں۔ حیات کو موت میں حفاظت کو ہلاکت میں عمارات کو خرابات میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ یہ تو دنیوی وبال ہے اور آخرت میں اِلَیَّ الْمَصِیْرُ مرتے ہی دنیوی زندگی ختم ہونے ہی سانسوں کی ڈوری ٹوٹتے ہی سب کا میری طرف لوٹنا ہے اچھوں کا بھی بُروں کا بھی مہلت والوں کا بھی ڈھیل والوں کا بھی اذیت والوں کا بھی وبال والوں کا بھی اب مرتے ہی مُہلت بھی ختم ڈھیل بھی ختم قبر میں نہ مہلت نہ ڈھیل، پھر قبر اور نشر سے حشر میں بھی میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ کسی غیر اللہ کی طرف نہ لوٹنا نہ رجوع کرنا نہ ٹھکانا نہ پہنانا، نہ استقلالاً نہ شرکتاً، پھر اُس وقت میں ہی اُن سب ظالموں اور مظلوم سے اپنی حکمت اُن کی قسمت اپنی قدرت اُن کی ظلمت کے مطابق فیصلہ اور معاملہ فرماؤں گا کسی کو سزا دے کر کسی کو جزا دے کر کسی کو شفاعت دے کر کسی کو حقارت دے کر کسی کو اصحابِ جحیم بنا کر کسی کو اَصحابِ نعیم بنا کر اس لیے اے حُمقاءِ کفر ابھی دنیوی زندگی میں ہی عذاب کی جلدی نہ مچاؤ۔ ابھی یہ استعجالِ عذاب بیکار بھی ہے نقصان دہ بھی اور پھر اسے نادانو اگر عذاب مانگنا ہی ہے تو مجھ سے مانگو، میرے محبوب رؤف و رحیم سے کیوں مانگتے ہو۔ وہ تو رحمتِ عالمین ہیں۔ تمہارے لیے ایمان و امن کے حریص ہیں۔ کیا دیوانگی ہے کہ رحمت سے زحمت اور شفا سے بیماری اور دوا سے داء مانگ رہے ہو۔ قُلْ۔ اے حبیبِ کریم فرما دو۔ یٰاَیُّھَا

اَلنَّاسُ اے کفر کرنے والے انسانو تم اپنے پر عذاب لانے کی جلدی مجھ سے ہی مچا رہے ہو مجھ سے ہی عذاب مانگ رہے ہو۔ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میں تو تم کو فقط ڈرانے والا ہوں اس عذابِ اَلِیْم سے جو اللہ تعالیٰ نازل فرمانے والا ہے تم جیسے ظالموں بدکاروں کافروں پر یہی وہ عذاب ہے جو سابقہ زمانوں میں پہلی قوموں پر اترتا رہا۔ کفر وظلم تمہاری خصلت۔ عذاب بھیجنا اس اللہ تعالیٰ جبار و قہار کا قانون ہے۔ میں تو اس شہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا میں سراپا رحمۃ للعالمین ہوں یہ میرا ڈرانا اور وقت سے پہلے تم کو بچانا زندگی کا اصل مقصد بتانا یہ سب کچھ میری رحمت عالمین کی وجہ سے ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ سے مراد کفارِ مکہ ہیں۔ قرآن مجید کی اصطلاح بیانی میں عام مشرکین کفار سے اَیُّھَا النَّاسُ۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے یہ خطاب کرنے کی طرز ہے مگر لفظِ انسان بول کر اس کی نوعیت ساتھ ہی بیان فرما دی جاتی ہے اسی نوعی قید لگ جاتے سے پھر کوئی دوسری شخصیت مراد نہیں لی جاسکتی۔ مثلاً خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ یہاں انسان سے صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہی سکھایا۔ عام مومنین کو مُؤْمِنُوْنَ اور اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اس خطاب میں تا قیامت مسلمان مراد ہوتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کا لقب دیا گیا۔ اور لفظِ نبی رسول اب خاص ہو چکا ہے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اسی طرح صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ بھی نبی کریم محمد مصطفیٰ آقائے دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خاص ہو چکے ہیں دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اور ملائکہ کے لیے لفظِ علیہ السلام مخصوص ہو گیا ہے۔ روافض نے اہل بیت کے لیے لفظ علیہ السلام بولنا شروع کر دیا۔ صرف نبوت کی برابری ثابت کرنے کے لیے اور بعض وہابیوں نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اپنی مطبوعہ کتب احادیث میں لکھنا شروع کر دیا۔ صرف حسد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کا معنیٰ ہے ظاہر ظہور نذیر کہ جس کا قول۔ عمل۔ وعظ۔ نصیحت بلکہ سراپا وجود ہی عالم انسانیت کے لیے نذیر ہو۔ جس کا آنا، جس کا فرمانا، جس کا زمانہ ایسا نذیر کہ علامتِ قیامت بن جائے تو اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو جس قیامت سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں۔ میری بعثت بھی اس قیامت کے قریب ہونے کی ایک نشانی ہے۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی نافرمان اُمتوں کے نذیر تھے۔ مگر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نذیر مبین ہیں اب دوسرا

کوئی نذیر نہیں آسکتا۔ نذیر صفتِ خصوصی ہے انبیا علیہم السّلام کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نذیر ہیں آپ کے بعد میں قیامت ہی آئے گی اور قیامت میں نشر، نشر میں حشر، حشر میں حساب وکتاب اور حساب کے بعد یا ابدی جنت یا ابدی جہنم جنت ملی تو مغفرت بھی اور رزقِ کریم بھی جہنم ملی تو اُقتد یعنی اصحابِ جحیم بھی۔ لیکن یہ چناؤ اور تقسیم دنیا میں ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی جنت یا جہنم ملنا آخرت میں مگر جنتی یا جہنمی بننا۔ دنیا میں ہی لہٰذا اے انسانو دنیا میں دو ہی راستے ہیں اور آخرت میں اُن کی دو ہی منزلیں ہیں ایک راستہ ایمان کا اس پر چلنا اعمالِ صالحہ کا ایمان کی منزل جنت اور اعمالِ صالحہ کا انعام رزقِ کریم، دوسرا راستہ کفر کا اس پر چلنا ظلم و جہالت کا کفر میں شرک و گستاخی اور ظلم میں مُعاجزین بننا کفر کا نتیجہ غضب ہے۔ اور ظلم کا نتیجہ اصحابِ جحیم بنایا جانا، بخاری ومسلم میں ہے بروایت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری بعثت اور نزولِ قرآنِ کریم اور قرآنِ مجید کی وعید و نوید کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص اعلانِ عام کرتا ہے اے لوگو میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکرِ جرار تمہاری بستی کی طرف آتے دیکھا ہے وہ لشکر بڑا ہے خونخوار ہے مضبوط ہے ہتھیار بند ہے۔ اس بستی کو ویران اور بستی والوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ صبح تک پہنچنے والا ہے تمہارے لیے بس ایک رات کی مہلت ہے، لہٰذا جلدی اپنا ضروری اور اچھا سامان اٹھا کر اس بستی سے نکل چلو اور میرے مضبوط قلعے کی حفاظت میں آجاؤ۔ دیکھو۔ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ إِنِّي نَذِيرٌ عُرْيَانٌ۔ میں نذیرِ مبین یعنی ظاہر ظہور ہوں میری نذارت عریاں ہے بیچ میں کوئی آڑ نہیں اب قیامت ہی قیامت ہے اُس مصیبت کی گھڑی آنے سے پہلے ڈرا رہا ہوں اُس اعلان کو سن کر کچھ لوگ تو رات کی مہلت سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اعلان والے کی مان کر اُس کے پیچھے چل پڑتے ہیں وہ تو بچ جاتے ہیں مگر کچھ لوگ اعلان والے کو جھٹلا کر انکار کر دیتے ہیں۔ اعلان کا مذاق اڑا دیتے ہیں۔ اور مہلت کی اُس ایک رات کو غفلت، سُستی بدمعاشی، خرمستی میں گنوا دیتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوتے ہی وہ لشکرِ جرار اُن سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اب نہ بچنے کی ہمت نہ بھاگنے کی طاقت نہ وقت کی مہلت نہ مقابلے کی جرأت۔ بس ہلاکت ہی ہلاکت۔ بس سمجھ لو کہ میں اعلان کرنے والا ہوں، قرآن مجید وعید و نوید کا اعلان ہے۔ حیاتِ دنیوی ایک رات کی مہلت مسلمان مومن گروہ ہیں، دینِ اسلام مضبوط و محفوظ قلعہ ہے۔ رات کی تیاری اعمالِ صالحہ اوّل رات کے مسافر صحابہ کرام آخر رات کے مسافر تا قیامت مسلمان ضروری و اچھا سامان عبادات و

عملیات، نہ ماننے والے کفار ان کا نہ ماننا یہ انکار و مذاق ہے۔ پستی و ظلمات پر پڑے رہنا ان کی بد عملی ہے۔ یہ رات حیاتِ مومن کے لیے مہلت ہے کافر کے لیے ڈھیل ہے۔ صبح کا شکر جزا و عذابِ الٰہی کا نزول ہے، کفر کرنا ظلم ہے، کفر پھیلانا معاجزین ہے۔ اصحابِ جحیم ہونا ہلاکتِ زوال ہے۔ اے لوگو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صورتاً تمہاری طرح ہیں مگر سیرتاً تم کو اپنی طرح بنانے والے ہیں، محسن کے لیے بشیر ہیں مسئی کے لیے نذیر ہیں، محسن کی چار نشانیاں ہوتی ہیں، دو امر ہیں دو نہی ہیں۔ اگر امر ملے تو اطاعت و احسان کرے۔ اگر نہی ملے تو نافرمانی سے ڈرے فسق و فجور سے بچے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ پس وہ خوش نصیب لوگ جو ایمان لائے اور ہر وقت تا عمر ہر قسم کے اچھے اعمال کئے اقوال میں اطاعت کر کے افعال میں اتباع کر کے اور اس طرح انہوں نے اپنی دنیا کو دین، عادت کو عبادت بنا لیا۔ دل میں تصدیق سے طبیعت میں عقیدت سے زبان میں اقرار سے ان کے لیے دنیا میں مغفرت برائیوں، گناہوں، صغیرہ، کبیرہ، لغزشوں خطاؤں کی معافی ہے۔ مغفرت کے چار معنی ہیں ۱ گناہوں کو مٹانا ۲ خطاؤں کو بخشنا ۳ نیکیوں کو قبول کرنا ۴ نیکی والوں کو رحمت کی چادر میں چھپانا، متقین کو دنیا میں مغفرت، قبر میں عزت جنت میں رزقِ کریم۔ کریم کا معنیٰ ہے ہر قسم کی فضیلت والا۔ قرآن کریم کی متعدد تقریباً ستائیس آیت میں لفظِ کریم ارشاد فرمایا گیا۔ اللہ کریم کا معنیٰ ہے کہ ہر قسم کی فضیلت عطا فرمانے والا ۲ رسول کریم کا معنیٰ ہے کہ ہر قسم کی فضیلت بانٹنے والے ۳ جبریل السلام کو ۴ قرآنِ مجید کو ۵ عرشِ عظیم کو ۶ عمدہ غذاؤں کو ۷ خوبصورت کھیتوں کو ۸ پھلوں کو ۹ متبرک مقامات کو ۱۰ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تحریر و کتابت کو ۱۱ اخروی اجر و ثواب کو ۱۲ باادب بات اور گفتگو کو ۱۳ جنتی رزق کو کریم فرمایا گیا۔ یعنی جبریل علیہ السلام سب فرشتوں میں قرآن مجید سب کلاموں میں عرش سب آسمانوں میں۔ زمینی پیداوار سب غذاؤں میں مقام متبرک سب علاقوں میں تحریرِ نبوی سب کتابوں میں جنتی ثواب تمام اجروں میں۔ باادب بات تمام باتوں میں اور جنتی رزق سب رزقوں میں ہر قسم کی فضیلت والے ہیں۔ رزقِ کریم کی گیارہ فضیلتیں ہیں۔ پانچ منفی (سلبی) اور چھ ثبوتی (موجبی) منفی یہ کہ جنتی لوگوں کو جنتی رزقِ کریم کے حصول میں نہ کسب کمائی نہ مشقت نہ اگانے کی نہ کاٹنے کی نہ اٹھانے کی نہ بنانے کی نہ ذلت نہ گناہ نہ

ملا وٹ۔ دنیا میں حصولِ رزق کے لیے یہ مصیبتیں کی جاتی ہیں کیونکہ کوئی حرام کما رہا ہے کوئی حلال کوئی امیری کی عزت سے کوئی بھکاری کی ذلت سے۔ ثبوتی فضیلتیں یہ کہ ۱ کثیر ہے ۲ ابدی ہے ۳ خالص ہے ۴ تعظیم کے ساتھ ملے گا ۵ ہر طرح ہر وقت ہر جنتی کو پسند ہی ہو گا جس سے خوشی ہی ملے گی۔ نہ رنج نہ بیماری۔ یہ رزقِ کریم اور مغفرتِ عظیم پانے والے وہی خوش نصیب لوگ ہیں جو ایسا شان دار ایمان لائے اور ایسے پیارے اعمال کیے کہ نذارت کی وعید اُن کے لیے بشارت کی نوید بن گئی۔ وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡا۔ اور وہ لوگ جو کفر کی جہالت ضد و حماقت میں ہی رہے اور اسی کفر و جہالت میں رہ کر تا عمر بھر قول و فعل حربے منصوبے سازش و مکر سے بھی کوشش کی اور اپنی تمام عقلی فکری تحریری، تقریری قوتیں اسی میں خرچ کیں کہ ہماری آیتوں۔ قرآن مجید کی عبارتوں قیامت کی نشانیوں۔ قدرت کی علامتوں انبیاء کی عظمتوں اسلام کی نعمتوں کو جھٹلائیں۔ نیچا دکھلائیں۔ یہی لوگ دائمی جہنم والے ہیں مُعَاجِزِیۡنَ کے تین معنی ۱ قدرتوں آیتوں کی تکذیب کرنے والے ۲ باتوں کے مناظروں، مصائب کے مجادلوں اور مظالم کے مقابلوں سے غریب مسلمانوں کو عاجز کر دینے والے ۳ دینِ اسلام سے روکنے والے کفار و معاجزین کی پندرہ حرکتیں ہوتی تھیں ۱ قرآنِ کریم کو کبھی جادو کہا ۲ کبھی شعر و افسانہ کہا ۳ کبھی کہا یہ قرآن اختراعی و افترائی قصے کہانیاں ہیں ۴ کبھی کہا یہ نجومیوں کاھنوں کی باتیں ہیں ۵ قرآنِ مجید کے کلامُ اللہ ہونے کا انکار کیا ۶ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی ساحر کہا ۷ کبھی مسحور کہا ۸ کبھی شاعر کہا ۹ کبھی مجنون کہا اس طرح نبوت کا انکار کیا ۱۰ اللہ تعالیٰ کو تین چیزوں میں عاجز سمجھا (معاذ اللہ) دوبارہ زندہ کرنے میں ۱۱ حشر نشر قیامت لانے میں ۱۲ حساب و کتاب لینے میں ۱۳ مسلمانوں سے جھگڑے مناظرے کرنا ۱۴ نو مسلموں کو اسلام سے ورغلانا گمراہ کرنا ۱۵ نو وارد مہمانوں مسافروں کو اسلام سے روکنا کفار کا کافر بننا ظالمین ہوتا ہے اور کفر پھیلانا مُعاجزین بنا ہے

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال: کَاَیِّنۡ کے معنی میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کتنی ہی۔ یہ سوالیہ عددی ہے ۲ بعض نے کہا یہ خبریہ ہے اور اس کا معنی ہے بہت سی۔ اَخَذۡتُهَا میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس سے مراد دنیوی پکڑ ہے یعنی عذاب آسمانی یا قتالِ سلطانی ۲ بعض نے کہا اس سے مراد اُخروی پکڑ ہے۔ جو قبر سے حشر تک پھر تا ابد مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ سابقہ آیتوں پڑھی آیا۔

اُخروی پکڑ تو تا قیامت ہر کافر کے لیے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ خطاب صرف کفارِ مکہ سے ہے ۲۔ بعض نے یہ کہا یہ خطاب تا قیامت تمام کفار سے ہے۔ فِیْٓ اٰیٰتِنَا۔ میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد قیامت۔ حشر، نشر، حساب و کتاب، جنّت۔ دوزخ اور عذابِ الٰہی کی علامات و نشانات مُعٰجِزِیْنَ کی قرأت میں تین قول ۱۔ ایک قرأت میں یہ مُعٰاجِزِیْنَ ہے باب مُفَاعَلَۃٌ کا اسم فاعل جمع ۲۔ ایک قرأت میں مُعْجِزِیْنَ ہے باب افعال کا اسم فاعل جمع ۳۔ ایک قرأت میں مُعَجِّزِیْنَ ہے باب تفعیل کا اسم فاعل ہے۔ مگر پہلی قرأت مشہور و مکتوب ہے جَحِیْم میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا جحیم جہنّم کے ایک طبقے کا نام ہے ۲۔ پوری جہنّم کا ایک نام ہے۔ جہنّم کے کل آٹھ نام مشہور ہیں۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دنیوی زندگی اور دنیا کی ہر چیز۔ دولت، عزت، قوتِ حکومت، حیات، لمحات ہر ایک کے لیے امتحانِ ربانی ہیں۔ اس طرح کہ غافل انسان کے لیے مہلت ہے کافر انسان کے لیے ڈھیل ہے اور مومن متقی کے لیے نعمت ہے۔ ہر سانس امتحان ہے کہ کون اس کو اِمہال یعنی مہلت سمجھتا ہے اور کون اس کو اِمہال یعنی چھوٹ سمجھتا ہے۔ اور کون اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ بنا کر نعمت و غنیمت سمجھتا ہے۔ یہ فائدہ اُمْلِیْتُ لَھُمْ فرماتے سے حاصل ہوا۔ اَمْلَیْتُ عام ہے یعنی اَمْھَلْتُ اور یعنی اَعْمَلْتُ کو۔ مہلت بندہ بننے سمجھنے کے لیے ہوتی ہے۔ اور ڈھیل کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ شخص بگڑے جتنا بگڑنا چاہتا ہے۔ دوسرا فائدہ جس طرح ہر انسان کو ہر وقت ہدایت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہر انسان کو ہر وقت نذارت کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ہدایت راستہ ہے اور نذارت اُس پر چلنے کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ۔ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ سے حاصل ہوا۔ انسان کتنا ہی متقی اور ذی عقل ہو۔ مگر ابلیس ہر راستے پر موجود ہے اس لیے اُس سے بچانے ڈرانے والے کی ہر وقت ضرورت ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان موت تک بھٹک سکتا ہے اور کسی وقت بھی جہنّم میں گر سکتا ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ کی نذارت کی ہر وقت ضرورت۔ نذارت کی تین قسمیں ہیں پہلی کفار کے لیے عذابِ دائمی اور قہرِ الٰہی سے۔ دوم منافق کے لیے ابلیس و شیطان سے سوم۔ متقین

کو بجا رہنے کی تلقین فرما کر تیسرا فائدہ۔ ایمان ایک علیحدہ چیز ہے اور اعمال دوسری چیز ایمان اوّل ہے اعمال اُس کے بعد یہ فائدہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واؤ عاطفہ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ واؤ عاطفہ مغایرت کو چاہتی ہے اور دو مختلف چیزوں کے درمیان آتی ہے۔ اس آیت سے فرقہ معتزلہ ضالہ مضلہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان اور اعمال صالحہ ایک ہی چیز ہے ایمان نہ لانا بھی کفر ہے اور اعمالِ صالحہ نہ کرنا بھی کفر ہے۔ اسی بنا پر وہ بیوقوف کہتے تھے کہ بے نمازی کافر ہے۔ اِن کا یہ جاہلانہ مسلک قرآن مجید کی اِس قسم کی تمام آیتوں کے خلاف ہے۔

احکام القرآن اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق قَرْیَةٍ ہر بستی کو کہا جاتا ہے چھوٹی ہو یا بڑی بستی شہر ہو یا قصبہ یا گاؤں۔ لہٰذا غیر مقلدین کا قریہ کا معنیٰ گاؤں کرنا اور اس غلط ترجمہ کی آڑ میں ہر گاؤں میں جمعہ و عیدین فرض ماننا اور دو دو صفوں کی مسجدوں میں جمعہ جاری کرتے پھرنا۔ اُن کی حماقت اور دھوکہ کہانا ہے، دیکھو سورۃ یوسف میں مصر جیسے عظیم شہر کو قَرْیَہ فرمایا گیا یہ مسئلہ۔ فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ یہاں قَرْیَةٍ سے عاد و ثمود کی بستیاں مراد ہیں اور وہ بڑے بڑے شہر ہی تھے۔ غیر مقلدین اپنی دلیل میں بخاری ابو داؤد شریف کی وہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک قریہ میں جمعہ ادا فرمایا۔ فقہا علما فرماتے ہیں کہ وہ قریہ بہت بڑا شہر تھا (دیکھو کتبِ فقہ و جاء الحق دوم) دوسرا مسئلہ۔ رزق کی دو قسمیں ہیں ۱۔ رزق کریم ۲۔ رزقِ خبیث مومن متقی کے لیے رب تعالیٰ نے دنیا میں بھی رزق کریم عطا فرمایا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں حلال روزی رزقِ کریم ہے اور آخرت میں جتنی نعمتیں رزقِ کریم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیا کا رزقِ کریم کسب و مشقت اور شرعی حدود و قیود میں قلیل و عارضی ہے۔ لیکن آخرت میں بلا کسب و مشقت کثیر و دائمی ہے۔ لہٰذا جو مسلمان دنیا میں رزقِ کریم ہی کھائے کمائے گا فقط اُسی کو آخرت میں رزقِ کریم ملے گا۔ کافر کے لیے دنیا میں بھی رزقِ خبیث ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تمام حرام اور ناپاک چیزیں رزقِ خبیث ہی ہے۔ چوری ڈکیتی غصب رشوت سود سے حاصل شدہ کمائی رزقِ خبیث ہی ہے۔ مسلمانوں کو تا عمر اس سے بچنا چاہیے یہ مسئلہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الخ) کی پوری آیت سے مستنبط ہوا۔ جس مسلمان کو آخرت میں

رزقِ کریم کی خواہش ہے وہ دنیا میں رزقِ خبیث سے بچے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ تیسرا مسئلہ۔ شریعتِ اسلام اور اسلام کی مخالفت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں فاسقین۔ ضالین، کافرین اور یہ سب ہی مُعاجزین ہیں جو مسلمان ہو کر قانونِ قرآنی ذکرِ رحمانی، عبادتِ کبریائی نعتِ مصطفائی میں رکاوٹ پیدا کرے وہ ضالین معاجزین ہیں اور جو دن رات معاشرے میں گناہ اور بدکاری پھیلائیں وہ فاسقین مُعاجزین ہیں۔ جو کفر و شرک پھیلائیں اور ابلیسیت پر اکسائیں وہ کفار مُعاجزین ہیں۔ یہ مسئلہ مُعٰجِزِیْنَ کے مطلق فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اسلام کی کسی چیز میں رکاوٹ پیدا کرنا معاجزین میں سے ہے۔ گناہ کرنا بھی گناہ پھیلانا ہے، اور گناہ پر دوسروں کو اکسانا۔ نیکی سے دور کرنا سب ایک ہی لڑی کی کڑی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ دیگر آیت میں بشیر و نذیر فرمایا جاتا ہے مگر یہاں صرف نذیر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ اِنَّمَا کے حصر نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف نذیر ہی ہیں۔ اس حصر سے بشیر ہونے کی نفی ہوتی ہے حالانکہ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو بشیر بھی ہیں۔ جواب اس کے دو جواب دیئے ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں بَشِیْرٌ پوشیدہ ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے۔ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الخ) مگر بعض نے فرمایا کہ چونکہ یہاں خطاب صرف کفار سے ہے اور لَکُمْ ضمیر کا مرجع صرف کفار ہیں اور کفار کے لیے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف نذیر ہی ہیں لہٰذا یہ حصر بھی درست ہے نفی بھی درست ہے اور فقط نذیر ارشاد فرمانا بھی درست بشیر ہونے کی نفی صرف یہاں ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے خطاب کفار کو ہی ہوتا ہے نیز یہاں پچھلی چند آیت میں کفار کا ہی ذکر چلا آرہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اے کافرو تمہارے لیے بس صرف نذیر ہوں اور جس عذاب سے تم کو ڈرا رہا ہوں وہ تمہارے لیے عذابِ جحیم کی وعید ہے اگر تم کافر ہی رہے۔ لیکن جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں گے اور اچھے اعمال کریں گے تو میری یہی وعید ان سب کے لیئے دنیا کی مغفرت اور آخرت کے رزقِ کریم کی نوید بن جائیگی۔ دوسرا اعتراض یہاں ابھی پہلے آیت ۴۵ میں ارشاد ہوا فَکَاَیِّنْ فَ کے ساتھ، پھر یہاں آیت ۴۸ میں ارشاد ہے وَکَاَیِّنْ واؤ کے ساتھ اس کی کیا وجہ۔ حالانکہ لفظ کَاَیِّنْ کا معنی مفسرین کے نزدیک دونوں جگہ ایک

جیسا ہے یعنی کتنی ہی یا بہت سی، تو اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ جواب۔ یہ فرق کاَیِّنْ کے معنی کی وجہ
سے نہیں ہے بلکہ کاَیِّنْ کے ما سبق کی وجہ سے کیا گیا۔ پہلی آیت میں فَكَاَيِّنْ سے پہلے ثُمَّ
اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ہے۔ وہاں اللہ تعالےٰ کی کڑی پکڑ، بطش شدید، سزا و نکیر کا
بیان ہے اور معنی یہ ہے کہ پھر جب ہم نے اُن کو پکڑا تو آپ نے دیکھا کہ کیسی ہوئی میری پکڑ کی سزا
کہ کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا ہم نے۔ تو چونکہ وہ فَكَاَيِّنْ بدل الکل ہے كَيْفَ نَكِيْرِ کا یعنی
نَكِيْرِ کیا ہے۔ یہی کہ فَكَاَيِّنْ بہت سی نافرمان ظالم بستیوں کو ہلاک کر دیا ہم نے اس لیے
بدلیت ظاہر کرنے بتانے کے لیے وہاں فَ لانا بہت ہی درست ہے لیکن یہاں وَكَاَيِّنْ
سے پہلے۔ يَسْتَعْجِلُوْنَ ہے اور لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اور يَوْمًا كَاَلْفِ سَنَةٍ ہے۔ اس
میں کفار کے جلدی مچانے رب تعالیٰ کے وعدہ خلافی نہ کرنے اور عذاب کے آنے میں دیر
لگنے کی وجہ لمبا دن ہونا بتائی جا رہی ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے وَكَاَيِّنْ فرمایا گیا کہ عذاب
کی دیر صرف ان کفار مکہ پر ہی نہیں یہ ڈھیل فیصلۂ قدرت کے مطابق پہلی سرکش نافرمان
قوموں کو بھی ملتی رہی۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا۔ اور کتنی ہی بستیوں کو ہم مہلت
ڈھیل دیتے رہے ہیں تو چونکہ یہاں کاَیِّنْ کی سابقہ عبارت اور بعد کی عبارت اَمْلَيْتُ کی
ہی ایک صورت و نوعیت ہے اس لیے دونوں کو جمع کرنے کے لیئے واؤ عاطفہ لائی گئی
واؤ عاطفہ ہمیشہ جمع کرنے کے لیے لائی جاتی ہے اور قانون ہے کہ جب ایک چیز کی دو
قسمیں ہوں تو دونوں کو جمع کرنے کے لیے درمیان میں واؤ عاطفہ لگا دی جاتی ہے ایسا
ہی یہاں کیا گیا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کریں ان کے لیے مغفرت ہے۔
حالانکہ مغفرت کی ضرورت تو برے لوگوں گناہگاروں کو برے کاموں اور گناہوں کی وجہ
سے ہوتی ہے۔ مغفرت کی بشارت تو اُن کو ملنی چاہیئے۔ اچھے کام والوں کو بخشنے بخشوانے
اور مغفرت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تو یہ کیوں فرمایا گیا۔ جواب۔ اس کے تین جواب دئے گئے
ہیں۔ ایک یہ کہ اعمالِ صالحہ سے مراد پُر خلوص عبادت ہے اور ہر بندہ کتنا ہی مخلص فی العبادت ہو
مگر پھر بھی اُس میں خطا، لغزش بشری کمزوری، بھول چوک، کوتاہی سرزد ہو ہی جاتی اور
ہوتی رہتی ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو بندہ عبادتِ الٰہی میں سچے خلوص، اچھی لگن و محبت
سے لگا رہے اُس کی خطاؤں لغزشوں کمزوریوں کوتاہیوں سے درگزر فرمائی جاتی ہے اور

تمام کمزوریوں کو معاف کر دیا جاتا ہے ۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں مغفرت سے مراد نیک بندے کے سابقہ کبیرہ ، صغیرہ گناہوں کی بخشش ہے ۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے یہ مغفرتِ گناہ اس کو عطا فرمائی جاتی ہے ۔ جواب سوم یہ کہ مغفرت کے چار معنی ہیں ۱ بخشنا ۲ مٹانا ۳ چھپانا ۴ قبول کرنا ۔ یہاں مغفرت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ کریں ان کی تمام نیکیاں قبول ہوں گی اور اُن نیک بندوں کو رحمت و کرم کی چادر میں چھپا لیا جائے گا تینوں جواب درست ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔

بہت سے وہ کینہ پرور سینے جو اولیاءِ کاملین سے عداوت اور علماءِ وارثین سے بغاوت عناد و فساد رکھتے ہیں اُن کو اِس عالمِ ناسوت کی دندناتی دنیا میں مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے ۔ لہٰذا کسی سزا کی جلدی نہ مچاؤ نہ ظالم کسی مذاق کے طریقے پر اپنے لیے جلدی مچائے نہ مظلوم ظالم کے لیے سزا آنے کی جلدی مچائے نہ ظالم کو پھلتا پھولتا دیکھ کر افسردہ یا مایوس ہو ۔ بے پھل کا کانٹے دار درخت جتنا لمبا ہوگا ایندھن ہی بنے گا دیر تک جلے گا کبھی چمن کی زینت نہیں بن سکتا ۔ ظالم انسان بے پھل اور کانٹوں والا درخت ہے اس کی درازیِ عمر میں اس کی مصائب کی کثرت ہے ۔ انسانِ بدفطرت کا سب سے بڑا ظلم عداوت و بغاوت ہے زمینِ تلبی بد غرور تکبر گستاخی ، بے ادبی کا تخم عداوت و بغاوت ہی ہے ۔ یہی وہ شجرِ خبیث ہے جس کی مصیبت و نحوست خود اپنے مالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ۔ اہلِ خباثت کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہے اِس پکڑ کی چار ظاہر نشانیاں ہیں ۱ اوّلاً دل کی سختی ۲ دوم گناہ کرنے کی سہولت ۳ سوم ہر عبادت میں غفلت و رکاوٹ ، ۴ چہارم مقبولانِ بارگاہ سے دوری و دشمنی ، یہاں تک کہ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ کا وقت آ جائے ۔ رب تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نذیر بنا کر بھیجتا رہا ۔ اور اب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آستانۂ قدس سے علماءِ وارثین و اولیاءِ کاملین کو نذیر بنایا جاتا ہے جو تا قیامت غافلین و کاہلین کے لیے نذیر بنتے ہیں علماءِ وارثین کے اقوال اور اولیاء کاملین کے افکار ندامت کی وعید ہیں اور بشارتوں کی نوید ہیں جس نے وعید کو نوید بنا لیا اور وہ خوش بخت ہیں ۔ اور انتہائی بد بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے نوید کو اپنے

لیے وعید بتا لیا یہی لوگ دنیا و آخرت کے نقصان والے ہیں کیونکہ سعادت کے خزانوں کی چابی تو اہلِ دل کی پسندیدگی اور قبولیت ہے۔ اور قبولیت بھی عقیدت سے حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ عقیدت میں یقین ہوتا ہے اور بد عقیدگی میں بے یقینی شک و تردد۔ تزلزل و تذبذب اور شک والوں کو پسند نہیں کیا جاتا ایسا کور بخت ہر جگہ سے دُرکارا جاتا ہے۔ وصلِ ربانی اور قربِ رحمانی کے لیے چار قدم چلنے پڑتے ہیں۔ پہلا قدم حُسنِ اعتقاد کا دوسرا قدم مباشرۃ الاسباب کا سوم سختیوں کی برداشت کا آسانی کی عادات کا چہارم استمداد کا یعنی اہلِ ارشاد سے مانگنے کا اور نیلِ مراد کی آس و اُمید کا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ پس جو سالکینِ راہِ حقیقت حسنِ اعتقاد محبتِ انعقاد والے ایمان کے ساتھ اعمالِ باطنی کے چار قدم چلے وہی قرب کی منزل پر پہنچے۔ منزلِ قرب میں چار انعام ملتے ہیں پہلا انعام مغفرتِ قبولیت کا دوم مغفرتِ رحمت کی چادر کا سوم عاداتِ خبائث سے دوری نجات اور پاکیزگیِ حسنات کا چہارم رزقِ کریم اور لذاتِ عمیم کی غذاؤں کا لیکن جو بدنصیب ہوئے اور انہوں نے حق و حقدار کے خلاف مکر کے جال جھوٹے مقال کے جال پھیلائے اور اہلِ ارشاد سے طلبِ استمداد نہ کی بلکہ عناد کی آگ فساد کی راکھ پھیلانے کی کوشش میں لگے رہے۔ اور مقابلۂ حق و باطل میں باطل کا ہی ساتھ دیتے کر ضلالت کے معاجزین، ذلالت کے معاونین عداوت کے موافقین، بغاوت کے ظاہرین بنے رہے یہی بدنصیب فطرتی ازلی نقصان اور بے توفیقی کی جہنم والے ہیں۔ معاجزینِ طریقت کے لیے دنیا میں چار آگیں ہیں ۱ آتشِ خباثت ۲ آتشِ جہالت ۳ آتشِ حماقت ۴ آتشِ ذلالت آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسا ہی بھروسہ کرو جیسا کہ اُس کے توکل کا حق ہے تو وہ تم کو ایسا رزق دے گا جیسا اُن پرندوں کو رزق ملتا ہے جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کے وقت سیر ہو کر آتے ہیں پھر فرمایا کہ تھوڑی اور کافی چیز بہتر ہے اُس کثیر چیز سے جو رب تعالیٰ سے غافل کرے کامیاب انسان وہ مسلمان ہے جس کا رزق اُس کے لیے کافی ہو۔ اور وہ اس پر صبر بھی کرے حریص و حاسد، راشک و طامع نہ ہو جس شخص کو دنیوی زندگی میں تین چیزیں ملتی رہیں اُس نے گویا پوری دنیا کا احاطہ کر لیا ۱ امن ۲ تندرستی ۳ ایک دن کی روزی

قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ

دلوں میں بیماری ہے اور ان کے لیے کہ زنگوالے ہیں اُن کے دل

دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں

وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ۙ ﴿۵۳﴾

اور بے شک ظلم کرنے والے البتہ دور والی بدبختی میں ہیں۔

اور بے شک ستمگار دہر کے جھگڑالو ہیں۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہمیشہ قوموں کو ڈراتے سمجھاتے ایمان کی طرف بلاتے رہتے ہیں اب اِن آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ شیطان ہمیشہ لوگوں کو کفر پر جھڑکاتا ہی رہا اور ہر ہر حربے سے کفر میں پھنساتا رہا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اہلِ ایمان کے لیے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی باتیں مغفرت کے باغ ہیں۔ اب اِن آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ کفار کے لیے شیطان کی باتیں فتنے کے دروازے ہیں تیسرا تعلق حیاتِ دنیوی سے دو ہی چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں یا اچھی یا بُری تو پچھلی آیت میں اچھی چیز کا ذکر ہوا یعنی رزقِ کریم۔ اب اِن آیت میں بری چیز کا ذکر فرمایا گیا یعنی شِقاقِ بعید۔

شانِ نزول۔ سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ جب سورۃِ نجم نازل ہوئی تو آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسبِ عادتِ کریمہ سورۃِ نجم مکّہ کو بھی حرم کعبہ شریف میں بیٹھ کر بہت ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرمائی تاکہ سننے والے غور سے سمجھ سکیں اور یاد کرنے والے یاد کرسکیں جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى۔ اور وقفہ فرمایا تو ابلیس نے قریب بیٹھے ہوئے کفار کے کانوں میں ایک جملہ کہہ دیا۔ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔ یہ الفاظ صرف کافروں کو سنائی دیئے لیکن مسلمانوں نے یہ آواز نہ سنی وہ تو چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھ رہے تھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہونٹ تو خاموش ہیں کفار سمجھے کہ یہ الفاظ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائے ہیں۔ بہت خوش ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آج پہلی دفعہ ہمارے بتوں کی تعریف فرمائی ہے اور اس خوشی میں اتنے سرشار و مسرور ہوئے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آخری آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تو صحابہ کرام نے سجدۂ تلاوت کا سجدہ کیا لیکن تمام کفار نے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام حیران ہوئے کہ کفار نے آج سجدہ ہمارے ساتھ کیوں کیا۔ جب ان کافروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آج تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے بتوں کی ان لفظوں سے تعریف کی ہے وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پڑھنے کے بعد صحابہ کرام نے انکار کیا کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ پاک سے یہ اَلفاظ نہ سنے حالانکہ ہم تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھے۔ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شیطان کی اس حرکت کا پتہ لگ گیا اور آپ کو کفار کی خوش فہمی سے قلبی رنج ہوا۔ تب یہ آیتیں از ۵۲ تا ۵۵ نازل ہوئیں (خزائن وسیوطی) بعض جُہلا وحُمقا نے یہ کہہ دیا کہ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ عَلٰى لِسَانِكَ مگر یہ غلط ہے امام سیوطی نے اس قول کو نقل فرما کر خود ہی فرمایا کہ یہ باطل ہے صحیح قول یہ ہے کہ۔ وَاَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْ اٰذَانِهِمْ ۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ مگر مفسرین کی اکثریت اس تمام شانِ نزول کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۔ واؤ سیر جملہ مَآ اَرْسَلْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف۔ جمع متکلم مِنْ حرفِ جر ابتدائیہ قَبْلِكَ مرکبِ اضافی مجرور متعلقِ اوّل ہے مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ یہ سب معطوف علیہ معطوف مجرور متعلق دوم ہے یہاں مِنْ زائدہ استغراقیہ ہے یہ دونوں معطوف علیہ معطوف مستثنیٰ مِنْہُ اِلَّا حرفِ استثنیٰ منقطع اِذَا حرفِ شرط تَمَنّٰى باب تفعّل کا فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَمَنِّىْ مُنْىٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے دِل یا دماغ سے اندازہ لگانا۔ اصطلاح میں ہر عقلی یا قلبی خواہش کو تمنّا کہا جاتا ہے۔ چونکہ بات کرنے تقریر یا تلاوت کرتے والا بھی اپنے کلام نظم نثر تلاوت کے وقت خیالی اندازے لگاتا ہے اس لیے یہاں بھی لفظِ تمنّیٰ استعمال

کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا تَمَنّٰی بمعنی اندازہ لگا کر تلاوتِ کتاب الٰہی۔ اس کا فاعلِ پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُوَ جس کا مرجع ہے رَسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ اَلْقَی۔ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق مصدر ہے اِلْقَاءٌ بمعنی ڈالنا۔ ملاوٹ کرنا۔ ذہن یا دوسرے میں اِلقا کرنا لَقْوٌ یا لَقْیٌ سے ہے دراصل اِلْقَایٌ یا اِلْقَاوٌ تھا۔ اَلشَّیْطٰنُ اس کا فاعل ہے فِیْ حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ اُمْنِیَّتِہٖ اسم مصدر مزید فیہ اصل میں تھا اُمْنُوْیَۃٌ بروزنِ اُفْعُوْلَۃٌ واؤ کو یٰ کیا اور دونوں کو اِدغام کر دیا۔ نون کے ضمہ کو بوجہ مناسبت کسرے سے بدل دیا بمعنی اندازے والی تلاوت مضاف ہے ہ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع رسول ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَلْقَی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جملہ ہے شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ یَنْسَخُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب نَسْخٌ سے مشتق ہے بمعنی مٹانا ختم کرنا اللہ اس کا فاعل مَا اسم موصول۔ یُلْقِی الشَّیْطٰنُ۔ باب افعال کا مضارع معروف واحد مذکر غائب اَلشَّیْطٰنُ اس کا فاعل یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یہ یَنْسَخُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی یعنی کچھ دیری کے لیے یُحْکِمُ باب افعال کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِحْکَامٌ حُکْمٌ سے بنا ہے بمعنی سخت مضبوط ہونا اللہ اس کا فاعل اٰیٰتِہٖ۔ مرکب اضافی اس کا مفعول بہ یُحْکِمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یَنْسَخُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے اِذَا تَمَنّٰی کے جملے شرطیہ پر یہ دونوں عطف مل کر مستثنیٰ منقطع ہے مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ کا یہ دونوں مل کر متعلق ہے مَا اَرْسَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ عاطفہ یہ جملہ زائدہ۔ اللہُ مبتدا عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ دونوں اسم صفت مشبہ مبالغہ کے صیغے واحد مذکر اس کی جمع اشتقاقی عَلِیْمِیْنَ حَکِیْمِیْنَ اور اس کی جمع صفاتی یا نحوی عُلَمَا حُکَمَا ہے عِلْمٌ و حِکْمٌ سے مشتق بمعنی جاننے والا حکمت والا حکمت سے مراد ہے ہر چیز کی وجہ اور حقیقت جاننا۔ دونوں خبریں ہیں مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ۔ لام تعلیلہ اور ما بعد کلام معلول ہے یُحْکِمُ کا اور وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ بیان ہے یُحْکِمُ کا یَجْعَلُ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بنانا، پھیرنا بدلنا۔ پیدا کرنا مگر یہاں پہلے معنی ہیں آخری معنی ہو ہی

نہیں سکتے کیونکہ یہ متعدی بدو مفعول ہے اور پیدا کرنا متعدی بدو مفعول نہیں ہو سکتے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے مَا موصولہ یُلْقِیْ باب افعال کا مضارع اَلشَّیْطٰنُ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ اول ہوا یَجْعَلَ کا یہ مضارع مفتوح ہے لام کَیْ تعلیلیہ کی وجہ سے فِتْنَۃً اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ آزمائش مفعول بہ دوم ہے لام جارہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر فِیْ قُلُوْبِھِمْ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ یا اسم مفعول عامل مَوْجُوْدٌ کا مَرَضٌ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بیماری فاعل ہے پوشیدہ عامل سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْقَاسِیَۃِ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مؤنث اس کی جمع ہے قَاسِیَاتٌ بحالت کسرہ ہے کیونکہ لِلَّذِیْنَ کا عطف تابع ہے قُلُوْبُھُمْ یہ مرکب اضافی فاعل قَاسِیَۃِ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اَلَّذِیْنَ پر قَاسِیَۃِ۔ قَسْوٌ یا قَسْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت، بدبخت، زنگ خوردہ، بیکار، کھوکھلا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مجرور متعلق ہے یَجْعَلَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا ماسبق کا واؤ سرجملہ اِنَّ حرف مشبہ اَلظّٰلِمِیْنَ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے ظَالِمٌ نصب کی حالت ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا لام کَیْ تاکید یہ فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ شِقَاقٍ اسم مصدر مبالغہ بروزن فِعَالٍ حِسَابٍ، شَقٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ چیرنا پھاڑنا، چرنا، پھٹنا، بدبخت ہونا۔ شَقٌّ مضاعف ثلاثی ہے موصوف ہے بَعِیْدٍ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ کا وہ سب جملہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ یہ آیت اور اس طرح کی بہت سی آیات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی تشفی کے لیے نازل فرمائی گئیں کیونکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفار مکہ کی بے دینی ضد بازی اسلام سے دوری بلکہ اسلام کی ہر چیز پر انکار، مذاق اور اعتراضات سے رنجیدہ و افسردہ ہوتے تھے کہ یہ بدنصیب اپنے انجام بد سے خوف زدہ کیوں نہیں ہوتے جہنم میں جانے کی کیوں کوشش میں لگے

رہتے ہیں۔ جب ذبح کا مسئلہ بتایا گیا تو کفار نے بیہودہ اعتراض کیا کہ جو ہم چھری سے ماریں قتل کریں وہ حلال وطیب ہو جائے اور جس کو اللہ تعالیٰ مارے وہ حرام وپلید ہو جائے یہ کیسا اسلام ہے۔ اور جب سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۵ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے اعتراض کیا کہ یہ کیا اسلام ہے کہ بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا حالانکہ دونوں ایک چیزیں ہیں اور جب سورۃ انبیاء کی آیت ۹۸ نازل ہوئی۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ تب کفار نے اعتراض کیا تو پھر تو ملائکہ بھی اور عیسیٰ وعزیر بھی حَصَبُ جَہَنَّم ہوئے۔ تقریباً ہر آیت پر اسی طرح کے جاہلانہ اعتراض کرتے رہتے۔ یہاں تسلی دیتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب کریم آپ ان بیہودہ لوگوں کی کفریات سے دل افسردہ نہ ہوں یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے شیطان ابلیس ان کو اسی طرح کے اعتراض سکھاتا رہتا ہے۔ آپ سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم نے کوئی رسول یا نبی بھیجا ہو تو جب بھی اس ہمارے پیارے رسول یا نبی علیہم السلام نے ہمارے کلام کی تلاوت فرمائی یا تبلیغِ دین اور کفار کے سچے پکے مومن بندہ بننے کی تمنا کی تو شیطان نے ان پیاروں کی تمنائیں۔ یا ان کی تلاوتوں میں کفار کے دلوں اور ذہنوں میں وسوسے انتشار کی خلل اندازی شامل کر دی اور اس طرح کی در غلاہٹوں اور وسوسوں سے بحث ومناظرے کر کے اہلِ ایمان کے لیے مُعَاجِزِیْنَ بنتے رہے۔ کفار سمجھتے ہیں کہ ہمارے یہ اعتراض نفرت کی بنا پر ہیں حالانکہ ان کفار کا یہ طریقہ بھی شیطان کی طرف سے ہے۔ ابلیس ہی بھیس بدل کر کبھی شیخِ نجدی بن کر یہ اعتراضات سکھاتا ہے۔ کفار نے ہمیشہ ہی بجائے دینِ حق اور کلامِ رب، پیامِ الٰہی ماننے کے اُلٹے جاہلانہ اعتراض کئے تاکہ کلامِ الٰہی بگڑ جائے اور ایمان والوں کے دل بدل جائیں۔ لیکن شیطان اور کفار کی ہزار کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ تباہ وبرباد فرما دیتا ہے نیست ونابود کر دیتا ہے اُن تمام منصوبہ بندیوں، تخریب کاریوں خلل اندازیوں کو جو شیطان ڈالتا ہے اس طرح کہ اہلِ ایمان کے دل مضبوط عقل روشن ایمان پختہ، عقیدہ کامل، فہم راسخ شعور اعلیٰ یقین بالا ہو جاتا ہے اور وہ مومنین اُن مُعَاجِزِیْن کفار کے وصبات لغویات اعتراضات، سوالات کے منہ توڑ جگر پھوڑ جوابات دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو کلام میں تلاوت کے لیے مسائل میں قانون کے لیے۔ عقلوں میں سمجھ کے لیے۔ قلبوں میں ایمان کے لیے سبقوں

بیں عرفان کے لیے محکم و مضبوط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر اچھی بری چیز کو ہر وقت جاننے والا ہے اور ہر قدرت میں حکمت والا شیطان کو اتنی ڈھیل دینے میں بھی اس کی حکمت عظیم ہے۔ تمنّٰی کا معنی تلاوت کرنا بھی ہے جس کی واحد اُمْنِیَۃٌ ہے اور جمع اَمَانِیُّ ہے جیسا سورۃ بقرہ کی آیت ۷۸ میں ارشاد ہے۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ۔ یعنی کفار میں بہت سے اُمّی ہیں جو صرف کلام و کتاب کی لفظی تلاوت کر جاتے ہیں۔ اس آیتِ پاک سے چار باتیں ثابت ہوئیں پہلی یہ کہ حکمتِ الٰہی کے مطابق ابلیس و شیطان کو نبوت کے شروع زمانوں سے اہلِ ایمان میں تخریب کاری اور کفار میں وسوسانے فساق میں ورغلانے کی مہلت و قوت و ڈھیل ملتی رہی دوم یہ کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ سوم یہ کہ باطل اور شیطانی باتیں خواہ کتنی ہی شور و غل والی ہوں مگر انہیں مضبوطی اور زور و بقا ہی نہیں ہوتا۔ چہارم یہ کہ شیطان کو القاکرتے وسوسے ڈالنے کی ڈھیل دینے میں رب تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت ہے جس کا کچھ بیان اگلی آیت میں آ رہا ہے علماءِ محققین آیت و احادیث کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے تین گروہ بیان فرماتے ہیں ۱ انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار ۲ ان میں سے ہی تین سو تیرہ رسولانِ عظام علیہم السلام اور ۳ ان تین سو تیرہ میں سے چار مُرسل علیہم السلام تعدادِ نبوت کی اَحادیث مقدسات تقریباً آٹھ کتبِ اَحادیث میں مروی ہیں ۱ بخاری شریف ۲ مسلم شریف ۳ مشکوٰۃ شریف ۴ مسند امام احمد ۵ مستدرک حاکم ۶ مسند امام ابن راصویہ ۷ مسند امام ابو امامہ ۸ مسند امام ابن حبان (از تفسیر روح المعانی) ان کا تعارف اس طرح مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام وہ پیغمبر ہیں جو صرف صاحبِ تبلیغ ہوں اور اپنے سے پہلے رسول علیہ السلام کے قانون و شریعت کی تبلیغ فرمائیں خواہ اُن صاحبِ شریعت رسول علیہ السلام کی موجودگی میں اپنی دوسری قوم کو یا ان کی بعد وفات اُن کی وراثت و جانشینی کی حیثیت سے یا نائب ہو کر یا مستقل بعثت سے انبیاء علیہم السلام کے پاس پیغامِ الٰہی خواب میں آتا ہے اور عام فرشتے ان کی زیارت کو حاضر ہوتے ہیں۔ رسول علیہم السلام وہ ہیں جن کو کلامِ الٰہی کا صحیفہ ملا ہو اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے ان کو پیغاماتِ الٰہی ملتے ہوں اور ان سے تمام فرشتے ملاقات کرتے ہوں۔ قرآن مجید میں جتنے انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر ہوا ہے وہ تمام رسول ہیں [illegible] رسول کی شریعت علیحدہ ہوتی رہی مگر معتزلہ فرقہ کہتا تھا کہ نبی رسول میں

کوئی فرق نہیں اگرچہ وہ چند لغوی دلیلیں پیش کرتے ہیں مگر ان کا یہ قول اِس آیتِ کریمہ اور بےشمار احادیث کے خلاف ہے۔ اور مرسل علیہم السلام وہ ہیں جن کو کتاب اللہ بھی ملی ہو صحیفے بھی اور نئی شریعت بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب قرآن مجید ہے آپ کے صحیفے تمام احادیث خصوصًا احادیث قدسیہ۔ اور آپ کی شریعت آپ کے اقوال و افعال ہیں یہاں تک کہ آپ کا سونا جاگنا کھانا پینا بھی امت کے لیے شریعت اسلام ہے صحابہ کرام کی تعداد و ترتیب بھی اِسی طرح تین حصوں میں منقسم ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اِن میں سے ہی تین سو تیرہ اصحابِ بدر اور اصحابِ بدر میں سے چار خلفاءِ راشدین۔ اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ کے واقعہ میں مفسرین کے چار قول ہیں پہلا قول ایک بے دین معتزلی مفسر ابو مسلم اصفہانی کا جس کی تردید امام رازی نے فرمائی اُس نے لکھا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دل میں سوچا کہ کاش اب کوئی ایسی وحی نازل نہ ہو جس سے سردارانِ کفار کا دل ناراض ہو اور یہ لوگ ایمان سے دور ہو جائیں کیونکہ آپ اُن کے ایمان پر حریص تھے تب ایک دن جب کہ آپ بہت صحابہ کرام کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھے تھے۔ تقریبًا تمام سردارانِ مکہ بھی حرم میں بیٹھے تھے تب سورۃ نجم نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نزول پر بہت خوشی فرمائی اور آپ نے اُسی وقت باآوازِ بلند سورۃ نجم کو تلاوت فرمایا جس وقت آپ آیت ۱۹ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی۔ پر پہنچے تو آپ نے یہ الفاظ بھی تلاوت کئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی یعنی یہ غرانیق بلندیوں پر اُڑنے والے بت لات وعزّٰی منات وغیرہ۔ بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے قیامت میں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ سن کر وہاں موجود تمام کفار بہت ہی خوش ہوئے اور جب تلاوت آخری آیت ۶۲ پر پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور سب صحابہ نے سجدۂ تلاوت کیا لیکن کفار نے بھی خوشی میں سجدہ کیا۔ بجز دو بڑے کافروں کے یعنی ولید ابن مغیرہ اور سعید بن عاص ابی اُمیّہ یہ دونوں بوڑھے کمزور تھے سجدہ نہ کر سکتے تھے اُنھوں نے قریب سے مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر ماتھے سے لگا لیا گویا یہ ان کا سجدہ تھا۔ کچھ

دیر بعد حضرت جبرئیل آئے اور کہا کہ آپ نے وحی کی تلاوت میں وہ الفاظ تلاوت کیوں کئے جو میں لے کر ہی نہیں آیا تھا تب نبی کریم بہت غمزدہ بھی ہوئے اور خوف زدہ بھی آگئے یہ خبیث مفسر لکھتا ہے کہ یہ الفاظ ابیض یا ابیاض نامی شیطان جن نے آپ کی زبان پر القا کر دیئے تھے اور آپ اس کو دیکھ نہ سکے یا ظاہر ہو کر یہ الفاظ بتائے مگر نبی کریم آپ کو وحی کا فرشتہ ہی سمجھے (یعنی جبرئیل) یہ تھا وہ کفریہ قول اور جاہلانہ تفسیر جو ابو مسلم زندیق نے نامعلوم کس بے دین کی صحبت بد کے تحت کئے، پھر اُس کی تائید میں بعد کے چند جاہل بے عقل مفسرین نے کر دی۔ جن میں ایک جلال الدین محلی ہیں جو ابن تیمیہ صاحب کے پیروکار اور جلال الدین سیوطی صاحب کے استاد تھے ان کی تفسیر میں اور بھی بہت غلطیاں گمراہیاں ہیں۔ محققین علما ایسی تفسیروں کو اندھی تفسیر کہتے ہیں تفسیر جلالین محلی کی اکثر باتیں آیات قرآن و احادیث مبارکہ کے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی ہی تفسیروں نے زمانے میں دہابیت پھیلائی ہے۔ اس قول کو نقل کرنے کو دل تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر تردید ضروری ہے۔ دوسرا قول۔ بعض نے لکھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ۱۹ تلاوت فرمائی تو آپ سانس لینے ٹھیرے اس خاموشی کی ساعت میں شیطان نے یہ الفاظ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ (الخ) پڑھے جو صرف کفار نے سنے نہ صحابہ کرام نے سنے نہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سُنے اور کافر سمجھے کہ شاید یہ الفاظ بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھے ہیں اس لیے بہت خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اب اس نبی سے ہمارا کوئی گلہ دشمنی نہیں یہ ہمارے دین میں آگئے ہمارے بتوں کی تعریف کرنے لگ گئے ہیں۔ تیسرا قول۔ کچھ تفاسیر نے لکھا ہے کہ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى (الخ) یہ پہلے منزل تھی اور اس کا معنٰی ہے کہ بے شک غرانیق ملائکہ بلندیوں والے ہیں۔ بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جائے گی بروز قیامت چونکہ سورۃ نجم کی آیت ۲۷ میں ملائکہ کا ذکر ہے کفار ملائکہ کو بنات اللہ یعنی اللہ کی بیٹیاں کہہ کر ان کا نام مونث رکھتے تھے یہ اُن کی توہین تھی اس لیے اگلی آیت میں ملائکہ کی شان بیان کی گئی۔ غرانیق جمع ہے غرنوق بروزن فردوس یا غرنوق بروزن عصفور کی غرنوق کا معنٰی ہے وہ دریائی پرندہ جس کا سفید رنگ لمبی چونچ دراز لاتوں اور بڑے جسم والا بگلے کی نسل کا مچھلی کا شکاری، ہوائی جہاز کی طرح زمین پر

بھاگ کر اڑنے والا۔ بہت بلندیوں پر اڑتا ہے۔ اہل عرب فرشتوں کو غرانیق کہتے تھے پھر کفار نے اپنے بتوں کو بھی غرانیق کہنا شروع کر دیا۔ اس وحی میں غرانیق سے مراد ملائکہ تھے مگر کفار نے سمجھا بتوں کی تعریف ہے۔ اس بنا پر یہ الفاظ منسوخ کئے گئے۔ اسی طرف اشارہ ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ سے (تفسیر صاوی و دیگر چند تفاسیر)۔ چوتھا قول کچھ تفاسیر نے لکھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس آیت ۱۹ پر پہنچے تو ابلیس بذات خود ایک انسانی بوڑھے کی شکل میں آیا اور کفار میں بیٹھ کر یہ الفاظ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ والے لفظ کہے اُس کے ساتھ مل کر کفار نے بھی یہ الفاظ کہے اور خوب شور مچایا مگر جب ابلیس چلا گیا تو کفار کو یہ الفاظ بھول گئے اسی بھول کی طرف اشارہ ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) سے مگر یہ چاروں قول قطعاً غلط بیہودہ اور بہت بعد کی بناوٹ ہے۔ چنانچہ امام رازی، امام محمد بن اسحاق خزیمہ نے ان سب باتوں کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ یہ باتیں بے دینوں زندیقوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ روایتاً۔ آیتاً، درایتاً عقلاً، نقلاً، دیانتاً، حقیقتاً واقعتاً ہر طرح لغو ہے روایتاً اس طرح کہ امام بیہقی نے فرمایا یہ واقعہ کسی حدیث پاک سے ثابت نہیں۔ بخاری شریف نے سورۃ نجم کا ذکر فرمایا مگر اس میں تِلْكَ الْغَرَانِيقُ کا ذکر تک نہیں کچھ تیمیائی مفسرین نے صم بکم ہو کر اس کی تائید کر دی۔ آیتاً اس طرح غلط ہے کہ آیتِ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرضی سے کبھی بھی کوئی کلام نہیں فرمایا آپ کا ہر ہر قول وحیِ الٰہی سے ہوتا ہے چنانچہ سورۃ نجم کی ہی آیت ۳ میں ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى۔ دوسری جگہ سورۃ الحاقہ آیت ۴۴ میں ہے لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۔ یعنی اگر یہ نبی ہم پر ذرا سی بات کا اختراع کرتے اور اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر کہہ دیتے تو ہم اُن کو سخت قوت سے پکڑتے اور پھر اُن کی وتین (شہ رگ) کاٹ دیتے۔ سورۃ اسراء آیت ۷۴ میں ارشاد ہے لَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ۔ یعنی اگر ہم تم کو اے نبی ثابت و مضبوط نہ رکھتے تو ہو سکتا تھا کہ تم کسی طرف جھک جاتے یہ تینوں آیتیں بتا رہی ہیں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی بات میں بھی کبھی غلطاں نہ ہوئے سورۃ مائدہ آیت ۶۷ میں ارشاد ہے بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ یعنی اے حبیب کرم صرف اُس کی تبلیغ فرمائیے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے نہ کہ کچھ دوسرا تو جس طرح

کلامُ اللہ میں کمی کی ممانعت ہے اس طرح زیادتی کی بھی ممانعت ہے اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی قسم کی خطا کر سکتے ہی نہیں دَرَایۃً یہ سب قول اس لیے غلط ہیں کہ آیات صریحہ کے خلاف ہیں۔ عقلاً بھی یہ سب غلط ہیں کیونکہ اگر معاذ اللہ ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کی زبان پر شیطان اِلقا کر سکتا یا کوئی شیطٰن اَبیض آپ کو کوئی کلام سنا سکتا اور آپ اُس کو جبرئیل سمجھ لیتے اس شیطٰن کو پہچان نہ سکتے تو پھر سارا قرآن مجید ہی مشکوک ہو جاتا ہے، دوسری عقلی دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو بتوں کی نفرت دلانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں آپ کو کفر شرک اور کفار سے ہمیشہ نفرت رہی آپ ہر انسان کے ایمان پر حریص اور خواہش مند ضرور تھے مگر لچک اور نرمی دکھا کر نہیں۔ اور پھر ان عقل کے اندھے مفسّروں کو یہ سمجھ نہیں رہی کہ اسی سورۃ نجم کی اوّل آخر ہر ہر آیت میں بتوں کی برائی بیان کی جا رہی ہے تو پھر بیچ میں ایک ذرا سا بے جوڑ ٹکڑا بتوں کی تعریف میں کیسے آسکتا ہے اور اس عارضی تعریف سے کفار کس طرح خوش ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے بعد اگلی آیت میں پھر بتوں کی برائی ہے۔ تیسری عقلی دلیل کہ یہ شیطٰن کا تسلط تو عام اَولیاءُ اللہ اور علماءِ راسخین پر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سورۂ نحل آیت ۹۹ میں ہے لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اور سورۃ حجر آیت ۴۲ میں ہے۔ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ تو بھلا نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وہ ملعون کس طرح اِلقاء تسلّط کر سکتا ہے۔ نیز اولیاءِ کاملین شیطان کو پہچان لیتے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ پہچان سکیں چوتھی دلیل یہ کہ آج تک کوئی شیطٰن کسی دیگر شخص پر اس طرح اپنے کلام کا اِلقا نہ کر سکا نہ مشاہدہ نہ مطالعہ نہ تجربہ نہ دید نہ شنید۔ پانچویں دلیل یہ کہ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لفظوں کی تلاوت فرماتے تو تمام پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرام بھی سنتے حالانکہ یہ معترض بھی قائل ہے کہ کسی صحابی نے نہ سنا صرف کفّار نے سنا چھٹی عقلی دلیل یہ کہ اگر اس قولِ اوّل کو درست مانا جائے تو دو زخرا بیاں لازم آئیں گی ۱۔ یہ کہ نبی کریم فرشتے اور شیطٰن میں فرق نہیں کر سکتے ۲۔ یا یہ کہ معاذ اللہ نبی کو وحی میں خائن ماننا پڑے گا۔ انہی وجوہ کے ہوتے ہوئے پھر ان اندھوں نے یہ قول بنا ڈالا یہ تفسیر نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ایک سازش ہے بعض مردودوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کریم شیطٰن کو ہی فرشتہ سمجھ گئے۔ بھلا یہ کیونکر

ممکن ہے کہ کوئی نبی وحی کے وقت فرشتے اور شیطان کا فرق نہ جانے شیاطین تو اولیاء اللہ سے نہیں چھپ سکتے دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ شیطان آپ کی مثل آواز نہیں بنا سکتا آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہر چیز بے مثل ہے اس کی کوئی نقل نہ شبیہ بھی نہیں بنا سکتا چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ الشَّیْطٰنُ ترجمہ میری کسی چیز کی مثل شیطان نہیں بن سکتا نہ حلیے کی نہ آواز کی، دوسری حدیثِ مقدسہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جسنے مجھے دیکھا (خواب یا مراقبے یا مکاشفے میں) اس نے مجھے ہی دیکھا حق اور سچ ہی دیکھا تیسری حدیث پاک لَا یَجْرِیْ عَلٰی لِسَانِیْ اِلَّا الْحَقُّ۔ ترجمہ میری زبان پر صرف حق ہی جاری ہوتا ہے۔ یعنی باطل کلام جاری ہو سکتا ہی نہیں تیسرا قول اس لیے غلط ہے کہ لفظِ غرانیق کفار عرب میں بتوں کے لیے مشہور تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ہی رب تعالیٰ فرشتوں کے لیے ارشاد فرماتا اور پھر دس سال بعد سورۂ حج کی اس آیت فَیَنْسَخُ اللّٰہُ (الخ) میں اس کو منسوخ فرمایا نہ رب تعالیٰ کسی تخریب کاری سے بے خبر ہے نہ ہی وہ بندوں کو کسی الجھاؤ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ چوتھا قول اس لیے غلط ہے کہ اس کا بھی کہیں ذکر نہیں نہ احادیث میں نہ تاریخ میں اگر ایسا ہوتا تو ضرور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو بتا دیتے اور احادیث میں آجاتا، نیز ابلیس کی یہ جرأت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کسی شیخ کا بھیس بدل کر کافروں میں آ بیٹھے۔ جب کہ وہ ابلیس تو یَفِرُّ مِنْ ظِلِّ عُمَرَ۔ فاروقِ اعظم کے سایہ سے ڈرتا ہے ہاں دور سے اور غیر موجودگی میں کفار کی مجلس میں آکر اتفاق کرتا ہی رہتا تھا۔ جیسا کہ جنگِ بدر میں شیخ نجدی بن کر آیا اور کفار کو جنگ پر اکسایا تھا جس کا ذکر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو بتا دیا۔ اور احادیث میں آگیا۔ لیکن وہاں بھی میدانِ بدر میں ابھی کفار دور ہی تھے کہ ابلیس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور فاروقِ اعظم و دیگر ملائکہ کو دیکھتے ہی بھاگ گیا تھا۔ اس واقعہ سورۂ نجم کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ بعثت کے پانچویں سال ۲۷ رمضان المبارک آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ حرم شریف میں تشریف فرما تھے کہ سورۂ نجم پوری نازل ہوئی اور آپنے باآوازِ بلند تلاوت فرمائی۔ نبی پاک کی زبان ہو قرآن مجید کا کلام ہو رحمٰن کا فرمان ہو حرم کعبہ کا مقام ہو پھر کیا شان ہوگی۔ اس بے مثال تلاوت کی روایتوں میں آتا ہے کہ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تمام صحابہ مجذوبیت میں اور اس وقت موجود کفار و سردارانِ کفار

مہوتیت میں سرشار ہو گئے اور جب آخری آیت سجدہ تلاوت کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نے سجدۂ تلاوت فرمایا لیکن تمام کفار اپنی اسی مہوتیت میں صحابہ کے ساتھ ہی بلا ارادہ سجدہ میں گر گئے اسی سال ماہ رجب میں صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت ملی تھی اور کچھ صحابہ کرام حبشے کی طرف ہجرت کر گئے تھے پھر اس سال ماہ شوال میں کچھ مہاجرین صحابہ کو کفار کے سجدہ کرنے کی خبر وہیں حبشے میں ملی تو وہ اس خوشی میں واپس مکہ مکرمہ آ گئے کہ شاید کفار مکہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔ بہرکیف ان آیات میں شان نزول سے منسلک یہ چاروں قول بالکل غلط ہیں سراسر بناوٹی ہیں سورۃ نجم کا ان آیات سے کوئی تعلق نہیں ہے سورۃ نجم بعثت کے پانچویں سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور سورۃ حج اور اس کی آیات تقریباً دس سال بعد ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوئی، اگر سورۃ نجم میں ان لفظوں کے القاء شیطانی کے بعد نسخ اللہ کا ذکر ہی یہاں سورۃ حج میں ہوتا تو اتنے عرصے بعد یہ آیتیں نازل نہ ہوتیں، نیز ان مفسرین کے کہنے کے مطابق کہ جبریل نے آکر نبی کریم سے کہا کہ آپنے یہ الفاظ کیوں پڑھے۔ مگر ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی عطا فرما رہا ہے کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے کیا تعجب خیز بات ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ کسی گستاخ نے گستاخی نبوت کا راستہ نکالنا تھا جو نکال لیا مگر بات پھر بھی نہ بنی کیونکہ دس سال پہلے والے واقعہ کا تعلق دس سال بعد نازل ہونے والی سورت سے سابقہ کی تردیدی انداز میں جوڑنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے یہ ہی اس مفسر کی ظاہری حماقت ہے حالانکہ یہاں ان آیات میں صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جب بھی یہ تمنا اور خواہش ہوئی کہ رب تعالیٰ کے دین و ایمان کی باتیں قوم تک پہنچیں اور قوم کفر کو تبلیغ کرنے کے لیے جب انبیاء ورسل علیہم السلام نے اپنے پر منزل کلام اللہ کی تلاوت فرمائی تو شیطان نے کفار کے کانوں دلوں، عقلوں، ذہنوں میں قسم قسم کے شبہات، سوالات، اعتراضات بھر دیئے اسی کام کے لیے ابلیس نے مردود اور رجیم ہوتے وقت لمبی عمر اور رسی کی ڈھیل مانگی تھی کیونکہ ابلیس شیطان ہر نبی کا دشمن ہے چنانچہ سورۃ انعام کی آیت ۱۱۲ میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ اور سورۃ انعام کی آیت ۱۲۱ میں ہے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ

اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ۔ یعنی ہر نبی علیہ السلام کے دشمن ہوتے رہے شیطانی جنات اور انسان جو آپس میں ہی بعض بعض کو ورغلاتے پیغامات پہنچاتے دین حق سے شبہات ڈالتے ہیں۔ اور صرف اپنے ہی دوستوں کو القاء کرتے ہیں تاکہ کفار اے ایمان والو تم سے جھگڑے کریں، رب تعالیٰ نے اُس وقت اُس کی عرض منظور کی تھی اس کو لمبی عمر قوتِ رفتار طاقتِ وسواس، اور مہلت وڈھیل دی تھی، کیونکہ وہ رب تعالیٰ ہی علیم وحکیم ہے ازازلِ قدیم تا ابدِ طویل ہر چیز کو جاننے والا ہے اور ہر قدرت کے راز کا حکمت والا ہے ابلیس کو ڈھیل دیتے اور قوتِ القاء بخشنے میں بھی یہ حکمت تھی کہ لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۢ بَعِیْدٍ۔ تاکہ بنائے اللہ تعالیٰ اُن تمام شیطانی شبہات ابلیسی اعتراضات وسواسی سوالات کو جو تا قیامت اللہ رسول کے کلام اسلام کے قانون شریعت کے احکام کے بارے میں کفار کے دلوں جہلا کی عقلوں گمراہوں کے ذہنوں میں القاء کرتا، وسوسے ڈالتا پھرے گا فِتْنَةً اور آزمائش وامتحان بنا دے اُن منافقین کے لیے جن کے دلوں میں تزلزل عقلوں میں تذبذب، شک تردد ضعفِ ایمانی منافقت بے ایمانی کی بیماری ہے اور ذلتِ دنیوی عذابِ اُخروی کا فتنہ بنا دے اُن کافرین کے لیے جن کے دل سخت کھوٹ والے ہیں اور یہ سب لوگ منافق ہوں یا کافر ظالم ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ البتہ یقیناً بہت دور کی بدبختی، دشمنی، مخالفت میں پھنسے ہوئے ہیں اور بھٹکنے والے ہیں جن کا راہِ راست پر آنا کچھ آسان نہیں اُن کی بدمستی کی بیہوشی اور خرمستی کا نشہ باتوں سے نہیں اُترے گا۔ خلاصہ یہ کہ ابلیس وشیاطین کو ڈھیل ملنا اور اُس کے القا کا اناخ کرنا، اور آیت کا احکام اس لیے ہے تاکہ دنیا کے ہر ظاہری باطنی باطل کا امتحان ہو جائے۔

تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی (الخ) کے واقعے کی مردودیت کے دلائل۔ پہلی دلیل دورِ صحابہ سے آج تک عربی فارسی اُردو میں بیسیوں تفاسیر لکھی گئی مگر کسی نے بھی اس واقعے کی تائید نہیں کی بلکہ اکثریت نے اس کا ذکر تک نہیں کیا نہ اس جگہ موقعِ حج میں نہ سورۃِ نجم میں اور اگر کسی نے کیا بھی تو اس کی تردید ہی فرمائی اور اس واقعے کو غلط، بناوٹی اور بے دینی، گمراہی جہالت، حماقت کی گستاخی ومردود قرار دیا۔

سوائے چھ تفسیروں کے جن میں پہلی ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر دوم۔ محدث حافظ ابن حجر کی تفسیر سوم علامہ فقیہ ابو بکر جصاص کی تفسیر چہارم۔ علامہ منطقی فلسفی زمخشری صاحب کی تفسیر پنجم امام علامہ ابن جریر مورخ کی تفسیر ششم۔ علامہ امام جلال الدین محلی کی تفسیر جلالین۔ ان مفسرین کے پاس بھی اس واقعے کی سچائی پر کوئی مضبوط دلیل نہیں بجز اس کے کہ کسی نے پہلے مفسر کی دیکھا دیکھی تائید کر دی عقل سے خود نہ سوچا، اور کسی نے ایک جھوٹی بناوٹی روایت کے راویوں کی کثرت سے مرعوب ہو کر تائید میں سرِ تسلیم جھکا دیا اور صرف یہ کہتے ہوئے اس کفریہ عبادت کی بناوٹ کو مان لیا کہ اگرچہ یہ روایت سنداً ضعیف اور منقطع ہے اور متناً مضطرب ہے مگر چونکہ بہت طریقوں سے یہ منقول ہوئی اس لیے یہ غالباً درست ہی ہوگی۔ دوسری دلیل۔ اِن مذکورہ بالا چھ مفسّروں نے جس روایت کے بل بوتے اور جس کثرتِ راویان کے رعب میں آکر اسے صحیح مان لیا اُن راویان و روایت کا حال ملاحظہ ہو، سلسلۂ رُواۃ میں پہلی سند چلتی ہے۔ محمد بن قیس سے دوسری محمد بن کعب قرظی سے تیسری ابو العالیہ زُہری سے چوتھی سند عُروہ بن حنظلہ سے پنجم ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث سے چھٹی سند امام معتزلہ سُدّی سے، ساتویں سند سعید ابن جبیر سے آٹھویں سند۔ امام ضحاک سے۔ نویں امام محمد قتادہ سے، دسویں سند مجاہد قتوی سے۔ گیارھویں امام کوفہ ابن شہاب سے۔ بارھویں سند علامہ زنبری سے اُس ایک روایت کی یہ بارہ سندیں ہیں یعنی ان مندرجہ بارہ شخصوں نے اِس کو روایت کیا۔ مگر علماءِ اسماء و الرّجال کے محدثین کی تحقیق و تفتیش میں یہ سب راوی نہایت ضعیف اور ان کی روایتیں مسترد اور کمزور ہیں ان میں کوئی راوی متروک ہے کوئی مردود ہے کوئی خراب حافظے والا کوئی اختراع اور بناوٹ میں مشہور، کوئی کاذب کوئی خائن مشہور ہوا، پھر یہ کہ اِن سندوں میں کوئی صحابی شامل نہیں۔ اب غور کرو کہ ایسی روایت پر اعتقاد کرنا فریبِ ابلیس نہیں تو اور کیا ہے۔ تیسری دلیل۔ اَحادیثِ مقدسات کی کسی معتبر کتب یا صحاحِ ستہ میں اس واقعے کا نام و نشان بھی نہیں ملتا نہ ہی اَحادیثِ ثقہ کی فہرست میں اس روایت یا اس کے راویوں کو شامل کیا گیا اگر ذرا بھی اس روایت میں کوئی بات ہوتی تو محدثین اس کو بھی شامل تحقیق کر لیتے ثابت ہوا کہ یہ روایت دَورِ تفسیر کی پیداوار ہے جو اسلام کا چوتھا دور شمار کیا جاتا ہے پہلا دور

نزولِ قرآن کا دوسرا جمع قرآن کا تیسرا فقرہ اجتہاد کا چوتھا تفسیر کا ثقہ حدیث میں نہ کوئی اضطراب ہوتا ہے نہ انتشار نہ سقم اس کا دوسرا نام متواتر ہے اور متواتر حدیث پاک کو اس طرح ماننا فرض ہے جس طرح آیتِ قرآن پاک کو کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے بعض منکرینِ حدیث ثقہ روایت کے بھی اس لیے منکر ہو جاتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی یہ ان کی جاہلانہ حماقت ہے چوتھی دلیل۔ یہ روایت متناً اتنی مضطرب ہے کہ ہر روایت کا متن دوسری سند کی روایت سے قطعاً متضاد ہے اور یہ ہی تضاد بیانی اس کے جھوٹا ہونے اور بناوٹی بننے کے لیے کافی ہے ۱؎ مثلاً ایک راوی اپنی روایت کا متن اس طرح لکھتا ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت کے درمیان شیطان نے نبی کریم کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دئے اور نبی کریم نے یہ الفاظ بلا اختیار پڑھ دئے اور بتوں کی تعریف بیان فرمائی (معاذ اللہ) ۲؎ دوسرے راوی نے یہی واقعہ اس طرح بیان کیا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن خواہش ہوئی تھی کہ کاش اللہ تعالیٰ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے جس سے یہ کافر خوش ہو جائیں اور خوش ہو کر مجھ پر ایمان لے آئیں تب اس خواہش کے تحت سورۂ نجم کی تلاوت کے دوران لات و عزیٰ کے ذکر پر آپ کی زبان سے سہواً یہ الفاظ نکل گئے تھے (معاذ اللہ) یہ دونوں باتیں کفر یہ ہیں اس کو گھڑنے بنانے اور ماننے عقیدہ بنانے والا اصر یحاً کافر ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف اہل اللہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے گمراہ پیروں کی طرح آپ کو تعدادِ دنیا بڑھانے کی خواہش نہ تھی کہ آپ کسی قسم کی بے دینوں کی رعایت فرماتے یا اسلام میں ذرہ بھر لچک پیدا فرماتے ۳؎ کسی نے اس طرح روایت بنائی کہ تلاوتِ نجم کرتے ہوئے آپ کو اونگھ آ گئی تھی اور اونگھ میں آپ کے منہ سے یہ الفاظ تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی والے نکل گئے تھے ۴؎ ایک راوی نے اس طرح بناوٹ کی کہ یہ الفاظ استفہام انکاری کے طور پر ہیں اور نبی کریم نے یہ قصداً ادا فرمائے۔ یعنی کیا یہ تمہارے مٹی پتھر کے بت جن کو غرانیق العلی۔ بلندیوں پر اڑنے والے پرندے کہتے ہو کیا اس لائق ہیں کہ ان سے شفاعت کی امید کی جائے جیسا کہ تم نے ان کے متعلق عقیدۂ فضول و بیہودہ بنایا ہوا ہے ۵؎ کسی نے روایت اس طرح بنائی کہ یہ الفاظ نبی کریم نے اپنی زبان سے نہیں کہے بلکہ آپ نے کچھ وقفۂ تلاوت فرمایا تو شیطان لعین نے آپ کی آواز جیسی آواز بنا کر کفار کو یہ الفاظ سنائے مگر نہ نبی کریم

نے سنے نہ صحابہ کرام نے صرف کفار نے ہی یہ الفاظ سنے اور سمجھا کہ نبی کریم نے ہی یہ الفاظ کہے ہیں ۴ کسی نے اس طرح روایت بنائی کہ یہ الفاظ نہ شیطان نے کہے نہ نبی کریم نے بلکہ کسی مشرک منافق نے ہی ان میں سے کہے اور دیگر مشرکین سمجھے کہ شاید یہ الفاظ نبی کریم نے کہے ۵ کسی نے اس طرح بناوٹ کی کہ جب نبی کریم نے لَاتَ وَعُزّٰی وَمَنَاتَ الثَّالِثَۃَ کے الفاظ ادا کئے تو وہاں بیٹھے ہوئے مشرکین نے اپنے بتوں کی تعریف ان الفاظ میں کرنی شروع کر دی۔ غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں یہ سراسر اسلام کے خلاف سازش ہے ایسی بے سرو پا مضطرب روایات کے بہانے کوئی مفسر اپنا عقیدہ بد بنانا پھرے تو یہ اس کی گمراہی ضد بازی عناد سازی کے سوا اور کیا ہے۔ پانچویں دلیل سورۃ حج کی یہ آیت اپنے سیاق وسباق اور مدت نزول کے دس سالہ دراز مدت کے اعتبار سے نجم سے اس کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا لہٰذا اندھی عقل سے ان آیات کو دس سالہ پہلے کی نازل شدہ سورۃ نجم کی آیت ۱۹ کا شان نزول بنانا نری حماقت ہے اور حماقت کو ماننا جہالت ہے۔ ضد کرنا گمراہی ہے چھٹی دلیل۔ سورۃ نجم کی آیت ۱۹ اپنے سیاق وسیاق کے اعتبار سے ان الفاظ شیطانی کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ کفار مکہ مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ اہل عرب بھی تھے کیا وہ سورۃ نجم کی اگلی آیت کو نہیں سمجھتے تھے کہ آخری آیت تک تو بتوں کی برائی بت پرستوں کی گمراہی بیان ہو رہی ہے تو درمیان میں ایک بے جوڑ فقرے سے وہ کیونکر خوش ہو سکتے تھے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ کوئی جن فرشتہ ابلیس شیطان آقاء دوعالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی کسی چیز کی شکل نقل نہیں بنا سکتا نہ ذات کی نہ صفات کی نہ آواز کی نہ شکل وصورت کی یہ فائدہ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِہٖ فرمانے سے حاصل ہوا کہ شیطان دوران تبلیغ فقط اپنی آواز یا الہام کا القا کفار کو کر سکتا ہے مگر نقل بن کر نہ آسکتا ہے نہ سنا سکتا ہے ابلیس وشیاطین کے القا دو قسم کے ہوتے ہیں خفی اور صوتی۔ خفی وسوسے ہر ایک انسان کو ڈالتا رہے گا تا قیامت لیکن صوتی اور آواز سے صرف کفار کو القا کر سکتا ہے ابلیس بدل کر اولیاء کاملین کے پاس آسکتا ہے دھوکے ورغلانے کے لیے مگر اولیا کی بارگاہ میں ناکام ونامراد ہو جاتا ہے۔ فساق وکفار کے پاس کامیاب ہو جاتا

ہے۔ **دوسرا فائدہ** سچائی کا معیار باطل کی دخل اندازی نہیں نہ ابتدائی شور وغل ہے بلکہ سچائی کا معیار حق و باطل کے آخری انجام سے ہے اس طرح کہ آخر کار باطل کو شکستِ فنا ہوتی ہے اور حق کو فتح بقا حاصل ہوتی ہے یہ فائدہ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** کافر کسی بھی قسم کا ہو کسی مسلمان کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا، اگر کبھی کسی مسلمان سے کوئی کافر دوستی دکھائے بھی تو وہ فقط ظاہرًا منافقت یا سیاست کی عیارانہ چال ہو گی مگر باطن میں ذاتی مفاد پرستی ہی ہو گی۔ لہٰذا کسی مسلمان کو کبھی کسی کافر کی نہ چاپلوسی کرنا چاہیے نہ عیاری میں آنا چاہیے نہ جلد بازی میں کچھ رُو رعایت کی ضرورت بلکہ بہت محتاط قدم بڑھانا چاہیئے۔ یہ فائدہ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ عام طور پر کفار کا ورغلانا مسلمانوں کو تین طرح ہوتا ہے ۱ نوکری سے ۲ چھوکری سے ۳ نوکری یعنی مالی امداد سے۔ مگر قرآنِ مجید نے تا قیامت ہر مسلمان کو ان آیت کے ذریعے ہر طرح متنبہ کر دیا ہے شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ کا معنی ہے دور کی حسد جلن بغض اندرونی دشمنی دل پھٹا ہی رہنا۔ مثل سانپ ہمیشہ زہر بلا ڈنگ ہی چلانا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** معتزلہ فرقہ کہتا تھا کہ نبی رسول اور مرسل میں کوئی فرق نہیں ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے اور مرسل بھی مگر یہ قول غلط ہے اور احادیث و آیات کے خلاف ہے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام پیغمبرانہ شان میں تین مدارج پر ہیں پہلا گروہ صرف نبی، دوسرا گروہ نبی رسول تیسرا گروہ نبی رسول مرسل جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں وضاحت کر دی گئی ہے احادیث سے بھی یہ تقسیم ثابت ہے یہ مسئلہ یہاں مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** کوئی شخص جن یا انسان کسی بھی نبی علیہ السّلام کی آواز کی مثل آواز بھی نہیں بنا سکتا اس کی وجہ یہ کہ جس طرح انبیا علیہم السّلام کی شکل و صورت جلیے پر بھی تبلیغ دین کا انحصار ہے یوں ہی طرح انبیاء کرام علیہم السّلام کی آواز پر بھی تبلیغِ دین و احکامِ الٰہی کا دار و مدار ہے اسی لیے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی ہر چیز بے مثل بنائی گئی اور نہایت شاندار انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی آواز میں تو گلا بیٹھنے کی بیماری بھی نہیں آسکتی تاکہ ذاتی مشہور آواز بھی نہ بدلے۔ لہٰذا شیاطین نہ شکلِ نبوت کا بھیس بدل سکے نہ آواز کی نقل اُتار سکے نہ جاگتے میں نہ خواب میں یہ مسئلہ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ باری تعالیٰ شیطان کی ہر چال آواز کی

فریب کاری کو تباہ کر دیتا ہے۔ تیسرا مسئلہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نسخ کے تین معنی ہیں (۱) تبدیل کرنا جیسے احکام کی آیت کا منسوخ کیا جانا اور اس کی جگہ دوسرا حکم نازل ہونا یعنی اللہ تعالیٰ ایک حکم کو بدل کر دوسرا قانونی حکم نازل فرمائے (۲) نسخ کا دوسرا معنی مٹانا جیسے تنسیخ نکاح تنسیخ خرید فروخت یعنی نکاح و بیع ختم کرنا مٹانا (۳) تیسرا معنی ہے تباہ و برباد کرنا یعنی رب تعالیٰ باطل اشیاء کو منسوخ فرماتا ہے تباہ و برباد اور فنا فرماتا ہے اسی تباہی کو زھوق بھی کہا جاتا ہے یہ مسئلہ اور معنوی تقسیم فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ سے مستنبط ہوا یہاں نسخ کا معنی تباہ کرنا ہلاک کرنا ہے اور فنا کرنا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کیئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اَرْسَلْنَا کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر نبی رسول بھی ہے کیونکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا اس کا ترجمہ ہے اور نہیں رسول بنایا ہم نے کسی رسول کو اور نہ کسی نبی کو مگر جب (الخ) لیکن وَلَا نَبِيٍّ کی واؤ عاطفہ چونکہ غیریت اور تفریق کو بیان کرتی ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے اور دونوں مدارج و ذمہ داریوں میں علیحدہ مقام رکھتے ہیں۔ نیز سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۵ میں ارشاد ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ یعنی ایمان والوں کو اقرار ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں فرق نہ کریں گے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کبھی فرمایا گیا يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ، اور کبھی فرمایا جاتا ہے يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی رسول بھی ہے اور ایک ہی شخصیت کے دو لقب ہیں، تو پھر یہاں واؤ عاطفہ کیوں ارشاد فرمایا گیا جس سے مغایرت ظاہر ہوئی۔ **جواب**۔ یہ بات تو بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔ مفسرین، شارحین اور فقہاء نے بھی یہ بیان فرمایا لیکن اس اعتراض کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے اصل میں آیت اس طرح ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّمَا كَانَ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اِذَا (الخ) یعنی نہیں رسالت دی ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول کو اور نہیں ہوا کوئی نبی مگر جب بھی اُسنے تلاوت کی (الخ) اَرْسَلْنَا کا تعلق صرف رَّسُوْلٍ سے ہے نہ کہ نَبِيٍّ سے۔ مگر یہ جواب کمزور ہے (۲) صحیح اور مضبوط جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی عبارت پوشیدہ نہیں ہے۔ اور اَرْسَلْنَا کا تعلق دونوں سے ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا

کا ترجمہ وہ نہیں ہے جو معترض نے کہا۔ یعنی اَرْسَلْنَا کا معنیٰ رسول بنانا نہیں ہے۔ بلکہ بھیجنا مراد ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی مگر جب بھی انہوں نے تلاوت فرمائی (الخ) اس سے ثابت ہوا کہ نبی و رسول کے درجوں اور ذمہ داریوں میں فرق ہے مگر دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی اپنی قوم میں بھیجتا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے مدارج میں فرق نہیں کر سکتے نہ ہماری یہ جرأت نہ ہمارا یہ کام۔ اور نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبی کہہ کر کبھی رسول کہہ کر خطاب ارشاد فرمانا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نبی بھی ہیں رسول بھی مُرسَل بھی کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ مرسل ہیں اس لیے رسول بھی ہیں نبی بھی نبی رسول مُرسَل کی تعداد و تعریف ہم نے تفسیر علامات میں بیان کر دی

دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا۔ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اس کی کیا وجہ کہ یہاں دونوں جگہ بیمار دل والوں اور قاسیہ دل والوں کا نام نہیں لیا گیا کہ کون بیمار دل والے ہیں اور کن لوگوں کے دل قاسیہ ہیں۔ جواب: یہ آیت تین قسم کے بندوں کو سنائی گئی ہے۔ مومنین، منافقین اور متظاہرین کو مومنین تو جانتے ہیں کہ کون بیمار دل والے ہیں اور کون ضدی اور سخت و تنگ دل والے ہیں لیکن منافقین و متظاہرین کفار کو سوچنے، سمجھنے اور تفکر و تدبر کی دعوت دی جا رہی ہے اس کی وجہ یہ کہ جو چیز اپنے تفکر و تدبر سوچنے سے حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ پختہ اور ذہن نشین ہوتی ہے اگر انسان کے اپنے سوچنے سمجھنے سے اپنی بیماری کا پتہ لگ جائے تو اس کو دوسرے کے بتانے کے مقابل زیادہ محسوس بھی ہوتی اور زیادہ یقین بھی بتایا یہ جا رہا ہے کہ اے کافرو منافقو تم خود اندازے لگاؤ سوچ و فکر کرو کہ مردہ دل کس کے ہیں۔ ظاہری کافرو تم بھی غور کرو کہ ضدی مغرور ایذارسان و سنگدل دل والے کون لوگ ہیں اگر بیماریِ دل کی نشانی تم اپنے اندر پاؤ تو اس کا علاج توبہ ہے لہٰذا سچی توبہ کرو اور اگر ظاہری کافرو تم اپنے دل میں قساوت کی نشانیاں پاؤ تو سمجھ لو کہ تم ہی قاسیۃ قلوب ہو اور تم بھی ایمان کی نرمی سے اس کا مداوا کرو، بیمار دل کی نشانی تزلزل، تذبذب، بزدلی شبہات خدشات کا جمع ہونا ہے۔ اور قساوت قلبی کی نشانی ضد، غرور۔ اکڑ فخر، ظلم بے رحمی کنجوسی ہے، ہر شخص اپنے ضمیر دل کی کیفیت کو جانتا پہچانتا، سمجھتا ہے منہ سے تسلیم زبان

سے اقرار کرے یا نہ کرے ۔ اکثر فساق کی بھی یہ حالتیں ہو جاتی ہیں ۔ خیال رہے کہ اولاً دل میں قساوت پیدا ہوتی ہے پھر بیماریٔ دل پھر فسق و فجور ۔ تیسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی ان کے دلوں میں بیماری ہے ، سوال یہ ہے کہ بیماری دل میں کب ہوتی ہے وہ تو جسم میں ہوتی ہے اور جب جسم میں بیماری ہو تو بیماری تمام ظاہری ۔ باطنی اعضا میں پھیل جاتی ہے اور دل بھی باطنی اعضا میں سے ہے ۔ لہٰذا یہاں کہنا چاہیئے تھا کہ ان کے قالب میں بیماری ہے ۔ جواب جس چیز کو عربی لغت میں مرض اور فارسی اردو میں بیماری کہا جاتا ہے اس کی لغوی تعریف یہ ہے کہ ایسی کمزوری ہو جانا جس کی وجہ سے مقصد پورا نہ ہو سکے یا ہو تو بہت مشکل سے ہو ۔ اس معیار کے اعتبار سے ہر عضو کی علیحدہ ۔ بیماری ہوتی ہے ۔ جسمانی بیماری ظاہری مرض کو کہتے ہیں جو ڈاکٹر حکیم کو معلوم ہو جاتی ہے اندرونی ہو یا بیرونی محسوس ہو جاتی ہے ۔ مگر روحانی ۔ بیماری باطنی مرض کو کہتے ہیں ، جو اکثر خود بیمار کو بھی معلوم اور محسوس نہیں ہوتی اس کو صرف اہلِ اسرار اولیاء اللہ ، مرشدِ برحق ، شیخِ کامل ہی جانتا ہے ہاں البتہ ظاہری بیماری کی طرح باطنی روحانی بیماری کی بھی کچھ نشانیاں ہیں جو قرآنِ مجید کی آیت احادیثِ مقدسات کے فرمودات نے بیان فرما دیں ، ان نشانیوں پر ہی غور و فکر تدبر کرنے کی دعوت اس آیت میں اور دیگر آیت میں دی گئی ہے چنانچہ سورۃ ذاریات کی آیت ۲۱ میں ارشاد ہوا ۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ یعنی اے انسانوں تم اپنے باطن میں کیوں نہیں دیکھتے تاکہ قدرت کی صناعی کے ساتھ ساتھ تم کو اپنی اندرونی روحانی بیماری یا تندرستی کا بھی پتہ لگے اور احساس ہو یہاں فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ میں اسی روحانی بیماری کا ذکر ہے جو دل کے لوتھڑے پر نہیں بلکہ دل کی روحانیت پر ہے جس کی وجہ سے تمام روحانی قوت کمزور یا ختم ہوتی چلی جاتی ہے ، جب بالکل ختم ہو جائے تو اسی کو مردہ دل کہا جاتا ہے بیمار دل توبہ کی دوا سے شفایاب ہو جاتا ہے ، مگر مردہ جسم کی طرح مردہ دل کسی دوا سے ٹھیک اور زندہ نہیں ہو سکتا ۔

تفسیر صوفیانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ قالبِ انسان ایک بستیٔ ناسوتی ہے ۔ اعضاءِ ظاہری اس بستیٔ بدنی کی رہائشی قوم ہے قلبِ انسانی نورِ نبوت و شمعِ رسالت کا مخزن ہے قلب کی ایمانی

خواہشات اُس کی تلاوتِ کلام ہے۔ اعمالِ عبادت کے دوران وساوسِ رمانی اِلقاءِ شیطانی ہے
نفسِ امارہ مجلس ومرکزِ ابلیس ہے، ابلیس ہی مشیرِ نفس ہے جو وہ نفس کو سکھاتا ہے اور نفس
امارہ عقل کو ستاتا ہے اور عقل شعور کو شبہات وشکوک میں ڈالتا ہے یہ ایک دوبار نہیں ہوتا
بلکہ جب بھی کسی قلب سے نورِ نبوت یا شمعِ رسالت کی شعاعیں ظاہر ہوئیں تو نفس امارہ نے
اُس میں رخنہ اندازی کی کیونکہ نفسِ ظلمانی ہر وقت ظلمت وسیاہی بچھانے کا خواہش مند رہتا
ہے اور ابلیس حجابات کا خواہش مند رہتا ہے۔ ہر اہل معرفت جانتا ہے کہ ہر رسول اور ہر نبی
صاحبِ معجزہ بھی ہوتا ہے صاحبِ امتِ دعوت بھی صاحبِ تبلیغ بھی رسول ونبی میں فرق
نئی شریعت اور صحیفے یا کتاب ملنے میں ہوتا ہے کہ ہر رسول علیہ السلام کو نئی شریعت اور
نیا صحیفہ عطا فرمایا جاتا ہے اور مرسل نبی کو نئی شریعت نیا صحیفہ، نئی کتاب۔ نیا قانون عطا فرمایا
جاتا ہے۔ اسی لیے رسول نبی تین سو تیرہ اور مرسل صرف چار ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ شریعتیں
اور صحیفے تین سو تیرہ ہوئیں۔ بڑی کتابیں صرف چار۔ اور صرف نبوت والے انبیاء علیہم
السلام اپنی امت کو سابقہ رسول علیہ السلام کے صحیفے وشریعت کی تبلیغ فرماتے ہیں یا سابقہ
کتابِ منزل کی بھی جس طرح دنیا میں کفار حکومتیں اسلامی حکومتوں میں اپنے اڈے بنانا چاہتی
ہیں اُسی طرح ابلیس نفسِ امارہ میں اپنا اڈا بنانا چاہتا ہے تاکہ قالبِ مومن کو محکوم مغلوب
اور کمزور وخراب کرتا رہے۔ ابلیس شیطن نفسِ امارہ کو اپنے وسوسوں کا محل بنا لیتا ہے
اور اپنے اِلقاء پیغامات کا مرکز۔ فَيَنسَخُ اللَّهُ مگر اللہ تعالیٰ قلب وقالب اور اہل قلب
کی مدد فرماتا ہے اس طرح کہ وساوسِ شیطانی کی یلغار کو تباہ فنا کر کے قلب پر نورِ روح
کا سورج طلوع فرمایا جاتا ہے اور قلبِ عارف نورِ معرفت کا مشرق بن جاتا ہے پھر تائید
قدسی کے ذریعے طہورِ نفس کی ظلمت کا ازالہ ہو جاتا ہے اور فریبِ نفس کا قلع قمع ہو جاتا ہے
اور القاءِ ملکی نکھر کر خلو کے جلوے سے ممتاز و مرتاز نظر آنے لگتے ہیں نفس کی عیاری، ابلیس
کی شراری فریب کاری کے پردے بوسیدہ ومضمحل نظر آتے ہیں آخر الامر تباہ ہو جاتے ہیں
اور الہامات ملائکہ مستقر ومستقل اور قائم رہتے ہیں ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ ءَايَاتِهِ تب قلب
مومن میں ہر قسم کی تمکین وقوت تسکین وقدرت سے آیاتِ الٰہیہ نشانات رحمانیہ علامات
ربانیہ محکم ومضبوط فرما دی جاتی ہیں اور بندہ مرید شیخ سے مرادِ شیخ بن جاتا ہے
وَاللَّهُ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ خوب جاننے والا ہے شیطانی اِلقاءات کو بھی اور

اُس کے نسخ کرنے کے طریقے کو بھی حکیم' وہ اللہ حکمتوں قدرتوں والا ہے اپنی وحی کے بیان فرمانے میں اس طرح کہ اپنی آیت کو اپنی حکمت سے سینۂ مومن میں سجا دیتا ہے اور تقاضاء حکمت کے مطابق محکم فرماتا ہے کائنات میں ہر خیر وشر اُس کی حکمت سے پنپ رہے ہیں اس لیے لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ۔ تاکہ رب تعالیٰ کی ہزارہا حکمتوں کے علاوہ یہ حکمتِ ازلی قدیمی ظاہر ہو کہ نفسِ امارہ کی مہلتِ حیات اور ابلیس وشیطان کی کی ذیلی ڈھیل اور شہوتِ القاءات درغلاھٹوں وسوسوں کی کھلی اجازت راہِ سلوک کے محجوبین کے لیے فتنہ آزمائش بن جائے۔ یہی لوگ منافقین باطن اور شاکین متذبذبین مخفی ہیں اور دل کی قساوت والوں کے لیے قبولِ حق کی آڑ اور بہانہ بن جائے شک کرنے والے کا شک محجوبین کا حجاب زیادہ ہوتا رہے اور یہ سزاءِ محرومی ہی اُن کے نفوس ظلمانیہ اور اُن کے قلوبِ قاسیہ کے مناسب ہے اس لیے کہ اہل نفوس بجز القاءِ شیطانی کچھ بھی قبول نہیں کرتے۔ جیسا کہ سورۃ شعراء کی آیت ۲۲۱ میں ارشاد ہے هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ۔ ترجمہ کیا میں بتاؤں تم کو یہ شیطین کہاں اترتے ہیں تو سنو یہ اترتے ہیں ہر بے غیرت فاسق پر۔ اس وجہ سے یہ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ۔ ہیں یعنی بہت دور کی بدبختی اور شقاوت میں گرے پڑے ہیں اس لیے بھلا وہ کس طرح قبول کر سکتے ہیں حق کو (روح البیان وابن عربی) اور کیسے ممکن ہے کہ جس کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہوں سمعیت کے کان بہرے ہوں اور تلاوت کی زبان گونگی ہو وہ حق کا نور سمع کی آواز قبول کرنے کا اقرار ظاہری کرے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جسمانی بیماری سے بدن مردہ ہو جاتا ہے اور قلبی روحانی بیماری سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔ قالبِ انسانی میں آنکھ، ناک، کان منافق بدنی بن جاتے ہیں اور ہاتھ پیر بازو مظاہرینِ بدنی ہیں کیونکہ آنکھ بیک وقت کئی طرف پھر جاتی ہے اور ہر بُری اچھی چیز دیکھ لیتی ہے۔ کان بیک وقت اچھی بری آواز سن لیتا ہے۔ ناک بیک وقت اچھی خوشبو بدبو سونگھ لیتی ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں ایک وقت میں ایک کام ہی کرتے ہیں۔ یا اچھا یا برا (از روح البیان) اب یہ بندے کا کام و کمال ہے کہ اپنے آنکھ ناک کو منافقت باطنی سے بچائے ایمان مقبول بدلگائے اور

اپنے ہاتھ پاؤں کو حماقت سے بچائے رفاقت پر لگائے لیاقت پر چلائے حدیث مقدس میں ہے کہ نیک بندے کا پہلا درجہ مسلمان ہونا ہے دوسرا درجہ مومن ہونا ہے۔ مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ اُس کا دل اور زبان درست ہو۔ ایک مرتبہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے پاس سے گزرے جو بھاری پتھر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سوال فرمایا یہ کیا کر رہے ہو، انہوں نے عرض کیا ہم جسمانی قوت کی ورزش کر رہے ہیں مگر یہ پتھر بہت بھاری ہے ہم سے کوئی بھی ابھی تک اٹھا نہیں سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ روحانی ورزش پر زیادہ توجہ اور وقت دیا کرو روحانی ورزش کے پتھر اِس سے بھی زیادہ بھاری ہیں، جسمانی پتھر بازوؤں پر بھاری ہوتے ہیں روحانی پتھر عقل و دماغ، نفسانی طبیعت اور انانیت پر بھاری ہوتے پھر فرمایا، جو شخص اپنے مومن بھائی سے ناراض ہو مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس شیطان پر غالب آکر مومن بھائی سے راضی ہو جائے اُس نے گویا بھاری پتھر اُٹھایا، فرمایا آقاء دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تین چیزیں باعث ہلاکت ہیں اور تین چیزیں باعث نجات ہیں ۱۔ طبعی بخیلی ۲۔ دینوی خواہشات کی پیروی ۳۔ خودی لپسندی یہ تینوں باعث ہلاکت ہیں، باعث نجات چیزیں ۱۔ ظاہر و پوشیدہ میں رب تعالیٰ سے ڈرنا ۲۔ غصہ اور خوشی میں انصاف کرنا ۳۔ مفلسی اور تونگری دونوں حالتوں میں کفایت شعاری اور سخاوت قائم رکھنا صوفیا فرماتے ہیں کہ صرف علماء ربانی ہی ہر حالت میں انصاف کر سکتے ہیں اس لیے کہ علم نور ہے۔ اس سے ظلمتِ نفس مٹتی ہے اور نفس پر ایسا قابو ہوتا ہے کہ ہوش وعقل اور بیدار مغزی بطریقۂ احسن استعمال کر سکتا ہے۔ علماء علم قرآن وحدیث ہی رب تعالیٰ کے محاسبے کا خیال رکھتے ہیں۔ ایک حدیث مقدس میں ارشادِ نبوی ہے مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور نیک لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں لیکن ایسا شخص جو لوگوں سے محبت نہ کرے اور اہل ایمان لوگ اس سے محبت نہ کریں بلکہ اُس کی عادتوں سے نفرت کریں اس میں کوئی ایسی خوبی نہیں کہ اچھا مسلمان کہا جائے۔ مسلمانوں کی آپس میں محبت وہ ہے جو رب تعالیٰ کے لیے کی جائے نہ کسی رشتے داری کے واسطے سے ہو اور نہ کسی لالچ کے لیے بارگاہِ الٰہی میں محبت کی اطاعت و اتباع کا درجہ بہتر ہے ضعف کی اطاعت و اتباع سے اس لیے کہ محبت کی اطاعت کا تعلق اندرونِ قلب

سے ہوتا ہے اور خوف کی اتباع و اطاعت کا تعلق باہر سے ہے۔ دیکھو تنوں پھلوں
پھولوں پر خزاں آجاتی ہے مگر جڑ پر کبھی خزاں نہیں آتی۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو دیئے گئے علم کہ بے شک وہ منسوخ و محکم ہونا حق ہے

اور اس لیے کہ جان لیں وہ جن کو علم ملا کہ وہ تمہارے رب کے پاس سے حق

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ط

آپ کے رب کی طرف سے لہٰذا ایمان لے آئیں اس پر پس آمادہ ہو جائیں ایمان لانے کے لیے ان کے دل

تو اس پر ایمان لائیں تو جھک جائیں اس کے لیے اُن کے دل

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ

اور بے شک اللہ البتہ ہدایت دینے والا ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لا چکے سیدھے

اور بے شک اللہ ایمان والوں کو سیدھی راہ چلانے

مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ

راستے کی طرف اور نہ ہٹیں گے یعنی پڑے رہیں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے جھگڑا آمیز شک میں

والا ہے۔ اور کافر اس سے ہمیشہ شک میں رہیں گے

مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

اس صراطِ مستقیم کی حقانیت سے یہاں تک کہ آجائے ان کے پاس قیامت اچانک یا آجائے

یہاں تک کہ اُن پر قیامت آجائے اچانک یا اُن پر ایسے دن کا

أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ

اُن کے پاس بانجھ کرنے والے (بے فائدہ کرنے والے) دن کا عذاب خالص بادشاہی

عذاب آئے جس کا پھل اُن کے لیے کچھ اچھا نہ ہو۔ بادشاہی

يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا

اُس دن اللہ کے لیے ہے فیصلہ فرما دے گا اُن تمام انسانوں کے درمیان تو وہ لوگ جو ایمان لاتے رہے

اُس دن اللہ ہی کی ہے وہ انھیں فیصلہ کر دے گا۔ تو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

اور عمل کیے نیک رہائش کریں گے وہ نعمتوں والے باغوں میں۔

اور اچھے کام کیے وہ چین کے باغوں میں ہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ابلیس شیطان کو کچھ ہاتوں میں ڈھیل دینے کی حکمتوں کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں چند دوسری حکمتیں و مصلحتیں بیان کی جا رہی ہیں دوسرا تعلق پچھلی آیت میں دو حکمتوں کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں اُن حکمتوں کے فوائد بیان ہوئے کہ مومن اور کافر میں تھوڑی چھانٹ دنیا میں ہی ہوگی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں کفار کی تین خصلتیں بیان ہوئیں ۱۔ دل میں بیماری ۲۔ قلبی سختی ۳۔ بڑے جھگڑالو۔ اب ان آیت میں ان کی چوتھی خصلت کا ذکر ہو رہا ہے جو سبب ہے اُن تین کیفیتوں کا یعنی شک کی بیماری بے لا علاج ہوتی ہے۔

تفسیر نحوی وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ واؤ سے جملہ لام کے تعلیلیہ ہے اَنْ ناصبہ کی طرح فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اور مابعد جملے کو ماقبل عبارت کی علت بناتا ہے۔ یَعْلَمَ فعل مضارع مثبت معروف

واحد مذکر غائب باب سَمِعَ سے عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا، متعدی بیک مفعول ہے اَلَّذِیْنَ
اسم موصول بیانات میں سے ہے بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے یَعْلَمَ کا اُوْتُوْا باب افعال کا
فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب مثبت مجہول مصدر ہے اِیْتَاءٌ اَتٰی سے مشتق ہے بمعنی دینا
اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ اَلْعِلْمَ اسم معرف باللام الف
لام حرفی عہد خارجی تعظیمی مراد ہے بڑا علم خصوصی علم یعنی دینی علم یہ مفعول بہ ہے اُوْتُوْا کا یہ
سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر فاعل ہے یَعْلَمَ کا اَنَّ حرف
مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم۔ اَلْحَقُّ اسم معرفہ موصوف ہے مِنْ رَّبِّکَ یہ مرکب اضافی مجرور
ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے یہ مرکب
توصیفی خبر ہے اَنَّ کی اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَعْلَمَ کا
یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ یُؤْمِنُوْا باب افعال کا مضارع مثبت
معروف جمع مذکر غائب بحالت نصب ہے یَعْلَمَ کے عطف کی وجہ سے دراصل تھا یُؤْمِنُوْنَ
آخر کی نونِ اعرابی مرفوع گر گئی نصب کی وجہ سے اس کا مصدر ہے ایمانٌ بِ جارہ
بمعنی علیٰ فوقیت والا، ہٖ ضمیر کا مرجع سابقہ اعمالِ الٰہیہ منسوخ و محکم کرنا یہ جار مجرور
متعلق ہے۔ یُؤْمِنُوْا کا یہ فعل با فاعل اپنے اس متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
علیہ فَ عاطفہ بمعنی واؤ عاطفہ تُخْبِتَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مؤنث
غائب خَبْتٌ سے مشتق ہے بمعنی عاجز ہونا۔ مائل ہونا جھکنا یہاں ہر معنی مناسب ہے مصدر
ہے اِخْبَاتٌ باب افعل میں آکر متعدی باللام ہوا۔ لام حرف جر لَہٗ تُخْبِتَ ہٗ کا مرجع ایمان لانا ہے
باللہ تعالیٰ ہے قُلُوْبُھُمْ یہ مرکب اضافی فاعل ہے تُخْبِتَ کا یہ تُخْبِتَ بحالت فتحہ ہے فَیُؤْمِنُوْا
پر عطف تابع کی وجہ سے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے فَیُؤْمِنُوْا پر دونوں عطف مل کر
معطوف یَعْلَمَ کے جملے پر وہ سب عطف مل کر علت ہے ماقبل ثُمَّ یُحْکِمُ کی عبارت پر واؤ
سیر جملہ اِنَّ حرف مشبہ لفظ اللہ اُس کا اسم، لام حرف تاکید ھَادِ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد
مذکر دراصل تھا ھَادِیٌ۔ آخر کی یٰ تخفیف (لفظ ہلکا کرنے) کے لیے اتصال با اسم موصول
کی وجہ سے گر گئی اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ھُدًی سے مشتق
ہے بمعنی راستہ دکھانا یا راستے تک پہنچانا یا منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ یہاں پہلے دو معنی ہو
سکتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر آمَنُوْا باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف

جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ اِلٰی جارہ انتہا کے لیے صِرَاطٍ ایک لغت سِرَاطٌ بسین سے ہے۔ سَرْطٌ سے مبالغے کا صیغہ ہے بروزن فِعَالٌ بمعنیٰ نگلنا چونکہ راستہ گلی کوچہ شاہراہ بھی راہ رَو کو اپنے اندر نگل یعنی سما اور چھپا لیتا ہے اس لیے رستے کو صراط کہا گیا۔ یہ موصوف ہے مُسْتَقِیْمٍ۔ باب استفعل کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِسْتِقَامَۃٌ، جو دراصل اِسْتِقْوَامٌ تھا تعلیل کے بعد اِستقامۃٌ ہوا قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کھڑا ہونا، بالکل سیدھا قیام کر سکنا، ہر صاف ستھرا سیدھا اور ضرورت کے مطابق کھلا راستہ مستقیم ہوتا ہے کہ چلنے والے اس پر نہایت آسانی فراخی سے چل سکتے ہیں۔ یہاں مراد ہے شریعت کا راستہ۔ باب استفعال میں طلب کے معنیٰ پائے جاتے ہیں تو گویا کہ معنیٰ یہ ہوئے کہ یہ راستہ اپنے متوازن معتدل اور ہموار رہنے کی وجہ سے خود چاہتا ہے کہ مجھ پر چلا جائے۔ یہ صفت ہے اس لیے مجرور ہے یہ مرکّب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے ھَادٍ اسم فاعل کا سب مل کر اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اِسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ اسماءِ مبنیات میں چار قسم کے الفاظ مبہمات کہلاتے ہیں یعنی ان کا ترجمہ تو ظاہر ہوتا ہے مگر معنیٰ مراد پوشیدہ اور غیر معین ہوتی ہے ۱۔ اسماءِ ضمائر ۲۔ اسماءِ کنایات ۳۔ اسماءِ موصولہ ۴۔ اسماءِ اشارات ان کے معنیٰ میں ابہام ہوتا ہے بدین وجہ ان کو مبہمات کہتے ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم بِالصَّوَاب۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ حَتّٰی تَاْتِیَہُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً اَوْ یَاْتِیَہُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ ونحر جملہ لَا یَزَالُ۔ باب فتح کا فعل مضارع منفی بلا معروف واحد مذکر غائب۔ زَوَالٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے اپنی جگہ سے ہٹنا، سرکنا، جدا ہونا۔ بدلنا، ختم ہونا۔ پہلی حالت کا ختم ہونا حقیقتاً یہ خود منفی ہے پہلی حالت کی لاءِ نافیہ نے آکر نفی کی نفی کر دی۔ یعنی ختم و جدائی و تبدیلی نہ ہوگی اور چونکہ نفی کی نفی ثبوت ہوتا ہے اس لیے اب معنیٰ ہوا کہ رہیں گے۔ یا ایسا ہی رہے گا اَلَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا فعل با فاعل فِیْ حرف جر ظرفیۃ مکانیہ کے لیے مِرْیَۃٍ اسم مصدر مَرْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شک کرنے میں کسی کو جھٹلانا یا طعنہ دینا یا غلط کہنا۔ عربی میں شک کرنے کے لیے چھ لفظ ہیں ۱۔ رَیْبٌ ۲۔ تَرَدُّدٌ ۳۔ شَکٌّ ۴۔ ظَنٌّ ۵۔ وَھْمٌ

۱۰ مُرِیَّۃ اس ہیں تفصیلی فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہاں
حاصل مصدر جامد ہے مجرور ہو کر متعلق اوّل ہے لَا یَزَالُ کا کَفَرُوْا فعل با فاعل جملہ
فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر فاعل ہے لَا یَزَالُ کا مِنْ جارہ ابتداءِ غایت
کے لیے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع صراط مستقیم ہے یا منسوخ و محکم
آیت ہیں یہ جار مجرور متعلق دوم ہے لَا یَزَالُ کا ایک قول ہیں متعلق ہے مِرْیَۃٍ مصدر
کا لَا یَزَالُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے حَتّٰی حرفِ عطف۔ یہ حرف جر بھی
ہوتا ہے مگر یہاں عاطفہ ہے کیونکہ حَتّٰی جارہ اسم مفرد پر آسکتا ہے جملے پر نہیں آتا۔ حتی
عاطفہ ہو یا جارہ پانچ معنیٰ کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۱ انتہاءِ غایت کے لیے۔ یہاں اسی معنیٰ
میں ہے ۲ ابتداءِ کلام کے لیے ۳ تعلیلیہ بمعنیٰ تاکہ ۴ اِلَّا حرفِ استثنا کے معنیٰ
میں بمعنیٰ مگر ۵ حتّٰی عاطفہ بمعنیٰ واؤ عاطفہ تَاْتِیَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف
واحد مؤنث غائب بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ حتّٰی میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ مانا گیا ہے ہُمْ
ضمیر منصوب متصل مفعول بہٖ ہے اَلسَّاعَۃُ اسم معرفہ باللام بمعنیٰ قیامت فاعل ہے
تَاْتِیَ کا اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا بَغْتَۃً اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ اچانک۔ ایک دم
آنا یہ حال ہے اَلسَّاعَۃُ کا یہ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے تَاْتِیَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ یَاْتِیَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف اَتْیٌ سے مشتق
ہے بمعنیٰ آنا ہُمْ اس کا مفعول بہٖ۔ یہ دونوں ضمیریں ۱ تَاْتِیَہُمْ ۲ یَاْتِیَہُمْ
منصوب متصل ہیں ظرفِ مکانی ہیں یا مفعول فیہ یا مفعول بہٖ ترجمہ ہے ۱ ان کے پاس
۲ ان میں ۳ ان کو پہنچے عَذَابٌ اسم مفرد جامد یا صفت مشبہ مبالغہ بروزن فَعَالٌ
عَذَبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سزا مراد ہے اللہ تعالیٰ کی سزا دنیوی یا قبر کی یا حشر کی یا
دوزخ کی مضاف ہے یَوْمٍ اسم مفرد نکرہ مخصوصہ مراد ہے زمانہ یا مخصوص وقت یا دن
ہی مراد ہے موصوف ہے عَقِیْمٍ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل عُقْمٌ سے بنا ہے لغوی
ترجمہ ہے جڑ کٹا درخت اصطلاح بانجھ مرد اور بانجھ عورت کو عقیم کہا جاتا ہے
مذکر مؤنث کے لیے مستعمل ہے ایک قول میں مؤنث کے لیے عقیمۃ ہے۔ اصطلاح
میں ہر اس چیز کو عقیم کہا جاتا ہے جو بے فائدہ ہو نہ خود دے نہ کسی سے فائدہ
لینے دے چونکہ قیامت کا دن کسی کو بھی نسلی اصلی ایمانی دینی دنیوی فائدہ نہ خود دے گا

نہ اُس دن ایمان لانے سے کسی کو فائدہ پہنچے دے گا اس لیے اس کو یوم عقیم کہا گیا ہے یہ صفت ہے یَوْمٍ۔ یہ مرکب توصیفی مضاف ہے عذاب کا یہ مرکب اضافی فاعل ہے یاتی کا سب مل کر جملہ ہو کر معطوف تاتی کے جملے پر وہ دونوں عطف معطوف ہیں لَا یَزَالُ کے جملے پر سب عطف مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا اَلْمُلْکُ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام ملک اسم مفرد جامد معرف باللام مراد ہے تمام علاقہ تمام کائنات۔ علاقہ یا دنیا ہیت حکومت یَوْمَئِذٍ مرکب اضافی ظرف زمانی لِلّٰہِ جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ یا کَائِنٌ یا ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل ظرف مقدم اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ اَلْمُلْکُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَحْکُمُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل مثبت معروف واحد مذکر غائب اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے وہ ہی فاعل ہے بَیْنَھُمْ مرکب اضافی ظرف مکانی ہے یَحْکُمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ حرف تعقیب زائدہ ہے (تعقیب کے لیے نہیں ہے) یہاں اس کا مابعد جملہ بیان ہے یَحْکُمُ کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا باب اِفعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ اَلصّٰلِحٰتِ اسم۔ جمع مؤنث سالم بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے عَمِلُوْا کا فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانی کے لیے جَنّٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بحالت کسرہ خیال رہے کہ جمع مؤنث کا اعراب بحالت رفع تاء تانیث آخر کی مرفوع ہوتی ہے اور بحالت فتحہ و کسرہ (زیر زبر) مجرور ہوتی ہے۔ اس کا واحد جَنَّۃٌ ہے یہ مؤنث ہی ہے اس کا مذکر نہیں ہوتا ترجمہ ہے چھپا ہوا باغ یہ موصوف ہے النَّعِیْمِ اسم معرف باللام صفت مشبہ ہے مبالغے کے لیے بروزن فعیل بمعنیٰ بیشمار نعمتوں اور آرام والا یہ صفت ہے ثابت ہوا کہ نکرہ کی صفت معرفہ ہو سکتی ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ فعل یَسْکُنُوْنَ کا وہ سب جملہ فعلیہ خبر ہے مبتدا کی اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا کا جملہ معطوف علیہ معطوف ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مبتدا ہوا۔ اور اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَیُؤْمِنُوْا بِہٖ فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُھُمْ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ اور دنیا کے ہر مکان میں، حیات دنیوی کے ہر زمان میں یہ شورو

طرب یہ لہو ولعب کے جھاڑ جھنکاڑ اعتراضات شیطانی کی بھرمار شبہات طغیانی کی یلغار اس لیے ہے تاکہ جان لیں اور قلب وعقل سے سمجھ لیں اور فراستِ ایمانی کا شعور پالیں وہ خوش بخت لوگ جو بارگاہ قدس سے علم کا نور دیئے گئے یہ بات کہ عالم دہر میں یہ سب اُتار چڑھاؤ تَرَقّی تَنَزُّل۔ نفسا نفسی افرا تفری، ظلمت وشمعت باطل کی یلغار حق کی تلوار ایک حکمتِ ربانی کے تحت کسی مقصدِ باطنی کے لیے سب کچھ حق ہو رہا ہے، اے بندے اس میں تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے کسی کی چھانٹ ہے کسی کی بانٹ ہے، کسی کے لیے ذلت کی دوری ہے کسی کے لیے عزت کی حضوری ہے، دوری والوں کے لیے یہ القاء وشبہات فتنہ وکفر ہے لہٰذا وہ بدبخت کفر ومنافقت کی قساوت وبیماری میں اور زیادہ دھنستے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن نورِ عالم کی روشنی والے اپنے نبی اکرم، اسلام قرآن، فرمان احکام پر مزید ایمان لے آتے ہیں پھر اس پختگی ایمان اور دولتِ ایقان کے ذریعے ان کے دل اپنے رب تعالیٰ کے خوف جلال، شوقِ جمال، ذوقِ قرب میں خشوع وعجز کے اندر رہتے ہیں اس دولت ونعمت کے لیے عجز خضوع عبادتِ خلوص سے لبریز ہو جاتے ہیں اور بے شک ایسے ہی پاک باز عقل ساز مقبولِ بارگاہ بندوں کو اللہ تعالیٰ ہر طرح کے علم عقل فکر تدبر تحمل تجمل کی قوتِ جرئت مناظرے مقابلے فہم وشعور تفقہ فی الدین کی ہدایتِ کاملہ نصرتِ عاجلہ غلبۂ دائمہ عطا فرمانے والا ہے جو بندے اس ذاتِ کریم پر اور اُس کے ہر کام ہر کلام اور تمام احکام پر صدقِ اقرار، عملی اظہار سے ایمان لا چکے ہیں، وہ ہدایت پانے والے جو ہدایت پکے، سیدھے۔ مقیم مستقیم راستے کی طرف ہے جس میں نہ اعتراضات کے جھاڑ نہ شبہات کے جھنکاڑ نہ منافقت کا تزلزل نہ حماقت کا تذبذب نہ القاءِ شیطانی کا خوف نہ وسواسِ ابلیسی کا نقصان ہدایتِ الٰہیہ وہ پاکیزہ سمجھ ہے جو صرف علماءِ ربانی فقہاءِ ایمانی کو ہی نصیب ہوتی ہے، اسی ہدایت کے ذریعے سچی اور صحیح تفسیرِ آیات وتشریحِ روایات کر سکتے ہیں، یہ سچی سمجھ اور پکی نظر ہی صراطِ مستقیم ہے۔ آیات وروایات کا ترجمہ تو ہر ایک شخص اپنی زبان میں ہی کرتا ہوتا ہے مگر ہدایتِ الٰہی کے پا لینے والے علماءِ حق ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو الہامِ ربانی معلوم ہوتا ہے اور ایک ایک لفظ سے منشاءِ کلام روشن ہوتا ہے لیکن اگر اُسی آیت وروایت کا ترجمہ بے ہدایتے علماءِ سوء کریں تو سراسر القاءِ شیطانی ہوتا ہے، اور بجائے منشاءِ رحمانی کے منشاءِ شیطانی بیان کر جاتے ہیں۔ ہدایت کے علم عطائی والے علماء القاءِ شیطانی کے وسوسوں سے پریشان نہیں ہوتے۔ بلکہ آیتِ قرآنی

کی سمجھ میں ان کے دل اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں اور ایمان پختہ عقیدہ پاکیزہ و مضبوط ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی ہدایت تین قسم کی ہے ۱؎ علم کا مضبوط و کثیر ہونا ۲؎ عالم کا بے خوف اور بے طمع ہونا ۳؎ راستہ احکام صاف و فراخ ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کی وجہ سے بندہ خود بھی شیطنت سے بچا رہتا ہے اور تمام اہل سعادت کو بھی بچا لیتا ہے اور بارگاہِ قدس تک لے جاتا ہے اور طالبِ منزل کو مقصود و مطلوب تک پہنچا دیتا ہے۔ اس ہدایتِ الٰہیہ کو پانے کے لیے بندے میں تین چیزیں ہونا ضروری ہیں۔ ایمانِ کامل۔ نگاہِ بلند عمل پیہم۔ یہ نعمتیں ملتی ہیں احترام نبوت سے اور احترامِ نبوت نصیب ہوتا ہے احترامِ ولایت سے اگر یہ نعمتیں نہ ہوں تو ہدایتِ ربانی کا انعام نہیں ملتا اور انسان کفر شرک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے ایسوں کو سچائی پر کبھی یقین نہیں آتا یہی وہ خفاشِ انسانیت ظلماءِ بشریت ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مغرور۔ ایمان سے مغرور ہی رہتے ہیں ایسا بندہ کبھی کسی صداقت کے نور کو نہیں مانتا خود محروم ہوتا ہے اس لیے دوسروں کو بھی محروم رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وہ انسان ہیں جو مثل شیطین شک کے دلدل میں گرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ ازل کے کافر ہیں۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ۔ اور کبھی نہ زائل ہوں گے۔ نہ ہٹیں نہ نکلیں وہ لوگ جو کافر ہوئے اُسی شک میں سے جو ان کو اسلام کی حقانیت قرآن مجید کی صداقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے بارے میں پڑا ہوا ہے اگرچہ ہزار بار دینِ اسلام کی خوبیاں قرآنِ حکیم کی قدرتیں اور نبی پاک کے حیران کن معجزے اپنی نظروں مشاہدوں تجربوں سے دیکھتے رہیں نوعیت میں شک شخصیت میں شک نبوت کی حقانیت میں شک اور یہ شک اس وقت تک رہے گا یہاں تک کہ افراد کو ساعتِ موت آجائے اور اجتماع کو قیامت کا عذاب آجائے یعنی ہر کافر اپنی موت تک شک میں مبتلا رہے گا اور موت آنے پر تمام قوتوں طاقتوں اور ہر قسم کی بیماری کے ساتھ ساتھ شک کی بیماری بھی ختم ہو جائے گی یہ ان کی انفرادی کیفیت ہے لیکن اجتماعی طور پر تمام کفار میدانِ محشر میں اسلام کی آن قرآن کی جان اور محبوب کی شان دیکھ کر ہی یقین حقانیت کریں گے تب ان کا شک مٹے گا مگر وہ دن ہر طرح ان کفار کے لیے عقیم ہوگا یا نجھ ایسا کہ ہر چیز اصل نسل جدا منحوس ایسا کہ لَا خَیْرَ فِیْہِ اس دن کفار

کے لیے کوئی بھلائی نہ ہوگی۔ اُس دن کے بعد رات نہ ہوگی نہ آرام کا وقفہ عقیم ایسا کہ ایک ساعت پر ٹھہرا رہے گا تپتی دوپہر جلتی دھوپ تڑپاتی گرمی، اُس دن میں نہ سحر کی تازگی نہ صبح کی ٹھنڈک نہ پچھلے پہر کی نرمی نہ شام کا سکون نہ رات کا آرام عقیم کا اصل معنیٰ وہ بانجھ عورت ہے جو پیدائشی ناقابلِ اولاد ہو کیونکہ وہ ساری عمر ایک ہی حالت پر رہتی ہے اُس کے عورت ہونے کے مقصد میں کوئی بھلائی اور فائدہ نہیں ہوتا نہ جنم دینے کی قوت نہ اولاد کی دولت نہ ماں بننے کی محبت نہ مامتا، قیامت کا دن کفار کے لیے ہر طرح مثل بانجھ عورت بے فائدہ بلکہ منحوس ہوگا اسی لیے یوم قیامت کو کفار کے لیے یوم عقیم فرمایا گیا کہ نہ اُس دن اُن کو خیر ملے نہ کسی طرف سے پیار ملے عذاب ہی عذاب ہوگا۔ خیال رہے کہ ہماری اُردو زبان میں بے یقینی کے لیے صرف ایک لفظِ شک مستعمل ہے مگر عربی زبان میں بے یقینی کے لیے آٹھ الفاظ مستعمل ہیں ۱ شک ۲ تردد ۳ ریب ۴ ظن ۵ تذبذب ۶ وہم ۷ وسوسہ ۸ مِرْيَة ان میں فرق اس طرح ہے کہ شک گویا بے یقینی کا درخت ہے، تردد اُس کا تنہ، ریب اس کی شاخیں، تزلزل اُس کے شگوفے تذبذب اس کا پھل۔ وہم اُس کے پتے وسوسہ اُس کے کانٹے۔ مِرْيَة اُس کی جڑ۔ جس طرح درخت کا اوپری ظاہری حصہ کبھی خزاں سے ختم کبھی کانٹ چھانٹ سے کبھی ہواؤں سے۔ کبھی موسمی نقصانوں سے لیکن درخت کی جڑ تا عمرِ شجر قائم رہتی ہے اُس کو نہ خزاؤں کا اثر نہ نقصانوں کی فکر نہ ہواؤں کا ڈر نہ کانٹ چھانٹ کا خطرہ اسی طرح کفر کا مریہ ، لَا يَزَالُ تاعمرِ کافر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ شک مثل جڑ کفار کی تہوں میں دھنسا ہوا ہے۔ اس لیے کفار کے اس شک کو مِرْيَة فرمایا گیا ایسے کفار کو نہ کسی نصیحت کا اثر نہ کسی مصیبت کی فکر۔ آج دنیا میں خرمست و بدمست ہیں مگر قبر میں تڑپیں گے حشر میں روئیں گے مگر اُس رنت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔ آج دنیا میں تو کہیں کفر کی طاقت کہیں ان کا ظلم، کہیں جبر کہیں ملکیت کہیں حکومت کہیں ان کا قانون کہیں توڑ کہیں پھوڑ، کہیں تخریب کہیں تحریک۔ کہیں قتال کہیں فساد، کہیں زور دکھائیں کہیں شور مچائیں، کہیں ان کا ظلم طاری کہیں حکم جاری مگر قیامت کی ساعت میں اُن کا یہ سب کچھ فنا نہ کر نہ فر نہ لڑائی نہ چڑھائی کیونکہ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۔ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ اُس دن جب کہ پوری سرزمین دنیا پر قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوقِ انسانیت کا حشر بھی ہوگا نشر بھی۔ اور حیاتِ دنیوی

کے کھا تو زرا غدلا، اُمرا غرّ یا سب حیاتِ ثانیہ ابدیہ سے زندہ ہو کر ایک میدان محشر میں جمع ہوں گے تب پوری کائنات ارض وسما میں ظاہری بھی باطنی بھی کُلی بھی جزئی بھی فقط اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہو گی اور اُسی کا سب مُلک ہو گا نہ کسی کی ملکیت نہ سلطنت نہ عارضی نہ جزئی نہ ظاہری، اُس دن ہی فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اُن تمام انسانوں کے درمیان جو آج اِس حیاتِ دنیوی میں ظالم ہیں یا مظلوم، جابر ہیں یا مجبور، حاکم ہیں یا محکوم، عادل ہیں یا سرکش، تندرست ہیں یا معذور، عامل ہیں یا معمول سالم ہیں یا ناقص، عاقل ہیں یا بے عقل، بالغ یا نابالغ، مسلم یا کافر، مشرک یا مُوَحِد عاجز ہو یا مغرور، نیک یا بد بنے پھر رہے ہیں، یہ فیصلۂ حق و باطل اُس دن اس لیے ہو گا کہ دنیا صرف دار العمل ہے۔ اے انسا تو یہاں ہر انسان کو مہلت یا ڈھیل کی مدتِ حیات ہے کھُلی چھٹی کی چھوڑ رہے ہے جو چاہو کرتے پھرو، جنت کماؤ یا جہنم بناؤ مومن متقی بنو یا فاسق و کافر۔ لیکن یہ بات سب لوگ ذہن نشین کر لیں کہ وہ لوگ جو اس دنیوی زندگی میں مرنے تک پچے پکے مومن بنے رہے۔ اور شریعت کے عامل امر و نہی کے مطیع، نبوت کے متبع، اعمالِ صالح کے متقی تا عمر بنے رہے تو وہ آخرت کی ابدی زندگی محض اپنے خالق مالک رازق رحیم کریم رب تعالیٰ کے فضل و کرم، محبت و مہربانی سے نعمتوں والی جنت میں گزاریں گے محققین فرماتے ہیں کہ اَلْمُلْکُ میں اَلِف لام استغراقی ہے اور معنی یہ ہے کہ آج دنیا میں بھی اگرچہ ساری کائنات رب تعالیٰ کا ہی مُلک و مِلک ہے لیکن اُس دن ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اِس شان کی ہو گی کہ حیاتِ دنیوی میں تو زمین کے کچھ حصوں پر کچھ انسانوں کی عارضی و جزئی ملکیت سلطنت حکومت قائم بھی ہے جس پر کچھ دن اُن کی من مرضی کا صحیح یا غلط حکم و قانون چلتا بھی ہے مگر یَوْمَئِذٍ اُس قیامت کے دن میں یہ عارضی جزئی وقتی ملکیت و حکومت بھی کسی کی کچھ بھی نہ ہو گی۔ حقیقی شرکت تو آج بھی کسی کی نہیں ہے لیکن ظاہریت سے معمولی مجازی شرکت کا دھوکا لگتا ہے مگر اُس دن یہ مجازی دھوکہ بھی نہ ہو گا اُس وقت تو صرف۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کی شان کا جلوہ آشکار ہو گا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال! اَنَّهُ الْحَقُّ میں تین قول ہیں (۱) بعض نے کہا ہٗ ضمیر کا مرجع فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ہے یعنی شیطانی القا کا منسوخ و ملیامیٹ فرمانا حق ہے (۲) بعض نے کہا۔ اس کا مرجع قرآن مجید کی آیات ہیں۔ یعنی سب

قرآن مجید حق ہے ۲۔ بعض نے کہا اس کا مرجع القاء کی قوت ڈھیل کی مدت اور وسوسے ڈالنے کی طاقت بخشنا شیطین کو لمبی عمر بن عطا فرمانا ہے یعنی یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے اس لیے بے شک یہ سب حق ہے۔ میرے نزدیک تینوں قول درست ہیں کیونکہ ساری کائنات رب تعالیٰ کی مِلک ہے اور اُسی کا مُلک ہے جیسے چاہے تصرّف فرمائے وہ سب حق ہی حق ہے۔ لَهَادِ کی قرأت میں تین قول ۱۔ یہ لَهَادِ ہے اسم فاعل بِلا تنوین اَلَّذِیْنَ سے جڑا ہوا ۲۔ لَهَادٍ اَلَّذِیْنَ ہے تنوین سے اَلَّذِیْنَ سے جدا ۳۔ ایک قرأت میں لَهَادِیْ ہے یٰ کے ساتھ مگر پہلی قرأت مشہور و مکتوب ہے۔ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ کی ہُ کے مرجع میں تین قول ۱۔ اس کا مرجع قرآن مجید ہے یعنی کفار قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے میں تاعمر اور تاقیامت شک کرتے ہی رہیں گے ۲۔ اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے یعنی کفار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شک کرتے رہیں گے ۳۔ بعض نے کہا اس کا مرجع سورۃ نجم کا یہ واقعہ تِلْكَ الْغَرَانِیْق ہے۔ یعنی تاقیامت کفار اس واقعے میں شک کرتے رہیں گے کہ یہ القاءِ شیطانی کیوں اور کیسے تھا، مگر یہ قول قطعًا غلط ہے کیونکہ یہ شک کفار کو نہیں بلکہ چند مفسرین کو ہے کہ ایک گمراہ شخص نے بنا دیا دوسرے اندھے بن کر پیچھے چل پڑے آج کے کفار کو تو پتہ ہی نہیں جب کہ آیت میں تاقیامت شک ہونے کا ذکر ہے لہٰذا پہلے دو قول درست ہیں۔ اَلسَّاعَةُ بَغْتَةً۔ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اَلسَّاعَةُ سے مراد وقتِ موت ہے ۲۔ بعض نے کہا اس سے علاماتِ قیامت مراد ہیں دونوں قول درست ہیں کیونکہ پہلے قول میں انفرادی حیثیت مراد ہے۔ یعنی جو کافر مرتا ہے۔ اس کی مِرْیَةٌ ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ جب موت سے عقل قول فکر سمجھ ختم تو مِرْیَةٌ بھی ختم، دوسرے قول میں اجتماعی حیثیت مراد ہے۔ یعنی تاقیامت کافر ہوتے رہیں گے اور قرآن اسلام، نبوت میں شک کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت کی علاماتِ کبریٰ ظاہر ہوں تب کفر بلکہ نسل انسانیت کا ہی سلسلہ بند لہٰذا اُس ذات مِرْیَةٍ کا کفر ختم ہوگا۔ یَوْمٍ عَقِیْمٍ میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا کہ یوم بدر کو یوم عقیم فرمایا گیا ہے چار وجہ سے یا اس لیے کہ عقیم کا معنیٰ ہے بانجھ اور بے اولاد عورت، تو یوم بدر میں بہت کفار مر گئے ان کی مائیں بے اولاد رہ گئیں یا اس لیے کہ جنگی سپاہیوں کو اَبْنَاءُ الْحَرْب کہا جاتا ہے گویا جنگ اس بانجھ عورت کی مثل ہے جس کی اولاد نہ رہے اس معنیٰ میں یوم بدر کفار کے لیے یوم عقیم ثابت ہوا ۳۔ یا اس لیے کہ عقیم کا مجازی معنیٰ ہے لَا خَیْرَ فِیْهِ جس میں کوئی بھلائی و خیر خیریت نہ ہو، اسی معنیٰ میں خزاں کی خشکی لانے والی ہوا کو اہلِ عرب ریحِ عقیم کہتے ہیں۔ یوم بدر میں بھی کفار کے لیے کوئی بھلائی یا خیریت نہ تھی لہٰذا یوم بدر بھی کفار

کے لیے یوم عقیم ہی تھا، یا اس لیے کہ عقیم کا معنی ہے بوجھل دشوار اس معنی سے یوم بدر کفار کے لیے
بہت ہی عقیم تھا اس دن ایک عظیم کام یہ ہوا تھا کہ فرشتوں نے قتال کفار میں حصہ لیا اس بنا
پر یوم عقیم فرمایا گیا کہ یہ دن کفار پر بہت دشوار اور بوجھل تھا۔ مگر یہ قول اس لیے غلط ہے
کہ آیت میں مِرْیَۃٍ کو یوم عقیم تک دراز فرمایا گیا جس کے بعد مریۃ ختم ہو جائے گی حالانکہ یوم بدر
کے بعد بھی کفار کو مریۃ موجود رہا۔ اور اب تک کفار زمانہ کو ہے ۳ بعض نے کہا کہ یوم عقیم
سے مراد قیامت کی آخری ساعتیں ہیں یہ ہی قول درست ہے وہ دن ہر طرح بانجھ ہے اس
میں کفار کے لیے کوئی بھلائی نہیں، وہ دن پچاس ہزار سال تک مسلسل ایک طرح رہے گا نہ رات
نہ کوئی تبدیلی مثل بانجھ عورت جو تاعمر ایک جیسی بے اولاد رہتی ہے اور اس دن ہر حاملہ اپنا
حمل پھینک کر عقیم اور بانجھ ہو جائے گی پھر کبھی کسی کو دنیوی حمل نہ ہوگا۔ اَنَّہٗ اور بِہٖ اور لَہٗ
تینوں ضمیروں کے مرجع میں دو قول ہیں ۱ بعض نے لکھا ہے کہ ان تینوں کا مرجع قرآن مجید ہے ۲ بعض کے
نزدیک تینوں کا مرجع متفرق ہے۔ یعنی اَنَّہٗ کا مرجع ابلیس کو ڈھیل اور لمبی عمر وسوسا نے کی طاقت
دینا بِہٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ لَہٗ کا مرجع قرآن مجید۔ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا میں ایمان والوں سے
مراد میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد مسلمان ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد ہر
امت کے ایمان والے ہیں یہی قول درست ہے۔

فائدے

ان آیات مقدسہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** دنیا میں جہالت
بہت زیادہ ہے۔ علم بہت تھوڑا ہے اس لیے کہ ہر قسم کا کفر بھی جہالت ہے
اور ہر قسم کا فسق بھی جہالت ہے۔ جہالت ظلمۃ ہے اور علم روشنی ہے یہ فائدہ یہاں
وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کی تخصیص اور اگلی آیت وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
کے عموم سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ یہاں وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نہ فرمایا گیا ایمان
والوں میں سے صرف علم والوں کی تخصیص فرما کر لِیَعْلَمَ اللہُ اَنَّہُ الْحَقُّ۔ کی شان بیان فرمائی
ظاہر ہوا کہ سب اہل ایمان علم والے نہیں ہیں اور اگلی آیت میں کفار کی تخصیص یا چھانٹ
نہ فرمائی گئی بلکہ مطلقاً ہر قسم کے کافر کی یہ کیفیت بیان فرمائی گئی کہ ہر کافر ہر وقت تا قیامت
جب بھی کبھی پیدا ہوگا وہ تاعمر جہالت کی وجہ سے شک میں مبتلا رہے گا۔ اس لیے کہ کفر
کی وجہ سے جہالت اور جہالت کی وجہ سے شک گویا کفر شجر خبیث ہے جہالت اس کی شاخیں
اور شک اس کا پھل۔ یہی حال فسق کا ہے کہ فسق کی وجہ سے جہالت بڑھتی ہے اگرچہ کفر کی

جہالت زیادہ گہری اور سخت ہے اس کا حل شک ہے ۔ **دوسرا فائدہ** علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علم کسبی دوم عطائی دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم کسبی کبھی مفید کبھی نقصان دہ کبھی حجاب اکبر کبھی خیال اکبر اور کبھی دنیا میں پھنسائے کبھی دین میں لے جائے۔ مگر علم عطائی ہمیشہ مفید ہی مفید ہوتا ہے یہ فائدہ اُوْتُوا الْعِلْمَ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی وہ لوگ جن کو رب تعالیٰ کی طرف سے علم عطا فرمایا گیا نہ کہ درس و تدریس محنت و مشقت مطالعۂ کتب شاگردی اُستادی سے حاصل، محض عطاءِ الٰہی سے پایا اسی علم عطائی کا دوسرا نام روشن ضمیری ہے یہی علم وراثتِ نبوت ہے۔ علم کسبی پڑھ کر انسان کبھی گمراہ بھی ہو جاتا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا میں اسی علم کسبی کی طرف اشارہ اسی علم کسبی کو صوفیا نے فرمایا اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرُ دنیا میں فرقے بازی اسی علم کسبی سے پھیلی۔ ہاں البتہ اگر بندہ فسق و فجور سے بچے اور اصل نسل کا پاکیزہ ہو تو علم کسبی خوش قسمتی سے ذریعہ بن جاتا ہے علم عطائی کا عام انسانوں کو دنیا میں دونوں قسم کے علم حاصل ہو سکتے ہیں مگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے تمام دینی دنیوی علوم صرف عطائی ہوتے ہیں۔ انہیں کسی کسبی علم کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو خود آسمانی و زمینی مخلوق کو علم تقسیم فرماتے ہیں **تیسرا فائدہ** شیطانی حرکتیں اگرچہ بہت بری اور نقصان دہ ہی ہوتی ہیں لیکن اگر رب تعالیٰ کا بندۂ مومن پر کرم ہو تو شیطانی حرکتیں بھی اُس کے ایمان کی قوت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ دیکھو شیطان ہر آیت کے نزول پر کفار کو طرح طرح سے ورغلاتا وسوسا تا اور قسم قسم کے اعتراضات سمجھاتا شبہات میں ڈالتا تھا اور آج تک بلکہ قیامت تک کفار اور گمراہوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ مگر شیطان کی یہی حرکتیں ایمان والوں کے ایمان کو مزید مضبوط کر دیتی تھیں اور کرتی رہیں گی کیونکہ اُن کو اپنے علم عطائی روشن ضمیری اور خداداد فراست و بصیرت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شبہات اور وسوسے ابلیس کی طرف سے ہیں اور یہ کہ ابلیس پہلے بھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں بھی ایسا کرتا رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا اُس سے بچنا ہی بچا رہنا ہی مومن متقی کا کردار و کارنامہ ہے یہ فائدہ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**، کافر، منافق اور فاسقین اگرچہ دونوں ہی جہالت میں ہیں مگر فرق یہ ہے کہ فاسق انسان دلائلِ ایمان مان لیتا ہے اور مان کر فسق سے نکل کر سچا مومن بن جاتا ہے لیکن کافر ایسا سخت ظلمتِ جہالت میں پھنسا ہوتا ہے کہ آخر عمر تک جہالت کے اندھیروں سے نہیں نکل پاتا اور مرتے

دم تک شک میں پڑا رہتا ہے۔ تا قیامت ہر قسم کے کافر کا یہی حال رہے گا۔ کوئی دلیل کوئی مسئلہ کوئی مسلک کوئی آیت کوئی حدیث کوئی مشاہدہ کوئی تجربہ تاریخ اُس کے کفر یہ شک کو نہیں توڑ سکتا یہ ہی تجرباتی مشاہدہ ہے یہ مسئلہ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ (الخ) سے مستنبط ہوا، فاسق کی جہالت کا اندھیرا دن کے ہلکے بادل کی طرح ہے اور کافر کی جہالت کا اندھیرا اندھیری سیاہ رات کے گھٹا ٹوپ، کالے بادل کی طرح ہے **دوسرا مسئلہ:** قانونِ شریعت کے مطابق بارگاہ کبریائی میں دو چیزیں نا مقبول ہیں (۱) موت کے وقت کی توبۂ کفر و فسق اور (۲) عذابِ قیامت دیکھ کر ایمان لانا یہ دونوں چیزیں مردود و نا مقبول ہیں۔ یہ مسئلہ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ (الخ) اور اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہی حال توبۂ فسق کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان دونوں وقتوں میں توبۂ کفر، اور ایمانِ کفار بالکل نا مقبول، اور توبۂ فسق دونوں وقت یعنی بوقتِ موت اور بروزِ قیامت کی ناپسندیدہ حَتّٰی تَاْتِیَهُمْ میں حَتّٰی کے لفظ نے بتایا کہ موت کے وقت بعض کفار اور اکثر فساق توبہ کرتے ہیں جیسے مرتے وقت کی فرعون کی توبہ اور روزِ قیامت اکثر کفار کا ایمان لانا کفر کی یہ ضد بازی اور کفار کا دینِ حق قبول کرنے سے غرور و نفور صرف دنیوی زندگی کی خرمستیوں تک ہی رہتی ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسی لہلہاتی زندگی اور ایامِ شباب اور بہارِ جوانی میں ہی سچی پکی اور مضبوط دائمی توبہ کر لیں ایسی ہی توبہ بارگاہِ رب جلّ مجدہ میں پسندیدہ اور محبوب و مقبول ہے، کیونکہ در جوانی توبہ کردن حکم پیغمبر است۔ بہ وقتِ پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار۔ اس شعر میں یہ تبدیلی ہم نے کی ہے مشہور اس طرح ہے۔ در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبر یست یہاں شیوۂ پیغمبری کہنا گستاخی نبوت ہے شیوہ کا معنیٰ ہے طریقہ یعنی جوانی میں توبہ کرنا انبیاء کا طریقہ۔ یہ کہنا اس لیے گستاخی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السّلام کو توبہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی انبیاء کرام علیہم السّلام اپنے لیے استغفار کی دعا عرض کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السّلام کی استغفار کا معنیٰ بھی رحمت کی چادر میں چھپانا ہے توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السّلام گناہ خطا لغزش سے معصوم ہوتے ہیں جیسے ملائکہ بلکہ اُن سے بھی اعلیٰ، معصوم کا معنیٰ ہے گناہ و خطا کا محال ہونا۔ بہر کیف، یہ شعر کسی جاہل نے بے سوچے سمجھے بنا دیا۔ **تیسرا مسئلہ** جنت اور جنت کے درجوں جنت کی نعمتوں کا حصول تین طرح سے ہے (۱) مومن بننے سے جنت (۲) متقی بننے سے جنت کے درجہ (۳) اور

اعمالِ صالحہ سے جنت کی نعمتیں اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو اللہ رسول سے عشق کی حد تک محبت سے اُخروی نعمتیں اور محبت و ادب سے ہی شفاعت ملتی ہے اس حصول کو حصولِ کسبی کہا جاتا ہے۔ حصولِ جنت کا دوسرا ذریعہ حصولِ عطائی ہے۔ اس میں نہ ظاہری ایمان شرط ہے نہ اعمالِ صالحہ کی ضرورت جیسے نابالغی میں فوت شدہ بچے اور پیدائشی وہ مجنون یا مجذوب دیوانے جو اسی حالت میں فوت ہو جائیں ان کو جنت کا ملنا کہ نہ اُن کے پاس ظاہری ایمان نہ اعمالِ صالحہ ایسے مرفوع القلم انسانوں کو اُس ایمانِ نظری باطنی روحانی کی بنا پر جنت اور وہاں کی نعمتیں ملیں گی جو ایمان عالمِ ارواح میں قالُوا بَلٰی سے ملا تھا، مگر دنیا میں عقل کے ساتھ آنے والوں کے لیے عقل فکر علم والا قلبی تصدیق اور زبانی اقرار والا ایمان معتبر ہوتا ہے اسی کو ایمان ظاہری کہتے ہیں غرضکہ حصولِ جنت کے لیے دو قسم کا ایمان ہے اہل عقل کے لیے ایمانِ ظاہری قلبی اور بے عقلوں کے لیے ایمانِ باطنی روحانی معتبر نابالغ بچوں مجنون و مجذوب شخصوں کے پاس نہ عقلی فکر نہ قلبی علم اس لیے اُن کا ایمانِ فطری ہی ذریعۂ نجات کے لیے کافی ہے کیونکہ ان بچوں، دیوانوں، مجذوبوں، مجنونوں کے پاس کفر و فسق بھی نہیں ہوتا جو مانعِ جنت یا مستحقِ جہنم ہو یہ مسئلہ یَحْكُمُ بَيْنَهُمْ اور فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ بَيْنَهُمْ کی ھُمْ ضمیر میں تمام انسان شامل ہیں یعنی بروزِ قیامت تمام انسانوں کے درمیان رب تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا اور انسان دس قسم کے ہیں ۱ عاقل ۲ بالغ ۳ نابالغ ۴ مجنون ۵ مجذوب ۶ مومن ۷ منافق ۸ کافر ۹ ساتر ۱۰ مخدوش۔ ان سب کا ہی فیصلہ قیامت میں ہوگا، کسی کو عطائی جنت کسی کو کسبی جنت۔ مگر جہنم صرف کسبی ہوتی ہے وہ عطائی نہ ہوگی۔ جنت عمل ۲ سے ایمان کے طفیل سے شفاعت سے کرم سے عطا سے۔ لیکن جہنم صرف کسب سے نہ بدلے میں نہ طفیل میں۔ احادیثِ مقدس میں نابالغ اور مجنون و مجذوب کے متعلق یہی ارشادِ اقدس ہے جو یہاں اوپر بیان ہوا۔ اس طرح جنت کے حصول کی یہ پانچ قسمیں بھی احادیثِ مقدسہ سے ثابت ہیں۔ امامِ اعظم نے فرمایا کہ کفار کے نابالغی میں فوت شدہ بچے بھی جنت میں جائیں گے بَيْنَهُمْ میں وہ بھی شامل اور نابالغی میں مسلم کافر سب برابر ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد حنبل اس کے خلاف ہیں مگر ان کا یہ مسلک اس آیت کے خلاف ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

اعتراضات۔ اس آیت پر چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا حتّٰی

تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً۔ پھر فرمایا گیا۔ اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ ساعت کا معنیٰ بھی قیامت ہے اور یوم عقیم کا معنیٰ بھی قیامت تو پھر یہ تکرار کیوں فرمائی گئی۔ **جواب** یہ تکرار نہیں بلکہ وضاحت ہے اس طرح کہ ساعت سے مراد عام اور پورا زمانۂ قیامت ہے یعنی کفار یا تو قیامت کی علامات کبریٰ دیکھ کر ابتدا میں ہی توبہ کرتے ہوئے اسلام قرآن کی حقانیت کا اقرار کر لیں گے۔ اور کہنے لگیں گے کہ نبی کریم حق ہیں ہمارا شک غلط اور بیوقوفی نادانی کی بنا پر تھا یا بڑی بھی دیر لگی تو عذاب دیکھ کر تو ختم ہو ہی جائے گا۔ یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جو اَلسَّاعت کا معنیٰ قیامت کرتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے ساعت سے مراد موت کا وقت لیا ہے اور یوم عقیم سے اصل قیامت مراد لیا ہے اُن پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ پہلے قول میں ساعت سے مراد بڑی بڑی علاماتِ قیامت اور یوم عقیم سے خاص میدانِ محشر میں جمع ہونے کا وقت جب کہ قیامت کی گرمی اور انتظارِ شدید کا عذاب محسوس کریں گے اور تپش سے تڑپینگے **دوسرا اعتراض**۔ نحوی قانون ہے کہ جہاں لفظ یَوْمَئِذٍ بولا جاتا ہے وہاں کوئی جملہ پوشیدہ ہوتا ہے اور یومئذ کی تنوین یعنی آخر کی دو زیریں اُس پوشیدہ جملے کے عوض ہوتی ہے یومئذ کے بعد جو جملہ پوشیدہ ہوتا ہے علماء نحو اُس کی تمثیل عمومی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یَوْمَئِذٍ اصل میں تھا۔ یَوْمَ اِذْ کَانَ کَذَا۔ اس کا ترجمہ ہے۔ وہ دن جب کہ ایسا ہوگا تو اب سوال یہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ تمام مُلک اُس دن اللہ تعالیٰ کا ہوگا فرمایا جائے کہ یہاں کونسا جملہ پوشیدہ ہے اور چونکہ ہر پوشیدہ کی کوئی نشانی ہوتی ہے جس کو قرینہ کہا جاتا ہے جس سے پوشیدہ چیز کے وجود کا یقین و تعین ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی بتایا جائے کہ یہاں اُس پوشیدہ جملے کا قرینہ کیا ہے۔ **جواب**۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نحوی قانون بالکل درست ہے اور یہاں بھی موجود ہے یَوْمَئِذٍ۔ کے بعد ایک جملہ پوشیدہ ہے اصل عبارت اس طرح ہے۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَ اِذْ تَزُوْلُ مِرْیَتُهُمْ لِلّٰهِ۔ یعنی مکمل شہنشاہی اُس دن جب کہ اُن کفار کا شک زائل ہوگا اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس پوشیدہ جملے کا قرینہ اس سے پہلے والی یہ عبارت ہے۔ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ **تیسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں اس آیت ۵۶ میں یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے اہلِ ایمان کے متعلق ارشاد ہوا۔ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ لیکن اگلی آیت ۵۷ میں کفار کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ

مُّهِيْنٌ۔ یہ لفظی تفریق کیوں ہے کہ ایمان والوں کے ثواب کا ذکر کرتے ہوئے تو حرف فَ اشارہ
ہوئی نہ اُولٰئِکَ۔ مگر جزاءِ کفار کا ذکر کرتے ہوئے فَ جزائیہ بھی ارشاد ہوئی اور اُولٰئِکَ
بھی۔ **جواب**:- الفاظِ کلام کی یہ تفریق یہ بتانے کے لیے ہے کہ مومنوں کو جنت اور جنت کی نعمتیں
اور درجے محض رب تعالیٰ کے رحم و کرم اور فضل کی وجہ سے ملے گی نہ کہ اعمالِ صالحہ کے استحقاق
سے مگر کفار کو جہنم و عذابِ جہنم محض اُن کے کفر کی وجہ سے اور اعمالِ کفریہ کے استحقاق سے ملے
گی احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی وضاحت فرما دی گئی ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ہمارے
اعمال خواہ کتنے ہی کثیر ہوں اور بے حد خشوع خضوع خلوص والے ہوں جنت کے مستحق نہیں ہو
سکتے تین وجہ سے ایک یہ کہ ہم اگر دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں تو دنیا میں رب تعالیٰ کی بے شمار
نعمتیں بھی پاتے ہیں نیز ہماری نیکیوں میں سہولت و سعادت کی توفیق بھی اسی ربِ کریم کی
جانب سے ہے دوم یہ کہ ہمارے اعمال صرف عمر کے چند لمحات ہیں مگر جنت و اشیاءِ جنت
ابد تک تو تھوڑی سی چیز اتنی بڑی چیز کی مستحق کیسے ہو سکتی ہے۔ سوم یہ کہ ہمارے اعمال ہماری
سو طرح کی غفلتوں سستیوں، کمزوریوں، بیماریوں، اُلجھنوں، پریشانیوں اور شیطانی وسوسوں
کی وجہ سے ناقص ہو جاتے ہیں لیکن جنت و اشیاءِ جنت ہر طرح کامل تو ناقص عمل کامل جنت
کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر کفار کو اُن کے تھوڑے اعمال اور تھوڑی عمر کے کفر و
شرک کے بدلے میں ابدی جہنم کیوں ملی؟ تو اس کی وجہ یہ کہ اعمالِ کفر و شرک اگرچہ مدت کے اعتبار
سے تھوڑے وقت میں ہیں مگر شدتِ ظلمیت و ہلاکتِ ابدی میں اتنے زیادہ ہیں اور ظلمیت
میں اتنے شدید ہیں کہ کفر کا زنگ ابداً یا ذنگ کبھی نہ اترے اسی کفر و شرک کو سورۃ لقمان کی آیت
۱۳ میں فرمایا گیا۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ اور اہلِ ایمان کے اعمالِ صالحہ کے لیے فرمایا گیا
سورۃ سبا کی آیت ۱۳ میں وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ یعنی کفر شرک اور کفر شرک کے اعمال
ظلمِ عظیم ہیں اور ایمان کے اعمال یعنی مومن بندوں کا شکر بہت قلیل ہیں رب تعالیٰ کی نعمتوں کے
مقابل، خیال رہے کہ ہر کفر میں شرک شامل ہے بت پرستی ہو یا یہودیت نصرانیت یا مجوسیت
لہٰذا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ میں سب کفار شامل اور سب کو ابدی جہنم۔ **چوتھا اعتراض**
یہاں فرمایا گیا فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ اس سے ثابت ہو رہا ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کو جنت
نعیم ملے گی گویا کہ جنت ایمان و اعمال کا بدلہ ہے لیکن کتبِ احادیث میں تقریباً چھ حدیثیں
ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ جنت اور جنت کی نعمتیں کسی ایمان یا اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ

محض رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے ملے گی چنانچہ بخاری شریف نے بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک حدیث پاک اور مسلم شریف نے حضرت جابر سے مسند امام احمد بن حضرت ابوسعید سے طبرانی میں ایک حدیث مقدسہ امام ابوموسیٰ اشعری سے دوسری حدیث پاک حضرت شریک بن طارق سے تیسری حدیث حضرت اسامہ بن شریک سے روایت فرمائی سب کا مضمون یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل کے بدلے میں جنت میں نہ جائے گا بلکہ رب تعالیٰ محض اپنے فضل ورحم سے ایمان والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا ایسا ہی تمام مفسرین فرماتے ہیں لیکن سورۃ نحل کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی قیامت میں رب تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا کہ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ تم جنت میں اُن اعمالِ صالحہ کے بدلے جو تم دنیا میں کرتے تھے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اعمال کے بدلے میں ہی جنت ملے گی اور یہی ایمان و اعمالِ پاکیزہ استحقاقِ جنت ہیں۔ لہٰذا آیت اور احادیثِ مندرجہ بالا مقدسہ اور اقوالِ مفسرین میں تضاد ہے مطابقت کس طرح ہو گی۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ تفسیر مظہری نے یہ جواب دیا کہ سورۃ نحل کی آیت بِمَا كُنْتُمْ کی بے سببیہ ہی ہے مفسرین کا قول بھی درست ہے احادیث کے فرمودات بھی برحق ہیں۔ مطابقت اس طرح ہے کہ حصولِ جنت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی چیز جنت کا داخلہ یہ محض رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوسری چیز جنت کے درجوں کا ملنا یہ اعمال پر موقوف ہے تیسری چیز جنت کی نعمتیں یہ بندے کے خلوص پر موقوف ہیں۔ امام حنّاد نے فرمایا، حضرت عبد اللہ رضی ابن مسعود سے مروی ہے کہ پل صراط سے گزرنا عفو اللہ کے طفیل اور جنت میں دخول رحمۃ اللہ کے طفیل اور تقسیم منازل ومدارج جنت اعمالِ صالحہ کے سبب سے (از کتاب الزہد) مگر اس جواب میں کچھ کمزوری ہے کیونکہ نحل کی آیت میں مطلقاً دخول جنت کو بِمَا كُنْتُمْ سے منسلک فرمایا گیا ہے۔ میرے نزدیک مضبوط جواب یہ ہے کہ مفسرین کے اقوال بھی درست ہیں کیونکہ احادیث مطہرات کے مطابق ہیں اور بِمَا كُنْتُمْ کا فرمانِ اقدس بھی درست ہے مگر بِمَا كُنْتُمْ کی بے سببیہ نہیں بلکہ انعامیہ ہے یعنی اعمال سبب استحقاقی نہیں بلکہ سببِ انعام ہیں اور اس آیت اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ کا معنی یہ ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں اُن اعمال وایمان کے انعام میں جو تم نے کئے احادیث کے بیان کا مقصد بھی یہ ہے کہ اے ایمان والو جنت کا ملنا ایمان یا اعمال کی اُجرت نہیں بلکہ انعام ہے۔ انعام میں شان ہوتی ہے اُجرت میں کوئی شان نہیں۔ صبح سے شام تک مزدور کام کرتا ہے شام کو مالک سے مزدوری

کی اُجرت لے لیتا ہے مگر نہ کوئی شان نہ اعلان ۔ لیکن ایک آدمی کوئی کارنامہ کرتا ہے اُس کو انعام ملتا ہے تو مُلک بھر میں اعلانات ہوتے ہیں تمغے سجائے جاتے ہیں شانیں بیان کی جاتی ہیں تو یہاں اِس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندو تمہارے ایمان و اعمال سے رب تعالیٰ کی خوشنودی اور خوشنودی سے رب تعالیٰ کا فضل و کرم اور فضل و کرم سے جنّتِ نعیم کا انعام اور وہاں اُس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کا انعام دخولِ جنّت ہے ۔ قرآنِ مجید کی تقریباً ستر آیت میں اجرِ آخرت کا ذکر ہے وہاں اجر یعنی ثواب ہے نہ کہ اُجرت، اُجرت و اَجر میں فرق یہ ہے کہ اُجرت استحقاق سے ملتی ہے اور اجر استحسان سے ملتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ یقیناً معرفت والے اہلِ مراقبہ و صاحبِ مکاشفہ کے لیے منزلِ حقیقت مقامِ طریقت کے علم سے معلومات فراہم کرنے کے لیے عالمِ بدنی میں قدرت و حکمت کی جانب سے بے شمار شبہات کے اُتار و ھمیات کے چڑھاؤ، تنزل کے اُلجھاؤ، تفکر کے خلفشار اس لیے آتے رہتے ہیں تاکہ یہ اُلجھنیں فتنہ بن جائیں جہالت کی کمزوری والوں کے لیے اور آزمائش بن جائیں قساوت کی ہلاکت والوں کے لیے ۔ اور بشارت بن جائیں علم کی قوت والوں کے لیے اور جان لیں یہ اہلِ علم، نظرِ بصارت و فکرِ بصیرت سے کہ بے شک اِلقاءِ شیطانی کی مہلتِ طغیانی میں اَسرارِ خلوت کی حکمت اور اظہارِ جلوت کی قدرتِ الٰہی ہے ۔ پس وہ ایمان لائیں عقل و لسان کے کمال سے اور سمجھ رکھیں کہ عالمِ جبر و قدر و ناسوت و لاھوت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب صانعِ عالَم کے فیصلہ ازلیہ قدیمیہ کا نفاذ ہے اور اُس ایمان کی عرفانِ جُزئی سے نورِ سکینہ حاصل ہو جس سے اُن کے قلوبِ مرحومہ عجز و انکسار میں مطمئن ہو جائیں اور قوتِ علمِ لدُنیہ کی شعاعوں سے وہ خوش نصیب لوگ اِلقاءِ شیطانی وَ اَسرارِ روحانی کے درمیان فرق کر سکیں اور جان لیں کہ بے شک ہر آن ہر مکان میں اللہ تعالیٰ ہی حق استقامت کے راستے کی ہدایت عطا فرمانے والا ہے ۔ اس فکرِ امتیاز اور لیاقتِ تمیز، قابلیتِ تفریق کے سبب اُن کے اقدامِ معرفت راہِ طلب میں متزلزل نہ ہوں اور کسی دھوکے میں آکر اِلقاءِ شیطانی کے قبولیت پر مائل نہ ہو سکیں اور فراستِ بصیرت سے اِلقاءِ شیطانی کو جان جائیں اور صرف اُسی کو قبول کریں جو انعام من جانبِ الٰہی ہو ۔ یہ پہچان تجلیات کی شفافیت

صفائی، شدتِ نورانیت اور ضیاء برحانی کی وجہ سے ہوتی ہے (ابن عربی) بے شک اللہ تعالیٰ مبتلا فرماتا ہے مخلص مومن کو فتنے، بلا اور وبا کے امتحان سے اور آزمائش فرماتا ہے اہل اللہ کی اور سالکین راہ معرفت کو حسن بصیرت کا رزق عطا فرماتا ہے اسی بصیرت کے ذریعے بندۂ طالب حق و باطل کے درمیان تمیز و تفریق کر سکتا ہے۔ ایسے روشن ضمیر بندوں پر شک کے بادل سایہ نہیں کر سکتے یا کہ آفتابِ عمل کی تپش سے چھٹ کر دور ہو جاتے ہیں اور غفلت کے پردے چھٹ جاتے ہیں پھر ان میں فتنے، بلا فساد و وبا کا دھواں اثر نہیں کرتا جس طرح زمین کثافت کا غبار سورج کی شعاعوں کو متاثر نہیں کرتا اور دن کی بلندی کے وقت ار تفاعِ ہدایت کا سورج چمکتا رہتا ہے اس لیے کہ بے شک ظاہر و باطن، سری و خفی، قربِ منزل، وصلِ انوار کی ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی تائید سے صراطِ مستقیم میسر ہوتا ہے، نہ کہ انسان اور اس کی طبیعتِ صالحہ کی طرف سے اسی ہدایت کے فیض کی وجہ سے بندۂ معرفت شکوک و شبہات کے کانٹوں سے بچتا ہوا نکلتا چلا جاتا ہے منزلِ حقیقت کی طرف۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ۔ اور بے شک وہ بدبخت و بدقسمت لوگ جن کی بد طینتی، بدعملی، رذالت، خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نفسِ امارہ کے سپرد کر دیتا ہے اور ان کی طبیعت کی وجہ سے ان کو رسوا کر دیتا ہے ان سے شک اور وہم کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ نہ کبھی زائل ہو، ایسے کفار ہر ایمانیات صالحات میں اپنی ضلالت و حماقت جہالت و سفاہت سے شک ہی کرتے رہیں گے۔ اگرچہ علماء صلحا ان کو بچانے کی ہر کوشش کر لیں ہر الجھن ہر شبہ کا علم و فکر کے تسلی بخش جواب دیتے رہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں غبی مثل قارون ہے قارون نفری کو جب زمین عبرت اپنے اندر کھینچتی ہے تو کوئی بھی موسیٰ و ہارون اس کو نہیں بچاتا، فرماتے ہیں کہ جس کی ناک ہی بند ہو کر مٹ گئی اس کو عطار کیا فائدہ دے سکتا ہے، آئینے کے زنگ کو پتھر کی رگڑ سے تو صاف کر سکتے ہیں مگر پتھر کو آئینہ نہیں بنا سکتے پس عاقل پر واجب ہے کہ قرآن مبین کے امر پر تسلیم و رضا کا سجدہ کرے اور اصلاحِ نفس کی کوشش کرتا رہے اور موتِ یقینی کے آنے تک قائم فی اللیل ہو جائے کیونکہ نفسِ امارہ سحار بھی ہے مکار بھی۔ حیلہ باز بھی ہے بہانہ ساز بھی ہے غدار نازبھی ہے فسادِ کار بھی (از تفسیر روح البیان) ابلیسیت کے پردوں میں چھپنے والے شک و شبہات کے حجابات میں ہی رہتے ہیں یہاں تک کہ ایسے وقت کا عذاب بعدۂ

مایوسی حائل ہو جائے جس کی حقیقت ہی نہ جانی جا سکے اور اُس کی حقیقت کا بیان نہ ہو سکے یا شدتِ ہولناکی کی وجہ سے یا ایسے وقت کی وجہ سے جس کی شدت اور کرختگی بے مثال ہو اور اس میں پورا زمانہ کسی طرح کی خبر نہ ہو۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۔ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔ کیا شدتِ کمال وصنتِ عروج کی وہ گھڑی ہوگی جب واقع ہو جائے گی یومِ فراق کا عذاب اور قائم ہو جائے گی حسابِ افکار کی قیامتِ اضطراب صغرای، اُس دن قلب و قالب پر ظاہری باطنی، حقیقی مجازی، کلی جزئی، دائمی ابدی سلطنت صرف اللہ تعالیٰ، جبار و قہار، عادل غالب، غفار و ستار کی ہوگی ہر نفس کی ہر قوت فنا ہو جائے گی کوئی رد کنے منع کرنے والا نہیں رہے گا کیونکہ اُس خالق کائنات کے سوا کسی کی کوئی قدرت قوت طاقت سلطنت حکم قانون نہ ہوگا نہ رہے گا، اُس دن مقامِ قرب و بعد، اور منزلِ سعادت و شقاوت کا فیصلہ وہ ہی غالب و عزیز جَلَّ و علا، ہر لطیف و خبیث، کثیف و کسیل، کثیر و قلیل کے درمیان فرمائے گا تب یقینِ طریقت کے ایمان والے اور عدالتِ شریعت کے اعمال والے صفاتِ رحمانیہ کی جنّاتِ قرب و وصل میں نعمتیں پاتے والے ہوں گے۔ اہلِ طریقت کے نزدیک ایمان باللہ ہی ایمان حقیقی ہے اور ایمانِ حقیقی وہ ہے جس میں کسی قسم کی منافقت نہ ہو اور اعمال صالحہ وہ ہیں جس میں ریاکاری یا نام و نمود نہ ہو۔ اور عمل اگرچہ کم ہو مگر دائمی ہو۔ روایتِ پاک میں ہے کہ جنّتِ نعیم میں سب سے پہلے وہ بندے جائیں گے جو ثنا خوان ہیں اور ثنا خوان وہ ہیں جو ہر حال میں رب تعالیٰ کی ثنا کریں محبوبین کی تعریف و توصیف بھی ثناءِ کبریائی ہے، جو شخص چھینک مارتا ہے یا ڈکار لیتا ہے پھر نہایت خوشی و فرحت سے کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ یعنی اے میرے اللہ ہر حال میں تیری حمد و شکر ادا کرتا ہوں۔ باری تعالیٰ ہر بیماریاں اُس بندے سے دور فرما دیتا ہے۔ اگر کسی بندے کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملے اور وہ بندہ حمدِ الٰہی کرے تو یہ حمد بروزِ قیامت اس بندے کے لیے دنیا کے ہزار گنا سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شکر اور شاکرین کو بہت ہی پسند فرماتا ہے۔ اور حمدِ الٰہی دنیا کی ہر نعمت سے افضل، تو معنی یہ ہوئے کہ بندے نے رب تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت دنیاوِ فانی میں خرچ کی اور شکریہ میں حمد و ثنا کر کے آخرت کے خزانے جمع کر لیے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے کچھ فائدہ حاصل کر کے اس کو یہ دعا دے کہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا یعنی اے میرے مومن بھائی اِس فائدے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تجھ کو اس سے اچھا بدلا دے

تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اگر بندہ سالہا سال ریاکاری سے عمل کرے اور ان اعمال کے ذریعے دنیا میں بہت اثر و رسوخ اور بلند مرتبہ حاصل کرے تو وہ آخرت میں کسی ثواب کی امید نہ رکھے کیونکہ اس کو دنیا میں بدلہ مل گیا۔ ریاکاری کی توبہ یہ ہے کہ اتنے ہی عرصے خلوص کے اعمال کرے ورنہ ... کرے اور اس اثر و رسوخ اور بلند مرتبے سے منہ موڑے بلکہ دور ہٹ جائے جو اعمالِ ریا سے اس کو حاصل ہوا۔ اور اپنی جان کو تکالیفِ آخرت اور ذلت کو ذلتِ آخرت سے بچانے کے لیے روپوش ہو کر نفلی اور مخلص ہو کر فرضی عمل کرتا رہے۔ یہاں تک اس کو موت آجائے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ

اور وہ لوگ جو کافر بنے اور جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پس اسی وجہ سے موجود ہے

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں اُن کے لیے

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ

ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب۔ اور وہ لوگ جنہوں نے مکمل ہجرت کر لی اللہ

ذلت کا عذاب ہے اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

کے راستے میں پھر قتل کئے گئے یا فوت ہو گئے البتہ ضرور رزق دے گا انکو اللہ بہت ہی اچھا رزق

اپنے گھر بار چھوڑے پھر مارے گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھی روزی دے گا

اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ

اور بے شک اللہ البتہ وہی ہے تمام رزق دینے والوں سے اچھا

اور بے شک اللہ کی روزی سب سے

الرّٰزِقِیْنَ ﴿۵۸﴾ لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا

رزق دینے والا ۔ البتہ ضرور داخل کرے گا وہ اللہ ان کو ایسے پاکیزہ گھر وں میں کہ وہ لوگ

بہتر ہے ۔ ضرور انہیں ایسی جگہ لے جائے گا جسے وہ

یَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۵۹﴾

بہت ہی پسند کریں گے ان کو اور بے شک اللہ البتہ بہت جاننے والا ہے تحمل سلوک کرنے والا ۔

پسند کریں گے اور بے شک اللہ علم اور حلم والا ہے ۔

ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ

تقدیر الٰہی کا فیصلہ ۔ یہی ہے ۔ اور جس نے سزا دی اُسی کی برابر جو پہلے ایذا دیا گیا تھا

بات یہ ہے ۔ اور جو بدلہ لے جیسی تکلیف پہنچائی گئی تھی ۔

بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ

جس سے پھر بھی زیادتی کی گئی اس پر البتہ ضرور مدد کرے گا اس کی اللہ بے شک

پھر اُس پر زیادتی کی جائے تو بے شک اللہ اُس کی مدد فرمائے گا بے شک

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ۔

اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں مومنین کے اُخروی ٹھکانے جنت کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں کافرین کے اُخروی ٹھکانے عذاب مہین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سیدھی

راہ چلانے والا ہے یہی سیدھی راہ اللہ کا راستہ ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنے والوں کے لیے دنیوی مصائب و تکالیف بہت ہی **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔ اب اِن آیت میں ہدایت کی نوعیتیں اور کیفیتیں بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ **شانِ نزول**۔ ایک دفعہ چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ جو مسلمان جہادوں میں شہید ہو گئے اُن کے مرتبے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہر جہاد میں شامل رہیں گے لیکن اگر ہم کو شہادت نہ ملی اور بعد میں بے شہادت موت آئی تو ہمارا بارگاہِ الٰہیہ میں کیا حال ہوگا۔ اُن کے جواب کریمانہ میں یہ آیت نازل ہوئیں از ۵۵ تا ۵۹)

تفسیر نحوی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ واؤ عاطفہ اس کے مابعد کلام کا عطف ہے ماقبل فَالَّذِيْنَ کے جملے پر ایک قول میں واؤ ہر جملہ اور اگلی عبارت مبتدا و خبر ہو کر بنا جملہ ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول كَفَرُوْا باب نصر کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ كَذَّبُوْا باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَكْذِيْبٌ بمعنی جھٹلانا جھوٹا کہنا كِذْبٌ سے بنا ہے بمعنی جھوٹ بولنا جھوٹا ہونا یہ مادہ مصدر لازم ہے تفعیل میں آکر متعدی بیک مفعول ہوا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اَلَّذِيْنَ ہے ب حرفِ جر تعدیہ کی بمعنی کو اٰيٰتِنَا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے كَذَّبُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے كَفَرُوْا پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا فَ سببیہ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعیدی مبتدا ہے لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا عَذَابٌ اسم مفرد جامد عَذْبٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے روکنا یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے میٹھے اور ٹھنڈے وافر پانی کو عَذْبٌ اسی معنی میں کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روک دیتا ہے عدالتی سزا کو عذاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے سبب سے مجرم جرموں سے رک جاتا ہے یہاں اُخروی سزا مراد ہے۔ بلحاظ تذکرے کے اُس کو عذاب کہا گیا ہے کہ تاکہ بار بار اس کی یاد دہانی سے بندے شرعی جرائم فسق و فجور شرک و کفر سے باز آجائیں یہ موصوف ہے مُهِيْنٌ باب افعل کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِهَانَةٌ هَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی ذلیل و رسوا کرنا۔ تعلیل سے پہلے اِهْوَانٌ

تھا یہ صفت ہے عَذَابٌ کی یہ مرکب توصیفی غائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ
اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی اُولٰئِکَ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر سبب ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا
کا۔ واؤ سیر جملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ھَاجَرُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اِس کا
مصدر ہے مُھَاجَرَۃٌ۔ یہ مفاعلہ تکرار دو طرفہ کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے یعنی مکمل سب
کچھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اور اگر تکرار کے لیے ہو تو معنیٰ یہ ہو گا کہ مومن نکلتے والے کفار
نکلنے والے اِس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ فِیْ حرف جر ظرفیۃ مکانی کے لیے
سَبِیْلِ۔ اسم مفرد مبالغہ جمع ہے سُبُلٌ سَبْلٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے لٹکنا لٹکانا چونکہ راستہ
اپنی لمبائی کے اعتبار سے منزل تک لٹکا ہوتا ہے اس لیے اِس کو سبیل کہتے ہیں یا مسافر کی نگاہ
منزل آنے تک لٹکی رہتی ہیں یا ہر کام لٹکا رہتا ہے اس لیے بھی راستے کو سبیل کہتے ہیں۔ یہ لفظ
مذکورہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے اردو میں اس ترجمہ راستہ بھی ہے یہ مذکر ہے اور
راہ بھی یہ مؤنث ہے یہ مضاف ہے اللّٰہِ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے ھَاجَرُوْا
کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف تعقیب تراخی کے لیے یعنی بہت دیر
بعد قُتِلُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول مثبت جمع مذکر غائب قَتْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جان سے
مارنا، جان نکال دینا۔ خواہ کسی طرح سے بھی ہو۔ اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ فعل با فاعل
جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ اختیار یہ یعنی ماقبل اور مابعد میں سے ایک اچھا مَاتُوْا باب
نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مَوْتٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ مرنا۔ اس کا فاعل ضمیر
صیغہ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف قُتِلُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر پھر معطوف
ہے ھَاجَرُوْا کے جملے پر سب عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مبتدا۔ لَیَرْزُقَنَّ
باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد مذکر غائب رِزْقٌ سے مشتق
ہے بمعنیٰ روزی دینا۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ اللّٰہُ اس کا فاعل رِزْقًا مفعولہ
بمعنیٰ مفید چیزیں غذائیں وغیرہ موصوف ہے حَسَنًا۔ اسم نکرہ اس کی تنوین تعظیمی ہے یعنی بہت
زیادہ حَسَنٌ کا معنیٰ ہے پاک صاف طیب حلال خوب صورت۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول
بہ دوم ہے لَیَرْزُقَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے وَالَّذِیْنَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ
ہو گیا۔ خیال رہے کہ حَسَن اور حُسن کا لغوی معنیٰ چیز میں تناسب توازن اور اعتدال پیدا ہونا وہ
اشیاء مفید ہوتی ہیں جن میں یہ تینوں باتیں (خوبیاں) ہوں اگر ان میں سے ایک بھی نہ رہے تو

چیز بیکار بلکہ نقصان دہ بن جاتی ہے ان ہی تینوں خوبیوں سے اشیا رزقِ حسن بن جاتی ہیں۔ واؤ سیر
جملہ اِنَّ حرفِ مشبہ اللہ اس کا اسم۔ لام کے برائے تاکید هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل
مبتدا ہے۔ خَیْرُ اسم مصدر مضاف بمعنیٰ اسم فاعل۔ لفظ خیر چار قسمیں ہیں ۱۔ شرارت کے مقابل
۲۔ ادنیٰ اور گھٹیا کے مقابل ۳۔ نقصان کے مقابل ۴۔ فتنہ کے مقابل۔ لفظِ خیر نو معنیٰ میں مشترک ہے
برتری، بلندی، شرافت، فضیلت، کرم، ترجیح، تناسب، فائدہ مند، بخشش کرنے والے یہاں
اسی آخری معنی میں ہے۔ الرّٰزِقِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر یہ فاعل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر
ہے هُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا لَیُدْخِلَنَّهُمْ
مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ذٰلِكَ۔ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ
بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔ لَیُدْخِلَنَّ
بابِ افعال کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مثبت معروف واحد غائب اِدْخَالٌ مصدر
ہے بمعنیٰ داخل کرنا، اندر بلانا یا بھیجنا، رہائش دینا دَخْلٌ سے مشتق ہے یہ مادہ مصدر لازم ہے
بمعنی داخل ہونا هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصلِ مفعول بہ ہے مُدْخَلًا اسم ظرف واحد مذکر بمعنیٰ
داخل ہونے کی جگہ ایک قول میں یہ مصدر میمی ہے پہلے قول میں یہ ظرفِ مکانی ہے لَیُدْخِلَنَّ کا دوسرے
قول میں یہ مفعول مطلق ہے موصوف یَرْضَوْنَ بابِ سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب
رِضًی ناقص یائی سے بنا ہے دراصل یَرْضَیُوْنَ تھا۔ تعلیل نحوی سے یاءِ اصلیہ گر گئی۔ پہلے الف سے
بدلی گئی پھر دو ساکن کی وجہ سے الف گر گیا واؤ نہیں گر سکتی کیونکہ وہ علامت جمع ہے اس کا
فاعل ضمیر صیغہ ہے رَضِیَ کے معنی ہیں خوش ہونا پسند کرنا متعدی بیک مفعول ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ۔ یَرْضَوْنَ
فعل با فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفاق ہے لَیُدْخِلَنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا
واؤ سیر جملہ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل (عمل میں) اللہ اس کا اسم لام کے برائے تاکید عَلِیْمٌ عِلْمٌ سے
اور حلیم حِلْمٌ سے مشتق ہے علیمٌ اسم فاعل مبالغہ واحد مذکر اس کی اشتقاقی جمع علیمین ہے
اور لفظی صفت مشبہ مبالغہ کی جمع عُلَمَاء ہے اسی طرح حلیم کی جمع ہے عِلْمٌ کا معنیٰ جاننا خبر رکھنا
حِلْمٌ کا معنیٰ لغوی ہے کسی چیز کا اپنی انتہا کو پہنچانا اصطلاح میں ہر پختگی کو حلم کہا جاتا ہے
اور علاماتِ بلوغت کو احتلام کہتے ہیں بلوغت انسانی حیوانی زندگی کی ترقی کی انتہا ہے
پھر بڑھاپے کی طرف تنزلی شروع ہو جاتی ہے لفظِ حلیم مخلوق کی صفت بھی ہے اور خالق تعالیٰ
کی بھی یہاں خالق تعالیٰ کی صفت ہے اور ترجمہ ہے قانون ساز۔ قانون کے مطابق ہر بندے

سے برتاؤ کرنے والا نہ کہ جذبات و جلد بازی سے بدلہ و سزا دینے والا جب مخلوق کی صفت ہو تو معنی ہوں گا بردبار تحمل مزاج منکسر یہ دونوں لفظ دو خبریں ہیں اِنّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ذَالِکَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ وہ مبتدا ہے یہاں لفظ اَمْرٌ پوشیدہ ہے بمعنیٰ فیصلہ یا تقدیر الٰہی، دراصل ہے اَلْاَمْرُ ذَالِکَ یعنی تقدیر الٰہیہ کا فیصلہ وہی ہے ایک قول میں ہے ذَالِکَ الْاَمْرُ یعنی وہی فیصلہ تقدیری ہے پہلی صورت میں خبر مقدم اور ذَالِکَ مبتدا مؤخر ہے دوسری صورت میں اپنے اپنے مقام پر ہے بہر کیف یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ مَنْ موصولہ شرطیہ عَاقَبَ۔ باب مُفَاعَلَہْ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت معروف عقبٌ سے بنا ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے بعد میں ہونا اصطلاح میں نتیجہ اور بدلے کو عاقبہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی بعد میں ہوتا ہے۔ بِ جارہ زائدہ مثل اسم تمثیل و تشبیہی مضاف ہے مَا اسم موصول عُوْقِبَ باب مفاعلۃ کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب عقبٌ سے بنا ہے یہاں عقب اپنے مجازی معنیٰ میں ہے تشبیہ عقاب کی وجہ سے اس کو بھی عتاب کہا گیا ورنہ حقیقتاً یہ بعد میں نہیں بلکہ یہ پہلے ہی اصل اسی کا بدلہ میں لینے کا تذکرہ ہے بِہٖ یہ جار مجرور متعلق ہے عُوْقِبَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف بُغِیَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت مجہول بُغْیٌ یا بُغُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ زیادتی کرنا ظلم کرنا بغاوت کرنا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے حد سے بڑھنا اسی کے ماتحت اصطلاحاً یہ لفظ آیا گیارہ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ بگڑ جانا ۲ طلب کرنا ۳ لشکر کی حدود سے نکل کر ہراول دستہ بن جانا ۴ تکبر کرنا ۵ بدکاری کرنا ۶ ظلم و زیادتی کرنا یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۷ کوشش کرنا ۸ حاصل ہونا ۹ آسان ہونا ۱۰ مناسب ہونا ۱۱ ترجیح پانا اس کا نائب فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ مرجع مَنْ ہے اسی طرح عُوْقِبَ کا نائب فاعل ہے عَلَیْہِ جار مجرور متعلق ہے بُغِیَ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے عُوْقِبَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ مِثْلِ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہوا عَاقَبَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی۔ لَیَنْصُرَنَّہٗ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نونِ تاکید ثقیلہ مثبت معروف اس کا فاعل اَللّٰہُ لفظ جلالۃ کی ضمیر کا مرجع بھی اللّٰہُ ہے نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مدد کرنا ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے یہ ضمیر متصل ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے لَیَنْصُرَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ تاکیدیہ ہو کر جزائے شرط۔۔ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم لام کے تاکیدیہ عَفُوٌّ اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ترجمہ ہے سزا کو ختم کر دینا یا اس طرح

کہ شروع ہی نہ ہو یا شروع ہو چکی ہو باقی کو ختم کر دیا جائے اس طرح کہ سزا پوری ہو چکی ہو مگر اُس کے اثرات ونشانات ختم کر دے اور سابقہ مرتبہ وعزت بحال کر دی جائے یہ خبر اوّل ہے اِنَّ کی غَفُوْرٌ اسم مبالغہ بروزنِ فَعُوْلٌ غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنی چھپانا ڈھکنا۔ بخشنا، سزا معاف کرنا۔ اس طرح کہ شروع سے ہی سزا نہ دی جائے نہ طعن نہ احسان جتانا نہ برا بھلا کہنا نہ جھڑکنا۔ یہ خبر دوم ہے اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ سزا معاف کرنے کے لیے انسب اللفظ ہے صَفْحٌ یعنی سزا کو اس طرح معاف کیا جائے کہ صرف مجرم معلوم کرے کہ میں واقعی قابل سزا تھا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ رب تعالیٰ کے فیصلہ ابدی اُخروی کی کیفیت اہلِ ایمان کے لیے وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی۔ لیکن اور وہ لوگ جو کسی بھی قسم کے کفر میں تاعمر کافر بنے رہے۔ ظاہری باطنی شرعی قانونی تا لی گرامی اور اُسی کفر پر مرے۔ ہماری دینی آیتوں اُخروی علامتوں اسلام کی کرامتوں، رب تعالیٰ کے قرآن نبی آخرالزماں کے فرمان صحابہ کرام کے ایمان کے مکذب اور منکر ہی بنے رہے اس طرح کہ کفر کرتے بھی رہے کافر بناتے بھی رہے گمراہی میں پھنساتے کسی کو بہکاتے رہے کسی کو ورغلاتے رہے۔ بے شمار معجزوں قدرتوں کرامتوں کو دیکھنے کے باوجود ہمیشہ جھگڑتے اور بگاڑتے ہی رہے کوئی منظاہر بن کر کوئی منافق بن کر تو وہ ہی لوگ ہیں جن کے لیے ہر قسم کا ذلیل کرنیوالا بڑا اور ابدی عذاب ہے کفر کی وجہ سے عذاب اور کفر کی عظیمت کی وجہ سے ابدیت، لفظ مُّهِيْنٌ عام ہے ہر قسم کی ذِلت کو۔ ذلت کی چھ قسمیں ہیں ۱ ذلت سے لایا جانا ۲ ذلت کی رہائش ۳ ذلت کی خوراک ۴ ذلت کا کلام سننا یعنی لعنت پھٹکار جھڑک ۵ بدبو پھیلی ہونا ۶ درد اور تکلیف کی چیخ وپکار مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر کفر میں شرک موجود ہوتا ہے اسی لیے ہر کفر ظلم عظیم ہے۔ عذاب مہین وہ ہوتا ہے جو خواری میں بھی عظیم ہو۔ رسوائی میں بھی عظیم ہو۔ دردناکی میں بھی عظیم ہو۔ ذلت آمیز گفتگو سننا خواری ہے اور ذلت کی رہائش ملنا رُسوائی ہے ظلم عظیم کا عذاب مہین ہوتا ہے اِس عذاب کا اثر یہ ہوگا کہ جسم کی عزت سر کا غرور عقل کا نفور، نفس کی اکڑ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ایسا عذاب کہ آج دنیا میں اُس کا

تصور بھی نہیں ہو سکتا نہ اُس کی حقیقت بیان ہو سکے یہ فیصلہ عدل ہے اس لیے نہ ملتوی ہو نہ منسوخ
نہ کمی ہو۔ جس طرح دنیا میں تمام کفر و شرک مختلف عقائد و مذاہب و افعال کے باوجود دوستی، تعاون
نصرت، اخوت، کفریت، غرور، تعصب میں مِلّۃ واحدہ ہے اسی طرح آخرت میں مختلف مقام و طبقات
ہونے کے باوجود سب کا عذاب ایک جیسا مُہین ہوگا اہلِ ایمان کے اعمالِ صالحہ جتنا ایک ہیں
مگر شانِ خلوص میں مختلف ہیں اس لیے وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔ اور وہ مسلمان جنہوں نے اولاً
وطن اور قرابت چھوڑ کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ میں رہ کر
فتوحاتِ اسلامیہ کی مشقتوں سفر میں مصیبتوں میں اپنی زندگی کے اکثر لمحات گزار دئے دورِ نبوی
کے سرایا و غزوات کی جنگوں سے لے کر دورِ صحابہ تک اور دورِ صحابہ سے دورِ تابعین تبع تابعین
تک اور دورِ تبع تابعین سے تا قیامت اشاعت قدرت، نصرت، اسلام نبوت کی شان
شریعت کی آن کا چرچہ کرتے اُجاگر کرنے میں ہی عمر گزار دی نہ قتال کا خوف نہ جان کی فکر
نہ آبرو کی تمنا نہ آرام کا خیال نہ حکمت کی چال نہ حکومت کرنے کی خواہش نہ غنیمت کا لالچ
ہر وقت ہر طرح فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا خلوص اپنے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہی جفاکشی کرتے
رہے پھر وہ رضاءِ الٰہی کے طالب نامِ مولیٰ تعالیٰ پر قربانی جان میں قتل کر دئے گئے دشمنانِ
دین کے ہاتھوں یا وہ راہِ ہجرت اور سفرِ جہاد میں فوت ہو جائے، خیال رہے کہ قتل اور موت
میں تین طرح فرق ہے ۱؎ قتل کوئی کرتا ہے موت خود آتی ہے ۲؎ قتل مظلومیت ہے
جس کا مرتکب ظالم ہے اور مقتول یعنی مرتکب مظلوم یا مرتکب عادل ہے اور مقتول مجرم
ہے ۳؎ قتل میں جسم سے روح کا نکلنا بالواسطہ ہے اور موت میں بلاواسطہ ہے جو بندہ
مومنِ راہِ حق میں ہو وہ قتل کیا جائے یا فطری موت سے وفات پائے دونوں کا اُخروی
ثواب ایک جیسا ہے کہ لَيَرْزُقَنَّهُمْ رِزْقًا حَسَنًا اُن سب مجاہدین شہداء اور
مجاہدین اموات کو ایک جیسا رزق حسن دیا جائے گا آخرت میں بھی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ مومن
کو رزقِ حسن عطا فرماتا ہے جنت میں عطا فرمائے گا۔ دنیا میں ہر حلال اور پاکیزہ طیب چیز
رزقِ حسن ہے، جنت کے رزقِ حسن کی بارہ صفات ہیں ۱؎ خوشنما ۲؎ خوش وضع ۳؎ خوشگوار
۴؎ خوش مزہ ۵؎ خوش بو ۶؎ خوش رنگ ۷؎ کثیر ۸؎ ابدی ۹؎ جنت میں ہر جگہ ۱۰؎ ہر قسم کا ۱۱؎ نہ
حصول میں مشقت ۱۲؎ نہ طلب میں تنگی نہ لجاجت نہ قباحت اور بے شک اللہ تعالیٰ
تمام رزق دینے والوں سے اچھا رزق دینے والا ہے کیونکہ خالق بھی ہے مالک بھی غفور

بھی رحیم بھی رب العلمین بھی ایسا کہ دیکر خوش ہونے والا کھلا کر راضی ہونے والا۔ عالم ارواح سے شکمِ مادر تک جنم سے لحد تک، لحد سے لحد تک، لحد سے حشر تک یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ بغیر حساب رزق دیتا ہے۔ بندہ بھی رزق دیتا ہے بندے کو مگر بندے کی دین اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں نو طرح فرق ہے ۱ بندہ بندے کو رزق لے کر دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ رزق بنا کر دیتا ہے دوسرا فرق بندہ صرف اپنوں کو دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ سب کو دیتا ہے تیسرا فرق بندہ صرف ظاہری دیتا ہے رب تعالیٰ ظاہری بھی دیتا ہے باطنی بھی۔ چوتھا فرق بندہ بندے کو صرف جنم سے لحد تک دیتا ہے رب تعالیٰ حشر تک حشر سے ابد تک دیتا ہے۔ پانچواں فرق یہ کہ بندہ اُجرت سے دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ شفقت سے دیتا ہے، چھٹا فرق یہ کہ بندہ اپنے نفع کے لیے دیتا ہے مگر رب تعالیٰ بغیر منفعت کے، ساتواں فرق یہ کہ بندہ غفلت سے دیتا ہے مگر مولیٰ تعالیٰ حکمت سے دیتا ہے۔ یعنی بندہ نہیں جانتا کہ اس رزق سے دوسرے کو فائدہ ہوگا یا نقصان، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے آٹھواں فرق یہ کہ بندہ بندے کو عارضی دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ دائمی دیتا ہے۔ نہم یہ کہ بندہ قلیل دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ کثیر دیتا ہے۔ اس لیے مولیٰ تعالیٰ ہی ہی خیر الرازقین ہے، رزق کا لغوی معنیٰ ہے فائدہ مند چیز اور اصطلاحی معنیٰ ہے عطاء جاری دنیوی ہو یا دینی یا اُخروی اس لیے ہر دنیوی خوراک لباس رہائش رزق دنیا ہے، اور ہر عبادت تلاوت دینی رزق ہے اور جنت کی ہر چیز رزقِ اُخروی ہے، رزقِ دنیوی شکم مادر سے شروع ہوتا ہے، رزقِ دینی بلوغت سے شروع ہوتا ہے اور رزقِ اُخروی قبر سے شروع ہوتا ہے۔ لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔ ان راہِ حق اور سبیلِ الٰہی کے مہاجرین و مسافرین کو ایسے عظیم الشان بہترین خوب صورت مضبوط مکانات میں داخل فرمائے گا وہ رب تعالیٰ کہ دنیا کے مظلومین، دشمن کے مقتولین وطنوں کے تارکین اپنے ربِ کریم کی عطا سے راضی ہو جائیں گے۔ آج اُن گھروں کی بناوٹ سجاوٹ نہ کسی آنکھ نے دنیا میں دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی عقل نے سوچی نہ کسی قلبِ بشر میں تصور ہی آیا، اور بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے اپنے بندوں کا حلیم ہے اپنے دشمنوں پر، علیم ہے نیکوں پر حلیم ہے بروں پر علیم ہے آخرت پر حلیم ہے دنیا پر علیم ہے ہر مومن کے ہر حال پر، حلیم ہے ہر کافر کی ہر حرکت پر علیم ہے قابلیت اور لیاقت پر حلیم ہے دنیا والوں کی قباحت اور خباثت پر بے شک

اللہ تعالیٰ علیم ہے کیونکہ ہر مخلوق کو حکمت سے نعمت دیتا ہے۔ حلیم ہے کیونکہ جلدی سے عقوبت نہیں دیتا۔ علیم کے بھی تین معنی ہیں ۱۔ بہت اور ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا ۲۔ ہمیشہ سے ہمیشہ تک بہت خبر رکھنے والا ۳۔ بہت حفاظت کرنے والا۔ حلیم کے بھی تین معنی ۱۔ بہت درگزر فرمانے والا ۲۔ بہت ڈھیل دینے والا ۳۔ بہت مہلت دینے والا۔ علیم ہے ظاہر کا، خبیر ہے باطن کا، حفیظ ہے سب کا۔ حلیم فاسقین سے درگزر فرمانے والا، کافرین کو دنیا میں ڈھیل دینے والا، مومنین تقیین کو مہلت دینے والا، ایک روایت میں ہے کہ ایک بار صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ مقتولین شہدا کے عالات مقامات درجات و عطیات کا تو ہم کو بتا دیا گیا ہے۔ لیکن مجاہدین مہاجرین جو راہِ جہاد میں جہاد سے پہلے فوت ہو جائیں قتلِ شہادت نہ پا سکیں ان کا کیا مقام ہے۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسے مہاجرین وسفرِ جہاد کے مسافرین مقتولین ہوں یا میتین، اجر و عطیاتِ اُخروی میں شریک ہیں یعنی برابر ہیں اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، دوسری روایت میں ہے کہ فضالہ بن عبید اللہ انصاری صحابی رض کے پاس سے دو جنازے گزرے تو آپ نے پہلے میت کا جنازہ ادا کیا اُس کو دفن کیا اور اُس کی قبر کے پاس کچھ دیر کھڑے پڑھتے رہے پھر شہید کی نماز پڑھی اور تدفین کی گئی کسی نے عرض کیا کہ آپنے شہید کو پیچھے رکھا میت کو مقدم فرمایا اس کی کیا وجہ حالانکہ لوگوں کا ہجوم شہید کی زیارت میں زیادہ تھا، آپنے جواباً فرمایا کہ یہی بتانے کے لیے کہ اے لوگو یہ میت بھی کوئی عام میت نہیں یہ مسافرِ جہاد کی میت ہے اس کا مقام اور اجر و ثواب بارگاہِ الٰہی میں شہید کے برابر ہے کیونکہ دونوں راہِ جہاد اور تیاریِ قتالِ فی سبیل اللہ میں مکمل اور برابر تھے کسی کو قتلِ شہادت نصیب ہوا کوئی پہلے ہی اپنی فطری طبعی موت سے وفات پا گیا تو جس طرح یہاں نصرتِ حق میں دونوں جسماً، نیتاً، سفراً، ہجرتاً برابر کے شامل ہیں اسی طرح وہاں آخرت میں انعاماتِ حق تعالیٰ میں بھی ہر طرح برابر ہیں۔ رزقاً، اجراً، مقاماً، اور پھر یہی آیت پڑھی، میں کہتا ہوں کہ ایک عظیم کرم ہے کہ خالق و مالک ہو کر بھی اپنے بندوں پر انعام فرماتے ہیں علیم ہے مہلت و مہولت دینے میں حلیم ہے۔ بعض لوگوں نے حلیم کا معنی بُردبار کیا ہے معنیٰ غلط اور اللہ تعالیٰ کی بے ادبی گستاخی ہے کیونکہ لفظِ بُردبار لغتِ فارسی کا اسم

فاعل سامی ہے بروُن سے بنا ہے اس کا ترجمہ ہے لے جانا اٹھانا۔ بار کا معنی ہے بوجھ۔ بُردبار کا اُردو میں ترجمہ ہے۔ بوجھ اُٹھانے سے جانے والا، اردو فارسی میں یہ لفظ اُس انسان کے لیے بولا جاتا ہے جو مزاج کا ٹھنڈا اور برداشت کے مادے والا ہو، رب تعالیٰ کے لیے مزاج یا برداشت کے الفاظ استعمال کرنا سخت بے ادبی ہے۔ اللہ ہدایت دے۔ ذَالِکَ، اے محبوب کریم وہ ہی اٹل فیصلہ عِ اُخروی ہے جو آپ کو بتا دیا گیا ہے، ہر انسان کافر و مومن نیک و بد سے وہ ہی معاملہ ہونے والا ہے کہ نیکوں کا یہ اجر بُروں کی یہ سزا قبر سے حشر تک کوئی شان کوئی حال چھپا کر نہ رکھا گیا لہٰذا اے بندو اپنی اپنی فکر کرلو اس لیے کہ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے قرآن و حدیث نے جو بیان فرمادیا وہ ذَالِکَ اور اٹل فیصلہ ہے۔ ذَالِکَ یہ ایک پورا جملہ اسمیہ ہے ما قبل کے ثبوت کے لیے اور مابعد کی تنبیہ کے لیے کہ جس نے اپنے پر یا اپنوں پر ظلم کرنے والوں کو اسی ظلم کے برابر سزا دی یا دِلوائی جتنی تکلیف وہ مظلوم دیا گیا اور ظلم کا پورا پورا بدلہ دیا اس طرح کہ قتال کا بدلہ قتال سے قتل کا قتل سے قصاص کا قصاص سے زخم کا زخم سے اذیت کا اذیت سے، ذلت کا ذلت سے بذریعے ہاتھ یا ہتھیار یا زبان یا عدالت یا جہاد، کوئی زیادتی نہ کی ظلم سے زیادہ سزا نہ دی لیکن پھر دشمن کی جانب سے اس انصاف پسند بندۂ نیک پر بغاوت اور زیادتی کی گئی بغاوت وہ ظلم ہے جو ضرورت سے بھی زیادہ ہو حد سے بھی اور عدالت سے بھی بغاوت کی چار صورتیں ہیں ۱ ایک یہ کہ ارادۃً حد سے تجاوز ہو، دوم یہ کہ بلا ارادہ حد سے تجاوز ہو سوم یہ کہ مقدار میں تجاوز ہو، چہارم یہ کہ کیفیت میں تجاوز ہو یعنی ظلم میں حدِّ انصاف سے بڑھنا، طلب میں حدِ وجوب سے بڑھنا، غضب میں حدِ حقوق سے بڑھنا کسی بھی مسلمان پر کسی بھی کافر دشمن کی طرف سے کسی بھی قسم کی بغاوت کی گئی تو اُس مظلوم مومن کو گھبرانا نہ چاہیئے نہ پریشان ہو، اس لیے کہ وعدۂ ربانی ہے لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ۔ البتہ بے شک ضرور مدد فرمائے گا دنیا میں بھی دین میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے اُس نیک پاک منصف مظلوم بندے کی، اللہ تعالیٰ کی دنیوی مدد بھی تین قسم کی ہے اور اُخروی مدد بھی تین قسم کی ہے طبیعت کا صبر، جسمانی قوت قلبی جرأت و ہمت یہ رب تعالیٰ کی طرف سے بندے کو دنیوی مدد ہے، اجر دینا قیامت میں مومن مظلوم کو بدلہ ملنا ظالم کو سزا، ذلت اور عذاب جہنم دینا یہ مومن

کی اُخروی مدد ہے یہ وعدہ ربانی بھی اٹل ہے۔ دنیا میں مشاہدہ سے تجربے سے ثابت اور آخرت میں لامحالہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے عَفُوٌّ بھی ہے غَفُورٌ بھی ہے اس طرح کہ اگر کوئی بندہ کسی مجرم پر بلاارادہ زیادتی کر دے پھر توبہ کرے معافی مانگے اس کو معاف فرما دینے والا اور اپنے اُن بندوں کو جو اُس کی بارگاہِ جمال وجلال میں عاجزی مسکینی سے عابد وزاہد ہیں بخشنے والا چادرِ رحمت میں چھپانے والا ہے۔ اور عَفُوٌّ ہے معافی مانگنے والوں کے لیے غَفُورٌ ہے توبہ کرنے والوں کے لیے معافی اور توبہ میں فرق یہ ہے کہ سابقہ اغلاط کی معافی ہوتی ہے، آئندہ بچے رہنے کی توبہ ہوتی ہے۔ معافی کا لغوی معنیٰ ہے بخش دینا، توبہ کا لغوی معنیٰ ہے رجوع کرنا۔ اشارہ ہے اس بات میں کہ اے انتقام کی قدرت والو انتقام سے معافی دینا بہتر ہے لیکن اگر معافی نہ دو یا نہ دے سکو اور ظالم سے ظلم کے برابر انتقام لے لو تو وہ ربّ کریم بخشنے والا ہے غور کرو کہ جب قادرِ مطلق قدرتِ کاملہ والا معافی عطا فرماتا ہے تو ثابت ہوا کہ معافی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہے۔ رضاءِ الٰہی کے لیے معافی دینے سے بندے کو تین فائدے ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ معافی دینے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ معاف کرنے والے کے درجات بلند ہوتے سوم یہ کہ دنیا میں وقار، آخرت میں نہ گناہوں کا حساب نہ قیامت میں شرمندگی بلکہ گناہ کے بدلے معافی اور معافی کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ سورۃ فرقان کی آیت ۷۰ میں ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ رب تعالیٰ عَفُوٌّ ہے مستحقِ ناراضی کو رضا دے کر۔ غَفُورٌ ہے مستحق ہے عقوبت کو بخشش دے کر عَفُوٌّ ہے گناہ مٹا کر غَفُورٌ ہے گناہ چھپا کر مٹانے میں عزت کی بقا ہے چھپانے ذلت کی فنا ہے۔ عَفُوٌّ خاص کرم ہے، غَفُورٌ عام کرم ہے اسی لیے عَفُوٌّ کا ذکر پہلے ہوا غَفُورٌ کا بعد میں رب تعالیٰ بھی عَفُوٌّ غَفُورٌ اور اُس کے محبوب نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی، رب تعالیٰ گناہوں کا عَفُوٌّ غَفُورٌ ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطاؤں کے عَفُوٌّ غَفُورٌ ہیں لہٰذا اے بندے تو بھی اپنے ذاتی حقوق کے ظالم پر عَفُوٌّ غَفُورٌ ہو جا کیونکہ ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا ۔ اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ

(حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی برائی کا بدلہ برائی تو آسان ہے اگر مرد ہے تو برے سے نیکی کر۔ سورۃ شوریٰ کی آیت ۴۰ میں معافی کا ایک فائدہ اس طرح بیان فرمایا گیا۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جس نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا اور مسلمان بھائی سے صلح کر لی پس اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ مُدْخَلًا، مصدر میمی ہے اور اسم ظرف مَدْخَلُ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ مَدْخَلُ سے مراد جنت کے یاقوتِ سفید کے شاندار خیمے ہیں جن میں نہ کُسُمْ ہے نہ وَصُمْ۔ یعنی نہ بد صورتی نہ کوئی عیب و کمزوری، اور اتنے بڑے ہیں کہ ایک ایک خیمے میں ستر ہزار مصراع۔ یعنی کواڑ ہیں۔ گویا اگر ایک کواڑ کا دروازہ ہے تو ستر ہزار دروازے ہوئے اگر دو کواڑ کا دروازہ ہے تو پینتیس ۳۵ ہزار دروازے ایک خیمے میں وَمَنْ عَاقَبَ کا عقاب بمعنی سزا ہے یہ عقاب کا اصلی و حقیقی معنیٰ ہے اور مَاعُوْقِبَ کا عقاب بمعنی جرم و ظلم ہے اس کو عقاب کہنا مجازاً ہے صرف ہم شکلی کی وجہ سے۔ جیسے سورۃ شوریٰ کی آیت ۴۰ میں۔ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یہاں پہلا سَيِّئَةٌ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اور دوسرا سَيِّئَةٌ مجازی معنیٰ میں ہے۔ ترجمہ ہے کہ برائی کا بدلہ اُس کی ہم شکل ہے۔ **ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال**۔ مُّهِيْنٌ کے معنیٰ میں تین قول

۱ ذلت آمیز عذاب ۲ شدید و مسلسل عذاب ۳ تکلیف دہ دردناک عذاب تینوں قول درست کیونکہ عذابِ مہین میں یہ تینوں چیزیں ہوں گی۔ ہَاجَرُوْا میں چار قول ۱ بعض نے فرمایا کہ وہ مہاجرین صحابہ مراد ہیں جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف ... نکلے اس ارادے سے کہ وہاں آسانی سے عبادت و تبلیغ کر سکیں گے تو کفارِ مکہ نے ان کا تعاقب کر کے کچھ کو قتل کر دیا کچھ کو گرفتار کر کے اذیتیں دینے واپس لائے کچھ راہِ سفر میں فوت ہو گئے سب کا اجر ایک جیسا ۲ بعض نے فرمایا وہ انصار و مہاجرین صحابہ مراد ہیں جو مدینہ منورہ سے برائے جہاد نکلے اور ان میں سے کچھ مجاہدین جاتے ہوئے راستے میں وفات پا گئے۔ کچھ شہید ہوئے، کچھ واپسی میں فوت ہوئے کچھ گھر آکر اسی ساز و سامان کی حالت میں فوت ہو گئے سب کا اجر و مرتبہ برابر ہے

۳ بعض نے فرمایا کہ یہاں ہجرت اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی چھوڑ دینا قطع تعلق کر لینا اور وہ صحابہ
کرام مراد ہیں جو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے کفار کی اذیتوں سے فوت ہوئے یا کفار کے ہاتھوں
قتل ہوئے اور وہ صحابہ کرام جنہوں نے نصرت اللہ رسول کی خاطر اپنے کافر رشتے داروں کو اور
ذاتی مفادات کو چھوڑ دیا۔ اِن سب کا اجر برابر ہے ۴ بعض نے فرمایا کہ تاقیامت ہر جہاد کے
شہدا مراد ہیں یا ہر سفر جہاد میں آتے جاتے راستے میں طبعی موت فوت ہو جانے والے اور ہجرت
سے مراد تا قیامت بنیتِ جہاد فِی سبیل اللہ نکلنا۔ قُتِلُوْا کی قرأت میں دو قول ۱ یہ قُتِلُوْا ہے باب
نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول۔ جمع مذکر غائب، یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ یہ قُتِّلُوْا ہے باب
تفعیل کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب قُتِلُوْا کے معنی میں بھی دو قول ہیں ۱ قتل کئے گئے
جہاد کرتے ہوئے ۲ قتل کئے گئے ظلماً وطن اور گھر میں ہی۔ رِزْقًا حَسَنًا میں تین قول ۱ بعض
نے کہا اس سے مراد مالِ غنیمت ہے جو اب امتِ مسلمہ پر شریعتِ اسلام نے حلال فرمایا پہلی شریعت
میں مجاہدین پر حرام تھا ۲ بعض نے فرمایا اس سے مراد علم و فہم ہے ۳ بعض نے کہا اس سے
مراد جنت کی نعمتیں ہیں یہی قول درست ہے کیونکہ رزقِ حسن کا ملنا قتلِ شہادت یا راہِ جہاد
کی طبعی موت کے بعد ہے اور وہ صرف جنت میں ہی ملے گا۔ مُدْخَلًا کی قرأت میں دو قول ۱
بعض کے نزدیک یہ مصدر میمی ہے ضمۂ میم کے ساتھ اور ترکیب نحوی میں مفعول مطلق ہے
یُدْخِلَنَّهُمْ کا ۲ دوسری قرأت میں مَدْخَلًا ہے میم کے زبر سے اور اسم ظرف ہے یُدْخِلَنَّهُمْ
کا مراد ہے جنت کا باقوتی خیمہ مگر پہلی قرأت مشہور و مکتوب ہے۔ ذٰلِكَ میں دو قول ۱
بعض نے کہا یہ مبتدا ہے اس کے بعد اس کی خبر پوشیدہ ہے اور ترجمہ ہے وہ جو پہلے
نیک و بد کا حالِ اُخروی بیان ہوا وہ اٹل فیصلہ ہے ۲ بعض کے نزدیک یہ خبر ہے اس سے
پہلے مبتدا پوشیدہ ہے اور ترجمہ اس طرح ہے، جو کچھ بیان ہو بس وہی کچھ ہونا ہے وَمَنْ
عَاقَبَ کے واقعے میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ ایک بار صحابہ کرام کی ایک بستی پر کفار نے
بارادۂ جنگ محاصرہ کیا۔ صحابہ نے کفار سے کہا کہ یہ حرمتِ جنگ کے ماہِ محرم کی اٹھائیس
تاریخ ہے ہم دو دن بعد جنگ کریں گے مگر کفار نہ مانے کیونکہ ان کا عیارانہ منصوبہ ہی یہ تھا
مجبوراً صحابہ کرام بھی میدانِ جنگ میں آگئے رب تعالیٰ نے مدد فرمائی تمام کافر قتل ہوئے بعد میں
صحابہ کرام کو بہت خوفِ الٰہی ہوا کہ ہم نے حرمت والے مہینوں میں کیوں جنگ کی تب حاضر بارگاہ
ہوئے اور اپنی مجبوری بیان کرتے ہوئے سب واقعہ سنایا۔ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ

نے فرمایا تم پر کچھ گناہ نہیں اور یہ ہی آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لَیَنْصُرَنَّ کا وعدہ پورا فرمایا اس لیے تم کو فتح عظیم و مبین حاصل ہوئی، خیال رہے کہ شریعت آدم علیہ السلام سے لے کر تا شروع اسلام چار ماہ حرمتِ جنگ کے مقرر تھے پھر سورۃِ توبہ کی آیتِ سیف یا صحابہ کرام کی اس جنگ سے یہ حرمت منسوخ ہوئی۔ وہ چار ماہ محرم، رجب، ذیقعد، ذی الحج تھے یعنی سن ہجری کا پہلا، ساتواں گیارھواں بارھواں۔ کفار بھی ان مہینوں کا احترام کرتے ہوئے جنگ نہ کرتے تھے اگر دورانِ جنگ یہ مہینے شروع ہو جاتے تو فوراً جنگ بند کر دیتے تھے پتہ نہیں یہ کون سے بدبخت کفار تھے ۲ بعض نے فرمایا کہ مَنْ عَاقَبَ میں اُن مظلوم صحابہ کرام کا ذکر ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف گئے اور وہاں قوتِ بدلہ لینے کے قابل ہوئے پھر جنگ بدر میں بدلہ لیا، اور جنگِ اُحد میں پھر بُغِیَ عَلَیْہِ کا ظہور ہوا۔ اور لَیَنْصُرَنَّ کا وعدہ الٰہی پورا ہوا ۳ بعض نے کہا مَنْ سے مراد عدالتِ اسلامی کا جج اور قاضی ہے اور عَاقَبَ سے مراد حدود و قصاص یا تعزیراتِ اسلامی کا نفاذ ہے تاریخی اعتبار سے یہ تینوں قول درست ہیں۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** جنایت اور جرم جس طرح ارتکابِ حرام سے ہوتا ہے اسی طرح ترکِ واجب بلکہ ترک مندوب سے بھی ہوتا ہے اگرچہ تینوں کی سزا میں فرق ہے ارتکابِ حرام کی سزا حد یا تعزیر ہے ترک واجب کی سزا تعزیر ہے، اور ترکِ مندوب کی سزا زجر عتاب یعنی جھڑک ہے یہ فائدہ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْہِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ارتکاب حرام اور ترکِ واجب بھی اسلام سے بغاوت کی ایک قسم ہے اور جرم کبیرہ۔ **دوسرا فائدہ** شرعی اصطلاح میں رزق صرف حلال روزی اور حلال اشیا کا نام ہے کسی بھی حرام چیز کا نام رزق نہیں ہے۔ حرام غذاؤں اور چیزوں کو دنیوی مال و اسباب تو کہا جا سکتا ہے رزق نہیں کیونکہ رزق کا معنیٰ ہے فائدہ مند چیز۔ اور حرام چیز میں نہ دنیوی اچھائی درفائدہ نہ اُخروی نقصان ہی نقصان ہے۔ یہ فائدہ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ رب تعالیٰ نے اپنی تمام دنیوی عطاؤں کو رزق فرمایا، حالانکہ رب تعالیٰ صرف حلال اور طیب اشیا ہی عطا فرماتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ سفر جہاد میں نکلنے والے لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں ۱ مہاجرین جو گھر بار چھوڑ کر نکل پڑے ۲ معاونین ۳ مجاہدین ۴ مقتولین شہداء آخرت میں سب کا ثواب و مقام ایک جیسا کیونکہ نیت اور حالات مشکلات سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں، دین اسلام کی مدد و اشاعت سب کی نیت ہے۔ یہ فائدہ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا (الخ)

فرماتے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مجاہدین میں سے مقتولین شہدا ہو جانے والوں اور طبعی موت سے راستے میں فوت ہو جانے والوں کا ثواب اگرچہ ایک جیسا ہے مگر درجات میں فرق ہے۔ حدیث مقدسہ میں سات طرح فرق فرمایا گیا ہے ۱ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مقتول جہاد اہراقِ دم اور اعقارِ اعضا کی وجہ سے غیر مقتول مجاہد سے افضل ہے ۲ شہید کے خون کی خوشبو مشک سے اعلیٰ ہو گی اور یہ خوشبو اس کے جسم سے ہمیشہ تا ابد آتی رہے گی ۳ صرف شہید ہی دوبارہ دنیا میں آنے راہِ مولیٰ اور میدانِ جہاد میں سر کٹانے کی تمنا کرے گا ۴ شہید کی شہادت سے ہی تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۵ صرف شہید کا خون پاک ہے۔ اس طرح کہ جو اس کے کپڑوں میں لگا وہ خون پاک ہے جو ویسا ٹپک گیا وہ پاک نہیں اگر خون آلود کپڑا پانی میں گرا تو پانی ناپاک نہ ہو گا لیکن اگر جسم سے قطرہ ٹپک کر پانی میں گرا تو پانی پلید ہو جائے گا ۶ شفیع روزِ جزا کی فہرست میں شہید بھی شامل صرف شہادت کی بنا پر ۷ شہید ہی وہ خوش بخت ہے جو خون خشک ہونے سے پہلے جنت اور جنت کی نعمتوں کو و حوراتِ جنت کو دیکھ لیتا ہے یہ سعادتیں نہ حاجی کو ملیں نہ مجاہد کو۔ یہ مسئلہ۔ لَیَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ یہاں شہید اور فوت شدہ مجاہد کی شرکتِ برابری صرف رِزۡقًا حَسَنًا میں بیان ہوئی اور حدیث پاک میں شہید کے درجات کی کیفیت بیان ہوئی۔ دوسرا مسئلہ۔ حنفی مسلک یہ ہے کہ مجرم اور ظالم سے کسی بھی قسم کا بدلہ عدالتی فیصلے میں صرف فوجی ہتھیار سے لیا جائے گا۔ مثلاً تلوار، خنجر یا تیر وغیرہ سے اگرچہ مجرم نے قتل کر کے یا غرق یا حرق یا گلا گھونٹ کر کسی آدمی کو مارا ہو مگر امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح کا جرم ہو گا اسی طرح سے بدلہ لیا جائے گا یعنی قتل کا قتل سے غرق کا غرق سے حرق کا حرق سے وغیرہ وغیرہ، دونوں کے مسلک اسی آیت مَنۡ عَاقَبَ بِمِثۡلِ مَا عُوقِبَ سے مستنبط ہیں شوافع فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اسی کی مثل سزا دو جس طرح مجرم کی طرف سے ظلم کیا گیا لیکن احناف فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ استنباط کمزور ہے کیونکہ بمثل کا تعلق طریقۂ جرم سے نہیں ہے بلکہ سزاءِ جرم سے ہے یعنی قتل کی سزا قتل کر کے۔ زخم کی سزا زخم ہے۔ اعضا کاٹنے کی سزا اعضا کاٹنا ہے۔ قتل سے مراد جان لینا ہے نہ کہ طریقۂ قتل، نیز حنفی مسلک کا دوسرا استنباط یومِ اُحد کے اس واقعے سے بھی ہے کہ کچھ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ

ہم کو اجازت عطا فرمایئے تاکہ ہم بھی کفار کا مُثلہ کریں یعنی مقتولین کفار کی آنکھ ناک کان کاٹ ڈالیں کیونکہ کفار نے بھی بعض شہدا کا مُثلہ کیا ہے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا کہ قتل کا بدلہ صرف قتل ہے۔ آپ کا یہ فرمانِ مقدس تا قیامت ہر مجرم کی سزا کے لیے قانون بن گیا لہٰذا ثابت ہوا کہ قاتل مجرم نے خواہ کسی جہالت سے قتل کیا ہو گا مگر اسلامی عدالت صرف جان لے گی تیسرا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق رازق غیر خصوصی صفت ہے۔ اس لیے غیر اللہ کو بھی کہا جا سکتا ہے لیکن خالق کسی غیر اللہ کو نہیں کہا جا سکتا یہ رب تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے لبعض جاہل شاعر اپنے آپ کو شعروں کا خالق کہدیتے ہیں اور اپنے شعروں کو اپنی تخلیقات کہدیتے ہیں یہ سراسر جہالت و گمراہی ہے یہ مسئلہ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ سے مستنبط ہوا قرآن مجید میں اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ فرمانا، یا عیسٰی علیہ السلام کا۔ اِنِّيْ اَخْلُقُ لَكُمْ۔ فرمانا وہاں خَلْق کا معنیٰ جَعْل ہے مگر اشعار وغیرہ کے لیے جَعْل بھی نہیں ہو سکتا

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا۔ پھر بعد میں فرمایا گیا۔ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا۔ حالانکہ رزقِ حسن سے مراد بھی جنتی رزق ہے اور لَيُدْخِلَنَّ سے مراد بھی دخولِ جنت ہے اور قانونِ کلیہ و قاعدہ اُصل ہے کہ دخولِ جنت پہلے ہو گا رزق بعد میں ملے گا تو چاہیئے تھا کہ لَيُدْخِلَنَّهُمْ پہلے فرمایا جاتا اور لَيَرْزُقَنَّهُمْ بعد میں فرمایا جاتا۔ جواب لَيَرْزُقَنَّهُمْ پہلے فرمانا عین درست ہے کیونکہ جنتی رزق قبر سے شروع ہو جاتا ہے اور دخولِ جنت بعد قیامت غرضکہ رزقِ جنتی اوّل بھی ہے آخر بھی قبر میں بھی جنت میں بھی بلکہ میدانِ محشر میں بھی دخول سے پہلے بھی دخول کے بعد بھی دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ اس سے پہلے فرمایا گیا لَيُدْخِلَنَّهُمْ ظاہرًا تو دخولِ جنت اور علیم و حلیم کا آپس میں کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا جنت میں داخل فرمانا تو رب تعالیٰ کا رحم و کرم ہے تو چاہیئے تھا کہ رَحِيْمٌ، كَرِيْمٌ فرمایا جاتا نہ کہ عَلِيْمٌ، حَلِيْمٌ جواب: دراصل یہاں چار آیتوں میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ۱ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا فساد بھی کیا اور تکذیبِ آیت کی تخریب کاری بھی ان کی سزاءِ اُخروی عذابِ مُہین ہے ۲ مظلومین مہاجرین جن کو کفار نے ظلمًا صرف اسلام دشمنی میں قتل کر دیا اُن مظلوم صحابہ کا اُخروی اجر رزقِ حسن ہے ۳ وہ مظلومین صحابہ جو ظلمِ کفار سے تنگ آکر مہاجر بنے وطن سے بے وطن ہو کر راہِ خدا میں بے یار و مددگار نکل پڑے اور راستے کی مصیبتوں میں ہی فوت ہو گئے اُن کی اُخروی جزا بھی رزقِ حسن ہے ۴ وہ مسلمان جنہوں نے ظالموں کافروں سے اپنے ظلم کا برابر و مثلی بدلہ لے لیا مگر ان پر پھر ظلم کی بغاوت کی گئی تو اُن کی جزاءِ اُخروی، لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا ہے۔ کفار کہہ سکتے تھے کہ یہ سزا و جزا غلط اور نا انصافی ہے ان کی پیشگی تردید فرماتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ یہ سزا و جزا بے سوچے

سمجھے اندھا دُھند نہیں نہ کرم و رحم کی جزا جذباتی محبت ہیں نہ عدل کی سزا کسی جذباتی غصہ میں بلکہ میں علم و حکمت کے مطابق ہی کرم کی جزا اور عدل کی سزا ہے کیونکہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر فعل میں علیم ہے اور ہر فیصلے میں حلیم ہے۔ وہ خوب جاننے والا ہے کہ کون کرم کے لائق کون فضل کا مستحق کون رحم کا محتاج اور وہ ذات جَلَّ مَجْدُهٗ سزا دینے میں بھی جلد باز نہیں بلکہ حلیم ہے خوب درگزر فرمانے والا وہ خبیر ہے کہ کس کو اعمالِ صالحہ کی مہلت اور توبہ کا ملہ کی فرصت دیتی ہے اور کسی کو سرکشی کی ڈھیل دیتی ہے۔ جب جس کا جامِ ظلم لبریز ہو جائے تب سزا دیتی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں علیم و حلیم فرمانا بالکل درست ہے۔ کریم و رحیم فرمانے سے سزا و جزا کی یہ حکمت ظاہر نہ ہوتی اور صرف رحم و کرم کا پتہ لگتا عدل کا پتہ نہ لگتا۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے تو قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا فرمایا گیا جس کا تعلق آخرت سے ہے پھر بعد میں فرمایا گیا وَمَنْ عَاقَبَ (الخ) جس کا تعلق دنیا سے ہے تو چاہیے تھا کہ وَمَنْ عَاقَبَ پہلے فرمایا جاتا کیونکہ دنیوی مدد تو پہلے ہوتی ہے آخرت اور اُخروی جزا بعد میں تو اس کا ذکر بعد میں ہونا چاہیے تھا اس ترتیب کو الٹ کیوں فرمایا گیا اور اس مذکورہ و موجودہ ترتیب میں مَنْ عَاقَبَ (الخ) کا تعلق ما قبل کلام قُتِلُوْٓا (الخ) سے کیا ہے ظاہراً تو بے ترتیبی معلوم ہوتی ہے۔ جواب۔ یہ ترتیب اولیت یا بعدیت کی بنا پر نہیں بلکہ اعلیٰ و ادنیٰ کی بنا پر ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو تین انعام دیے جانے کا ذکر ہو رہا ہے دو انعام اُخروی اور ایک دنیوی تو چونکہ اُخروی انعامات کثیر بھی ہیں عظیم بھی طویل بھی اس لیے اُن کا ذکر پہلے فرمایا گیا ان کے بعد دنیوی انعام کا ذکر فرمایا گیا اور بتایا گیا ایمان والے دنیا میں بھی بے یار و مددگار نہ چھوڑے جائیں گے بلکہ ہر ایک کی رب تعالیٰ مدد فرماتا رہے گا۔ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا ان کی ضرور پوری مدد فرمائے گا۔ تو گویا کہ لَیَرْزُقَنَّهُمُ (الخ) میں مجاہدین قُتِلُوْٓا کا انعامِ اُخروی بیان ہوا جو قبر سے شروع اور لَیُدْخِلَنَّهُمْ میں اَوْ مَاتُوْا والے مجاہدین کا انعامِ اُخروی بیان ہوا جو بعد قیامت شروع۔ اور لَیَنْصُرَنَّ میں مجاہدین مَنْ عَاقَبَ کا دنیوی انعام کا ذکر ہوا تین ہی قسم کے مہاجرین فی سبیل اللہ ہیں اُن تینوں کے تین انعاموں کا ذکر فرمایا گیا اس لیے مَنْ عَاقَبَ (الخ) کی یہ ترتیب نہایت اعلیٰ و مناسب ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ

اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۔ اور وہ لوگ جو کفر کے موٹے اور گاڑھے پردوں میں ذات کبریا وصفات مصطفیٰ سے محجوب ہیں اور آیاتِ حقیقیہ کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ تکذیبِ آیات کی ایک صورت یہ بھی ہے صفاتِ الٰہیہ خصوصیہ کو غیر اللہ کی طرف نسبت کی جائے جیسے کہ کفار نے بتوں کو رازق سمجھا کسی نے گرو کو کسی نے اپنے آپ کو لوگوں کا رازق و مالک سمجھ لیا کسی نے اپنے ہنر اپنی قابلیت اور دستی محنت، کاریگری کو اپنا رازق سمجھ لیا یہی کافران مطلق لوگ روز و شب در رزق زق و بک بک کے عذاب نفسانی و صفاتِ شیطانی کے عذابِ مہین وحشتِ ذلت کی مصیبت میں پھنسے ہوئے رہتے ہیں ان کی دنیا بھی جہنم ہے کیونکہ عزتِ الٰہی عظمت کبریائی و نعتِ مصطفائی سے حجاب میں کر دئے گئے ہیں اور اُن کے چہرے توحید حقیقی سے پھیر دیئے گئے کہ گستاخی نبوت کو توحید سمجھ بیٹھے ان کے اوپر یہی قہرِ ربانی ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جنہوں نے راہِ طریقت میں مشقتِ ذکر انفاس و مخالفتِ نفسِ امارہ کی محنت سے ہجرتِ خواہشات کا ترک کیا اور نفوس خبیثہ کی آماجگاہ سے نکل کر وطنِ مالوف اور تمناءِ عزیزہ کو چھوڑا، قرابتِ سفلیت سے منہ موڑا ہر رشتۂ گناہگار کو توڑا، جلوتِ دنیا سے ہٹ کر خلوت فی سبیل اللہ میں سب عیش و طرب، شغل و شغب، لہو و لعب قربان کر دیا پھر یا تو وہ سالکین معرفت ریاضت کی تلوار شوقِ الٰہیہ کے عشقِ کامل کے خنجر سے قتل کر دیے گئے اور فنا ہو کر مقامِ بقا پر مشرف ہو گئے یا پھر لذتِ ذوق و ارادۂ شوق سے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ۔ کے ذائقہ الوصل کو پا گئے البتہ بے شک اُن ہی محبوبین بارگاہ کو اُن کا ربِ قدیر، مولاءِ قدیم علوم مکاشفات اور فوائد تجلیات کا رزقِ حسن عطا فرماتا ہے۔

حکایت: حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو وعظ فرمایا کہ اے بیٹے نیند مثلِ موت ہے اور بیداری مثلِ حیاتِ اُخروی ہے اگر تجھے یہ گمان ہے کہ تو اپنی موت کو ٹال سکتا ہے تو پہلے اپنی نیند ٹال کر دکھا، یا چند لمحوں کے لیے اپنے سے دور اور ختم کر کے دکھا جب تو نیند ختم نہیں کر سکتا تو موت کو کس طرح روک سکتا ہے اور اگر تجھ کو دوسری زندگی حیاتِ اُخروی میں شک ہے تو جاگنے اور بیداری کو اپنے سے روک کر بتا اور ہمت ہے تو بیداری نہ آنے دے حالانکہ تجھ کو نہ نیند پر قابو ہے نہ بیداری پر نہ نیند روک سکتا ہے نہ بیداری لہٰذا سمجھ لے کہ تیرا ہاتھ و تیری ذات و صفات و اوقات کسی اور ذاتِ قوی و قادر کے قبضے میں ہے جس بندے نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے امرِ موت کو پہچان لیا اس نے کبھی نہ ختم ہونے والی ابدی عزت

کو پالیا تو وہ آخرت کی ہی عزت ہے اور ایسا بندہ ہی کلیۃً کامیاب ہے (حکایت) ایک عابد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت شاہی پر بیٹھا دیکھ کر عرض کیا یا ابنِ داؤد اللہ تعالیٰ نے کس شان کی عزت و شاہی اور ملکِ عظیم آپ کو عطا فرمائی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا کہ قسم ہے خالقِ عالم کی۔ ایک بار سچے دل کے ساتھ رب تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا میرے اِس تمام ملکِ عظیم، تخت شاہی سلطنتِ عالم سے بہتر ہے کیونکہ اس تمام سلطنت و حکومت کو فنا ہے مگر تسبیح و حمد و ذکر الٰہی کو فنا نہیں اور ذکر اللہ وہ دولت عظیم ہے جو تا قیامت ہر مومن کو عطا فرمائی گئی۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جب ایک تسبیح پڑھنے کی یہ شانِ اعلیٰ ہے کہ ملک سلیمانی سے افضل ہے تو پھر تلاوتِ قرآنِ مجید کی کیا شان ہوگی جو تمام کائناتِ انسانی کی کتابوں سے افضل کتاب ہے۔ یہی وہ کلامِ الٰہی ہے جو ہم خوش قسمت مسلمانوں کے پاس باقی ہے اور یہی وہ امانتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ظاہر ہے اور جس کی وجہ سے زمین و آسمان باخیریت قائم ہیں خوش قسمت ہے وہ گھر جس میں سے صبح و شام تلاوت کی آوازیں بلند ہوں۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں فرمایا کہ دیکھ کر صحیح تلفظ کے ساتھ بلند آواز سے سطور پر انگلی پھیر کر تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں چار عبادتیں اور اُن کے چار ثواب ہیں (۱) آنکھوں سے دیکھنے کی عبادت (۲) زبان سے بلند پڑھنے اور صحیح ادائیگی کی عبادت (۳) کانوں سے سننے کی عبادت (۴) ہاتھ سے کلامِ الٰہی کو چھونے کی عبادت، مسلمانوں کو اِس تلاوت کی توفیق و سعادت عطا فرمانا بھی رب تعالیٰ کی شانِ خیر الرازقین ہے، دنیا میں تلاوتِ قرآنِ مجید مومن کے لیے سب سے بڑا رزقِ حسن ہے یہ ہی آنکھ زبان، کان، اور ہاتھ کی عبادت ہے، تلاوتِ قرآنِ مجید دنیا میں رزقِ جنت ہے کہ جس طرح جنتی رزق کی تین صفات ہیں۔ پہلی صفت بغیر مشقت ملنا دوم یہ کہ بغیر کلفت کھانا پینا کہ یہ نہ کھانے میں نفرت نہ تکلیف سوم نہ ہضمے میں بیماری نہ علت، نہ خروج کی مشقت نہ فکر نہ بد پیشانی غرضکہ جنتی غذائیں کھانے میں لذت، ہضم میں عفت، بقا میں یُسرت و فرحت اسی طرح تلاوتِ قرآن کریم سے زبان میں لذت سینے میں فرحت، مزاج میں ٹھنڈک۔ قلب میں الفت، علماءِ شریعت فرماتے ہیں کہ جب مجاہد اپنے گھر سے تیاریِ جہاد کے لیے نکلتا ہے تو اُس وقت سے ہر قدم، ہر حرکت پر اس کا ثواب شروع ہو جاتا ہے گویا کہ وہ جہاد میں ہی ہے اور صوفیا فرماتے ہیں کہ جب نمازی تیاریِ نماز کے لیے نیت کر کے کروٹ بھی بدلتا ہے تو اُس کا ثواب شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے مکبّر کو حکم ہے کہ نماز کے قائم کے ہونے سے پہلے ہی تکبیر میں

کہے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ۔ یعنی نماز کھڑی ہو چکی ہے ۔ لہذا مبارک ہو بندے کو کہ اُس کا وضو کے لیے اُٹھنا بھی اقامتِ صلوٰۃ ہے ۔ وضو کرنا بھی نماز، مسجد کی طرف آنا بھی نماز ، انتظارِ جماعت بھی نماز، مسجد میں بیٹھنا بھی نماز، بلکہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی نماز ہے اور هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَائِمُوْنَ کا ایک نقشۂ اعظم ہے (از سورۃ معارج آیت ۲۳) اسی لیے حکم شرعی ہے کہ اگر نمازی شخص ادائیگی میں شروع ہونے سے پہلے فوت ہوگیا تو اس کا اجر و ثواب نماز پڑھ لینے والے کے برابر مشابہ ہے یہی شان رستے کے حاجی کی ہے اور تیاریِ حج کی ہے یہی شان مجاہد کی اور سفر جہاد کے مہاجر کی کہ ۔ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۔ ذٰلِكَ ۔ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ داخل فرماتا ہے اُن مقبولینِ بارگاہ و مقتولین فی سبیل اللہ مہاجرین للہ میتین فی اللہ کو مقام رضا میں ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا ہے ہر شخص کو کہ کون مُدخَلِ کریم کے لائق اور مقامِ رضا کے قابل ہے ۔ علیم وہ اللہ ہے استعداد کے درجوں کا اور استحقاق کے مرتبوں کا اور پہچاننے والا ہے ہر نیتِ خلوص کو ۔ جاننے والا ہے اس بات کا کہ کیا واجب ہے کمالِ مخلصین کے انعامِ فیوضات میں سے حلیم ہے کہ کسی بھی غافلِ کاہل نامراد و بے مراد کی جلدی پکڑ نہیں فرماتا نہ عتابِ ریاکار ہے نہ عقابِ ناہنجار سے نہ سزاءِ بدکار سے نہ عذابِ دنیادار سے ۔ حلیم و درگزر فرمانے والا ہے اطاعت و عبادت کی کوتاہیوں غلطیوں پر اور مجاہداتِ راہِ طلب کی تفریط اور کمی پر اور منع فرما دیتا ہے بلاؤں کو روک دیتا ہے شامتِ اعمال کی اُن آفتوں کو جن کا تقاضہ کرتے ہیں اُن کے حالاتِ گناہ حلیم ایسا کہ باوجود غفلتِ غافلین کے مہلتِ ممکنہ عطا فرماتا ہے تاکہ فاسقین غافلین کو قبولیت مہلت اور اعمالِ صالحہ کا وقت اور توبۂ دائمی کا زمانۂ حیات نصیب ہو سزا کے بجائے عدل و حلم کا راستہ پسند فرماتا ہے ۔ ذٰلِكَ ، وہ راستہ ہی اسرارِ حکمت کی منزل ہے ، پھر میلان فرمایا انتقام کی طرف نہ کہ ظلم کی طرف اس لیے کہ حکمتِ الٰہیہ میں ملکوتی امداد کی تائید واجب ہے اور وارداتِ جبروت کی نصرت واجب بابِ عدالت میں احتیاط یہ ہے کہ ظلم کو ختم کیا جائے اور اسی طرف سب بندوں کا میلانِ قلبی ہو نہ کہ ظلم کرنے کی طرف ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے

بندو ظالم نہ ہو مظلوم ہو اگرچہ تم پر کتنی ہی بغاوت کی جائے اس لیے کہ رب تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ مظلوم کی طرف آتی ہے نہ کہ ظالم کی طرف، بے شک اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے معاف فرمانے والا ہے اور معافی کو ہی پسند فرماتا ہے معافی کا ہی حکم فرماتا ہے، سزا کو درگزر فرمانے والا بندوں سے بھی درگزری و حلیمی کو پسند فرمانے والا، جو بندہ ظلمِ ظالم کو برداشت کرتا ہے اُس کو بخشنے والا ہے، جو برداشت نہ کر سکے اور مَنْ عَاقَبَ بدلہ لے اُس ظلم کے برابر جو اُس پر ہوا معافی دینے پر ہمت نہ پائے اُس کو بھی معاف فرمانے والا ہے راہِ طریقت کا جہاجر وہ ہے جو طبیعتِ بشری کے وطن سے نکل کر لسانی، نظری، عقلی لذتوں کی رشتے داریاں چھوڑ کر طلبِ حقیقت میں سفرِ روحانی کے لیے نکل کھڑا ہوا اور پھر یا میدانِ کرب و بلا میں صدقِ محبت کی تلوار سے قتل ہو جائے یا اوصافِ بشریت کی موت مر جائے ایسے ہی اہل معرفت کو قبورِ خلوت میں رزقِ معنوی دیا جاتا ہے۔ قلب کا رزق معرفت کی حلاوت ہے اور رزقِ اسرار مشاہداتِ جمال ہے۔ ارواحِ قدسیاں کا رزقِ حَسَن مکاشفاتِ جلال ہے۔ بہت سے شہداءِ عشقِ الٰہی اہلِ دنیا کی نظروں میں مُردہ اور بے حس لگتے ہیں مگر اصلیت و حقیقت میں زندہ ہیں اور عالمِ بالا کی سیرِ لاہوتی میں سیرِ عرفانی کے محوِ پرواز ہیں۔ بہت سے وہ اجسام جن کے ظاہر بکھر گئے مگر باطن زندہ ہو کر چلے اور منزلِ قرب پر جا پہنچے۔ انسانِ کامل مثلِ بھرے دریا ہے کہ جو بھی ظلم و جفا اذیت کے پتھر اُس میں پھینکے جائیں تو غضب و غصے اور جوشِ انتقام میں نہ مکدر ہوتا ہے نہ بپھرتا ہے نہ خراب ہوتا ہے بلکہ حلم و شفقت کی تلاطم خیز گہرائی میں مجرم کی تمام منصوبہ بندی کو پسپا کرتے ہوئے معافی کی ٹھنڈک عطا فرماتا ہے، دنیا میں انسانِ کامل اور بندۂ عارف کے لیے آستانۂ نبوت مُدْخَلِ یَرْضَوْنَہٗ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اس کا کس کو آستانۂ رحمت۔ جمالِ معرفت بلدِ مکرم شہرِ مقدس مدینہ منورہ تک پہنچاتا ہے۔ کون اس آستانہ مکرمہ کی حاضری کے لائق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زیارت گاہِ قدسیاں تک اُسی کی رسائی ہوتی ہے جس پر رب تعالیٰ کا کرمِ عمیم اور فضلِ عظیم ہو۔ اللہ تعالیٰ حلیم و درگزر فرمانے والا ہے اُس کم عقل نادان کی اُن غفلتوں کوتاہیوں بیوقوفیوں سے جو آدابِ بارگاہ میں کمی، سستی کسلمندی کی وجہ سے سرزد ہوئیں لیکن یہ حلیمی اُس عاجز و مخلص بندے پر ہو گی جو کہ اپنی اِن کمی کمزوریوں کا اقرار بھی کرتا ہو اور عرض کرتا رہے کہ ؎

سرکار ہم گنواروں کو طرزِ ادب کہاں ٭ ہم کو تو بس تمیز فقط بھیک بھر کی ہے
آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھے اچھی طرح ادب سکھایا پھر رب تعالیٰ نے شریفانہ کریمانہ اخلاق کا حکم دیا اور فرمایا کہ درگزر کیا کرو۔ نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو۔ دنیا میں اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا فرمائی۔ علم، حلم، عمل۔ علم کے ذریعے حلم ملتا ہے اور حلم کے ذریعے عمل، اور عملِ صالحہ کے ذریعے ادب واحترام اور اداب بزرگان سے تقوٰی اور تقوے سے قربِ بارگاہ کی ہدایت عارف باللہ کی اصل دولت حکمت ہے اور حکمت سے ہی زُہد حاصل ہوتا ہے اور زُہد سے آخرت کا شوق اور شوقِ آخرت سے دنیا کی بے رغبتی اور قربِ الٰہی، ظاہری ادب باطنی ادب کی نشانی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ

وہ سب کچھ (کفر و ایمان) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ شامل کرتا ہے رات کو دن میں اور

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ رات کو ڈالتا ہے دن کے حصے میں اور

يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

شامل کرتا ہے دن کو رات میں اور بے شک اللہ سب کی سننے والا ہے

دن کو لاتا ہے رات کے حصے میں اور اس لیے کہ اللہ سنتا

بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ

سب کو دیکھنے والا۔ وہ (دن رات کا اول بدل) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ ہی توثوں والا ہے اور بے شک

دیکھتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اُس کے سوا

مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ

وہ سب بت کہ پوجتے ہیں یہ کفار اُس کے مقابل وہ ہی بیکار نکمے کمزور ہیں اور بے شک

جسے پوجتے ہیں وہی باطل ہے اور یہ کہ

اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

اللہ ہی غلبے والا بڑائی والا ہے۔ کیا تم نے غور نہ کیا کہ بے شک اللہ نے

اللہ ہی بلندی بڑائی والا ہے۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ

نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی تو صبح ہوتے ہوتے تمام علاقہ

آسمانوں سے پانی اُتارا اور صبح کو زمین

مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا

سرسبزہ ہو گیا۔ بے شک اللہ ہر چھوٹی بڑی ظاہر باطن کو جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔ اسی کا ہے وہ تمام

ہریالی ہو گئی۔ بے شک اللہ پاک خبردار ہے۔ اسی کا مال ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ البتہ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک اللہ

لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

وہ ہی سب کو کافی ہے ہر حمد کے لائق ہے۔

ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حرمت والے مہینوں میں دفاعی حملہ کرنے کی مسلمانوں کو اجازت دی گئی اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ رات دن پھیرنا اللہ تعالیٰ کے

قبضۂ قدرت میں ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ تمام کافروں کو عذابِ مہین ہے مگر مومنوں کو عذابِ مہین سے دور رکھا گیا ہے۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ کائناتِ عالم میں ہر آن حق صرف اللہ ہی ہے اُس سے دور ہو کر حق اور حقانیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس لیے اُس کی ذات و صفات اور اُس کی آیات کا انکار سراسر کفر ہی ہے جس کی سزا یہ ہے کہ ایسے ناشکرے ناحق شناس کو عذابِ مہین دیا جائے اور حق پرستوں کو بچایا جائے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نیک لوگوں کے اُخروی رزقِ حسن کا ذکر کیا گیا اِن آیات میں تمام لوگوں کے دنیوی رزق کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ شانِ نزول۔ حضرت مقاتل سے روایت ہے کہ مشرکین کا ایک لشکر عین حرمت والے مہینے میں حملہ آور ہوا اور اسی لیے جنگ کے لیے حملہ آور ہوا کہ مشرکین کو پتہ تھا کہ مسلمان حرمت والے مہینوں میں جنگ و قتال نہیں کرتے۔ مسلمانوں نے اُن حملہ آوروں کو منع بھی کیا کہ ان مہینوں میں جنگ مت کرو مگر وہ تو چاہتے ہی یہ تھے کہ ہم نہتے مسلمانوں کو ہلاک کر دیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایسے بدبختوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی بلکہ آئندہ حرمت والے مہینوں میں پچھلی شریعتوں کی جنگ نہ کرنے کی پابندی ختم کر دی گئی۔ اجازت ملنے پر مسلمانوں نے یہ دفاعی حملہ اتنا سخت کیا کہ ایک کافر بھی بچ کر نہ بھاگ سکا گھیر کر سب کو قتل کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر آیت نمبر ۶۰ تا ۶۳ نازل ہوئی (از خزائن وامام سیوطی رح)

تفسیر نحوی ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

ذٰلِكَ اسم اشارہ مبتدا ہے۔ بَ جارّہ زائدہ یعنی اپنے اصلی و مستعاری معنٰی میں سے کسی معنٰی میں نہیں ہے مگر عامل ہے ایک قول میں ب سببیہ ہے کہ ماقبل کلام مسببیہ ہے اور مابعد سبب ہے اَنَّ مشبّہ بالفعل اللہ اس کا اسم يُوْلِجُ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ وَلَجٌ مادہ لازم سے بنا ہے بمعنی آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے سے کسی شخص کا گھر میں داخل ہونا اس کا مصدر اِيْلَاجٌ یہ متعدی بیک مفعول ہے بمعنی داخل کرنا۔ اَلَّيْلَ اسم مفرد مؤنث لفظی اِس کی جمع لَيَالِيْ یہ مفعول بہ ہے فِيْ جارّہ ظرفیہ

اَلنَّهَارَ اسم مفرد جامد مذکر بمعنیٰ روشن دن یہ جار مجرور متعلق ہیں یُوۡلِجُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یُوۡلِجُ فعل با فاعل اَلنَّهَارَ اس کا مفعول بہ فِی الَّیۡلِ جار مجرور متعلق اس دوسرے یُوۡلِجُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر خبر ہے اَنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور ہے بَ سے جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ لفظ لَیۡلُ عبرانی سے معرب ہے عبرانی زبان میں مطلقاً ہر اندھیرے کو لیل کہا جاتا تھا مگر عربی میں اس لفظ کو صرف حقیقی رات کے لیے لیل کہا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ۱ حقیقی رات، غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک ۲ شرعی رات غروب آفتاب سے فجر صادق تک یہاں حقیقی رات مراد ہے نہار عربی لفظ ہے نَهۡرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لغوی کھولنا، کھلنا، کھلا ہونا اسی کے ماتحت تو عدد مجازی معنی میں مشترک ہو گیا ۱ گھروں کے سامنے کچھ کھلی بیکار زمین جہاں کوڑا وغیرہ بیکار اشیاء ڈالی جاتی ہیں ۲ تنگ دل ہونا ۳ جھڑکنا ۴ خون بہانہ (ذبح کرنا) ۵ پانی جاری ہونا ۶ روشنی ہونا ۷ دن ہونا ۸ بادل کھلنا ۹ حقیر جاننا۔ ان تمام اصطلاحی (مجازی) معنی میں کھلنے کے معنی موجود ہیں۔ وَاؤ ابتدائیہ ہے یا عاطفہ اور مابعد کلام کا عطف ہے ماقبل پا اَنَّ پر اور یہ ہی درست ہے کیونکہ اَنَّ مفتوحہ ہے اللّٰهَ اس کا اسم سَمِيۡعٌ بَصِيۡرٌ یہ دونوں اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ دو خبریں ہیں اَنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا، ذٰلِكَ مبتدا بَ سببیہ اَنَّ حرف مشبہ اللّٰهَ اُس کا اسم هُوَ ضمیر مبتدا اَلۡحَقُّ اس کی خبر یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ مشبہ بالفعل، مَا اسم موصول مراد ہیں بت لکڑی پتھر دھات کے اور فوٹو تصویریں یَدۡعُوۡنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب دَعۡوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پکارنا۔ بلانا، دعوت دینا پوجنا عبادت کرنا، پوجنا اردو کا لفظ اس کا معنی ہے سجدہ کرنا۔ کافر، بتوں سورج چاند اور ستارہ اور آگ کو پوجتا ہے مگر مسلمان اللہ کو پوجتا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مِنۡ جارہ زائدہ دُوۡنِ اسم مفرد مشترک بمعنیٰ سوا مقابل مضاف ہے ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب مجرور ہو کر متعلق ہے یَدۡعُوۡنَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر اسم اَنَّ ہے هُوَ ضمیر مبتدا اَلۡبَاطِلُ اسم معرف باللام بمعنیٰ جھوٹا بیکار خبر ہے مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے بِاَنَّ کے جملے پر دونوں عطف مجرور ہو کر

متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ، اسم فاعل کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا ذٰلِكَ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ عاطفہ حالیہ بمعنی اور حالانکہ یہاں مابعد کلام کا عطف هُوَ الْحَقُّ پر یا عطف ہے هُوَ الْبَاطِلُ کے جملے پر اَنَّ۔ عملاً مشبہ بالفعل اَنَّ اُس کا اسم هُوَ ضمیر مرفوع متصل واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ اَلْعَلِیُّ اسم مبالغہ بروزنِ فَعِیْلٌ بمعنی بہت ہی غالب ہونے والا یا غالب کرنے والا۔ عَلِیٌّ یا عَلُوٌّ سے مشتق ہے یا عَلَیٌّ سے یہ خبر اوّل هُوَ مبتدا کی اَلْكَبِیْرُ اسم مبالغہ کِبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی بہت بڑائی والا۔ خبر دوم هُوَ کی یہ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ اَ۔ ہمزہ۔ سوالِ اقراری کے لیے لَمْ تَرَ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی جحد بلَم معروف واحد مذکر حاضر بمعنی ماضی رَاٰیٌ سے مشتق ہے بمعنی غور کرنا، غور سے دیکھنا۔ قلبی عقلی نگاہ کرنا بحالتِ جزم لَمْ جازمہ کی وجہ سے اس کا فاعلِ ضمیر مخاطب ہے عوام سے خطاب ہے اَنَّ۔ عملاً مشبہ بالفعل اللہ اُس کا اسم اَنْزَلَ بابِ افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب نُزُلٌ سے مشتق ہے بمعنی اترنا نازل ہونا لازم ہے اس کا مصدر مزید فیہ اِنْزَالٌ ہے بمعنی اتارنا یہ متعدی بیک مفعول ہے مِنْ حرفِ جر ابتداءِ غایت (ابتداءِ مقصود) کے لیے بمعنی طرف سے اَلسَّمَآءِ اسم مفرد مؤنث لفظی اس کی جمع ہے سمٰوٰت یہ جار مجرور متعلق ہے اَنْزَلَ کا مَآءً اسم مفرد جامد بمعنی پانی یہ مَوْہٌ سے مشتق ہے مَوْہٌ کا لغوی ترجمہ ہے جھگڑا فساد کرنا اصطلاح میں پانی کو مَآءٌ اور سَو عدد کو مِائَۃٌ اسی لغوی بنیاد پر کہتے ہیں کہ پہلے عرب میں اکثر فتنہ فساد بلکہ قتل تک یا پانی پر ہوتے تھے۔ یا سَو برابر دولت پر اُمرا غریبوں کو قتل کرا دیتے تھے یہ مفعول بہ ہے اَنْزَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ سببیہ اور مابعد کلام مسبب ہے ماقبل اَنْزَلَ کا یا مَآءً کا۔ تُصْبِحُ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف واحد مؤنث صُبْحٌ سے بنا ہے بمعنی صبح ہونا اس کا مصدر ہے اِصْبَاحٌ صبح کرنا صبح تک ہو جانا۔ حالت بدل جانا یہ فعل ناقصہ ہے اس کا اپنا اصلی معنی ہے صبح کو ہونا یا صبح ہو جانا، لغوی ترجمہ ہے سرخ ہونا، تو چونکہ پہلے بوقتِ صبح آسمان کے کناروں پر شفق پھیلتی ہے بعد میں شام کو اس لیے ابتداءِ یوم کو صبح کہا گیا اسی لغت کے تحت چراغ کو مِصْبَاح کہتے ہیں یہ فعل ناقصہ کبھی کَانَ ناقصہ اور کبھی کَانَ تامّہ کے معنی میں بھی ہوتا ہے اَلْاَرْضُ

الف لام یا استغراقی ہے یا عہدِ خارجی اَرض سے مراد کھیت کھلیان والی زندہ زمین یہ اسم ہے
ناقصہ کا مُخضَرَّۃً بابِ افعلال کا اسم مفعول واحد مؤنث اس کا مصدر ہے اِخضِرَارٌ ثلاثی
مزید فیہ ملحق (مشابہ) رباعی خَضَرٌ سے مشتق ہے اس باب میں مبالغہ کے معنیٰ ہوتے ہیں
یعنی بہت زیادہ چیز ہونا ترجمہ ہے پورے علاقہ کا سرسبز ہونا۔ یہ اسم مفعول خبر ہے ناقصہ
کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر مسبب ہے مائً کا وہ سبب مسبب مل کر مفعول بہٖ ہے
اَنزَلَ کا اِنَّ حرفِ مشبہ اللہ اس کا اسم لَطِیفٌ اسم صفت مشبہ لُطفٌ سے مشتق ہے
یعنی نرمی کرنے والا ۲ مہربانی والا ۳ دقیق اور باریک اشیا کو بھی جان لینے والا یہاں
یہی معنیٰ ہیں ۴ غیر محسوس عمل کرنے والا۔ یہ اِنَّ کی پہلی خبر ہے خَبِیرٌ اسم مبالغہ بروزنِ فعیل خبر
دوم ہے اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ لَهٗ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل
ثَابِتٌ کا مَا اسم موصول فِي السَّمٰوٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا
جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَا موصولہ فِی الْاَرْضِ
متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا یہ جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہے پہلے
مَا پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا۔ وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ
ہوگیا واؤ سر جملہ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ اسی کا نام حرف مشبہ بالفعل بھی اللہ اس کا اسم لام کے
تاکید یہ ھُوَ ضمیر مبتدا۔ الف لام اسمی تخصیصی غَنِیٌّ۔ اسم مبالغہ بروزنِ فعیلٌ لغوی ترجمہ ہے
خوش حال ہونا۔ یا صلاحیت ہونا۔ یہ لازم ہے اسی لغوی معنیٰ کے لحاظ سے یہ لفظ اصطلاحاً
مجازی چھ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ بے نیاز ہونا ۲ امیر دولت مند ہونا ۳ آسودہ حال ہونا
۴ محتاج نہ ہونا اس کی جمع ہے اغنیاء ۵ کافی ہونا یہاں اسی معنیٰ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ
اپنی سب مخلوق کو کافی ہے کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ کر
کسی غیر کے آگے ہاتھ پھیلائے ۶ فائدے مند ہونا۔ باب افعال میں یہ متعدی ہوتا ہے۔ کبھی
علیٰ سے کبھی مِنْ سے کبھی عَنْ سے یہ ھُوَ کی خبر اول ہے۔ اَلْحَمِیْدُ۔ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ
بروزنِ فعیل، حَمْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اچھائی بیان کرنا حمید کا ترجمہ ہے حمد کے لائق اور
قابلِ ہونے والا یہ خبرِ دوم ہے ھُوَ مبتدا کی یہ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر
ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ خیال رہے کہ کسی کی اچھائی بیان کرنا ثنا ہے اس کی
دو قسمیں ہیں ۱ حمد کسی کے محسوس ہونے اور نظر آنے والے اختیاری اور مکمل نفع بخشنا کا

وعمل یا قول و صنعت کو دل کی گہرائیوں اور یقین عقلی سے پسند کرتے ہوئے اس کو اچھا کہنا تعریف کرنا حمد ہے ۲ اگر ان گیارہ شرائط میں سے ایک بھی نہ ہو اور پھر بھی تعریف اور اچھا کہا جائے تو وہ مدح ہے حمد نہیں۔ یہ مندرجہ بالا شرائط صرف اللہ تعالیٰ کے قول وفعل وصنعت میں ہی ہو سکتے ہیں اس لیے حمد صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے، کسی بھی مخلوق کی حمد نہیں ہو سکتی بس اللہ ہی حمد کے لائق ہے۔ دوسرا کوئی بھی حمد کے لائق نہیں۔

تفسیر عالمانہ ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۔ ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ وہ تمام وعدے جو رب تعالیٰ نے مومنین سے فرمائے اور تمام وعیدیں جو رب ذوالجلال نے کفار کو سنائیں کہ ان کے ظلم کا بدلہ عذاب مہین ہے۔ مومنین کو دنیا میں مُدْخَل يَرْضَوْنَ کا متقین صالحین کو رزق حسن کا، آخرت میں عفوت معافی وغفران کا عطیہ اور ظلم کا مقابلہ کرنے والے بہادروں مجاہدوں کو لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ کی مدد کے سب وعدے پورا کرنے پر قادر وقوی ہے ذَالِكَ، اس کا ثبوتی سبب اور دلیل وہ بھی ہے کہ بِاَنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرتوں طاقتوں والا ہے جو سارے جہان کی ہر رات کو کبھی دن میں ڈال کر دن کو چھوٹا، رات کو بڑا کر دیتا ہے اور کبھی دن کو ڈالتا ہے ہر علاقے کی رات میں جس سے رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور دن بڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ کبھی سورج کا طلوعی راستہ اور راستے کا چکر قلیل کر دیا جاتا ہے تب سورج جلدی غروب ہو جاتا ہے، دیر میں طلوع ہوتا ہے اس وجہ سے جن ساعتوں میں پہلے دن ہوتا تھا ان میں اب رات ہو جاتی ہے۔ یہ ایلاج لیل فی النھار ہوا اور کبھی سورج کا طلوع راستہ اور مدارِ فلکی والا چکر طویل کر دیا جاتا ہے تو سورج جلدی طلوع کر دیا جاتا ہے اور دیر میں غروب تب جن ساعتوں میں پہلے رات ہوتی تھی اب ان میں دن ہو جاتا ہے یہ ایلاج نھار فی اللیل ہوا۔ اس طرح پورے سال ہر دن ورات کا مشرق بھی علیحدہ اور مغرب بھی علیحدہ، علماء علم توقیت فرماتے ہیں کہ ایک سال میں تقریباً تین سو مشرق ہیں اور تین سو مغرب، اور یہ سب قدرتیں صرف رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ کے فعل کمال سے ظاہر ہیں کسی بھی مخلوق میں اس ایلاج لیل والنھار کی تبدیلی وتصرف کی طاقت نہیں، اس قوت وقدرت کے اظہار سے تین باتیں سمجھائی جا رہی ہیں پہلی یہ

کہ اے دنیا کے شاہو، بادشاہو، امیرو، وزیرو، ظالمو، جابرو، زمین دنیا میں ظلم وفساد مچانے پھیلانے والو یہ بات کان کھول کر سن لو کہ نہ سدا کسی کے ظلم کا سورج طلوع رہ سکتا ہے نہ کسی کی مظلومیت کا سورج غروب رہ سکتا ہے جس طرح رب تعالیٰ کبھی رات کا عروج فرماتا ہے کبھی دن کا عروج، کبھی آفتابِ آسمانی کمالِ بلندی پر ہے، کبھی زوالِ پستی میں اسی طرح دنیوی طاقتیں بھی کبھی بقا کی بلندیوں پر کبھی فنا کی پستیوں میں، دوم یہ کہ دنیا کے اتار چڑھاؤ دنیا کی بے ثباتی کو ثابت کر رہے ہیں دن رات کی یہ کمی بیشی بتا رہی ہے کہ دنیا جہان کی کسی چیز کو نہ قرار ہے نہ ثبات ہے، اے دنیا پر مغرور ہونے والو سنبھل جاؤ سمجھ جاؤ، تیسری بات یہ کہ جو اللہ تعالیٰ رات کے ذریعے چڑھتے دن کو اور دن کے ذریعے پھیلتی رات کو مٹانے پر قادر ہے وہ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ مظلوموں کے ذریعے ظالموں کو مٹانے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا اے مکے کے ظالم کافرو آج اگر تم اِن مومن صحابہ کرام پر ظلم کر رہے ہو تو عنقریب ان کے ذریعے ہی تم کو مجبور، مقہور اور مقتول بنا کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا، اُس ذاتِ قدیم کے لیے فنا کرنا بھی آسان ہے بقا دینا بھی آسان زمین اور زمین کی مخلوق کیا چیز ہے وہ تو آسمان کے سورج پر بھی غالب وحاکم ہے جب چاہے جہاں چاہے دن کو گھٹائے یا رات کو مٹائے اور جو ذاتِ پاک رات کے اندھیرے میں سے دن نکال سکتا ہے اور دن کی روشنی پیدا کا اندھیرا لا سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اِس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کفار کی بادشاہی چمک رہی ہے اُن کفار کے زوال کی رات بھی دنیا جہان اور ایمان والے جلدی دیکھیں گے آج اگر اہلِ ایمان پر ظلم و اذیت کی رات پھیلی ہے تو عنقریب ان کا روشن دن کفر کی سیاہ رات پر غالب آ جائے گا۔ ایلاجِ لیل ونہار دلیلِ قدرت ہے اور قدرت میں دلیلِ نصرت ہے اور نصرت میں دلیلِ رضا ہے، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک سمیع والا بھی ہے دیکھنے والا بھی، مخلوق کی سننے والا عالمین کو دیکھنے والا، مظلوم کی سننے والا ظالم کو دیکھنے والا اقوال کا سمیع اعمال کا بصیر ہے۔ دعاؤں کو سننے والا، دعا والوں کو دیکھنے والا، ایمان والوں کی سننے والا کفر والوں کو دیکھنے والا انعام والوں کی سننے والا۔ عذاب والوں کو دیکھنے والا، نہ کوئی اس کی سماعت کے زمرے سے دور رہ سکتا ہے نہ کوئی اُس کی بصارت کے گھیرے سے نکل سکتا ہے تمام مخلوق کی بے شمار زبانوں لغتوں کو بھی اور ایک زبان کے بے شمار لہجوں طریقوں طرز بیانیوں کو بھی بیک وقت سننے والا سن کر حاجت روائی مشکل کشائی فرمانے والا

اور تمام مخلوق کی بے شمار مختلف شکلوں صورتوں حلیوں کو دیکھتے پہچانتے والا نہ اُس کی عدالت بہری ہے نہ اُس کا قانون اندھا ہے ذٰلِكَ وہ. یُولِجُ الَّیۡلَ وَالنَّھَارِ، کی قدرتیں سماعت کی عظمتیں بصارت کی رفعتیں اس وجہ سے ظاہر و غالب ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات صفات، قدرت قوت، معبودیت، مسجودیت، مطلوبیت، بقا، عُلیٰ، قانون، قول فعل، قدیم ہوتے ابدی رہتے ہیں حق اور واجب الوجود ہے اُس کی ہر چیز حق ثابت، قائم، دائم، باقی ہے اُس کا دین حق، کلام حق، قانون حق شریعت حق، انبیا حق ان کی شان آن حق اور ہمیشہ باقی رہنے والی، رب تعالیٰ کی کسی چیز کو نہ زوال نہ فنا یہی وجہ ہے کہ ؎

جہاں میں اہلِ ایمان مثلِ سورج باقی رہتے ہیں ؏ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اللہ تعالیٰ کی چیز وہ ہے جس کا رب تعالیٰ نے اِصطفا اِجتبا، اور اصطناع فرمایا. وَاَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ اور بے شک وہ بُت دیوی دیوتا جن کو دنیا کی یہ کفار پوجتے پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ خالق مالک رازق حقیقی معبود سے مِنۡ دُوۡنِ ہو کر منہ پھرا کر اُس کی خالص عبادت چھوڑ کر بس وہ ہی باطل و فنا ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی، دنیا میں بے بس آخرت میں بے کس لغو و کذب لہو و لعب، بے ثبات بے وقار، زائل و زاھق ہیں نہ نفلانہ قرار نہ نفع دے سکیں نہ نقصان پہنچا سکیں نہ خود کو دشمن مخالف سے بچا سکیں، کفار اپنے بتوں سے بہت آسیں امیدیں لگائے بیٹھے ہیں. حالانکہ وہ نرے باطل ہیں اُن کی کچھ اصلیت و حقیقت نہیں محض فضول ٹکڑے ہیں ان کی پوجا بیکار. وَاَنَّ اللّٰهَ ھُوَ الۡعَلِیُّ الۡکَبِیۡرُ. اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک بلندی بزرگی، غالبیت حاکمیت، تسلط حکومت جلال و جمال و کبریائی والا ہے. اس لیے کہ وہ ہی علی ہے وہی کبیر ہے. علی ہے قاہر و مقتدر ہو کر، کبیر ہے تدبر و عظیم ہو کر علی ہے نفع نقصان دینے میں کبیر ہے وسعتِ سلطنت و حکومت میں علی ہے ہر شئی پر کبیر ہے ہر ایک سے نہ کوئی برابر ہے اُس کے نہ کوئی شریک ہے اُس کا. اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ. لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ. اے مخاطب انسان کیا تو نے آسمان کی طرف سے کتنی بار بارش اترتے نہیں دیکھی یاد رکھ اور یقین کر کہ بے شک وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ہی اُتاری کیونکہ وہ ہی ایسی عظیم تو توں قدرتوں والا ہے چاہے تو دن رات کو گھٹا بڑھا کر فضاءِ عالم کی سنگت تبدیل کر دے. چاہے تو بارش برسا کر زمین دنیا

کی رنگت کو بدل دے اس طرح سے کہ کسی بھی وقت آسمان کی طرف سے رب تعالیٰ نے پانی اتارا تو تھوڑی مدت بعد تمام زرعی زمین ہرے رنگ کی تر و تازہ ہو گئی۔ کہیں گھاس، کہیں پودے کہیں سبزی ترکاری اُگ کر ابھر آئی۔ اور کیا کبھی ایسا بھی تو نے نہ دیکھا کہ بعض زرعی زرخیز علاقوں میں رات کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا تو صبح کو تمام زرعی زمین نباتات سے ہری بھری ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ دنوں میں وہی خشک پڑی زمین گل و گلزار بن گئی اِن آیت میں سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ آج یہ ملکِ عرب جس پر کفر کی رات چھائی ہوئی ہے اور شرک کی خشکی پھیلی ہوئی ہے اے اہلِ کفر و شرک مغروری نہ کرو اور اے منافقو مشکوک نہ بنو اور اے مسلمانو مایوس و پریشان نہ رہو۔ اے ایمان والو نہ گھبراؤ۔ نورِ نبوت سراجًا منیرا طلوع ہو چکا ہے آسمانِ کرم کی طرف سے نزولِ آیات کی بارش ہو رہی ہے عنقریب یہی اندھیر نگری آفتابِ عالمتاب کی شعاعوں سے ایسی جگمگا جائے گی کہ نہ کسی آنکھ نے ایسی چمک دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی، اور آسمان و زمین والے پکار اٹھیں گے ؎

ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل ؛ وہی اک مدینے کا چاند ہے سب اُسی کلام کی بہار ہے

(حکیم الامت سالک بدایونی) آسمان کے سورج میں تو کبھی ایلاجِ لیل کبھی ایلاجِ نہار مگر عرب کی سرزمین پر شبِ کفر کا ایلاج پھر کبھی نہ ہوگا اور تم دیکھتے جاؤ کہ اسی عرب کے جھاڑ جھنکاڑ بحر و بیابان میں دین و ایمان شعائرِ اسلام نشاناتِ عرفان آیاتِ رحمٰن کا ایسا گلزار کھلے گا کہ کائناتِ انسانیت کی چشمِ بصارت نے اس سے پہلے دیکھا نہ ہوگا یہ سب کچھ ایسے طریقے ہوتا چلا جائے گا کہ نہ عقلا کی عقل محسوس کر سکے نہ علما کا علم، اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ہر فعل میں لطیف ہے، ہر چیز سے خبیر ہے۔ ابتداءِ فعل پر لطیف ہے۔ انتہاءِ انجام پر خبیر ہے اپنے افعال میں لطیف ہے۔ بندوں کے اعمال پر خبیر ہے لطیف ایسا کہ اُس کے کسی کام کو کوئی محسوس بھی نہیں کر سکتا۔ خبیر ایسا کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی اُس سے مخفی نہیں۔ کون جانتا تھا کہ خفیہ غار میں پرورش پانے والا یتیم ابراہیم آئندہ دنوں میں پوری دنیا پر مسلط شاہِ نمرود کی بادشاہی کو پوری قوم کے سامنے ذلیل و مبہوت کر دے گا اسی طرح کون جانتا ہے کہ آج کفار کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کرنے والے نہتے مسلمان کل پورے عرب و عجم پر چھا جائیں گے۔ اور ان پڑھ بدو کل اسلام کا جھنڈا لے کر قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کے قابض و فاتح ہو جائیں گے۔ آج زمینِ نیاز پر بیٹھے

والے کل عرشِ ناز پر جلوہ گر ہوں گے کون جانتا تھا کہ آج مکے کی گلیوں میں چلنے پھرنے والا دُرِ یتیم کل اُس کے ہی غلام دنیا کے امام ہوں گے، یہ سب اُس کی قدرت کے کرشمے ہیں جو لطیف ہے زمین والوں پر خبیر ہے آسمان والوں پر کیونکہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اُسی خالقِ علیم و مالکِ قدیم کا ہے جو کچھ تمام آسمانوں میں ہے اور جو کچھ پوری زمین میں ہے۔ خلقاً و ملکاً و عبیداً مخلوق و مملوک ہو کر بھی بندے ہو کر بھی، ظاہری اشیا بھی اور باطنی بھی اسی لیے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اسی کے تصرف میں ہر وقت ہر شخص اُسی کا محتاج اس کے دروازے کا فقیر ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات سے غنی ہے کسی سے کسی چیز کا طالب نہیں وہ ہی حمید ہے اپنی ذات وصفات میں ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر حمد والا ہے ہر وقت حمد والا ہے ہر زبان سے حمد والا ہے۔ زبانِ قال سے بھی زبانِ حال سے بھی، زبانِ اسرار سے بھی۔ زبانِ ظاہر سے بھی، زبانِ باطن سے بھی، زبانِ خفی سے بھی۔ زبانِ جلی سے بھی، زبانِ جمادات نباتات، حیوانات سے بھی۔ زبانِ علم سے بھی، زبانِ عقل سے بھی، زبانِ جہل سے بھی، ہر فعل میں حمد والا ہر قول میں حمد والا کوئی انسان زبان سے حمد کرے یا نہ کرے اُس کی حمد ہر حال و مقال سے خود بخود ہو رہی ہے۔ لطیف کے پانچ معنیٰ ہیں ۱ فضل و کرم و شفقت فرمانے والا ۲ غیر محسوس ہونے والا افعال، اقوال ارادے میں ۳ ہر دقیق و جلیل و ظہیر کو جاننے والا ۴ رزق دینے لطف فرمانے والا ۵ نباتات اُگانے میں حیوانات چلانے میں جمادات بنانے میں، آسمانوں کو ٹھہرانے میں زمین کو پھیلانے میں لطیف ہے۔ خبیر کے تین معنیٰ ۱ بندوں کی تدابیر کا خبیر ہے ۲ بندوں کی نیتوں ارادوں، آس و یاس و اصلاح کی خبر رکھنے والا ۳ حاجاتِ مخلوق کو جانتے والا پہچانتے عطا کرنے والا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ سے بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ کے چھ دلائل بیان فرمائے گئے دو دلیلیں یہاں بیان ہوئیں دلیل اوّل۔ بے شک وہ اللہ حق ہے کیونکہ وہی بارش برساتا نباتات اگاتا ہے۔ دلیل دوم۔ وہ اللہ حق ہے کیونکہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں زمین میں ہے۔ چار دلائل۔ اگلی آیت میں ہیں۔ دلیل سوم۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہی مَا فِي الْاَرْضِ کا مسخر ہے۔ دلیل چہارم وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہ ہی کشتیوں جہازوں کو چلانے، بچانے اور انسانوں کے قبضے میں دینے والا ہے۔ دلیلِ پنجم وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہی آسمانوں کو چلنے اور گرنے سے روکے ہوئے ہے۔ دلیلِ ششم وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہ ہی زندہ کرتا ہے وہ ہی مارتا ہے

وہ ہی دوبارہ زندگی دینے والا ہے۔ حیات و ممات پر اُسی کا قبضہ قدرت ہے۔ ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال اَلَمْ تَرَ کے معنیٰ اور مرجع میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا رویت اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی غور و فکر سے دیکھنے اور تَرَیٰ کی ضمیر پوشیدہ اَنْتَ کا مرجع ہر مخاطب سننے والا ہے یعنی یہ کہ اے انسان کیا تو نے اپنی ظاہری نگاہ اور غور و فکر سے بارش برستے اور اس کے ذریعے زمین کو سرسبز ہوتے نہ دیکھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ صرف ظاہری بارش دکھانا اور اُس سے سبزی اگنے کا نظارہ کرانا مقصود ہے اس لیے ہر ظاہر بین کافر مومن کو خطاب ہے ۲ بعض نے کہا تَرَیٰ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور تَرَیٰ کا معنیٰ ہے اے محبوب کیا آپ نے یہ نہ جانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُتارا آسمان سے پانی تو ہو گئی زمین سرسبز۔ یہاں رویت کا معنیٰ ہے علم یعنی جاننا، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں صرف بارش دکھانا مقصود نہیں نہ زمین کی سرسبزی دکھانا ہے بلکہ ان دونوں میں رب تعالیٰ کی فاعلیت بتانا مقصود ہے۔ اور وہ دیکھنے میں نہیں آتی اس کا تعلق علم سے ہے رب تعالیٰ کی فاعلیت کا حقیقی علم صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی نہیں، کفار بے خبر ہیں اس لیے منکر اہل ایمان انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے بالغیب باخبر اور معتقد۔ دونوں قول درست ہیں اور خطاب سب کو ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو علم کا خطاب، مومنین کو عقیدے کا کفار کو ایمان لے آنے کا۔ یعنی اے انبیاء کیا تم کو علم نہیں اور اے مومنین کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے اور کفار کیا تم اس پر سچا ایمان نہیں لاتے کہ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ میں دو قول ہیں ۱ آسمان سے مراد حقیقی آسمان ہے ۲ بعض نے کہا اَلسَّمَآءِ سے بلندی مراد ہے۔ فَتُصْبِحُ کے معنیٰ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ فَتُصْبِحُ فعل ناقصہ اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی صبح کو ہونا ۲ بعض نے کہا کہ یہ صَارَ ناقصہ کے معنیٰ میں ہے یعنی کسی وقت بھی زمین پر تبدیلی ہو جانا خواہ جلدی یا بدیر۔ مُخْضَرَّةً کی قرأت میں دو قول ہیں ۱ ایک قرأت میں یہ اسم مفعول ہے یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ دوسری قرأت میں مَخْضَرَةً اسم ظرف ہے یعنی سبزی کی جگہ یہ قرأت شاذ ہے۔ مُخْضَرَّةً کے معنیٰ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے نباتات کا اُگنا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے ہرا رنگ کی ہو گئی زمین دونوں قول درست ہیں کیونکہ مقصد دونوں کا ایک ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ کے اَنَّ اور اَنَّ ما کے اَنَّ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ یہ دونوں لَمَّنَّ مفتوحہ ہیں اس لیے کہ درمیان جملے میں ہیں اور بعد

عطف ہے اپنے اپنے ما قبل یا اَنَّ پر ۲ بعض نے کہا یہ دونوں اِنَّ مکسورہ ہیں کیونکہ یہ معطوف نہیں بلکہ ابتداءِ کلام میں ہیں۔ پہلا قول درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب قرٗت یہی ہے۔ یَدْعُوْنَ کی قرٗت میں دو قول ۱ مشہور و مکتوب قرٗت یَدْعُوْنَ ہے۔ جمع مذکر غائب ۲ شاذ قرٗت تَدْعُوْنَ جمع مذکر حاضر ھُوَ الْبَاطِلُ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد بُت ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد شیطان ہے پہلا قول درست ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق کے مطابق ہے

فائدے اِن آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ اگرچہ سرزمین دنیا پر اس حیاتِ دنیوی میں بے شمار سلطنتیں، حکومتیں، وزارتیں، صدارتیں، عدالتیں قائم ہیں۔ مگر تمام عالم پر سچا حقیقی ذاتی مضبوط، مستحکم ابدی، مؤثر نظامِ کائنات اُسی ربِ قدیر جلیل و کریم کا ہی جاری و نافذ ہے۔ اس طرح کہ رات، دن، چاند، سورج، موسم فضاؤں ہواؤں جمادات نباتات، حیوانات قلب و قالب روح، و جان پر اُسی ذوالجلال کا غلبہ قہر و مہر ہے دنیوی بادشاہ کی بادشاہت صرف عاقل بالغ و سمجھ دار انسان کے جسم پر ہوتی ہے نہ قلب پر نہ روح پر نہ مکھی پر نہ مچھر پر نہ چرند و پرند یہاں تک کہ ایک نابالغ بچہ اور مجنون انسان بھی کسی بادشاہ، وزیر کے حکم کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں سمجھتا، یہ فائدہ۔ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ ساری زمین پر لیل و نہار کا غلبہ اور لیل و نہار پر اللہ تعالیٰ کی سلطنت قائم اُس کے حکم کے خلاف کوئی دم نہیں مار سکتا۔ **دوسرا فائدہ**، اِن آیات سے مسلمانوں کو ایک یہ بھی سبق ملتا ہے کہ دنیا میں صرف اسلام و قرآن کا قانون ہی حق سچ مضبوط اور عادلانہ دائمانہ ہے دیگر انسانی بنائے ہوئے تمام قوانین نہ حق نہ سچ نہ عادلانہ دائمانہ بلکہ اندھے بہرے اور ظالمانہ قانون ہیں، حق سچ اور عادلانہ قانون کی چھ نشانیاں ہیں ۱ قانون بہرہ نہ ہو ہر ایک کی سنے ۲ قانون اندھا نہ ہو امیر غریب بادشاہ وزیر سب پر نظر انصاف رکھے ۳ قانون بے علم جاہل نہ ہو ہر ظالم و مظلوم کو پہچانتا ہو ۴ قانون کمزور اور پست نہ ہو بلکہ ہر ایک پر غالب سب پر بلند ہو کسی قسم کی لچک یا جھکاؤ نہ ہو ۵ قانون وقتی ھنگامی اور ناقص نہ ہو بلکہ دائمی اور کامل مکمل ہو۔ قانون میں یہ صفات تب پیدا ہو سکتی ہیں جب قانون بنانے والے میں یہ شان و صفات ہوں، لیکن جب قانون ساز حکومت چھوٹی و کمزور ہو تو اُس کا قانون بھی چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے جیسا کہ آج کل احمقانہ جمہوریت کا نظام جو یہود و نصاریٰ انگریز کا پیدا کردہ ہے۔ چونکہ موجودہ جمہوریت کی کرسی کمزور ہوتی ہے اس لیے اس کا بنایا ہوا کوئی بھی قانون مضبوط نہیں ہوتا اور

ملک دبیرونِ ملک کوئی حیثیت واہمیت نہیں رکھتا مخالف گروہ (اپوزیشن) کی طرف میں اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی ۔ مگر قرآنِ مجید کے قانون کو مضبوطی بھی ہے دوام بھی اچھائی بھی غلبہ بھی اسی لیے کہ اُس کو بنانے والا ہر شان وقوت کا مالک ہے۔ یہ فائدہ اِن آیت میں باری تعالیٰ کی نو صفات بیان فرمانے سے حاصل ہوا ۱ وہ سمیع ہے ۲ وہ بصیر ہے ۳ وہ ہی حق ہے اس کے سوا سب بڑے بننے بنانے والے باطل ہیں قانونِ کلیہ ہے کہ حق کی ہر چیز حق ہے باطل کی ہر چیز باطل ہوتی ہے ۴ وہ علی ہے ۵ وہ کبیر ہے ۶ وہ لطیف ہے ۷ وہ خبیر ہے ۸ وہ غنی ہے ۹ وہ حمید ہے۔

تیسرا فائدہ ۔ مِنْ دُوْنِہٖ صرف وہ چیزیں اور وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور دشمنوں کی دینی مذہبی چیزیں مثلاً بُت ، فوٹو ، تصاویر ، صلیب ، مندر ، گرجا وغیرہ بھی سب غیر اللہ ہیں ، لیکن اللہ تعالیٰ ربُّ العزت کے دوست اولیا ، علما ، صُلحا ، اور تمام انبیاء کرام علیہم السّلام اور اُن کے تبرکات ، قرآنِ مجید احادیث مقدسات ۔ کعبہ شعائر اللہ یہ تمام نہ مِنْ دُوْنِہٖ ہیں نہ غیر اللہ لہٰذا ان کو بلانا پکارنا وسیلہ پکڑنا ، اُن کے وسیلے وطفیل سے مولیٰ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا نہ کفر نہ شرک نہ گناہ تمام مِنْ دُوْنِ اللّٰہ باطل ہیں اور تمام مِنَ اللّٰہ حق ہیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ حق ہے یہ فائدہ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ، سے حاصل ہوا ۔ اور حق سے مانگنا بھی حق سچ اور جائز ہے ۔

احکام القرآن

اِن آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔ پہلا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق ہر وہ چیز جس کو دنیا کے کفار پوجتے ہیں وہ باطل ہے خواہ کسی بھی علاقہ کا اور کسی بھی قسم کا کافر ہو اور کسی بھی طرز وطریقے پر پوجا کرتا ہو لفظ باطل کے چار معنیٰ اور چاروں معنیٰ کے اعتبار سے باطل غلط اور فضول کو ہی کہا جاتا ہے ۱ باطل بمعنیٰ بیکار ۲ باطل بمعنیٰ قابل فنا ۳ باطل بمعنیٰ جھوٹ اور جھوٹا ۴ باطل بمعنیٰ نقصان دہ نیز دنیا بھر کے کفار صرف دنیا کی موذیوں بتوں اور غیر عقل والی چیزوں کو ہی پوجتے ہیں کسی بھی زمانے میں کفار نے کسی زندہ ذی عقل انسان کی دینی عقیدے یا مذہبی دائمی عبادت سمجھ کر پوجا پرستش نہ کی ، نمرود وفرعون کو سجدہ عارضی شاہی تعظیم اور اُس کے رُعب وخوف کی بنا پر تھا نہ کسی دین کی بنیاد پر ، دینی اعتبار سے تو وہ خود بھی اور اُن کی قومیں بھی سب بت پرست تھے ۔ اسی طرح نہ کبھی عیسیٰ علیہ السّلام کی پرستش ہوئی نہ عزیر علیہ السّلام کی بلکہ ان کے بعد وفات بعض قوموں نے اِن انبیا علیہم السّلام کی خیالی تصویروں فوٹوؤں کی پرستش شروع کر دی ، یہی کیفیت فرشتہ پرستی کی ہوتی رہی کہ کچھ کفار نے فرشتوں کی ذھنی خیالی بناوٹی

تصویریں بنائیں اور اُن تصویروں کو پوجا پکارنا اور اُن سے دعائیں مانگنا شروع کر دیا۔ لہذا حضرت عیسیٰ حضرت عزیز علیہما السلام کو یا فرشتوں کو باطل نہیں کہا جا سکتا نہ یہ حضرات کسی طرح باطل ہیں بلکہ یہ سب حق ہی حق ہیں۔ یہ مسئلہ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ۔ میں مَا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** قانونِ شریعت کے مطابق دنیا میں ہر شخص کو ہر قسم کا پانی بیچنا جائز ہے بارش کا ہو یا کوئیں، نلکے، دریا، نہری، تالاب، یا قدرتی جوہڑ۔ ندی نالے کا۔ بوتلیں بھر کر ہو یا گھڑے، پیپے، کنستر، مٹکے، مشکیزے۔ یا ٹینک بھر کر یا نالیوں، سوؤں، کھائیوں کے ذریعے یہ مسئلہ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے یہاں بارش کے نزول کو عجائباتِ قدرت اور فیوضاتِ رحمت میں شامل فرمایا نہ کہ انعامات میں۔ انعام کو بیچنا ممنوع یا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جیسے جنگلی خودرو پھل جڑی بوٹی نباتات وغیرہ وہاں اُن میں صرف اپنی محنت کی قیمت لینا جائز ہوتی ہے نہ کہ شی کی پانی کی تجارت بغیر محنت بھی جائز۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقہ ہے۔ اہلِ عرب میں پانی کی تجارت عام مروج ہے۔ بلکہ اب تو عالمی تجارت بن چکی ہے۔ بارش کا پانی بڑے بڑے پہاڑی تالابوں میں جمع کر کے گھر گھر پہنچانے اُس پر پیمانوں کے میٹر لگا کر فروخت کرنا تجارت کی ہی ایک صورت ہے نہری پانی کا مالیہ وصول کرنا بھی پانی کی قیمت ہے۔ شریعتِ اسلام نے اس خرید و فروخت کو ناجائز نہ فرمایا، اگرچہ مفت بانٹنے کا اجر و ثواب بہت فرمایا گیا ہے۔ **تیسرا مسئلہ** لفظ غنی اللہ تعالیٰ کی غیر خصوصی صفت ہے بندوں کو بھی غنی کہنا جائز ہے۔ لیکن اَلْغَنِیُّ۔ الف لام استغراقی کے ساتھ رب تعالیٰ کی صفتِ خصوصی ہے۔ لہذا کسی بندے کو اَلْغَنِیُّ کہنا منع ہے غنی کا معنیٰ ہے امیر اور دولت مند جو شخص مال و دولت میں کسی شخص کا محتاج نہ ہو۔ اور اَلْغَنِیُّ۔ کا معنیٰ ہے۔ تمام کائنات کے خزانوں کا مالکِ ابدی ہر طرح ہر وقت ہمیشہ سے ہمیشہ تک مالکِ مکمل، یہ مسئلہ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ (الخ) میں لَهُوَ۔ کے تاکیدی حصر فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اَلْغَنِیُّ سے مراد ہر وقت دولت کا خالق مالک اور کسی بھی طرح کسی بھی چیز میں کسی بھی وقت کسی کا بھی محتاج نہیں۔ غنی بندہ وہ ہے جو ایک دولت کا عارضی مالک اور صرف اس دولت میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ فَتُصْبِحُ چاہیئے تھا کہ سابقہ فعل ماضی اَنْزَلَ کی طرح یہاں اَصْبَحَتِ الْاَرْضُ فعل

ماضی فرمایا جاتا زیادہ بہتر تھا اس کا ترجمہ یہ ہوتا کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو زمین سرسبز ہو گئی **جواب** فَتُصْبِحُ فرمانا ہی عین مناسب ہے اس لیے کہ فعل ماضی میں فعل کی وحدت ہوتی ہے۔ مضارع میں فعل کی کثرت و تکرار ہوتی ہے۔ تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جب بھی رب تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کافی زمانوں تک زمین سرسبز رہتی ہے مثلاً بارش کسی بھی وقت چند گھڑی ہوئی تو اس کا اثر مہینوں سرسبزی کی شکل میں نظر آتا رہتا ہے۔ یہ معنی اور اظہارِ مقصد فَاَصْبَحَتْ ماضی کہنے میں نہ ہوتا۔ نیز فَتُصْبِحُ کے فرمان نے یہ بھی بتایا کہ بارش پہلے ہوتی ہے اور زمین کی ہریالی کچھ دنوں یا کچھ دیر بعد ہوتی ہے، اَصْبَحَتْ فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہوتا کہ ابھی بارش ہوئی اور اسی وقت زمین سرسبز ہو گئی حالانکہ یہ بات منشاءِ باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہے قانونِ قدرت کے بھی تجربے اور مشاہدے کے بھی۔ لہٰذا اعتراض غلط ہے اور فَتُصْبِحُ فرمانا بالکل درست ہے **دوسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ فَتُصْبِحُ پر ضمہ آیا حالانکہ زبر آنا چاہیئے تھا، کیونکہ اس کی فَ عاطفہ ہے۔ اور یہ اَلَمْ تَرَ سوالیہ جملے کے جواب میں آئی۔ قانونِ نحو یہ ہے کہ حرفِ سوال کے جواب میں آتی ہے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اور اَنْ ناصبہ ظاہر ہو یا پوشیدہ ما بعد مضارع کو نصب دیتا ہے، تو یہاں نصب کیوں نہ آیا۔ **جواب**۔ یہاں دو وجہ سے پیش آنا بہت ضروری تھا پہلی وجہ یہ کہ یہ فَ اَلَمْ تَرَ کا جواب نہیں بلکہ اَنْزَلَ پر عطف ہے لہٰذا یہ فَ جوابیہ اور جزائیہ نہیں بلکہ سببیہ ہے اور فَ سببیہ میں اَنْ [illegible] پوشیدہ نہیں ہوتا، دوم وجہ یہ کہ اگر فَ کا عطف اَلَمْ تَرَ پر ہوتا تو یہ سوالِ انکاری بن جاتا۔ اور آیت کا معنیٰ ہو جاتا کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً تو کیا ہوتی ہے زمین سرسبز یعنی نہیں ہوتی حالانکہ یہ سوالِ اقراری ہے اور معنیٰ یہ کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے اس لیے یہاں تُصْبِحُ کو نصب نہیں آ سکتا جب آتا ہے تو سوالِ انکاری پر آتا ہے۔ جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت ۱۰۹ میں ارشاد ہے۔ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا۔ یہاں فَیَنْظُرُوْا بحالتِ نصب ہے اسی لیے آخر کی نون اعرابی گر گئی، دراصل تھا فَیَنْظُرُوْنَ اور وہاں سوالِ انکاری ہے۔ مگر یہاں اَلَمْ تَرَ میں یہ بات نہیں نہ یہ سوالِ انکاری نہ یہاں نصب جائز۔ اہل عرب میں یہ بات مشہور و مروج ہے کہ اگر جواب کو نصب دیا جائے تو سوال انکاری بن جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اَلَمْ اُنْعِمْ عَلَیْکَ فَتَشْکُرَ۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ کیا میں نے تجھ پر اس لیے

انعام نہ کیا تھا کہ شکریہ ادا کرتا یعنی تو نے ادا نہ کیا اور اگر جواب کو پیش دیا جائے تو نَشْکُرُ کا معنی ہوتا ہے کہ تو تو بہت شکریہ ادا کرتا ہے یہاں چونکہ زمین کے سرسبز ہو جانے کا اظہار مقصود ہے اس لیے فَتُصْبِحُ کو رفع یعنی پیش آیا اگر یہاں زبر آتا تو معنی الٹ ہو کر غلط ہو جاتا کہ منشاء باری تعالیٰ ثبوت ہریالی ہے اور نصب لگانے سے ہریالی کی نفی ہو جاتی **تیسرا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا اَلَمْ تَرَ اس میں دیکھنے کا ذکر ہے، پھر فرمایا گیا فَتُصْبِحُ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ فَتُصْبِحُ کی ف سببیہ ہے حالانکہ بارش کو دیکھنا زمین کی سرسبزی کا سبب کیسے ہو سکتا ہے دیکھنا تو نہ ثبوت کا سبب ہے نہ نفی کا تو یہ ف سببیہ کیسے ہوئی۔ **جواب** اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ بعض نے کہا یہ ف سببیہ ہی ہے مگر مابعد جملہ اَلَمْ تَرَ کا مسبّب نہیں بلکہ نزولِ بارش کا مسبّب یعنی بارش ہوتی ہے تب تو دیکھتا ہے کہ زمین سرسبز ہو جاتی ہے یہ نزولِ بارش ظاہری مسبب ہے اور اللہ تعالیٰ کا بارش کو نازل فرمانا یہ رویت علمی و ایمانی عقیدۃً وبصیرۃً ہے پھر اس کے بعد ہریالی کا سبب بارش ہونے اور بارش کے ذریعے زمین کی ہریالی کے مشاہدے کی رویت ہے۔ **جواب دوم** یہ کہ یہ ف سببیہ ہی ہے اور اس کا سبب اَلَمْ تَرَ ہی ہے اور یہ سببیت کنایۃً تشبیہی ہے یعنی رویت سے ہی علم آتا ہے اور اسی رویت سے من اللہ ہونے کا عقیدہ بنتا ہے۔ رویت سے ہی نزولِ بارش اور زمین کی ہریالی کا پتہ لگتا ہے رویت کی سببیت صرف علمی ہے نہ کہ وجودی، کیونکہ رویت سے نزول و سرسبزی کا وجود نہیں ہوتا وجود کا علم ہوتا ہے۔ وجودِ اخضرار کا سبب نزولِ بارش ہے، اور نزولِ بارش کا سبب حکم الٰہی، غرضکہ رویت علم کا سبب، علم ایمان کا سبب ایمان عقیدے کا سبب، نزولِ بارش ہریالی کا سبب، قدرتِ باری تعالیٰ نزول و اخضرار کا سبب ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا یُوْلِجُ الَّیْلَ پھر فرمایا گیا یُوْلِجُ النَّھَارَ اس اولیت آخریت سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ قمری تاریخ میں رات پہلے ہوتی ہے پوری کی پوری اور دن پورا کا پورا بعد میں یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی دوسری اگلی تاریخ شروع ہو جاتی ہے آج ختم کل شروع ایک آیت میں ارشاد ہے اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ رات تک روزہ پورا کرو۔ حرفِ اِلٰی نے پوری رات روزے سے خارج کر دی ثابت ہوا کہ پہلا دن اور اگلی رات دو مختلف چیزیں ہیں، مگر پہلی رات اور اگلا دن دونوں ایک چیز ہیں، روزے کے اسی قانونِ قرآنی کی بنا پر علماء احناف فرماتے ہیں کہ سورج ڈوبتے ہی روزہ افطار کرنا لازم ہے، جیسے مغرب کی نماز کے بعد روزہ

افطار کیا اُس نے گناہ کیا اور اپنا روزہ مکروہ کیا، کیونکہ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ کے حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رات کا کچھ حصہ بھی اپنے روزے میں شامل کر لیا۔ حالانکہ بحکم ربانی رات کا ذرہ حصہ بھی رات میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ بعض احمق لوگ افطار میں دیر لگاتے ہوئے بعد نماز مغرب افطار کرتے ہیں اور اس کو احتیاطی تقویٰ سمجھتے ہیں وہ خود گناہگار اور اُن کے روزے مکروہ ہو جاتے ہیں یہ تقویٰ نہیں بلکہ کمزوریِ ایمان کا تقویٰ ہے۔ اس آیتِ یونسؑ۔ اور حکم اَتِمُّوا سے ثابت ہوا کہ اسلامی قانون میں سورج ڈوبتے ہی کل شروع اور تاریخ بدل گئی۔ اعتراض یہ ہے کہ حدیث پاک میں سحری کے بعد روزہ بند کرنے کی دعا اس طرح مذکور و مشہور ہے۔ وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ۔ اس کا ترجمہ علما نے یہ لکھا ہے۔ اور کل کے روزے کی میں نے نیت کی، عربی زبان میں گذشتہ کل کو امس اور آئندہ کل کو غد کہتے ہیں، اور آئندہ دوسری اگلی تاریخ کو ہی کل آئندہ کہا جاتا ہے، جب وہ تاریخ آئندہ اور غد شروع رات سے ہی شروع ہو گیا تھا تو اب سحری کے بعد آخری وقت غد کیوں اور کس کو کہا گیا، یا پھر اسی دعاءِ مشہورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رات سے نہ تاریخ بدلی نہ کل شروع ہوا جب کل کی ابتدا سحری کے بعد تو لازمی بات ہے کہ نئی تاریخ کی ابتدا بھی سحری کے بعد ہی ہو گی۔ یُوْلِجُ اللَّيْلَ اور اَتِمُّوا الصِّيَامَ کی آیتوں نے کچھ بتایا دعاءِ حدیث نے کچھ بتایا۔ اس اُلجھن کا حل کیا ہے (از سید افتخار احمد شاہ ابن سید حکیم بہار شاہ صاحب) جواب۔ یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ قمری تاریخ سورج ڈوبتے ہی بدل جاتی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ حرفِ اِلٰی انتہاءِ غایت کے لیے آتا ہے اور اگر اِلٰی کا ماقبل اور مابعد ایک جنس کے نہ ہوں تو مابعد ماقبل میں داخل و شامل نہیں ہوتا اِلٰی کے ماقبل کو غایت کہتے ہیں اور مابعد کو مُغَيًّا کہتے ہیں اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ میں صیام غایت ہے لَيْلَ مُغَيًّا ہے۔ تاریخی اعتبار سے چونکہ صیام اور صیام والے وقت کی جنس اگلی رات سے جدا ہے اس لیے روزے کا کوئی حصہ ذرہ برابر رات میں داخل نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے کسی روزے دار کو جائز نہیں کہ روزہ دیر سے افطار کر کے رات کا کچھ حصہ روزے میں شامل کر لے یہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی اور باعثِ گناہ ہے چونکہ سورج ڈوبتے ہی تاریخ تبدیل ہو جاتی ہے اس قانونِ ربانی سے ثابت ہوا کہ رات کی جنس دن کی جنس سے علیحدہ ہے، تاریخ اور کل میں فرق یہ ہے کہ تاریخ دن و رات کے مجموعے کا نام ہے مگر کل ہر زمانی مختلف جنس کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح لفظِ کل اور لفظِ غدًا میں فرق ہے اُردو میں کل پوری تاریخ کو بھی کہا جاتا ہے اور دن کو بھی۔ یعنی صبح سحر شام غروب تک بھی کل

عربی میں لفظِ غداً تین معنی میں مستعمل ہے (۱) رات دن کی پوری تاریخ بھی غداً ہے (۲) فجرِ صادق سے غروبِ آفتاب تک پورا دن بھی غداً ہے (۳) طلوعِ آفتاب سے اشراق تک بھی غداً پہلے غداً کا نام تاریخی غداً دوسرے غداً کا نام جنسی غداً تیسرے غداً کا نام اصطلاحی غداً۔ اصطلاحی غداً کی ہر چیز کو اہل عرب غداً کہہ دیتے ہیں۔ یعنی اُس وقت کے کھانے پینے سونے جاگنے چلنے پھرنے کو غداً کہہ دیا جاتا ہے ہم اُس وقت کے کھانے کو ناشتہ کہتے ہیں اہل عرب ناشتے کو غداً کہتے ہیں۔ دعلا حدیثِ پاک وَبِصَوْمِ غَدٍ میں غداً جنسی مراد ہے نہ کہ تاریخی یا زمانی اصطلاحی غداً، دن رات تک پندرہ حصے ہیں جن کے عربی نام اس طرح ہیں (۱) وقتِ مغرب (۲) وقتِ شام (۳) وقتِ عشا (۴) نصفِ لیل (۵) ثُلُثُ اللَّیل (۶) آخِرُ اللَّیل (۷) وقتِ سحر (۸) وقتِ صبح (۹) وقتِ اشراق (۱۰) وقتِ چاشت (۱۱) نصفُ النہار (دوپہر) ۱۲ وقتِ ظہر (۱۳) وقتِ عصر (۱۴) آخر الیوم (پچھلا پہر) (۱۵) وقتِ صفر الآفتاب (جب دھوپ پیلی پڑ جائے) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ، ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ وہ تمام قبض وبسط ترقی و تنزل زوال وکمال، ثواب وعتاب، شریعت کا رنگ طریقت کی خوشبو، غیروں کی عداوت اپنوں کی عدالت، عالمِ ناسوت کے ہر زمان ومکان میں اس وجہ سے جاری وساری ہے کہ خالق قالب مالکِ قلب قابضِ ارواح مولیٰ تعالیٰ ہی شبِ فراق اور لیل و یجور کو داخل فرماتا ہے طویل بناتا ہے یومِ وصل و نہارِ مکاشفہ میں، اور وہی ربّ قدیر داخل وطویل فرماتا ہے یومِ وصل و نہارِ قربت کو لیلِ فراق وشب دیجور میں بے شک وہی مولیٰ تعالیٰ اہلِ درد کی شبِ تنہائی کی آہیں لیلِ خلوت کی فریادیں سننے والا ہے اور اہلِ وصل کو یومِ جلوت اور منزلِ قرب میں دیکھنے والا ہے، وہ غفران وبخشش جو عاقبت میں ظہورِ نفس کے وقت ہوئی یا وہ تائید ونصرت جو رعایت عدل کی وقت ہوئی اُن کثرۂ ثانیہ کی ہمراہی میں جن میں گہرا انظلام اور پورا اندھیرا ہے اس سبب سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ظلمتِ نفس کی رات کو نہارِ قلبِ مزکّیٰ کے نور میں ڈالتا ہے اس طرح کبھی یومِ قلبی کو کم کر دیتا ہے نفسِ امّارہ کی حرکاتِ خبیثہ کی وجہ سے کیونکہ طبیعت درویش پر کبھی نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے یہی راہِ سلوک کا ایلاجِ لیل ہے کہ نہارِ قلبی پر لیلِ نفسانی کی بغتتِ عاقبت طاری ہو جاتی ہے، اور کبھی مزاجِ درویش پر نہارِ قلب کے نور کو

داخل فرماتا ہے جس سے ظلمتِ نفس کی رات میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہی معارفی سیئات کا علاجِ نہار ہے ۔

اگر درویش بر جائے بماند ۔ سر دست از دو عالم بر فشاند ۔

اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر حکمت اور تصرفاتِ قدرت سے ہے، بے شک وہ سننے والا ہے اُن کی دلی نیتوں کو اور بصیر ہے تمام اعمال کا اُن کے ساتھ اُن کے اعمال و نیات کے مطابق ہی معاملہ فرمائے گا، سمیع ہے ظلمانی راتوں میں بصیر ہے عرفانی دنوں میں، سمیع ہے پکارنے والوں کا۔ بصیر ہے راہِ طلب میں چلنے والوں کا نہ فراق والوں سے بیخبر نہ وصل والوں سے بے خبر ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی جلی و خفی میں حق و حق والا ہے اُس کی طلب حق، طلب والے حق، اُس کی یاد حق اُس سے فریاد حق اُس کا وصل حق وصل والے حق وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ۔ اور بے شک یہ اہلِ نفوس جن اغیار و اشرار کے پرستار و طلب گار و ہر دم پکارتے پھرتے ہیں، روز و شب اسی کے والہ و شیدا ہیں وہ سب فانی و باطل ہیں نہ عالم کو بقا نہ عالم کی رنگ و بو بہار و خزاں کو بقا، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہی ہر تہہ و بالا ہر اعلیٰ وَادنیٰ، ہر سیاہ و سفید، ہر مرید و مخلص پر علی ہے۔ غالب ہے کبیر ہے عظیم ہے۔ علی ہے رات والوں پر کبیر ہے دن والوں پر، شریعت والوں پر علی ہے طریقت والوں پر کبیر ہے۔ جلوت والوں پر علی ہے خلوت والوں پر کبیر ہے، خلوص والوں پر علی ہے، ریا والوں پر کبیر ہے نہ وہ آسکے قبضے سے باہر نہ یہ اُس کے غلبے سے دور، بے شک اللہ تعالیٰ علی ہے اُن تمام چیزوں سے جن کو طالبین ابتدائی پا لیں، کبیر ہے اُن تمام سے جن کو واصلینِ منتہی بھی نہ جان سکیں، اُس کی شان علی ہے اس کا امر کبیر ہے اس کا جمال علی ہے اُس کا جلال کبیر ہے اُس کی ذات علی ہے اُس کی صفات کبیر ہیں۔ کوئی شی اُس سے کسی شان، آن، قال، حال، علویات، سفلیات، محسوسات معقولات میں اعلیٰ نہیں۔ امام غزالی نے فرمایا، علویت اور کبیریت دو قسم کی ہے ۱ علویت و کبیریتِ مطلقہ ۲ علویت و کبیریتِ اضافیہ، علیِ مطلق ہونا، واجبُ الوجود کی شان ہے علویتِ اضافیہ وجودِ ممکن کی شان ہے۔ کبیرِ مطلق وہ ہے جو کبریائی والا ہو۔ کبیریت اضافیہ یہ کہ بندہ کبریائی کا محتاج ہو، کبریائی نام ہے کمالِ وجود کمالِ ذات کمالِ صفات کا، کمال یہ ہے کہ ہر وجودِ ممکن کی شان ہے۔ کبیرِ مطلق وہ ہے جو کبریائی والا ہو، کبیریت اضافیہ یہ کہ بندہ کبریائی کا محتاج ہو۔ کبریائی نام ہے کمالِ وجود کمالِ ذات کمالِ صفات کا، کمال یہ ہے

کہ ہر موجود اُس سے صادر وہ خود ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہو، ہر ممکن ناقص ہے اس لیے کہ دو عدموں سے فنا ہے ایک پہلا عدم ایک بعد والا عدم یعنی نیست سے حیات، حیات سے موت، اِسی لئے اُس انسان کو کامل و کبیر کہا جاتا ہے جس کی مدتِ وجود اور مدتِ بقا طویل ہو یعنی کبیر اُلسّن نہ کہ عظیم اُلسّن یہی کبیر و عظیم کا فرق ہے، پس بندوں میں کبیر وہ ہے جس کا کمال اُس کی ذات تک محدود محفوظ نہ ہو بلکہ ہم نشین تک پہنچے۔ بندگانِ کاملین کا کمال ان کی عقل علم تقویٰ اور عمل میں ہے لہٰذا بندوں میں کبیر وہ ہے جو عالم، عاقل، عامل، مرشدِ عباد و مصلحِ خلائق ہو تاکہ اُس کے انوارِ علم سے چراغِ ہدایت روشن کئے جاسکیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جس نے علم پایا اور پڑھایا عمل کیا کرایا وہ ملکوتِ سمٰوٰت میں عظیم و کبیر کا لقب پاگیا۔ عرض کیا گیا یا روح اللہ ہم کس کے پاس بیٹھا کریں آپ نے فرمایا اُس کے پاس جس کی گفتگو تمہارے علم کو، جس کا دیدار تمہارے ذکرُ اللہ کو اور جس کا عمل تمہاری رغبتِ آخرت کو زیادہ کرے۔ آپ نے فرمایا ہر ما سوا اللہ باطل ہے کیونکہ وجودِ ذاتی میں غیر موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فضل چھایا ہوا بادل ہے ہر مُلک اس کی مِلک ہے، اس کی ذات مالک ہے، اُس کی صفات خالق ہے اُس کے سوا ہر شئی ہالک ہے، وہی رب تعالیٰ لیلِ بشری کو نہارِ تجلی میں اور نہارِ اُنسیت کو لیلِ ھیبت میں داخل فرماتا ہے، اور لیلِ قبض کو نہارِ بسط و کشادی میں اور نہارِ عطا کو لیلِ لقا میں داخل فرماتا ہے اس طرح کہ عابدین پر عطا، عاشقین پر لقا، مجذوبین پر وصل و کشاد، محرومین پر قبض و فراق زیادہ کرتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ اے بندۂ نفس کیا تو نے بصارتِ ظاہری سے نہ دیکھا، اور اے بندۂ مولیٰ تعالیٰ کیا تو نے یقینِ علمی کی بصیرتِ باطنی سے نہ جانا۔ اور بندۂ عشق کیا تو نے نگاہِ محبت سے عقیدہ نہ بنایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانِ قلب سے حکمت کا پانی نازل فرمایا تو زمین بشریت شریعت کے غنچوں سے اور زمین قلبی اسرار کے پتوں سے اور زمین ارواح علوم کے پھولوں سے اور زمین عقل مکاشفات کی نباتات سے اور زمینِ آدمیت انوارِ معرفت کی کلیوں سے سرسبز و شاداب ہوگئی، اِنَّ اللّٰهَ، بے شک اللہ تعالیٰ لطیف جمال ہے اس کا لطف تمام قلب و قالب کی طرف اس طرح پہنچتا ہے کہ کسی نفسِ نفیس و طبعِ دقیق کو بھی محسوس نہیں ہوتا وہ رب کریم ہی سالکینِ معرفت اور طالبین سعادت کی ہر آن و ہر مکان میں خبر رکھنے والا ہے کہ کون کس تدبیر ظاہر کے لائق ہے، کون کس تقدیر باطن کے قابل ہے اسی رب قدیر کا ہے جو کچھ کہ سموات عبادت میں اور زمین ریاضت میں ہے، جو کچھ کہ سموات رفعتِ اعلیٰ اور

زمین عجز قلبی میں ہے اور جو کچھ سموات شریعت اور زمین حقیقت میں ہے سب اسی کا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے کیونکہ خالق سموات مالک ورمیات ہے، غنی ہے عابدین کی عبادت اور زاہدین کے زہد سے نہ کسی کی حاجت نہ ضرورت، عطا میں ایسا غنی کہ تمام مخلوق کو دیکر بھی اس کی غنا میں ذرہ کمی نہیں آتی، وہ حمید ہے ذاتِ وحدت میں صفاتِ کثرت میں، ہر حامد سے مستغنی ہے۔ محمود ہے ہر فعل میں لنفسہٖ حمید ہے ازل میں، لعبادہٖ حمید ہے ابد میں جمال، جلال، کمال، علویت کبریت کی وہ تمام صفات اسی طرف لوٹنے والی ہیں جو ذاکرینِ الٰہی کے ذکر اللہ سے منسوب ہیں اوصافِ کمال کا ذکر کمال ہونے کی حیثیت سے کرنا بھی حمد ہے اسی کو حمد کہا مع مانع تعریف کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (از تفسیر روح البیان، روح المعانی، نیشاپوری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

کیا تم نے غور نہ کیا کہ بے شک اللہ نے تابع فرمان بنایا تمہارے لیے اُن تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے

وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ

اور کشتی کو جو رواں رہتی ہے سمندر میں اُس کے حکم سے اور

اور کشتی کہ دریا میں اُس کے حکم سے چلتی ہے اور

یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ

وہی روکتا ہے آسمان کو گرنے سے زمین پر مگر گرے گا

وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

اس کے اذن سے بے شک اللہ لوگوں پر بچا کر بھی مہربان ہے اور نعمتیں دے کر بھی

مگر اس [illegible] بے شک اللہ [illegible] والا

رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ

مہربان ہے۔ اور وہی اللہ وہ ہے جس نے زندہ کیا تم سب کو پھر فوت کرے گا تم سب کو

مہربان ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾ لِّكُلِّ

پھر زندہ کردے گا تم سب کو، بے شک انسان البتہ ان نعمتوں کا ناشکرا ہے۔ ہر

پھر تمہیں جلائے گا، بے شک آدمی بڑا ناشکرا ہے۔ ہر

أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا

اُمت کے لیے بنایا ہم نے عبادت کا طریقہ۔ وہ سب عبادت کریں اسی میں لہٰذا

اُمت کے لیے ہم نے عبادت کے قاعدے بنا دیئے کہ وہ اُن پر چلے تو

يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ

نہ جھگڑا کریں وہ آپ سے دین میں۔ اور آپ بلاتے رہیں اپنے رب کی طرف

ہرگز وہ تم سے اس معاملے میں جھگڑا نہ کریں اور اپنے رب کی طرف بلاؤ

إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾

بے شک آپ ہی البتہ سچی سیدھی ہدایت پر ہو۔

بے شک تم سیدھی راہ پر ہو۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں بندوں کو بادلوں اور بارشوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت شعور دی گئی اب ان آیات میں زمین کی چیزوں بحری کشتیوں اور آسمان کی بلندی و مضبوطی میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے

دوسرا تعلق، پچھلی آیت میں زمین کو نباتات سے زندہ کرنے کی شانِ قدرت کا اظہار فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں بندوں کو زندہ فرمانے کا ذکر قدرت فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں زمین کے موسموں رات و رات و دن کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں ان آسمانوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو رات و دن بنانے کا مرکز ہے۔ شانِ نزول۔ امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اسبابُ النزول میں فرمایا کہ ایک دفعہ بدیل ورقا اور بشر بن سفیان یزید بن خنیس نے چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جن جانوروں کو تم ذبح کر کے مار ڈالو وہ تو حلال وطیب سمجھ کر کھا لیتے ہو۔ لیکن جن کو رب تعالیٰ بغیر ذبح کے مار ڈالے اس کو حرام و پلید سمجھ کر نہیں کھاتے تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ از آیت ۶۵ تا ۶۷۔

تفسیر نحوی اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ ہمزہ استفہام (سوالِ اقراری) کے لیے ترَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر حاضر رأیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ قلب وعقل کی نگاہ سے دیکھنا اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل اَنَّ حرفِ عاملہ اسم وخبر میں نصب وضمہ سے عمل کرتا ہے اللہ اس کا اسم سَخَّرَ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ ہے اس کا مصدر ہے تسخیرٌ۔ متعدی ہے سَخَرٌ سے بنا ہے لغوی معنیٰ ہے ذلیل سمجھنا حقیر کرنا۔ اصطلاح میں اسی لغت کے ماتحت تین معنیٰ ہیں ۱ مذاق اڑانا ۲ تابع اور عاجز کرنا ۳ کسی کو اپنے یا کسی کے قبضے میں بنا یا دینا یہاں اسی معنیٰ میں ہے لام حرفِ جر نفع کا یا ملکیت، مجازی کا کُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر حاضر مرجع تمام انسان تا قیامت یہ جار مجرور متعلق ہے سَخَّرَ کا مَا اسم موصول فی الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ۔ اَلْفُلْكَ اسم واحد مؤنث ہے یا مذکر اس کی جمع مکسر بھی فُلْكٌ ہے بروزن اُسْدٌ۔ اور یہ واحد بروزن قُفْلٌ ہے بمعنیٰ کشتی (بیڑی بحری جہاز) موصوف تَجْرِىْ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مؤنث غائب جَرْىٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ رواں ہونا، بہنا، چلنا۔ فِى الْبَحْرِ یہ جار مجرور قائم مقام ظرفِ مکانی متعلق ہے اوّل تَجْرِىْ کا بِاَمْرِهٖ یہ مرکب اضافی مجرور متعلقِ دوم ہے تَجْرِىْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَلْفُلْكَ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے کل موصولہ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے سَخَّرَ کا

سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یُمْسِکُ باب افعال کا مضارع حال واحد مذکر غائب ضمیر صیغہ فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے اِمْسَاکٌ متعدی بدو مفعول مَسْکٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ روکنا، رکنا۔ یہ اس کا لغوی ترجمہ ہے متعدی اور لازم ہو کر یہاں یہی مراد ہے اصطلاح میں شکیترے کو، کھال کو، بخیلی کو، اور مشک نافہ (خوشبو) کو پکڑتے۔ چمٹ جانے کو بھی اسی لغوی معنیٰ کے اعتبار سے مِسک کہا جاتا ہے کیونکہ سب میں روکنے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ اَلسَّمَآءَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ آسمان مفعول بہٖ ہے اَنْ ناصبہ مصدریہ، یہ حرف مضارع کو نصب بھی دیتا ہے اور مصدر کے معنیٰ میں بھی کر دیتا ہے۔ لہٰذا اَنْ تَقَعَ کا ترجمہ ہے یہ کہ گرے اُن کی وجہ سے ترجمہ ہوا، گرنے سے تَقَعَ باب فتح کا فعل مضارع مفتوح مثبت معروف واحد مؤنث غائب وَقُوْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گرنا واقع ہونا۔ (دیکھا نا) عَلَى الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے تَقَعَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا اِلَّا حرف استثنا متصل بِ حرف جر عاملہ سببیہ یا تعلیلیہ اِذْنِ اسم مفرد مضاف بمعنیٰ اجازت حکم فیصلہ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَقَعَ فعل پوشیدہ کا پہلے فعل تَقَعَ کے قرینے سے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا دونوں مل کر مفعول بہٖ دوم ہوا یُمْسِکُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے سَخَّرَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے اَنَّ کی۔ یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا دونوں مل کر مفعول بہٖ دوم اِنَّ حرف مشبہ اللہ تعالیٰ اس کا اسم بِالنَّاسِ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے رَءُوْفٌ کا، یا رَحِیْمٌ کا۔ رَءُوْفٌ پہلی خبر ہے اِنَّ کی اور رَحِیْمٌ اسم مبالغہ اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر دوم ہے اِنَّ کی اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خیال رہے کہ رَءُوْفٌ بروزن فَعُوْلٌ اسم مبالغہ اور رَحِیْمٌ، بروزن فعیل اسم فاعل مبالغہ رَاْفٌ اور رَحْمٌ سے بنے ہیں دونوں کے معنیٰ مہربانی کرنا، راحت و آرام پہنچانا ہیں مگر فرق یہ ہے کہ رَاْفٌ کا معنیٰ ہے نقصان دہ چیزیں اور رکاوٹیں ہٹا کر آرام و راحت پہنچانا، رَحْمٌ کا معنیٰ ہے مفید اور نفع بخش چیزیں دے کر راحت و آرام پہنچانا۔ گویا کہ رَءُوْف وہ ہے جو سلبی طریقے سے آرام پہنچائے اور رحیم وہ ہے جو ایجابی طریقے سے آرام پہنچائے۔ وَهُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ۔ واو سے جملہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے مبتدا ہے اَلَّذِيْ اسم موصول واحد

مذکر اَحْیَا، باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت معروف فاعل مصدر ہے احیاءٌ بمعنی
زندہ کرنا، لاموجود سے موجود کرنا (نیست سے ہست کرنا) حَیٌّ سے بنا ہے اسی سے ہے حیٰوۃ بمعنیٰ
زندگی اس کا لغوی ترجمہ ہے قوت پانا۔ اصطلاحی زندگی کے لیے پانچ قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔
۱ قوتِ احساس ۲ قوتِ نامیہ (بڑھنے کی قوت) ۳ قوتِ عقل ۴ قوتِ علم ۵ قوتِ عمل، اظہارِ قوت
بھی زندگی کا ثبوت ہے مثلاً ہلنا چلنا سکڑنا پھیلنا، سانپ کو حَیَّۃٌ اور شرم کو حیا اسی اصطلاح سے
کہتے ہیں کہ شرم سے سکڑنا پایا جاتا ہے یا کیڑے مکوڑے سانپ بچھو چلتے سکڑتے ہیں جب کہ زندہ
ہوں۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ یُمِیْتُ باب افعال کا مضارع
مستقبل واحد مذکر غائب با فاعل مَوْتٌ سے بنا ہے بمعنی مرنا فوت ہونا اس کا مصدر ہے اِمَاتَۃٌ
یا اِمْیَاتٌ۔ زندگی کی نقیض ہے کُمْ ضمیر مفعول بہ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف
علیہ ثُمَّ حرفِ عطف یُحْیِیْ بابِ افعال کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر
منصوب متصل مرجع ہے عام موجود انسان یہ مفعول بہ۔ یُحْیِیْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے
یُمِیْتُ کے جملے پر وہ عطف ہے اَحْیَا کے جملے پر سب عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول جملہ
مل کر خبر ہے ھُوَ مبتدا کی، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اَلْاِنْسَانَ، اسم معرف باللام
مراد ہیں کفار ومنافق، اسم ہے اِنَّ کا، لام کے برائے تحقیق بمعنی البتہ (بے شک) کَفُوْرٌ اسم مبالغہ
بروزنِ فَعُوْلٌ، کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ناشکرا ہونا اسی سے کُفْرَانٌ، یہ خبر ہے اِنَّ کی سب مل کر
جملہ اسمیہ ہو گیا، کفر اور کفران کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا، چونکہ انکار اور کسی نعمت کا تذکرہ نہ کرنے
سے نعمت کے فوائد اور نعمت کا پتہ نہیں چلتا اس لیے انکار ناشکری کو کفر اور کفران کہا گیا
شکر کا سب سے بڑا طریقہ نعمت کا تذکرہ اور چرچہ کرنا ہے۔ لام حرف جر نفع کا کُلِّ اسم تاکیدی
یعنی ہر (تمام) مضاف ہے اُمَّۃٍ اسم مفرد مؤنث بمعنی جماعت گروہ (ٹولہ) مضاف الیہ یہ مرکب
اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مقدم جَعَلْنَا کا، باب فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم با فاعل ضمیر صیغہ مَنْسَکًا
اسم ظرف نُسُکٌ سے بنا ہے اس کی جمع ہے مَنَاسِکُ جمع منتہی الجموع ہے۔ نُسُکٌ کا لغوی
ترجمہ پاک صاف ستھرا کرنا، اسی معنی کے اعتبار سے یہ اپنے تین اصطلاحی معنی میں مشترک ہے
۱ عبادت یہاں اسی معنی میں ہے ۲ ارکانِ حج ۳ قربانی (جانور کو حلال وطیب کرنے
کے لیے خون بہانا) یہ مفعول بہ جَعَلْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ھُمْ ضمیر مبتدا نَاسِکُوْ
بابِ مُفَاعَلَۃ کا فعل امر جمع مذکر حاضر نُسُکٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے مُنَاسَکَۃٌ بمعنی

خوب اچھی عبادت کرتا یہ مُنَاعَلَۃٌ اپنے اصلی معنیٰ تکرارِ طرفین کے لیے نہیں بلکہ مبالغے کے لیے ہے ہُ ضمیر اس کا مفعول بہٖ، فَ حرفِ تعلیلیہ مابعد کلام معلول ہے نَاسِکُوْ کا۔ لَا یُنَازِعُنَّ فعل نہی غائب معروف با نون تاکید ثقیلہ، بابِ مُفَاعلۃ سے ہے نَزْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جھگڑا کرنا۔ یہ صیغہ جمع مذکر غائب ہے دراصل یُنَازِعُوْنَ تھا۔ نون ثقیلہ کی وجہ سے نونِ اعرابی اور لاءِ نہی کے جزا سے واو جمع گر گئی کَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں ہر مسلمان تا قیامت فِیْ ظرفیہ مجازیہ اَلْاَمْرُ اسم معرفہ یعنی معاملہ، بامراد ہے دینِ اسلام یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُنَازِعُنَّ کا سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا، نَاسِکُوْ کا سب مل کر جملہ انشائیہ ہو گیا۔ واوٗ سر جملہ اُدْعُ باب نصر کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اِلٰی رَبِّكَ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اُدْعُ کا اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق كَ ضمیر اس کا اسم، لام کے تاکید و یقین کے لیے عَلٰی جارہ ھُدًی اسم مصدر حاصل جامد، موصوف ہے مُسْتَقِیْم بابِ استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ، تعلیل نحوی کے بعد اِسْتِقَامَۃٌ، قَوْمٌ سے مشتق ہے، صفت ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے موجودٌ یا قائم پوشیدہ کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اے انسان کیا تو نے اپنی نظر بصارت سے زمین میں اور فکر بصیرت سے آسمان میں دن رات کے مشاہدے میں یہ نہ دیکھا اور نہ سمجھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسخر و آسان فرما دیا تمہارے لیے اُن تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں، کتنی ہی قوتیں ہیں زمین کے اوپر اور کتنی ہی ثروتیں ہیں زمین کے اندر جن کو رب تعالیٰ نے انسان کے قابو میں دیدیا، اور پورے روئے زمین کی ہر چھوٹی بڑی ظاہر باطن اشیا کو فطرتِ انسانی و طاقتِ جسمانی کے مطابق و موافق کر دیا۔ مگر انسان غافل ہے اپنے خالق تعالیٰ کی قدرتوں اور اُن نعمتوں سے جو رات دن کے انقلاب سے ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ اگر یہ نعمتیں اور ان کی مطابقت موافقت نہ ہوتی بلکہ اَشیاءِ زمین انسانی فطرت و ترکیب کے مخالف ہوتیں تو انسانی زندگی زمین پر محال تھی چہ جائیکہ کوئی انسان اُن سے نفع پا سکتا، یعنی اگر جزارضی کے درجات ترکیبِ انسانی جسمانی سے مختلف

ہوتے اور ہواؤں کا پھیلنا غذاؤں کا پھلنا، پانی کی نرمی اور پھسلنا نہ ہوتا تو ایک لمحہ بھی انسان زندہ نہ رہتا اسی طرح اگر کثافتِ بدنی اور کثافتِ زمینی آپس میں مختلف ہوتیں تو قدم انسانی زمین پر نہ ٹھہر سکتے بلکہ یا اُڑتا پھرتا ہوا ہیں یا دُوبا رہتا ثریٰ میں یا بھٹکتا ہوتا فضا میں کتنے کرم ہیں مولیٰ تعالیٰ کے کہ مسخر فرمایا اُس نے اپنے کمزور بندوں کے لیے قوّت والے جمادات پتھروں کو اور شدت والے دھاتیات لوہے کو جھلکات اور آتشی لاوے کو ہمت والے حیوانات چرندو پرندو درندکو، کثرت والے نباتات گل وگلزار کو، بپھرے ہوئے مائیات سمندروں کو اور کتنا آسان بنا دیا اللہ تعالیٰ نے ثمرات نباتات غذائیات کے حاصل کرنے کو انسان کو جسمانی طاقتِ ظاہری اور عقل کی ادراکات باطنی عطا فرماکر اپنی قوت وادراک کے ذریعے انسان لمحہ بہ لمحہ زمین سے دولتِ عدیدہ وخزائن جدیدہ آسانی کے ساتھ نکال رہا ہے۔ اگر رب تعالیٰ کی یہ تسخیر نہ ہوتی تو انسان اتنی آسانی سے نہ پانی پی سکتا نہ قوتِ جسمانی سے زمین کھود سکتا، کیا راحت ورحم ہے کہ انسان کے لیے پہاڑوں کو کھدوا دیا پانی کو بہا دیا ہواؤں کو چلا دیا جانوروں کو ایسا مرعوب کر دیا کہ قوی ہیکل کو بچے بیکل کے قبضے میں دیدیا پانی کو ایسا مشروب کر دیا کہ کوئی پتلی چیز اس کی مثل نہیں اور ان سب سے زیادہ سخت مہلک حیران کن سمندر کی بپھری لہر چڑھتے طوفانوں چلتی ہواؤں پھڑکتی فضاؤں میں نازک کشتی بحری جہاز کو مسخر کر دیا اس طرح کہ ہواؤں کی طبیعت کو سمندر کی طبیعت کے مطابق فرما دیا اور سمندر کی تمازت کو کشتی کی نزاکت کے مخالف نہ ہونے دیا، اور انسانوں کو جہاز رانی کا طریقہ سکھا دیا کہ رب تعالیٰ کے حکم وارادے سے انسان اپنے علم وفن کے ذریعے سمندروں میں دوڑتا دوڑاتا پھر رہا ہے کہ کشتی پار لگا رہی ہے انسان پار لگ رہا ہے، کشتی نفع دے رہی ہے انسان نفع لے رہا ہے زمین پر تو رب تعالیٰ کے یہ انعامات ہیں مگر آسمانوں میں اس سے بھی بڑا اکرم ہے کہ اُن سب کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے تاکہ زمین پر نہ گر پڑے اُس وقت تک جب تک اُس کی اجازت نہ ہو جب بروزِ قیامت اس کی اجازت ہوگی تب گر بھی پڑے گا، کیونکہ آسمان بھی تمام اجسام کی مثل ایک جسم ہے اور ہر جسم کا فطرتی خاصہ نیچے گرنا ہے اور جتنی بڑی اور بوجھل چیز ہوگی اتنی ہی جلدی گرے گی اور تیزی وسختی سے نیچے آئے گی مگر شانِ قدرت ہے کہ زمین سے کئی گنا بڑے بڑے آسمان بے ستون وبے سہارا ہزارہا مدتوں سے فضا میں معلق ہیں۔ قدرتِ قہار کا یہ کتنا بڑا احسان ہے انسانوں پر، اگر آسمان گر پڑے زمین پر تو تمام انسان واشیاءِ زمین ہلاکت وفنا میں نیست ونابود ہو جائیں یہ تمام احسانات وفیوضات کرامات وانعامات صرف اس لیے

رہیں کر بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہمیشہ رؤف ہی ہے اور رحیم ہی ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ دنیا میں سب انسانوں پر آخرت میں سب مسلمانوں پر۔ رؤف ہے تسخیر زمین فرما کر رحیم ہے امساکِ آسمان فرما کر۔ رؤف ہے انعام دے کر رحیم ہے آرام دیکر، رؤف ہے بریات میں رحیم ہے بحریات میں رؤف ہے دن کے جگاتے میں رحیم ہے رات کے سلاتے میں، رؤف ہے اپنے پیاروں کو عبادت دے کر رحیم ہے اپنے بندوں کو حفاظت دے کر۔ رؤف ہے مصائب و مضرت دور کر کے رحیم ہے مصلحتیں اور آسائشیں قریب کر کے رؤف ہے اور چونکہ مصائب و مشکلات و مضرات دور کرنا زیادہ اہم ضروری ہے آسائش مہیا کرنے سے پہلے اسلیے رؤف کو مقدم فرمایا رحیم پر۔ یہ زمین کی تسخیر اور آسمان کا امساک اس وقت تک ہے جب تک ضروریات انسانی موجود ہیں اور ضروریات اُس وقت تک جب تک حیاتِ دنیوی قائم۔ اور حیاتِ دنیوی اُس وقت تک جب تک دنیا قائم، جب دنیا ختم تو دنیوی حیات ختم جب حیات ختم تو قیامت قائم اور قیامت سے ارض بھی اشیاءِ ارض بھی امساک بھی ختم قیامت میں آسمان گرنے کی پانچ صورتیں پہلی انشقاق یعنی آسمانوں کا پھٹنا دوم انفطار یعنی بکھر جانا سوم کالمہل یعنی تیل روغن ہو جانا چہارم۔ کالدھان، یعنی آسمانوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا، پنجم طَیّہ کطَیِّ السِّجِلِّ، یعنی زمین پر سب کا گرنا پھر جڑنا پھر رجسٹر کے بنڈل کی طرح لپیٹا جانا، آسمان کو قائم رکھنا زمین والوں پر کرمِ عظیم ہے۔ تفسیر روح البیان نے اسی جگہ دو پرندوں کا ذکر کیا ایک پرندہ ساری رات درخت پر اپنے گھونسلے میں اپنے پاؤں آسمان کی طرف کئے رہتا ہے یا اس لیے کہ دعا مانگ رہا ہے کہ یا اللہ آسمان نہ گرے یا اس لیے کہ اپنے خیال میں وہ آسمان روکے ہوئے ہے اس کا نام تونس ہے، دوسرا پرندہ کرکی ہے وہ زمین پر ایک پیر سے چلتا ہے اِس گمان میں کہ کہیں دونوں پیروں کے بوجھ سے زمین دھنس نہ جائے۔ یہ تو بے عقل پرندوں کا خوفِ الٰہی ہے مگر انسان بے فکر ناشکرا ہے حالانکہ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ۔ اور وہی اللہ ہے کہ جب تمام زمین پر اے انسانو صرف تمہارے لیے نعمتوں، غذاؤں لذتوں، دواؤں کے دسترخوان بچھا دئے اور تمہاری ہی خوشنودی کے لیے پرندے اڑا دئے اور تمہاری خوراک سواری مال برداری خدمت گزاری کے لیے چرندے پھیلا دئے پھر عظیم عزت و شان کے ساتھ اَحْيَاكُمْ، تم تمام انسانوں کو مہمانِ خصوصی بنا کر زندہ کیا اور زمین پر بسا دیا اور ملکوں، علاقوں، خطوں کا مالک بنا دیا

اور دنیا کی ساری بری، بحری، فضائی، علاقائی، عزتوں کا وارث بنا دیا۔ یہ شانیں عزتیں تو تمہیں تم کو کس نے دیں۔ کیا تم نے کبھی سوچا غور و تدبر کیا، کہ سب جہاں تیرے لیے ہے۔ تو ہے کس کے واسطے، اسی بات کو بتانے یاد کرانے سمجھانے کے لیے ہم نے عالم قدس سے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے ساتھ اپنے کلام کو بھیجا انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ وہی ہے یہ رافتہ و رحمت دینے والا کرم و کرامت کرنے والا وہی ہے جس نے تم کو نیست سے هست کو کے مٹی سے نطفہ کر کے۔ نطفے سے مضغہ کر کے مضغے سے علقہ کر کے علقہ سے صبیہ کر کے اَحْیَاکُمْ، باری باری تم کو زمین بسانے سجدوں سے سجانے اعمال سے سنوارنے نورِ ایمانی پھیلانے، فساد مٹانے امن ایمانی، عافیتِ عرفانی سے دنیا کی نعمتیں کھانے برتنے کے لیے زندہ کیا، اگر یہ زندگی نہ ہوتی تو اس دنیا سے تم کچھ بھی فائدہ حاصل نہ کر سکتے، نہ آنکھوں کے نظارے ملتے نہ کانوں کے نغاسے سنتے نہ زبان کے چٹخارے یہ زندگی بھی عجیب و غریب معجزۂ قدرت اور سرِ الٰہی ہے کہ عقلِ عقلا ذہنِ فضلا ورطۂ حیرت میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ جسم کے ہر بال میں کھال کے ہر مسام میں خون کے ہر قطرے میں بدن کی ہر رگ میں موجود مگر مجال ہے جو کوئی دور بین، خورد بین سے بھی دیکھ سکے پھر جس انسان کے لیے دنیا کی ہر چیز مسخر وہ خود اپنی زندگی میں بے بس نہ کوئی دے سکے نہ کوئی لے سکے نہ بچی جا سکے نہ خریدی جا سکے نہ گھٹائی جا سکے نہ بڑھائی جا سکے بس وہی اللہ ہے جب تک چاہے زندہ رکھے ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر وہ تم کو مار دیتا ہے، موت بھی قدرت کا حیران کن شاہکار ہے، دنیا کے لیے زندگی بنائی آخرت کے لیے موت بنائی زندگی سب کے لیے نعمت ہے موت صرف ایمان والوں کے لیے نعمت ہے، کیونکہ زندگی نعمت بنا دی گئی ہے لیکن موت کو نعمت بنانا پڑتا ہے۔ زندگی ملنے کا اصل مقصد ہی یہی ہے کہ بندہ اپنی موت کو نعمت بنالے۔ موتِ مومن نعمت ہے قبر کی، قربِ منزل کی وصلِ الٰہی کی رضاءِ کبریائی کی، موت ہی دروازہ ہے دوسری زندگی کا، ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ پھر وہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو دوبارہ زندہ فرمائے گا قیامت میں، حیاتِ دنیوی مُمَیِّدہ وجود ہے۔ موت مُقرب موعود ہے، دوسری زندگی موصلِ مقصود ہے زندگی نام ہے جسم و روح کے ملنے جڑنے کا موت نام ہے ان دونوں کی جدائی کا۔ زندگی دو قسم کی ہے پہلی دنیوی دوسری اُخروی قبر کی مدت بھی بیداری ہوتی ہے نہ کہ وصلِ روح و بدن کی حیات لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھی نعمت دنیا کی زندگی بھی نعمت، موت اور مدتِ قبر اور حیاتِ اُخروی کو نعمت بنانے کے لیے بس چاہیئے تو یہ تھا

کہ اِن ظاہری نعمتوں پر انسان اتنا شکرِ الٰہی کرتا کہ اُس کی موت اور مدتِ قبر و حیاتِ اُخروی بھی اُس کے لیے نعمتِ ابدی بن جاتی مگر۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ بے شک کافر اور مشرک منافق انسان یقیناً البتہ بہت بڑا ناشکرا ہے کہ ایمان باللہ کا، اطاعت لِلّٰہ کا۔ اتباعِ نبوت کا۔ احکامِ شریعت کا۔ نصرتِ قرآن کا، عظمتِ فرمان کا، عصمتِ اسلام کا سب کا ہی منکر ہے۔ مصیبتوں کو یاد رکھنے والا ہے۔ نعمتوں کو بھول جانے والا ہے، شکران ایمان ہے، کُفران کُفر ہے رب تعالیٰ کا حقیقی شکر انبیا علیہم السّلام پر ایمان لاتا ہے۔ اور شکرِ الٰہی کا اظہار اعمالِ صالحہ کرتا ہے اور اعمالِ صالحہ اتباعِ نبوّت کا نام ہے اس ایمان و اتّباع کو چھوڑ کر نہ کوئی شاکر ہے نہ صالح اگرچہ عابدِ مجرد بن جائے۔ اسی شکر کو کرانے اور کفر کو مٹانے کے لیے شروع زمانۂ انسانیت سے لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا۔ ہر امت کے لیے ہم نے ان کے زمانے میں ان کے نبی علیہ السّلام کے ذریعے ایک ایک شریعت بھیجی، اسی طرح کہ نبی علیہ السّلام سے کلام، کلام سے اَحکام، احکام سے شریعت، شریعت سے عبادت عبادت سے عبادت گاہ۔ عبادت گاہ سے طریقۂ عبادت۔ نازل و نافذ، جاری و ساری فرمایا۔ مفسرین نے منسکا کے نو معنی کئے ہیں ۱ شریعت ۲ عبادت ۳ عبادت گاہ ۴ مذبح خانہ ۵ ذبح کرنے کا طریقہ ۶ حج کے ارکان ۷ ہر قوم کی پسندیدہ اور مالوفہ رہائش گاہ ۸ عیدگاہ جہاں دینی مذہبی خوشیوں کے لیے قوم جمع ہو ۹ خیر و شر اور تماشوں کا مقام یعنی میلے کا میدان اور وہ امّت والے اپنے اپنے نبی علیہ السّلام پر ایمان لاکر هُمْ نَاسِكُوْهُ وہ سب اہلِ ایمان اپنے اپنے وقتوں میں اپنے اپنے دین کی عبادت کرتے رہے احکام مانتے اطاعت کرتے رہے شریعت کے بعد شریعت بدلتی رہی پچھلی شریعت منسوخ ہوتی اور اگلی منسوخ کرتی رہی یہ سلسلہ حضرتِ آدم سے چلا حضرت ادریس تک ادریس علیہ السّلام سے حضرت نوح تک آپ سے حضرت ابراہیم تک ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام تک پھر موسیٰ علیہ السلام سے توریت کی شریعت اور توریت کے بعد زبور کی پھر انجیل کی شریعت اس طرح کہ توریت کی عبادات زبور کی دعائیں مناجات اور انجیل کی حکمتیں نصیحتیں ہر اُمت کے لیے جاری رہیں، پھر ہر کلام و ہر کتاب منسوخ کردی گئی نفوذِ قرآن و نزولِ فرقان سے یہ ناسخ و منسوخ کے سب فیصلے تو ہمارے ہیں ہم ہی بنانے والے ہم ہی اُٹھانے والے ہم ہی دین و قانون شریعت و منہاج کو نازل و نافذ فرمانے والے ہم ہی بند کرنے والے فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ۔ تو اے محبوبِ کریم یہ یہود و نصاریٰ مجوس و مشرک کیا حق رکھتے ہیں اسلام، قرآن، قوانین

احکام، شریعت وایمان میں آپ سے جھگڑا کرنے کا کہ یہ حکم کیوں ہے اور یہ قانون کیسے ہوسکتا ہے اور کفار مشرکین کون ہوتے ہیں یہ اعتراض کرنے والے کہ اے مسلمانو تمہارے اسلام کا یہ کیا قانون ہے کہ تم ذبح کر کے جانور مارو تو وہ حلال و پاکیزہ ہو۔ لیکن جس کو اللہ طبعی موت سے مارے وہ حرام و پلید ہو جائے، ان بیوقوف کفار کو یہ حق ہرگز نہیں کہ اس طرح کے ناسمجھی والے اعتراض کرتے پھریں اور بحث مناظرے جھگڑے مجادلے بناتے پھریں۔ لہٰذا اے محبوب آپ ان جھگڑوں میں نہ آئیں بلکہ بے اعتنائی فرماتے ہوئے دھتکار دیں ان جہلا کو اور ہٹ جائیں ان فتنوں سے تاکہ جھگڑا طول نہ پکڑے اور کفار یہود و نصاریٰ و مشرکین کو مزید بیہودگیوں کا موقع ہی نہ ملے نہ آپ اس طرف توجہ دیں نہ کوئی مسلمان، اور یہی قاعدہ ہے کہ جب ایک طرف سے جوابی کاروائی نہ ہو تو مخالف طرف سے خود بخود جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ، اور بلاتے رہئے اچھے بندوں کو پاکیزہ دلوں کو ماننے والی عقلوں کو ستھری طبیعتوں کو اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ اسلام دیتے ہی رہئے۔ کیونکہ بے شک اے حبیب تم ہی ہمیشہ رہنے والی ہدایت پر ہو۔ یہ وہ قائم دائم ہدایتِ مستقیم ہے کہ نہ اسے نسخ کا خطرہ نہ فسخ کا نہ تبدل کا نہ تغیر کا یہ دینِ مستقیم ہے پوری کائنات کے لیے ایک ہی دین نہ یہ علاقے سے خاص نہ زمانے سے نہ کسی قوم سے نہ قبیلے سے یہ کَافَّۃً لِّلنَّاس ہے اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَہ ہے بلکہ یہ دین تو زمین و زمان، مکین و مکان عرشیوں فرشیوں کے لیے ھُدًی مُّسْتَقِیْم ہے مستقیم وہ دین ہوتا ہے جو سب زمانوں سب علاقوں سب قبیلوں سب مکینوں کے لیے کافی، شافی ہو سب سے اچھا، سب سے مضبوط سب سے صاف سب سے کھلا سب سے سیدھا ہو اور سب کی ضروریات، فطریات، نظریات، عادات و رسومات رواجات طبیعاتِ شریفانہ کا ساتھ نبھا سکے اور ہر لحظہ ہر لمحہ مفید ہی مفید ہو۔ (ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال اَلَمْ تَرَ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ یہ اپنے ہی معنیٰ رویۃ میں ہے یعنی آنکھ سے بغور دیکھنا اور خطاب تاقیامت ہر انسان سے ہے ۲ بعض نے کہا کہ اَلَمْ تَرَ بمعنیٰ رویۃ اور آنکھ سے دیکھنا ہی ہے مگر خطاب صرف تاقیامت کفار سے ہے ۳ بعض نے کہا رویۃ کا معنیٰ عِلْم، یعنی جاننا اَلَمْ تَعْلَمْ کے معنیٰ میں اور خطاب حضرت آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے، ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ نے تسخیرِ ارضی تو دیکھی ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء مسخر فرمائیں بجز اس کے کون مسخر کر سکتا ہے رویت کو بمعنیٰ علم

کرنا اس لیئے ہے کہ یہاں کی روئیتی چیزوں کو صرف دیکھنا دکھانا مقصود نہیں بلکہ تسخیر من اللہ ہونے کو جاننا مراد ہے۔ وَالْفُلْکَ کے اعراب میں بھی دو قول اور دو وجہ اعراب میں دو قول، ۱ بعض نے کہا یہ فُلْکَ۔ جمع بحالت زبر ہے مَا فِی الْاَرْضِ پر عطف ہے ۲ بعض نے کہا کہ زبر کی حالت اس لیے ہے کہ اَنَّ پوشیدہ کا اسم ہے دراصل اس طرح ہے۔ وَاَنَّ الْفُلْکَ ۳ بعض نے کہا اَلْفُلْکُ ہے بحالت ضمہ (پیش) اس لیے کہ فُلْکُ مبتدا ہے وَیُمْسِکُ کے معنی میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنی روکے رکھنا ۲ بعض نے کہا اس کا معنی منع کرنا یعنی حکم دینا کہ نہ گرے یہی قول درست ہے اس کی دلیل سورۃ زمر کی آیت ۳۸ ہے جس میں ارشاد ہے هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ کیا وہ اس کی رحمت کو روکنے والی ہیں، نیز اہل عرب بخیلی کو امساک اور بخیل کو مُمسک کہتے ہیں ۳ بعض نے کہا کہ یہاں اِمساک کے معنی حفاظت کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کی حفاظت فرماتا ہے اس لیے وہ زمین پر نہیں گرتا۔ اَلْاِنْسَانُ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد صرف کفار ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد ہر غافل انسان ہے ۳ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مخصوص کفار ہیں یعنی ابوجہل اور اسود بن عبدالاسد اور اُبی ابن خلف۔ مَنْسَكًا کی قرئت میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ہر نبی علیہ السلام کی شریعت اور یہ مصدر میمی ہے ہے اور مراد ہیں عبادتیں اور یہ لفظ نُسُک ہے ۲ مَنْسَكًا اسم ظرف زمانی ہے بمعنی عبادت کرنے کا وقت ۳ بعض نے کہا یہ اسم ظرف مکانی ہے بمعنی عبادت کرنے کی جگہ، یہی قول مشہور اور یہی قرئت مکتوب ہے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ کی قرئت دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ باب مفاعلۃ کا مضارع منفی بانون ثقیلہ ہے یہی مشہور و مکتوب قرئت ہے ۲ بعض نے کہا کہ فَلَا يَنْزِعُنَّكَ باب افعال کا مضارع منفی بانون ثقیلہ ہے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ کے فاعل میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ یہاں جھگڑالو کفار سے مراد بُدیل بن ورقاء اور بشر بن سفیان، یزید بن خنیس ہیں جو اکثر اسلامی مسائل میں مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عام کفار عرب ہیں یعنی تمام مسلمانوں کو ہر کافر جاہل کی بحث سے منع کیا گیا کہ ان خبیثوں کو دھتکار دو بحث کا جواب ہی نہ دو۔

فائدے ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دنیا کی تمام نعمتیں جن سے انسان اپنی دینی، دنیوی معاملات میں فائدہ حاصل کرتا رہتا ہے۔ ظاہری، باطنی، علمی، عقلی فکری، غذائی، دوائی، تجرباتی، مشاہداتی، سائنسی، فلسفی، منطقی، لسانی

زمینی آسمانی، بحری، بری، فضائی سب اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے ہی انسان کو میسر ہوتی ہیں۔ بظاہر اگرچہ انسان اُس کو اپنی محنت مشقت مزدوری، پڑھنے پڑھانے، درس وتدریس، سکول وکالج کی تفہیم یا دینی مدارس کی تعلیم سے ہی حاصل کر رہا ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر مولیٰ تعالیٰ انسانوں کے لیے عقول وعلوم وفنون وسکون کی نعمتیں آسان ومسخر نہ فرمائے تو ہزارہا درس وتدریس کی محنتیں مشقتیں کتب بینی کی مغز ماریاں بیکار اور دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور انسان کو کچھ علم وشعور حاصل نہیں ہوتا دن رات کا مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے علماء فضلا کے صاحبزادے جاہل بے عقل رہ جاتے ہیں اور گنوار والدین کی اولاد شاندار عاقل وعالم بن جاتی ہے۔ نابیناؤں کے سینوں میں علم وشعور کے خزانے کتابی علم کے نور، فراست ولیاقت کے انبار لیکن بیناؤں کے سینے خالی، یہ فائدہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ میں ما کے عمومِ مطلق سے حاصل ہوا۔ یعنی زمین کی نعمتیں صرف جمادات نباتات، حجانیات حجرات، شجرات، حیوانات، معدنیات ہی نہیں بلکہ ہر دینی دنیوی علم وفن، صنعت وحرفت بھی رب کائنات کی نعمتیں ہیں اور یہ بھی رب تعالیٰ کے آسان کرنے سے مسخر فرمانے سے ہی انسانوں کو ملیں۔ **دوسرا فائدہ** یہ آسمان بھی دیگر اجسامِ کائنات کی طرح ایک ساکن ومنجمد جسم ہے اور اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے نہ یہ سیارہ ہے نہ متحرک ہے۔ لہٰذا سائنسدانوں اور فلاسفۂ قدیم کے نظریات بیہودہ اور لغو وغلط ہیں۔ سائنسدان موجودہ تو سرے سے آسمانوں کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ فلاسفۂ گزشتہ کہتے تھے کہ آسمان بھی گھوم رہا ہے۔ بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ تیزی سے ایک طرف رواں دواں ہے۔ مگر یہ سب غلط نظریات واقوال ہیں۔ یہ فائدہ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اور اِلَّا بِاِذْنِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا کہ باری تعالیٰ نے آسمان کے ٹھہرے رہنے اور زمین پر نہ گرنے کو اپنی قدرت کا کمال وکارنامہ فرمایا کہ آسمان کا نہ گرنا تیز گھومنے یا تیز اڑنے یا ہوا کے ٹھہرانے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک جگہ ٹھہرا ہے اس کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے روکنے حکم دینے کی وجہ نہیں گرتا۔ اگر رب تعالیٰ نہ روکے تو عام چیزوں کی طرح یہ بھی گر پڑے۔ خیال رہے کہ روکنے سے مراد پکڑے رکھنا نہیں بلکہ رکے رہنے کا حکم دینا ہے۔ **تیسرا فائدہ** مومن مسلمان کے لیے دنیا وآخرت کی ہر چیز ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے یہاں تک کہ زندگی بھی موت بھی، بقا بھی، فنا بھی قبر بھی، حشر بھی، نشر بھی، قیامت کا حساب وکتاب بھی، مگر کفار کے لیے صرف دنیا کی فانی چیزیں ہی نعمت ہیں۔ یہ فائدہ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْيَاكُمْ (الخ) کے بعد اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ فرمانے سے حاصل ہوا کہ مومن کے لیے اَحْيَاكُمْ بھی

نعمت، ثُمَّ يُمِيتُكُمْ بھی۔ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ بھی نعمت اور كَفُورٌ کا معنی ہے ناشکری کرنے والے۔ یعنی بے شک کافر انسان ناشکرا ہے اور ناشکری کا تعلق نعمت سے ہی ہوتا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ کافر کو نہ حیات کی قدر نہ موت کی قدر وہ دونوں کا ناشکرا اور ناشکری کر کے موت کو اپنے لیے عذاب بنا لیتا ہے جو حقیقتاً نعمت و رحمت تھی اس کو مصیبت و زحمت بنا لیا۔

احکام القرآن ان آیاتِ مقدسہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ زمین کی طرح آسمان بھی ایک ساکن کرہ ہے۔ بعض گمراہ مسلمان سائنسدانوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آسمان و زمین چلتے پھرتے بلکہ اڑتے ہیں ایسے لوگ گمراہ ہونے کے علاوہ جاہل بھی ہیں۔ یہ مسئلہ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ فرمانے کے ساتھ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فرمانے سے مستنبط ہوا یہاں يُمْسِكُ نے سکونِ آسمان کو ثابت فرمایا اور اَنْ تَقَعَ نے زمین کا سکون ثابت فرمایا اگر یہ دونوں سیارہ ہوتے تو عَلَى الْاَرْضِ نہ فرمایا جاتا بلکہ مَعَ الْاَرْضِ فرمایا جاتا، کیونکہ سیارہ پر کوئی اس سے بھی بھاری چیز گرے تو اس کو بھی ساتھ گرا لاتی ہے۔ اور اِلَّا بِاِذْنِهٖ سے ثابت ہوا کہ ایک وقت آئے گا جب تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ کا مظاہرہ ہو گا مگر فقط عَلَى الْاَرْضِ کا نہ کہ مَعَ الْاَرْضِ کا، اگر آسمان چلتے ہوتے تو کبھی بھی گرنے کا مظاہرہ نہ ہوتا، سکون زمین کے پورے دلائل اور تفصیلات ہمارے فتاوی جلد دوم سوم میں دیکھئے۔ دوسرا مسئلہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانۂ مبارکہ سے قرآنِ مجید کے نزول تک بہت سے دین اور بہت ہی شریعتیں رب تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جلوہ گر ہوئیں ہر ایک کے قوانین عبادتیں اور طریقے بلکہ عبادت گاہیں بھی مختلف ہوتی رہیں وہ سب دین اور شریعتیں انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ہی آئے۔ اسی لیے کوئی دین بھی نبوت کے تذکرے و ایمان رسالت سے خالی نہیں ہر امت کے ہر مومن پر تمام اولین آخرین انبیا علیہم السلام پر اسی طرح ایمان لانا فرض تھا۔ جس طرح توحید پر کیونکہ ہر دین کے پانچ رکن ہوتے رہے، توحید رسالت قیامت عبادت اور ملائکہ پر ایمان اسی لیے ہر شریعت میں شدت اور اصرار کے ساتھ ان پانچوں پر ایمان لانے کا ذکر ہوتا تھا اور تھا ہی توحید و رسالت رب تعالیٰ کے دین کی پہچان ہے جس دین میں انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا ذکر نہیں وہ دین باطل اور کفریہ شیطانیہ ہے، اور ہر دین کی شریعت و نبوت پر اس وقت کی امت کے لیے مکمل ایمان لانا و عمل کرنا لازمی واجبی فرض تھا، جو بھی قانون اور طریقہ ہوتا تھا کسی کو اپنے اپنے دین میں نہ جھگڑا

کرنے کی اجازت تھی نہ بحث مناظرہ کرنے کی، اور نہ ایک شریعت والوں کو دوسرے نبی علیہ السلام کے قوانین یا شرعی طریقوں پر کوئی اعتراض کرنے کا حق تھا بجز کفار کبھی کسی مومن نے کسی بھی دین حق اور شریعت نبوی پر اعتراض و جھگڑا نہ کیا، جب تک کوئی دین منسوخ نہ ہوتا ہر مومن کو اس پر ایمان اور ہر اُمتی کو اس پر عمل واجب ہوتا، اور اس کا منکر کافر اور اُس سے بے عمل فاسق گناہگار کہلاتا تھا۔ یہ قانون رب تعالیٰ کے ہر دین کے لیے ہوتا رہا اور اب بھی تا قیامت ہے یہی حکم دین اسلام کے لیے ہے مگر چونکہ اس دین اسلام نے کبھی منسوخ نہیں ہونا لہٰذا قیامت تک اس کا منکر کافر ہے اور اس سے بے عمل فاسق و فاجر ہوگا۔ دوسرا فرق یہ کہ پچھلی امتوں کا ایمانِ نبوت اس طرح ہوتا تھا، کہ ہم لاتے ہیں تمام اگلے پچھلے رسولوں اور نبیوں پر یعنی جو گزر گئے اور جو آنے والے ہیں مگر مسلمانوں کا ایمانِ نبوت اس طرح ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں تمام گذشتہ انبیاء اور اپنے نبی محمد مصطفیٰ پر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اجمعین، یہ مسئلہ۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا بزرگوں نے فرمایا ہے

خدا کو مانتا ہو جو مگر منکر نبوت ہو ﴿ کبھی وہ عمر بھی واللہ مومن ہو نہیں سکتا

لہٰذا جن بے دین مفسروں نے، زرتشت اور گوتم بدھ کو پیغمبر اور ان کے دین کو سچا کہا ہے وہ مفسر خود کافر ہو گیا کیونکہ اوّلاً تو ان دینوں میں توحید ہی نہیں ہے شرک ہی شرک ہے لیکن اگر فرضاً توحید ہو بھی تب بھی یہ دین حق نہیں نہ یہ بانیان پیغمبر ہو سکتے ہیں نہ ان کی کتاب کلام الٰہی کیونکہ ان کی تعلیمات میں نبوت کا ذکر نہیں تیسرا مسئلہ ہر وہ شخص جو غلط اور باطل بات کہے اور اُس پر ضد بازی سے بحث و تکرار کرے شرعاً و قانوناً وہی جھگڑالو ہے، حق بات کہنے والا جھگڑالو نہیں ہوتا اگرچہ بحث مباحثے اور مناظرے میں برابر کا شریک ہو حق والے کو جھگڑالو کہنا شرعاً جائز نہیں ہے یہ مسئلہ۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ فرمانے سے مستنبط ہوا، اس طرح کہ لَا يُنَازِعُنَّكَ باب مفاعلۃ کا مضارع منفی ہے جس کا اصل معنیٰ دو طرفہ ایک جیسی حیثیت ہوتا ہے۔ یعنی دو طرفہ جھگڑا مگر یہاں کَ ضمیر مخاطب کو مفعول بہ بنا کر یہ بتا دیا کہ صرف کفار ہی جھگڑالو ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود باطل اس کی ہر بات بھی باطل اور اے نبی آپ حق ہیں لہٰذا آپ کی ہر بات حق ہے اگرچہ جواباً مناظرے کی شکل میں ہی ہو آیت کا معنیٰ ہے کہ کفار آپ سے جھگڑا نہ کریں، غرضکہ کفار کی بحث ہی جھگڑا ہے مومن کی بحث جھگڑا نہیں اسی وجہ سے مسلمانوں کو کفار کی بحث سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور کفار

کی باتوں کو جھگڑا فرمایا جا رہا ہے یہ حکم تا قیامت ہے ہر مسلمان کے لیے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں پانچ قدرتی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا پہلی نعمت سَخَّرَ لَكُمْ دوم وَالْفُلْكَ تَجْرِي سوم وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ چہارم وَهُوَ الَّذِي يُحْيِيكُمْ پنجم۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ تو اس کی کیا وجہ کہ پہلی چار نعمتوں کے بیان کے درمیان واؤ عاطفہ آئی لیکن پانچویں نعمت لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا میں واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی اسی طرح سورۃ مائدہ کی آیت ۴۸ میں ارشاد ہوا۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا۔ سے پہلے بھی واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی جب کہ اُس آیت میں بھی پہلے تین جگہ واؤ عاطفہ لائی گئی ہے اور فرمایا گیا۔ وَأَنْزَلْنَا پھر ارشاد ہوا وَمُهَيْمِنًا پھر فرمایا گیا۔ وَلَا تَتَّبِعْ لیکن اس کے بعد وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا نہ فرمایا گیا، اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی چار نعمتیں وہ ہیں جن کو ہر شخص مومن و کافر نعمت سمجھتا ہے اس لیے ان کو واؤ عاطفہ سے مرتب و مربوط کیا گیا، لیکن شریعت وہ نعمت ہے جس کو صرف اہلِ ایمان نعمت سمجھتے ہیں کفار اس کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ عیسائیوں کے خود ساختہ مصنوعی عیسائی پولس نے تو شریعت کو لعنت تک کہدیا اور تمام عیسائیوں سے کہلوا کر ان کو پاگل و بیوقوف بنایا اور گمراہ کیا اسی طرح دیگر کفار و گمراہ لوگ بھی شرعی احکام کو اپنے آپ پر ایک بوجھ اور مصیبت و زحمت سمجھتے ہیں، نعمت ہونے کے اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے یہاں واؤ عاطفہ نہ لائی گئی یہی کیفیت وہاں سورۃ مائدہ کی آیت میں ہے کیا اوّلاً صرف قرآنِ مجید کا ذکر ہے کہ أَنْزَلْنَا بھی قرآنِ مجید اور مُهَيْمِنًا بھی قرآنِ مجید اور وَلَا تَتَّبِعْ میں بھی یہی فرمایا گیا کہ غیر قرآن کی اتباع نہ کی جائے یہ تینوں ایک ہیں پھر شریعت کا ذکر فرمایا جو عام ہے ہر دین کی شریعت کو، شِرْعَةً کا معنی شریعت اور مِنْهَاجٌ کا معنی راہِ عمل و طریقہ عمل، **دوسرا اعتراض**۔ یہاں یہ کیوں فرمایا گیا لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا۔ مَنْسَكٌ کا مشہور معنی ہے ذبح کرنے کا طریقہ یا مذبح عرفِ عام میں بھی یہی مشہور ہے۔ چاہیے تھا کہ شریعۃً یا دیناً یا منھاجاً فرمایا جاتا جیسا کہ سورۃ مائدہ میں فرمایا گیا، اور یہاں آیت کے سیاق و سباق سے بھی یہی پتہ لگتا ہے کہ یہاں پوری شریعت مراد ہو نہ کہ فقط ذبح خانہ اور ذبح کا طریقہ۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مَنْسَكٌ بمعنی مَذْبَحٌ ہی ہے اور یہاں یہ لفظ اس لیے ارشاد ہوا کہ کفارِ مکہ مسلمانوں پر اکثر یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسا دین ہے کہ خود قتل یعنی ذبح کرکے

جانور ماریں تو جانور پاک طیب بھی اور کھانا حلال بھی رہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ موت سے مارے تو کھانا حرام جانور پلید۔ یہ حمقا و جہلاء ذبح کی حکمت کو ہی نہ سمجھتے تھے نہ اس پر غور کرتے تھے کہ ہر جان کو مارتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ذبح سے ہو یا قتل سے طبعی موت سے بلکہ آج تک دنیا بھر کے کفار جن میں عیسائی بھی شامل ذبح کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہر مردار کھا جاتے ہیں اور مرغی وغیرہ چھوٹے جانوروں پرندوں کو تو ذبح کرتے ہی نہیں گلا گھونٹ کر مارتے اور کھا جاتے ہیں انگریزوں کی اکثر دکانوں پر گلا گھونٹے مردار خرگوش اور پرندے دیکھے جاتے ہیں، کفارِ مکہ بھی مردار کھا جاتے تھے بلکہ یہاں تک بربریت دکھاتے کہ زندہ جانور کی ٹانگ کاٹتے اور پکا کر کھاتے کھلاتے جانور بیچارا چیختا چلاتا تڑپتا مچلتا رہتا یا مر جاتا، زندہ اونٹوں کی یا بیلوں کی کوہانیں چیرتے کاٹتے پکا لیتے اس ظلم و بربریت کو اسلام نے ہی ختم فرمایا اور اس طرح کے تمام گوشتوں کو حرام اور مردار فرمایا اس آیت پاک میں کفار کے اسی احمقانہ اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ شروع زمانوں سے ہر دین ہر امت کے لیے ذبح کا ایک یہ ہی طریقہ ہم نے بنایا یا مقرر فرمایا جو اسلام نے بتایا، ثُمَّ نَاسِکُوْہُ اور وہ سب امتیں از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام اور یہودی عیسائی اسی طرح ذبح کرتے تھے فَلَا یُنَازِعُنَّکَ، تو اب بھی یہ لوگ مشرکین یہود و نصاریٰ، مجوسی صابی اس طریقۂ اسلام پر انکار کرتے ہوئے جھگڑا مناظرہ اور تمسخرانہ اعتراض نہ کریں نہ ان کو اس کا حق پہنچتا ہے، اور اگر کریں تو اے نبی کریم اور اے مسلمانو ان کو منہ نہ لگاؤ نہ جواب دو بلکہ دھتکار دو۔ جوابِ دوم۔ یہ کہ مَنْسَکًا کا معنی صرف ذبح یا مذبح نہیں بلکہ اس کا معنی عام عبادات اور طریقۂ عبادات ہے یعنی حج، نماز، روزہ، زکوٰۃ، ذبح، صدقہ وخیرات ہیں، چنانچہ مسلم بخاری بابُ الحج میں ارکانِ حج کو بھی مناسک فرمایا گیا۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ یعنی اے مسلمانو مجھ سے اپنی عبادات کے طریقے سیکھ لو۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ صرف عبادات کا بتانا مقصود ہے نہ کہ پورے دین یا پوری شریعت کا لہٰذا مَنْسَکًا فرمانا ہی عین درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ تَرجمہ۔ اے نفسِ اَمّارہ اعضاءِ جسمانی کو اعمالِ باطل کا حکم دینے والے کیا تو اس احسانِ ربانی کو نہیں دیکھتا کہ تمام زمینِ قالبِ انسانی میں جو کچھ بھی

ظاہری باطنی اعضا میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے وہ تم سب نفس و نفوس کے لیے مسخر کر دیئے اور کشتیٔ اعمال کو بے حد آسان کر دیا کہ بحرِ ظلمات کی طغیانیوں میں وہ کشتی بڑے بڑے اعمالِ دینی و دنیوی کے لیے نہایت آسانی سے اُس کے حکم سے رواں دواں ہے اور اَعدادِ بحر و بر دشمنانِ خشک و تر مصائبِ برگ و ثمر کے آسمانِ وبا و بلا کو زمینِ قالب پر گرنے سے اسی ربِ قدیر نے روکا ہوا ہے ورنہ قالبِ انسانی میں گناہ و کفر نفاق و شرک کے اتنے دھماکے ہوتے ہیں کہ آسمانِ بلا پر طغیان و سرکشی کی یلغار سے وہ ٹوٹ کر گر پڑتے اور قالب فنا ہو جاتے، ہاں مگر ایک وقت ایسا آئے گا جب اس زمینِ بدنی پر اُسی ربِ ذوالجلال و القہار کی اجازتِ قہر و جلال سے آسمانِ بلا پھٹ پڑے گا، جب گناہوں کی کثرت ہوتی ہے تو فضاؤں کی چٹانوں میں دھماکے پیدا ہوتے ہیں لیکن کثرت کے باوجود انشقاق و انخرام اور انشقاق و انقطاعِ آسمانی نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے لیے اِس عالمِ ناسوت میں رافۃ و نرمی فرمانے والا ہے البتہ یقیناً ہمیشہ رؤف ہے رحمت و آسانی پہنچانے والا ہے رحیم و کبیر ہے (ابن عربی) اے غافل انسان کیا تو یہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محض کرمِ کریمانہ و فضلِ رحیمانہ سے مسخر فرما دیئے تم سب کے لیے وہ تمام جو زمینِ بشریت میں صفاتِ حیوانیت و خصائلِ شیطانیت میں سے ہیں اگر وہ قوتیں مسخر نہ کی جاتیں تو انسان بھی مثلِ جانور راہِ شیطانیہ پر چلتا ہی رہتا، اور اسی ربِ قدیر نے وارداتِ مغیبات کی کشتیٔ ارادات و نیات بھی مسخر فرما دی جو بحرِ قلب میں اُسی رب تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہے۔ اور اُسی خالق و مالک نے آسمانِ عقل کو روک رکھا ہے کہ کہیں زمینِ بشریت پر گر نہ پڑے اور گناہوں کی دَلدَل برائیوں کی کیچڑ میں دھنس کر صفاتِ نفسِ اَمّارہ سے متّصف و ملوّث نہ ہو جائے۔ ہاں مگر اُس بدبختی و بدنصیبی کے وقت جب بدکاری انسان تخریباتِ آدمیت کی بنا پر قہرِ قہاری کی اجازت ہو جاتی ہے۔ یا جب کہ انسان کو ضروریاتِ زندگی کے لیے آسمانِ نعمت و رزق کی اَشیاء اجازتِ شریعت سے حدودِ شریعت کی مقدار میں اجازتِ استعمال ملتی ہے بغرضِ خوراک لباس، رہائش وغیرہ کے لیے شریعت کی اجازت کے بغیر کسی انسان کے لیے عطیاتِ آسمانی کا استعمال جائز نہیں، ضروریاتِ حیات مثلِ آسمان ہیں اس کی شرعی اجازت گویا نازل ہونے کی مثل ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے بندوں سے حرام کو روکتا ہے اور جسمِ بشریت کی پرورش کے لیے حلال اشیا کو جائز و نافذ فرما دیتا ہے لیکن بدبختوں ذلیلوں جنّی شیطانوں کے لیے اَشیاءِ حرام کو بھی گرنے کی اجازت دیدیتا ہے، اور

وہی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو زندہ فرمایا روحِ ایمان کو قالبِ بشری میں ودیعت اور طلب
فرما کر پھر وہ اللہ تعالیٰ تمہاری بشریت میں صفاتِ حیوانیہ ڈال کر تم کو اخلاقی موت مار دیتا ہے
پھر تم کو صفاتِ رحمانیہ کے نور سے زندہ فرما دیتا ہے۔ اے عالِم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کے
علم رکھنے والے حبیب یہ بندگانِ شکوک و شبہات تمہارے معاملاتِ اسرار میں جھگڑا نہ کریں
کیونکہ تمہاری خلوتِ مشاہدہ و جلوتِ مکاشفہ میں خاص تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا
وقت مخصوص ہے جس میں تمہارے پاس نہ کوئی مَلَکِ مقرّب آنے کی ہمت کر سکتا ہے نہ کوئی
نبیِ مرسل۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا۔ راہ معرفت میں ہر فرد و قوم کے لیے علیحدہ راستہ و مرتبہ
مقام ہم نے بنا دیا ہے۔ کوئی بھی اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (تفسیر نیشاپوری) وَهُوَ الَّذِیْ
اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ
اور وہ رب کریم رؤف و رحیم وہ ہے جس نے اپنی معرفت سے تم کو حیاتِ عظیم عطا فرمائی پھر
فترتِ غفلت کے اوقات میں تمہاری اپنی غفلت سے تم کو موتِ بُعدیت سے مار دیا، پھر
جذبِ قبولیت اور وصلِ قربت کی زندگی دیگر زندہ کر دیتا ہے فترتِ کسلت کے بعد پھر وہ
اللہ تعالیٰ تم کو اپنی شفقتِ خاص سے نوازتا ہے) اور تم کو اپنا بندۂ خاص بنا کر تمام اپنوں پرائیوں
سے منقطع فرما کر اپنی معرفت کا وصلِ منزل عطا فرماتا ہے لیکن انسان اپنی بشریتِ ناقصہ کی
وجہ سے حقیقتِ عبادت ناقص العمل اور کامل الغفلت ہو کر ناشکرا بن جاتا ہے کہ اپنی
نعمتیں لینا دعائیں التجائیں کرنا یاد رکھتا ہے مگر اپنے ذمہ کے حقوق ادا کرنا بھول جاتا ہے
اے بندۂ کفور جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہی مکرم کیا انسان کو اور معظم کیا خود اُس کی
شان کو کہ خاص دستِ قدرت کے ذریعے منتقل کیا اُس کو عالمِ جماد سے عالمِ نباتات کی
طرف پھر عالمِ نباتات سے عالمِ حیوانات کی طرف پھر حیوانیتِ محضہ سے نکال کر اُس کو ناطق
بنایا اور نعمتِ صُوَری و نعمتِ معنوی کے خزانوں کا اس کو فیض بخشا اور موجوداتِ ظاہرہ
کو اُس کا خادم بنا دیا اسی لیے ہر آن ہر انسان پر شکرِ نعمت واجب ہے ظاہراً بھی باطناً بھی
ظاہری شکر اتباعِ مصطفائی ہے اور باطنی شکر ایمانِ کبریائی ہے۔ ظاہری نعمت کا اظہار
کرنا اور باطنی نعمت کا انکشاف کرنا ہی شکرِ الٰہی ہے۔ نعمتِ مصطفائی اظہارِ نعمت ہے
اور حمدِ باری تعالیٰ انکشافِ نعمت ہے اس کی نقیض کفران ہے، نعمت کو چھپانا چرچہ نہ

کرنا ایمان سے دور اعمال سے نفور ہی ناشکری ہے، ہر نعمت معرفت کا راستہ ہے اس لیے کہ معرفتِ الٰہی سے ہی نعمت کا وجود ہے لہٰذا معرفتِ الٰہی نعمت کا اثر ہے۔ پس لازم ہوتا ہے کہ اثر کا نشان و استدلال مؤثر پر ہو یہی اہلِ معرفت کا ایمانِ یقینی ہے اسی وجہ سے عاقل بندہ نعمتوں اور دولت مندیوں پر مغرور نہیں ہوتا بلکہ ہر دم توفیقِ الٰہی کا احسان مند رہتا ہے، اے قویُ الجسم والے اپنی قوتِ بدنی پر اکڑ مت دکھا اگر تیری قوت تیرے اپنے کمال سے ہے تو اپنے آپ سے اپنی موت کو ہٹا کر دکھا، اے علم و عقل والو اپنی عقل و علم پر مغرور مت بنو اگر تم کو اپنے علم و عقل پر غرور ہے تو اپنے علم سے اپنی اجل اخیر یعنی موت کا پتہ لگا لو کہ کب ہے، اور اے دولت والو اپنی دولت پر تکبر نہ کرو اگر دولت پر تکبر کرتے ہو تو رب تعالیٰ کی کسی ایک قسم کی مخلوق کو صرف ایک وقت کا ہی کھانا کھلا کر پیٹ بھر کر دکھاؤ حالانکہ ہر انسان عاجز ہے، قوی اپنی قوت میں علم والا اپنے علم میں دولت مند اپنی دولت کے حصول میں بس اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قدیر ہے۔ اسی کی طرف سے ہر ایک کو ہر دم ہر نعمت ملتی ہے مخلوق صغیر ہو یا کبیر عاقل ہو یا بے عقل سب ل‍ِ

ادیم زمین سفرۂ عام اوست ⁂ بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

بلکہ علم و عقل بھی اسی کا عطیۂ خسروانہ ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اعضاءِ انسانی میں سے ہر ظاہری باطنی عضو کے لیے رب تعالیٰ کی اطاعت و عبادت مخصوص کر دی گئی تو اگر بندہ اپنے عضو کو اسکی اطاعت و عبادت میں نہ لگائے اور اس کے مناسب خدمتِ الٰہی میں نہ چلائے تب ہی اس پر ناراضگیِ ربانی نازل و عارض ہوتی ہے، فرمایا کہ مقبول الی اللہ بندے کی تین خصلتیں ہوتی ہیں ۱۔ اولاً یہ کہ اس کا قلب ہر دم صفاتِ الٰہی اور امورِ آخرت کی فکر میں رہتا ہے دوم یہ کہ اس کی زبان ذکر و شکر میں رہتی ہے، سوم یہ کہ اس کا بدن ہمیشہ خدمت فی سبیل اللہ میں لگا رہتا ہے اور اس بندے پر مرتے تک ان خصائل ثلاثہ میں تغیر و فتور نہیں آتا، ہم بھی اپنے خالق مالک رب تعالیٰ سے اس کی اطاعت کی توفیق مانگتے ہیں اور خدمت دین کی سعادت چاہتے اور جنت وصل و قرب کی شرافت طلب کرتے ہیں (تفسیر روح البیان) سب سے بڑی عبادت ادب ہے۔ اور سب سے بڑی حکمت خوفِ الٰہی ہے سب سے بڑی سیاست غلامیِ مصطفیٰ ہے کہ اس سے ساری دنیا کی حاکمیت نصیب ہو جاتی ہے اولیاء اللہ کے پاس اسی عبادت، سیاست، اور حکمت کے خزانے ہیں اسی لیے انکا دلوں پر راج ہونا

ہے، مگر نفس امارہ بے ادبی کا عادی ہے لیکن بندۂ حق کو ادب اختیار کرنے کا حکم ہے اس لیے نفس اپنی روش کے مطابق مخالفت کے میدان میں دوڑتا ہے اور بندۂ حق اپنی کوشش و صلاحیت سے نفس کو حسن ادب کی طرف لوٹاتا ہے لیکن جو بندہ نفس امارہ کو اس کی خواہش پر مدد کرے وہ نفس کی حرکت میں شریک ہے کیونکہ بندگی کے لیے ادب ضروری اور سرکشی بے ادبی ہے مولی تعالیٰ ہر مسلمان کو بے ادبی سے بچائے۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

اور اگر تجھ بحثی کریں آپ سے تو فرما دیجئے کہ اللہ سب جانتا ہے اس کو

اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرما دو کہ اللہ خوب جانتا ہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اللہ فیصلہ فرما دے گا، تمہارے درمیان قیامت کے دن

تمہارے کوتک۔ اللہ تم پر فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن

فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ

ان میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ کیا تم نے نہ جانا

جس بات میں اختلاف کر رہے ہو۔ کیا تو نے نہ جانا

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان سب کو جو آسمان میں اور زمین میں ہیں

کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ

حالانکہ یہ بات لکھی ہے کتاب میں کہ بے شک وہ علم اللہ تعالیٰ پر بہت

بے شک یہ سب ایک کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر

يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ

ہی آسان ہے۔ اور سجدے کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں اُن بتوں کو کہ نہ

آسان ہے۔ اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جن کی کوئی سند اُس نے نہ

يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ

اتاری اُس نے اس سجدہ ریزی پر کوئی غالب دلیل اور اُن بتوں کی کہ نہیں اِن کفار کو اس کا کوئی علم

اُتاری اور ایسوں کو جن کا خود اُنھیں کچھ علم نہیں

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾

اور کہیں نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔

اور ستمگاروں کا کوئی مددگار نہیں۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں باری تعالیٰ کی کچھ قدرتوں کا ذکر فرمایا گیا جن پر ایمان لانا ہر انسان کو باعتبار مخلوق ہونے کے ضروری و لازم ہے۔ اب اِن آیات میں ایمان کے منکروں کے جھگڑے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو اُن کفار کے ساتھ کج بحثی سے روکا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں زمین آسمان دریا سمندر۔ انسان کی موت زندگی پیدا کرنے کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں دلائلِ خالقیت سے رب تعالیٰ کی معبودیت کو ثابت فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں بتایا گیا کہ کفار

جن کو پوجتے ہیں ان کی معبودیت پر تو ایک معمولی سی دلیل بھی میسر نہیں۔

تفسیر نحوی وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ۔ واؤ عبر جملہ اِنْ حرف شرط جَادَلُوْ باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف انشائیہ جمع مذکر غائب جَدْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جھگڑا کرنا ہمیشہ ہر بات میں یہ متعدی ہوتا ہے اس کا مصدر ہے مُجَادَلَۃٌ بمعنیٰ دو طرفہ باہمی بحث مباحثہ کرنا یہ مفاعلۃ کے اصلی معنیٰ ہیں یا یعنی خوب خوب (بہت زیادہ) کج بحثی کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے خیال رہے کہ عربی لغت میں جھگڑے کے لیے تین لفظ ہیں مگر بہت فرق کے ساتھ ۱ بَحْثٌ۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے کریدنا، اصطلاح میں جھگڑا کرنے کو اس لیے کہتے ہیں کہ کسی حق بات کو جاننے سمجھنے تلاش کرنے کے لیے آپس میں مناظرانہ، مکالمانہ باتیں کی جائیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تردید یا تائید کی جائے ۲ نزع اس کا لغوی ترجمہ ہے چھینا جھپٹی کرنا اصطلاح میں اُسی جھگڑے کو کہتے ہیں جس میں مدمقابل مخالف فریق دوسرے کی ہر بات کو سننا بھی گوارا نہ کرے اور درمیان سے ہی اچک لے چھین لے اور اپنی بات ٹھونسنے غالب کرنے کے لیے بولنا شروع کر دے اس جھگڑے کا مقصد صرف فتنہ وفساد اور غلبہ حاصل کرنا ہوتا ہے اگرچہ باطل ہو ۳ جَدْلٌ لغوی ترجمہ ہے لمبا ہونا۔ اسی لیے بٹی ہوئی رسی کو جدیل کہتے ہیں کہ وہ دراز اور مستحکم ہوتی ہے جُدالہ پگڑنڈی (دفٹ باندھ) کو کہتے ہیں اُس کی لمبائی کی بنا پر۔ جھگڑے کو جدال اس کی دراز گفتگو کی وجہ سے کہتے ہیں۔ یعنی صرف باتوں سے جھگڑا کرنا کسی کو جھوٹا کہنا، یہاں اسی معنیٰ میں ہے کَ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جَادَلُوْكَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ حرف جزا قُلْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ اَللّٰهُ اسم ذاتی ہے مبتدا۔ اَعْلَمُ اسم تفضیل جمع مذکر بِ حرف جر متعدی کے لیے مَا اسم موصول تَعْمَلُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کام کرنا، قول وفعل سب کو شامل ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع کفار مکہ یہ فعل با فاعل جملہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے اَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اللہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ

اوّل ہوا قُل کا، اَللّٰہُ اسم ذاتی بحالتِ رفع کیونکہ مبتدا ہے یَحْکُمُ باب نَصَرَ کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب پوشیدہ فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ حُکْمٌ سے بنا ہے بمعنی فیصلہ فرمانا بَیْنَ اسم ظرفی مکانی مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یَحْکُمُ کا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے یَحْکُمُ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مَا اسم موصول کُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ یہ ایک فعل ماضی استمراری ہے بیچ میں جار مجرور نے حصر پیدا کیا۔ باب افتعال سے ہے اس کا مصدر ہے اختلافٌ خلفٌ سے مشتق ہے۔ ایک قول میں کُنْتُمْ علیحدہ فعل ناقصہ ہے فِیْہِ جار مجرور متعلق مقدم ہے تَخْتَلِفُوْنَ فعل مضارع حال کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کُنْتُمْ کی اور پوشیدہ ضمیر صیغہ اسم ہے کُنْتُمْ کا یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ ناقصہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے یَحْکُمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قُلْ کا قول اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اَ۔ ہمزہ سوال اقراری کے لیے لَمْ تَعْلَمْ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی منفی واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے عام انسان۔ اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم یَعْلَمُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع نفی مثبت معروف اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ مَا اسم موصول فِیْ حرف جر ظرفیت مکانیت کے لیے اَلسَّمَآءِ الف لام جنسی مراد ہیں تمام آسمان معطوف علیہ وَ۔ عاطفہ اَلْاَرْضِ اسم مفرد مؤنث لفظی جنسی معرفہ مراد ہے تمام زمینیں معطوف ہے یہ دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا اِنَّ حرف مشبہ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا فِیْ کِتٰبٍ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجودٌ مفعول کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَعْلَمُ کا یعنی عِلْمُ اللہ کا، یَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَمْ تَعْلَمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ ذٰلِکَ اس کا اسم۔ عَلَی اللّٰہِ جار مجرور متعلق مقدم ہے یَسِیْرٌ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغے کے لیے یُسْرٌ سے مشتق ہے بروزن فعیل بمعنی آسان ہونا مبالغے میں ترجمہ ہوا بہت آسان ہونے والا یہ صفت مشبہ اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَھُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ دوسرا جملہ

یَعْبُدُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ اسم استثنائی بمعنی سوا مقابل مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَعْبُدُوْنَ کا مَا اسم موصول غیر ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے مراد ہیں بُت، کیونکہ ذوی العقول لوگ کبھی بھی مذہبی طور پر دائمی نہ پوجے گئے یعنی ان کے سامنے سجدہ نہ کیا گیا۔ نمرود فرعون ہامان و شداد حکماً درباری سجدہ کراتے رہے مگر مذہباً نہ پوجے گئے اور باقی نیک لوگوں کے بُت اور فوٹو تصویریں پوجی گئیں نہ کہ وہ خود لَمْ یُنَزِّلْ باب تفعیل کا مضارع نفی جحد بلَم معروف واحد مذکر غائب نُزُوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی اُترنا نازل ہونا یہ لازم اس کا مصدر ہے تَنْزِیْلٌ بمعنی اتارنا، متعدی ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ بِ جارہ بمعنی علیٰ فوقیت کا ہ ضمیر کا مرجع ہے عبادت یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ یُنَزِّلْ کا، سُلْطٰنًا اسم صفت مبالغے کے لیے بروزن فُعلان عثمان سَلْطٌ سے مشتق ہے آخر میں الف نون زائدتان ہے۔ سَلْطٌ و سُلْطَانٌ کا لغوی ترجمہ غالب کرنا، غالب آنا، شدت کے ساتھ اصطلاح میں حکومت بادشاہت اور قابو پانے یا سخت مضبوط دلیل کو بھی سلطان کہا جاتا ہے کیونکہ ان تمام میں بھی غلبے کے معنیٰ ہوتے ہیں یہ مفعول بہ ہے لَمْ یُنَزِّلْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول، لَیْسَ فعل ماضی مطلق ناقصہ واحد مذکر غائب اس ناقصہ کا صرف ماضی مطلق ہی چودہ صیغے ہوتے ہیں دوسرا کوئی مشتق نہیں ہوتا لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ کا یہاں لام جارہ بمعنی عِنْدَ ہے ھُمْ کا مرجع بُت پرست کفار ہیں بِهٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ کا یہاں بِ جارہ کی ہے اور ہ ضمیر کا مرجع بُت پرستی ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، واؤ سیر جملہ مَا حرف نفی مشتبہ بلَیْسَ۔ لام جارہ نفع کا لِلظّٰلِمِیْنَ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ ہے لام جارہ کی وجہ سے ظُلْمٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے حقدار کو حق سے ہٹانا غیر مستحق کو وہاں قائم کرنا رکھنا اس لغت کے تحت اصطلاحاً آٹھ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ حدود کو توڑ کر آگے بڑھنا ۲ کسی کو پورا حق نہ دینا ۳ دین کی مخالفت کرنا ۴ اندھیرا ہونا یا کرنا ۵ سیاہ کالا ہونا ۶ ناحق ستانا ۷ کسی کا حق چھیننا ۸ غلط راہ چلنا، یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدًا اسم مفعول کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم علی الاسم ہے مَا نافیہ کی مِنْ حرف جار تبعیضیت کا نَصِیْرٍ اسم فاعل مبالغہ بروزن فعیل بمعنی خوب نیلو جیسے نصیر ا [illegible] یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ناصر اسم فاعل کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر اسم مؤخر ہے مَا نافیہ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ لفظ یُمْکِرُوْ حکم [illegible] کا [illegible] ہے باندھنا۔ اسی طرح

سے کہ وہ کسی غلط راستے پر نہ چل سکے یعنی پابند کر دینا۔ اسی لغوی ترجمہ کے اعتبار سے اس کے مجازی اور اصطلاحی گیارہ۱۱ معنی ہو گئے۔ اور ان معنی کے لیے مختلف صیغہ بنائے گئے۔ چنانچہ ۱ گھوڑے کی لگام اور چمڑے کی بندھنی کو اَلحکمۃ کہا جاتا ہے ۲ عدالتی فیصلے کو حُکم کہا جاتا ہے کہ وہ مدعی و مدعی علیہ کو ان کے حقوق بتا کر اپنی اپنی حدوں میں روک کر پابند دیتا ہے ۳ عدل وانصاف کو حکمت و حُکم اسی معنی میں کہا جاتا ہے ۴ عدالتی فیصلے کو حُکم توازن پیدا کرنا حکمتِ عملی کہلاتی ہے ۵ طبیب کو حکیم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مریض کے مرض کو صحیح شناخت کر کے ایسی دوائیاں علاج و پرہیز تجویز کرتا ہے جس سے بیماری رُک جاتی ہے یہاں تک کہ ختم ہو جاتی ہے ۶ دانائی کو بھی حکمت کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ جہالت اور کم عقل اور بیوقوفی کو روکتی ہے ۷ بادشاہت یا عدالت کو حکمت اس لیے کہا جاتا ہے کہ صحیح فیصلہ کرنے کا علم اور پھر فیصلے کو نافذ کرنے کی قوت اس کے پاس ہوتی ہے جس سے ظلم رُک جاتا ہے ۸ کسی چیز کو کسی جگہ اس طریقہ سے روک رکھنا کہ وہاں سے ہٹائی نہ جا سکے اس کو مُستحکم کہتے ہیں ۹ دانا انسان کو حکیم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو اس کا جائز اور حق دار اصلی مقام دیتا ہے اور اسی استحقاقی مقام پر روکنے کا فیصلہ کرتا کراتا ہے ۱۰ قرآنِ مجید کی کچھ آیت کو مُحکم آیت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قانون اور واقعات بیان کرتی ہیں جن کی عدالت و حقانیت پر مومن کو یقینِ قلبی کے ساتھ رکنا پڑتا ہے ۱۱ حکمت کو اس لیے بھی حکمت کہتے ہیں کہ وہ قانونِ الٰہیہ کا مقصد و غایت اور نتیجہ بیان کرتی ہے اور دین کی یہی آخری حد ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ اور اگر یہ کفار نابنجار، اتنے واضح دلائل اتنے مضبوط براہین اتنے آسان اور عام فہم بیانات اتنی روشن تبلیغ اتنے پیار و محبت اُلفت و شفقت سے سمجھانے کے باوجود بھی حق و حقانیت کو نہ مانیں اور آپ سے اے محبوب مقدس بے دلائل جھگڑا ہی کریں تو آپ ان ضدی جاہلوں سے جوابی جھگڑا نہ فرمائیں نہ ہی مزید سمجھانے میں وقت ضائع کریں بلکہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جاننے والا ہے ان تمام حرکتوں، بدعملیوں کو جو تم دن رات۔ صبح شام، ظاہر و خفیہ، محفلوں، مجلسوں، مشوروں میں کرتے رہتے ہو خیال

رب ہے کہ تنازع اور منازعت و نزاع میں فرق یہ ہے کہ مخالفت کرنا نزاع ہے۔ مخالفت کرانا تنازع ہے اور دو طرفہ ایک دوسرے کی بات نہ ماننا منازعت ہے خواہ دونوں طرف جہالت و نا واقفیت ہو یا ایک طرف، نزاع و تنازع کی تین قسمیں ہیں ۱۔ مناظرہ ۲۔ مباحثہ ۳۔ مجادلہ، اگر دونوں طرف علمی دلائل ہوں تو مناظرہ ہے اگر دونوں طرف جہالت ہو دلائل کسی طرف نہ ہوں تو منازعت کا نام مباحثہ ہے اسی کو کج بحثی کہتے ہیں، اور اگر ایک طرف حقانیت، علمی عقلی، نقلی دلائل ہوں اور دوسری طرف صرف جہالت و شرارت ہو تو منازعت کا نام مجادلہ ہے یہاں آیت میں اسی صورت حال کا بیان ہے آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں کے لیے ایک قانون ساز کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ایسی جاہلانہ گفتگو نہ سنو نہ ایسے ضدی جاہلوں کو عالمانہ دلائل سناؤ۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اُن کو اپنے پاس سے ہٹا دو یا خود اُن کے پاس سے ہٹ جاؤ اور فرما دو کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا تم سب کافر و مومن عالم و جاہل نیک و بد کے درمیان بروزِ قیامت اُن تمام باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے ہو بار بار۔ اور اے محبوب پاک کیا تم نے زمانوں پہلے یہ بات نہ جان لی تھی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا ہے اُن تمام چیزوں کو جو آسمان میں اور زمین میں ہیں۔ آسمانوں میں جو کچھ پیدا کر دیا اور جو کچھ آئندہ پیدا کرتا ہے زمین میں بھی جو کچھ پیدا کر دیا گیا اور جو پیدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے آسمانوں کی جاندار و بے جان مخلوق زمین کی جاندار و بے جان مخلوق کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں کی خیر کو اور زمین کی خیر و شر کو اے محبوب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں کی اچھائیوں کو اور زمین کی اچھائیوں برائیوں کو جانتا ہے۔ آسمان کی ایجابیات کو زمین کے کفریات و ایجابیات کو اور جانتا ہے آسمانوں کے سب فرشتوں اور زمین کے سب انسانوں کو جانتا ہے آسمانوں کی تدبیر کو زمین کی تقدیر کو اعمال نیک و بد کو مومن کی عبادات کو کافر کی حرکات کو وہی جاننے والا ہے، بے شک ایک بہت بڑی کتاب میں ہے وہ تمام یَحْكُمُ بَيْنَكُمْ کے فیصلے اور فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ کے معاملے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ کی معلومات اور مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کے علیات، محبوب کے درجات حبیب کی آن و شان محبوب کی شوکت و قوت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں لوح محفوظ کی کتابت میں نہ حفاظت ختم ہو سکے نہ کتابت ختم کی جا سکے، حفاظت رب تعالیٰ کی ہے اور کتابت قلم الٰہی کی ہے۔ حفاظت حساب کے لیے کتابت انبیاء و اولیاء و ملائکہ کے دیدار کے لیے ہے لوح محفوظ است پیش اولیاء آنچہ از ابتدا تا انتہا، اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔

بے شک وہ تمام کام کفار کے مجادلے، مشرکین کے تنازعے بدکاروں کی بداعمالیاں، نیکوں کی فرمانبرداریاں اعمال کو جاننا اعمال والوں کو پہچاننا اور ان میں عدل کا فیصلہ فرمانا اختلافیات کی تفریق و چھانٹ فرمانا ہر شی کو جاننا ذرے ذرے کو پہچاننا، اپنی حفاظت میں رکھنا لوح محفوظ میں لکھنا اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان ہے کہ اس کا حکم ہوتا ہے کام ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اُس بروزِ قیامت اس کے فیصلے میں نہ کوئی جھگڑا کر سکے نہ بحث مناظرہ، اللہ تعالیٰ اور بندے کے کام میں یہ فرق بھی ہے کہ بندہ کام کرنے سے پہلے ارادہ کرتا ہے پھر تفکر کرتا ہے پھر تدبیر کرتا ہے پھر سامان جمع کرتا ہے پھر اُس کو جوڑتا ہے اور ایک چیز بنا رکھتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ کے کام کی شان یہ ہے کہ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے اُس کو ہو جا، تو وہ چیز ہونے لگ جاتی ہے، نہ وہاں تفکر کی ضرورت نہ تدبیر کی حاجت نہ سامان و ہتھیار جمع کرنے کی مشقت۔، دوسرا فرق بندے کے کام میں دیری خود بندے کی وجہ سے۔ مولیٰ تعالیٰ کے کام میں دیری اُس شی کی وجہ سے تیسرا فرق بندہ چیز کو صرف جوڑتا ہے تمام سامان یعنی میٹریل نہیں بنا سکتا مگر مولیٰ تعالیٰ کا ارادہ حکم ہوتا ہے تو میٹریل و اشیاء بننے لگتی ہیں کیونکہ وہ آسمان و زمین کو کل علم کا مل و انجام تام سے جانتا ہے اُس کا علم دقیق ہے نہ اس میں بھول ہے نہ تحریر ہے وہ جانتا ہے تالاب کے اشخاص کو قلب کی نیات کو اعمال کی حرکات کو عالم نظیر میں جیسی عالم تعبیر میں بھی، روایت کی دلالت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ ایک بہت بڑا سفید موتی ہے جس کی لمبائی آسمانِ اوّل اور زمین کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اُس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے تک ہے۔ اُس کی موٹائی زمین کی موٹائی کے برابر ہے، اس کی کتابت چاروں طرف اس کا مقام ساتویں آسمان سے اوپر ہوا میں معلق، اُس کی لمبائی مسافت، تیز رفتار ریگستانی اونٹ کی دوڑ سے سو سال تک۔ اس کی مکتوبات میں ہر وہ چیز ہے جو ازل سے ابد سے قیامت تک ہونے والی ہے اِس کی کتابت، کی ابتدا مخلوق کی خلقت سے ایک ہزار سال پہلے قدرت کے قلم سے ہوئی، مجادلے سے ان پہلے منع فرمایا گیا کہ جادلہ کرنے والے ہیں جہالت ظلم ضعف، اور عروج ہوتا ہے۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ۔ اور اتنے دلائل آتی برھانیں اپنے رب تعالیٰ کی قدرت الٰہیت کے ظاہری نظارے باطنی مشاہدے کہ ہر قدم قدم پر دفترے است

معرفتِ کردگار۔ پتے پتے میں ظہور اُس کی ہی قدرت کا کمال سب دیکھنے سمجھنے کے باوجود یہ فہم کے اندھے قلب کے بہرے روحانی گونگے دلوں کی چھوڑ لے عقل کی ڈاٹ والے مردہ ضمیری کے پردے والے یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ۔ اپنے حقیقی معبود اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن بتوں کو پوجتے ہیں جو اپنے ہی ہاتھوں سے بناتے تراشتے ہیں اور ایسی حماقت کے عقیدے جہالت کے دین بنا لئے ہیں جس کی سچائی وثبوتِ حقیقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی مضبوط دلیل نہ اُتاری نہ وحیِ قرآن سے نہ نبی کی زبان سے اور اُن کی پرستش کرتے ہیں جن کی پوجا کے ثبوت میں اُن مشرکین کے لیے کہیں سے کوئی علمی عقلی معلوماتی معقول بات بھی نہیں نہ نقل وعقلی دلیل نہ کسی طرف سے کوئی تائید نہ خود کبھی فکر وتدبر سے دلیل وتائید کی جستجو کی محض نسل در نسل باپ دادوں کی دیکھا دیکھی شیطانی رسمی عقیدہ پرستش چلی آرہی ہے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر ابدی ظلم کرنے والے ہیں۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ۔ اور اس قسم کے ظالموں کا کبھی کوئی کسی وقت کسی زمانے میں مددگار نہیں ہوتا نہ دنیا میں عقلی نقلی دلائل کی حمایت سے تائید بنا کر نہ آخرت میں ساتھ نبھا کر۔ دلائل حجت۔ وَنصرت وحمایت صرف دینِ حق والوں کے پاس ہوتی ہے مگر کفار کے پاس نہ دلیلِ سلطانی نہ تائید رحمانی نہ حجتِ ایمانی محض وہم سے اوثان واَصنام شیطان وانسان کی عبادت میں لگ گئے حماقت یہ کہ باطل کو بغیر دلیل مان لیا اور حق کے لیے دلائل کی طلب ہے۔ یہ سچ ہے کہ رب تعالیٰ ہی حقیقی ہدایت دینے والا ہے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال- وَاِنۡ جٰدَلُوۡكَ (الخ) پوری آیت ۶۸ اور ۶۹ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ دونوں آیتیں آیتِ سیف سے منسوخ ہیں، ناسخ ومنسوخ کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھئے ۲۔ بعض نے کہا یہ آیتیں منسوخ نہیں بلکہ محکم ہیں اور تا قیامت مسلمانوں کو جاہلوں کے مجادلے مباحثے سے بچنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے یہی قول درست ہے پہلا غلط ہے اَلَمۡ تَعۡلَمۡ میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے ۲۔ بعض نے فرمایا اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ پہلا قول درست ہے فِیۡ كِتٰبٍ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کتاب سے مراد حفاظتِ الٰہی ہے ۲۔ بعض نے کہا کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے دونوں قول درست ہیں اِنَّ ذٰلِكَ میں چار قول ۱۔ بعض نے کہا ذٰلِكَ سے مراد اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ہے ۲۔ بعض نے کہا اُس سے مراد فیصلہ قیامت ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد آسمانوں زمینوں کا علم ہے ۴۔ بعض

نے کہا ذٰلِکَ کا مشارالیہ لوحِ محفوظ میں لکھنا ہے یہ سب قول درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہر چیز آسان ہے مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ کی ہ ضمیر کے مرجع میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا مرجع کفار کی بت پرستی ہے یعنی بت پرستی پر کوئی دلیل نہیں ۲ بعض نے کہا کہ اس کا مرجع بتوں کی الوہیت ہے یعنی بتوں کے معبود ماننے پر کوئی دلیل نہیں نہ نقلی نہ عقلی، وَمَا لَیْسَ لَھُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنی ہے کفار کو کوئی علم یعنی عقل نہیں ان کی سب پوجا پاٹ حماقت ہے ۲ بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ کفار کے پاس ان کے دینی عقائد پر کوئی دنیوی عقلیات مشاہدات تاریخات کی معلومات کی دلیل نہیں نہ کسی سے پوچھی نہ کسی نے بتائی دونوں قول درست ہیں۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ، میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ ظالمین سے مراد اپنی جان پر ظلم کرنے والے سب کفار تا قیامت ہیں ۲ بعض نے کہا اس کا معنی مسلمانوں پر ظلم کرنے والے صرف کفار مکہ ہیں۔ پہلا قول درست ہے۔ نَصِیْر میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد یہ کہ کفار کا دنیا میں کوئی ایسا مددگار نہیں جو ان کو ان کے دین کی سچائی پر دلائل بتائے سمجھائے ۲ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ کفار ظالمین کا آخرت میں کوئی مددگار نہیں جو ان کو عذاب سے بچائے یا ہٹائے نہ شفاعتی نہ سفارشی نہ حمایتی۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ ہر مسلمان کو ہر وقت دین دنیا کے ہر معاملے ہر الجھن مشکل دشواری پریشانی میں اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑنا چاہیئے اور اپنی ہر بات کو اپنے رب تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے وہ معاملہ کفار کی طرف سے درپیش آئے یا منافقین فاسقین کی طرف ہے اسی بھروسے پر مسلمانوں کی کامیابی اور سہولت ہے یہاں تک کہ مقدمہ بازی میں بھی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس طرح توکل علی اللہ سے اکثر حق والے کو فتح مندی نصیب ہوتی ہے اور مخالف رسوا ہوتا ہے یہ فائدہ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ اور اللّٰہُ یَحْکُمُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عالم ازل میں ہی تمام علوم سکھا پڑھا کر عطا فرما دیئے ہیں اور عالم ازل حادث سے ہی نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل سبحانہٗ عالمین کے ذرے ذرے کو جانتا ہے یہ عقیدہ نبوت کے لیے ضروری اور آپ کی نبوت آپ کو عالم ازل میں ہی مل چکی تھی لہذا آپ کا یہ عقیدہ ازلی اور اس عقیدے کے لیے جتنا علم ضروری وہ بھی ازلی ہونا لازمی ہے یہ فائدہ اَلَمْ تَعْلَمْ کے سوالِ اقراری اور نفی جحد بلم کے فعل ماضی ارشاد فرمانے سے حاصل

ہوا۔ بعض مترجمین نے اَلَمْ تَعْلَمْ کا ترجمہ مضارع منفی سے سوالیہ بنایا وہ قانون نحوی صرفی کے مطابق حقیقی ترجمہ سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ قانونِ نحو کے مطابق نفی جحد بلم سے مضارع بمعنی ماضی ہو جاتا ہے۔ تیسرا فائدہ، ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حق و باطل کے درمیان دیگر بہت سے فرق اور امتیازی نشانات کے علاوہ یہ بھی ایک بہت عظیم فرق ہے کہ حق کے لیے بہت سے عقلی، نقلی، تجرباتی، مشاہداتی، ظاہری باطنی اور وحی ربانی تائید ایمانی کے غالب اور مضبوط تاریخی معلوماتی دلائل و براہین ہوتے ہیں۔ مگر باطل کے لیے اس قسم کی کوئی بھی دلیل نہیں ہوتی گویا کہ کسی چیز یا کسی عقیدے کی دلیل نہ ہونا بھی اس کے باطل و حماقت و جہالت ہونے کی شناخت ہے۔ یہی فرق مسلمانوں کے دیگر فرقوں اور حق جماعت اہلسنت کے درمیان ہے اسی چیز کو بھانپتے ہوئے باطل فرقوں نے بھی محض دھوکہ دینے کے لیے اپنے آپ کو سنی کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ سنی صرف ثنا خوانِ مصطفیٰ ہیں یہ فائدہ کالم یُنَزِّلْ بِهٖ (الخ) اور وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور یہ قاعدہ کلیہ و نشانِ اعظم اتنا مضبوط و مستحکم کہ جب سے یہ آیت پاک نازل ہوئی ہے اُس وقت سے آج تک کوئی کافر و باطل اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا نہ کوئی کافر اپنے بتوں کی اُلوہیت اور اپنی پوجا پاٹ کے جواز پہ کوئی چھوٹی موٹی عقلی نقلی دلیل پیش کر سکا نہ کوئی باطل اپنے عقیدے پر۔ یہ تو صرف مسلمانان اور سنیوں کی شان ہے کہ اُن کے ہر ہر عقیدے پر قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی حتمی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ ان آیات مقدسات میں مسلمانوں کو آدابِ مکالمہ سکھائے جا رہے ہیں اور بتایا جا رہا ہے کہ کن لوگوں سے مناظرہ جائز ہے کن سے ناجائز اور کونسا مکالمہ برا ہے کونسا اچھا کس کو علمی مناظرہ کہا جاتا ہے کس کو جہالت کا مجادلہ، سمجھایا اس طرح جا رہا ہے کہ ضدی و جاہل کفار سے کسی بھی مسئلے میں ہرگز بات مت کرو۔ یہ مسئلہ اِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ (الخ) کے اِنْ شرطیہ اور فَ جزائیہ سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ جُہلا وہ لوگ ہیں جو بے دلیل اور بے علم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بہت علم و عقل والا سمجھیں اور علماء سے کج بحثی کریں۔ اس جگہ اِنْ جَادَلُوْكَ میں خطاب اگرچہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے مگر آدابِ مناظرہ کا قانون شرعی تاقیامت بتا دیا گیا، اس قانون کا مزید فائدہ

یہ ہوگا کہ کسی گستاخِ اسلام کو کسی شرعی مسئلے کی گستاخی کی ہمت اور موقعہ نہ ملے گا ورنہ کج بحثی میں جہلا کے منہ سے بہت گستاخیاں نکل جاتی ہیں اور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، تو نوبت لڑائی مارکٹائی کی آسکتی ہے۔ دوسرا مسئلہ ہر معاملہ میں مسلمان کو رب تعالیٰ کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا چاہئے جو اُمتی کو اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اور تعلیم سے ملے یعنی جو عقیدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہو بالکل وہی عقیدہ ہر مسلمان کا ہونا چاہیے، ذرہ بھر فرق جائز نہیں اگر فرق ہوگا تو وہ شخص مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔ یہ مسئلہ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ (الخ) کے فرمانِ خطابی سے مستنبط ہوا کہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوالِ اقراری کا خطاب فرما کر رب تعالیٰ کی شانِ علمی کا عقیدہ ظاہر فرمایا تاکہ ہر مسلمان بھی یہ ہی عقیدہ رکھے اگر کبھی بھی کوئی مسلمان اس عقیدے میں کسی طرح کی کمی کرے گا تو اسلام سے خارج ہو جائے گا اسی بنا پر سابقہ معتزلی فرقے کو اسلام سے خارج کہا جاتا تھا کیونکہ اُن کے بہت سے کفریہ عقائد میں سے ایک یہ بھی کفریہ عقیدہ تھا کہ بعض چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کو چیز ہونے سے پہلے نہیں ہوتا جب وہ چیز ہو جاتی ہے تب اللہ کو علم ہوتا ہے (نعوذ باللہ) تیسرا مسئلہ تمام فقہاءِ کرام علیہم الرضوان کا فرمان بھی یہ ہے اور ذاتی طریقہ بھی یہ ہونا چاہیئے کہ کسی مسئلے اور عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے اوّلاً قرآنِ مجید کے بیان کردہ دلائل پھر احادیثِ مقدسہ کے فرمودہ دلائل پھر فقہ کے تخریج کردہ پھر قیاس پھر عقل و تاریخی مشاہداتی تجرباتی دلائل تلاش کرنا چاہئیں اس لیے کہ تمام دلائل میں سب سے زیادہ مضبوط اور سب پر غالب دلائل قرآن مجید کے بیان کردہ ہیں یہ طریقہ استنباط فقہ حنفی کا سب میں اعلیٰ شان والا ہے کہ امام اعظم کے تقریباً تمام مسائل فرمانِ قرآن مجید سے مستنبط ہوتے ہیں جو منشاءِ قرآن کریم کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ دلائلِ قرآنی کے مقابل کوئی دلیل نہ معتبر ہے نہ مضبوط اگرچہ ظاہراً کتنے اچھے لگتے ہوں خاص کر سائنسی دلیلیں تو بالکل ہی بیہودہ ہیں یہی حال دنیوی کورٹ کچہری کے قوانین کا ہے کہ اسلامی قوانین کے مقابل وہ سب بالکل کمزور اور بیہودہ ہیں کیونکہ اسلامی قوانین کے دلائلِ قرآنِ مجید سے ثابت اور دیگر قوانین انسانی عقلیات سے ثابت اور انسانی ذہن کے تراشے خراشے بنائے ہوئے۔ یہ مسئلہ۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ (الخ) کو وَمَا لَيْسَ لَهُمْ پر مقدم فرمانے اور سُلْطَانًا فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی قرآنی دلائل ہی سب دلائل پر غالب اور سلطان ہیں اُن کی حیثیت ہی اوّل ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ۔ یعنی کائناتِ مخلوق کے تمام علوم لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اس لکھنے کی وجہ کیا ہے بعض فرقۂ باطلہ جیسے سابقہ گذشتہ ایک فرقہ جہمیہ اس لوحِ محفوظ کی کتابت کی بنا پر یہ عقیدہ بناتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی لوحِ محفوظ سے مستفاد اور حاصل شدہ ہے (معاذ اللہ) یہ کفریہ عقیدہ بعض مغربی خوارج کا بھی سننے میں آیا ہے۔ یہ عقیدہ اسی کتابت کا سے بن گیا۔ اگر یہ بات نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر لوحِ محفوظ میں لکھنے کا مقصد کیا ہے کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا۔ (از تفسیر کبیر امام رازی) **جواب** یہ فرقہ پہلے زمانہ میں تھا اب یہ تمام باطل فرقے، جہمیہ، قدریہ معتزلہ وغیرہ مرکھپ کر فنا ہو چکے ہیں امام رازی نے یہ اعتراض مع جواب درج فرمایا ہے۔ وہ جواب فرماتے ہیں کہ یہ کتابتِ لوحِ محفوظ تو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ کا علم قدیم ہے کتاب اور کتابت سب بعد کی پیداوار لہٰذا اللہ تعالیٰ کا علم مستغنی ہے ہر قسم کی کتاب اور کتابت سے اس لیے کہ ہر موجودات سے پہلے لکھی گئی اور یہ بات حقیقۃً واقعی ہے کہ علم پہلے ہوتا ہے لکھنا بعد میں تو جب تمام مخلوق و موجودات سے ہزاروں سال پہلے لوحِ محفوظ بنی اور اس پر آئندہ مخلوق کا ذکر لکھ دیا گیا تو رب تعالیٰ کا علم لوحِ محفوظ کی کتاب سے مستفاد اور حاصل شدہ کس طرح ہوا۔ یہ بیہودہ سوچ اور احمقانہ عقیدہ تو کسی عقل کے اندھے کا ہی ہو سکتا ہے ورنہ بات تو عام فہم ہے لوحِ محفوظ کی کتاب میں تو وہ باتیں بھی لکھی ہوئی ہیں جن کا وجود ابھی بھی نہیں ہوا آئندہ ہوگا گویا کہ لوحِ محفوظ کے مطابق تخلیق ہوتی جا رہی ہے، جس سے ثابت ہوا ہے کہ رب تعالیٰ کے علمِ کُلّی کی اوّلیت بے حد و بے شمار ہے وہ تو اقدم القدیم ہے اور اس کی صداقت یہ کہ ہر کتابت ہر موجود کے مطابق ہے سر مو برابر فرق نہیں اور یہ بات کہ کتابت لوحِ محفوظ کیوں فرمائی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابت آسمان کے فرشتوں کو دکھانے اور زمین کے اولیاء اللہ کو بتانے کے لیے کی گئی کیونکہ یہی حضرات مقدس بندے مدبراتِ امر فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ہیں اسی کو دیکھ کر انہوں نے امورِ دنیا ادا فرماتے ہیں، اسی کتابت کو دیکھ کر ہی اولیاء اللہ بتادیتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں پہلے فرمایا مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا پھر فرمایا گیا۔ وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ۔ پہلا سوالیہ

ہے کہ جب دلیل ہی کوئی نہیں تو علم کی نفی کی ضرورت کیا ہے۔ غیر موجود شئی کے علم کی نفی تو بیکار ہوتی ہے۔ جاہل سے موجود چیز کے علم کی نفی کی جاتی ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلے مَا لَمْ يُنَزِّلْ اور بعد میں وَمَا لَيْسَ لَهُمْ فرمایا گیا اس ترتیب کی وجہ کیا ہے۔ جواب یہ تحریر بھی بالکل درست اور عین مناسب ہے اور یہ ترتیب بھی۔ تحریر تو اس لیے کہ جھوٹی معبودیت اور مشرکین کے خود ساختہ عقیدے کی لغویت اور کمزوری بیان فرماتے ہوئے اُس کے ثبوت اور دلائل کی نفیِ مطلق فرمائی گئی کہ نہ کفار کے پاس اپنے بتوں کی اُلوہیت پر کوئی سمعی دلیل ہے نہ علمی معلوماتی مشاہداتی اور بے دلیل و بے ثبوت ہونا ہی اس کی کذابیت اور باطلیت ہے اور باطل عقائد میں ہی دنیا و آخرت کا نقصان و قہر و عذاب ہے، ترتیب کی درستی و مناسبت اس لیے کہ چونکہ سمعی دلیل وہ ہوتی ہے جو وحیِ الٰہی اور نبی کی زبان سے ہو، اور وحیِ الٰہی کی دلیل سب سے زیادہ مضبوط و معتبر ہوتی ہے اس لیے اُس کو پہلے ذکر فرمایا گیا عقلی علمی قیاسی دلیل کمزور ہوتی ہے اس لیے اس کا ذکر بعد میں فرمایا گیا، دلیل تنزیلی کو سُلطان فرمانے کی وجہ بھی یہ ہے یعنی سب پر غالب نیز دینی قلبی اور روحانی طور پر دین والوں کو جلدی پسند آتی ہے زیادہ مقبول ہوتی ہے اگرچہ دین جھوٹا ہو، ہر انسان اپنے دین کی بات و تحریر کو سب عقلیات علمیات پر مقدم اور زیادہ معتبر سمجھتا ہے اشارہ یہ بھی مل گیا کہ کفار کی بُت پرستی اور بتوں کی اُلوہیت پر خود کفار کو اُن کی مذہبی کتب میں بھی کوئی دلیل نہیں ملتی نیز دلیل وحی میں دو طرح عظمت ہے پہلی اس طرح کہ اس میں تائید ربانی شامل ہوتی ہے دوم یہ کہ اس میں اپنے پرایوں سب کی پسند ہوتی ہے اور سب کو ماننی پڑتی اس کو نہ کوئی توڑ سکتا ہے نہ توڑنے کی جرأت کر سکتا ہے بخلاف علمی عقلی دلیل کے کہ اس کو ہر ایک پسند نہیں کرتا بلکہ اکثر عقلی دلیل عقلیات سے ہی توڑ بھی دی جاتی ہے۔ دلیل وحی کے جواز میں کوئی قید نہیں ہوتی، دلیل عقلی میں سینکڑوں قیدیں گویا دلیلِ وحی مطلق ہوتی ہے اور دلیل عقلی مقید ہوتی ہے اس لیے دلیلِ مطلق کی نفی پہلے فرمائی گئی دلیل مقید کی بعد میں حکیم الامت بدایونی نے فرمایا کہ دلیل وحی حجۃ قاطعہ ہے اس لیے اس کو سلطانیت اور غلبہ ہے جو اس میں شک کرے وہ گمراہ طریق اور محروم توفیق ہو جاتا ہے دلیل یقینِ مطلق کا فائدہ دیتی ہے مگر دلیل عقلی ظنی ہوتی ہے لہٰذا اس کی دلالت بھی ظنی ہوتی ہے۔ دلیل وحی اصل ہے۔ دلیل عقلی فرع ہے اور فرع اپنے اصل پر کبھی مقدم نہیں ہو سکتی نہ قوت میں زیادہ ہو سکے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّصِيْرٍ

تاکہ ھُمْ ضمیر کا مرجع۔ یَعْبُدُوْنَ۔ کی طرف لوٹنا اور سامعین کو سمجھ آجاتی کہ وہ کون لوگ ہیں جن کا دنیا وآخرت میں کوئی مددگار نہیں، تو یہاں اسم ضمیر چھوڑ کر اسم ظاہر کیوں ارشاد فرمایا ہوا جواب اس لیے تاکہ مددگار نہ ہونے کی وجہ بھی سب کو معلوم ہو جائے اور یہ پتہ لگ جائے کہ غیر خدا کی عبادت کرنے والا کتنا بڑا مجرم ہے۔ غرضکہ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ۔ فرما کر دو باتیں واضح فرمائی گئیں اوّلاً یہ کہ مشرکین ظالم ہیں، دوم یہ کہ جو ظالمین ہوں ان کا مددگار کوئی نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِنْ جَادَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ۔ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ۔ طالبینِ معرفت کے بہت سے گروہ ہیں ہر گروہ کا راستہ علیحدہ جس پر وہ وارد ہیں، ہر قوم کا منہاج وطریقہ جدا جس پر وہ سالکین ہیں اور سب کے مقامات متفرق ہر ایک کا رابطہ انہیں سے جو ان کے اہل ہیں اور ہر ذی رتبے وصل اپنے ہی مقام سے ہے یہ بہت کا مسئلہ روندا جاتا ہے عابدین کے قدموں سے اور اجتہاد کے مقاصدین معمور ہیں مجتہدین کے اہل تکلف سے معرفت والوں کی مجلس مانوس ہیں عارفین کے لوازمات سے اور جمعیت کی منزلیں منور ہیں واجدین کی حاضری سے اس وصل وسلوک کے تفرق کی وجہ سے راستہ الی اللہ متفرق ہے تو کچھ ان میں وہ ہیں جو مخلوق کو حقیقی، عبودیت کی طرف بلاتے ہیں باب تقا سے اور کچھ وہ ہیں جو مخلوق کو بلاتے ہیں ملاحظہ عبودیت کے دروازے سے یہی سب لوگ فقرِ الٰہی کے قیام میں عجز وذلت کے سجدوں کے ساتھ رہنے والے ہیں اور عبدیت جس حالت کا تقاضا کرتی ہے ہمیشہ اسی حالت میں مگن ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو مخلوق رحمانی کو اخلاق رحمانی کے بابِ ملاحظہ سے بلاتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اخلاقِ قربت کے دروازے سے بلاتے ہیں اور کچھ اخلاق الوصیت کے باب سے یہی باب سب سے بلند وبالا اور بڑی شان والا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف راستے انفاسِ مخلوق کی تعداد کے مطابق ہیں یہی صفاتِ الٰہیہ کے مطابقت ہے کیونکہ تیٔ شعاعیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مظہر صفاتِ الٰہیہ میں موجود ہیں لیکن اس راہِ سالکین میں اہلِ مجادلہ بھی آجاتے ہیں یہی لوگ فکرِ نافرمانی میں ہوتے ہیں شیطانی اعتراضات ابلیسی مجادلات ہی مچاتے ہیں، اے بندۂ عارف اگر یہ تجھ سے جھگڑا کریں بھی تب بھی تو ان سے جھگڑا نہ کر بلکہ ان کو بتا دے کہ عنقریب قیامتِ صغریٰ میں اللہ تعالیٰ ہر فریق کے درمیان

یقینِ محکم کا فیصلۂ ثوابِ قرب اور عذابِ بُعد۔ جزاءِ وصال وسزاءِ فراق فرما دے گا، ثواب والوں کو فرمایا جاتا ہے کہ دہ دے جائیں گے بغیر حساب اجر جزا والوں کو فرمایا جاتا ہے کہ قائم ہو جاؤ آج تمہارا ہی حساب لیسیر ہے۔ احباب کو فرمایا جاتا ہے فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ مجادلے والے کو فرمایا جاتا ہے کہ آج تو اپنا حساب خود کر اپنے کرتوتوں حرکتوں کے حساب کے لیے تو خود ہی کافی ہے اس آیت نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ فضاءِ معرفت اور فلکیاتِ طریقت میں قلبِ مومن آسمان ہے اور نورِ یقین آفتاب ہے سچائی چاند ہے اخلاص و محبت ستارے ہیں۔ اور بشریتِ انسانی زمین ہے اس میں نفسِ امارہ کی خاردار جھاڑیاں ہیں شک کی ظلمتیں اور اندھیریاں ہیں، شرک کے طوفان کذب کے دریا، حرص دنیا کے دلدل مباحثہ مجادلہ کے کیچڑ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی اہلِ قلوب سے غبارِ بلویٰ دور فرما کر نعمتوں کا جمال عطا فرماتا ہے لیکن نفس کے بندوں کو شکوں وشبہات کے تنزلی کے کلوروں میں پھنسا دیتا ہے تو وہ مجادلہ مباحثہ کرتے ہی مر جاتے ہیں۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ۔ یہ سب کچھ سینۂ مومن کی کتابِ محفوظ میں عنداللہ ہے جو قدیمی قلمِ تقدیر سے لکھا ہوا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ۔ بے شک یہ ہر ایک کی مجازاتِ ایمان کے مکافاتِ اعمال سب کی تقدیرِ ازلی کے مطابق اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ لیکن اسباب کو صرف مومن ہی جانتا مانتا ہے۔ پس جس کا علم اس کے ایمان ومعرفت کے مطابق ہو گیا تو یہ اس کے بخت اور سعادتِ عقلی کی علامت ہے، اور جو شخص جہل کسل جدل اور بحث میں مبتلا ہوا تو یہ اس کی بدبختی وشقاوت کبریٰ کی علامت ہے، تو اے بندۂ طالب تیرے لیے بس ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ احکامِ الٰہیہ کو قلب وعقل سے تسلیم کر دہ راہِ حق میں شریعت وطریقت کے ذریعے اجتہاد کرتا رہے بجز اس کے کوئی راہِ نجات نہیں، اے بندے مجادلہ چھوڑ معاملہ کر یہاں تک کہ معرفت وحقیقت تک وصل نصیب ہو جائے عالمِ قضا کا ناظر بن ورنہ عبدِ نفس تو اندھا ہے نہ تو اس سے اپنا راستہ پا سکے نہ وہ خود اپنا راستہ تلاش کر سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور وہی سبیلِ حق کی ہدایت کاملہ عطا فرماتا ہے اسی لیے ہے ہدایت والے۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ۔ اور مجادلہ شقاوت کرنے والے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان خواہشات کی پرستش کرتے ہیں جن کی پوجا پر نہ سماعت کی کوئی دلیل ہے نہ بصارت کی نہ بصیرت کی نہ روح کی نہ قلب کی نہ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کی اوران بدنصیبوں کے پاس اپنی طبعی نفسی خواہشات پر کوئی علمی معلوماتی کشف ومشاہدے کی دلیل سلتی بھی نہیں ہے۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ۔ عالم ناسوت میں بندے دو قسم کے ہیں ایک اہل عرفان دوم اہل خذلان یعنی پہلی قسم معرفت والوں کی، دوسری قسم دونوں جہان کی ذلت والوں کی، معرفت والوں کو خواص میں شامل فرماکر منفرد بنالیا جاتا ہے اور برھان سے تائید کی جاتی ہے ایمان سے اعزاز بخشا جاتا ہے، سلطان سے قوت وغلبہ دیا جاتا ہے۔ اہل خذلان کی دولت اصنام کی پرستش کی وجہ سے ان کے پاس نہ سلطان ہوتا ہے نہ فکر وعلم کی برھان، نہ رب قدیر کی طرف سے نصرت اطمینان بلکہ ہر طرف سے حرمان وخذلان ہی ملتا ہے اہل اللہ کو جدائی مجادلوں سے اس لیے روکا جاتا ہے کہ اس میں اہل اللہ کے پانچ نقصان ہوتے ہیں ۱۔ مجادلہ ہمیشہ بیکار ہی ہوتا ہے نہ اس سے موافق کو فائدہ نہ مخالف کو نہ خود کو ۲۔ قیمتی وقت کو ضائع کرتا ہے ۳۔ عبادت خراب ہوتی ہے کیونکہ عبادت کا وقت جھگڑوں مباحثوں اور عبادت سے غفلتوں میں خرچ ہوجاتا ہے اور مشرب صوفیاء میں عدم غافل سود م کافر ہے ۴۔ ذہنی الجھاؤ پیدا ہوتا ہے ۵۔ مجادلے سے دل تنگی اور دل تنگی سے دل کی موت کیونکہ بیہودہ باتیں سننی پڑتی ہیں اسی لیے صوفیاء منتہی وطالبین مبتدی دونوں کے لیے خلوت ومراقبہ بہترین عادت وعبادت ہے۔ قلب کی تراوت روح کی طہارت عقل کی نکاوت ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ

اور جب تلاوت کی جائیں اُن کے پاس ہماری روشن آیتیں تو آپ پہچان لیتے

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو تم اُن کے

فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ یَكَادُوْنَ

ہیں اُن لوگوں کے چہروں میں جو کافر ہیں ناگواری کے نشانات اس حال میں کہ

چہروں پر بگڑنے کے آثار دیکھو گے جنھوں نے کفر کیا قریب ہیں کہ لپٹ

يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ط

قریب ہے کہ ہاتھا پائی کریں ان سے جو تلاوت کرتے ہوں ان پر ہماری آیتیں

پڑیں ان کو جو ہماری آیتیں ان پر پڑھتے ہیں ، تم فرما دو کیا

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط اَلنَّارُ ط

فرما دو تو کیا بتا دوں میں تم کو اُس مصیبت کے بارے میں جو کہیں بڑی ہے اس سے، وہ آگ ہے

میں بتا دوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے ۔ وہ آگ ہے

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَبِئْسَ

کہ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو کافر رہے اور برا ہے وہ

اللہ نے اس کا وعدہ دیا کافروں کو اور کیا ہی بری

الْمَصِيْرُ ع ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ

آخری ٹھکانہ ۔ اے لوگو بیان کردی گئی ہے ایک بڑی مثال

پلٹنے کی جگہ ۔ اے لوگو ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ط اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

لہٰذا غور سے سنو اس کو کہ بے شک وہ بُت کہ پوجتے ہو تم

وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ

اللہ کے مقابل ہرگز وہ پیدا نہیں کر سکتے ایک مکھی کو بھی اگرچہ

ہو ۔ [illegible] سب

اجْتَمَعُوا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ

سب دیوی دیوتا جمع ہو جائیں اس کام کے لیے اور اگر چھین لے اُن کے چڑھاووں سے کوئی مکھی

اس پر اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین کر لے جائے تو

شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ

تھوڑی سی چیز تو واپس چھین نہیں سکتے یہ بت اُس چیز کو اس سے کتنے حقیر کمزور ہیں

اُس سے چھڑا نہ سکیں۔ کتنا کمزور ہے

الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

عقلاً یہ بت پرست اور حساً یہ بت (دیوی دیوتا)

چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا۔

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ اب ان آیت میں اُس فیصلے کی تھوڑی سی نشان دہی فرمائی جا رہی ہے کہ اَفَاُنَبِّئُکُمْ (الخ) **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کے بتوں کی کمزوری بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کفار کے پاس اپنے بتوں کی حقانیت پر کوئی سلطان اور قوی دلیل نہیں ہے اب ان آیت میں بتوں کی ایک اور حقیقی کمزوری اور انتہائی بے بسی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے وسیع علم و معلومات کا ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے کثیر علم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بھی ہر چیز کا علم اور خبر رکھتے اور ہر دنیا و آخرت کی اشیاء کی خبر ہر ایک کے انجام کو جانتے اور بتا سکتے ہیں۔

تفسیر نحوی وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ

یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ۔
واؤ سرجملہ اِذَا حرف شرط تُتْلٰی باب نصر کا فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب تُلُوٌّ سے مشتق ہے
لغوی ترجمہ ہے پیچھے پیچھے آنا چلنا۔ اصطلاحاً چار معنی میں مشترک ہے ۱ قرآنِ مجید کی آیتوں
سورتوں کو صحیح طریقے سے پڑھنا لفظاً ۲ اسی لغوی لحاظ سے جانوروں کے بچوں کو تلوی
اور تلویات کہتے ہیں ۳ نحوی لوگ شرط کی جزا کو تالی کہتے ہیں کہ وہ شرط کے پیچھے (بعد) ہوتی ہے
۴ چاند کا ایک نام تالی ہے کیونکہ وہ سورج کی روشنی لینے کے لیے سورج کے پیچھے چلتا ہے یہاں
قرآن مجید کا لفظی ناظرہ پڑھنا مراد ہے عَلٰی حرفِ جار بمعنیٰ عِنْدَ ھُمْ ضمیر کا مرجع عام لوگ (مومن کافر
منافق) یہ جار مجرور متعلق ہے تُتْلٰی کا اٰیٰتُنَا یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے تُتْلٰی کا بَیِّنٰتٍ اسم
جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے بَیِّنٌ، بَیِّنَۃٌ، بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لغوی الگ الگ کرنا، جدا
کرنا چونکہ الگ کرنے سے ہر چیز جو پہلے مخلوط ہونے کی بنا پر خفیہ اور پوشیدہ تھی اب کھل کر سامنے
ظاہر ہو گئی لہٰذا اصطلاحاً مجازی معنی ہیں ظاہر ظہور کھلی ہوئی۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ بحالتِ نصب
ہے کیونکہ حال ہے اٰیٰتُنَا کا یہ ذوالحال حال مل کر نائب فاعل ہے تُتْلٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر
شرط ہوا۔ تَعْرِفُ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتَ
ضمیر جیبہ پوشیدہ یا اس کا مرجع آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یا تا قیامت ہر
سُنّی مسلمان کیونکہ اگلی حالت اس وقت کفار کی ہوتی تھی آج کل گستاخوں کی، عُرْفٌ سے مشتق
ہے بمعنیٰ پہچاننا فِیْ حرفِ جر ظرفِ مکانی کے لیے وجوہ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے وَجْہٌ
بمعنیٰ اصطلاح چہرہ، مضاف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول مبنی مبہمات میں سے ہے بحالتِ کسرہ ہے
کیونکہ مضاف الیہ ہے کَفَرُوْا باب نصر سے فعل ماضی با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ یہ موصول
صلہ مل کر مضاف الیہ ہے وُجُوْہِ کا وہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَعْرِفُ کا اَلْمُنْکَرَ باب
افعال کا اسم مفعول واحد مذکر نُکْرٌ سے بنا ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے ناپسندیدگی نقصان
دہ ہونا اصطلاحاً تین مجازی معنی میں مشترک ہے ۱ عقلی چالاکی فریب کاری جو انجام کار
فریبی کو نقصان ہی دیتی ہے۔ دل کی ہوشیاری اچھی چیز یہ مصائب سے بچاتی ہے مگر عقلی
فریب و چالاکی مفاد پرستی پر اکساتی ہے ۲ ناگوار گناہ یہاں اسی معنیٰ میں ہے جس کے اثرات
چہرے پر نمودار ہوتے ہیں ۳ نامۂ اعمال کے کاتبین کو منکر نکیر اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ
اچھے برے سب اعمال لکھتے ہیں۔ یہ مفعول بہ ہے اور ذوالحال ہے یَکَادُوْنَ کے جملے کا

یکادون باب نصر کا فعل مضارع مقاربہ جمع مذکر غائب کود سے مشتق ہے بمعنی قریب ہونا اس کا فاعل ھم ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ یَسْطُوْنَ۔ باب نصر کا مضارع معروف مثبت جمع مذکر غائب سطوٌ سے مشتق ہے لغوی معنیٰ بھڑک اٹھنا۔ اصطلاحاً حملہ کرنا، ہاتھا پائی کرنا جھپٹ پڑنا، گھوڑے کا اگلی دونوں ٹانگوں سے کھڑا ہوجانا غصہ میں۔ یہاں حملہ کرکے غلبہ حاصل کرنا مراد ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ بَ جارہ بمعنی علیٰ فوقیت کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول بحالت کسرہ ہے یَتْلُوْنَ باب نصر کا مضارع حال جمع مذکر غائب یا فاعل صیغہ مرجع ہے بالذین تلوٌ سے بنا ہے بمعنی تلاوت قرآن مجید کرنا عَلَیْھِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے یَتْلُوْنَ کا۔ اٰیٰتُنَا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَتْلُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے یَسْطُوْنَ کا۔ یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقرب بہ ہوا یَکَادُوْنَ کا سب جملہ فعلیہ مقاربہ ہوکر حال ہے مُنْکَرَ کا یہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَعْرِفُ کا سب جملہ فعلیہ ہوکر جزاء ہے اِذَا تُتْلٰی شرط کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ قُلْ باب نصر کا فعل امر ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ اَفَ دراصل فَا تھا فَ حرف زائدہ اَ ہمزہ سوال استفساری کے لیے اُنَبِّئُکُمْ باب تفعیل فعل مضارع واحد متکلم نبیٌ سے بنا ہے بمعنی خبر دینا اسی سے ہے نبیٌ انبیاءٌ یعنی غیب کی خبر دینے والے اس کا فاعل ضمیر متکلم مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا بِ حرف جر تعدیہ کی شَرٍّ اسم مفرد نکرہ جامد بمعنی شرارت مصیبت تکلیف یہاں آخری معنیٰ میں ہے۔ آخری تنوین (دوزبریں) تعظیم کی ہے یعنی بہت بڑا شر بہت بڑا عذاب مصیبت تکلیف مِنْ حرف جر ذٰلِکُمْ، اسم اشارہ بعیدی آخر میں کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کی اس لیے ہے کہ جس کے لیے کہ اشارہ کیا جارہا ہے وہ جمع مذکر حاضر ہے یہ اسم اشارہ مجرور ہوکر متعلق ہے پوشیدہ موجودٍ کا یہ جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے شَرٍّ کی وہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے اُنَبِّئُکُمْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ اَلنَّارُ اسم معرف باللام الف لام عہد ذہنی نار بمعنی آگ یہاں مراد ہے جلانے والی چیز بحالت رفع ہے کیونکہ

خبر ہے پوشیدہ مبتدا ھُوَ کی موصوف ہے وَعَدَ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب وَعْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عہد کرنا یا ازل کا تقدیری فیصلہ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اِس کا مرجع ہے اَلنَّارُ منصوب متصل مفعول بہ وَعَدَ کا اللّٰہُ اُس کا فاعل اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا باب نَصَرَ کا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ دوم ہے وَعَدَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَلنَّارُ کی یہ مرکب توصیفی خبر مبتدا، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا، واؤ بہر جملہ بِئْسَ فعل ذم ہوا پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُوَ۔ یا ھَا اس کا فاعل جس کا مرجع ہے اَلنَّارُ اَلْمَصِیْرُ اسم ظرف ہے واحد مذکر صَارَ فعل ناقصہ کا۔ ترجمہ ہے لوٹنے پھرنے کی جگہ مراد ہے ٹھکانہ یا یہ مصدر میمی ہے بمعنیٰ لوٹنا رجوع کرنا، ترکیب نحوی میں یہ مخصوص بالذم ہے۔ بِئْسَ فعل اپنے فاعل اور مخصوص بالذم سے مل کر جملہ فعلیہ ذمّیہ ہو گیا یَا حرف ندا اَیُّ مقداری لغو ہے ھَا حرف تنبیہ یہ دونوں یہاں فقط فاصلے کے لیے ہیں تاکہ ندا اپنے منادیٰ سے جدا ہے اور دونوں کی اعرابی حالت ٹھیک رہے۔ اَلنَّاسُ اِس کا منادیٰ مفرد ہے لہٰذا یہ مضموم مبنی ہے۔ ضُرِبَ باب ضَرَبَ کا فعل مجہول واحد مذکر غائب مَثَلٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کہاوت ایک حقیقت کا اندازہ مشابہت یہ نائب فاعل ہے ضُرِبَ کا فَ تعلیلیہ مابعد کلام معلول ہے اِسْتَمِعُوْا باب افتعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اِس کا مصدر ہے اِسْتِمَاعٌ سَمْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سننا افتعال میں ترجمہ ہوا غور سے سننا لام تعدیہ بمعنیٰ کو ہٗ ضمیر کا مرجع مَثَلٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اِسْتَمِعُوْا کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہے ضُرِبَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ندا ہے یَا حرف ندا اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا اِنَّ حرف مشبہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالت نصب تَدْعُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پکارنا، بلانا، پوجنا سجدہ کرنا، یہاں اِن ہی دو معنیٰ میں مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ اللّٰہِ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَدْعُوْنَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا لَنْ یَّخْلُقُوْا باب نَصَرَ کا مضارع نفی یعنی مستقبل جمع مذکر غائب خَلْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیدا کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ ہے ذُبَابًا اسم مشتق مبالغہ بروزن فُعَالٌ ذَبٌّ ذَبَّ ، سے مشتق ہے بمعنیٰ لغوی پگھلنا، حرکت کرنا، اصطلاحًا جاندار مجازی معنیٰ میں مشترک ہے ۱؎ لٹکی ہوئی متحرک چیز کی چلتے وقت کی آواز کو ذُبَابٌ کہا جاتا ہے ۲؎ منافقین

کی غیر یقینی کیفیات کو مُذَبْذَبْ کہتے ہیں ۳؎ مَذْبُوبَۃٌ بھی کہتے ہیں کیونکہ ذُبْذُبٌ اور ذُبَابٌ
آپس میں مرادف ہیں ۴؎ مکھی (گھریلو۔ بھڑ، بَرِّیا، شہد کی مکھی، مچھر وغیرہ سب کو شامل ہے) کو
اس لیے کہ یہ بھنبھناہٹ کرتی ہے یا اس لیے کہ اُس کو ہٹایا اڑایا جاتا ہے یا اس لیے کہ خود کبھی
کدھر کبھی کدھر بیٹھتی ہے، یہاں مراد گھریلو حقیر گندی مکھی ہے یہ اسم جنسی ہے اس لیے
واحد جمع دونوں کے لیے ہے مفعول بہ ہے واؤ وصلیہ لَوْ شرطیہ لغو، دونوں کا ترجمہ
ہے اگرچہ نہ اِجْتَمَعُوْا باب افتعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر
ہے اِجْتِمَاعٌ جَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی جمع ہونا، افتعال نے مبالغہ یا تعدیہ پیدا کیا۔ اس کا فاعل
ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مراد ہیں بُت۔ لام حرف جر معاونت کا ہٗ ضمیر کا مرجع
خَلْقٌ بمعنی پیدا کرنا، یہ جار مجرور متعلق ہے اِجْتَمَعُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر وصل سببی
ہوا لَنْ یَّخْلُقُوْا کے فاعل کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنْ حرف شرط
یَسْلُبْ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب سَلْبٌ سے بنا ہے بمعنی چھیننا
نہ رہنے دینا۔ خالی کرنا، منطقی لوگ منفی کلام کو سالبہ کہتے ہیں اس لیے کہ اس کا ثبوت وجود
نہیں ہوتا۔ یہاں بمعنی چھیننا ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مرجع بُت ہیں مفعول
بہ ہے بمعنی اُن سے۔ اَلذُّبَابُ اسم جامد واحد مذکر جنسی اس کا مونث ہے ذُبَابَۃٌ یہ فاعل
ہے یَسْلُبْ یہ فعل مجزوم ہے اِنْ شرطیہ کی وجہ سے شَیْئًا اسم نکرہ مفرد مفعول بہ دوم
ہے یَسْلُبْ فعل فاعل دونوں مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ
باب استفعال کا مضارع منفی بلا۔ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِنْقَاذٌ۔ نَقْذٌ سے
مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے چھڑانا چھٹکارا دلانا نجات دلانا یا دلوانا۔ اصطلاح میں اپنی
چیز یا اپنے حق یا اپنے آدمی کو واپس چھیننا یا چھٹکارا و نجات دلانا۔ یہاں پہلے اصطلاحی
معنی مراد ہیں اس لیے منصوب متصل کا مرجع شَیْئًا ہے، مفعول بہ ہے مِنْہُ کا ہٗ ضمیر کا مرجع
ذُبَابٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لَا یَسْتَنْقِذُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے
اسی لیے یہ فعل بحالتِ جزم ہے۔ دراصل تھا لَا یَسْتَنْقِذُوْنَ۔ جواب شرط کی وجہ سے اِنْ شرطیہ
کے تحت ہو کر اس کو بھی جزم آیا تو نون اعرابی گر گئی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف
لَنْ یَّخْلُقُوْا کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا
ضَعُفَ۔ باب کَرُمَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر ضُعْفٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی کمزور،

ولاغر ہونا اس کی تین قسمیں ہیں ۱۔ بدن کی کمزوری ضُعفٌ ۲۔ عقل کی کمزوری ضَعفٌ ۳۔ دل کی کمزوری ضَعفٌ چونکہ دل کی کمزوری میں دل سوج کر موٹا ہو جاتا ہے اسلیے دگنی چیز کو بھی اصطلاح میں ضِعفٌ کہدیتے ہیں یا چونکہ کمزور ولاغر بدن والا اپنے ہر کام کے لیے دوسرے شخص کا سہارا لیتا ہے یعنی دوگنا ہو کر کام کرتا اور آتا جاتا ہے۔ اسی لیے رواجاً ہر دگنی چیز کو بھی ضِعفٌ کہا جانے لگا۔ الطَّالِبُ باب نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر طَلَبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مانگنا چاہنا۔ یہ معطوف علیہ ہے اس سے مراد بُت پرست کافر ہے۔ الْمَطْلُوبُ باب نَصَرَ کا اسم مفعول واحد مذکر۔ اس سے مراد بُت ہیں یا طالب سے مراد بُت اور مطلوب مکھی یہ معطوف ہے طالب پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے ضَعُفَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِىْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو بغیر دلیل و برھان۔ بغیر علم و عرفان، بغیر عقل و اذھان محض حماقت کی بناوٹ اور خباثت کی جہالت سے مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں ان کے سامنے جب بھی کبھی تلاوت کی جائیں ہماری آیتیں جو بیان کرنے والی ہیں احکام رحمانی، قوانینِ ربانی، شریعتِ قرآنی اور بیان کرتے والی ہیں ثوابِ ایمان، عذابِ کفران، اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کو وحی کی برھان سے علم کی سلطان سے عقل کی دلیل سے بُت پرستی کی ذلت اور حق پرستی کی عزت بیان فرماتے والی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اے محبوب کریم آپ پہچان لوگے اُن لوگوں کے چہروں میں جو ازل و ابد کے پکے کافر ہیں۔ نفرت، کراہت انکار ناپسندیدگی۔ بے رغبتی کو لفظِ مُنکَر مصدر میمی ہے بمعنیٰ نفرت کرنا شدت سے مراد ہے علامات انکار یا نشانات نفرت ایسی کیفیت اور اتنی شدت والے کہ لگتا ہے جیسے قریب آکر حملہ کر دیں گے یا پکڑ کر یا مار پیٹ کر یا گالی گلوچ اور قہر و غضب کا یا قتل و غارت کا اُن ایمان قرآن و اے مسلمانوں پر جو اُن کے سامنے آیاتِ بیّنات کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں یہ ہے اُن جاہلوں وحشیوں کی حیوانیت اے حبیبِ محترم اِن ازلی محروموں سے یہ فرمایئے کہ اے شر پسندو آج تو دنیا میں تم ان مسکینوں، پاکوں حافظوں قاریوں نمازیوں پر ہر قسم کے منکر شر و فساد پھیلاتے غیض و غضب

کے ارادے سے ان پر ٹوٹ پڑنے کی صورت بتائے۔ بیٹھے ہو صرف اِس غصے اور جلن حسد میں
کہ وہ مسلمان اپنے رب تعالیٰ کے کلامِ مقدس کی تلاوت کر کے اپنے دلوں کو روشن ایمانوں کو
تازہ روحوں کو معطر کر رہے ہیں، تو کیا میں تم کو ایسے خطرناک دہشتناک شرِ عظیم کی خبر نہ
سناؤں جو تمہارے اِس حاسدانہ شر سے بہت ہی بڑا اور ہولناک ہے۔ کیونکہ تمہارا شر عارضی
دنیا میں وہ شر دائمی آخرت میں تمہارا شر چھوٹا ہے اور وہ شر بڑا ہے، تمہارا شر تھوڑا وہ شر زیادہ
تمہارا شر معمولی ہے اور مشہوری ہے، تمہارا شر کمزور ہے وہ شر مضبوط ہے تمہارا شر ایمان و قرآن
والوں پر وہ شر کفر و طغیان والوں پر تمہارا شر مظلوموں پر وہ شر ظالموں پر۔ تمہارے شر کے بعد
عارضی موت ہے اُس شر کے بعد ذلت کی دائمی فنا ہے، تمہارے شر کے بعد قبر کی راحت جنت
کا ثواب اُس شر کے بعد قبر کی مصیبت جہنم کا عذاب تمہارے شر کا انجام ابدی جزاءِ اکرام اُس
شر کا انجام ابدی سزا الزام۔ یہاں دنیا میں تم کو تلاوتِ قرآن **ناگوار** ہے وہاں آخرت میں
تم کو وہ شر ناگوار ہو گا۔ اِس قرآن سے کان لپیٹ کر بھاگ سکتے ہو مگر اُس شر سے جان
بچا کر کبھی بھاگ نہیں سکتے۔ آج تو قرآنِ مجید کو شر سمجھتے ہو حالانکہ یہ شر نہیں خیر ہی خیر ہے، مگر آج
تم لوگ اُس کو شر نہیں سمجھتے جو اصل شر ہے نہ مانتے ہو نہ ماننے کے لیے تیار ہو حالانکہ وہی کفار
کے لیے ایسا شر ہے جس میں ذرہ خیر نہیں۔ کیا جانتے ہو وہ کیا ہے۔ وہ آگ ہے چونکہ
تمہارا غیظ و غضب حسد بھی جلن کی آگ ہی ہے اس لیے اُس کے بدلے میں وہاں بھی تمہارے
لیے آگ ہی ہے جس کا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن تمام لوگوں سے جو دنیا میں کافر بن کر رہے
کافر بن کر مرے جنہوں نے کفر ہی بنایا کفر ہی کمایا کفر ہی پھیلایا اے دنیا میں کفر والو آج تم اُس
آگ کی سختی کرختی گرفتی کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر حقیقت یہ ہے کہ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ وہ آگ اور
آگ کی جگہ مَقَامًا وَمُقِيْمًا مَكَانًا وَمَكِيْنًا، رہائشًا وسکونتًا، سزاءً وعذابًا زحمتًا و
ذلتًا ہر اعتبار سے بہت ہی بری ہے بلکہ بری ہی بری ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ تُتْلٰى فعل مضارع
مجہول فرمانے سے دوام و استمرار کا اظہار ہوا اور بتایا گیا کہ کفار کا یہ متشددانہ حال اور غیظ و
غضب کی منکرانہ و نفرت آمیز ناگواری ایک دوبار کی بات نہیں بلکہ جب بھی قاریانِ صحابہ نے
عشقِ قرآنی و لذتِ ایمانی میں سرشار ہو کر تلاوتِ آیت فرمائی تو ان منحوسوں کو اسی طرح کا غصہ
چڑھ گیا۔ یہاں لفظ اِذَا شرطیہ ظرفیہ استمراریہ ہے اور ترجمہ ہے جب بھی۔ بَيِّنٰتٍ کا معنی ہے
بیان اور ظاہر کرنے والی۔ یعنی بغیر کسی کی رو رعایت صاف صاف ہر چیز بیان فرما دینے

والی آیتیں، خیال رہے کہ قرآن مجید کی آیتیں پانچ چیزیں کھلی عبارت سے بیان فرماتی ہیں ۱ شریعت کے احکام ۲ ماننے والوں کا انعام و ثواب ۳ منکروں کا انجام و عذاب ۴ اِحقاقِ حق۔ یعنی حق کو سمعی، عقلی علمی دلائل و براہین سے بیان کرنا ۵ اِبطالِ باطل یعنی باطل اور جھوٹے دینوں عقیدوں اور باتوں کو باطل ثابت کرنا۔ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِ، فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی چہرہ آئینہ ہے چہرے والے کے پورے ظاہری باطنی جسم کا، چہرے کی سلوٹوں، مختلف رنگوں آثار چڑھاؤ، نیچے اونچے ہونے سے تقریباً سترہ چیزوں کا اظہار ہوتا ہے اور پہچاننے والے پہچان جاتے ہیں کہ اِس شخص کی اِس وقت یہ کیفیت ہے ۱ غم ۲ غصہ ۳ غیضِ باطنی ۴ غضبِ ظاہری ۵ بیماری ۶ تندرستی ۷ درد ۸ تکلیف ۹ محبت ۱۰ نفرت ناگواری ۱۱ خوشی ۱۲ حملہ آوری کا ارادہ ۱۳ غربت حاجت مندی ۱۴ طلبِ سوال ۱۵ تعجب حیرانگی ۱۶ انکار و اعتراض ۱۷ تسلیم و رضا، انسانی ارادے دل میں آتے ہیں ان کے منصوبے عقل میں بنتے ہیں اور ان کا نقشہ کیفیت چہرے پر بن جاتا ہے گویا چہرہ آئینہ ہے قلب و عقل کا اور پانچ اعضاء ظاہری کاریگر مستری ہیں ۱ ہاتھ ۲ پاؤں ۳ کان ۴ ناک ۵ آنکھیں۔ پس ان آٹھ چیزوں میں ہی انسانوں کو مختار بنایا گیا ہے جیسے چاہو برت لو۔ تَعۡرِفُ فرمانے سے بتایا گیا کہ یہ جاننا پتہ لگانا علمی عقلی قوت سے نہیں ہوتا بلکہ اُس خداداد قوتِ معرفت سے ہے جس کا خزانہ ہر فراست والے انسان کی بصیرت میں ہوتا ہے۔ عربی لغت میں یَسۡطُوۡنَ کے سات معنیٰ ہیں ۱ حملہ کرنا ۲ بَطۡش یعنی پکڑ کرنا گرفتار اور قید کرنا ۳ اَخۡذ یعنی ہاتھ پکڑنا، مروڑنا ۴ ضَرۡب یعنی مارنا پیٹنا ۵ شَتۡم یعنی گالی گلوچ کرنا ۶ قہر یعنی غضب و غصہ ۷ قتل یعنی جان سے مارڈالنا۔ اَلۡمُنۡکَرَ کے آٹھ معنیٰ ہیں ۱ نفرت کرنا ۲ کراہت کرنا ۳ ناپسندیدگی ۴ انکار کرنا ۵ بے رغبتی کرنا ۶ ناگواری اور نابرداشت کرنا ۷ نقصان دہ سمجھنا ۸ جھوٹا سمجھنا۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ ؕ وَ اِنۡ یَّسۡلُبۡھُمُ الذُّبَابُ شَیۡئًا لَّا یَسۡتَنۡقِذُوۡہُ مِنۡہُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الۡمَطۡلُوۡبُ اصطلاحِ قرآنی میں جہاں کہیں یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ کا خطاب ہوتا ہے وہاں اَلنَّاسُ سے مراد صرف کفار انسان ہی ہوتے ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں تقریباً اکیس جگہ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ کا خطابی لفظ ارشاد ہوا ہے اور اُن تمام جگہ کافر انسان ہی سے خطاب ہوا ہے جیسا کہ اُن تمام آیات کے سیاق و سباق سے ظاہر و ثابت

ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی کفار کو ہی خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اے کافر مشرک انسانوں بتوں کی کمزوری بے کسی بے بسی پر ایک اور مثل بیان کی گئی ہے۔ اس سے پہلے بھی تمہارے مٹی پتھروں سے تراشے بتوں کی کئی مثالیں بتائی گئی ہیں لیکن اب فَاسْتَمِعُوا لَهُ۔ اس مثل کو غور و فکر تدبر تعقل سے سنو کیونکہ تدبر و عقل سے سننا ہی مفید ہوتا ہے۔ اور یہ مثل اس لیے دی جا رہی ہے کہ کہیں تم کو عقل و سمجھ آئے کہ اے بیوقوفو جن بتوں کی معبودیت پر تمہارے پاس مذہبی، عقلی علمی کوئی بھی دلیل نہیں اس کے باوجود تم نے اپنے ہی تراشوں خراشوں سے بڑی توقعوں مددوں کی آسیں اُمیدیں لگائی ہوئی ہیں ان کی کمزوری ناکاریوں کی دیگر بے شمار مثالوں کے علاوہ ایک ظاہر ظہور تجرباتی مشاہداتی عقل میں آتی مثل یہ بھی ہے کہ بے شک وہ تمام بُت جو تمہارے ذہنوں عقیدوں میں بڑی عقل و شعور والے ہیں۔ اسی بدعقیدگی کی بنیاد پر تم ان کو پوجتے پکارتے ہو اُس اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو تمہارا خالق مالک رازق ہے اس کے مقابل و مخالف اُن مورتیوں دیوی دیوتاؤں جنوں شیطانوں کو معبود سمجھ رکھا ہے جو ہرگز ایک چھوٹی معمولی حقیر سی مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ تمام دنیا کے جھوٹے بناوٹی معبود جمع ہو جائیں، بُت بھی جن و شیاطین بھی پوجنے والے بھی پوجانے والے بھی پوجے ہوئے بھی یہ تخلیق اِن کے لیے صرف مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ابلیس و شیاطین کی پرستش اس کی بات اور وسوسہ ماننا ہے۔ شیطان نفس امّارہ کو اور نفسِ امّارہ انسان کو کفر و گناہ پر آمادہ کرتا ہے یہ کہنا مان لینا ہی اس کی پوجا ہے، ورنہ وہ تو نظر نہیں آتا نہ اُس کی آواز آتی ہے۔ اے کافرو یہ بُت جو تمہارے گھروں، مندروں، دفتروں، کلیساؤں، گرجوں، گردواروں میں لگے ٹنگے اور بنے ہوئے فوٹو، تصویر، مورتی کی صورت میں جس کو تعظیم دے کر یا عبادت کر کے معبود سمجھ لیا گیا ہے۔ جن کو پھولوں سے سجایا، دودھ سے نہلایا، گلاب سے دھلایا جا رہا ہے خوشبو میں بسایا جا رہا ہے۔ جن کے جسم پر شہد اور سر پر زعفران ملا جا رہا ہے۔ جن کے سامنے عمدہ کھانے رکھے جا رہے ہیں۔ روزِ اوّل سے آج تک مختلف انداز میں کفار فساق اس طرح کی بیوقوفیاں کر رہے ہیں یہ سمجھ کر کہ یہ بُت شہد و غذا کھا لیں گے مگر یہ بُت تو مکھی سے بھی زیادہ کمزور و بے بس ہیں اتنے کہ اگر ایک حقیر مکھی ان کا تھوڑا سا کھانا جو اُن کے سروں جسموں پر لگا ہوا ہے یا سامنے رکھا ہے اٹھا کر لے جائے تو یہ بُت مکھی سے واپس چھین چھڑا نہیں سکتے اور گندی مکھیاں ان کے سروں جسموں پر بیٹھ

کران پر اپنی گندگی ڈالتی رہتی ہیں یہ بُت نہ ان کو ہٹا سکیں نہ بھگا سکیں یہ کفار خود بھی یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور سب سمجھتے ہیں مگر دل ودماغ وعقل کے اندھے بنے ہوئے۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ سب کمزور و ناکارہ ہیں طالب بھی مطلوب بھی بتوں سے مانگنے والے بھی اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بُت بھی، ساجدین کفار بھی مسجودین باطل بھی بدعقیدہ عابدین بھی جھوٹے معبودین بھی بنانے والے بُت ساز بھی بننے والے بت بھی۔ کفار عقل کے ضعیف بُت جسم کے ضعیف کفار عقیدت کے ضعیف بت حقیقت کے ضعیف یعنی کفار کی عقیدت ناکارہ وفضول بتوں کی عزت وعبادت ناکارہ وفضول۔ کفار کی پوجا کرنا بتوں کی پرستش ضعیف نہ کفار بتوں سے کچھ لے سکیں نہ بُت اپنے پجاریوں کو کچھ دے سکیں، ضَرَبَ کے چار معنی مشہور ہیں ۱ مارنا یہی لغوی حقیقی معنی ہے ۲ بنانا ۳ مقرر کرنا ۴ بیان کرنا یہاں ضُرِبَ مَثَلٌ اسی معنی میں ہے قرآن مجید میں یہ چاروں معنی مستعمل ہیں۔ مَثَلٌ کے چھ معنی قرآن کریم میں مستعمل ہیں ۱ کہاوت ۲ مشابہت ۳ نظیر یعنی ہم مرتبہ ۴ بیانِ حقیقت ۵ ایک چیز کو دوسری چیز کے مطابق کرنا ۶ عجیب وغریب بات یہاں لفظ مَثَل اسی معنی میں ہے۔ دراصل ہر ہر مقبول اور رضامندی والی چیز اور بات کو مَثَل کہدیا جاتا ہے جو لوگوں میں جاری ہو پھر یہ لفظ مستعمل وادھار لیا گیا ہر عجیب بات اور حیران کن پریشان کن دلیل کے لیے۔ یہاں مَثَل سے مراد ہے حیران پریشان کرنے والی الزامی دلیل۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کی اسی الزامی مَثَل ومطالبے نے آج تک تمام کفار کو پریشان وحیران کیا ہوا ہے۔ اس لیے کفار اپنے بتوں کو قوی اور سچا ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے جھوٹے شعبدے اپنے بتوں سے منسوب کرتے پھرتے ہیں مگر بات پھر بھی نہیں بنتی جلدی پول کھل جاتا ہے۔ جیساکہ حضرت شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب بوستان میں سومناتھ مندر کی چشم دید اپنی حکایت لکھی تَدْعُونَ دَعْوٌ سے ہے اس کے تین معنی کئے جاتے ہیں ۱ بلانا دعوت دینا یہ اس کا لغوی حقیقی معنی ہے ۲ دعا مانگنا ۳ عبادت کرنا۔ یہ دونوں اصطلاحی شرعی معنی ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اکثر ان ہی دو معنی میں استعمال کیا گیا ہے ذُبَاب کی تحقیق میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ذباب کا لغوی معنی مکھی ہے۔ لہٰذا لغتاً بھڑ، شہد کی مکھی، تتیا یا بیلی، ڈیمو، بھونڈا اور ہر زہریلی مکھی کو بھی ذباب کہدیا جاتا ہے۔ اصطلاحاً گندگی والی عام مکھی کو ذباب کہتے ہیں جس میں ڈنگ نہیں ہوتا یہاں یہ ہی مراد ہے ذَبٌّ کا لغوی معنی ہے گھنونی ہونے یا خوف کی وجہ

سے مکھی مچھر کو اڑانا، بھگانا، نفرت دلانا۔ اس کی بھنبھناہٹ کو عربی میں ذُوبیٌ کہتے ہیں، اور مچھر کی آواز کو طنین کہتے ہیں یہ اولاً گندگی سے قدرتی پیدا ہوتی ہے، پھر نر و مادہ کے ملاپ سے انڈے اور انڈوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نو انڈے سیتی ہے۔ اس کی طبعی عمر چالیس دن ہوتی ہے چالیسویں دن بڑھاپے سے مر جاتی ہے چالیسواں یا اکتالیسواں اس کا آخری دن ہوتا ہے۔ ایک ماہ تک انڈے دیتی ہے۔ اس کی بیٹ یعنی فضلے کا رنگ دو طرح کا ہوتا ہے اگر سفید جگہ بیٹ کرے تو کالی ہوتی ہے اور اگر اور کسی جگہ اور کسی رنگ پر بیٹ کرے تو سفید ہوتی ہے۔ ذباب واحد ہے جنسی نام ہے لہٰذا مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے بعض اہل لغت نے کہا کہ ذُبابٌ صرف مذکر کے لیے ہے اس کا مؤنث ذبابۃ ہے۔ اس کی آنکھوں پر پلکیں نہیں ہوتیں پلکوں سے آنکھوں کو صاف کیا جاتا ہے مگر مکھی کو اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں اور پتلیاں صاف کرنی پڑتی ہیں اس لیے بار بار اپنی آنکھ کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتی نظر آتی ہے۔ لفظ ذباب واحد ہے اس کی جمع کے لیے کتب لغت میں پانچ الفاظ ملتے ہیں ایک جمع قلت کے لیے اَذِبَّۃٌ۔ جمع قلت تین سے نو تک کی تعداد کے لیے ہوتا ہے۔ جمع کثرت کے لیے پانچ لفظ مشہور ہیں ۱۔ ذِبّانٌ بروزن غِرابٌ ۲۔ ذِبیانٌ بروزن غِربانٌ ۳۔ ذُبیانٌ بروزن قُضبانٌ ۴۔ ذُبٌّ ۵۔ ذبٌّ۔ مکھی سے زیادہ کمزور بتوں کو سہارا بنانے والے طالب بھی کمزور اور سہارا بننے والے بت مطلوب بھی کمزور، کیونکہ بتوں کو سہارا بنانا نری حماقت ہی ہے۔ سہارا تو اس کو بنانا چاہیے جو سہارا بننے کے قابل طاقت والا بھی ہو جو بت مکھی کے سامنے بے بس ہیں اس لیے کہ سہارا لینے والے حماقت کے کمزور اور سہارا دینے والے جسامت کے کمزور نہ یہ بت کسی کو قوت، طاقت، نصرت، سلطنت و مرتبہ دے سکیں نہ کوئی ان سے لے سکے مگر کفار یہ بات نہیں سمجھتے۔ **ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔** بَیِّنٰتٍ کے معنی میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے احکام شریعت بیان کرنے والی آیتیں، اور یہ احکام و قوانین کفار کو ناپسندیدہ و ناگوار تھے ۲۔ بعض نے کہا کہ بَیِّنٰت کا معنی ہے اسلام کی حقانیت پر علمی عقلی سمعی دلائل اور مضبوط برہان و غالب حجت بیان کرنے والی آیتیں کفار کو یہ بھی پسند نہ تھا کیونکہ جھوٹے دین کی دلیل و ثبوت نہیں ہوتے اس لیے جھوٹے انسان کو یہ بھی پسند اور گوارہ نہیں ہوتا کہ سچے دین کے دلائل اس کو سنائے جائیں

۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کرنے والی آیتیں۔ کفار کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی ان کے دین کو باطل کہے اور دلائل سے ثابت کرے اس لیے کفار کو قرآنِ مجید کی ایسی آیتیں سننا گوارا نہ تھیں جن میں اُن کے بتوں کی کمزوریاں ظاہر کی جاتی تھیں۔ تینوں قول درست ہیں، کیونکہ کفار کو پورا قرآن مجید ہی ناپسند تھا اسی لیے حسد و جلاپے میں منکر تھے یَتۡلُوۡ کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے یَتۡلُوۡ پڑھا ہے یہ قرأت ہی مشہور و مکتوب ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے اٰیٰتُنَا کا ۲ ایک قرأت میں بَیِّنٰتٌ ہے بحالت رفع کیونکہ صفت ہے اٰیٰتُنَا کی مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ تَعۡرِفُ کی قرأت میں دو قول ۱ ایک قرأت میں تَعۡرِفُ ہے فعل مضارع معروف مثبت واحد مذکر حاضر یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ دوسری قرأت میں یُعۡرَفُ ہے۔ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب ہیں۔ یہ قرأت شاذ ہے۔ اَلنَّارُ کی قرأت میں تین قول ہیں ۱ مشہور و مکتوب قرأت اَلنَّارُ ہے۔ بحالتِ رفع پوشیدہ مبتدا کی خبر دراصل ہے هُوَ النَّارُ ۲ دوسری قرأت میں اَلنَّارَ ہے بحالتِ نصب اُنَبِّئُکُمۡ کا مفعول بہٖ دوم ہے ۳ اَلنَّارِ۔ بحالتِ جر بِشَرٍّ کا بدلِ کل ہے۔ مگر یہ دوسری و تیسری قرأت شاذ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے معنیٰ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اے کفار و مشرکین یہی قول درست ہے کیونکہ اصطلاحِ قرآن کے مطابق ہے نیز اگلی عبارت میں اَلَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ ہے جس میں کفار کو ہی خطاب ہے تو یہ خطاب بھی عام نہیں ہو سکتا ۲ بعض نے کہا یہ خطاب تمام مکلفین کو ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق کے بھی خلاف ہے اور اصطلاحِ قرآنی کے بھی خلاف۔ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ کے حکم کی وجہ میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے۔ اس مثل کو تدبر و تفکر کے لیے سنو ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے عبرت کے لیے سنو سمجھداری حاصل کرنے حماقت چھوڑنے کے لیے کیونکہ ایسا سننا ہی مفید ہوتا ہے یہ خطاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے ۳ بعض نے کہا یہ قول قُلۡ کے تحت ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اے حبیب مکرم آپ ان کفار کو چار باتیں سمجھا دو سنا دو شاید آپ کی بات کا اثر قبول کر لیں اور بندے بن جائیں ورنہ آپ کو تو ثواب مل ہی جائے گا پہلی بات شرِ عظیم دوم نار سوم مثل چہارم فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ کا بیان

اور معنیٰ یہ ہے کہ اے نبی تم فرما دو کہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ مگر پہلے دو قول درست ہیں۔ اَلَّذِیْنَ کے معنی میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا کہ اَلَّذِیْنَ سے تمام جھوٹے معبود مراد ہیں بت بھی جنات و شیاطین شمس و قمر کواکب بھی اس لیے کہ مَثَلٌ میں مکھی پیدا کرنے کی عاجزی کا ذکر ہے جس سے یہ سب ہی واقعی حقیقی عاجز ہیں لہٰذا اَلَّذِیْنَ میں یہ سب شامل مگر یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ مَثَل صرف نہ پیدا کر سکنے کی نہیں بلکہ مَثَلٌ میں تین چیزوں کا ذکر ہے ایک لَنْ یَّخْلُقُوْا دوم اِنْ یَّسْلُبْهُمُ سوم لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ۔ یعنی کفار ان کو پوجتے ہیں جو ان تینوں چیزوں میں عاجز ہیں جب کہ جنات شیاطین و شمس و قمر کواکب کا تعلق پہلی چیز سے تو ہے مگر دوسری دو سے نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہاں اَلَّذِیْنَ سے صرف بُت مراد ہیں ان کا تعلق تینوں سے ہے ۲۔ بعض نے کہا کہ یہاں اَلَّذِیْنَ سے بڑے بڑے سرداران مکہ مراد ہیں مگر یہ قول بھی غلط ہے ۳۔ صحیح قول یہی ہے کہ یہاں کعبے میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت مراد ہیں۔ تَدْعُوْنَ کی قرأت میں تین قول ۱۔ پہلی قرأت۔ تَدْعُوْنَ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲۔ دوم قرأت یَدْعُوْنَ فعل مضارع حال معروف جمع مذکر غائب یہ قرأت غیر مشہور ہے ۳۔ تیسری قرأت یُدْعَوْنَ فعل مضارع حال مجہول جمع مذکر غائب یہ قرأۃ سبعہ میں سے ہے مشہور ہے مگر مکتوب نہیں ہے اب معنیٰ ہے وہ بت جو پوجے جاتے ہیں۔ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا کی واؤ میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کی وجہ سے اِجْتَمَعُوْا کا عطف ہے ما قبل جملے لَنْ یَّخْلُقُوْا پر ۲۔ بعض نے کہا یہ واؤ حالیہ ہے اور معنیٰ ہے حالانکہ ۳۔ بعض نے کہا یہ واؤ وصلیہ ہے، اور معنیٰ ہے اگرچہ یہی قول درست ہے۔ اَلطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ کی مراد میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا کہ اَلطَّالِبُ سے مراد بت پرست کفار ہیں اور مطلوب سے مراد بت۔ یہی قول درست ہے کیونکہ کفار ان کے طالب ہیں اور یہ بت ہی کفار کے مطلوب مسجود و مقصود ہیں ۲۔ بعض نے کہا کہ طالب سے مراد ذباب (مکھی) اور مطلوب سے مراد بُت ہیں ۳۔ بعض نے اس کا الٹ کہا کہ طالب سے مراد بُت اور مطلوب سے مراد ذباب ہے یعنی بت ضعیف ہیں اپنا کھانا واپس طلب کرنے میں مکھی ضعیف ہے مطلوبہ چیز اٹھاتے لے جانے میں کہ بہت تھوڑی چیز لے جا سکتی ہے وہ مگر یہ بت نہیں چھین سکتے مگر یہ دونوں قول کمزور ہیں مطلوبہ چیز کی مراد میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد بتوں سے دعائیں مانگنا ہے یعنی فریاد رسی التجائیں کرنا آخرت کی شفاعت و سفارش یا عطاء و نجات کی امیدیں مانگنا ۲۔ بعض نے کہا کہ مطلوبہ چیز یہ ہے کہ کفار جو کچھ

بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں اور معبود کی ایک قوت خالق ہونا ہے تو یہ کافر اپنے بتوں سے صرف ایک مکھی پیدا کر دینے کا مطالبہ کریں ۳ بعض نے کہا کہ مطلوب یہ چیز مکھی سے کھانا واپس چھینا ہے بلکہ پہلے ہی نہ لینے دینا اور مکھی کو مار بھگاتا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ ان آیت نے مسلمانوں کو یہ سبق سمجھایا کہ صرف مکے کے کافر ہی تلاوت قرآن سن کر چہرے پر نفرت وکراہت کے منکر نشانات نہ ڈالتے تھے بلکہ یہ تو قیامت تک ہر باطل جھوٹے ضدی فاسق فاجر گمراہ و بدعقیدہ شخص وقوم کی حالت ہے کہ ہر حق بات ایمانی دلیل اپنی مرضی اور اپنے عقیدے کے خلاف سننا برداشت نہیں کرتا اگرچہ وہ حق وصداقت کی بات و دلیل رب تعالیٰ کا کلام ہو یا رسول اللہ کی حدیث مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور ہر بدعقیدہ کیفیت منکر کے ساتھ ساتھ کئی بار انتہائی جلن کے غیظ وغضب میں آکر یَسۡطُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ کا اِقدامی مظاہرہ بھی کر دیتے ہیں جیسے کہ رائے ونڈ کے دیوبندی وہابیوں نے ۱۹۷۷ء نومبر کے رائے ونڈی سالانہ اجتماع میں ایک سنی مسلمان محمد اقبال کو مار مار کر قتل اور دوسرے سنی مسلمان محمد خان کو مار مار کر اور الٹا لٹکا کر زخمی کر ڈالا صرف اس لیے اجتماع سے اٹھایا اور علیحدہ لے جا کر پیٹا گیا کہ محمد اقبال نے جلسے میں نعرۂ رسالت یا رسول اللہ کہدیا تھا جس کی تفصیل تقریباً تمام اخبارات میں اُس وقت چھپی تھی۔ (بحوالہ روزنامہ حیات لاہور پیر ۲۱ نومبر ۱۹۷۷ء ۹/ ذی الحج اور جمعرات ۲۴ نومبر ۱۹۷۷ء ۱۲/ ذی الحج ۱۳۹۷ھ) راولپنڈی اور لاہور سے بیک وقت شائع ہونے والا اردو روزنامہ اخبار۔ صدر ضیاء الحق کا دور تھا اسی طرح حافظ نذیر احمد نابینا سناتے ہیں کہ ایک وہابی مسجد میں ایک وہابی نے میرا انگوٹھا صرف اس لیے توڑ مروڑ دیا کہ میں نے اذان سن کر انگوٹھے چومے تھے مولانا اکرم رضوی خطیب کامونکی کو صرف اس لیے قتل وشہید کر دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یا رسول اللہ اور نور وحاضر وناظر کہتے اور قرآن مجید سے دلائل پیش کرتے تھے۔ وہابیت کے شروع دور میں ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ساتھیوں نے کیا کچھ ظلم نہ ڈھائے جن کی فہرست طویل ہے۔ یہ سب فائدہ اور سبق۔ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا۔ اور یَسۡطُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ (الخ) سے حاصل ہوا یعنی باطل لوگ تا قیامت ایسا کرتے رہیں گے۔ دوسرا فائدہ ان آیت نے مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی اور اہم چیز سے آگاہ کیا تاکہ مسلمان قیامت تک ہر دور

ہیں خبردار رہیں وہ یہ کہ کفار کی ہر بات ہر ارادہ ہر مشورہ ہر حالت و کیفیت تمام مسلمانوں کے لیے بھی شر ہے بلکہ خود ان کے لیے بھی شر ہے، مسلمانوں کے لیے تو صرف دنیا میں شر ہے لیکن خود کفار کے لیے دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہاں تک کہ کفار کی سیاست، بناوٹ لگاوٹ بھی مسلمانوں کے لیے شر ہی شر ہے۔ بیہ فائدہ۔ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ (الخ) کے فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ کفار کی منکرانہ کیفیت اور یَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ کی حالت ارادی و غیض و غضب کو مثل آگ شر فرمایا گیا اور جہنم کی آگ کو بڑا شر۔ یعنی یہ دنیوی کیفیت بھی شر ہے اگرچہ چھوٹا شر ہے اور وہ جہنم کی آگ بھی شر ہے جو اس سے بڑا ہے شرٍّ کی تنوین تعظیمی ہے۔ یہ کیفیت کفار خود کفار کے لیے تین طرح شر ہے۔ اولاً اس لیے کہ دنیوی شر اخروی شر کا باعث وسبب بن گیا، دوم اس لیے کہ کیفیت غیض و غضب نے مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑا خود کفار ہی حد اجلن سے مکروہ شکلیں بنا کر گھٹ گھٹ کر جلتے مرتے رہے، مسلمان پھر بھی ہزار ہا خوشیوں مسرتوں کے ساتھ نعتیں حمدیں، تلاوتیں کرتے ہی رہے محفل میلاد و معراج مناتے جلوس نکالتے ہی رہے۔ سوم اس لیے کہ کفار اپنی ان حاسدانہ حرکتوں کی بنا پر بذریعہ قرآن مجید تا قیامت جہانوں میں رسوا اور ذلیل ہو گئے کہ سب آنیوالی قوموں کو پتہ لگ گیا کہ کفار مکہ کیسے حاسد و ملعون تھے۔ حاسد اور منکر کبھی کے مر کھپ گئے مگر ان کا برا اور باعث لعنت تذکرہ آج بھی مذکور و موجود ہے۔ تیسرا فائدہ کسی چیز یا کسی شخص کو معبود سمجھ کر صرف بلانا پکارنا یا اس سے کچھ مانگنا بھی شرک و کفر ہے اسی طرح جن چیزوں کو کفار معبود سمجھتے ہیں ان کو عزت سے بلانا پکارنا ان کو نہلانا دھلانا بھی شرک و کفر ہے مثلاً پیپل کا درخت، اور گائے جانور یا کسی انسان کی فوٹو اس کو ھندو و مشرک اپنا معبود سمجھتے ہیں تو اگر کسی مسلمان نے پیپل کے تنے کو دھلایا کسی بھی غرض اور مقصد سے یا اس پر ہار پھول لٹکائے سجائے تو وہ شخص گناہگار ہوگا اور یہ کام کفار کو خوش کرنے کے لیے تعظیماً کیا تو وہ مسلمان کافر ہو جائے گا۔ ایسے ھندو کی گائے کو ھندو کی خوشنودی میں تعظیماً پیار کیا یا سجایا سنوارا یا گائے کی عزت کے لیے اس پر ہاتھ رکھتا ہے تو بھی ایسا کرنے والا کافر ہو جائے گا۔ فوٹو تصویر بنوانا اور اس کو گھر میں سجانا بھی مسلمانوں کے لیے اسی وجہ سے حرام ہے کہ یہ بھی تعظیم بتان ہے۔ یہ فائدہ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ کی دراز عبارت فرمانے سے حاصل ہوا صرف تَعْبُدُوْنَ نہ فرمایا گیا۔ تَدْعُوْنَ کا اصل لغوی معنیٰ ہے تم پکارتے ہو۔ یعنی بتوں اور سب جھوٹے معبودوں کو فقط پکارنا بھی شرک

وکفر ہے جیسے ھندو کالی ماتا کو پکارتے ہیں ۔ ۔ ہے کالی ماتا وغیرہ وغیرہ صرف سجدہ ریزی ہی عبادت نہیں ہر تعظیم عبادت ہے اس میں بڑی احتیاط چاہیئے اسی لیے منقول شرعی کی اصطلاح میں تَدْعُوْنَ کا ترجمہ کیا جاتا ہے ۔ تم عبادت کرتے ہو تَدْعُوْنَ کو تَعْبُدُوْنَ شمار کیا جاتا ہے کیونکہ دونوں شرک ہوتے ہیں ہم مثل ہیں ۔ اسی احتیاط کی بنا پر بعض اولیاء خواص جنہوں نے توکل علی اللہ کا میثاق کیا ہوتا ہے اپنی مصیبتوں ، بیماریوں میں حاکم و حکیم کو بھی نہیں پکارتے نہ ان سے دارو دوا مانگتے ہیں یہ ان کے انتہائی احتیاطی تقویٰ سے ہے کہ کہیں یہ طلب بھی تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے شمار و عتاب میں نہ آجائے اللہ و اکبر کبیرہ ، اگرچہ یہ فتویٰ نہیں صرف ذاتی احتیاط و تقویٰ ہے ۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ قانون شریعت میں عبادت کی نو قسمیں ہیں ۱ سجدہ کرنا ۲ دعا مانگنا ۳ منت ماننا ۴ قسم کھانا ۵ قربانی دینا ۶ روزہ رکھنا ۷ طواف کرنا ۸ اعتکاف بیٹھنا ۹ الٰہ اور معبود سمجھ کر حکم ماننا اور پکارنا مانگنا ۔ جیسے نماز زکوٰۃ حج ورد وظیفہ اور تعظیم کرنا ۔ یہ سب کام عبادت اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی انسان یا بت مورتی یا قبر کے لیے کرنا کفر و شرک ہے ۔ یہ مسئلہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ تَدْعُوْنَ میں ہر وہ کام شامل ہے جو کفار اپنے بتوں کے لیے کرتے ہیں ۔ بعض جاہل گمراہ پیر قبر کا طواف کرتے اور مریدوں سے کرواتے ہیں ۔ اور بعض دفعہ جادو توڑنے کے لیے کالی ماتا کے نام پر قربانی چڑھاتے اور جادو والے مریض کی طرف سے کرواتے دلواتے ہیں اس کفریہ عمل سے پیر بھی کافر ہو جائے گا اور طواف و قربانی کرنے والا مرید و مریض بھی اسی طرح بعض جہلا مرید اپنے پیر کے نام کا روزہ رکھتے ہیں یہ بالکل ایسا ہی کفر ہے جیسے ھندو لوگ بتوں کے لیے روزہ رکھتے ہیں مسلمان کا روزہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے بجز رب تعالیٰ کسی کے لیے روزہ جائز نہیں ، یونہی اعتکاف بیٹھنا ، قسم کھانا بھی صرف اللہ کے لیے ہی ہوتی ہے حدیث پاک میں غیر اللہ کی قسم کو شرک فرمایا گیا کیونکہ انسان کا کسی کی قسم کھانا بھی عبادت ہے ۔ ایک گمراہ فرقے نے سجدے کی دو قسمیں کردیں ۱ سجدہ عبادت ۲ سجدہ تعظیمی اور کہتے ہیں کہ سجدۂ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور سجدۂ تعظیمی سب کے لیے جائز ہے ان خبیثا کا یہ قول و تقسیم بالکل غلط ہے یہ تقسیم نہ قرآن مجید سے ثابت نہ حدیث پاک

ہے۔ سجدۂ تعظیمی کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ہے، سجدۂ آدم اور سجدۂ یوسفی بھی تعظیمی نہ تھا ورنہ
بار بار ہوتا۔ بلکہ سجدۂ آدم ملائکہ کی توبہ اور غیبتِ آدم علیہ السلام کا کفارہ و معافی کے لیے
تھا اور سجدۂ یوسف تعبیرِ خواب کے لیے تھا کیونکہ نبی کی خواب وحیِ الٰہی ہوتی ہے۔ اس پر
عمل واجب ہے، دوسرا مسئلہ شریعتِ اسلام میں جھوٹے معبودین کی عبادت بھی کفر تعظیم بھی
کفر شرک و حرام ہے فرق یہ ہے کہ عبادت کرنا کافر بنا دیتا ہے لیکن فقط تعظیم کرنا فاسق یا گمراہ
بنا دیتا ہے یہ مسئلہ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فرماکر کفار کے اعمال ذکر فرمانے سے مستنبط ہوا
کسی کو معبود سمجھ کر جس طرح بھی اُس کی عزت افزائی کی جائے وہ کفر ہے پوجکر یا پکار کر یا مانگ کر
اسی قانون سے، دعا، سوال۔ طلب وظیفے اور تلاوت کا فرق معلوم ہوا، دعا عبادت بلکہ عبادت
کا مغز ہے حدیثِ پاک میں ارشاد ہے۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَتِ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اس لیے
بجز اللہ تعالیٰ کسی سے دعا مانگنی جائز نہیں۔ دعا کا طریقہ حدیث پاک میں مقرر ہے کہ باوضو عاجزی
وخشوع خضوع سے سینے تک دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاکر ہتھیلیاں جوڑ کر کسی بھی زبان
میں اللہ تعالیٰ سے مانگنا دعا ہے دعا کا قبلہ آسمان ہے بندے کا منہ خواہ کسی طرف ہو دونوں
ہاتھ کی ہتھیلی آسمان کی طرف ہونا شرط لازمی ہے مگر کسی قبر یا کسی بیٹھے انسان کے سامنے اس
انداز میں رب سے دعا مانگنا بھی ممنوع ہے کیونکہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ قبر یا بیٹھے انسان سے
مانگ رہا ہے تاکہ غلط شبہ نہ پڑے، یہاں تک کہ روضۂ اقدس کے پاس مواجہ شریف کے سامنے بھی اس طرف
منہ کر کے ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا بھی درست نہیں اگرچہ رب تعالیٰ سے ہی مانگ رہا ہو تاکہ غلط
شبہ نہ پڑے، سوال یہ ہے کہ بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے مانگا جائے یہ سب سے جائز ہے کیونکہ
دعا عبادت ہے سوال عبادت نہیں، سوال کرنا ایک ہاتھ اٹھاکر پھیلاکر بھی جائز ہاتھ باندھ کر ہاتھ
چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے بھی انبیا علیہم السلام سے بھی اولیاء اللہ سے بھی حیاتِ ظاہری میں بھی بعد
وفات بھی، جو دعائیہ وسوالیہ کلمات قرآنِ مجید اور احادیث مقدسات میں مذکور ہیں۔ اگر وہ تعداد
مقررہ وقتِ مقررہ اور طریقۂ فرمودہ ومکتوبہ کے مطابق پڑھا جائے تو اس کو وظیفہ کہا جاتا ہے
اور جن آیت میں دعائیہ الفاظ ہیں اگر وہ قرآن مجید کے ساتھ یا نماز میں پڑھیں تو ان کو تلاوت
کہا جاتا ہے طلب عام ہے ہر قسم کے مانگنے کو اس کی سات قسمیں ہیں ۱ طلب بطریقۂ دعا
۲ طلب بطریقۂ سوال ۳ طلب بطریقۂ بھیک وگدا ۴ طلب بطریقۂ انعام ۵ طلب
بطریقۂ التجاء ۶ طلب بطریقۂ استحقاق ۷ طلب بطریقۂ استہزاء بتوں اور جھوٹے معبودین

سے نہ دعا جائز نہ سوال نہ وظیفہ نہ تلاوت نہ التجا نہ استغفار، ہاں البتہ بتوں کی عاجزی کمزوری بے بسی دیکھنے دکھانے کے لیے ان سے طلب استہزا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیل اللہ نے نمرود کے بت خانے میں جاکر بتوں سے کھانے اور بولنے کا مطالبہ کیا نہ بولے تو توڑ دیا۔ یا جیسے یہاں لَنْ یَّخْلُقُوْا اور لَا یَسْتَنْقِذُوْہُ میں اشارۃً وَلَا لَہٗ مطالبہ بھی ہے یہ عجز دکھانے کے لیے ہی ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ۔ ھِمْ ضمیر غائب کے ساتھ پھر فرمایا گیا۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ جب کہ یہاں بھی مراد وہی لوگ ہیں جن کے سامنے آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ۔ ضمیر کو چھوڑ کر اتنی لمبی عبارت کیوں ارشاد ہوئی؟ جواب دو وجہ سے اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی گئی۔ پہلی وجہ یہ کہ عَلَیْھِمْ کی ضمیر کا تعارف کرایا گیا کہ تُتْلٰی عَلَیْھِمْ کون ہیں جن پر آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہاں اُن کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کھلے کافر لوگ ہیں، دوسری وجہ یہ کہ کفار کی شدتِ نفرت سے کثرت انکار، انتہائی جہالت اور ارادۂ شر ظاہر کرنے کے لیے دراز کلام ارشاد فرمایا۔ (از تفسیر مظہری وبیضاوی) دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ لَھُمْ مَثَلٌ۔ یہاں دو سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ ضُرِبَ فعل ماضی ہے جو سابقہ چیز کو بیان کرتا ہے حالانکہ پہلے تو کوئی مثل بیان نہیں ہوئی مثل تو آگے بیان کی جارہی ہے تو فعل ماضی کیوں ارشاد ہوا۔ یُضْرَبُ فرمانا چاہیے تھا۔ دوسرا سوال یہ کہ جو چیز آگے بیان فرمائی گئی وہ مثل نہیں مثل تو کہاوت یا مشابہت کو کہا جاتا ہے حالانکہ یہاں بتوں کی دو کمزوریاں بیان کی گئیں جو چیلنج یا مطالبہ تو ہو سکتا ہے مگر اس کو مثل اور کہاوت و مشابہت نہیں کہا جا سکتا۔ جواب پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ بتایا جارہا ہے اے کافر لوگو جو مثل آگے بیان کی جارہی ہے وہ اتنی عام فہم اور آسان ہے کہ ہر انسان پہلے ہی بتوں کی کمزوری کو جانتا سمجھتا ہے گویا ہر شعور انسانی کو پہلے ہی یہ مثل بیان کر دی گئی ہے اور ہر باشعور کے ذہن وعقل میں ڈالدی گئی ہے۔ اے کافرو اگر تمہاری عقل میں یہ مثل پہلے نہیں آئی۔ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ۔ تو اب اس کو سنو اور عقل سے کام لو۔ یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے بھی ایسی مثالیں قرآن مجید میں کئی بار کئی طرح بیان کر دی گئی ہیں اب پھر سن لو اس کو۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کو مَثَلٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ مثل کا حقیقی لغوی معنیٰ ہے۔ عجیب وغریب حیران کن پریشان کن بات تو چونکہ

رب تعالیٰ کی اس بیان کردہ بات نے بتوں کی اِس کمزوری کو ظاہر کر کے کفار کو تا قیامت حیران پریشان لاجواب کر دیا۔ اس وجہ سے اِس کو مثل فرمایا گیا، اور اس سے بتوں کی کمزوری بتانے کے ساتھ ساتھ کفار کی پریشانی لاجوابی بھی ظاہر کر دی گئی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں پر صرف مکھی کے پیدا کرنے کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ حالانکہ بُت اور تمام جھوٹے بناوٹی معبود بلکہ کوئی بھی جن فرشتہ انسان کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا نہ چھوٹی نہ بڑی نہ ہاتھی نہ چیونٹی نہ جمادات نہ نباتات گھاس کا تنکا تک پیدا نہیں کر سکتا جو مکھی سے بھی زیادہ مختصر و کمتر ہے کہ تنکے میں تو روح بھی نہیں ڈالنی پڑتی، تو چاہیئے تھا کہ بتوں کی عاجزی ظاہر کرنے کے لیے گھاس کا ایک تنکا پیدا کرنے کا ذکر فرمایا جاتا نہ کہ مکھی کا۔ جواب۔ تین وجہ سے یہاں مکھی کا ذکر کیا گیا اور تخلیقِ ذباب کی نفی تاکیدی بیان فرمائی گئی۔ پہلی وجہ یہ کہ مکھی ہر طرح مکمل مخلوق ہونے کے باوجود بہت چھوٹی بہت مختصر ہے اور اس میں نو خصلتیں اور کیفیتیں ایسی کمزوری کی ہیں جو دوسری کسی جاندار میں نہیں ۱ صغیرُ الجسم ۲ ضعیفُ الاعضاء ۳ حقیرُ الذات ۴ خبیثُ الصفات ۵ اَحرصُ یعنی سب سے زیادہ حریص ۶ اوّلاً گندگی سے پیدا پھر ولادت سے پیدا ۷ اَجہل یعنی سب سے زیادہ جاہل کہ کھانے پر اس طرح گرتی ہے کہ ہلاک ہو جاتی ہے اپنی ہلاکت کو نہیں جانتی ۸ اَضعف۔ یعنی بہت ڈرپوک اتنی کہ کسی جانور کو شکار نہیں کر سکتی بلکہ اپنے برابر کی مکڑی سے شکار ہو جاتی ہے ۹ اَحمق یعنی سب سے زیادہ بیوقوف مکھی کی مثل بیان فرما کر یہ بتایا گیا کہ کفار نے بتوں کو اِلٰہ بنایا جو مکھی جیسی کمزور مخلوق کے سامنے بھی بے بس ہیں نہ اُس کو بنا سکتے ہیں نہ اُس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ الٰہیت معبودیت کائنات کی سب سے بڑی طاقت ہے، دوسری وجہ یہ کہ یہاں دو مثل بیان فرمائیں گئیں ۱ باطنی یعنی پیدا کرنا جس کو کوئی شخص دیکھتا نہیں ہے یہ باطنی مثل تمام جھوٹے معبودوں کی عاجزی بے بسی بتانے کے لیے بیان کی گئی دوم ظاہری مثل، جس کو ہر کافر بُت پرست اپنی آنکھوں سے روز دیکھتا ہے کہ ایک معمولی مکھی بتوں سے ان کا کھانا چھین کرلے جا رہی ہے اور بتوں پر بیٹھتی ہے اُن پر بیٹ کرتی ہے اور وہ بُت کچھ نہیں کر سکتے نہ اڑا سکیں نہ بھگا سکیں، چونکہ دوسری مثل ظاہری میں وہ کافر مکھی کو ہی ایسا کرتے دیکھتے ہیں اس لیے پہلی مثل باطنی میں بھی مکھی پیدا کرنے کا ہی ذکر کیا گیا۔ اور لَنْ یَّخْلُقُوْا فعل نفی بِلَن کی تاکید سے یہ بتایا کہ وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اس نفی میں بڑے جانوروں کی نفی خود بخود ہو گئی یعنی جب اتنا

مختصر سا جانور نہیں بنا سکتے تو بڑے جانور کس طرح پیدا کر سکتے ہیں گھاس کا تنکا اگرچہ مکھی سے زیادہ مختصر ہے مگر اس میں اعضا و روح نہیں حالانکہ اللہ وہ ہو سکتا ہے جو بے جان بڑی چھوٹی بلکہ آسمان و زمین بھی بنا سکے ۔تیسری وجہ یہ کہ کفار کی کچھ خصلتیں مکھی جیسی ہیں ، مثلاً ، حماقت ، جہالت لالچ ، خباست ، حقارت اس لیے کفار کے لیے ان کی ہم خصلت مکھی کی سی مثل بیان کرنا مناسب ہے ۔کفارِ عرب کا تعظیم بتاں کا طریقہ یہ تھا کہ ہفتہ میں ایک بار اپنے بتوں کے سر پر زعفران ملتے جسم پر شہد لگاتے ، سامنے کھانا رکھتے اور کواڑ بند کرکے چلے جاتے ۔کواڑوں کے سوراخوں سے مکھیاں آجاتیں اور ہفتے بھر تک وہ شہد اور کھانا کھاتی رہتی ہفتے بعد جب کفار آتے تو دیکھتے کہ کچھ کھانا بھی کم ہے اور جگہ جگہ سے شہد بھی ختم ، تو مشہور کر دیتے کہ بتوں نے خود کھایا ہے حالانکہ اصلیت کو جانتے تھے آج کل ھندو کافر بھی اپنے بتوں کو دودھ سے نہلاتے گلاب سے دھلاتے اور ہار پھول ڈالتے ہیں یہ سب وہی پرانی حماقتیں ہیں۔ آج کل کچھ مسلمان بھی توڑوں کو ہار پہنانے لگ گئے ہیں یہ بھی کافرانہ رسم اور فوٹو پرستی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ اور جب آیاتِ معرفت بارگاہِ قدس سے جو قلبِ مشاہد پر نازل ہونے والی ہیں اہلِ دنیا کو سنائی جاتی ہیں تو تو اے خلوتِ مکاشفہ میں جلوۂ آشکار کا مشاہدہ کرنے والے اے صاحبِ خزانۂ عرفان کمالِ معرفت سے پہچان لے گا کفرانِ انوار اور ان کا انکار کرنے والے مکاری کے ملمع عیاری سے ملوث چہروں میں نفرتِ الحاد و کراھیۂ زندیقی حق کی ناپسندیدگی اصلاح کی بے رغبتی کے نشاناتِ تحقیر کو اور ہمیشہ ایسی ہی شدید حالت و ذلیل کیفیت ہوتی ہے فساق و بدکار طبیعتوں کی نزولِ حق اور سماعت احکام کے وقت گویا حملہ و دلالت کر ڈالیں گے اُن صالحینِ نسطرت طالبینِ عبرت کاملینِ بصیرت تالیینِ آیات پر جو ہماری نشانیوں کو ظاہر اور بیان کرنے والے ہیں ، اے محبوب لم یزل فرمادے اہلِ حق نے ناقربین اور اہلِ درد سے غافلین کو اور اہلِ صفا سے کراہت کرنے والوں کو کہ کیا میں تم کو تمہارے پھیلائے ہوئے شرِ جسمانی ظاہری سے بڑے شرِ باطنی کی خبر سناؤں جو تمہاری روحوں کو فنا کی ذلت میں ڈال دے ، وہ فراق نار ہے دوری محرومی کی آگ ذلت

وخواری کی تپش ہے۔ اسی نارِ ابدی کا ربِّ قہار نے وعدہ وعید فرمایا ہے اُن کافرین انعام
فاسقین اعمال سے جو غافلینِ بشریت ہوئے۔ عالمِ ناموت میں سب سے زیادہ برا اور بدبختی
کا ٹھکانہ یہی ہے کیونکہ اہلُ اللہ سے نفرت سب سے بڑی بدنصیبی ہے لہٰذا اس کی سزا نارِ فراق
ہی ہے اور اُس اِنکار سے بڑا شر ہے جو منکرین کے دلوں میں ہے۔ اے بندۂ عاقل اگر تو منزل
قربِ حقیقی کا طالب ہے تو بچارہ ہر اُس چیز سے جو شرک وانکار کے شرک کی طرف لے جائے
اور ساتھ رہو توحید واقرار والوں کے اور قبول کرو حقائقِ اسرار کو محبت کرو ولایتِ انوار والوں
سے اور بغض رکھو گمراہی کے شر والوں سے، اے مسافرِ راہ سلوک تو زاہد بحر وبر بننا چاہتا
ہے مگر اپنے نفس کے لیے راحت کا طالب ہے قربِ الٰہی چاہتا ہے پھر بھی اپنے لیے
طالبِ عزت ہے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے دشمن سے دشمنی اور اولیاء اللہ سے محبت کی
کی ہے یاد رکھ منزلیں دو ہیں ایک منزل نارِ حرمان یہ کفران والوں کے لیے ہے دوسری منزل
فیضان یہ توحید کی تصدیق واقرار والوں کے لیے ہے۔ تصدیق واقرار تمام نعمتوں سے
افضل ہیں کیونکہ بندہ اسی کے سبب سے سعادتِ ابدیہ تک پہنچتا ہے۔ اسی تصدیقِ
عقلی محبتِ قلبی عقیدۂ عملی ذکرِ فکری شعورِ حسّی علمِ ضمیری
فراستِ ایمانی مکالمۂ باطنی. واقرار کا نام کلمۂ شہادت ہے
کل قیامت میں اسی کلمۂ شہادت کا سب سے زیادہ وزن ہوگا، جس کے دل میں توحید کی
تصدیق راسخ ہوگئی وہ ذکر اللہ کی لذت کو پا گیا جس نے لذت پائی اس کو طاقت ملی جس
نے طاقت پائی وہ ہی صالح ہوا۔ لیکن نار بِئْسَ الْمَصِیْرُ ہے کہ اُس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں
یا اللہ تو ہمیں نارِ بُعد سے بچا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗؕ اِنَّ الَّذِیْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ
الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ اے اہلِ
نسیانِ حقیقتِ امر کو بھول جانے والے عالمِ ناسوت وجبروت کے خالق اور سارے اشیاءِ عالمین
کے پیدا کرنے والے اور قالب وقلب کے مالک تعالیٰ کو بھولنے والو رب تعالیٰ کو چھوڑ کر
اُمراءِ دنیوی وُزراءِ خسروی کو اپنا الٰہ سمجھ لینے والو ضروری ہے کہ ضربِ مثل معبودانِ
باطل اور وہم کے بتوں کی کمزوری بے بسی ناکاری ثابت کرنے عبرت دلانے کے لیے ایک
ایسی مثل بیان کی جائے جو عقل وشعور میں پہلے ہی بیان کردی گئی ہے، اب اُس کو ظاہراً

سونا کہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو جاؤ اے عہدِ میثاق کو بھولنے والو راہ حق اور منزلِ طلب سے منہ موڑنے والو وادیِ طریقت کے شیر مرد جوان ہمت بنو اور ادراکِ قلبی سے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ پس سنو تم اس امر تکوینی کی مثل کو اور نصیحت پکڑو اگرچہ اپنے موہوں زبانوں سے کہتے پھرتے ہو کہ ہم توحید والے اللہ کے پجاری ہیں مگر اپنے عمل و کردار سے تم باطنی بتوں کے پجاری ہو کیونکہ تم تعلیم نبوت سے دور آستانۂ رسالت سے مردود ہو یہ نہیں جانتے کہ تعظیم انبیاء علیہم السلام ہی اللہ تعالیٰ کی پرستش ہے اور انبیا علیہم السلام کی تعلیم سے ہی خدا پرستی کا حق ادا ہوتا ہے آستانۂ نبوت چھوڑ کر نہ رب ملتا ہے نہ عبادتِ رب اسی لیے شرک بھی رب تعالیٰ کو چھوڑنا اور الحاد بھی رب تعالیٰ کو چھوڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا بھی دعوٰی پھر دنیا والوں کے دروازوں پر بھی سر جھکانا اصطلاحِ تصوف میں یہ بھی بت پرستی ہے۔ اے دولت و ثروت جاہ وحشم والوں کے پجاریو۔ جن کے چڑھتے سورج کی تم پرستش چاپلوسی۔ کاسہ لیسی، نعرہ بازی، کرسی سازی میں لگے رہتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کی امانت، شریعت احکام، قانون طریقت کی دیانت، حقیقت کی امامت، معرفت کی ضمانت سے علیحدہ ہو کر لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا۔ وہ اہلِ دولت تو دنیاء ذلیل اور فضلاتِ خبیس کی ایک مکھی برابر بھی حاجت و ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ ضروریاتِ دنیوی کا ایک ذرہ حقیر بھی بناتے پیدا کرنے پر مطلع اور واقف نہیں قادر ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اگرچہ سب اہلِ ثروت و دولت اُمرا وُزرا بادشاہ ایک مقامِ ابلیسی پر جمع ہو جائیں اس تکمیلِ ضروریات و حاجات کے لیے۔ صرف شور تو ہو گا مگر زور نہ ہو گا کیونکہ باطل میں شور ہوتا ہے حق میں زور ہوتا ہے یہ اہلِ دنیا تو اپنی کسلت، غفلت، مصیبت و غربت پر بھی بے بس ہیں وہ تو اپنے قلب بے نور کے بھی اندھے ہیں اگر ھَوَاجِسِ نفس اور خواہش باطل کی غلیظ مکھی اُن کے قلب کی صفائی اور جمعیتِ وقت کا اطمینان، عقل کا شعور ضمیر کی حیات کا نوالہ۔ آبِ غرور کا پیالہ چھین کر سلب کر لے تو لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ۔ تو نفس کو ھٹا بھگا نہیں سکتے اُس سے بچ نہیں سکتے۔ لذاتِ دنیا کی مکھیاں اُن پر گندگی پھیلاتی آس پاس بھنبھناتی رہتی ہیں ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ مگر یہ اُن خواہشاتِ نفسانیہ فانیہ کے سامنے عاجز ہیں اس لیے کہ ضعیف ہے ان کا طالب قلبِ بے نور و کمزور و ناکارہ ہے اُن کا وہ نفس و شیطان جو دنیا پرستوں، دولت کے پجاریوں کا مطلوب و مقصود ہے یہ

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ٭ روز و شب در زق زق و در بک بک اند

ادب واحترام سب سے بڑی نعمت وعبادت ہے حدیث پاک میں ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ادب سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ عارفین کے لیے شریعت ضروری، شریعت کے لیے ادب ضروری ادب کے لیے ایمان ضروری، ایمان کے لیے توحید ضروری، توحید کے لیے رسالت و نبوت ضروری، جس میں ادب نہیں نہ وہاں شریعت نہ طریقت نہ ایمان نہ عرفان نہ توحید نہ رسالت بندۂ طالب حق کو ظاہری اور باطنی دونوں حالتوں میں ادب اختیار کرنا چاہیے۔ اگر کسی نے ظاہری طور پر بے ادبی گستاخی کی تو اسے ظاہری طریقے سے سزا مل جائے گی اور اگر کسی نے باطنی نفسانی شیطانی طریقے سے بے ادبی کی تو اسے باطنی سزا دی جائیگی۔ بہر حال بے ادب گستاخ سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اے بندو یاد رکھو کہ ہر قسم کے آداب آستانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ آپ ہی تمام ظاہری باطنی آداب واحترامات کا مخزن ہیں اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کے اُس ادب کا ذکر فرمایا جو آپنے بارگاہِ الٰہیہ میں مقامِ لا مکانی میں پیش فرمایا، ارشاد ہوا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی نہ نگاہ بہکی نہ حد سے آگے بڑھی، اللہ تعالیٰ نے بے رخی اور توجہ دونوں حالتوں میں آپ کے قلبِ مقدس کے اعتدال و درستگی کو بیان فرمایا کہ آپنے صرف توجہ الی اللہ رکھی ماسوا اللہ سے کنارہ کشی اختیار کی یہی حقیقی ادب ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ عزت پہچانی اللہ کی انہوں نے اُس کے مرتبے کے اظہار ۔ ۔ ۔ ہے بے شک اللہ

اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی، بے شک اللہ

لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

البتہ قوتوں والا پیار فرمانے والا ہے۔ اللہ منتخب فرمالیتا ہے فرشتوں میں سے بھی

قوت والا غالب ہے۔ اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ

رسولوں کو اور انسانوں میں سے بھی بے شک اللہ بھی سب کی سننے والا

رسول اور آدمیوں میں سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا

بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا

دیکھنے والا ہے۔ جانتا بھی ہے اس کو جو ان کے ہاتھوں کے درمیان ہے اور جو

دیکھتا ہے۔ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو

خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام معاملات

ان کے پیچھے ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ کی طرف ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے رکوع کرتے رہو اور سجدے کرتے رہو

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ

اور عبادت کرتے رہو اپنے رب کی اور کرتے رہو ہر اچھا کام

اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدۃ عند الشافعی

تاکہ تم کامیابیاں حاصل کرلو۔

کہ تمہیں چھٹکارا ہو

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی حماقتوں بیوقوفیوں اور کمزوریوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں کفار کی ناشکریوں ناقدریوں کا تذکرہ ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم وخبر کا ذکر ہوا جس سے آپ کی اشارۃً واقتضاءً نبوت ثابت ہو گئی۔ اب ان آیت میں آپ کی رسالت مکرمہ ثابت فرمائی جا رہی ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی حالت بیان فرمائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیت وعبادات سے تو منہ بگاڑتے چہرے پھیرتے دل سے منکر ہوتے ہیں مگر بتوں کی عبادت خوش دلی سے کرتے ہیں۔ اب ان آیت میں مولیٰ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے چار فرمانبرداریوں کا حکم عطا فرمایا کہ اے ایمان والو ۱ رکوع بھی کرو ۲ سجدہ بھی کرو ۳ ہر قسم کی عبادت بھی کرو ۴ اور پورے معاشرے میں بھلائی کے کام بھی کرو۔ یہی اہل ایمان کا تا قیامت نشانِ اعظم ہے۔ **شانِ نزول**۔ خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بنی خزیمہ کے کفار نے کہا تھا کہ بشر انسان بھلا نبی یا رسول اللہ کیسے ہو سکتا ہے یہ جو تمہارے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ غلط ہے (معاذ اللہ) تب یہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۷۴ تا آیت ۷۷۔

تفسیر نحوی مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۞ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۞ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ مَا قَدَرُوْا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق منفی جمع مذکر غائب قَدْرٌ سے بنا ہے بمعنی لغوی اندازہ لگانا۔ اصطلاحًا مطابق ہونا ۲ کسی کے مطابق بنانا تقدیری فیصلہ ازلی ابدی ۳ حجم جسامت طول عرض ایک جیسا متناسب ہونا ۴ کسی چیز کا بالکل درمیانی حصہ ۵ ہانڈی جس میں ہر چیز اندازے سے پکائی جاتی ہے اس کو قدر اسی معنیٰ سے کہتے ہیں ۶ اندازے سے بنانے کی قوت کو اقتدار اسی لیے کہتے ہیں ۷ فیصلہ الٰہیہ کو تقدیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح سچے اندازے سے ہوتا ہے ۸ چونکہ ناپ تول اور اندازے میں تنگی اور پابندی ہوتی ہے اسی لیے قدر بمعنی تنگی بھی ہے ۹ قدر بمعنی عزت وتعظیم اس لیے کہ قابل عزت وتعظیم کے مقام ومرتبے کا صحیح اندازہ لگایا جاتا ہے یہاں قدر اسی معنیٰ میں ہے

قَدَرُوا کا فاعل کفار ہیں اللہ اس کا مفعول بہ ہے تمیز مابعد کلام کا حق اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنیٰ لائق درست مضاف ہے قَدَر اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ عزت با اندازہ مضاف ہے ہ مضاف الیہ کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ حق کا وہ مرکب تمیز ہے اللہ کی ممیز تمیز مل کر مفعول بہ ہے مَا قَدَرُوا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف تحقیق اللہ اس کا اسم۔ لام لگے حرفِ تاکید قَوِیٌّ اسم صفت مشبہ بروزنِ فعیلٌ بمعنیٰ محافظ۔ نگہبان اور محافظ کے لیے قوت شدت طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اصطلاحًا قوی بمعنیٰ طاقت والا ہے یہ خبر اول ہے اِنَّ کی عَزِیْزٌ اسم نکرہ صفت مشبہ بروزنِ فعیلٌ عِزٌّ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے غلبہ پانا۔ اصطلاحًا شدت۔ طاقت رفعت بلندی اور اختیار کے معنیٰ میں مشترک ہے چونکہ نگہبان کے ساتھ آیا ہے اس لیے یہاں بمعنیٰ پیار کرنے والا مراد ہے کیونکہ محافظ کے لیے اپنی چیزوں سے پیار کرنا لازمی ہے یہ خبر دوم ہے۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ رشتے داروں کو عزیز و اقارب پیار و محبت کے معنیٰ میں کہتے ہیں۔ اللہُ مبتدا یَصْطَفِیْ باب افتعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِصْطِفَاءٌ صَفْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لغوی۔ صاف چٹیل بغیر ملاوٹ خالص ہونا۔ اصطلاح میں کسی چیز کو بہت سی مخلوط ملی جلی اشیاء میں سے چن کر علیحدہ کر لینا۔ منتخب کرنا، کوہِ صفا کو بھی صفا اس لیے کہا گیا کہ اس پر کوئی گھاس پھوس جڑی بوٹی نہیں اگتی رہا تا قیامت عبادت کے لیے اس کو منتخب کر لیا گیا۔ یہاں بھی منتخب کے معنیٰ میں ہے دراصل تھا اِصْتِفَاوٌ تاءِ افتعال کو ہم مخرج ہونے کی وجہ سے طا سے بدلا گیا اور آخر کی واؤ کو ہمزہ سے خفت کی وجہ سے بدلا اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ مِنْ حرفِ جر بعضیت کا اَلْمَلٰٓئِکَۃِ اسم۔ جمع مکسر منصرف ہے مَلَکٌ کی بمعنیٰ فرشتے۔ اَلْکٌ سے یا مَلْکٌ سے بنا بمعنیٰ فرشتے اَلْکٌ کے معنیٰ چھپانا اصطلاحی معنیٰ پیغام پہنچانا کیونکہ وہ بھی منہ میں گویا چھپایا جاتا ہے اور چبا کر نکالا جاتا ہے۔ مَلَکٌ کے لغوی معنیٰ شدت طاقت ہے چونکہ فرشتے بھی مخلوق میں سب سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اس لیے ان کو مَلَکٌ کہا جاتا ہے یہ جار مجرور معطوف علیہ ہے وَاؤ عاطفہ اور اس سے پہلے رُسُلًا اسم۔ جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے رَسُوْلٌ مفعول بہ ہے۔ مِنَ النَّاسِ یعنی لوگوں انسانوں میں سے کچھ یہ جار مجرور معطوف ہے مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ پر دونوں عطف مل کر متعلق ہے یَصْطَفِیْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر

خبر مبتدا۔ اَللّٰهُ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰه اس کا اسم سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ یہ دونوں صفت مشبہ مبالغے کے لیے بروزن فَعِيْلٌ دونوں دو خبریں ہیں اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ يَعْلَمُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اَللّٰه کا اسم موصول بَيْنَ اسم ظرفی مکانی مضاف ہے اَيْدِيْ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے يَدٌ بمعنی ہاتھ مضاف ہے ہِمْ ضمیر کا مرجع تمام مخلوق یا کفار مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول خَلْفَ اسم ظرفیہ مکانیہ بمعنی پیچھے مضاف ہ ضمیر ہُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر غائب مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہے مَا بَيْنَ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے يَعْلَمُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ سیر جملہ اِلَی اللّٰهِ جار مجرور متعلق مقدم ہے تُرْجَعُ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت مجہول واحد مؤنث غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی گردش کرنا چکر لگانا پلٹ پلٹ کر پہلی جگہ پر آنا۔ اصطلاح میں لوٹنا پچھلی حالت پر آنا۔ نفع کمانا، واپس آنے کو رجوع کرنا کہتے ہیں۔ اَلْاُمُوْرُ اسم۔ جمع مکسر ہے امر کی۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام۔ یہ نائب فاعل ہے تُرْجَعُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ يَا حرف ندا۔ اَيُّهَا اسم فاصل اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب۔ اس لیے کہ یا ندائیہ قائم مقام ہوتا ہے اَدْعُوْا مضارع حال واحد متکلم کے یعنی بلاتا ہوں میں لہٰذا اس کے بعد منادی کے لیے غائب کا صیغہ ہی مناسب ہے اٰمَنُوْا فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا الَّذِيْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر منادی ہے ارْكَعُوْا باب فَتَحَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُسْجُدُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُعْبُدُوْا باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر رَبَّكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اُعْبُدُوْا کا یہ فعل بافاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِفْعَلُوْا باب فَتَحَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر بافاعل اَلْخَيْرَ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی، نیکی، بھلائی مفید کام، مرغوب اور دل پسند کام۔ اصطلاحاً مال و دولت کو بھی خیر کہا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ

کے اقامات میں سے ایک خیر اور حسنہ ہے۔ کیونکہ یہ تمام جہان کے شہروں سے زیادہ مفید مرغوب اور افضل ہے۔ یہاں بمعنی نیکی ہے مفعول بہ ہے اِفْعَلُوْا کا یہ فعل امر با فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا سابقہ تمام جملے معطوف فرایک جملہ ہوئے لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر اس کا اسم مرجع ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُفْلِحُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَعَلَّ کی یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معلول ہوا وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (الخ) کا یہ سب افعال معطوف اپنے معلول سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہو کر جواب فعل ہوا۔ حرف ندا اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ پانچوں فعل ۱۔ اِرْكَعُوْا ۲۔ اُسْجُدُوْا ۳۔ اُعْبُدُوْا ۴۔ اِفْعَلُوْا ۵۔ تُفْلِحُوْنَ کا فاعل ضمیر صیغہ کُمْ (اَنْتُمْ) جمع مذکر حاضر کا مرجع اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے۔ اِس آیت ۷۷ پر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجدۂ تلاوت کا حکم دیتے ہیں حالانکہ آیت پاک کے الفاظ اِس کی تائید نہیں کرتے اس لیے بجز امام شافعی کسی بھی امام نے یہاں سجدۂ تلاوت کا حکم نہ دیا نہ عقیدہ بتایا اس کی وجہ یہ کہ یہاں مسلمانوں کو پوری مکمل عبادتِ نماز کا حکم دیا جا رہا ہے نہ کہ فقط سجدۂ تلاوت کا۔ اس کی وضاحت احکام القرآن میں کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تفسیر عالمانہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔ اور نہ قدر جانی نہ عزت پہچانی اپنے خالق مالک رازق شفیق و منعم و مصطفیٰ کریم اللہ تعالیٰ کی دنیا بھر کے کسی بھی کافر مشرک منکر نے اس کی قدر و منزلت احسان و اکرام کے مطابق۔ قدر کا معنیٰ ہے احسان ماننا اور احترام و عزت کا معنیٰ ہے فرمان ماننا ہے اس لیے کفار نے قدر کی نہ احترام کیا۔ کافر بت پرست ہو یا فرشتوں کا پجاری، یہودی ہو یا عیسائی یا مجوسی، صابئی حالانکہ ہر انسان پر فرض ہے کہ رب تعالیٰ کا احسان بھی مانے اور فرمان بھی اور یہ دونوں ایمان نبوّت کو ماننے سے ملتے ہیں نبی کی اطاعت و اتّباع ہی بتاتی ہے کہ قدرِ الٰہی کیا ہے۔ میرے ربِّ قدیر کا۔ کیا یہ احسان کچھ کم ہے کہ اس نے تم کو اسے کا فرو خوب صورت تندرست توانا۔ طاقتور، دراز قد، نطق و عقل والا انسان بنا دیا۔ اور

عالمِ ازل میں ہی تم کو جمادات، نباتات، حیوانات سے علیحدہ کر کے تمہارا چناؤ اور انتخاب اشرف المخلوق میں کر دیا یہ ازلی چناؤ محض اُس کا کرم ہے تمہارے لیے کسی نے بھی نہ سفارش کی تھی نہ حمایت پھر اپنی تمام دنیوی نعمتیں دولتیں تمہارے لیے مسخر فرما کر تم کو تمام زمین اور زمینی مخلوق اشیاء پر حاکمیت اور غلبہ بخشا، رب تعالیٰ نے تم کو یہ عزیز طاقتیں بغیر معاوضہ بغیر شفقت بلا طلب عطا فرمائیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم سب کفار اس کا احسان مانتے مگر کسی کافر نے کبھی اپنے اللہ تعالیٰ کا نہ احسان مانا نہ فرمان حالانکہ رب تعالیٰ کی قدر پہچاننا احسان ماننا فرمان لینا بہت ہی آسان ہے صرف یہ کہ اس رب کائنات کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کے آستانوں پر اُمتی بن کر آجاؤ۔ اور اُن کی تبلیغ تعلیم و تفہیم سے رب تعالیٰ اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کو اللہ واحد مان لو۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کہدو۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، کا عقیدہ بنالو۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا۔ کا ایمان اختیار کر لو اور اس تھوڑی سی بات میں ابدی حیات وانعام پالو۔ اتنا آسان کام اور اتنا بڑا انعام مفت کی دولت۔ مگر اس کے باوجود مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ انہوں نے ویسی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہیئے تھی، بت پرستوں نے حماقت کی انتہا کر دی کہ اپنی دستکاری ہوئی کمزور مورتیوں کو الٰہ سمجھ لیا، حالانکہ الٰہیت بے انتہا قوت کا نام ہے یہودیوں نے رب تعالیٰ کی بہت گستاخیاں کیں ۱ کبھی کہا عزیر ابن اللہ ہیں ۲ کبھی کہا۔ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ۳ کبھی کہا۔ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ۴ کبھی کسی یہودی حبر مالک ابن ابی صیف نے کہا کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔ اللہ نے کسی انسان پر بھی کوئی وحی کلام اتارا ہی نہیں یعنی تمام نبوتوں رسالتوں کا یکدم انکار (معاذ اللہ) یہ سب کفریات اللہ تعالیٰ کی ناقدری ہی ہے عیسائیوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی قدر نہ جانی کیونکہ کبھی مسیح ابن اللہ ہیں۔ کبھی کہا کہ اللہ نے چھ دن میں کائنات کی چیزیں پیدا کیں اور تھک گیا تو آخری ساتواں دن آرام کیا جیسا کہ بائبل میں ہے کہ خداوند نے اتوار کے دن آسمانوں کو بنایا، پیر کے دن زمین کو منگل کے دن پہاڑوں کو بدھ کے دن سورج کو جمعرات کے دن چاند ستاروں کو جمعہ کے دن آدم وحوا کو پیدا فرمایا۔ تب تھک گیا اور ہفتے کے دن سارا دن لیٹ کر پاؤں پر پاؤں رکھ کر آرام کیا (معاذ اللہ) کسی کافر نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور معبود سمجھ لیا کسی کافر نے آگ کو کسی نے نباتات کو حیوانات کو الٰہ بنالیا۔ یہی باطل کاذب کفریہ شرکیہ عقیدے اللہ کی احسان فراموشی اور ناقدری ہے۔ اسے بیوقوفوں قدر دانی احسان

احسان مندی ہیں تو تمہاری ہی بھلائی ہے۔ رب تعالیٰ کو تمہاری قدر شناسی کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے
کہ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ۔ وہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہمیشہ تک قوی ہے ہر مخلوق سے اور غالب
ہے ہر چیز پر۔ قوی ہے اپنے محبوبوں کی امداد پر اور غالب ہے اپنے دشمنوں کی سزا پر۔ قوی
ہے مخلوق کو باقی رکھنے پر غالب ہے اس کو فنا کرنے پر۔ قوی ہے اپنے قول میں غالب ہے
اپنے حکم میں۔ قوی ہے ممکنات پر غالب ہے موجودات پر۔ قوی ہے ابتدائی ھست کرنے
پر غالب وعزیز ہے انتہائی نیست کرنے پر۔ لیکن اِن کفار کے جھوٹے بناوٹی معبود نہ قوی
نہ عزیز اسی بات کو کفار کی عقل نہیں سمجھتی اسی لیے مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ کسی مفسر نے
اس کا معنیٰ کیا۔ مَا عَرَفُوا اللّٰہَ حَقَّ مَعۡرِفَتِہٖ کسی نے معنیٰ کیا۔ مَا عَظَّمُوا اللّٰہَ حَقَّ عَظۡمَتِہٖ کسی
نے معنیٰ کیا۔ وَمَا وَصَفُوا اللّٰہَ حَقَّ تَوۡصِیۡفِہٖ مگر یہ تینوں معنیٰ یہاں غلط ہیں۔ دو وجہ سے
یہ دونوں وجہ ظاہر پہلی وجہ یہ کہ یہاں خطاب صرف کفار کو ہے نہ کہ ایمان والوں کو جس سے ثابت ہوا
کہ ایمان والے حقِ قدر کے مطابق قدر کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدر حق کے
مطابق آسان ہے اسی لیے ہر ایک پر فرض ہے جو نہ کرے اس کو عذابِ جہنم کی سزا ہے۔ اس
سے زیادہ مشکل حقِ توصیف کے مطابق توصیفِ الٰہی کرنا ہے یہ کام مسلمان اور مومن بھی نہیں
کرسکتے صرف خواص اولیاءُ اللہ اور علماءِ راسخ فی العلم ہی کرسکتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ
مشکل حقِ عظمت کے مطابق تعظیمِ الٰہی کرنا ہے یہ تو اولیاء اللہ علماء غوث وقطب ابدال بھی
نہیں کرسکتے صرف انبیاء مرسلین علیہم السّلام ہی کرسکتے ہیں۔ اس سے زیادہ بلکہ سب سے
زیادہ مشکل حقِ معرفت الٰہی حاصل کرنا ہے یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے تمام مخلوق کے لیے
خود آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو دیدارِ الٰہی کرنے والے آنکھوں سے رب تعالیٰ
کو دیکھنے والے لامکان پر آنے جانے والے شرفِ زیارت لینے والے فرماتے ہیں سُبۡحَانَکَ
مَا عَرَفۡنَاکَ حَقَّ مَعۡرِفَتِکَ اے اللہ تعالیٰ پاک ہے تو نہیں پہچانا ہم نے تجھ کو تیری
معرفت کے حق کے مطابق اور اسی لیے مرشدین معرفت نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ مَا عَرَفۡنَاکَ
حَقَّ مَعۡرِفَتِکَ اَیۡ بِحَیۡثُ یَکۡتَنِھُکَ وَلٰکِنۡ عَرَفۡنَاکَ حَقَّ مَعۡرِفَتِکَ بِحَسۡبِہٖ
یعنی اے اللہ ہم میں کوئی بھی تیری معرفت کو تیرے اعتبار سے اور تیری حقیقتِ کُنہ ذاتیہ
کے مطابق کچھ بھی نہیں جانتے پہچانتے نہ ہم میں اِس معرفتِ ذاتِ حق تعالیٰ کی طاقت ہے
نہ ہوسکتی ہے۔ لیکن ہم اپنی علمی فکری بصیرت کے مطابق حقِ معرفت حاصل کرلیتے ہیں۔ اس

معرفت کا خزانۂ تامہ کلیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا اور اُسی آستانۂ تقسیمِ نعمت سے ہر شخص کی قوتِ مقدور کے مطابق حصۂ معرفت تقسیم ہو رہا ہے یہ معرفت سب سے زیادہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو حاصل پھر صحابہ کرام کو پھر تابعین کو پھر تبع تابعین کو پھر اولیا و علما، صُلحا کو مگر یہ سب کچھ جزئیۃً ہے کُلیۃً معرفۃِ ذات اور کُنہ حقیقت کسی کو بھی حاصل نہیں انبیا علیہم السلام کو بھی درجہ بدرجہ۔ اس معرفت کا مخزن ذاتِ مصطفیٰ ہے جس کو اس آستانے سے جتنا قرب زیادہ اتنا معرفتِ الٰہیہ کا حصہ زیادہ کُلیۃً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہیں، اس کی وجہ یہ کہ کائنات میں وجود چودہ ۱۴ قسم کے ہیں ۱ وجودِ واجب ۲ وجودِ ممکن ۳ وجود مجرد عَنِ الْمَاھِیَۃ ۴ وجود المجردات ۵ وجودُ الاَجسام ۶ وجود مَعَ الْمَاھِیۃ یعنی وجود ماہیت سے ملا ہوا ہو ۷ وجودِ معروضہ بِالْمَاھِیَۃ، یعنی ماہیت وجود کو عارضی ہو ۸ وجودِ مرکب یعنی وجود ماہیت اور لوازمات مخلوط ہوں ۹ وجودِ جنسی ۱۰ وجود حقیقی ۱۱ وجودِ نوعی ۱۲ وجودِ فصلی ۱۳ وجود نظری ۱۴ وجود بدیہی۔ ماہیت کا معنیٰ ہے شخصیت ہر شخصیت کو پہچاننے کے لیے چودہ طریقے ہیں ۱ یا اُس کو اُس کی جنس سے پہچانا جاتا ہے ۲ یا اُس کی نوع سے ۳ یا اُس کی فصل سے ۴ یا اُس کی جنسِ قریب سے ۵ یا اُس کی جنسِ بعید سے ۶ یا اُس کی فصلِ قریب سے ۷ یا اُس کی فصلِ بعید سے ۸ یا اُس کی نظریت سے ۹ یا اُس کی بدیہیت سے ۱۰ یا اُس کی جزئیت سے ۱۱ یا اُس کے حدود اربعہ سے ۱۲ یا اُس کی اِنّیۃ سے یا لمیت سے یعنی علت دیکھ کر معلول کا اور معلول دیکھ کر علت کا پتہ لگ جانا۔ جیسے آگ اور دھواں کہ آگ دیکھ کر دھوئیں کا پتہ لگ جاتا ہے دھواں نظر آئے یا نہ آئے آگ علت ہے دھواں معلول یہ انیت ہے اور دھواں دیکھ کر آگ کا پتہ لگ جانا آگ نظر آئے یا نہ آئے یہ لمیت ہے ۱۳ یا کسی شخصیت کو اُس کی حدِ تام یا حدِ ناقص سے جاننا پہچاننا وجود کی معرفت حاصل کرنا ۱۴ یا کسی وجود کی معرفت و پہچان اُس کی رسم تام یا رسم ناقص سے حاصل کرنا، خیال رہے کہ کسی کی صفات کا تعارف اُس کی ذات کے ذریعے کرانا یہ اُس کی حد ہے اور ذات کا تعارف صفات کے ذریعہ کرانا یہ رسم ہے مثلاً زید عالم ہے یہ زید کی حد ہے اور عالم زید ہے یہ زید کی رسم ہے غرضکہ ہر وجود کی معرفت کَمَا حَقُّہٗ صرف ان چودہ ذریعوں سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا کسی وجود کی حقِ معرفت کے مطابق معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس میں یہ چودہ چیزیں ہوں تب کامل معرفت حاصل ہو سکتی ہے یہ اشیا قید ہیں وجود کی۔ لیکن جو وجود مطلق ہو

اور جس کی ذات موجود للذات ہو کسی بھی قید سے مقید نہ ہو، نہ اُس کی ماہیت ہو نہ جنسِ قریب نہ بعید، نہ نوعِ قریب نہ بعید نہ فصل قریب نہ بعید نہ بدیہیت نہ نظریت نہ جزئیت نہ مرکبیت نہ حدود اربعہ نہ اینیت نہ لمیت نہ علت نہ معلول نہ حدِ تام نہ حدِ ناقص نہ رسمِ تام نہ رسمِ ناقص بھلا اُنکی معرفت حق معرفت کے مطابق کُلیۃً کس طرح حاصل ہو سکتی ہے، وجودِ باری تعالیٰ کی یہی شان ہے کہ وجود ذاتِ مطلق ہے کسی بھی قید سے مقید نہیں اسی لیے کسی کو بھی اُس کی معرفتِ کلیہ حاصل نہیں ہو سکتی معرفت کلیہ میں معرفہ کَمَا حَقُّہٗ اور حق قدرہٖ ہے ہاں البتہ اُس کی معرفتِ جزئیہ حاصل ہو جاتی ہے مگر حسبِ درجہ کسی کو تھوڑی کسی کو زیادہ، کسی کو سماعت سے کسی کو بصارت سے کسی کو تکلم سے کسی کو تشہد سے، کسی کو معرفت ملتی ہے اِسی حیاتِ دنیوی میں کسی کو اُس حیاتِ اُخروی میں، کسی کو شہودِ رویۃ سے کسی کو قلبی دولت سے، کسی کو قَابَ قَوْسَیْن پر بلا کر کسی کو طور پر جگا کر کسی کو معراج میں کسی کو خواب میں کسی کو ملکوت کے پردے میں کسی کو محبوب کے جلوے میں کسی کو نورِ قدسی کی تجلی میں کسی کو نورِ حقیقی کی ترقی میں اپنا اپنا حصہ ہے اپنا اپنا نصیب ہے کسی کو نار میں حصہ ملا کسی کو دار میں ملا کسی کو غار میں ملا۔ یہ رب تعالیٰ کی تقسیم ہے بندۂ اعلیٰ کی تقدیر ہے رب کی حکمت رب ہی جانتا ہے کیونکہ وہ ہی سبحان اللہ ہے جبارُ الملکوت ہے۔ قویُّ الذات ہے عزیزُ الوصف ہے اوہام اُس کا تصور نہیں کر سکتے افکار اُس کا تقدر نہیں کر سکتے۔ عقول اُس کا تمثل نہیں کر سکتے، زمانے اس کا ادراک نہیں کر سکتے جہتیں اُس کا احاطہ و گھیراؤ نہیں کر سکتیں۔ پیمانے اُس کی حدبندی نہیں کر سکتے وہ محمدیُّ الذات جامعیتِ الصفات ہے اپنے انتخابات میں مالکِ اختیار ہے۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اُسی حکمت و تقدیر کے فیصلے سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے انتخاب فرما کر چن لیا ہے فرشتوں میں رسول بنانے کے لیے اُن فرشتوں کا کام تدبیرِ عالم اور پیغام رسانی ہے اور چن لیا ہے کچھ انسانوں میں سے رسول بنانے کے لیے انتخاب و اصطفاء اللہ نے کیا رسلِ انسانی کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ عملی و قولی طریقے سے دیگر انسانوں تک احکامِ ربانی کی تبلیغ فرمائیں۔ ملائکہ کو رسولانِ قاصد بنایا اور انبیا کو رسولانِ حاکم بنایا۔ ملائکہ کو انبیا کے لیے اور انبیا کو انسانوں کے لیے رسول بنایا۔ رسالتِ ملائکہ ان کی فضیلتِ شان کا اعلیٰ مکان ہے اور رسالتِ بشری اُن کی فضیلتِ شان کا اعلیٰ مقام ہے۔ مگر اس فضیلتِ عطائی انعامی انتخابی کا یہ مفہوم نہیں کہ ملائکہ کو بناتُ اللہ اور انبیاء کو ابناءُ اللہ سمجھ لیا جائے اور اُن کو شریکِ اُلوہیت سمجھ کر اُن کی خیالی تصویریں پوجنی شروع کر دی جائیں اس فضیلت

سے کوئی فرشتہ یا کوئی نبی، رب تعالیٰ کا شریک نہ بن گیا ہاں البتہ رُسُلِ ملائکہ کو مکانِ اَعلیٰ مل گیا اور رُسُلِ انبیا کو مقامِ اَعلیٰ مل گیا کہ ملائکہ میں کسی کو عرش کسی کو سدرہ کسی کو بیتُ المعمور کسی کو بابِ جنت مل گیا، اور انبیا میں کسی کو صَفِی اللہ کسی کو نجیُّ اللہ کسی خلیلُ اللہ کسی کو ذبیحُ اللہ کسی کو کلیمُ اللہ کسی کو روحُ اللہ اور کسی کو حبیبُ اللہ بنا لیا گیا، اس انتخابِ رسالت سے کوئی شریک اللہ نہیں بن سکتا کیونکہ رب تعالیٰ رب کریم کا انتخاب حبیبُ اللہ بناتا ہے۔ فضلاءِ دیوبند علماءِ اہل سنت پر اتہام لگاتے ہیں کہ سُنی نبی کریم کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ اللہ کا شریک بنا دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط اور احمقانہ اتہام ہے، حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ تقریر میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم شانِ نبی بیان کر کے شریک نہیں بناتے حبیب بناتے ہیں شریک بنانے میں تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نقصان ہے کیونکہ شریک آدھے کا مالک ہوتا ہے حبیب پورے کا شریک بے اختیار ہوتا ہے حبیب با اختیار شریک ہر کام وہر چیز میں اجازت کا محتاج ہوتا ہے، حبیب بلا اجازت مختار ہوتا ہے شریک نہ کچھ توڑ سکے نہ کچھ موڑ سکے مگر حبیب چاند توڑ سکتا ہے سورج موڑ سکتا ہے بادل برسا سکتا ہے انگلیوں سے چشمے بہا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب حکیمانہ ہے جس پر کسی کو نہ سوال کا حق ہے نہ اعتراض کا نہ کفارِ مکہ ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کو یہ کہنے کا کچھ حق ہے کہ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا۔ کیا ہم سب رؤسائے عرب کے بیچ میں سے اسی عبد اللہ کے یتیم پر ہی کلامِ الٰہی اترنا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے اترنا تو ہم پر اترتا، رب تعالیٰ نے جواب فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۔ اے کافرو بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے تمہاری کفریہ گستاخانہ باتوں کو اور خوب دیکھنے والا ہے تمہارے شرکیہ اعمال کو۔ وہ رب تعالیٰ ہی سننے والا ہے ملائکہ کے ارسالِ کلام کو انبیاء علیہم السلام کی عملی تبلیغ کو دیکھنے والا ہے۔ وہی ہے سب موجودات کی سننے والا اور سب مخلوقات کو دیکھنے والا، یہ اس کی شانِ سماعت وقوتِ بصارت ہے اس کی کا علم بھی عام اور قدیم ہے اسی لیے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ جانتا ہے وہ ربِّ قدیر ہر اس حالت کیفیت کو جو مخلوق کے سامنے ہے اور جو مخلوق کی پیدائش وظہور ولادت سے پہلے ہے سمیع وبصیر شانِ خصوصی ہے يَعْلَمُ شانِ عمومی ہے علیم ہے اعمالِ اولین وآخرین کا جانتا ہے ظاہری اعمال باطنی نیات کو جانتا ہے

زمانہ حال کے مَا بَیْنَ کو اور ماضی و مستقبل کے مَا خَلْفَ کو جانتا ہے اپنے رسولوں
کی شان وحال کو بعد خلقت وما قبل خلقت والے، وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کفار کے دنیوی
اعتراضات کو اور اُخروی سزا کو جانتا ہے دنیا کے حالات وآخرت کے معاملات کو ان کو بھی
جانتا ہے جو کر چکے ہیں اور اُن کو بھی جو کریں گے وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ۔ اور اللہ تعالیٰ
کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سب معاملات نبوت وخلقت میں بھی دنیا وآخرت میں بھی ۔
اعمال واقوال بھی ضروریات وحالات بھی، دعا والے بھی سوال والے بھی محبوبیت ومقبولیت والے بھی
مردودیت وملعونیت والے بھی ملائکہ اور انبیاء علیہم السّلام کے کام محبوبیت والے ہیں
اولیا علما کے کام مقبولیت والے ہیں ۔
فاسقین وفاجرین کے کام مردودیت والے کفار ومنافقین کے کام ملعونیت والے ہیں
یہ سب ہی بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے والے ہیں تاکہ سب کی جزا وسزا ہو۔ کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ
مالکِ اُمور اور خالقِ اُمور ہے ۔ اُس کے سوا نہ کوئی ذاتاً مالک نہ استقلالاً نہ اشتراکاً
انتخابِ رسالت کا کام بھی اُسی کے ذمۂ کرم وحکمت پر ہے وہی ہر معاملے کو جانتا ہے
اور تمام اُمور کا فاعل ہے بالواسطہ بھی بلا واسطہ بھی، وہ سمیع وبصیر ہے۔ کیونکہ اسکی
قوت تام ہے وہ ہی يَعْلَمُ مَا بَيْنَ وَمَا خَلْفَ ہے۔ کیونکہ اس کا علم
تام ہے اور اِلَيْهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ کی شان والا ہے کیونکہ اُس کی قدرت تام ہے انتخابِ
رسالت کا اختیار والا ہے کیونکہ اس کی حکمت تام ہے۔ قوت وقدرت وحکمت اُسی کی ذاتی
وقدیمی ہے۔ ابتدا اُس کی قدرت سے انتہا اُس کی حکمت سے ہے۔ لہٰذا اے کافر و کفر
سے اے فاسق و فسق سے اور اے ظالمو ظلم سے آج دنیا میں ہی بچ جاؤ۔ اور يَآ أَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۔ اے وہ خوش قسمت لوگو جو اقرارِ لسانی اور تصدیقِ قلبی سے ایمان لے
آئے اب تاعمر اعمالِ صالحہ سے اپنے ایمان کو ظاہر ومزین کرتے رہو اوّلاً: پنجوقتہ
نماز جاری کرو جس کے قیام میں رکوع کرو اور قعود میں سجدے کرتے رہو۔ یہی ہر
نماز وقتی کے بڑے ارکان میں سے ہیں اور باقی ارکان سے اصل نماز اور افضل ہیں
کیونکہ دیگر ارکان کبھی کسی عارضے سے ختم بھی ہو جاتے ہیں مگر رکوع وسجود پنجوقتہ
کسی بھی نماز میں ختم نہیں ہوتے کسی نہ کسی متبادل شکل میں موجود رہتے ہیں نہ تندرست کی

قیامی نماز میں نہ بیمار کی قعودی نماز میں نہ معذور کی استراحی نماز میں۔ جب کہ بیمار کی قعودی نماز میں قیام ختم اور معاف ہو جاتا ہے اور اپاہج معذور کی نماز میں قعود و قعدہ معاف ہو جاتا ہے مگر رکوع و سجود کسی حالت کی نماز میں کبھی معاف نہیں ہوتے اسی لیے نماز فرضی واجبی نفلی میں چار ارکان اصلی نماز ہیں ۱۔ قیام ۲۔ رکوع ۳۔ سجدہ ۴۔ قعدہ۔ اس میں بھی اصل اصول رکوع سجدہ ہیں اسی لیے اس آیتِ پاک میں اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا فرما کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں نماز کا حکم دیتے ہوئے صرف اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا اس لیے فرمایا گیا کہ شروع اسلام میں مسلمان کسی نماز میں فقط رکوع کر لیا کرتے تھے اور کسی نماز میں فقط سجدے اور اس وقت سجدہ رکوع مستحباتِ نماز میں سے تھے۔ بعد میں اس آیتِ پاک نے ان کے استحباب کو منسوخ فرما کر رکوع سجود کو ہر نماز میں فرض قرار دیا۔ مگر یہ قول قطعاً غلط اور کذب بیانی ہے تین وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ اسلام کے کسی دور میں بھی نماز کا رکوع سجدہ مستحب نہ ہوا یہ بات نہ حدیثِ پاک سے ثابت نہ کسی تاریخ سے تفسیر روح المعانی نے بھی اس قول کو غلط اور مردود قرار دیتے ہوئے لکھا ہے لَمْ نَرَهُ فِي أَثَرٍ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ وَتَوَقَّفَ فِيهِ صَاحِبُ الْمَوَاهِبِ وَذَكَرَهُ الْعَرَاقِيُّ بِلَا سَنَدٍ۔ یعنی یہ سب قول اس لیے غلط ہے کہ ہم نے اس کے ثبوت میں کوئی روایت کسی بھی کتاب میں ایسی نہ دیکھی جس پر اعتماد کیا جا سکتا۔ صاحبِ مواہب نے بھی یہاں خاموشی اختیار کی فرا عراقی نے اس کا ذکر تو کیا ہے مگر بغیر سند کے جس سے ثابت ہوا کہ یہ قول بیہودہ بناوٹی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ رکوع و سجدہ نماز کے وہ رکنِ عظیم ہیں جو شریعتِ آدم سے تا شریعتِ عیسیٰ ہر دین ہر شریعت کی نماز میں فرض ہی رہے نہ کبھی مستحب نہ کبھی اختیاری غیر ضروری کیونکہ اصل عبادت تو رکوع و سجدہ ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے حدیثِ پاک میں نماز کو معراجِ مومن کہا گیا۔ اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ راز تفسیر روح البیان یہی آیت) اور یہ قانونِ کلیہ ثبوتیہ ہے کہ نماز ہر شریعت میں ایک ہی طریقہ پر رہی چنانچہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۴۳ میں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا گیا۔ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ یعنی اے مریم سجدہ اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کی مثل اور سورۃ صٓ کی آیت ۲۴ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام نے استغفار پڑھی اور جھک گئے رکوع میں اور فریاد میں گڑگڑائے یہ سورۃ و آیت مکی ہیں

میں نازل ہوئی اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۵ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا ذکر ہے وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ اسی طرح سورۃ حج کی آیت ۲۶ میں ہے کہ ہم نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے وعدہ لیا کہ ہمیشہ پاک رکھیں میرے گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع کرنے والوں سجدہ کرنے والوں کے لیے ان آیات سے ثابت ہو رہا ہے کہ رکوع وسجدہ ہر شریعت میں واجب اور موجود رہا کیونکہ رکوع سجدے کا حکم دیا جانا کہ کرو اس کو واجب ہی ثابت کر رہا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ کسی صحابی نے کبھی کسی نماز میں نہ رکوع چھوڑا نہ سجدہ نہ کہیں یہ مذکور یا ثابت ہے۔ بلکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۴۳ سے تو یہی ثابت ہو رہا ہے کہ شروع اسلام میں جب سے نماز فرض ہوئی رکوع کا حکم بھی دیا گیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ یعنی نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور ہمیشہ باجماعت رکوع کرو۔ اس آیت سے ایک تو رکوع کی فرضیت ابدی ثابت ہوئی دوم یہ ثابت ہوا کہ پوری نماز کو رکوع وسجدہ کہہ دیا جاتا ہے، تو یہاں آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے ایمان والو نمازیں ادا کرتے رہو وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ اور اپنے رب تعالیٰ کی دیگر عبادات روزہ حج زکوٰۃ صدقہ فطرانہ اطاعتِ اقوال نبی اور اتباع افعالِ نبی بھی کرتے رہو اور یہ تمام ارکان اعمال اپنے رب کی عبادت بنا کر کرو۔ افعال کو عبادت بنانے کی پانچ شرطیں ہیں۔ پہلی شرط۔ اللہ تعالیٰ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ماننا، دوم خلوص ہونا سوم عاجز ہونا چہارم خشوع خضوع اور اچھے طریقے تعلیم نبوت کے مطابق کرنا۔ پنجم وقت پر کرنا، اے مومنو یہ تو اداءِ حقوق اللہ کی عبادت ہے کہ ہر امر کو کرنا ہر ممانعت سے بچنا عبادتِ الٰہی ہے اسی کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہی اعمالِ صالحہ کا خلاصہ ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ۔ اور اے ایمان والو ہر وقت ہر انسان کے ساتھ ہر قسم کا خیر وعافیت کا معاملہ کرو کہ فطرتاً۔ مذہباً۔ عادتاً۔ عبادتاً۔ اخلاقاً۔ طبیعتاً، ہر طرح خیر ہی ہو۔ خیال رہے کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے دینی دنیوی ہر کام کو مسلمان کے لیے عبادت بنا دیا جس سے مسلمان کا ہر کام ہی خیر ہو گیا۔ یہ خوبی دنیا کے اور کسی بھی موجودہ دین میں نہیں۔ یہ ہی سب مسلمانوں کا حکم ہے کہ اے ایمان والو تم پوری زندگی خیر وعبادت

کے ہی کام کرو۔ امارت ہو یا عدالت، تجارت ہو یا عبادت۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم خوشنودی دنیا و آخرت کی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور مولیٰ تعالیٰ تم کو اپنے فضل وکرم سے جنت بخشدے، افعالِ خیر چار چیزیں ہیں ۱ ہر نیکی ۲ ہر معروف ۳ ہر صدقہ ۴ ہر حُسنِ اخلاق۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ کے معنیٰ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے مَا عَرَفُوا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے مَا عَظَّمُوا ۳ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے مَا وَصَفُوا۔ مگر یہ تینوں قول غلط ہیں جس کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی کہ یہ تینوں کام ناممکن اور مشکل ہیں انسانی طاقت سے باہر اسی لیے رب تعالیٰ نے ان تینوں کا کہیں ذکر نہ فرمایا نہ کسی کو اس کا مکلّف کیا صحیح قول یہی ہے کہ مَا قَدَرُوا اپنے ہی معنیٰ میں ہے یہ آسان ہے ہر انسان اس کا مکلّف کیا گیا۔ جو رب تعالیٰ کی قدر اس کے حقِ قدر کے مطابق نہ کرے اس کو سزا ہے۔ اسی لیے یہاں صرف کفار سے اس کی نفی کی گئی نہ کہ مسلمانوں سے سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ کے معنیٰ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے تمام ظاہری باطنی، جہری سری مسموعات وملفوظات کو سننے والا اور مبصرات کو دیکھنے والا ۲ بعض نے کہا، سمیع وبصیر ہونا کنایہ ہے ہر چیز کے علم تام کا یعنی اللہ کا علم ہر چیز پر تام ہے یَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ کے معنیٰ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ بَیْنَ اور خلف کا معنیٰ ہے زمانہ ماضی حال مستقبل ۲ بعض نے کہا بَيْنَ اَيْدِيْ کا معنیٰ ہے اعمالِ بندگان کی ابتدا اور خَلْفَهُمْ کا معنیٰ ہے اعمال کی انتہا۔ کیونکہ اعمال کی ابتدا و انتہا کا تعلق نیات سے ہے جس کو جاننا صرف رب تعالیٰ کی ہی شانِ قدرت ہے خود بندہ بھی اپنے اعمال کی اگلی نیات کو نہیں جانتا اس لیے کہ کیفیات وحالات کے بدلنے سے نیات بدلتی ہیں۔ اور کوئی عام بندہ مستقبل کے حالات کی تبدیلی کو پیشگی نہیں جانتا ۳ بعض نے کہا کہ مَا بَيْنَ کا معنیٰ پیدائش کے بعد کے حالات کو جاننا اور مَا خَلْفَ کا معنیٰ ہے پیدائش سے پہلے کے حالات کو جاننا۔ تینوں قول درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر وقت ہر طرح جانتا ہے تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کے تعلق میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس پورے جملے کا تعلق۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ (الخ) سے ہے۔ یعنی اللہ کی طرف ہی لوٹائے جانے میں وہ تمام امور جو انتخاب رسالت سے پہلے ہیں یا انتخاب کے وقت

یا بعد میں ۲ بعض نے کہا اس کا تعلق یَعْلَمُ سے ہے۔ یعنی چونکہ رب تعالیٰ ہی سب کو جانتا ہے اس لیے سب کے سب امور اُس کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۳ بعض نے کہا کہ اس کا تعلق علم الٰہی سے ہے، اور تُرْجَعُ کا معنیٰ ہے کہ سب امور نسبتِ مخلوقیت میں اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں کیونکہ وہی تمام اُمور کا خالق ہے اور جو خالق ہو وہی اُمور کو جانتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد تمام مکلّفین اُمتِ دعوت ہے مومن ہوں یا کافر۔ مگر یہ قول قطعًا غلط ہے کیونکہ اصطلاحِ قرآنی کے خلاف ہے ۲ بعض نے کہا اس سے مراد صرف اُمتِ اجابت ہے جو لوگ تبلیغ نبوت قبول کر کے مومن بن جانے والے ہیں قول درست ہے اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا میں تین قول ۱ بعض نے کہا رکوع سجود سے مراد ہے پوری نماز کا مجموعہ بغیر کسی رکن کے افضل و مفضول ہونے کے، اور ارکانِ نماز میں کوئی رکن کسی دوسرے رکن سے افضل نہیں فضیلت میں سب برابر ۲ بعض نے کہا کہ اِرْكَعُوْا کا معنیٰ ہے خضوع خشوع کرو اور وَاسْجُدُوْا کا معنیٰ ہے کہ زمین تک جھک جاؤ عاجزی کرتے ہوئے ۳ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے۔ اب نماز میں رکوع بھی کیا کرو اور سجدہ بھی کیونکہ اب یہ دونوں نماز میں فرض کر دیئے گئے پہلے فرض نہ تھے۔ صحابہ کرام نماز میں رکوع چھوڑ دیتے کبھی سجدہ۔ مگر یہ قول قطعًا غلط و بے ثبوت ہے۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد تمام دینی دنیوی اچھے کام ہیں۔ علی الترتیب اس طرح تذکرہ فرمایا گیا کہ اوّلاً اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا میں نماز کا حکم دیا گیا پھر وَاعْبُدُوْا میں دیگر فرض عبادات کا حکم پھر وَافْعَلُوا الْخَيْرَ میں عام اچھے اعمال کا حکم دیا گیا۔ اس ترتیبِ شریعت سے مومن مسلمان کی پوری زندگی عبادت کے ہمہ وقتی گھیرے میں ہو کر حیاتِ طیّبہ ہو گئی ۲ بعض نے کہا کہ اس خیر سے مراد صرف نفلی عبادت ہے ۳ بعض نے کہا اس خیر سے مراد صلہ رحمی اور اچھے اخلاق ہیں تینوں قول درست ہیں کیونکہ یہ سب کچھ خیر ہی ہے لَعَلَّكُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ لَعَلَّ اُمید کے لیے ہے بمعنیٰ شاید ۲ بعض نے کہا یہ تعلیل کے لیے ہے بمعنیٰ تاکہ یہی قول درست ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ سورۃ حج کی یہ چار آیتیں اپنی جامعیت میں اتنی عظیم الشان ہیں کہ ان میں پوری اسلامی زندگی اور تمام خیر و سعادت کا نقشہ بیان فرما دیا گیا۔ اس طرح کہ پہلے فرمایا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ

اس میں الٰہیات و توحید ربانی کا ذکر ہوا پھر اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ میں ملائکہ پر ایمان لانے کا صحیح طریقۂ اسلامی بتایا گیا کہ نہ ملائکہ کی شان و وجود کا انکار کرو نہ ان کو اللہ کا بھی شریک الٰہ بنات اللہ سمجھو، پھر وَمِنَ النَّاسِ فرما کر نبوت و رسالت پر صحیح اور سچا پکا ایمان لانے کا طریقہ و اسلامی حکم کا بیان ہوا کہ ملائکہ کو رسولانِ قاصد سمجھا جائے اور انبیا علیہم السّلام کو رسولانِ حاکم سمجھا جائے اسی لیے ملائکہ کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور انبیا کا ذکر بعد میں اس ترتیب نے بتایا کہ ملائکہ واسطہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السّلام کے درمیان اور انبیاء واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان انبیا علیہم السّلام کی انسانوں پر حاکمیت سے ہی مقصدِ رسالت حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ نبوت کی اطاعت و اتباع کا حکم ہے اور اتباع و اطاعت حاکم با اختیار کی کی جاتی ہے، پھر فرمایا گیا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ اس میں قوانینِ اسلامیہ کا ذکر فرمایا اور بتایا گیا کہ شریعت اسلامیہ کے تمام امور و احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں، پھر احکام شریعت کی تقسیم فرماتے ہوئے چار چیزیں بیان فرمائیں۔ پہلے یہ کہ ہر مسلمان پر شریعت میں اتنے حقوق واجب ہیں یعنی امورِ شریعت کی تعیین، دوم شریعت کے مَاْمُوْرٌ بِہٖ جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ اتنے ہیں، سوم یہ کہ کس حکم اور کس وجہ سے ان امور کے قبول کرتے ماننے کو واجب کیا گیا، چہارم وجوبِ ادائیگی حقوق پر تاکید فرمائی پھر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرما کر ان بندوں کی تعیین فرمائی جن پر یہ حقوق واجب ہیں وہ صرف مسلمان ہیں اس لیے کہ وہی جنتی ہیں انھیں کے لیے فرمایا گیا هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ان ہی کا نام هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ فرما کر مسلمان رکھا گیا اور ان ہی کو وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کی شان و اعزاز بخشا۔ یہ سب شانیں صرف مومنین کی ہیں، پھر مامور بہ حقوق بیان فرماتے ہوئے پہلے حقوق اللہ بیان کئے گئے ان میں اَوَّلًا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کا ذکر فرما کر نماز کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ دو رکن پوری نماز کے قائم مقام ہیں، پھر عام مالی بدنی وقتی عبادات کے لیے فرمایا گیا۔ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ۔ اس کی عمومیت میں تمام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شامل پھر حقوق العباد کا ذکر فرمایا گیا وَافْعَلُوا الْخَیْرَ۔ اس میں حقوق العباد کی تمام بھلائیاں شامل ہیں، پھر اسلام کے دینی دنیوی فائدوں کا ذکر فرمایا گیا کہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی صرف دین اسلام میں ہی دین دنیا آخرت کی تمام کامیابیاں ہیں۔ اور اسلام نے ہی سارے جہان کی بھلائیاں انسانوں کو عطا فرمائیں۔ یہ فائدہ ان آیات کی جامعیت اور ترتیب و تقسیم و تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس ترتیب کا ماحصل یہ کہ اے بندو

رب تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا۔ اس سے بھی عام ہر عبادت کا حکم دیا۔ اس سے بھی عام ہر ایک سے ہر قسم کی بھلائی کرنے کا حکم دیا تاکہ دنیا والے جان لیں کہ صرف مسلمانوں کے پاس ہی خیر و بھلائی ہے کفار کے پاس صرف برائی اور شر ہی ہے۔ اگر کفار کوئی بھلائی کریں بھی تو وہ تعلیم اسلام سے ہی لی گئی ہے اور اگر مسلمان کوئی برائی کرے تو وہ کفر کی صحبتِ بد کا نتیجہ ہے۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی کسی قدرت قوت، حکمت کا انکار یا اعتراض یا برائی کرنا بھی مَا قَدَرُوا اللّٰهَ کی احسان فراموشی ہے اور علامتِ کفر ہے یہ فائدہ یہاں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ (الخ) فرمانے اور سورۃ انعام کی آیت ۹۱ میں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں شرک کرنے والوں کو مَا قَدَرُوا اللّٰهَ فرمایا گیا۔ اور وہاں نزولِ وحی کے انکار کرنے والوں کو مَا قَدَرُوا اللّٰهَ فرمایا گیا یہ قوتِ الٰہیہ کا انکار ہے اور وہ حکمتِ الٰہیہ کا انکار ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی موسم کسی زمانے یا کسی کی شکل و صورت کو برا کہے۔ سردی ہو یا گرمی، انسان ہو یا حیوان یہ سب رب تعالیٰ کی قدرتِ صناعی ہے، کسی چیز پر اعتراض بنانے والے کی برائی ہوتی ہے۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ امام اعظم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان اتنا بیمار ہو یا دشمن نے اتنا جکڑا ہوا کہ وہ سر کے اشارے سے بھی رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ اس وقت نماز نہ پڑھے بعد میں قادر ہوتے پر نماز قضا کرے جب رکوع سجدہ سر کے اشارے سے کر سکے۔ پلکوں یا بھووں کے اشارے یا فقط دل کے ارادے سے سجدہ رکوع جائز نہیں ہے اور بغیر رکوع سجدہ نماز ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں رکن نماز کے سب سے بڑے اور اصل اصول ہیں۔ یہ مسئلہ اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا۔ فرما کر پوری نماز مراد لینے کے مفہوم سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ نماز میں چار ارکان اور نو اذکار ہیں ۱ قیام ۲ قعود ۳ رکوع ۴ سجود یہ چار رکن ہیں اور ۱ تکبیر ۲ ثنا ۳ تلاوت ۴ تسبیح ۵ تشہد ۶ درودِ ابراہیمی ۷ دعا ۸ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ۹ سلام پھیرنا۔ دوسرا مسئلہ امام اعظم اور امام مالک کے مسلک میں سورۃ حج کے اندر صرف ایک ہی سجدۂ تلاوت ہے وہ آیت ۱۸ میں ہے بعض اقوال کے مطابق امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور آپ نے اپنے پہلے مسلک سے رجوع فرمالیا تھا، لیکن امام شافعی کے نزدیک سورۂ حج میں دو سجدے ہیں۔ ایک سجدہ آیت ۱۸ میں دوسرا سجدہ آیت ۷۷ میں

یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا کے الفاظ پر۔ امام اعظم اور امام مالک فرماتے ہیں یہ سجدہ تلاوت کا نہیں بلکہ نماز کا ہے اور یہاں نماز کا حکم دیا جا رہا ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت کا حنفی مالکی مسلک میں یہ مسئلہ یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا (الخ) سے مستنبط ہوا اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں چودہ سجدۂ تلاوت مذکور ہیں مگر کسی بھی سجدے کے ساتھ رکوع کا ذکر نہیں ہے رکوع کا ذکر صرف نماز کے سجدے کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسے کہ سورۃ آلِ عمران میں گزرا ثابت ہوا کہ یہ سجدہ بوجہ رکوع کے ساتھ ہونے کے تلاوت کا نہیں ہو سکتا یہ حنفی دلیل بجدہ تعالیٰ اتنی مضبوط ہے کہ اس کو کوئی شوافع آج تک توڑ نہیں سکا۔ امام شافعی کی اپنے مسلک پر تین دلیلیں ہیں مگر اتنی کمزور کہ طالب علم بھی توڑ کر رکھ دے۔ پہلی دلیل۔ عقبہ بن عامر کی وہ روایت جس کو ترمذی، مسند احمد، ابو داؤد، دار قطنی، بیہقی۔ اور مستدرک حاکم نے روایت کیا۔ دوسری دلیل۔ ابو داؤد کے الفاظ ہیں۔ عَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ فُضِّلَتْ سُوْرَۃُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَیْنِ۔ لیکن باقی کتب نے اسی روایت کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے۔ عَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفُضِّلَتْ سُوْرَۃُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَیْنِ قَالَ نَعَمْ تیسری دلیل عمرو ابن عاص کی وہ روایت جس کو ابو داؤد، ابن ماجہ دار قطنی اور حاکم نے روایت فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو سجدۂ تلاوت کی پندرہ آیتیں سکھائیں جن میں تین سجدے قرآنِ مجید کے حصہ مفصل میں ہیں اور دو سجدے سورۃ حج میں ہیں، صرف یہی تین روایتیں جو دراصل دو ہیں مسلک امام شافعی کی دلیل ہیں، حنفی علما ان کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ اوّلاً تو یہ سجدتین والی دونوں روایتیں شوافع کے اس مسلک کی دلیلیں بن سکتی ہی نہیں کیونکہ ان روایتوں میں سجدتین یعنی دو سجدوں کا ذکر تو ہے مگر یہ وضاحت نہیں کہ دونوں سجدے تلاوت کے ہیں، تفسیر ابن عباس نے فرمایا اور اس کی شرح اس طرح کی کہ۔ اَلْاُوْلٰی عَزْمَۃٌ وَالْاٰخِرَۃُ تَعْلِیْمٌ۔ یعنی واقعی سورۃ حج میں دو سجدے ہیں مگر پہلا عزمۃ ولزوم کا ہے یعنی تلاوت کا سجدہ عزمۃ کا معنیٰ ہے واجب سجدہ، اور دوسرا سجدہ تلاوت کا نہیں بلکہ تعلیم کا ہے یعنی نماز سکھانے کا دوسری وجہ یہ کہ عقبہ ابن عامر کی دو نور روایتوں کو ترمذی نے ضعیف فرمایا اور فرمایا کہ سَنَدُہٗ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ۔ اس کی سند قوی نہیں۔ ابن جوزی نے وضاحت فرمائی کہ اس روایت کی سند میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے۔ مستدرک نے ضعیف ہونے کی وضاحت

فرمائی کہ ابن لُھَیعہ صَدوق ہے یعنی کمزور حافظے والا اور آخری عمر میں تو بالکل ہی حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ اور اس میں دوسرا راوی ابو المصعب بصری ہے یہ یہودی تھا پھر نو مسلم تبع تابعی بنا اور حجاج بن یوسف کا فوجی دشیر تھا۔ کعبہ معظمہ پر پتھر برسانے والوں میں یہ ظالم پیش پیش تھا۔ (از کتب اسماء الرجال) تیسری روایت کی حالت یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن منین کلالی ہے یہ مجہول العقل تھا یعنی غبی کند ذہن۔ دوسرا راوی حارث بن سعید تقی مصری ہے۔ اس کا کسی محدث کو کوئی تعارف ہی نہیں کہ کون ہے (از تفسیر مظہری) اب غور کرو کہ اتنی کمزور بنیادوں پر اپنا مسلک بنانا کہاں تک درست ہے نیز حیران کن بات یہ ہے کہ امام شافعی سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں مانتے بلکہ سنت کہتے ہیں حالانکہ ارْكَعُوا ۔ وَاسْجُدُوا ۔ دونوں امر وجوب کے لیے ہیں خود امام شافعی بھی یہاں ارْكَعُوا کو وجوب کے لیے مانتے ہیں اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی نے یہ مسلک بناتے وقت تدبر سے کام نہیں لیا اور بلا سوچے سمجھے تنہائی ضعیف روایتوں کو دیکھ کر غلط مسلک بنا بیٹھے۔ انہی کمزوریوں کی بنا پر خود شوافع مفسرین اس آیت میں اس سجدے کو نماز کا سجدہ قرار دیتے ہیں۔ اور بیک وقت ایک آیت دو قسم کے سجدے تو ثابت کر نہیں سکتی۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی شافعی نے لکھا۔ ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا اَىْ صَلُّوْا یعنی اس آیت کا معنی ہے اپنی نماز میں رکوع سجدہ کرو۔ اور تفسیر خازن شافعی نے لکھا۔ ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا اَىْ صَلُّوا لِاَنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَكُوْنُ اِلَّا بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ یعنی اس آیت میں ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا کا معنی ہے نماز پڑھو، کیونکہ نماز بغیر رکوع سجدے کے ہوتی ہی نہیں۔ اور تفسیر تنویر المقباس شافعی نے لکھا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا فِى صَلٰوتِكُمْ ان تمام تفاسیر سے ثابت ہوا کہ امام شافعی کے مسلک پر خود ان کے مقلدین شوافع علما کو بھی اعتماد نہیں وہ سب بھی اس سجدے کو نماز کا سجدہ مانتے ہیں نہ کہ تلاوت کا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا مِنْ تبعیضیہ سے ثابت ہوا کہ سارے ملائکہ رسول نہیں بنائے گئے بلکہ بعض ملائکہ رسول ہیں لیکن سورۂ فاطر کی پہلی آیت میں ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔ یہاں صرف مَلٰٓئِكَہ ہے مِنْ تبعیضیہ نہیں ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے

کہ تمام فرشتے رسول بنائے گئے اس کی کیا وجہ بتایا جائے کہ کیا کچھ فرشتے رسول ہیں یا سب
جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں، بعض نے فرمایا کہ تمام ملائکہ ہی رسول ہیں مگر ان
کے تین گروہ ہیں۔ کچھ فرشتے وہ رسول ہیں جو صرف انبیاء کرام علیہم السّلام سے رابطہ رکھتے
ہیں یعنی انبیاءِ کرام کے پاس پیغامات کلماتِ الٰہی لانے کے لیے اور انبیاءِ کرام کی دعائیں
عرض و معروض رب تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جانے کے لیے مامور ہیں ان رُسُلِ ملائکہ کا نام
جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہمُ السّلام ہے۔ دوسرا گروہ رُسُلِ ملائکہ کی وہ جماعت
جن کو مدبّرات امر کہا جاتا ہے یہ فرشتے نظامِ عالم کے لیے مقرر کردہ رسول ہیں، تیسرا
گروہ ملائکہ کی اُس جماعت کا جو دیگر ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں ان
سے مدبرات فرشتے بھی پیغام لیتے ہیں باقی ملائکہ رسولان زیارت، سیاحت، صاحب عبادت
کُل وقتی ہیں۔ مدبّراتِ اَمر کے ذمے زمین آسمان جنت دوزخ کے انتظامات ہیں، یہی
گروہ سوم ملائکہ کی اور تمام دنیوی مخلوق کی عرض و معروض بارگاہِ الٰہی تک پہنچاتے ہیں اس
آیت میں ملائکہ کے صرف پہلے گروہ کا ذکر ہے وہ چونکہ بعض ہی ہیں اس لیے یہاں مِنْ
تبعیضیہ ارشاد ہوا اور سورۂ فاطر کی مذکورہ آیت میں تینوں گروہوں کا ذکر ہے اس
لیے وہاں مِنْ بعضیت کا نہیں آیا اور تمام فرشتے مراد لیے گئے، دوسرا جواب بعض
بزرگوں نے یہ جواب دیا کہ رُسُلِ ملائکہ رُسُلِ انسانی کے مثل ہیں نہ تمام انسان رسول ہیں
نہ تمام فرشتے رسول ہیں۔ انسانوں میں بھی بعض رسول ہیں فرشتوں میں بھی بعض، سورۃ فاطر میں
مِنْ نہ لانے سے کلیت ثابت نہیں ہوتی لیکن مِنْ بعضیت کا لانے سے بعضیت ثابت
ہو جاتی ہے گویا یہ آیت اُس آیت کی تفسیر ہے۔ پہلا جواب درست ہے اور تمام
ملائکہ ہی رسول ہیں اسی لیے سب کو معصوم بنایا گیا نبی اور رسول کے لیے معصوم ہونا
شرط لازمی ہے نبی رسول کے علاوہ کوئی مخلوق معصوم نہیں اور لفظ علیہ السّلام کا مطلب
صرف معصومین کے لیے مقرر ہے اسی لیے تمام فرشتوں کو علیہ السّلام کہنا جائز ہے
دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ (الخ) اور سورۃ زمر کی
آیت ۴ میں ارشاد ہوا۔ لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ
یعنی اگر اللہ تعالیٰ اولاد بنانے کا ارادہ فرماتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کا چاہتا اصطفا
فرما لیتا اولاد بنا لیتا۔ اپنی اولاد کے لیے چن لیتا۔ یہاں اس آیت میں اصطفا اور چناؤ

کا ذکر ہے کہ اللہ نے فرشتوں اور انسانوں میں سے چن لیے تو ثابت ہوا کہ رب نے اولاد کا چناؤ فرمایا ہے کیونکہ اولاد موقوف ہے اصطفا پر اور اصطفا ہو چکا تو اولاد بھی ثابت ہو گئی اور وہ فرشتے بیٹیاں ہیں اور عزیر و مسیح بیٹے ہیں (مشرکین و یہودی عیسائی)

جواب یہ اعتراض قطعاً حماقت اور غلط ہے اس لیے کہ سورۃ زمر کی آیت مذکورہ نے بتایا کہ ہر اولاد اصطفا اور چننے منتخب کرنے سے ہی ہوگی اور چنا منتخب کرنا ارادے سے ہی ہوگا مگر یہ نہیں بتایا کہ چنا اصطفا فرمانا ہی اولاد ہو جاے یعنی یہ کہ ہر اولاد اصطفا ہے لیکن ہر اصطفا و انتخاب اولاد نہیں۔ اس آیت اور اس آیت زمر کے مضمون میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اصطفا و اجتبا بہت سی قسم کے ہیں۔ اسی آیت میں رُسُلًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ اصطفا و انتخاب رسول بنانے کا ہے نہ کہ اولاد بنانے کا۔ اتنی عام فہم بات میں جہالت کے ایسے اعتراض حیران کن ہیں۔ اندھی عقل والے ہی ایسے اعتراض کر سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

اور نہ قدر جانی اُن فاسقانِ باطلانہ اور فاجرانِ زمانہ و گناہگارانِ باغیانہ نے اپنے خالق، مالک رازق اللہ کی جو رحیم کریم شفیق مُنعم و مُعطی بھی ہے۔ احسان مندی فرمانبرداری کے حق کے مطابق حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اُس کے ازلی ابدی احسانات یاد کر کے ذکرِ الٰہی تسبیح کبریائی کے رکوع میں جھکے رہتے۔ شکر کے سجدے کرتے اطاعتِ نبوت و اتباعِ رسالت کی بہاریں پھیلا دیتے سیرتُ النبی کے گلزار لگا دیتے اور صورتُ النبی کے غنچے کھلا دیتے۔ اے فسق و فجور بدمعاشی فحاشی میں مبتلا لوگو، کیا تم پر تمہارے رب تعالیٰ کا یہ احسان کچھ کم ہے کہ عالَمِ ارواح کی تمام روحوں میں سے تمہاری روحوں کو اپنے محبوب کی اُمت اور اپنی باکمال ملت اور لازوال جنت کے لیے چُن لیا تمہارے لیے یہ وہ عظیم انعام و انتخاب ہے جس کے لیے نہ تم نے خود دعا کی تھی نہ کسی نے تمہارے لیے سفارش کی تھی حالانکہ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ قوی و قوت والا ہے اور سب پر غالب ہر تخلیق پر قادر ہے جیسا چاہتا تم کو بنا دیتا تم سے کہیں زیادہ خوبصورت، تندرست حسین و جمیل طویل و توانا عقل و دانش

نطق ولسان والے جہنم کا ایندھن بنا دئے گئے اور اہلِ نار بنے پھر رہے ہیں۔ اس خزانۂ ایمان کی عطا تو اُس ربِّ کریم رحیم کی تھی مگر دولتِ اعمال اور اس خزانے کی حفاظت تمہاری اپنی ذمے داری تھی اللہ تعالیٰ کا یہ انعامِ ایمان اور بندوں کی حیا ذات و اعمال یہ سب کچھ کلامِ الٰہی اور تعلیمِ مصطفائی و تبلیغِ نبوت ورسالت سے ملتا ہے۔ اس لیے اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کی حفاظت اور اعمال کی سعادت کے لیے چن لیتا ہے فرشتوں میں سے بعض کو رسول بنانے کے لیے کلامِ الٰہی لانے کے واسطے اور بعض انسانوں کو رسول بنانے کے لیے کلام سنانے کے واسطے ملائکہ کی رسالت انبیا تک انبیاء کی رسالت انسانوں تک تاکہ انبیاءِ کرام بندوں کو ہدایتِ اعمال کرامت اقدار دے کر ایمان کا خزانہ دیکر کلامُ اللہ سنائیں بتائیں سمجھائیں اور اعمال کی دولت عبادت دے کر عابد زاہد عارف بنائیں اور عشق ومعرفت کی راہ پر چلائیں۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ طلب کی سننے والا ہے۔ مقربینِ منزل کو دیکھنے والا ہے رجا تا ہے وہ اللہ تعالیٰ شریعت کی جلوت میں چلنے والے بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ کو اور طریقت کی خلوت میں بیٹھنے والے مَا خَلْفَهُمْ کو جانتا ہے شریعت کی محنت والوں کو طریقت کی مشقّت والوں کو، اور بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمام معاملات ظاہر وخفی، عبادت وریاضت خلوص وریا، خیر وشر، ابتداءُ انتہا، جبر وتا موت کے معانی وقلبی اعمال لوٹائے جاتے ہیں مشاہداتی ہوں یا تجرباتی۔ رب تعالیٰ کا علم ہی حق ہے اور حق ہی خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ وتعلق ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں طاقتِ بشریت وَرطۂ حیرت میں پھنس جاتی ہے صرف بندۂ حق ومریدِ برحق معرفت کے عجز کا اقرار کرتا ہے کہ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔ راہِ معرفت میں ولی کی معرفت مشکل ہے معرفتِ الٰہی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ معروف ہے اپنے کمال وجلال وجمال سے مگر ولی اللہ کا نہ اپنا کمال ظاہر نہ جلال نہ جمال۔ ظاہراً تو مثلِ عام بشر ہے کہ کھاتا پیتا بھی ہے صوم وصلوٰۃ بھی ہے۔ عطاءِ کبریا اور تقسیم مصطفیٰ سے اولیاءِ کاملین کو اصطفا اِجتبا اور اِختیار کی دو نسبیں ملتی ہیں۔ خلوصِ اشیا اصطفاءِ الٰہی ہے۔ صفائے اشیا اختیارِ عطائی ہے۔ خیریتِ باطن اجتباءِ کبریائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ سمیع ہے محتاج بندوں کی آواز کا عالَم وجود میں اور بصیر ہے مستحقینِ رسالت کا

عالتِ عدم میں۔ ان پرستارانِ دولت اور منکرینِ حقیقت نے اپنے مولیٰ تعالیٰ و علیٰ کی کرم
نوازیوں کو اُن کے حقِ معرفت کے مطابق نہ پہچانا کیونکہ انہوں نے مؤثرِ حقیقی کو چھوڑ کر
تاثیرات کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس طرح کہ بارش کو برجوں سے تقدیر کو
تدبیر سے، ستاروں کی تعظیم سے قسمت کو نجومیوں کے علم سے منسوب کر دیا اور
وجودِ غیر اللہ کو قائم و ثابت سمجھ لیا۔ عارفِ حقانی کی یہ شان و کیفیت نہیں ہوتی اس
لیے کہ ہر عارفِ ربانی صرف اُنہی صفاتِ ربانی کو پہچانتا ہے جو اُس ذاتِ کبریائی کی طرف
سے بذریعہ وجدانِ حقیقی پاتا ہے۔ اگر اہلِ غرور و نفور مؤثرِ حقیقی کی معرفت پا لیتے
تو ترکِ دنیا کر کے اُسی کی ذات میں فنا ہو جاتے اس کی ذات کے مجاہد اور صفات
کے مشاہد بن جاتے اور عارفینِ نائل بن کر واجب و ممکن کا فرق جان لیتے۔ اُن کو
علم ہو جاتا کہ واجب الوجود کون ہے اور ممکن الوجود کون ہے کون حادث ہے
کون قدیم ہے۔ اہلِ معرفت ہی جانتے ہیں کہ ہر ما سوا اللہ حادث ہے اور جو حادث
ہو وہی ممکن ہے ہر ممکن کا موجود ہونا اُسی واجب الوجود کی حکمت سے ہے اور ہر
حادث کا قادر ہونا اسی ذاتِ پاک کی قدرت سے ہے نہ کہ خود بخود اور جس کا وجود
خود نہیں تو اُس کی تاثیر کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جو خود ابتدا کا حادث اور انتہا کا فانی
ہو وہ مؤثرِ اشیا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب
قوتوں قدرتوں والا ہے اپنے ماسوا پر اپنے قہرِ جلال کی قوت سے جبر فرماتا ہے
تب ہر وجودِ ممکن و حادث کو ہستی سے نیست کر دیتا ہے۔ پھر نہ حادث و ممکن کی
کوئی قوت باقی رہتی ہے نہ وجود۔ عَزِیْزٌ۔ وہ ربِ قدیر ہی ہر شی پر غالب ہے اسی
لیے کسی کے پاس اُس کے مقابل کوئی ذاتی قوت نہیں ہے۔ کیونکہ عبد کسی غالب سے مغلوب ہو
اُس کی اپنی نہ کوئی قوت ہے نہ قدرت نہ طاقت نہ ہمت نہ حکمت نہ جرأت۔ خیال رہے
کہ وجودِ صفات کا نام قوت ہے، وجودِ باطن کا نام قدرت ہے وجودِ ظاہر کا نام طاقت
ہے وجودِ سلطنت کا نام ہمت ہے وجودِ علم کا نام حکمت ہے وجودِ عزت کا نام جرأت ہے
جہاں یہ ذاتی ہوں وہ واجب الوجود ہے جہاں یہ عطائی ہوں وہ ممکن الوجود ہے
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اے عالمِ رنگ و بو کی سدا بہار والے وہ لوگو جو ایمانِ یقینی حاصل

کر چکے اور دل کے حق الیقین عقل کے علم الیقین۔ روح کے عین الیقین سے ایمان لے آئے
اور جن کو یقینِ اصلیہ کے تینوں درجے حاصل ہو گئے اسفل بھی اوسط بھی اعلیٰ بھی تم اُن کے
شکرِ بقا و زیادتی کے لیے فناءِ صفات کا رکوع کرو اور فناءِ ذات کے سجدے کرو اور مقامِ
استقامتِ ابدی دائمی میں وجودِ موہوبہ عطائیہ سے اپنے ربِ کریم وجلیل کی خوب عبادت
کرو ہر آن ہر مکان میں ہر ادا ہر طریق سے، کیونکہ جو بندہ فناءِ ذات وصفات کے مقام تک
نہ پہنچا اور اس سے کچھ ذات کی نمود وصفات کی قیود باقی رہ گئیں اس کے لیے یہ ناممکن ہے
کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی عبادت اس کی معرفت کے حق کے مطابق کر سکے
کیونکہ عبادتِ الٰہی صرف قدرتِ معرفت سے ہوتی ہے حق عبادت کا علم شریعت میں ہے
اور قدرتِ معرفت کا علم طریقت میں ہے۔ اور شریعت وطریقت آستانۂ مصطفیٰ کے
دو خزانے ہیں۔ اطاعتِ نبوی کا نام شریعت ہے اور اتباعِ نبوی کا نام طریقت ہے
وَافْعَلُوا الْخَيْرَ۔ اور اے ایمانِ یقینی کے عابدین وزاہدین جلد جلدی تکمیلِ ارشاد
وتعلیمِ الہام کے افعالِ خیر و اعمالِ صالحہ کر لو۔ اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لو۔
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ بارگاہِ رسالت تک پہنچنے میں اور وجودِ بقا کی
نجات پالو، کیونکہ ذات وصفات کی فنا میں ہی وجودِ عبد کا بقا ہے۔ اے بندو غرورِ
انسانیت سے علیحدہ ہو کر خضوعِ نفسانیت و عجزِ حیوانیت کے ساتھ رکوع کرو
جس طرح تمام چوپایہ جانور ہر وقت رکوع کی حالت میں پڑے ہیں، اور مرتبۂ حیوانیت
سے ہٹ کر خشوعِ جمادات کے ساتھ سجدے کرو جس طرح وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ
يَسْجُدَانِ کا نقشہ ہے، سجدہ کرو تو ایسا کہ سر کو خبر نہ ہو۔ عبادت کرو شب کی
تنہائی میں تاکہ خلوص میں فتور نہ آنے پائے تمام حالات کے واقعات میں مراقبۂ کبریائی
کے افعالِ خیر کرو تاکہ تم وصل وقرب کے انوار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ، عبادت
میں نوافل سب سے اعلیٰ ہیں اسی لیے حدیثِ مقدس میں آیا ہے کہ نوافل کو اچھائی سے
ادا کرو کیونکہ ان سے تمہارے فرائض کی تکمیل ہے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ اے
لوگو نفلی عبادت رب تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے تو چاہیے کہ اچھی طرح ادا کرو ہر بندہ
اللہ تعالیٰ کے تحفے اور ہدیے کو دل وجان سے قبول کرے اور اس سے محبت کرے
[illegible] نے صوفیا فرماتے ہیں کہ خیر کی ضد شر ہے۔ خیر کی چار قسمیں ہیں ۱۔ خیرِ مطلق

۲ خیر مقید ۳ خیر ابدی ۴ خیر وقتی، خیر مطلق وہ ہے جو ہر ایک کو ہر وقت ہر طرح اچھی لگے ہر شخص اس کو چاہے پسند کرے جیسے عقل، علم، عدل، فضل، کرم، رحم، ہر نفع والی چیز ہر ایک کے لیے ہر وقت نفع والی اور مرغوب ہی ہو۔ حدیث پاک میں جنت و دوزخ کا اس طرح بیان کیا گیا ہے لَاخَیْرَ بِخَیْرٍ بَعْدَهُ النَّارُ وَلَا شَرَّ بِشَرٍّ بَعْدَهُ الْجَنَّةُ۔ یعنی جہنم وہ جس کے ملنے کے بعد پھر کسی بھی قسم کی کوئی خیر نہ مل سکے اور جنت وہ ہے کہ اس کے ملنے کے بعد پھر کسی بھی قسم کا شر نہ مل سکے۔ خیر مقید وہ ہے جو کسی کے لیے خیر ہو کسی کے لیے شر کبھی خیر ہو کبھی شر کوئی خیر ہو کوئی شر۔ جیسے دنیوی دولت کہ ایک کے لیے خیر ہے دوسرے کے لیے شر، اور کبھی ایک ہی شخص کے لیے ایک ہی مال دولت آج خیر ہے کل شر اور حرام کی دولت سب کے لیے شر ہے حلال کی دولت سب کے لیے خیر ہے خیرِ ابدی وہ جو ہمیشہ سب کے لیے خیر ہو جیسے ایمان اور نیک اعمال اور خیرِ وقتی وہ ہے جو چند وقتوں کے لیے خیر ہو۔ جیسے کھانا، پینا، میل ملاقات قرابت داری فلاح کا معنیٰ ہے کامیابی اس کی دو قسمیں ۱ فلاحِ دنیوی ۲ فلاحِ اُخروی، دنیوی کامیابی یہ ہے کہ بندے کو ایسی سعادت ملے کہ اس کی پوری زندگی حیاتِ طیبہ بن جائے حیاتِ دنیوی کا طیب ہونا چار چیزوں سے ہے۔ بقا، غنا، علم اور عزت اُخروی کامیابی بھی چار چیزوں کا ملنا ہے ۱ بقا بلا فنا ۲ غنا بلا فقر ۳ عزت بلا ذلت ۴ علم بلا جہالت یعنی ہر چیز ابدی ہو۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی عیش وہی ہے۔ جس میں دوام ہو اور دوام صرف آخرت میں ہے۔ لہٰذا اے عاقل و عارف اسبابِ دنیوی میں ہرگز دل نہ لگا، دنیا سے دل نہ باندھ اور نمازِ روحانی میں مشغول ہو جا، نمازِ روحانی کا نقشہ اس طرح ہوتا ہے کہ اس میں خضوعِ حیوانیت کا رکوع ہے، خشوعِ جمادات کا سجدہ ہے انکسارِ شجرات و عجز نباتات کا قیام ہے اور مسکینتِ حشرات کا قعدہ ہے کیونکہ عالمِ ارواح سے نزولِ روح کی پہلی منزل جمادیت ہے دوسری دلیل منزل نباتیت ہے تیسری حیوانیت ہے چوتھی انسانیت ہے۔ اسی لیے حیاتِ انسانی کا مقصد نماز ہے، پھر روح کا رجوع الی اللہ بھی ان ہی چار منزلوں کو عبور کرنا ہے اس لیے نماز مومن کی معراج ہے ۱ نزول کے بعد عبور ۲ عبور کے بعد رجوع ۳ رجوع کے بعد عروج، اگر رجوع میں خلوص ہو تو عروج ہے ورنہ حلول ہے۔ اِفْعَلُوا الْخَیْرَ کا معنیٰ ہے ہر احوال اقوال، افعال اعمال میں متوجہ الی اللہ ہو جاؤ تاکہ کامیاب ہو جاؤ تم ان چار منازل روحانیہ کو عبور کر کے ظلماتِ نفسانیہ کے پردوں سے نکلتے میں اور انوارِ روحانیہ کے اندر پہنچیں

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ

اور جہاد کرو تم اللہ کے بارے میں از روئے اس کے جہاد کے حق سے اُس ہی

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اُس نے

اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ

نے منتخب کیا ہے تم کو اور نہیں بنایا اُس نے تم پر دین میں کچھ

تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ

مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ

جبر وہ کونسا دین تمہارے باپ دادے ابراہیم کی شریعت، اُس

تنگی نہ رکھی، تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اللہ

سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

اللہ نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن مجید میں بھی

نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا

تاکہ رسول گواہ ہو جائیں تم تمام مسلمانوں پر۔ اور ہو جاؤ تم

تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو۔ اور تم

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

گواہ ساری کائنات کے انسانوں پر۔ لہٰذا قائم رکھو نماز

اور لوگوں پر گواہی تمہاری رکھو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور مضبوطی سے لگے رہو اللہ کے ساتھ

اور زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ

وہ ہی تمہارا حمایتی ہے اور نہایت اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا ہمیشہ

وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی

النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

مدد کرنے والا۔

اچھا مددگار۔

ع ۱۰ / ۱۷

تعلقات اس آیتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدر کے حق کے مطابق قدر نہ کرنے والے ناقدروں بدنصیبوں کا ذکر ہوا۔ اب اس آیت میں خوش نصیب اہل ایمان حسبِ استطاعت قدر کرنے والوں کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ کے راستے جہاد کے حق کے مطابق جہاد کرنے کا حکم الٰہی عطا فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں رسولانِ کرام علیہم السّلام کے چناؤ کا ذکر فرمایا گیا اب اس آیت مبارکہ میں پیارے بندوں کے چناؤ اور پسند کرنے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت پاک میں آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّتِ مغفورہ کا غیر خصوصی لقب یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اس آیت طیبات میں نبی کریم رؤفٌ رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم کی اُمّتِ مسعود کے خصوصی ذاتی دینی ومذہبی نام کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے یہ نام مسلمان اس سے پہلے کسی اور امّت کو نہیں ملا۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیت میں عبادات کے اجزا بیان فرما کر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب

اِس آیت میں اُسی عبادت کا کُلی نام لے کر ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تفسیرِ نحوی وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا۔ واؤ بر جملہ جَاهِدُوْا باب مفاعلۃ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے مُجَاهَدَةً، جَهْدٌ یا جِهْدٌ یا جُهْدٌ سے مشتق اس کا یہ مادہ مصدر تین طرح آتا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے تکلیف اور مشقت سے کوئی کام کرنا۔ اصطلاح میں وسعت دینا یا حصولِ مقصد کے لیے طاقت استعمال کرنا۔ اور طبیعت میں سختی پیدا کرنا کہ سرکش سر نہ اٹھائیں اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہے۔ فِيْ ظرفیہ مجازی یہاں مضاف پوشیدہ ہے یا اللّٰہ دین یا امور یا حقوق اللّٰہ مجرور، دراصل تھا فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ یا فِيْ حُقُوْقِ اللّٰهِ یا اُمُوْرِ اللّٰهِ واللّٰہ اعلم یہ جار مجرور متعلق ہے جَاهِدُوْا کا۔ حَقَّ مضاف الیہ مضاف ہٖ ضمیر کا مرجع یا اللّٰہ ہے یا جَاهِدُوْا ہے۔ یہ سب مرکب اضافی تمیز ہے جَاهِدُوْا کے مصدر یا فاعل کی جَاهِدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ بعض نحات نے اس کو موصوف کی اضافت صفت کی طرف کر کے مفعول مطلق بنایا کہ دراصل تھا جَاهِدُوْا جِهَادًا حَقَّهٗ۔ هُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل مبتدا اِجْتَبٰى بابِ افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ جَبْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی چُننا پسند کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اَللّٰهُ کُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے اِجْتَبٰى سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ مَا جَعَلَ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف جَعْلٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بنانا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے ظاہر کرنا، پیدا کرنا، صنعت کاری بدلنا، پھیرنا، متغیر کرنا۔ یہ فعل جب متعدی بدو مفعول ہو تو معنی ہوتا ہے بنانا اور جب یک مفعول ہو تو معنی ہوتا ہے پیدا کرنا اس کا فاعل اللّٰہ تعالیٰ ہے یہاں بمعنی بنانا ہے عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے فِي الدِّيْنِ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ پہلا متعلق قائم مقام مفعول لہٗ دوسرا متعلق قائم مقام مفعول فیہ ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ بمعنی کچھ حَرَجٍ اسم حاصل مصدر جامد لغوی ترجمہ ہے۔ تنگی ہونا یا پیدا کرنا تنگی کی تین قسمیں ۱ دل کی تنگی ۲ نظر کی تنگی ۳ جگہ کی تنگی۔ اصطلاحاً سات مجازی معنی میں مشترک ہے ۱ نقصان ۲ مضائقہ ۳ مشقت ۴ سختی ۵ اعتراض ۶ گناہ ۷ جبر زبردستی کو بھی حَرَج کہہ دیتے ہیں۔ یہاں اسی

معنیٰ میں ہے یہ جار مجرور متعلق سوم ہے اور قائم مقام مفعول بہ۔ مِلَّتَ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ حاصل مصدر یا مِد آخر کی تَ مصدر یہ ہے یا وحدت کی مَلَلٌ ہے مشتق ہے لغوی معنیٰ ہے تھکاوٹ ہونا دل برداشتہ۔ اصطلاحًا مسلسل کوئی کام پابندی سے کرنا ۲ وہ راستہ پگڈنڈی جو مسلسل چلنے سے خود بخود بن جاتا ہے ۳ دائمی قانون ۴ املا کرنا (لکھنا) ۵ شریعت والا دین اس کو ملت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دائمی بھی ہوتا ہے مسلسل و ہمیشہ قابلِ عمل بھی اور لکھا ہوا بھی۔ اسی سے ہے ملال بمعنیٰ رنج کیونکہ مسلسل کام کرنے سے انسان کبیدہ خاطر رنجیدہ اور بے رغبت ہو جاتا ہے۔ مضاف ہے۔ اَبِیْ اسم مکبرہ بحالت کسرہ ہے کیونکہ ماقبل کا مضاف الیہ۔ کُمْ مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ یہ اَبِیْکُمْ مرکب اضافی مُبْدَلْ مِنْہُ ہے ابراہیم اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے بدل الکل ہے یہ دونوں مل کر مضاف الیہ ہوا یہ مرکب اضافی بدل ہے دین کا یا بدلُ الکل یا بدلُ البعض ہے یہ مُبْدَل مِنْہُ اپنے اس بدل سے مجرور ہو کر متعلق دوم ہوا مَا جَعَلَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اِجْتَبٰی کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر مبتدا ھُوَ۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ھُوَ مبتدا مرجع اللہ تعالیٰ ایک قول میں مرجع ابراہیم ہے مگر یہ غلط ہے واقعتًا بھی حقیقتًا بھی، سَمّٰی باب تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب سُمُوٌّ یا سَمْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لغوی بلند ہونا، نشان ہونا اصطلاحًا نام یا لقب یا تخلص یا کنیت ہونا۔ جو بھی مشہور زمانہ ہو جائے وہ اسم ہے ذاتی پیدائشی نام کو عربی میں عَلَم کہتے ہیں نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا دینی لقب خصوصی مسلمان ہے اور لقبِ عمومی مومن، ایمان اور اسلام کا فرق فائدوں میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اِس کا مصدر ہے تَسْمِیَۃٌ۔ تعلیلِ نحوی کے بعد ہوا تَسْمِیَۃٌ۔ بمعنیٰ نام رکھنا نام لینا۔ بسم اللہ شریف پڑھنے کو تسمیہ اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کُمْ ضمیر مفعول بہ اوّل مُسْلِمِیْنَ۔ باب اِفعال کا اسم فاعل جمع مذکر سَلْمٌ سے مشتق ہے مصدر ہے اِسْلَامٌ لغوی معنیٰ ہے سر جھکانا، بات اور حکم ماننا۔ یعنی سرِ تسلیم خم کرنا۔ سابقہ امتوں کے لیے یہ لفظ اسم فاعل وغیرہ اسی لغوی معنیٰ میں مستعمل ہوتا رہا ہے اصطلاحی معنیٰ ہے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں آنا۔ مُسْلِمِیْنَ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ دوم ہے مِنْ قَبْلُ۔ یہ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ فِیْ جارہ ظرفِ مکانی کے لیے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ معنوی قرآن مجید ہے یہ جار مجرور معطوف ہے مِنْ قَبْلُ پر دونوں عطف

متعلق ہے سمیٰ کا۔ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ لام کَے برائے تعلیل اس کا ماقبل سمیٰ علت ہے مابعد معلول ہے یَکُوْنَ فعل ناقصہ مضارع معروف واحد مذکر غائب بحالت نصب ہے لام کَے کی وجہ سے اَلرَّسُوْلُ اسم معرف باللام مراد ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسم ہے یَکُوْنَ کا شَهِيْدًا اسم فاعل مبالغہ شہید سے مشتق ہے لغوی معنیٰ ہے حاضر و ناظر موجود ہونا۔ اصطلاحاً گواہ اور گواہی دینے اور آنکھوں سے کسی واقعے کو دیکھنے کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ نیز منیم مددگار، نگہبان کو بھی شہید کہہ دیتے ہیں۔ یہ خبر ہے۔ عَلٰى حرف جر فوقیت کا کُمْ ضمیر مجرور یہ دونوں متعلق ہیں ایک قول میں یَکُوْنَ کے اور وہ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ اور ایک قول میں یہ جار مجرور متعلق ہے شَہِيْدًا اسم فاعل صفت مشبہ کا اور وہ اپنے پوشیدہ فاعل و متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر یَکُوْنَ ہو کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ ہوا خیال رہے کہ یہاں شہیداً پر حرف علیٰ خلاف گواہی کے لیے نہیں مشاہداتی گواہی کے لیے ہے خواہ حق میں خواہ خلاف۔ اسی لیے آگے فَاَقِیْمُوْا میں فَ سببیہ ہے، واؤ عاطفہ تَكُوْنُوْا فعل مضارع ناقصہ جمع مذکر حاضر اس کا اسم ضمیر صیغہ جس کا مرجع مسلمین شُهَدَآءَ اسم۔ جمع مکسر اس کا واحد ہے شَهِيْدٌ، عَلَى النَّاسِ یہ جار مجرور ہیں یا متعلق ہے تَكُوْنُوْا کا یا متعلق ہے شُهَدَآءَ اسم مبالغہ کا یہاں پہلا قول زیادہ مضبوط ہے۔ تَكُوْنُ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر سبب ہوا فَ سببیہ اَقِيْمُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر دراصل تھا اَقْوِمُوْا یَ پر کسرہ ثقیل تھا ماقبل کو دیا۔ آخر کا الف صرف تفخیم کے لیے ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ حکم ہے تمام مسلمانوں کو الصَّلٰوةَ یعنی نماز پنجوقتہ اور جمعہ و عیدین یہ مفعول بہ ہے اَقِيْمُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اٰتُوْا باب افعال کا امر حاضر معروف۔ جمع مذکر حاضر اصل میں تھا اٰتِيُوْا یَ پر ضمہ بوجھل تھا ماقبل کو دیا اب دو ساکن جمع ہوئے یَ اور واؤ یَ کو گرا دیا کیونکہ واؤ علامت جمع ہے وہ نہیں گر سکتی اَقِيْمُوْا کا مصدر اِقْوَامٌ اور اِقَامَةٌ ہے اور اٰتُوْا کا مصدر اِیْتَاءٌ ہے اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دینا عطا کرنا۔ ادا کرنا۔ الزَّكٰوةَ اسم مصدر مزید فیہ جامد حاصل مصدر بمعنیٰ صدقہ فرضی واجبی سالانہ۔ یہ مفعول بہ ہے اٰتُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ

عاطفہ۔ اِعْتَصِمُوْا بابِ افتعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِعْتِصَامٌ بمعنٰی مضبوط پکڑنا عَصْمٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے روکنا منع کرنا۔ اصطلاحًا نو مجازی معنٰی میں مشترک ہے ۱ باندھنا ۲ گلے میں پٹہ ڈالنا ۳ سائبان یا خیمہ باندھنے لگانے کی رسی ۴ حفاظت کرنا ۵ مضبوطی سے تھامنا پکڑنا ۶ پاکدامن عورت ۷ منکوحہ عورت ۸ گناہ پر نہ قادر ہونا۔ یعنی گناہ محال ہوں ۹ کسی کے ساتھ لگنا، ساتھ نبھانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع مسلمین ہے بِ حرفِ جر بمعنٰی مَعَ اللہ مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے اِعْتَصِمُوْا کے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا تینوں عطف مل کر مسبَّب ہوئے یَکُوْنُوْا کے جملے کا یہ سبب مسبب مل کر معطوف ہے لِیَکُوْنَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معلول ہے سَمّٰی فعل کا مَعْنًی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ یَکُوْنُوْا دراصل یَکُوْنُوْنَ تھا۔ عطف تابعی کی وجہ سے لام کے نے اس کو بھی نصب دیا اس لیے آخر کی نونِ اعرابی گر گئی۔ ھُوَ ضمیر مبتدا، مَوْلٰی مصدر میمی ہے یا اسم مفعول واحد مذکر وَلْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے قریب ہونا ملا جُلا ہونا مجازًا دوست مددگار، حقدار قبضے میں لینے والا، حمایتی، وارث، والی۔ حاکم اور رفیق کے لیے بولا جاتا ہے۔ بابِ تَفَعُّل ہیں آکر منہ پھیرنا کا معنٰی ہوتا ہے یہ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ۔ نِعْمَ فعل مدح۔ لغوی ترجمہ ہے۔ سُرور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اصطلاحًا بہت نرم، خوشگوارہ آسودگی، دولت نعمت، خوش حالی۔ اتحاد۔ اجتماعیت، احسان، کشادہ۔ بلند مفید مضبوط فضل و کرم کرنے والا۔ اچھا۔ یہاں اِن ہی دو معنٰی میں ہے۔ نیز جسمانی تندرستی اور صفائی اور اچھی بات کو بھی نِعَمْ کہتے ہیں چوپایہ حلال چرندوں مویشیوں کو نَعَمْ اور اَنعام کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی مفید اور اچھی نعمت ہے۔ ہاں اور تائید کو نَعَمْ کہتے ہیں کیونکہ تائید کرنے والا اُس کو اچھا سمجھتا ہے۔ نِعْمَ فعل مدح ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعِل اَلْمَوْلٰی مخصوص بالمدح سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نِعْمَ فعل ضمیر صیغہ فاعِل اَلنَّصِیْرُ مخصوص بالمدح سب مل کر معطوف ہے وَنِعْمَ الْمَوْلٰی پر دونوں عطف مل جملہ عاطفہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا۔ اور اے ایمان والو۔ رکوع سجود، عبادت اور افْعَلُوا

الخیر یا اعمال و حکموں کی فرمانبرداری کرنے والوں کو اب پانچواں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ وَجَاھِدُوْا مجاہدانہ صفات سے دنیا میں خیر پھیلا کر اب جہادِ ذات و آلات سے دنیا سے ہر قسم کا شر مٹا دو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اُس کی خدمتِ دینی میں ہر کافر، ظالم، باطل سرکش شریر و فسادی سے ایسی زبردست جنگ کرو کہ راہِ الٰہی کی جنگ کا حق ادا ہو جائے اور ایسی ایمانی قوت عرفانی لذت ایقانی حکمت اور سامانی طاقت و لیاقت سے کرو کہ تمہاری جنگ جہادِ فی سبیل اللہ بن جائے۔ خیال رہے کہ کافر ظالم اور مومن عادل کی جنگ میں فرق یہ ہے کہ کافر جنگ کرتا ہے ہوسِ ملک گیری یا فتنہ و غارتگری کے لیے لیکن مومن جنگ کرتا ہے تو فقط زمین سے شر مٹانے خیر پھیلانے اور سنتِ پیغمبری قائم کرنے کے لیے مومن کی جنگ میں نہ کشور کشائی نہ مالِ غنیمت نہ قتلِ عام کی بربادی نہ توڑ پھوڑ کی تباہی اس لیے کہ مومن کو تین حکم ہیں۔ پہلا حکم جَاھِدُوْا یعنی خیر پھیلاؤ، شر مٹاؤ۔ جنگ کو جہاد بناؤ دوسرا حکم فِی اللہِ یعنی مومن کی تلوار بازی، لشکر سازی، سب تیاری صرف فی سبیل اللہ لوجہ اللہ ہونی چاہیے۔ تیسرا حکم۔ حَقَّ جِہَادِہٖ یعنی مومن کا جہاد ایسی شان، ایسی آن ایسی چال ایسی رفتار اس کردار اس گفتار سے ہونی چاہیے کہ جہادِ اسلامی کا حق ادا ہو جائے اور دنیا کے ظالم و مظلوم، حاکم و محکوم امراء وزراء۔ بادشاہ و رعایا سب جان لیں کہ تربیتِ قرآن اور دین اسلام کی جنگ ایسی ہوتی ہے۔ حَقَّ جِہَادِہٖ کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ ہر جہاد ہمت طاقت جوشِ اسلامی جذبۂ ایمانی ہمت طاقت میں اول سے آخر تک یکساں ہو اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہاتھ میں تلوار ہو نگاہ میں کعبہ ہو میدان میں یلغار ہو عشق میں کبریا ہو سینے میں مصطفیٰ ہو۔ ۲ ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہہ دینا یہ بھی حق جہاد ہے تلوار سے ہو یا قلم سے۔ یا زبان سے یا قلبی نفرت سے نیت خالص للہ اطاعت کامل یا للہ نہ کسی کی رُو رعایت نہ کسی ملامت کی گھبراہٹ ۳ سوم یہ کہ دین کی حمایت و اشاعت میں سر دھڑ جان۔ مال کی بازی لگاؤ کسی کی پرواہ نہ کرو جس طرح صحابہ کرام کی جہادیں پھر سلاطینِ اسلام کی شمشیر سے اولیاء اللہ نے زبان و عملی کردار سے علمائے علم سے ایسے خلوص و شجاعت و جذبات کے جوہر دکھلائے کہ حَقَّ جِہَادِہٖ کے مظہر اتم بن گئے اگر سندھ سے کفر کی یلغار اٹھتی ہے تو غزنی سے شمشیر محمود اُٹھتی چلی آتی ہے اور مغلیہ شہنشاہوں کی اسی جَاھِدُوْا فِی اللہِ کے جذبۂ ایمانی سے سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدیں طویل وسیع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اگر پرتھوی راج کا طوفانِ ظلم و کفر اٹھتا ہے تو اجمیر سے خواجہ چشتی کا روشن

ایمان میدانِ عمل میں آجاتا ہے اور جادوگروں کو شکست دے کر لاکھوں ہندوؤں کو اسلام وقرآن کے دامن میں لے آتا ہے پھر اگر گنگوہ اور تھانہ بھون سے دیلو کا فساد اور ابلیس کا شر اٹھتا ہے تو بریلی کی سرکار سے رضا کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور لشکرِ فقراءِ قادری ایسی سرفروشی علمی قوت علمی وصدت سے رواں دواں ہوتا ہے کہ رضا کا تیرہ بن کر سینۂ باطل میں گڑھ جائے اور دنیا دیکھ لے کہ ہیں قادری فقیروں کے جھنڈے سے گڑھے ہوئے۔ غرضکہ سلاطینِ اسلام اولیاءِ عظام علماءِ کرام اور عوام اہلِ ایمان نے جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ کے وہ عملی مظاہرے فرمائے کہ جہادِ اسلامی کا حق ادا ہو گیا۔ بعض بدبخت لوگ اِن ایمان افروز لیوں میں بھی تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی پیر پرست کہتا ہے کہ اولیاءُ اللہ نے وہ کارنامے کئے جو سلاطینِ اسلام نہ کر سکے کوئی گستاخ کہتا ہے کہ اگر سلطان التمش نہ آتا تو ساری کرامتیں دھری رہ جاتیں۔ کوئی کہتا ہے عُلما نے کیا کر دکھایا۔ کوئی اولیاءُ اللہ کی کارکردگی کا منکر ہے۔ میں کہتا ہوں یہ سب ابلیسی فرقہ پرستی اور احسان فراموشی والی باتیں ہیں حقیقت یہ ہے کہ سلاطین اور اولیا وعلما مشائخ وعوام مسلمان سب ہی اسلام کے قوت والے بازو اور اعضاءِ یک دیگر اند ہم سب کے احسان مند ہیں۔ قائدِ اعظم کے اِس احسان کو کوئی اندھی آنکھوں والا ناکارہ عقل والا ہی بھلا سکتا ہے جو پاکستان کی شکل میں ہے۔ اِس احسان کو نہ پاکستانی بھلا سکتے ہیں نہ بنگلہ دیشی نہ ہندوستانی مسلمان نام اگرچہ بدل گیا بنگلہ دیش رکھ لیا گیا مگر دلایا ہوا اسلامی ریاست بنایا ہوا تو قائدِ اعظم کا ہی ہے ہمیں اب بھی بنگلہ دیش پیارا کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے قائدِ اعظم کا تحفہ ہے ۱۹۶۵ء میں پوری مسلم قوم نے جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ کا نقشہ تاریخِ عالم پر ایک بار پھر ایسا کھینچا کہ کفر تھرا گیا۔ فوج ورعایا ایک دوسرے کے دست وبازو بن گئے تھے۔ جَاھِدُوْا مشتق ہے مُجَاھَدَۃً سے اِس کا معنیٰ ہے دو طرفہ قتال، قتال میں سات چیزیں ہوتی ہیں ۱ لشکرِ ایمان ۲ لشکرِ کفر ۳ مومن کا طریقۂ جنگ ۴ کافر کا طریقۂ جنگ ۵ مومن کا مقصدِ جنگ ۶ کافر کا مقصدِ جنگ ۷ جنگ کی قسمیں۔ لشکرِ ایمان کی تین قسمیں ہیں ۱ لشکرِ سلطنت ۲ لشکرِ شریعت ۳ لشکرِ طریقت لشکرِ سلطنت کے ہتھیار بندوق وتلوار ہیں لشکرِ شریعت کے ہتھیار علم قلم وزبان ہے لشکرِ طریقت کے ہتھیار، عرفان عمل کردار تذکیۂ قلب وروح ہے۔ لشکرِ دشمن کی چھ قسمیں ہیں ۱ کفار ۲ منافق ۳ اہلِ شر ۴ اہلِ فساد ۵ نفسِ امارہ ۶ شیاطین، اے لشکرِ ایمان

والو تم ان دشمنوں سے جہاد کرو اس لیے کہ هُوَ اجْتَبٰكُمْ اُس مولیٰ تعالیٰ نے اپنی پوری مخلوق میں سے تم کو چن لیا ہے اپنے پورے دینِ اسلام کے لیے تم نے ہی اسلام کا رکوع اور ایمان کا سجدہ کرنا ہے تم نے ہی اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے اور زمین پر پھیلانی ہے اور مدتوں کی ترسی ہوئی زمین کو ذکرِ الٰہی سنانا ہے رکوع سجود کی تسبیحوں سے نماز کی تلاوتوں سے اذانوں کی آوازوں سے تکبیرات کی صداؤں سے اور کفار کے ساتھ تلوار سے فساق کے ساتھ علم و زبان سے اہلِ شر کے ساتھ عدالتِ اسلامی سے، اہلِ فساد کے ساتھ شریعت کے احکام سے نفس و شیاطین کے ساتھ طریقت کے اعمالِ صالحہ و تذکیۂ قلب و روح سے جہاد کرنا ہے جس رب کریم نے آسمانوں پر فرشتوں کا اصطفا فرمایا اُسی خالق تعالیٰ نے زمین پر تمہارا اجتبا فرمایا۔ فرشتوں کو وزیرانِ فی السّمَآء کے عملے میں داخل فرما کر خادمانِ مصطفیٰ بنا دیا اور تم کو وزیرانِ فی الْاَرْضِ کے عملے میں شامل فرما کر غلامانِ مجتبیٰ بنا دیا۔ کفار و فساق و اشرار و مفسدین سے جہاد کرنا جہادِ اصغر ہے۔ اور نفس و شیاطین سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔ جنگِ تبوک سے واپسی پر آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے لشکرِ اسلام والو ہم لوٹ رہے ہیں جہادِ اصغر سے جہاد اکبر کی طرف اور ایک مرتبہ مجاہدینِ اسلام کے ایک لشکر سے فرمایا کہ تم لوگ جہاد اصغر سے فتح مند ہو کر جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہو، کیونکہ ظاہری دشمن کفار و فساق شرارتیوں فسادیوں سے قتال جہاد اصغر ہے اور باطنی دشمن نفسِ امارہ و ابلیس و شیاطین سے مجاہدہ جہاد اکبر ہے اس لیے کہ ظاہری دشمن کبھی قتال میں آتا ہے کبھی مقابلے سے بھاگ جاتا ہے کبھی صلح پر آمادہ ہوتا ہے کبھی ماتحتی پر۔ مگر باطنی دشمن نفس و شیطان ہمیشہ آمادۂ جنگ ہی رہتے ہیں کبھی بھی جنگِ ورغلان، شرارتِ وسواس اور فسادِ بغاوت سے باز نہیں آتے اور یہ جہادِ نفس انتہا سخت خطرناک ہے کہ جہادِ کفار کا مغلوب و مقتول مومن شہید بن کر جنت میں جاتا ہے، لیکن جہادِ نفس میں اگر کوئی بندہ مقتولِ نفس اور مغلوبِ شیطان ہو جائے تو لعین بن کر جہنم میں چلا جاتا ہے اسی لیے میدانِ جنگ کا قتال جہاد اصغر ہے اور ابدانِ نفس و تسلطِ شیطن کا مجاہدہ جہادِ اکبر ہے لہٰذا خوش نصیب ہو تم کہ تم کو چن لیا گیا اور اس چناؤ سے ایک عظیم فائدہ تم کو یہ بھی ملا کہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ نہ بنائی تم پر اس رحیم کریم مشفق منعم رب تعالیٰ نے دین کی شریعت یا شریعت کے اصولی فروعی قوانین و احکام میں کوئی تنگی دشواری، جبر، زبردستی، اکراہ تمی

ترشی، عمر کے کسی بھی حصہ کسی بھی حالت، کیفیت میں نہ تمہاری ذات میں نہ صفات میں نہ بشری کمزوری نہ لاغری بیماری نہ معذوری مجبوری نہ غریبی مسافری میں، نہ شرعی اعمال میں نہ اُن کے طریقوں وقتوں، مقامات میں ہر عمل ایسا آسان ذہن نشین و دل پذیر کہ مومنِ صادق کا دل چاہتا ہے کہ کئے ہی جائے، نمازوں میں چاشنی نوافل میں روشنی، روزوں میں خوشبو، زکوٰتوں میں اُلفت، صدقوں میں محبت، حج مکہ مکرمہ میں عشقِ کبریائی زیارتِ مدینہ منورہ میں محبتِ مصطفائی، عبادات اتنی نرم کہ نہ امیر کو تنگی نہ غریب کو نہ تندرست کو مشقت نہ بیمار کو کھڑے نہ کر سکے تو بیٹھ کر بیٹھے نہ کر سکے تو لیٹ کر اس سے بھی مجبور ہو تو قضا کرے، سفر میں بجائے چار دو فرض نماز، روزہ قضا کرے، ذرا سی رکاوٹ سے حج کی فرضیت معاف، عورت پر مزید آسانیاں کو حیض و نفاس میں نمازیں معاف روزے قضا، وضو نہ کر سکے تو تیمم، بھوک سے مرتا ہو تو حرام بوقتِ ضرورت جائز اوقاتِ عبادات میں بھی عجیب وُسعت کر دیا نہ کہ پانچ دس منٹ کی نماز کے لیے کئی گھنٹوں کا وقت دیدیا، رمضان و عیدین کے چاند و تاریخ کے علم میں سہولتیں کہ ان پڑھ بھی دیکھ کر پتہ لگا ے۔ پورے آسمان کو مسلمانوں کے لیے نظام الاوقات اور تاریخی کیلنڈر بنا دیا مقامِ عبادت میں فراخی کہ جس پاک جگہ چاہو ادا کرلو خلوت وجلوت میں جماعت و فردیت میں ادا اور قبول بشری کمزوری سے گناہ یا کفر کرلو تو صرف زبانی سچی پکی توبہ ہی کافی اور منظور، فرمانبرداری کرنے والے کی عزت و مشہوری، نافرمانی میں پردہ پوشی جرم میں کفارے سے قتل میں دیت سے معافی ۔ چھٹکارا، رحمت کے دروازے تاقیامت کھول دیئے گئے، عذاب کے دروازے بند کر دیئے گئے جسم، لباس پلید ہو جائے تو پانی سے دھو کر پاک کر لو اے مسلمانوں یہ آزادیاں نرمیاں صرف تم کو ملی ہیں محبوبِ رب کے صدقے میں پچھلی اُمتوں پر نہ تھیں، حرج نہ ہونے کا معنی یہ بھی ہے کہ امتِ مسلمہ پر دینی دنیوی ہر قسم کی جائز حلال طیب ترقی حاصل کرنے میں کوئی شرعی پابندی اور ممانعت رکاوٹ نہیں ہے نہ تجارت میں نہ حصولِ علم میں دینی علم ہو یا دنیوی معلومات ہو سائنسی صنعت کاری ہو۔ یا معاشرتی ملکی عملی زندگی ہو، غرضکہ اسلام کا جائز طریقہ سے کر جو چاہو کرو کھاؤ پیو مقام ترقی حاصل کرو جتنا چاہو آگے بڑھو بلکہ سب قوموں سے اونچے ہو جاؤ۔ اسلام میں نہ راہبانہ تارک الدنیا زندگی کی اجازت ہے نہ پادریوں یا پاؤں کی بناوٹی پابندیوں کی اجازت اسلام تو کہتا ہے

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو   چاہو تو جہازوں پہ اُڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن اپنے اکابر کی رکھو یاد   اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

یہ وہ دین نہیں کہ اس پر عمل کرنے سے تم مصیبت اور غربت میں پھنس جاؤ یا اغیار کے دست نگر بن جاؤ۔ یا تمہاری مادی علمی روحانی قلبی ترقی رک جائے اور دنیوی وسائل میں قوموں سے پیچھے رہ جاؤ، تمہارے ہی دین کا نام اسلام ہے اسی دین میں ہر طرح کی سلامتی و کامیابی و آسانی ہے اس کو سیکھنا سمجھنا آسان اس پر عمل کرنا ایسا واضح روشن کہ اس کی رات بھی دن کی طرح جگمگائے پچھلی اُمتوں کے لیے بڑے سخت قانون کے کوئی رعایت نہ تھی نہ قضا کی نہ قصر کی نہ پوری زمین مسجد ہونے کی ان کی نماز نہ بیٹھ کر جائز نہ لیٹ کر جسم گندا کر لو تو کھرچ کر چھیل کر پاک کرو اگر کپڑا گندا کر لو تو اتنا کپڑا کاٹ کر پھینک دو اگر جسم و لباس کپڑا خود گندا ہو جائے تو صرف دھونے سے پاک ہو جائے، گناہ کرے تو ذلت کی تشہیر کہ گناہ کبیرہ دروازے پر لکھے جائیں اور گناہ فحاشی سے ماتھے پر نشان بن جائے شرک کفر کر لینے کی توبہ میں خود کو قتل کروائیں یعنی شرک کی توبہ قتل، کے لیے خود کو پیش کر دینا اے مسلمانو سابقہ مومن امتوں کی ہر سال کی دن رات عبادت اور تمہاری ایک لیلۃ القدر کی عبادت خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ اور اللہ تعالیٰ کو تم سے اتنا پیار کہ ملت میں تم کو اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شامل کر دیا کہ فرمایا مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ تمہاری ملت وہی ہے جو تمہارے اصلی نسلی آبائی روحانی مربی ابراہیم علیہ السلام کی تھی یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ابراہیم عیسائی تھے (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۵) مشرکین نے مسلمانوں سے کہا ابراہیم ہمارے دین پر تھے یعنی مشرک تھے۔ رب تعالیٰ نے سورۃ آل عمران آیت ۶۷ میں فرمایا اے مسلمانو ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ مشرک بلکہ وہ حنیف تھے مسلمان ہو کر یا مسلمانوں کی طرح کیونکہ اے مسلمانو تمہارا دین اور ابراہیم کا ایک ہی ہے۔ اجتباءِ الٰہی کا یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ یہود و نصاریٰ و مشرکین نے خود اپنے مونہوں سے اپنے اپنے دین کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کر کے اپنی شان و عظمت بیان کی مگر رب تعالیٰ نے ان سب کی تردید فرما کر خود اپنے کلام سے یہی شان و عظمت مسلمانوں کی بیان فرمائی کہ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ مشرک بلکہ خالص حنیف، مسلمان تھے کہ جو کچھ ابراہیم کرتے تھے وہ اب

مسلمان کر رہے ہیں ابراہیم کا نقشہ مسلمانوں میں ہے نہ کہ یہود و نصاریٰ مشرکین میں سچی پکی نشاندہی تو رب تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے نہ کسی کے اپنے منہ سے کہنے سے مسلمانوں کو اپنے منہ سے اپنی نسبت ابراہیمی والی عظمت وشان بیان کرنی کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت یہود و نصاریٰ مشرکین مکہ کی تردید اور دین ابراہیم کا اصل نقشہ دکھا رہی ہے۔ ملت کا لغوی معنیٰ ہے شریعت اصطلاحی معنیٰ ہے دین کے اصول وفروع۔ ملت اور دین میں تین طرح فرق ہے ۱ لفظ دین کی نسبت واضافت ہر شخص اور ہر حق و باطل کی طرف ہو سکتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا دین، میرا تمہارا زید و بکر کا دین انبیا علیہم السّلام کا دین، جن و ملک کا دین کفار کا دین، باطل دین، حق دین لیکن لفظِ ملّت کی نسبت صرف انبیاء علیہم السّلام کی طرف ہی ہو سکتی مثلاً ملت ابراہیم ملتِ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السّلام ملتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لیکن مِلّتُ اللہ، ملت زید بکر یا ملتِ باطل کہنا جائز نہیں ۲ دین مکمل ضابطہ حیات اور تمام اصولی فروعی قوانین کا نام ہے۔ مگر ملت غیر مکمل چند مخصوص و ضروری اصول وفروع کا نام ہے ۳ دین نام ہے مذہبی قانون کا، اور ملت نام ہے اُس قانون کے عملی نقشے کا، ابراہیم علیہ السّلام کو امتِ مسلمہ کا اَبُو، فرمانا چار وجہ سے ہے ۱ یا اس لیے کہ اکثر اہل عرب ابراہیمی نسل سے ہیں ۲ یا اس لیے کہ سب لوگوں کو تا قیامت ابراہیم علیہ السّلام سے محبت ہوتی رہے گی خاص کر تمام عرب اور بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کو ۳ یا اس لیے کہ یہود و نصاریٰ و مشرکینِ مکہ کا وہی مذکورہ بالا قول کہ یہ تینوں کا فرقہ اپنے اپنے مذہب کو ملتِ ابراہیمی کہتے اور سمجھتے تھے اُن سب کی تردید فرماتے ہوئے بتایا کہ تمہارے آبائی ونسل واصل کے اَبِی اور مربی زیرہ تی ابراہیم علیہ السّلام کی ملت یہ بُت پرستی یا یہودی، عیسائی نظریاتی بناوٹی کفریات نہیں ہے بلکہ تمہارے اَبوا براہیم کی ملت وہ ہے جو دینِ اسلام کی ہے لہٰذا اگر اپنے اَبِی ابراہیم سے محبت کا سچا دعویٰ کرتے ہو تو اسلام قبول کرو ۴ یا اس لیے اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ فرمایا کہ حضرت ابراہیم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جَدِ اعلیٰ تھے اور چونکہ ہر نبی علیہ السلام اپنی امت کا باپ یعنی مُربی ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم کی نسبت کی وجہ سے حضرت ابراہیم تمام مسلمانوں کے اَبی و مُربی ہو گئے۔ اے مسلمانو تم کتنے خوش نصیب ہو کہ خود اللہ تعالیٰ نے تمہارا دینی نام مسلمان رکھا کسی بھی نبی علیہ السلام کی اُمت کو اس سے پہلے یہ شان وسلامتی والا نام

نہیں دیا گیا، پھر تمہارے اس دینی نام کو اتنا مشہور کیا کہ تمام پچھلی کتابوں صحیفوں میں بھی اور آیات پڑھی جانے والی اس کتاب قرآنِ مجید میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا، اور تمہارے ہی دین کا نام اسلام رکھا گیا۔ تم پر یہ سب انعامات و انتخابات اس لیے ہے کہ۔ لِیَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ یہ رسولِ ابدی محبوبِ ازلی تم پر مشاہدہ کرنے والے ہوں۔ تمہارے اچھے اعمال، سچی عبادات رکوع و سجود افعالِ خیر۔ صیام و زکوٰۃ جذبۂ جہاد۔ صبر و شکر، ثابت قدمی اتباع و اطاعت کا مشاہدہ فرما کر کل قیامت میں تمہاری حقانیت و صداقت کی گواہی دیں، دنیا میں تم اُن کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے رہو اور کل بروزِ قیامت وہ رسول بارگاہِ رب العزت میں اپنی تبلیغ اور تمہاری قبولیتِ تبلیغ ایمانیہ کاملہ عملیات صالحہ کی شہادت دیں یہ خصوصیت ہے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کہ خود اپنے ہی حق میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی گواہی معتبر قبول ہوگی۔ کچھ لوگوں نے لکھا کہ یہ مقبولیت عصمت کی وجہ سے ہے مگر یہ قول دو وجہ سے غلط ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ اگر عصمت کی وجہ سے غیر کی گواہی ضروری نہ ہوتی تو آپ کی عصمت تو حیاتِ دنیوی میں بھی موجود ہے یہاں کیوں آپ کے لیے گواہی غیر ضروری نہ ہوئی جیسا کہ ایک مرتبہ اونٹ کی خریداری پر آپ کو حضرتِ خزیمہ کی گواہی پیش آئی دوم اس لیے کہ معصوم تو تمام انبیاء علیہم السّلام ہیں اُن کو کفار کے انکار پر کیوں گواہی کی ضرورت قیامت میں پیش آئے گی ثابت ہوا کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ ذاتی خصوصیت صرف قیامت میں ہوگی اور اے خوش قسمت متقی مسلمانو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس متابداتی نوت اور تمہارے کامل ایمان صالح اعمال مقبول اقوال کی وجہ سے بروزِ قیامت تم بھی بارگاہِ الٰہیہ میں سچے گواہ بن کر پیش ہوگے کہ تمام کفار کے خلاف انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے حق میں تمہاری گواہی قبول ہوگی۔ تفسیر مظہری نے بحوالہ محدث ابن مبارک بسند ابی حبلہ اس گواہی محشر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ پہلے حضرت اسرافیل کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ اے اسرافیل کیا تو نے میرا عہد یعنی کلام و پیام پہنچایا تھا وہ عرض کریں گے ہاں یا رب میں نے جبرئیل کو پہنچا دیا تھا تب جبرئیل علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کیا تجھ کو اسرافیل نے میرا کلام و پیام پہنچایا تھا وہ عرض کریں گے ہاں یا اللہ تب حضرت اسرافیل کو چھوڑ دیا جائے گا اور جبرئیل علیہ السلام

سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرے عہد میں کیا کیا، وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ میں نے وہ پیغام ہر نبی کو پہنچا دیا تھا اور تمام فرشتوں کو سنا دیا تھا، تب انبیاء کرام علیہم السّلام کو بلایا جائے گا، یہ تمام کاروائی تمام کفار اور مومنین اور جن وملک دیکھ رہے ہوں گے ان کو ہی دکھانے کے لیے یہ سب کچھ بیان وشہادت ہوگا۔ انبیاء علیہم السّلام سے پوچھا جائے گا کیا تم کو جبرئیل نے میرا عہد کلام پہنچا دیا تھا، تمام انبیاء مرسلین عرض کریں گے ہاں یا اللہ تب جبرئیل علیہ السّلام کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اس وقت آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے پھر سب انبیاء علیہم السّلام سے پوچھا جائے گا کہ تم سب نے میرے عہد سے کیا سلوک کیا تھا سب عرض کریں گے یا اللہ ہم نے اپنی اپنی امت کو تیرے کلام کی پوری تبلیغ کر دی تھی تب قریب موجود امتوں کو خطاب کر کے پوچھا جائے گا جن میں اکثریت کفار کی ہوگی وہ کفار کہیں گے۔ انبیاء نے ہمیں کوئی تبلیغ نہیں کی ان امتوں میں بہت تھوڑے لوگ مومن ہوں گے جو انبیاء کی تصدیق کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات بطور گواہی آپ کے حق میں قبول کر لی جائیگی یہ آپ کی اس دن خصوصیت ہوگی، دیگر انبیاء علیہم السّلام کی تصدیق کے لیے ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے سب انبیاء علیہم السّلام عرض کریں گے کہ ہمارے گواہ مسلمان ہیں، تب مسلمانوں کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا کہ انبیاء کے بارے میں تم کیا گواہی دیتے ہو، سب مسلمان عرض کریں گے یا اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو پوری تبلیغ فرما دی تھی۔ اس پر وہ کفار اعتراض کریں گے کہ یہ مسلمان تو اس زمانے میں تھے ہی نہیں پھر یہ انبیاء کے حق میں اور ہمارے خلاف گواہی کیسے دیتے ہیں، پھر رب تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خطاب آئے گا کہ بتاؤ تم کیسے گواہی دیتے ہو۔ سب مسلمان قال حال کی زبان سے عرض کریں گے کہ یا اللہ ہم کو ہمارے آقا حضور اقدس تیرے نبی و محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تیری توحید بتائی، تیری کتاب سنائی، تیری شریعت سکھائی پوری تبلیغ فرمائی جنت دوزخ قبر حشر پر ایمان دلایا اسی زبان اقدس نے ہم کو بتایا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السّلام نے اپنی امتوں کو کما حقہٗ تبلیغ فرمائی تھی لیکن امتوں نے تکذیب کی و تکلیف دی اس گواہی مسلمہ صادقہ پر عدالت الٰہیہ کا فیصلہ سنا دیا جائے گا، اسی کو سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۳ پر بیان فرمایا گیا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا جب اے مسلمانو

تم پر تمہارے ربِّ علیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ تمہارا نام سب سے اعلیٰ تمہارا کلام سب سے بالا ، تمہارا اکرام سب سے اکثر تمہارا مقام سب سے بہتر تمہاری شریعت سب سے آسان لہٰذا تم بھی اُس کے اداءِ شکر بقاءِ فکر حفاظتِ ذکر میں۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ خوب اچھی طرح نمازیں قائم و مضبوط رکھو۔ اچھی اور حسنِ انداز وقارِ تمام عجز و نیاز کے ساتھ پڑھتے پڑھاتے بتاتے سکھاتے رہو یہ نماز حقوق اللہ بھی ہے غذاءِ روح بھی قُرتِ عین بھی فرحتِ قلب بھی ۔ اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہو۔ نصابِ مال کی سالانہ حقوق العباد میں اوقاتِ کار کی ماہانہ حقوق النفس میں اعمالِ خیر کی روزانہ راہِ الٰہی میں ہر جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے چار وجہ سے ، پہلی وجہ یہ کہ نماز عبادتِ ذاتی انفرادی ہے دنیا میں نمازی کو ہی اس کے ظاہری باطنی تقریباً پندرہ ۱۵ فائدے ملتے ہیں برکت ، رحمت ، سکونِ قلبی ، طہارتِ بدنی ، حسن ، صحت ، بحالتِ نماز ہر نمازی کو ہر گناہ سے روکتی ہے ۔ بارگاہِ رب میں پہنچاتی ہے ہر ایک سے توجہ ہٹاتی ہے ۔ بعد فراغت گناہوں سے شرم دلاتی ہے امین بناتی ہے ، خیانت سے بچاتی ہے ۔ آخرت میں جنت دلاتی ہے قبر میں بچاتی ہے نور پھیلاتی ہے ۔ اور زکوٰۃ اجتماعی عبادت ہے کہ بعض کو بعض سے فائدہ ہوتا ہے لینے والوں کو دنیا میں دینے والوں کو آخرت میں ، دوسری وجہ یہ کہ نماز حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد ہے تیسری وجہ یہ کہ نماز ہر قسم کی عبادت کا مجموعہ ہے ، خلوقی بھی ، حلوقی بھی ۔ مالی بھی ، وقتی بھی ، قلبی بھی ۔ لسانی سمعی بھی ، عقلی فکری بھی ، ادا بھی ترک بھی کیونکہ عبادت نام ہے ترکِ دنیا طلبِ آخرت کا زکوٰۃ مالی عبادت ہے گویا کہ نماز عبادتوں کا گلدستہ ہے اور زکوٰۃ عبادت کا ایک پھول ہے ۔ چوتھی وجہ یہ کہ نماز ہر ایمان والے پر فرض ، زکوٰۃ ہر مال والے پر فرض ، ایمان لانا دولتِ آخرت ہے مال کمانا دولتِ دنیا ہے ، نماز طہارتِ اجسام ہے زکوٰۃ طہارتِ اموال ہے اسی لیے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے لیکن چونکہ نماز مجموعہ ہے زکوٰۃ مفردہ ہے اس لیے نماز کا ذکر پہلے ہوتا ہے زکوٰۃ کا بعد میں ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور سخت مضبوطی کا بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ پر ہر حالت ہر کیفیت ہر عادت ہر عبادت ہر تدبیر ہر تقدیر ہر زمان ہر مکان میں ، بچپن جوانی بڑھاپے میں امیری غریبی بیماری تندرستی میں دنیا قبر حشر میں اپنی کسی چیز پر بھروسہ نہ کرنا نہ کرامت پر نہ قدامت پر نہ عبادت پر دلائلِ عقلیہ بھی اُس کے بھروسے پر قائم دلائلِ نقلیہ بھی انعام دنیوی الطافِ اُخروی

پر بھی اعتصام اسی کا ہونا چاہیئے، عنایات پر بھی اس کا بھروسہ چاہیئے۔ محذورات و ممنوعات سے بچنے کے لیے بھی اُسی سے عصمت کی طلب کرو، اور امر و واجبات پر عمل کرنے میں بھی اُسی کی عصمت مانگو کیونکہ ھُوَ مَوْلٰکُمْ۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا کارساز حاجت روا مشکل کشا فریا درس ہے اُس کے مقابل نہ کوئی شفیق نہ کوئی منعم نہ کوئی معطی نہ کوئی مولیٰ نہ متولّی نہ حافظ نہ ناصر نہ والی بعض لوگوں نے وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کا ترجمہ کیا ہے۔ اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو، یہ ترجمہ غلط اور بے جا ہے کیونکہ دامن کرتے یا قمیص کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کرتے اور قمیص سے پاک ہے نیز کرتہ قمیص بلکہ لباس، ظرف ہوتا ہے اور کرتے قمیص لباس والا مظروف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مظروف ہونے سے پاک ہے کیونکہ ظرف بڑا ہوتا ہے مظروف چھوٹا، فَنِعْمَ الْمَوْلٰى، وہ اللہ تعالیٰ تو بہت اچھا مولیٰ ہے۔ اے مسلمانوں اتنا اچھا کہ تم میں سے ہر بے یار و مددگار بے کس مظلوم مجبور کے لیے دنیا آخرت قبر حشر میں بہت سے مددگار پیدا فرما دئے ہر ملک ہر شہر ہر علاقے میں اور نا قیامت اعلان بھی فرما دیا چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت ۵۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی اے مسلمانو کسی آفت مصیبت میں گھبرانا مایوس نہ ہونا تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اسی کی کارسازی مشکل کشائی ہے کہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہر جگہ دنیا قبر حشر میں تمہارا مددگار بنا دیا اور محبوب کی تقسیم کے ڈپو ہولڈر جگہ جگہ کھول دئے اس طرح کہ شریعت میں علما کی مدد۔ طریقت میں اولیا کی مدد زندگی میں آستانوں کی مدد بعد وفات مزارات قبور کی مدد مقرر فرما دی ان وسیلوں سے مانگنا رب تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے اور سورۃ ممتحنہ کی آیت ۱۳ میں ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو اہل قبور اولیاء اللہ سے مایوس نہ ہو جانا کیونکہ قَدْ يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ قبر والوں سے تو صرف وہی مایوس ہوتے ہیں جو پکے کافر ہیں، ہر جگہ اور ہر نبی ولی میں قوتیں نصرتیں اُسی مولیٰ تعالیٰ کی ہیں۔ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ اور وہی ہے کمال، جمال، رحمت، برکت کی مدد دینے والا۔ اس کی مدد حاصل کرنے کے لیے کہیں دور دراز بھاگنے دوڑنے یا پہنچنے چلانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر جگہ ہر ورقے دفتر بست معرفت کردگار۔ عالم دہر کا پتہ پتہ اُس کے آستانوں کا اور آستانوں کی مدد کا پتہ بتا رہا ہے۔ صرف سننے کے لیے عقل و عشق کے کان چاہئیں۔ ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ (الخ) اس پوری آیت کے حکم میں دو قول ہے بعض نے لکھا کہ جس طرح سورۃ آل عمران

کی آیت ۱۰۲ اتقوا اللہ حق تقاتہ منسوخ ہے سورۃ تغابن کی آیت ۱۶ فاتقوا اللہ ما
استطعتم سے اسی طرح جاھدوا فی اللہ حق جہادہ کی پوری آیت بھی اس تغابن کی
آیت مذکورہ سے منسوخ ہے ۲ بعض نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے، یہی قول درست
ہے، اس پوری آیت کے نزول میں دو قول ۱ قول بعض نے کہا یہ آیت مکی ہے ۲ بعض نے
کہا یہ آیت مدنی ہے کیونکہ اس میں جہادِ کفار کا حکم دیا جارہا ہے جو بعد ہجرت ہی جاری ہوا ہے
اور بعد ہجرت کی سب سورتیں آیتیں مدنی کہلاتی ہیں۔ پہلے قول والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہاں
جہاد سے مراد جہادِ کفار نہیں بلکہ جہاد بالنفس ہے، دوسرا قول درست ہے جہاد کی قسم و نوعیت
میں چار قول ۱ اس سے جہاد بالکفار مراد ہے ۲ جہاد بالاشرار و فساق مراد ہے ۳ نفس و شیطان
سے جہاد مراد ہے ۴ ہر قسم کا جہاد مراد ہے۔ یہی قول درست ہے۔ فی اللہ کے معنیٰ میں دو قول
۱ بعض نے کہا فی اللہ کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے
خالص نیت سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرو یعنی دین اسلام کی حمایت اشاعت و سربلندی کے لیے
دامے قدمے، سخنے علمی قولی جہاد کرو۔ دونوں قول درست ہیں، حق جہادہ میں پانچ قول ۱ بعض
نے کہا کہ جہاد کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے ظاہری بھی مکمل تیاری اور باطنی بھی پوری تیاری، ہو ظاہری۔
لشکر، ہتھیار ساز و سامان والی، باطنی تیاری یعنی دل گردے کی ہمت جرأت جسمانی قوت
سپہ گری کا طریقہ، جنگ کرنے ہتھیار اٹھانے چلانے کا ہنر جنگی چالیں سیکھنے والی تیاری
بھی حقِ جہاد ہے ۲ بعض نے کہا کہ ظالم و جابر کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا حقِ جہاد ہے
۳ بعض نے کہا کہ کسی بھی دینی کام اور اشاعتِ دین میں کسی جبر ظلم یا لعن طعن ملامت گالی
گلوچ، زحمت مصیبت سے نہ ڈرنا نہ گھبرانا حقِ جہاد ہے ۴ بعض نے کہا کہ کفار و فساق
پر تلوار یا زبان قلم اور قلبی نفرت سے سختی کرنا حقِ جہاد ہے ۵ بعض نے کہا کہ ہر جہاد
و قتال کو فی سبیل اللہ بنا دینا ہی حقِ جہاد ہے تاکہ نیت خراب کر کے عمل برباد نہ کر
دیا جائے۔ حرج میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ حرج کا معنیٰ ہے تنگی و سختی یعنی اسلام کے
کسی حکم میں بھی نہ تنگی ہے نہ سختی نہ جبر ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ سابقہ امتوں کی طرح
مسلمانوں پر کسی عمل میں مشقت نہیں بلکہ زبانی توبہ کفارہ ہے، دیت اور بے شمار عملی رخصتوں
کے سبب اور ذریعے بہت سہولت ہے ۳ بعض نے کہا کہ حرج کی نفی کا معنیٰ ہے اسلامی
عبادت میں تین چیزوں کی بہت سہولت دیگئی ہے، اوقات، مقامات، تواریخ کی سب قول

درست ہیں کیونکہ اسلام میں ہر طرح نرمی ہے۔ ملت کے معنیٰ میں چار قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ یہاں مثلیت و مشابہت مراد ہے یعنی دینِ اسلام آسانی اور وسعت میں ملتِ ابراہیمی کی مثل ہے ۲ بعض نے کہا یہاں مطابقت مراد ہے یعنی ملت ابراہیمی ہی دین اسلام ہے پہلے جس کا نام ملتِ ابراہیم تھا اب اُس کا نام اسلام ہے۔ اصول بھی وہی فروع بھی وہی ۳ بعض نے کہا کہ ملت کا معنیٰ صرف فرعی احکام ہیں یعنی فرض واجب مستحبات کے عمل ۴ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے سنتِ ابراہیم اور مستحبات وعملیاتِ ضروریہ۔ اَبِیْکُمْ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اہل عرب کے جدِ اعلیٰ اباؤ اجداد کے اصل ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے تم سب کہ پسندیدہ شخصیت ۳ بعض نے کہا کہ اَبِیْکُمْ فرمانا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السّلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُمت کے لیے مثل باپ ہیں اس نسبت سے حضرت ابراہیم ساری امت کے ابو ہوئے۔ ھُوَ سَمّٰکُمُ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ ھُوَ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یعنی ابراہیم علیہ السّلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہے سیاق میں اس ھُوَ کا تعلق ھُوَ اجْتَبٰکُمْ اور وَمَا جَعَلَ کے مرجعوں سے ہے وہاں اللہ تعالیٰ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ مرجع ہے اور سیاق میں اس کا تعلق مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا سے ہے، مِنْ قَبْلُ یعنی توریت انجیل وصحیفوں میں بھی فرمانے والا اللہ تعالیٰ اور فِیْ ھٰذَا یعنی قرآنِ مجید میں بھی رب تعالیٰ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام سے یہ نام رکھنا کہیں ثابت نہیں اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۸ میں ابراہیم علیہ السّلام کی یہ دعا کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ۔ یہاں لَکَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ نام رکھنا نہیں بلکہ مسلم کا لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی تسلیم ورضا کا سر جھکانا ۲ بعض نے فرمایا کہ ھُوَ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی قول درست بلکہ حضرت اُبَیِّ ابنِ کعب کی قرءت ہی یہ ہے کہ اَللّٰهُ سَمّٰکُمْ شَهِیْدًا، میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بروزِ قیامت خود اپنی گواہی دینگے اور اس دن آپ کی خصوصیت ہوگی ۲ بعض نے کہا کہ یہاں شَهِیْدًا کا معنیٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تا قیامت تمام اُمت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے والے ہر جگہ حاضر وناظر اس قول کی تین دلیلیں پہلی یہ کہ سورۂ اسریٰ کی آیت میں ۱ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں زمینوں کی تمام آیتِ کبریٰ کے لیے سَمِیْعٌ وَبَصِیْرٌ فرمایا گیا

دوم یہ کہ بخاری مسلم اور مسند احمد کی ایک حدیث پاک ہے کہ مجھ کو عالم برزخ میں بھی ہر ہفتہ اپنی امت کے سب اعمال دکھائے جاتے ہیں اور میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، سوم یہ کہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے درود شریف اور سلام خود سنتا ہوں اور مجھے پہنچائے بھی جاتے ہیں دونوں قول درست ہیں کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں بھی شہید بمعنیٰ حاضر و ناظر ہیں اور آخرت میں بھی شہید یعنی خود اپنے گواہ ہیں عَلَيْكُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کُمْ ضمیر کا مرجع صرف صحابہ ہیں مگر یہ قول غلط ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا مرجع تمام مسلمان تا قیامت ہیں، یہی قول درست ہے هُوَ مَوْلٰكُمْ میں دو قول ۱ مَوْلٰی کا معنی ہے تمہاری جان مال آل اولاد کا ناصر مددگار ۲ بعض نے فرمایا کہ مولیٰ کا معنی ہے تمہارے تمام امور کا متولی والی وارث محافظ دونوں قول درست ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ اگرچہ قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے کہ پہلی امتوں اور ان کے انبیاء علیہم السلام نے اَسْلَمْتُ اَسْلَمْنَا لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کے الفاظ عرض کئے مگر وہ لغوی معنیٰ میں تھے یعنی قلب و زبان سے مان لینا سر تسلیم خم کرنا ان لفظوں سے ان کا نام مسلمان نہ ہو گیا نہ ان کے دین کا نام اسلام ہوا۔ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اور لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا صرف اُمَّۃِ مصطفیٰ کی شان ہے۔ نیز ان پہلوں نے خود اپنے آپ کو اَسْلَمْتُ، اَسْلَمْنَا اور اُمَّةً مُّسْلِمَةً مگر ہمارا رب تعالیٰ نے ان کو مسلم نہ کہا لیکن یہاں سَمّٰكُمْ خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ فائدہ یہاں چار فرمودہ دلائل سے حاصل ہوا۔ دلیل اول هُوَ اجْتَبٰكُمْ یعنی جن کا نام مسلمان رکھا گیا وہی مسلمان اِجْتِبَاءِ الٰہی میں لائے گئے۔ دلیل دوم، وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ یعنی آسانیاں صرف اِس امت کو ملیں جس کا نام مسلمان رکھا گیا۔ دلیل سوم وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ یعنی جس امت کا نام مسلمان رکھا گیا ہے صرف وہی بروز قیامت گواہ عَلَى النَّاسِ ہو گی اور وہ صرف اے اُمَّۃِ مصطفیٰ تم ہو۔ دلیل چہارم جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ یعنی اب جہاد کا حکم صرف ان کو ہے جن کا نام مسلمان ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے، سورۃ فتح کی آیت ۲۹ میں ہے۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ یہ ذکر بھی مسلمانوں کا ہی ہے

دوسرا فائدہ۔ مسلمان اُمت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اور طفیل میں رب تعالیٰ کی طرف سے چار ایسی نعمتیں ملیں جو کسی کو پہلے نہ ملیں ۱؎ قیامت میں تمام انبیا علیہم السلام کا گواہ تصدیق بننا ۲؎ دین میں بے شمار سہولتیں ملنا باب عذاب بند۔ باب رحمت کھلا رہنا ۳؎ جَاھِدُوا کا حکم اور اس دینی خدمت کے لیے اِجْتَبٰکُمْ الٰہی کا فراز واکرام تا قیامت ملنا ۴؎ دعا مانگنے کا حکم اور قبولیت کا وعدہ ملنا چنانچہ سورۃ غافر کی آیت ۶۰ میں ارشاد ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یہ فائدہ جَاھِدُوْا کو جمع حاضر فعل امر فرمانے سے حاصل ہوا۔ جَاھِدُوْا اگر جُھْدٌ سے مشتق ہے تو معنی ہے کہ وسعت اور طاقت سے جہاد کرو اور اگر جَھْدٌ سے ہے تو معنی ہے کہ مشقت محنت ومبالغے سے جہاد کرو۔ تیسرا فائدہ اسلام، ایمان اور مومن ومسلمان اور کافر وگمراہ کا فرق یہ ہے کہ زبانی وقلبی دین زبانی کو مان لینا اسلام ہے۔ اور عملی طریقے سے ماننا ایمان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر بات ماننے والا مسلمان اور سب باتوں پر عمل کرنا مومن ہونا ہے پھر مومن وہ ہے جس کی نیت بھی صحیح ہو طریقہ بھی صحیح ہو۔ کافر وہ ہے جس کی نیت صحیح ہو مگر طریقہ غلط ہو، گمراہ وہ ہے جس کی نیت غلط ہو طریقہ صحیح ہو۔ مثلاً دودھ کا مزہ لینے کے لیے زبان سے چکھنا یہ مومن کی مثال ہے کہ نیت بھی جائز طریقہ بھی درست لیکن دودھ چکھنے کے لیے دودھ کو آنکھ ناک یا کان سے لگائے رکھنا یا دودھ میں انگلی ڈبو دینا سارا دن کٹے رہو دودھ کا مزہ نہ آئے گا یہ کافر کی مثال ہے۔ اور حرام چیز کو زبان سے چکھنا یہ گمراہ کی مثال ہے کہ نیت غلط طریقہ درست۔ لہٰذا رضاءِ الٰہی کا ارادہ ہو تعلیم نبوی کا طریقہ ہو تو بندہ مومن ہے اور اگر رضاءِ الٰہی کی نیت وطلب ہو مگر تعلیم نبوی سے دوری ونفور تو بندہ کافر ہے، اور اگر گستاخی نبوت کے لیے دین کا علم پڑھے پڑھائے جلسے کرے مدرسے مسجدیں بنائے تبلیغیں کرے تو وہ آدمی گمراہ کیونکہ کام اچھا مگر نیت بد طریقہ برا۔ یہ فائدہ ھُوَ سَمّٰکُمُ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو تا عمر اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے کہ رب تعالیٰ جس بندے کو منتخب فرمالے اُس خوش قسمت کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں لہٰذا شرعی قوانین میں وہ شخص اپنے آپ کو زیادہ جکڑا ہوا بندھا ہوا سمجھے، دنیا میں کسی کا عالم فقیہ محدث مفسر مفتی قاضی خطیب امام، پیر، پیرزادہ سجادہ نشین بن جانا بلکہ

غوث وقطب و ولی بننا یہ سب اللہ تعالیٰ کے چناؤ کا انتخاب ہیں جو اسلامی ذمہ داریاں اور شرعی اعمال کرنے
کی قیود و پابندیوں میں اس منتخب کو جکڑ رہے ہیں اس لیے کوئی شخص اس اسلامی جاہ
و مرتبے کو دولت کمانے کا یا پیری مریدی سجادہ نشینی کو دنیوی عیاشی کا ذریعہ نہ سمجھے ورنہ قیامت
میں بڑی مار پڑے گی۔ یہ مسئلہ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اِجتبا کی وجہ سے ہی۔ ارْکَعُوْا
وَاسْجُدُوْا، وَاعْبُدُوْا۔ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ۔ وَجَاھِدُوْا۔ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ کی یہ آٹھ عظیم و زبردست ذمہ داریاں یا بندیاں مسلمانوں پر پڑ گئیں تو جو مسلمان
گمراہی سے دور ہوکر تا عمر نہایت احترام و اہتمام سے ان ذمہ داریوں کو پابندی سے نبھائے
پورا کرے تو دنیا و آخرت میں اس کو آٹھ ہی انعامات و اعزازات کرامات کے لیے چن
لیا جائے گا۔ اوّل وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ۔ دوم مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ۔ سوم۔ ھُوَ سَمّٰکُمْ۔ چہارم
مِنْ قَبْلُ۔ پنجم۔ وَفِیْ ھٰذَا۔ ششم۔ لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ۔ ہفتم۔
وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ۔ ہشتم۔ ھُوَ مَوْلٰکُمْ کے انعامات بھی اِجْتَبٰکُمْ، کی وجہ سے ہی ملے

دوسرا مسئلہ۔ تبلیغ احکام کے لیے قانونِ شریعت یہ ہے کہ قانون سنانے سے پہلے قانون
والے کا تعارف کرایا جائے اور اس کا مرتبہ مقام اس کی شفقت شوکت، قوت و اختیار بتایا
جائے، کیونکہ تعارف سے ہی محکوم کے دل میں حاکم کے حکم ماننے کا ذوق، شوق، یا خوف پیدا ہوتا ہے
ادب واحترام و اہتمام کا جذبہ بھی بندے کے دل میں تعارف سے ہی پیدا ہوتا ہے تعارف کی بدولت
ہی عامل کثرت سے حلقہ بگوش ہوتے جاتے ہیں اور عمل و خلوص زیادہ ہوتا ہے اگر حکم والے کا تعارف
نہ کرایا جائے تو کوئی بھی حکم ماننے پر نہ دل سے مائل ہوتا ہے نہ جسم سے تیار ہوتا ہے اور بیسیوں
سال کی تبلیغی محنت روزِ اوّل کی طرح بیکار رہتی ہے، یہی فرق ہے سنی تبلیغ اور وہابی دیوبندی
تبلیغ میں کہ اہل سنت کے علما حکم سنانے سے پہلے حکم والے اللہ تعالیٰ و رسول کا تعارف کراتے
ہیں اور حمد و نعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں قدرتیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کی دنیا اور قبر و حشر میں رحمتیں شفقتیں شفاعتیں سناتے ہیں مگر وہابی لوگ اس حمد و
نعت سے جلتے مرتے ہیں تو اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے تبلیغ کا یہ صحیح طریقہ ہمیں اس
آیت نے سکھایا یہ مسئلہ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ کو پہلے فرمانے کے بعد فَاَقِیْمُوْا (الخ) کے تمام احکام
بیان فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے ملت کو اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ کی طرف نسبت فرما
کر حکم ماننے کا ایک ذوق شوق اور ملت کا ادب واحترام لوگوں کے دل میں پیدا فرمایا، اسی لیے

علماء اہل سنت قرآنی بیان سے شریعت والے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کراتے ہیں پھران کا حکم سناتے ہیں۔ لیکن فضلاءِ وہابیت اپنی سفری حضری تبلیغوں میں احکام تو سناتے ہیں کلمہ تو پڑھانے ہیں مگر کلمے کلام والے آقاءِ سرکار کا تعارف نہیں کراتے۔ تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد تو کہتے ہیں مگر تاجدارِ ختم نبوت زندہ باد نہیں کہتے۔ تلاوت کے بعد صَدَقَ اللّٰہ تو پڑھتے ہیں مگر وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ الکریم نہیں کہتے اَللّٰھُمَّ صَلِّ تو کہتے ہیں مگر وَسَلِّمْ نہیں کہتے۔ اِس کا اُخروی انجام۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ تو قرآن مجید نے سنایا اور دنیوی انجام مشاہدات نے دکھایا کہ سُنّیوں کی ہر مسجد میں عزت اُن کی ہر دروازے پر ذلت کام ایک ہی ہے مگر طرزِ طریق میں فرق مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ فرما کر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو تبلیغ دین کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔ تیسرا مسئلہ قانونِ شریعت یہ ہے کہ جو حکم اوّلاً کسی کمزوری یا شک شبہ کی وجہ سے بنایا گیا ہو اُس کو اتنا مضبوط و مستقل بنا دیا جاتا ہے کہ اگر کسی میں وہ کمزوری یا شک شبہ یقیناً کبھی نہ پایا جائے پھر بھی وہ قانونی شرعی حکم برقرار رہے گا۔ مثلاً سونے والے کے وضو ٹوٹنے کا قانون اس لیے بنا تھا کہ نیند میں جسم ڈھیلا ہونے سے ریح نکلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر یہ قانون اتنا محکم و مضبوط بن گیا کہ جسد میں ہوا نکلے یا نہ نکلے یا کسی کی ہوا ناقضِ وضو ہو یا نہ ہو سوتے ہی جسم ڈھیلا ہوتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس طرح مدّعِی سے گواہی اور مُدّعیٰ علیہ سے قسم لینے کا قانون اس لیے بنایا گیا تھا کہ مدّعی یا مدّعیٰ علیہ کسی بھی دعویٰ مقدمے میں جھوٹ نہ بول سکیں اس شک و شبہ کی وجہ سے سچائی ظاہر کرنے کے لیے گواہی اور اگر گواہی نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ سے قسم کا حکم شرعی مقرر کیا گیا تھا۔ مگر یہ قانون اتنا مضبوط بنا دیا گیا کہ فقط مدّعی ہونے سے ہی اُس پر گواہی لازم اور مدّعیٰ عَلَیہ ہونے سے ہی مدّعی کی طرف سے گواہی نہ ہونے کی صورت میں مدّعیٰ علیہ پر قسم لازم اگرچہ مدّعی و مدّعیٰ علیہ میں کذب کا شک و شبہ قطعاً نہ ہو۔ یعنی مدّعی و مدّعیٰ علیہ اولیاءِ محفوظین میں سے ہوں یا انبیاءِ معصومین میں سے جہاں کذب مشکل ترین اور محال بالعصمت ہوتا ہے مگر ان مدّعی و مدّعیٰ علیہ سے بھی مقدمے کی گواہی طلب کی جائے گی دنیا میں بھی۔ جیسے کہ ایک بار اونٹ کی خریداری کے تنازعے میں گواہی کی ضرورت پڑی تو ایک صحابی حضرت خزیمہ رضی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گواہی دی، اور آخرت میں بھی جیسے کہ انبیاء علیہم السّلام کی تائید میں اُمتِ مسلمہ کی گواہی طلب کی جائے گی جو قبول ہوگی یہ مسئلہ

وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ نعم المولیٰ معتزلہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق خیر وایمان ہے خالق شر اور خالق کفر نہیں ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، خیر وشر کا بھی کفر و ایمان کا بھی، یہاں معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہی کافر میں کفر اور فاسق میں فسق شریر میں شر پیدا کیا ہے تو پھر کافر و فاسق کو عذاب وسزا کیوں۔ اس طرح تو یہ بڑا ظلم ہوا کہ خود ہی کافر و فاسق میں کفر و فسق پیدا کر دیا پھر خود ہی عذاب وسزا دیدی ایسا کرنے والا تو نعم المولیٰ نہیں بلکہ بئس المولیٰ ہے۔ **جواب**۔ اللہ تعالیٰ کفر و فسق کو بھی پیدا فرماتا ہے خیر وشر کو بھی زہر و تریاق کو بھی حلال و حرام کو بھی ہر چیز کا وہی ایک خالق ہے۔ مگر کافر و فاسق اسبات کے مجرم ہیں کہ انہوں نے کفر و فسق کو اپنے وجود میں داخل کر لیا رب تعالیٰ نے کفر کو پیدا فرمایا لیکن کافر میں کفر فاسق میں فسق آنا یہ رب تعالیٰ کا کام نہیں، یہ کافر و فاسق کا اپنا کام ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو بھی پیدا کیا زہر کو بھی اور ہر بندے کو قرآن و حدیث و علما و اولیا و حکما اطبا کے ذریعے بتا دیا گیا کہ یہ کفر ہے یہ فسق یہ حلال یہ حرام یہ زہر یہ تریاق اس کا یہ نقصان اس کا نقصان اب بندوں کا کام ہے کہ وہ کفر فسق کرنے زہر و خنزیر کھانے سے بچیں۔ رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر بندہ ان سب نقصان دہ چیزوں سے بچے اس لیے وہی نعم المولیٰ ہے اس نے بچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے اسی لیے نعم النصیر ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں تم پر کوئی سختی تنگی نہ ڈالی حالانکہ اسلامی قانون بڑے سخت اور سزائیں بڑی شدید ہیں کوئی معمولی چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں کوئی شادی شدہ زنا کرے یا کرائے تو پتھروں سے رجم کی ہلاکت، کوئی جان بوجھ کر فرضی روزہ ماہ رمضان میں توڑ دے تو کفارے میں مسلسل دو ماہ کے ساٹھ روزے رکھنے کی سزا وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ اسلام کی سختیاں اور حرج ہی ہیں پھر یہ فرمانا کہ دین میں حرج نہیں کیونکر درست ہے (بعض بے دین وگمراہ لوگ) **جواب** یہاں حرج سے مراد وہ سختیاں ہیں جو سابقہ امتوں کے ہر فرد پر ہر وقت لازم و واجب تھیں جن کو عملی عبادات میں شامل کیا گیا تھا۔ اسلام میں وہ سختیاں نہیں اور اسلام کی عبادتیں اور اعمال سخت نہیں بہت آسان ہیں مثلاً پہلی شریعتوں میں ایمان والوں

پر جنگ فرض تھی مگر مالِ غنیمت لینا برتنا حرام تھا، قربانی واجب مگر اس کا گوشت کھانا ممنوع تھا۔ کوئی شخص اپنا کپڑا پلید کر دیتا تو دھو کر پاک نہیں کر سکتا تھا اتنا پلید حصہ کاٹ کر پھینک دینا واجب تھا۔ عبادت کے لیے صرف مقررہ عبادت گاہ جانا لازم تھا ہر جگہ عبادت جائز نہ تھی قسم سے چھٹکارا بذریعہ کفارہ نہ ہو سکتا تھا یا قسم پوری کرو یا عذاب آسمانی یا اُخروی یا عذاب برزخی پاؤ۔ شرک سے زبانی سچی توبہ کافی نہ تھی بلکہ اپنے کو قتل کے لیے پیش کرو عذاب کفر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا مگر اسلام میں ایسی کوئی سختی نہیں۔ کفارے اور زبانی سچی توبہ کے جوازسے نرمیاں ہو گئیں۔ معترض نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ عبادات کی عملی کیفیت نہیں بلکہ جرم کی قانونی سزا ہے اس لیے ہر شخص پر نہیں صرف مجرم پر ہے۔ اور سخت سزا سے ہی جرم کی جڑ کٹ سکتی ہے اور شرفا کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس لیے دین اسلام میں حرج کی نفی بالکل برحق ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ کیوں فرمایا گیا صرف مِلَّتَ اِبْرَاهِيْم فرمایا جاتا اس لیے کہ کُمْ ضمیر میں تو تا قیامت ساری اُمّۃ مُسلمہ شامل ہے اور سب سے خطاب ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام ساری امت کے باپ نہیں ہیں۔ **جواب** دراصل یہاں نسبی قرابت کو ایمانی و روحانی قرابت سے جوڑا جا رہا ہے نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام امت کے ایمانی و روحانی باپ و مربی ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسبی جدِّ اعلیٰ باپ اس نسبتِ محمدی سے ابراہیم علیہ السلام ہم سب امت کے ایمانی روحانی باپ و جدِ اعلیٰ ہوئے یہ گویا کہ حکم سنانے سے پہلے حکم والے کی شفقت و محبت کا تعارف کرایا گیا۔ اس لیے اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ فرمانا ہی درست ہے، دو اور وجہ بھی بیان کی گئی ہیں مگر یہی وجہ سب سے زیادہ درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ اے اقرار و تصدیق کے ایمان والو اپنے اللہ تعالیٰ کی معبودیت میں قلب قبول و جسمِ وجود و رُوح سرور سے جہاد اجتہاد کرنے میں اس طرح لگ جاؤ کہ عقل و علم سانس و لسانِ اور حالِ عمل سے جہاد بالنفس کا حق ادا ہو جائے اور تمہاری

اَنانیتِ ذات وصفات میں کوئی غیر اللہ نہ رہے۔ یہی ہے جہاد فی اللہ عبادت للہ اور عبدیت
باللہ حَقَّ جِہَادِہٖ نفس وشیطٰن سے وجودِ بشریت کو بچانا ہے اَنانیت کو مٹانا ہے۔ جہاں
اَنا باقی وہاں حق اجتہاد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جہاد فی اللہ کُلِّیَۃً فناءِ صفات کا نام ہے
اس طرح کہ نہ بندے کی اَنا رہے نہ اَنا کا اَثر عابد للہ مثلِ تخم ہے اور عبادت مثلِ شگوفہ
سجدہ ریزی مجاہدے کی زمینِ عجز میں خود کو گم کرتا ہے، جب وجودِ عابد فنا ہوتا ہے تو
عبادت کے شگوفے کا ظہورِ بقا ہوتا ہے، اے عابدینِ معرفت وقابلینِ اجتہاد ہُوَ اجْتَبٰکُمْ۔ اس مولائے قدیم نے تم کو وجودِ حقانی کے لیے چن لیا پس تم بھی غیر اللہ کی
طرف توجہ نہ کرو، اپنی عینیت کو ظاہر کر کے حیاتِ دنیوی کی ساری اُلفتیں اُسی ذاتِ کریم
سے وابستہ کر دو، کیونکہ اُس ذاتِ اَقدس نے اپنے دینِ عرفانی میں تم پر کسی اُلفت میں
کُلفت اور کسی عبادت میں مشقت نہ بنائی نہ کوئی تنگی ڈالی۔ لہٰذا جب تک وجودِ عابد
باقی ہے اُس وقت تک ہر عبادت قائم و واجب، عبادت کے قیام سے ہی عابد اپنے
قلب وروح کی بقا پاتا ہے۔ جب تک نفسِ امارہ باقی ہے بندہ اپنی عقل وغرور میں
مشغول رہتا ہے، اور بندۂ نفس نورِ توحید سے مستفیض ہو سکتا ہے نہ مقامِ تفرید پر مقیم ومتمکن
ہو سکے نہ ہی عبادت میں روحِ تام پیدا ہو سکے نہ ذوقِ عام اور پھر جسم انسانی سے نہ کلفت
غفلت، ضیقِ مشقت حرج مرض ختم ہو سکے، لیکن جب خوش قسمتی سے استقامتِ نور میں
تمکن آجائے اور محبتِ تامہ میں تصفی اور اُلفتِ عامہ میں تجلی نمودار ہو جائے تو بندۂ قوتِ
روح کی گنجائش پالیتا ہے پھر بہارِ مدینہ منورہ کی خوشبو آتی ہے اور فرمایا جاتا ہے مِلَّۃَ
اَبِیْکُمْ اِبْرٰہِیْمَ۔ اے عارفینِ الٰہی تمہارا مربی حقیقی اور مورثِ اصلی، توحیدِ اکبر
کا موحدِ اول واعظم ہے، مولیٰ تعالیٰ نے اُس مرشدِ کامل کی ملتِ ہدایت کو تمہارے لیے
خاص کر دیا، اور تم کو اسی کے لیے خالص کر لیا۔ یہ مربی ابوّت ہر اہلِ توحید کو فیضِ وحدت
پہنچانے والے ہے اس لیے ہر موحد اُس موحدِ اعظم ومرشدِ اوّل کے لیے مثل اولاد
ہے۔ اے راہ روانِ منزلِ عشق اُسی رب تعالیٰ مولیٰ تعالیٰ نے تمہارا نام بندگانِ تسلیم
ورضا میں شامل فرما کر مسلمان رکھدیا ہے۔ تم ہی اُس مقامِ نیاز پر ہو جنھوں نے سپرد کر دیا
اپنی ذات کو فنا فی اللہ کے لیے اللہ کی طرف اور تم کو علمِ اسلام سے نوازا مِنْ قَبْلُ۔ علومِ
اولین سے بھی بذریعہ قرآن مجید اور علومِ آخرین سے بھی بذریعہ حدیثِ مقدسات وَفِیْ ھٰذَا

سے مراد علومِ احادیث ہیں یعنی تم کو قرآن مجید نے علماء بنا دیا اور احادیث نے فقہا بنا دیا تاکہ سارے جہان میں وہ رحمتِ عالمینؐ شاہدِ کاملین تمہاری توحید کے محافظ ایمان کے معاونِ اعمال کے ہادی مقامِ بقا کو ابدیت بخشنے والے شہید اور امین حاضر و ناظر گواہ ہو جائیں، اور ان کی فیضانِ نظر سے تم بھی پوری انسانیت حق و باطل کے گواہان صادقین بن جاؤ ان کو ان کے مقاماتِ علیا کی تکمیل ہونے کی اطلاع دے کر اور ان کے مراتب عظمت کی نشاندہی کر کے، اور جو خوش بخت درس گاہ رسالت میں آنا چاہیں ان کو توحید و رسالت کے انوار کا فیض پہنچا کر۔ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ تو اے توحیدِ انسانیت کے گواہ بننے والے مسلمانو بارگاہِ رسالت تک حضوریِ شہود و رسائیِ قبول حاصل کرنے کے لیے شہودِ ذات کی نماز قائم کر لو کیونکہ تم اپنے مقام کی انتہائیت اور مقاصد کی عزت کے کنارے پر ہو اے باہمت مسافرینِ راہِ معرفت پر فیضِ روحانی کی زکوٰۃ اور تزکیۂ قلب و روح کی خیرات ادا کرو۔ طالبینِ بصارت و سائلینِ بصیرت کی تربیت کے صدقات بانٹو کیونکہ، بے شک یہی تمہارے لیے تمہارے حال و انعام کا شکریہ و مقام کی عبادت ہے اور قربِ ربانی و احکامِ الٰہی کی بارگاہ کو اس طرح ارشاد میں چلنے کے لیے مضبوطی سے منتخب قیام بنا لو اس طرح کہ اپنے نفسوں سے نہ دیکھو بلکہ روح و قلب سے دیکھو اور اپنے آپ کو اخلاق اللہ سے مزین کر لو حقیقۃً مقامِ استقامت میں وہی تمہارا مولیٰ ہے اور امدادِ دائمی و نصرتِ ابدی کے ساتھ رشد و ہدایت کی راہ میں وہی تمہارا ناصر ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ تم ہی خوش نصیب ہو کہ اچھا پا لیا تم نے وہ مولیٰ جو نیست و ہست اور موت و حیات فنا و بقا میں وہی محافظ ہے اور اچھا مان لیا تم نے اپنا نصیر کیونکہ ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت میں وہی سب توفیقیں بخشنے والا ہے (ابن عربی) آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فتح مند لشکر سے واپسی پر یہ فرمانا کہ قَدِمْتُمْ خَیْرَ مَقْدَمٍ مِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی جِہَادِ الْاَکْبَرِ۔ اس حدیثِ مقدس سے ثابت ہوتا ہے کہ مریدِ طالب کے لیے مجاہدۂ نفس کی کامیابی شیخِ کامل و اکمل کی صحبتِ سعادت سے ہے کیونکہ جب وہ حضراتِ صحابہ کفار کی جنگ سے واپس خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تب انہوں نے صحبتِ پاک کی برکت سے اکتسابِ فیض کیا اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انوار کی

شعاعوں سے صفائیِ قلب و فنائیِ نفس حاصل کی اور تبوک کے مجاہدین سے فرمانا وَجَعَلْتُ
یعنی جمع متکلم میں خود کو شامل فرما لینا اِس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگرچہ تم میرے ساتھ میری صحبتِ
بابرکت میں ہی اتنا عرصہ رہے ہو مگر اُس وقت ہم سب عملاً جہادِ اصغر یعنی قتالِ کفار و
مقابلۂ اَعْدَاءِ ظاہری کی حالت میں مشغول تھے اور ہماری ہمتوں کی توجہ مدافعۂ کفار میں تھی
لیکن جب اُس جہادِ اصغر سے فارغ ہوئے تو ہر قدم پر اصغر سے اکبر کی طرف رجوع ہو
گیا اور مسافرتِ راہِ مدینہ منورہ سے اِقَامَۃِ شہرِ مدینہ طیبہ تک صحبتِ اقدس کے ہر لمحے
میں اقتباسِ انوارِ نبی و اکتسابِ مسالمِ آثارِ رسالت و تحصیلِ علومِ ظاہری باطنی میں بارگاہِ نبوت
سے لینے میں ان سب صحابہ کی ہمتیں مشغول ہوگئیں تب مجاہدۂ نفس و تذکیۂ قلب شروع
ہوگیا اور توجۂ نبوی و تحملِ صحابہ کا تعلق پھر شروع ہوگیا۔ یہی کیفیت مرید و شیخ کی ہوتی ہے
اصل محبت توجہ کا نام ہے (مظہری) جہادِ اکبر بدنِ باطنی میں ہوتا ہے اِس جہاد میں لشکرِ
اعداء نفسِ امّارہ ہے اس کا سالار ابلیس ہے جہاد بالنفس یہ ہے کہ ادائے حقوق اللہ کی
تلوار سے تذکیۂ نفس کیا جائے اور لشکرِ ایمانی قلبِ مومن اور اراداتِ قلب ہیں اس کا جہاد
تعویات کا خاتمہ اور کونین سے قطعِ تعلق مومن کی روح قلعۂ عرفان و خزانۂ ایمان ہے روح
کا جہاد یہ ہے کہ خالق میں وجودِ مخلوق کو فنا کر کے زیورِ بقا سے مزین کرنا، ان ہی کرامات
کے لیے هُوَ اجْتَبٰكُمْ چن لیا تم کو اُس کریم نے تمام بحر و بر میں سے، اگر یہ اجتباءِ روحانی نہ
ہوتا تو کبھی بھی روحِ معلیٰ کو سیرِ معرفت کی ہدایت نہ ملتی۔ اس رب تعالیٰ نے اس الفت و عشق
میں تم پر کوئی رکاوٹ نہ ڈالی حدیثِ قدسی میں ہے جو بندہ میری طرف ایک بالشت چلتا
ہے میں اُس کی طرف ایک ذرع دگنی چلتا ہوں بندے کا چلنا محبتِ الٰہی ہے ہر گز میں تین
بالشت ہوتی ہیں یہاں پہلی بالشت میں توفیقِ سابقہ دوسری میں سعادتِ وسطیٰ تیسری میں
قبولیتِ کلیہ ہے اے بندۂ عارف سیر الی اللہ ملتِ ابراہیم اور سنتِ خلیل ہے۔
اسی کا ذکر سورۂ صافات کی آیت ۹۹ میں ہے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ اس رب
کریم نے تمہارا نام عالمِ ازل میں ہر فنا سے سلامتی والا رکھا اور فرقانِ ابدی میں بھی تمہارا نام
سلامتیِ قرب والا مقرر فرمایا تاکہ رسولِ مقدم و نبیِ مؤخر تمہارا مشاہدہ فرمائیں، اپنے محبوب
کی نظرِ حضوری کے لیے تم کو چن لیا اُن کی گواہی کو تقدم اس لیے عطا فرمایا کہ اَوَّلُ
مَا خَلَقَ اللّٰهُ الرُّوْحَ سے مراد روحِ مصطفیٰ ہی ہے پھر عالمِ ارواح کو پیدا کیا پھر ارواح

انبیاء علیہم السلام کو پھر ارواحِ اُمتِ مصطفیٰ کو روحِ مصطفیٰ طرفِ ازل میں مقدم ہے اور وہی اُمۃِ مسلمہ کو شرفِ سلامتی بخشنے والی ہے اور ارواحِ امتِ مسلمہ دیگر ارواحِ طالبین کو شرف دینے والی ہیں اس آیت میں گواہیِ مصطفیٰ کو مقدم فرما کر اولیتِ ازلی مراد لیگئی ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی گواہی کو بعد میں ذکر فرمانے سے **طرفِ ابدیت** کا اظہار ہے یعنی ابتداءِ مخلوق آپ کی رسالت سے ہے اور انتہاءِ مخلوق آپ کی شہادت سے ہے۔ اے مسلمانو سیر الی اللہ کے عروج کی نماز قائم رکھو اور دعوت الی اللہ کی زکوٰۃ دیتے رہو۔ آستانۂ ربانی یعنی درِ محبوب کو مضبوطی سے پکڑے رہو یہاں تک کہ منزلِ قرب میں واصل باللہ ہو جاؤ۔ وہ رحیم تمہاری فنائیت کو قبول فرما کر نعم المولیٰ ہے اور تمہاری بقا کو قائم فرمانے والا نعم النصیر ہے جو بندہ آستانہ رحمت سے دور ہوا اس کا ہی وجود گناہ ہے۔ اے بندو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے تم سب تعلق و تعصم قائم رکھو کیونکہ وہی مولیٰ ہے۔ رب تعالیٰ کے بندوں پر تین کرم ہیں پہلے عمل کی توفیق اور آسانی پھر عمل کے سعادت ورو حانی پھر عمل کی قبولیت و مہربانی، ملتِ ابراہیم خزانۂ توحید ہے، صوفیا کے نزدیک ملت ابراہیم آٹھ چیزوں کا مجموعہ ہے ۱ سخاوت للہ ۲ خرچ فی سبیل اللہ ۳ حسنِ اخلاق ۴ مکارم عادات ۵ نفسِ امارہ کے جال سے نکلنا ۶ اپنے اہل کی اُلفت ۷ مال کی محبت ۸ اولاد کی شفقت سے عشق الٰہی کے لیے قلب کو خالی اور بچائے رکھنا۔ قلبِ مومن مثلِ کشتی ہے اور یہ اُلفت محبت شفقت آب دریا ہے اور

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است ❊ آب اندر زیرِ کشتی پُشتی است

یہی اہل طریقت کی ملتِ ابراہیمی ہے، سیرِ الی اللہ راہ جہاد ہے اور اس کی چار سٹرکیں ہیں ۱ جہادِ اعداء ۲ جہادِ نفس ۳ جہادِ شر ۴ جہادِ فساد، قولی شرارت کا نام شر ہے۔ عملی شرارت کا نام فساد ہے، سیرِ الی اللہ کا راہبر و مُربّی ابراہیم خلیل ہے۔ تمت بالخیر۔

بحمدہ تعالیٰ آج مورخہ ۲۲ جمادی الاوّل ۱۴۱۹ھ بروز پیر صبح گیارہ بجے ۱۴ ستمبر ۱۹۹۸ء کو یہ تفسیر پارہ سترہ مکمل تصنیف ہوا۔ ہم نے اس میں بائیس تفاسیر سے استفادہ کیا ۱ تفسیر کبیر رازی ۲ تفسیر روح المعانی ۳ روح البیان ۴ مظہری، قرطبی ۶ ظلال القرآن ۷ تفسیر فتح القدیر ۸ جلالین ۹ بیضاوی ۱۰ خازن ۱۱ ابن کثیر ۱۲ معالم ۱۳ نیشاپوری ۱۴ بیان القرآن ۱۵ مدارک ۱۶ ابن عربی ۱۷ تیسیر البیان ۱۸ لغات القرآن ۱۹ جامع البیان ۲۰ خزائن العرفان ۲۱ نور العرفان، کتبِ نحو، کتب فقہ و اصول فقہ و کتب لغت منجد وغیرہ۔ تفسیر صاوی۔

فہرست مضامین

تَمَت بِالخَیر